تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ
لیکون للعلمین نذیرا (الفرقان: ۱)

تبیان الفرقان

علامہ غلام رسول سعیدی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور - کراچی - پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ
عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا (الفرقان)

وہ بابرکت ذات ہے، جس نے اپنے محبوب بندہ پر تدریجاً الفرقان (قرآن کریم) نازل فرمایا تاکہ وہ تمام جہان والوں کے لیے (عذاب سے) ڈرانے والے ہو جائیں ○

تبیان الفرقان

علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ العالی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور کراچی پاکستان

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

تَبٰرَكَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰی عَبۡدِهٖ لِیَکُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرًا ۙ (الفرقان:۱)

وہ بابرکت ذات ہے جس نے اپنے محبوب بندہ پر تدریجاً الفرقان (قرآن کریم) نازل فرمایا
تاکہ وہ تمام جہان والوں کے لیے (عذاب سے) ڈرانے والے ہو جائیں ۝

تبیان الفرقان

جلد اول

بصائر التفسیر ☆ الفاتحہ ☆ البقرہ ☆ آل عمران ☆ النساء: (۱۴۷)

علامہ غلام رسول سعیدی حفظہ اللہ تعالیٰ
شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی ۳۸

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور کراچی پاکستان

نام کتاب	تبیان الفرقان (جلد اول)
مفسر	علامہ غلام رسول سعیدی دامت برکاتہم العالیہ شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ، کراچی
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
سال اشاعت	باراول مئی 2015ء
تعداد	دو ہزار
کمپیوٹر کوڈ	QT59

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور کراچی پاکستان

داتا گنج بخش روڈ، لاہور۔فون:۔ 042-37221953
9۔الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور۔فون:۔042-37225085
14۔انفال سنٹر اردو بازار، کراچی۔فون:۔021-32210212

E.mail: info@zia-ul-quran.com www.zia-ul-quran.com
https://www.facebook.com/ziaulquranpublications

الاهداء

الی سیدنا محمد خاتم النبیین رحمۃ للعالمین قائد المرسلین اکرم الاولین والآخرین شفیعنا یوم الدین صلوات اللہ وتسلیماتہ علیہ وعلیٰ آلہ وعلیٰ اصحابہ وعلیٰ ازواجہ وعلیٰ امتہ اجمعین

رب یسر ولا تعسر وتمم بالخیر

یا فتاح یا علیم یا عزیز یا کریم یا خبیر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مشمولات

(سورۃ الفاتحہ تا سورۃ النساء)

عنوان	صفحہ
﴿البقرہ ۲﴾	189

عرض ناشر

قرآن وحدیث کی خدمت ضیاء القرآن پبلی کیشنز کا پہلا اور بنیادی مقصد ہے۔ رب کریم کا بے پایاں فضل اور احسان ہے کہ اس نے ہم سے قرآن وحدیث کی بڑی خدمت لی ہے۔ قرآن حکیم کی مشہور تفاسیر، تفسیر ضیاء القرآن، تفسیر الحسنات، تفسیر اشرفی، تفسیر مظہر القرآن شائع کرنے اور تفسیر قرطبی، تفسیر مظہری، تفسیر ابن کثیر، تفسیر درمنثور وغیرہ کا ترجمہ چھاپنے کی توفیق ارزانی فرمائی اور حدیث میں صحاح ستہ کا ترجمہ چھاپنے کی سعادت بخشی ہے۔ ہم اپنے کریم رب کے اس لطف وکرم پر اس کے شکر گزار ہیں۔

سرمایہ اہلسنّت، مفسر کتاب الٰہی، شارح حدیث نبوی شیخ الحدیث حضرت علامہ غلام رسول سعیدی دامت برکاتہم (تمغہ امتیاز) نے بڑی مہربانی فرمائی میری درخواست پر نعم الباری شرح صحیح بخاری سے فارغ ہو کر نئی تفسیر تبیان الفرقان پر کام شروع فرمایا۔ اس تفسیر کی خوبی یہ ہے کہ جامع اور مختصر مضامین پر مشتمل ہے۔ اس میں نئے تفسیری مضامین شامل ہیں۔ اس میں آج کے بعض آزاد خیال مفسرین کی آراء کا رد بھی ہے۔ اس میں فقہ حنفی کی حقانیت پر قوی دلائل قائم کیے گئے ہیں حنفی نقطہ نظر کو مدلل انداز سے اجاگر کیا گیا ہے۔ قرآن کریم کا ترجمہ پہلے کی نسبت زیادہ آسان اور سہل ہے جس میں پہلے تمام مترجمین کے ترجموں کو پیش نظر رکھا گیا ہے اور ان سے استفادہ کیا گیا ہے تفسیر میں جس قدر ممکن تھا احادیث وآثار پیش کیے گئے ہیں۔ مباحث کا اعادہ نہیں البتہ اس میں فقہ حنفی کی تفصیل اور تحقیق ہے۔ پیش آمدہ نئے اور تازہ مسائل میں غور وفکر اور اجتہاد کے نتیجہ میں کچھ آزاد خیال علما افراط وتفریط کا شکار ہو جاتے ہیں علامہ صاحب نے اپنی اس تفسیر میں بڑی جامعیت اور اختصار کے ساتھ نہ صرف ان کا محاسبہ کیا ہے بلکہ ان کا بڑے بلیغ انداز سے رد بھی کیا ہے۔

علامہ غلام رسول سعیدی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بڑے علم وفضل سے نوازا ہے۔ قرآن مجید کے مفسر اور حدیث پاک کے شارح ہونے کا ایک ساتھ اعزاز حاصل ہے۔ قرآن مجید کی دو تفسیریں اور صحیحین کی شرحیں ان پر اللہ تعالیٰ کا خاص انعام ہے۔ ملک کے واحد مفسر ہیں جنہیں اپنے رب کی توفیق سے اپنی زندگی میں ہی دو تفسیریں لکھنے کی سعادت ارزانی ہوئی ہے۔

اپنی نئی تفسیر تبیان الفرقان میں انہوں نے اپنی زندگی کا علم، تجربہ اور مطالعہ سب سمو دیا ہے اور اس جامعیت اور اختصار کے ساتھ قرآن کریم کی تفسیر اور ترجمہ کیا ہے کہ ہر سطح کا قاری اس سے یکساں طور پر مستفید ہو سکتا ہے۔ مدارس کے طلبہ واساتذہ اور علما کے لیے ہی اس میں علمی وتفسیری مواد نہیں بلکہ کالجز اور یونیورسٹیوں کے شعبہ عربی واسلامیات کے سٹوڈنٹس اور پروفیسرز بھی بہ آسانی استفادہ کر سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ قلت وقت کے شاکی عام قارئین بھی اس کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ اب یہ ہر کسی کی رسائی میں ہے۔ علامہ صاحب نے اس میں نہایت وقیع علمی مواد فراہم کیا ہے۔

حضرت علامہ سعیدی صاحب اپنے اس علم وفضل کے باوجود نہایت متواضع ،منکسر المزاج انسان ہیں۔متین اور سنجیدہ شخصیت کے مالک ہیں ایثار اور اخلاص کے پیکر ہیں۔بے لوثی اور للّٰہیت کے جذبے سے سرشار ہیں۔علم پرور اور علم دوست ہیں۔آپ سے ہمارے اخلاص کا رشتہ آپ کی محبتوں اور شفقتوں کی رہین منت ہے۔ہمارے لیے یہ بڑے اعزاز اور فخر کی بات ہے کہ آپ ایسی علم وفضل کی مالک ہستی ہماری سرپرستی کر رہی ہے۔بلاشبہ آپ کی ذات والا صفات امت مسلمہ کے لیے بالعموم اور مسلک حق اہل سنت کے لیے بالخصوص سرمایہ اور اثاثہ ہے۔ہم آپ کی صحت و عافیت اور درازی عمر کے لیے دعا گو ہیں۔اللہ تعالیٰ آپ کے وجود کو ملت اور مسلک کے لیے اور بابرکت بنائے۔اور آپ کے تمام علمی کام کو اپنی بارگاہ میں مشکور فرمائے۔انہیں اور زور قلم نصیب فرمائے اور آپ سے اپنے دین کی بیش بہا خدمت لے۔

ادارہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز اللہ کی توفیق سے انتہائی جانفشانی سے اسے زیور طباعت سے آراستہ کر کے آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہے۔اسے لفظی اور فنی اغلاط سے پاک رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے تاہم اگر کہیں کوئی خامی نظر آئے تو آگاہ فرمائیں۔ادارہ اصلاح کی کوشش کرے گا۔اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

طالب دعا
محمد حفیظ البرکات شاہ
ضیاء القرآن پبلی کیشنز

مفسر، محدث، فقیہ اور دینی کتب کے مصنف

☆

علامہ غلام رسول سعیدی کے احوال و آثار

علامہ غلام رسول سعیدی دامت برکاتہم العالیہ کا شمار اُن جیّد علماء میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنے علم و فضل، تصانیف و تالیفات اور تدریس و خطابات کے ذریعے توحید و الوہیت جلّ جلالہٗ کے پرچار، عشقِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے فروغ اور امتِ محمدیہ کی اصلاح کے لیے ان گنت مساعی جمیلہ انجام دیں۔ آپ بلاشبہ اپنے عہد کے مفسرِ اعظم، محدّثِ کبیر، فقیہ العصر، فقید المثال مدرس اور مثالی خطیب ہیں۔ آپ جامع کمالات ہیں، خزینۂ علوم و معارف ہیں اور آج آپ کے علمی فیوض و معارف سے استفادہ کرنے والے بلامبالغہ دنیا کے ہر خطے اور ہر برِّاعظم میں موجود ہیں۔ کسی حلقۂ ارادت یا حلقۂ اربابِ عقیدت کی تشہیری مہم کے بغیر اللہ عزوجل نے آپ کو اطراف و اکنافِ عالم میں بے پناہ پذیرائی، قبولِ عام اور شہرتِ دوام عطا فرمائی۔ ہمیں کامل یقین ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آپ کی علمی قامت کا مَنارۂ نور بلند سے بلند تر ہوتا چلا جائے گا اور دنیا آپ کی علمی عظمت کو سلام کرے گی۔

علامہ سعیدی صاحب کی زندگی میں ان کی شخصیت اور ان کی تصانیف پر ایم فل اور پی ایچ ڈی کرنے والے حضرات

اس وقت ملک کی کئی یونیورسٹیوں میں طلبہ و طالبات نے آپ کی شخصیت پر ایم فل اور پی ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے۔ عزیزہ شگفتہ جبین نے علامہ سعیدی صاحب پر ایم فل کیا ہے جس کا عنوان ہے ''نعمۃ الباری کا منہج و اسلوب'' جس پر ان کو ڈگری مل گئی ہے۔ ڈاکٹر محمد اشفاق، پی ایچ۔ڈی علومِ اسلامیہ (نمل، اسلام آباد) نے آپ کی شخصیت پر پی ایچ۔ڈی کی ہے، ان کے مقالہ کا عنوان ہے: ''تفسیر تبیان القرآن میں عائلی مباحث کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ'' (فیکلٹی آف ہائر سٹڈیز نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد، سیشن اگست ۲۰۱۱ء)۔ اور ڈاکٹر محمد عاطف اسلم راؤ نے بھی آپ کی شخصیت پر پی ایچ۔ڈی کی ہے، ان کے مقالہ کا عنوان ہے: ''علامہ غلام رسول سعیدی کی شرح صحیح مسلم کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ'' (جامعہ کراچی) اور پروفیسر عون محمد سعیدی نے بھی علامہ صاحب کی تبیان القرآن پر ایم فل کیا ہے۔

قائد اہلسنت علامہ شاہ احمد نورانی کی تصدیق و تائید

قائدِ اہلسنت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نور اللہ مرقدہٗ (متوفی ۱۱ دسمبر ۲۰۰۳ء) فرماتے ہیں:

میں ملک سے باہر بہت سے مقامات پر جاتا رہا ہوں، میں وقتاً فوقتاً تبلیغِ دین کے لئے بیرونی ممالک کے دورے پر جاتا رہتا ہوں۔ اس بار میں اپنے بعض احباب اور دوستوں کے ساتھ کینیڈا بھی گیا تھا، جب میں کینیڈا کے شہر ''وین کاور'' گیا، تو مجھے اپنے میزبان کے ہاں شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ غلام رسول سعیدی کی شرح صحیح مسلم دیکھ کر ایک انتہائی خوشگوار حیرت ہوئی اور روحانی مسرت نصیب ہوئی کہ حضرت علامہ کا فیض دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچ چکا ہے، واضح رہے کہ وین کاور کینیڈا کے جنوبِ اقصیٰ (Extreme South) میں پیسیفک اوشن کے کنارے واقع ہے، یہ اگست ۱۹۹۶ء کا واقعہ ہے۔

حال ہی میں، میں ستمبر (۱۹۹۶ء) میں اوسلو، ناروے گیا، اس ملک میں کوئی مسجد نہیں تھی۔ ورلڈ اسلامک مشن (ناروے) نے

چار پانچ سال کی جدوجہد کے بعد اپنی زمین خرید کر میناروں اور گنبد والی پہلی مسجد بنائی، اسی سال ستمبر میں اس مسجد کا افتتاح تھا، مسجد کے ساتھ ایک عظیم الشان لائبریری بھی تھی، مجھے یہ دیکھ کر انتہائی خوشی ہوئی کہ دنیا کے اس دوسرے کنارے پر بھی لائبریری میں دیگر بے شمار وقیع کتب کے علاوہ پروفیسر شاہ فرید الحق صاحب کا انگریزی زبان میں ترجمۂ کنز الایمان اور حضرت علامہ غلام رسول سعیدی صاحب کی شرح صحیح مسلم بھی موجود تھی، یہ امر میرے لئے روحانی مسرت کا باعث بنا، واضح رہے کہ ناروے روئے زمین کے شمالِ اقصیٰ (Extreme North) میں واقع ہے۔

(صدارتی خطبہ، ۱۹ شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ، ۲۰ دسمبر ۱۹۹۷ء، پیراڈائز ہوٹل، کراچی، تقریب تعارف وسپاس "تبیان القرآن")

(ماخوذ از حیاتِ سعید ملت، مؤلفہ مولانا محمد ناصر خان چشتی)

معروف اسلامی اسکالر علامہ حافظ عبد المجید، برسٹل (Bristal) یوکے کے تاثرات

Test Tube Baby پر بھی حضرت علامہ غلام رسول سعیدی صاحب نے بہت مبسوط بحث کی ہے، میں نے جب اس کا مطالعہ کیا تو بہت محظوظ ہوا، چند دنوں کے بعد میں ایک بین المذاہب مکالمہ (Inter Faith Dialogue) میں شریک ہوا۔ اس مجلس میں تقریباً ایک درجن انگریز مسیحی اسکالرز بھی شریک تھے۔ مَیں نے اس موقع پر اسلام کی حقانیت پر چند نکات پیش کئے اور کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ماضی اور مستقبل کی خبریں دینا تو الگ رہا، مَیں آپ کو ان کے ایک امتی صاحب علم کی کرامت بیان کرتا ہوں:

علامہ شمس الدین سرخسی (متوفی ۴۸۳ھ) نے لکھا ہے:

جس شوہر کا آلہ تناسل کٹا ہوا ہو اور وہ جماع پر قادر نہ ہو، اس کا نطفہ اگر جماع کے بغیر کسی اور ذریعے سے بیوی کے رحم میں پہنچ جائے اور بچہ پیدا ہو جائے، تو اس بچے کا نسب اس شوہر سے ثابت ہو جائے گا، تاہم چونکہ وہ شخص جماع نہیں کر سکتا اس لیے فقہاء نے اس عورت کو علیحدگی کے مطالبے کی اجازت دی ہے۔

(المبسوط ج ۷ ص ۵۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۳۹۸ھ، شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۹۳۴، فرید بک اسٹال، لاہور)

میں نے کہا: جدید میڈیکل سائنس کو آج معلوم ہوا ہے کہ جماع کے بغیر بچہ پیدا ہو سکتا ہے اور ہمارے فقہاء نے ایک ہزار سال پہلے یہ مسئلہ بتا دیا تھا۔ جب انہوں نے یہ تقریر کی تو وہاں موجود دو انگریزوں نے اس سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا، میں نے ایک کا نام محمد سلیم اور دوسرے کا نام محمد عابد رکھا، اب اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ دونوں نماز اور دین کی ضروری تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

علامہ سرخسی کی جس عبارت کا حوالہ سن کر دو انگریز اسکالرز مسلمان ہو گئے، وہ تقریباً ایک ہزار سال سے المبسوط میں چھپ رہی ہے، لیکن اس عبارت کو منظرِ عام پر لانے، اس کو ٹیسٹ ٹیوب بے بی پر منطبق کرنے اور اسلامی فقہ کی ہمہ گیری اور آفاقیت کو اجاگر کرنے کا سہرا علامہ غلام رسول سعیدی صاحب کی شرح صحیح مسلم کے سر ہے۔

(عبد المجید شرقپوری برسٹل برطانیہ)

(26 Britannia Ra, Easton Bristal B 856DA England Cell Phone:00447779517319)

(شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۶۵۔۶۶، مطبع: مرکز اہل سنت برکاتِ رضا، امام احمد رضا روڈ، پور بندر، گجرات، (الہند) ۱۴۲۳ھ، شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۶۵۔۶۶، فرید بک اسٹال لاہور، پاکستان، الطبع التاسع عشر (انیسواں ایڈیشن): رجب، ۱۴۳۴ھ/ جون ۲۰۱۳ء)

علامہ سعیدی کی ولادت اور اُن کا نام و نسب

علامہ غلام رسول سعیدی دس (۱۰) رمضان المبارک ۱۳۵۶ھ/ 14 نومبر 1937ء بروز جمعۃ المبارک دہلی (متحدہ ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔ علامہ سعیدی کے برادرِ بزرگ ''سید محمد وزیر دہلوی'' نے اپنے والدِ ماجد ''سید محمد منیر دہلوی'' کی روایت انہیں سنائی: سلطانِ ہند شاہجہاں نے عرب سے چند نابغۂ روزگار افراد کو ہندوستان بلایا تھا، اُن میں سے ایک ماہرِ حرب تھے، دوسرے طبّاخ تھے، تیسرا کوئی اور شخص بتایا اور چوتھے سید اور عالمِ دین تھے، ہم اسی سید اور عالمِ دین کی اولاد سے ہیں۔

علامہ سعیدی کا نام پہلے والدِ محترم کے نام پر ''احمد منیر'' رکھا گیا تھا، بعد ازاں آپ کا نام ''شمس الزماں نجمی'' رکھا گیا، پھر جب آپ کی عمر اکیس (۲۱) سال ہوئی اور آپ عبادت و ریاضت کی طرف راغب ہوئے تو آپ کو اس نام سے تعلّی کے اِدّعاء کا تاثر محسوس ہوا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے والہانہ محبت کے جذبے سے سرشار ہو کر از خود اپنا نام تبدیل کر کے ''غلام رسول'' رکھ لیا۔ ۱۹۵۸ء میں آپ غزالیٔ زماں علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی قدس سرہٗ العزیز کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے اور اسی نسبت سے اپنے آپ کو سعیدی کہلاتے ہیں اور اس کے بعد سے آپ غلام رسول سعیدی کے نام سے معروف اور مشہور ہیں۔

آپ کی والدہ ماجدہ کا نام شفیق فاطمہ تھا، وہ عابدہ و زاہدہ خاتون تھیں، شب بیدار اور تہجد گزار تھیں، وہ کثرت سے نوافل اور وظائف پڑھتی تھیں۔ وہ نہایت صابرہ و شاکرہ خاتون تھیں، نعمت خواہ کہیں سے ملی ہو، وہ اُس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتی تھیں، انہوں نے اَن گنت لڑکوں اور لڑکیوں کو قرآن مجید پڑھایا اور خود بھی کثرت سے قرآن پاک کی تلاوت کرتی تھیں۔ ایک دن میں قرآنِ مجید کے سترہ سترہ پارے تلاوت کر لیا کرتی تھیں۔ جب بڑھاپے میں ان کی نظر اور سماعت بہت کمزور ہو گئی، وہ نہ قرآن مجید پڑھ سکتی تھیں اور نہ ہی سن سکتی تھیں۔ قرآن پاک پڑھنے اور اسے سننے کی لذت سے محرومی پر وہ اکثر افسردہ اور غمگین رہتی تھیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ رات کو پچھلے پہر اُٹھتیں اور حسبِ توفیق قیام اللیل اور تہجد کے نوافل پڑھتی تھیں۔ ہر وقت تسبیحات و اذکار و درود کا وردان کی زبان پر جاری رہتا۔ ان کا انتقال ۷ اگست ۲۰۰۳ء کو جمعہ کی شب تقریباً ساڑھے گیارہ بجے ہوا۔ اس وقت ان کی عمر ۸۶ برس تھی اور علامہ غلام رسول سعیدی کی عمر ۶۶ برس تھی۔ گویا ۶۶ برس تک آپ ان کی دعاؤں کے زیرِ سایا رہے۔

ابتدائی حالاتِ زندگی

۶ سال کی عمر میں آپ نے والدہ ماجدہ سے ناظرہ قرآن مجید مکمل کیا۔ ۱۰ سال کی عمر میں آپ نے ''پنجابی اسلامیہ ہائی اسکول'' قطب روڈ، دہلی سے پرائمری کا امتحان پاس کیا۔ اسی دوران برصغیر کی تقسیم عمل میں آگئی، چنانچہ آپ اپنے والدین کے ہمراہ بحری جہاز کے ذریعے بھارت سے ہجرت کر کے کراچی (پاکستان) آگئے، کراچی میں آپ نے نویں جماعت تک تعلیم حاصل کی۔ معاشی مسائل کی وجہ سے آپ مزید تعلیم جاری نہ رکھ سکے۔

دہلی میں آپ کے والد رحمہ اللہ کا اپنا پریس تھا جس کا نام ''مرچنٹ پریس (Merchant Press)'' تھا۔ یہ پریس اس وجہ سے بہت مشہور تھا کہ ٹرام کے ٹکٹ اس میں چھپتے تھے اور ٹکٹ پر مرچنٹ پریس لکھا ہوا ہوتا تھا۔ دہلی میں آپ نے بہت عیش و عشرت کی زندگی گزاری، ایک خادم آپ کو اسکول لانے اور لے جانے پر مامور تھا، غالباً ۱۹۴۹ء میں آپ کے والد کی وفات

ہوگئی۔ آپ کی والدہ نے معاشی حالات کی مجبوری سے دوسرا نکاح ''محمد عثمان'' صاحب سے کرلیا، اس وقت آپ کی عمر ۱۲ سال تھی۔ آپ کے سوتیلے والد ''محمد عثمان'' سے دو بچے پیدا ہوئے، ایک بیٹا جس کا نام محمد خلیل رکھا گیا، آج کل وہ ڈیلس امریکا میں ملازمت کررہے ہیں، ۱۹۵۰ء میں محمد خلیل کی عمر ایک سال تھی اور اس وقت حضرت علامہ غلام رسول سعیدی صاحب کی عمر ۱۳ سال تھی۔ محمد خلیل اُن سے ۱۲ سال چھوٹے ہیں، انہوں نے N.E.D یونیورسٹی کراچی سے میکینکل انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کی، بعدازاں وہ ریاض (سعودی عرب) میں ملازمت کے لئے چلے گئے اور تقریباً پندرہ سال ریاض میں مقیم رہے، پھر ریاض سے واپس آکر چند سال کراچی میں رہے اور فش فوڈ (Fish Food) کی تجارت کرتے رہے۔ وہ پاکستان سے چائنا کیکڑے برآمد (EXport) کرتے تھے، اس کے بعد وہ امریکا چلے گئے اور تاحال ڈیلس میں ملازمت کررہے ہیں۔ محترم محمد عثمان صاحب سے ایک بیٹی بھی پیدا ہوئی جس کا نام ''صبیحہ'' ہے، صبیحہ نے بھی گریجویشن تک تعلیم حاصل کی ہے۔ یہ دونوں علامہ غلام رسول سعیدی صاحب کے اُخیافی (ماں شریک) بہن بھائی ہیں۔ محمد خلیل کا ایک بیٹا ہے اور ایک بیٹی ہے، اور بہن صبیحہ کے دو بیٹے ہیں۔ غالباً ۱۹۷۲ء میں علامہ غلام رسول سعیدی صاحب کے سوتیلے والد ''محمد عثمان'' کی بھی وفات ہوگئی، وہ صحیح العقیدہ سنّی تھے، اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت فرمائیں۔

علامہ غلام رسول سعیدی صاحب کے سوتیلے والد ''محمد عثمان'' نے گزر اوقات میں سہولت کی خاطر آپ سے تعلیم چھڑوا کر آپ کو آئسکریم (Ice Cream) بیچنے پر مامور کردیا، آپ کراچی کی گلیوں اور بازاروں میں آئسکریم بیچتے پھرتے تھے، لیکن آپ کی نوعمری اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے یہ سلسلہ زیادہ دیر جاری نہ رہ سکا۔ بعدازاں ۱۹۵۰ء میں آپ کے سوتیلے والد نے آپ کی والدہ کے مشورہ سے آپ کو پرنٹنگ پریس میں کمپوزنگ (Composing) کا کام سیکھنے پر مامور کردیا، آپ نے میونسپل کارپوریشن کے قریب ''سلیم پرنٹنگ پریس'' میں کمپوزنگ کا کام سیکھا۔ بعدازاں ۱۹۵۷ء تک آپ مختلف پریسوں میں کمپوزنگ کا کام کرتے رہے، اس زمانہ میں مختلف پریسوں میں آپ کی تنخواہ دس روپے ماہانہ سے شروع ہوئی اور کئی سال گزرنے کے بعد بتدریج پچھتر ۷۵ روپے ماہانہ تک پہنچ گئی۔ سب سے آخر میں آپ نے ''ماسٹر پرنٹنگ پریس'' نانک واڑہ کراچی میں کام کیا، اس کے عقب میں مفتی محمد شفیع دیوبندی کا پرانا دارالعلوم تھا۔

یہ وہ دور تھا جب علامہ غلام رسول سعیدی کو نہ دینی معلومات تھیں، نہ نماز پڑھنے کا صحیح طریقہ معلوم تھا اور نہ ہی باقاعدگی سے نماز پڑھتے تھے، البتہ کبھی کبھی پانچ وقت کی نمازیں پڑھ لیتے تھے اور کبھی جمعہ پڑھ لیتے تھے اور عیدالفطر اور بقرعید کی نمازیں باقاعدگی سے پڑھتے تھے، اور روزے ہر سال پابندی سے رکھتے تھے۔

علم دین کی طرف رغبت، عبادت پر مواظبت اور مسلکِ اہلسنت و جماعت سے وابستگی

۱۹۵۸ء میں جب علامہ غلام رسول سعیدی صاحب کی عمر ۲۱ سال تھی، اس وقت وہ میکلوڈ روڈ کراچی کے ایک پریس میں کام کرتے تھے، اور وہاں کنٹرکٹ (Contract) پر کمپوزنگ کرتے تھے، جتنا کام کرتے تھے اتنے پیسے ملتے تھے۔ ایک دن اس پریس کے کارکنان نے کہا کہ جمعہ کے دن دو گھنٹہ پریس بند رکھا جائے تاکہ وہ جمعہ کی نماز سہولت سے پڑھ سکیں، علامہ غلام رسول سعیدی صاحب نے پہلے جمعہ کو تو یہ وقفہ برنس گارڈن میں بیٹھ کر گزارا، دوسرے جمعہ خیال آیا کہ کیوں نہ اس وقفہ میں جمعہ کی نماز ہی پڑھ لی جائے، سو برنس گارڈن کے عقب میں جامع مسجد گلزار مدینہ میں جمعہ پڑھنے کے لیے گئے، وہاں کے خطیب صاحب نے

بتایا کہ جو ایک وقت کی نماز دانستہ ترک کرے تو اسے اسّی سال دوزخ میں عذاب ہوگا۔ یہ سُن کر اُن کا رواں رواں کانپ اٹھا اور اس کا ایسا اثر ہوا کہ اس کے بعد کوئی نماز ترک نہیں کی اور جو پچھلی نمازیں رہ گئی تھیں، ہر نماز کے ساتھ ایک پچھلی نماز قضاء پڑھتے تھے اور کئی سالوں تک اس طرح قضاء نمازیں پڑھتے رہے۔

انہی ایام میں جامع مسجد آرام باغ میں مولانا محمد عمر اچھروی رحمہ اللہ کی اقتداء میں جمعہ کی نماز پڑھا کرتے تھے اور اُن دنوں مولانا محمد عمر اچھروی رحمہ اللہ ہر رات کراچی میں کسی نہ کسی جگہ وعظ کرتے تھے، سو علامہ غلام رسول سعیدی صاحب اُن کے وعظ کی ہر مجلس میں شریک ہونے کے لیے جاتے تھے، تلاوتِ قرآن کا شوق ہوا تو بازار سے انہیں شیخ اشرف علی تھانوی کا ترجمہ میسر ہوا جس میں جگہ جگہ یہ لکھا ہوا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم غیب نہیں ہے، ادھر مولانا محمد عمر اچھروی رحمہ اللہ اپنی تقریروں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علمِ غیب دلائل سے بیان کرتے تھے، تو ذہن میں یہ خلجان ہوا کہ مولانا محمد عمر اچھروی بڑے اچھے عالم ہیں مگر قرآن مجید کے خلاف کیوں وعظ کرتے ہیں، پھر کسی نے بتایا کہ اشرف علی تھانوی کا ترجمہ صحیح نہیں ہے۔

ایک دن وعظ کے بعد انہوں نے مولانا محمد عمر اچھروی سے پوچھا کہ ہمیں کس کا ترجمہ قرآن پڑھنا چاہیے؟ انہوں نے بتایا: اعلیٰ حضرت کا، اور پورا نام نہیں بتایا، اب علامہ غلام رسول سعیدی صاحب کراچی کے مشہور کتب خانوں مثلاً تاج کمپنی اور فیروز سنز وغیرہ میں پوچھتے پھرتے تھے کہ اعلیٰ حضرت کا ترجمہ قرآن ہے؟، بعد میں انہیں ۱۹۵۸ء میں معلوم ہوا کہ اعلیٰ حضرت کا ترجمۂ قرآن عام کتب خانوں میں دستیاب نہیں ہے، صرف مکتبہ رضویہ، فیروز شاہ اسٹریٹ، گاڑی کھاتہ، آرام باغ سے ملتا ہے۔ لہٰذا علامہ غلام رسول سعیدی صاحب کو اعلیٰ حضرت کے ترجمۂ قرآن تک رسائی حاصل نہیں ہوئی، تاہم یہ پریشانی دامن گیر رہتی تھی کہ کس طرح قرآن مجید کا صحیح فہم اور ادراک حاصل ہو اور اُن کو قرآن مجید سمجھنے کے لیے ان تراجم کی احتیاج نہ رہے۔

اُن کو یہ معلوم نہیں تھا کہ ایسے دینی مدارس بھی ہوتے ہیں جن میں بلا معاوضہ تعلیم دی جاتی ہے، اسی زمانہ میں صدر کے علاقہ میں مسجد قصاباں کی دیوار پر جامعہ محمدیہ رضویہ رحیم یار خان کے تقسیم اسناد کے سالانہ جلسے کا اشتہار پڑھا، جس کے نیچے یہ لکھا ہوا تھا کہ جو علمِ دین کے حصول کا شائق ہو، وہ اس مدرسہ میں داخل ہو جائے، اس کی تعلیم، طعام وقیام، پوشاک وغیرہ کا مدرسہ کفیل ہوگا۔

علامہ غلام رسول سعیدی صاحب کو یہ پڑھ کر بہت حیرانی ہوئی کیونکہ وہ تو فیس ادا کر کے حصولِ علم کے معمول سے واقف تھے، انہیں حیرت ہوئی کہ کیا بلا معاوضہ بھی تعلیم دی جاتی ہے! اور رہائش اور طعام کی کفالت بھی کی جاتی ہے! انہوں نے اُسی دن اس مدرسہ کے مہتمم کے نام ایک خط لکھا کہ میں آپ کے مدرسہ میں حصولِ علم کے لیے داخل ہونا چاہتا ہوں۔ مولانا محمد نواز اُویسی رحمہ اللہ اس مدرسہ کے مہتمم تھے، انہوں نے جواب لکھا کہ آپ پڑھنے کے لیے ہمارے مدرسہ میں داخل ہو جائیں، خط ملتے ہی علامہ غلام رسول سعیدی صاحب رحیم یار خان روانہ ہو گئے، وہاں حضرت مولانا محمد نواز اویسی رحمہ اللہ بڑی شفقت سے پیش آئے۔

حصولِ تعلیم کا آغاز

۱۹۵۸ء میں مولانا محمد نواز اویسی رحمہ اللہ نے علامہ صاحب کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور شیخ مصلح الدین بن عبد اللہ سعدی شیرازی متوفیٰ ۱۲۹۱ء کی ''کریما'' کے تین شعر پڑھائے اور پھر بعد میں سورۂ بقرہ کا ترجمہ پڑھایا۔ بعد ازاں ۱۹۵۹ء میں مولانا محمد نواز اویسی نے علامہ صاحب کو ''حضرت مولانا حافظ عبد المجید اویسی'' کے سپرد کر دیا، جن سے علامہ صاحب نے کریما سے لے کر گلستان

و بوستان تک فارسی اور صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد حضرت حافظ عبدالمجید اویسی صاحب رحیم یار خان کے اُس مدرسے کو چھوڑ کر ملتان کے مضافات میں سکندر آباد کے ایک مدرسے میں منتقل ہو گئے اور علامہ صاحب وہاں اُن سے پڑھتے رہے۔ پھر چھ ماہ بعد حضرت حافظ عبدالمجید اویسی اس مدرسے کو چھوڑ کر پکّا لاڑان منتقل ہو گئے، چند مہینے وہاں پڑھاتے رہے۔ پھر چند دنوں میں واپس آنے کا وعدہ کر کے اپنے گھر اللہ آباد، لیاقت پور چلے گئے، لیکن وہ دس پندرہ دن تک نہیں آئے۔ علامہ صاحب بے چین تھے کہ پڑھائی کا نقصان ہو رہا ہے، ایک شخص نے اُن کو بتایا کہ وہ تو خان پور کے مدرسہ "سراج العلوم" میں پڑھا رہے ہیں۔ علامہ صاحب نے پھر اپنی تعلیم جاری رکھنے کے لئے خانپور جانے کا ارادہ کیا، مگر اُن کے پاس کرائے کے پیسے نہیں تھے۔ علامہ صاحب نے پکّا لاڑان سے خان پور تک پیدل جانے کا ارادہ کیا، تو اس علم دوست شخص نے مشورہ دیا کہ آپ پکّا لاڑان سے فیروزہ اسٹیشن، جو وہاں سے آٹھ میل کی مسافت پر تھا، پیدل جائیں اور فیروزہ سے خانپور تک ٹرین کا کرایہ اس شخص نے علامہ صاحب کو دے دیا۔ اس طرح مشقت برداشت کر کے آپ خانپور پہنچے اور حافظ عبدالمجید صاحب اویسی سے تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپ ڈیڑھ سال مزید حافظ عبدالمجید اویسی صاحب کے پاس زیرِ تعلیم رہے اور اس دوران علمِ صَرف کی متعدد کتابوں کے علاوہ "ہدایۃ النحو" بھی پڑھی۔ اسی دوران مولانا اللہ بخش اویسی مرحوم متوفّٰی ۱۴۳۶ھ، مدرس معارف القرآن کراچی تعلیم کے سلسلہ میں خانپور آئے اور بتایا کہ لاہور کے جامعہ نعیمیہ میں بہت اعلیٰ تعلیم دی جاتی ہے۔ آپ کو جس قدر علم دین کے حصول کا شوق ہے، اس کا تقاضا ہے کہ آپ وہاں چلے جائیں۔ اُن دنوں علامہ صاحب خان پور کی ایک مسجد میں نماز پڑھانے کے لیے جاتے تھے اور دس روپے مہینہ وظیفہ مقرر تھا، چھبّہ موچی اس مسجد کا منتظم تھا، وہ لوگوں سے چندہ جمع کر کے دس روپے مشاہرہ میں سے کچھ اپنے پاس رکھ کر باقی علامہ صاحب کو دیتا تھا۔

جامعہ نعیمیہ لاہور میں روانگی

چنانچہ ۱۹۶۰ء میں علامہ صاحب نے جامعہ نعیمیہ لاہور جانے کا ارادہ کیا، مگر کرایہ دستیاب نہیں تھا۔ اسی دن اتفاق سے خان پور کے مدرسہ میں ایک شخص آیا اور اس نے علامہ صاحب کو چند سیر غلّہ دیا اور اگلے روز ایک بکرا دینے کا وعدہ بھی کیا۔ علامہ صاحب نے چھبّہ موچی کے ذریعے وہ بکرا اٹھارہ روپے میں بیچا اور دو روپے اسے کمیشن کے طور پر دیے۔ پھر علامہ صاحب اپنے استاذ حافظ عبدالمجید اویسی صاحب سے اجازت لے کر لاہور روانہ ہو گئے، ان کے استاذِ مکرم نے اس موقع پر کمالِ شفقت سے انہیں مصارفِ سفر کے لئے دس روپے بھی عنایت کئے۔ پس آپ اُسی دن شاہین ایکسپریس کے ذریعے لاہور روانہ ہو گئے۔ مفتی محمد حسین نعیمی رحمہ اللہ متوفّٰی ۱۹۹۸ء نے انتہائی مہربانی سے اُن کو داخلہ دیا اور منطق کی کتاب مرقات انہیں پڑھانی شروع کر دی۔

جامعہ نعیمیہ لاہور میں علامہ صاحب نے حضرت مفتی محمد حسین نعیمی رحمہ اللہ تعالیٰ سے مرقات، شرح جامی، جلالین اور فلسفہ کی کتاب ہدایت الحکمت پڑھی۔ جامعہ نعیمیہ میں آپ نے دورانِ تعلیم اس وقت کے بزرگ عالم حضرت علامہ عزیز احمد بدایونی رحمہ اللہ سے تلخیص المفتاح کے چند اوراق پڑھنے کی سعادت حاصل کی، مولانا عزیز احمد بدایونی کامل متقی، عابد اور زاہد تھے۔ اسی دوران مولانا محمد شریف ہزاروی رحمہ اللہ تعالیٰ نے علامہ صاحب کو مشورہ دیا کہ آپ کو ماشاء اللہ حصولِ علم کا بہت شوق ہے، لہٰذا آپ پوری گہرائی اور گیرائی کے ساتھ علم حاصل کرنے کے لئے استاذ العلماء علامہ عطا محمد بندیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس بندیال چلے

وبوستان تک فارسی اور صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔اس کے بعد حضرت حافظ عبدالمجید اویسی صاحب رحیم یار خان کے اُس مدرسے کو چھوڑ کر ملتان کے مضافات میں سکندر آباد کے ایک مدرسے میں منتقل ہو گئے اور علامہ صاحب وہاں اُن سے پڑھتے رہے۔ پھر چھ ماہ بعد حضرت حافظ عبدالمجید اویسی اس مدرسے کو چھوڑ کر پکّا لاڑان منتقل ہو گئے، چند مہینے وہاں پڑھاتے رہے۔ پھر چند دنوں میں واپس آنے کا وعدہ کر کے اپنے گھر اللہ آباد، لیاقت پور چلے گئے، لیکن وہ دس پندرہ دن تک نہیں آئے۔ علامہ صاحب بے چین تھے کہ پڑھائی کا نقصان ہو رہا ہے، ایک شخص نے اُن کو بتایا کہ وہ تو خان پور کے مدرسہ ''سراج العلوم'' میں پڑھا رہے ہیں۔ علامہ صاحب نے پھر اپنی تعلیم جاری رکھنے کے لئے خانپور جانے کا ارادہ کیا، مگر اُن کے پاس کرائے کے پیسے نہیں تھے۔ علامہ صاحب نے پکّا لاڑان سے خان پور تک پیدل جانے کا ارادہ کیا، تو اس علم دوست شخص نے مشورہ دیا کہ آپ پکّا لاڑان سے فیروزہ اسٹیشن، جو وہاں سے آٹھ میل کی مسافت پر تھا، پیدل جائیں اور فیروزہ سے خانپور تک ٹرین کا کرایہ اس شخص نے علامہ صاحب کو دے دیا۔ اس طرح مشقت برداشت کر کے آپ خانپور پہنچے اور حافظ عبدالمجید صاحب اویسی سے تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپ ڈیڑھ سال مزید حافظ عبدالمجید اویسی صاحب کے پاس زیرِ تعلیم رہے اور اس دوران علمِ صَرف کی متعدد کتابوں کے علاوہ ''ہدایۃ النحو'' بھی پڑھی۔ اسی دوران مولانا اللہ بخش اویسی مرحوم متوفّٰی ۱۴۳۶ھ، مدرس معارف القرآن کراچی تعلیم کے سلسلہ میں خانپور آئے اور بتایا کہ لاہور کے جامعہ نعیمیہ میں بہت اعلیٰ تعلیم دی جاتی ہے۔ آپ کو جس قدر علم دین کے حصول کا شوق ہے، اس کا تقاضا ہے کہ آپ وہاں چلے جائیں۔ اُن دنوں علامہ صاحب خان پور کی ایک مسجد میں نماز پڑھانے کے لیے جاتے تھے اور دس روپے مہینہ وظیفہ مقرر تھا، چھبّہ موچی اس مسجد کا منتظم تھا، وہ لوگوں سے چندہ جمع کر کے دس روپے مشاہرہ میں سے کچھ اپنے پاس رکھ کر باقی علامہ صاحب کو دیتا تھا۔

جامعہ نعیمیہ لاہور میں روانگی

چنانچہ ۱۹۶۰ء میں علامہ صاحب نے جامعہ نعیمیہ لاہور جانے کا ارادہ کیا، مگر کرایہ دستیاب نہیں تھا۔ اسی دن اتفاق سے خان پور کے مدرسہ میں ایک شخص آیا اور اس نے علامہ صاحب کو چند سیر غلّہ دیا اور اگلے روز ایک بکرا دینے کا وعدہ بھی کیا۔ علامہ صاحب نے چھبّہ موچی کے ذریعے وہ بکرا اٹھارہ روپے میں بیچا اور دو روپے اسے کمیشن کے طور پر دیے۔ پھر علامہ صاحب اپنے استاذ حافظ عبدالمجید اویسی صاحب سے اجازت لے کر لاہور روانہ ہو گئے، ان کے استاذِ مکرم نے اس موقع پر کمالِ شفقت سے انہیں مصارفِ سفر کے لئے دس روپے بھی عنایت کئے۔ پس آپ اُسی دن شاہین ایکسپریس کے ذریعے لاہور روانہ ہو گئے۔ مفتی محمد حسین نعیمی رحمہ اللہ متوفّٰی ۱۹۹۸ء نے انتہائی مہربانی سے اُن کو داخلہ دیا اور منطق کی کتاب مرقات انہیں پڑھانی شروع کر دی۔

جامعہ نعیمیہ لاہور میں علامہ صاحب نے حضرت مفتی محمد حسین نعیمی رحمہ اللہ تعالیٰ سے مرقات، شرح جامی، جلالین اور فلسفہ کی کتاب ہدایت الحکمت پڑھی۔ جامعہ نعیمیہ میں آپ نے دورانِ تعلیم اس وقت کے بزرگ عالم حضرت علامہ عزیز احمد بدایونی رحمہ اللہ سے تلخیص المفتاح کے چند اوراق پڑھنے کی سعادت حاصل کی، مولانا عزیز احمد بدایونی کامل متقی، عابد اور زاہد تھے۔ اسی دوران مولانا محمد شریف ہزاروی رحمہ اللہ تعالیٰ نے علامہ صاحب کو مشورہ دیا کہ آپ کو ماشاء اللہ حصولِ علم کا بہت شوق ہے، لہٰذا آپ پوری گہرائی اور گیرائی کے ساتھ علم حاصل کرنے کے لئے استاذ العلماء علامہ عطا محمد بندیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس بندیال چلے

جائیں۔مولانا محمد شریف ہزاروی شوگر کے مرض میں مبتلا تھے،آخر عمر میں پہلے ان کے پیر کاٹ دیے گئے،بعدازاں گھٹنے سے نیچے پنڈلی کاٹ دی گئی اور اسی تکلیف میں مبتلاء ہوکر غالباً ۲۰۱۱ء میں وہ وفات پا گئے۔

آپ کے دل میں بندیال جانے کا شوق جاگزیں ہوگیا،مگر آپ اپنے استاذِ گرامی حضرت مفتی محمد حسین نعیمی رحمہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر نہیں جانا چاہتے تھے۔اس دوران ایک مشکل اور پیش آگئی،وہ یہ کہ حضرت مفتی صاحب جامع مسجد چوک دالگراں میں محکمۂ اوقاف کے خطیب تھے اور انہیں ایک تربیتی کورس کے لئے محکمہ کی طرف سے کوئٹہ جانا پڑا۔علامہ صاحب جامعہ نعیمیہ میں درجہ وسطیٰ تک طلبہ کو اسباق بھی پڑھا رہے تھے اور طلبہ ان سے مانوس بھی تھے۔جب آپ نے حضرت مفتی صاحب سے بندیال جانے کے لئے اجازت مانگی،تو انہوں نے فرمایا کہ میری عدم موجودگی میں آپ جامع مسجد دال گراں میں خطابت کی ذمہ داریاں بھی نبھائیں،طلبہ کے اسباق بھی جاری رکھیں اور آئندہ تعلیمی سال کے شروع میں آپ بندیال چلے جانا۔علامہ صاحب کو بندیال روانگی مؤخر ہونے کا قلق تو بہت ہوا،مگر اپنے استاذِ محترم کی خواہش کے احترام میں فوری طور پر جانا موقوف کردیا۔اگلے سال آپ بندیال تشریف لے گئے۔

دورانِ تعلیم مولانا امام دین سے علمی مباحثہ

جامعہ نعیمیہ میں تدریس کے دوران جب کہ علامہ صاحب طلبہ کو شرح تہذیب پڑھا رہے تھے،ایک دلچسپ واقعہ ہوا۔بندیال میں پڑھنے والے ایک امام دین نامی مولانا آئے اور شرح تہذیب کا سبق سننے کے لیے بیٹھ گئے،پھر اس دور کے رواج کے مطابق مولانا امام دین نے علامہ صاحب سے سوال کیا: بتایئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور ذاتی ہے یا عطائی؟ علامہ صاحب نے جواب دیا: آپ کا ہر کمال عطائی ہے۔مولانا امام دین نے کہا: علماء کرام تو کہتے ہیں کہ آپ کا نور ذاتی ہے۔علامہ صاحب نے جواباً کہا: جو علماء کہتے ہیں کہ آپ کا نور ذاتی ہے،اس میں ذاتی عطائی کے مقابلہ میں نہیں ہے۔مولانا امام دین نے کہا: اچھا بتاؤ ذات کے کیا معنی ہیں؟،علامہ صاحب نے جواب دیا: ذات کے متعدد معانی ہیں: (۱) جوہر (۲) قائم بنفسہ جو کہ عرض کے مقابل ہے (۳) اور نفسِ شئے کو بھی ذات سے تعبیر کرتے ہیں۔مولانا امام دین نے کہا: آپ کو ذات کا معنی ہی معلوم نہیں ہے،ذات کا معنی یہ ہے: جیسے فلاں کی ذات دھوبی ہے،فلاں کی موچی ہے،وغیرہ۔پھر مولانا امام دین نے سوال کیا کہ بتایئے: ''الی سید کم'' میں حکم کی علت کیا ہے؟ آپ سوچ میں پڑ گئے،کیونکہ اس جملہ میں تو کوئی حکم ہی نہیں ہے،پھر آپ نے مولانا امام دین سے پوچھا: کیا آپ کی مراد ''قوموا الی سید کم'' ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں تو علامہ صاحب نے جواب دیا: مفصل حدیث یہ ہے:

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لما نزلت بنو قریظۃ علی حکم سعد ھو ابن معاذ بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وکان قریبا منہ فجاء علی حمار فلما دنا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ''قوموا الی سید کم'' فجاء فجلس الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال لہ ان ھؤلاء نزلوا علی حکمک قال فانی احکم ان تقتل المقاتلۃ وان

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب بنو قریظہ حضرت سعد بن معاذ کے فیصلہ (کو مان کر قلعہ) سے اتر آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بلایا تھا اور وہ آپ کے قریب تھے تو وہ ایک گدھے پر سوار ہوکر آئے،پس جب وہ قریب پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (لوگوں سے) فرمایا: اپنے سردار کی طرف کھڑے ہوجاؤ! پس وہ آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بیٹھ گئے،

تسبی الذریۃ قال لقد حکمت فیھم بحکم الملک۔

تو آپ نے فرمایا: یہ لوگ تمہارے فیصلہ پر (قلعہ سے) اتر آئے ہیں، تو حضرت سعد نے کہا: میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ ان میں جو جنگ جو ہیں، ان کو قتل کر دیا جائے اور جو بچے ہیں ان کو قید کر لیا جائے، تو آپ نے فرمایا: تم نے ان کے متعلق فرشتہ کے فیصلہ کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۰۴۳، صحیح مسلم: ۱۷۶۸، الرقم المسلسل: ۴۴۸۷، سنن ابوداؤد: ۵۲۱۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۴۲۵، السنن الکبریٰ للنسائی: ۸۲۲۲، شعب الایمان: ۸۹۲۶، سنن سعید بن منصور: ۲۹۶۴، الادب المفرد: ۹۴۵، المعجم الکبیر: ۵۳۲۳، حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۱۷۱، سنن بیہقی ج ۶ ص ۵۸۔۵۷، شرح السنۃ: ۲۷۱۸، مسند احمد ج ۳ ص ۲۲ طبع قدیم، مسند احمد: ۱۱۱۶۸، ج ۱۷ ص ۲۵۹، موسسۃ الرسالہ، بیروت، حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ بنوقریظہ کے سات سو یہودیوں کی گردن اتار دی گئی تھی، ان کو یہ سزا اس لیے دی گئی تھی کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کئے ہوئے معاہدہ کی خلاف ورزی کر کے رسول اللہ ﷺ کے خلاف کفارِ قریش کی مدد کی تھی)۔

علامہ صاحب نے فرمایا: اس حدیث میں ''قوموا'' کا کلمہ امر ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو قیام کا حکم فرمایا اور اس حکم کی علت ''سید'' کا ماخذِ اشتقاق ''سیادت'' ہے، یعنی صحابہ کرام کے لئے قیام کا حکم بربنائے سیادت حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی تعظیم کے لئے تھا، کیونکہ وہ قبیلہ اوس کے سردار تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ قبیلہ اوس کے سردار تھے، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ مولانا امام دین نے بھی مشورہ دیا: آپ کافی سمجھ دار ہیں، آپ بندیال چلے جائیں، یوں علامہ صاحب کے دل میں بندیال جانے کا عزم اور راسخ ہوا۔ جامعہ نعیمیہ میں آپ کا زمانۂ تدریس ۱۹۶۰ء تا ۱۹۶۲ء ہے۔

مزید تعلیم کے حصول کے لیے بندیال روانگی

بعد ازاں ۱۹۶۳ء میں حضرت علامہ صاحب اپنے استاذ مفتی محمد حسین نعیمی رحمہ اللہ تعالیٰ سے اجازت لے کر بندیال روانہ ہو گئے اور ۱۹۶۳ء تا ۱۹۶۵ء پہلے بندیال میں اور پھر وارچھا میں حضرت استاذ العلماء مولانا حافظ عطاء محمد صاحب (رحمہ اللہ) سے پڑھتے رہے۔ بندیال کا زمانۂ تعلیم علامہ صاحب کے لئے نہایت عُسرت کا دور تھا، وہاں دوپہر کے وقت طلباء کو صرف روٹی دی جاتی تھی، سالن نہیں ہوتا تھا۔ شام کو عشاء کے بعد روٹی کے ساتھ ایک پلیٹ دال بھی ملتی تھی۔ جو طلبہ قدرے خوش حال تھے، وہ دوپہر کو ٹماٹر اور پیاز میں گھی کا بگھار کر کے اس سے روٹی کھاتے تھے۔ اور بعض طلبہ گاؤں سے کچی لسی (یعنی جس سے مکھن نکال لیا گیا ہو) مانگ کر لے آتے تھے اور اس سے روٹی کھاتے تھے۔

حضرت علامہ صاحب کو کچی لسی موافق نہیں آتی تھی اور اتنے پیسے نہیں تھے کہ روز ٹماٹر اور پیاز وغیرہ بگھار سکیں، سو پورے قیامِ بندیال کے زمانہ میں خشک روٹی کھاتے تھے اور وضو کی ٹوٹیوں کے پاس بیٹھ کر پانی کے گھونٹ سے خشک روٹی حلق سے اتارتے تھے۔ حضرت استاذِ محترم مولانا حافظ عطاء محمد صاحب (رحمہ اللہ) سے علامہ صاحب نے حدیث میں سنن ترمذی سبقاً سبقاً پڑھی، فقہ میں ہدایہ اخیرین، اصولِ فقہ میں مسلم الثبوت و توضیح تلویح، منطق میں ملاحسن، میر زاہد، ملاجلال، رسالہ قطبیہ، امورِ عامہ، قاضی

مبارک اور حمداللہ پڑھیں۔فلسفہ میں میبذی، صدرا،شمس بازغہ پڑھیں،اور علم المعانی اور بیان میں مختصر المعانی اور مطول پڑھیں۔

علامہ سعیدی صاحب کا ذوقِ مطالعہ

علامہ عبدالحکیم شرف قادری صاحب لکھتے ہیں:

''مجھے وہ منظر کبھی نہیں بھولتا جب علامہ مولانا غلام رسول سعیدی صبح سات آٹھ بجے کتابوں کا انبار اٹھائے مسجد سے باہر آئے،تو ایک طالب علم نے مسکراتے ہوئے کہا کہ استاذ صاحب (علامہ بندیالوی صاحب علیہ الرحمہ) تو ''ڈھوک دھمن'' (اپنے گھر) چلے گئے۔علامہ سعیدی صاحب اتنے افسردہ ہوئے کہ ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے، کہنے لگے: ہم لوگ رات بھر مطالعہ کرتے رہے اور نماز فجر کے بعد بھی تیاری کرتے رہے،لیکن استاذ صاحب چپ چاپ گھر تشریف لے گئے''۔

(حیاتِ سعید ملت ص ۲۰،سیف العطاء ص ۱۴،بحوالہ قرۃ عیون الاقبال فی تذکرہ فضلاء البندیال،ص ۲۴۳،ماہنامہ ضیائے حرم ج ۴۵ شمارہ ۲ ص ۴۶)

مزید تعلیم کے حصول کے لیے لائل پور (فیصل آباد) روانگی

۱۹۶۵ء میں علامہ صاحب لائل پور آگئے، وہاں جامعہ قادریہ میں حضرت مولانا ''ولی النبی'' (رحمہ اللہ) سے تصریح اور اُقلیدس اور مولانا ''مختار'' (رحمہ اللہ) سے سراجی پڑھی۔ پھر ۱۹۶۵ء کے اخیر میں جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو لاہور میں آگئے، مفتی محمد حسین نعیمی نے کہا ہوا تھا کہ آپ نے فنون کی کتابوں کی تکمیل کے بعد جامعہ نعیمیہ میں پڑھانا ہے۔لہٰذا دسمبر ۱۹۶۵ء سے علامہ سعیدی صاحب نے جامعہ نعیمیہ لاہور میں پڑھانا شروع کیا۔

آغازِ تدریس

۱۹۶۶ء سے حضرت علامہ صاحب کی باقاعدہ تدریس کا آغاز ہوگیا، پہلے سال علامہ مفتی محمد حسین نعیمی نے اُن کو میر زاہد ملا جلال، میرزاہد رسالہ قطبیہ، (کتبِ منطق)، میبذی، صدرا، شمسِ بازغہ (کتبِ فلسفہ) مختصر المعانی، مطول (کتبِ بلاغت)، شرح جامی، حاشیۂ عبدالغفور (نحو)، شرح عقائد وخیالی (علم کلام) وغیرہا تدریس کے لیے دیں اور مشکوٰۃ شریف کی تدریس کی علامہ صاحب نے خود مفتی محمد حسین نعیمی صاحب سے فرمائش کی۔آپ نے چار سال مکمل مشکوٰۃ پڑھائی اور مشکوٰۃ کی مشہور شرح ''اَشِعَّۃ اللَّمعات'' (مؤلفہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز متوفیٰ ۱۰۵۲ھ) کا بالاستیعاب مطالعہ کیا۔اس دوران حضرت ملا علی قاری رحمہ الباری المتوفیٰ ۱۰۱۴ھ کی شرح مشکوٰۃ ''مرقاۃ المفاتیح'' بھی طبع ہوچکی تھی، اس کا بھی مطالعہ کرتے رہے۔حضرت علامہ صاحب کہتے ہیں کہ مجھے منطق وفلسفہ اور فنون کی کتابوں میں استاذِ محترم علامہ حافظ عطاء محمد بندیالوی صاحب (متوفیٰ ۲۱ فروری ۱۹۹۹ء/ ۴ ذیقعد ۱۴۱۹ھ) تغمدہ اللہ بغفرانہ کا فیضان ہے اور حدیث میں جو مجھے بصیرت اور مہارت حاصل ہوئی، وہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز کا فیضان ہے۔حضرت علامہ صاحب نے مروّجہ طریقہ سے باقاعدہ دورۂ حدیث کی کتب نہیں پڑھیں، صرف استاذ حافظ عطاء محمد بندیالوی سے سبقاً سبقاً ترمذی شریف پڑھی۔

۱۹۷۰ء سے مفتی محمد حسین نعیمی رحمہ اللہ نے مکمل دورۂ حدیث کی تدریس آپ کے سپرد کردی، آپ مشہور غیر مقلد حافظ عبدالرحمٰن المبارک پوری المتوفیٰ ۱۹۵۳ء کی ''تحفۃ الاحوذی'' اور شیخ محمود الحسن دیوبندی متوفیٰ ۱۳۳۹ھ کی ''التقریر للترمذی'' کا مطالعہ کرکے ترمذی شریف پڑھاتے تھے، اور علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفیٰ ۶۷۶ھ کی ''شرح صحیح مسلم'' اور مشہور غیر

مقلد نواب محمد صدیق حسن خان القنوجی المتوفیٰ ۱۳۰۷ھ کی ''السراج الوہاج فی کشف مطالب مسلم بن الحجاج'' کا مطالعہ کر کے صحیح مسلم شریف پڑھاتے تھے۔ اور علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفیٰ ۸۵۵ھ کی ''عمدۃ القاری'' (شرح بخاری) اور حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفیٰ ۸۵۲ھ کی ''فتح الباری'' (شرح بخاری) کا مطالعہ کر کے صحیح البخاری پڑھاتے تھے۔

متعدد مشائخ سے سندِ حدیث کا حصول

علامہ صاحب نے اپنے اساتذہ میں سے حافظ عطاء محمد بندیالوی (متوفی ۱۴۱۹ھ)، مفتی محمد حسین نعیمی (متوفی ۱۹۹۸ء)، مولانا محمد یونس نعیمی مراد آبادی، غزالیٔ زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی (متوفی ۱۹۸۶ء)، سے تحریراً روایتِ حدیث کی سند حاصل کی، اور وہ ۱۹۶۶ء سے تادمِ تحریر مسلسل کتبِ حدیث محض اللہ عزوجل کے فضل اور اس کے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی توجہ اور فیضان کی بدولت کسی سے پڑھے بغیر پڑھا رہے ہیں، اور احادیثِ مبارکہ کی شروح لکھ رہے ہیں اور تفسیر پر کام کر رہے ہیں۔

جامعہ نعیمیہ لاہور کو ترک کر کے دارالعلوم نعیمیہ کراچی میں تدریس شروع کرنا

۱۹۸۵ء کا واقعہ ہے، علامہ صاحب اُن دنوں جامعہ نعیمیہ لاہور میں پڑھاتے تھے، اُن کی کمر میں شدید درد رہتا تھا اور وہ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ سے زیادہ زمین پر بیٹھ نہیں سکتے تھے، البتہ کرسی پر تقریباً تین گھنٹے بیٹھ جاتے تھے۔ ماہِ رمضان کی چھٹیاں گزر چکی تھیں اور شوال کا مہینہ شروع ہو چکا تھا، اور اب نیا تعلیمی سال شروع ہونے والا تھا۔ جامعہ نعیمیہ کے مہتمم مفتی محمد حسین نعیمی نے اُن سے کہا: آپ دو گھنٹہ زمین پر بیٹھ کر مشکوٰۃ اور جلالین پڑھائیں، اور باقی وقت اپنے کمرے میں خواہ لیٹ کر یا جس طرح بھی ہو پڑھائیں۔

علامہ صاحب سوچ میں پڑ گئے کہ وہ تو دو گھنٹہ بھی زمین پر نہیں بیٹھ سکتے، اب کیا ہوگا! اسی وقت ٹیلیفون کی گھنٹی بجی، مفتی محمد حسین نعیمی نے علامہ صاحب سے کہا: آپ کا فون ہے۔ علامہ صاحب نے فون اٹھایا تو کراچی سے مولانا منیب الرحمٰن مدظلہ العالی (مفتی اعظم پاکستان) بات کر رہے تھے، انہوں نے کہا: دارالعلوم نعیمیہ کراچی کے احباب نے بالاتفاق مشورہ کر کے کہا ہے کہ آپ نئے تعلیمی سال سے کراچی میں آ کر دورۂ حدیث کے اسباق پڑھائیں، آپ کو دو ہزار روپیہ مہینہ مشاہرہ دیا جائے گا اور آپ کے کمرہ کے ساتھ اٹیچ باتھ بنا دیا جائے گا۔ اس بات کے دوران مفتی محمد حسین نعیمی اٹھ کر دفتر سے باہر نکل گئے، علامہ صاحب نے کہا: میں کرسی پر بیٹھ کر زیادہ سے زیادہ تین گھنٹے پڑھا سکتا ہوں، زمین پر بیٹھ کر نہیں پڑھا سکتا، آپ کرسی پر پڑھانے کا انتظام کر دیں تو میں کراچی آجاؤں گا۔ مولانا منیب الرحمٰن نے کہا: میں باقی ٹرسٹیز (مفتی سید شجاعت علی قادری، مولانا جمیل احمد نعیمی، اور مولانا اقبال حسین نعیمی) سے مشورہ کر کے آپ کو بتاتا ہوں۔

علامہ صاحب نے کہا: آپ مجھے شام کو جامعہ نظامیہ لاہور میں فون کریں، میں وہاں جا کر آزاد ماحول میں بات کر سکوں گا۔ پھر فون منقطع کر دیا، مفتی نعیمی ہنوز دفتر میں نہیں آئے تھے، آپ اٹھ کر اپنے کمرہ میں چلے گئے اور بے فکری سے سو گئے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کا اس عظیم نعمت پر شکر ادا کیا کہ اس نے اپنے کرم سے پریشانی سے نجات دلا دی اور اس وقت آپ کے ذہن میں

قرآن مجید کی یہ آیت آئی: ''وَمَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مَخۡرَجًا ۙ﴿۲﴾ وَّ یَرۡزُقۡہُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ ؕ وَ مَنۡ یَّتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ فَہُوَ حَسۡبُہٗ ؕ ...۔ (الطلاق: ۲۔۳)'' (اور جو اللہ سے ڈرے، اللہ اس کے لیے (مشکل حالات میں) کشادگی کی راہ پیدا فرما دیتے ہیں اور اس کو وہاں سے رزق عطا فرماتے ہیں، جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا اور جو اللہ پر بھروسا کرے تو اللہ اسے کافی ہیں)۔

پھر شام کو علامہ صاحب جامعہ نظامیہ لوہاری منڈی گئے اور وہاں پر مولانا منیب الرحمٰن صاحب کا فون آیا اور انہوں نے بتایا کہ آپ کے لیے کرسی پر پڑھانے کا انتظام کر دیا جائے گا۔ پھر علامہ صاحب نے مولانا منیب الرحمٰن صاحب سے کہا: میں تین روز بعد فلاں فلائٹ سے کراچی پہنچ جاؤں گا۔ اتفاقاً اسی دن شام کو مفتی محمد حسین نعیمی نے علامہ صاحب کو بلایا اور اُن سے پوچھا: آپ نے اس سال اپنے پڑھانے کے سلسلہ میں کیا فیصلہ کیا ہے؟ علامہ صاحب نے کہا: آپ مجھے اجازت دے دیں میں کراچی جا رہا ہوں، انہوں نے پوچھا: کیا پہلے سے کوئی بات چل رہی تھی؟ علامہ صاحب نے کہا: نہیں، بس اسی وقت کراچی سے فون آیا تھا، مفتی محمد حسین نعیمی نے کہا: سعیدی صاحب کی قسمت بہت اچھی ہے۔ پھر ۶ جولائی ۱۹۸۵ء کو آپ کراچی تشریف لے آئے اور دار العلوم نعیمیہ میں درجۂ حدیث کی تدریس شروع کر دی، جو الحمد للہ علیٰ احسانہٖ تا حال تسلسل کے ساتھ جاری و ساری ہے۔

علامہ غلام رسول سعیدی صاحب کے اساتذہ کرام

(۱) استاذ العلماء مولانا محمد نواز اویسی رحمہ اللہ (رحیم یار خان)۔ (۲) استاذِ گرامی مولانا حافظ عبد المجید اویسی رحمہ اللہ، (لیاقت پور)۔ (۳) استاذ العلماء مفتی محمد حسین نعیمی مراد آبادی رحمہ اللہ (لاہور)۔ (۴) مولانا عبد الغفور رحمہ اللہ (لاہور)۔ (۵) مفتی عزیز احمد بدایونی رحمہ اللہ (لاہور)۔ (۶) استاذ العلماء فخر المناطقہ مولانا حافظ عطاء محمد بندیالوی قدس سرہٗ العزیز (مدرسہ امدادیہ مظہریہ، بندیال)۔ (۷) استاذِ گرامی مولانا ولی النبی رحمہ اللہ (مردان)۔ (۸) مولانا مختار احمد رحمہ اللہ (لائل پور)۔

علامہ غلام رسول سعیدی صاحب کے احباب

(۱) قائدِ اہلسنت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی رحمہ اللہ (متوفی ۱۱ دسمبر ۲۰۰۳ء): حضرت علامہ نورانی، علامہ سعیدی صاحب پر بہت مہربان اور شفیق تھے، اُن سے ملاقات کے لیے جامعہ نعیمیہ لاہور میں بھی تشریف لاتے تھے اور بعد ازاں دار العلوم نعیمیہ کراچی میں بھی اُن سے ملاقات کے لیے آتے رہے ہیں۔ ایک مرتبہ علامہ سعیدی صاحب کو ''تاریخ دمشق'' کی ضرورت تھی، لیکن اس وقت وہ پینتالیس ہزار روپے میں دستیاب تھی اور آپ کے پاس اتنی گنجائش نہیں تھی۔ علامہ شاہ احمد نورانی کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے پینتالیس ہزار روپے کا ڈرافٹ علامہ سعیدی صاحب کو بھیج دیا اور کہا: ''آئندہ بھی آپ کو جب کسی کتاب کی ضرورت ہو تو مجھے مطلع فرمائیں، میں اس کو اپنے لیے شرف اور سعادت سمجھوں گا''۔ اس سلسلہ میں علامہ شاہ احمد نورانی نے جو مکتوب لکھا اس کا عکس درج ذیل ہے:

الدعوة الاسلامية العالمية

World Islamic Mission-Pakistan (Trust)

A Religious Missionary Trust, Registration No. 407

حضرت محترم ذوالمجد والفضل
علامہ غلام رسول سعیدی زیدمجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

امید ہے مزاج گرامی بعافیت ہوگا
"تاریخ دمشق" کی خریداری کیلئے خدمت میں
چیک بھیج رہا ہوں قبول فرمالیں
مزید برآں کتابوں کی مزید ضرورت ہو
تو یاد فرمالیجئے گا۔ تعمیل ارشاد کی کوشش
کیجائے گی ۔ [illegible] اللہ آپکے سایہ عاطفت
کو اہلسنت پر ہمیشہ رکھے آمین

طالب دعا
فقیر شاہ احمد نورانی
۹ [illegible] ۱۴۲۳

چیک کی رسید
بھیج فرمادیجئے

502-508, 5th Floor, Regency Mall / Uni Shopping Centre, Shahrah-e-Iraq, Saddar, Karachi-74400 Pakistan.
Cable : "MESSAGE" G.P.O. Box 2815, Code-74000, Tel : (92-21) 5676400 / 519537 Fax : (92-21) 5687521

جب ہندوستان میں ''مرکز اہل سنت برکات رضا (امام احمد رضا روڈ پور بندر گجرات، الہند)'' سے شرح صحیح مسلم طبع ہوئی، تو علامہ شاہ احمد نورانی بہت خوش ہوئے اور بے ساختہ کہا: ''الفضل ما شھدت به الاعداء''، یہ آپ پر اللہ تعالیٰ کا بے حد کرم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخالفین کے ہاتھوں آپ کی کتاب شائع فرمادی، ۱۱ دسمبر ۲۰۰۳ء میں علامہ شاہ احمد نورانی صاحب کا وصال ہوا ہے۔ اس وقت آپ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی سینیٹ (دارالخواص) کے رکن اور اپوزیشن لیڈر تھے اور متحدہ مجلس عمل کے قائد تھے۔

(۲) مولانا عبدالخالق خلیق، ایم۔اے (عربی واسلامیات): یہ اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان میں سینیئر ریسرچ اسکالر کے عہدے پر فائز رہے ہیں، ان کا حضرت علامہ سعیدی صاحب کے ساتھ ۱۹۶۶ء سے ۲۰۰۲ء تک دوستی اور محبت کا تعلق رہا ہے، اسلامی نظریاتی کونسل کے اجلاس کے سلسلے میں علامہ صاحب کی ان سے کئی ملاقاتیں ہوئیں، اور وہ کئی بار کراچی بھی علامہ صاحب سے ملاقات کے لئے آتے رہے۔

(۳) حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری علیہ الرحمہ: حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری علیہ الرحمہ کی پیدائش یکم جولائی 1918ء میں بھیرہ پاکستان میں ہوئی، جامعہ نعیمیہ مرادآباد میں صدرالافاضل سید محمد نعیم الدین مرادآبادی سے انہوں نے کتبِ حدیث پڑھیں، بعد ازاں مزید تعلیم کے حصول کے لیے ''جامعۃ الازہر'' مصر تشریف لے گئے اور وہاں سے دو سال میں ڈگری حاصل کی۔ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کی گفتگو بھی بہت ادیبانہ ہوتی تھی اور اُن کی تحریر بھی اردو ادب کا نہایت دلنشیں شاہکار ہے، ان کی تصانیف میں تفسیر ''ضیاء القرآن (پانچ مجلدات)''، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں ''ضیاء النبی (سات مجلدات)'' اور حجیتِ حدیث میں 'سنتِ خیرالانام' عوام وخواص میں بہت مرغوب اور مقبول ہیں۔ حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری کی تحریر میں زبان و بیان کی نہایت مؤثر چاشنی ہوتی ہے اور قارئین اُن کے لکھے ہوئے جملوں کو پڑھ کر بے ساختہ داد و تحسین دیتے ہیں۔

علامہ سعیدی صاحب سے حضرت پیر صاحب قبلہ کا بہت مشفقانہ تعلق تھا، کئی مرتبہ لاہور تشریف لائے تو علامہ سعیدی صاحب کو شرفِ ملاقات عطا فرمایا۔ حضرت پیر صاحب کی فرمائش پر علامہ سعیدی صاحب نے ''ضیائے حرم لاہور'' میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت کے متعلق کئی مضامین لکھے جو ''ماہنامہ ضیائے حرم'' میں شائع ہوئے اور اب مقالاتِ سعیدیؔ میں شامل ہیں۔ حضرت پیر صاحب کے حسنِ اخلاق کی ایک مثال علامہ سعیدی صاحب یہ بتاتے ہیں کہ پیر صاحب کا رکشہ میں ایکسیڈنٹ ہوگیا اور وہ میو ہسپتال لاہور میں داخل تھے، ابھی علامہ سعیدی صاحب ان کی عیادت کے لیے جانے کا منصوبہ بنا ہی رہے تھے کہ اچانک ان کے کمرے کا دروازہ کھلا اور دیکھا سامنے سے پیر صاحب ہاتھ پر پلاستر باندھے ہوئے چلے آرہے ہیں۔ علامہ سعیدی صاحب کہتے ہیں کہ میں حیرت اور شرمندگی میں ڈوبا ہوا ان کے استقبال کے لیے کھڑا ہوا، پیر صاحب فرمانے لگے: ''آپ نے میری فرمائش پر جو ضیائے حرم کے لیے تعاون کیا ہے، میں اس کا شکریہ ادا کرنے کے لیے آیا ہوں''۔

حضرت پیر صاحب کے خطابات بھی ادب اردو سے معمور ہوتے تھے، ان کی فی البدیہہ گفتگو بھی بہت ادیبانہ اور ادبیت کی چاشنی سے بھرپور ہوتی تھی۔ ۷ اپریل ۱۹۹۸ء میں بعمرِ ۷۹ سال اسلام آباد میں حضرت پیر محمد کرم شاہ صاحب کا وصال ہوگیا۔ آپ فیڈرل شریعت کورٹ کے تاحیات جج رہے اور کئی سال تک رؤیت ہلال کمیٹی پاکستان کے چیئرمین رہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائیں اور انہوں نے اپنی تصنیفات کی صورت میں جو صدقۂ جاریہ چھوڑا ہے، اس کو ان کے اجر و ثواب کا ذخیرہ بنا دیں اور ہم سب کو ان کے اسوۂ حسنہ کا امین بنا دیں، آمین۔

(۴) حضرت علامہ ڈاکٹر مفتی سید شجاعت علی قادری علیہ الرحمہ (پی ایچ ڈی، کراچی یونیورسٹی، بانی و مہتمم دارالعلوم نعیمیہ، کراچی): ۱۹۴۱ء میں علی گڑھ، اتر پردیش انڈیا میں پیدا ہوئے، ۱۹۸۳ء سے ۱۹۸۹ء تک ۶ سال فیڈرل شریعت کورٹ کے جج کے منصب پر فائز تھے، اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن رہے، متعدد کتب کے مصنف ہیں، جن میں فقہ اہلسنت، عدالتِ اسلامیہ، شرح الصدور، الخیرات الحسان اور تفسیر مظہری کے پندرہ پاروں کا ترجمہ اور چار حصوں میں ''انشاء العربیۃ فی اللغۃ العربیۃ'' قابلِ ذکر ہیں۔

حضرت مفتی صاحب علامہ سعیدی صاحب کے بہت بے تکلف، ہمدرد اور خیرخواہ دوست تھے۔ ان کے ساتھ علامہ سعیدی صاحب کی عزیز داری بھی ہے، کیونکہ علامہ سعیدی صاحب کی خالہ زاد بہن مسماۃ ریحانہ اُن کے برادرِ نسبتی سید شاہد علی کے عقدِ نکاح میں تھیں۔ مفتی صاحب علامہ صاحب سے ملنے کے لیے وقتاً فوقتاً لاہور آتے رہتے تھے۔ ۱۹۷۶ء میں علامہ سعیدی صاحب، مفتی

عبدالقیوم ہزاروی، مولانا عبدالحکیم شرف قادری، مولانا منشاء تابش قصوری اور مفتی سید شجاعت علی قادری کے ہمراہ عوام ایکسپریس سے کراچی کے لیے روانہ ہوئے، باقی تمام احباب رات کو سو گئے اور ساری رات علامہ سعیدی اور مفتی سید شجاعت علی قادری باہم گفت و شنید کرتے رہے اور یوں باتوں باتوں میں ساری رات گزر گئی۔ جب علامہ سعیدی صاحب کمر کے درد کے عارضہ کی وجہ سے لاہور کے ''گنگارام'' ہسپتال میں داخل تھے، وہاں بھی اُن کی عیادت کے لیے مفتی سید شجاعت علی قادری آتے تھے۔ پھر جب علامہ سعیدی صاحب لاہور میں کمر کے شدید درد اور شوگر میں مبتلاء ہو گئے تو مفتی سید شجاعت قادری کے اصرار پر ۶ جولائی ۱۹۸۵ء کو علامہ سعیدی صاحب دارالعلوم نعیمیہ کراچی میں منتقل ہو گئے۔ ۱۹۸۹ء میں مفتی سید شجاعت علی قادری تبلیغ اسلام کے لیے برطانیہ گئے اور ایک ماہ تک وہاں تبلیغ میں مصروف رہے۔ ستمبر ۱۹۹۰ء میں علامہ سعیدی صاحب مفتی سید شجاعت علی قادری کی رفاقت میں صاحبزادہ حبیب الرحمٰن محبوبی (بریڈفورڈ) کی دعوت پر برطانیہ تبلیغ اسلام کے لئے روانہ ہوئے اور ایک ماہ تک دونوں اکٹھے برطانیہ کے مختلف شہروں میں خطابات کے لئے جاتے رہے، ایک ماہ کے بعد مفتی سید شجاعت علی قادری واپس کراچی آ گئے اور علامہ سعیدی صاحب مزید دو مہینے برطانیہ میں خطابات کے سلسلہ میں مقیم رہے۔ علامہ سعیدی صاحب ۲۰ دسمبر ۱۹۹۰ء کو صاحبزادہ حبیب الرحمٰن کے ہمراہ ہیتھرو ایئرپورٹ لندن سے عمرہ ادا کرنے کے لیے مدینہ منورہ روانہ ہوئے اور عمرہ ادا کرنے کے بعد یکم جنوری ۱۹۹۱ء کو واپس کراچی پہنچے۔ حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی منیب الرحمٰن نے واپسی پر علامہ سعیدی صاحب کے اعزاز میں دارالعلوم نعیمیہ کراچی میں استقبالیہ دیا، جس میں کراچی کے مشہور اور معزز علماء کرام شریک ہوئے۔

۱۹۹۳ء کے اوائل میں مفتی سید شجاعت علی قادری کو نمونیا ہو گیا، اسی دوران اسلامی نظریاتی کونسل کے دیگر علماء کے ساتھ انڈونیشیا کے مطالعاتی دورہ پر روانہ ہوئے اور وہیں پر ۲۷ جنوری ۱۹۹۳ء جکارتہ، انڈونیشیا میں ان کا انتقال ہوا اور بذریعہ ہوائی جہاز آپ کی میت کو کراچی لایا گیا۔ دارالعلوم نعیمیہ کراچی میں آپ کی نمازِ جنازہ ہوئی، نمازِ جنازہ میں علامہ شاہ احمد نورانی علیہ الرحمہ، مفتی عبدالقیوم ہزاروی علیہ الرحمہ، مفتی منیب الرحمٰن، علامہ غلام رسول سعیدی اور کراچی کے تمام قابلِ ذکر علماء موجود تھے۔

(۵) مفتی عبدالقیوم ہزاروی رحمہ اللہ: مہتمم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور، مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کے رکن رہے ہیں، ان کے رشحاتِ قلم سے متعدد جواہر پارے طبع ہو چکے ہیں، ان کا عظیم کارنامہ امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ کی شہرۂ آفاق کتاب ''العطایا النبویۃ فی الفتاویٰ الرضویہ'' کو تحقیق و تخریج کے ساتھ تینتیس ضخیم مجلدات پر مشتمل جدید انداز میں طبع کرانا ہے۔ انہوں نے اپنی نگرانی میں امام احمد رضا کی عربی اور فارسی عبارات کا ترجمہ کرایا اور تفسیر، فقہ اور حدیث کے حوالہ جات درج کرائے اور احادیث کی تخریج کرائی اور مولانا حافظ عبدالستار سعیدی کو یہ ذمہ داری سونپی اور انہوں نے ۳۳ جلدوں میں اس کام کو انجام پہنچایا، تینتیسویں جلد اشاریہ پر مشتمل ہے۔ تنظیم المدارس کی بنیاد ڈالی اور پہلے اس کے ناظمِ اعلیٰ اور بعد میں صدر منتخب ہوئے اور تاحیات اسی عہدے پر فائز رہے۔

مفتی عبدالقیوم ہزاروی، حضرت علامہ سعیدی صاحب پر بہت شفیق اور مہربان تھے اور ۱۷ سال لاہور میں قیام کے دوران مسلسل ان کے خیر خواہ اور حلیف رہے، اور جب علامہ صاحب کراچی آ گئے تو وہاں بھی اُن سے ملاقات کے لیے تشریف لاتے رہے ہیں اور اپنے بہترین مشوروں سے نوازتے رہے، ۲۶ اگست ۲۰۰۳ء کو ان کا وصال ہوا۔

(۶) مفتی اعظم پاکستان پروفیسر مولانا منیب الرحمٰن زید حبہم: ۱۹۴۴ء میں مانسہرہ کے مضافات موضع نمبل، اپر تناول میں پیدا ہوئے۔ ناظرہ قرآن مجید اور فارسی کی کتب اپنے والدین کریمین سے پڑھیں۔ ۱۹۶۰ء میں جامعہ نعیمیہ لاہور میں درسِ نظامی کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے داخل ہوئے، اس وقت علامہ سعیدی صاحب جامعہ نعیمیہ لاہور میں درسِ نظامی کی متوسط کتابیں پڑھ رہے تھے۔ اس وقت مفتی منیب الرحمٰن کی عمر ۱۶ سال تھی، اس وقت مفتی منیب الرحمٰن صاحب کی عمر تقریباً ۷۰ سال ہے۔ ایک سال وہ جامعہ نعیمیہ لاہور میں پڑھتے رہے اور اس دوران وہ علامہ سعیدی صاحب سے بہت مانوس ہوگئے اور اُن سے کافی گہرا قلبی تعلق پیدا ہوگیا۔ ایک سال بعد ۱۹۶۱ء میں وہ جامعہ نظامیہ لاہور میں پڑھنے کے لیے چلے گئے لیکن علامہ صاحب سے ملاقات کے لیے جامعہ نعیمیہ لاہور میں آتے رہتے تھے۔ بعد ازاں ۱۹۶۳ء میں وہ اسلامی یونیورسٹی بہاول پور میں پڑھنے کے لیے چلے گئے، لیکن حضرت علامہ سعیدی صاحب سے تعلق برابر قائم رہا۔ پھر ۱۹ دسمبر ۱۹۶۴ء کو وہ کراچی آئے اور دار العلوم امجدیہ میں داخلہ لیا۔ جب چھٹیوں میں علامہ صاحب کراچی جاتے تو مولانا منیب الرحمٰن صاحب وہاں سے اُن سے ملاقات کے لیے تشریف لاتے تھے اور اُن کے ساتھ اُنسیت اور دوستی کا تعلق ہنوز قائم ہے۔

پہلے مفتی اعظم پاکستان علامہ منیب الرحمٰن کے ریڈیو پاکستان سے خطابات نشر ہوتے تھے، بعد ازاں ٹی وی کے متعدد چینلز سے اُن کے خطابات ٹیلی کاسٹ ہوتے ہیں، انہوں نے متعدد مرتبہ رمضان شریف کے مہینے میں مکمل قرآن مجید کا ترجمہ اور تفسیر ٹیلی کاسٹ کیا ہے۔ وہ کئی مرتبہ بیرونی ممالک تبلیغی خطابات اور بین المذاہب مکالمے کے لیے جاتے رہتے ہیں۔ ان ممالک میں امریکا، کینیڈا، برطانیہ، ناروے، ترکی، جنوبی افریقا، ماریشس، سری لنکا، مالدیپ، سعودی عرب، عراق، مصر، متحدہ عرب امارات ایران، چین، قازقستان، روس اور چیچنیا وغیرہا شامل ہیں۔ ان میں سے بعض دورے وہاں کی حکومتوں کی دعوت پر ہوئے۔ تقریباً ہر سال ماہِ ربیع الاول میں امریکا خطابات کے لیے تشریف لے جاتے ہیں۔ ۲۰۰۱ء تا ۲۰۰۴ء وہ اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن رہے ہیں اور ۲۰۰۱ء سے تاحال (۲۰۱۵ء) وہ مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی پاکستان کے چیئرمین ہیں۔ مفتی اعظم پاکستان کے علاوہ اور کوئی عالم اتنے عرصہ تک مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کا چیئرمین نہیں رہا۔ وہ نفاذِ شریعت ورکنگ گروپ کے بھی رکن رہے ہیں۔ ۲۰۰۳ء میں تنظیم المدارس اہلسنت پاکستان کے صدر منتخب ہوئے اور اس کے بعد تین مرتبہ بلا مقابلہ تنظیم المدارس اہلسنت پاکستان کے صدر منتخب ہو چکے ہیں اور تاحال اس منصب پر فائز ہیں۔ بورڈ آف انٹرمیڈیٹ ایجوکیشن، کراچی یونیورسٹی اور وفاقی اردو یونیورسٹی کے بورڈ آف اسٹڈیز کی مجالس تعلیم کے رکن رہے ہیں، پیر مہر علی شاہ آرد ایگریکلچرل یونیورسٹی راولپنڈی کی سنڈیکیٹ کے ممبر ہیں۔ انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اور سینٹرل فارن پالیسی ریسرچ اینڈ ڈپلومیسی کے بورڈ آف ٹرسٹیز کے رکن ہیں۔

علامہ سعیدی صاحب نے حضرت مفتی اعظم پاکستان مدظلہ کے متعلق اس طرح اپنے تاثرات زیبِ قلم فرمائے ہیں:

سب سے زیادہ میرے تشکر کے مستحق حضرت مفتی اعظم پاکستان علامہ پروفیسر الحاج مفتی منیب الرحمٰن، مہتمم دار العلوم نعیمیہ کراچی، چیئرمین مرکزی رویت ہلال کمیٹی پاکستان، صدر تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان، صدر جامع مسجد اقصیٰ کراچی کی ذاتِ گرامی ہے۔ حضرت مفتی صاحب کی بے پناہ محبت و شفقت اور ان کے بے کراں اخلاص نے مجھے اس پیرانہ سالی اور انواع و اقسام کے امراض میں مبتلا ہونے کے باوجود یہ حوصلہ اور ولولہ دیا کہ میں نے ان کی سرپرستی میں پہلے ۷ مجلدات پر مشتمل ''شرح صحیح مسلم''،

لکھی، جس کی مجموعی ضخامت تقریباً ۹۰۰۰ صفحات ہے۔ پھر بارہ جلدوں پر مشتمل ''تفسیر تبیان القرآن'' لکھی، جس کی مجموعی ضخامت تقریباً ۱۳۰۰۰ صفحات ہے۔ اور اس کے بعد ۱۶ جلدوں پر مشتمل صحیح البخاری کی شرح ''نعمۃ الباری ونعم الباری'' لکھی، جو تقریباً ۱۶۰۰۰ ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل ہے اور اب میں الحمدللہ علیٰ احسانہٖ ایک نئے انداز سے قرآنِ مجید کی تفسیر ''تبیان الفرقان'' لکھنے میں مصروف ہوں اور بفضلہٖ تعالیٰ پہلی جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

میں ۶ جولائی ۱۹۸۵ھ میں حضرت مفتی اعظم پاکستان کی دعوت پر کراچی وارد ہوا تھا، اس وقت میرے خواب وخیال میں بھی نہیں تھا کہ میں تصنیف وتالیف کا اتنا زیادہ کام کرسکوں گا، لیکن حضرت مفتی اعظم پاکستان میرے دل میں لگن پیدا کرتے رہے اور میرے شوق کو ابھارتے رہے اور اس دار العلوم میں مجھے بے پناہ سہولتیں فراہم کرتے رہے اور ہنوز ان سہولتوں میں مسلسل اضافہ فرما رہے ہیں، اب مجھے اس دار العلوم میں ۳۰ سال ہو چکے ہیں اور اس تمام عرصہ میں حضرت مفتی اعظم پاکستان کے اخلاص، ان کی محبت اور شفقت میں کوئی کمی نہیں آئی بلکہ روز افزوں اس میں اضافہ ہو رہا ہے اور یہ انہی کی شفقتوں کا نتیجہ ہے کہ میں نے تصنیف وتالیف کا اتنا اہم کام انجام دیا جس کا میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ اس عظیم علمی اور تحقیقی علمی سرمائے کی تیاری کے دوران اپنوں کے ستم سہنے پڑے اور ان مشکلات کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرنے میں مفتی منیب الرحمٰن میرے مخلص معاون اور مدافع بنے رہے اور ہر قسم کی مخالفت کا یہ سارا دباؤ انہوں نے صرف اور صرف اللہ عزوجل اور اس کے رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت اور تفسیر قرآن وشروحِ حدیث کی شایانِ شان تکمیل کی خاطر برداشت کیا، اللہ عزوجل مجھے اور اُن کو اس پر اپنے اجرِ عظیم اور کرمِ خاص سے نوازیں۔

۲۰۱۳ء میں میری دونوں آنکھوں میں موتیا اتر آیا تھا اور مجھے لکھنے پڑھنے میں سخت دشواری ہو رہی تھی، حضرت مفتی اعظم پاکستان پروفیسر مفتی منیب الرحمٰن زید حبہم مجھے اپنے ساتھ اختر آئی ہسپتال لے گئے اور وہاں میری آنکھوں کے لیزر آپریشن کا بندوبست کیا۔ میں اللہ تعالیٰ کا بے حد وحساب شکر ادا کرتا ہوں کہ میری دونوں آنکھوں کا آپریشن کامیاب ہو گیا اور اب میری بینائی پہلے سے بھی زیادہ تیز ہو گئی ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے جس طرح اس نے میری آنکھوں کی تکلیف کو دور فرمایا، اس طرح اپنے کرمِ خاص سے میری دوسری بیماریوں اور تکالیف کا بھی ازالہ فرمائیں۔

میں نے اپنی زندگی میں ان جیسا صابر وشاکر اور بلند ہمت شخص کوئی اور نہیں دیکھا، اللہ تعالیٰ ان کی ہمت اور قوت میں مزید اضافہ فرمائے اور ان کو تادیر صحت اور سلامتی کے ساتھ قائم رکھے، ان کے فرزند ارجمند صاحبزادہ ضیاء الرحمٰن علیل ہیں مولیٰ عزوجل ان کو صحت اور شفاء نصیب فرمائے اور اس ناکارہ کو بھی اپنی بیماریوں میں صحت اور شفاء اور کمزوریوں میں طاقت اور توانائی عطا فرمائے اور تبیان الفرقان کو میرے ہاتھوں سے مکمل کرا دیں، آمین۔

(نعم الباری فی شرح صحیح البخاری ج ۱۶ ص ۱۰۲۴، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور۔ کراچی، جولائی ۲۰۱۴ء)

حضرت مفتی اعظم پاکستان کو اللہ تعالیٰ نے بہت اعصابی قوت عطا فرمائی ہے اور ان کو دینی مہمات سر کرنے کی بے حد لگن سے نوازا ہے۔ پاکستان میں علمائے اہلسنت کو جہاں بھی اور جب بھی حکومت یا عوام کی طرف سے کوئی مشکل اور دشواری پیش آتی ہے، حضرت مفتی اعظم پاکستان بے پناہ کوشش کر کے اپنے روابط اور وسائل سے علمائے اہلسنت کے لیے آسانیاں فراہم کرتے ہیں اور

ان کی مشکلات کو ملکی و ملّی سطح پر دور کرنے کی مقدور بھر جدوجہد کرتے ہیں۔ اسی طرح قومی، مسلکی، ملّی اور مذہبی معاملات میں جب کوئی مشکل درپیش ہوتی ہے، تو اس کے حل کے لئے اپنی تمام صلاحیتوں اور مساعی کو بروئے کار لاتے ہیں۔

حضرت مفتی اعظم برج بینک لمیٹڈ میں شریعہ ایڈوائزری بورڈ اور داؤد فیملی تکافل کے شریعہ سپروائزری بورڈ کے چیئرمین ہیں اور جامع مسجد اقصیٰ دستگیر کالونی میں دسمبر ۱۹۶۵ء سے خطابت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ اور مفتی سید شجاعت علی قادری کی وفات کے بعد ۱۹۹۳ء سے دارالعلوم نعیمیہ بلاک نمبر ۱۵ فیڈرل بی ایریا، کراچی کے مہتمم اور ناظمِ اعلیٰ ہیں۔ مفتی اعظم پاکستان کی زیرنگرانی دارالعلوم نعیمیہ کی دومنزلہ خوبصورت اور پرشکوہ عمارت کی تعمیر الحمدللہ مکمل ہوچکی ہے اور اس میں ۵۰۰ سے زائد طلباء زیرِ تعلیم ہیں، جس میں تخصص فی الفقہ والافتاء، دورۂ حدیث، موقوف علیہ تک درسِ نظامی کے تمام درجات، تجوید وقراءت، ناظرہ وتحفیظ القرآن اور کمپیوٹر کی کلاسز جاری ہیں اور تیس (۳۰) کے لگ بھگ ماہر علماء کرام اور حفاظ وقراء کرام تعلیم دے رہے ہیں۔

مفتی اعظم پاکستان مفتی منیب الرحمٰن صاحب اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود تصنیف وتالیف میں بھی یدِ طولیٰ رکھتے ہیں، ان کی مشہور تصانیف درج ذیل ہیں:

(۱) تفسیر سورۃ النساء (۲) اسلامیات برائے انٹرمیڈیٹ (۳) اسلامیات ڈگری کالج (۴) زکوٰۃ کے مسائل (۵) تفہیم المسائل سات مجلدات، اور ہنوز تصنیف وتالیف کا یہ سلسلہ جاری ہے (۶) زاویہ نظر کے عنوان سے روزنامہ دنیا نیوز میں ہفتہ میں دو مرتبہ کالم لکھتے ہیں جس کا مجموعہ عنقریب شائع ہونے والا ہے۔ اس کے علاوہ تقریباً تمام ٹیلی ویژن چینلز پر مسائل کی تفہیم اور تبلیغ کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

۲۰ مئی ۲۰۱۴ء کو مفتی اعظم پاکستان کے اکلوتے فرزند ضیاء الرحمٰن کی تقریباً ۳۶ سال کی عمر میں وفات ہوگئی، مفتی منیب الرحمٰن نے اُن کی وفات پر جو آرٹیکل دنیا نیوز میں لکھا، اس کی چند سطریں پیشِ خدمت ہیں:

میرے اکلوتے فرزند ضیاء الرحمٰن کا منگل: ۲۰ مئی ۲۰۱۴ء کو ۳۶ سال کی عمر میں تقریباً نو بجے شب قضاء الٰہی سے وصال ہوگیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ وہ سرطان (Cancer) کے عارضے میں مبتلا تھے۔ کینسر ایک خطرناک اور مہلک بیماری ہے، میری دعا ہے اللہ عزوجل سب کو اس بیماری سے اپنی عافیت، سلامتی اور حفظ وامان عطا فرمائے۔ طبی زبان میں کینسر کو Tumour (ورم یا رَسولی) کہتے ہیں، اس میں گوشت گٹھلی کی شکل اختیار کرتا ہے اور پھر بڑھتا رہتا ہے، اسے کاٹ کر پھینک بھی دیں، تو پھر نشوونما پالیتا ہے اور بتدریج پھیلتے پھیلتے جان لے لیتا ہے، تاوقتیکہ اس کو جڑ سے کاٹ کر پھینک دیا جائے۔ مرض کے پہلے یا دوسرے مرحلے میں اس سے نجات ممکن ہے، تیسرے درجے میں مشکل ترین اور چوتھے درجے میں عملاً ناممکن۔

جب یہ ٹیومر انسانی وجود کے کسی داخلی حصے یا خلیے میں تشکیل پانا شروع ہوتا ہے تو بروقت اس کی تشخیص نہیں ہو پاتی تاوقتیکہ انسانی وجود کے داخلی نظام کے کسی حصے کو وہ بلاک یا مفلوج کردے یا ناقابلِ کار اور ناقابلِ اصلاح بنادے، وہیں سے مشکلات کا آغاز ہوتا ہے۔

ضیاء الرحمٰن نے ڈھائی سال تکلیف میں گزارے اور ہمارا سارا خاندان اس دوران کرب کے لمحات سے گزرتا رہا۔ دو سال تک مسلسل آغا خان یونیورسٹی ہاسپٹل کراچی میں زیرِ علاج رہے اور اپنی حیاتِ مستعار کے آخری چند ماہ SIUT میں زیرِ علاج

رہے۔ ڈاکٹر ادیب رضوی صاحب کی قیادت میں SIUT کی ٹیم نے بہت خیال رکھا، میں نے اُن کے پورے عملے کو جذبہ خدمت سے سرشار پایا۔ ڈاکٹر الطاف ہاشمی صاحب، ڈاکٹر نجیب نعمت اللہ صاحب اور ڈاکٹر بابر ملک صاحب اور ان کے پیرامیڈیکل اسٹاف کو ہمدردی میں ڈھلا ہوا پایا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کے انسانی خدمت کے اس بے لوث جذبے کو قبول فرمائے اور دوسروں کو اس کی تقلید کی سعادت نصیب فرمائے۔

وفات کی رات ضیاء الرحمٰن کی سانس رک رک کر آرہی تھی، اسے آکسیجن لگائی گئی، ڈاکٹر ادیب رضوی صاحب اپنی ٹیم کے ہمراہ تشریف لائے اور کہا کہ ہم سب خدمت کے لئے موجود ہیں، میں نے عرض کی: اگر قضاءِ الٰہی سے اس کی سانسیں ختم ہیں تو میں اللہ کی قضا پر راضی ہوں۔ میں نے بہت سے لوگوں کو شدید کرب میں وینٹی لیٹر پر دیکھا ہے، میں اسے اس منظر میں نہیں دیکھنا چاہتا۔ اس مرحلے میں، میں نے ہاسپٹل میں اپنے ایک دو دوستوں کے ساتھ باجماعت نمازِ عشاء پڑھی اور فرض کے بعد اللہ عزوجل سے دعا کی: ''اے اللہ! اگر ضیاء الرحمٰن کی موت ہی مقدر ہے تو اسے اس کے لئے آسان کردے'' پھر سنتیں اور وتر کی نماز پڑھی، تو سلام پھیرتے ہی میرے ایک بھتیجے ''محمد جواد'' نے بتایا کہ بھائی جان چلے گئے۔ ضیاء الرحمٰن نے میرے چھوٹے بھائی سیف الرحمٰن کی گود میں جاں جاں آفرین کے سپرد کردی، وہ سورہ یٰسین پڑھتے رہے، انہوں نے ایک ماہ تک ضیاء الرحمٰن کی بہت خدمت کی، اللہ تعالیٰ انہیں ماجور فرمائے۔ (زاویہ نظر، دنیا نیوز، ۳۰ مئی ۲۰۱۴ء، ۳۱ مئی ۲۰۱۴ء، کراچی)

(۷) مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری رحمہ اللہ: علامہ سعیدی صاحب فرماتے ہیں: ان کی عمر مجھ سے دو سال کم ہے اور علم مجھ سے بہت زیادہ ہے، یہ زمانہ بندیال میں علامہ صاحب کے کلاس فیلو تھے، انہوں نے متعدد دینی کتب تصنیف کی ہیں جن میں (الف) یادِ اعلیٰ حضرت (ب) نعرۂ رسالت (ج) البریلویہ کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ (د) مقدمہ دلائل الخیرات (ہ) عظمتوں کے پاسباں (و) نور نور چہرے (ز) پکار دیا رسول اللہ (ح) العقائد والمسائل۔

علامہ شرف الملّۃ والدین کی یوں تو متعدد تصانیف ہیں جو بارہا شائع ہو کر قبولِ عام کی سند حاصل کرچکی ہیں، لیکن اُن کا سب سے بڑا علمی کارنامہ قرآن مجید کا ترجمہ ہے جس کا نام ''انوار الفرقان فی ترجمہ معانی القرآن'' ہے، یہ ترجمہ وہ اپنی زندگی میں مکمل فرما چکے تھے لیکن شائع نہیں ہوا تھا۔ اب اُن کے وصال کے تقریباً سات سال بعد ۲۰۱۵ء کے وائل میں شائع ہو کر منظر عام پر آچکا ہے اور اس کو شائع کرانے کا سہرا آپ کے صاحبزادے ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی الازہری زید علمہٗ کے سر ہے۔

۱۹۹۳ء میں راقم الحروف اور علامہ شرف قادری تغمدہٗ اللہ بغفرانہ حج کے موقع پر اکٹھے تھے، ہم دونوں نے گنبدِ خضریٰ کے سائے میں کھڑے ہو کر دعا کی، میں نے عرض کیا: الٰہ العالمین! مجھے اور علامہ شرف صاحب کو قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کی سعادت عطا فرمائیں۔ تاہم علامہ شرف صاحب اپنی دیگر دینی اور تبلیغی مصروفیات کی وجہ سے قرآن مجید کی تفسیر نہ لکھوا سکے، البتہ انہوں نے ۳۰ جمادی الآخرہ ۱۴۱۹ھ میں اس ترجمہ کو لکھنے کا آغاز کیا اور ۲۴ محرم ۱۴۲۸ھ کو (سات سال اور سات مہینے کے عرصہ میں) مکمل فرمایا۔

اس ترجمہ کو انہوں نے اہل سنت و جماعت کے عقائد کی روشنی میں سپردِ قلم فرمایا ہے، یہ ترجمہ اردو ادب کے زبان و بیان کا ادبی شاہکار ہے، اس کے علاوہ قرآن مجید کے جتنے اردو تراجم شائع ہوئے ہیں ان میں اردو ادب کی ایسی چاشنی نہیں ہے، اس ترجمہ کو پڑھ کر پڑھنے والا بے ساختہ جھوم جھوم اٹھتا ہے اور اس کی زبان سے ارتجالاً مترجم کے لیے کلماتِ تحسین نکلتے ہیں۔ ۲۹ شعبان

۱۴۲۸ھ کو آپ کا وصال ہوا ہے۔

(۸) مولانا حافظ محمد ابراہیم فیضی، ایم۔اے، ایل ایل بی، بی ایڈ، فاضل علوم شرقیہ: ۱۹۸۷ء میں علامہ سعیدی صاحب کی مشہورِ زمانہ کتاب شرح صحیح مسلم کی مکمل پروف ریڈنگ کی، اس کے بعد جب علامہ سعیدی نے تفسیر ''تبیان القرآن'' کی تصنیف شروع کی تو اس کی ابتدائی ۹ جلدوں کی پروف ریڈنگ کی۔

حافظ محمد ابراہیم فیضی کی تصانیف: (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسنِ تبسم (۲) ناموں کے بارے میں اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم (۹) حیاتِ طیبہ مسند امام احمد بن حنبل کی احادیث کی روشنی میں (۴) سیرتِ طیبہ صحاحِ ستہ کی روشنی میں۔ (۵) التراتیب الاداریہ (جلد اول و دوم کا ترجمہ)۔

علامہ محمد ابراہیم فیضی صاحب فرماتے ہیں: ۲۰۱۱ء میں علامہ سعیدی صاحب کو دماغ کا عارضہ لاحق ہوا اور علامہ سعیدی علمی اور دماغی کام کرنے سے معذور ہوگئے، حتیٰ کہ نعمۃ الباری کو لکھنا چھوڑ دیا تھا اور نعمۃ الباری کی آٹھویں جلد کا کام انہوں نے اپنے شاگردِ رشید مولانا محمد اسماعیل نورانی کے سپرد کر دیا تھا، اس وقت میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: یا اللہ! علامہ سعیدی صاحب کی بیماری مجھے دے دے تاکہ ان کے علمی کام میں حرج نہ ہو۔ سو اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور علامہ سعیدی صاحب روبہ صحت ہوگئے اور انہوں نے پھر سے نعمۃ الباری شرح صحیح البخاری کو لکھنا شروع کر دیا اور اب میرا دماغ سُن ہوگیا ہے، لکھنے کے لیے سوچنا پڑتا ہے اور جب دماغ سے سوچتا ہوں تو طبیعت نڈھال ہو جاتی ہے، اسی سبب اب کراچی سے رہائش چھوڑ کر اپنے آبائی گاؤں میں منتقل ہوگیا ہوں جو ملتان کے مضافات میں ہے۔ علامہ سعیدی صاحب بھی دعا کرتے ہیں: اے بارِ الٰہ! جس طرح آپ نے میرے دماغ کی کارکردگی بحال فرمادی ہے، اسی طرح سے علامہ محمد ابراہیم فیضی صاحب کے دماغ کی کارکردگی کو بھی فعال فرمادیں تاکہ وہ حسبِ سابق تن دہی سے تصنیف و تالیف کا کام انجام دیتے رہیں، (آمین)۔

(۱۰) مولانا حافظ عبد المجید (برسٹل، برطانیہ): حافظ عبد المجید صاحب کی پیدائش تقریباً ۱۹۶۱ء میں میانوالی کے ایک گاؤں چک ۱۲۰ میں ہوئی، انہوں نے میٹرک تک تعلیم حاصل کی، پھر شرقپور شریف میں درسِ نظامی کا مروّجہ نصاب پڑھا، قاری یوسف صدیقی صاحب سے جامعہ صدیقیہ لاہور میں تجوید و قراءت کی تعلیم مکمل کی۔ ۱۹۸۲ء میں برطانیہ چلے گئے اور تا دمِ تحریر برسٹل برطانیہ میں مقیم ہیں۔

علامہ حافظ عبد المجید صاحب نے برسٹل میں ''اسلامک انفارمیشن سنٹر'' قائم کیا جس میں اسکول، کالج، یونیورسٹی کے طلبہ و طالبات اور غیر مسلموں سمیت مقامی کمیونٹی کے نوجوانوں کو اسلام کے متعلق معلومات فراہم کی جاتی ہیں اور یونیورسٹی کے نوجوانوں کو قرآنِ مجید کا ترجمہ اور تفسیر پڑھائی جاتی ہے۔

مولانا حافظ عبد المجید صاحب نے لے ہیل (Ley Hell) جیل کے اندر دس سال خطابت کے فرائض انجام دیئے اور وہاں پر دعوت و تبلیغ کے ذریعے سینکڑوں لوگوں کو مسلمان کیا۔ علامہ سعیدی صاحب نے ۱۹۹۰ء میں جب برسٹل جیل کا دورہ کیا تو وہاں حافظ عبد المجید صاحب نے علامہ سعیدی صاحب کی قیدیوں سے ملاقات کرائی اور علامہ سعیدی صاحب نے اُن قیدیوں سے اسلام کے بارے میں گفتگو فرمائی۔

حافظ عبد المجید صاحب ۲۰۰۷ء لے کر اب تک ''نور ٹی وی، برمنگھم'' سے ازالہ شبہات کے عنوان سے ''فہم القرآن'' کا

پروگرام ٹیلی کاسٹ کرتے ہیں، یہ پروگرام ہنوز جاری ہے، اسی چینل سے ان کی صاحبزادی سعدیہ میمونہ ۲۰۰۷ء سے اب تک ''اسلام کیا ہے؟'' کے عنوان سے انگلش میں ایک مکالمے کی صورت میں پروگرام ٹیلی کاسٹ کر رہی ہیں۔

حافظ عبد المجید صاحب نے برسٹل کی جامع مسجد میں خطابات کئے ہیں اور ابرڈیر (Aber Dare) جیل میں ۲۰۰۱ء سے اب تک خطاب فرماتے ہیں، نیز برطانیہ کے صوبے ویلز (Wales) میں ان کے متعدد بار خطابات ہوئے ہیں، علاوہ ازیں امریکا، ساؤتھ امریکا، ناروے اور یورپ کے متعدد ممالک میں تبلیغِ اسلام کے لیے دورے کرتے ہیں۔

مولانا حافظ عبد المجید کی تصانیف درج ذیل ہیں:

(1) What Do Muslims Believe? (2) Meaning of Ayat al-Kursi (3) The Rulings of Ramadan (4) The History of Karbala(5) Principles of Dawah (6) Traditional Scholarship & Modern Misunderstandings: Understanding The Ahle al-Sunnah(7) Erasing the Accusation of Shirk: A CONVERSATION WITH A KHARAJITE

۱۹۸۹ء میں حافظ عبد المجید صاحب نے شرح صحیح مسلم کی چوتھی جلد کا مطالعہ کیا اور یوں وہ علامہ غلام رسول سعیدی صاحب سے متعارف ہوئے، انہوں نے ٹیلی فون پر برطانیہ سے پاکستان فون کر کے علامہ سعیدی صاحب سے متعدد پیش آمدہ دینی مسائل اور مشکلات کا حل جاننے کے لیے طویل گفتگو کی۔ ستمبر ۱۹۹۰ء میں علامہ سعیدی صاحب برطانیہ تشریف لے گئے تو وہ اُن سے ملاقات کرنے کے لیے بریڈ فورڈ آئے اور پھر اکتوبر میں ان کو اپنے ساتھ برسٹل لے گئے اور دو تین دن وہاں مہمان رکھا اور علامہ سعیدی صاحب کا خطاب کرایا۔ اس وقت سے حافظ عبد المجید کا علامہ سعیدی صاحب کے ساتھ محبت آمیز علمی تعلق قائم ہے اور اب بھی وہ گاہے بگاہے فون پر اور اسکائپ کے ذریعے رابطہ رکھتے ہیں اور علمی مسائل میں تبادلۂ خیال کرتے ہیں۔ علامہ سعیدی صاحب نے تفسیر تبیان القرآن اور نعم الباری میں کئی مقامات پر ان کے مشوروں اور آراء سے استفادہ کیا ہے۔ ۲۰۰۱ء سے ۲۰۱۴ء تک متعدد بار علامہ سعیدی صاحب سے ملاقات کے لیے پاکستان تشریف لا چکے ہیں۔

(۱۱) حضرت الحاج محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب دام ظلہ: اکیس نومبر 1951ء میں ضلع سرگودھا کی تحصیل بھیرہ شریف کے ایک علمی و روحانی خاندان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گورنمنٹ ہائی سکول بھیرہ شریف میں ہی حاصل کی۔ اس کے بعد ایف ایس سی اور بی اے تک تعلیم حاصل کی۔

صاحبزادہ حفیظ البرکات شاہ صاحب اپنے نام کا پسِ منظر یوں بیان کرتے ہیں: ''میرے والد ماجد حضرت قبلہ پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شادی کے موقع پر اپنے استاذِ مکرم صدر الافاضل علامہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی رحمہ اللہ تعالیٰ کو شرکت کے لئے دعوت نامہ ارسال کیا۔ وہ تشریف تو نہ لا سکے، مگر انہوں نے از راہِ شفقت دعاؤں سے نوازا اور جوابی مکتوب میں لکھا: اللہ تعالیٰ آپ کو حسنات کا امین اور برکات کا حفیظ بنائے۔ اس کو فالِ نیک سمجھتے ہوئے اپنے بڑے صاحبزادے کا نام امین الحسنات شاہ رکھا اور میرا نام حفیظ البرکات شاہ رکھا۔ یہ ایک طرح سے حضرت صدر الافاضل کی طرف سے دعا بھی تھی اور ان کی کرامت بھی کہ انہوں نے صاحبزادگان کی اشارتاً بشارت دی''۔ اس روایت کی توثیق اس سے ہوتی ہے کہ:

علامہ غلام رسول سعیدی بیان کرتے ہیں کہ میں نے جامعہ نعیمیہ لاہور کے ایک پروگرام ''یومِ صدر الافاضل'' میں حضرت پیر محمد

کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ سے اُن کے خطاب میں سنا کہ جب میں اپنی شادی کے بعد جامعۃ الازہر میں داخلہ سے پہلے حضرت صدرالافاضل سید نعیم الدین مرادآبادی رحمہ اللہ سے اجازت لینے کے لیے گیا اور بتایا کہ میری شادی ہوچکی ہے تو حضرت نے دعا دی کہ ''اللہ آپ کو امین الحسنات بنائے'' بعد میں معلوم ہوا کہ میرا ایک فرزند تولّد ہوا اور اس کا نام امین الحسنات رکھا گیا، ایک سال کے بعد میں پاکستان آیا اور پھر دوبارہ جامعۃ الازہر جانے کے لیے حضرت صدرالافاضل سے اجازت طلب کی تو حضرت نے فرمایا: ''اللہ آپ کو حفیظ البرکات فرمائے'' مصر جانے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ میرا دوسرا فرزند متولّد ہوا اور گھر والوں نے اس کا نام حفیظ البرکات رکھا، یہ حضرت صدرالافاضل سید محمد نعیم الدین مرادآبادی قدس سرہٗ العزیز کی روشن کرامت ہے۔

حضرت قبلہ پیر محمد کرم شاہ الازہری نے اپنی بصیرت سے صاحبزادہ حفیظ البرکات شاہ کے طبعی رجحان کو دیکھ کر یکم جنوری 1981ء میں ''ضیاء القرآن پبلی کیشنز'' کی ذمہ داری تفویض فرمادی اور اس موقع پر انہیں نصیحت فرمائی کہ اہلِ سنت و جماعت کے اشاعتی کاموں کو ترجیح دیتے رہنا۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے اپنی ساری توانائیاں اور صلاحیتیں اس ادارے پر صرف کیں اور مختصر عرصے میں اس ادارے کو چار چاند لگادیے، انہی کی شبانہ روز جدوجہد اور مساعیٔ جمیلہ کا نتیجہ ہے کہ آج ضیاء القرآن پبلی کیشنز پاکستان کے ممتاز دینی اشاعتی اداروں میں سے ایک ہے۔ محبتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تو آپ کو ورثے میں ملی ہے اور آپ کے رگ وپے میں رچی بسی ہے اور اسی کی برکت سے آپ کو عالمِ شباب میں حج کی سعادت نصیب ہوئی۔

شاہ صاحب کا اپنے مشن میں کامیاب ہونے کا بیّن ثبوت یہ ہے کہ جب آپ نے ادارے کا چارج سنبھالا، تو اس وقت اس کی مطبوعات میں صرف تفسیر ضیاء القرآن اور سنت خیر الانام پر مشتمل چند کتب تھیں، لیکن الحمدللہ! اب شاہ صاحب کی جُہدِ مسلسل کے نتیجے میں ادارے کی مطبوعات کی طویل فہرست ہے، جن میں سے چند نمایاں یہ ہیں: تفسیر درمنثور، تفسیر ابن کثیر، تفسیر مظہری، تفسیر قرطبی کے تراجم اور دیگر وقیع علمی وتحقیقی کتب شامل ہیں۔ اسی طرح قرآن مجید کی اشاعت بھی دیدہ زیب کتابت، اعلیٰ کاغذ اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ طبع کر کے امت مسلمہ کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

دنیاءِ اسلام کے عظیم مفسر علامہ غلام رسول سعیدی دامت برکاتہم العالیہ کی تصنیف کردہ ''نعم الباری شرح بخاری'' کی 9 جلدیں اور اس کے علاوہ دیگر تصانیف بھی طبع کراچکے ہیں اور اب قرآن کریم کی تفسیر ''تبیان الفرقان'' زیرِ طبع ہے، عنقریب اس کی مجلدات منظرِ عام پر آتی رہیں گی۔

ادارے کے چیئرمین صاحبزادہ پیر محمد امین الحسنات شاہ صاحب کے ارشاد پر حضرت حفیظ البرکات شاہ صاحب نے ادارے کی چند ذمہ داریاں اپنے لختِ جگر صاحبزادہ احمد سلمان شاہ کو تفویض کردی ہیں تاکہ خاندان میں اس خدمت کا سلسلہ آنے والی نسلوں میں بھی جاری وساری رہے۔ اللہ تعالیٰ اس ادارے کو تاقیامت شاد وآباد رکھے، آمین۔

(۱۲) استاذ العلماء علامہ محمد حسن حقانی اشرفی علیہ الرحمہ، پرنسپل جامعہ انوار القرآن گلشن اقبال، کراچی: علامہ سعیدی صاحب کے طالب علمی کے زمانہ سے شناسا اور رفیق تھے۔ ۱۷ جمادی الاخری ۱۴۳۰ھ/۱۱ جون ۲۰۰۹ء میں آپ کا وصال ہوگیا۔

(۱۳) صاحبزادہ سید جمال الدین کاظمی، مہتمم قمر العلوم فریدیہ رضویہ، ماڑی پور کراچی: یہ علامہ صاحب کے بہت مخلص اور معاون تھے اور علامہ صاحب کی ضرورت کی کتابیں اکثر وبیشتر فراہم کرتے تھے۔ موصوف شوگر کے مریض تھے، اخیر عمر میں انہیں جگر

کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا اور ۱۹۹۹ء میں ان کا وصال ہو گیا، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائیں۔

(۱۴) ڈاکٹر حافظ محمد اکرم ساجد، ایم۔ اے عربی، ایم فل اسلامیات، پی ایچ۔ ڈی، فاضل درسِ نظامی: ۱۸ مارچ ۱۹۷۶ء ضلع نارووال میں پیدا ہوئے، انہوں نے ۲۰۰۱ء میں دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ سے سندِ فراغت حاصل کی۔ آج کل گورنمنٹ دیال سنگھ کالج، لاہور کے شعبہ عربی میں لیکچرر ہیں۔ انہوں نے تفسیر تبیان القرآن کی آخری تین جلدوں، تبیان القرآن کے نئے ایڈیشن کی پہلی جلد، توضیح البیان اور تذکرۃ المحدثین کی پروف ریڈنگ کی ہے، یہ کتابیں فرید بک اسٹال لاہور سے شائع ہو چکی ہیں۔ اس کے علاوہ مکمل نعمۃ الباری اور نعم الباری کی پروف ریڈنگ کی اور اب تبیان الفرقان کی پروف ریڈنگ کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ یہ خود بھی صاحبِ تصنیف ہیں اور ان کی مصنّفات یہ ہیں: (۱) تجلیاتِ ضیاء الامت (۲) ارشاداتِ ضیاء الامت (۳) ملفوظاتِ ضیاء الامت (۴) گلدستۂ رمضان (۵) گلشنِ پیر سیال (۶) جنت کی خوشخبری پانے والے تیس صحابہ کرام (الثلاثون المبشرون بالجنۃ از ڈاکٹر مصطفی مراد کا اردو ترجمہ) (۷) جواہر حکمت نبوی (مختار الاحادیث النبویۃ و الحکم المحمدیۃ از السید احمد الہاشمی کا اردو ترجمہ) (۸) قواعد فقہیہ (القواعد الفقہیۃ تاریخہا و اثرہا فی الفقہ از ڈاکٹر محمد حمود الوائلی کا اردو ترجمہ) (۹) احادیث قدسیہ (الاتحافات السنیۃ بالاحادیث القدسیۃ از علامہ عبد الرؤف المناوی کا اردو ترجمہ) (۱۰) برصغیر میں صوفیاء کرام کا منہج دعوت (۱۱) کتاب الہدایۃ (مرغینانی) کے قواعد فقہیہ اور عصری مسائل پر ان کا اطلاق (۱۲) اللؤلؤ و المرجان کے اردو ترجمہ و حواشی پر کام جاری ہے۔

علامہ سعیدی صاحب کے بارے میں انہوں نے اپنے تاثرات یوں بیان کیے ہیں:

''ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری قدس سرہ العزیز کے بعد عصر حاضر کے جس عالم دین کی کتابوں نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ حضرت علامہ غلام رسول سعیدی زید مجدہ کی ذات گرامی ہے۔ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا یہ انتہائی لطف و کرم ہے کہ میرا علامہ سعیدی صاحب سے رابطہ ہوا اور آپ کی کتابوں کی کثرت سے پروف ریڈنگ کا شرف حاصل ہوا اور حضرت صاحب نے مجھ پر بڑا اعتماد فرمایا۔ بالخصوص نعمۃ الباری/نعم الباری کی مکمل پروف ریڈنگ میرے لیے بہت بڑی سعادت ہے۔ پروف ریڈنگ کے دوران بہت سے ایسے مقامات آتے ہیں جن کے بارے میں ضروری ہوتا ہے کہ سعیدی صاحب ان پر نظر ثانی فرمائیں۔ بندہ ناچیز فون پر آپ سے رابطہ کرتا ہے اور آپ بڑی شفقت سے اور بڑی محنت و جانفشانی سے ان مقامات کی تصحیح کرواتے ہیں۔ عرصہ سے میری خواہش تھی کہ میں سعیدی صاحب کے پاس حاضر ہوں اور چند دن آپ کے پاس رہ کر آپ کے کام کرنے کے انداز کو دیکھوں۔ سو اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور ۲۰۱۲ء میں مجھے حضرت صاحبزادہ محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب مدظلہ العالی کی معیت میں سعیدی صاحب کے پاس حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا اور دس بارہ دن وہاں رہ کر حضرت صاحب کے کام کرنے کے انداز اور آپ کی عظیم الشان لائبریری کو دیکھنے کا موقع ملا۔ اللہ تعالیٰ حضرت صاحب کو صحت کاملہ عطا فرمائے اور تبیان الفرقان کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا شرف بخشے۔ آمین''

(۱۵) سید عمیر الحسن برنی: ۲۳ جولائی ۱۹۷۸ء میں کراچی میں پیدا ہوئے۔ ہیومن ریسورس مینجمنٹ اور پبلک ایڈمنسٹریشن میں ماسٹر کیا ہے، مینجمنٹ انفارمیشن سسٹم میں اسپیشلائزیشن کیا ہے۔ اس کے علاوہ پاکستان امریکن کلچرل سنٹر سے انگلش لینگویج میں ایڈوانس

کورس کیا ہے اور پہلی پوزیشن حاصل کی ہے۔ سید عمیر الحسن برنی صوم وصلوٰۃ کے پابند ہیں اور صاحب ترتیب ہیں، یعنی بلوغت کے بعد کبھی اکٹھی پانچ نمازیں قضاء نہیں ہوئیں۔ ۱۹۹۷ء سے کراچی ڈویلپمنٹ اتھارٹی میں ہنوز ملازمت کر رہے ہیں اور اسسٹنٹ ڈائرکٹر کے عہدہ پر فائز ہیں۔

سید عمیر الحسن برنی علامہ سعیدی صاحب کے بہت محب، مخلص اور خدمت گار ہیں۔ ۱۹۹۲ء سے علامہ سعیدی صاحب کے ساتھ وابستہ ہیں۔ علامہ سعیدی صاحب کی ''نعمۃ الباری'' کی تمام مجلدات کے مسوّدہ کو انہوں نے بہ غور پڑھا اور ضروری تصحیح کی۔ آج کل بھی تفسیر تبیان الفرقان کے مسوّدے کو باقاعدگی سے پڑھ رہے ہیں۔ علامہ سعیدی صاحب کے بتائے ہوئے ہر کام کو بے حد سعادت سمجھتے ہوئے انجام دیتے ہیں اور اُن کی خدمت پر کمر بستہ رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے تقریباً ہر سال حج پر جاتے ہیں اور ہر مرتبہ علامہ صاحب کے لیے جِعِرَّانہ سے بڑے عمرے کا احرام باندھتے ہیں، اس دفعہ ۲۰۱۴ء میں علامہ صاحب کی طرف سے حج کا احرام باندھا اور اللہ تعالیٰ کے کرم سے یہ حج بھی حج اکبر تھا، یہ بات اس لیے بتائی جارہی ہے کہ علامہ صاحب نے ۱۹۹۴ء میں جو حج کیا تھا وہ بھی حج اکبر تھا۔

(۱۶) محترم الحاج محمد شفیق قریشی: ۱۹۷۵ء میں کراچی میں پیدا ہوئے، انٹرمیڈیٹ تک تعلیم حاصل کی۔ تعمیر کے شعبہ سے وابستہ ہیں۔ اکتوبر ۲۰۰۰ء سے علامہ سعیدی صاحب کے ساتھ ربط وضبط اور محبت کا تعلق قائم ہے۔ شروع میں علامہ سعیدی صاحب ان کی طرف التفات نہیں کرتے تھے اور ان کو جھڑک کر بھگا دیتے تھے، پھر انہوں نے درج ذیل حدیث پڑھی:

عن عثمان بن حنيف ان رجلا ضرير البصر اتى النبى صلى الله عليه وآله وسلم، فقال ادع الله ان يعافينى، قال ان شئت دعوت لك، وان شئت اخرت ذاك فهو خير، فقال ادعه، فامره ان يتوضا، فيحسن وضوء، ويصلى ركعتين، ويدع وبهذا الدعاء

اللهم انى اسألك، واتوجه اليك بنبيك محمد نبى الرحمة، يا محمد، انى توجهت بك الى ربى فى حاجتى هذه، فتقضى لى، اللهم شفعه فى۔

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک نابینا مرد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: آپ اللہ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ میری آنکھوں کو ٹھیک فرما دیں، آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو میں تمہارے لیے دعا کر دوں اور اگر تم چاہو تو میں اس معاملہ کو مؤخر کر دوں وہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہوگا، اس مرد نے عرض کیا کہ آپ میرے لیے دعا کر دیں، پس آپ نے اس کو حکم دیا کہ وہ وضو کرے، سو اچھی طرح وضو کرے اور دو رکعت نماز پڑھے، پھر یہ دعا کرے: ''اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں اور آپ کے نبی محمد نبی الرحمۃ کے واسطہ سے آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، اے محمد! بے شک میں آپ کے سبب سے اپنے رب کی طرف اپنی اس حاجت میں متوجہ ہوا ہوں، تاکہ میرا رب میری حاجت پوری فرما دیں، اے اللہ! آپ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شفاعت کو میرے متعلق قبول فرمائیں۔

(مسند احمد: ۱۷۲۴۰، مسند عبد بن حمید: ۳۷۹، سنن ترمذی: ۳۵۷۸، سنن نسائی فی الکبریٰ: ۱۰۴۹۵، عمل الیوم واللیلۃ: ۹۵۹، سنن ابن ماجہ: ۱۳۸۵،

صحیح ابن خزیمہ: ۱۲۱۹، المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۵۱۹،۳۱۳،۳۱۳، معجم الکبیر للطبرانی: ۸۳۱۱، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

الحاج محمد شفیق قریشی کہتے ہیں کہ پھر میں نے بھی دو رکعت نماز پڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے یہ دعا کی کہ یااللہ! علامہ سعیدی صاحب کے دل میں میری محبت ڈال دیں کہ وہ مجھے کمرے سے بھگایا نہ کریں، سو یہ دعا قبول ہوگئی اور اس کے بعد سے میں علامہ سعیدی صاحب کی خدمت میں حاضر رہتا ہوں اور وہ مجھ سے بہت محبت اور التفات فرماتے ہیں۔

الحاج محمد شفیق قریشی کا تعلق کراچی کے متموّل گھرانے سے ہے۔ ڈی ایچ اے میں اعلیٰ معیار کے بنگلوں کی تعمیر وفروخت ان کا خاندانی کام ہے۔ علامہ سعیدی صاحب کی خدمت میں حاضر رہتے ہیں، آپ کو جہاں بھی جانا ہو تو وہ گاڑی لے کر ان کے پاس آجاتے ہیں اور انہیں پہنچاتے ہیں۔ ہر جمعرات آپ کو لے کر آپ کی والدہ کی قبر پر جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ علامہ سعیدی صاحب نے اُن سے کہا کہ تم صبح کی نماز سے پہلے آجانا وہاں سے ہم نے مولانا صاحبزادہ جمیل الرحمٰن شاہ صاحب کی دعوت پر صبح پی سی (PC) ہوٹل میں ناشتہ کے لیے جانا ہے، تو محمد شفیق قریشی رات بھر نہیں سوئے، اپنی بیگم کو بھی جگائے رکھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آنکھ لگ جائے اور میں صبح سویرے علامہ صاحب کی خدمت میں نہ پہنچ سکوں۔ سو صبح کی نماز سے پہلے شفیق صاحب علامہ سعیدی صاحب کے پاس پہنچ گئے اور علامہ صاحب کے پاس ہی صبح کی نماز پڑھی اور وہیں سے سید عمیر الحسن برنی، مفتی محمد اسماعیل نورانی اور حافظ شفیق الرحمٰن القادری کے ساتھ پی سی ہوٹل کے لیے روانہ ہوگئے۔

(۱۷) نجیب الدین شیخ: ہندوستان کے مشہور شہر بمبئی کے مضافات میں ''وینگورلا'' میں ۱۹۵۵ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۵۷ء میں پاکستان کے شہر کراچی میں منتقل ہوگئے، مختلف کاروبار میں مشغول رہے۔ ۱۹۹۵ء سے دارالعلوم نعیمیہ سے وابستہ ہیں اور حضرت مفتی اعظم پاکستان علامہ منیب الرحمٰن کے عقیدت مندوں میں سے ہیں اور انہی کی وساطت سے علامہ غلام رسول سعیدی صاحب سے متعارف ہوئے اور تادمِ تحریر ان دونوں حضرات سے محبت کا تعلق قائم ہے۔

(۱۸) محمد شمیم خان، ایم۔ اے اکنامکس، ایل ایل۔ بی: جولائی ۱۹۵۵ء میں کراچی میں پیدا ہوئے، والد بزرگوار کا تعلق ہندوستان کے شہر آگرہ سے تھا۔ کمپیوٹر سائنس میں MCP کیا ہے، تجارت وسیاحت کے سلسلے میں تقریباً ساری دنیا گھومی ہے۔ ۱۹۹۹ء میں علامہ سعیدی صاحب سے تعلق پیدا ہوا۔ علامہ سعیدی صاحب بیان کرتے ہیں کہ یوں تو محترم محمد شمیم خان صاحب کے مجھ پر بہت احسانات ہیں، سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ ۷ اگست ۲۰۰۳ء کی شب جب میری والدہ محترمہ شفیق فاطمہ کی وفات ہوئی، تو اس رات محترم محمد شمیم خان میرے ساتھ رہے، میں اپنی بہن شمیم اختر کو والدہ کی وفات کی خبر دینا چاہتا تھا، وہ بفرزون میں رہتی تھیں، میں محترم محمد شمیم خان کے ساتھ ان کا گھر ڈھونڈنے نکلا، تلاش بسیار کے بعد ان کا گھر ملا، ان کو اطلاع دی اور پھر انہیں لے کر اپنی چھوٹی بہن صبیحہ کے گھر پہنچا جہاں امی کا جسدِ خاکی رکھا ہوا تھا۔ وہاں سے امی کی میت کو لے کر ہم ایدھی سنٹر گئے اور وہاں رکھوایا۔ ان تمام انتظامات میں محترم محمد شمیم خان میرے ساتھ تھے، ہم عشاء کے بعد سے لے کر ساری رات اس کارروائی میں مصروف رہے، اللہ تعالیٰ محترم محمد شمیم خان صاحب کو اجرِ عظیم عطاء فرمائے، جس طرح انہوں نے اس مصیبت کے وقت میں میری مدد فرمائی۔

(۱۹) استاذ العلماء مولانا حافظ غلام محمد سیالوی: ۱۹۹۷ء اور ۲۰۰۱ء میں دو مرتبہ اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن رہے ہیں، بیت المال پاکستان کے چیئرمین رہے ہیں، مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی پاکستان کے رکن ہیں اور جامعہ شمس العلوم، کراچی کے مہتمم ہیں، متعدد

مرتبہ تبلیغ اسلام کے لیے ساؤتھ افریقہ اور برطانیہ جاتے رہے ہیں۔حضرت علامہ سعیدی صاحب کے دیرینہ رفیق ہیں، طالب علمی کے دور سے ان کے ساتھ دوستی کا تعلق رہا اور ہنوز قائم ہے۔شرح صحیح مسلم اور تبیان القرآن کی تصنیف کے دوران حضرت علامہ صاحب کو جن کتابوں کی ضرورت ہوتی تھی، وہ اُن کو شمس العلوم کی لائبریری سے فراہم کرتے تھے۔

(۲۰) حضرت مفتی محمد اطہر نعیمی مدظلہٗ: صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ اور اپنے والدِ ماجد تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی رحمہ اللہ کے خاص شاگرد ہیں اور اُن کے سب سے بڑے فرزند بھی ہیں۔۱۹۲۷ء میں بھارت کے شہر مراد آباد میں پیدا ہوئے اور قیامِ پاکستان کے بعد کراچی میں وارد ہوئے۔وہ اپنے والدِ ماجد کے قائم کردہ ادارہ دارالعلوم مخزن العربیہ بحر العلوم میں پڑھاتے رہے، بعد ازاں دارالعلوم نعیمیہ میں پڑھانا شروع کیا اور تادمِ تحریر دارالعلوم نعیمیہ میں افتاء کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔اس پیرانہ سالی میں بھی تقریباً روزانہ دارالعلوم نعیمیہ تشریف لاتے ہیں۔ان کی صحت قابل رشک رہی ہے اور وہ عزم وحوصلے کے مالک ہیں۔عرصۂ دراز سے جامع مسجد آرام باغ میں خطابت کے فرائض انجام دے رہے ہیں، مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی پاکستان کے پہلے رُکن رہے بعد میں اس کے چیئرمین بنے۔۱۹۹۰ء میں اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن رہے۔متعدد مرتبہ حج اور عمرہ کی سعادت حاصل کی، معارج النبوۃ اور مشکوٰۃ المصابیح کا ترجمہ لکھا۔

(۲۱) حضرت جمیل العلماء علامہ جمیل احمد نعیمی مدظلہٗ: ان کی پیدائش ۱۹۳۶ء میں ہوئی، جب علامہ سعیدی صاحب نے پڑھنا شروع نہیں کیا تھا، اس وقت بھی مولانا جمیل احمد نعیمی کراچی میں خطابات کرتے تھے، وہ تاج العلماء رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد ہیں اور کراچی کے اکابر علماء کی باقیات الصالحات میں سے ہیں۔دارالعلوم نعیمیہ کے ناظمِ تعلیمات ہیں، علامہ صاحب بتاتے ہیں کہ وہ کراچی کی گلیوں میں دریوں پر بیٹھ کر ان کی تقریریں سنتے رہے ہیں۔آپ انجمن طلباء اسلام کے بانی ہیں۔

(۲۲) مولانا اقبال حسین نعیمی علیہ الرحمہ: دارالعلوم نعیمیہ میں ناظمِ مطبخ تھے، علامہ سعیدی صاحب سے بہت محبت رکھتے تھے، آپ محکمہ اوقاف (سندھ) کے ریسرچ اینڈ رجسٹریشن آفیسر تھے اور صوم وصلوٰۃ اور تلاوت قرآن کے بہت پابند تھے۔مارچ ۲۰۰۳ء میں ان کی وفات ہوگئی۔

(۲۳) قاری جان محمد، پاکپتن: یہ علامہ صاحب کے زمانۂ طالب علمی کے بے تکلف دوستوں میں سے ہیں، جب علامہ صاحب جامعہ نعیمیہ لاہور میں تھے، وہاں ملاقات کے لیے آتے تھے اور بعد میں جب دارالعلوم نعیمیہ کراچی میں آگئے تو یہاں بھی ملاقات کے لیے آتے رہے۔۲۰۱۲ء میں وہ حضرت علامہ صاحب سے ملاقات کے لیے آئے تو نصیحت کی: ''اب تم یہ کتابیں لکھنا چھوڑو، اللہ کو یاد کرو اور توبۃ اللہ کرو'' اس ملاقات کے بعد اُن سے کوئی رابطہ نہیں ہوا۔

(۲۴) مولانا اکرام حسین سیالوی مدظلہٗ: ۲ فروری ۱۹۴۷ء کو چکوال میں پیدا ہوئے، ۱۹۶۳ء میں کراچی تشریف لائے، دارالعلوم امجدیہ میں دورۂ حدیث شریف پڑھا۔۱۹۷۳ء میں شمس العلوم جامعہ رضویہ کے قیام سے تاحال اسی ادارے سے وابستہ ہیں اور اس کی جامع مسجد سُرورمیں ۲۰۱۴ء تک امامت وخطابت کے فرائض انجام دیتے رہے۔تادمِ تحریر شمس العلوم کراچی میں انتظام وانصرام کے فرائض انجام دے رہے ہیں، آج کل علیل ہیں اور امامت وخطابت کو چھوڑا ہوا ہے۔اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کے ساتھ عمرِ طویل عطاء فرمائیں۔

(۲۵) جناب مختار احمد، مینیجر ضیاء القرآن پبلی کیشنز، کراچی: ۳ دسمبر ۱۹۷۰ء کو پنجاب میں پیدا ہوئے۔ میٹرک کی تعلیم گورنمنٹ ہائی اسکول بھیرہ سے حاصل کی۔ میٹرک کے بعد ''ضیاء القرآن پبلی کیشنز'' سے وابستہ ہوئے اور تادمِ تحریر اسی ادارہ سے منسلک ہیں۔ اور علامہ سعیدی صاحب کی خدمت کو اپنے لئے باعث شرف سمجھتے ہیں۔ اپنے پیرزادگان اور ادارے کے لیے نہایت مخلص ہیں۔

(۲۶) ڈاکٹر خالد اعوان، آئی اسپیشلسٹ، ورجینیا (امریکا): (۲۷) ڈاکٹر شہرام ملک، جنرل فزیشن، ٹینیسی (امریکا): اور (۲۸) ڈاکٹر ارشد بھٹی نیورو فزیشن، ٹینیسی (امریکا)۔ یہ تینوں ڈاکٹر صاحبان دس پندرہ سال سے علامہ صاحب سے مسلسل رابطے میں ہیں اور اخلاص وللّٰہیت کا رشتہ قائم ہے، وقتاً فوقتاً تعاون بھی فرماتے رہتے ہیں۔

علامہ سعیدی صاحب کی اکلوتی مریدہ

(۲۹) ثمینہ اسلم: ۱۹۶۸ء کو فیصل آباد کے قریب ایک گاؤں میں پیدا ہوئیں، اپنے والد سے اسلامی تعلیم حاصل کی اور میٹرک کیا۔ ۱۹۹۰ء میں محمد حنیف اسلم سے برسٹل، انگلینڈ میں نکاح ہوا اور اسلامی اسکالر مولانا حافظ عبد المجید صاحب سے دینی کتب میں اکتسابِ فیض کیا۔ علامہ صاحب کی شرح صحیح مسلم کو اتنی بار پڑھا ہے کہ وہ حفظ ہو چکی ہے، تبیان القرآن اور نعمۃ الباری کو بھی مکمل پڑھا ہے۔ ان کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں: (۱) محمد امیر اسلم (۲) محمد سلیمان (۳) مرحبا اسلم (۴) مہدیہ اسلم۔ ۱۹۹۰ء سے تا حال برسٹل، انگلینڈ میں مقیم ہیں۔ نور چینل پر ۶ سال سے دو مختلف موضوعات پر خطابات کر رہی ہیں (۱) خواتین ٹائم، اس پروگرام میں خواتین کے دینی سوالات کے لائیو جوابات دیتی ہیں۔ (۲) اسلام کی نامور خواتین، اس سلسلے میں امہات المومنین کے نام پر ایک سیریل ٹیلی کاسٹ کر رہی ہیں۔ ۲۰۰۰ء سے علامہ سعیدی صاحب سے فون پر رابطہ ہے، نئے درپیش مسائل میں علامہ سعیدی صاحب سے رہنمائی حاصل کرتی ہیں، ۲۰۰۴ء میں علامہ صاحب سے ملاقات کے لئے پاکستان آئیں اور دار العلوم نعیمیہ کراچی میں علامہ صاحب سے طویل نشست کی۔

تنبیہ: علامہ سعیدی صاحب کو بیعت کرنے کی اجازت حاصل ہے، نبیرۂ اعلیٰ حضرت امام اہلسنت الشاہ احمد رضا خان قدس سرہٗ العزیز متوفی ۱۳۴۰ھ، مولانا ریحان رضا خان نے لاہور میں ان کو لکھ کر بیعت کی اجازت عطا فرمائی۔ ثمینہ اسلم نے علامہ صاحب سے مروّجہ طریقہ کے مطابق بیعت نہیں کی اور نہ ہی وہ کسی کو بیعت کرتے ہیں، حکیم عظمت اللہ اور دیگر کئی لوگوں نے بہت اصرار کیا مگر ان کو بیعت نہیں کیا۔ سید عمیر الحسن برنی نے جب بیعت کے لئے شدید اصرار کیا تو علامہ سعیدی صاحب نے ان سے کہا: ''جس دن میرے دل سے خوفِ خدا جاتا رہے گا اس دن میں تم کو بیعت کرلوں گا''۔ تاہم سید عمیر الحسن برنی اپنے آپ کو علامہ صاحب کا مرید قرار دیتے ہیں اور علامہ صاحب کو اپنا پیر کہتے اور مانتے ہیں۔

(۳۰) ندا عمیر: اسی طرح سید عمیر الحسن برنی کی اہلیہ ''ندا عمیر'' بھی علامہ صاحب کی معتقدہ ہیں، آپ ۱۹۸۵ کو کراچی میں پیدا ہوئیں، ۲۰۰۶ء کو سید عمیر کے نکاح میں آئیں، ان کی تین صاحب زادیاں ہیں: (۱) سیدہ مہک فاطمہ (۲) سیدہ نور الہدیٰ فاطمہ (۳) سیدہ ہانیہ فاطمہ۔ آپ علامہ صاحب کی فرمائش پر ان کو ان کے پسندیدہ اور مرغوب کھانے پکا کر بھیجتی ہیں، علامہ صاحب فرماتے ہیں: میں نے کسی کے ہاتھ کے کھانوں میں اتنی لذت نہیں چکھی، فجر کی نماز کے بعد وہ اور ان کے خاوند علامہ صاحب کے لیے دعا کرتے ہیں، اسی طرح علامہ صاحب ان دونوں کے لیے اور ان کے بچوں کے لیے ہر وقت اور بالخصوص تہجد میں دعا کرتے ہیں۔

حج اکبر کا شرف

علامہ سعیدی صاحب نے ۱۹۹۴ء میں حجِ بیت اللہ ادا کیا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میرے سفرِ حج کے تمام اہم انتظامات مفتی اعظم پاکستان مولانا منیب الرحمٰن صاحب مدظلہ نے انجام دیئے۔ علامہ صاحب کہتے ہیں کہ میرا از خود ان تمام کاموں کو انجام دینا بہت مشکل تھا، اگر مفتی صاحب میری معاونت نہ کرتے تو میرا حج کرنا بہت مشکل تھا۔ سفرِ حج سے واپسی پر مفتی صاحب نے علامہ صاحب کو استقبالیہ دیا۔

عوام میں یہ مشہور ہے کہ جب ۹ ذی الحجہ جمعہ کے دن ہو تو اس حج کو ''حج اکبر'' کہتے ہیں، لیکن اس میں بھی دو آراء ہیں، چنانچہ علامہ سعیدی صاحب نے شرح صحیح مسلم میں حج اکبر کے اس تصور کو احادیثِ صحیحہ اور اکابر فقہائے اسلام کے اقوال کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ: ''جس سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا اس سال یومِ عرفہ، جمعہ کے دن تھا اور اس حج کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یہ حج اکبر ہے''۔

مومن نیکیوں کے حصول پر حریص ہوتا ہے اور یہی شان ہمیں سعیدی صاحب کی شخصیت اور افکار میں نظر آتی ہے، آپ پیدل حج کرنے کا ارادہ رکھتے تھے کہ ہر قدم پر حرم شریف کی سات سو نیکیوں کا اجر حاصل کر سکیں، لیکن کمر کے درد کی وجہ سے اس خواہش کو پورا نہ کر سکے۔ لہٰذا ''نعمۃ الباری جلد سوم کی حدیث نمبر ۱۵۱۴'' کی شرح میں آپ نے سواری پر حج اور پیدل حج کرنے کی فضیلت پر احادیث کی روشنی میں بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ سواری پر حج کرنا افضل ہے، اس بحث کے آخر میں رقم کرتے ہیں:

''میں پیدل حج کر کے ہر قدم پر حرم شریف کی سات سو نیکیوں کا اجر حاصل نہیں کر سکا، اس چیز کا مجھے بہت قلق رہتا تھا۔ لیکن آج ان سطور کو لکھتے وقت میں سوچ رہا ہوں: میں پیدل حج کر کے اپنی قلبی خواہش کو پورا نہ کر سکا، لیکن میں نے سواری پر حج کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو پا لیا اور سواری کے کرائے میں جو میں نے رقم خرچ کی تو ایک حدیث کے مطابق مجھے ایک روپے کے مقابلہ میں دس لاکھ روپے راہ خدا میں خرچ کرنے کا اجر ملے گا۔ سو اس بحث کو لکھتے وقت پیدل حج نہ کرنے کی وجہ سے مجھے چودہ سال سے جو ملال تھا، وہ آج جاتا رہا۔ (یہ سطور ۲۰ رجب ۱۴۲۸ھ/ ۵ اگست ۲۰۰۷ کو لکھی گئی ہیں)۔

(نعمۃ الباری ج ۳ ص ۷۷۳۔ ۷۷۴، فرید بک اسٹال، لاہور)

علامہ سعیدی صاحب کا اپنے اساتذہ گرامی کو خراجِ تحسین

علامہ سعیدی صاحب اپنے اساتذہ کے ساتھ انتہائی قلبی لگاؤ اور ادب واحترام کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کی شخصیات اور خدمات کا اپنی تحریروں میں جا بجا اعتراف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور اسی انسیت اور محبت کی وجہ سے اپنی کتابوں کو انہی مبارک ہستیوں سے منسوب کرتے ہوئے کچھ اس طرح ذکر کرتے ہیں:

''بکرامی خدمت استاذی واستاذ العلماء فخر المحققین علامہ عطا محمد چشتی بندیالوی، جن کی شفقت کو میں آج تک نہیں بھلا سکا۔ جن کے فیضان نظر سے نجانے کتنے ذرے آسمان علم پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے اور چھا گئے، جن کی تعلیم وتربیت نے مجھے اس قابل بنایا کہ میں کچھ پڑھ سکوں، پڑھا سکوں اور لکھ سکوں۔ آج بھی جسے علم کی واقعی پیاس ہوتی ہے وہ انہی کے چشمۂ فیض تک پہنچتا

ہے۔ (مقالاتِ سعیدی ص ۱۶)

اپنے پیرو مرشد، غزالیٔ زماں کے بارے میں اپنے دلی لگاؤ کا کچھ یوں اظہار کرتے ہیں:

''حضرت غزالیٔ زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ کے نام جن کی ساری زندگی اخلاص وللٰہیت کے ساتھ علم حدیث کی خدمت میں گزری۔ مستقبل کا مؤرخ جب بھی چودھویں صدی کے محدثین کا تذکرہ لکھے گا تو وہ آپ کے ذکر کے بغیر نا تمام رہے گا۔ میں اس تذکرۃ المحدثین کو محدث اعظم حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ العزیز کے نام سے معنون کرتا ہوں''۔
(تذکرۃ المحدثین ص ۳)

اپنے پہلے استاذ حافظ عبد المجید اویسی رحمہ اللہ کے متعلق لکھتے ہیں:

''میں اپنی اس تالیف کو سب سے پہلے استاذ حضرت علامہ مولانا حافظ عبد المجید اویسی کی خدمت اقدس میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، جو میرے سب سے پہلے استاذ ہیں، جن کی بے پناہ شفقتوں سے میں علم دین کو کما حقہ حاصل کرنے کے قابل ہوا۔ آج جب بھی ان کا اندازِ لطف و کرم یاد آتا ہے تو آنکھیں پرنم ہو جاتی ہیں''۔ (مقامِ ولایت و نبوت ص ۵)

علامہ غلام رسول سعیدی صاحب کے تلامذہ

(۱) سید محمد اشرف، ناروے: ۱۹۶۴ء میں شرق پور شریف کے ایک گاؤں چک نمبر ۲۱ ضلع شیخو پورہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کی تکمیل کے بعد ۱۹۷۸ء میں جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو لاہور میں داخلہ لیا۔ علامہ غلام رسول سعیدی صاحب سے شرح تہذیب، قطبی و میر قطبی، میر زاہد ملا جلال پڑھیں۔ بعد ازاں فاضلِ عربی، ایم۔ اے (عربی، اسلامک اسٹڈیز، اردو)، ایم اے السنۂ شرقیہ پنجاب یونیورسٹی سے گولڈ میڈل حاصل کیا۔ نومبر ۱۹۹۴ء سے ۱۹۹۷ء تک کوپن ہیگن، ڈنمارک میں مدرس و خطیب کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ ۱۹۹۷ء سے ۲۰۰۲ تک دی فِنش اسلامک سینٹر ہیلسنکی فن لینڈ میں خدمات انجام دیں۔ وزارتِ تعلیم فن لینڈ میں بہ طورِ اردو استاذ کے چار سال خدمات انجام دیں، ۲۰۰۲ء سے ۲۰۰۵ء تک دوبارہ مسلم کلچرل انسٹیٹیوٹ، کوپن ہیگن، ڈنمارک میں چار سال خدمات انجام دیں۔ ۲۰۰۵ء سے تا حال النور اسلامک سینٹر، اوسلو، ناروے میں بہ طور استاذ و امام و خطیب خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ۱۹۸۶ء سے ۱۹۹۴ء تک جامعہ نعیمیہ میں تدریسی خدمات انجام دیں اور ناظم تعلیمات رہے۔

(۲) ڈاکٹر صاحبزادہ سید جمیل الرحمٰن شاہ صاحب: ان کے والد سید محمد شفیع بخاری دہلوی سلسلۂ چشتیہ صابریہ کے مشہور و معروف پیشوا تھے، انہوں نے بے شمار لوگوں کو شرفِ بیعت سے نوازا، چشتی آباد شریف کامونکی میں ان کا مزارِ پرانوار ہے۔

۱۹۵۱ء میں ڈاکٹر سید جمیل الرحمٰن کی کامونکی میں ولادت ہوئی، انہوں نے جامعہ اسلامیہ بہاول پور اور جامعہ نعیمیہ لاہور میں علومِ اسلامیہ کی تکمیل کی۔ انہوں نے ۱۹۷۵ء اور ۱۹۷۶ء میں دو مرتبہ علامہ غلام رسول سعیدی صاحب سے دورۂ حدیث شریف کی کتابیں پڑھیں۔ پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے (عربی و اسلامیات) اور پی ایچ۔ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ گورنمنٹ کالج لاہور اور گورنمنٹ کالج کامونکی میں تدریس فرماتے رہے، ۲۰۱۱ء میں ریٹائر ہو گئے۔ ان کی تصنیفات میں (۱) ''غایۃ الحواشی حاشیہ شرح وقایہ'' (۲) تذکرہ اولیائے چشت (۳) شجرۂ طریقت، مشہور اور معروف ہیں۔ ۱۹۷۸ء سے ۱۹۸۴ء تک جامعہ نعیمیہ لاہور میں تدریس فرماتے رہے اور آج کل جامعہ چشتیہ کامونکی میں تدریس فرما رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو پانچ مرتبہ حج بیت اللہ کا

شرف عطا فرمایا اور سولہ مرتبہ عمرہ کرنے کی سعادت حاصل کی۔تقریباً ہر سال برطانیہ کا تبلیغی دورہ کرتے ہیں۔
(۳) صاحبزادہ محمد حبیب الرحمٰن محبوبی (بریڈ فورڈ، برطانیہ): انہوں نے حضرت علامہ سعیدی صاحب سے ۱۹۷۶ء میں دورہ حدیث شریف کی کتابیں پڑھیں۔بعدازاں ۱۹۷۹ء میں صاحبزادہ حبیب الرحمٰن تبلیغ اسلام کے لئے برطانیہ کے شہر برمنگھم اور پھر بریڈ فورڈ میں گئے اور تاحال وہیں مقیم ہیں۔برطانیہ میں ان کے معتقدین اور مریدین کا حلقہ بہت وسیع ہے۔صاحبزادہ حبیب الرحمٰن نے برطانیہ میں صفۃ الاسلام کے نام سے دینی ادارہ قائم کیا، پھر کچھ عرصہ بعد بریڈ فورڈ میں عظیم الشان جامع مسجد تعمیر کی۔ پورے یورپ اور امریکا وغیرہ میں تبلیغِ اسلام کے سلسلہ میں ان کے خطابات ہوتے رہتے ہیں۔تقریباً ہر سال حج اور عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے لیے حرمین طیبین کا سفر کرتے ہیں۔بارہا علامہ سعیدی صاحب سے ملاقات کرنے کے لیے کراچی بھی آئے۔جیّد عالمِ دین ہیں اور نہایت متقی اور پرہیزگار ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عشق ومحبت میں ڈوبی ہوئی تقریریں کرتے ہیں۔پاکستان اور بیرونِ پاکستان میں ان کے مریدوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، آج کل صفۃ الاسلام بریڈ فورڈ میں صحیح البخاری اور دیگر کتبِ حدیث پڑھا رہے ہیں۔انہوں نے دو مرتبہ علامہ سعیدی صاحب کو برطانیہ بلایا، پہلی بار ۱۹۹۰ء میں تین ماہ علامہ سعیدی صاحب کا بریڈ فورڈ میں ان کے پاس قیام رہا اور ان کی رفاقت میں برطانیہ کے متعدد شہروں میں خطابات کے لئے جاتے رہے۔ دوسری مرتبہ ۱۹۹۳ء میں دو ماہ علامہ سعیدی صاحب کا ان کے پاس قیام رہا اور ان کی رفاقت میں برطانیہ کے متعدد شہروں میں خطابات کرتے رہے۔
(۴) علامہ غلام نصیر الدین چشتی گولڑوی: یکم محرم الحرام ۱۳۷۷ھ/ ۱۱ اگست ۱۹۵۸ء کو ہارون آباد میں پیدا ہوئے، مروجہ تعلیم مڈل تک حاصل کی، درسِ نظامی کی تعلیم دار العلوم نعیمیہ کراچی، جامعہ نعیمیہ، گڑھی شاہو لاہور اور جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں حاصل کی۔ ۱۹۸۶ء میں فارغ التحصیل ہونے کے بعد جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور سے تدریس کا آغاز کیا اور سات سال تک وہاں پڑھایا، اور اس کے بعد جامعہ عثمانیہ فاروق آباد میں تین سال پڑھایا، پھر ۱۹۹۴ء سے تادمِ تحریر جامعہ نعیمیہ، لاہور میں درسِ نظامی کی منتہی کتب اور کتبِ حدیث پڑھا رہے ہیں۔ان کی تصانیف یہ ہیں: (۱) **تراجم المحدثین و مزایا مؤلفاتھم** (عربی)، (۲) **متطلبات التوحید والعقبات فی طریق تطبیقھا** (علامہ غلام رسول سعیدی صاحب کی کتاب ''معاشرے کے ناسور'' کا عربی ترجمہ)، (۳) مصطلحات الحدیث (شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے مقدمہ مشکوٰۃ کا اردو ترجمہ) (۴) شہر یارِ علم (علامہ شرف صاحب رحمہ اللہ کی المعجزہ والکرامت، کا اردو ترجمہ) (۵) فلسفہ قربانی، (۶) سفرِ آخرت کی منازل (یہ علامہ قرطبی کی کتاب کا اردو ترجمہ ہے) (۷) کتاب البر والصلۃ (یہ علامہ ابن الجوزی کی کتاب کا ترجمہ ہے)، (۸) السباعیات، اس کا موضوع فقہ حنفی ہے اور یہ عربی کتاب کا ترجمہ ہے۔
(۵) مولانا حافظ محمد واحد بخش غوثوی: ۳۰ جون ۱۹۴۹ کو مظفر گڑھ کے علاقے میں پیدا ہوئے۔درس نظامی کے ابتدائی درجات اپنے علاقہ میں اور ڈیرہ غازی خان میں پڑھے، بعدازاں جب استاذ العلماء حضرت علامہ صاحب کے متعلق علم منطق اور علم فلسفہ کا شہرہ سنا تو ان علوم کے حصول کے لیے جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو لاہور میں داخلہ لے لیا۔علامہ صاحب سے مرقات، شرح تہذیب، سلم العلوم، ملاحسن، حمد اللہ، قاضی مبارک، ہدایۃ الحکمت، میبذی، صدرا، شمس بازغہ، شرح جامی، شرح عبدالغفور، شرح عقائد،

خیالی، شرح نخبۃ الفکر، بیضاوی، جلالین (نصف اول)، بخاری شریف، طحاوی شریف، صحیح مسلم شریف، ترمذی شریف، ابن ماجہ، ابوداؤد اور نسائی پڑھیں۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد علامہ سعیدی صاحب کے مشورہ سے تفسیر مدارک التنزیل کا ترجمہ کیا جو فرید بک اسٹال لاہور سے تین مجلدات میں شائع ہو چکا ہے۔

(۶) مولانا عارف حسین اشرفی سعیدی، چشم، لندن: مولانا عارف حسین اشرفی علامہ صاحب کے قدیم شاگردوں میں سے ہیں۔ انہوں نے ۱۹۸۰ء میں علامہ سعیدی صاحب سے قطبی، میر قطبی، ملاحسن، رسالہ قطبیہ، میر زاہد، ملا جلال، مختصر المعانی اور میبذی وغیرہا فنون کی کتابیں پڑھیں اور ۱۹۸۴ء میں دورۂ حدیث پڑھا۔ دسمبر ۱۹۹۴ء میں برطانیہ روانہ ہو گئے اور تادمِ تحریر چشم، لندن کی جامع مسجد میں امامت و خطابت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ انہوں نے دو مرتبہ علامہ سعیدی صاحب کو چشم لندن میں بلایا اور ۱۹۹۰ء میں اپنے بڑے بیٹے عرفان عارف کی علامہ سعیدی صاحب سے رسمِ بسم اللہ کرائی۔ اس وقت عرفان عارف کی عمر چھ سال تھی، اب ماشاء اللہ اس کی عمر ۲۸ سال ہے۔ انہوں نے ۲۰۱۱ء میں کیمبرج یونیورسٹی سے ایل ایل۔ ایم کیا ہے اور یونیورسٹی میں ٹاپ کیا ہے اور ۲۰۰۹ء میں لندن یونیورسٹی سے ایل ایل۔ بی میں ٹاپ کیا ہے۔ ۱۹۹۳ء میں جب علامہ سعیدی صاحب دوبارہ برطانیہ گئے تو مولانا عارف اشرفی نے اپنے دوسرے بیٹے محمد عمران عارف کی علامہ سعیدی صاحب سے رسم بسم اللہ کرائی۔ انہوں نے اکاؤنٹنگ اور اکنامکس میں لندن یونیورسٹی سے فرسٹ ڈویژن میں گریجویشن کیا ہے۔ مولانا عارف حسین علامہ سعیدی صاحب سے بہت محبت کرتے ہیں اور اکثر و بیشتر اسکائپ کے ذریعہ علامہ صاحب سے بات کرتے رہتے ہیں، اور عید الفطر اور بقر عید پر فون پر رابطہ رکھتے ہیں۔

(۷) مولانا حکیم عبد المجید: ۱۵ ستمبر ۱۹۵۲ء کو تحصیل اوگی، ضلع مانسہرہ، خیبر پختونخوا میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے علامہ سعیدی صاحب سے درسِ نظامی کی تعلیم دورۂ حدیث تک حاصل کی، علامہ سعیدی صاحب کے قدیم ترین شاگرد ہیں۔ مفتی اعظم پاکستان علامہ منیب الرحمٰن صاحب کے چچازاد اور خالہ زاد ہیں۔

(۸) مولانا عبد اللہ سلطانی (برمنگھم، برطانیہ): انہوں نے ۱۹۸۵ء میں حضرت علامہ سعیدی صاحب سے صحیح مسلم شریف پڑھی، پھر یہ برطانیہ چلے گئے۔ علامہ صاحب جب ۱۹۹۰ء اور ۱۹۹۳ء میں برطانیہ گئے تو وہاں برمنگھم میں ان سے ملاقات کی، یہ بھی علامہ سعیدی صاحب کے بہت خدمت گزار ہیں۔ جب پاکستان آتے ہیں تو کراچی میں علامہ سعیدی صاحب سے ملاقات کے لیے آتے ہیں۔

(۹) مولانا حافظ اشرف چوہدری، جرمنی: یہ بھی علامہ سعیدی صاحب کے قدیم شاگردوں میں سے ہیں، جب پاکستان آتے ہیں تو علامہ صاحب سے ملاقات کے لیے کراچی آتے ہیں۔

(۱۰) مولانا منور احمد نعیمی: ۱۹۶۸ء ملیر، کراچی میں پیدا ہوئے، ان کے والد بزرگوار بانس (بریلی، بھارت) سے ہجرت کر کے آئے۔ انہوں نے ۱۹۸۹ء میں علامہ سعیدی صاحب سے صحیح البخاری پڑھی، علامہ سعیدی صاحب سے بہت محبت رکھتے ہیں اور بہت خدمت گزار ہیں اور ان کے سارے بینک اور تنخواہ کے معاملات یہی حل کرتے ہیں۔ دار العلوم نعیمیہ کے تمام مالی معاملات ان کی نگرانی میں چلتے ہیں۔ مفتی اعظم پاکستان علامہ منیب الرحمٰن صاحب نے ان کی دیانت داری کی تحسین کرتے ہوئے فرمایا: ''منور کے ہاتھوں میں دار العلوم کے لاکھوں روپے رہتے ہیں اور کبھی ایک پیسے کا فرق نہیں آیا''۔ مفتی صاحب کی غیر موجودگی میں یہی

دارالعلوم کا انتظام وانصرام کرتے ہیں۔ دارالعلوم نعیمیہ کے زیرِ انتظام جو اجتماعی قربانی ہوتی ہے اور ہر سال ۳۰۰ سے زائد گایوں کی قربانی ہوتی ہے اس کے تمام مالی معاملات مولانا منور صاحب کی ولولہ انگیز قیادت میں خوش اسلوبی سے انجام پاتے ہیں۔

(۱۱) مولانا ابوشجاع احمد علی حبیبی سعیدی: انہوں نے پہلے جامعہ نظامیہ لاہور میں مفتی عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت علامہ عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ سے مختلف علوم وفنون پڑھے، پھر کراچی میں ۱۹۹۱ء میں علامہ سعیدی صاحب سے دورہ حدیث شریف کی تعلیم حاصل کی اور اسی سال سے دارالعلوم نعیمیہ میں تدریس کر رہے ہیں اور صدرالمدرسین کے منصب پر فائز ہیں اور تاحال دارالعلوم نعیمیہ سے وابستہ ہیں۔

(۱۲) مولانا حافظ علی عمران صدیقی: ہندوستان کے صوبہ بہار کے شہر پٹنہ میں پیدا ہوئے، ۱۹۸۵ء میں دارالعلوم نعیمیہ میں داخلہ لیا اور شہادۃ العالمیۃ کی سند حاصل کی، انہوں نے علامہ صاحب سے ۱۹۹۳ء میں متعدد کتب پڑھی ہیں۔ یہ ادارے میں تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

(۱۳) سید محمد نذیر شاہ، ایم۔اے اسلامیات، بی ایڈ: یہ دارالعلوم نعیمیہ کے فاضل ہیں، اور انہوں نے ۱۹۹۳ء میں علامہ صاحب سے دورۂ حدیث کی کتب پڑھیں۔ آج کل دارالعلوم نعیمیہ میں مدرس ہیں اور درجۂ حدیث تک اسباق پڑھاتے ہیں۔

(۱۴) مولانا محمد عبداللہ نورانی القادری: انہوں نے ۱۹۹۹ء میں علامہ صاحب سے صحیح البخاری کا درس لیا۔ ان کو تصنیف وتالیف کا شوق ہے۔ ۲۰۰۷ء میں علامہ صاحب کی تفسیر ''تبیان القرآن'' کی تلخیص اور ترتیب کی جس کا نام علامہ صاحب کے مشورہ سے ''انوار تبیان القرآن'' رکھا۔ یہ کتاب فرید بک اسٹال، لاہور سے شائع ہو چکی ہے۔ اس کے علاوہ بھی مولانا عبداللہ نورانی کی کئی کتب زیورِ طبع سے مرصع ہو چکی ہیں۔ آپ اسلامک سینٹر نارتھ ناظم آباد میں مدرس ہیں اور اسلامک مشن یونیورسٹی برائے خواتین میں بھی تدریس کرتے ہیں۔ علامہ صاحب سے محبت اور عقیدت رکھتے ہیں اور گاہے گاہے زیارت کے لیے آتے رہتے ہیں۔

(۱۵) مولانا محمد صابر حسین نورانی: انہوں نے ۱۹۹۹ء میں علامہ صاحب سے صحیح البخاری پڑھی، یہ علامہ صاحب سے بہت محبت کرتے ہیں، علامہ صاحب کو شہر میں جو بھی کام ہوتا ہے، علامہ صاحب مولانا نورانی کو بلالیتے ہیں اور وہ اس کو بہ صد اخلاص اور محبت انجام دیتے ہیں۔ علامہ صاحب نے ان سے صحیح البخاری کی تخریج بھی کرائی ہے۔ آج کل جامعہ انوار القرآن کراچی میں تدریس ونظامت کے فرائض انجام دے رہے ہیں اور شاہ فیصل کالونی کراچی کی مسجد میں خطابت کے فرائض انجام دیتے ہیں۔

(۱۶) مولانا سید محمد علی شاہ قادری: ۱۹۹۴ء میں دارالعلوم نعیمیہ میں تعلیم کے لیے داخل ہوئے اور شہادۃ العالمیۃ تک تکمیل کی، ادارے کے دیگر اساتذہ سے درس نظامی کی کتابیں پڑھیں اور ۲۰۰۰ء دورہ حدیث علامہ صاحب سے کیا۔ یہ بھی دارالعلوم نعیمیہ میں تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

(۱۷) مولانا حافظ محمد ناصر خان چشتی، تونسہ شریف: ۲۰۰۰ء میں علامہ صاحب سے صحیح البخاری پڑھی، یہ دارالعلوم نعیمیہ کے فاضل ہیں اور تصنیف وتالیف کا شوق رکھتے ہیں، ان کی تصانیف میں سیرت پیغمبر انقلاب، اسلامی تہذیب وتمدن، خزینہ رحمت، قربانی کے فضائل واحکام اور حیاتِ سعید ملت مشہور ہیں اور کئی بار طبع ہو چکی ہیں۔

(۱۸) مولانا حافظ عنایت اللہ نعیمی: یہ دارالعلوم نعیمیہ کے فاضل ہیں، انہوں نے ۱۹۹۷ء میں دارالعلوم نعیمیہ میں داخلہ لیا اور ۲۰۰۰ء

میں علامہ صاحب سے دورہ حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ یہ دارالعلوم نعیمیہ میں تدریس اور جامع مسجد آرام باغ میں خطابت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

(۱۹) مفتی محمد اسماعیل نورانی: ان کی پیدائش ۱۹۸۳ء کراچی میں ہوئی۔ ۱۹۹۲ء میں قرآن مجید حفظ کیا۔ ۱۹۹۵ء سے درسِ نظامی پڑھنا شروع کیا اور ۲۰۰۲ء میں علامہ سعیدی صاحب سے صحیح البخاری پڑھی۔ انہوں نے علامہ سعیدی صاحب کے مشورہ سے ۲۰۰۳ء میں تفسیر خازن کا ترجمہ کیا، اس میں درج احادیث کی تخریج کی اور فقہی مذاہب میں مذہبِ احناف کی ترجیح ذکر کی۔ یہ کتاب فرید بک اسٹال لاہور سے شائع ہو چکی ہے۔ نیز یہ ۲۰۰۴ء سے افتاء نویسی کر رہے ہیں، ان کے فتاوی کا مجموعہ ''انوار الفتاوی'' کے نام سے فرید بک اسٹال لاہور سے شائع ہو چکا ہے۔ اور انہوں نے شرح صحیح مسلم اور تبیان القرآن کے تعارف اور علامہ سعیدی صاحب کی سوانح پر مشتمل ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ''حقائق شرح صحیح مسلم ودقائق تبیان القرآن'' ہے، یہ کتاب بھی فرید بک اسٹال لاہور سے شائع ہو چکی ہے اور آج کل ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ کی ''شرح الشفاء'' کا ترجمہ اور اس کی مختصر شرح پر کام کر رہے ہیں۔ بے حد خوش آواز ہیں، شہر اور بیرون شہر ان کے متعدد خطابات ہوتے ہیں۔ ۲۰۱۱ء سے QTV میں مختلف پروگرام ٹیلی کاسٹ کرتے ہیں اور ''تفہیم المسائل'' کے نام سے ہر ہفتہ پروگرام پیش کرتے ہیں جس میں ناظرین کے فقہی سوالات کے جوابات دیتے ہیں۔ ماشاء اللہ ان کا یہ پروگرام دنیا کے بیشتر ممالک میں دیکھا جاتا ہے اور بہت معروف، مشہور اور مقبول ہے۔ ۲۰۰۳ء سے ۲۰۱۳ء تک ''جامع مسجد الماس'' عزیز آباد کراچی میں خطابت کی اور ۲۰۱۳ء سے تاحال ''جامع مسجد امام اعظم ابوحنیفہ'' گلشن اقبال میں خطابت کر رہے ہیں۔ ۲۰۱۴ء میں حج کی اور متعدد بار عمرہ کی سعادت حاصل کر چکے ہیں۔ علامہ سعیدی صاحب سے بے حد محبت اور عقیدت رکھتے ہیں اور ہفتہ میں کم از کم ایک بار ضرور علامہ سعیدی صاحب سے ملاقات کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔ یہ جامعہ انوار القرآن میں سینئر مدرس اور مفتی ہیں۔

(۲۰) محمد عرفان المانی: ایف۔اے، فاضل عربی، فاضل درسِ نظامی: یہ دارالعلوم نعیمیہ کے فاضل ہیں، ۲۰۰۲ء میں علامہ صاحب سے بخاری شریف پڑھی۔ ۲۰۰۳ء سے ۲۰۰۹ء تک مکتبہ فیض القرآن سے وابستہ رہے۔ آج کل ''ادارہ جمعیت اشاعت اہلسنت'' کراچی میں کمپیوٹر آپریٹر کے طور پر کام کر رہے ہیں اور فتویٰ نویسی بھی کرتے ہیں۔ ۲ سال تک علامہ صاحب کی خدمت میں مصروف رہے۔

(۲۱) مولانا حافظ ابرار احمد: ۲۰۰۳ء میں علامہ صاحب سے دورۂ حدیث کی تعلیم حاصل کی۔

(۲۲) مولانا قاری بہادر خان چترالی: مروّجہ تعلیم انٹرمیڈیٹ تک حاصل کی، ۱۹۹۳ء میں دارالعلوم نعیمیہ میں داخلہ لیا اور حفظ القرآن سے مکمل درسِ نظامی کی تعلیم حاصل کی، ۲۰۰۴ء میں علامہ سعیدی صاحب سے صحیح البخاری پڑھی۔ ۲۰۰۷ء سے تاحال دارالعلوم نعیمیہ میں مدرس و ناظم دارالاقامۃ کے منصب پر فائز ہیں۔ علامہ سعیدی صاحب کی نہایت اخلاص کے ساتھ خدمت میں مصروف رہتے ہیں۔

(۲۳) مولانا آثار اللہ: یہ دارالعلوم نعیمیہ کے فاضل ہیں، ۲۰۰۵ء میں علامہ صاحب سے کتبِ حدیث پڑھیں۔ آج کل دارالعلوم نعیمیہ میں تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

(۲۴) مولانا حافظ وقاری مفتی حکیم سید محمد سفیان علی شاہ چشتی قادری: یہ بارگاہِ واحدیہ سخی حسن کراچی کے سجادہ نشین ہیں۔ بین الاقوامی تعلقات، اسلامیات اور عربی میں ایم۔ اے کر چکے ہیں۔ دار العلوم نعیمیہ کے فاضل ہیں، فاضل عربی بھی کیا ہے اور کراچی یونیورسٹی سے ایم فل کر رہے ہیں۔ ۲۰۰۹ء میں علامہ صاحب سے صحیح البخاری پڑھی اور فراغت کے بعد ۲۰۱۲ء تک دار العلوم نعیمیہ میں صحیح مسلم شریف پڑھاتے رہے ہیں۔ ۲۰۱۳ء سے ۲۰۱۴ء تک فیڈرل گورنمنٹ کالج جہلم کینٹ میں لیکچرار رہے اور اب فیڈرل گورنمنٹ بوائز کالج کراچی کینٹ میں لیکچرار ہیں۔ سندھ اور پنجاب میں خطابات کرتے رہتے ہیں، نہایت ذکی اور ذہین ہیں۔

(۲۵) مولانا حافظ محمد اویس نقشبندی: درسِ نظامی کی ابتدائی کتابوں سے علامہ صاحب کی خدمت میں رہے ہیں۔ علامہ صاحب سے بہت مانوس تھے، ۲۰۰۹ء میں انہوں نے علامہ صاحب سے صحیح البخاری پڑھی۔ ۲۰۰۶ء سے مسجدِ ناخدا کچھی میمن سوسائٹی بہادر آباد میں خطیب ہیں، PTV، QTV اور میٹرو ٹی وی پر گاہے گاہے آتے رہتے ہیں۔ علامہ صاحب سے بہت محبت رکھتے ہیں اور ان کے ساتھ تا حال وابستہ ہیں۔

(۲۶) حافظ محمد جمشید ہاشمی، مظفر گڑھ، پنجاب: مڈل تک اسکول کی تعلیم اپنے علاقہ میں حاصل کی اور اپنے علاقہ میں ہی قرآن مجید حفظ کیا۔ 2007ء میں کراچی سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ۲۰۰۲ء میں دار العلوم نعیمیہ میں داخلہ لیا، یہ دار العلوم نعیمیہ کے فاضل ہیں اور ۲۰۰۹ء میں علامہ صاحب سے دورہ حدیث شریف مکمل کیا۔ ۲۰۱۱ء میں تخصص فی الفقہ والافتاء مکمل کیا۔

(۲۷) مولانا حافظ محمد عبد اللہ بن محمد ولی اللہ: انہوں نے ۲۰۱۰ء میں علامہ صاحب سے دورہ حدیث کی کتب پڑھیں۔ آج کل وہ سنن ترمذی کی شرح لکھ رہے ہیں اور اس کی دو جلدوں کا مسودہ تیار کر چکے ہیں۔ یہ دار العلوم نعیمیہ میں مدرس ہیں اور نہایت ذکی اور فاضل جوان عالم ہیں، ان کے والد بھی دار العلوم نعیمیہ کے فاضل ہیں اور نہایت صالح عالمِ دین ہیں، اپنے قائم کردہ ادارے میں تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

(۲۸) مولانا حافظ شفیق الرحمٰن القادری، ضلع صوابی، خیبر پختونخوا: یہ دار العلوم نعیمیہ میں زیرِ تعلیم رہے ہیں اور آج کل درجۂ حدیث میں پڑھ رہے ہیں، علامہ صاحب سے صحیح البخاری پڑھی ہے اور علامہ صاحب کی بہت اخلاص سے خدمت میں مصروف رہتے ہیں، بہترین مقرر ہیں اور آج کل بزمِ نعیمی کے صدر ہیں۔

(۲۹) مولانا حافظ عبد المجید چانڈیو: یہ دار العلوم نعیمیہ میں درجۂ حدیث میں زیرِ تعلیم ہیں اور علامہ صاحب سے صحیح البخاری پڑھ رہے ہیں، یہ علامہ صاحب کے نہایت مخلص اور سعادت مند شاگرد ہیں۔

(۳۰) حافظ محمد عثمان شاہ، مانسہرہ، خیبر پختونخوا: یہ دار العلوم نعیمیہ کے درجۂ حدیث میں زیرِ تعلیم ہیں اور علامہ صاحب سے صحیح البخاری پڑھ رہے ہیں۔

(۳۱) محمد منور علی شیخ، سکندر پور، انڈیا: یہ دار العلوم نعیمیہ کے درجۂ حدیث میں زیرِ تعلیم ہیں اور علامہ صاحب سے صحیح البخاری پڑھ رہے ہیں۔

(۳۲) محمد فرید انور، خیر پور، سندھ: یہ بھی دار العلوم نعیمیہ میں درجۂ حدیث میں زیرِ تعلیم ہیں اور علامہ صاحب سے صحیح البخاری پڑھ رہے ہیں۔

(۳۳) مولانا نذیر احمد چانڈیو: یہ بھی دار العلوم نعیمیہ کے درجۂ حدیث میں زیرِ تعلیم ہیں اور علامہ صاحب سے صحیح البخاری پڑھ رہے ہیں۔

حضرت علامہ سعیدی صاحب ۱۹۶۶ء سے تا دمِ تحریر دورہ حدیث شریف کی کتابیں پڑھا رہے ہیں، ان کے تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے تاہم چند اہم اور مشہور تلامذہ کے اسماء تحریر کئے گئے ہیں۔

علامہ غلام رسول سعیدی صاحب کی تصانیف

(۱) توضیح البیان لخزائن العرفان: مشہور دیوبندی عالم محمد سرفراز خان صفدر گکھڑوی نے صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مرادآبادی کی تفسیر خزائن العرفان پر تیرہ اعتراضات کئے تھے۔ علامہ صاحب نے ہر اعتراض کے جواب میں ایک مفصل باب لکھا، یہ کتاب پاکستان اور ہندوستان سے متعدد مرتبہ شائع ہو چکی ہے۔ اس کے شائع ہونے کے چودہ سال بعد شیخ سرفراز گکھڑوی نے اس کے ایک باب کا جواب ''اتمام البرہان'' کے نام سے لکھا۔ علامہ صاحب نے مقامِ ولایت و نبوت کے نام سے علی الفور اس کا جواب لکھ دیا، جو متعدد بار شائع ہو چکا ہے۔ شیخ گکھڑوی نے اس کے بعد توضیح البیان کے تین، چار ابواب کا جواب ''اتمام البرہان'' کے بقیہ حصوں کے نام سے لکھا لیکن علامہ صاحب اس وقت شرح صحیح مسلم کی تصنیف میں شروع ہو چکے تھے لہٰذا انہوں نے ''اتمام البرہان'' کے بقیہ حصوں کے جوابات کی طرف توجہ نہیں کی۔

(۲) ذکر بالجہر: بلند آواز سے ذکر کرنے کے جواز اور استحسان کے متعلق علامہ صاحب نے ذکر بالجہر لکھی، شیخ گکھڑوی نے اس کے جواب میں ''اخفاء الذکر'' لکھی، علامہ صاحب نے اس کے جواب میں ''ذکر بالجہر'' کا دوسرا حصہ لکھا، یہ دونوں حصے متعدد بار شائع ہو چکے ہیں۔

(۳) تذکرۃ المحدثین: اس کتاب میں ائمہ اربعہ اور صحاحِ ستہ کے مؤلفین اور ان کی تالیفات کا مفصل تذکرہ ہے، یہ کتاب پاکستان اور ہندوستان میں متعدد مرتبہ شائع ہو چکی ہے اور اب ''ضیاء القرآن پبلی کیشنز'' سے شائع ہو رہی ہے۔

(۴) تاریخ نجد و حجاز: مکہ اور مدینہ میں محمد بن عبد الوہاب نجدی کے تسلط کی مفصل تاریخ ہے، بعض وجوہ سے علامہ صاحب نے یہ کتاب مفتی محمد عبد القیوم قادری کے نام سے شائع کرا دی تھی۔ مولانا محمد اشرف سیالوی لکھتے ہیں: ''مزید تفصیلات معلوم کرنے کے لیے ''تاریخ نجد و حجاز'' مؤلفہ ''علامہ غلام رسول سعیدی صاحب'' کا مطالعہ فرمائیں۔ (گلشنِ توحید و رسالت: ص ۳۹)

یہ کتاب پاکستان اور ہندوستان سے متعدد بار شائع ہو چکی ہے۔

(۵) مقالاتِ سعیدی: اس کتاب میں علامہ صاحب کے متعدد مضامین ہیں، پہلے یہ کتاب فرید بک اسٹال لاہور نے شائع کی تھی اور اب ''ضیاء القرآن پبلی کیشنز'' کراچی سے شائع ہو رہی ہے۔

(۶) شرح صحیح مسلم: ۱۹۸۶ء میں علامہ صاحب نے اس کی تصنیف کا آغاز کیا اور ۱۹۹۴ء میں اس کو مکمل کیا۔ اس کی سات ضخیم مجلدات ہیں اور مجموعی طور پر یہ کتاب آٹھ ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔ اب تک اس کتاب کے ۱۹ سے زائد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

(۷) تفسیر تبیان القرآن: ۱۹۹۴ء میں علامہ صاحب نے اس تفسیر کو لکھنے کا آغاز کیا اور ۲۰۰۶ء میں بارہ ضخیم مجلدات میں اس کو مکمل

کیا، یہ تفسیر بھی تقریباً بارہ ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔اب تک اس کے ۱۳ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔
(۸) نعمۃ الباری فی شرح صحیح البخاری: اس کی پہلی سات جلدیں ''نعمۃ الباری'' کے نام سے فرید بک اسٹال لاہور نے شائع کیں اور بعد کی ۹ مجلدات ضیاء القرآن پبلی کیشنز نے ''نِعَمُ الباری'' کے نام سے شائع کی ہیں۔اس کتاب کے پانچ سے زیادہ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔اس کی تصنیف کی ابتداء ۲۰۰۶ء میں ہوئی تھی اور اس کی تکمیل ۲۰۱۴ء میں ہوئی ہے۔''نِعَمُ الباری'' کے بھی پانچ سے زیادہ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔
(۹) تفسیر تبیان الفرقان: تبیان القرآن کے بعد تفسیر تبیان الفرقان لکھنے کا سبب یہ ہے کہ تفسیر تبیان القرآن میں علامہ صاحب نے امام رازی کی تفسیر کبیر سے استفادہ کیا اور ''تبیان الفرقان'' میں امام ابو منصور ماتریدی کی تفسیر تاویلاتِ اہل السنۃ اور دیگر مفسرین احناف سے استفادہ کیا ہے۔نیز تفسیر تبیان الفرقان میں علامہ صاحب نے بعض آزاد منش لکھاریوں پر تعاقب کیا ہے، مثلاً سر سید احمد خان، غلام احمد پرویز، امین احسن اصلاحی، جاوید احمد غامدی، سید ابوالاعلیٰ مودودی اور ڈاکٹر محمد شکیل اوج وغیرہ۔اور اسلام کے مسلّم نظریات کے خلاف جو اِن لوگوں کے افکار ہیں ان کا دلائل کے ساتھ مفصل رد کیا ہے۔علاوہ ازیں تفسیر تبیان الفرقان میں احادیث اور آثار کے حوالہ جات تبیان القرآن سے بہت زیادہ پیش کیے ہیں۔تفسیر تبیان الفرقان میں قرآنِ مجید کا ترجمہ تبیان القرآن میں کیے ہوئے ترجمہ سے بالکل مختلف اور بہت سہل اور سلیس ہے۔ان شاء اللہ یہ تفسیر چھ مجلدات میں مکمل ہوگی اور اس کی پہلی جلد اب قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔

فرید بکسٹال لاہور سے علیحدگی اور ضیاء القرآن پبلی کیشنز سے وابستگی

بعض ناگزیر وجوہات کی بناء پر 2012ء میں علامہ سعیدی صاحب نے فرید بکسٹال لاہور سے علیحدگی اختیار کر لی اور ضیاء القرآن پبلی کیشنز سے وابستہ ہو گئے۔جب سعیدی صاحب ضیاء القرآن پبلی کیشنز سے وابستہ ہوئے تو اس وقت نعم الباری شرح صحیح البخاری جلد ہشتم زیر تصنیف تھی۔

عمر کے اس آخری حصہ میں اور اس ہوش ربا مہنگائی کے دور میں ڈھلتی ہوئی عمر کی وجہ سے علامہ صاحب کو سنگین امراض لاحق ہوئے، دونوں آنکھوں میں موتیا اتر آیا، جس کی وجہ سے دونوں آنکھوں کا لیزر آپریشن کرایا گیا اور اس علاج میں تقریباً دو لاکھ روپے صرف ہوئے، دونوں گھٹنوں کی ہڈیوں کے درمیان فصل (Gap) پیدا ہو گیا جس کا بہت مہنگا علاج جاری ہے، اس وجہ سے چلنے پھرنے اور کھڑے ہو کر اور رکوع وسجود کے ساتھ نماز پڑھنے سے معذور ہو گیا اور سماعت تقریباً ختم ہو گئی، جس کے لیے ساٹھ ہزار روپے خرچ کر کے آلہ سماعت (Heairing Aid) بنوانا پڑا، دونوں پیروں میں سوجن ہو گئی، ان تمام امراض کے علاج معالجہ اور تصنیف وتالیف کے سلسلہ میں قیمتی کتب کی خرید کے لئے فرید بک اسٹال کا معاوضہ انتہائی ناکافی تھا، اس لیے علامہ صاحب نے اس ضرورت کے پیشِ نظر ''ضیاء القرآن پبلی کیشنز'' سے نیا معاہدہ کیا۔محترم محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب مدظلہٗ نے صحیح البخاری کی بقیہ نو جلدوں (نعم الباری) کا بہت حوصلہ افزا نذرانہ پیش کیا، اور اب جب تفسیر ''تبیان الفرقان'' شروع کی تو محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب مدظلہٗ نے اس میں مزید اضافہ فرمایا۔نیز ''نعم الباری'' اور تفسیر ''تبیان الفرقان'' کی کمپوزنگ کے اخراجات کی مد میں فی جلد

تقریباً ایک لاکھ روپیہ صرف کرتے ہیں، اور علامہ صاحب کو ضرورت کی تمام کتابیں اپنے پاس سے خرید کر مہیا کرتے ہیں۔

علامہ سعیدی صاحب کے متعلق معاصرین کے تاثرات

(۱) استاذ العلماء مولانا محمد اشرف سیالوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الحدیث جامعہ غوثیہ مہریہ منیر الاسلام لکھتے ہیں:

علامہ سعیدی نے اس عظیم شرح میں صرف اپنے زور بیان اور منفرد اسلوبِ نگارش کا لوہا ہی نہیں منوایا بلکہ تحقیق وتدقیق کے جواہر نفیسہ کے خزائن کی بے دریغ سخاوت کی ہے اور کتاب کے ہر صفحہ کو طالبانِ تحقیق کے لیے خوانِ یغما بنا دیا ہے اور تشنگانِ حقائق ومعارف کے لیے اس کے ہر باب کو چشمۂ آبِ حیواں بنا دیا ہے، آپ نے اس لاثانی شرح کے ذریعہ جہاں علماء اہلسنّت کی لاج رکھ لی ہے وہاں عوام اہلسنّت پر بالخصوص اور عالم اسلام پر بالعموم احسان عظیم فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ بطفیلِ مقرّبان بارگاہ نازان کی اس سعی جمیل کو قبول عام بخشے اور سرچشمۂ فیض عام بنائے۔

(۲) علامہ سید محمود احمد رضوی علیہ الرحمہ، شارح صحیح بخاری وشیخ الحدیث دار العلوم حزب الاحناف، لاہور لکھتے ہیں:

شرح صحیح مسلم محقق عصر حضرت علامہ غلام رسول صاحب سعیدی زید مجدہ کی عظیم وجلیل القدر تالیف ہے، جہاں تک میرے علم ونظر کا تعلق ہے ابھی تک صحیح مسلم کی اردو میں ایسی جامع شرح میری نظر سے نہیں گزری۔

(۳) مفتی اعظم پاکستان علامہ منیب الرحمٰن مدظلہ العالی، مہتمم دار العلوم نعیمیہ کراچی لکھتے ہیں:

میں دورانِ تصنیف مصنف سے انتہائی فکری قرب کی بناء پر شرح صدر کے ساتھ ببانگ دہل یہ عرض کرنے کی جسارت کرتا ہوں کہ اس کتاب کی تصنیف اور ترتیب وتسوید کے دوران مصنف کا اندازِ فکر سو فیصد معروضی رہا ہے۔ بہت سے مسائل پر عمیق مطالعے کے باوجود حتمی رائے قائم کرنے سے قبل انہوں نے معاصر اہل علم سے علمی تبادلۂ خیال اور مذاکرے کا طریقۂ کار بھی اختیار کیا ہے، کئی مسائل ایسے بھی ہیں جن میں حق پر آگہی کے بعد انہوں نے اپنی سابقہ رائے کو تبدیل کیا ہے اور درحقیقت ہر دور میں علماء حق کا شعار بھی یہی رہا ہے کہ نفسانیت اور انانیت کو قبولِ حق کی راہ میں انہوں نے کبھی حائل نہیں ہونے دیا۔

(۴) حضرت علامہ شمس الھدیٰ صاحب رضوی مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور لکھتے ہیں:

صحیح مسلم کی متعدد شروحات منصۂ شہود پر آئیں، جن میں علامہ نووی کی شرح اپنی مثال آپ ہے، اس پائے کی کوئی شرح نہیں ہے۔ لیکن شافعی ہونے کے ناطے جابہ جا علامہ نووی نے مسلک شافعی کی ترجیح وتقویت پر کافی زورِ قلم صرف فرمایا ہے، تاہم علامہ نووی کی شرح کو سامنے رکھ کر صحیح مسلم کی حنفی شرح کی شدید ضرورت تھی، جسے محدث سعیدی حنفی نے نہ صرف شدت سے محسوس فرمایا بلکہ اس کی مبسوط شرح سے اس شدید ضرورت کی تکمیل وتتمیم میں سعی بلیغ بھی فرمائی، اس میں جابہ جا مذہب حنفی کی ترجیح وتائید اور توثیق وتنقیح میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، تحقیقی اور الزامی دلائل وبراہین کا انبار لگا کر رکھ دیا ہے جس سے تمام مذاہب پر مذہب حنفی کی قوت وبرتری کا رخ ایسا واشگاف ہوجاتا ہے کہ مطالعہ کرنے والا فرط فرحت وانبساط سے جھوم اٹھتا ہے اور وہابیہ دیوبندیہ وغیرہا فرق باطلہ کا رد وابطال بھی بڑے اچھوتے انداز میں فرماتے ہیں اور ان کے اوہام فاسدہ وشکوک عاطلہ پر ایسی ضرب کاری اور قدغن لگاتے ہیں کہ جس کی ٹیس سے وہ ہمیشہ سسکتے بلکتے رہیں گے۔ اس شرح کی ایک اہم ترین خصوصیت نت نئے مسائل کا حل اور مسائل قدیمہ سے تطبیق وتوفیق بھی ہے، جدید وقدیم اعتراضات کا بڑے ہی دل کش پیرایہ میں جواب ارقام فرماتے ہیں۔

رہا علامہ سعیدی صاحب کا تفردات یا ان تحقیقات کا مطالعہ جو صفِ اول کے اکابر اہلسنت سے مختلف ہیں، تو یہ کوئی اچھنبے کی چیز نہیں، یہ میدان تحقیق وتدقیق ہے، دلائل وشواہد کی بناء پر ہر دور میں ایسا ہوا ہے اور ہوتا رہے گا۔ میں بہ ذاتِ خود ان کی کئی تحقیقات سے متفق نہیں ہوں، پھر بھی میں علامہ غلام رسول سعیدی کو اہلسنت وجماعت کا ایک عظیم حنفی محقق اور نمایاں فقیہ اور بے مثال محدث سمجھتا ہوں۔ (شمس الہدیٰ رضوی، خادم جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ، ۱۲/۱۱/۱۴۲۳ھ)

(شرح صحیح مسلم ج اول، ص اول، مطبوعہ مرکز اہل سنت برکات رضا، امام احمد رضا روڈ پوربند گجرات، انڈیا)

علامہ صاحب کے متعلق دیگر مکاتبِ فکر کے علماء کے تاثرات

دار العلوم دیوبند کے مشہور اور مستند مفتی محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں:

برصغیر ہندوپاک کے علماء کو اللہ تعالیٰ نے اس آخری دور میں کتبِ احادیث، بالخصوص صحاحِ ستہ کی خدمت کی خاص توفیق عطا فرمائی۔ انہوں نے متداول کتبِ حدیث کی بہت سی شروح عربی زبان میں لکھی ہیں جو عرب دنیا میں بھی مقبول ہیں، اور بہت سی شروح اردو میں بھی لکھی گئی ہیں۔ یہ شروح زیادہ تر علمائے دیوبند یا علمائے اہلِ حدیث کی طرف سے لکھی گئی ہیں، بریلوی مکتبِ فکر کے علماء کی طرف سے اب تک حدیث کی کوئی مبسوط شرح میری نظر سے نہیں گزری تھی، اب اس زیرِ تبصرہ کتاب نے اس خلاء کو پُر کیا ہے۔ اس کتاب کے مؤلف بریلوی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے ہیں، اور انہوں نے بڑی محنت اور جانفشانی سے صحیح مسلم جیسی عظیم الشان کتاب کی مفصل شرح دل نشین انداز میں تحریر فرمائی ہے۔

فاضل مؤلف کا اسلوب یہ ہے کہ وہ پہلے ایک باب کی بیشتر احادیث ایک ساتھ ذکر کر کے ان کا اردو ترجمہ تحریر فرماتے ہیں، پھر ان احادیث سے تعلق رکھنے والے مباحث پورے شرح وبسط کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں فاضل مؤلف نے صرف روایتی مباحث پر زور دینے کے بجائے ان مسائل پر زیادہ تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے جو ہمارے عصرِ حاضر سے متعلق ہیں، چنانچہ اس کتاب میں انہوں نے فوٹوگراف، ریڈیو، ٹی وی، ویڈیو، ریل اور ہوائی جہاز میں نماز، پوسٹ مارٹم کی شرعی حیثیت، ایلوپیتھک ادویہ، انتقالِ خون، اعضاء کی پیوندکاری، ضبطِ تولید، ٹیسٹ ٹیوب بے بی، رؤیتِ ہلال، سود اور بیمہ، نوٹوں کی شرعی حیثیت، قطبین میں نماز روزے کے احکام اور اس جیسے بہت سے عصری مسائل پر عالمانہ بحثیں کی ہیں، اس قسم کے مباحث میں ان کے اخذ کردہ بعض نتائج سے علمی اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن یہ بات واضح اور قابلِ تعریف ہے کہ ان کا اندازِ استدلال اور اسلوبِ بیان معروضی تحقیق کے شایانِ شان ہے، انہوں نے اسلامی علوم پر تمام متداول کتابوں سے کسی مذہبی تعصب کے بغیر استفادہ کیا ہے، اور جہاں کہیں کسی دوسرے مصنف پر تنقید کی ہے، وہاں بھی اپنے قلم کو جارحیت کے داغ سے محفوظ رکھتے ہوئے محض علمی تنقید کا راستہ اپنایا ہے۔ مسائل کی تحقیق میں بھی انہوں نے وہی راہ اختیار کی ہے جو ان کو اپنے قلب وضمیر کے مطابق دلائل سے زیادہ قریب نظر آئی۔ (تبصرے، ص ۳۱۹۔۳۲۰، مکتبہ معارف القرآن کراچی، ۱۴۲۶ھ)

جماعتِ اسلامی سے تعلق رکھنے والے شیخ الحدیث عبد المالک لکھتے ہیں:

شیخ الحدیث مولانا مفتی غلام رسول سعیدی، عصرِ حاضر کے ممتاز مفسر، عظیم القدر محدث اور وسیع النظر فقیہ ہیں۔ متعدد گراں قدر علمی تصانیف ان کی باقیات الصالحات ہیں۔ خصوصاً ۷ جلدوں میں صحیح مسلم شریف کی شرح پیش کر کے ملک کے تمام مکاتبِ فکر کے

علماء سے خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ انہیں علمی گہرائی، گیرائی اور استحضار میں خصوصی مقام حاصل ہے۔ مختصر مدت میں ایک مثالی اور جامع علمی کتاب پیش کر دیتے ہیں۔

تفسیر (تبیان القرآن) کا مطالعہ کرنے سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ مصنف مدظلہ العالی نے ان خصوصیات اور اصولوں کی پوری طرح پاسداری کی ہے۔ شاید وہ عصر حاضر کے ان چند مفسرین میں شامل ہیں جو ایک مسلک سے وابستہ ہونے کے باوجود مسلکی تعصب کا شکار نہیں ہوئے اور اپنے مسلک میں متصلب ہونے کے باوجود دوسرے مسالک کا بھی کما حقہ احترام کرتے ہیں۔

مصنف کی تصنیف کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ مسلکی مسائل میں بریلوی مسلک پر قائم رہتے ہوئے دوسرے مسالک کا احترام کرتے ہیں اور بریلوی مسلک کی توضیح اس طرح کرتے ہیں کہ دوسرے سے دوری کو کم کر دیتے ہیں۔ وہ اس کے لئے دلائل سے بات کرتے ہیں۔ بے شمار علمی عنوانات پر نہایت عالمانہ انداز میں تحقیق کی گئی ہے، آیات سے جو احکام مستنبط ہوتے ہیں، ان پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے، جو علماء، طلباء اور عامۃ المسلمین کے لئے قیمتی معلومات اور فوائد پر مشتمل ہے۔

تفسیر تبیان القرآن سے علم غیب، وما اھل بہ لغیر اللہ، مسئلہ استمداد اور ندائے غیر اللہ اور توسل، ڈاڑھی میں قبضہ کی بحث، کعبۃ اللہ کا اولیاء اللہ کی زیارت کرنا اور اپنی طرف سے عبادت کرنے کی مذمت کے متعلق چند دل آویز و دل نشین اور ایمان افروز عبارات اور اقتباسات نقل کرنے کے بعد تبصرہ کرتے ہوئے تحریر کیا ہے۔

مصنف کے نقطۂ نظر سے بعض جگہ ہمیں اختلاف ہے اور ان سے علمی اختلاف کا حق ہماری طرح ہر صاحب علم کو ہے لیکن مصنف نے جو اندازِ بیان اختیار کیا ہے، علمی تحقیق میں جس جرأت اور دیانت داری اور اعتدال کا مظاہرہ کیا ہے، اس پر وہ خراج تحسین کے مستحق ہیں، نیز ان کی وہ علمی تحقیقات جو خالص علمی حیثیت رکھتی ہیں وہ گراں قدر ہیں اور تمام اہل علم کی ضرورت ہیں، اس لئے یہ تفسیر اس بات کی حق دار ہے کہ ہر صاحب علم کی الماری کی زینت ہو۔ مصنف نے جس تیزی سے تفسیر لکھنے کا کام شروع کیا ہوا ہے، اس سے امید پیدا ہوتی ہے کہ وہ جلد ہی اس کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کی توفیق عطا فرمائے، (الحمد للہ رب العالمین! تفسیر تبیان القرآن بارہ ضخیم جلدوں میں مکمل ہو چکی ہے)۔ اور ان کی اس تفسیر کو مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر میں اتحاد و اتفاق کا ذریعہ اور ایک دوسرے سے استفادے کی بنیاد بنا دے۔ دوسرے علماء کو بھی ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق سے نوازے۔ آمین۔ (ماہنامہ ترجمان القرآن ص ۶۵۔۷۰، بابت ماہ اپریل، ۱۹۹۹ء، لاہور)

دعوتی و تبلیغی سرگرمیاں

علامہ سعیدی صاحب عظیم مدرس و مصنف ہونے کے ساتھ ساتھ ایک کامیاب مقرر بھی ہیں۔ آپ نے اندرونِ ملک اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے ساتھ ساتھ بیرون ملک بھی دعوتی و تبلیغی اجتماعات سے خطاب کیا۔ ۱۹۹۰ء میں آپ نے لندن، مانچسٹر، بریڈ فورڈ، برمنگھم اور برسٹل میں دینی اجتماعات سے خطاب کیا۔ ۱۹۹۲ء میں آپ نے ۲ ماہ برطانیہ میں قیام کیا اور مختلف مقامات پر لیکچرز دیئے اور دعوتی و تبلیغی اجتماعات سے خطاب کیا۔

معرکۃ الآراء مناظرے

علامہ صاحب نہ صرف ایک بے مثال اور منفرد طرزِ نگارش کے حامل مصنف ہیں بلکہ آپ ایک بے مثال مقرر اور مبلغ ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی حاضر جواب مناظر بھی ہیں، آپ کے کئی مناظرے شائع ہو چکے ہیں جن کی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

''۱۹۶۹ء میں بی بی پاک دامن لاہور کی ایک مسجد میں علامہ صاحب نے حافظ عبدالقادر روپڑی سے محفلِ میلاد کے جواز پر مناظرہ کیا اور بھری محفل میں حافظ مذکور کو لاجواب کر دیا اور انہوں نے یہ تسلیم کر لیا کہ اگر تعیین شرعی نہ ہو تو بارہ ربیع الاول کو اس سے پہلے اور اس کے بعد کے ایام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل اور آپ کی سیرت طیبہ کو بیان کرنا جائز ہے، جس کو عرف میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حافظ عبدالقادر روپڑی نے کہا: ''میلاد النبی'' کا لفظ غیر شرعی ہے، علامہ صاحب نے برجستہ کہا کہ امام ترمذی نے سنن ترمذی میں یہ باب قائم کیا ہے: ''**باب ما جاء فی میلاد النبی** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **عن المطلب بن عبداللہ بن قیس بن مخرمۃ عن ابیہ عن جدہ قال: ولدت انا ورسول اللہ** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **عام الفیل، قال: وسال عثمان بن عفان قباث بن اشیم اخابنی یعمر بن لیث۔ انت اکبر ام رسول اللہ** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **قال: رسول اللہ** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **اکبر منی وانا اقدم منہ فی المیلاد**'' (عبداللہ بن قیس بن مخرمہ کے دادا بیان کرتے ہیں کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہاتھیوں کے سال پیدا ہوئے، اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے حضرت قباث بن اشیم سے پوچھا: آپ بڑے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑے ہیں؟ تو انہوں نے بتایا کہ بڑے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور میں میلاد میں آپ سے مقدم ہوں)۔ (سنن ترمذی: ۳۶۳۹، دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۱۹۷۲ء میں حافظ عبدالقادر روپڑی سے مغل پورہ لاہور کی ایک مسجد میں علم غیب پر مناظرہ ہوا۔ علامہ صاحب نے نواب صدیق حسن خان بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ کی تفسیر فتح البیان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم غیب پر عبارات پیش کیں، اس پر حافظ عبدالقادر روپڑی نے کہا کہ اگر تم نواب صدیق حسن خان بھوپالی کی تفسیر فتح البیان سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم ما کان وما یکون ثابت کر دو تو ہم مان لیں گے، اس پر علامہ صاحب نے فی البدیہہ فتح البیان سے یہ عبارت پیش کی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اَلرَّحْمٰنُ ۙ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۙ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ ۔۔۔ (الرحمٰن: ۱۔۴)''، اس آیت کی تفسیر میں فتح البیان کی عبارت ہے: ''**وقیل: اراد بالانسان محمدا** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم**، علمہ بیان مایکون وما کان لانہ** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **ینبئی عن اخبار الاولین والآخرین، وعن یوم الدین**'' (ایک قول یہ ہے کہ ''خلق الانسان'' سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور ''علمہ البیان'' سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ما کان وما یکون کا علم عطاء فرما دیا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اولین اور آخرین کی اور قیامت کے دن کی خبریں دیتے تھے)۔

(فتح البیان ج ۶ ص ۴۹۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

جب علامہ سعیدی صاحب نے فتح البیان سے یہ عبارت پیش کی تو حافظ عبدالقادر روپڑی بدحواس ہو گیا اور کہا: ہم مناظرہ نہیں کرتے۔ (مجلہ معارف اسلامیہ ص ۱۸۵۔۱۸۶)

اسلامی نظریاتی کونسل کی رکنیت

علامہ صاحب ۱۹۹۱ء سے ۱۹۹۲ء تک مرکزی رویت ہلال کمیٹی پاکستان کے رکن رہے ہیں۔ فروری ۱۹۹۷ء میں آپ اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن منتخب ہوئے اور فروری ۲۰۰۰ء تک رکن کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔ اس عرصہ میں علامہ صاحب نے قابل تحسین خدمات انجام دیں۔ اس عرصہ کے دوران کونسل کی طرف سے خواتین کمیشن کی رپورٹ پر شرعی انتقاد تیار کرنے کی ذمہ داری سید افضل حیدر، مفتی محمد رفیع عثمانی اور علامہ غلام رسول سعیدی صاحب کے سپرد کی گئی۔ اسی طرح بیمہ کی اسلامی تشکیل کے سلسلہ میں کمیشن فار اسلامائزیشن آف اکانومی کی طرف سے موصولہ استفسار کا جواب تیار کرنے کے لئے کونسل نے جو کمیٹی تشکیل دی، علامہ صاحب نے اس کے ایک رکن کی حیثیت سے کام کرنے کی ذمہ داری رضا کارانہ طور پر قبول فرمائی۔

اتوار کی چھٹی کے مقابلہ میں جمعہ کی چھٹی بحال کرنے پر علامہ سعیدی صاحب کے اسلامی نظریاتی کونسل کے اجلاس میں دلائل

کونسل کا ۱۳۳واں اجلاس ۲۱ تا ۲۲ جون ۱۹۹۸ء کو ڈاکٹر ایس ایم زمان صاحب (چیئرمین) کی زیر صدارت کونسل ہال میں منعقد ہوا، وفاقی وزیر مذہبی امور راجہ ظفر الحق صاحب نے اس اجلاس کی صدارت کی۔ چیئرمین کے استقبالیہ کلمات کے بعد چند اراکین کونسل نے خطاب کیا، جن میں علامہ صاحب بھی شامل تھے، آپ نے اپنے خطاب میں فرمایا:

جمعہ کی چھٹی کے خلاف اتوار کی چھٹی منعقد کرنے کے حق میں یہ کہا جاتا ہے کہ اسلام میں چھٹی کی گنجائش نہیں ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَیْعَ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (الجمعۃ:۹)'' (اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن (جمعہ کی) نماز کے لئے اذان دی جائے تو فوراً اللہ کے ذکر کی طرف تیاری کرو اور خرید وفروخت چھوڑ دو، یہ تمہارے لئے بہت اچھا ہے اگر تم جانتے ہو ○)۔

اس آیت میں جمعہ کی نماز کے وقت کاروبار ترک کرنے کا حکم فرمایا ہے اور اس آیت سے جمعہ کی چھٹی پر استدلال کرنا جائز ہے، اس کے بعد دوسری آیت میں ارشاد فرمایا ہے: ''فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ ... (الجمعۃ:۱۰)'' (پھر جب نماز پوری ہوجائے تو زمین میں پھیل ہو جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو تا کہ تم کامیابی حاصل کرو)۔

اس آیت میں چونکہ نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل کو طلب کرنے کا حکم دیا ہے اور گویا نمازِ جمعہ کے بعد کاروبار کرنے کی اجازت دی ہے، تو جو لوگ پاکستان میں اتوار کے دن چھٹی کرنے کے حامی ہیں، وہ اس آیت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ اللہ کے فضل کا معنی ہے: کاروبار کرنا اور تجارت کرنا، لہٰذا اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ جمعہ کے دن چھٹی نہ کی جائے بلکہ اتوار کے دن چھٹی کی جائے اور امر وجوب کے لیے آتا ہے، اس لیے جمعہ کے دن چھٹی کرنا ممنوع ہے اور کاروبار کرنا واجب ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم بتا چکے ہیں کہ اس سے پہلی آیت میں نماز کے وقت کاروبار کرنے سے منع فرمایا تھا اور اس آیت میں نماز کے بعد کاروبار کرنے کا حکم دیا ہے، اور ممانعت کے بعد جو امر ہو وہ اباحت کے لیے آتا ہے، پس اس دن کاروبار کرنا مباح ہے واجب نہیں ہے۔ دوسرا

جواب یہ ہے کہ اللہ کے فضل کو طلب کرنے کا لازمی معنی کاروبار کرنا نہیں ہے بلکہ اس کا یہ معنی بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے رزق اور علم کے حصول کی دعا کی جائے۔ نیز اس آیت سے زیادہ سے زیادہ یہ لازم ہوتا ہے کہ جمعہ کے دن کاروبار کرنا مباح ہے، اس آیت سے یہ کب ثابت ہوتا ہے کہ اتوار کے دن چھٹی کی جائے۔

اتوار کی چھٹی کے حامیوں کی دوسری دلیل یہ ہے کہ یورپی ممالک میں اتوار کی چھٹی ہوتی ہے اور ان ممالک سے تجارت کے لیے ضروری ہے کہ ہم بھی اسی دن چھٹی کریں، اگر ہم جمعہ کے دن چھٹی کریں تو دو دن ہمارا کاروبار متاثر ہوگا، اتوار کو ان کی چھٹی کی وجہ سے اور جمعہ کو ہماری چھٹی کی وجہ سے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان ممالک کے ساتھ جغرافیائی فرق کی وجہ سے ویسے بھی ہمارے اور ان کے اوقات میں یکسانیت نہیں ہے۔ مثلاً امریکا کا وقت ہم سے تقریباً بارہ گھنٹے پیچھے ہے، آسٹریلیا کا وقت ہم سے تقریباً دس بارہ گھنٹے پہلے ہے اور برطانیہ کا وقت ہم سے پانچ گھنٹے پیچھے ہے۔ اسی طرح مشرق بعید کے ممالک کا وقت بھی ہم سے کافی مختلف ہے، اس لیے اتوار کی چھٹی کرنے پر ان ممالک کی یکسانیت سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

جمعہ کی چھٹی کرنے کے دلائل

اسلام میں چھٹی کرنے کا کوئی حکم نہیں ہے، لیکن جب ہفتہ میں ایک دن چھٹی کرنی ہی ہے تو اس دن چھٹی کرنی چاہیے جو اسلام میں مقدس دن ہے۔ یہودی اور عیسائی اپنے اپنے مقدس دنوں میں یعنی ہفتہ اور اتوار کی چھٹی کرتے ہیں، سو ہمیں اپنے مقدس دن میں چھٹی کرنی چاہیے اور وہ جمعہ کا دن ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ باقی تمام مسلمان ملکوں میں جمعہ کے دن چھٹی ہوتی ہے، تو ہمیں بھی باقی مسلمان ملکوں سے موافقت کرتے ہوئے جمعہ کے دن چھٹی کرنی چاہیے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ اتوار کو چھٹی کرنے سے عیسائیوں کی موافقت ہوگی جب کہ ہمیں عیسائیوں کی مخالفت کرنے کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ درج ذیل احادیثِ صحیحہ سے ظاہر ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہود اور نصاریٰ بالوں کو نہیں رنگتے، سو تم ان کی مخالفت کرو۔ (صحیح البخاری: ۵۸۹۹، سنن ابوداؤد: ۴۲۰۳، سنن نسائی: ۵۲۷۲، سنن ابن ماجہ: ۳۶۲۱، مسند احمد: ۷۲۷۳)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر نکلے اور انصار کے بوڑھوں کے پاس آئے، ان کی ڈاڑھیاں سفید تھیں، آپ نے فرمایا: اے انصار کی جماعت! اپنی ڈاڑھیوں کو سرخ اور زرد رنگ میں رنگو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو۔ انہوں نے کہا: ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! اہلِ کتاب شلوار پہنتے ہیں اور تہبند نہیں باندھتے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم شلوار پہنو اور تہبند باندھو اور اہلِ کتاب کی مخالفت کرو۔ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! اہل کتاب موزے پہنتے ہیں اور اس پر چمڑے کی جوتی نہیں پہنتے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم موزے پہنو اور اس پر چمڑے کی جوتی پہنو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو۔ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! اہل کتاب ڈاڑھیاں کاٹتے ہیں اور مونچھیں چھوڑ دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: تم مونچھیں تراشو اور ڈاڑھیاں چھوڑ دو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۴-۲۶۵ طبع قدیم، مسند احمد: ۲۲۶۳۹ طبع جدید، عالم الکتب، بیروت، حافظ زین نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۲۱۸۴، دارالحدیث، قاہرہ، حافظ الہیثمی نے کہا: امام احمد کی سند صحیح ہے۔ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۳-۱۶۰، المعجم الکبیر ج ۸ ص ۲۸۲، رقم الحدیث: ۷۹۲۴)

خلاصہ یہ ہے کہ جمعہ کی چھٹی کرنے میں مسلمان ملکوں کی موافقت ہے اور اتوار کو چھٹی کرنے میں عیسائیوں کی موافقت ہے، اب ہمیں غور کرنا چاہیے کہ ہم کس کی موافقت کریں اور ہمارا مقدس دن (Holy Day) جمعہ ہے یا اتوار؟

اخیر میں علامہ سعیدی صاحب نے اپنے خطاب میں فرمایا:

ذوالفقار علی بھٹو صاحب بظاہر ایک دنیادار آدمی تھے لیکن انہوں نے جمعہ کی چھٹی کروائی۔ محترم نواز شریف صاحب تو ان سے زیادہ اسلامی ہیں، لہٰذا ان سے ہمیں زیادہ خیر کی توقع ہے۔

(اسلامی نظریاتی کونسل کی قراردادیں۔ سالانہ رپورٹ ۹۸۔۱۹۹۷ء، ص ۶۴۔۶۵، اسلام آباد)

جسٹس کے عہدہ کی پیشکش

۱۹۹۰ء میں وفاقی شرعی عدالت لاہور میں سود سے متعلق ایک رٹ کی سماعت کے دوران یہ مسئلہ درپیش تھا کہ اگر قرض پر سود نہ لیا جائے اور قرض خواہ کو چند سال بعد اس کی صرف اصل رقم واپس ملے، تو افراطِ زر کی وجہ سے چند سال بعد وہ رقم چوتھائی مالیت کی یا اس سے بھی کم رہ جائے گی، اسلام میں اس کا کیا حل ہے؟ ایک وکیل نے مقالاتِ سعیدی سے اس کا حل پیش کیا۔ اس پر چیف جسٹس وفاقی شرعی عدالت پاکستان ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن، علامہ صاحب سے اس قدر متاثر ہوئے کہ آپ کو وفاقی شرعی عدالت میں جج کے عہدے کی پیش کش کی۔ اس منصب کو آپ نے اس لیے قبول نہ کیا کہ عدالت کی ذمہ داریاں عائد ہونے کے بعد آپ کے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا کام بہت متاثر ہوگا۔

علامہ سعیدی صاحب کے خدام

(۱) مولانا محمد اعظم: انہوں نے علامہ سعیدی صاحب ۲۰۰۱ء میں دورہ حدیث شریف پڑھا اور یہ ۱۹۹۸ء سے علامہ صاحب کی خدمت کرتے رہے ہیں۔ آج کل بالاکوٹ میں خطابت کر رہے ہیں۔

(۲) مولانا حافظ محمد اکرام اللہ: ۱۹۹۷ء میں انہوں نے علامہ سعیدی صاحب سے دورۂ حدیث شریف پڑھا ہے، اب تک مسلسل علامہ سعیدی صاحب کی خدمت کر رہے ہیں۔

(۴) حافظ محمد جمشید ہاشمی: ۲۰۰۹ء میں انہوں نے علامہ سعیدی صاحب سے صحیح البخاری پڑھی، ۲۰۰۳ء سے اب تک مسلسل علامہ سعیدی صاحب کی خدمت کر رہے ہیں۔ نعم الباری کی جلد نمبر ۱۰ سے ۱۶ تک کمپوز کی ہے اور اب علامہ صاحب کی تفسیر ''تبیان الفرقان'' کو کمپوز کر رہے ہیں۔

(۵) مولانا حافظ مختار احمد: ۲۰۱۰ء سے لے کر ۲۰۱۳ء تک علامہ صاحب کی خدمت کرتے رہے اور پابندی سے ہر روز صبح علامہ سعیدی صاحب کی شوگر ٹیسٹ کرتے تھے۔

(۶) مولانا حافظ وقار الحسن: ۲۰۱۰ء میں علامہ سعیدی صاحب سے صحیح البخاری شریف پڑھی۔ اور آپ انہیں نعمۃ الباری کی جلد ۷ سے ۹ تک املاء کراتے تھے اور یہ اپنے قلم سے علامہ سعیدی صاحب سے سن کر لکھتے تھے۔

(۷) مولانا حافظ شفیق الرحمٰن القادری: یہ قدیم شاگرد ہیں، انہوں نے ۲۰۱۴ء میں علامہ صاحب سے صحیح البخاری شریف پڑھی۔ اور ۲۰۱۴ء سے مستقل علامہ صاحب کی خدمت میں مصروف رہتے ہیں۔

(۸) مولانا حافظ عبدالمجید چانڈیو: بے حد مخلص، محب اور خدمت گزار ہیں۔ ۲۰۱۴ء میں علامہ صاحب سے صحیح البخاری پڑھی، اور تا حال علامہ صاحب کی خدمت میں مصروف ہیں۔

(۱۰) مولانا حافظ محمد عاطف: رسول پور، اُچ شریف پنجاب: علامہ صاحب سے بہت محبت رکھتے ہیں اور بے حد خدمت گزار ہیں۔

علامہ سعیدی صاحب کے لئے حکومت پاکستان کی طرف سے ''تمغۂ امتیاز'' کا اعلان

۱۴؍اگست ۲۰۱۴ء کو صدرِ مملکت اسلامی جمہوریہ پاکستان کی طرف سے حضرت علامہ سعیدی صاحب کی دینی اور علمی خدمات کے اعتراف میں ''تمغۂ امتیاز'' دیے جانے کا اعلان کیا گیا، اس سلسلہ میں علامہ سعیدی صاحب کو جو صدرِ پاکستان کی طرف سے مکتوب موصول ہوا، اس کا عکس درج ذیل ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حکومت پاکستان

کابینہ ڈویژن

سیکرٹری کابینہ

حوالہ نمبر: ۴/۵/۲۰۱۴۔ اعزازات

اسلام آباد مورخہ: ۲۷ نومبر ۲۰۱۴ء

محترم علامہ غلام رسول سعیدی،

السلام علیکم!

میں آپ کو مسرت کے ساتھ اطلاع دیتا ہوں کی صدر پاکستان نے ۱۴۔ اگست ۲۰۱۴ء کو یوم آزادی کے موقع پر آپ کو ''تمغۂ امتیاز'' کا قومی اعزاز عطا کیا ہے۔ یہ اعزاز پاکستان کے خصوصی گزٹ میں شائع ہو چکا ہے۔

۲۔ اب آپ اپنے نام کے ساتھ ''تمغۂ امتیاز'' یا اس کا مخفف ٹی۔ آئی (T.I) لکھ سکتے ہیں۔

۳۔ پروگرام کے مطابق ۲۳ مارچ ۲۰۱۵ء کو ''یوم پاکستان'' کے موقع پر منعقد ہونے والی تقسیمِ اعزازت کی تقریب میں گورنر سندھ آپ کو ''تمغۂ امتیاز'' سے مزین کریں گے۔ تقریب اور ریہرسل کا تفصیلی پروگرام آپ کو انشاء اللہ مناسب وقت پر متعلقہ صوبائی حکومت کی طرف سے ارسال کر دیا جائے گا۔

مخلص

(بابر یعقوب فتح محمد)

جناب علامہ غلام رسول سعیدی،
دارالعلوم نعیمیہ، بلاک 15،
فیڈرل بی ایریا،
کراچی۔

علامہ سعیدی صاحب کو تمغۂ امتیاز سے نوازنے کے لیے ۲۲/مارچ اور ۲۳/ مارچ ۲۰۱۵ء کو گورنر ہاؤس کراچی میں بلایا گیا تھا، لیکن ان دنوں علامہ سعیدی صاحب سخت علیل تھے ،اس لئے انہوں نے گورنر ہاؤس میں جانے سے معذرت کرلی، لہٰذا وہ ۲۳/مارچ کی تقریب میں نہیں گئے۔

عزم وہمت

علامہ صاحب میں بے پناہ قوت ارادی موجود ہے، آپ عزم وہمت کے پیکر ہیں، آپ کی عمر اس وقت عیسوی حساب سے ۷۸ اور ہجری کے حساب سے ۸۰ سال ہے اور عرصہ دراز سے شوگر، بلڈ پریشر، کولیسٹرول (Cholestrol) اور کمر کے درد کے مریض ہیں۔ اب تین سال سے دونوں گھٹنوں کی ہڈیوں میں فصل (Gap) ہو چکا ہے، جس کی وجہ سے چلنے پھرنے سے معذور ہیں اور رکوع اور سجود سے نماز نہیں پڑھ سکتے، کرسی پر بیٹھ کر اشاروں سے نماز پڑھتے ہیں۔ بیماری، بڑھاپے اور کمزوری کے باوجود آپ کا حوصلہ انتہائی بلند ہے۔ آپ عصا کے سہارے کلاس تک جاتے ہیں، پڑھانے میں کبھی ناغہ نہیں کرتے اور ساتھ ہی تصنیف و تالیف کا کام جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ہر دور میں اللہ تعالیٰ نے ایسی شخصیات کو پیدا فرمایا ہے جنہوں نے اسلام کو زندہ رکھا اور امتِ مسلمہ کی رہنمائی خلوص دل سے کی۔ علامہ صاحب کا شمار بھی انہی لوگوں میں ہوتا ہے۔ آپ نے اپنی زندگی درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے لیے وقف کر رکھی ہے۔ آپ ۱۹۶۶ء سے درس و تدریس سے وابستہ ہیں اور رات دن رشد و ہدایت، درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے کام میں مصروف رہتے ہیں۔ آپ کی شخصیت بہت سے اوصاف و کمالات کا مجموعہ ہے۔ آپ بیدار مغز اور بلند ذہنیت کے مالک ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی عجز اور انکسار سے کام لیتے ہیں۔ آپ نے اپنی زندگی میں انتہائی سخت اور برے حالات دیکھے، آپ نے ان حالات کا صبر و تحمل سے مقابلہ کیا اور اپنے مقصد کو فوت نہیں ہونے دیا۔ آج آپ کے پاس ہر سہولت موجود ہے، اگر آپ چاہیں تو آرام اور سکون سے اپنا بڑھاپا گزار سکتے ہیں لیکن نہیں! اس بیماری اور بڑھاپے کے باوجود اپنے مقصد کی تکمیل میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ آپ کی ساری زندگی آج کے نوجوانوں کے لئے دعوتِ فکر ہے۔

مرتبین: (۱) پروفیسر ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس
(۲) محترمہ شگفتہ جبیں (۳) جناب اختر حسین (۴) پروفیسر ڈاکٹر محمد عاطف اسلم راؤ، ودیگر
نظرِ ثانی: پروفیسر مفتی منیب الرحمٰن

الخطبه

الحمد لله الذی نزل الفرقان علی عبدہٖ لیکون للعالمین نذیرا، والشکر لله ذی العزة القاهرة والقدرة الباهرة الذی اوجدنا بعد العدم وجعلنا الخیار الوسط من الأمم وخولنا عوارف لاتحصی الذی انزل الینا الفرقان الکریم والقرآن العظیم وعدفیه وبشر واوعد وحذّروامَرَوَنَهی وجعله الوسیلة العظمٰی والذریعة الفائزة۔

وافضل الصلوات والتسلیمات علی رسوله العظیم سیدنا محمدن الکریم شفیع الخلائق فی یوم الدین صاحب المقام المحمود والحوض المورود الناهض باعباء الرسالة وتبلیغ الکافیة صلی الله تعالیٰ علیه وعلیٰ آله واصحابه وازواجه صلوٰة مستمرة الدوام جدیدة علی مر اللیالی والایام۔

امابعد! فقد ذکرت فی تبیان الفرقان مباحث التفسیروجمعت فیه احادیث النذیر والبشیر وحملت خواطری فیه علی التعب الخطیر فلیتصوب المرء فی تقریری وتحریری ولیعتذر فی تقصیری وخطئی وما ابرّیٔ نفسی عن الخطأ والنسیان وعلی الله التکلان وهو کثیر الغفران وحسبنا الله ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر۔

سبحان الله والحمد لله والله اکبر ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم، لآ اله الا الله وحدهٗ لا شریک لهٗ له الملک وله الحمد وهو علی کل شیء قدیر اللهم اغفرلی خطیئتی وجهلی واسرافی فی امری وما انت اعلم به منی انت المقدم وانت المؤخر وانت علی کل شیء قدیر۔ آمین یا رب العالمین بجاه نبیک وحبیبک سید المرسلین!

ترجمۃ الخطبہ

تمام تعریفیں اللہ عزوجل کے ساتھ مخصوص ہیں جس نے اپنے محبوب بندہ پر تدریجاً الفرقان (قرآن کریم) نازل فرمایا تاکہ وہ تمام جہان والوں کے لیے (عذاب سے) ڈرانے والے ہو جائیں، اور تمام نعمتوں کا شکر اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے جو بہت غلبہ والا ہے اور بہت قدرت والا ہے، جو ہم کو عدم سے وجود کی طرف لایا اور اس نے ہم کو تمام امتوں میں سے بہترین امت بنایا اور ہم کو بے شمار معارف عطا فرمائے، جس نے ہماری طرف فرقانِ کریم اور قرآن عظیم کو نازل فرمایا، اس میں نیک اعمال کرنے پر اجر کا وعدہ ہے اور بشارت ہے اور بداعمالیوں پر وعید ہے اور عذاب سے ڈرایا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور کسی کام سے اللہ تعالیٰ کا منع فرمانا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس فرقان کو عظیم وسیلہ قرار دیا اور کامیابی کا ذریعہ بنایا۔

اور سب سے افضل درود اور سلام اس کے عظیم رسول پر نازل ہوں جن کا نام نامی سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے، وہ کریم ہیں اور قیامت کے دن تمام مخلوقات کی شفاعت کرنے والے ہیں، مقامِ محمود اور حوضِ کوثر پر فائز ہیں، جو رسالت کے بوجھ اور اس کی ذمہ داریوں کو اٹھانے والے ہیں اور کافی تبلیغ کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ ان پر صلوٰۃ بھیجے اور ان کی آل پر اور ان کے اصحاب پر اور ان کی ازواج پر ایسی صلوٰۃ جو ہمیشہ دن اور رات کے گزرنے کے ساتھ تازہ بہ تازہ نازل ہوتی رہے۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد! میں نے ''تبیان الفرقان'' میں تفسیر کے مباحث ذکر کئے ہیں اور رسولِ معظم کی احادیث کو جمع کیا ہے جو عذاب سے ڈرانے والے ہیں اور ثواب کی بشارت دینے والے ہیں، میں نے اپنے دل میں اس عظیم کام کی ذمہ داری کا بوجھ اٹھایا ہے، پس میں نے آیات کی جو تفسیر اور تقریر کی ہے اس میں کوئی شخص صواب کا پہلو تلاش کرے اور جو مجھ سے تقصیر اور خطا ہوگئی اس میں مجھ کو معذور قرار دے اور میں اپنے آپ کو خطاء اور نسیان سے بری نہیں سمجھتا اور اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسا ہے اور وہ بہت مغفرت فرمانے والا ہے اور ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے کیا خوب مالک ہے اور کیا خوب مددگار ہے!

اللہ تعالیٰ ہر نقص سے پاک ہے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ بزرگ و برتر کی مدد کے بغیر نہ گناہوں سے باز رہنا ممکن ہے اور نہ نیکی کرنا ممکن ہے، اسی کے لیے حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اے اللہ! میری خطاؤں کو معاف فرمادے اور جہالت سے کیے ہوئے میرے کاموں کو اور معاملات میں حد سے بڑھنے کو (معاف فرمادے)، اور ان گناہوں کو معاف فرمادے جن کو تو مجھ سے زیادہ جاننے والا ہے، تو ہی مقدم کرنے والا ہے اور تو ہی مؤخر کرنے والا ہے اور تو ہر چیز پر قادر ہے، اے رب العالمین! اس دعا کو اپنے نبی اور حبیب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے قبول فرما۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

تصدیر وتقدیم

اللہ تعالیٰ کے جو مجھ پر بے پایاں احسانات ہیں ان میں سے ایک عظیم احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحیح البخاری کی شرح مکمل کرنے کے بعد مجھے قرآن مجید کی مختصر تفسیر لکھنے کی توفیق مرحمت فرمائی، میں نے سب سے پہلے شرح صحیح مسلم لکھی جو سات جلدوں میں چھپی ہوئی ہے، اس کے بعد بارہ جلدوں پر مشتمل قرآن مجید کی تفسیر تبیان القرآن لکھی، یہ بہت مبسوط تفسیر ہے، اس تفسیر میں اہل سنت وجماعت کے عقائد پر مستحکم دلائل ہیں، فقہاء کے مذاہبِ اربعہ کا بیان ہے اور فقہ حنفی کے ثبوت میں مضبوط براہین ہیں اور قرآن مجید کی تفسیر کے نکات ہیں، میں نے اس تفسیر میں قرآن مجید کا ترجمہ بھی خود کیا ہے اور اس کا نام ''نور القرآن'' رکھا ہے اور اب ''انوار تبیان القرآن'' کے نام سے کچھ عرصہ قبل میرا ترجمہ اور حاشیہ پر تفسیر تبیان القرآن کا خلاصہ چھپ چکا ہے۔

تاہم بہت سارے احباب یہ کہتے تھے کہ تبیان القرآن بارہ جلدوں پر مشتمل ہے اور عام قاری کے لیے اس کتاب کو خریدنا اور پھر اس کا مطالعہ کرنا بہت مشکل ہے اس لیے ضروری ہے کہ تبیان القرآن کے جامع مضامین پر مشتمل ایک مختصر تفسیر لکھ دی جائے اور یہ کتاب زیادہ سے زیادہ چھ یا سات جلدوں پر مشتمل ہو، اس ضرورت کے پیشِ نظر صحیح البخاری کی شرح سے فارغ ہونے کے بعد میں نے عزم کیا کہ میں قرآنِ مجید کی ایک مختصر تفسیر لکھوں، میں یکم رجب ۱۴۳۵ھ/ یکم مئی 2014ء کو صحیح البخاری کی شرح نعم الباری کی تکمیل سے فارغ ہوا اور ۲ رجب ۱۴۳۵ھ/ 2 مئی 2014ء بروز جمعۃ المبارک میں نے تفسیر تبیان الفرقان کا افتتاح اور آغاز کر دیا جس میں نہ صرف تبیان القرآن کے مضامین مختصر طور پر مذکور ہوں گے بلکہ اس سے زیادہ مضامین کا اضافہ بھی ہوگا اور اس تفسیر میں بعض آزاد خیال مفسرین کی تفسیروں پر تبصرہ بھی ہوگا، اور جب امام ابو منصور الماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ کی تفسیر ''تاویلات اہل السنۃ'' طبع ہو کر میرے پاس پہنچی تھی اس وقت تفسیر تبیان القرآن اپنی تکمیل کے مدارج طے کر رہی تھی اور اس صورت میں میرے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ میں امام ماتریدی کی تفسیر کے تمام نکات کو تبیان القرآن میں درج کر دیتا، اس لیے میری شدید خواہش تھی کہ میں کسی موقع پر اپنی تفسیر میں اس سے استفادہ کروں کیونکہ میں تبیان القرآن میں امام محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ کی ''تفسیر کبیر'' سے اکتسابِ فیض کر رہا تھا جب کہ امام رازی شافعی المذہب ہیں اور امام ماتریدی حنفی المذہب ہیں اور امام ماتریدی کی تفسیر سے استفادہ نہ صرف میرے لیے زیادہ باعثِ سعادت ہوگا بلکہ ہمارے قارئین کو بھی اس سے فقہ حنفی کی حقانیت پر مزید بہ افراط مضبوط دلائل حاصل ہوں گے، پس اللہ تعالیٰ نے مجھے امام ماتریدی کی تفسیر سے اکتسابِ فیض کا موقع مہیا کیا، سو میں نے چاہا کہ اس مختصر تفسیر کا نام ''تبیان الفرقان'' رکھوں اور اس کا ترجمہ بھی میں دوبارہ از خود کر رہا ہوں اور کوشش یہ ہے کہ تبیان الفرقان میں قرآن مجید کا ترجمہ تبیان القرآن میں مذکور ترجمہ سے زیادہ آسان اور زیادہ سہل ہو اور اس ترجمہ کا نام میں نے ''نور الفرقان'' تجویز کیا

ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے تبیان الفرقان کو لکھنے اور مکمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے تاکہ زیادہ سے زیادہ قارئین اس سے استفادہ کرسکیں، اللہ تعالیٰ میرے اس عزم کو پورا فرمائے۔ وما ذالك على الله بعزيز

میں اہلِ سنت کے متقدمین مترجمین سے استفادہ کروں گا اور خود بھی غور وفکر کر کے پوری کوشش کے ساتھ ان شاء اللہ احادیث کی روشنی میں سہل، سلیس اور رواں ترجمہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔

قرآن مجید کی تفسیر میں میری کوشش یہ ہوگی کہ میں اسلام کے تمام مسلمہ عقائد پر دلائل فراہم کروں، قرآن کریم کی جن آیات سے بدعقیدہ لوگوں نے عام مسلمانوں پر اپنی فکر کی چھاپ لگانے کی کوشش کی ہے اس کا تدارک کروں، اور قرآن مجید کی جن آیات میں احکام اور مسائل کا ذکر ہے وہاں خصوصیت کے ساتھ امام ابوحنیفہ کے مذہب کا ذکر کروں اور ان کے دلائل کو پیش کروں، فقہی احکام میں ائمہ اربعہ کے متعدد مذاہب ہیں، ان کے مذاہب کا بیان اور فقہ حنفی کی ترجیح کا ذکر میں شرح صحیح مسلم اور نعمۃ الباری ونعم الباری اور پھر تبیان القرآن میں متعدد مقامات پر کر چکا ہوں، اس لیے میں یہاں ''تبیان الفرقان'' میں ان مباحث کا اعادہ نہیں کروں گا بلکہ صرف فقہ حنفی کا تفصیل سے ذکر کروں گا اور اجمالاً دیگر مذاہب کا بھی تذکرہ کروں گا، میرا مقصود یہ ہے کہ قرآنِ کریم کی تفسیر میں جس قدر ممکن ہوا احادیث اور آثار کو پیش کروں، نئے اور تازہ مسائل میں غور وفکر اور اجتہاد کی کافی وسعت اور گنجائش ہے تاہم بعض آزاد خیال علماء نے اس مسئلہ میں کافی افراط اور تفریط کی ہے، میں چاہتا ہوں کہ ان کے گمراہانہ افکار کا محاسبہ کیا جائے اور اختصار اور جامعیت کے ساتھ ان کا مکمل رد کیا جائے۔

جن احباب نے اس مختصر تفسیر کی فرمائش کی ان میں سرِفہرست صاحبزادہ محمد حفیظ البرکات شاہ زید حبہٗ، حضرت مفتی اعظم پاکستان علامہ الحاج پروفیسر منیب الرحمٰن دامت الطافہم العالیہ، ادارہ ضیاء القرآن کے پروف ریڈر حافظ محمد اکرم ساجد مدظلہ، محترم ومکرم جناب مختار احمد (انچارج ضیاء القرآن پبلی کیشنز، کراچی) اور میرے محبوب اور سعادت مند معتقد سید عمیر الحسن البرنی حفظہ اللہ ہیں، میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس کتاب کو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس مختصر تفسیر کو اپنی بارگاہ میں مقبول، مشکور اور مسعود فرمائے اور مجھے اور اس کتاب کے تمام معاونین اور قارئین کو دنیا اور آخرت کے ہر شر اور ہر عذاب سے محفوظ رکھے اور دنیا اور آخرت کی ہر خیر اور ہر نعمت ہمیں عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین بجاہ نبیك وحبيبك سيد المرسلين

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ

بلاک ۱۵ فیڈرل بی ایریا کراچی

۲ رجب المرجب ۱۴۳۵ھ/2 مئی 2014ء

بصائرالتفسیر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بصائر التفسیر میں ان شاء اللہ العزیز ہم ان امور کا بیان کریں گے جن کا تفسیر سے پہلے جاننا ضروری ہے، سب سے پہلے ہم قرآنِ مجید کا لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کریں گے، پھر قرآن مجید کے اسماء کا بیان کریں گے، اس کے بعد قرآنِ مجید کے فضائل میں وارد احادیث کا ذکر کریں گے، پھر قرآن مجید کے جمع کرنے کے مراحل اور ان کی کیفیت کو بیان کریں گے، اس کے بعد تفسیر اور تاویل کا لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کریں گے اور تفسیر اور تاویل میں فرق ذکر کریں گے، پھر یہ بیان کریں گے کہ قرآنِ مجید کی تفسیر کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے، اس کے بعد طبقات المفسرین کا بیان کریں گے، پھر قرآن مجید کے ناسخ اور منسوخ کی تحقیق کریں گے اور اس کے بعد ان آزاد خیال لوگوں کا ذکر کر کے ان کا رد کریں گے جنہوں نے قرآن مجید میں نسخ کے وقوع کا انکار کیا ہے، پھر سر سید احمد خان کے ان نظریات کا ذکر کریں گے جو تمام فقہاء اسلام کے مخالف ہیں۔ فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

قرآنِ مجید کا لغوی معنی

علامہ ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرّم ابن منظور الافریقی المصری المتوفی ۷۱۱ھ، لکھتے ہیں:

''القرآن'' کا معنی ہے التنزیل العزیز، ابواسحاق النحوی نے کہا ہے: جس کلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیا اس کا نام کتاب، قرآن اور فرقان رکھا گیا ہے، قرآن کا معنی ہے ''الجمع'' یعنی جمع کرنا، قرآن مجید کو قرآن اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں تمام سورتیں جمع ہیں اور قرآنِ مجید میں قصص، امر، نہی، وعد، وعید، آیات اور سورتیں جمع ہیں اور قرآن کا لفظ غفران اور شُکران کی طرح مصدر ہے اور کبھی صلوٰۃ یعنی نماز کو بھی قرآن کہا جاتا ہے کیونکہ نماز میں قرآنِ مجید کی قراءت ہوتی ہے۔

(لسان العرب ج ۱۲ ص ۵۰، دار صادر، بیروت، ۲۰۰۳ء، النہایہ ج ۴ ص ۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

قرآن مجید کا اصطلاحی معنی

علامہ ابوالقاسم الحسین بن محمد الراغب الاصفہانی المتوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

قرآن مجید کا اسم اس کتاب کے ساتھ مخصوص ہے جو کتاب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کی گئی اور لفظِ قرآن اس کتاب کے لیے عَلَم (نام) کی مثل ہے جیسا کہ تورات اس کتاب کو کہتے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی اور انجیل اس کتاب کو کہتے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی، بعض علماء نے کہا ہے کہ اس کتاب کا نام قرآن اس لیے ہے کہ قرآن کا معنی جمع کرنا ہے اور یہ کتاب تمام آسمانی کتابوں کے ثمرات کی جامع ہے بلکہ تمام علوم کے ثمرات کی جامع ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَ لٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ تَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ (یوسف: ۱۱۱)

قرآنِ کریم کوئی جھوٹی بات نہیں ہے بلکہ یہ ان کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں اور اس میں ہر چیز کی تفصیل ہے اور یہ ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے O

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى

اور ہم نے آپ پر ایسی کتاب نازل فرمائی ہے جس میں ہر چیز کا

وَرَحْمَةً وَّبُشْرٰی لِلْمُسْلِمِیْنَ ۝ (النحل:۸۹) واضح بیان ہے اور وہ مسلمانوں کے لیے سراپا ہدایت، رحمت اور بشارت دینے والی ہے O

علامہ علی بن محمد بن علی الحسینی الجرجانی الحنفی المتوفی ۸۱۶ھ، لکھتے ہیں:

قرآن اللہ تعالیٰ کے اس کلام کا نام ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بتدریج نازل کیا گیا، جو مصاحف میں لکھا ہوا ہے اور ہم تک ایسی نقلِ متواتر سے پہنچا ہے جس میں کوئی شبہ نہیں ہے اور اہلِ حق کے نزدیک قرآن اس علمِ لدنی اجمالی کا نام ہے جو تمام حقائق کا جامع ہے۔ (کتاب التعریفات ص ۱۲۳، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

علماءِ اصول نے قرآن مجید کی حسبِ ذیل تعریف کی ہے:

قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کا معجز کلام ہے جو ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عربی زبان میں نازل ہوا، یہ مصاحف میں لکھا ہوا ہے اور ہم تک تواتر سے پہنچا ہے اور اس کے منقول ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے اس کی ابتداء سورۃ الفاتحہ سے ہے اور اس کا اختتام سورۃ الناس پر ہے۔

عربی زبان میں قرآن مجید کو نازل کرنے کے متعلق شاہ ولی اللہ دہلوی اور سرسید احمد کے خیالات کا رد

قرآنِ مجید کے مصداق کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا کلام عربی زبان میں نازل ہوا ہو اور ایسا نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر چند معانی کا الہام کیا گیا ہو اور آپ نے ان معانی کو عربی زبان میں تعبیر فرمایا ہو، سو اگر ایسا ہو تو وہ حدیثِ قدسی تو ہو سکتی ہے لیکن وہ قرآن مجید نہیں ہو سکتا۔

سرسید احمد متوفی ۱۸۹۸ء نے شاہ ولی اللہ دہلوی کی تفہیماتِ الٰہیہ (ص ۱۵۸) سے یہ نقل کیا ہے کہ (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر غیب سے چند معانی کا القاء کیا جاتا تھا، سو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو لغتِ عربی میں منتقل کر دیتے تھے تاکہ مخلوق کو تعلیم دے سکیں، سو یہ کلامِ الٰہی ہو گیا۔

(محصلہ تفسیر القرآن وھو الہدیٰ والفرقان ج ۱ ص ۳، رفاہ عام سٹیم پریس، لاہور ۲۰۱۰ء)

سرسید احمد متوفی ۱۸۹۸ء لکھتے ہیں:

ملکۂ نبوت نے جو روح الامین سے تعبیر کیا گیا ہے آنحضرت کے قلب پر القا کیا ہے جیسا کہ میرا خاص مذہب ہے کما قلت (جیسا کہ میں نے یہ شعر کہا ہے):

زجبریل امین قرآن بہ پیغامے نمی خانم ☆ ہمہ گفتار معشوق است قرآنے کہ من دارم

(ترجمہ:) میں قرآن کو جبریل امین کے پیغام سے نہیں پڑھتا ☆ جس قرآن کو میں رکھتا ہوں وہ سب محبوب کا کلام ہے۔

(تفسیر القرآن وھو الھدیٰ والفرقان ج ۱ ص ۳، رفاہ عام سٹیم پریس، لاہور ۲۰۱۰ء)

شاہ ولی اللہ دہلوی کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نازل شدہ معانی کو اپنے الفاظ سے تعبیر فرمایا اور سرسید احمد کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ قرآن کو حضرت جبریل نے نہیں پہنچایا بلکہ ملکۂ نبوت نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب پر القا کیا ہے۔

کیونکہ قرآن مجید کی بہ کثرت آیات میں یہ تصریح ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا نازل کیا ہوا عربی کلام ہے جو حضرت جبریل کی وساطت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب پر نازل ہوا، نہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بنائے ہوئے عربی الفاظ ہیں اور نہ ملکۂ نبوت

سے یہ قرآن مجید ظہور میں آیا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ؁ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ؁ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ؁ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ؁ وَ اِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ؁ (الشعراء: ۱۹۲۔۱۹۶)

اور بے شک یہ (کلام) رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے O جس کو الروح الامین (حضرت جبریل) نے نازل کیا O آپ کے قلب پر تا کہ آپ (عذابِ الٰہی سے) ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں O یہ کلام واضح عربی زبان میں (نازل ہوا ہے) O اور بے شک اس کلام کا پہلے صحائف میں بھی ذکر کیا گیا ہے O

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ؁ (یوسف: ۲)

بے شک ہم نے اس کتاب کو (بہ صورتِ قرآن) عربی زبان میں نازل کیا ہے تا کہ تم اسے (آسانی سے) سمجھ سکو O

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّ صَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ؁ (طٰہٰ: ۱۱۳)

اور اسی طرح ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا ہے اور اس میں متعدد تنبیہات کی ہیں تا کہ لوگ (عذاب سے) ڈریں یا وہ (تنبیہ) ان کے دلوں میں نصیحت پیدا کرے O

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ؁ (الزخرف: ۳)

بے شک ہم نے اس کتابِ مبین کو عربی زبان کا قرآن بنایا ہے تا کہ تم (آسانی سے) سمجھ سکو O

ان آیات میں یہ واضح تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عربی زبان میں قرآن نازل فرمایا ہے اور ایسا نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن میں کوئی مضمون القا کر دیا گیا اور اس کو آپ نے عربی زبان میں تعبیر فرما دیا جیسا کہ شاہ ولی اللہ نے تفہیماتِ الٰہیہ میں کہا ہے اور نہ ایسا ہے جیسا سر سید احمد نے لکھا ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملکۂ نبوت نے جو روح الامین سے تعبیر کیا گیا ہے آنحضرت کے قلب پر القا کیا ہے جیسا کہ میرا خاص مذہب ہے"۔

قرآن مجید کے اسماء

(۱) قرآنِ کریم: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ؁ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ؁ (الواقعہ: ۷۷۔۷۸)"۔

(۲) قرآن مجید: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ؁ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ؁ (البروج: ۲۱۔۲۲)"۔

(۳) الفرقان: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ؁ (الفرقان: ۱)"۔

(۴) الکتاب: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ (البقرہ: ۲)"۔

(۵) الذکر: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ؁ (الحجر: ۹)"۔

(۶) نور: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا

مُّبِیۡنًا۝ (النساء: ۱۷۴)"

قرآن مجید کی فضیلت میں احادیث

(۱) حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک دن کھڑے ہوئے، آپ نے خطبہ دیا، سو آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد اور ثنا کی، پھر آپ نے فرمایا: اے لوگو! میں صرف بشر ہوں اور عنقریب میرے پاس میرے رب کی طرف سے بلانے والا آئے گا تو میں اس کو لبیک کہوں گا اور میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں، ان میں سے پہلی چیز اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، اس میں ہدایت ہے اور نور ہے پس تم اللہ کی کتاب کو لازم رکھو اور اس سے وابستہ رہو، پھر آپ نے کتاب اللہ پر برانگیختہ کیا اور اس کی ترغیب دی، پھر آپ نے فرمایا: (اور دوسری چیز) میرے اہلِ بیت ہیں، میں اپنے اہلِ بیت کے (احترام اور اکرام کے) متعلق (تمہیں) اللہ تعالیٰ (کے احکام کو) یاد دلاتا ہوں۔ یہ آپ نے تین مرتبہ فرمایا۔ (صحیح مسلم: ۲۴۰۸، سنن دارمی: ۳۳۱۷)

(۲) امام ابو عیسیٰ ترمذی اپنی سند کے ساتھ الحارث سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: میں مسجد میں گزرا تو وہاں لوگ دنیاوی باتوں میں مشغول تھے، پس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے پاس آیا، میں نے کہا: اے امیر المومنین! کیا آپ نہیں دیکھتے کہ لوگ دنیاوی باتوں میں مشغول ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: وہ واقعی ایسا کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سنو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے یہ سنا ہے آپ فرما رہے تھے: سنو! عنقریب فتنے برپا ہوں گے، میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! ان فتنوں سے نکلنے کی کون سی جگہ ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ کی کتاب، اس میں تم سے پہلے لوگوں کی خبریں ہیں (یعنی گزشتہ امتوں کے احوال ہیں) اور تمہارے بعد کے لوگوں کی خبریں ہیں (یعنی علاماتِ قیامت اور احوالِ قیامت ہیں) اور تمہارے درمیان ہونے والے امور کا فیصلہ (یعنی احکامِ شرعیہ) ہے اور وہ فصل ہے (یعنی حق اور باطل کے درمیان فاصل ہے) اور اس میں سنجیدہ امور ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے اور وہ الذکر الحکیم ہے (یعنی اس میں نصیحتیں ہیں اور حکمت کی باتیں ہیں)، اور وہ صراطِ مستقیم ہے اور وہ ایسا راستہ ہے جس کو باطل پرست ٹیڑھا نہیں کر سکتے اور اس کو زبانوں پر پڑھنا دشوار نہیں ہے، اور علماء اس سے سیر نہیں ہوتے اور بار بار پڑھنے سے وہ پرانا نہیں ہوتا اور اس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوتے، اور یہ وہی ہے کہ جنات نے اس کے سننے کے بعد توقف نہیں کیا حتیٰ کہ انہوں نے کہا "ہم نے بہت حیرت انگیز قرآن سناO جو سیدھے راستہ کی طرف ہدایت دیتا ہے" جس نے اس قرآن سے کسی بات کی خبر دی اس کی تصدیق کی جائے گی اور جس نے اس پر عمل کیا اس کو اجر دیا جائے گا اور جس نے اس کے ساتھ عادلانہ فیصلہ کیا اور جس نے اس کی طرف دعوت دی اس کو سیدھے راستہ کی ہدایت دی گئی، اے اعور! اس کو یاد رکھو۔

(سنن ترمذی: ۲۹۰۶، مسند احمد ج ۱ ص ۹۱، مسند البزار: ۸۳۴، مسند ابو یعلیٰ: ۳۶۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۴۸۲، سنن دارمی: ۳۳۳۱)

(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: تم میں بہترین مرد وہ ہے جو قرآن (کریم) پڑھے اور قرآن (مجید) کو پڑھائے۔ (صحیح البخاری: ۵۰۲۷، سنن ترمذی: ۲۹۰۹، سنن دارمی: ۳۳۳۸)

(۴) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا دسترخوان ہے، پس جو اس میں داخل ہو گیا تو وہ امن سے رہے گا۔ (سنن دارمی: ۳۳۲۳)

(۵) حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: رب تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: جس شخص کو قرآن

(مجید) کی تلاوت کرنے اور میرا ذکر کرنے نے مجھ سے سوال کرنے سے مشغول رکھا اس کو میں سوال کرنے والوں کی بہ نسبت افضل عطا فرماؤں گا۔ (سنن ترمذی:۲۹۲۶)

(٦) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص تلاوتِ قرآن میں ماہر ہو وہ معزز نیک فرشتوں کے ساتھ ہوگا اور جو مرد قرآن پڑھتا ہو اور اس کو اس میں مشقت اور دشواری ہوتی ہو تو اس کو دو اجر ملیں گے۔

(صحیح مسلم: ۲۴۴، سنن ابن ماجہ: ۳۷۷۹، مسند احمد: ۲۴۷۲۱)

(٧) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھا اس کو ایک نیکی ملے گی اور اس نیکی کا اجر دس گنا ہوگا اور میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمّٓ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے اور لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۹۱۰، سنن دارمی: ۳۳۵۱)

(٨) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قرآن پڑھنے والے سے (قیامت کے دن) کہا جائے گا: قرآن پڑھ اور درجات پر چڑھ، اور اس طرح قرآنِ مجید کی تلاوت کر جس طرح دنیا میں قرآنِ مجید کی تلاوت کرتا تھا کیونکہ تمہارا ٹھکانا وہاں ہے جہاں تم قرآن مجید کی آخری آیت پڑھو گے۔ (سنن ابوداؤد: ۱۴۶۴، سنن ترمذی: ۲۹۱۴)

(٩) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جنت کے درجات قرآن مجید کی آیات کے برابر ہیں، جس نے تہائی قرآن پڑھا اس کو تین درجات ملیں گے اور جس نے نصف قرآن پڑھا اس کو نصف درجات ملیں گے اور جس نے پورا قرآن پڑھا وہ اعلیٰ علیین میں ہوگا یا صدیق کی منزل میں ہوگا یا شہید کی منزل میں ہوگا۔

(تاریخ دمشق ج ۵۹ ص ۳۵۵-۳۵۶، مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۹۹۴۳، شعب الایمان: ۱۹۹۸)

(١٠) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قرآن اور روزہ اپنے صاحب کی قیامت کے دن شفاعت کریں گے، پس روزہ کہے گا: ''اے میرے رب! بے شک میں نے دن میں اس شخص کو کھانے اور پینے سے روک دیا تھا، پس اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما'' اور قرآن کہے گا: ''میں نے اس کی رات کی نیند کو روک دیا تھا، پس اس کے حق میں میری شفاعت کو قبول فرما'' سو دونوں کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۱۷۴، المستدرک ج ۱ ص ۵۵۴)

(١١) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''جو شخص قرآنِ مجید کی تلاوت کرتا ہے اس کو ارذل عمر کی طرف نہیں لوٹایا جائے گا''۔

(المستدرک ج ۲ ص ۵۲۸-۵۲۹، شعب الایمان: ۲۷۰۶)

(١٢) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: قرآن مجید کی تلاوت کیا کرو کیونکہ قرآن مجید قیامت کے دن بہترین شفاعت کرنے والا ہے، وہ قیامت کے دن کہے گا: اے میرے رب! اس شخص کو کرامت سے مزین لباس پہنا، سو اس کو کرامت سے مزین لباس پہنایا جائے گا، اے میرے رب! اس کو کرامت کے کپڑے پہنا تو اس کو کرامت کے کپڑے پہنائے جائیں گے، اے میرے رب! اس کو کرامت کا تاج پہنا، اے میرے رب! اس سے راضی ہو جا، پس تیری رضا سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔

(سنن ترمذی: ۲۹۱۵، سنن دارمی: ۳۳۱۲)

قرآن مجید کو جمع کرنے کی کیفیت

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ از عبید بن سباق روایت کرتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب اہلِ یمامہ کے ساتھ شدید جنگ ہوئی (اور بہت مسلمان قراء شہید ہو گئے) تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے بلایا، اس وقت ان کے پاس حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ بے شک عمر میرے پاس آئے، پس انہوں نے کہا کہ یمامہ کا دن قرآن کے قراء کی شہادت کے ساتھ گرم ہو گیا ہے اور بے شک مجھے یہ خطرہ ہے کہ مختلف شہروں کے قراء شہید ہو گئے ہیں تو قرآن مجید کا بہت سا حصہ جاتا رہے گا اور میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن مجید کو جمع کرنے کا حکم دیں، (حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بتایا:) میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ کیسے وہ کام کریں گے جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! یہ نیک کام ہے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجھ سے مسلسل اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ بھی اس کام کے لیے کھول دیا اور میری بھی اس مسئلہ میں وہی رائے ہو گئی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے ہے، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے (مجھ سے) فرمایا: تم نوجوان مرد ہو، عقل مند ہو ہم تم پر کوئی تہمت نہیں لگاتے اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وحی کو لکھتے تھے سو تم قرآن مجید کو تلاش کر کے اس کو جمع کرو، پس اللہ کی قسم! اگر وہ لوگ مجھے پہاڑوں میں سے کسی پہاڑ کو منتقل کرنے کا مکلف کرتے تو وہ مجھ پر اتنا دشوار نہ ہوتا جتنا مجھے ان کے اس حکم پر عمل کرنا دشوار تھا کہ میں قرآن مجید کو جمع کروں، میں نے کہا: آپ کیسے وہ کام کر رہے ہیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! وہ نیک کام ہے، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مسلسل مجھ سے اس پر اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ بھی اس کام کے لیے کھول دیا جس کام کے لیے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا سینہ کھولا تھا، پس میں کھجور کی چھلی ہوئی شاخوں اور پتلے اور چوڑے پتھروں سے (جن پر قرآن مجید لکھا ہوا تھا) اور مردوں کے سینوں سے قرآن مجید کو تلاش کر کے جمع کرنے لگا حتیٰ کہ میں نے سورۃ التوبۃ کی آخری آیت کو حضرت ابوخزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس پایا اور میں نے اس آیت کو اور کسی کے پاس نہیں پایا، وہ آیت یہ ہے: ''لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ'' (بے شک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آ گئے ہیں تمہارا مشقت میں پڑنا ان پر بہت شاق ہے) یہ آیت سورۃ التوبہ کے خاتمہ تک ہے، یہ مصحف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو وفات دے دی، پھر وہ مصحف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی پوری حیات تک رہا، پھر حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس رہا۔ (صحیح البخاری: ۴۶۷۹، ۴۹۸۶، ۷۱۹۱، ۲۸۰۷، سنن ترمذی: ۳۱۰۳، مسند احمد: ۷۷)

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں کیسے وہ کام کروں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا؟

علامہ الخطابی وغیرہ نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن مجید کو ایک مصحف میں اس لیے جمع نہ کیا ہو کیونکہ اس وقت قرآن مجید مسلسل نازل ہو رہا تھا اور آپ یہ انتظار کر رہے تھے کہ کوئی ناسخ آیت نازل ہو جس سے بعض احکامِ شرعیہ یا بعض آیات کی تلاوت منسوخ ہو جائے، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد قرآن مجید کا نزول مکمل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے خلفاءِ راشدین کے دلوں میں قرآن مجید کے جمع کرنے کا الہام کیا تاکہ اللہ تعالیٰ نے اس امتِ محمدیہ کے لیے قرآن مجید کی حفاظت کا جو ذمہ لیا تھا اور اس کی ضمانت دی تھی وہ وعدہ پورا ہو جائے اور اس کی ابتداء حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے حضرت ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں سے ہوئی اور اس کی تائید امام ابن ابوداؤد کی اس روایت سے ہوتی ہے جو انہوں نے ''المصاحف'' میں عبد خیر کی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مصاحف کو مرتب کرنے میں سب سے زیادہ اجر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہوگا جنہوں نے سب سے پہلے کتاب اللہ کو جمع کیا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا: اور میں نے اس آیت کو اور کسی کے پاس نہیں پایا یعنی لَقَدْ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ۔۔۔ التوبہ: ۱۲۸''۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اس کی شرح میں لکھتے ہیں: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہے کہ انہوں نے اس آیت کو ان کے علاوہ کسی اور کے پاس لکھا ہوا نہیں پایا، کیونکہ صحابہ کرام نے یہ قاعدہ مقرر کیا تھا کہ کسی آیت کا فقط لوگوں کو حفظ ہونا کافی نہیں ہے بلکہ یہ بھی ثابت ہو کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں لکھی گئی تھی اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جو اس آیت کو کسی اور کے پاس لکھا ہوا نہیں پایا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ آیت ان کے نزدیک تواتر سے منقول نہ ہو بلکہ یہ آیت بہت صحابہ کو حفظ تھی لیکن اس کے لکھنے کا ثبوت حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو صرف حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے ملا۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۱۶۰، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

قرآن مجید کو تین مرتبہ جمع کرنے کی کیفیت

امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ المعروف بالحاکم النیشاپوری المتوفی ۴۰۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھے اور کاغذ کے ٹکڑوں اور چمڑے کے ٹکڑوں سے قرآن مجید کو جمع کرتے تھے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: شام کے لیے خوشی ہو، ہم نے کہا: کس وجہ سے ان کے لیے خوشی ہو؟ تو آپ نے فرمایا: کیونکہ رحمٰن کے فرشتے ان کے اوپر اپنے پر پھیلائے ہوئے ہیں۔ یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور انہوں نے اس کی روایت نہیں کی اور اس حدیث میں یہ واضح بیان ہے کہ قرآن مجید کو صرف ایک مرتبہ جمع نہیں کیا گیا، پس بعض قرآنِ مجید کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے جمع کیا گیا، پھر بعض کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے جمع کیا گیا اور تیسری مرتبہ سورتوں کی ترتیب حضرت امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہوئی۔ (المستدرک ج ۲ ص ۲۲۹، دار الباز للنشر والتوزیع)

تیسری مرتبہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا قرآنِ مجید کو جمع کرنا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، اس وقت حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اہلِ شام کے ساتھ مل کر ارمینیہ اور آذر بائیجان کی فتح کے لیے جہاد کر رہے تھے، تب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے قرآن مجید پڑھنے میں اختلاف سے گھبرا گئے تھے۔ پس حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا: اے امیر المومنین! اس سے پہلے کہ یہ امت اپنی کتاب میں یہود و نصاریٰ کے اختلاف کی طرح اختلاف کرنے لگے آپ اس کا تدارک کر لیجئے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ ہمارے پاس کوئی مصحف بھیج دیں اس کے موافق مصاحف لکھیں گے پھر ہم اس کو آپ کی طرف واپس کر دیں گے، سو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے وہ مصحف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف بھیج دیا، پھر حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن الزبیر، حضرت سعید بن العاص اور حضرت

عبدالرحمن بن الحارث بن ہشام رضی اللہ عنہم کو یہ حکم دیا کہ وہ اس نسخہ کے موافق مصاحف لکھیں، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تین قرشی صحابہ سے یہ کہا کہ جب تمہارا اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا کسی لفظ میں اختلاف ہو تو تم اس لفظ کو قریش کی زبان کے موافق لکھنا کیونکہ قرآن مجید قریش کی زبان پر نازل ہوا ہے، سو انہوں نے اسی طرح کیا حتیٰ کہ جب انہوں نے تمام مصاحف میں اس مصحف کے موافق لکھ لیا تو پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ مصحف حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی طرف واپس بھیج دیا، پھر انہوں نے تمام شہروں میں اس مصحف کی نقل بھیج دی جس کو انہوں نے لکھا تھا اور یہ حکم دیا کہ اس مصحف کے سوا قرآن مجید کے ہر صحیفہ کو جلا دیا جائے۔

(صحیح البخاری: ۴۹۸۷، سنن ترمذی: ۳۱۰۴)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں مسلمانوں کے درمیان قرآن مجید کے پڑھنے میں اختلاف

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام ابن ابوداؤد نے یزید بن معاویہ نخعی سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ میں الولید بن عقبہ کے زمانہ میں ایک مسجد کے حلقہ میں بیٹھا ہوا تھا جس میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ تھے تو انہوں نے سنا ایک مرد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت کے موافق پڑھ رہا تھا اور دوسرا مرد حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کی قراءت کے موافق پڑھ رہا تھا، تب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ غصہ میں کھڑے ہو گئے، پھر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی، پھر کہا: اسی طرح تم سے پہلے لوگ اپنی کتابوں میں مختلف ہو گئے تھے، اللہ کی قسم! میں ضرور امیر المومنین کے پاس جاؤں گا، اور دوسری سند کے ساتھ روایت ہے کہ دو مردوں نے سورۃ البقرہ کی ایک آیت میں اختلاف کیا، ایک نے پڑھا ''وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ۔ (البقرہ:۱۹۶)'' اور دوسرے نے پڑھا ''واتموا الحج والعمرة للبيت'' تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ غضب ناک ہو گئے اور ان کی دونوں آنکھیں سرخ ہو گئیں اور ابوالشعثاء کی سند سے روایت ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت ہے اور اہلِ بصرہ کہتے ہیں کہ یہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی قراءت ہے اور اللہ کی قسم! میں ضرور امیر المومنین کے پاس جا کر یہ کہوں گا کہ ان سب کو ایک قراءت پر متفق کر دیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مختلف شہروں میں بھیجے ہوئے مصاحف کی تعداد

مشہور یہ ہے کہ ان مصاحف کی تعداد پانچ تھی اور امام ابوداؤد نے حمزہ الزیات کی سند سے روایت کی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چار مصاحف بھیجے تھے، اور ابوحاتم السجستانی نے بتایا کہ میں نے سات مصاحف لکھے تھے: (۱) المکہ کی طرف (۲) الشام کی طرف (۳) الیمن کی طرف (۴) البحرین کی طرف (۵) البصرہ کی طرف (۶) الکوفہ کی طرف (۷) المدینہ کی طرف۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصاحف کو جلانے کی توجیہ

سوید بن غفلہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو مصاحف کو جلوایا تھا ان کے متعلق خیر کے سوا کچھ نہ کہو۔

قاضی عیاض نے وثوق سے کہا ہے کہ انہوں نے پہلے ان مصاحف کو پانی سے دھویا پھر ان کو جلایا تا کہ ان مصاحف کو محو کرنے میں مبالغہ ہو جائے، علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ اس حدیث میں ان کتابوں کو جلانے کے جواز کی دلیل ہے جن میں اللہ تعالیٰ کا نام

لکھا ہوا ہو اور یہ ان کتابوں کی تکریم ہے تا کہ وہ قدموں تلے روندی نہ جائیں اور امام عبدالرزاق نے طاؤس سے روایت کی ہے کہ وہ ان رسائل کو جلا دیتے تھے جن میں بسم اللہ لکھی ہوئی ہو، اور اسی طرح عروہ نے کہا: اور ابراہیم نخعی نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے اور ابن عطیہ نے کہا کہ یہ اس وقت کا حکم ہے اور اب ایسے رسائل کو دھونا اولیٰ ہے جب ان کے ازالہ کی ضرورت ہو۔

(فتح الباری ج ٦ ص ١٦٦۔ ١٦٧، دار المعرفہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

فقہاء احناف کے نزدیک قرآن مجید کے پرانے اور بوسیدہ اوراق کا شرعی حکم

علامہ برہان الدین محمود بن صدر الشریعہ ابن مازہ البخاری الحنفی المتوفی ٦١٦ھ لکھتے ہیں:

جب مصحف اتنا پرانا ہو جائے کہ اس سے پڑھا نہ جا سکے تو اس کو جلایا نہیں جائے گا، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ''کتاب السیر'' میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے اور ہم اسی پر عمل کرتے ہیں، اور اس کو دفن کرنا مکروہ نہیں ہے، اور جو اس کو دفن کرنے کا ارادہ کرے اس کو چاہیے کہ وہ اس کو کسی پاک کپڑے میں لپیٹے اور اس کے لیے گڑھا کھودے اور لحد بنائے اور شق نہ بنائے کیونکہ جب اس گڑھے کو شق بنایا جائے گا تو اس پر مٹی ڈالنے کی ضرورت ہوگی اور اس میں ایک قسم کی تحقیر ہے اور اللہ عزوجل کے کلام کا استخفاف ہے اور اگر وہ چاہے تو وہ ان اوراق کو پانی کے ساتھ دھولے اور اگر وہ چاہے تو ان اوراق کو کسی ایسی پاک جگہ پر رکھ دے جہاں بے وضو لوگوں کے ہاتھ نہ پہنچیں اور ان پر گرد و غبار نہ پڑے تا کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی تعظیم باقی رہے۔ (المحیط البرہانی ج ٨ ص ١٠، ادارۃ القرآن کراچی ١٤٢٤ھ)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی متوفی ١٢٥٢ھ لکھتے ہیں:

قرآن مجید کے ان بوسیدہ اوراق کو دفن کرنا زیادہ بہتر ہے جیسا کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو ان کی وفات کے بعد دفن کر دیا جاتا ہے، اسی طرح تمام وہ کتابیں جو پرانی ہو جائیں اور ان سے نفع حاصل نہ ہو سکے تو ان کا یہی حکم ہے، یہ المجتبیٰ کی عبارت ہے، ان کی مراد یہ ہے کہ قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق کو دفن کرنا تعظیم کے خلاف نہیں ہے کیونکہ جو تمام لوگوں سے افضل ہیں ان کو بھی دفن کر دیا جاتا ہے اور ''الذخیرۃ'' میں مذکور ہے کہ مصحف جب پرانا ہو جائے اور اسے پڑھنا دشوار ہو جائے تو اس کو آگ میں جلایا نہیں جائے گا، امام محمد نے اسی طرف اشارہ کیا ہے اور ہم اسی پر فتویٰ دیتے ہیں اور اس کو دفن کرنا مکروہ نہیں ہے اور اس کو پاک کپڑے میں لپیٹ کر لحد بنا کر رکھنا چاہیے، کیونکہ اگر اس کی قبر شق بنائی تو دفن کے وقت اس پر مٹی ڈالنے کی ضرورت ہوگی اور اس میں ایک قسم کی تحقیر ہے، ہاں! اگر قبر کو بطورِ شق بنایا جائے اور اس پر چھت ڈال دی جائے تو پھر درست ہے۔ اور اگر چاہے تو ان بوسیدہ اوراق کو پانی کے ساتھ دھولے یا ان کو کسی ایسی پاک جگہ پر رکھ دے جہاں پر کسی بے وضو کا ہاتھ یا گرد و غبار یا نجاست نہ پہنچے تا کہ اللہ عزوجل کے کلام کی تعظیم باقی رہے۔ (رد المحتار ج ٩ ص ٥١٨۔ ٥١٩، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ١٤١٩ھ)

تفسیر کا لغوی معنی

علامہ ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور الافریقی المصری المتوفی ٧١١ھ لکھتے ہیں:

تفسیر کا لفظ ''فسر'' سے ماخوذ ہے اور ''الفسر'' کا معنی ہے ''البیان''۔ ابن الاعرابی نے کہا: ''التفسیر و التاویل'' دونوں کا معنی واحد ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ لَا یَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَ اَحْسَنَ تَفْسِیْرًا ؀ (الفرقان: ۳۳) اور یہ (کفار) آپ کے پاس جو بھی مثال (بہ صورتِ اعتراض) لائیں گے ہم آپ کے پاس اس کا برحق جواب اور واضح بیان لے آئیں گے O

اور تفسیر کا معنی ہے: مشکل لفظ کی مراد کو منکشف کرنا، اور تاویل کا معنی ہے: لفظ کو اس کے دو احتمالوں میں سے کسی ایک احتمال کی طرف لوٹانا جو ظاہر کے مطابق ہو۔ (لسان العرب ج ۱۱ ص ۱۸۰، دار صادر، بیروت ۲۰۰۳ء)

تفسیر کا اصطلاحی معنی

علامہ بدر الدین محمد بن عبد اللہ الزرکشی المتوفی ۷۹۴ھ لکھتے ہیں:

تفسیر وہ علم ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی اس کتاب کی فہم کی معرفت ہوتی ہے جو اس کے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی اور اس کے معانی کے بیان کی معرفت ہوتی ہے اور اس کے احکام اور حکمتوں کے مستنبط کرنے کی معرفت ہوتی ہے اور اس علم کے حصول میں لغت، نحو، صرف، علم البیان، اصول الفقہ اور قراءت سے مدد حاصل کی جاتی ہے اور اس کی معرفت کے لیے اسبابِ نزول اور الناسخ والمنسوخ کی معرفت کی ضرورت ہوتی ہے۔ (البرہان فی علوم القرآن ج ۱ ص ۱۳، دار الفکر، بیروت ۱۴۰۰ھ)

علامہ محمد بن یوسف ابو الحیان الاندلسی الغرناطی المتوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

تفسیر وہ علم ہے جس میں الفاظ قرآن کے نطق کی کیفیت سے بحث کی جاتی ہے اور ان الفاظ کے مدلولات سے اور ان کے احکام افرادیہ وترکیبیہ سے اور ان کے معانی سے بحث کی جاتی ہے۔

الفاظ کے مدلولات کی معرفت علمِ لغت سے ہوتی ہے، احکامِ افرادیہ وترکیبیہ کی معرفت علمِ صرف اور علمِ نحو سے اور علمِ بیان اور علمِ بدیع سے ہوتی ہے۔ (البحر المحیط ج ۱ ص ۲۶، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۲ھ)

امام ابو منصور محمد بن محمد بن محمود الحنفی الماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

تفسیر یہ ہے کہ قطعیت کے ساتھ یہ بیان کیا جائے کہ اس لفظ سے یہ معنی مراد ہے اور یہ شہادت دی جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس لفظ سے اس معنی کا ارادہ فرمایا ہے، اگر اس معنی پر دلیلِ قطعی قائم ہو تو یہ تفسیر صحیح ہے ورنہ یہ تفسیر بالرائے ہے جو ممنوع ہے۔ اور تاویل یہ ہے کہ بغیر کسی قطعی دلیل کے اور بغیر اللہ تعالیٰ پر شہادت دینے کے لفظ کے محتملات میں سے کسی ایک محتمل کو ظنی دلیل سے ترجیح دی جائے۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۱ ص ۱۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

علامہ ابو القاسم الحسین بن محمد الراغب الاصفہانی المتوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

تفسیر کا لفظ ''الفسر'' سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: معنی معقول کا اظہار، اور کبھی مفردات کے معانی کے بیان کو تفسیر کہا جاتا ہے اور جملوں کے معانی کے بیان کو تاویل کہا جاتا ہے۔ (المفردات فی غریب القرآن، ج ۲ ص ۴۹۱، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

علامہ علی بن محمد بن علی السید الشریف الحسینی الجرجانی الحنفی المتوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں:

لغت میں تفسیر کا معنی ہے: کشف اور اظہار، اور شرع میں تفسیر کا معنی ہے: آیت کے معنی کی توضیح اور اس کا سببِ نزول اور اس قصہ کا بیان جس سبب سے وہ آیت نازل ہوئی۔ (کتاب التعریفات ص ۴۶، دار الفکر، بیروت ۱۴۱۸ھ)

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

کسی لفظ کے متعلق یہ بیان کرنا کہ اس کا ایک ہی معنی ہے اور دوسرا معنی نہیں ہے اس کو تفسیر کہتے ہیں، اور کسی لفظ کے متعدد معانی میں سے کسی ایک معنی کو دلیلِ ظاہر سے متعین کیا جائے تو اس کو تاویل کہتے ہیں۔

(الاتقان فی علوم القرآن ج ۲ ص ۴۲۷، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

تاویل کا لغوی معنی

علامہ مجد الدین ابو السعادات المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

تاویل کا لفظ "آل الشیء یئول" سے ماخوذ ہے یعنی کسی لفظ نے فلاں معنی کی طرف رجوع کیا اور تاویل سے مراد ہے لفظ کو اس کے حقیقی معنی سے اس معنی کی طرف منتقل کیا جائے جس کی دلیل سے ضرورت ہو، اور اگر وہ دلیل نہ ہوتی تو اس لفظ کے ظاہری معنی کو نہ ترک کیا جاتا جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رکوع اور سجدہ میں اکثر یہ پڑھتے تھے "سبحانك اللهم ربنا وبحمدك اللهم اغفرلی" آپ قرآن مجید کی تاویل فرماتے تھے۔ (صحیح البخاری: ۸۱۷، ۷۹۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا منشاء یہ ہے چونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے "فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ۔۔۔ (النصر: ۳)" (سو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کیجئے اور اس سے استغفار کیجئے) لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکوع اور سجود میں یہ دعا پڑھ کر قرآنِ مجید کے اس حکم پر عمل کرتے۔

اسی طرح حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا مبارک ہاتھ میرے کندھے پر رکھا، پھر آپ نے دعا کی: "اللهم فقهه فی الدین وعلمه التاویل" (اے اللہ! ابن عباس کو دین کی فقہ عطا فرما اور اس کو تاویل کا علم عطا فرما)۔

(مسند احمد: ۲۳۹۳، ج ۱ ص ۲۶۶، المعجم للطبرانی: ۱۰۶۱۴)

تاویل سے مراد یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو قرآن مجید کی تاویل کا علم عطا فرما، اسی وجہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو "ترجمان القرآن" کہا جاتا ہے۔

نیز حدیث میں ہے:

الزہری بیان کرتے ہیں کہ میں نے عروہ سے پوچھا: کیا وجہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا منیٰ میں پوری نماز پڑھتی ہیں تو انہوں نے بتایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے منیٰ میں پوری نماز پڑھنے کے لیے وہی تاویل کی جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں پوری نماز پڑھنے کے لیے کی تھی۔ (صحیح البخاری: ۱۰۹۰) (النہایہ فی غریب الحدیث والاثر ج ۱ ص ۸۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۸ھ)

تاویل کا اصطلاحی معنی

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

لفظ کے جس معنی کو ماہر علماء نے مستنبط کیا ہو وہ تاویل ہے۔

علامہ بغوی نے کہا ہے: آیت کو اس معنی کی طرف پھیرنا جو اس کے ماقبل اور مابعد کے موافق ہو اور آیت میں اس معنی کا احتمال بھی ہو اور وہ معنی کتاب اور سنت اور طریقِ استنباط کے مخالف نہ ہو تو وہ تاویل ہے۔

دوسروں نے کہا: جس لفظ کے متعدد معانی ہوں ان میں سے کسی ایک معنی کو دلیل سے متعین کرنا تاویل ہے اور تفسیر کا تعلق روایت کے ساتھ ہوتا ہے اور تاویل کا تعلق درایت کے ساتھ ہوتا ہے۔

(الاتقان ج ۴ ص ۴۲۷-۴۲۸، دارالکتاب العربی، بیروت ۱۴۱۹ھ)

تفسیر اور تاویل کا فرق

تفسیر اور تاویل کے درمیان حسبِ ذیل فرق بیان کئے گئے ہیں:

(۱) تفسیر کا اکثر استعمال الفاظ کے بیان میں ہوتا ہے اور تاویل کا اکثر استعمال معانی میں ہوتا ہے جیسے ''تاویل الرؤیا''، یعنی خواب کی تعبیر۔

(۲) تاویل کا اکثر استعمال آسمانی کتابوں کے بیان میں ہوتا ہے اور تفسیر کا استعمال آسمانی کتابوں کے بیان میں بھی ہوتا ہے اور دیگر کتابوں کے بیان میں بھی ہوتا ہے۔

(۳) تفسیر کا اکثر استعمال مفرد الفاظ کے بیان میں ہوتا ہے اور تاویل کا اکثر استعمال جملوں کے بیان میں ہوتا ہے۔

(۴) تفسیر کا تعلق الفاظِ غریبہ کے بیان میں ہوتا ہے جیسے ''بحیرۃ'' کی تفسیر اس اونٹنی کے ساتھ کی گئی ہے جس کا دودھ دوہنا بتوں کے تقرب کی وجہ سے ممنوع ہو اور ''سائبۃ'' کی تفسیر اس اونٹنی کے ساتھ کی گئی ہے جس کو بتوں کے تقرب کی وجہ سے آزاد چھوڑ دیا گیا ہو اور اس پر کوئی شخص سوار نہ ہوتا ہو اور ''وصیلۃ'' کی تفسیر اس اونٹنی کے ساتھ کی گئی ہے جو یکے بعد دیگرے دو اونٹنیوں کو جنم دے اور ان کے درمیان کسی نَر اونٹ کو جنم نہ دے، اور ''حام'' کی تفسیر اس اونٹ کے ساتھ کی گئی ہے جو چند معین مرتبہ اونٹنیوں کو گابھن کر دے پھر اس کو آزاد چھوڑ دیتے ہیں اور اس پر نہ کوئی شخص سوار ہوتا ہے اور نہ اس پر سامان لادا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّ لَا سَآئِبَةٍ وَّ لَا وَصِيْلَةٍ وَّ لَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ (المائدہ: ۱۰۳)

اللہ نے (جانوروں میں) کوئی بحیرہ مشروع نہیں کیا اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام، لیکن کافر اللہ پر جھوٹ بول کر بہتان باندھتے ہیں اور ان میں سے اکثر لوگ عقل سے کام نہیں لیتے O

(۵) تفسیر کے ذریعے کسی آیت میں اللہ تعالیٰ کی مراد کو بیان کیا جاتا ہے جیسے ''اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ'' کی یہ تفسیر کی جاتی ہے کہ معروف طریقہ سے پانچ نمازیں اپنے اپنے وقت میں ادا کرو اور ''اٰتُوا الزَّكٰوةَ'' کی یہ تفسیر کی جاتی ہے کہ جب کسی صاحبِ نصاب شخص کی ضروریات سے زائد مال پر ایک سال گزر جائے تو وہ اس مال کا چالیسواں حصہ کسی غیر سید فقیر کو ادا کرے۔

یا تفسیر کا تعلق ان آیات سے ہوتا ہے جو کسی قصہ کو متضمن ہوں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ (التحریم: ۱)

اے رسولِ مکرم! آپ (قسم کھا کر اپنے اوپر) اس چیز کو کیوں حرام قرار دے رہے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال فرمادیا ہے تاکہ آپ اپنی ازواج کی خوشنودی طلب کریں۔

اس آیت کی فہم کا تعلق اس قصہ سے ہے جس میں یہ بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کس وجہ سے قسم کھا کر اپنے اوپر شہد کو حرام قرار

دیا تھا اور آپ نے اپنی کس زوجہ کی خوشنودی کے لیے یہ قسم کھائی تھی جس کی تفصیل صحیح البخاری (۴۹۱۳) اور صحیح مسلم (۱۴۷۹) میں مذکور ہے۔

اور تاویل کا استعمال کبھی بر سبیلِ عموم ہوتا ہے اور کبھی بر سبیلِ خصوص ہوتا ہے اور کبھی تاویل کا استعمال کسی لفظ مشترک کے متعدد معانی میں سے کسی ایک معنی کی تعیین کے لیے ہوتا ہے جیسے لفظِ ''عین'' اس کا معنی سونے کی دھات بھی ہے اور جاندار کی آنکھ بھی ہے اور آنکھ کا ڈھیلا بھی ہے، پانی کا چشمہ بھی ہے اور جاسوس بھی ہے اور بڑی آنکھ بھی ہے۔

(۶) تفسیر کا تعلق لفظ کے حقیقی یا مجازی معنی کے اعتبار سے ہوتا ہے جیسے ''الصراط'' کی تفسیر راستہ کے ساتھ کی گئی ہے اور ''الصیب'' کی تفسیر بارش کے ساتھ کی گئی ہے، یا جیسے اسد کی تفسیر بہادر مرد کے ساتھ کی جاتی ہے جیسے ''اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿۱۴﴾ ... (الفجر: ۱۴)'' (بے شک آپ کا رب (نافرمانوں کی) گھات میں ہے)، سو ''المرصاد'' کا معنی (یعنی تاک) کے ساتھ کرنا المرصاد کی تفسیر ہے اور اگر اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرانا ہو یا سستی اور غفلت سے جھنجھوڑنا ہو تو پھر یہ المرصاد کی تاویل ہے۔

(۷) قرآن مجید کی کسی آیت کے سببِ نزول اور اس سے متعلق قصہ کو بیان کرنا تفسیر ہے اور کسی آیت کے اس معنی کو متعین کرنا جو ماقبل اور مابعد کے موافق ہو اور کتاب وسنت کے خلاف نہ ہو تو یہ تاویل ہے۔

(۸) تفسیر کا تعلق روایت کے ساتھ ہوتا ہے اور تاویل کا تعلق درایت کے ساتھ ہوتا ہے۔

(۹) تفسیر کا تعلق روایات کی نقل اور سماع سے ہوتا ہے یا نزول کے مشاہدہ سے ہوتا ہے اور تاویل کا تعلق اس چیز کے ساتھ ہوتا ہے جس کا حصول قواعدِ عربیہ سے ممکن ہو۔

(۱۰) تفسیر کا معنی ہے: کسی لفظ سے اللہ تعالیٰ کی مراد کو بیان کرنا اور اس کو منکشف کرنا اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب یہ تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یا صحابہ کرام سے منقول ہو اور تاویل کا معنی ہے: لفظ کے متعدد احتمالات میں سے کسی ایک احتمال کو دلیل سے ترجیح دینا اور اس ترجیح کا اعتماد اجتہاد پر ہوتا ہے۔

علمِ تفسیر کی فضیلت

کسی علم کا شرف اور اس کی فضیلت اس کی غرض اور غایت کے اعتبار سے ہوتی ہے مثلاً علمِ طب کی غرض صحت کا افادہ ہے، کپڑے سینے کے علم کی غرض لباس تیار کرنا ہے اس لیے علم طب کپڑے سینے کے علم سے افضل ہے اور علمِ حدیث کی غرض احادیثِ رسول کی معرفت ہے اور علمِ فقہ کی غرض احکامِ شرعیہ کی معرفت ہے اور علمِ تفسیر کی غرض قرآن مجید کے معانی کی فہم اور سعادتِ دارین ہے، سو اپنی غرض کے اعتبار سے علمِ تفسیر باقی تمام علوم سے افضل ہے۔

کسی علم کی فضیلت اس کے موضوع کے اعتبار سے ہوتی ہے مثلاً چمڑے کو رنگنے کا موضوع مردار کی کھال ہے اور زیورات کو ڈھالنے کا موضوع سونا اور چاندی ہے اس لیے زیورات کو ڈھالنے کا علم چمڑے کو رنگنے کے علم سے افضل ہے اور علمِ تفسیر کا موضوع اللہ عزوجل کا کلام ہے کیونکہ علمِ تفسیر میں اللہ عزوجل کے کلام سے بحث کی جاتی ہے کہ فلاں آیت ناسخ ہے اور فلاں آیت منسوخ ہے، لہٰذا موضوع کے اعتبار سے بھی علمِ تفسیر تمام علوم سے افضل ہے۔

علمِ تفسیر کی حاجت اور ضرورت

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اہلِ زبان تھے، قرآن مجید کے معانی سمجھنے کے لیے ان کو لغتِ عربی پڑھنے کی ضرورت نہیں تھی اس کے باوجود بعض اوقات وہ قرآنِ مجید کی آیات سے ان آیات کی صحیح مراد تک نہیں پہنچ سکتے تھے جیسا کہ درجِ ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا: جب یہ آیت نازل ہوئی:
وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ۔ (البقرہ:۱۸۷) اور اس وقت تک کھاتے پیتے رہو حتیٰ کہ تمہارے لیے سفید دھاگا سیاہ دھاگے سے ممتاز ہو کر ظاہر ہو جائے۔

تو میں نے ایک کالی رسی اور ایک سفید رسی لے کر دونوں کو اپنے تکیہ کے نیچے رکھ دیا، پھر میں رات کے وقت دیکھتا رہا تو میرے لیے وہ دھاگے ایک دوسرے سے ممتاز نہ ہوئے، پھر میں صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس پہنچا اور میں نے آپ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: اس سے مراد رات کی سیاہی اور دن کی سفیدی ہے۔

(صحیح البخاری:۱۹۱۶، صحیح مسلم:۱۰۹۰، سنن ترمذی:۲۹۷۱، سنن ابوداؤد:۲۳۴۹، مسند احمد:۱۸۸۸۰، سنن دارمی:۱۶۹۴)

نیز امام بخاری حضرت عدی بن حاتم سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ انہوں نے ایک سفید رسی لی اور ایک کالی رسی لی حتیٰ کہ جب رات کا کچھ حصہ گزر گیا تو دیکھا کہ وہ رسیاں ایک دوسرے سے ممتاز نہیں ہوئیں، جب صبح ہوئی تو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! میں نے اپنے تکیہ کے نیچے ان کو رکھا، آپ نے فرمایا: تمہارا تکیہ تو اس وقت بہت چوڑا ہے کہ سفید دھاگا اور سیاہ دھاگا تمہارے تکیہ کے نیچے ہیں، پھر آپ نے فرمایا: نہیں بلکہ یہ رات کی سیاہی اور دن کی سفیدی ہے۔

(صحیح البخاری:۴۵۰۹، صحیح مسلم:۱۰۹۰، سنن ابوداؤد:۲۳۴۹، مسند احمد:۱۸۸۸۰)

نیز امام بخاری حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ ''وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ۔ (البقرہ:۱۸۷)'' نازل ہوئی اور اس وقت ''مِنَ الْفَجْرِ'' نازل نہیں ہوئی تھی اور مسلمان مرد جب روزہ رکھنے کا ارادہ کرتے تو ان میں سے ایک اپنی دونوں ٹانگوں میں سفید دھاگا باندھ لیتے اور دوسری ٹانگ میں سیاہ دھاگا باندھ لیتے اور اس وقت تک کھاتے رہتے حتیٰ کہ وہ دونوں دھاگے متمیز ہو جاتے۔ تب اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد ''مِنَ الْفَجْرِ'' کو نازل فرمایا، تب انہوں نے جان لیا کہ اس سے مراد رات اور دن ہے۔ (صحیح البخاری:۴۵۱۱)

صحابہ کرام اہلِ زبان تھے اس کے باوجود انہیں قرآنِ مجید کی آیات کی فہم میں مغالطہ ہو جاتا تھا اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ان آیات کی تفسیر جاننے کی ضرورت ہوتی تھی پس ہم لوگوں کو تو فہمِ قرآن کے لیے بہ طریقِ اولیٰ تفسیر کی حاجت اور ضرورت ہے۔

اور قرآنِ مجید کی قطعی تفسیر اسی وقت معلوم ہو سکتی ہے جب ہمیں دلیلِ قطعی سے معلوم ہو جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس آیت کا یہ معنی بیان فرمایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ بیان بہت کم آیات میں ہے، اس لیے ہمیں صحابہ کرام اور فقہاء تابعین کی تفسیر کی ضرورت ہے۔ قرآن مجید کی بعض آیات کی تفسیر خود اللہ عزوجل نے ارشاد فرمائی ہے اور بعض آیات کی تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بیان فرمائی ہے۔

خود اللہ عزوجل کی طرف سے قرآن مجید کی تفسیر

قرآن مجید کی سب سے مقدم تفسیر وہ ہے جو خود اللہ سبحانہٗ نے کی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کلام کو نازل فرمایا اور وہی جاننے والا ہے کہ اس کلام سے اس کی کیا مراد ہے، قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ؔۚ وَ مَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ۔ (آل عمران: ۷)

وہی ہے جس نے آپ پر اس کتاب کو نازل فرمایا، جس میں سے بعض آیات صاف اور واضح ہیں وہی اس کتاب کی بنیاد ہیں، اور اس کی بعض آیات کئی معانی کی محتمل ہیں، سو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ ان آیات میں سے صرف متشابہات کی پیروی کرتے ہیں تا کہ وہ فتنہ پھیلائیں اور متشابہات کے محمل کو متعین کریں، حالانکہ ان کی تاویل کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(یعنی لفظِ متشابہ کے متعدد معانی میں سے کون سا معنی مراد ہے، اس کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے)۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ لَا یَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَ اَحْسَنَ تَفْسِیْرًا ﴿۳۳﴾ (الفرقان: ۳۳)

اور یہ (کفار) آپ کے پاس جو بھی مثال (بہ صورتِ اعتراض) لائیں گے ہم آپ کے پاس اس کا برحق جواب اور واضح بیان لے آئیں گے O

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾ ۚ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ ﴿۱۹﴾ (القیامۃ: ۱۸۔۱۹)

پس جب ہم اس کو پڑھ چکیں تو آپ اس پڑھے ہوئے کی پیروی کریں O پھر اس کے معنی کا بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے O

اس کی مثال میں درج ذیل حدیث ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یَلْبِسُوْۤا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾ ... (الانعام: ۸۲)" (جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ ظلم کو نہیں ملایا وہی لوگ عذاب سے بے خوف ہیں اور وہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں O)، تب صحابہ نے (پریشان ہوکر) کہا: ہم میں سے کون اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ نہیں ملاتا؟ تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی "اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۳﴾ ... (لقمان: ۱۳)" (سب سے بڑا ظلم اللہ تعالیٰ کا شریک بنانا ہے O)۔

(صحیح البخاری: ۳۲، صحیح مسلم: ۱۲۴، سنن ترمذی: ۳۰۶۷، مسند احمد: ۳۵۷۸)

سو اللہ تعالیٰ نے الانعام: ۸۲ میں خود ظلم کی تفسیر فرما دی کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا شریک بنانا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن مجید کی آیات کی تفسیر

اللہ تعالیٰ کے بعد قرآن مجید کی تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الذِّكۡرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيۡهِمۡ۔ (النحل: ۴۴) اور (اے رسولِ مکرم!) ہم نے آپ کی طرف ذکرِ عظیم (قرآن مجید) اس لیے نازل فرمایا ہے تاکہ آپ لوگوں کے لیے وضاحت سے بیان کر دیں کہ ان کی طرف کیا احکام نازل کئے گئے ہیں۔

قرآنِ مجید میں فرمایا ہے ''اَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ'' (نماز قائم کرو) لیکن قرآنِ مجید میں یہ مذکور نہیں ہے کہ دن میں کتنے اوقات میں نماز پڑھنی ہے اور ہر نماز کی رکعات کی کتنی تعداد ہے، اسی طرح قرآن مجید میں فرمایا ''وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ'' (زکوٰۃ ادا کرو) لیکن قرآنِ مجید میں زکوٰۃ کی مقدار کا بیان نہیں ہے نہ یہ بیان ہے کہ کتنی مدت کے بعد زکوٰۃ ادا کی جائے گی اور مال کی مختلف جنسوں میں سے کس جنس کی کتنی زکوٰۃ ادا کی جائے گی، اسی طرح قرآنِ مجید میں ارشاد ہے ''وَاَتِمُّوا الۡحَجَّ وَالۡعُمۡرَةَ لِلّٰهِ ---(البقرہ: ۱۹۶)'' (اللہ کی رضا کے لیے حج اور عمرہ پورا پورا ادا کرو)، لیکن قرآن مجید میں یہ ذکر نہیں ہے کہ زندگی میں ایک بار حج کیا جائے گا یا ہر سال حج کیا جائے گا اور قرآن مجید میں یہ بھی ذکر نہیں ہے کہ حج کس دن کیا جائے گا اور حج کے ارکان کیا ہیں اور اس کی سنتیں کیا ہیں، اسی طرح عمرہ ادا کرنے کا حکم ہے لیکن عمرہ کے کیا ارکان ہیں اور اس کی کیا شرائط ہیں اس کا ذکر قرآنِ مجید میں نہیں ہے، یہ سارے امور ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان فرمانے سے معلوم ہوئے ہیں، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو''۔ (صحیح البخاری: ۶۳۱)

امام ابوعیسیٰ ترمذی اپنی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ حجِ اکبر کون سے دن میں ہے؟ آپ نے فرمایا: یوم النحر میں (یعنی دس ذوالحجہ)۔ (سنن ترمذی: ۹۵۷)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجِ اکبر کی تفسیر فرمائی ہے کہ وہ دس ذوالحجہ کا دن ہے۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب بھی کوئی حکم سنتیں جس کا ان کو پتا نہ ہوتا تو وہ آپ سے اس کے متعلق دریافت کرتیں حتیٰ کہ اس کو جان لیتیں اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس کا حساب لیا گیا اس کو عذاب دیا گیا'' تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: کیا اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتا: ''فَسَوۡفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيۡرًا ۝ --- (الانشقاق: ۸)'' (پس عنقریب اس سے بہت آسان حساب لیا جائے گا ۝) آپ نے فرمایا: اس سے مراد حساب کو پیش کرنا ہے لیکن جس سے حساب میں مناقشہ کیا جائے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔

(صحیح البخاری: ۱۰۳، صحیح مسلم: ۲۸۷۴، سنن ترمذی: ۲۴۲۶، سنن ابوداؤد: ۳۰۹۳، مسند احمد: ۲۳۶۸۰)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے الانشقاق: ۸ کی تفسیر فرمائی ہے کہ اس سے مراد حساب کو پیش کرنا ہے۔

مفسرین صحابہ کا بیان

صحابہ کرام قرآن مجید کی تفسیر میں لغت، عادات العرب اور نزولِ قرآن کے وقت یہود و نصاریٰ کے احوال سے استمداد کرتے تھے اور اپنے اجتہاد سے قرآن مجید کی تفسیر کرتے تھے اور ان تمام چیزوں کے اوپر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کو مقدم رکھتے تھے، مفسرین صحابہ میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم ہیں، ان کے علاوہ دیگر مشاہیر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی قرآن مجید کی تفسیر منقول ہے، ان کا ذکر ہم ذیل کی سطور میں کر رہے ہیں:

(۱) حضرت عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما

آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچازاد ہیں اور آپ کے اصحاب میں سے تفسیر کے بہت بڑے عالم ہیں اور آپ کا لقب ''ترجمان القرآن'' ہے۔

علامہ ذہبی نے کہا ہے: روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں روئے زمین پر کوئی ان سے بڑا عالم نہیں تھا۔ مجاہد، سعید بن جبیر، الاعرج اور عکرمہ وغیرہما نے ان سے علم حاصل کیا، ۶۸ھ میں طائف میں ان کی وفات ہوگئی اور محمد بن الحنفیہ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور انہوں نے کہا: آج علم کا بانی فوت ہوگیا، آخر عمر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بینائی جاتی رہی تھی۔

(طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۳۶۵، الاستیعاب ج ۲ ص ۳۴۲۔۳۴۹، تاریخِ بغداد ج ۱ ص ۱۷۳، الاصابہ ج ۲ ص ۳۲۲، سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۳۳۱)

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعود بن الحارث بن عاقل ابوعبدالرحمٰن الھذلی المکی رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کبرائے اصحاب میں سے تھے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے قرآن مجید سیکھا اور مخلوق تک پہنچایا، یہ حسین وجمیل تھے اور ذہانت اور ذکاوت کے ساتھ متصف تھے اور معانی قرآن میں مقتدا تھے، ۳۲ھ میں ان کی وفات ہوگئی اور البقیع میں ان کو دفن کیا گیا۔

(طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۱۵۰، الاستیعاب ج ۲ ص ۳۰۸۔۳۱۶، سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۴۶۱، الاصابہ ج ۲ ص ۳۶۰)

(۳) حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب القرشی العدوی رضی اللہ عنہما

یہ بہت عالم اور زاہد تھے اور متقی تھے، قرآن مجید کے معانی جاننے والوں میں کامل تھے، ۷۳ھ میں مکہ میں ان کی وفات ہوئی۔ (طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۱۴۲، الاستیعاب ج ۲ ص ۳۳۳۔۳۳۸، الاصابہ ج ۲ ص ۳۳۸، سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۲۰۳)

(۴) حضرت عبداللہ بن زبیر بن العوام ابوبکر الاسدی القرشی رضی اللہ عنہما

یہ قرآن مجید کے معانی کے عالم تھے اور بہ کثرت نفلی روزے رکھتے تھے اور نمازیں پڑھتے تھے اور لوگوں میں بہت بہادر تھے اور بہت غیرت مند تھے، مکہ مکرمہ میں ۷۳ھ میں ان کو شہید کر دیا گیا۔

(الاستیعاب ج ۲ ص ۲۹۱۔۲۹۸، الاصابہ ج ۲ ص ۳۰۱، سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۳۶۳)

(۵) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص السہمی القرشی رضی اللہ عنہما

ان سے قرآن مجید اور اس کے معانی میں بہت آثار منقول ہیں اور بہ کثرت قصص اور اخبار منقول ہیں، ۶۸ھ میں مکہ مکرمہ میں ان کی وفات ہوئی۔ (الاستیعاب ج ۲ ص ۳۳۸، الاصابہ ج ۲ ص ۳۴۳، سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۷۹)

(۶) حضرت ابی بن کعب بن قیس بن عبید بن زید بن معاویہ بن عمرو بن مالک بن نجار ابوالمنذر الانصاری المدنی رضی اللہ عنہ

انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے قرآن مجید پڑھا اور آپ سے ہی اس کے معانی حاصل کیے اور یہ سید القراء تھے۔ ان کی وفات ۳۳ھ میں ہوئی ہے۔ (الاستیعاب ج ۱ ص ۲۷، الاصابہ ج ۱ ص ۳۱، سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۳۸۹)

(۷) حضرت زید بن ثابت بن ضحاک بن زید ابو خارجہ الانصاری المقری الفرضی رضی اللہ عنہ

یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کاتبِ وحی تھے، قرآن مجید اور اس کے معانی کے عالم تھے، ۴۸ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

(طبقاتِ ابن سعد ج ۲ ص ۳۵۸، الاستیعاب ج ۱ ص ۵۳۲، الاصابہ ج ۱ ص ۵۴۳، سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۴۲۶)

(۸) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، ان کا نام عبد اللہ یا عبد الرحمٰن بن صخر الدوسی ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بہت متقی اور زاہد تھے، تمام معاملات میں بہت غور و فکر کرتے تھے اور بہت زیادہ احتیاط کرنے والے تھے، قرآن مجید اور اس کے معانی کے عالم تھے، ۵۷ھ میں مکہ میں ان کی وفات ہوئی۔

(طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۳۶۲، الاصابہ ج ۴ ص ۲۰۰، سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۵۷۸)

(۹) حضرت انس بن مالک بن نضر ابو حمزہ الخزرجی رضی اللہ عنہ

یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خادم تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بصرہ چلے گئے، تمام لوگوں سے زیادہ فقہ کے اور معانی قرآن کے عالم تھے، ۹۱ھ میں ان کی وفات ہوئی، ان کے اسّی (۸۰) بیٹے اور کئی بیٹیاں تھیں۔

(طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۱۷، الاستیعاب ج ۱ ص ۴۴، سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۳۹۵)

(۱۰) حضرت جابر بن عبد اللہ بن عمرو بن حرام بن سلمہ الانصاری رضی اللہ عنہما

یہ مشاہیر صحابہ میں سے ہیں، قرآن مجید اور اس کے معانی اور اس کے احکام میں ان سے بہت روایات منقول ہیں، ان کی ۹۹ھ میں مدینہ منورہ میں وفات ہوئی۔ (الاستیعاب ج ۱ ص ۲۲۲، الاصابہ ج ۱ ص ۲۱۴، سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۱۸۹)

مفسرین تابعین کا بیان

(۱) رفیع بن مہران البصری ابو العالیہ الریاحی التابعی

حافظ ذہبی نے اپنے طبقات میں لکھا ہے کہ یہ قرآن اور تفسیر اور علم اور عمل میں امام تھے، انہوں نے حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے قرآن مجید کی قراءت کو حاصل کیا، ۹۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

(طبقاتِ ابن سعد ج ۷ ص ۱۱۲، میزان الاعتدال ج ۲ ص ۵۴، سیر اعلام النبلاء ج ۴ ص ۲۰۷)

(۲) محمد بن کعب القرظی ابو حمزہ

ان کی ولادت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں ہو گئی تھی، انہوں نے حضرت فضالہ بن عبید اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے، ایک دفعہ یہ حدیث بیان کرنے کے لیے مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے تو مسجد کی چھت گر گئی اور یہ اپنے شاگردوں کے ساتھ ۹۰ھ میں شہید ہو گئے۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۵ ص ۶۵، تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۷۳)

(۳) سعید بن جبیر الاسدی

یہ بہت بڑے فقیہ، محدث اور مفسر تھے اور علماء تابعین میں سے ایک تھے، انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کیا، بعض علماء نے کہا ہے: تابعین میں طلاق کے مسائل کے سب سے زیادہ جاننے والے سعید بن المسیّب تھے اور حج کے مسائل کے سب سے زیادہ جاننے والے عطاء تھے اور حلال اور حرام کے مسائل کو سب سے زیادہ جاننے والے طاؤس تھے اور تفسیر کے سب سے زیادہ جاننے والے مجاہد تھے اور ان تمام کے جامع سعید بن جبیر تھے، انہوں نے ۹۵ھ میں وفات پائی۔ (طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۲۵۶، سیر اعلام النبلاء ج ۴ ص ۳۲۱)

(۴) الضحاک بن مزاحم الہلالی

یہ مشہور مفسر ہیں، ۱۰۲ھ میں خراسان میں ان کی وفات ہوئی۔ یہ ایک بڑے مدرسے میں تین سولڑکوں کو پڑھاتے تھے۔

(طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۳۰۰، سیر اعلام النبلاء ج ۴ ص ۵۹۸، میزان الاعتدال ج ۲ ص ۳۲۵)

(۵) عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم المدنی

انہوں نے اپنے والد سے اور ابن المنکدر سے معانی قرآن کو حاصل کیا اور ۱۰۲ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

(میزان الاعتدال ج ۲ ص ۵۶۵، تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۱۶۱)

(۶) مجاہد بن جبر ابوالحجاج مولی السائب المخزومی المکی

انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پڑھا اور بہت عرصہ تک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی شاگردی میں رہے اور ان سے احادیث حاصل کیں اور ان سے قتادہ، عمرو بن دینار، ایوب، منصور، الاعمش اور ابن عون وغیرہم نے احادیث روایت کیں، ۱۰۳ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ (طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۴۶۶، سیر اعلام النبلاء ج ۴ ص ۴۴۹، تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۳۸)

(۷) عکرمہ مولیٰ ابن عباس

یہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام تھے، جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فوت ہوگئے اور ان کے بیٹے علی بن عبداللہ ان کے وارث ہوئے تو انہوں نے ان کو خالد بن یزید کے ہاتھ چار ہزار دینار میں فروخت کردیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب یہ خبر پہنچی تو انہوں نے افسوس کیا اور کہا: تم نے اپنے باپ کے علم کو چار ہزار دینار میں فروخت کردیا تو پھر انہوں نے خالد سے اس بیع کو واپس لے لیا اور عکرمہ کو آزاد کردیا اور ان کی کنیت ابوعبداللہ تھی، یہ قرآن مجید اور اس کے معانی کے عالم تھے، ۱۰۵ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ (طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۲۸۷، سیر اعلام النبلاء ج ۵ ص ۱۲)

(۸) طاؤس بن کیسان ابوعبدالرحمٰن الیمانی

یہ بہت عظیم علم اور بہت کثیر عمل کے حامل تھے، سادات تابعین میں سے تھے، انہوں نے پچاس (۵۰) صحابہ کو پایا، یہ فقہ اور تفسیر کے علوم میں کامل تھے اور مستجاب الدعوات تھے، انہوں نے چالیس (۴۰) حج کئے، مکہ مکرمہ میں حج کرتے ہوئے ۸ ذوالحجہ سے ایک دن پہلے ۱۰۶ھ میں فوت ہوگئے، ہشام بن عبدالملک نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔

(طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۱۵۶، وفیات الاعیان ج ۲ ص ۹۶، تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۳۱، سیر اعلام النبلاء ج ۴ ص ۵۶۴)

(۹) الحسن البصری

یہ سادات تابعین میں سے ہیں، حضرات صحابہ کے زمانہ میں فتویٰ دیتے تھے، بہت فصیح وبلیغ تھے، بہ کثرت وعظ کرتے تھے، قرآن اور اس کے معانی کے عالم تھے، ۱۱۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

(طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۱۵۶، تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۳۱، سیر اعلام النبلاء ج ۴ ص ۵۶۴)

(۱۰) عطیہ بن سعد بن جنادہ العوفی ابوالحسن الجدلی

انہوں نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے قرآن مجید اور اس کے معانی کا علم حاصل کیا، اور ۱۱۱ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ (طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۳۰۴، تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۰۰، میزان الاعتدال ج ۳ ص ۷۹، سیر اعلام النبلاء ج ۵ ص ۳۲۵)

ناسخ اور منسوخ کے مباحث

مسلمانوں کا نسخ کے جواز پر اجماع ہے اور یہود نے نسخ کا انکار کیا ہے کیونکہ ان کا گمان ہے کہ نسخ بداء ہے یعنی پہلے کسی چیز کا علم نہ ہو پھر بعد میں اس چیز کا علم ہو جیسے پہلے ایک شخص کی کوئی رائے ہو پھر بعد میں اس پر منکشف ہو کہ یہ رائے صحیح نہیں ہے، اور یہود کا یہ گمان باطل ہے کیونکہ نسخ کے ذریعہ کسی حکم کی مدت کا بیان ہوتا ہے جیسے کسی کو مارنے کے بعد اس کو زندہ کرنا یا کسی کو زندہ کرنے کے بعد اس کو مارنا اور صحت کے بعد بیماری اور بیماری کے بعد صحت اور خوشحالی کے بعد تنگی اور تنگی کے بعد خوش حالی اور یہ بداء نہیں ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا کسی چیز کا حکم دینا ہے اور کسی چیز سے منع فرمانا ہے۔

نسخ کا لغوی معنی

علامہ ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور الافریقی المصری المتوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

نسخ کا معنی ہے: ایک چیز کو باطل کر کے دوسری چیز کو اس کی جگہ قائم کرنا، قرآن مجید میں ہے: ''مَا نَنسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا (البقرہ: ۱۰۶)'' اور دوسری آیت منسوخ ہے اور پہلی آیت ناسخ ہے۔

ابن الاعرابی نے کہا: نسخ کا معنی ہے: ایک چیز کو دوسری چیز سے تبدیل کرنا اور ایک آیت کو دوسری آیت سے منسوخ کرنا۔

فراء نے کہا: تم ایک آیت پر عمل کرتے ہو پھر دوسری آیت نازل ہوتی ہے تو پھر تم اس پر عمل کرتے ہو اور پہلی آیت کو ترک کر دیتے ہو۔

اور عرب کہتے ہیں ''نسخت الشمس الظل'' یعنی سورج نے سائے کو زائل کر دیا، نیز عرب کہتے ہیں ''نسخت الریح آثار الدیار'' یعنی ہوا نے آبادی کے نشانات وعلامات کو تبدیل کر دیا۔ (لسان العرب ج ۱۴ ص ۲۴۳، دار صادر، بیروت، ۲۰۰۳ء)

نسخ کا شرعی اور اصطلاحی معنی

علامہ ابوالقاسم الحسین بن محمد الراغب الاصفہانی المتوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

قرآن مجید کے بعد والے حکم سے پہلے حکم کو زائل کر دینا۔

(المفردات فی غریب القرآن ج ۲ ص ۶۳۳، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

علامہ علی بن محمد بن علی السید الشریف الجرجانی الحنفی المتوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں:
ایک دلیلِ شرعی کے بعد دوسری دلیلِ شرعی وارد ہو جو پہلی دلیل کے حکم کے خلاف کی مقتضی ہو، سو نسخ ہمارے علم کے اعتبار سے حکم کو تبدیل کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اعتبار سے نسخ پہلے حکم کی مدت کو بیان کرنا ہے۔
صاحب شرع کے اعتبار سے حکمِ شرعی کی انتہا کو بیان کرنا نسخ ہے، اللہ تعالیٰ کو اس حکم کی انتہا کا علم ہوتا ہے مگر ہمارے علم کے اعتبار سے وہ حکم مستمر اور دائمی ہوتا ہے اور ناسخ کے وارد ہونے سے ہمیں اس حکم کی مدت کی انتہا کا علم ہوتا ہے، اور ہمارے اعتبار سے نسخ تبدیل اور تغییر ہے۔ (کتاب التعریفات ص ۱۶۴، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

نسخ کے اصطلاحی معنی کی وضاحت

علامہ محمد عبد الحق بن عطیہ الاندلسی المتوفی ۵۴۱ھ لکھتے ہیں:
کلامِ عرب میں نسخ کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم نقل ہے جیسے کسی کتاب کو دوسری کتاب سے نقل کرنا، اور دوسری قسم ازالہ ہے اور "مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا۔ الآیۃ" میں یہی معنی مراد ہے۔
ناسخ حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہے اور خطابِ شرعی کو بھی ناسخ کہا جاتا ہے کیونکہ اسی سے نسخ واقع ہوتا ہے۔
علماءِ اہلسنت کے ماہرین نے نسخ کی یہ تعریف کی ہے: "جو خطاب اس حکم کے مرتفع ہونے پر دلالت کرے جو خطابِ متقدم سے ثابت تھا بایں طور کہ اگر بعد کا خطاب ثابت نہ ہوتا تو پہلا حکم دائماً برقرار رہتا"۔
اور کسی حکم کو منسوخ کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے جائز ہے محال نہیں ہے کیونکہ نسخ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ متغیر نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کو علم ہوتا ہے کہ پہلے حکم کی مدت کس وقت ختم ہوگی اور اس کو علم ہوتا ہے کہ اس حکم کا ناسخ کب وارد ہوگا۔
اور "البداء" اللہ تعالیٰ کے لیے جائز نہیں ہے کیونکہ "البداء" کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم متغیر ہو جائے مثلاً پہلے اس کو یہ علم ہو کہ زید کو مارنا ہے پھر یہ علم متغیر ہو جائے کہ زید کو زندہ رکھنا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ پر محال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تغیر نہیں ہوتا، اور یہود نے النسخ اور "البداء" کو واحد قرار دیا ہے، اسی لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے نسخ کو جائز نہیں قرار دیا۔
(المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز ص ۱۲۰، دار ابن حزم ۱۴۲۳ھ)

نسخ اور انساء کے ثبوت میں البقرہ: ۱۰۶ سے استدلال

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:
مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَاۤ اَوْ مِثْلِهَا۔ ہم جس آیت کو منسوخ کر دیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں (تو) اس سے بہتر یا اس کی مثل آیت لے آتے ہیں۔ (البقرہ: ۱۰۶)

علامہ ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی المتوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:
شریعت میں نسخ کا معنی ہے: کسی آیت کے حکم اور اس کی تلاوت کی مدت کو بیان کرنا، اور کبھی صرف تلاوت منسوخ ہوتی ہے اور اس کا حکم باقی رہتا ہے اور کبھی تلاوت باقی رہتی ہے اور اس کا حکم منسوخ ہو جاتا ہے۔
بعض متاخرین غیر فقہاء نے یہ کہا ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں نسخ نہیں ہے اور قرآنِ مجید میں جہاں بھی

نسخ کا ذکر ہے اس سے مراد متقدمین انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعتوں کا منسوخ ہونا ہے جیسے شریعتِ سابقہ میں ہفتہ کے دن شکار کرنا ممنوع تھا اور مشرق اور مغرب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جاتی تھی، انہوں نے کہا: کیونکہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخر الانبیاء ہیں اور آپ کی شریعت ثابت ہے اور قیامت تک باقی ہے اس لیے آپ کی شریعت میں کوئی حکم منسوخ نہیں ہے، لیکن امت کے تمام متقدمین اور متاخرین علماء نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کی شریعت میں کافی نسخ واقع ہوا ہے اور ہم تک وہ نسخ نقلِ متواتر سے پہنچا ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی تاویل جائز ہے جیسا کہ تمہیں معلوم ہے کہ قرآن میں عام حکم ہے اور خاص حکم ہے اور محکم ہے اور متشابہ ہے، پس جو شخص قرآن اور سنت میں نسخ کو رد کرتا ہے وہ ایسا ہے جیسے وہ قرآن مجید کے خاص اور عام اور محکم اور متشابہ کو رد کرتا ہے۔

نیز البقرہ: ۱۰۶ میں ارشاد ہے ''اَوْ نُنْسِهَا'' ایک قول یہ ہے کہ یہ لفظ نسیان سے ماخوذ ہے یعنی جن آیات کو ہم بھلا دیتے ہیں یا یہ لفظ ''النسیئۃ'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے موخر کرنا، پس اگر اس سے نسیان کا ارادہ کیا جائے تو اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس آیت کی تلاوت بھلا دیتا ہے حتیٰ کہ وہ اس آیت کی تلاوت نہ کر سکیں، اور اگر یہ ''النسیئۃ'' سے ماخوذ ہے تو اس کا معنی یہ ہے کہ مسلمانوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ ان آیات کی تلاوت کو ترک کر دیں۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا (البقرہ: ۱۰۶)'' (ہم اس سے بہتر یا اس کی مثل آیت لے آتے ہیں)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ سے روایت ہے کہ ''بِخَيْرٍ مِّنْهَآ'' کا معنی ہے: ہم اس آیت سے بہتر آیت لے آئیں گے جو زیادہ سہل اور زیادہ آسان ہوگی، جیسے پہلے یہ حکم دیا گیا تھا کہ جب کفار سے قتال ہو تو دس کافروں کے مقابلہ میں ایک مسلمان اپنی پیٹھ نہ پھیرے، پھر اس کے بعد یہ آیت نازل فرمائی: ''اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَ عَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۔۔۔ (الانفال: ۶۶)'' (اب اللہ نے تم سے تخفیف فرما دی اور اس کو معلوم ہے کہ تم میں ناتوانی ہے، سو اگر تم میں سے سو آدمی صابر ہوئے تو وہ دو سو پر غالب آ جائیں گے)۔

نیز البقرہ: ۱۰۶ میں فرمایا ''یا اس آیت کی مثل لے آئیں گے'' جیسے پہلے البیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم تھا پھر بعد میں اللہ تعالیٰ نے کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دے دیا، اس سے معلوم ہوا کہ خیر لکم کا معنی ہے کہ دوسرے حکم میں تمہارے لیے تخفیف ہوگی یا وہ دوسرا حکم تمہاری مصلحت کی وجہ سے ہوگا اور کسی نے یہ نہیں کہا کہ وہ تلاوت میں بہتر ہے، کیونکہ یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ بعض قرآن دوسرے بعض قرآن سے بہتر ہے، کیونکہ پورا قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور معجز ہے۔

(احکام القرآن للجصاص ج ۱ ص ۷۱۔ ۷۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۴ھ)

علامہ ابو الفضل شہاب الدین السید محمود الآلوسی البغدادی الحنفی المتوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت (البقرہ: ۱۰۶) اس وقت نازل ہوئی جب مشرکین یا یہود نے یہ کہا: کیا تم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف نہیں دیکھتے وہ اپنے اصحاب کو ایک کام کا حکم دیتے ہیں، پھر اس کام سے منع کر دیتے ہیں اور اس کام کے خلاف کرنے کا حکم دیتے ہیں اور آج وہ ایک بات کہتے ہیں اور کل اس سے رجوع کر لیتے ہیں، سو یہ قرآن صرف محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کلام ہے۔

آیت کے نسخ ہونے کا معنی یہ ہے کہ اس آیت کی بطورِ عبادت قراءت کی انتہا کو بیان کرنا جیسے درج ذیل آیت ہے:

الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم O

شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت جب زنا کریں تو ان دونوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے بطور عبرت سنگسار کر دو، اور اللہ تعالیٰ بہت غالب بہت حکم والا ہے O

یا جو حکم آیت سے مستفاد ہوتا ہے اس حکم کی انتہا کی مدت بیان کر دی جائے جیسے یہ آیت ہے:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ۔ (البقرہ: ۲۴۰)

اور تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں وہ (وفات سے پہلے) ان بیویوں کو نکالے بغیر سال بھر تک خرچ دینے کی وصیت کر جائیں۔

یا اس آیت کی قراءت اور اس کا حکم دونوں کی انتہا کی مدت بیان کر دی جائے جیسا کہ یہ آیت ہے:

عشر رضعات معلومات یحرمن۔

دس معین دودھ کی چسکیاں پینے سے رضاعت ثابت ہوتی ہے۔

مطلقاً دودھ پلانے سے جو حرمت رضاعت ثابت ہوتی تھی اس آیت سے وہ مرتفع ہو گئی، اسی وجہ سے بعض علماء نے اس کی یہ تعریف کی ہے کہ اس سے حکم شرعی مرتفع ہو جاتا ہے، پس نسخ شارع کے اعتبار سے بیان ہے اور ہمارے اعتبار سے کسی حکم کو اٹھا لینا ہے۔

اس آیت میں ''نُنْسِهَا'' فرمایا ہے، اس انساء سے مراد ہے: دلوں سے ان آیات کو نکال دینا بایں طور کہ حافظہ میں وہ آیات نہ رہیں، اور یہ انساء واقع ہو چکا ہے کیونکہ بعض صحابہ نے جب ان آیات کو پڑھنے کا ارادہ کیا جن کو انہوں نے حفظ کیا تو انہوں نے ان کو نہیں پایا، پھر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ان آیات کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: گزشتہ رات وہ آیات سینوں سے نکال دی گئی ہیں۔

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ نے بصرہ کے قاریوں کو بلوایا تو ان کے پاس تین سو ایسے مرد آئے جو قرآن مجید پڑھ چکے تھے، حضرت ابوموسیٰ نے کہا: تم اہل بصرہ میں سب سے بہتر ہو اور اے قرآن پڑھنے والو! تم قرآن مجید پڑھتے رہو کہیں زیادہ مدت گزر جانے سے تمہارے دل سخت نہ ہو جائیں جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں کے دل سخت ہو گئے، ہم ایک سورت پڑھتے تھے جس کو ہم طول اور سختی میں سورۂ توبہ کے مشابہ قرار دیتے تھے، پس وہ سورت مجھے بھلا دی گئی سوا اس کے کہ مجھے اس میں سے اتنی بات یاد رہ گئی کہ اگر ابن آدم کے لیے مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری وادی کو طلب کرے گا اور ابن آدم کے پیٹ کو صرف مٹی بھر سکتی ہے اور ہم ایک اور سورت بھی پڑھتے تھے جو مسبحات (وہ سورت جو سَبَّحَ سے شروع ہو) میں سے کسی ایک سورت کے برابر تھی وہ بھی مجھے بھلا دی گئی، البتہ اس میں سے مجھے اتنا یاد رہ گیا ہے (ترجمہ: اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جس کو خود نہیں کرتے، سو تمہاری گردنوں میں شہادت لکھ دی جائے گی اور قیامت کے دن تم سے اس کے متعلق سوال کیا جائے گا)۔ (صحیح مسلم: ۱۰۵۰، الرقم المسلسل: ۲۳۰۸)

صحیح مسلم کی اس صحیح حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ بعض سورتوں کی آیات صحابہ کرام سے بھلا دی گئی تھیں، اب یہ سوال ہے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بھی کچھ آیات بھلا دی جاتی تھیں یا نہیں؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے اور حسن بصری کا موقف یہ ہے کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی بعض آیات بھلادی جاتی تھیں، ان کی دلیل درج ذیل آیت ہے:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۙ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ۔ عنقریب ہم آپ کو پڑھائیں گے تو آپ (اس کو) نہیں بھولیں گے○ سوا اس کے جس کو اللہ (بھلانا) چاہے۔ (الاعلیٰ: ٦۔٧)

اس آیت سے واضح ہوا کہ بعض آیات کو اللہ تعالیٰ نے آپ سے بھی بھلادیا تھا۔

اور زجاج کا موقف یہ ہے کہ آپ سے کوئی آیت نہیں بھلائی گئی، ان کی دلیل درج ذیل آیت ہے:

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ۔ اور اگر ہم چاہیں تو ہم نے آپ کی طرف جو وحی کی ہے اس کو ضرور لے جائیں۔ (بنی اسرائیل: ٨٦)

زجاج کا استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ اس نے آپ کی طرف جو وحی کی ہے اس کو لے جائے، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آپ سے قرآن مجید کی آیات کو نہیں بھلایا جائے گا لیکن یہ استدلال ضعیف ہے، کیونکہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اگر ہم چاہیں تو پورا قرآن آپ سے لے جائیں لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں چاہا کہ آپ سے پورا قرآن لے جائے، اس لیے بعض آیات کا آپ سے بھلادینا اس آیت کے منافی نہیں ہے۔ (روح المعانی ج ١ ص ٥٥٣، دار الفکر، بیروت ١٤١٧ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ قرآنِ مجید کی بعض آیات کو دلوں اور ذہنوں سے بھلادینا حدیث صحیح سے ثابت ہے۔ (میں کہتا ہوں کہ علامہ آلوسی کی اس عبارت کی تائید درج ذیل احادیث سے ہوتی ہے:)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے یہ خطرہ ہے کہ زمانہ دراز ہوجائے گا حتیٰ کہ کوئی کہنے والا یہ کہے گا کہ ہم اللہ کی کتاب میں رجم (سنگسار کرنا) کو نہیں پاتے سو وہ اللہ کے نازل کیے ہوئے فریضہ کو ترک کرنے سے گمراہ ہوجائیں گے، سنو! بے شک رجم اس پر برحق ہے جس شادی شدہ نے زنا کیا جب کہ اس کے زنا پر گواہ قائم ہوں یا عورت کو حمل ہوجائے یا مرد اعتراف کرلے، سفیان نے کہا: اسی طرح مجھے یہ حدیث محفوظ ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رجم کیا اور ہم نے بھی آپ کے بعد رجم کیا۔

(صحیح البخاری: ٦٨٢٩، صحیح مسلم: ١٦٩١، سنن ترمذی: ١٤٣٢، سنن ابوداؤد: ٤٤١٨، سنن ابن ماجہ: ٢٥٥٣، مسند احمد: ٢٧٨، موطا امام مالک: ١٥٥٨، سنن دارمی: ٢٣٢٢)

نیز امام ابن ماجہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے خطرہ ہے کہ زمانہ دراز ہوجائے گا حتیٰ کہ کوئی کہنے والا کہے گا کہ میں اللہ تعالیٰ کی کتاب میں رجم کو نہیں پاتا، پس وہ اللہ تعالیٰ کے فرائض میں سے ایک فریضہ کو ترک کرنے کے سبب سے گمراہ ہوجائیں گے، سنو! بے شک رجم برحق ہے جب مرد شادی شدہ ہو اور اس کے زنا پر گواہ قائم ہوں یا عورت کو حمل ہوجائے یا ان میں سے کوئی اعتراف کرلے، اور بے شک میں نے یہ آیت پڑھی: ''الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموهما البتة'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رجم کیا اور ہم نے بھی آپ کے بعد رجم کیا۔

(سنن ابن ماجہ: ٢٥٥٣، سنن دارمی: ٢٣٢٧، موطا امام مالک، کتاب الحدود: ١٠، مسند احمد: ٢١٠٨٦، ج ٥ ص، ١٨٣)

النحل: ۱۰۱ سے قرآن مجید میں نسخ کے وقوع پر استدلال

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

وَ اِذَا بَدَّلْنَاۤ اٰیَةً مَّكَانَ اٰیَةٍۙ وَّ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یُنَزِّلُ قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُفْتَرٍؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ○ (النحل: ۱۰۱)

اور جب ہم ایک آیت کو بدل کر اس کی جگہ دوسری آیت لاتے ہیں، اور اللہ خوب جاننے والے ہیں جس کو وہ نازل فرماتے ہیں، تو کفار کہتے ہیں: آپ نے دل سے ایک بات گھڑ لی ہے بلکہ ان میں سے اکثر لوگ علم نہیں رکھتے○

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی التوفی ۶۰۶ ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں ایک آیت کو بدل کر دوسری آیت لانے کا ذکر ہے اور یہ اس آیت کو منسوخ کرنا ہے۔

اس آیت میں فرمایا کہ'' کفار کہتے ہیں: آپ نے دل سے ایک بات گھڑ لی ہے'' اللہ تعالیٰ کفار کو زجر و توبیخ فرماتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اس کو خوب جاننے والا ہے جس کو وہ نازل فرماتا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تبدیل اور نسخ کی وجہ سے افتراء کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

ابو مسلم اصفہانی کا مذہب یہ ہے کہ اس شریعت میں نسخ واقع نہیں ہے، اس نے کہا: یہاں پر مراد یہ ہے کہ جب ہم قرآن مجید سے پہلے آسمانی کتابوں میں کسی آیت کو تبدیل کرتے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کے قبلہ کو تبدیل کر کے کعبہ کو قبلہ بنا دیا تو مشرکین یہ کہتے ہیں کہ آپ نے یہ حکم اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے اور ابو مسلم اصفہانی کے علاوہ باقی مفسرین یہ کہتے ہیں کہ اس شریعت میں بھی نسخ واقع ہے۔ (التفسیر الکبیر ج ۷ ص ۲۷۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ ھ)

علامہ سید محمود آلوسی البغدادی الحنفی التوفی ۱۲۷۰ ھ، النحل: ۱۰۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی جب ہم قرآنِ مجید کی ایک آیت کو دوسری آیت کی جگہ نازل فرماتے ہیں اور دوسری آیت کو پہلی آیت کا بدل قرار دیتے ہیں بایں طور کہ دوسری آیت سے پہلی آیت کو منسوخ قرار دیتے ہیں، ''البحر المحیط'' میں جو لکھا ہے اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس آیت سے مراد لفظ اور معنی دونوں کو منسوخ کرنا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ لفظ باقی رہے اور معنی منسوخ ہو جائے (اور اللہ خوب جاننے والا ہے جس کو وہ نازل فرماتا ہے) یعنی اللہ عزوجل بندوں کی مصلحتوں کو خوب جاننے والا ہے، پس ناسخ اور منسوخ میں سے ہر ایک کو اس اعتبار سے نازل کیا گیا ہے جو حکمت اور مصلحت کا تقاضا تھا کیونکہ ہر وقت میں ایک مقتضی ہوتا ہے جو دوسرے مقتضی کا غیر ہوتا ہے پس کتنی چیزیں ایسی ہیں جو ایک وقت میں مصلحت ہوتی ہیں اور دوسرے وقت میں فساد ہو جاتی ہیں کیونکہ ان مصلحتوں کے محرک بدلتے رہتے ہیں، ہم دیکھتے ہیں کہ ماہر طبیب کبھی مریض کو ایک مشروب پینے کا حکم دیتا ہے پھر بعد میں اس کو اس مشروب کے پینے سے منع کر دیتا ہے اور اس مشروب کی ضد کو پینے کا حکم دیتا ہے، اور شرعی احکام صرف بندوں کی مصلحتیں ہیں اور ان کے معنوی امراض کی دوائیں ہیں، پس یہ اوقات کے مختلف ہونے سے مختلف ہوتی رہتی ہیں اور اللہ تعالیٰ سبحان ہے اور حکیم اور علیم ہے۔ (روح المعانی ج ۸ ص ۳۴۱، دار الفکر، بیروت ۱۴۱۷ ھ)

شیخ امین احسن اصلاحی متوفی ۱۹۹۷ء لکھتے ہیں:

نسخ کے اصل معنی ہٹانے اور مٹانے کے ہیں، قرآن مجید میں ہے ''فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ (الحج: ۵۲)'' (پس اللہ مٹا دیتا ہے اس چیز کو جو شیطان داخل کر دیتا ہے پھر اللہ اپنی آیتوں کو محکم کرتا ہے) یہاں یہ ایک قانون کو ہٹا کر اس کی جگہ دوسرا قانون لانے کے لیے استعمال ہوا ہے، انساء کے معنی فراموش کر دینے کے ہیں۔

یہود مسلمانوں کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالتے تھے کہ جب قرآن حضرت موسیٰ کو خدا کا پیغمبر اور تورات کو خدا کی کتاب تسلیم کرتا ہے تو پھر تورات کے احکام کے ردوبدل کے کیا معنی؟ کیا خدا اپنے ہی بنائے ہوئے قوانین کو خود اپنے ہی ہاتھوں بدلتا ہے۔ کیا اب تجربہ کے بعد خدا پر اپنی غلطیاں واضح ہو رہی ہیں اور وہ ان کی اصلاح کر رہا ہے؟

(تدبر قرآن ج اول ص ۲۹۶، فاران فاؤنڈیشن، لاہور ۱۴۳۴ھ)

ہر چند کہ شیخ امین احسن اصلاحی نے ''مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ۔۔۔ (البقرہ: ۱۰۶)'' سابقہ آسمانی کتابوں کی آیات کو منسوخ ہونے پر محمول کیا ہے تاہم وہ قرآن مجید میں نسخ کے وقوع کے قائل ہیں، اس لیے شیخ امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

قرآن مجید کی آیاتِ منسوخہ کا بیان

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہوگئی کہ سورۂ بقرہ کی زیرِ بحث آیت کا تعلق تمام تر ادیانِ سابقہ سے ہے اور اس میں جس نسخ کا حوالہ ہے اس کی ضرورت اور اس کی حکمت اس قدر واضح ہے کہ کسی انصاف پسند کے لیے اس سے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔

رہا یہ سوال کہ اسلامی شریعت میں بھی نسخ ہے یا نہیں تو اس بارے میں ہمارے یہاں تین گروہ ہیں، ایک گروہ ان لوگوں کا ہے جو نہ صرف نسخ کے قائل ہیں بلکہ اس کو بہت زیادہ وسعت دیتے ہیں، دوسرا گروہ اس کا یک قلم منکر ہے، تیسرا گروہ اس کا قائل تو ہے لیکن اس کو صرف چند احکامات تک محدود مانتا ہے۔ (تدبر قرآن ج ا ص ۳۱۳، فاران فاؤنڈیشن، لاہور ۱۴۳۴ھ)

اس کے بعد شیخ امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

ان وجوہ کی بناء پر ہم نسخ کے باب میں مذکورہ بالا دونوں مسلکوں کو کمزور سمجھتے ہیں، اب رہ گیا تیسرا مسلک یعنی ان لوگوں کا مسلک جو قرآن کی بعض آیات کو منسوخ مانتے ہیں، ہمارے نزدیک یہی مسلک صحیح ہے، رہی یہ بات کہ وہ آیات کون کون سی ہیں، وہ کن آیات سے منسوخ ہوئی ہیں اور ان کے منسوخ ہونے کی علت کیا ہے تو ان سوالوں کے جواب دینے کا یہ موقع نہیں ہے، اس کتاب میں اپنے اپنے موقع پر یہ بحثیں اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آئیں گی، یہاں صرف چند اصولی باتیں ذہن نشین کر لیجیے۔

ایک تو یہ کہ قرآن کا کوئی حکم اگر منسوخ ہوا ہے تو قرآن ہی سے منسوخ ہوا ہے اور یہ ناسخ و منسوخ دونوں قرآن مجید میں موجود ہیں۔ قرآن کے کسی حکم کو قرآن کے سوا کوئی دوسری چیز منسوخ نہیں کر سکتی، بعض فقہاء نے حدیث کو بھی قرآن کے لیے ناسخ مانا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ مسلک صحیح نہیں ہے۔ اس مسلک کا ضعف اس قدر واضح ہے کہ اس کی تردید کی ضرورت نہیں ہے۔

دوسری یہ کہ اس نسخ کا تعلق تمام تر صرف احکام وقوانین سے ہے، عقاید وایمانیات یا اخلاق وصفات یا واقعات وحقائق سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ عقاید وایمانیات اور واقعات وحقائق ایسی چیزیں نہیں ہیں جو آج کچھ ہوں اور کل کچھ اور بن جائیں۔ لیکن احکام وقوانین میں اگر کوئی ترمیم واصلاح خود قانون کا دینے والا کر دے تو اس سے قانون کے مقصد کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ اس سے اصل مقصد کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔

تیسری یہ کہ اس نسخ کی ضرورت اس وجہ سے نہیں پیش آئی کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کے علم میں کوئی نقص ہے جس کے سبب سے اس کے نازل کیے ہوئے قانون کو تجربات اور آزمائشوں کے مراحل سے گزرنا پڑا، بلکہ اس کی وجہ صرف بندوں کی بعض فطری خامیاں اور کمزوریاں ہیں، جن کے سبب سے وہ بسا اوقات کسی قانون کے قبول کرنے میں تدریج اور تربیت کے محتاج ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ چونکہ اپنے بندوں پر غایت درجہ مہربان ہے اس وجہ سے اس نے یہ پسند فرمایا کہ وہ اپنے قانون میں اس تدریج و تربیت کو ملحوظ رکھے۔

یہ تدریج اور تربیت قرآن کے ناسخ اور منسوخ احکام پر غور کرنے سے واضح ہوتی ہے کہ مختلف تقاضوں کے تحت مختلف طرز عمل کی مقتضی ہوئی ہے، مثلاً

بعض حالات میں یہ اس بات کی مقتضی ہوئی ہے کہ معاشرہ کے ابتدائی حالات کے تقاضوں کی مناسبت سے کسی باب خاص میں کوئی عارضی حکم دیا جائے اور جب معاشرہ اپنے بلوغ کو پہنچ جائے تو اس عارضی حکم کو آخری اور کامل حکم سے بدل دیا جائے، مثلاً ابتداءً ورثہ کے حقوق کے تحفظ کے لیے وصیت کا حکم دیا گیا: ''كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ... (البقرہ:۱۸۰)'' (جب تم میں سے کسی کو موت آئے، اگر اس نے مال چھوڑا ہو تو اس پر وصیت کو فرض کیا گیا ہے)، بدکاری کے سد باب کے لیے پنچائتی قسم کی تعزیر کی ہدایت کی گئی: ''وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ... (النساء:۱۵)'' (اور تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کریں)، انصار ومہاجرین کی اخوت کو اخلاقی اخوت سے بڑھا کر قانونی اخوت کا درجہ دیا گیا ''وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ... (النساء:۳۳)'' (اور جن لوگوں سے تمہارا عہد ہو چکا ہے سو ان کو ان کا حصہ دے دو)، لیکن بعد میں جب معاشرہ ایک اسلامی معاشرہ کی حیثیت سے اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا تو وراثت کے آخری اور حتمی قانون ''وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ... (الانفال:۷۵)'' (اور قرابت دار ایک دوسرے کے ساتھ کتاب اللہ میں زیادہ حق دار ہیں)'' اور زنا کی معین اور قطعی حد ''اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ... (النور:۲)'' (جو عورت زانیہ ہو اور جو مرد زانی ہو تو ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو) نے ان عارضی قوانین کو منسوخ کر کے خود ان کی جگہ لے لی۔

بعض حالات میں یہ اس امر کی مقتضی ہوئی کہ عام انسانی فطرت کا لحاظ کرتے ہوئے کوئی قانون درجہ بدرجہ اپنی آخری حد پر پہنچے، مثلاً شراب چونکہ اہل عرب کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی (لـ)، اس وجہ سے ابتداءً یہ صرف نماز کے اوقات کے لیے حرام ہوئی يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى... (النساء:۴۳)'' (اے ایمان والو! نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ)، روزہ چونکہ عرب جیسے گرم ملک کے لیے بڑی سخت چیز تھا اس وجہ سے شروع شروع میں سفر اور مرض کی صورت میں فدیہ دے دینے کی بھی گنجائش رکھی گئی ''وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ... (البقرہ:۱۸۴)'' (اور جو لوگ روزہ رکھ سکتے ہوں ان پر ایک روزہ کا فدیہ ایک مسکین کا کھانا ہے)، لیکن بعد میں جب طبائع کو ان چیزوں سے انس ہو گیا تو شراب کے قطعی حرمت کے حکم ''يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ... (المائدہ:۹۰)'' (اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور جوئے کے تیر یہ سب صرف ناپاک ہیں شیطانی کاموں سے ہیں، سوتم

لـ میں کہتا ہوں: شیخ امین احسن اصلاحی کا مطلقاً یہ لکھنا کہ شراب اہل عرب کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی غلط ہے، کیونکہ شراب کی تحریم نازل ہونے سے پہلے بعض جلیل القدر صحابہ بھی شراب پیتے رہے تھے حالانکہ شراب ان کی گھٹی میں نہیں تھی۔ (سعیدی غفرلہٗ)

ان سے اجتناب کرو)، ماہ رمضان کی تعداد کی تکمیل کی ہدایت اور فدیہ کی اجازت کی منسوخی ''فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ---- (البقرہ:۱۸۵)'' (سو تم میں سے جو اس مہینے میں موجود ہو تو وہ ضرور اس مہینے کے روزے رکھے)، نے ان ابواب میں بھی شریعت کو کامل کر دیا۔ ان احکام کے بعد صرف اضطرار کے تحت ایک محدود و مشروط اجازت باقی رہ گئی۔

بعض صورتوں میں اس کا اقتضاء یہ بھی ہوا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سابقہ شریعت کے کسی حکم پر عمل کرنے کے لیے کچھ عرصہ تک آزاد چھوڑ دیا گیا لیکن بعد میں اس اجازت کو منسوخ کر کے اس کی جگہ اسلامی شریعت کا مستقل حکم دے دیا گیا، مثلاً قبلہ کے معاملہ میں، اس سے مقصود جیسا کہ قرآن میں واضح کیا گیا ہے ''قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ---- (البقرہ:۱۴۴)'' (بے شک ہم آپ کے چہرہ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے تھے، سو ہم آپ کو ضرور اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس پر آپ راضی ہیں، پس آپ اپنا مونہہ (نماز میں) مسجدِ حرام کی طرف پھیر لیں اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو اپنا مونہہ اسی کی طرف پھیر لو)، مسلمانوں کا امتحان لینا تھا کہ کون خدا اور رسول کی وفاداری میں پختہ ہے اور کون اب تک اپنی پچھلی روایات ہی کا اندھا پرستار ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ امتحان تربیت ہی کا ایک جزو ہے۔

اسی طرح بعض حالات میں یہ اس بات کی مقتضی ہوئی کہ معاشرہ کی افرادی قوت کی کمی کی تلافی کے لیے وقتی طور پر بعض ایسے احکام بھی دیے جائیں جو کیفیت کو بڑھانے والے اور قلت تعداد کی حالت میں زیادہ بوجھ اٹھانے کی صلاحیت پیدا کرنے والے ہوں، مثلاً ابتداءً عام مسلمانوں کو بھی تہجد کی پابندی کا حکم دیا گیا ''اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ---- (المزمل:۲۰)'' (بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ (کبھی) دو تہائی رات کے قریب نماز میں قیام کرتے ہیں اور (کبھی) آدھی رات کو اور (کبھی) تہائی رات کو اور مسلمانوں کی ایک جماعت بھی آپ کے ساتھ (قیام) کرتی ہے)، میدانِ جہاد میں ایک کو دس کفار کا مد مقابل قرار دیا گیا ''اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ---- (الانفال:۶۵)'' (اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوں تو وہ دو سو پر غالب رہیں گے)، جماعتی استحکام و تطہیر کے تقاضوں کے تحت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی رازدارانہ بات کرنے سے پہلے صدقہ کی ہدایت کی گئی ''اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ---- (المجادلہ:۱۲)'' (جب تم رسول سے تنہائی میں کوئی راز کی بات کرنا چاہو تو اپنی راز کی بات سے پہلے کچھ صدقہ دیا کرو) بعد میں جب مسلمانوں کی افرادی قوت بڑھ گئی اور تطہیر جماعت کا وقتی مقصد حاصل ہو گیا تو ان چیزوں میں تخفیف کر کے ان کو اسی عام سطح پر کر دیا گیا جو پہلے سے ان کے لیے شریعت میں مقرر تھی۔

یہ ہم نے صرف بعض اصولی باتوں کی طرف اشارات کیے ہیں، یہاں پیش نظر تمام ناسخ و منسوخ آیات کا استقصاء اور ان کے مصالح کی وضاحت نہیں ہے۔ تفصیلی بحث منسوخ آیات کے تحت جیسا کہ عرض کیا گیا اپنے اپنے مقام میں آئے گی۔

اس تمام تفصیل سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو گئی کہ خدا کی شریعت قرآن مجید میں اپنے ترقی و کمال کے آخری درجہ پر پہنچ چکی ہے۔ اب اس کے بعد کسی نسخ کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اس شریعت میں تمام احکام کے ساتھ مشکل اور مجبور کن حالات کے لیے رخصتیں اور رعایتیں بھی بیان کر دی گئی ہیں۔ اس وجہ سے حالات کی تبدیلی کے عذر پر منسوخ احکام کی طرف پلٹنے کے لیے بھی کوئی

وجہ جواز باقی نہیں رہی، البتہ اہلِ بدعت کی پیدا کردہ ضلالتوں کے نسخ کا کام قیامت تک باقی رہے گا اور یہ کام اسلام میں علماء اور مصلحین کے سپرد ہے۔ (تدبر قرآن ج اول ص ۳۱۵۔۳۱۷، فاران فاؤنڈیشن، لاہور ۱۴۳۴ھ)

جمہور فقہاء اسلام کے نزدیک قرآن مجید کی منسوخ آیات

(۱) ''كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ ---(البقرہ:۱۸۰)'' (جب تم میں سے کسی کو موت آئے، اگر اس نے مال چھوڑا ہو تو اس پر وصیت کو فرض کیا گیا ہے)۔

یہ آیت قرآنِ مجید کی ان آیات سے منسوخ ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے ورثاء کے حصص مقرر فرما دیئے۔

(۲) ''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ ---(البقرہ:۱۸۳)'' (اے ایمان والو! تم پر اس طرح روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا تھا)۔

پہلی امتوں پر دن اور رات کا روزہ ہوتا تھا سو اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ اس امت پر بھی دن اور رات کا روزہ فرض کیا گیا ہے، پھر رات کے روزہ کو درج ذیل آیت سے منسوخ کر دیا گیا ہے:

''اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ---(البقرہ:۱۸۷)'' (تمہارے لیے روزہ کی رات میں اپنی بیویوں سے جماع کرنا حلال کر دیا گیا)۔

(۳) ''وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ---(البقرہ:۱۸۴)'' (اور جو لوگ روزہ رکھ سکتے ہوں ان پر ایک روزہ کا فدیہ ایک مسکین کا کھانا ہے)۔ یہ آیت درجِ ذیل آیت سے منسوخ ہے:

''فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ---(البقرہ:۱۸۵)'' (سو تم میں سے جو اس مہینے میں موجود ہو تو وہ ضرور اس مہینے کے روزے رکھے)۔

(۴) ''يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ---(البقرہ:۲۱۷)'' (لوگ آپ سے حرمت والے مہینوں (ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب) میں قتال کرنے کے حکم کا سوال کرتے ہیں، آپ کہیے: ان مہینوں میں قتال کرنا بہت بڑا گناہ ہے)، یہ آیت درجِ ذیل آیت سے منسوخ ہے:

''وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً ---(التوبہ:۳۶)'' (تم تمام مشرکین سے قتال کرو)۔

(۵) ''وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ---(البقرہ:۲۴۰)'' (اور تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں وہ (وفات سے پہلے) ان بیویوں کو نکالے بغیر سال بھر تک خرچ دینے کی وصیت کر جائیں)، یہ آیت درجِ ذیل آیت سے منسوخ ہو گئی ہے:

''وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ---(البقرہ:۲۳۴)''۔ (اور تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں، وہ بیویاں اپنے آپ کو چار ماہ دس دن انتظار میں رکھیں)۔

(۶) ''وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ---(النساء:۳۳)'' (اور جن لوگوں سے تمہارا عہد ہو چکا ہے سو ان کو ان کا حصہ دے دو)، یہ آیت درجِ ذیل آیت سے منسوخ ہو گئی ہے:

''وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ۔۔۔(الانفال:۷۵)''(اور قرابت دار ایک دوسرے کے ساتھ کتاب اللہ میں زیادہ حق دار ہیں)۔

(۷)''وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ ۔۔۔(النساء:۱۵)''(اور تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کریں تو ان پر اپنے مردوں میں سے چار مردوں کی گواہی طلب کرو، پھر اگر وہ (مرد) گواہی دے دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں بند کر دو حتیٰ کہ انہیں موت آجائے)۔ یہ آیت درج ذیل آیت سے منسوخ ہے:

''اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ۔۔۔(النور:۲)''(جو عورت زانیہ ہو اور جو مرد زانی ہو تو ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو)۔

(۸)''اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا ۔۔۔(التوبہ:۴۱)''(تم خواہ ہلکے ہو یا بھاری (ہر حال میں جہاد کے لیے) نکلو)۔

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر مسلمان پر جہاد کے لیے نکلنا فرض ہے، پھر یہ آیت درج ذیل آیت سے منسوخ ہوگئی:

''لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ۔۔۔(التوبہ:۹۱)''((جہاد نہ کرنے سے) نہ کمزوروں پر کوئی گناہ ہے اور نہ بیماروں پر اور نہ ان پر کوئی گناہ ہے جن کے پاس خرچ موجود نہیں)۔

(۹)''اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً۔۔۔(النور:۳)''(زانی مرد صرف زانیہ عورت سے نکاح کرے)۔

یہ آیت درج ذیل آیت سے منسوخ ہے:

''فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ۔۔۔(النساء:۳)''(سو تم ان عورتوں سے نکاح کرو جو تمہیں پسند ہوں)۔

(۱۰)''اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً۔۔۔(المجادلہ:۱۲)''(جب تم رسول سے تنہائی میں کوئی راز کی بات کرنا چاہو تو اپنی راز کی بات سے پہلے کچھ صدقہ دیا کرو)۔

یہ آیت اسی آیت کے آخری حصہ سے منسوخ ہے:

''فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۲ ۔۔۔(المجادلہ:۱۲)''(پس اگر تم (صدقہ دینے کے لیے) مال نہ پاؤ تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O

(۱۱)''يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝۱ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۲ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۝۳ (المزمل:۱۔۳)''(اے چادر لپیٹنے والے O رات کا کچھ حصہ چھوڑ کر باقی رات نماز میں قیام کیجئے O رات کا آدھا حصہ یا آدھے سے کچھ کم O)۔

یہ آیت اس سورت کی آخری آیت سے منسوخ ہے:

''فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۔۔۔(المزمل:۲۰)''(پس تم اس قرآن میں سے جتنا آسان ہو اس کو پڑھ لیا کرو)۔

پھر پانچ نمازوں کی فرضیت سے رات کا یہ قیام بھی منسوخ کر دیا گیا۔

(۱۲)''وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ۔۔۔(البقرہ:۱۱۵)''(اور مشرق اور مغرب سب اللہ ہی کے ہیں، لہٰذا تم جس طرف بھی رُخ کرو گے وہیں اللہ کی ذات ہے)۔

یہ آیت درج ذیل آیت سے منسوخ ہوگئی:

''فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۔۔۔ (البقرہ:۱۴۹)'' (پس آپ اپنا مونہہ (نماز میں) مسجد حرام کی طرف پھیرلیں)۔

سو یہ بارہ (۱۲) آیات ہیں جن کے منسوخ ہونے پر فقہاء اسلام اور مفسرین کرام کا اتفاق ہے۔

بعض آزادخیال مفسرین کا قرآن مجید میں نسخ کے وقوع کا انکار

سرسید احمد خان متوفی ۱۸۹۸ء لکھتے ہیں:

''مَا نَنْسَخْ'' اس آیت کی تفسیر میں ہمارے ہاں کے مفسروں نے بے انتہا کج بحثیاں کی ہیں اور مذہب اسلام کو بلکہ خدا کو بدنام کیا ہے اور قرآن مجید کو ایک شاعر کی بیاض بنادیا ہے، ان ہی کج بحثیوں میں بعض مفسروں نے جن کو خدا نے ہدایت کی ہے سیدھی راہ بھی اختیار کی ہے، ہر ایک شخص جس کے مزاج میں کج بحثی نہیں ہے وہ اس آیت کو اور اس سے پہلی آیت کو پڑھ کر سیدھا اور صاف مطلب سمجھ سکتا ہے، اس آیت سے پہلی آیت میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اہلِ کتاب اس بات کو دوست نہیں رکھتے کہ خدا کی طرف سے تم پر کچھ بھلائی اترے، اور بھلائی سے علانیہ مراد قرآن اور احکامِ شریعت ہیں۔ اہلِ کتاب جو اس بات کو دوست نہیں رکھتے تھے اس کی صاف صاف دو وجہیں تھیں، اول یہ کہ تمام انبیاء بنی اسرائیل میں گزرے تھے اور ان کو پسند نہیں تھا کہ بنی اسمٰعیل میں جن کو وہ بالطبع حقیر بھی سمجھتے تھے کوئی نبی پیدا ہو۔ اس کی نسبت خدا نے فرمایا کہ اللہ مخصوص کرتا ہے اپنی رحمت سے جس کو چاہتا ہے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ احکام شریعت محمدی کے موسوی شریعت کے احکام سے کسی قدر مختلف تھے اور یہودی اپنی شریعت کی نسبت سمجھتے تھے کہ وہ دائمی ہے اور کبھی کوئی حکم اس کا تبدیل نہیں ہونے کا۔ اس کی نسبت خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ جو آیت کہ ہم منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اس کی جگہ اسی کی مانند یا اس سے بہتر آیت دیتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس مقام میں آیت کے لفظ سے قرآن کی آیت مراد نہیں ہے بلکہ موسوی شریعت کے احکام جو شرع محمدی میں تبدیل ہوگئے، یا جن احکام شریعت موسوی کو یہودیوں نے بھلا دیا تھا وہ مراد ہیں۔ ہمارے اکثر مفسرین نے نہایت کج بحثی سے اس آیت میں جو لفظ ''آیت'' ہے اس کو قرآن مجید کی آیتوں پر محمول کیا ہے، اور یہ سمجھا ہے کہ قرآن مجید کی ایک آیت دوسری آیت سے منسوخ ہوجاتی ہے، اور اسی پر بس نہیں کیا، بلکہ ''ننسھا'' کے لفظ سے یہ قرار دیا کہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض آیتوں کو بھول بھی گئے تھے اور ان دو لفظوں یعنی ننسخ اور ننسھا کی بناء پر جھوٹی اور مصنوعی روایتوں کے بیان کرنے سے اپنی تفسیروں کے ورق کے ورق سیاہ کردیئے ہیں مگر ان میں کی ایک روایت بھی صحیح نہیں ہے، ان ہی جھوٹی روایتوں کی بناء پر انہوں نے قرآن کی آیتوں کو چار قسم کی آیتوں پر تقسیم کیا ہے:

اول: وہ آیتیں جن کی تلاوت اور احکام دونوں بحال ہیں اور وہ سب آیتیں قرآن میں موجود ہیں۔

دوم: وہ آیتیں جن کی تلاوت بحال ہے اور احکام منسوخ ہوگئے ہیں۔ ان آیتوں کی نسبت بھی کہتے ہیں کہ قرآن میں موجود ہیں۔

سوم: وہ آیتیں جن کی تلاوت منسوخ ہوگئی ہے مگر احکام بحال ہیں۔

چہارم: وہ آیتیں جن کی تلاوت اور احکام دونوں منسوخ ہوگئے ہیں۔ اور تیسری اور چوتھی قسم کی آیتوں کی نسبت کہتے ہیں کہ قرآن میں موجود نہیں ہیں، مگر ان جھوٹی روایتوں میں ان کا موجود ہونا بیان کرتے ہیں۔

ہم ان باتوں پر اعتقاد نہیں رکھتے اور یقین جانتے ہیں کہ جو کچھ خدا کی طرف سے اترا وہ بے کم و کاست موجودہ قرآن میں جو در

حقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات میں تحریر ہو چکا تھا موجود ہے، اور کوئی حرف بھی اس سے خارج نہیں ہے، اور نہ قرآن مجید کی کوئی آیت منسوخ ہے بلکہ احکام وادیان سابقہ کی نسبت بھی لفظ نسخ کا مجازی معنی میں استعمال ہوا ہے نہ حقیقی معنی میں۔

نسخ کے معنی لغت میں کسی شے کے دور کر دینے کے اور متغیر کر دینے اور باطل کر دینے کے ہیں، خواہ اس کی جگہ کوئی دوسری چیز قائم ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو اور نقل وتحویل کے معنی یہی ہیں، اور اس بحث سے کہ ان معنوں میں اصلی کون سے ہیں اور مجازی کون سے ہم کو چنداں فائدہ نہیں ہے، مگر جب اس لفظ کو کسی خاص علم میں استعمال کیا جائے گا مثلاً شرع میں، تو اس کی تعریف میں کچھ ایسے الفاظ بڑھانے ہونگے جس سے وہ معنی اس علم کے مناسب ہو جاویں۔ پس شرع میں نسخ کے معنی یہ ہوں گے کہ ایک شرعی حکم کا کسی دوسرے شرعی حکم سے زائل یا متغیر یا باطل ہونا۔ پہلا حکم منسوخ کہلائے گا اور دوسرا حکم ناسخ۔

یہ تعریف ناسخ کی جو گویا ناسخ ومنسوخ دونوں کی تعریف ہے، ظاہر ہے کہ منصوص نہیں ہے یعنی ظاہر ہے کہ یہ تعریف ناسخ ومنسوخ کی نہ خدا نے بتائی ہے نہ رسول نے بتائی ہے، بلکہ علماء نے خود اپنے قیاس اور خیال اور استنباط سے قائم کی ہے، اور کسی مسلمان پر واجب نہیں ہے کہ خواہ نخواہ اس تعریف کو تسلیم کرے، ہمارے نزدیک جس وقت نسخ کو شرع سے متعلق کیا جائے گا تو اس وقت حیثیت کو اس کا جزو قرار دینا واجب اور لازم ہوگا، کیونکہ جس قدر احکام شرعی ہیں وہ سب کسی نہ کسی حیثیت پر مبنی ہیں۔ پس اگر باوجود بقا اس حیثیت کے جس پر وہ حکم صادر ہوا تھا، دوسرا حکم برخلاف پہلے حکم کے صادر کیا جاوے تو کہا جاویگا کہ دوسرا حکم ناسخ ہے اور پہلا منسوخ، اور اگر وہ حیثیت جس کی بناء پر پہلا حکم صادر ہوا تھا موجود نہ رہے، تو دوسرا حکم پہلے حکم کا حقیقتاً ناسخ نہیں ہے گو مجازاً ایک کا دوسرے کو ناسخ کہیں۔

پس ہم قبول کرتے ہیں کہ ایسے احکام بھی موجود ہیں، جو شرائع سابقہ میں مامور بہ تھے، اور شرائع مابعد میں مامور بہ نہیں رہے، یا بالفرض ہم تسلیم کرلیں، کہ خود مذہب اسلام ہی میں اول کوئی حکم مامور بہ تھا، اور پھر بعد کو مامور بہ نہیں رہا، اور یہ بھی ثابت ہو کہ حیثیت اور حالت متحد نہیں رہی تھی، تو ہم ایک کو دوسرے کا ناسخ نہیں قرار دینے کے، اور ہم کیا کوئی ذی عقل بھی ہندو، مسلمان، یہودی، عیسائی، دہریہ، ان میں سے کسی کو ناسخ ومنسوخ نہیں کہنے کا۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہم مجازاً، یا بطور ایک اصطلاح کے ان کو ناسخ ومنسوخ کہنے لگیں۔ ہم نے تمام قرآن میں کوئی ایسا حکم نہیں پایا، اور اس لئے ہم کہتے ہیں کہ قرآن میں ناسخ ومنسوخ نہیں ہے، البتہ علماء اور فقہاء نے جن آیتوں کو ایک دوسرے کے مخالف خیال کیا ہے، اور ایک کو ناسخ اور ایک کو منسوخ ٹھیرایا ہے، تو ہم ہر موقعہ پر ثابت کریں گے کہ وہ باہم مخالف نہیں ہیں، اور تفاوت حیثیت بھی ظاہر کر دیں گے، جس کے بغیر لحاظ کے ناسخ ومنسوخ کا قرار دینا محالات سے ہے۔ (تفسیر القرآن وھو الھدیٰ والفرقان ج ۱ ص ۱۴۷۔ ۱۴۳ ملخصاً وملتقطاً، سرسید ریسرچ اکیڈمی، لاہور ۲۰۱۰ء)

قرآن مجید میں وقوعِ نسخ کے انکار پر سرسید احمد خان کی دوسری دلیل

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

وَ اِذَا بَدَّلْنَاۤ اٰیَةً مَّكَانَ اٰیَةٍۙ وَّ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یُنَزِّلُ قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُفْتَرٍؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ (۱۰۱) (النحل:۱۰۱)

اور جب ہم ایک آیت کو بدل کر اس کی جگہ دوسری آیت لاتے ہیں، اور اللہ خوب جاننے والا ہے جس کو وہ نازل فرماتا ہے، تو کفار کہتے ہیں: آپ نے دل سے ایک بات گھڑ لی ہے بلکہ ان میں

سے اکثر لوگ علم نہیں رکھتے O

سرسید احمد خان اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کی نسبت سوال یہ ہے کہ ''قالوا'' سے کون لوگ مراد ہیں؟ مفسرین لکھتے ہیں کہ قالوا کی ضمیر سے کفارِ مکہ مراد ہیں مگر یہ صحیح نہیں ہوسکتا اس واسطے کہ کفار مکہ نہ اس پہلی آیت کو جو بدلی گئی منزل من اللہ جانتے تھے اور نہ دوسری آیت کو جس نے پہلی آیت کو بدلا منزل من اللہ سمجھتے تھے۔

بلکہ صرف یہود و نصاریٰ جو ان احکام قرآن مجید کو جو برخلاف احکام سابق توریت و انجیل کے تھے پیغمبر کا افتراء سمجھتے تھے، پس قالوا کی ضمیر انہی یہود و نصاریٰ کی طرف پھرتی ہے نہ عام کفار کی طرف جو عموماً بت پرست تھے ورنہ وہ نہ احکام سابق کو مانتے تھے نہ احکام لاحق کو۔ پس صاف ظاہر ہے کہ بدلنا اٰیۃ مکان اٰیۃ سے شرائع انبیائے سابق مراد ہے نہ تبدیل آیت قرآنی کی۔

(تفسیر القرآن وھوالھدیٰ والفرقان ج ۲ ص ۱۳۲۔ ۱۳۳، سرسید ریسرچ اکیڈمی، لاہور ۲۰۱۰ء)

غلام احمد پرویز متوفی ۱۹۸۵ء لکھتے ہیں:

اب دیکھئے اس آیت (مَا نَنۡسَخۡ ۔۔۔ (البقرہ:۱۰۶)) کا صحیح مفہوم۔ پیچھے سے سلسلۂ کلام یوں چلا آتا ہے کہ اہل کتاب (بالخصوص یہود) قرآن کریم اور رسالت محمدیہ پر مختلف اعتراضات کرتے ہیں (قرآن کریم ان اعتراضات کا جواب دیتا ہے)۔ اسی سلسلہ میں ان کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ جب خدا نے انبیاء سابقین (مثلاً حضرت موسیٰ وغیرہ) پر اپنے احکام نازل کر دیئے تھے اور وہ احکام تورات وغیرہ میں موجود ہیں تو پھر ان کی موجودگی میں اس نئے رسول اور نئی کتاب کی ضرورت کیا تھی؟ اس آیت میں اسی اعتراض کا جواب دیا گیا ہے۔ ان سے کہا گیا ہے کہ یہ ٹھیک ہے کہ خدا کی طرف سے سلسلۂ رشد و ہدایت حضرت نوح کے زمانے سے مسلسل چلا آ رہا ہے لیکن اس کی صورت یہ رہی ہے کہ مختلف انبیاء کی وساطت سے جو وحی بھیجی جاتی تھی ان میں ایک حصہ ان احکامات پر مشتمل ہوتا تھا جو وقتی ہوتے تھے اور ان کا تعلق خاص اسی قوم سے ہوتا تھا جس کی طرف وہ احکام بھیجے جاتے تھے۔ اور انہیں انہی حالات میں نافذ العمل رہنا ہوتا تھا جو اس زمانے کے تقاضے سے پیدا ہوئے تھے۔ بعد میں جب وہ قوم نہ رہتی یا زمانے کے تقاضوں سے وہ حالات بدل جاتے تو ایک اور رسول آ جاتا اور وہ ان احکام کی جگہ دوسرے احکام لے آتا۔ اس طرح یہ جدید وحی اس سابقہ وحی کی قائم مقام (ناسخ) بن جاتی۔ یہ سلسلہ شروع ہی سے ایسا چلا آ رہا ہے۔ چنانچہ تم خود دیکھ رہے ہو کہ توریت کے کتنے احکام ہیں جنہیں حضرت عیسیٰ نے آ کر بدل دیا (یہ بدلے ہوئے احکام انجیل میں موجود ہیں)۔

اس کے بعد لکھتے ہیں:

یہود سے کہا گیا کہ وحی کا سلسلہ اس طرح چلا آ رہا ہے۔ اب وہ دور آ گیا ہے جس میں انسانی شعور پختگی حاصل کر لے گا، لہٰذا اب انتظام یہ کیا گیا ہے کہ:

(۱) سابق انبیاء کی وحی کے وہ تمام احکام جو ان کی قوم کے حالات اور ان کے زمانے کے تقاضوں کے ساتھ مخصوص تھے منسوخ کر کے ان کی جگہ دوسرے احکام و قوانین بھیج دیئے جائیں اور چونکہ وحی کا یہ سلسلہ اب ختم ہو رہا ہے اس لئے یہ احکام وقتی اور ہنگامی نہیں ہوں گے بلکہ ابدی طور پر انسانیت کا ساتھ دینے والے ہوں گے، اس لیے یہ احکام و قوانین سابقہ احکام سے بہتر ہوں گے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں:

(۳) اور سابق انبیاء کی وحی کے وہ احکام وقوانین جنہیں ان کی قوموں نے ترک کر دیا تھا یا فراموش کر دیا تھا (یا جن میں انہوں نے تحریف کر دی تھی) ان کی تجدید کر دی گئی (ان کی مثل احکام دے دیے گئے)۔

یہ ہے وہ ضرورت جس کے لیے ایک نئے رسول اور نئی کتاب کو بھیجا گیا ہے اور یہ ہے وہ وجہ جواب تمام سابقہ کتابوں کی جگہ اسی قرآن کریم پر ایمان لانا اور اس پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔

یہ ہے ماننسخ من آیۃ او ننسھانات بخیر منھا او مثلھا کا صحیح مفہوم۔

(لغات القرآن، ص ۱۶۰۹۔ ۱۶۱۰ ملخصاً وملتقطاً، ادارہ طلوع اسلام گلبرگ، لاہور، ۱۹۸۴ء)

خلاصہ یہ ہے "مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ ... (البقرہ: ۱۰۶)" میں جن آیتوں کے منسوخ ہونے کا ذکر فرمایا ہے اس سے مراد قرآن مجید کی آیات نہیں ہیں بلکہ اس سے مراد تورات کی آیات ہیں، یا گزشتہ آسمانی کتابوں کی آیات ہیں۔

قرآنِ مجید میں نسخ کے وقوع پر دلائل

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا۔ (البقرہ: ۲۳۴)

اور تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں، وہ بیویاں اپنے آپ کو چار ماہ دس دن انتظار میں رکھیں۔

نیز اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ۔ (البقرہ: ۲۴۰)

اور تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں وہ (وفات سے پہلے) ان بیویوں کو نکالے بغیر سال بھر تک خرچ دینے کی وصیت کر جائیں۔

یہ سورۂ بقرہ کی دو آیتیں ہیں، البقرہ: ۲۳۴ میں بیوہ عورت کی عدت چار ماہ دس دن مقرر فرمائی ہے اور البقرہ: ۲۴۰ میں بیوہ عورت کی عدت ایک سال مقرر فرمائی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ البقرہ: ۲۳۴ نے البقرہ: ۲۴۰ کے حکم کو منسوخ کر دیا ہے اور اب بیوہ عورت کی عدت چار ماہ دس دن ہے نہ کہ ایک سال، اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی تخفیف کے لیے ایک سال تک عدت گزارنے کے حکم کو منسوخ فرما دیا ہے، ان آیتوں میں یہ تاویل نہیں کی جا سکتی کہ نسخ کا یہ حکم شریعتِ سابقہ سے متعلق ہے کیونکہ ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا ہے: "وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ... (البقرہ: ۲۴۰)" (اور تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں وہ (وفات سے پہلے) ان بیویوں کو نکالے بغیر سال بھر تک خرچ دینے کی وصیت کر جائیں) پھر فرمایا: "وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ... (البقرہ: ۲۳۴)" (اور تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں، وہ بیویاں اپنے آپ کو چار ماہ دس دن انتظار میں رکھیں)۔

میں کہتا ہوں کہ البقرہ کی یہ دو آیتیں قرآن مجید میں نسخ کے وقوع پر نہایت قوی دلیل ہیں، یہی وجہ ہے کہ سرسید احمد خان جو

قرآن مجید میں نسخ کے وقوع کے منکر ہیں انہوں نے اپنی تفسیر میں ان دو آیتوں سے بالکل تعرض نہیں کیا، غالباً انہوں نے جان لیا تھا کہ نسخ کے ثبوت کی ان دو آیتوں کے خلاف وہ کچھ نہیں کر سکتے۔

ہمارے موقف کی تائید شیخ امین احسن اصلاحی کی ان دو آیتوں کی تفسیر سے ہوتی ہے:

شیخ امین احسن اصلاحی البقرہ: ۲۳۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اگر کسی عورت کے شوہر کی وفات ہو جائے تو ایسی عورت کی عدت چار ماہ دس دن ہے اور (حاملہ ہونے کی صورت میں وضع حمل)، عام مطلقہ کی نسبت سے بیوہ کی عدت میں یہ اضافہ استبرائے رحم، عورت کی سہولت اور سوگ وغیرہ کی مختلف مصلحتوں سے ہے۔ عورت کمزور فریق، نازک دل اور شدید الاحساس ہونے کی وجہ سے شوہر کے صدمہ کو محسوس بھی زیادہ کرتی ہے اور حالتِ بیوگی میں وہ ہمدردی کی محتاج بھی بہت زیادہ ہوتی ہے، اس وجہ سے اس کا زمانہ عدت زیادہ رکھا گیا ہے تاکہ شوہر کی وفات کے صدمہ کے ساتھ ساتھ معاً اس کو شوہر کی ڈیوڑھی چھوڑنے کا صدمہ بھی نہ اٹھانا پڑے، چنانچہ اسی مصلحت کے تحت آگے اسی آیت کی مزید توضیح کے طور پر ایک عارضی ہدایت یہ بھی ہوئی: ''اور جو تم میں سے وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ رہے ہوں، وہ اپنی بیویوں کے لیے وصیت کر جائیں کہ انہیں گھر سے نکالے بغیر نان ونفقہ دیا جائے۔ (البقرہ: ۲۴۰)''۔

(تدبر قرآن ج ا ص ۵۴۶، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، پاکستان ۱۴۳۴ھ)

شیخ امین احسن اصلاحی نے البقرہ: ۲۴۰ کو عارضی ہدایت قرار دیا ہے، اس سے واضح ہوا کہ یہ آیت منسوخ کر دی گئی اور اس کے بعد البقرہ: ۲۳۴ میں بیوہ عورت کی عدت حتمی طور پر چار ماہ دس دن مقرر کر دی گئی۔

سرسید احمد خان اور دیگر منکرینِ نسخ کی تفسیر پر مصنف کا تعاقب

سرسید احمد خان اور دیگر منکرینِ نسخ نے البقرہ: ۱۰۶ کی تفسیر میں یہ لکھا ہے:

''اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس مقام میں آیت کے لفظ سے قرآن کی آیت مراد نہیں ہے بلکہ موسوی شریعت کے احکام جو شرع محمدی میں تبدیل ہو گئے، یا جن احکام شریعت موسوی کو یہودیوں نے بھلا دیا تھا وہ مراد ہیں''۔

(تفسیر القرآن وھو الھدی والفرقان ج ا ص ۱۳۷، سرسید ریسرچ اکیڈمی، لاہور ۲۰۱۰ء)

سرسید احمد خان نے البقرہ: ۱۰۶ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ''مَا نَنسَخْ مِنْ اٰیَةٍ۔۔۔ (البقرہ: ۱۰۶)'' میں آیت سے مراد قرآن مجید کی آیت نہیں ہے بلکہ موسوی شریعت مراد ہے، میں کہتا ہوں کہ قرآن مجید کی تفسیر یا تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد سے اور آپ کی حدیث سے ہوتی ہے یا صحابہ کرام کے بیان سے یا پھر تابعین کے بیان سے ہوتی ہے، سرسید احمد خان نے لکھا ہے کہ اس آیت سے مراد موسوی شریعت ہے اس کا نہ کسی حدیث میں ذکر ہے نہ صحابہ کرام میں سے کسی سے مروی ہے اور نہ تابعین عظام میں سے کسی کا یہ قول ہے، یہ صرف سرسید احمد خان کی تفسیر بالرائے ہے اس لئے مردود ہے۔

اس کے برخلاف جو علماء یہ کہتے ہیں کہ البقرہ: ۱۰۶ میں جس نسخ کا ذکر ہے اس کا تعلق قرآن مجید میں نسخ کے ساتھ ہے اور ان کی دلیل درج ذیل احادیث ہیں:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کے

خلاف تیس دن تک صبح کی نماز میں دعائے (ضرر) کی جنہوں نے اصحاب بئر معونہ کو قتل کر دیا تھا۔ آپ نے رعل اور ذکوان اور عصیہ کے خلاف دعا کی جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تھی، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جو لوگ بئر معونہ میں قتل کر دیئے گئے ان کے متعلق قرآنِ مجید میں یہ آیت نازل ہوئی جس کو ہم نے پڑھا تھا، پھر بعد میں وہ آیت منسوخ کر دی گئی، وہ آیت یہ ہے: ''بلغوا قومنا ان لقد لقینا ربنا فرضی عنا و رضینا عنه'' (ہماری قوم کو یہ پیغام پہنچا دو کہ بے شک ہم نے اپنے رب سے ملاقات کی، پس ہمارا رب ہم سے راضی ہو گیا اور ہم اس سے راضی ہو گئے)۔

(صحیح البخاری: ۲۸۱۴، صحیح مسلم: ۶۷۷، مسند احمد: ۱۲۸۴۳)

امام ابوداؤد اور امام ابن جریر نے از ابوالعالیہ روایت کی ہے کہ صحابہ ''مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا'' کی تفسیر میں یہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں چند امور نازل فرمائے، پھر ان کو اٹھا لیا، پس فرمایا: ''نَاۡتِ بِخَيۡرٍ مِّنۡهَاۤ اَوۡ مِثۡلِهَا''۔

(الدر المنثور ج۱ ص ۲۳۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۲۱ھ)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی متوفی ۳۶۰ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انصار کے دو مردوں نے ایک سورت پڑھی جو سورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو پڑھائی تھی اور وہ دونوں اس سورت کو پڑھتے تھے۔ پس وہ دونوں ایک رات کو نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے تو وہ دونوں اس سورت کے کسی ایک حرف کے پڑھنے پر بھی قادر نہ ہوئے، پھر وہ دونوں صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، پس آپ سے اس بات کا ذکر کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ سورت ان سورتوں میں سے ہے جس کو منسوخ کر دیا گیا یا بھلا دیا گیا۔ (المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۳۱۴۱، مجمع الزوائد ج۵ ص ۳۳۰)

جو علماء اور محققین قرآن مجید میں الناسخ والمنسوخ کے وقوع کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ البقرہ: ۱۰۶ کا تعلق قرآن مجید کی منسوخ آیتوں سے ہے ان کے دلائل مذکور الصدر احادیث اور آثار ہیں، اس کے برخلاف سرسید احمد خان اور دیگر منکرین نسخ جو کہتے ہیں البقرہ: ۱۰۶ میں جن آیات کے منسوخ ہونے کا ذکر ہے اس سے مراد موسوی شریعت کی آیات ہیں ان کے پاس سوائے اپنی رائے کے اور کوئی دلیل نہیں ہے۔

اسی طرح اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

وَ اِذَا بَدَّلۡنَاۤ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّ اللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوۡۤا اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُفۡتَرٍ ؕ بَلۡ اَكۡثَرُهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۝

(النحل: ۱۰۱)

اور جب ہم ایک آیت کو بدل کر اس کی جگہ دوسری آیت لاتے ہیں، اور اللہ خوب جاننے والا ہے جس کو وہ نازل فرماتا ہے، تو کفار کہتے ہیں: آپ نے دل سے ایک بات گھڑ لی ہے بلکہ ان میں سے اکثر لوگ علم نہیں رکھتے ۝

اس کی تفسیر میں بھی سرسید احمد خان نے لکھا ہے:

اس آیت کی نسبت سوال یہ ہے کہ ''قَالُوۡۤا'' سے کون لوگ مراد ہیں؟ مفسرین لکھتے ہیں کہ قَالُوۡۤا کی ضمیر سے کفارِ مکہ مراد ہیں مگر یہ صحیح نہیں ہو سکتا اس واسطے کہ کفار مکہ نہ اس پہلی آیت کو جو بدلی گئی منزل من اللہ جانتے تھے اور نہ دوسری آیت کو جس نے پہلی آیت کو بدلا منزل من اللہ سمجھتے تھے۔

بلکہ صرف یہود و نصاریٰ جو ان احکام قرآن مجید کو جو برخلاف احکام سابق توریت و انجیل کے تھے پیغمبر کا افتراء سمجھتے تھے، پس قَالُوْٓا کی ضمیر انہی یہود و نصاریٰ کی طرف پھرتی ہے نہ عام کفار کی طرف جو عموماً بت پرست تھے ورنہ وہ نہ احکام سابق کو مانتے تھے نہ احکام لاحق کو، پس صاف ظاہر ہے کہ بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ سے شرائع انبیائے سابق مراد ہے نہ تبدیل آیت قرآنی کی۔

(تفسیر القرآن وھوالھدیٰ والفرقان ج ۲ ص ۱۳۲۔ ۱۳۳، سرسید ریسرچ اکیڈمی، لاہور ۲۰۱۰ء)

سرسید احمد خان کی یہ تفسیر اولاً اس لیے صحیح نہیں ہے کہ سورۃ النحل مکی ہے اور مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخاطبین کفارِ قریش تھے یہود و نصاریٰ نہیں تھے، اس لئے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ یہود و نصاریٰ قرآن مجید کے جو احکام تورات و انجیل کے خلاف تھے اس کو پیغمبر علیہ السلام کا افتراء سمجھتے تھے، کیونکہ مکی سورتوں میں کفارِ قریش سے خطاب ہوتا ہے اور ان ہی کا رد ہوتا ہے۔

اور ثانیاً اس لئے کہ سرسید نے محض اپنی رائے سے یہ لکھا ہے کہ النحل: ۱۰۱ میں تبدیل آیت سے مراد قرآن مجید کی آیات نہیں ہیں بلکہ تورات اور انجیل کی آیات ہیں اور اس کے ثبوت میں نہ انہوں نے کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث پیش کی نہ کسی صحابی یا تابعی کا قول پیش کیا، اس لئے ان کی یہ تفسیر مردود ہے۔

اس کے برخلاف جو علماءِ محققین یہ کہتے ہیں کہ اس آیت کا تعلق قرآنِ مجید کی آیتوں کی تبدیلی کے ساتھ ہے ان کی دلیل یہ ہے:

امام ابن ابی شیبہ اور امام ابن جریر اور امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم نے اس آیت کی تفسیر میں مجاہد سے روایت کی ہے کہ یہ آیت ''مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا۔۔۔ (البقرہ: ۱۰۶)'' کی مثل ہے۔

(الدر المنثور ج ۵ ص ۱۴۶، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۲۱ھ)

ان تصریحات سے واضح ہو گیا کہ سرسید احمد خان نے قرآنِ مجید میں نسخ کے وقوع کا جو انکار کیا ہے اور ''مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ۔۔۔ (البقرہ: ۱۰۶)'' اور ''وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ۔۔۔ (النحل: ۱۰۱)'' کی آیات کو جو پچھلی آسمانی کتابوں کے نسخ پر محمول کیا ہے، یہ ان کی محض تفسیر بالرائے ہے جس پر وہ کوئی مستند نقل نہیں پیش کر سکے اور ان آیتوں کی تفسیر میں انہوں نے تمام متقدمین مفسرین کی مخالفت کی ہے۔

نسخ فی القرآن کے علاوہ قرآن مجید کی دیگر آیات کی تفسیر میں سرسید احمد خان کی جمہور فقہائے اسلام کی تصریحات سے مخالفت

سرسید احمد خان کی فرشتوں کے انکار سے جمہور فقہاء اسلام کی مخالفت

سرسید احمد خان متوفی ۱۸۹۸ء لکھتے ہیں:

جن فرشتوں کا قرآن میں ذکر ہے ان کا کوئی اصلی وجود نہیں ہو سکتا، بلکہ خدا کی بے انتہا قدرتوں کے ظہور کو اور ان قویٰ کو جو خدا نے اپنی تمام مخلوق میں مختلف قسم کے پیدا کئے ہیں مَلَک یا ملائکہ کہا ہے، جن میں سے ایک شیطان یا ابلیس بھی ہے، پہاڑوں کی صلابت، پانی کی رقت، درختوں کی قوتِ نمو، برق کی قوت جذب و دفع، غرضکہ تمام قویٰ جن سے مخلوقات موجود ہوئی ہیں اور جو مخلوقات میں ہیں، وہی ملائک و ملائکہ ہیں، جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے، انسان ایک مجموعہ قوائے ملکوتی اور قوائے بہیمی کا ہے اور ان دونوں قوتوں کی بے انتہا ضروریات ہیں، جو ہر قسم کی نیکی و بدی میں ظاہر ہوتی ہیں اور وہی انسان کے فرشتے اور ان کی ذرّیات

اور وہی انسان کے شیطان اور اس کی ذرّیات ہیں۔ (تفسیر القرآن وھوالھدیٰ والفرقان ج ۱ ص ۴۲، سر سید ریسرچ اکیڈمی، لاہور ۲۰۱۰ء)

معجزات کا انکار

سر سید احمد خان متوفی ۱۸۹۸ء لکھتے ہیں:

قرآنِ مجید میں کوئی امر ایسا نہیں ہے جو قانونِ فطرت کے برخلاف ہو: واما المعجزات فقد ثبت من القرآن انه علیه الصلوٰة والسلام ما ادعٰی باحد من المعجزات وقال علیه السلام: انما انا بشر مثلکم یوحٰی الی انما الٰهکم اله واحد وقال علیه السلام فی مقام آخر انما انا بشیر ونذیر۔

ترجمہ: ''رہے معجزات تو قرآن سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی ایک معجزہ کا بھی دعویٰ نہیں کیا، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں صرف تمہاری مثل بشر ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے اس کے سوا کچھ نہیں کہ میرا اور تمہارا معبود واحد ہے اور دوسرے مقام پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں صرف ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا ہوں''۔

(تفسیر القرآن وھوالھدیٰ والفرقان ج ۱ ص ۹، سر سید ریسرچ اکیڈمی، لاہور ۲۰۱۰ء)

نیز سر سید احمد خان لکھتے ہیں:

پس شاہ (ولی اللہ) صاحب معجزات کو مسبب باسباب سمجھتے ہیں اور اس قول پر معجزات کا وقوع قانونِ فطرت کے مطابق ہوتا ہے اور ہم کو اس میں کچھ بحث نہیں ہے، بحث اس میں ہے جب کہ معجزات کو مافوق الفطرت قرار دیا جائے جس کو انگریزی میں ''سپر نیچرل'' کہتے ہیں اور اس سے انکار کرتے ہیں اور ان کا وقوع ایسا ہی ناممکن قرار دیتے ہیں جیسے کہ قولی وعدہ کا ایفاء نہ ہونا۔ اور علانیہ کہتے ہیں کہ کسی ایسے امر کے واقع ہونے کا ثبوت نہیں ہے جو مافوق الفطرت ہو اور جس کو تم معجزہ قرار دیتے ہو اور اگر بفرضِ محال خدا کی قدرت کے حوالہ پر اس کو تسلیم بھی کریں تو وہ ایک بے فائدہ امر ہو گا جو نہ مثبت کسی امر کا ہے اور نہ مسکت ملخصم۔

بے شک ہمارے بعض اخوان کو اس پر غصہ آوے گا اور قرآن مجید میں سے بعض امور کو معجزہ قرار دے کر اور ان کو مافوق الفطرت سمجھ کر پیش کریں گے اور کہیں گے کہ قرآن مجید میں معجزات مافوق الفطرت موجود ہیں۔ (الیٰ قولہ)

لیکن کسی آیت کے کوئی معنی بیان کرنا اور اس کی صحت کے لیے خدا کے قادرِ مطلق ہونے کے حوالہ کرنا صحیح نہ ہوگا، کیونکہ ہمارے نزدیک خدا بموجب اپنے وعدہ کے سب کام اس قانون قدرت کے مطابق کرتا ہے جو اس نے بنایا ہے۔

(تفسیر القرآن وھوالھدیٰ والفرقان ج ۱ ص ۱۰-۱۱، سر سید ریسرچ اکیڈمی، لاہور ۲۰۱۰ء)

مفتی اعظم پاکستان علامہ منیب الرحمٰن زید مجدہٗ سر سید احمد خان کے انکارِ معجزہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

معجزہ کا انکار کرنا اس لئے صحیح نہیں ہے کہ وہ قوانینِ فطرت کے خلاف ہے، آج سائنس اور ٹیکنالوجی کی بدولت ایسے امور وجود میں آرہے ہیں جن کو آج سے چند سو سال پہلے کا انسان اسی طرح قوانینِ فطرت کے خلاف اور عقلی اعتبار سے محال تصور کرتا۔ آج ہم اپنی جسمانی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ انسانی علم اور ٹیکنالوجی کی طاقت سے ہوائی جہاز فضاؤں میں محوِ پرواز ہیں، ہزاروں سٹیلائٹ خلاء میں معلق ہیں، انسانی ساختہ راکٹ کی طاقت سے خلائی شٹل چاند پر پہنچی اور واپس صحیح سالم اتر آئی اور ابھی انسانیت کا یہ سفرِ ارتقاء جاری ہے۔ اگر آج سے پانچ سو سال پہلے کے انسان کے سامنے کوئی اس طرح دعویٰ کرتا تو کیا اسی طرح محالِ عقلی اور

قانونِ فطرت کے خلاف قرار دے کر اسے رد نہ کر دیا جاتا!(زاویہ نظر، روزنامہ دنیا نیوز 17-16 مئی 2014ء کراچی)

آسمان کے معروف معنی کا انکار

سر سید احمد خان متوفی ۱۸۹۸ء لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں جس کا بیان اس کے ہر ایک موقع پر آویگا، اس وسعت پر بھی سماء کا اطلاق ہوتا ہے جو ہر شخص اپنے سر کے اوپر دیکھتا ہے اور اس نیلی نیلی چیز پر بھی ہوا ہے جو گنبدی چھت کے مانند ہر شخص کو اس کے سر کے اوپر دکھائی دیتی ہے۔ اور ان چمکتے چمکتے جسموں پر بھی ہوا ہے جن کو ہم ستارے یا کواکب کہتے ہیں۔ بادلوں پر بھی ہوا ہے جو مینہ برساتے ہیں، مگر قرآن نے آسمان کے وہ معنی جو یونانی حکیموں نے بیان کیے ہیں کہیں نہیں بتائے اس لیے ہم ان سے انکار کرتے ہیں اور جو معنی قرآن نے بتائے ہیں انہی معنوں میں سے کوئی معنی سماء کے لفظ کے سمجھتے ہیں۔

اس مقام پر سماء کے لفظ سے وہ وسعت مراد ہے جو ہر شخص اپنے سر کے اوپر دیکھتا ہے۔

(تفسیر القرآن وھو الھدیٰ والفرقان ج ۱ ص ۳۸۔۳۹، سر سید ریسرچ اکیڈمی، لاہور ۲۰۱۰ء)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کا انکار

سر سید احمد خان متوفی ۱۸۹۸ء لکھتے ہیں:

ان تمام سندوں سے ثابت ہے کہ حضرت مسیح کے زمانہ کے سب لوگ اور خود حواری بھی جانتے تھے اور یقین کرتے تھے کہ حضرت عیسیٰ اپنے باپ یوسف کے تخم سے پیدا ہوئے ہیں نہ کہ بغیر باپ کے، مگر وہ حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا روحانی اعتبار سے کہتے تھے اسی خیال سے جس سے کہ یونانی اپنے ہاں کے بزرگوں کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔

(تفسیر القرآن وھو الھدیٰ والفرقان ج ۲ ص ۲۴، سر سید ریسرچ اکیڈمی، لاہور ۲۰۱۰ء)

سر سید احمد خان لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں یہ کہیں نہیں بیان ہوا کہ وہ بن باپ کے پیدا ہوئے۔

(تفسیر القرآن وھو الھدیٰ والفرقان ج ۲ ص ۲۵، سر سید ریسرچ اکیڈمی، لاہور ۲۰۱۰ء)

نیز سر سید احمد خان لکھتے ہیں:

لفظ ''کُنْ فَیَکُوْنُ ﴿۵۹﴾'' جو سورۂ آل عمران میں ہے، وہ کسی امر کے ہونے پر بلا اسباب قدرتی و فطرتی کے دلالت نہیں کرتا، کیونکہ ہر شئے کے ہونے کو خدا اسی طرح فرماتا ہے ''اذا اراد شیئا ان یقول له کن فیکون'' پس ہر شئے ''کُن'' کے حکم سے ہمیشہ قانون قدرت اور قاعدۂ فطرت کے مطابق ہوتی ہے، پس یہ الفاظ کسی طرح اس بات پر کہ حضرت مسیح کی ولادت فی الفور بلا قاعدہ فطرت اور بغیر باپ کے ہوئی تھی دلالت نہیں کرتے۔

''آیۃ للناس'' کے لفظ سے یہ سمجھنا کہ حضرت مسیح کو بغیر باپ کے بطور ایک نشانی معجزہ کے پیدا کیا تھا محض بے جا ہے، اس لیے کہ بے باپ کے پیدا ہونا (اگر بالفرض ہوا بھی ہو) ایسا امر مخفی ہے جو کسی طرح ''آیۃ للناس'' نہیں ہو سکتا۔

''بکلمة منهُ'' کے الفاظ یا ''کَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَآ اِلٰی مَرْیَمَ'' کے الفاظ بھی کسی طرح بن باپ کے پیدا ہونے پر دلالت نہیں

کرتے۔(الی قولہ)۔

حضرت مسیح کا حضرت مریم سے پیدا ہونا ایک امر محقق اور معین تھا یا یوں کہو کہ موعود تھا، پس اسی امرِ محقق یا موعود کو کلمة کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے اور جس طرح تمام قرآن میں کلمة کو اپنی طرف منسوب کیا ہے اسی طرح اس مقام پر بھی کیا ہے، ان الفاظ سے بن باپ کے پیدا ہونے پر کچھ بھی اشارہ نہیں نکلتا۔

سورۃ النساء میں جہاں خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کی نسبت فرمایا ہے کہ ''كَلِمَتُهٗۤ اَلْقٰهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ'' وہاں یہ بھی فرمایا ہے ''وَ رُوْحٌ مِّنْهُ'' اس لفظ سے بھی بن باپ کے پیدا ہونا نہیں ثابت ہوتا، تمام جانداروں کی نسبت کیا حیوان اور کیا انسان ''روح منه'' کا لفظ اطلاق کیا جا سکتا ہے۔ سوا اس کے اور کسی معنی میں حضرت عیسیٰ کی نسبت اس لفظ کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔

(تفسیر القرآن وھوالھدیٰ والفرقان ج ۲ ص ۲۸۔۲۹، سرسید ریسرچ اکیڈمی، لاہور ۲۰۱۰ء)

نیز سرسید احمد خان لکھتے ہیں:

بعضے لوگ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں ہر جگہ حضرت عیسیٰ کو ابن مریم کہا گیا ہے، اگر ان کے کوئی باپ ہوتا تو ان کی ابنیت باپ کی طرف منسوب کی جاتی نہ ماں کی طرف، مگر یہ دلیل نہایت بودی ہے، کیونکہ جب قرآن نازل ہوا تو حضرت عیسیٰ یہود اور نصاریٰ دونوں میں ابن مریم کے لقب سے مشہور تھے وہی مشہور لقب ان کا قرآن میں بھی بیان کیا گیا ہے، اس سے ان کا بے باپ پیدا ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ (تفسیر القرآن وھوالھدیٰ والفرقان ج ۲ ص ۳۵، سرسید ریسرچ اکیڈمی، لاہور ۲۰۱۰ء)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ آسمان پر اٹھائے جانے کا انکار

سرسید احمد خان متوفی ۱۸۹۸ء لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ کی وفات کے متعلق چار جگہ ذکر آیا ہے۔

اول تو سورۂ آل عمران میں اور وہ یہی آیت ہے جس کی ہم تفسیر لکھتے ہیں: ''اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَىَّ ---(آل عمران: ۵۵)'' (کہ جب اللہ نے عیسیٰ سے کہا کہ بے شک میں تجھ کو وفات دینے والا ہوں اور تجھ کو اپنی طرف رفع کرنے والا ہوں)۔

دوم: سورۂ مائدہ میں جہاں فرمایا ہے کہ ''جب اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ سے کہے گا کہ کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ تجھ کو اور تیری ماں کو خدا بناؤ تو حضرت عیسیٰ کہیں گے: میں نے ان سے نہیں کہا بجز اس کے جس کا تو نے مجھ کو حکم دیا تھا کہ خدا کی عبادت کرو جو میرا و تمہارا پروردگار ہے اور جب تک میں ان میں رہا ان پر شاہد تھا، پھر جب تو نے مجھ کو وفات دی تو تو ان پر نگہبان تھا اور تو ہر چیز پر گواہ ہے'' (المائدہ: ۱۱۷)۔

سوم: سورۂ مریم میں جہاں فرمایا ہے کہ ''جب حضرت مریم حضرت عیسیٰ کو علمائے یہود سے کلام کرنے کو لے آئیں تو حضرت عیسیٰ نے کہا کہ میں خدا کا بندہ اور نبی ہوں، مجھ کو کتاب ملی ہے اور مجھ کو حکم دیا ہے نماز کا اور زکوٰۃ کا کہ جب تک کہ میں زندہ رہوں اور اپنی ماں کے ساتھ نیکی کرنے کا اور اس کو جبار و شقی نہیں بنایا ہے اور مجھ پر سلامتی ہے جس دن کہ میں پیدا ہوا اور جس دن کہ مروں گا اور جس دن کہ پھر زندہ ہو کر اٹھوں گا (یعنی بروزِ حشر)۔ (مریم: ۳۲۔۳۳۔۳۴)

چہارم: سورۂ نساء میں جہاں یہودیوں کے کفر کے اقوال بیان کئے ہیں، وہاں ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''یہودی کہتے تھے: ہم نے عیسیٰ بن مریم رسولِ خدا کو قتل کر ڈالا حالانکہ نہ انہوں نے ان کو قتل کیا اور نہ صلیب پر مارا ولیکن ان پر (صلیب پر مار ڈالنے کی) شبیہ کر دی گئی اور جو لوگ کہ اس میں اختلاف کرتے ہیں کہ البتہ وہ اس بات میں شک میں پڑے ہیں کہ ان کو اس کا یقین نہیں ہے بجز گمان کی پیروی کے انہوں نے ان کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ خدا نے اپنے پاس ان کو اٹھا لیا''۔ (النساء: ۱۵۶)۔

پہلی تین آیتوں سے حضرت عیسیٰ کا اپنی موت سے وفات پانا علانیہ ظاہر ہے مگر جو کہ علمائے اسلام نے بہ تقلید بعض فرق نصاریٰ کہ قبل اس کے کہ مطلب قرآن مجید کے غور کریں یہ تسلیم کر لیا تھا کہ حضرت عیسیٰ زندہ آسمان پر چلے گئے ہیں، اس لیے انہوں نے ان آیتوں کے بعض الفاظ کو اپنی غیر محقق تسلیم کے مطابق کرنے کی بے جا کوشش کی ہے۔

پہلی آیت میں صاف لفظِ ''مُتَوَفِّیۡكَ'' کا واقع ہے جس کے معنی عموماً ایسے مواقع پر موت کے لیے کیے جاتے ہیں۔

یہی حال لفظِ ''تَوَفَّیۡتَنِیۡ'' کا ہے جو دوسری آیت کا ہے اور جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ جب تو نے مجھے موت دی اور میں مر گیا اور میں ان میں نہیں رہا اور تو ان کا نگہبان تھا۔

پہلی آیت میں اور چوتھی آیت میں لفظ ''رفع'' کا بھی آیا ہے جس سے حضرت عیسیٰ کی قدر و منزلت کا اظہار مقصود ہے نہ یہ کہ ان کے جسم کو اٹھا لینے کا۔

جن علماء نے ''مُتَوَفِّیۡكَ'' کے معنی ''ممیتك'' قرار دیئے تھے انہوں نے قرآن مجید کے ٹھیک معنی سمجھے تھے، ان کا خیال تھا کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ کو قتل نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی موت سے مرے مگر انہوں نے ''رَافِعُكَ'' کے معنوں میں غلطی کی جو یہ خیال کیا کہ پھر زندہ ہو کر آسمان پر چلے گئے، کیونکہ ''رَافِعُكَ'' کے لفظ سے جیسا ہم نے اوپر بیان کیا آسمان پر جانا لازم نہیں آتا۔

حضرت عیسیٰ کو یہودیوں نے نہ سنگسار کر کے قتل کیا نہ صلیب پر قتل کیا بلکہ وہ اپنی موت سے مرے اور خدا نے ان کے درجہ اور موت کو مرتفع کیا۔

اب باقی رہی چوتھی آیت جس میں مذکور ہے ''وَ لٰکِنۡ شُبِّہَ لَہُمۡ''۔ تشبیہ میں چار چیزیں ہوتی ہیں: ایک مشبہ، ایک مشبہ بہ، ایک وجہ تشبیہ اور ایک مشبہ لہٗ، اس آیت میں صرف دو چیزیں بیان ہوئی ہیں ایک مشبہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے دوسری مشبہ لہم جو یہودی تھے اور جو درپے قتل حضرت مسیح تھے۔ مشبہ بہ قرآن مجید میں مذکور نہیں ہے، علمائے اسلام نے جب بعض عیسائی فرقوں کا یہ قول پایا کہ شمعون یا یہودا جب صلیب پر چڑھایا گیا تھا انہوں نے جھٹ قرآن کے معنی بدل دیے، اور یہودا یا شمعون کو مشبہ اور حضرت عیسیٰ کو مشبہ بہ اور یہودا یا شمعون کی تبدیل صورت کو وجہ تشبیہ قرار دیا، حالانکہ یہاں صرف مشبہ بہ محذوف ہے اور وہ ''موتی'' ہے اور وجہ تشبیہ وہ حالت ہے جو حضرت عیسیٰ پر طاری ہوئی تھی جس کے سبب وہ مردہ تصور ہوئے تھے۔ پس تقدیر آیت کی یہ ہے کہ ''وما صلبوہ ولکن شبہ لهم بالموتی'' اور اس مقام پر صلیب کا کچھ ذکر نہیں ہے بلکہ صرف قتل کی نفی کی اور اس سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ اوپر جو صلیب کی نفی کی تھی اس سے نفی قتل بالصلیب مراد تھی نہ مطلق صلیب کی۔ ثم اماته الله باجل مسمی ورفعه اليه کما قال الله تعالیٰ بل رفعه الله اليه۔

(تفسیر القرآن وھو الھدیٰ والفرقان ج ۲ ص ۴۱۔۴۶ ملخصاً و ملتقطاً، سر سید ریسرچ اکیڈمی، لاہور ۲۰۱۰ء)

مرزا غلام احمد قادیانی متوفی ۱۹۰۸ء کے عقائد کا سرسید احمد خان کے عقائد کا چربہ ہونا

مذکور الصدر سطور میں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ سرسید احمد خان حضرت عیسیٰ بن مریم علیہم السلام کو بے باپ کا بیٹا نہیں مانتا تھا بلکہ وہ ان کو یوسف کا بیٹا مانتا تھا اور ان کی موت کا قائل تھا اور ان کو زندہ آسمان پر اٹھائے جانے کا منکر تھا اور "رَافِعُكَ اِلَیَّ" کی یہ تاویل کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ میں تمہارا مرتبہ بلند کروں گا، سو یہی عقائد مرزا غلام احمد قادیانی متوفی ۱۹۰۸ء نے اختیار کئے، اس سے معلوم ہوا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کا مذہب دراصل سرسید احمد خان کے افکار کا چربہ ہے، کیونکہ سرسید احمد خان ۱۸۹۸ء میں فوت ہوا ہے اور اس کے دس سال بعد مرزا غلام احمد قادیانی فوت ہوا، لہٰذا مرزا غلام احمد قادیانی کا مذہب دراصل سرسید احمد خان کے نظریات کی فرع ہے۔

معراجِ جسمانی کا انکار

سرسید احمد خان متوفی ۱۸۹۸ء لکھتے ہیں:

ہماری تحقیق میں واقعۂ معراج ایک خواب تھا جو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا تھا، اس خواب میں یہ بھی دیکھا کہ جبرائیل نے آپ کا سینہ چیرا اور اس کو زمزم سے دھویا قابلِ انکار نہیں ہے اور نہ کوئی اس سے انکار کرنے کی کوئی وجہ ہے۔

بعض کتابیں حدیث کی جیسے کہ بیہقی اور دار قطنی اور مثل ان کے ہیں اور کتبِ سیر و تواریخ جیسا کہ مواہب لدنیہ اور سیرت ابن ہشام وغیرہ ہیں، وہ جب تک ان کے صحیح ہونے یا غلط نہ ہونے کی کوئی وجہ نہ ہو مطلقاً قابلِ التفات نہیں ہیں اور ان کی اکثر حدیثیں اور روایتیں نامعتبر اور موضوع ہیں، ان پر استدلال کرنے سے زیادہ کوئی کام نادانی وسفاہت وبلادت کا نہیں ہے۔

(تفسیر القرآن وھوالھدیٰ والفرقان ج ۶ ص ۱۳۰-۱۳۱، سرسید ریسرچ اکیڈمی، لاہور ۲۰۱۰ء)

سرسید کی مذکور تفسیر پر مصنف کا تعاقب

سرسید کی یہ تفسیر بداہۃً باطل ہے، کیونکہ اگر قصۂ معراج صرف خواب کا معاملہ ہوتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریشِ مکہ کے سامنے اپنا خواب بیان کیا ہوتا کہ میں خواب میں براق پر بیٹھ کر مکہ سے مسجدِ اقصیٰ گیا اور پھر مسجدِ اقصیٰ سے ساتوں آسمان تک گیا اور پھر ساتویں آسمان سے سدرۃ المنتہیٰ اور عرش اور اس کے ماوراء تک گیا تو پھر قریشِ مکہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معراج کی تکذیب کی کیا ضرورت تھی؟ کیونکہ خواب میں انسان جو چاہے دیکھ لے اور جس کے سامنے چاہے اپنا خواب بیان کر دے، ان میں سے کوئی امر قابلِ تعجب اور باعثِ انکار نہیں ہے جب کہ قریشِ مکہ نے اس پر زبردست انکار کیا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ صرف خواب کا واقعہ نہیں تھا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بیان فرمایا تھا کہ وہ بیداری میں مسجدِ حرام سے چل کر راتوں رات مسجدِ اقصیٰ جا پہنچے اور پھر اسی رات وہاں سے واپس بھی آ گئے، اس سے واضح ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معراج خواب کا واقعہ نہیں تھی بلکہ بیداری میں آپ کو اپنے جسمِ اقدس کے ساتھ معراج ہوئی تھی۔

مفتی اعظم پاکستان علامہ منیب الرحمٰن دامت فیوضہم لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس دعویٔ معراج کے پہلے مخاطبین اہلِ مکہ تھے، وہ اہلِ زبان بھی تھے اور انہوں نے اس دعویٰ کی

حقیقت کو بھی جان لیا تھا۔ اگر محض خواب میں کوئی مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ یا آسمانوں کی سیر کا دعویٰ کرے تو اس پر اتنی بحث و تمحیص کی نوبت ہی نہ آتی، آج بھی کوئی شخص عالم خواب میں مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک کی سیر کا دعویٰ کر سکتا ہے، اعتراض کا تو سبب ہی یہ تھا کہ انہوں نے اس دعویٰ کو خواب پر محمول نہیں کیا بلکہ عالم بیداری میں بظاہر ایک ناقابلِ یقین سفر کا دعویٰ سمجھا۔ اسی لیے تو قرآن نے اسے فتنہ (آزمائش) قرار دیا، اسے مومنین صادقین اور معاندین اور منکرین کو چھانٹ کر الگ الگ کرنے کی کسوٹی بنا دیا۔ کفارِ مکہ نے واقعۂ معراج کو قوانینِ فطرت کے خلاف اور عقل کی ضد جانا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کسی تردد کے بغیر کہا: ''اگر یہ دعویٰ محمد رسول اللہ نے کیا ہے، تو میں اس کی تصدیق کرتا ہوں، تم اس ایک دعویٰ کے بارے میں متردد ہو، ان کے پاس تو آئے دن جبریلِ امین علیہ السلام وحی ربانی لے کر آتے ہیں اور ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں''۔

(زاویۂ نظر، روزنامہ دنیا نیوز 17-16 مئی 2014ء کراچی)

قرآنِ مجید کی تعظیم اور تکریم کا انکار

سرسید احمد خان متوفی ۱۸۹۸ء لکھتے ہیں:

قرآن مجید بلاشبہ کلام اللہ ہے، مگر انسانوں کی زبان اور انسانوں کے کلام کے طرز پر، پس اس کلام کو مثل ایک انسان کے کلام کے تصور کرنا چاہیے اور اس سے معانی و مطالب و احکام و مقاصد اخذ کرنے اور اس سے دلیلیں قائم کرنے میں اس کو انسان کے کلام سے زیادہ کچھ رتبہ نہیں دینا چاہیے۔ (تفسیر القرآن وھو الھدیٰ والفرقان ج ۱ ص ۱۲۲، سرسید ریسرچ اکیڈمی، لاہور ۲۰۱۰ء)

سرسید احمد خان کے معاصرین کا ان سے بیزاری کا اظہار

شیخ امین احسن اصلاحی متوفی ۱۹۹۷ء لکھتے ہیں:

یہ وہ زمانہ ہے جب سرسید مرحوم مغربی نظریات سے مرعوبیت کے سبب سے قرآن مجید کی من مانی تاویلات کر رہے تھے اور مسلمانوں کا وہ طبقہ جو انگریزوں اور انگریزوں کے لائے ہوئے افکار و نظریات سے مرعوب تھا، بری طرح ان من مانی تاویلات کا شکار ہو رہا تھا۔ مولانا (شیخ حمید الدین فراہی متوفی ۱۹۳۰ء) نے اس فتنہ کو جہاں انگریزوں کے تسلط کا ایک قدرتی نتیجہ خیال کیا وہاں اس حقیقت پر بھی ان کی نظر گئی کہ مذہبی علوم خصوصاً قرآن کے سمجھنے سمجھانے کا جو طریقہ مسلمانوں میں رائج اور مقبول رہا ہے وہ بالکل غلط اور فرسودہ ہے اور اس غلط اور فرسودہ طریقہ نے مسلمانوں کے تعلیم یافتہ طبقہ کو فکری اعتبار سے اس قدر کمزور اور منفعل بنا دیا ہے کہ وہ بڑی آسانی سے ہر فتنہ کا شکار ہو سکتے ہیں۔ (مجموعہ تفاسیر فراہی ص ۱۳، فاران فاؤنڈیشن، لاہور ۲۰۰۸ء)

نیز شیخ امین احسن اصلاحی متوفی ۱۹۹۷ء لکھتے ہیں:

غالباً اسی زمانہ میں سرسید مرحوم کی تفسیر قرآن کا عربی میں ترجمہ کرانے کا خیال پیدا ہوا اور اس کام کے لئے لوگوں کی نظرِ انتخاب مولانا (شیخ حمید الدین فراہی) پر پڑی، لیکن جب مولانا کے سامنے یہ تجویز رکھی گئی تو مولانا نے فرمایا کہ ''میں اس اشاعتِ معصیت میں کوئی حصہ لینا نہیں چاہتا''، مولانا کے اس جواب کے بعد پھر کوئی شخص ان کے سامنے یہ تجویز لانے کی جرأت نہ کر سکا بلکہ غالباً مولانا کے اس جواب کے بعد تفسیر کے عربی ترجمہ کی تجویز ہی سرے سے ختم ہو گئی۔

(مجموعہ تفاسیر فراہی ص ۱۱، فاران فاؤنڈیشن، لاہور ۲۰۰۸ء)

قرآن مجید کی بعض منتخب تفاسیر

(۱) امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ کی تفسیر ''جامع البیان'' ہے، وہ اس تفسیر میں متضاد اقوال میں تطبیق دیتے ہیں اور بعض کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں۔

(۲) امام ابن ابی حاتم عبدالرحمٰن بن محمد رازی متوفی ۳۲۷ھ کی تفسیر ''تفسیر القرآن العظیم'' ہے، اس تفسیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشادات اور صحابہ کرام اور فقہاء تابعین کے اقوال ذکر کئے گئے ہیں۔

(۳) امام ابومنصور محمد بن محمد الماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ کی تفسیر ''تاویلات اہل السنۃ'' ہے، اس تفسیر میں فقہاءِ احناف کے دلائل ذکر کئے گئے ہیں۔

(۴) امام ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص المتوفی ۳۷۰ھ کی ''احکام القرآن'' ہے، اس تفسیر میں قرآنِ مجید کی آیات کے تحت فقہ حنفی کے دلائل ذکر کئے گئے ہیں۔

(۵) امام محمد بن عمر رازی المتوفی ۶۰۶ھ کی ''تفسیر کبیر'' ہے، یہ بہت مبسوط، جامع اور نہایت عمدہ تفسیر ہے، اس تفسیر میں عقائدِ اہلسنت پر دلائل فراہم کئے گئے ہیں اور المعتزلہ اور الخوارج، شیعہ اور دیگر گمراہ فرقوں کا رد کیا گیا ہے۔

ہم اپنی تفسیر ''تبیان الفرقان'' کے بصائر تفسیر میں اتنا ہی لکھنا چاہتے تھے تاکہ قارئین کرام کو جدید آزاد خیال مفکرین کے افکار سے آگاہی حاصل ہو اور ہم ان کے غلط نظریات کا تفصیل سے رد ان شاء اللہ العزیز ان سے متعلقہ آیات کی تفسیر میں پیش کریں گے اور اب ہم اللہ کا نام لے کر اور اس کی مدد سے سورۃ الفاتحہ کی تفسیر شروع کریں گے، اللہ تعالیٰ مجھے اس سورت کی تفسیر میں وہی حقائق پیش کرنے کی توفیق الہام فرمائے جو حق وصواب ہوں اور ان حقائق کے قبول کرنے اور ان کے پیغام پر عمل کرنے کی قارئین کرام کو سعادت عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین بجاہ سیدنا محمد قائد المرسلین شفیع المذنبین علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ الف الف صلوات وتسلیمات۔

الفاتحہ
(۱)

آیاتھا ۷ ۱ سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃِ مَکِّیَّۃٌ ۵ رکوعھا ۱

(سورۃ الفاتحہ مکی ہے اور اس میں ایک رکوع اور سات آیات ہیں)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

میں شیطان مردود کی وسوسہ اندازیوں سے اللہ عزوجل کی پناہ میں آتا ہوں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ عزوجل کے بابرکت نام سے ہی (ابتداء ہے) جو سب پر رحم فرمانے والے، نہایت مہربان ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

تمام تعریفیں اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہیں جو تمام جہانوں کی پرورش فرمانے والے ہیں ۝ سب پر رحم فرمانے والے نہایت مہربان ہیں ۝

مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ۝

جزاء (اور سزا) کے دن کے مالک ہیں ۝ (اے اللہ! ہمیں توفیق دے) کہ ہم فقط آپ ہی کی عبادت کریں اور صرف آپ ہی سے مدد طلب کریں ۝

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ۵

ہمیں (ہمیشہ) سیدھے راستہ پر چلائیں ۝ ان لوگوں کا راستہ، جن پر آپ نے انعام فرمایا،

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۝

نہ ان لوگوں کا راستہ جن پر غضب کیا گیا اور نہ (ہی) گمراہوں کا راستہ ۝

لفظِ شیطان کے لغوی معنی

علامہ ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور الافریقی البصری المتوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

شَیْطَانٌ، فَیْعَالٌ کے وزن پر شطن سے ماخوذ ہے جس کے معنی دور ہونے کے ہیں، اور شیطان ابلیس کا معروف نام ہے اور جن اور انسان اور چوپایوں میں سے جو بھی سرکش ہو اس کو شیطان کہا جاتا ہے، ابلیس کو شیطان اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت سے بہت دور جا پڑا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ الشیطان، فعلان کے وزن پر شاط یشیط سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: جب کوئی شخص ہلاک ہو جائے اور جل جائے، ابلیس کو شیطان اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب اور اس کے عذاب میں ہلاک ہو گیا۔

(لسان العرب ج ۸ ص ۸۱، دار صادر، بیروت ۲۰۰۲ء)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿٩٨﴾ (النحل: ٩٨)

اے رسول مکرم! پس جب آپ قرآن کی تلاوت کرنے لگیں تو شیطان مردود کی وسوسہ اندازیوں سے اللہ کی پناہ طلب کریں O

اس آیت کا محمل یہ ہے کہ جب آپ قرآن مجید کی تلاوت کا ارادہ کریں تو ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ'' پڑھیں۔

''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ'' پڑھنے کی فضیلت میں احادیث

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا (راوی عمرو بن مرّہ نے کہا: میں نہیں جانتا کہ وہ کون سی نماز تھی) پس آپ نے پڑھا: ''الله اکبر کبیرا، الله اکبر کبیرا، الله اکبر کبیرا، والحمد لله کثیرا، والحمد لله کثیرا، والحمد لله کثیرا، وسبحان الله بکرۃ واصیلا، وسبحان الله بکرۃ واصیلا، وسبحان الله بکرۃ واصیلا، اعوذ بالله من الشیطان من نفخه ونفثه وهمزه''۔

(سنن ابوداؤد: ٧٦٤، سنن ابن ماجہ: ٨٠٧، مسند احمد: ١٦٧٨٤، سنن ابوداؤد الطیالسی: ٩٤٧، مسند احمد ج ٤ ص ٨٠۔٨١، صحیح ابن حبان: ١٧٧٩، صحیح ابن خزیمہ: ٤٦٩، سنن بیہقی ج ٢ ص ٣٥، المستدرک للحاکم ج ١ ص ٢٣٥)

راوی عمرو بن مرّہ نے کہا کہ ''نفخ'' کا معنی ہے: تکبر اور ''نفث'' کا معنی ہے: شیطان کا پھونک مارنا اور ''همز'' کا معنی ہے: جنون۔

حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور دو مرد ایک دوسرے کو گالیاں دے رہے تھے، پس ان میں سے ایک کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اس کی رگیں پھول گئیں تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے ایسے ''کلمہ'' کا علم ہے کہ اگر یہ شخص وہ کلمہ پڑھ لے تو اس کے دل میں جو غیظ و غضب ہے وہ جاتا رہے گا، اگر یہ پڑھے ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ'' تو اس کے دل میں جو غیظ و غضب ہے وہ جاتا رہے گا، آپ کے اصحاب نے اس شخص سے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: تم ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ'' پڑھو، اس نے کہا: کیا میں دیوانہ ہوں۔

(صحیح البخاری: ٣٢٨٢، صحیح مسلم: ٢٦١٠، سنن ترمذی: ٣٤٥٢، سنن ابوداؤد: ٤٧٨١، مسند احمد: ٢١٦٠٦، مصنف ابن ابی شیبہ ج ٨ ص ٥٣٣، صحیح ابن حبان: ٥٦٩٢، الطبرانی: ٦٤٨٨، المستدرک ج ٢ ص ٤٤١)

حضرت عثمان بن ابی العاص الثقفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! شیطان میرے اور میری نماز اور میرے قرآن پڑھنے کے درمیان حائل ہو گیا ہے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: اس شیطان کا نام خنزب ہے، پس جب تم اس کو محسوس کرو تو ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ'' پڑھو اور اپنی بائیں جانب تین مرتبہ تھوک دو، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس شیطان کے وسوسہ سے مجھ کو دور کر دیا۔ (صحیح مسلم: ٢٢٠٣)

حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جو شخص کسی جگہ جا کر ٹھہرے پھر یہ پڑھے ''اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ'' تو اسے کوئی چیز ضرر نہیں پہنچائے گی حتیٰ کہ وہ واپس آ جائے۔

(صحیح مسلم: ٢٧٠٨، موطا امام مالک: ج ٢ ص ٩٧٨، مصنف عبدالرزاق: ٩٢٦١، مسند احمد: ٢٦٥٧٩، ج ٦ ص ٣٧٧، سنن ترمذی: ٣٤٣٧، عمل الیوم واللیلۃ للنسائی: ٥٦٠۔٥٦١، سنن دارمی ج ٢ ص ٢٨٧، صحیح ابن خزیمہ: ٢٥٦٦، صحیح ابن حبان: ٢٧٠٠، سنن بیہقی ج ٥ ص ٢٥٣)

''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ'' پڑھنے کے متعلق مذاہبِ ائمہ

علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ المقدسی الدمشقی الحنبلی المتوفی ۶۲۰ ھ لکھتے ہیں:

نماز میں قراءت شروع کرنے سے پہلے ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ'' پڑھنا سنت ہے۔ حسن بصری، ابن سیرین، عطاء بن ابی رباح، ثوری، اوزاعی، امام شافعی، اسحاق، فقہاء احناف اور امام احمد کا یہی مسلک ہے اور امام مالک نے کہا کہ فرض نماز میں قراءت سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ نہ پڑھے، البتہ رمضان کی تراویح میں پڑھے، ہماری دلیل قرآنِ مجید کی یہ آیت ہے: ''فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ ۔۔۔ (النحل: ۹۸)''۔

اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب آپ نماز کی طرف کھڑے ہوتے تو ثناء پڑھتے، پھر آپ پڑھتے: ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ من همزه ونفخه ونفثه''۔

(سنن ابوداؤد: ۷۷۵، سنن ترمذی: ۲۴۲، مسند احمد ج ۳ ص ۵۰، سنن دارمی: ۱۲۳۹)

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ منقول ہے کہ آپ قرآن کی قراءت سے پہلے پڑھتے تھے: ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ'' اور یہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا قول ہے۔ اور امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ وہ کہے: ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ'' اور حنبل سے ماخوذ ہے کہ وہ اس کے بعد یہ اضافہ کرتے تھے: ''اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ'' اور ان تمام کلمات میں وسعت ہے اور جس طرح سے بھی استعاذہ کرے وہ مستحسن ہے اور ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ'' آہستہ پڑھے اور بلند آواز سے نہ پڑھے، اور مجھے اس میں کسی کے اختلاف کا علم نہیں ہے۔ (المغنی ج ۲ ص ۲۴، دار الحدیث، القاہرہ، ۱۴۲۵ھ)

''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ'' پڑھنے کا محل، اس کی حکمت اور اس میں مذاہب

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی الشافعی المتوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ۔۔۔ الخ'' پڑھنے کا محل سورۂ فاتحہ سے پہلے ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ (النحل: ۹۸)
اے رسول مکرم! پس جب آپ قرآن کی تلاوت کرنے لگیں تو شیطان مردود کی وسوسہ اندازیوں سے اللہ کی پناہ طلب کریں ۝

ظاہر ہے کہ قرآنِ مجید کی تلاوت کے بعد تو ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ۔۔۔ الخ'' پڑھنا مراد نہیں ہے جیسا کہ فاءِ تعقیب کا مدلول ہے، اس لئے اس کا معنی یہ ہے کہ جب آپ قرآن مجید کی تلاوت کا ارادہ کریں تو ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ۔۔۔ الخ'' پڑھیں۔

اور اس کی حکمت یہ ہے کہ جب کوئی مسلمان قرآن مجید کی تلاوت شروع کرے گا تو اس کے دل میں اپنی بڑائی، برتری اور اپنی نیکو کاری کا وسوسہ آ سکتا ہے، اس لئے اس وسوسہ کو دور کرنے کے لیے تلاوت سے پہلے ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ۔۔۔ الخ'' پڑھنے کا حکم دیا۔

عطاء بن ابی رباح نے کہا: جب بھی قرآن مجید کی تلاوت کی جائے تو اس سے پہلے ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ۔۔۔ الخ'' پڑھنا واجب ہے خواہ وہ نماز میں قرآن مجید کو پڑھے یا خارج از نماز قرآن مجید کو پڑھے۔ اور ابن سیرین نے کہا: جب کوئی مرد اپنی زندگی میں ایک مرتبہ ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ۔۔۔ الخ'' پڑھ لے تو اس سے اس کے پڑھنے کا وجوب ساقط ہو جائے گا۔ اور دیگر فقہاءِ تابعین نے کہا ہے کہ ہر

مرتبہ قرآن مجید کی تلاوت سے پہلے ''اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ۔ الخ'' پڑھنا واجب نہیں ہے۔

جمہور فقہاء کی یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اعرابی کو نماز کے اعمال کی تعلیم دی تو آپ نے اس کو سورۂ فاتحہ پڑھنے سے پہلے ''اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ۔ الخ'' پڑھنے کا حکم نہیں دیا لیکن اس پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعرابی کو نماز کے تمام واجبات کی تعلیم نہیں دی تھی، کیونکہ تعدیلِ ارکان بھی واجب ہے اور آپ نے اعرابی کو تعدیلِ ارکان کی تعلیم نہیں دی تھی، اسی طرح نماز کو لفظ سلام کے ساتھ ختم کرنا واجب ہے لیکن آپ نے اعرابی کو لفظِ سلام کے ساتھ نماز ختم کرنے کی تعلیم نہیں دی تھی۔

اکثر فقہاء کے نزدیک قرآن مجید کی تلاوت سے پہلے ''اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ۔ الخ'' پڑھنا مستحب ہے اور امام مالک نے کہا کہ فرض نماز میں ''اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ۔ الخ'' نہیں پڑھے گا تاہم تراویح میں قراءت سے پہلے ''اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ۔ الخ'' پڑھے گا، کیونکہ اگر اس کے پڑھنے کا وجوب حتمی نہیں ہے تو وہ استحباب سے بھی خالی نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۶۶۔ ۶۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ عزوجل کے بابرکت نام سے ہی (ابتداء ہے) جو سب پر رحم فرمانے والا، نہایت مہربان ہے

اکثر مترجمین نے ''بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' کا ترجمہ مفرد کیا ہے اور بعض مترجمین نے اس کا ترجمہ بطورِ جملہ کیا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کے چند مشہور تراجم

(۱) شیخ محمود الحسن متوفی ۱۳۳۹ھ لکھتے ہیں:

''شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے''۔

(۲) امام احمد رضا خان قادری متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

''اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا''۔

(۳) شیخ فتح محمد جالندھری لکھتے ہیں:

''شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے''۔

(۴) سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

''اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے''۔

(۵) علامہ سید احمد سعید کاظمی متوفی ۱۴۰۶ھ لکھتے ہیں:

''اللہ نہایت رحمت والے بے حد رحم فرمانے والے کے نام سے''۔

(۶) پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری لکھتے ہیں:

''اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

(ان تمام مترجمین نے بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کا ترجمہ بطورِ مفرد کیا ہے)۔

(۷) علامہ عبد الحکیم شرف قادری متوفی ۱۴۲۸ھ، لکھتے ہیں:

''اللہ انتہائی مہربان، بہت ہی رحم فرمانے والے کے نام سے شروع''

(۷) شاہ رفیع الدین محدث دہلوی متوفی لکھتے ہیں:

''شروع کرتا ہوں میں ساتھ نام اللہ بخشش کرنے والے مہربان کے''۔

(۸) شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ لکھتے ہیں:

''شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں''۔

(۹) پیر محمد کرم شاہ الازہری متوفی ۱۴۱۹ھ لکھتے ہیں:

''اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

(مذکور الصدر مترجمین نے ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ'' کا ترجمہ بطورِ جملہ فعلیہ کیا ہے)۔

(۱۰) راقم الحروف غلام رسول سعیدی نے ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ'' کا ترجمہ بطورِ جملہ اسمیہ کیا ہے کہ:

''اللہ عزوجل کے بابرکت نام سے ہی (ابتداء ہے) جو سب پر رحم فرمانے والا، نہایت مہربان ہے''۔

''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ'' کے ترجمہ میں مصنف کے تفردات

(۱) دیگر مترجمین نے ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ'' کا ترجمہ یا بطورِ مفرد کیا ہے یا بطورِ جملہ فعلیہ، اور ہم نے اس کا ترجمہ بطورِ جملہ اسمیہ کیا ہے۔

(۲) امام احمد رضا خان، سید ابوالاعلیٰ مودودی، سید احمد سعید کاظمی، پیر محمد کرم شاہ الازہری اور پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ'' کے ترجمہ میں لفظِ اللہ کو پہلے ذکر کیا ہے اور پھر شروع وغیرہ کا ذکر کیا ہے، اسی طرح مصنف نے بھی پہلے اللہ عزوجل کے بابرکت نام کا ذکر کیا ہے بعد میں ابتداء کا ذکر کیا ہے۔

(۳) ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ'' کے کسی مترجم نے بھی اس کے ترجمہ میں کسی لفظِ حصر کا ذکر نہیں کیا یعنی اللہ عزوجل کے نام سے ہی ابتداء ہونی چاہیے نہ کہ کسی اور کے نام سے، اور مصنف نے اس کے ترجمہ میں لفظِ حصر کا ذکر کیا ہے: ''اللہ عزوجل کے بابرکت نام سے ہی (ابتداء ہے)''۔

(۴) بِسْمِ اللّٰهِ کے ترجمہ میں ہم نے لکھا ہے ''اللہ عزوجل کے بابرکت نام سے''، ''بابرکت'' کا اضافہ ہم نے بِسْمِ اللّٰهِ کی باء سے مستنبط کیا ہے کیونکہ کلامِ عرب میں باء متعدد معانی کے لئے آتی ہے، ان میں سے ایک معنیٰ ''استعانت اور مدد طلب کرنے کا'' ہے اور اس میں اس اعتراف اور اقرار کی طرف اشارہ ہے کہ ہم پر جو اللہ تعالیٰ کے احسانات اور انعامات ہیں وہ ہمارے کسی فعل کا استحقاق نہیں ہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکت کا تقاضا ہیں۔

(۵) بِسْمِ اللّٰهِ کے ترجمہ میں ہم نے لکھا ہے ''جو سب پر رحم فرمانے والا، نہایت مہربان ہے''۔ اس کا استنباط ہم نے اس سے کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رحمٰن کو رحیم کے بالمقابل ذکر فرمایا ہے اور رحمٰن کے لفظ میں رحیم کی بہ نسبت زیادہ مبالغہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ آخرت میں صرف مومنین پر رحم فرمائے گا اور دنیا میں اللہ تعالیٰ مومنوں پر بھی رحم فرماتا ہے اور کافروں پر بھی رحم فرماتا ہے، اس لیے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں رحمٰن ہے اور آخرت میں رحیم ہے۔

لفظ اللہ کا لغوی اور عرفی معنی

علامہ ابوالقاسم الحسین بن محمد الراغب الاصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ لفظِ اللہ کی اصل الٰہٌ ہے، اس کے شروع میں ہمزہ کو حذف کر کے اس کے اوپر الف لام کو داخل کر دیا گیا اور یہ لفظ اللہ عزوجل کے ساتھ مخصوص ہو گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ؁ (مریم: ۶۵)

آسمانوں اور زمینوں کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے (وہ) ان (سب) کا رب ہے، سو تم اس کی عبادت کرو اور اس کی عبادت پر جمے رہو، کیا تم کوئی دوسرا اس کا ہم نام جانتے ہو؟O

اور دوسرا قول ہے کہ یہ لفظ "اَلِهَ فُلَانٌ يَاْلَهُ" سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: فلاں نے عبادت کی، اس بناء پر لفظِ اللہ کا معنی ہے معبود۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ "اَلِهَ" سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: حیران ہوا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں غور و فکر کرتا ہے تو وہ حیران ہو جاتا ہے، اسی وجہ سے حدیث میں وارد ہے: "اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غور و فکر کرو اور اللہ تعالیٰ کی ذات میں غور و فکر نہ کرو"۔ (المعجم الاوسط: ۶۴۵۶، شعب الایمان للبیہقی ج ۱ ص ۷۵)

چوتھا قول یہ ہے کہ لفظِ اللہ کی اصل "وِلَاهٌ" ہے، اس کا معنی ہے: کسی سے شدید محبت کرنا، اور ہر مخلوق اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ محبت کرتی ہے یا غیر اختیاری طور پر جیسے جمادات اور حیوانات ہیں اور یا اختیاری طور پر جیسے بعض لوگ اللہ تعالیٰ سے شدید محبت کرتے ہیں، اسی وجہ سے بعض حکماء نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کے نزدیک محبوب ہے اور اس پر قرآن مجید کی یہ آیت دلیل ہے:

وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ (بنی اسرائیل: ۴۴)

اور ہر چیز (اللہ تعالیٰ کی) حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیحات (کی کیفیت) کو سمجھ نہیں سکتے۔

پانچواں قول یہ ہے کہ لفظِ اللہ کی اصل "لَاهَ یَلُوْهُ لِیَاهًا" ہے، اس کا معنی ہے: محجوب ہونا یعنی نظر سے غائب ہونا، اس معنی پر درج ذیل آیت دلالت کرتی ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ۔ (الانعام: ۱۰۳)

نظریں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ تمام نظروں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

تحقیق یہ ہے کہ لفظ "اِلٰهٌ" کو صیغہ جمع کے ساتھ نہ لایا جائے، کیونکہ اللہ عزوجل کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے لیکن عربوں کا اعتقاد تھا کہ یہاں پر متعدد معبودات ہیں اس لئے وہ جمع کا صیغہ لاتے ہیں، سو انہوں نے کہا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا (الانبیاء: ۴۳)

کیا ان (مشرکین) کے لیے ہمارے علاوہ چند اور معبود ہیں جو ان کو ہمارے عذاب سے بچا لیں گے؟

"اَللّٰهُمَّ" اس کا معنی ہے: یا اللہ، یاء کو حذف کر کے اس کے آخر میں دو میم داخل کر دی گئیں اور یہ لفظ اللہ تعالیٰ سے دعا کے ساتھ مخصوص ہے۔ (المفردات فی غریب القرآن ج اول ص ۲۶، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ ھ)

رحمٰن اور رحیم کے لغوی اور عرفی معنی

علامہ ابوالقاسم الحسین بن محمد الراغب الاصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

رحمٰن اور رحیم کے الفاظ ''رَحِمَ'' سے ماخوذ ہیں اور رحمت کے دو معنی ہیں: ایک معنی ہے: رقتِ قلب یعنی دل کا نرم اور پتلا ہونا، اور دوسرا معنی ہے: کسی پر احسان کرنا اور جب یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہو تو پھر اس کا معنی صرف احسان اور افضال ہوتا ہے نہ کہ دل کا نرم ہونا، حدیث میں ہے:

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: ''میں رحمٰن ہوں، میں نے رِحم کو پیدا کیا اور اپنے نام سے اس کا نام بنایا، پس جو رِحم کو ملائے گا میں اس کے ساتھ ملوں گا اور جو رحم کو قطع کرے گا میں اس سے قطع کروں گا''۔ (سنن ترمذی: ۱۹۰۷، مسند احمد: ۱۶۸۳، ج ۱ ص ۱۹۴)

رحمٰن کا لفظ صفتِ مشبہ ہے اور ندمان کے وزن پر ہے اور رحیم کا لفظ بھی صفت مشبہ ہے اور یہ ندیم کے وزن پر ہے، رحمٰن کا اطلاق صرف اللہ عزوجل کی ذات پر کیا جاتا ہے اس حیثیت سے کہ اس کا معنی صرف اللہ ہی کے لیے صحیح ہے کیونکہ اللہ ہی کی رحمت ہر چیز کو شامل ہے اور رحیم کا لفظ اللہ تعالیٰ کے غیر کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے جس کی رحمت بہت زیادہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کے لیے لفظِ رحیم کے استعمال کی مثال یہ آیت ہے:

اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۷۳﴾ (البقرہ: ۱۸۲) — بے شک اللہ بہت زیادہ بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے O

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے لفظِ رحیم کے استعمال کی مثال یہ آیت ہے:

لَقَدۡ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ عَزِیۡزٌ عَلَیۡہِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِیۡصٌ عَلَیۡکُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۲۸﴾ (التوبہ: ۱۲۸) — تحقیق تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک عظیم رسول تشریف لے آئے جن کو تمہارا مشقت میں پڑنا سخت بھاری معلوم ہوتا ہے جو تمہارے لیے بھلائی کو بہت چاہنے والے ہیں (وہ) مومنوں کے لیے نہایت شفیق بے حد رحم فرمانے والے ہیں O

دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں رحمٰن ہے اور آخرت میں رحیم ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا احسان مومنین اور کافرین سب کو شامل ہے اور آخرت میں اس کا احسان صرف مومنین کے ساتھ خاص ہوگا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَرَحۡمَتِیۡ وَسِعَتۡ کُلَّ شَیۡءٍ ؕ فَسَاَکۡتُبُہَا لِلَّذِیۡنَ یَتَّقُوۡنَ وَ یُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ بِاٰیٰتِنَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۵۶﴾ (الاعراف: ۱۵۶) — اور میری رحمت ہر چیز کو شامل ہے، پس عنقریب میں اس رحمت کو ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو (اللہ سے ہر وقت) ڈرتے رہتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے رہتے ہیں اور جو لوگ ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں O

اس میں یہ تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت دنیا میں مومنین اور کافرین سب کو شامل ہے اور آخرت میں اس کی رحمت مومنین کے ساتھ مخصوص ہے۔ (المفردات فی غریب القرآن ج اول ص ۲۵۳-۲۵۴، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

اللہ عزوجل کا اسم ذکر کرنے کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ ﴿۱﴾ (العلق:۱)

اے رسولِ مکرم! (شروع کرتے وقت) اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاذۡکُرِ اسۡمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلۡ اِلَیۡہِ تَبۡتِیۡلًا ﴿۸﴾ (المزمل:۸)

اے رسولِ معظم! آپ اپنے رب کے نام کا ذکر کیجئے اور سب سے الگ ہو کر اسی کی طرف یکسو رہیں O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّکَ الۡاَعۡلَی ﴿۱﴾ (الاعلیٰ:۱)

آپ اپنے رب کے نام کی تسبیح پڑھیے جو سب سے بلند ہے O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَذَکَرَ اسۡمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی ﴿۱۵﴾ (الاعلیٰ:۱۵)

اور اس نے اپنے رب کے نام کا ذکر کیا اور (خضوع اور خشوع سے) نماز پڑھی O

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ارۡکَبُوۡا فِیۡہَا بِسۡمِ اللّٰہِ مَجۡرٖىہَا وَمُرۡسٰىہَا (ہود:۴۱)

اور نوح نے کہا: (تم لوگ) اس کشتی میں سوار ہو جاؤ، اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا اللہ ہی کے نام سے ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّہٗ مِنۡ سُلَیۡمٰنَ وَاِنَّہٗ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۳۰﴾ (النمل:۳۰)

بے شک وہ مکتوب سلیمان کی جانب سے (آیا ہے) اور بے شک وہ مکتوب اللہ (ہی) کے (بابرکت) نام سے (شروع کیا گیا ہے) جو (سب پر) بہت مہربان اور بے حد رحم فرمانے والا ہے O

''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' پڑھنے کے متعلق مذاہبِ فقہاء

مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق بن حسن بن علی بھوپالی المتوفی ۱۳۰۷ھ لکھتے ہیں:

اہلِ علم کا بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کے متعلق یہ اختلاف ہے کہ آیا یہ مستقل آیت ہے جو ہر سورت کے شروع میں لکھی گئی ہے یا یہ ہر سورت کا جزو ہے یا یہ صرف سورۂ فاتحہ کا جزو ہے یا یہ کسی سورت کی آیت نہیں ہے اس کو محض سورتوں کے درمیان فصل اور فرق کرنے کے لیے لکھا گیا ہے؟

اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ سورۂ نمل کی ایک آیت ہے۔ (النمل:۳۰)

مکہ اور کوفہ کے قراء اور ان کے فقہاء نے وثوق سے کہا ہے کہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ سورۂ فاتحہ کی آیت ہے اور اسی طرح

ہر سورت کی آیت ہے اور مدینہ، بصرہ اور شام کے قراء اور فقہاء نے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کو آیت نہیں قرار دیا نہ سورۂ فاتحہ کی آیت قرار دیا نہ کسی اور سورت کی آیت قرار دیا، انہوں نے کہا کہ یہ ایک منفرد آیت ہے جو سورتوں کے درمیان فصل اور فرق اور ابتداء کی برکت کے لیے نازل ہوئی ہے۔

صحابہ میں سے حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم اور فقہاء تابعین میں سے سعید بن جبیر، عطاء بن ابی رباح اور ابن المبارک کا یہ نظریہ ہے کہ یہ مستقل آیت ہے اور سورۂ فاتحہ اور ہر سورت کا جزو ہے۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ ھ کا بھی ایک قول یہی قول ہے۔ اور اسحاق، الزہری، محمد بن کعب اور الثوری کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور امام شافعی کا یہی جدید قول ہے۔

مدینہ، بصرہ اور شام کے قراء اور فقہاء کے نزدیک بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ مستقل آیت نہیں ہے، یہی الاوزاعی، امام مالک، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے۔ علامہ ابو سعود نے کہا: احناف کا یہی مذہب صحیح ہے۔

اور امام ابوداؤد نے سندِ صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی سورت کے منفصل ہونے کو اس وقت تک نہیں پہچانتے تھے حتیٰ کہ آپ کے اوپر بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نازل ہو جاتی۔

(فتح البیان فی مقاصد القرآن ج ۱ ص ۳۰۔۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ، تفسیر الکشاف ص ۲۵ دار المعرفہ بیروت، لبنان ۱۴۳۰ھ)

شیخ حمید الدین فراہی کا بِسۡمِ اللّٰہِ کو سورۂ فاتحہ اور ہر سورت کا جزو قرار دینا

شیخ حمید الدین فراہی متوفی ۱۳۴۹ھ/ ۱۹۳۰ء لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک بِسۡمِ اللّٰہِ سورۂ فاتحہ کی ایک آیت اور ہر سورت کا فاتحہ ہے، قرآن کا طریقہ نزول اور پھر جس طرح وہ محفوظ ہوا اس دعویٰ پر دلیل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے، نیز بِسۡمِ اللّٰہِ کا مفہوم آغازِ کلام کے لیے نہایت مناسب ہے۔ (مجموعہ تفاسیر فراہی ص ۷۰، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، پاکستان، مئی ۲۰۰۸ء)

شیخ امین احسن اصلاحی کا شیخ فراہی پر تعاقب

شیخ امین احسن اصلاحی متوفی ۱۹۹۷ء لکھتے ہیں:

استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ اس کو سورۂ فاتحہ کی ایک آیت اور دوسری سورتوں کے لیے بمنزلہ فاتحہ مانتے ہیں، مجھے قوی مذہب قراء مدینہ کا معلوم ہوتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مصحف کی موجودہ ترتیب تمام تر وحی الٰہی کی رہنمائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایات کے تحت عمل میں آئی ہے اور بِسۡمِ اللّٰہِ کی کتابت بھی اسی ترتیب کا ایک حصہ ہے۔ اس ترتیب میں جہاں تک بِسۡمِ اللّٰہِ کے لکھے جانے کی نوعیت کا تعلق ہے سورۂ فاتحہ اور غیر سورۂ فاتحہ میں کسی قسم کا فرق نہیں کیا گیا بلکہ ہر سورت کے آغاز میں اس کو ایک ہی طرح درج کیا گیا ہے، اس کی حیثیت سورت سے الگ ایک مستقل آیت کی نظر آتی ہے۔

نیز شیخ اصلاحی نے لکھا ہے:

مدینہ، بصرہ اور شام کے قراء اور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ یہ قرآن کی سورتوں میں سے کسی سورت کی بھی (بشمول سورۂ فاتحہ) آیت نہیں ہے بلکہ ہر سورت کے شروع میں اس کو محض تبرک اور ایک علامتِ فصل کے طور پر درج کیا گیا ہے۔ اس سے ایک سورت، دوسری

سورت سے ممتاز بھی ہوتی ہے اور قاری جب اس سے کسی سورت کا افتتاح کرتا ہے تو اس سے برکت بھی حاصل کرتا ہے، یہی مذہب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ (تدبر قرآن ج ۱ ص ۴۹، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، محرم الحرام ۱۴۳۴ھ/ دسمبر ۲۰۱۲ء)

مشہور آزاد خیال اسکالر جاوید احمد غامدی بھی شیخ حمید الدین فراہی سے اختلاف کرتے ہوئے ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' کے متعلق لکھتے ہیں:

یہ آیت سورۂ توبہ کے سوا قرآن مجید کی ہر سورت کے شروع میں بالکل اسی طرح آئی ہے جس طرح یہاں ہے، لہٰذا یہ قرآن کی ایک آیت تو یقیناً ہے اور اس کی سورتوں کے شروع میں اسی طرح نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے لکھی گئی ہے، لیکن اپنے اس محل میں سورۂ فاتحہ سمیت کسی سورت کی بھی آیت نہیں ہے، بلکہ ہر جگہ سورت سے الگ اپنی ایک مستقل حیثیت رکھتی ہے۔

''اِقرأہ علی الناس'' کا مفہوم اس میں عربیت کی رو سے مقدر ہے، یعنی اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے یہ قرآن لوگوں کو پڑھ کر سناؤ اے پیغمبر۔ (البیان ج ۱ ص ۱۹، المورد، ٹوپیکل پرنٹنگ پریس، لاہور مئی ۲۰۱۰ء)

''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' کے سورۂ فاتحہ کا جز و نہ ہونے پر دلائل

امام ابومنصور محمد بن محمد الماتریدی الحنفی المتوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' قرآن مجید کی ایک آیت ہے اور یہ فاتحۃ الکتاب کا جز نہیں ہے۔

''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' کو آیت قرار دینے کی دلیل حسب ذیل حدیث ہے:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''میں تمہیں ضرور ایک ایسی آیت کی تعلیم دوں گا جو مجھ سے پہلے کسی پر نازل نہیں کی گئی مگر حضرت سلیمان بن داؤد (علیہما السلام پر)، پھر آپ نے اپنے دو قدموں میں سے ایک قدم باہر نکالا، پھر آپ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم کس آیت سے قرآن مجید پڑھنے کا افتتاح کرتے ہو؟ میں نے کہا: ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' سے، آپ نے فرمایا: یہی وہ آیت ہے، یہی وہ آیت ہے''۔

(امام بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے اس حدیث کی حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۶۲، نشر السنہ، ملتان، سنن دارقطنی ج ۱ ص ۶۴۵، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

پس اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' قرآن مجید کی آیت ہے اور اگر یہ متعدد سورتوں کی آیت ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ایک سو سے زائد آیتوں کی تعلیم دیتے نہ کہ صرف ایک آیت کی۔ اور اگر بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ متعدد سورتوں کی آیت ہوتی تو آپ اس کو صرف قرآن مجید کی مفتاح یعنی افتتاح کا ذریعہ نہ قرار دیتے بلکہ سورتوں کی مفتاح قرار دیتے۔

اور اسی طرح تمام امت نے بِسۡمِ اللّٰہِ کے جہراً پڑھنے کو ترک کر دیا، کیونکہ یہ نہیں ہوسکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے بِسۡمِ اللّٰہِ کو جہراً پڑھا ہو پھر اس کو آہستہ پڑھا ہو، اور یہ کہ مسلمان اس سے غافل ہو گئے ہوں، پھر وہ بغیر کسی منفعت کے اس سنت کو ضائع کر رہے ہوں حتیٰ کہ پوری امت بِسۡمِ اللّٰہِ کے آہستہ پڑھنے پر متفق ہے، پس مسلمانوں کا یہ فعل اس پر واضح دلیل ہے کہ ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' سورتوں کا جز نہیں ہے۔

ایک اور دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث مروی ہے، آپ نے بیان کیا کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے کہ صلوٰۃ

(نماز، یعنی سورۂ فاتحہ) میرے اور میرے بندہ کے درمیان آدھی آدھی تقسیم کردی گئی ہے، پس جب بندہ کہتا ہے ''اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ۔۔ الی قولہ۔۔ مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ؁ (الفاتحہ:۱۔۳)'' تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: یہ میرے لیے ہے اور یہ تین آیات ہیں۔

اور اس کے بعد ''اِہۡدِنَا سے لے کر آخر تک'' کے متعلق ارشاد فرمایا: یہ میرے بندہ کے لیے ہے، اس سے ثابت ہوا کہ یہ بھی تین آیتیں ہیں تاکہ تقسیم پوری ہوجائے۔

پھر اس کے بعد ''اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ؁ (الفاتحہ:۴)'' کے متعلق ارشاد فرمایا: یہ میرے اور میرے بندہ کے درمیان آدھی آدھی ہے۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' سورۂ فاتحہ کے بغیر ایک آیت ہے کیونکہ بغیر ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' کے سورۂ فاتحہ سات آیات ہیں اور اس پر سب متفق ہیں کہ سورۂ فاتحہ سات آیات ہیں، اور اس سے واضح ہوگیا کہ ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' سورۂ فاتحہ کا جزو نہیں ہے۔

(صحیح مسلم: ۳۹۵، سنن ابوداؤد: ۸۲۱، سنن ترمذی: ۲۹۶۲، سنن نسائی: ۹۰۹، سنن ابن ماجہ: ۸۳۸، مسند احمد: ۷۴۱۰، موطا امام مالک: ۱۹۲، سنن دار قطنی ج ۱ ص ۳۱۲، صحیح ابن خزیمہ ج ۱ ص ۱۵۳، سنن بیہقی ج ۲ ص ۳۹)

میں کہتا ہوں: امام مسلم کی روایت کے مطابق اس حدیث کا متن حسب ذیل ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے نماز پڑھی اور اس میں ام القرآن (سورۂ فاتحہ) کو نہیں پڑھا تو آپ نے تین مرتبہ فرمایا: اس کی نماز ناقص ہے مکمل نہیں ہے، پس حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ ہم امام کے پیچھے ہوتے ہیں تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تم سورۂ فاتحہ کو دل میں پڑھو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: صلوٰۃ (نماز) میرے اور میرے بندہ کے درمیان آدھی آدھی تقسیم کردی گئی ہے اور میرے بندہ کے لیے وہ چیز ہے جس کا اس نے سوال کیا، پس جب بندہ کہتا ہے ''اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ؁ (الفاتحہ:۱)'' تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میرے بندہ نے میری حمد کی، اور جب بندہ کہتا ہے ''الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؁ (الفاتحہ:۲)'' تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میرے بندہ نے میری ثناء کی، اور جب بندہ کہتا ہے: ''مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ؁ (الفاتحہ:۳)'' تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میرے بندہ نے میری تعظیم کی، اور کبھی فرمایا: بندہ نے خود کو میرے سپرد کردیا، پس جب بندہ کہتا ہے ''اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ؁ (الفاتحہ:۴)'' تو اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: یہ آیت میرے اور میرے بندہ کے درمیان ہے اور میرے بندہ کے لیے وہ چیز ہے جس کا اس نے سوال کیا ہے، پس جب بندہ کہتا ہے: ''اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ؁ (الفاتحہ:۵)'' ''صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ ۬ۙ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ ؁ (الفاتحہ:۷)'' تو اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: یہ آیت میرے بندہ کے لیے ہے اور میرے بندہ کے لیے وہ چیز ہے جس کا اس نے سوال کیا ہے۔ (صحیح مسلم: ۳۹۵، الرقم المسلسل: ۷۶۴)

نیز حدیث میں ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اقتداء میں اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی اقتداء میں نماز پڑھی اور وہ سب بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کو بلند آواز سے نہیں پڑھتے تھے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۲۲۳۔۲۲۴، صحیح مسلم: ۳۹۹، صحیح البخاری: ۷۴۳، سنن نسائی: ۹۰۷، مسند احمد: ۱۲۰۸۵، سنن بیہقی ج ۲ ص ۵۰، سنن دار قطنی ج ۱ ص ۳۱۵)

(تاویلات اہل السنۃ ج ۱ ص ۳۴۹۔ ۳۵۲، ملخصاً وملتقطاً وموضحاً ومخرجاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

(میں کہتا ہوں: امام ماتریدی کا منشاء یہ ہے کہ جن نمازوں میں بلند آواز سے قراءت کی جاتی ہے، ان نمازوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کو بلند آواز سے نہیں پڑھتے تھے اور بلند آواز سے قراءت اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ○ سے شروع کرتے تھے، اس سے واضح ہوا کہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ سورۂ فاتحہ کا جزو نہیں ہے، کیونکہ اگر بسم اللہ، سورۂ فاتحہ کا جزو ہوتی تو جس طرح جہری نمازوں میں سورۂ فاتحہ کی باقی آیات جہراً پڑھی جاتی ہیں اسی طرح بِسۡمِ اللّٰہِ کو بھی جہراً پڑھا جاتا اور جب بِسۡمِ اللّٰہِ کو جہراً نہیں پڑھا جاتا تو معلوم ہوا کہ بِسۡمِ اللّٰہِ، سورۂ فاتحہ کا جزو نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' کے سورۂ فاتحہ کا جزو نہ ہونے پر مزید دلائل

امام ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی المتوفی ۳۷۰ھ، لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''میرے اور میرے بندہ کے درمیان ''صلوٰۃ'' کو نصف نصف تقسیم کر دیا گیا ہے، پس اس کا نصف میرے لیے ہے اور اس کا نصف میرے بندہ کے لیے ہے اور میرے بندہ کے لیے وہ ہے جس کا وہ سوال کرے''۔

اس حدیثِ قدسی میں ''صلوٰۃ'' سے مراد سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ہے اور اس حدیث میں سورۂ فاتحہ کے بِسۡمِ اللّٰہِ کا جزو نہ ہونے پر دو دلیلیں ہیں۔

پہلی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کا ذکر نہیں فرمایا، مثلاً یوں نہیں فرمایا: جب بندہ کہتا ہے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بندہ نے میرا نام لیا، اس سے معلوم ہوا کہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ سورۂ فاتحہ کا جزو نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث میں ہے ''جب بندہ کہتا ہے اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ○ '' تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندہ نے میری حمد کی، اور اگر بِسۡمِ اللّٰہِ سورۂ فاتحہ کا جزو ہوتی تو اس حدیث کو اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ○ کے بجائے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ سے شروع کیا جاتا۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ اس تقسیم میں داخل ہوتی تو سورۂ فاتحہ اللہ تعالیٰ اور بندہ کے درمیان نصف نصف نہ ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کا حصہ بندہ کے حصہ سے زیادہ ہو جاتا، کیونکہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھنے میں اللہ عزوجل کی ثناء ہے اور اس میں بندہ کا حصہ نہیں ہے اور اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ○ میں بھی اللہ تعالیٰ کا حصہ ہے بندہ کا حصہ نہیں ہے اور الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ میں بھی اللہ عزوجل کا حصہ ہے بندہ کا حصہ نہیں ہے اور مٰلِكِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ○ میں بھی اللہ تعالیٰ کا حصہ ہے بندہ کا حصہ نہیں ہے، سو اللہ عزوجل کے سورۂ فاتحہ میں چار حصے ہو گئے اور بندہ نے جو اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ○ سے لے کر وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ ○ تک پڑھا اس میں بندہ کے لیے تین حصے ہیں، تو اللہ تعالیٰ کے لیے سورۂ فاتحہ میں چار حصے ہوئے اور بندہ کے لیے اس سورت میں صرف تین حصے ہوئے، لہٰذا سورۂ فاتحہ اللہ تعالیٰ اور بندہ کے درمیان نصف نصف نہ ہوئی، اور ''اِیَّاكَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسۡتَعِیۡنُ ○ '' اللہ تعالیٰ اور بندہ کے درمیان مشترک ہے، اس سے واضح ہو گیا کہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ سورۂ فاتحہ کا جزو نہیں ہے ورنہ سورۂ فاتحہ اللہ تعالیٰ اور بندہ کے درمیان نصف نصف نہیں رہے گی اور یہ اس حدیث کے خلاف ہے۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۸، ملخصاً وموضحاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان ۱۴۳۴ھ)

''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' کی فضیلت کے متعلق احادیث

حافظ جلال الدین سیوطی شافعی متوفی ۹۱۱ھ متعدد کتبِ حدیث کے حوالوں سے لکھتے ہیں:

(۱) امام ابن مردویہ اور امام ثعلبی نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: جب ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' نازل ہوئی تو بادل مشرق کی طرف بھاگا اور ہوا ساکن ہوگئی اور سمندر جوش میں آ گیا اور تمام جانوروں نے اپنے کانوں کو اس کے سننے کی طرف لگایا اور آسمان میں شیاطین کو رجم کیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی عزت وجلال کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا کہ ''جس چیز پر بھی بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کو پڑھا جائے گا اس میں برکت دی جائے گی''۔

(۲) امام وکیع اور امام ثعلبی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: جو بندہ یہ چاہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کے انیس (۱۹) فرشتوں سے نجات دے، اسے چاہیے کہ وہ ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' پڑھے، تاکہ اللہ تعالیٰ اس بندہ کے لیے بسم اللہ کے ہر حرف کے بدلہ میں اس کے لیے ایک جنت مہیا کردے۔ (واضح رہے کہ بِسۡمِ اللّٰہِ۔۔الخ کے بھی انیس حرف ہیں)۔

(۳) امام الدیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جب مُعلّم بچہ سے کہتا ہے ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' پڑھو تو اللہ تعالیٰ مُعلّم کے لیے، اس بچہ کے لیے اور اس کے ماں باپ کے لیے دوزخ سے نجات لکھ دیتا ہے۔

(۴) امام ابن السنی نے ''عمل الیوم واللیلۃ'' میں اور امام الدیلمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جب تم کسی مصیبت میں مبتلاء ہو تو پڑھو ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ وَلَا حَوۡلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الۡعَلِیِّ الۡعَظِیۡمِ'' تو اس کے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ تمہارے مصائب میں سے جس مصیبت کو چاہے گا دور فرما دے گا۔

(۵) عبدالقادر الرہاوی نے ''الاربعین'' میں سندِ صحیح کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جس عظیم الشان کام کی بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ سے ابتداء نہیں کی گئی وہ نا تمام رہتا ہے۔

(۶) امام ابوالشیخ نے ''کتاب العظمۃ'' میں صفوان بن سُلیم سے روایت کی ہے کہ انسانوں کے سامان اور ان کے کپڑوں سے جنات فائدہ اٹھاتے ہیں، پس تم میں سے جو شخص کپڑا پہنے یا کپڑا اتارے تو وہ ''بِسۡمِ اللّٰہِ'' پڑھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نام سے اس کی چیزوں پر مُہر لگ جاتی ہے۔

(۷) حافظ ابوبکر الخطیب البغدادی نے ''الجامع'' میں ابوجعفر محمد بن علی سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' ہر کتاب کی کنجی ہے۔

(۸) امام ابوعبید اور امام ابن ابی شیبہ نے المصنف میں مجاہد اور شعبی سے روایت کی ہے کہ وہ دونوں جنبی شخص کے لیے ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' کے پڑھنے کو مکروہ قرار دیتے تھے۔

(۹) امام ابوداؤد نے اپنی مراسیل میں حضرت عمر بن عبدالعزیز سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم زمین پر پڑے ہوئے ایک مکتوب کے پاس سے گزرے، آپ کے ساتھ جو خادم تھا آپ نے اس سے پوچھا: اس مکتوب میں کیا ہے؟ اس نے کہا: ''بِسۡمِ اللّٰہِ'' آپ

نے فرمایا: ”جس شخص نے ایسا کیا وہ ملعون ہے، ”بِسۡمِ اللّٰہِ“ کو صرف اپنے محل میں رکھو“ (یعنی بے ادبی سے نہ رکھو)۔

(۱۰) خطیب نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے زمین پر پڑے ہوئے اس کاغذ کو تعظیم اور تکریم سے اٹھایا جس میں ”بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ“ لکھی ہوئی تھی تاکہ وہ کاغذ پیروں تلے روندا نہ جائے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ شخص صدیقین میں سے لکھ دیا جاتا ہے۔

(الدر المنثور، ج ۱ ص ۲۲۔۲۵، ملخصاً وملتقطاً، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۲۱ھ)

”بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ“ سے متعلق فقہی مسائل

علامہ الشیخ احمد الطحطاوی الحنفی المتوفی ۱۲۳۱ھ لکھتے ہیں:

(۱) کبھی بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کا پڑھنا فرض ہوتا ہے جیسا کہ جانور کو ذبح کرتے وقت بِسۡمِ اللّٰہِ کو پڑھنا فرض ہے لیکن فرض صرف اللہ تعالیٰ کا نام لینا ہے اور منقول یہ ہے کہ ذبح کرتے وقت کہے ”بِسۡمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکۡبَرُ“ اور اللہ تعالیٰ کا ہر مخصوص نام ذبح کے وقت لینا کافی ہے، اس پر یہ اعتراض نہ ہو کہ اگر کوئی مسلمان بھولے سے بِسۡمِ اللّٰہِ نہ پڑھے پھر بھی اس کا ذبیحہ جائز ہوتا ہے کیونکہ شریعت نے اس کے مسلمان ہونے کو ذکر کے قائم مقام کر دیا۔

(۲) جن فقہاء کے نزدیک بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ سورۂ فاتحہ کی ایک آیت ہے، ان کے اعتبار سے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کا پڑھنا واجب ہے، اگرچہ یہ قول مذہبِ احناف کے خلاف ہے لیکن چونکہ اس سلسلہ میں اتنی احادیث وارد ہیں جو بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھنے کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں۔

(۳) بعض صورتوں میں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کا پڑھنا سنت ہے جیسا کہ وضو میں اور ہر عظیم الشان کام کی ابتداء میں اور کھانے اور پینے میں اور اپنی اہلیہ کے ساتھ عملِ زوجیت سے پہلے۔

(۴) بعض صورتوں میں ”بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ“ کا پڑھنا مستحب ہے جیسے جوتی پہنتے وقت اور ہر نیک کام کی ابتداء کے وقت۔

(۵) بعض صورتوں میں ”بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ“ کا پڑھنا مباح ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے نام کو ناپاک جگہوں پر پڑھنے سے بچانے کے لیے چلنے کی ابتداء میں اور اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے اور دیگر کاموں کے وقت ”بِسۡمِ اللّٰہِ“ پڑھنا مباح ہے۔

(۶) بعض صورتوں میں ”بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ“ کا پڑھنا مکروہ ہے جیسے سورۂ توبہ کی ابتداء میں ”بِسۡمِ اللّٰہِ“ پڑھنا یا مشتبہ کام کرنے سے پہلے مثلاً سگریٹ یا حقہ پینے سے پہلے، اسی طرح منہ میں نسوار ڈالنے سے پہلے اور نجاسات کے محل میں ”بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ“ کا پڑھنا مکروہ ہے۔

(۷) بعض صورتوں میں ”بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ“ کو پڑھنا حرام ہے جیسے حائض عورت کے ساتھ وطی سے پہلے اور خمر پینے سے پہلے اور چھینے ہوئے مال کو کھانے سے پہلے یا چوری کے مال کو کھانے سے پہلے، اور صحیح یہ ہے کہ اگر اس نے ان کاموں کے وقت جائز اور حلال سمجھ کر ”بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ“ کو پڑھا تو یہ کفر ہے ورنہ حرام سے کم نہیں ہے اور اس پر توبہ کرنا لازم ہے، لیکن اگر اس نے معصیت کے کام سے پہلے ”بِسۡمِ اللّٰہِ“ کو بطورِ استخفاف یعنی ہلکا جان کر پڑھا تب بھی اس کی تکفیر کی جائے گی، جو

کام حرام لعینہٖ ہواوراس کی تحریم دلیلِ قطعی سے ثابت ہواس کواگر کوئی حلال سمجھ کر کرے تو اس کی تکفیر کی جائے گی ورنہ اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی لیکن ایسے کام سے پہلے ''بِسۡمِ اللّٰہِ'' پڑھنا حرام ہے۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح، ج ا ص ۲۳۔ ۲۴، مکتبہ غوثیہ کراچی)

نیز علامہ الشیخ احمد الطحطاوی الحنفی المتوفی ۱۲۳۱ھ لکھتے ہیں:

(۸) ذبح کرتے وقت، شکار کی طرف تیر پھینکتے وقت اور شکاری کتا چھوڑتے وقت ''بِسۡمِ اللّٰہِ'' پڑھنا واجب ہے۔ ''البحر الرائق'' میں لکھا ہے کہ ''بِسۡمِ اللّٰہِ'' کہنا ضروری نہیں ہے صرف اللہ کا نام لینا شرط ہے اور بعض کتابوں میں تحریر ہے ''الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' نہ پڑھے صرف بِسۡمِ اللّٰہِ پڑھے، کیونکہ ذبح کے وقت رحمت کا ذکر مناسب نہیں ہے۔

(۹) وضو کی ابتداء میں ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' پڑھنا سنت ہے، استنجاء سے پہلے اور بعد میں بھی، لیکن حالتِ استنجاء اور محلِ نجاست میں ''بِسۡمِ اللّٰہِ'' نہ پڑھے، اگر وضو کے شروع میں ''بِسۡمِ اللّٰہِ'' پڑھنا بھول گیا تو دورانِ وضو جب بھی یاد آئے ''بِسۡمِ اللّٰہِ'' پڑھ لے، وضو کے اول میں ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' پڑھنا سنت ہے اور درمیان میں پڑھنا مستحب ہے۔

(۱۰) کھانے کی ابتداء میں ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' پڑھنا سنت ہے، اگر بھول گیا تو درمیان میں پڑھنا بھی سنت ہے اور درمیان میں یوں پڑھے ''بِسۡمِ اللّٰہِ اَوَّلَہٗ وَاٰخِرَہٗ''۔

(۱۱) سورۂ فاتحہ کے بعد دوسری سورت ملانے سے پہلے ''بِسۡمِ اللّٰہِ'' پڑھنا مستحب ہے خواہ نماز سری ہو یا جہری۔

(۱۲) کسی کتاب کے شروع میں اور ہر نیک اور اہم کام کے شروع میں ''بِسۡمِ اللّٰہِ'' پڑھنا مستحب ہے۔

(۱۳) قرآن مجید کی تلاوت سے پہلے ''اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ'' کے بعد ''بِسۡمِ اللّٰہِ'' پڑھنا مستحب ہے۔

(۱۴) ''قنیہ'' میں لکھا ہے کہ ہر رکعت کے شروع میں ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' پڑھنا واجب ہے اور اس کے ترک سے سجدہ سہو لازم نہیں ہے لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ سنت ہے۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار ج ا ص ۵۔ ۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۳۹۵ھ)

الفاتحہ

الفاتحہ کا لغوی معنی

علامہ مجد الدین ابو السعادات المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ''الفتّاح'' ہے جو اپنے بندوں کے لیے رزق اور رحمت کے دروازے کھولتا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے: بندوں کے درمیان فیصلہ فرمانے والا اور ''الفاتح'' کا معنی ہے الحاکم، اور الفتّاح مبالغہ کا صیغہ ہے۔

(النہایہ فی غریب الحدیث والاثر ج ۳ ص ۳۶۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۵ھ)

الفاتحہ کا اصل معنی یہ ہے: جس سے کسی چیز کا افتتاح کیا جائے، پھر اس کا اطلاق ہر چیز کے اول پر کیا گیا اور ''الفاتحۃ'' کے اخیر میں تاء وصفیت سے اسمیت کی طرف منتقل کرنے کے لئے ہے۔ اس سورت کا نام ''فاتحۃ الکتاب'' اس لئے رکھا گیا ہے کہ یہ مصحفِ کریم میں سب سے پہلے لکھی جاتی ہے اور قرآنِ کریم کی تلاوت کرنے والا سب سے پہلے اس کی تلاوت کرتا ہے، ہر چند کہ

یہ قرآنِ مجید کی سب سے پہلے نازل ہونے والی سورہ نہیں ہے۔

سورۂ فاتحہ کا مقامِ نزول

ایک قول یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی المتوفی ۴۶۸ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ مکہ میں عرش کے نیچے خزانہ سے نازل ہوئی ہے۔

(اسباب نزول القرآن ص ۲۲، الفردوس بماثور الخطاب للدیلمی: ۶۸۱۶، الکشف والبیان للثعلبی ج ۱ ص ۸۹، کنز العمال: ۲۵۲۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں کھڑے ہوئے تو آپ نے پڑھا: ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝'' تو قریش نے بددعا دی اور کہا: اللہ تعالیٰ تمہارا مونہہ توڑ دے۔

(اسباب نزول القرآن ص ۲۲، الکشف والبیان للثعلبی ج ۱ ص ۹۰، اس حدیث کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں الکلبی ہے)

دوسرا قول یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔

حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب سورۂ فاتحہ نازل ہوئی تو ابلیس بلند آواز سے رو رہا تھا، اور سورۂ فاتحہ مدینہ میں نازل ہوئی تھی، اس حدیث کی امام الطبرانی نے المعجم الاوسط میں روایت کی ہے اور یہ حدیث مرفوع حدیث کے مشابہ ہے اور اس کی سند کے رجال حدیثِ صحیح کے رجال ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۶ ص ۳۱۱، رقم: ۱۰۸۱۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۵۲۲، رقم: ۱۰۱۸۸)

تیسرا قول یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ دو مرتبہ نازل ہوئی ہے: ایک مرتبہ مکہ میں اور دوسری مرتبہ مدینہ میں۔

سورۃ الفاتحہ کے اسماء

(۱) اس سورت کا نام ''ام الکتاب'' ہے۔

امام بخاری لکھتے ہیں: اس سورت کا نام ''ام الکتاب'' بھی رکھا گیا ہے، کیونکہ مصاحف میں اس کے لکھنے سے ابتداء کی جاتی ہے اور نماز میں اس کی قراءت سے ابتداء کی جاتی ہے۔ (کتاب التفسیر، باب ماجاء فی فاتحۃ الکتاب)

(۲) ام القرآن:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (سورۂ فاتحہ کے متعلق) فرمایا: یہ ''ام القرآن'' ہے اور یہ ''السبع المثانی'' ہے اور یہ ''القرآن العظیم'' ہے۔

(صحیح البخاری: ۴۷۰۴، سنن ترمذی: ۳۱۲۴، سنن ابوداؤد: ۱۴۵۷، مسند احمد: ۹۶۴۹، سنن دارمی: ۳۳۷۳)

(۳) اس سورت کے دیگر اسماء یہ ہیں:

فاتحۃ الکتاب، السبع المثانی (اس کو السبع المثانی اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس سورت کی سات آیات ہیں اور اس سورت کو نماز میں (کم از کم) دو مرتبہ پڑھا جاتا ہے)۔ (معالم التنزیل ج ۱ ص ۷۰، داراحیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۲۰ھ)

علامہ ابوالقاسم جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی المتوفی ۵۳۸ھ لکھتے ہیں:

نیز اس کا ایک اسم ''سورۃ الکنز'' ہے اور دوسرا اسم ''سورۃ الوافیہ'' ہے اور تیسرا اسم ''سورۃ الحمد'' ہے اور چوتھا اسم ''المثانی'' ہے، پانچواں اسم ''سورۃ الصلوٰۃ'' ہے، چھٹا اسم ''سورۃ الشفاء'' ہے اور ساتواں اسم ''سورۃ الشافیہ'' ہے۔

(تفسیر الکشاف، ص ۲۵ دار المعرفہ، بیروت، لبنان ۱۴۳۰ھ)

تمام سورتوں کے اسماء توقیفی ہیں یعنی ان سورتوں کے نام رکھنے میں عقل اور قیاس کا دخل نہیں ہے بلکہ یہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سماع پر موقوف ہیں، اسی طرح سورتوں اور آیتوں کی ترتیب بھی توقیفی ہے، سورت کا معنی ہے: قرآن مجید کی آیات کا ایک حصہ جس کا اول ہو اور آخر ہو اور اس کا کوئی مخصوص نام ہو، اور کبھی سورت کا صرف ایک اسم ہوتا ہے اور کبھی ایک سورت کے کئی اسماء ہوتے ہیں۔

سورۃ الفاتحہ کی فضیلت میں احادیث

(۱) امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوسعید بن المعلّٰی سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا، پس مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلایا، میں آپ کے بلانے پر نہیں گیا، پھر میں نے کہا: یارسول اللہ! میں نماز پڑھ رہا تھا، آپ نے فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ہے:

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ (الانفال: ۲۴) (اے ایمان والو!) جب اللہ اور رسول تمہیں کسی حیات آفریں چیز کی طرف بلائیں تو فوراً حاضر ہو جایا کرو۔

پھر آپ نے مجھ سے فرمایا: میں تم کو مسجد سے نکلنے سے پہلے ضرور ایسی سورت کی تعلیم دوں گا جو قرآن مجید کی تمام سورتوں میں سب سے عظیم ہے، پھر جب آپ نے مسجد سے نکلنے کا ارادہ کیا تو میں نے عرض کیا: کیا آپ نے نہیں فرمایا تھا: میں تم کو ضرور ایسی سورت کی تعلیم دوں گا جو قرآن مجید کی سورتوں میں سب سے عظیم ہے؟ آپ نے فرمایا: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ (الفاتحہ: ۱)'' یہ السبع المثانی ہے اور وہ عظیم قرآن ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔

(صحیح البخاری: ۴۴۷۴، سنن نسائی: ۹۱۳، سنن ابوداؤد: ۱۴۵۸، سنن ابن ماجہ: ۳۷۸۵، مسند احمد: ۱۵۳۰۳، سنن دارمی: ۱۴۹۲)

(۲) امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کی جماعت کسی سفر میں گئی حتیٰ کہ وہ عرب کے قبائل میں سے کسی قبیلہ کے پاس جا کر ٹھہرے سو ان سے مہمانی طلب کی، ان لوگوں نے ان کی مہمانی کرنے سے انکار کر دیا، پھر اس قبیلہ کے سردار کو بچھو نے ڈس لیا، انہوں نے اس کے علاج کے لیے ہر قسم کی کوشش کی اور اس کو فائدہ نہیں ہوا، پھر کسی نے کہا: اگر تم ان لوگوں کے پاس جاؤ جو یہاں آ کر ٹھہرے ہیں شاید ان کے پاس کوئی طریقہ علاج ہو، سو وہ ان کے پاس گئے، پس ان سے کہا: اے لوگوں کی جماعت! ہمارے سردار کو بچھو نے ڈس لیا ہے اور ہم اس کے لیے ہر قسم کا جتن کر چکے ہیں اس کو فائدہ نہیں ہوا، پس کیا تم میں سے کسی کے پاس کوئی چیز ہے؟ پس بعض اصحاب نے کہا: ہاں! اللہ کی قسم! میں دم کرتا ہوں لیکن اللہ کی قسم! ہم نے تم سے مہمانی طلب کی تھی سو تم نے ہماری مہمانی نہیں کی، پس میں اس وقت تک تمہارے لیے دم نہیں کروں گا جب تک تم ہمارے لیے بکریوں کی ایک معین تعداد (۳۰ بکریاں) دینے کا وعدہ نہ کرو، سو انہوں نے بکریوں کی ایک معین تعداد کے عوض صحابہ کرام سے صلح کر لی، پس وہ صاحب الحمد للہ رب العالمین پڑھ کر اس پر دم کرنے لگے تو وہ اس طرح تندرست ہو گیا جیسے رسی سے بندھا ہوا ہو اور کھل گیا ہو، پھر وہ چل رہا تھا اور اسے کوئی تکلیف نہیں تھی، پھر انہوں نے

بکریوں کی وہ معین تعداد ان کو دے دی، پس بعض اصحاب نے کہا: ان بکریوں کو تقسیم کرلو، پس اس نے کہا جس نے دم کیا تھا: یہ تقسیم نہ کروحتیٰ کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں اور آپ سے اس واقعہ کا ذکر کریں، پس ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کیا حکم دیتے ہیں، پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور آپ سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: تم نے کیسے جانا کہ سورۂ فاتحہ دم ہے؟ پھر آپ نے فرمایا: تم نے درست کیا، ان بکریوں کو تقسیم کرو اور اپنے ساتھ میرا حصہ بھی نکالو، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنسے۔

(صحیح البخاری: ۲۲۷۶، صحیح مسلم: ۲۲۱۰، سنن ترمذی: ۲۰۶۴، سنن ابوداؤد: ۳۴۱۸، سنن ابن ماجہ: ۲۱۵۶، مسند احمد: ۱۱۰۰۶)

(۳) خارجہ بن الصلت التمیمی اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے، پس انہوں نے اسلام قبول کیا پھر آپ کے پاس سے واپس گئے، پھر وہ ایسے لوگوں کے پاس سے گزرے جن کے پاس ایک دیوانہ مرد زنجیروں سے بندھا ہوا تھا، اس کے گھر والوں نے کہا: ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ تمہارے یہ پیغمبر خیر کو لے کر آئے ہیں، پس کیا تمہارے پاس کوئی ایسی چیز ہے جس سے تم اس کا علاج کرو، سو میں نے اس دیوانہ پر فاتحۃ الکتاب کو پڑھ کر دم کیا، پس وہ تندرست ہو گیا، پھر ان لوگوں نے مجھے سو بکریاں دیں اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو اس واقعہ کی خبر دی، آپ نے پوچھا: کیا تم نے اس کے سوا بھی کچھ پڑھا تھا، میں نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: ان بکریوں کو لے لو، پس مجھے اپنی حیات کی قسم! بعض لوگ باطل دم کر کے کھاتے ہیں اور تم نے تو حق دم کر کے کھایا ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۳۸۹۶، عمل الیوم واللیلۃ للنسائی: ۱۰۳۲، مسند احمد: ۲۱۳۲۹، ج ۵ ص ۲۱۰، ۲۱۱، المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۵۰۷، شعب الایمان للبیہقی: ۲۱۵۰، مجمع الزوائد للہیثمی ج ۶ ص ۳۱۷)

(۴) حضرت عبدالملک بن عمیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فاتحۃ الکتاب ہر بیماری کی شفاء ہے۔

(سنن دارمی: ۳۳۱۷)

نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کی عدم فرضیت پر دلائل

امام ابومنصور محمد بن محمد الماتریدی الحنفی المتوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

نماز میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (المزمل: ۲۰) پس جتنا قرآن پڑھنا تم پر آسان ہو (تم نماز میں) اتنا قرآن پڑھ لیا کرو۔

نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کی عدم فرضیت پر دو دلیلیں ہیں، پہلی دلیل یہ ہے کہ بعض اوقات پڑھنے والے پر سورۂ فاتحہ کے علاوہ کسی اور آیت کا پڑھنا آسان ہوگا اور اگر سورۂ فاتحہ پڑھنے کو فرض قرار دیا جائے تو پڑھنے والا مشکل میں پڑ جائے گا، حالانکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آسانی سے قرآن مجید پڑھنے کو اپنا احسان قرار دیا ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ صحیح مسلم وغیرہ میں مذکور ہے کہ نماز کو نصف نصف قرار دیا گیا ہے، نصف اللہ کے لیے ہے اور نصف بندہ کے لیے ہے اور بندہ جب کہتا ہے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○" تو اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے "بندہ نے میری حمد و ثناء کی" تو اگر قرآن پڑھنے کو اس کے ساتھ ملایا جائے تو یہ بھی دعا اور ثنا میں شامل ہوگا اور دعا اور ثنا نماز کے فرائض میں سے نہیں ہے۔ اس سے

لازم آیا کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں ہے البتہ واجب ہے۔

تیسری دلیل: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کے متعلق اللہ عزوجل کے ارشاد کی تلاوت کی:

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ (ابراہیم: ۳۶)

(اور اس وقت کو یاد کیجئے جب ابراہیم نے کہا:) اے میرے رب! بے شک ان بتوں نے بہت زیادہ لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے، سو جس نے میری پیروی کی وہ بے شک میرا ہوگا۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی:

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (المائدہ: ۱۱۸)

اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ تیرے (ہی) بندے ہیں، اور اگر تو ان کو بخش دے تو بے شک تو ہی بہت غالب بے حد حکمت والا ہے O

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کئے اور کہا: ''اے اللہ! میری امت، میری امت'' اور آپ روتے رہے، تب اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: اے جبریل! محمد کے پاس جاؤ حالانکہ آپ کا رب خوب جاننے والا ہے، پس ان سے پوچھو کہ آپ کو کیا چیز رُلا رہی ہے؟ پس حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کے پاس آئے سو آپ سے سوال کیا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اس چیز کی خبر دی جو آپ نے کہا تھا، حالانکہ اللہ تعالیٰ خود بہت زیادہ جاننے والا ہے، پس اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: ''اے جبریل! محمد کے پاس جاؤ پس ان سے کہو: بے شک ہم آپ کو آپ کی امت کے متعلق راضی فرما دیں گے اور آپ کو رنجیدہ نہیں ہونے دیں گے''۔

(صحیح مسلم: ۲۰۲، الرقم المسلسل: ۳۸۷)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تہجد کی اس نماز میں ساری رات یہ آیت پڑھتے رہے ''اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (المائدہ: ۱۱۸)'' اور روتے رہے، اور اس حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے کہ آپ نے سورۂ فاتحہ پڑھی، اگر سورۂ فاتحہ کا نماز میں پڑھنا فرض ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تہجد کی اس نماز میں سورۂ فاتحہ کے پڑھنے کو ترک نہ فرماتے۔

چوتھی دلیل: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے، پس ایک مرد (بھی) داخل ہوا، سو اس نے نماز پڑھی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا، آپ نے اس کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: ''لوٹ جاؤ، پس نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی'' سو وہ مرد لوٹ گیا اور اسی طرح نماز پڑھنے لگا جیسے پہلے نماز پڑھی تھی، پھر وہ آیا سو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا، پس آپ نے فرمایا: ''لوٹ جاؤ پس نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی'' (یہ آپ نے تین بار فرمایا) تب اس مرد نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے! میں اس سے اچھی نماز نہیں پڑھ سکتا، سو آپ مجھے (نماز کی) تعلیم دیجئے! پس آپ نے فرمایا: ''جب تم نماز کی طرف قیام کرو پس اللہ اکبر کہو، پھر تم جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکتے ہو اتنا پڑھو، پھر تم رکوع کرو حتیٰ کہ اطمینان سے رکوع کرو، پھر رکوع سے سر اٹھاؤ حتیٰ کہ اعتدال سے کھڑے ہو جاؤ، پھر سجدہ کرو حتیٰ کہ اطمینان سے سجدہ کرو، پھر سجدہ

سے سر اٹھاؤ حتیٰ کہ اطمینان سے بیٹھ جاؤ اور تم اپنی پوری نماز میں اسی طرح کرو"۔

(صحیح البخاری: ۷۵۷، صحیح مسلم: ۳۹۷، سنن ترمذی: ۳۰۳، سنن نسائی: ۸۸۴، سنن ابوداؤد: ۸۵۶، سنن ابن ماجہ: ۱۰۶۰، مسند احمد: ۹۳۵۲)

سو جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کی تعلیم کے وقت یہ فرمایا کہ "تم جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکتے ہو اتنا قرآن پڑھو" اور آپ نے نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا، اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حدیثِ صحیح میں وارد ہے: حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص (نماز میں) فاتحۃ الکتاب کو نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہے"۔

(صحیح البخاری: ۷۵۶، صحیح مسلم: ۳۹۴، سنن ترمذی: ۲۴۷، سنن نسائی: ۹۱۰، سنن ابوداؤد: ۸۲۲، سنن ابن ماجہ: ۸۳۷، مسند احمد: ۲۲۲۳۷، سنن دارمی: ۱۲۴۲)

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس حدیث کو اپنے ظاہر پر محمول کیا جائے تو اس کا درج ذیل قرآن مجید کی آیت سے تعارض لازم آئے گا:

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (المزمل: ۲۰) پس جتنا قرآن پڑھنا تم پر آسان ہو (تم نماز میں) اتنا قرآن پڑھ لیا کرو۔

اس لئے اس حدیث کا محمل یہ ہے "جو شخص (نماز میں) فاتحۃ الکتاب کو نہ پڑھے اس کی نماز (کامل) نہیں ہے"۔ تاکہ یہ حدیث قرآن مجید کی آیت (المزمل: ۲۰) کے مزاحم نہ ہو۔

اسی طرح درجِ ذیل حدیث میں مذکور ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جس شخص نے ایسی نماز پڑھی جس میں فاتحۃ الکتاب کو نہیں پڑھا تو آپ نے تین بار فرمایا: اس کی نماز ناقص ہے"۔

(صحیح مسلم: ۳۹۵، الرقم المسلسل: ۸۶۷، سنن ابوداؤد: ۸۲۱، سنن ترمذی: ۲۴۷، سنن بیہقی ج ۲ ص ۳۹، سنن دارقطنی ج ۱ ص ۳۱۲، صحیح ابن حبان: ۱۷۷۹)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تصریح کی ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کے نہ پڑھنے سے نماز ناقص ہوگی یعنی کامل نہیں ہوگی، اگر سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہوتا تو سورۂ فاتحہ کے نہ پڑھنے سے نماز اصلاً باطل ہو جاتی۔

(تاویلات اہل السنۃ، ج ۱ ص ۳۵۴۔۳۵۶، ملخصاً و ملتقطاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

امام ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی المتوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

ہمارے تمام اصحابِ احناف رحمہم اللہ علیہم نے یہ کہا ہے کہ نماز کی دو رکعتوں میں سے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھی جائے اور ایک سورت پڑھی جائے، پس اگر کسی نے سورۂ فاتحہ پڑھنے کو ترک کر دیا اور اس کے علاوہ کوئی اور سورت پڑھی تو اس نے غلط کام کیا لیکن اس کی نماز ہو جائے گی۔ اور امام مالک نے کہا کہ جب اس نے دونوں رکعتوں میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی تو نماز دہرائے۔ اور امام شافعی نے کہا: اگر اس نے سورۂ فاتحہ میں سے ایک حرف کو بھی ترک کر دیا اور نماز سے باہر آ گیا تو نماز دہرائے گا۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۱۹، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۳۴ھ)

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: "تمام تعریفیں اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہیں جو تمام جہانوں کی پرورش فرمانے والا ہے O" (الفاتحہ: ۱)

حمد کا لغوی اور عرفی معنی

علامہ ابوالقاسم الحسین بن محمد الراغب الاصفہانی المتوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

حمد کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی کسی فضیلت کا ذکر کرنا، اور حمد مدح سے زیادہ خاص ہے اور شکر سے زیادہ عام ہے، کیونکہ مدح کسی اختیاری خوبی پر بھی ہوتی ہے جیسے کسی انسان کی سخاوت اور اس کے علم کی تعریف کرنا، اور مدح غیر اختیاری خوبی پر بھی ہوتی ہے جیسے کسی انسان کے لمبے قد اور اس کے حسن و جمال کی تعریف کرنا، اور حمد صرف اختیاری خوبی پر کی جاتی ہے، اس لیے حمد مدح سے زیادہ خاص ہے۔

اور شکر کا معنی ہے: کسی کے نعمت عطا کرنے اور اس کے احسان کرنے پر اس کی تعریف کی جائے، اور حمد عام ہے خواہ نعمت کے مقابلہ میں ہو یا غیر نعمت کے مقابلہ میں ہو، اس اعتبار سے حمد شکر سے زیادہ خاص ہے۔

جب کسی کی تعریف کی جائے تو اس کو محمود کہا جاتا ہے اور جس میں بہت زیادہ خصائلِ محمودہ ہوں وہ ''محمد'' ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام ''محمد'' بھی ہے کیونکہ آپ کی بہت زیادہ حمد کی گئی ہے اور آپ کا نام ''احمد'' بھی ہے، قرآن مجید میں ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (الفتح:۲۹) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔

نیز قرآن مجید میں ہے:

وَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ۔ (حضرت عیسیٰ نے کہا:) اور اس رسولِ مکرم کی (آمد کی) بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آئیں گے ان کا نام احمد ہے۔ (الصف:٦)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس قول میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام اور آپ کے فعل کی طرف اشارہ ہے، اور اس میں یہ تنبیہ ہے کہ جس طرح ان کا نام احمد ہے وہ اپنے اخلاق اور احوال میں محمود ہیں۔

(المفردات فی غریب القرآن ج ۱ ص ۱۷۲۔ ۱۷۳، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

علامہ علی بن محمد بن علی السید الشریف الحسینی الجرجانی الحنفی المتوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں:

حمد کی تعریف یہ ہے: زبان سے کسی کے حسن و خوبی کا بطورِ تعظیم ذکر کرنا خواہ وہ نعمت کے مقابلہ میں ہو یا نہ ہو۔

(کتاب التعریفات ص ٦٧، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

شیخ ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ الحنبلی المتوفی ۷۵۱ھ لکھتے ہیں:

محمود سے محبت کے ساتھ اس کے محاسن کا بطورِ تعظیم اور اجلال ذکر کرنا، اس کی حمد ہے۔ (بدائع الفوائد ج ۲ ص ۹۳، بیروت)

اللہ تعالیٰ کی حمد کرنے کا طریقہ

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری المتوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت الحکم بن عمیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم نے ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝'' کہا تو تم نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر دیا، پس وہ تم کو زیادہ نعمت عطا فرمائے گا۔

الاسود بن سریع بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو حمد سے زیادہ کوئی چیز پسند نہیں ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ

نے اپنی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ"۔(مسند احمد ج ٥ حدیث:١٥٥٨٦)

(جامع البیان ج١ ص٩٠۔٩١، دار الفکر، بیروت ١٤١٥ھ)

انبیاء علیہم السلام کی کی ہوئی حمد

علامہ ابی اللیث نصر بن محمد السمر قندی الحنفی المتوفی ٣٧٥ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہر شکر ادا کرنے والے نے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے ارشاد فرمایا:

فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٨﴾ (آپ کہیے:) تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ مخصوص ہیں جس نے ہم کو ظالم قوم سے نجات عطا کی O (المومنون:٢٨)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ وَهَبَ لِىْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ مخصوص ہیں جس نے مجھے بڑھاپے میں اسمٰعیل اور اسحاق عطا فرمائے۔ (ابراہیم:٣٩)

اور حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام نے شکر ادا کرتے ہوئے کہا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٥﴾ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ مخصوص ہیں جس نے ہمیں اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت عطا فرمائی O (النمل:١٥)

اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا۔ اور آپ کہیے: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ مخصوص ہیں جس نے اپنی کوئی اولاد نہیں بنائی۔ (بنی اسرائیل:١١١)

(تفسیر السمر قندی ج١ ص٧٩۔٨٠، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤١٣ھ)

اللہ عزوجل کے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" ارشاد فرمانے کی متعدد توجیہات

امام ابو منصور محمد بن محمد الماتریدی الحنفی المتوفی ٣٣٣ھ لکھتے ہیں:

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" فرما کر خود اپنی حمد فرمائی ہو تاکہ مخلوق کو معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ خود اپنی حمد کا مستحق ہے، یعنی کسی اور کی وجہ سے اللہ تعالیٰ حمد کا مستحق نہیں ہے اور مخلوق کو معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کی حمد کس طرح کی جاتی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے اور اس پر کوئی آفت نہیں آتی جس کی وجہ سے اس کی ذات میں کوئی کمی ہو اور بندے عیوب سے خالی نہیں ہیں اور ان پر آفات بھی آتی رہتی ہیں، سو بندوں میں جب کوئی عیب ہو یا کوئی کمی ہو یا ان پر کوئی آفت آئے تو وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آئیں اور اس سے فریاد کریں تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت سے ڈھانپ لے اور ان کے گناہوں سے درگزر فرمائے، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ ہی بذاتہٖ حمد کا مستحق ہے۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ عزوجل کے ارشاد "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" سے پہلے کوئی فعل مقدر ہو یعنی تم کہو "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان کا شکر ادا کیا جانا اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی زیادہ سے زیادہ اطاعت اور عبادت کی جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو نماز میں اتنا طویل قیام کرتے کہ آپ کے دونوں قدم پھٹ جاتے (یا سوج جاتے)، پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ اتنی زیادہ عبادت کیوں کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے تمام اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) خلافِ اولیٰ کاموں کی مغفرت فرمادی ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ میں اللہ تعالیٰ کا زیادہ شکر گزار بندہ بنوں!

(صحیح البخاری: ۱۱۳۰، ۴۸۳۷، صحیح مسلم: ۲۸۱۹، سنن ترمذی: ۴۱۲، سنن نسائی: ۱۶۴۴، سنن ابن ماجہ: ۱۴۱۹، مسند احمد: ۱۷۶۷۴)

اس سے معلوم ہوا کہ عبادت اور اطاعت کی تمام انواع اور اقسام کو بجالانا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے، پس جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر دیا۔

''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ عزوجل ان اوصافِ کمالیہ کے ساتھ اپنی مدح اور ثنا فرماتا ہے جن کا وہ مستحق ہے اور ان اوصاف سے براءت کا اظہار فرماتا ہے جو اس کی شان کے لائق نہیں ہیں، اور یہ کہ بندوں پر جو اللہ تعالیٰ نے انعام اور اکرام فرمایا ہے وہ اس میں منفرد ہے اور کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ مخلوق پر براہِ راست اور بلاواسطہ انعام فرماتا ہے جیسے کسی انسان کو اچھی صحت عطا فرمانا، اس کو حسین وجمیل پیدا کرنا، اس کو اولاد عطا فرمانا، اور کبھی مخلوق کے واسطہ سے اس پر انعام فرماتا ہے جیسے کسی بھوکے شخص کو کوئی انسان کھانا کھلا دے یا جیسے کسی تنگدست شخص کو کوئی مال ودولت عطا کر دے یا جیسے استاذ شاگردوں کو پڑھائے، سو اگرچہ بہ ظاہر یہ نعمتیں دوسرے انسانوں سے ملتی ہیں لیکن حقیقت میں ان نعمتوں کا عطا کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ ہے، اس لیے تمام نعمتوں پر اللہ تعالیٰ ہی کا شکر ادا کرنا لازم ہے، تاہم مخلوق کے واسطہ سے جو نعمتیں حاصل ہوں ان میں ان لوگوں کا بھی شکر ادا کرنا لازم ہے جن کے سبب سے وہ نعمتیں ملی ہیں، حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر گزار نہیں ہے''۔ (سنن ابوداؤد: ۴۸۱۱، سنن ترمذی: ۱۹۵۴)

اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرنے کے متعلق احادیث

(۱) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص ایسا خواب دیکھے جو اس کو پسند ہو تو وہ خواب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے، اس خواب پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور اس کو لوگوں کے سامنے بیان کرے اور جب وہ اس کے سوا کوئی ناپسندیدہ چیز خواب میں دیکھے تو یہ خواب شیطان کی جانب سے ہے، سو وہ شیطان کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے اور اس خواب کا کسی سے ذکر نہ کرے تو وہ خواب اس کو کوئی ضرر نہیں پہنچائے گا۔

(صحیح البخاری: ۶۹۸۵، صحیح مسلم: ۲۲۶۱، سنن ترمذی: ۳۴۵۳، مسند احمد: ۱۰۶۷۰)

(۲) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب کسی بندہ کا بیٹا فوت ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے: تم نے میرے بندہ کے بیٹے کی روح کو قبض کرلیا؟ وہ عرض کرتے ہیں: جی ہاں! پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تم نے میرے بندہ کے دل کے ٹکڑے کو قبض کرلیا؟ وہ عرض کرتے ہیں: جی ہاں! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرا بندہ (اس مصیبت پر) کیا کہتا تھا؟ فرشتے کہتے ہیں: اے اللہ! اس نے تیری حمد کی اور ''اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ'' پڑھا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے اس بندہ کے لیے جنت میں ایک گھر بنادو اور اس گھر کا نام ''بیت الحمد'' رکھو۔

(سنن ترمذی: ۱۰۲۱، مسند احمد: ۱۹۲۲۶، ج ۴ ص ۴۱۵، صحیح ابن حبان: ۲۹۴۸، فیض القدیر ج ۱ ص ۴۴۰)

(۳) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ اس بندہ سے راضی ہوتا ہے جب وہ ایک لقمہ کھائے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور جب پانی کا ایک گھونٹ پئے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرے۔

(صحیح مسلم: ۲۷۳۴، سنن ترمذی: ۱۸۲۳)

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند فرماتا ہے اور جماہی کو ناپسند فرماتا ہے، پس جب تم میں سے کسی ایک کو چھینک آئے تو وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور جو مسلمان اس کی حمد کو سنے تو وہ اس کو دعا دے (یرحمک اللہ کہے) اور رہی جماہی تو وہ شیطان سے ہے، جتنا ہوسکے اس جماہی کو روکے، پس جب وہ (منہ پھاڑ کر) ھآء کہتا ہے تو شیطان اس پر ہنستا ہے۔ (صحیح البخاری: ۳۲۸۹، ۶۲۲۳، صحیح مسلم: ۲۹۹۴، سنن ترمذی: ۲۷۴۷، سنن ابوداؤد: ۵۰۲۸، مسند احمد: ۹۲۴۶)

(۵) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں اس کلام کی خبر نہ دوں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ہے؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اس کلام کی خبر دیجئے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ہے، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ کلام ''سبحان اللہ وبحمدہٖ'' ہے۔

(صحیح مسلم: ۲۷۳۱، سنن ترمذی: ۳۶۰۴، مسند احمد: ۲۱۳۷۸)

(۶) حضرت فضالہ بن عبید الاوسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایسے شخص کو نماز میں دعا کرتے ہوئے سنا جس نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی تھی اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے نماز پڑھنے والے! تم نے جلدی کی ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو تعلیم دی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرد کو نماز پڑھتے ہوئے سنا، اس نے اللہ تعالیٰ کی تمجید اور تعظیم کی اور اس کی حمد کی اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم دعا کرو تمہاری دعا قبول ہوگی اور تم سوال کرو تم کو عطا فرمایا جائے گا۔ (سنن ترمذی: ۳۴۷۶، سنن نسائی: ۱۲۱۷)

(۷) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے مومن کے لیے اللہ عزوجل کی قضاء پر تعجب ہوتا ہے، اگر مومن کو خیر پہنچے تو وہ اپنے رب کی حمد کرتا ہے اور شکر ادا کرتا ہے اور اگر اس پر کوئی مصیبت آئے تب بھی وہ اپنے رب کی حمد کرتا ہے اور مومن کو ہر چیز میں اجر دیا جاتا ہے حتیٰ کہ جو کھانے کا لقمہ وہ اپنی بیوی کے منہ میں رکھتا ہے اس پر بھی اجر دیا جاتا ہے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۳، رقم الحدیث: ۱۴۸۷، یہ حدیث صحیح مسلم: ۲۹۹۹ میں بھی مذکور ہے مگر اس میں حمد کا ذکر نہیں ہے)

(۸) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں اور میزان میں

بھاری ہیں اور رحمٰن کے نزدیک محبوب ہیں ''سبحان اللہ العظیم سبحان اللہ وبحمدہٖ''۔

(صحیح البخاری:۶۴۰۶، صحیح مسلم:۲۶۹۴، سنن ترمذی:۳۴۶۷، سنن ابن ماجہ:۳۸۰۶، مسند احمد:۷۱۲۷)

صحیح البخاری: ۷۵۶۳ میں مذکور ہے: ''سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم''۔

(۹) حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، جب آپ نے رکوع سے سر اٹھایا تو کہا''سمع اللہ لمن حمدہ'' ایک مرد نے کہا:''ربنا ولک الحمد حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ'' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے پوچھا: یہ کلمات کہنے والا کون تھا؟ اس شخص نے عرض کیا: میں تھا، آپ نے فرمایا: میں نے دیکھا تیس سے زیادہ فرشتے جھپٹ رہے تھے کہ کون ان کلمات کو پہلے لکھتا ہے۔

(صحیح البخاری:۷۹۹، سنن نسائی:۱۰۶۲، سنن ابوداؤد:۷۷۰، مسند احمد:۱۸۵۱۷، موطا امام مالک:۴۹۱)

(۱۰) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے ایک دن میں سو مرتبہ کہا:''سبحان اللہ وبحمدہٖ'' تو اس کے گناہ مٹا دیئے جائیں گے خواہ اس کے گناہ سمندر کے جھاگ جتنے ہوں۔

(صحیح البخاری:۶۴۰۵، صحیح مسلم:۲۶۹۱، سنن ترمذی:۳۴۶۶، سنن ابن ماجہ:۳۸۱۲، مسند احمد:۸۶۱۷)

(۱۱) حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کچھ کھاتے یا پیتے تو یہ دعا کرتے:

الحمد للہ الذی اطعم وسقی وسوّغہ وجعل لہ مخرجا۔ — تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں جس نے کھلایا اور پلایا اور اس کو گلے سے نیچے اتارا اور اس کے نکلنے کا راستہ بنایا۔

(سنن ابوداؤد:۳۸۹۱، عمل الیوم واللیلۃ للنسائی:۲۸۵، صحیح ابن حبان:۵۲۲۰، المعجم للطبرانی:۳۸۰)

(۱۲) حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کھاتے یا پیتے تو یہ دعا کرتے:

الحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمین۔ — تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور ہم کو مسلمان بنایا۔

(سنن ابوداؤد:۳۸۵۰، سنن ترمذی:۳۴۵۷، سنن ابن ماجہ:۳۲۸۳، مسند احمد:۱۰۸۸۳، ج ۳ ص ۳۲)

(۱۳) حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سونے کے لیے بستر پر جاتے تو یہ دعا کرتے:

باسمك اموت واحیا۔ — میں تیرے نام سے فوت ہوتا ہوں اور زندہ ہوتا ہوں۔

اور جب بستر سے اٹھتے تو دعا کرتے:

الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور — تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ مخصوص ہیں جس نے ہمیں وفات دینے کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف (قیامت کے دن) اٹھنا ہے۔

(صحیح البخاری:۶۳۱۲، صحیح مسلم:۲۷۱۱، سنن ترمذی:۳۴۱۷، سنن ابوداؤد:۵۰۴۹، سنن ابن ماجہ:۳۸۸۰، مسند احمد:۲۲۷۶۰، سنن دارمی:۲۶۸۶)

(۱۴) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: افضل الذکر ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' ہے اور افضل الدعاء ''اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ'' ہے۔

(سنن ترمذی:۳۳۸۳، عمل الیوم واللیلۃ للنسائی:۱۰۶۶۷، سنن ابن ماجہ:۳۸۰۰، صحیح ابن حبان:۸۴۳، المستدرک للحاکم:۵۰۳، شعب الایمان

للبیہقی:۴۰۶۱)

(۱۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جس مہتم بالشان کام کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ نہیں کی جائے گی وہ ناتمام رہے گا۔

(سنن ابوداؤد:۴۸۴۰، عمل الیوم واللیلۃ للنسائی:۴۹۴، سنن ابن ماجہ:۱۸۹۴، مسند احمد:۸۴۹۵، ج ۲ ص ۳۵۹، صحیح ابن حبان:۱، ۲، سنن بیہقی ج ۳ ص ۲۰۸، شعب الایمان للبیہقی:۴۰۶۲)

رب کا لغوی اور عرفی معنی

علامہ ابوالقاسم الحسین بن محمد الراغب الاصفہانی المتوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

''رب'' کا اصل معنی ہے: تربیت یعنی کسی چیز کو تدریجاً ایک حال سے دوسرے حال کی طرف لے جا کر اس کو تمام وکمال تک پہنچانا، لفظ ''رب'' کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لیے مطلقاً استعمال نہیں کیا جاتا اور اس کا معنی ہے: وہ ذات جو تمام موجودات کی مصلحتوں کی متکفل ہے اور جب لفظ ''رب'' کی کسی کی طرف اضافت کی جائے تو پھر اس کا استعمال اللہ تعالیٰ کے لیے بھی ہوتا ہے اور اس کے غیر کے لیے بھی ہوتا ہے جیسے ''رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔۔۔ (الفاتحہ:۱)'' (تمام جہانوں کا رب) اور ''اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۔۔۔ (الصافات:۱۲۶)'' (یعنی) اللہ جو تمہارا (بھی) رب ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا کا بھی رب ہے ○

اور اللہ تعالیٰ کے غیر کے لیے اضافت کے ساتھ استعمال کی مثال یہ ہے کہ کہا جاتا ہے ''رب الدار و رب الفرس'' یعنی گھر کا مالک اور گھوڑے کا مالک، اور اسی اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ (یوسف:۴۲)

تم اپنے آقا کے سامنے میرا ذکر کرنا، پس شیطان نے اس شخص کو بھلا دیا کہ وہ اپنے آقا کے سامنے یوسف کا ذکر کرے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ (یوسف:۲۳)

(یوسف نے) کہا: اللہ کی پناہ! بے شک وہ (یعنی تمہارا شوہر) میری پرورش کرنے والا ہے، اس نے میری رہائش کا عمدہ انتظام کیا ہے۔

اس آیت میں ''رَبِّيْٓ'' کے متعلق دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ''رَبِّيْٓ'' سے اللہ تعالیٰ کا ارادہ کیا تھا یعنی میرا رب، دوسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے ''رَبِّيْٓ'' سے اس بادشاہ کا ارادہ کیا تھا جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پرورش کی تھی۔

(المفردات فی غریب القرآن ج ۱ ص ۲۴۵، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

العالمین کا لغوی اور عرفی معنی

علامہ ابوالقاسم الحسین بن محمد الراغب الاصفہانی المتوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

اَلْعٰلَمِيْنَ ''عَالَم'' کی جمع ہے، آسمان نے جن جواہر اور اعراض کا احاطہ کیا ہوا ہے اس کو ''عَالَم'' کہتے ہیں۔ عالم ''فاعَل'' کے وزن پر اسمِ آلہ کا صیغہ ہے یعنی علم اور جاننے کا آلہ، جیسا کہ ''خَاتَم'' اس آلہ کا نام ہے جس سے کسی چیز کو ختم کیا جاتا ہے اور اس کو مُہر

سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور چونکہ یہ جہان اللہ تعالیٰ کی ذات پر دلالت کرنے کا آلہ ہے اس لئے اس جہان کو ''عَالَم'' کہا جاتا ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت کی معرفت کو اس جہان میں غور وفکر کرنے پر موقوف فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ کیا انہوں نے آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہت میں غور نہیں کیا۔

(الاعراف:۱۸۵)

جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی وحدانیت کا علم ہو ان کو عالَم کہتے ہیں، اور اس کو جمع کے صیغہ کے ساتھ لانے کی توجیہ یہ ہے کہ اس کی ہر نوع کا نام عالَم رکھا گیا ہے، پس کہا جاتا ہے ''عالَم الانسان'' ''عالَم الماء'' اور ''عالَم النار''۔

نیز روایت ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کے لیے دس ہزار سے زیادہ عالَم ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عالَمین سے مراد فرشتوں اور جنات اور انسانوں کے عالَم ہیں، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دو عالَم ہیں، ایک عالَمِ کبیر ہے اور دوسرا عالَمِ صغیر ہے، عالَمِ کبیر تو یہ جہان ہے جو آسمانوں اور زمینوں پر مشتمل ہے اور عالَمِ صغیر خود انسان ہے، کیونکہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے عالَمِ کبیر کی ہیئت پر پیدا فرمایا ہے اور ہر وہ چیز جو عالَمِ کبیر میں ہے اس کو انسان میں بھی رکھا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ۔ (حم السجدہ:۵۳) ہم عنقریب ان کو (اپنی الوہیت اور وحدانیت کی) نشانیاں اطرافِ عالَم میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کی ذات میں بھی (وہ نشانیاں دکھائیں گے)۔

(المفردات فی غریب القرآن ج ۲ ص ۴۴۷۔۴۴۸، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی ابن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

مفسرین نے کہا ہے: ''الْعٰلَمِيْنَ'' کی تفسیر میں پانچ اقوال ہیں: (۱) الضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ تمام آسمان اور زمینیں اور جو کچھ ان میں ہیں وہ عالَم ہے۔ (۲) ابوصالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ ہر جاندار جو روئے زمین پر چلتا ہے وہ عالَم ہے۔ (۳) مجاہد اور مقاتل نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ جنات اور انسان عالَم ہیں۔ (۴) نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جنات اور انسان اور ملائکہ عالَم ہیں۔ (۵) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ صرف ملائکہ عالَم ہیں۔ (زاد المسیر فی علم التفسیر ج ۱ ص ۱۹، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: ''سب پر رحم فرمانے والے نہایت مہربان ہیں O'' (الفاتحہ:۲)

رحمٰن اور رحیم کی کچھ تفسیر ہم ''بِسْمِ اللّٰهِ'' کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں، مزید تفسیر ہم یہاں لکھ رہے ہیں۔

رحمٰن اور رحیم کے لغوی اور عرفی معنی

رحمت کا معنی رِقّت اور تعطّف ہے یعنی دل کا نرم ہونا اور مہربانی کرنا، اور رحمت کا معنی مغفرت بھی ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی صفت میں ارشاد فرمایا:

هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ (یوسف:۱۱۱) (قرآن مجید) ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے O

چونکہ مومنین کے ایمان لانے کا سبب قرآن مجید ہے اس لیے وہ ان کے لیے رحمت ہے۔

(لسان العرب ج ۶ ص ۱۲۴، دار صادر، بیروت، ۲۰۰۳ء)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی المتوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت ''رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' کے بعد دوسری صفت ''الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○'' ذکر فرمائی، کیونکہ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کا ذکر ایک قسم کی ترہیب اور عذاب سے ڈرانے کو متضمن ہے اور ''الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○'' کی صفت ایک نوع کی ترغیب کو متضمن ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں ترہیب اور ترغیب دونوں جمع ہو جائیں، کیونکہ انسان یا اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر کر اس کی نافرمانی سے اجتناب کرتا ہے اور یا اللہ تعالیٰ کے ثواب کی امید کی وجہ سے اس کی اطاعت اور عبادات کو بجالاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا یہ اسلوب ہے کہ وہ ترہیب اور ترغیب کو جمع فرماتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَ اَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ۝ (الحجر: ۴۹-۵۰)

اے رسولِ معظم! میرے بندوں کو یہ خبر دیجئے کہ بے شک میں ہی بے حد بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہوں ○ اور یہ بھی خبر دیجئے کہ میرا ہی عذاب درد دینے والا عذاب ہے ○

الحجر: ۴۹ میں رحمت کی امید دلائی ہے اور الحجر: ۵۰ میں عذاب سے ڈرایا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ (المومن: ۳)

(اللہ تعالیٰ) گناہ بخشنے والے اور توبہ قبول فرمانے والے، بہت سخت عذاب (دینے) والے ہیں اور صاحب کرم ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی پہلی دو صفتوں میں بخشش کی امید دلائی ہے اور بعد کی صفت میں عذاب سے ڈرایا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس دن اللہ تعالیٰ نے رحمت کو پیدا کیا تو اس نے سو رحمتوں کو پیدا کیا، پھر اس نے ننانوے رحمتیں اپنے پاس رکھ لیں اور تمام مخلوق میں ایک رحمت رکھی ہے، پس اللہ تعالیٰ کے پاس جو رحمتیں ہیں اگر کافر ان کو جان لے تو وہ جنت سے مایوس نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے پاس جتنے عذاب ہیں اگر مومن ان کو جان لے تو وہ دوزخ سے بے خوف نہیں ہوگا۔

(صحیح البخاری: ۶۰۰۰، ۶۴۶۹، صحیح مسلم: ۲۷۵۲، سنن ترمذی: ۳۵۴۱، سنن ابن ماجہ: ۴۲۹۳، مسند احمد: ۲۶۹۳، سنن دارمی: ۲۷۸۵، صحیح ابن حبان: ۳۴۵)

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۱۸۴، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں: ''جزاء (اور سزاء) کے دن کے مالک ہیں ○'' (الفاتحہ: ۳)

''مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ'' کا لغوی اور شرعی معنی

علامہ ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور الافریقی المصری المتوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

اللیث نے کہا: مالک صرف اللہ تعالیٰ و تقدس ہے جو تمام بادشاہوں کا بادشاہ ہے اور وہی ''يَوْمِ الدِّيْنِ'' کا مالک ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہے: ''مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۔ (البقرہ: ۳)''، اس کی قراءت میں اختلاف ہے:

ابن کثیر اور نافع اور ابوعمرو اور ابن عامر اور حمزہ نے اس کو پڑھا ''مَلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ'' (بغیر الف کے) اور عاصم اور الکسائی

اور یعقوب نے اس کو الف کے ساتھ ''مالِك'' پڑھا۔

المنذر نے از ابوالعباس روایت کی ہے کہ انہوں نے ''مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ'' کو مختار قرار دیا ہے، انہوں نے کہا: ہر وہ جس کی ملکیت میں کوئی چیز ہو وہ مالک ہوتا ہے جیسے ''مالك الدراهم'' (یعنی دراہم کا مالک) اور ''مالك الثوب'' (یعنی کپڑے کا مالک) اور ''مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ'' کا معنی ہے جو يَوْمِ الدِّيْنِ کو قائم کرنے کا مالک ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ (آل عمران:٢٦)

اے رسولِ مکرم! آپ کہیے: اے اللہ! تمام سلطنتوں کے مالک، آپ جس کو چاہیں سلطنت عطا فرماتے ہیں اور جس سے چاہتے ہیں سلطنت چھین لیتے ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ○ (المؤمن:١٦)

(قیامت کے دن اللہ عزوجل ارشاد فرمائیں گے:) آج کے دن کس کی بادشاہی ہے؟ صرف اللہ کی (بادشاہی ہے) جو واحد ہیں، سب پر غالب ہیں ○

(لسان العرب ج ١٤ ص ١٢٥، دار صادر، بیروت ٢٠٠٣ء)

امام ابومنصور محمد بن محمد الماتریدی الحنفی المتوفی ٣٣٣ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس پر علماء کا اجماع ہے کہ ''يَوْمِ الدِّيْنِ'' سے مراد ''یوم الحساب'' اور ''یوم الجزاء'' ہے، (یعنی قیامت کا دن ہے)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ (النور:٢٥)

جس دن اللہ تعالیٰ (ان کے گناہوں کا) پورا پورا اور برحق بدلہ دیں گے۔

یعنی پاک دامن عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگانے والوں کو قیامت کے دن پوری پوری اور برحق سزا دے گا کیونکہ اس سے پہلی آیات میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو پاک دامن عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگاتے تھے۔ (النور: ٢٣۔٢٤)

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان صفات کے ساتھ موصوف کرنا جائز ہے جو صفات ابھی وقوع میں نہ آئی ہوں کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کا مالک ہے'' جب کہ ابھی تک قیامت کا دن اور یوم الحساب کا وقوع نہیں ہوا بلکہ بعد میں ہوگا، اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ازل میں بھی ''خالق'' تھا اور ''رحیم'' تھا اور ''جواد'' تھا اور ''سمیع'' تھا، ہر چند کہ اس کے خالق ہونے اور اس کے رحم فرمانے اور اس کے جواد ہونے اور اس کے سمیع ہونے کا ظہور بعد میں ہوا۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ازل میں ہر چیز کا رب ہے اور ہر چیز کا ازل میں معبود ہے اگرچہ یہ چیزیں حادث ہیں اور بعد میں وجود میں آئی ہیں۔

(تاویلات اہل السنۃ ج ١ ص ٣٦٢، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

''مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ'' کی قراءت پر ''مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ'' کی قراءت کا راجح ہونا

علامہ ابواللیث نصر بن محمد بن احمد بن ابراہیم السمرقندی الحنفی المتوفی ٣٧٥ھ لکھتے ہیں:

ابوعبداللہ محمد بن شجاع البلخی بیان کرتے ہیں کہ پہلے میں الکسائی کی قراءت کے مطابق ''مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ'' (الف کے ساتھ) پڑھتا تھا، پھر مجھے بعض اہلِ لغت نے بتایا کہ ''المَلِك'' کا وصف ''مالِك'' کے وصف سے زیادہ بلیغ ہے، تو میں حمزہ کی قراءت کے موافق ''مَلِك يوم الدين'' پڑھنے لگا، پھر میں نے خواب میں دیکھا کہ کسی آنے والے نے مجھ سے کہا: تم نے ''مالِك'' کے الف کو کیوں حذف کر دیا ہے؟ کیا تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نہیں پہنچی کہ آپ نے فرمایا: ''جس نے قرآن مجید کو پڑھا اس کو ہر حرف کے بدلہ میں دس نیکیاں ملیں گی، پس تم نے اپنی نیکیوں میں سے ہر قراءت میں سے دس نیکیوں کو کیوں کم کر دیا؟ سو جب صبح کو میں اٹھا تو میں لغت کے امام قطرب کے پاس گیا اور میں نے ان سے پوچھا کہ ''مَلِك'' اور ''مالِك'' میں کیا فرق ہے؟ تو انہوں نے بتایا: ان کے درمیان بہت فرق ہے، رہا ''مَلِك'' تو وہ بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ ہے اور رہا ''مالِك'' تو وہ تمام بادشاہوں کا مالک ہے، پھر میں دوبارہ الکسائی کی قراءت کے موافق ''مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ'' پڑھنے لگا۔

''مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ'' کا معنی ہے: حساب کے دن فیصلہ کرنے والا اور حاکم، نیز ''يَوۡمِ الدِّيۡنِ'' کا معنی ہے: ''يوم القضاء'' یعنی فیصلہ کا دن، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا كَانَ لِيَاۡخُذَ اَخَاهُ فِىۡ دِيۡنِ الۡمَلِكِ (یوسف:۷۶) — اور (یوسف) بادشاہ کے قانون کے مطابق اپنے بھائی کو نہیں رکھ سکتے تھے۔

اس آیت میں ''دِيۡنِ الۡمَلِكِ'' کا معنی ہے: بادشاہ کے قانون اور اس کی قضاء کے مطابق، نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''يَوۡمِ الدِّيۡنِ'' کا معنی ہے: جزاء اور سزا کا دن جیسے کہا جاتا ہے ''كما تدين تدان'' یعنی تم جو سلوک کسی کے ساتھ کرو گے ویسا ہی سلوک تمہارے ساتھ کیا جائے گا۔

''يَوۡمِ الدِّيۡنِ'' کی تخصیص کی توجیہ

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اللہ عزوجل تو ہر دن کا مالک ہے خواہ وہ ''يَوۡمِ الدِّيۡنِ'' ہو یا اور کوئی دن، پھر ''يَوۡمِ الدِّيۡنِ'' کی تخصیص کی کیا توجیہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا میں دنیاوی بادشاہ اپنی اپنی بادشاہت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن حساب کے دن صرف اللہ تعالیٰ ہی کی بادشاہت ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''لِمَنِ الۡمُلۡكُ الۡيَوۡمَ'' (آج کے دن کس کی بادشاہی ہے)، تو تمام مخلوق جواب دے گی ''لِلّٰهِ الۡوَاحِدِ الۡقَهَّارِ''۔ (تفسیر السمرقندی، ج ۱ ص ۸۱۔ ۸۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں: ''(اے اللہ! ہمیں توفیق دے) کہ فقط آپ ہی کی ہم عبادت کریں اور صرف آپ ہی سے مدد طلب کریں ۝'' (الفاتحہ:۴)

الفاتحہ:۴ کی تفسیر میں ہم پہلے عبادت اور اطاعت کے حقائق بیان کریں گے اور اس کے بعد استعانت کی تحقیق کریں گے۔

عبادت کا لغوی معنی

امام خلیل بن احمد الفراہیدی المتوفی ۱۷۵ھ لکھتے ہیں:

''عَبَدَ يَعۡبُدُ عِبَادَةً'' صرف اسی کے لئے کہا جاتا ہے جو اللہ عزوجل کی عبادت کرے، اور جو غلام اپنے مالک کی خدمت کرتا

ہے اس کے متعلق یہ نہیں کہا جاتا کہ وہ اس کی عبادت کرتا ہے۔ (کتاب العین ج ۲ ص ۱۱۲۳، مطبع باقری، قم، ایران، ۱۴۱۴ھ)

علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری المتوفی ۳۹۸ھ لکھتے ہیں:

''العبودیة'' کا اصل معنی ہے: خضوع اور ذلت۔ (الصحاح ج ۲ ص ۵۰۳، دار العلم للملایین، بیروت، ۱۴۰۴ھ)

عبادت کا شرعی معنی

علامہ ابوالقاسم الحسین بن محمد الراغب الاصفہانی المتوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

''العبودیة'' کا معنی ہے: تذلل کا اظہار کرنا، اور ''العبادة'' اس سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ وہ انتہائی تذلل ہے اور اس کا مستحق وہی ہوتا ہے جس نے انتہائی انعام اور اکرام کیا ہو اور وہ صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ (بنی اسرائیل: ۲۳) — اور آپ کے رب نے یہ حکم فرمایا ہے کہ تم اس کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرو۔

عبادت کی دو قسمیں ہیں، ایک غیر اختیاری عبادت ہے جو ساری کائنات کرتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنۡ كُلُّ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ اِلَّاۤ اٰتِی الرَّحۡمٰنِ عَبۡدًا ؀ (مریم: ۹۳) — آسمانوں اور زمینوں میں جو بھی مخلوق ہے وہ سب رحمٰن کی بارگاہ میں بطورِ عبادت گزار پیش ہوگی O

دوسری قسم اختیاری عبادت ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعۡبُدُوۡا رَبَّكُمُ (البقرہ: ۲۱) — اے لوگو! تم سب اپنے رب کی عبادت کرو۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاعۡبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡـئًا (النساء: ۳۶) — اور (صرف) اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔

(المفردات فی غریب القرآن ج ۲ ص ۴۱۵، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

عبادت کا اصطلاحی معنی

علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی متوفی ۱۰۰۳ھ لکھتے ہیں:

مکلف اپنے نفس کی خواہش کے خلاف اپنے رب کی تعظیم کے لیے جو کام کرے اس کو عبادت کہتے ہیں۔

(التوقیف علی مہمات التعاریف للمناوی ص ۲۳۴)

علامہ علی بن محمد بن علی میر سید شریف الجرجانی الحنفی المتوفی ۸۱۶ھ نے بھی عبادت کی یہی تعریف کی ہے، نیز وہ ''العبودیة'' کی تعریف میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہود کو پورا کرنا اور اس کی حدود کی حفاظت کرنا اور جو چیز مل جائے اس پر راضی ہونا اور جو چیز نہ ملے اس پر صبر کرنا عبودیت ہے۔ (کتاب التعریفات ص ۱۰۵، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

عبادت کی تعریف میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا حکم دیا ہے اس پر عمل کرنا اور جس کام سے اس نے منع فرمایا ہے اس کو ترک کرنا عبادت ہے''۔ (تیسر العزیز الحمید ص ۷۴، قرۃ عیون الموحدین ص ۱۵، فتح المجید ص ۱۴)

میں کہتا ہوں کہ یہ تعریف اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بجائے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے زیادہ مناسب ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اطاعت کا لغوی اور عرفی معنی

اطاعت کا مادہ ''طوع'' ہے، اس کا معنی ہے ''الانقیاد'' یعنی حکم کی تعمیل کرنا۔

اطاعت کا استعمال وہاں کیا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی حکم پر عمل کرے۔

اطاعت کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء: ۸۰)

جس شخص نے رسول کے حکم پر عمل کیا تو بے شک اس نے اللہ کے حکم پر عمل کر لیا۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

بَلٰى ۚ مَنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحۡسِنٌ فَلَهٗۤ اَجۡرُهٗ عِنۡدَ رَبِّهٖ (البقرہ: ۱۱۲)

کیوں نہیں! جس نے اپنا چہرہ اللہ کی اطاعت کے لیے جھکا دیا اور وہ نیکوکار (بھی) ہے تو اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَفَغَيۡرَ دِيۡنِ اللّٰهِ يَبۡغُوۡنَ وَلَهٗۤ اَسۡلَمَ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ طَوۡعًا وَّكَرۡهًا (آل عمران: ۸۳)

(کیا یہ کفار) اللہ کے دین کے سوا کسی اور دین کو طلب کرتے ہیں؟ حالانکہ تمام آسمانوں اور زمینوں والوں نے خوشی اور ناخوشی سے اسی کے سامنے اطاعت کے ساتھ گردن جھکائی ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلۡ اِنِّىۡۤ اُمِرۡتُ اَنۡ اَكُوۡنَ اَوَّلَ مَنۡ اَسۡلَمَ (الانعام: ۱۴)

(اے رسول مکرم!) آپ کہیے: مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے اللہ کے سامنے اطاعت کے ساتھ گردن جھکانے والا ہو جاؤں۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِذۡ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسۡلِمۡ ۙ قَالَ اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝ (البقرہ: ۱۳۱)

(اے رسول مکرم! اس وقت کو) یاد کیجئے جب ابراہیم کو ان کے رب نے حکم دیا: (اپنی) گردن میری اطاعت میں جھکا دو تو انہوں

نے کہا: میں نے (اپنی) گردن تمام جہانوں کے رب کے لیے
جھکادی ○

اللہ تعالیٰ کی عبادت کے متعلق احادیث

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک اعرابی نے آ کر کہا: یارسول اللہ! مجھے ایسا عمل بتائیے جس کو کرنے کے بعد میں جنت میں داخل ہوجاؤں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: ''تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور فرض نمازوں کو قائم کرو اور فرض زکوٰۃ کو ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو'' اس اعرابی نے کہا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! میں نہ اس حکم کے اوپر کوئی اضافہ کروں گا اور نہ اس حکم سے کوئی کمی کروں گا، پس جب وہ واپس چلا گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص کو اس سے خوشی ہو کہ وہ کسی جنتی آدمی کو دیکھے تو وہ اس شخص کو دیکھ لے''۔

(صحیح البخاری: ۱۳۹۷، صحیح مسلم: ۱۴، مسند احمد: ۸۳۱۰)

(۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب عرفہ کا دن ہوتا ہے تو اللہ عزوجل آسمان کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور بندوں کی وجہ سے فرشتوں پر فخر فرماتا ہے، پس ارشاد فرماتا ہے: ''میرے ان بندوں کو دیکھو یہ دور دراز سے غبار آلود اور بکھرے ہوئے بالوں کے ساتھ آئے ہیں، میں تمہیں گواہ کرتا ہوں کہ بے شک میں نے ان سب کی مغفرت فرمادی ہے''، پس فرشتے عرض کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ان میں فلاں شخص تو ظالم تھا اور فلاں فلاں جھوٹے لوگ تھے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: ''میں نے ان سب کی مغفرت فرمادی ہے''، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''عرفہ کے دن سب سے زیادہ لوگ دوزخ سے آزاد ہوں گے''۔

(صحیح ابن خزیمہ: ۲۸۴۰، شعب الایمان للبیہقی ج ۸ ص ۹، شرح السنہ للبغوی ج ۷ ص ۱۵۹ رقم الحدیث: ۱۹۳۱)

(۳) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب بندہ بیمار ہوتا ہے یا سفر کرتا ہے تو اس کے وہی نیک اعمال اس کے لئے لکھ دیے جاتے ہیں جو وہ تندرستی اور اپنے وطن میں سکونت پذیر ہونے کے وقت کرتا تھا۔ (یعنی بیماری اور سفر کی وجہ سے وہ اپنے ان نیک اعمال کو جاری نہیں رکھ سکتا تھا تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کی بیماری اور عذر کی وجہ سے اس کے وہی اعمال اس کے اعمال نامہ میں فرشتوں سے لکھوا دیتا ہے)۔ (صحیح البخاری: ۲۹۹۶، سنن ابوداؤد: ۳۰۹۱، مسند احمد: ۱۹۱۸۰)

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ تم سے تین کاموں پر راضی ہوتا ہے اور تمہارے تین کاموں پر ناراض ہوتا ہے، پس اللہ تعالیٰ تمہارے اس کام سے راضی ہوتا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، اور یہ کہ تم سب اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو (یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرو) اور متفرق نہ ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے تین کاموں کو ناپسند فرماتا ہے ''قیل وقال'' (یعنی لوگوں کی باتوں میں مشغول رہنا)، اور ''بہ کثرت سوال کرنا'' (یعنی غیر ضروری چیزوں کے متعلق سوال کرنا) اور ''مال کو ضائع کرنا''۔ (صحیح مسلم: ۱۷۱۵، مسند احمد: ۸۸۰۷)

(۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک نوجوان کے پاس تشریف لے گئے وہ اس وقت مرنے کے قریب تھا، آپ نے اس سے پوچھا: تم اپنے دل میں کیسی چیز پاتے ہو؟ اس نے کہا: یارسول اللہ! اللہ کی قسم! میں اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید

رکھتا ہوں اور اپنے گناہوں کی وجہ سے عذاب سے ڈرتا ہوں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی بندۂ مومن کے دل میں موت کے وقت یہ دو چیزیں جمع نہیں ہوں گی مگر اللہ تعالیٰ اس کو وہ اجر عطا فرمائے گا جس کی وہ امید رکھتا ہے اور اس کو اس عذاب سے امان میں رکھے گا جس سے وہ ڈرتا ہے۔ (سنن ترمذی: ۹۸۳، سنن ابن ماجہ: ۴۲۶۱، اس حدیث کی سند حسن ہے)

(۶) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس دن اللہ تعالیٰ کے سائے کے سوا کوئی سایا نہیں ہوگا اس دن اللہ تعالیٰ سات مردوں کو اپنے سائے میں رکھے گا: (۱) انصاف کرنے والا حاکم (۲) وہ نوجوان جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں پروان چڑھا (۳) وہ مرد جس کا دل مساجد میں معلق رہتا ہے (۴) وہ دو مرد جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں ملتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں الگ ہوتے ہیں (۵) وہ مرد جس کو کسی ایسی عورت نے گناہ کی دعوت دی جو اقتدار کے منصب پر تھی اور حسن و جمال والی تھی تو اس مرد نے کہا: ''میں اللہ سے ڈرتا ہوں'' (اس پر خطر گھاٹی کے امام حضرت یوسف علیہ السلام ہیں۔ از سعیدی غفرلہٗ)، (۶) وہ مرد جس نے پوشیدہ طریقہ سے صدقہ دیا حتیٰ کہ اس کے دائیں ہاتھ کو پتا نہ چل سکا کہ اس کے بائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے (۷) وہ مرد جس نے تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

(صحیح البخاری: ۶۶۰، ۱۴۲۳، صحیح مسلم: ۱۰۳۱، سنن ترمذی: ۲۳۹۱، سنن نسائی: ۵۳۸۰، مسند احمد: ۹۳۷۳، موطا امام مالک: ۱۷۷۷)

(۷) حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فتنہ کے وقت عبادت کرنا ایسا ہے جیسے میری طرف ہجرت کرنا۔ (صحیح مسلم: ۲۹۴۸، سنن ترمذی: ۲۲۰۸، سنن ابن ماجہ: ۳۹۸۵، مسند احمد: ۲۰۳۳۳)

(۸) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے ایسا عمل بتلایئے جو مجھے جنت میں داخل کردے اور دوزخ سے دور کردے، آپ نے فرمایا: تم نے بہت بڑی چیز کا سوال کیا ہے اور یہ کام اسی پر آسان ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ اس کام کو آسان کردے اور وہ یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور ہمیشہ نماز پڑھو اور ہمیشہ زکوٰۃ ادا کرو اور پابندی سے رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو، پھر آپ نے فرمایا: کیا تمہیں نیکی کے ابواب نہ بتاؤں؟ روزہ ڈھال ہے اور صدقہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے جیسا کہ پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اور مرد کا آدھی رات کے وقت نماز پڑھنا، پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: ''تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ ۔۔۔ (السجدہ: ۱۶)'' ((متقین) کے ''پہلو'' ان کے بستروں سے الگ رہتے ہیں) ۔۔۔۔ الحدیث (سنن ترمذی: ۲۶۱۶، سنن ابن ماجہ: ۳۹۷۳، مسند احمد: ۲۱۵۱۱، ج ۵ ص ۲۳۱)

(۹) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کون ہے جو مجھ سے ان باتوں کو یاد کرے پھر ان پر عمل کرے یا اس کو تعلیم دے جو ان پر عمل کرے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں ہوں، تو آپ نے میرا ہاتھ پکڑا پھر پانچ باتوں کو گنا اور فرمایا: (۱) تم حرام کاموں سے بچو تم تمام لوگوں سے زیادہ عبادت گزار ہوگے (۲) تم اللہ کی تقسیم پر راضی رہو تو تم تمام لوگوں سے زیادہ غنی ہوگے (۳) تم اپنے پڑوسی کے ساتھ حسنِ سلوک کرو تو تم کامل مومن ہوگے (۴) اور تم لوگوں کے لیے ان چیزوں کو پسند کرو جن کو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو تو تم کامل مسلمان ہوگے (۵) اور زیادہ ہنسا نہ کرو کیونکہ زیادہ ہنسا دل کو مردہ کر دیتا ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۳۰۵، مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۰)

(۱۰) معدان بن ابی طلحہ الیعمری بیان کرتے ہیں: میری حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ

غلام تھے، میں نے کہا: مجھے ایسا عمل بتائیے جس کو کرنے کے بعد میں جنت میں داخل ہو جاؤں یا کہا: مجھے ایسا عمل بتائیے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ہو تو حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے، میں نے پھر دوبارہ ان سے سوال کیا تو وہ پھر خاموش ہو گئے، میں نے تیسری بار ان سے سوال کیا تو انہوں نے کہا: میں نے اس چیز کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا تھا تو آپ نے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ کے لیے کثرتِ سجود کو لازم کر لو، کیونکہ جب تم ایک سجدہ کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ اس سے تمہارا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور تمہارا ایک گناہ ساقط کر دیتا ہے۔ (صحیح مسلم: ۴۸۸، سنن ترمذی: ۳۸۸، سنن ابن ماجہ: ۱۴۲۳، مسند احمد: ۲۲۴۴۰)

عبادت کے فوائد

(۱) عبادت کرنے سے عظیم ثواب ملتا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ راضی ہوتا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی عبادت دین کی علامت ہے اور ایمان کی دلیل ہے۔

(۳) عبادت کرنے والوں کا فرشتے اپنے پروں سے احاطہ کرتے ہیں اور اس کی حفاظت کرتے ہیں۔

(۴) عبادت کرنے سے قبر میں منکر نکیر کے سوالات کے جوابات کی توفیق ملتی ہے۔

علامہ ابو اللیث نصر بن محمد بن احمد السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ'' فرما کر مومنین کو یہ تعلیم دی ہے کہ جب وہ اللہ عزوجل کے سامنے نماز میں کھڑے ہوں تو کیا کہیں؟ پس ان کو حکم دیا کہ وہ اپنی عبادت کا ذکر کریں اور اپنے ضعف کا ذکر کریں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ان کو عبادت کی توفیق دے اور عبادت کرنے میں ان کی مدد کرے اور ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ'' کا معنی ہے: ہم تجھے واحد مانتے ہیں اور تیری ہی اطاعت کرتے ہیں۔

(تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۸۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ'' (تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں) فرمایا ہے ''نعبدك'' (ہم عبادت کرتے ہیں تیری) نہیں فرمایا، کیونکہ ''نعبدكَ'' میں ہماری عبادت کا ذکر مقدم ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر مؤخر ہے اور ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ'' میں اللہ تعالیٰ کی ذات کا ذکر مقدم ہے اور ہماری عبادت کا ذکر مؤخر ہے۔

اس میں ایک نکتہ یہ ہے کہ ابتداء میں ہی عبادت گزار کو اس پر تنبیہ ہو کہ برحق معبود صرف اللہ تعالیٰ ہے لہٰذا وہ اس کی تعظیم میں سستی نہ کرے اور دائیں بائیں التفات نہ کرے۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اگر عبادت گزار پر عبادت کی مشقت دشوار ہو تو ابتداء میں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اس پر عبادت کی مشقت آسان ہو جائے اور وہ سہولت کے ساتھ نماز میں قیام اور رکوع اور سجود کرے۔

تیسرا نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ واجب اور قدیم ہے اور اس کا وجود سب سے پہلے ہے تو چاہیے کہ اس کا ذکر بھی سب سے پہلے ہو، لہٰذا بندہ پہلے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے پھر اپنی عبادت کا ذکر کرے۔

چوتھا نکتہ یہ ہے کہ اگر ''نعبدك'' کہا جاتا تو اس سے اللہ تعالیٰ کے غیر کی عبادت کی نفی نہ ہوتی اور جب ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ'' کہا اور اس میں حصر ہے یعنی تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں تو اس سے اللہ تعالیٰ کے غیر کی عبادت کی نفی ہو گئی۔

پانچواں نکتہ یہ ہے کہ اگر ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ'' کے بجائے ''ایاك اعبد'' ہوتا یعنی تیری ہی میں عبادت کرتا ہوں، تو اس میں تکبر ہوتا اور اپنی بڑائی ہوتی اور جب کہا ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ'' یعنی تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں، تو اس میں صرف اپنی عبادت کا ذکر نہیں ہے بلکہ اپنے آپ کو عبادت گزاروں میں سے ایک قرار دیا یعنی میں تیری عبادت کرنے میں اکیلا اور منفرد نہیں ہوں بلکہ جو تیرے عبادت گزار بندے ہیں میں ان میں سے ایک ہوں، سو پہلی صورت میں تکبر ہے اور دوسری صورت میں تواضع ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے سامنے تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو سربلند کرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے سامنے تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پست کر دیتا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۲۱۱۔ ۲۱۲، ملخصاً و ملتقطاً، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی البغدادی الحنفی المتوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے کہا تھا:

سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا (الکہف:۶۹) ان شاء اللہ! عنقریب آپ مجھے صابر پائیے گا۔

اور حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے اپنے والدِ ماجد حضرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا:

سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ ان شاء اللہ! آپ مجھے عنقریب صابرین میں سے پائیے گا O

(الصافات:۱۰۲)

حضرت ذبیح علیہ السلام نے انکسار اور تواضع سے اپنے آپ کو صابرین میں سے ایک قرار دیا اور حضرت کلیم علیہ السلام نے اپنے آپ کو صابر قرار دیا تھا اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔

اس میں دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جمع کے صیغہ کے ساتھ ''نعبد'' کہنے کی تعلیم اور تلقین کی تاکہ یہ واضح ہو کہ یہ دعا کرنے والا خود کو منفرد نہیں سمجھتا بلکہ اپنے ساتھ دیگر حاضرینِ جماعت کو بھی شامل رکھتا ہے اور کراماً کاتبین کو بھی ساتھ رکھتا ہے۔ اور امام غزالی قدس سرہ نے کہا: اس میں یہ اشارہ ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا تنہا نماز پڑھنے سے افضل ہے۔

(روح المعانی ج ۱ ص ۱۴۶۔ ۱۴۷، دار الفکر، بیروت ۱۴۱۷ھ)

میں کہتا ہوں: میں نے بعض حواشی میں پڑھا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (التوبہ:۱۱۱) بے شک اللہ نے ایمان والوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا۔

اللہ تعالیٰ نے تمام مومنین سے اجتماعی بیع کی ہے اور متفرق طور پر الگ الگ بیع نہیں کی، اور جب متعدد چیزوں کی اجتماعی بیع کی جائے تو اس میں خریدار کو یہ اختیار نہیں ہوتا کہ وہ بعض کو بیع میں شامل رکھے اور دوسرے بعض کو نکال دے، اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص مثلاً ایک من سیبوں کی پیٹی کو کسی معین رقم کے عوض خریدتا ہے، اب خریدنے کے بعد اسے یہ اختیار نہیں ہوگا کہ اس پیٹی میں چند سیب داغ دار ہیں ان کو میں نہیں خریدتا اور باقی کو خریدوں گا، کیونکہ بیچنے والا یہ کہے گا کہ تم نے یہ اجتماعی بیع کی ہے رکھنا ہے تو سارے سیبوں کو رکھو اور اگر واپس کرنا ہے تو سارے سیبوں کو واپس کرو، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تمام مومنین سے ان کی جانوں اور مالوں کے بدلہ میں اجتماعی بیع فرمائی ہے، اب یا تو اللہ تعالیٰ تمام مومنین کو اس بیع میں شامل فرمائے گا، اگر اس بیع کو فسخ کرے گا تو

تمام مومنین سے اس بیع کو فسخ فرمائے گا اور تمام مومنین میں اللہ تعالیٰ کے مقرب اور مقبول بندے بھی ہیں جن کی بیع کو اللہ تعالیٰ فسخ نہیں فرمائے گا تو پھر ان مومنین میں اگر ہم ایسے بعض ناکارہ اور ناقص بندے بھی ہوں تو اجتماعی بیع کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ ہم کو بھی قبول فرمالے گا اور اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادۃ ہے، جب اس نے تمام مومنین سے ان کی جانوں اور مالوں کے بدلہ میں جنت کی بیع فرمائی تو ہم جیسے نکمے اور ناقص بندے بھی اللہ تعالیٰ کے علم میں تھے اور جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے نقص اور قصور کے باوجود یہ بیع فرمائی تو پھر اللہ تعالیٰ اس اجتماعی بیع کو فسخ نہیں فرمائے گا، سو''نعبد''کو جمع کے صیغہ کے ساتھ لانے میں یہ اشارہ ہے کہ ہم تمام مومنین خواہ وہ اعلیٰ ہوں یا ادنیٰ ہوں اجتماعی طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان میں سے کاملین کی عبادت کو رد نہیں فرمائے گا تو ان کے ضمن میں ہم جیسے ناقصین کی عبادت کو بھی قبول فرمالے گا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

عبادت کی تفصیل اور تحقیق کے بعد اب ہم استعانت کی تفسیر شروع کرتے ہیں۔ فنقول وباللہ التوفیق

علامہ ابوالقاسم الحسین بن محمد الراغب الاصفہانی المتوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

''الاستعانۃ''کا مادہ''العون''ہے، اس کا معنی ہے:''المعاونۃ والمظاھرۃ''کہا جاتا ہے''فلان عَوۡنِی''یعنی فلاں میرا مددگار ہے اور کہا جاتا ہے''قد اَعَنۡتُہ''یعنی میں نے اس کی مدد کی۔ قرآن مجید میں ہے:

فَاَعِیۡنُوۡنِیۡ بِقُوَّۃٍ اَجۡعَلۡ بَیۡنَکُمۡ وَ بَیۡنَہُمۡ رَدۡمًا ﴿۹۵﴾

(ذوالقرنین نے کہا:) تم میری قوتِ بازو سے مدد کرو میں تمہارے اور ان (یاجوج ماجوج) کے درمیان نہایت مضبوط دیوار بنادوں گا ○ (الکہف: ۹۵)

اور''الاستعانۃ''کا معنی ہے: مدد کو طلب کرنا، اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَعِیۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَ الصَّلٰوۃِ

اے ایمان والو! صبر (کرنے) اور نماز (پڑھنے) سے مدد طلب کرو۔ (البقرہ: ۱۵۳)

علامہ ابن رجب حنبلی متوفی ۷۳۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کا حکم دیا ہے ان کو بجالانے میں اور جن کاموں سے منع فرمایا ہے ان سے باز رہنے میں اور دنیا میں مُقدّرات میں اور موت کی حالت میں اور موت کے بعد برزخ اور قیامت کی ہولناکیوں میں بندہ اللہ تعالیٰ سے استعانت اور مدد طلب کرنے کا محتاج ہے اور ان تمام امور میں صرف اللہ عزوجل ہی اس کی مدد کرنے پر قادر ہے اور جو شخص ان امور میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنے کو ترک کرتا ہے اور اللہ کے غیر سے مدد طلب کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس بندہ کو اس غیر کے سپرد کردے گا اور وہ بندہ ان تمام امور میں ناکام اور نامراد ہوگا، کیونکہ بندہ اپنے فائدہ کی چیزوں کے حصول میں اور مضر چیزوں کے دفع کرنے میں از خود قادر نہیں ہے اور ان تمام امور میں اللہ تعالیٰ کے سوا اس کا کوئی مددگار نہیں ہے، پس جس نے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی تو وہی اس کا مددگار ہے اور''لاحول ولا قوۃ الا باللہ''کا بھی یہی معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر نہ کوئی شخص گناہوں کو ترک کرسکتا ہے اور نہ کوئی شخص نیکیوں کو حاصل کرسکتا ہے۔ (جامع العلوم والحکم ص ۱۸۲)

عبادت کو استعانت پر مقدم کرنے کی وجوہ

(۱) انسان کو جس لیے پیدا کیا گیا ہے عبادت اس کی غایت ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ۝ (الذاریات:۵۶) اور میں نے جنّ اور انسان کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں O

(۲) عبادت مقصود ہے اور استعانت اس کا وسیلہ ہے اور مقصود وسیلہ پر مقدم ہوتا ہے۔

(۳) استعانت، عبادت کا جزو ہے اور ''کل'' شرف کے اعتبار سے جزو پر مقدم ہوتا ہے۔

(۴) عبادت صرف اخلاص سے کی جاتی ہے اور استعانت عام لوگ کرتے ہیں خواہ وہ مخلص ہوں یا نہ ہوں، سو جو کام اخلاصِ محض سے ہے اس کو مقدم کیا گیا ہے۔

استعانت کے متعلق احادیث اور متقدمین کے اقوال

(۱) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن سواری پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، آپ نے فرمایا: اے بیٹے! میں تمہیں چند کلمات کی تعلیم دیتا ہوں: ''تم اللہ تعالیٰ کی (ان باتوں سے) حفاظت کرو (جو اس کی شان کے لائق نہیں)، اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت فرمائے گا اور تم اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے پاؤ گے، جب تم سوال کرو تو صرف اللہ عزوجل سے سوال کرو اور جب تم مدد طلب کرو تو صرف اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو''۔

(ابن ابی عاصم فی السنہ:۳۱۶، سنن ترمذی:۲۵۱۶، المعجم للطبرانی:۱۲۹۸۸، ابن السنّی فی عمل الیوم واللیلۃ:۴۲۵، شعب الایمان للبیہقی:۱۹۵، الآجری فی الشریعہ ص ۱۹۸، مسند عبد بن حمید:۶۳۶، العقیلی فی الضعفاء ج ۳ ص ۵۳، المستدرک للحاکم ج ۳ ص ۵۴۱۔۵۴۲، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۱۴، کتاب الآداب للبیہقی:۱۰۷۳، مسند ابویعلیٰ:۱۰۹۹، تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۱۲۵، الدر المنثور ج ۱ ص ۱۵۹، مسند احمد ج ۱ ص ۲۹۳، رقم الحدیث:۲۶۶۹، موسسۃ الرسالہ، بیروت ۱۴۲۰ھ، امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے)

(۲) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم جب جہاد فرماتے تو یہ دعا کرتے: ''اے اللہ! تو ہی میری قوت ہے اور تو ہی میرا مددگار ہے اور میں تیری ہی مدد سے قتال کرتا ہوں''۔

(سنن ترمذی:۳۵۸۴، سنن ابوداؤد:۲۶۳۲، السنن الکبریٰ للنسائی ج ۱ ص ۶۰۴، عمل الیوم واللیلۃ للنسائی ص ۳۹۳۔۳۹۴)

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم دعا کرتے تھے: ''اے میرے رب! میری مدد فرما اور میرے مخالف کی مدد نہ فرما اور میری نصرت فرما اور میرے مخالف کی نصرت نہ فرما اور میرے حق میں تدبیر فرما اور میرے خلاف تدبیر نہ فرما اور مجھے ہدایت پر قائم رکھ اور میری ہدایت کو میرے لیے آسان فرما دے اور میرے مخالفین کے خلاف میری نصرت فرما، اے اللہ! مجھے اپنا شکر کرنے والا بندہ بنا اور اپنا ذکر کرنے والا بندہ بنا جو خوشی اور خوف کی حالت میں تیرا ذکر کرتا ہو اور مجھے تیرے سامنے عاجزی کرنے والا اور تیری طرف رجوع کرنے والا بنا، اے میرے رب! میری توبہ قبول فرما اور میرے خلافِ اولیٰ کاموں کو دھو ڈال۔

(سنن ابوداؤد:۱۵۱۰، سنن ابن ماجہ:۳۸۳۰، مسند احمد:۱۹۹۸، ج ۱ ص ۲۲۷، المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۵۱۹۔۵۲۰، کتاب الاذکار للنووی:۶۰۶)

علامہ ابن رجب حنبلی متوفی ۷۳۶ھ لکھتے ہیں:

سلف صالحین نے بعض حکماء کی یہ دعا نقل کی ہے: ''اے میرے رب! مجھے اس پر تعجب ہوتا ہے جو تجھے پہچانتا ہے پھر تیرے غیر سے امید وابستہ رکھتا ہے اور مجھے اس پر تعجب ہوتا ہے جو تجھے پہچانتا ہے پھر وہ تیرے غیر سے کیسے مدد طلب کرتا ہے! (جامع العلوم والحکم ص ۱۸۲)

علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ ھ لکھتے ہیں:

''دین'' استعانت اور عبادت کا نام ہے، پس اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا استعانت ہے اور اللہ عزوجل کی طرف رجوع کرنا عبادت ہے۔
(بصائر ذوی التمییز ج ۲ ص ۳۱۵)

استعانت کے فوائد

(۱) اپنی مہمات میں صرف اللہ عزوجل سے استعانت کرنا اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی توحید کا مظہر ہے۔

(۲) جب مسلمان اپنی مشکلات میں صرف اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتا ہے تو اس کا محض اپنے رب تعالیٰ پر اعتماد ہوتا ہے اور اس کا رب اس کی مشکل اور مصیبت کو دور فرما دیتا ہے اور اس کے گناہ کو معاف فرما دیتا ہے۔

(۳) صرف اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنے سے اس کی مشکلات حل ہو جاتی ہیں اور مصائب دور ہو جاتے ہیں۔

(۴) استعانت سے بندہ کے قلب کی اصلاح ہوتی ہے اور اس کی روح پاکیزہ ہوتی ہے۔

اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں: ''ہمیں (ہمیشہ) سیدھے راستہ پر چلائیں O'' (الفاتحہ:۵)

امام ابو منصور محمد بن محمد الماتریدی الحنفی المتوفی ۳۳۳ھ ''اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی ہے: ہمیں ٹیڑھے اور گمراہ راستہ سے بچا اور ہمارے حق میں ہدایت کو پیدا فرما دے۔

اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں ان کے حق میں اس دعا کا معنی یہ ہے کہ ہمیں ہدایت پر ثابت قدم رکھیں اور ہماری ہدایت کے درجات میں اضافہ فرمائیں جیسا کہ قرآنِ مجید کی یہ آیت ہے:

يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ (النساء:۱۳۶) اے مسلمانو! ہمیشہ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھو۔

مسلمان تو پہلے ہی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے والے ہیں، سو اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم اس ایمان پر ثابت قدم رہو، اور اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایمان کے درجات میں ترقی کرو۔

اور رہا ''الصِّرَاط'' تو اس کا معنی طریق اور سبیل ہے یعنی راستہ، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَقۡرَبُوۡا مَالَ الۡيَتِيۡمِ اِلَّا بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ حَتّٰى يَبۡلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوۡفُوا الۡكَيۡلَ وَالۡمِيۡزَانَ بِالۡقِسۡطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَا ۚ وَاِذَا قُلۡتُمۡ فَاعۡدِلُوۡا وَلَوۡ كَانَ ذَا قُرۡبٰى ۚ وَبِعَهۡدِ اللّٰهِ اَوۡفُوۡا ؕ ذٰ لِكُمۡ وَصّٰٮكُمۡ بِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ ۝ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِىۡ مُسۡتَقِيۡمًا فَاتَّبِعُوۡهُ ۚ
(الانعام:۱۵۲-۱۵۳)

اور تم یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ سوا اس طریقہ کے جو بہت ہی عمدہ ہو حتیٰ کہ وہ یتیم اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو، ہم کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتے، اور جب تم (کسی کے متعلق) بات کہو تو برحق بات کہو خواہ وہ تمہارا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو، اور تم اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرو، اللہ تمہیں ان باتوں کا حکم دیتا ہے تا کہ تم نصیحت حاصل کرو O اور یہ کہ یہی میرا سیدھا راستہ ہے، سو تم اسی راستہ پر چلو۔

بعض مفسرین نے کہا کہ ''صراطِ مستقیم'' سے مراد قرآنِ مجید ہے اور ان کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: سنو! عنقریب فتنے برپا ہوں گے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ان فتنوں سے نکلنے کی کونسی صورت ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ اللہ کی کتاب ہے جس میں تم سے پہلے لوگوں کے حالات ہیں اور تمہارے بعد کے لوگوں کے احوال ہیں اور اس میں تمہارے حلال اور حرام کا بیان ہے اور وہ حق اور باطل کے درمیان فاصل ہے اور اس میں فضول باتیں نہیں ہیں، اور وہ اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے اور حکمت اور نصیحت والا کلام ہے اور وہی صراطِ مستقیم ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۹۰۶، سنن دارمی: ج ۲ ص ۴۳۵، مسند احمد: ۷۰۶، ج ا ص ۹۱)

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی الحنفی المتوفی ۱۲۷۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

میرے نزدیک ''صراطِ مستقیم'' کو عموم پر محمول کرنا زیادہ مناسب ہے یعنی اے اللہ! ہمیں عبادات اور اعتقادات اور اخلاقیات اور سیاسیات اور معاملات اور مناکحات اور دیگر امورِ دینیہ میں صراطِ مستقیم پر قائم رکھ تاکہ ہم قبر اور برزخ اور حشر اور پل صراط اور میزان اور دوزخ کے عذاب سے نجات پا جائیں اور جنت الفردوس میں اور آخرت کے بلند درجات سے واصل ہو جائیں۔

(روح المعانی ج ا ص ۱۵۱، دار الفکر بیروت ۱۴۱۷ھ)

اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں: ''ان لوگوں کا راستہ، جن پر آپ نے انعام فرمایا'' (الفاتحہ:٦)

''نعمۃ'' کا لغوی معنی

''نَعمۃ'' کا معنی ہے: بہتری، آسودگی، دولت۔ اور ''نِعمۃ'' کا معنی ہے: فائدہ، فضل، انعام۔ کہا جاتا ہے ''فلانٌ واسع النعمۃ'' یعنی فلاں شخص بہت مال دار ہے۔ (المنجد مترجم، ص ۱۰۳۰، دار الاشاعت، کراچی)

علامہ ابو القاسم الحسین بن محمد الراغب الاصفہانی المتوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

''نِعمۃ'' کا معنی ہے: عمدہ حالت، اور نعمۃ جنس ہے، اس کا اطلاق قلیل اور کثیر دونوں پر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ (النحل:۱۸) — اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو شمار نہ کر سکو گے۔

اور ''انعام'' کا معنی ہے: کسی دوسرے پر احسان کرنا۔ ذوی العقول اور ناطقین پر جو احسان کیا جائے اسی کو انعام کہتے ہیں مثلاً یوں نہیں کہا جائے گا کہ فلاں شخص نے اپنے گھوڑے پر انعام کیا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (الفاتحہ:٦) — جن پر تو نے انعام فرمایا۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ (الاحزاب:۳۷) — (اے رسولِ مکرم!) اس وقت کو یاد کیجئے جب آپ اس شخص سے کہتے تھے جس پر اللہ نے احسان فرمایا اور آپ نے بھی اس پر احسان کیا۔

(المفردات فی غریب القرآن ج ۲ ص ۶۴۴۔۶۴۵، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی الشافعی المتوفی ۶۰۶ھ ''الفاتحہ:٦'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مخلوق کو جو نفع پہنچتا ہے یا اس سے جو ضرر دور ہوتا ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ (النحل: ۵۳) تم کو جو نعمتیں میسر ہیں سو ان سب کا حصول اللہ کی طرف سے ہے۔

نعمۃ کی تین قسمیں ہیں: (۱) ایسی نعمۃ جس کو عطا کرنے میں اللہ تعالیٰ منفرد ہے جیسے پیدا کرنا اور رزق دینا (۲) ایسی نعمۃ جس کا حصول کسی دوسرے کے سبب سے ہو جیسے پرورش اور نشوونما، اس کا حصول والدین کے توسّل اور ان کے سبب سے ہوتا ہے لیکن درحقیقت اس نعمت کا عطا کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝ (لقمٰن: ۱۴)

ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ نیکی کرنے کی وصیت کی جسے اس کی ماں نے تکلیف پر تکلیف برداشت کرتے ہوئے پیٹ میں اٹھایا اور (آخر کار) دو برس میں اس کا دودھ چھڑانا ہوتا ہے (اور اس کو تاکید کی کہ) میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو (کیونکہ) تم کو (انجام کار) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے ○

اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنا شکر ادا کرنے کا حکم دیا اور پھر والدین کا شکر ادا کرنے کا حکم دیا اور اس میں یہ تنبیہ کی کہ مخلوق کا انعام خالق کے انعام کے بغیر مکمل نہیں ہوتا (۳) ایسی نعمت جو ہم کو اللہ تعالیٰ نے ہماری عبادت کے سبب سے عطا فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (ابراہیم: ۷)

اور (یاد کرو) جب تمہارے رب نے تمہیں آگاہ فرمادیا تھا کہ اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں ضرور تمہیں اور زیادہ نعمتیں دوں گا۔

اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ ہمیں ان لوگوں کے راستہ پر چلا جن پر تو نے انعام فرمایا ہے اور جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے ان کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ (النساء: ۶۹)

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے تو وہ لوگ (آخرت میں) ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے جو انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین ہیں اور یہ لوگ کیا ہی عمدہ ساتھی ہیں ○

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے برحق ہونے پر دلیل

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے بڑے صدیق ہیں، سو اس آیت کا حاصل یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم اس ہدایت کو طلب کریں جس ہدایت پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور باقی صدیقین قائم تھے اور اگر بالفرض حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ظالم ہوتے تو ان کی اقتداء کرنا جائز نہ ہوتا، سو یہ آیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت کے برحق ہونے پر دلیل ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۲۲۰۔۲۲۱، داراحیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابواللیث نصر بن محمد بن احمد السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ابوالعالیہ نے بیان کیا کہ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا وہ ہمارے نبی علیہ السلام ہیں اور آپ کے بعد آپ کے دو صحابی حضرت

ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ہیں، عاصم نے کہا: میں نے یہ تفسیر حسن بصری سے بیان کی تو انہوں نے کہا: ابوالعالیہ نے سچ کہا اور خیر خواہی کی۔ (المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۲۵۹) (تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۸۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۳ھ)

علامہ سید محمود آلوسی البغدادی الحنفی المتوفی ۱۲۷۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ان کے متعلق متعدد اقوال ہیں:

(۱) الانبیاء (۲) تحریف اور نسخ سے پہلے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے اصحاب (۳) سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب (۴) سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما۔

اس کی اولیٰ تفسیر وہ ہے جو امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ نے ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا وہ انبیاء ہیں اور ملائکہ ہیں اور شہداء ہیں اور صدیقین ہیں اور وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کرتے ہیں اور اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے "فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیۡقِیۡنَ وَالشُّہَدَآءِ وَالصّٰلِحِیۡنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًا ﴿۶۹﴾ ۔۔۔ (النساء:۶۹)"۔ (روح المعانی ج ۱ ص ۱۵۶، دار الفکر، بیروت)

اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں: "نہ ان لوگوں کا راستہ جن پر غضب کیا گیا اور نہ (ہی) گمراہوں کا راستہ O" (الفاتحہ:۷)

غضب کا لغوی اور عرفی معنی

علامہ ابوالقاسم الحسین بن محمد الراغب الاصفہانی المتوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

غضب کا معنی ہے: انتقام کے ارادہ سے دل کے خون کا جوش میں آنا، حدیث میں ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں عصر کی نماز پڑھائی ۔۔۔ پھر چند نصیحتوں کے بعد آپ نے فرمایا: سنو! بے شک غضب ابنِ آدم کے قلب میں ایک انگارہ ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس کی آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں اور اس کی رگیں پھول جاتی ہیں، پس جس شخص کو ایسی کیفیت محسوس ہو تو اسے چاہیے کہ وہ زمین سے چپک جائے۔

(سنن ترمذی: ۲۱۹۱، سنن ابنِ ماجہ: ۴۰۰۰)

جب غضب کے لفظ کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت ہو تو اس سے مراد صرف انتقام ہوتا ہے، قرآن مجید میں ہے:

وَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ (البقرہ:۶۱) — اور وہ اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ (الفاتحہ:۷) — نہ ان لوگوں کا راستہ جن پر غضب کیا گیا۔

(المفردات فی غریب القرآن ج ۲ ص ۴۶۸، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

علامہ علی بن محمد بن علی السید الشریف الجرجانی المتوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں:

دل کے خون کے جوش کی وجہ سے انسان کی جو حالت متغیر ہو جائے اس کو غضب کہتے ہیں۔

(کتاب التعریفات ص ۱۱۶، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور الافریقی المصری المتوفی ۷۱۱ ھ لکھتے ہیں:

مخلوقین کے غضب کا معنی یہ ہے کہ ان کے دلوں میں کوئی چیز داخل ہو جائے، بعض غضب قابلِ تعریف ہوتے ہیں اور بعض غضب لائقِ مذمت ہوتے ہیں، جو غضب قابلِ تعریف ہے یہ وہ غضب ہے جو دین کی وجہ سے ہو، اور جو غضب لائقِ مذمت ہے یہ وہ غضب ہے جو کسی ناحق بات پر ہو، اور رہا اللہ تعالیٰ کا غضب تو وہ نافرمانوں کے انکار کی وجہ سے ہوتا ہے، سو اللہ تعالیٰ ان کو نافرمانی کی سزا دیتا ہے۔ حدیث میں غضب کے لفظ کا بہت زیادہ ذکر ہے اور اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کا نافرمانی پر ناراض ہونا اور اس سے اعراض کرنا اور اس کو سزا دینا۔ (لسان العرب ج ۱۱ ص ۵۵، دار صادر، بیروت، ۲۰۰۳ء)

غضب کے متعلق احادیث

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی مرد اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے، سو وہ انکار کرے اور وہ مرد رات بھر اپنی بیوی پر غیظ و غضب میں گزارے تو اس کی بیوی پر صبح تک فرشتے لعنت کرتے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۳۲۳۷، صحیح مسلم: ۱۴۳۶، سنن ابوداؤد: ۲۱۴۱، مسند احمد: ۹۸۶۵، سنن دارمی: ۲۲۲۸)

(۲) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص غضب میں آئے اور وہ کھڑا ہوا ہو تو بیٹھ جائے، اگر اس کا غضب دور ہو جائے تو فبہا ورنہ وہ لیٹ جائے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۷۸۲، مسند احمد: ۲۰۸۴۱، ج ۵ ص ۱۵۲)

(۳) حضرت عطیہ بن سعد القرظی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک غضب شیطان کے اثر سے ہے اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ پانی سے ٹھنڈی ہوتی ہے، پس جب تم میں سے کوئی شخص غضب میں آئے تو اس کو چاہیے کہ وہ وضو کرے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۷۸۴، مسند احمد: ۱۷۵۲۴، ج ۴ ص ۲۲۶)

(۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: مجھے وصیت کیجئے! آپ نے فرمایا: تم کسی پر غضب نہ کرو، اس نے بار بار پوچھا تو آپ نے یہی فرمایا: تم غضب نہ کرو۔ (صحیح البخاری: ۶۱۱۶، سنن ترمذی: ۲۰۲۰، مسند احمد: ۹۶۸۲)

(۵) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! بعض لوگ دیر سے غضب میں آتے ہیں اور جلدی ان کا غضب دور ہو جاتا ہے اور بعض لوگ جلدی غضب میں آتے ہیں اور جلدی غضب دور ہو جاتا ہے، پس یہ اس کے عوض ہے، سنو! اور ان میں سے بعض جلدی غضب میں آتے ہیں اور دیر سے ان کا غضب دور ہوتا ہے، سنو! ان میں بہترین وہ ہے جو دیر سے غضب میں آئے اور جلدی اس کا غضب دور ہو جائے، سنو! ان میں بدترین وہ ہے جو جلدی غضب میں آئے اور دیر سے اس کا غضب دور ہو۔ (سنن ترمذی: ۲۱۹۱، ملتقطاً)

(۶) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم تعلیم دو اور آسانی کرو اور مشکل میں نہ ڈالو، اور جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو وہ خاموش ہو جائے۔ (مسند احمد: ۲۱۳۷، ج ۱ ص ۲۳۹)

(۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص پہلوان نہیں ہے جو کسی کو پچھاڑ دے، پہلوان وہ شخص ہے جو غضب کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔ (صحیح البخاری: ۶۱۱۴، صحیح مسلم: ۲۶۰۹، مسند احمد: ۷۱۷۸، موطا امام مالک: ۱۶۸۱)

(۸) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ سبحانہٗ سے دعا نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ

اس پر غضب ناک ہوتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۳۸۲۷، مسند احمد: ۹۴۲۶، ج ۲ ص ۴۴۳)

(۹) حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جب تم غضب میں ہو تو دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہ کرو۔

(صحیح البخاری: ۷۱۵۸، صحیح مسلم: ۱۷۱۷، سنن ترمذی: ۱۳۳۴، سنن نسائی: ۵۴۰۶، سنن ابوداؤد: ۳۵۸۹، سنن ابن ماجہ: ۲۳۱۶، مسند احمد: ۱۹۹۵۴)

(۱۰) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس آئے اور میں نے گھر میں ایسا پردہ لٹکایا ہوا تھا جس میں تصویریں بنی ہوئی تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ (غضب سے) متغیر ہو گیا، آپ نے پردہ کو پکڑ کر پھاڑ دیا، پھر فرمایا: قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے ساتھ مشابہت کرتے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۵۹۵۴، صحیح مسلم: ۲۱۰۷)

غضب کی آفات اور نقصانات

(۱) بندہ کا غضب ''الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○'' کو غضب میں لاتا ہے اور ''الشیطان الرجیم'' کو راضی کرتا ہے۔

(۲) غضب کے وقت صبر کرنا دشمن کے خلاف جہاد کرنے سے زیادہ مشکل ہے۔

(۳) غضب کے سبب سے رشتہ داروں سے تعلق منقطع ہوتا ہے اور آپس میں جھگڑے ہوتے ہیں۔

(۴) غضب کے سبب سے کینہ اور حسد پیدا ہوتا ہے اور غضب عقل اور دین کا نقصان ہے۔

(۵) غضب کی وجہ سے کتنی مرتبہ انسان نادم ہوتا ہے اور عذر تلاش کرتا ہے اور کبھی وقت گزرنے کے بعد نادم ہوتا ہے۔

(۶) جو شخص غضب میں ہو وہ نصیحت اور عبرت سے فائدہ نہیں اٹھاتا۔

(۷) غضب کی تاثیر سے بعض اوقات آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں، کان بہرے ہو جاتے ہیں، زبان گونگی ہو جاتی ہے اور انسان عاجز ہو جاتا ہے۔

(۸) غضب کی وجہ سے لوگ اس شخص سے نفرت کرتے ہیں اور اس کے قریب جانے سے ڈرتے ہیں۔

''ضالّین'' کے لغوی، عرفی اور شرعی معانی

علامہ ابوالقاسم الحسین بن محمد الراغب الاصفہانی المتوفی ۵۰۲ ھ لکھتے ہیں:

''الضلال'' کا معنی ہے: طریقِ مستقیم یعنی سیدھے راستہ سے انحراف کرنا، وراس کی ضد ''الھدایۃ'' ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا (یونس: ۱۰۸)

سو جس نے ہدایت کو اختیار کیا تو اس نے اپنے ہی فائدہ کے لیے ہدایت کو اختیار کیا، اور جس نے گمراہی کو اختیار کیا تو وہ گمراہی سے اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ سیدھے راستہ سے جو انحراف بھی ہو خواہ عمداً ہو یا سہواً ہو خواہ کم ہو یا زیادہ ہو تو وہ ضلال ہے، کیونکہ سیدھا راستہ جو اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ ہے اس پر چلنا بہت مشکل ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ (ہود: ۱۱۲) (اے رسولِ مکرم!) سو آپ اسی طرح قائم رہیں جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے۔

روایت ہے کہ بعض صالحین نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواب میں زیارت کی، پس پوچھا: یارسول اللہ! آپ نے فرمایا ہے کہ مجھے سورۂ ہود اور اس جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے، پس وہ کون سی آیت ہے جس نے آپ کو بوڑھا کر دیا ہے، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ (ہود: ۱۱۲)''۔ حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اِسْتَقِيْمُوْا وَلَنْ تُحْصُوْا'' (صراطِ مستقیم پر مکمل قائم رہو اور تم ہرگز نہ کر سکو گے)۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۷۸، سنن دارمی: ۶۵۹، موطا امام مالک: ۳۶، مسند احمد: ۲۱۸۷۳، ج ۵ ص ۲۷۷)

بعض حکماء نے کہا ہے: ہم کسی ایک طریقہ کے مطابق راہِ راست پر ہوتے ہیں اور بہ کثرت وجوہ سے غلط راستہ پر ہوتے ہیں، کیونکہ استقامت اور صواب کسی دائرہ کے وسط میں خطِ مستقیم ہے اور اس کے ہر طرف متعدد خطوط ہیں، پس جو خطِ مستقیم ہے وہ ہدایت ہے اور اس کی جوانب میں جو خطوط ہیں وہ ضلالت ہیں۔

اور جب کہ طریقِ مستقیم کو مطلقاً ترک کرنا ضلالت ہے خواہ وہ ترک عمداً ہو یا سہواً ہو، کم ہو یا زیادہ ہو تو پھر اگر کوئی شخص خطاً بھی طریقِ مستقیم کو ترک کرے تو وہ ضلالت ہے، اسی وجہ سے انبیاء علیہم السلام اور کفار دونوں کی طرف لفظِ ضلالت کی نسبت کی گئی ہے اگرچہ دونوں ضلالتوں میں بہت بڑا فرق ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق فرمایا:

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝ (الضحیٰ: ۷) اور (اللہ تعالیٰ نے ابتداء نبوت میں) آپ کو (احکامِ) شریعت سے ناواقف پایا تو آپ پر احکامِ شریعت نازل فرمائے ۝

یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو احکامِ نبوت سے ناآشنا پایا سو آپ کو وہ احکام بتلائے۔

(شیخ محمود الحسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ نے اس آیت کے ترجمہ میں لکھا ہے ''اور پایا تجھ کو بھٹکتا پھر راہ سجھائی'' اور شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ نے اس آیت کے ترجمہ میں لکھا ہے: ''اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے خبر پایا سو رستہ بتلایا'' اور سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ نے اس آیت کا ترجمہ کیا ہے: ''اور تمہیں ناواقفِ راہ پایا اور پھر ہدایت بخشی'' اور علامہ سید احمد سعید کاظمی متوفی ۱۴۰۶ھ نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے ''اور آپ کو (اپنی محبت میں) گم پایا تو (اپنی طرف) راہ دی'')۔

نیز علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے متعلق کہا:

اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِۨ ۝ (یوسف: ۸) بے شک ہمارے باپ صریح غلطی پر ہیں ۝

نیز قرآن مجید میں ہے:

قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝ (الشعراء: ۲۰) (حضرت) موسیٰ نے کہا: میں نے وہ کام (قتلِ قبطی) اس وقت کیا تھا جب میں احکامِ شریعت سے ناواقف تھا ۝

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس قول میں یہ تنبیہ ہے کہ ان سے یہ قتل سہواً سرزد ہوا تھا۔

(المفردات فی غریب القرآن ج ۲ ص ۳۸۸، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور الافریقی المصری المتوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

کلام عرب میں ''الاضلال'' ہدایت اور ارشاد کی ضد ہے، جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ اس نے راستہ گم کر دیا ہے تو کہا جاتا ہے: ''اَضْلَلْتَ فُلَانًا''، اَضْلَلْتَ الشَّیْءَ اس وقت کہا جاتا ہے جب تم کسی چیز کو گم پاؤ، اور جب تم میت کو دفن کر دو پھر بھی کہا جاتا ہے: ''اَضْلَلْتَ''، قرآن مجید میں ارشاد ہے:

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ (ابراہیم:۳۶) (حضرت ابراہیم نے کہا:) اے میرے رب! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔

یعنی ان بتوں کے سبب سے بہت سے لوگ گمراہ ہو گئے ہیں کیونکہ بُت کوئی کام نہیں کرتے اور نہ اُن کو سمجھ بوجھ ہے۔

''وَضَلَلْتَ الْمَسْجِدَ وَالدَّارَ'' یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب تمہیں مسجد اور گھر کا پتا نہ ہو، اور جب تم کسی چیز کو ضائع کر دو تو کہا جاتا ہے ''اَضْلَلْتَهٗ'' اور اس کا معنی نسیان بھی ہے، قرآن مجید میں ہے:

اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى (البقرہ:۲۸۲) کہ ان دو عورتوں میں سے کوئی ایک (عورت) بھول جائے تو دوسری اس ایک کو یاد دلا دے گی۔

(لسان العرب ج ۹ ص ۵۶۔۵۷ ملخصاً وملتقطاً، دار صادر، بیروت، ۲۰۰۳ء)

علامہ علی بن محمد بن علی السید الشریف الجرجانی المتوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں:

جو راستہ مطلوب تک پہنچائے اس کو گم کرنا ضلالت ہے، اور دوسری تعریف ہے: کسی ایسے راستہ پر چلنا جو مطلوب تک نہ پہنچائے وہ ضلالت ہے۔ (کتاب التعریفات ص ۹۹، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

قرآنِ مجید میں ضلالت کے مواضع اطلاق

(۱) حسبِ ذیل آیت میں دلالت بمعنی گمراہی ہے:

وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ (المائدہ:۷۷) اور ان لوگوں کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جو (خود بھی) پہلے گمراہ ہو چکے ہیں اور انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے اور وہ خود راہِ راست سے بھٹک چکے ہیں O

(۲) درجِ ذیل آیت میں ضلالت بمعنی خسران اور نقصان ہے:

وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ (الرعد:۱۴) اور کافروں کی چیخ وپکار صرف نقصان اور خسارہ میں ہے O

(۳) درجِ ذیل آیت میں ضلالت بمعنی ضیاع اور بطلان ہے:

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ (محمد:۱) جن لوگوں نے کفر کیا (اور لوگوں کو) اللہ کے راستہ سے روکا، اللہ نے ان کے اعمال ضائع اور باطل کر دیئے O

(۴) درج ذیل آیت میں ضلالت بمعنی خطاء ہے:

وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۗ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۗ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ (النساء: ١٧٦)

اور اگر (مرنے والے کے وارث) بہن بھائی مرد اور عورتیں مخلوط ہوں تو ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے، اللہ تم کو یہ احکام وضاحت سے بیان فرماتا ہے تاکہ تم خطاء نہ کرو اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O

(۵) درج ذیل آیت میں ضلالت بمعنی ہلاکت ہے:

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِى الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِىْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۬ؕ بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ۝ (السجدہ: ١٠)

اور کفار نے کہا: جب ہم (مرکر) زمین میں ملیامیٹ ہوجائیں گے تو کیا پھر ضرور از سرنو پیدا ہوں گے؟ بلکہ وہ اپنے رب کی ملاقات سے ہی انکار کرنے والے ہیں O

(٦) درج ذیل آیت میں ضلالت بمعنی جہالت ہے:

قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝ (الشعراء: ٢٠)

(حضرت) موسیٰ نے کہا: میں نے وہ کام (قتلِ قبطی) اس وقت کیا تھا جب میں احکامِ شریعت سے ناواقف تھا O

ضلالت کی مذمت میں احادیث

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: بے شک اللہ تعالیٰ بندوں کے سینوں سے علم کو نہیں نکالے گا لیکن علماء کی روحوں کو قبض کرکے علم کو اٹھالے گا حتیٰ کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے، سو ان سے سوال کریں گے، پس وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے، سو وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

(صحیح البخاری: ١٠٠، ٧٣٠٧، صحیح مسلم: ٢٦٧٣، سنن ترمذی: ٢٦٥٢، سنن ابن ماجہ: ٥٢، مسند احمد: ٦٤٧٥، سنن دارمی: ٢٣٩)

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: قریش اس سے فکرمند ہوئے کہ ایک مخزومی عورت نے چوری کی، پس انہوں نے کہا: اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کون سفارش کرے گا؟ اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چہیتے ہیں ان کے سوا کون اس کی سفارش کرسکتا ہے؟ پس انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سفارش کی تو آپ نے فرمایا: کیا تم اللہ کی حدود میں سے کسی حد میں سفارش کررہے ہو؟ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کھڑے ہوکر خطبہ دیا، پس آپ نے فرمایا: اے لوگو! تم سے پہلی امتیں صرف اس وجہ سے گمراہ ہوگئیں کہ جب ان میں سے کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو وہ اس کو چھوڑ دیتے، اور جب کوئی پسماندہ شخص چوری کرتا تو وہ اس کے اوپر حد قائم کرتے، اور اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنتِ محمد (رضی اللہ عنہا) نے بھی چوری کی تو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اس کے ہاتھ کاٹ ڈالیں گے۔

(صحیح البخاری: ٣٤٧٥، صحیح مسلم: ١٦٨٨، سنن ترمذی: ١٤٣٠، سنن نسائی: ٤٨٩٩، سنن ابوداؤد: ٤٣٧٣، سنن ابن ماجہ: ٢٥٤٧، مسند احمد: ٢٤٧٦٩، سنن دارمی: ٢٣٠٢)

(۳) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے قراء کی جماعت! صراطِ مستقیم پر قائم رہو، کیونکہ تم سے پہلے بہت لوگ سبقت کرچکے ہیں، اگر تم دائیں بائیں کا راستہ اختیار کروگے تو بہت دور کی گمراہی میں مبتلا ہوجاؤ گے۔ (صحیح البخاری: ٧٢٨٢)

(۴) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: شیطان نے کہا: اے رب تیری عزت کی قسم! میں تیرے بندوں کو اس وقت تک گمراہ کرتا رہوں گا جب تک ان کے جسموں میں ان کی روحیں ہیں، پس رب تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: اور میری عزت اور جلال کی قسم! میں اس وقت تک ان کی مغفرت کرتا رہوں گا جب تک وہ مجھ سے استغفار کریں گے۔

(مسند احمد: ۱۰۸۵۱، ج ۳ ص ۲۹، المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۲۶۱)

(۵) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''بہترین بات اللہ کی کتاب ہے اور بہترین ہدایت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی ہدایت ہے اور بدترین امور دین میں نکالے ہوئے نئے نئے کام ہیں اور دین میں نکالا ہوا ہر نیا کام (جس کا منشاء دین میں نہ ہو) وہ بدعت گمراہی ہے''۔ (جب کہ اس نئے کام کو دین میں داخل کرلیا جائے اور وہ نیا کام کسی سنت کو مٹانے والا ہو)۔ (صحیح مسلم: ۸۶۷، سنن نسائی: ۱۵۷۴، سنن ابن ماجہ: ۴۵، مسند احمد: ۱۴۴۳۸)

مطلقاً دین میں نکالا ہوا ہر نیا کام بدعتِ گمراہی نہیں ہے ورنہ قرآن مجید کو ایک مصحف اور ایک جلد میں جمع کروانا اور قرآن مجید کی سات قراءات کو مٹا کر صرف ایک قراءت اور ایک لغت پر قرآن مجید کو باقی رکھنا، باجماعت تراویح پڑھنا، قرآن مجید میں حرکات اور اعراب کو لگانا، مساجد میں محراب کو بنانا، قرآن کریم میں سورتوں کے نام اور آیات کی تعداد کو لکھنا اور رکوعات کی تعیین کرنا اور سورۂ فاتحہ کے بعد آمین لکھنا، قرآن مجید کی آیات کا اپنی اپنی زبانوں میں ترجمہ کرنا، احادیثِ رسول کی نشر واشاعت، مساجد میں قرآن مجید کا درس دینا اور مدارس دینیہ کے قیام کو بھی بدعتِ گمراہی قرار دینا ہوگا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

ضلالت کی خرابیاں اور ہلاکتیں

(۱) گمراہی کا راستہ انجام کار دوزخ کی طرف لے جاتا ہے۔
(۲) گمراہی شیطان کی جانب سے ہے اور ہدایت رحمٰن کی طرف سے ہے۔
(۳) گمراہی فساق فجار اور اہلِ بدعت کا طریقہ ہے۔
(۴) جو شخص کسی گمراہی کی دعوت دے تو جتنے لوگ اس گمراہی پر عمل کریں گے ان سب کا گناہ گم راہی کی دعوت دینے والے کو ہوگا۔

''الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ'' اور ''الضَّآلِّيْنَ'' کے مصداق

علامہ ابی اللیث نصر بن محمد السمر قندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ ''غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ ''الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ'' سے مراد یہود ہیں اور ''الضَّآلِّيْنَ'' سے مراد نصاریٰ ہیں، پس اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کیا نصاریٰ میں سے وہ لوگ نہیں ہیں جن پر غضب کیا گیا ہے؟ اور یہود میں سے وہ لوگ نہیں ہیں جو گمراہی ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشاد پر مبنی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے وادی القریٰ میں ایک مرد نے سوال کیا ''مغضوب علیہم'' کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: الیہود، پھر اس نے پوچھا: اور ''الضَّآلِّيْنَ'' کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: نصاریٰ۔

نیز اللہ تعالیٰ نے یہود کے قصہ میں فرمایا ہے:

فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ (البقرہ: ۹۰) — پس وہ (یہود) غضب بالائے غضب کے ساتھ لوٹے۔

اور اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کے قصہ میں فرمایا:

قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ؏ (المائدہ:۷۷) وہ (نصاریٰ خود بھی) پہلے گمراہ ہو چکے ہیں اور انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے اور وہ خود راہِ راست سے بھٹک چکے ہیں O

(تفسیر السمرقندی ج ا ص ۸۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

آمین کا لغوی اور عرفی معنی

علامہ مجد الدین ابو السعادات المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس لفظ کو آمین اور اَمین دونوں طرح پڑھا جاتا ہے اور زیادہ استعمال مد کے ساتھ یعنی آمین ہے، حدیث میں ہے:

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آمین رب العالمین کی اپنے مومن بندوں پر (قبولیتِ دعا کی) مُہر ہے۔ (کتاب الدعاء للطبرانی: ۲۱۹، کنز العمال: ۲۵۱۲)

کیونکہ آفات اور بلیات آمین کے سبب سے دور ہو جاتی ہیں، سو آمین کتاب کی اس مُہر کی مثل ہے جو کتاب کو محفوظ رکھتی ہے اور کتاب کو فساد سے بچاتی ہے، اور اس کا معنی ہے: اے اللہ! میری دعا قبول فرما۔

(النہایہ فی غریب الحدیث والاثر ج ا ص ۷۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آمین کہنے کے متعلق حدیث

حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر چڑھے، جب آپ نے ایک سیڑھی پر پیر رکھا تو کہا: آمین، پھر جب دوسری سیڑھی پر پیر رکھا تو کہا: آمین، پھر جب تیسری سیڑھی پر پیر رکھا تو کہا: آمین، پھر آپ نے فرمایا: میرے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے، سو انہوں نے کہا: یا محمد! جس نے رمضان کا مہینہ پایا اور اس کی مغفرت نہ کی گئی تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت سے دور کر دے، میں نے کہا: آمین، اس نے کہا: جس نے اپنے والدین کو یا ان میں سے کسی ایک کو پایا پھر وہ دوزخ میں داخل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت سے دور کر دے، میں نے کہا: آمین، پھر اس نے کہا: اور جس کے سامنے آپ کا ذکر کیا گیا اور اس نے آپ پر درود نہیں پڑھا تو اس کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے دور کر دے، آپ کہیے: آمین، سو میں نے کہا: آمین۔

(صحیح ابن حبان: ۴۰۹، کتاب الضعفاء لابن عدی ج ۵ ص ۱۷۴۴، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۹ ص ۲۹۱، مجمع الزوائد: ج ۱۰ ص ۱۶۶، المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۱۵۳۔۱۵۴)

آمین کو بلند آواز اور پست آواز سے کہنے کے متعلق احادیث

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھا ''غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ'' تو آپ نے فرمایا: آمین، اور اپنی آواز کو کھینچا۔ (سنن ترمذی: ۲۴۸، سنن ابو داؤد: ۹۳۲، مسند احمد: ۱۸۳۶۳، ج ۴ ص ۳۱۵)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ اس حدیث کی روایت کے بعد لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک سے زائد اہلِ علم صحابہ کا یہی قول ہے اور ان کے بعد تابعین کا بھی یہی قول ہے، ان کے نزدیک مرد آمین کہنے کے ساتھ آواز بلند کرے اور آواز پست نہ کرے اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام احمد متوفی ۲۴۱ھ اور اسحاق کا بھی یہی قول

ہے۔ اور شعبہ نے اس حدیث کی از سلمہ بن کہیل از حجر ابی العنبس از علقمہ بن وائل از والد خود روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے ''غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ'' پڑھا، پھر آپ نے کہا ''آمین'' اور اپنی آواز پست کی۔

امام ترمذی نے کہا ہے کہ بلند آواز سے آمین کہنے کی حدیث سفیان سے مروی ہے اور پست آواز سے آمین کہنے کی حدیث شعبہ سے مروی ہے اور میں نے امام بخاری سے سنا کہ سفیان کی حدیث شعبہ کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔

(سنن ترمذی ص ۱۲۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ)

یہ عبارت فقہاء احناف کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ امام بخاری نے شعبہ کی حدیث کو بھی صحیح کہا ہے، ثانیاً آپ ابتداء تعلیم کے لیے آمین بلند آواز سے پڑھتے تھے بعد میں آپ نے پست آواز سے آمین پڑھی۔

پست آواز سے آمین کہنے کے متعلق فقہاء احناف کے دلائل

امام ابو منصور محمد بن محمد بن محمود الحنفی الماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

جس حدیث میں بلند آواز سے آمین کہنے کا ذکر ہے وہ ابتداء اسلام پر محمول ہے، نبی ﷺ مسلمانوں کو تعلیم دینے کے لیے بلند آواز سے آمین کہتے تھے اور جب سب مسلمانوں کو معلوم ہوگیا کہ سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد آمین کو کہا جاتا ہے تو پھر آپ نے اصل کے مطابق پست آواز سے آمین کہی، کیونکہ دعا میں اصل یہ ہے کہ دعا پست آواز سے کی جائے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَةً ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۵۵﴾ (اے مسلمانو!) اپنے رب سے گڑگڑا کر اور پست آواز سے دعائیں کیا کرو، بے شک وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا ○ (الاعراف: ۵۵)

سورۂ فاتحہ میں بندہ کی اپنے رب سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کو صراطِ مستقیم پر ہمیشہ قائم رکھے، پھر اس کے بعد آمین کہتا ہے یعنی اے اللہ! اس دعا کو قبول فرما اور قرآن مجید میں یہ حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ سے پست آواز سے دعا کرو، اس لئے آمین کو پست آواز سے کہنا قرآن مجید کے حکم کے مطابق ہے۔ (تاویلات اہل السنۃ، ج ۱ ص ۵۶ ۳، ملخصاً وموضحاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

پست آواز سے آمین کہنے کے متعلق احادیث

نیز پست آواز سے آمین کہنے کے متعلق درج ذیل احادیث ہیں:

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب امام آمین کہے تو تم آمین کہو، کیونکہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگئی اس کے پچھلے (صغیرہ) گناہوں کو معاف کر دیا جائے گا۔

(موطا امام مالک: ۱۹۸، صحیح البخاری: ۷۸۰، صحیح مسلم: ۹۱۴، سنن ابوداود: ۹۳۶، سنن ترمذی: ۲۵۰، سنن نسائی: ۹۲۷)

اس حدیث میں پست آواز سے آمین کہنے کی یہ دلیل ہے کہ فرشتے جہراً آمین نہیں کہتے بلکہ پست آواز سے آمین کہتے ہیں جو سنائی نہیں دیتی، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فرشتوں کی آمین کے موافق جس کی آمین ہوگئی اس کی مغفرت ہو جائے گی اور فرشتوں کی آمین کے ساتھ بندہ کی آمین کی موافقت اس وقت ہوگی جب وہ پست آواز سے آمین کہے گا، سو یہ حدیث فقہاء احناف کی دلیل ہے۔

امام محمد بن حسن شیبانی الحنفی المتوفی ۱۸۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''جب امام آمین کہے تو تم آمین کہو، کیونکہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگئی اس کے پچھلے (صغیرہ) گناہوں کو بخش دیا جائے گا''، امام مالک نے کہا: پس ابن شہاب نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آمین کہتے تھے، امام محمد نے کہا: ہم بھی اسی پر عمل کرتے ہیں، جب امام سورۂ فاتحہ پڑھنے سے فارغ ہو جائے تو امام آمین کہے اور امام کے پیچھے جو نمازی ہیں وہ بھی آمین کہیں اور بلند آواز سے آمین نہ کہیں۔

(موطا امام محمد ص ۱۰۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی)

نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے ایک شخص آمین کہتا ہے اور فرشتے آسمان میں آمین کہتے ہیں، پس ان میں سے ایک کی آمین دوسرے کی آمین کے موافق ہو جاتی ہے تو اس کے پچھلے (صغیرہ) گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ (موطا امام مالک: ۲۰۰، صحیح البخاری: ۷۸۱، ۳۲۲۸، صحیح مسلم: ۹۱۷، سنن نسائی: ۹۲۹)

ظاہر ہے بندہ کی آمین کی فرشتوں کی آمین کے ساتھ موافقت اسی وقت ہوگی جب بندہ پست آواز کے ساتھ آمین کہے گا اور جب بندہ بلند آواز سے آمین کہے گا تو بندہ کی آمین کی فرشتوں کی آمین کے ساتھ موافقت نہیں ہوگی، سو یہ حدیث بھی فقہاء احناف کی دلیل ہے۔

علقمہ بن وائل اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نماز پڑھی، جب آپ ''غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ'' پر پہنچے تو آپ نے کہا: آمین، اور اپنی آواز پست رکھی۔ (المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۲۳۲)

امام الدارقطنی نے کہا: اسی طرح شعبہ نے روایت کی ہے اور اپنی آواز کو پست رکھا۔ (سنن الدارقطنی ج ۱ ص ۳۳۳۔۳۳۴)

امام محمد بن حسن شیبانی الحنفی المتوفی ۱۸۹ روایت کرتے ہیں از ابو حنیفہ از حماد از ابراہیم، انہوں نے کہا کہ امام چار چیزوں کو آہستہ پڑھے: (۱) ''سبحانك اللهم وبحمدك'' (۲) اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ'' (۳) ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' (۴) ''آمین''۔

امام محمد نے کہا: ہم اسی پر عمل کرتے ہیں اور یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

(کتاب الآثار: ۸۳، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی، ۱۴۰۷ھ)

علامہ جمال الدین ابو محمد عبد اللہ بن یوسف الزیلعی الحنفی المتوفی ۷۶۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: چار چیزوں کو امام آہستہ کہے، ان چار چیزوں میں سے انہوں نے ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ، بِسْمِ اللّٰهِ، آمین'' اور ''ربنا لك الحمد'' کو ذکر کیا۔

اور امام عبد الرزاق بن ہمام المتوفی ۲۱۱ھ نے اس حدیث کی از معمر از حماد روایت کی ہے اور اس میں ''سبحانك اللهم'' کی جگہ ''اللهم ربنا لك الحمد'' کا ذکر کیا ہے، پھر کہا ہے: ہمیں ثوری نے از منصور از ابراہیم روایت کی کہ پانچ چیزوں کو امام آہستہ پڑھے، اس میں ان چار چیزوں کا ذکر کیا اور ''سبحانك اللهم وبحمدك'' کا اضافہ کیا۔ (مصنف عبد الرزاق ج ۲ ص ۸۳)

نیز حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آمین دعا ہے، پس اس کی بناء پست آواز پر ہے۔

(نصب الرایہ ج ۱ ص ۴۴۵۔۴۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)
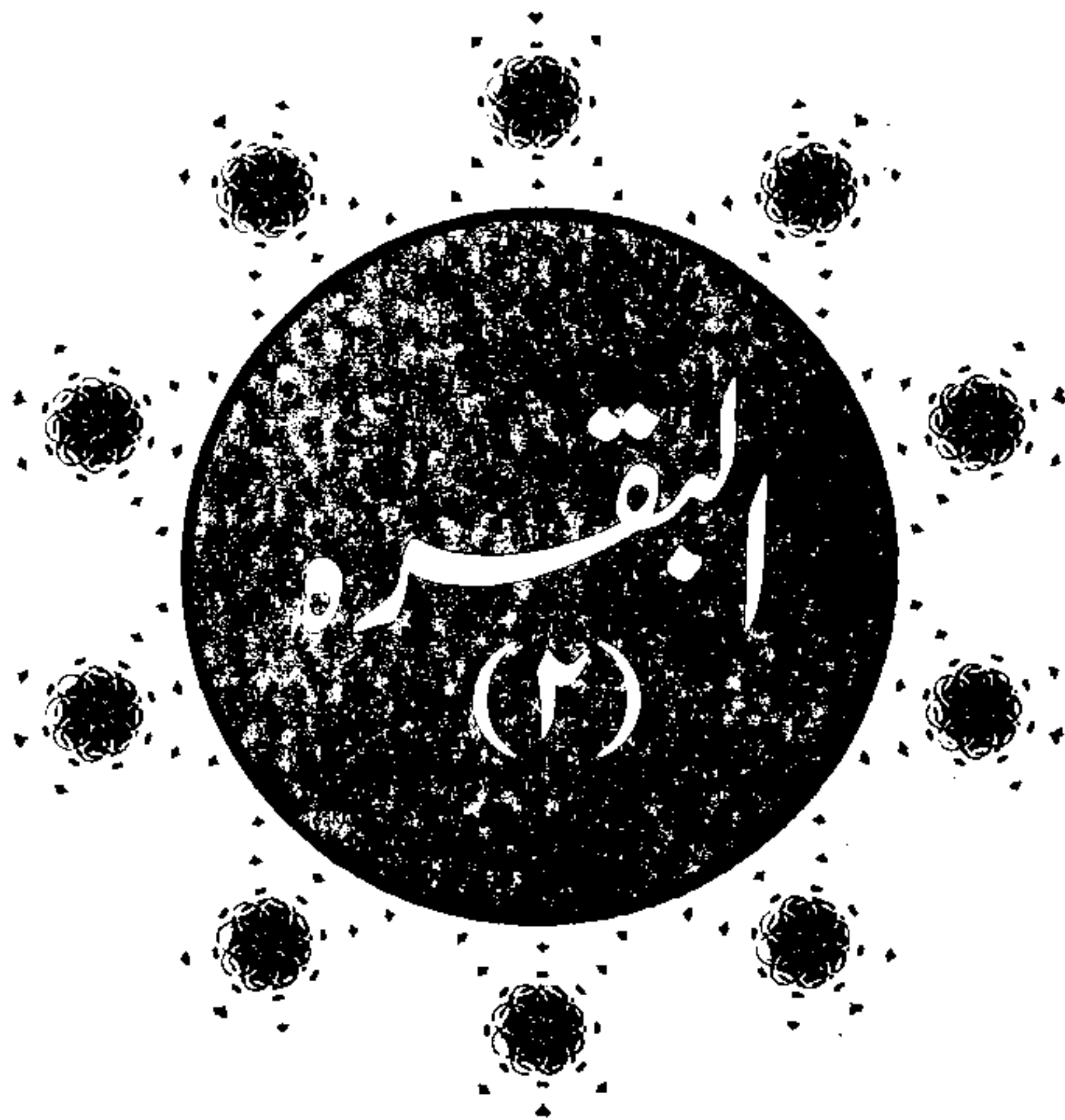
البقرہ
(۲)

سورۃ البقرہ کی فضیلت میں احادیث

(۱) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: سورۃ البقرہ کو سیکھو، کیونکہ اس کو یاد کرنا برکت ہے اور اس کو ترک کرنا حسرت ہے اور جادوگر اس کو پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتے، پھر آپ نے کچھ دیر توقف کے بعد فرمایا: سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران کو سیکھو، کیونکہ یہ دونوں ایک سائبان ہیں جو اپنے پڑھنے والے کے اوپر قیامت کے دن سایا کریں گی، یا فرمایا کہ یہ دونوں بادل ہیں یا صف باندھے ہوئے پرندے ہیں۔

(مسند احمد: ۲۲۴۶۶، ج ۵ ص ۳۵۲، ۳۶۱، سنن دارمی: ج ۲ ص ۴۵۰، المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۵۶۰)

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''تم اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، کیونکہ شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے جس میں سورۂ بقرہ پڑھی جاتی ہے۔

(صحیح مسلم: ۲۱۲، الرقم المسلسل: ۷۸۰، سنن ترمذی: ۲۸۷۷، مسند احمد: ۷۷۶۲، ج ۲ ص ۲۸۴، ۳۳۷، ۳۷۸، ۳۸۸)

(۳) حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ہر چیز کا ایک کوہان ہوتا ہے اور قرآن مجید کا کوہان سورۃ البقرہ ہے، جس مرد نے دن میں سورۃ البقرہ کو پڑھا تو تین دن تک شیطان اس کے گھر میں داخل نہیں ہوگا اور جس مرد نے سورۃ البقرہ کو اپنے گھر میں رات کو پڑھا تو تین راتوں تک شیطان اس کے گھر میں داخل نہیں ہوگا۔

(۴) حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: سورۃ البقرہ قرآن مجید کا کوہان اور اس کی بلندی ہے، اس کی ہر آیت کے ساتھ اسی فرشتے نازل ہوئے اور ''اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ'' عرش کے نیچے سے نکالی گئی ہے اور پھر اس کو سورۃ البقرہ کے ساتھ ملا دیا گیا ہے۔

(مسند احمد: ۱۹۷۸۹، ج ۵ ص ۲۶، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۲۰ ص ۲۲۰، رقم الحدیث: ۵۴۱، ۵۱۱، ۲۳۱، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۳۱۴)

(۵) حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ رات کو سورۃ البقرہ کی تلاوت کر رہے تھے اور ان کے پاس ان کی گھوڑی بندھی ہوئی تھی، اچانک گھوڑی اچھلنے لگی تو وہ خاموش ہو گئے، پس گھوڑی بھی پرسکون ہوگئی، پھر انہوں نے تلاوت شروع کی، پس گھوڑی اچھلنے لگی، پھر وہ خاموش ہو گئے تو گھوڑی بھی پرسکون ہوگئی، پھر انہوں نے تلاوت شروع کی، پس گھوڑی اچھلنے لگی، پس وہ واپس آئے اور ان کا بیٹا یحییٰ اس گھوڑی کے قریب تھا، ان کو یہ خطرہ ہوا کہ کہیں گھوڑی ان کے بیٹے کو کچل نہ دے، پس جب انہوں نے اپنے بیٹے کو گھسیٹ لیا اور آسمان کی طرف سر اٹھایا حتیٰ کہ انہیں کوئی چیز دکھائی نہیں دی، پھر جب صبح ہوئی تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے ان سے فرمایا: اے ابن حضیر! پڑھو، اے ابن حضیر! پڑھو، انہوں نے کہا: یارسول اللہ! میں اس سے ڈرا تھا کہ وہ گھوڑی یحییٰ کو روند ڈالے گی اور یحییٰ اس کے قریب تھا، پس میں نے اپنا سر اٹھایا اور یحییٰ کی طرف مڑا، پھر میں نے اپنا سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا تو وہاں پر بہت سے چراغ سائبان کی مثل تھے، پس میں وہاں سے نکل آیا حتیٰ کہ میں نے ان کو نہیں دیکھا، آپ نے پوچھا: کیا تم جانتے ہو وہ کیسے چراغ تھے؟ انہوں نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: وہ فرشتے تھے جو تمہاری آواز کی وجہ سے قریب آ گئے اور اگر تم پڑھتے رہتے تو صبح کو سب لوگ ان فرشتوں کو دیکھتے اور وہ ان سے نہ چھپ سکتے۔

(صحیح البخاری: ۵۰۱۸، صحیح مسلم: ۷۹۶، مسند احمد: ۱۱۷۶۶، المستدرک: ۵۵۳، مصنف عبدالرزاق: ۴۱۸۲، ۴۱۸۳، المعجم الکبیر ج ۱ ص ۱۷۷)

سورۃ البقرہ کے مشمولات

☆ سورۃ البقرہ میں دو سو چھیاسی (۲۸۶) آیات ہیں اور سورۃ البقرہ قرآن مجید میں سب سے طویل سورت ہے۔

☆ یہ مدینہ میں نازل ہونے والی پہلی سورت ہے سوا البقرہ: ۲۸۱ کے، یہ حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ میں نازل ہوئی تھی۔

☆ سورۃ البقرہ میں مسلمانوں کی اجتماعی حیات اور ان کی سلطنت اور سیاسی نظام کے متعلق آیات نازل ہوئی ہیں۔

☆ سورۃ البقرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء سابقین کے معتقدات کا بیان ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ اعمالِ صالحہ عقائد کے ترجمان ہیں۔

☆ اس سورت میں مومنین، کافرین اور منافقین کی صفات کو بیان کیا گیا ہے کہ نجات کا مدار عقائدِ صحیحہ پر ہے نہ کہ کافرین اور منافقین کی من گھڑت باتوں پر۔

☆ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تکریم کا ذکر فرمایا ہے اور فرشتوں کو انہیں سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے اور انہیں اور ان کی زوجہ کو جنت میں سکونت عطا فرمائی، پھر کارِ خلافت سنبھالنے کے لیے ان کو زمین پر اتارا گیا۔

☆ سورۃ البقرہ: ۴۷ سے لے کر ۱۲۳ تک بنی اسرائیل کے جرائم کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کفر کیا اور انہوں نے فرعون کی غرقابی سے کوئی عبرت حاصل نہیں کی اور انہوں نے بچھڑے کی پرستش کی اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بطورِ عناد اور ہٹ دھرمی متعدد ناجائز مطالبات کیے، نیز انہوں نے انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کیا اور اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد و پیمان کو توڑ ڈالا، پھر وہ اس کے مستحق ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت نازل فرمائی اور ان پر اپنا غضب نازل کیا اور ان کو ذلیل و خوار کر دیا۔

☆ پھر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے خطاب کے بعد اہلِ اسلام کی طرف خطاب کو منتقل فرمایا اور سورۃ البقرہ: ۱۷۷ میں دین کے اصول بیان فرمائے اور عبادات اور معاملات کے احکامِ شرعیہ بیان فرمائے جن میں نماز کو قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا، بیت اللہ کا حج کرنا، اللہ کی راہ میں جہاد کرنا شامل ہیں۔

☆ اور یہ بیان فرمایا کہ اسلام کی توقیت میں چاند کے مہینوں پر اعتماد ہے، اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے احکام بیان فرمائے اور والدین اور رشتہ داروں کے لیے وصیت کو بیان فرمایا، اور خرچ کے مستحقین کا ذکر فرمایا، اور یتیموں کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا اور مسلمانوں کی خانگی زندگی کے احکام بیان فرمائے، ان کے نکاح کرنے اور طلاق دینے اور بچہ کو دودھ پلانے کی مدت اور اور طلاق کی عدت اور عدتِ وفات کو بیان فرمایا اور عورتوں کے پاس نہ جانے کی قسم کھانے کے احکام بیان فرمائے، اور یہ بیان فرمایا کہ لغو قسم پر مواخذہ نہیں کیا جاتا اور جادو اور قتلِ ناحق کی تحریم بیان فرمائی، اور مقتولین کے لیے قصاص کو واجب کرنے کا حکم دیا اور لوگوں کے اموال کو ناجائز طریقہ سے کھانے کی تحریم کو بیان فرمایا اور الخمر، المیسر اور سود کی تحریم کو بیان فرمایا، اور حالتِ حیض میں عورتوں کے ساتھ عملِ تزویج سے منع فرمایا۔

☆ اور اس سورت میں قرآن مجید کی عظیم آیت جو ''آیۃ الکرسی'' ہے اس کا ذکر فرمایا، اور اس سورت میں کاروباری قرض اور اس کو لکھنے کے اور رہن کے اور امانت ادا کرنے کے وجوب کو بیان فرمایا اور اس سورت کا اختتام بہت عظیم دعا پر ہے۔

آیاتھا ۲۸۶ ۲ سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ مَدَنِیَّۃٌ ۸۷ رکوعاتھا ۴۰

(سورۃ البقرہ مدنی ہے اور اس میں دو سو چھیاسی آیات اور چالیس رکوع ہیں)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ عزوجل کے بابرکت نام سے ہی (ابتداء ہے) جو سب پر رحم فرمانے والے، نہایت مہربان ہیں

الٓمّٓ ﴿۱﴾ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ ۖۛ فِیْهِ ۚۛ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿۲﴾

الف لام میم ○ یہ عظیم الشان کتاب، اس کے (کلامِ الٰہی ہونے میں) کوئی شک نہیں ہے، یہ اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ہدایت ہے ○

الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾

جو غیب پر ایمان لاتے ہیں (اور مکمل شرائط اور آداب کے ساتھ) نماز کو قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں ○

وَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾

اور جو اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں جو (اے رسولِ مکرم!) آپ پر نازل کی گئی ہے اور ان سب کتابوں پر ایمان لاتے ہیں جو آپ سے پہلے رسولوں پر نازل کی گئی ہیں اور وہی آخرت پر یقین رکھتے ہیں ○

اُولٰٓىٕكَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾

وہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر قائم ہیں اور وہی لوگ (آخرت میں) کامیاب ہیں ○

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾

بے شک جن لوگوں نے اپنے اختیار سے کفر کیا ان کے حق میں آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے، وہ ایمان نہیں لائیں گے ○

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَ عَلٰی سَمْعِهِمْ ؕ وَ عَلٰۤی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۫ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۷﴾ ع ۱

اللہ نے ان کے دلوں پر اور کانوں پر مُہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ (پڑا ہوا) ہے، اور ان کے لیے زبردست عذاب ہے ○

الٓمّٓ کے معانی اور محامل

''الٓمّٓ'': حروفِ مقطعات میں سے ہے، اس کی صحیح تاویل کا علم صرف اللہ عزوجل کو ہے تاہم سَلَف صالحین نے اس کے متعدد معانی اور محامل ذکر کیے ہیں۔

امام ابومنصور محمد بن محمد الماتریدی الحنفی المتوفی ٣٣٣ھ نے اس آیت کی تفسیر میں حسبِ ذیل محامل لکھے ہیں:

(١) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: ''الٓمّٓ'' کا معنی ہے: ''اَنَا اللّٰہُ اَعْلَمُ'' (میں اللہ ہوں اور سب سے زیادہ جاننے والا ہوں)۔

(٢) دوسرا قول یہ ہے کہ ''الٓمّٓ'' لفظِ قسم ہے، اللہ تعالیٰ نے اس لفظ کے ساتھ قسم کھائی ہے۔

(٣) ''الٓمّٓ'' کا ہر حرف اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے کسی اسم کی طرف اشارہ ہے، الف سے اللہ کی طرف اشارہ ہے، لام سے اس کے لُطف کی طرف اشارہ ہے اور میم سے اس کے مُلک کی طرف اشارہ ہے۔

(٤) لام سے مراد اس کی ''آلاء'' (نعمتیں) ہیں، اور میم سے مراد اس کا ''مجد'' (بزرگی) ہے۔

(٥) الف سے مراد ''اللہ'' ہے، لام سے مراد ''جبریل'' ہے اور میم سے مراد ''محمد'' ہے۔

(٦) کہا گیا ہے کہ ''الٓمّٓ'' وہ متشابہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو مطلع نہیں فرمایا اور اللہ تعالیٰ مالک ہے، وہ جس طرح چاہے اپنے بندوں کا امتحان لے۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ١ ص ٣٠٧۔٣٠٨، دارالکتب العلمیہ، بیروت ١٤٢٦ھ)

امام ابواللیث نصر بن محمد بن احمد السمر قندی الحنفی المتوفی ٣٧٥ھ ''الٓمّٓ'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

محمد بن کعب بن علی الترمذی الحکیم المتوفی ٣٢٠ھ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ سورۂ بقرہ میں جس قدر احکام اور قصص ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے ''الٓمّٓ'' میں رکھ دیا اور سوائے نبی یا ولی کے اور کسی کو ان کی معرفت نہیں ہے، پھر ان احکام اور قصص کو اللہ تعالیٰ نے تمام سورتوں میں بیان فرمایا تاکہ لوگوں کو ان کی سمجھ حاصل ہو۔

اور الشعبی سے روایت ہے انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کے کچھ راز ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابوں میں رکھا ہے اور قرآنِ مجید میں اس کا راز یہ حروفِ مقطعہ ہیں۔

حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ حروفِ مقطّعات وہ چھپے ہوئے معانی ہیں جن کی تفسیر نہیں کی جاتی۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حروفِ مقطعات اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہیں اور ان میں سے یہاں پر ''الٓمّٓ'' کا ذکر کیا گیا ہے اور دوسری جگہ ''الٓرٰ'' کا ذکر کیا گیا ہے اور تیسری جگہ ''حٰمٓ'' کا ذکر کیا گیا ہے اور چوتھی جگہ ''نٓ'' کا ذکر کیا گیا ہے، پس جب تم ان مؤخر الذکر تمام حروف کو جمع کر لو تو ان کا مجموعہ لفظِ ''الرحمٰن'' ہو جائے گا۔ اسی طرح باقی حروف کو جب جمع کیا جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے کوئی اسم بن جائیں گے۔ (تفسیر السمرقندی ج ١ ص ٨٧، دارالکتب العلمیہ بیروت ١٤١٣ھ)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے حروفِ مقطعات کے علم کے ثبوت پر دلائل

القاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر البیضاوی الشافعی المتوفی ۶۸۵ھ ''الٓمّٓ'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ الف لام میم ایک راز ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اور حضرات خلفاءِ اربعہ اور دیگر صحابہ سے اسی معنی کے قریب منقول ہے اور شاید ان کی مراد یہ ہے کہ یہ حروفِ مقطعات اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے درمیان راز ہیں اور ایسے رموز ہیں جن سے دوسروں کو سمجھانے کا قصد نہیں کیا گیا، کیونکہ یہ بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے ایسے کلام کے ساتھ خطاب کرے جو غیر مفید ہو (اس لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھی اللہ تعالیٰ نے ان کا علم عطا فرمایا ہے)۔

(انوار التنزیل واسرار التاویل ج ۱ ص ۹۳، دار الفکر، بیروت ۱۴۱۶ھ)

علامہ ابوالفضل شہاب الدین السید محمود الآلوسی البغدادی الحنفی المتوفی ۱۲۷۰ھ ''الٓمّٓ'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہر کتاب کا ایک راز ہوتا ہے اور قرآن کا راز اوائلِ سور ہیں''، پس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد حروفِ مقطعات کی معرفت صرف ان اولیاء اللہ کو حاصل ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے علم کے وارث ہیں، سو وہ آپ کے وسیلہ سے ان حروفِ مقطعات کی معرفت رکھتے ہیں اور ان کے لیے یہ حروف خود بتاتے ہیں کہ ان سے کیا مراد ہے جیسا کہ بعض صحابہ کی ہتھیلی میں کنکریاں کلام کرتی تھیں اور جس طرح گوہ اور ہرنی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے کلام کیا، جیسا کہ ہمارے اجدادِ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کی روایت سے ثابت ہے بلکہ جو شخص نوافل سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرے اس کو بھی اللہ تعالیٰ ان کا علم عطا فرماتا ہے۔ بعض اکابر مفسرین نے کہا ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو ان حروفِ مقطعات کا علم نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کا ان حروفِ مقطعات کے ساتھ آپ کو خطاب فرمانا ایسا ہوگا جیسے کسی مہمل کلام کے ساتھ خطاب کیا جائے، سو ان اکابر کا یہ قول بجائے خود مہمل ہے، کیونکہ اگر ان کی مراد یہ ہے کہ تمام لوگوں کو ان حروفِ مقطعات کی مراد کا علم ہو تو یہ غیر مسلّم ہے اور اگر ان کی مراد یہ ہو کہ مخاطب کے لیے ان حروفِ مقطعات کا علم ضروری ہے تو یہ درست ہے اور مخاطب یہاں پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں اور اس میں کوئی مومن شک نہیں کرتا کہ آپ کو ان حروفِ مقطعات کا علم تھا۔ (روح المعانی ج ۱ ص ۱۶۷، دار الفکر، بیروت ۱۴۱۷ھ)

القاضی محمد ثناء اللہ العثمانی الحنفی المظہری ''الٓمّٓ'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کے ساتھ حروفِ مقطعات کا علم مخصوص ہے، نہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو ان کا علم تھا اور نہ آپ کے متبعین میں سے کسی کو ان کا علم ہے''۔ یہ قول بہت بعید ہے، کیونکہ خطاب کسی بات کو سمجھانے کے لیے ہوتا ہے اور اگر ان الفاظ کے ساتھ خطاب کیا جائے جن کا معنی معلوم نہ ہو تو یہ مہمل کے ساتھ خطاب ہوگا یا جیسے ہندی کے ساتھ عربی زبان میں خطاب کیا جائے، نیز پھر تمام قرآن بیان اور ہدایت نہیں ہوگا اور اس سے اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کا خلاف ہونا لازم آئے گا، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ ﴿۱۹﴾ (القیامۃ:۱۹) پھر بے شک (قرآن مجید کے معانی کا بیان) ہمارے ذمہ ہے O

اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآنِ مجید خواہ محکم ہو یا متشابہ ہو، اللہ تعالیٰ کا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس کا علم عطا فرمانا ضروری ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''میں راسخین فی العلم میں سے ہوں اور میں آیاتِ متشابہات کی تاویل کو جاننے والا ہوں''، اسی طرح مجاہد سے منقول ہے اور حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ نے یہ دعویٰ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر حروفِ مقطعات کی تاویل اور ان کے

اسرار کو ظاہر فرمادیا لیکن عام لوگوں کے لیے ان کا بیان کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ یہ اس کے منافی ہے کہ یہ حروفِ مقطعات اللہ تعالیٰ کے اسرار میں سے ایک سر ہیں۔ (تفسیر المظہری ج ا ص ۲۰۔۲۱، مکتبہ عثمانیہ، کوئٹہ ۱۴۲۵ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یہ عظیم الشان کتاب، اس کے (کلامِ الٰہی ہونے میں) کوئی شک نہیں ہے، یہ اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ہدایت ہے O'' (البقرہ:۲)

''ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ ۛ فِیْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ'':

اس آیت میں چار الفاظ تشریح طلب ہیں: (۱) الکتاب (۲) ریب (۳) ھدایت (۴) المتقین۔

ان میں سے ہدایت کی تشریح اور تحقیق ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ'' کی تفسیر میں بیان کی جاچکی ہے اور باقی ماندہ الفاظ کی تشریح حسبِ ذیل ہے:

الکتاب کا لغوی اور عرفی معنی

امام خلیل بن احمد الفراہیدی التوفی ۱۷۵ھ لکھتے ہیں:

''الْكَتْبُ'' کا معنی ہے: سیپیوں کو دھاگے میں پرونا، الکتاب اور الکتابة ''كَتَبْتُ'' کا مصدر ہے، ''الْمَكْتَب'' کا معنی ہے: بچوں کے پڑھنے کے لیے مختص جگہ۔

''اَلْكَتِیْبَةُ مِنَ الْخَیْلِ'' اکٹھے کیے ہوئے گھوڑے۔ (کتاب العین ج ۳ ص ۱۵۵۳، قم، ایران ۱۴۱۴ھ)

علامہ ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور الافریقی المصری التوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

کتاب کا معنی معروف ہے اور کسی لکھے ہوئے مجموعہ کو کتاب کہتے ہیں اور ''کتابة'' ''صیاغة'' اور ''خیاطة'' کی طرح مصدر ہے یعنی جس کو لکھنے کا فن آتا ہو، حدیث میں ہے:

''مَنْ نَظَرَ فِیْ كِتَابِ اَخِیْهِ بِغَیْرِ اِذْنِهٖ فَكَاَنَّمَا یَنْظُرُ فِی النَّار'' (جس نے اپنے بھائی کی اجازت کے بغیر اس کے مکتوب پر نظر ڈالی، پس گویا کہ اس نے دوزخ پر نظر ڈالی)۔ (سنن ابوداؤد:۱۴۸۵، سنن ابن ماجہ:۳۸۶۶)

(لسان العرب ج ۱۳ ص ۱۷، دار صادر، بیروت، ۲۰۰۳ء)

''رَیْبَ'' کا لغوی اور عرفی معنی

علامہ مجد الدین ابوالسعادات المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری التوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

حدیث میں ''رَیْبَ'' کا ذکر بار بار آیا ہے اور اس کا معنی ہے: شک، دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے: تہمت کے ساتھ شک، حدیث میں ہے: ''دَعْ مَا یُرِیْبُكَ اِلٰى مَا لَا یُرِیْبُكَ'' (سنن ترمذی:۲۵۱۸)، (جو چیز تم کو شک میں ڈالے اسے چھوڑ کر اس چیز کو اختیار کرو جو تم کو شک میں نہ ڈالے)۔ (النہایہ ج ۲ ص ۲۶۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۸ھ)

''اَلْمُتَّقِیْن'' کا لغوی، عرفی اور شرعی معنی

علامہ ابوالقاسم الحسین بن محمد الراغب الاصفہانی التوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

''المتقین'' ''وقی'' سے ماخوذ ہے اور ''وقی'' کا معنی ہے: کسی چیز کی ایذاء دینے والی اور ضرر پہنچانے والی چیز سے حفاظت کرنا، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ (الدخان:۵۶) اور اللہ نے ان کو دوزخ کے عذاب سے بچالیا O

نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (التحریم:۶) اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔

''وقی'' کے لفظ سے تقویٰ بنا ہے، یہ لفظ مصدر ہے اور ''فعلیٰ'' کے وزن پر ہے، اصل میں یہ لفظ ''وقوی'' تھا، واؤ کو تاء سے تبدیل کیا تو یہ لفظ ''تقویٰ'' ہو گیا۔

''تقویٰ'' کا معنی ہے: کسی خوفناک چیز سے اپنے آپ کو حفاظت میں رکھنا، اور اس کا شرعی معنی ہے: نفس کو اس چیز سے محفوظ رکھنا جو گناہ کا سبب ہو، اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب انسان ممنوع کاموں کو ترک کر دے، پھر اس کی تکمیل اس وقت ہوتی ہے جب انسان بعض مباحات کو بھی معصیت کے شبہ کی وجہ سے ترک کر دے، حدیث میں ہے:

حضرت النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حلال (بھی) ظاہر ہے اور حرام (بھی) ظاہر ہے اور ان کے درمیان چند مشتبہ امور ہیں جن کو زیادہ لوگ نہیں جانتے، پس جو شخص مشتبہ چیزوں سے بچا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو محفوظ کر لیا اور جو شخص مشتبہ کاموں میں داخل ہو گیا وہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص اپنے مویشیوں کو شاہی چراگاہ کے گرد چراتا ہے، قریب ہے کہ وہ جانور اس شاہی چراگاہ میں منہ ماریں گے، سنو! ہر بادشاہ کی ایک مخصوص چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی مخصوص چراگاہ اس زمین میں وہ کام ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، سنو! بے شک جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، جب وہ درست ہو تو تمام جسم درست ہوتا ہے اور جب وہ فاسد ہو تو تمام جسم فاسد ہوتا ہے سنو! وہ گوشت کا ٹکڑا دل ہے۔

(صحیح البخاری:۵۲، صحیح مسلم:۱۵۹۹، سنن ترمذی:۱۲۰۵، سنن نسائی:۴۴۵۳، سنن ابوداؤد:۳۳۲۹، سنن ابن ماجہ:۳۹۸۴، مسند احمد:۸ ۲۷۴۳۸، سنن دارمی:۱ ۲۵۳)

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جس کام کے جائز یا ناجائز ہونے میں تردد ہو تو جب مسلمان اس کام کو ترک کر دیں گے تو پھر وہ تقویٰ سے متصف ہو جائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (الاعراف:۳۵) سو جو لوگ اللہ سے ڈرتے رہیں گے اور نیکی اختیار کریں گے تو ان پر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے O

(المفردات فی غریب القرآن ج ۲ ص ۶۸۸، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

البقرہ: ۲ کی تفسیر از امام ماتریدی

امام ابو منصور محمد بن محمد الماتریدی الحنفی المتوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

''ذٰلِكَ الْكِتٰبُ'' سے مراد ہے ''هذا الكتاب'' یعنی یہ کتاب، اور ''ذٰلِكَ'' بمعنی ھذا لغت میں معروف ہے، دوسرا قول یہ

ہے کہ ''ذٰلِكَ'' بمعنی ذٰلِكَ ہے اور اس سے اس کی طرف اشارہ ہے جس کے متعلق اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

فِیْ صُحُفٍ مُّکَرَّمَۃٍ ۙ﴿۱۳﴾ مَّرْفُوْعَۃٍ مُّطَهَّرَۃٍ ۙ﴿۱۴﴾ بِاَیْدِیْ سَفَرَۃٍ ۙ﴿۱۵﴾ كِرَامٍ بَرَرَۃٍ ؕ﴿۱۶﴾ (عبس: ۱۳۔۱۶) (یہ نصیحتیں) معزز صحیفوں میں لکھی ہوئی ہیں O بلند مقام پر رکھی ہوئی ہیں اور پاکیزہ ہیں O ایسے کاتبوں کے ہاتھوں سے لکھی ہوئی ہیں O جو نہایت بزرگ اور بہت نیک ہیں O

یعنی یہ وہ عظیم الشان کتاب ہے جو اس سے پہلے معزز صحیفوں میں لکھی ہوئی تھی۔

نیز اس آیت میں فرمایا ہے: ''لَا رَيْبَ فِيْهِ'' اس کا ایک محمل یہ ہے کہ یہ نفی بمعنی نہی ہے یعنی اس کتاب کے اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہونے میں شک نہ کرو۔ اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ اس کتاب میں یہ شک نہیں ہے کہ یہ امین اور معتمد لوگوں پر نازل کی گئی ہے، (اس کا تیسرا محمل یہ ہے کہ یہ کتاب شک کا محل نہیں ہے خواہ منکرین اس میں شک کرتے رہیں۔ سعیدی غفرلہٗ)

(تاویلات اہل السنۃ ج ۱ ص ۲۷۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

البقرہ: ۲ کی تفسیر از امام ابن الجوزی

امام ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی ابن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

''ذٰلِكَ الْكِتٰبُ'' یعنی یہ وہ کتاب ہے، اس کے تین محمل ہیں:

(۱) یہ وہ کتاب (قرآن) ہے جس کی (آیات) اس سے پہلے آپ پر نازل کی گئی ہیں۔

(۲) یہ وہ کتاب ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے آپ سے وعدہ فرمایا تھا کہ وہ اس کتاب کی آپ کی طرف وحی نازل فرمائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں مذکور ہے:

اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ﴿۵﴾ (المزمل: ۵) بیشک عنقریب ہم آپ پر ایک بھاری کلام نازل فرمائیں گے O

(۳) یہ وہ کتاب ہے جس کے نازل کرنے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سابق اہلِ کتاب سے وعدہ فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ایک نبی بھیجے گا اور اس کے ساتھ ایک کتاب نازل فرمائے گا۔

''ذٰلِكَ'' کے بعد اس آیت میں ''الْكِتٰبُ'' فرمایا ہے، الْكِتٰبُ سے مراد قرآن مجید ہے، اس کا نام کتاب اس لیے رکھا گیا ہے کہ کتاب کا معنی جمع کرنا ہے اور اس کتاب میں بعض آیات اور بعض سورتیں جمع کی گئی ہیں۔

اس کے بعد فرمایا ''لَا رَيْبَ فِيْهِ'' اس کا ایک معنی یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ کتاب متقین کے لیے ہدایت ہے، دوسرا معنی یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کفار نے اس کتاب کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے میں شک کیا تھا تو پھر کیسے فرمایا: اس میں کوئی شک نہیں ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کتاب کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے میں فی نفسہٖ کوئی شک نہیں ہے اور منکرین کو جو شک ہے وہ صرف ان کے ذہنوں میں ہے اور ان کے پاس اس کے خلاف کوئی دلیل نہیں ہے، اس لئے ان کے شک کے وجود کو بمنزلہ عدم قرار دے کر فرمایا کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۲۷، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جو غیب پر ایمان لاتے ہیں (اور مکمل شرائط اور آداب کے ساتھ) نماز کو قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں O'' (البقرہ: ۳)

لفظ غیب کا لغوی، عرفی اور شرعی معنی

علامہ ابوالقاسم الحسین بن محمد الراغب الاصفہانی المتوفی ۵۰۲ ھ لکھتے ہیں:

''الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ'': ''اَلْغَيْب'' مصدر ہے، جب کوئی چیز آنکھ سے چھپ جائے تو کہا جاتا ہے: وہ مجھ سے غائب ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا قول نقل فرمایا:

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَالِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ ۖ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ○ (النمل: ۲۰)

(حضرت سلیمان نے) پرندوں کی تفتیش کی تو کہا: کیا وجہ ہے کہ میں ہُدہُد کو نہیں دیکھ رہا، یا وہ غائب ہونے والوں میں سے ہے O

جو چیز حواس سے غائب ہو یا جو چیز انسان کے علم سے غائب ہو دونوں کے لیے غیب کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ○ (الانعام: ۷۳)

(وہی) ہر چھپی ہوئی اور ہر ظاہر چیز کو جاننے والا ہے اور وہ نہایت حکمت والا اور بے حد خبر رکھنے والا ہے O

غیب سے مراد ہے جو چیزیں تم سے غائب ہوں اور شہادت سے مراد ہے جو چیزیں تمہارے سامنے حاضر ہوں۔

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ (البقرہ: ۳)

جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔

غیب سے مراد ہے جو چیزیں حواس کے احاطۂ ادراک میں نہیں ہیں اور نہ وہ چیزیں بداہتِ عقل کا تقاضا ہیں اور ان کا علم صرف انبیاء علیہم السلام کے خبر دینے سے ہوتا ہے (جیسے اللہ عزوجل کی ذاتِ مقدسہ، عرش، کرسی، جنت، دوزخ، جنات اور ملائکہ)۔

(المفردات فی غریب القرآن ج ۲ ص ۴۷۵، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ ھ)

علمِ غیب کی تعریف اور اس کی اقسام

قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شیرازی شافعی متوفی ۶۸۵ ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''غیب'' سے مراد وہ مخفی چیز ہے جس کا نہ حواس ادراک کر سکتے ہیں اور نہ بداہتِ عقل اس کا تقاضا کرتی ہے، اور الغیب کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ایک قسم وہ ہے کہ جس کے علم اور معرفت کی کوئی دلیل اور سبیل نہ ہو (اسی کو اللہ تعالیٰ کا علمِ ذاتی کہتے ہیں) جیسے اللہ عزوجل کی ذات اور اس کی صفات اور یوم آخرت اور حشر ونشر کے احوال، قرآن مجید کی درج ذیل آیت میں غیب کی یہی قسم مراد ہے:

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۭ (الانعام: ۵۹)

اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں جن کو اس کے سوا (از خود) کوئی نہیں جانتا۔

(۲) غیب کی دوسری قسم وہ ہے جس کے علم اور ادراک پر اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل قائم کردی ہے (جیسے قیامت کا وقوع، اس کے علم پر عقلی دلیل قائم ہے کہ اس جہان کے بعد کوئی اور جہان ہونا چاہیے جہاں مظلوم اور ظالم کے درمیان فیصلہ ہو سکے اور خود اللہ عزوجل کی ذات، کیونکہ عقل کا یہ تقاضا ہے کہ اس جہان کا کوئی خالق ہونا چاہیے اور جنت اور دوزخ اور جنات اور ملائکہ اور عرش اور کرسی وغیرہ، کیونکہ ان کا علم ہمیں انبیاء علیہم السلام کے خبر دینے سے حاصل ہوا اور انبیاء علیہم السلام کو ان کا علم اللہ تعالیٰ کی وحی سے حاصل ہوا اور اسی کو علمِ عطائی کہتے ہیں)۔ (انوار التنزیل واسرار التاویل ج ۱ ص ۱۱۴، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

انبیاء علیہم السلام کو عموماً اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خصوصاً علمِ غیب عطا فرمانے پر دلائل

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

وَ مَا کَانَ اللّٰہُ لِیُطۡلِعَکُمۡ عَلَی الۡغَیۡبِ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ یَجۡتَبِیۡ مِنۡ رُّسُلِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ ۪ (آل عمران:۱۷۹)

اور (اے لوگو!) اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ تمہیں غیب پر مطلع فرمادے لیکن اللہ (غیب پر اطلاع کے لیے) جنہیں چاہتا ہے منتخب فرمالیتا ہے اور وہ اللہ کے (سب) رسول ہیں۔

نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

عٰلِمُ الۡغَیۡبِ فَلَا یُظۡہِرُ عَلٰی غَیۡبِہٖۤ اَحَدًا ﴿ۙ۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰی مِنۡ رَّسُوۡلٍ (الجن:۲۶۔۲۷)

(اللہ) غیب کا جاننے والا ہے، سو وہ اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں فرماتا O سوا ان کے جن کو اس نے پسند فرمالیا ہے اور وہ اس کے (سب) رسول ہیں۔

ان آیتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سب رسولوں کے غیب پر مطلع ہونے کی دلیل ہے اور خصوصاً نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غیب پر مطلع ہونے کی دلیل یہ آیتیں ہیں:

ذٰلِکَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَیۡبِ نُوۡحِیۡہِ اِلَیۡکَ ؕ (آل عمران:۴۴)

(اے رسولِ مکرم!) یہ غیب کی چند خبریں ہیں جس غیب کی ہم آپ کی طرف وحی فرماتے ہیں۔

نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

تِلۡکَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَیۡبِ نُوۡحِیۡہَاۤ اِلَیۡکَ ۚ (ہود:۴۹)

یہ غیب کی چند خبریں ہیں جن خبروں کی ہم آپ کی طرف وحی فرماتے ہیں۔

اور اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

وَ مَا ہُوَ عَلَی الۡغَیۡبِ بِضَنِیۡنٍ ﴿۲۴﴾ (التکویر:۲۴)

اور وہ (رسولِ مکرم) غیب (کی خبر دینے پر) بخیل نہیں ہیں O

متقین کے علم پر علمِ غیب کے اطلاق کا جواز

اللہ عزوجل نے البقرہ: ۳ میں متقین کے متعلق فرمایا ہے ''یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ'' یعنی متقین غیب پر ایمان لاتے ہیں اور ایمان کا معنی ہے تصدیق بالقلب، اس کا حاصل یہ ہے کہ متقین غیب کی تصدیق کرتے ہیں اور تصدیق علم کے بغیر نہیں ہوتی، سو اس سے واضح

ہوا کہ متقین کو غیب کا علم ہوتا ہے لیکن یہ وہ غیب ہے جس کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خبر دینے سے حاصل ہوا، اس سے معلوم ہوا کہ متقین کے علم پر اللہ تعالیٰ نے علمِ غیب کا اطلاق فرمایا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عالم الغیب کہنے کا عدم جواز

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے علمِ غیب عطا فرمایا ہے اور متقین کو بھی علمِ غیب عطا فرمایا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے سوا کسی پر بھی عالم الغیب کا اطلاق کرنا جائز نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اگرچہ کثیر غیوب پر مطلع ہیں اس کے باوجود آپ کو عالم الغیب کہنا جائز نہیں ہے کیونکہ عالم الغیب اللہ تعالیٰ کی صفتِ مخصوصہ ہے لیکن عرف اور شرع میں آپ کو عالم الغیب کہنا جائز نہیں ہے جس طرح آپ عزیز اور جلیل ہیں اس کے باوجود محمد عزوجل کہنا جائز نہیں ہے کیونکہ عزوجل کے الفاظ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں۔

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علم میں عدم مساوات

یہ چیز بھی پیشِ نظر رکھنی ضروری ہے کہ تمام مخلوقات کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علم کے سامنے ایک قطرہ کے درجہ میں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا علم ان کے علم کے سامنے بمنزلہ سمندر ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علم کی وہ نسبت بھی نہیں ہے جو ایک قطرہ اور سمندر میں ہوتی ہے کیونکہ قطرہ اور سمندر میں متناہی کی متناہی کی طرف نسبت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علم کی اللہ تعالیٰ کے علم کی طرف جو نسبت ہے وہ متناہی کی غیر متناہی کی طرف نسبت ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا علم بے شمار کثرت کے باوجود متناہی ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم غیر متناہی ہے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے برابر نہیں ہے بلکہ ایک ذرّہ کے علم میں بھی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علم میں کوئی مساوات نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ایک ذرّہ کا علم متناہی وجوہ سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ایک ذرّہ کا علم غیر متناہی وجوہ سے ہوتا ہے۔

البقرہ: ۳ کی تفسیر از امام ماتریدی

اس آیت کی تفسیر میں امام ابومنصور محمد بن محمد الماتریدی الحنفی المتوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

"یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ" کے دو محمل ہیں:

(۱) یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ پر بن دیکھے ایمان لاتے ہیں اور جنہوں نے سابقہ امتوں کی طرف سے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو دیکھے بغیر اس پر ایمان نہیں لائیں گے جیسا کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا:

لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً (البقرہ: ۵۵) — ہم آپ پر اس وقت تک ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتیٰ کہ ہم کھلم کھلا اللہ تعالیٰ کو دیکھ نہ لیں۔

(۲) یعنی جو لوگ قرآنِ مجید کی دی ہوئی غیب کی خبروں پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ اور اس کی وعید اور اس کے امر اور اس کی نہی اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے اور جنت اور دوزخ پر ایمان لاتے ہیں۔

اس آیت میں ان علماء اور فقہاء کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ تمام طاعات کو بجا لانا ایمان ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صرف غیب کے ماننے والوں پر ایمان کا اطلاق فرمایا نہ کہ نماز پڑھنے والوں پر اور زکوٰۃ ادا کرنے والوں پر۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ''وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ'' (اور مکمل شرائط اور آداب کے ساتھ) نماز کو قائم رکھتے ہیں، اس آیت میں صلوٰۃ کے دو محمل ہیں:

(۱) اس سے مراد نمازِ معروف ہے جس کو مکمل رکوع اور سجود کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے اور خشوع اور خضوع کے ساتھ اس کو پڑھا جاتا ہے اور اخلاصِ قلب کے ساتھ اس کی نیت کی جاتی ہے اور اس میں جگہ، بدن اور لباس کی طہارت اور قبلہ کی طرف منہ کرنا شرط ہے۔

(۲) اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ہے، اس اعتبار سے اس میں نہ نسخ کا احتمال ہے اور نہ دنیا اور آخرت میں اس کے مرتفع ہونے کا احتمال ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ'' (اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں)، اس کی تفسیر میں بھی دو محمل ہیں:

(۱) اللہ کے دیے ہوئے اموال میں سے بطورِ فرض خرچ کرتے ہیں اور بطورِ نفل خرچ کرتے ہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو قوتیں عطا کی ہیں اور اس کو صحیح سالم اعضاء دیے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کے احکام بجالانے میں خرچ کرتے ہیں۔ (تاویلات اہل السنہ ج ۱ ص ۳۷۔ ۳۴۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

البقرہ: ۳ کی تفسیر از امام جصاص

امام ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی المتوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

البقرہ: ۳ میں اللہ تعالیٰ نے ایمان بالغیب کے بعد نماز قائم کرنے اور اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے میں سے خرچ کرنے کا ذکر فرمایا ہے اور ان کو متقین کی صفات اور تقویٰ کی شرائط قرار دیا ہے، ایمان بالغیب سے مراد اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنا اور دوسری وہ تمام چیزیں جن کا اعتقاد واجب ہے، اس کا تقاضا ہے کہ نماز پڑھنا اور زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے۔

''یُقِیْمُوْنَ'' میں نماز میں قیام کا ذکر ہے اور نماز کو قیام سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ نماز میں قیام نماز کے فرائض میں سے ہے اگرچہ نماز میں اس کے علاوہ دیگر فروض بھی ہیں جیسے نماز میں قرآن مجید کا پڑھنا فرض ہے، اسی طرح نماز میں رکوع کرنا فرض ہے اور نماز میں سجدہ کرنا فرض ہے۔

''یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ'' کا ایک معنی ہے: جو نماز کو ہمیشہ اس کے اوقات میں پڑھتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ (النساء: ۱۰۳)

بے شک مومنوں پر نماز کو اوقات (مقررہ) میں ادا کرنا فرض ہے ○

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ'' (اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں)، اس سے مراد وہ خرچ ہے جس کو ادا کرنا فرض ہے کیونکہ یہ آیت ''وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ'' کے بعد ہے اور اس سے مراد فرض نماز کا ادا کرنا ہے، لہٰذا ''مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ'' سے بھی اللہ تعالیٰ کے فرض کردہ مالی حقوق کو ادا کرنا مراد ہے۔

نیز زکوٰۃ ہو یا نفلی صدقات ہوں ان کو اس مال سے ادا کیا جائے جو مال جائز ذرائع سے حاصل ہوا ہو، لہٰذا سود، رشوت اور دیگر ناجائز آمدنی سے زکوٰۃ اور نفلی صدقات ادا کرنا حرام ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ خیانت کے مال سے صدقہ قبول

نہیں فرماتا''۔(سنن ترمذی: ۱، صحیح مسلم: ۲۲۴، سنن ابن ماجہ: ۲۷۲) (احکام القرآن ج ۱ ص ۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۳۴ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جو اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں جو (اے رسولِ مکرم!) آپ پر نازل کی گئی ہے اور ان سب کتابوں پر ایمان لاتے ہیں جو آپ سے پہلے رسولوں پر نازل کی گئی ہیں اور وہی آخرت پر یقین رکھتے ہیں O وہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر قائم ہیں اور وہی لوگ (آخرت میں) کامیاب ہیں O'' (البقرہ: ۴۔۵)

امام ابو منصور محمد بن محمد الماتریدی الحنفی المتوفی ۳۳۳ھ ان دونوں آیتوں کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝'':

''يُوْقِنُوْنَ'' کا لفظ ایقان سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: کسی چیز کا علم اور اس کی تصدیق، کیونکہ کفار کو قیامت کا ظن تھا لیکن وہ اس کی تصدیق نہیں کرتے تھے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ۝ (الجاثیہ: ۳۲)

(اے کافرو!) تم نے کہا: ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا چیز ہے، ہمارا اس کے متعلق صرف گمان ہے اور ہم اس پر یقین کرنے والے نہیں ہیں O

اس کے برخلاف مومنین کو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر کے مطابق قیامت کے وقوع پر یقین تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر قائم ہیں اور وہی لوگ (آخرت میں) کامیاب ہیں''، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ''الْمُفْلِحُوْنَ'' فرمایا ہے، اس کا معنی ہے: وہ مومنین اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں اور خیر میں باقی رہنے والے ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ لوگ اپنی حاجات میں کامیاب ہونے والے ہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ وہ لوگ نجات پانے والے ہیں، جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۭ (آل عمران: ۱۸۵)

سو جو شخص دوزخ کی آگ سے دور کیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہی شخص کامیاب ہو گیا۔

پس جو مومنین آپ پر نازل ہونے والی آیات پر ایمان لاتے ہیں اور آپ سے پہلے نازل ہونے والی آسمانی کتابوں پر ایمان لاتے ہیں اور وہ قیامت کے وقوع پر یقین رکھنے والے ہیں وہی دوزخ کی آگ سے دور کیے جائیں گے اور وہی جنت میں داخل کیے جائیں گے۔ (تاویلات اہل السنہ ج ۱ ص ۳۷۴۔۳۷۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

امام ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی ابن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ ان آیتوں کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ''وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ'' حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کے متعلق نازل ہوئی ہے، اور اس آیت میں آخرت کا ذکر ہے، اس سے مراد ہے دنیا کے بعد جو دوسرا عالم

ہے، نیز فرمایا: "اُولٰٓئِكَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ نور اور استقامت پر ہیں اور "الْمُفْلِحُوْنَ" سے مراد ہے: وہ ابد تک باقی رہیں گے۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۲۹، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "بے شک جن لوگوں نے اپنے اختیار سے کفر کیا ان کے حق میں آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے، وہ ایمان نہیں لائیں گے O"۔ (البقرہ:٦)

کفر کا لغوی اور عرفی معنی

علامہ ابو القاسم الحسین بن محمد الراغب الاصفہانی المتوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

"اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ":

لغت میں کسی چیز کے چھپانے کو کفر کہتے ہیں، اسی وجہ سے رات کی صفت کافر ہے کیونکہ وہ لوگوں کو چھپا لیتی ہے اور کسان کو بھی کافر کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بیج کو زمین میں چھپا دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر ادا نہ کرنے کو بھی کفر کہا جاتا ہے، ارشاد باری ہے:

قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ ۖ لِیَبْلُوَنِیْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ؕ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا یَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّیْ غَنِیٌّ كَرِیْمٌ ۝ (النمل:۴۰)

(حضرت سلیمان نے تختِ بلقیس کی نعمت کو پا کر کہا:) یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ (میں اس نعمت پر) اس کا شکر ادا کرتا ہوں یا کفرانِ نعمت کرتا ہوں، پس جو شکر ادا کرتا ہے وہ صرف اپنے ہی فائدہ کے لیے شکر ادا کرتا ہے اور جس نے ناشکری کی تو بے شک میرا رب بے نیاز بزرگی والا ہے O

اور سب سے بڑا کفر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا انکار کرنا یا شریعتِ اسلام کا انکار کرنا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا انکار ہے:

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍ بِهٖ ۠ (البقرہ:۴۱)

(اے بنی اسرائیل!) تم اس (قرآن) پر ایمان لاؤ جو (ان اصل آسمانی کتابوں کی) تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہیں اور تم سب سے پہلے اس کا انکار کرنے والے نہ بنو۔

یعنی قرآن کے منکر نہ بنو اور عرف میں مطلقاً کافر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت یا نبوت یا شریعت یا تینوں کا انکار کرے۔ (المفردات فی غریب القرآن ج ۲ ص ۵۶۰۔۵۶۱، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

اللہ تعالیٰ کو ایک مخصوص قوم کے متعلق ازل میں علم تھا کہ وہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس کی خبر دی، اللہ تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ کون شخص اپنی آخر عمر تک ایمان نہیں لائے گا اور کون ایمان لے آئے گا۔

(تاویلاتِ اہل السنۃ ج ۱ ص ۲۷۵۔۲۷۶)

جب اللہ تعالیٰ نے یہود کے متعلق پہلے ہی فرما دیا تھا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے تو ان کے ایمان نہ لانے میں ان کا کیا جرم ہے؟

امام ابو جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت ان یہود کے متعلق نازل ہوئی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عہد میں مدینہ میں رہتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت کا انکار کرتے تھے اور آپ کی تکذیب کرتے تھے، حالانکہ ان کو یقین تھا کہ آپ ان کی طرف اور قیامت تک کے تمام لوگوں کی طرف اللہ کے رسول ہیں۔ نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس پر حریص تھے کہ تمام لوگ ایمان لے آئیں تو اللہ عزوجل نے آپ کو خبر دی کہ جن لوگوں کے متعلق ازل میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ کفر کو ہی اختیار کریں گے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ (جامع البیان: ۵ ۲۴۵۔۲۴۷، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

یعنی جو یہودی اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہیں آئے تو اس کا آخر کار نتیجہ ان کا ایمان سے محرومی ہوگا اور یہ اللہ تعالیٰ کے خبر دینے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ان کی اپنی بدعملی اور کٹ حجتی کی وجہ سے ہے جیسے کوئی ماہر ڈاکٹر شوگر کے مریض سے کہے: اگر تم نے بد پرہیزی نہ چھوڑی تو تمہارا پیر کاٹ دیا جائے گا، تو اس کا پیر کاٹا جانا ڈاکٹر کے کہنے کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی اپنی بد پرہیزی کی وجہ سے ہوگا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اللہ نے ان کے دلوں پر اور کانوں پر مُہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ (پڑا ہوا) ہے، اور ان کے لیے زبردست عذاب ہے O'' (البقرہ:۷)

''خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۭ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۡ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝'':

اس اعتراض کا جواب کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود کفار کے دلوں پر مہر لگا دی ہے تو پھر ان کے ایمان نہ لانے میں ان کا کیا جرم ہے؟

امام ابو منصور محمد بن محمد الماتریدی الحنفی المتوفی ۳۳۳ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اختیاری کفر اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے، ارشادِ باری ہے:

بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ (النساء:۱۵۵) — بلکہ اللہ نے ان کے کفر کے سبب سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔

یعنی چونکہ انہوں نے اپنے دلوں سے غور و فکر کرنے کو ترک کر دیا اور اپنے کانوں سے حق اور عدل کے پیغام کو نہیں سنا اور اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو غور سے نہیں دیکھا تاکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کی یہ سزا دی کہ ان کے دلوں پر مُہر لگا دی، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ (بنی اسرائیل:۴۶) — اور ہم ان کے دلوں پر پردے ڈال دیتے ہیں تاکہ وہ قرآن کو سمجھ نہ سکیں اور ان کے کانوں میں ثقل اور گرانی پیدا کر دیتے ہیں۔

(تاویلات اہل السنۃ ج ۱ ص ۳۷۶۔۳۷۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

قرآن مجید اور احادیث میں لفظِ قلب کا اطلاق قوتِ عاقلہ پر ہوتا ہے نہ کہ گوشت کے ٹکڑے پر

میں کہتا ہوں: ان آیات میں قلب سے مراد سینہ کے اندر کا وہ گوشت کا ٹکڑا نہیں ہے جو طبی اصطلاح میں دل کہلاتا ہے جس کا کام

یہ ہے کہ وہ خون کو پمپ کر کے تمام جسم میں رواں دواں رکھتا ہے بلکہ قلب سے مراد وہ ہے جو عقل، احساس، ارادہ اور غور وفکر کا مرکز ہے اور اسی کو محاورہ اور روزہ مرّہ کی زبان میں قلب اور دل سے تعبیر کیا جاتا ہے، لہٰذا سائنسدان بھی کہتے ہیں میرے دل میں فلاں کی محبت ہے یا میرے دل میں فلاں کی یاد ہے۔ واضح رہے کہ قرآنِ مجید سائنس کی زبان میں نہیں اترا بلکہ محاورہ کی زبان میں اترا ہے اور قرآنِ مجید میں اسی محاورہ کے اعتبار سے قلب کا اطلاق اس قوت پر فرمایا ہے جو عقل اور احساس کا مرکز ہے، ارشادِ باری ہے:

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ (ق:٣٧) بے شک اس قرآن میں صاحب دل کے لیے ضرور نصیحت ہے۔

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ بِهَا ز (الاعراف:١٧٩) ان کفار کے دل ہیں (لیکن یہ) ان سے سمجھتے نہیں ہیں۔

غور وفکر کرنے کی یہ قوت دماغ میں ہوتی ہے، اور جس کو طبی اصطلاح میں دل کہتے ہیں وہ سینہ میں ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ زیادہ مطالعہ کرنے اور حفظ کرنے سے دماغ تھکتا ہے اور سینہ میں جو دل ہے اس میں کوئی تھکاوٹ نہیں ہوتی۔ اور قرآنِ مجید اور احادیث میں قلب کا اطلاق محاورۂ زبان کے اعتبار سے اس قوتِ عاقلہ پر ہے نہ کہ گوشت کے اُس ٹکڑے پر جو سینہ میں ہے۔

رہا یہ اعتراض کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود ہی کفار کے دلوں پر مُہر لگادی تو ان کے ایمان نہ لانے میں ان کا کیا جرم ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو بشمولِ کفار فطرت سلیمہ عطا فرمائی ہے جو انسان کو کفر اور برائی سے روکتی ہے لیکن ان کفار نے اپنے اختیار سے اپنی فطرت کے تقاضوں کو ترک کر دیا اور اس ترک کو اللہ تعالیٰ نے دلوں پر مُہر لگانے سے تعبیر فرمایا۔

(سعیدی غفرلہٗ)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ ⑧

اور بعض لوگ ایسے (بھی) ہیں جو کہتے ہیں ہم اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان لاچکے ہیں، حالانکہ وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں O

یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ ط ⑨

وہ (اپنے گمان میں) اللہ کو اور ایمان والوں کو دھوکا دے رہے ہیں اور (فی الواقع) وہ صرف اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں اور ان کو اس کا احساس نہیں ہے O

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ لا فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۵ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ ⑩

ان کے دلوں میں (کفر کی) بیماری ہے سو اللہ نے ان کی بیماری اور بڑھادی، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے کیونکہ وہ جھوٹ بولتے ہیں O

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ لا قَالُوْۤا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ⑪

اور جب ان سے کہا جائے کہ زمین میں دہشت گردی نہ کرو تو وہ کہتے ہیں: ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں O

اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ ⑫

سنو! یہی لوگ (حقیقت میں) دہشت گرد ہیں لیکن انہیں اس کا احساس بھی نہیں ہے O

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ ۗ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَٰكِنْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٣﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس طرح ایمان لاؤ جس طرح دوسرے لوگ ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کہ کیا ہم اس طرح ایمان لائیں جس طرح بے وقوف لوگ ایمان لائے ہیں؟ سنو! یہی لوگ بے وقوف ہیں مگر ان کو اس کا علم نہیں ہے O

وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ ﴿١٤﴾

اور جب یہ (منافقین) ان لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لا چکے ہیں تو کہتے ہیں: ہم (بھی تو) ایمان لا چکے ہیں، اور جب اپنے شیطانوں کے ساتھ تنہائی میں ہوتے ہیں تو (اُن سے) کہتے ہیں: بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں، اور (مسلمانوں سے) ہم (تو) صرف استہزاء کرتے ہیں O

اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١٥﴾

اللہ (ان منافقوں کو) ان کے استہزاء کی سزا دے رہا ہے اور ان کو ان کی سرکشی میں ڈھیل دے رہا ہے (سو وہ) بھٹک رہے ہیں O

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿١٦﴾

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلہ میں گمراہی کو خرید لیا ہے، سو ان کی تجارت نہ سود مند ہوئی اور نہ وہ ہدایت یافتہ ہوئے O

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ ﴿١٧﴾

ان (منافقین) کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے (اندھیری رات میں) آگ جلائی، پس جب آگ نے اس کے اردگرد کو روشن کر دیا تو اللہ نے ان کی روشنی سلب کر لی اور ان کو اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ وہ (کچھ) نہیں دیکھتے O

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿١٨﴾

وہ بہرے، گونگے، اندھے ہیں، پس وہ (صراطِ مستقیم) کی طرف نہیں رجوع کریں گے O

اَوْ كَصَیِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِیْهِ ظُلُمٰتٌ وَّ رَعْدٌ وَّ بَرْقٌ ۚ یَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ؕ وَ اللّٰهُ مُحِیْطٌۢ بِالْكٰفِرِیْنَ ﴿١٩﴾

یا (ان کی مثال) بارش کی طرح ہے جو آسمان سے برسے، اس میں تاریکیاں ہوں اور کڑک ہو اور چمک ہو، وہ کڑک سے (ڈر کر) موت کے خوف سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیں اور اللہ کافروں کا (ہر طرف سے) احاطہ کئے ہوئے ہیں O

یَكَادُ الْبَرْقُ یَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ؕ كُلَّمَاۤ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِیْهِ ۙۗ وَ اِذَاۤ اَظْلَمَ عَلَیْهِمْ قَامُوْا ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿٢٠﴾

قریب ہے کہ بجلی (کی چمک) ان کی آنکھوں کی بصارت کو اُچک کرلے جائے، جب بھی بجلی کی چمک ان کے لیے روشنی کرتی ہے تو یہ اس روشنی میں چلتے ہیں اور جب ان پر تاریکی چھا گئی تو کھڑے رہ گئے، اور اگر اللہ چاہتے تو ان کی سماعت اور بصارت کو سلب کرلیتے، بے شک اللہ جو چاہیں اس پر قادر ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بعض لوگ ایسے (بھی) ہیں جو کہتے ہیں ہم اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان لاچکے ہیں، حالانکہ وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں O'' (البقرہ:٨)

امام ابومنصور محمد بن محمد الماتریدی الحنفی المتوفی ٣٣٣ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ ۞'': اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ منافقین نے صرف اپنی زبانوں سے یہ کہا کہ ہم اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان لائے ہیں اور ان کے دلوں میں جو نفاق تھا اس کے خلاف کو انہوں نے ظاہر کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی کہ یہ مومن نہیں ہیں، یعنی یہ دل سے اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت کی تصدیق نہیں کرتے، اسی طرح اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے:

مِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ ان لوگوں میں سے وہ ہیں جو اپنے مونہہ سے تو کہتے ہیں: ہم ایمان لاچکے ہیں حالانکہ ان کے دل ایمان نہیں لائے۔ (المائدہ:٤١)

اس آیت میں کرامیہ کا رد ہے جو کہتے ہیں: تصدیق کے بغیر صرف زبان سے اقرار کرنا ایمان ہے۔

(تاویلات اہل السنۃ ج١ ص٧٧، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وہ (اپنے گمان میں) اللہ کو اور ایمان والوں کو دھوکا دے رہے ہیں اور (فی الواقع) وہ صرف اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں اور ان کو اس کا احساس نہیں ہے O'' (البقرہ:٩)

''المُخَادَعَة'' کا لغوی اور عرفی معنی

علامہ ابوالقاسم الحسین بن محمد الراغب الاصفہانی المتوفی ٥٠٢ھ لکھتے ہیں:

''يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝'':''الخِداع'' کا معنی ہے: کوئی شخص اپنے صاحب کو اپنے ارادہ کا خلاف ظاہر کرے تا کہ اس کو بے خبری میں کسی مصیبت میں مبتلاء کر دے جیسے گوہ شکاری کو دھوکا دیتی ہے ایک سوراخ سے داخل ہوتی ہے اور دوسرے سوراخ سے نکل جاتی ہے۔

''يُخٰدِعُوْنَ'' کا فعل باب مُفاعلہ سے ہے اور اس کا خاصہ طرفین سے مشارکت ہے، یعنی ہر فریق دوسرے کو دھوکا دیتا ہے لیکن یہاں پر يُخٰدِعُوْنَ ''يَخْدَعُوْنَ'' کے معنی میں ہے اور اس کو تاکید اور مبالغہ کے قصد سے بابِ مُفاعلہ پر لایا گیا ہے۔

(المفردات فی غریب القرآن ج ۱ ص ۱۹۰، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ، تفسیر ابو سعود ج ۱ ص ۵۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینے کا محمل

امام ابو منصور محمد بن محمد الماتریدی الحنفی المتوفی ۳۳۳ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ عزوجل کو دھوکا دینے کا کوئی بھی قصد نہیں کر سکتا، لیکن وہ منافقین حقیقت میں مومنین یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو دھوکا دینے کا قصد کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دھوکا دینے کی نسبت اپنی طرف فرمائی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کے اصحاب کی بہت قدر و منزلت اور بہت بلند مرتبہ ہے، اس لئے آپ کے اصحاب کو دھوکا دینا گویا خود اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینا ہے، اس کی مثال قرآنِ مجید کی یہ آیتِ مبارکہ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ (محمد:۷) اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ کو کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ہے، لیکن گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر تم اللہ کے نیک بندوں کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا۔ اسی طرح اس کی مثل یہ آیت ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ (الفتح:۱۰) بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے بیعت نہیں کی جاتی لیکن اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ اور شرف کو ظاہر کرنے کے لیے اپنی طرف اس بیعت کی نسبت فرمائی۔ پھر فرمایا:''اور (فی الواقع) وہ صرف اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں اور ان کو اس کا احساس نہیں ہے''، کیونکہ ان کے دھوکا دینے کا وبال ان ہی کی طرف رجوع کرے گا، نیز وہ ایمان والوں کے ساتھ اپنی موافقت اس لئے ظاہر کرتے تھے تا کہ دنیا میں ان کو امن حاصل ہو، لیکن ان کی اس امید کے برعکس ان پر دائمی خوف مسلط ہو گیا اور ان کو اس کا شعور نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں پر ''يَعْلَمُوْنَ'' کے بجائے ''يَشْعُرُوْنَ'' فرمایا، عربی میں جو ادراک حواس کے ذریعہ حاصل ہو اس کو شعور کہتے ہیں، علم کے بجائے شعور کا لفظ لانے میں یہ نکتہ ہے کہ منافقوں کو ان کے نفاق سے جو ضرر پہنچ رہا ہے وہ اس طرح ظاہر ہے جس کا حواس سے ادراک کیا جا سکتا ہے لیکن وہ اپنی حماقت سے اس کا بھی ادراک نہیں کر سکتے۔

(تاویلاتِ اہل السنہ ج ۱ ص ۳۸۳، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:''ان کے دلوں میں (کفر کی) بیماری ہے سو اللہ نے ان کی بیماری اور بڑھا دی، اور ان

کے لیے دردناک عذاب ہے کیونکہ وہ جھوٹ بولتے ہیںO اور جب ان سے کہا جائے کہ زمین میں دہشت گردی نہ کرو تو وہ کہتے ہیں: ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیںO'' (البقرہ:۱۰-۱۱)

امام ابومنصور محمد بن محمد الماتریدی الحنفی المتوفی ۳۳۳ھ ان دونوں آیتوں کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ'': منافقین کے دلوں میں جو شک اور نفاق تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کو بیماری قرار دیا ہے، کیونکہ وہ زبان سے مومنین کی موافقت کا اظہار کرتے اور دل میں انہوں نے اس کے خلاف کو چھپایا ہوا تھا، پس گویا کہ ان کا حال اس مریض کی طرح ہے جو موت اور حیات میں مضطرب ہوتا ہے، کیونکہ بیمار کبھی موت کو دیکھتا ہے اور کبھی اسے اپنی زندگی کی توقع ہو جاتی ہے اور باقی کفار اپنے دین میں مضطرب نہیں تھے بلکہ وہ زبان سے بھی اسی کفر کو ظاہر کرتے تھے جس کفر کو انہوں نے اپنے دل میں چھپایا ہوا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے کفار کو موتی یعنی مُردہ قرار دیا ہے کیونکہ وہ اپنی زندگی سے نفع نہیں حاصل کر سکے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى (النمل:۸۰) بے شک آپ مُردوں کو نہیں سناتے۔

اور اللہ تعالیٰ نے مومنین کو زندہ قرار دیا ہے، کیونکہ وہ اس دنیاوی حیات سے دائمی حیات کو حاصل کرتے ہیں کیونکہ ان کی زُبان اور ان کے دل میں موافقت ہوتی ہے۔

''وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۙ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ ۝'': اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے کیونکہ وہ جھوٹ بولتے ہیں''، کیونکہ بعض اوقات دنیا میں عذاب ہوتا ہے اور اس میں درد نہیں ہوتا اور آخرت میں جو عذاب ہوگا اس میں شدید درد ہوگا۔

''وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ ۙ قَالُوْۤا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝'': ''اور جب ان سے کہا جائے کہ زمین میں دہشت گردی نہ کرو تو وہ کہتے ہیں: ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیںO''۔

اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ یہ منافقین ہی دہشت گرد ہیں، کیونکہ یہ دھوکا دیتے ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں لیکن ان کو اس کا شعور نہیں ہے کیونکہ اس دھوکا دہی اور استہزاء کا وبال ان ہی کو پہنچے گا۔

اس آیت میں ان لوگوں کا رد ہے کہ کسی شخص کے خلاف حجت اس وقت قائم ہوتی ہے جب اس کو اپنے قول کے باطل ہونے کی معرفت ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں منافقین کو دہشت گرد قرار دیا ہے خواہ ان کو اپنی دہشت گردی کا علم نہ ہو، اسی طرح اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ (الحجرات:۲)

اے ایمان والو! اس نبی کی آواز پر اپنی آوازوں کو بلند نہ کرو، اور ان کے سامنے زیادہ بلند آواز سے بات نہ کرو جیسے تم ایک دوسرے کے ساتھ بلند آواز سے باتیں کرتے ہو (ایسا نہ ہو) کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں شعور (تک) نہ ہوO

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اگر مسلمانوں میں سے کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز اونچی کی تو

خواہ اس کو علم نہ ہو اس کے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ (تاویلاتِ اہل السنۃ ج ۱ ص ۳۸۴۔ ۳۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''سنو! یہی لوگ (حقیقت میں) دہشت گرد ہیں لیکن انہیں اس کا احساس بھی نہیں ہے O اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس طرح ایمان لاؤ جس طرح دوسرے لوگ ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کہ کیا ہم اس طرح ایمان لائیں جس طرح بے وقوف لوگ ایمان لائے ہیں؟ سنو! یہی لوگ بے وقوف ہیں مگر ان کو اس کا علم نہیں ہے O'' (البقرہ: ۱۲۔۱۳)

امام ابو منصور محمد بن محمد الماتریدی الحنفی المتوفی ۳۳۳ھ البقرہ: ۱۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝'': منافقین کو اپنی دہشت گردی کا احساس تک نہیں، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کی دہشت گردی کا وبال اور عذاب ان ہی کی طرف رجوع کرے گا اور ان کو اس کا احساس بھی نہیں ہوگا۔

(تاویلاتِ اہل السنۃ ج ۱ ص ۳۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

امام ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی ابن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کے دو محمل ہیں، ایک یہ ہے کہ منافقین کو اس کی خبر نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی دہشت گردی کی اطلاع نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دے دے گا، دوسرا محمل یہ ہے کہ ان کو اس کا علم نہیں ہے کہ جو کچھ انہوں نے کیا ہے وہ دہشت گردی ہے کوئی نیکی اور بھلائی نہیں ہے۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۳۳، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

امام ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی ابن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ البقرہ: ۱۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب نے منافقین سے کہا: اس طرح ایمان لاؤ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب ایمان لائے ہیں اور مقاتل نے کہا کہ حضرت سعد بن معاذ، حضرت ابو لبابہ اور حضرت اُسید رضی اللہ عنہم نے منافقین سے کہا: اس طرح ایمان لاؤ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب ایمان لائے ہیں، اور یہاں تین اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس طرح تمام صحابہ ایمان لائے (۲) مقاتل نے کہا: جس طرح حضرت عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھ اسلام قبول کرنے والے دیگر صحابہ ایمان لائے ہیں (۳) کلبی نے کہا: جس طرح حضرت معاذ بن جبل، حضرت سعد بن معاذ، حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہم اور دیگر انصار ایمان لائے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اس طرح ایمان لاؤ جس طرح دوسرے لوگ (یعنی اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایمان لائے ہیں''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد ہے مکمل دینِ اسلام کو قبول کرو، مجاہد نے کہا: اس سے مراد ہے مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کو اور جزا اور سزا کو مانو۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۳۳، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

امام ماتریدی حنفی متوفی ۳۳۳ھ البقرہ: ۱۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ'': اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ''السُّفَهَآءُ'' کا ذکر فرمایا ہے، یہ لفظ ''سِفْهٌ'' سے ماخوذ

ہے، "سِفۃٌ" کا معنی ہے حکمت کی ضد اور یہ جہالت کے تقاضا پر عمل کرنا ہے اور جہالت علم کی ضد ہے۔

علامہ ابوالقاسم الحسین بن محمد الراغب الاصفہانی المتوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

جس کپڑے کی بُنائی صحیح نہ ہو اس کے متعلق کہا جاتا ہے "ثوبٌ سَفِیۃٌ" یعنی خراب کپڑا، اور اس لفظ کو عقل کی کمی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے خواہ عقل کی کمی دنیاوی امور میں ہو یا اخروی امور میں ہو، دنیاوی امور میں عقل کی کمی کے متعلق ارشادِ باری ہے:

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ (النساء: ۵) اور کم عقلوں کو اپنا وہ مال نہ دو جو تمہاری تحویل میں ہے۔

اور اخروی امور میں کم عقلی کے استعمال کے متعلق درجِ ذیل آیت ہے:

وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا (الجن: ۴) اور ہم میں سے جو کم عقل ہیں وہ اللہ کی شان کے متعلق حد سے بڑھی ہوئی ناحق باتیں کہتے ہیں O

علامہ راغب نے لکھا ہے: "شطط" کا معنی ہے: بہت زیادہ بعید ہونا، اور ظلم اور ناانصافی کو بھی "شطط" کہا جاتا ہے۔

لَنْ نَّدْعُوَا۟ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا (الکہف: ۱۴) (اصحابِ کہف نے کہا:) ہم اللہ کے سوا ہرگز کسی کو بطورِ عبادت مدد کے لیے نہیں پکاریں گے ورنہ ہماری یہ پکار حق سے بہت دور ہوگی O

(المفردات فی غریب القرآن ج ۱ ص ۳۸۵، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

"اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ": اللہ تعالیٰ نے منافقین کے قول کا رد کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "سنو! یہی لوگ بے وقوف ہیں مگر ان کو اس کا علم نہیں ہے"۔ یعنی منافقین نے اپنے جس نفاق کو بطورِ دین اختیار کیا ہوا ہے وہ ان کی جہالت ہے اور وہ ایسے جاہل ہیں کہ اپنی جہالت سے بھی جاہل ہیں، کیونکہ وہ اپنے آپ کو علم والا سمجھتے ہیں۔

حضرات صحابہ کرام پر سب وشتم کرنے والوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا غیظ وغضب

میں کہتا ہوں: منافقین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو "سُفَهَاء" یعنی جاہل کہا تھا، اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی مدافعت میں فرمایا: سنو! یہ خود جاہل ہیں اور ایسے جاہل ہیں کہ اپنی جہالت سے بھی جاہل ہیں، گویا جہلِ مرکب میں مبتلاء ہیں (یعنی وہ دگنے جاہل ہیں)۔ خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے صحابہ کرام کو بطور جہلِ بسیط جاہل کہا تھا اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی حمایت اور مدافعت میں منافقین کو بطورِ جہلِ مرکب جاہل فرمایا کہ وہ صحیح دین سے جاہل ہیں اور اپنے نفاق کے باطل ہونے سے جاہل ہیں اور ایسے جاہل ہیں کہ ان کو اپنی جہالت کی بھی خبر نہیں ہے اور وہ خود کو جاہل ہونے کے باوجود عالم سمجھتے ہیں، اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص صحابہ کرام کو سب وشتم کرے، اللہ تعالیٰ اس کی سزا میں اس کی دگنی مذمت فرماتا ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

علامہ ماتریدی فرماتے ہیں: بعض متکلمین نے کہا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے منافقین پر سب وشتم ہے اور مومنین کی طرف سے جواب ہے اگرچہ ابتداءً سب وشتم کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے جائز نہیں ہے لیکن سب وشتم کے جواب میں سب وشتم کرنا جائز ہے، جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝ اور کافروں نے خفیہ سازش کی اور اللہ نے (بھی) خفیہ تدبیر کی اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر فرمانے والا ہے ۝ (آل عمران: ۵۴)

لیکن ہمارے نزدیک یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ جو شخص کسی پر سب وشتم کرتا ہے اس کی مذمت کی جاتی ہے اور یہ جاہلوں کا فعل ہے، سو اللہ تعالیٰ کی طرف یہ نسبت کرنا جائز نہیں ہے کہ اس نے منافقین پر سب وشتم کیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف کسی مذموم فعل کی نسبت کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے صحیح یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کو جو جاہل فرمایا، یہ ان کے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو جاہل کہنے کی سزا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''لیکن وہ جانتے نہیں ہیں''، یعنی وہ یہ نہیں جانتے کہ وہ خود جاہل ہیں اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ وہ یہ نہیں جانتے کہ صحابہ کو جاہل کہنے کی ان کو کیا سزا ملے گی۔ (تاویلات اہل السنہ ج ۱ ص ۳۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جب یہ (منافقین) ان لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لا چکے ہیں تو کہتے ہیں: ہم (بھی تو) ایمان لا چکے ہیں، اور جب اپنے شیطانوں کے ساتھ تنہائی میں ہوتے ہیں تو (اُن سے) کہتے ہیں: بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں، اور (مسلمانوں سے) ہم (تو) صرف استہزاء کرتے ہیں ۝ اللہ (ان منافقوں کو) ان کے استہزاء کی سزا دے رہے ہیں اور ان کو ان کی سرکشی میں ڈھیل دے رہے ہیں (سو وہ) بھٹک رہے ہیں ۝'' (البقرہ: ۱۴-۱۵)

شیاطین کا معنی اور ان کا مصداق

علامہ اللغوی مجد الدین محمد بن یعقوب الفیروز آبادی المتوفی ۸۱۷ھ ''شیطان'' کا معنی لکھتے ہیں:

''وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ'': انسان، جن اور چوپائے میں سے جو نافرمان اور سرکش ہو اس کو شیطان کہتے ہیں، یہ ''شطن'' سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے بعید، شیطان کو شیطان اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بہت دور جا پڑا۔ (القاموس المحیط ص: ۱۲۰۹)، نیز علامہ مجد الدین لکھتے ہیں: ''تَشَيَّطَ'' کا معنی ہے: جل گیا، اور شیطان کو اس لئے شیطان کہا جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قہر وغضب میں جل گیا۔ (القاموس المحیط ص ۶۷۵، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

امام ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی ابن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ البقرہ: ۱۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

شیاطین کی تفسیر میں تین اقوال ہیں: (۱) حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور حسن اور السدی نے کہا: اس سے مراد صنادید کفار ہیں (۲) اور ابو عالیہ اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد مشرکین ہیں (۳) اور ضحاک اور کلبی نے کہا: اس سے مراد مشرکین کے کاہن ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: البقرہ: ۱۴ عبد اللہ بن ابی اور اس کے دیگر اصحابِ منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے، سو جب یہ منافقین تنہائی میں اپنے شیاطین سے ملتے ہیں: تو کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں یعنی ہم تمہارے مددگار ہیں ہم تو صرف مسلمانوں سے استہزاء کرنے والے ہیں۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۳۳-۳۴، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

اللہ تعالیٰ کے استہزاء فرمانے کی تفسیر

نیز علامہ ابن الجوزی البقرہ:١۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ'': اللہ تعالیٰ کے استہزاء فرمانے کے متعلق حسبِ ذیل اقوال ہیں:

(١) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس وقت منافقین دوزخ میں ہوں گے تو ان کے لیے جنت کا دروازہ کھول دیا جائے گا، وہ تیزی سے جنت کی طرف بھاگیں گے اور جب وہ جنت تک پہنچیں گے تو اس کا دروازہ بند کر دیا جائے گا۔

(٢) عمرو بن کلثوم نے کہا: اللہ تعالیٰ منافقین کو ان کے استہزاء کی سزا دے گا اور اس سزا کو استہزاء سے اس طرح تعبیر فرمایا جس طرح اللہ عزوجل کا ارشاد ہے ''وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (الشوریٰ:۴٠)'' (اور برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے)، حالانکہ برائی ظلم ہے اور اس کا بدلہ عدل ہے لیکن اس آیت میں اس کو بھی برائی فرمایا کیونکہ صورتاً دونوں فعل ایک جیسے ہیں۔

(زاد المسیر ج ١ ص ٣٣۔٣۴، دار الکتاب العربی، بیروت، ١۴٣١ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلہ میں گمراہی کو خرید لیا ہے، سو ان کی تجارت نہ سودمند ہوئی اور نہ وہ ہدایت یافتہ ہوئے O'' (البقرہ:١٦)

امام ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی ابن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹٧ھ البقرہ:١٦ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ'': جن منافقین نے ہدایت کے بدلہ میں گمراہی کو خریدا، ان کے متعلق حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے فرمایا: اس سے مراد تمام کفار ہیں اور قتادہ اور السدّی اور مقاتل نے کہا: اس سے مراد اہلِ کتاب ہیں، اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد منافقین ہیں، انہوں نے جس ہدایت کے بدلہ میں گمراہی کو خریدا اس ہدایت سے مراد ایمان ہے اور جس گمراہی کو خریدا اس گمراہی سے مراد کفر ہے اور خرید و فروخت سے مراد یہ ہے کہ منافقین نے ہدایت کے مقابلہ میں گمراہی کو اختیار کر لیا اور مجاہد نے کہا کہ وہ پہلے ایمان لائے تھے، پھر انہوں نے کفر کیا اور مقاتل نے کہا: کہ یہود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے آپ پر ایمان لائے تھے اور آپ کے مبعوث ہونے کے بعد آپ کی نبوت کا کفر کیا۔

''رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ'': ''سو ان کی تجارت سودمند نہیں ہوئی'' اس آیت میں مجازِ عقلی ہے کیونکہ تجارت نفع نہیں پاتی بلکہ تجارت کرنے والے نفع پاتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد درجِ ذیل ہے:

أَنَّا جَعَلْنَا اللَّيْلَ لِيَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ — ہم نے رات اس لئے بنائی ہے کہ لوگ اس میں آرام کریں اور دیکھنے والا دن بنایا۔ (النمل:٨٦)

حالانکہ دن نہیں دیکھتا بلکہ دن میں لوگ دیکھتے ہیں تو دن کی طرف دیکھنے کا اسناد مجازِ عقلی ہے۔

نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''ان (منافقین) کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے (اندھیری رات میں) آگ جلائی، پس جب آگ نے اس کے اردگرد کو روشن کر دیا تو اللہ نے ان کی روشنی سلب کر لی اور ان کو اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ وہ (کچھ) نہیں دیکھتے O'' (البقرہ:١٧)

''مَثَلُهُمۡ كَمَثَلِ الَّذِى اسۡتَوۡقَدَ نَارًا'':

امام ابن الجوزی لکھتے ہیں: اس آیت میں ''مَثَل'' کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: جو کلام کسی چیز کی نظائر بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہو اور یہ آیت منافقین کے احوال بیان کرنے کے لئے نازل فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ نے جو یہ مَثَل بیان فرمائی ہے اس کے دو محمل ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: منافقین اپنی جانوں اور اپنے مالوں کی حفاظت کے لیے کلمۂ اسلام پڑھتے تھے، پھر جب وہ مر گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے اس عزت کو سلب کر لیا جس طرح آگ جلانے والے کی روشنی کو سلب کر لیا جاتا ہے۔

(۲) مجاہد نے کہا: جب وہ مومنین کے پاس آتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دی ہوئی خبروں کو سنتے ہیں، پھر جب وہ اپنے کفار کے پاس جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان خبروں کے نور کو ان سے سلب فرما لیتا ہے اور ان کو اندھیروں میں چھوڑ دیتا ہے، ان اندھیروں کے متعلق تین اقوال ہیں: (۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد عذاب کے اندھیرے ہیں (۲) مجاہد نے کہا: اس سے مراد کفر کے اندھیرے ہیں (۳) قتادہ نے کہا: اس سے مراد وہ اندھیرے ہیں جن اندھیروں میں وہ موت کے بعد مبتلاء ہوں گے۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۳۶۔۳۷، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وہ بہرے، گونگے، اندھے ہیں، پس وہ (صراطِ مستقیم) کی طرف نہیں رجوع کریں گے ○'' (البقرہ:۱۸)

''صُمٌّۢ بُكۡمٌ عُمۡىٌ فَهُمۡ لَا يَرۡجِعُوۡنَ ۙ۝۱۸'':

امام ابو منصور محمد بن محمد الماتریدی الحنفی المتوفی ۳۳۳ھ البقرہ:۱۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ہر چند کہ منافقین سنتے تھے لیکن ان کو بہرہ فرمایا، کیونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہوئی احادیث اور آیاتِ مبارکہ سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا اور منافقین بولتے تھے لیکن جس مقصد کے لیے ان کو اللہ تعالیٰ نے گویائی عطا فرمائی تھی وہ یہ تھی کہ وہ اللہ عزوجل کی توحید اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کو بیان کریں، اور جب انہوں نے ایسا نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو گونگا فرمایا، اور ہر چند کہ وہ دیکھتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی جن آیات اور نشانیوں کو وہ دیکھتے تھے ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نظرِ محبت سے نہیں دیکھتے تھے اس لئے ان کو اندھا فرمایا۔

نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یا (ان کی مثال) بارش کی طرح ہے جو آسمان سے برسے، اس میں تاریکیاں ہوں اور کڑک ہو اور چمک ہو، وہ کڑک سے (ڈر کر) موت کے خوف سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیں اور اللہ کافروں کا (ہر طرف سے) احاطہ کئے ہوئے ہیں ○'' (البقرہ:۱۹)

''اَوۡ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيۡهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعۡدٌ وَّبَرۡقٌ'': اللہ تعالیٰ نے یہاں منافقین کی دو مثالیں بیان فرمائی ہیں، پہلی مثال اس شخص کی ہے جو آگ جلاتا ہے اور جب آگ اس کے گرد کو روشن کر دیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی روشنی کو لے جاتا ہے اور اس کو اندھیروں میں چھوڑ دیتا ہے، اور دوسری مثال اس شخص کی بیان فرمائی ہے جو آسمان سے نازل ہونے والی بارش میں گھرا ہوا ہو اور

اس بارش میں اندھیرے ہوں اور بجلی کی چمک ہو اور وہ شخص ڈر کر موت کے خوف سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لے۔

''اَلصَّیِّبِ'' کا معنی ہے: بارش، اور ''رَعْدٌ'' کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرمایا: جب فرشتہ بادل کو کوڑا مارتا ہے تو یہ اس کے کوڑا مارنے کی آواز ہے۔ مجاہد نے کہا: یہ فرشتے کی تسبیح کی آواز ہے، اور ''بَرْقٌ'' کا معنی ہے: بجلی کا کوندنا۔

''ظُلُمٰتٌ'' سے مراد ان کے دلوں میں کفر کے اندھیرے ہیں، یا اس سے مراد ان کے نزدیک اسلام میں جہاد اور حدود کی سختیاں ہیں۔

یہی حال منافقین کا ہے، جب وہ دیکھتے ہیں کہ دین اسلام میں داخل ہونے سے مالِ غنیمت حاصل ہوتا ہے اور جان و مال کی حفاظت ہوتی ہے تو انہوں نے سمجھا کہ ان کی تجارت نفع دینے والی ہے، پس وہ اس پر مطمئن ہو گئے اور جب ان کو اسلام کے احکام پر عمل کرنے سے شدت اور مصائب کا سامنا ہوا تو انہوں نے سمجھا کہ ان کی یہ تجارت ان کو نقصان پہنچانے والی ہے، پس وہ اسلام کو چھوڑ کر کسی اور دین کی طرف پھر گئے، سو ان کی مثال اس شخص کی ہے جس نے آگ جلائی اور وہ آگ کو بھڑکانے کی مسلسل کوشش کرتا رہا تا کہ آگ کی روشنی اور اس کی حرارت حاصل ہو، پھر جب اس کی روشنی چلی گئی تو وہ اس آگ سے بغض رکھنے لگا کیونکہ وہ ڈرتا تھا کہ اس آگ کے قریب جانے سے وہ جل جائے گا، اسی طرح منافق جب اسلام کے احکام پر عمل کرنے میں مشقت اور جہاد کی صعوبتوں کو دیکھتا ہے تو یہ تمنا کرتا ہے کہ کاش! وہ اسلام نہ لایا ہوتا، اللہ تعالیٰ نے منافق کے حال کا نقشہ اس طرح بیان فرمایا ہے:

وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ۝ (النساء:۷۲)	اور بے شک تم میں کوئی ایسا (منافق) بھی ہے جو جہاد کی شرکت میں (عمداً) تاخیر کرتا ہے، پھر اگر تم پر کوئی مصیبت آجائے تو کہتا ہے: بے شک اللہ نے مجھ پر بڑا احسان کیا کہ میں ان کے ساتھ جہاد میں حاضر نہ تھا ۝

(تاویلات اہل السنۃ ج ۱ ص ۳۹۵۔۳۹۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''قریب ہے کہ بجلی (کی چمک) ان کی آنکھوں کی بصارت کو اُچک کر لے جائے، جب بھی بجلی کی چمک ان کے لیے روشنی کرتی ہے تو یہ اس روشنی میں چلتے ہیں اور جب ان پر تاریکی چھا گئی تو کھڑے رہ گئے، اور اگر اللہ چاہتے تو ان کی سماعت اور بصارت کو سلب کر لیتے، بے شک اللہ جو چاہیں اس پر قادر ہیں ۝'' (البقرہ:۲۰)

البقرہ: ۲۰ میں منافقین کے احوال سے مشابہت کی وجوہ

امام ابو اللیث نصر بن محمد بن احمد السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ البقرہ: ۲۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''یَکَادُ الْبَرْقُ یَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ؕ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙ'': یعنی قریب ہے کہ بجلی کی روشنی کی شدت ان کی آنکھوں سے بینائی کو اُچک لے، اسی طرح منافق کے ایمان کا نور ہے، وہ لوگوں کے سامنے اپنے کفر کو چھپاتا ہے اور تنہائی میں اس کا اظہار کرتا ہے تا کہ لوگوں کو اس کے کفر کا علم نہ ہو، پھر جب بھی اندھیری رات میں بجلی کی روشنی ظاہر ہوتی ہے تو وہ چل پڑتے ہیں اور جب بجلی کی روشنی چلی جاتی ہے تو وہ حیران ہو کر کھڑے رہتے ہیں، اسی طرح منافق ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' پڑھتا ہے اور مسلمانوں کے ساتھ مل جل

کر رہتا ہے اور اس کلمہ کی وجہ سے وہ قتل کیے جانے سے محفوظ رہتا ہے، پھر اچانک جب وہ مرجاتا ہے تو پھر حیران اور نادم ہوتا ہے، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب ان منافقین کے سامنے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی کوئی دلیل ظاہر ہوتی ہے اور اسلام کی علامات ان پر منکشف ہوتی ہیں تو وہ اسلام کی طرف مائل ہوتے ہیں اور جب مسلمانوں پر کوئی آزمائش آتی ہے جیسے غزوۂ اُحد میں بہ کثرت مسلمان شہید ہوگئے اور بئر معونہ کے دن ستر (۷۰) قراء کو شہید کر دیا گیا تو پھر وہ اپنے کُفر پر جم جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور اگر اللہ چاہتا تو ان کی سماعت اور بصارت کو سلب کر لیتا'' یعنی اگر اللہ چاہتا تو ان کو حقیقت میں بہرہ اور اندھا بنا دیتا جیسا کہ وہ حکمی طور پر بہرے اور اندھے ہیں۔ یا اس کا معنی ہے: اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کو آخرت میں بہرہ اور اندھا بنا کر اٹھاتا جیسا کہ وہ دنیا میں حکمی طور پر بہرے اور اندھے ہیں، یہ دونوں روایتیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہیں، انہوں نے کہا: یہ وہ مخفی چیز ہے جس کو بیان نہیں کیا جا سکتا، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''بے شک اللہ جو چاہے اس پر قادر ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ منافقین کو جس طرح دنیا میں ذلیل و رسوا کرنا چاہے سو وہ اس پر قادر ہے۔ (تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۱۰۰۔۱۰۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی ابن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ البقرہ: ۲۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

علماء کے اس میں تین اقوال ہیں کہ منافقین کا کون سا حال ''رَعد'' کے مشابہ ہے: (۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے قرآن مجید کی وہ آیات مراد ہیں جن میں منافقین پر وعید ہے (۲) مجاہد نے کہا ہے کہ منافقین اس سے ڈرتے تھے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومنین کو ان کے نفاق کا علم ہو جائے گا تو پھر ان پر کیسے ہولناک مصائب آئیں گے (۳) ہمارے شیخ نے کہا کہ منافق اس سے ڈرتے تھے کہ انہیں جہاد اور قتال کی طرف بلایا جائے گا۔ اور ''برق'' کے ساتھ مشابہت میں بھی تین قول ہیں: (۱) اس سے مراد قرآن مجید کے مواعظ ہیں (۲) اس سے مراد وہ نور ہے جو ان کے اظہارِ اسلام سے روشن ہوتا تھا (۳) اس سے مراد اظہارِ اسلام کی وجہ سے ان کے جان و مال کی حفاظت ہے۔

مجاہد نے کہا: سورۃ البقرہ کی چار آیتیں مومنین کی صفات میں ہیں اور دو آیتیں کافروں کی صفات میں ہیں اور تیرہ آیات منافقین کی صفات میں ہیں۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۴۱۔۴۲، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

يَآيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿٢١﴾

اے لوگو! تم اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم (اللہ کے) عذاب سے بچو O

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۪ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٢﴾

وہ وہی (رب) ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی نازل فرمایا، پھر تمہاری غذا کے لیے بعض پھل پیدا کیے، سو تم کسی کو (بھی) اللہ کا شریک نہ قرار دو حالانکہ تم خوب جانتے ہو O

وَ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ وَ ادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٢٣﴾

اور اگر تم اس قرآن کے کلام الٰہی ہونے کے متعلق کسی شک میں مبتلاء ہو جس کو ہم نے اپنے بندہ (محمد عربی) پر نازل فرمایا ہے تو اس قرآن کی مثل کوئی ایک سورت بنا کر لے آؤ، اور (اس کام کے لیے) اللہ کے سوا اپنے مددگاروں کو بھی بلا لو، اگر تم سچے ہو O

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَ لَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ ۚۖ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٤﴾

پھر اگر تم (ایسا) نہ کر سکو اور تم ہرگز نہ کر سکو گے تو (دوزخ کی) اس آگ سے بچو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں جو کافروں (کے عذاب) کے لیے تیار کی گئی ہے O

وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَ اُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَ لَهُمْ فِيْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙۗ وَّ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٥﴾

اور جو لوگ ایمان لائے اور وہ نیک عمل کرتے رہے ان کو یہ بشارت دیجئے کہ ان کے لیے جنت کے باغات ہیں جن کے نیچے سے دریا بہہ رہے ہیں، جب بھی انہیں ان باغوں میں سے کوئی پھل کھانے کے لیے دیا جائے گا تو وہ کہیں گے: یہ تو وہی پھل ہے جو ہمیں اس سے پہلے دیا گیا تھا، اور ان کو ایک دوسرے کی صورت سے ملتے جلتے پھل دیے گئے تھے اور ان کے لیے اس (جنت) میں پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور وہ اس جنت میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے O

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖۤ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَ مَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٦﴾ ۙ

وقف لازم

بے شک اللہ کسی بھی چیز کی مثال بیان کرنے سے حیاء نہیں فرماتے خواہ وہ مچھر کی ہو یا اس سے بھی بڑھ کر، رہے وہ لوگ جو ایمان لا چکے ہیں تو ان کو یقین ہوتا ہے کہ وہ مثال ان کے رب کی طرف سے برحق ہے اور رہے وہ لوگ جو کفر اختیار کر چکے ہیں سو وہ یہی کہتے رہیں گے کہ اس مثال سے اللہ تعالیٰ کا کیا ارادہ ہے؟ اور اسی سے اللہ بہت لوگوں کو گمراہی میں مبتلاء فرما دیتے ہیں اور اسی سے بہت لوگوں کو ہدایت پر قائم رکھتے ہیں، اور اس سے اللہ صرف فاسقوں کو گمراہی میں مبتلاء فرماتے ہیں O

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾

جولوگ اللہ سے کیے ہوئے عہد کو مضبوط کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور جس (رشتہ قرابت) کو اللہ نے ملانے کا حکم دیا ہے اس کو کاٹ ڈالتے ہیں اور زمین میں دہشت گردی کرتے ہیں، وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں O

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾

(اے کافرو!) تم کیونکر اللہ تعالیٰ کا انکار کر سکتے ہو حالانکہ تم بے جان تھے، سو اس نے تم میں جان ڈالی، پھر وہی تم کو موت دے گا، پھر وہی تم کو زندہ فرمائے گا، پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے O

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۚ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۹﴾ ع

وہی ہے جس نے تمہاری منفعت کے لیے زمین کی تمام چیزوں کو پیدا فرمایا پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے ان کو ٹھیک سات آسمان بنا دیا اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے لوگو! تم اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم (اللہ کے) عذاب سے بچو O'' (البقرہ:۲۱)

لفظ ''النّاس'' کا لغوی اور عرفی معنی

''يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ'': علامہ ابن الجوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ نے لکھا ہے: ''النّاس'' جاندار آدمی کا نام ہے، یہ لفظ ''نوس'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے حرکت کرنا، انسان کو ''ناس'' اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے ارادوں کو پورا کرنے کے لیے حرکت کرتا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ لفظ ''نسیان'' سے ماخوذ ہے اور انسان کو ''ناس'' اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ بعض اوقات بھول جاتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِىَ (طٰہٰ:۱۱۵) اور کافی عرصہ پہلے ہم نے آدم کو ایک حکم دیا تھا سو وہ بھول گئے۔

(زاد المسیر ج۱ ص۴۲، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

''يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ'' اور ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا'' کے خطاب کا فرق، اور جمع معرّف باللام کا مفید عموم ہونا

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی الشافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

علقمہ اور حسن بصری سے روایت ہے کہ قرآنِ مجید کی جس سورت میں ''يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ'' مذکور ہو وہ سورت مکی ہوتی ہے اور جس

سورت میں ''یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' مذکور ہو وہ سورت مدنی ہوتی ہے، قاضی نے کہا ہے: یہ مطلقاً صحیح نہیں ہے کیونکہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی مومنین کو ان کی صفتِ ایمان کے ساتھ خطاب کرے اور کبھی ان کو ان کی جنسِ انسان کے ساتھ خطاب کرے، کیونکہ کبھی غیر مومن کو بھی عبادت کا حکم دیا جاتا ہے یعنی وہ عبادت کی ابتداء کرے اور اللہ تعالیٰ کو واحد مانے، اور کبھی مومن کو عبادت پر ثابت رہنے کا حکم دیا جاتا ہے یعنی جس طرح وہ اب عبادت کر رہا ہے آئندہ بھی اسی طریقہ سے تاحیات عبادت کرتا رہے، اس آیت میں فرمایا ہے: ''اے لوگو! تم اپنے رب کی عبادت کرو'' اس کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو عبادت کا حکم دیا ہے، کیونکہ جب جمع معرّف باللام ہو تو وہ مفید عموم ہوتی ہے جیسے قرآنِ مجید کی درج ذیل آیت میں ارشاد ہے:

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝ اِلَّآ اِبْلِيْسَ — تمام کے تمام فرشتوں نے سجدہ کیا ۝ سوا ابلیس کے۔

(الحجر: ۳۰۔۳۱)

(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۲۰۔۳۲۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

''یَاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمْ'' کے متعدد محامل

امام ابواللیث نصر بن محمد بن احمد السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ البقرہ: ۲۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ آیت عام ہے، اس میں مشرکین سے بھی خطاب ہے اور مومنین سے بھی، مشرکین سے خطاب کا معنی ہے: تم اپنے رب کو واحد مانو اور مومنین سے خطاب کا معنی ہے: تم اپنے رب کی اطاعت کرو، کبھی ''یَاَیُّھَا النَّاسُ'' کا خطاب خصوصاً اہلِ مکہ کے لیے ہوتا ہے اور کبھی تمام مخلوق کے لیے ہوتا ہے، کفار سے کہا جائے گا: تم اپنے رب کو واحد مانو اور نافرمانوں سے کہا جائے گا: تم اپنے رب کے احکام کی اطاعت کرو، اور منافقین سے کہا جائے گا: تم اخلاص سے اپنے رب کو مانو (نہ کہ نفاق سے)، اور مسلمانوں اور اطاعت کرنے والوں سے کہا جائے گا: تم اپنے رب کی اطاعت پر برقرار رہو اور تاحیات اپنے رب کی اطاعت کرتے رہو، اور یہ آیت ان تمام معانی کی جامع ہے اور یہ جوامع الکلم سے ہے۔

نداء کے چھ مراتب

نیز علامہ سمرقندی حنفی لکھتے ہیں: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو نداء فرمائی ہے اور نداء کے چھ مراتب ہیں:
(۱) نداء مدح: جیسے ''یَاَیُّھَا النَّبِیُّ، یَاَیُّھَا الرَّسُوْلُ، اور یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' (۲) نداء ذم: جیسے ''یایھا الذین کفروا، یایھا الذین ھادوا'' (۳) نداء تنبیہ: جیسے ''یَاَیُّھَا النَّاسُ'' (۴) نداء اضافت: جیسے ''یٰعبادی'' (۵) نداء نسبت: جیسے ''یٰبنی آدم، یٰبنی اسرائیل''۔ (۶) نداء تسمیہ: (یعنی نام لے کر نداء کرنا) جیسے ''یاداؤد، یا ابراھیم''۔

اس نداء سے یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی حکم دینے کا یا کسی کام سے منع فرمانے کا ارادہ فرماتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے یہاں پر حکم کا بیان فرمایا، ارشاد ہوتا ہے: تم اپنے رب کی عبادت کرو یعنی اس کو واحد مانو اور اس کی اطاعت کرو، اس کا معنی ہے: اپنے رب کی اطاعت کرو جو تمہارا خالق ہے، اس نے تم کو پیدا فرمایا ہے اور تم پہلے کچھ بھی نہ تھے اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے یعنی ان لوگوں کو پیدا فرمایا جو تم سے پہلے تھے، پھر فرمایا ''لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ'' تاکہ تم دنیا میں نافرمانی سے بچو اور آخرت میں اللہ کے عذاب سے بچو۔

(تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۱۰۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۳ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وہ وہی (رب) ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی نازل فرمایا، پھر تمہاری غذا کے لیے بعض پھل پیدا کئے، سو تم کسی کو (بھی) اللہ کا شریک نہ قرار دو حالانکہ تم خوب جانتے ہو O'' (البقرہ: ۲۲)

الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا: ارض ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو انسان کے قدموں کے نیچے ہو اور ہر وہ چیز جو نیچے ہو۔ (قاموس: ۶۳۶)

وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً: جو چیز تم پر بلند ہو اور تم پر سایہ افگن ہو وہ سماء ہے یعنی آسمان ہے۔ (قاموس: ۱۲۹۶) اس آیت کا معنی ہے: اپنے رب کی ان نعمتوں کا ذکر کرو اور اس کی عبادت کرو اور ان نعمتوں کا شکر ادا کرو، کیونکہ اس نے تمہارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنادیا ہے، اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمین اور آسمان کو انسان کی خاطر پیدا کیا گیا ہے اور وہ اس کے خادم ہیں، پھر یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ انسان زمین اور آسمان کی بعض چیزوں کی پرستش کرنے لگے اور اپنے خادموں کو اپنا معبود بنالے حالانکہ یہ پوری کائنات اس کی خادم ہے۔

وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ: یعنی آسمان سے بارش نازل فرمائی اور تمہاری غذا کے لیے بعض پھل پیدا فرمائے، یعنی اللہ تعالیٰ نے مختلف رنگوں اور مختلف ذائقوں کے پھل تمہاری غذا کے لیے پیدا فرمائے۔

فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۲۲: نِدٌّ کا معنی ہے: مثل اور نظیر۔ (لسان العرب ج ۱۴ ص ۲۲۲) یعنی تم کسی کو اللہ تعالیٰ کی مثل اور نظیر قرار نہ دو، جب کہ تم کو یقین ہے کہ ان تمام چیزوں کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے سوا کوئی اور ان چیزوں کو پیدا نہیں کرسکتا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بتایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ تم اللہ کے لیے نِدّ قرار دو حالانکہ اس نے تم کو پیدا کیا ہے۔ (صحیح البخاری: ۷۷۴۴)

البقرہ: ۲۲ میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر دلائل

دنیا کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے پر دو طرح سے دلالت کرتی ہے: (۱) ان چیزوں کا وجود ان کے بنانے والے کے وجود پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ کوئی صنعت بغیر صانع کے وجود میں نہیں آسکتی (۲) کائنات کی تمام چیزوں کا ایک نظام اور ایک نہج پر ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان تمام چیزوں کا خالق ایک ہے، دن اور رات کا تسلسل سے آنا، موسمِ سرما اور موسمِ گرما کا اپنے اپنے وقت پر آنا اور درختوں سے پھلوں کا اپنے اپنے موسم میں نکلنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس تمام نظام کا موجد واحد ہے، کیونکہ اگر یہاں کئی صانع ہوتے تو ان تمام چیزوں کے ظہور میں یکسانیت نہ ہوتی مثلاً ایک صانع کسی درخت سے سیب پیدا کرنا چاہتا اور دوسرا صانع اسی درخت سے اسی وقت آم پیدا کرنا چاہتا تو یا تو اس درخت میں بیک وقت سیب اور آم دونوں کا ظہور ہوتا اور یہ واقع کے خلاف ہے اور اگر کسی ایک کا ظہور ہوتا تو دوسرے کی چاہت پوری نہ ہوتی لہٰذا وہ خدا نہ ہوتا، اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اس دنیا کے نظام میں وحدانیت ہے مثلاً سورج ہمیشہ مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور مغرب میں غروب ہوتا ہے، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ایک دن سورج مشرق سے طلوع ہو اور دوسرے دن مغرب سے طلوع ہو، ہمیشہ گرمیوں میں دن لمبے ہوتے ہیں اور راتیں چھوٹی ہوتی ہیں اور سردیوں میں

دن چھوٹے ہوتے ہیں اور راتیں لمبی ہوتی ہیں، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ گرمیوں میں دن چھوٹے ہوں اور سردیوں میں دن لمبے ہوں تو اس کائنات کے نظام کی وحدانیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس کائنات کا خالق بھی واحد ہے، اگر اس کائنات کے خالق متعدد ہوتے تو اس کائنات کے نظام میں وحدانیت نہ ہوتی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَوْ كَانَ فِیْهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ (الانبیاء: ۲۲) — اگر آسمانوں اور زمینوں میں اللہ کے سوا متعدد معبود ہوتے تو آسمان اور زمین دونوں درہم برہم ہوجاتے (یعنی ان کا نظام واحد نہ رہتا)۔

(تفسیر السمرقندی ج ا ص ۱۰۱۔ ۱۰۲، ملخصاً وموضحاً ومضیفاً مخرّ جا، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اگر تم اس قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے کے متعلق کسی شک میں مبتلاء ہو جس کو ہم نے اپنے بندہ (محمد عربی) پر نازل فرمایا ہے تو اس قرآن کی مثل کوئی ایک سورت بنا کر لے آؤ، اور (اس کام کے لیے) اللہ کے سوا اپنے مددگاروں کو بھی بلالو، اگر تم سچے ہو O'' (البقرہ: ۲۳)

توحید پر دلائل کے بعد رسالتِ محمدی پر دلیل

''وَ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا'': اسلام کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی توحید اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ہے، اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل دیے گئے تھے اور اب اللہ تعالیٰ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر دلیل پیش فرمارہا ہے، سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کی دلیل یہ قرآنِ مجید ہے کیونکہ آپ اُمّی تھے، آپ نے کسی مکتب میں جاکر درس لیا تھا نہ لکھنا اور پڑھنا سیکھا تھا، اس کے باوجود آپ نے قرآنِ مجید لوگوں کے سامنے پیش کیا جس کی فصاحت و بلاغت اس میں مذکور معاش اور معاد کے احکام، غیب کی خبروں اور حقائق و معارف کی مثال دنیا کے کسی کلام میں نہیں تھی۔

یتیمے کہ نہ کردہ قرآں درست ؎ کتب خانۂ چند ملت بشست

جس یتیم نے مکتب میں جاکر پڑھنا نہیں سیکھا تھا ☆ اس نے ایسا کلام پیش کیا جس نے بہت سی ملتوں کی کتابوں کو دھوڈالا۔

اور آپ نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اور اگر کسی کو اس قرآن کے کلام اللہ ہونے میں شک ہے تو وہ اس قرآن کے مقابلہ میں کوئی دوسرا کلام یا کتاب لا کر پیش کرے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ۝ (بنی اسرائیل: ۸۸) — آپ کہیے: اگر تمام انسان اور جنات اس قرآن کی مثل لانے پر مجتمع ہوجائیں تو وہ اس کی مثل نہیں لاسکیں گے خواہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بھی ہوں O

لیکن ایک عرصہ گزر گیا اور کوئی پورے قرآن کی مثل نہیں لاسکا تو پھر اللہ تعالیٰ نے اس چیلنج میں تخفیف فرمادی اور فرمایا:

اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ وَّ ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ (ہود: ۱۳) — کیا وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے (محمد نے) از خود قرآن بنالیا ہے! آپ کہیے: (اگر ایسا ہے تو) تم بھی اس قرآن کی مثل دس سورتیں بنا کر لے آؤ اور اس کام میں اللہ کے سوا جس کو بھی اپنی مدد کے لیے بلاسکتے ہو

بلالو اگر تم سچے ہو O

اور جب آپ کے مخالفین میں سے کوئی قرآن کی مثل دس سورتیں بھی نہ لا سکا تو اللہ تعالیٰ نے اس چیلنج میں مزید تخفیف کر کے فرمایا:

وَ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾ (البقرہ:۲۳)

اور اگر تم اس قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے کے متعلق کسی شک میں مبتلاء ہو جس کو ہم نے اپنے بندہ (محمد عربی) پر نازل فرمایا ہے تو اس قرآن کی مثل کوئی ایک سورت بنا کر لے آؤ، اور (اس کام کے لیے) اللہ کے سوا اپنے مددگاروں کو بھی بلالو، اگر تم سچے ہو O

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخالفین میں سے کوئی شخص قرآنِ مجید کی سورتوں میں سے کسی ایک سورت کی بھی مثال نہیں لا سکا اور آپ کا دعویٰ رسالت سچا ثابت ہو گیا اور اب تو اس دعویٰ کو تقریباً ساڑھے چودہ سو سال گزر چکے ہیں اور دنیا میں علوم و فنون کی بہت ترقی ہو چکی ہے اور اسلام اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منکرین اور مخالفین ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں، اگر کسی کے لیے یہ ممکن ہوتا کہ وہ قرآنِ مجید کی کسی ایک سورت کی مثل لا سکتا تو قرآنِ مجید کو اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے اس کی کسی ایک سورت کی مثل بنا کر لے آتا، اور جب آج تک کوئی اس قرآن کی کسی سورت کی مثل نہیں لا سکا تو آپ کی رسالت کی حقانیت ثابت ہو گئی۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر اگر تم (ایسا) نہ کر سکو اور تم ہرگز نہ کر سکو گے تو (دوزخ کی) اس آگ سے بچو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں جو کافروں (کے عذاب) کے لیے تیار کی گئی ہے O'' (البقرہ: ۲۴)

''وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ'':

اس کا بیان کہ دوزخ کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں اور اطفالِ مشرکین کو بغیر عمل کے جنت عطا فرمانے کی توجیہ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (التحریم:۶)

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔

البقرہ: ۲۴ اور التحریم: ۶ میں اس آگ کا ذکر ہے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں، دوزخ کی آگ کے متعلق درج ذیل حدیث ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہاری (دنیا کی) آگ دوزخ کی آگ کا سترّ واں حصہ ہے۔ (صحیح البخاری: ۳۲۶۵، صحیح مسلم: ۲۸۴۳، سنن ترمذی: ۲۵۸۹، سنن ابن ماجہ: ۴۳۱۸، مسند احمد: ۲۷۳۴۲)

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: رہے دوزخ کے پتھر تو وہ سیاہ رنگ کی گندھک ہے جس سے دوزخ میں عذاب دیا جائے گا۔ (جامع البیان: جز ۱ ص ۲۲۴، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام ابو منصور الماتریدی الحنفی المتوفی ۳۳۳ھ البقرہ: ۲۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ'': اس آیت میں فرمایا ہے: دوزخ کی آگ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے، اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ

مشرکین کے نابالغ بچے بھی جنت میں ہوں گے حالانکہ مشرک ہونے کی وجہ سے ان کو دوزخ میں ہونا چاہیے تھا۔اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جس کو چاہے بغیر عمل کے جزاء عطا فرمائے، بغیر عمل کے عقلاً جزاء عطا فرمانا جائز ہے اور بغیر گناہ کے عقلاً عذاب دینا جائز نہیں ہے۔ (تاویلات اہل السنۃ، ج۱ص ۴۰۲۔۴۰۳)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جو لوگ ایمان لائے اور وہ نیک عمل کرتے رہے ان کو یہ بشارت دیجئے کہ ان کے لیے جنت کے باغات ہیں جن کے نیچے سے دریا بہہ رہے ہیں، جب بھی انہیں ان باغوں میں سے کوئی پھل کھانے کے لیے دیا جائے گا تو وہ کہیں گے: یہ تو وہی پھل ہے جو ہمیں اس سے پہلے دیا گیا تھا، اور ان کو ایک دوسرے کی صورت سے ملتے جلتے پھل دیے گئے تھے اور ان کے لیے اس (جنت) میں پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور وہ اس جنت میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے O'' (البقرہ:۲۵)

''وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ'': اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلی آیتوں میں وجودِ باری پر دلائل ذکر فرمائے، پھر قرآنِ مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے حق ہونے پر دلیل قائم فرمائی، پھر ان لوگوں کے متعلق وعید کا ذکر فرمایا جو قرآن اور صاحب قرآن پر ایمان نہیں لائے، اور اب البقرہ: ۲۵ میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کا ثواب ذکر فرمایا اور اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں جہاں بھی کفار کے عذاب کا ذکر فرماتا ہے تو اس کے بعد مومنین کے ثواب کا ذکر فرماتا ہے تاکہ مومنین کے دلوں کو تسکین ہو اور ان سے وحشت زائل ہو۔ (تفسیر السمرقندی ج۱ص ۱۰۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اہلِ جنت کی صفات کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: اہلِ جنت نہ بول و براز کریں گے، نہ تھوکیں گے نہ ان کی رینٹھ نکلے گی، ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی اور ان کے پسینے میں مشک کی خوشبو ہوگی اور ان کی بیویاں بڑی آنکھوں والی حوریں ہوں گی۔ (صحیح البخاری: ۳۳۲۷، صحیح مسلم: ۲۸۳۴، سنن ترمذی: ۲۵۳۷، سنن ابن ماجہ: ۴۳۳۳)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک اللہ کسی بھی چیز کی مثال بیان کرنے سے حیاء نہیں فرماتا خواہ وہ مچھر کی ہو یا اس سے بھی بڑھ کر، رہے وہ لوگ جو ایمان لا چکے ہیں تو ان کو یقین ہوتا ہے کہ وہ مثال ان کے رب کی طرف سے برحق ہے اور رہے وہ لوگ جو کفر اختیار کر چکے ہیں سو وہ یہی کہتے رہیں گے کہ اس مثال سے اللہ تعالیٰ کا کیا ارادہ ہے؟ اور اسی سے اللہ بہت لوگوں کو گمراہی میں مبتلاء فرما دیتے ہیں اور اسی سے بہت لوگوں کو ہدایت پر قائم رکھتے ہیں، اور اس سے اللہ صرف فاسقوں کو گمراہی میں مبتلاء کرتے ہیں O'' (البقرہ:۲۶)

''اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا''

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا (الحج:۷۳)　اللہ کے سوا جن کو تم بطورِ عبادت پکارتے ہو، وہ ایک مکھی تک پیدا نہیں کر سکتے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ؕ (العنکبوت:۴۱) جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دیگر مددگار بنا رکھے ہیں، ان کی مثال مکڑی کے جالے کی طرح ہے جس نے اس جالے کا گھر بنایا۔

یہود اور مشرکین نے کہا: محمد کا رب مکھی اور مکڑی کی مثالیں دیتا ہے حالانکہ بڑے بادشاہ حقیر چیزوں کی مثالیں نہیں دیتے، تب اللہ عزوجل نے ان کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی "بے شک اللہ کسی بھی چیز کی مثال بیان کرنے سے حیاء نہیں فرماتا خواہ وہ مچھر کی ہو یا اس سے بھی بڑھ کر"۔ (تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۱۰۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

حیاء کا لغوی اور عرفی معنی

کسی ناشائستہ کام کے ارتکاب کے وقت نفس کا لوگوں کی ملامت کے خوف سے نفس کے منقبض یا شرمندہ ہونے کو حیاء کہتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کے لیے حیاء کا لفظ استعمال ہو تو اس سے مراد ہے ترک کرنا یعنی اللہ تعالیٰ اظہارِ حق کے لیے کسی مثال کے بیان کرنے کو ترک نہیں فرماتا۔ (المفردات فی غریب القرآن ج ۱ ص ۱۸۴، مکتبہ نزار مصطفیٰ البازی، مکہ مکرمہ ۱۴۱۸ھ)

لفظِ حیاء کے متعلق احادیث

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا رب تبارک وتعالیٰ حیاء والا کریم ہے، جب بندہ اس کی طرف اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتا ہے تو وہ اس کے دونوں ہاتھوں کے خالی لوٹانے سے حیاء فرماتا ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۱۴۸۸، سنن ترمذی: ۳۵۵۶، سنن ابن ماجہ: ۳۸۶۶، المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۴۹۷)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے اس طرح حیاء کرو جو حیاء کرنے کا حق ہے، پس سر اور اس کے نچلے حصہ کی حفاظت کرو اور پیٹ اور اس سے نچلے حصہ کی حفاظت کرو اور موت اور مصائب کو یاد کرو اور جو آخرت کا ارادہ کرتا ہے وہ دنیا کی زینت کو ترک کر دیتا ہے اور جس نے اس طرح کیا اس نے اللہ تعالیٰ سے ایسی حیاء کر لی جو حیاء کرنے کا حق ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۴۵۸، مسند احمد: ۳۶۶۲، ج ۱ ص ۳۸۷، المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۳۲۴، شعب الایمان للبیہقی: ۱۰۵۶۱)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی بندہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت کا سوال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے حیاء فرماتا ہے کہ اس بندہ کی حاجت پوری نہ ہو حتیٰ کہ اس کی حاجت پوری فرما دیتا ہے۔ (ابن النجار، جمع الجوامع: ۵۶۱۹، کنز العمال: ۲۰۲۴۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ سفید بالوں والے سے حیاء فرماتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرے اور اللہ تعالیٰ اس کو عطاء نہ فرمائے، جب کہ وہ نیک کام کرتا ہو اور سنت کی پابندی کرتا ہو۔ (ابن النجار)

(جمع الجوامع للسیوطی: ۵۶۱۸، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۴۹، کنز العمال: ۴۲۶۴۴)

(اے اللہ! اب میری عمر 78 سال ہوگئی ہے اور میرے بال سفید ہو چکے ہیں، میں آپ سے اس حدیث کی بنیاد پر یہ سوال کرتا ہوں کہ آپ میرے گناہوں کو معاف فرما دیں اور مجھے تاحیات گناہوں سے محفوظ رکھیں، اور میں یہ امید رکھتا ہوں کہ آپ میری اس دعاء کو قبول فرمائیں گے، آمین۔ سعیدی غفرلہٗ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سفید بالوں کو مت نوچو کیونکہ یہ قیامت کے دن نور ہوں گے اور جس شخص کے اسلام میں بال سفید ہو گئے اس کے لیے ہر بال کے عوض ایک نیکی لکھی جائے گی اور ہر بال کے عوض اس کا ایک گناہ معاف کر دیا جائے گا اور اس کا ایک درجہ بلند کیا جائے گا۔ یہ حدیث حسن ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۲۰۲، صحیح ابن حبان: ۲۹۸۵)

البقرہ: ۲۶ میں ارشاد ہے "اور اسی سے اللہ بہت لوگوں کو گمراہی میں مبتلاء کر دیتا ہے اور اسی سے بہت لوگوں کو ہدایت پر قائم رکھتا ہے، اور اس سے اللہ صرف فاسقوں کو گمراہی میں مبتلاء کرتا ہے O"

گمراہی میں مبتلاء کرنے کا معنی یہ ہے کہ ان کو دنیا میں ذلیل اور رسوا فرماتا ہے اور ان کو ہدایت کی توفیق نہیں فرماتا۔ اور ہدایت پر قائم رکھنے کا معنی یہ ہے کہ ان کو ہدایت کی توفیق عطا فرماتا ہے، نیز اس آیت میں فاسقوں کا ذکر ہے اور فسق کی تعریف حسبِ ذیل ہے:

فسق کا لغوی اور عرفی معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: جو شخص شریعت کی قید سے نکل جائے اس کو فاسق کہتے ہیں، زیادہ تر فاسق اس شخص کو کہا جاتا ہے جو احکام شرعیہ کا التزام اور اقرار کرے پھر تمام احکام یا بعض احکام پر عمل نہ کرے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۚ لَا يَسْتَوٗنَ ⑱ — تو کیا جو کوئی مومن ہے وہ فاسق کی مثل ہو سکتا ہے؟ وہ برابر نہیں ہو سکتے O (السجدہ: ۱۸)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "جو لوگ اللہ سے کئے ہوئے عہد کو مضبوط کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور جس (رشتہ قرابت) کو اللہ نے ملانے کا حکم دیا ہے اس کو کاٹ ڈالتے ہیں اور زمین میں دہشت گردی کرتے ہیں وہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں O" (البقرہ: ۲۷)

علامہ سمرقندی حنفی متوفی ۳۷۵ھ لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہودیوں کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لائیں، سو وہ بعض نبیوں پر ایمان لائے اور بعض نبیوں پر ایمان نہیں لائے، اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا "جس کو اللہ نے ملانے کا حکم دیا تھا اس کو کاٹ ڈالتے ہیں" اور ان کو حکم دیا گیا تھا کہ قرابت داروں کے ساتھ میل جول رکھیں اور وہ قرابت داروں کے رشتوں کو کاٹ دیتے تھے۔ (تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۱۰۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "(اے کافرو!) تم کیونکر اللہ تعالیٰ کا انکار کر سکتے ہو حالانکہ تم بے جان تھے سو اس نے تم میں جان ڈالی، پھر وہی تم کو موت دے گا، پھر وہی تم کو زندہ کرے گا، پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے O" (البقرہ: ۲۸)

امام ابو منصور ماتریدی حنفی متوفی ۳۳۳ھ البقرہ: ۲۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ": یعنی تم بصورتِ نطفہ اپنے آباء کی پشتوں میں مُردہ تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تم کو تمہاری ماؤں کے ارحام میں زندہ کیا، پھر وہی تم کو مارے گا اور پھر تم کو زندہ فرمائے گا، سو جب تم دنیا میں اس کا مشاہدہ کر رہے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری

موت کے بعد تم کو زندہ فرمائے گا تو پھر آخرت میں دوبارہ تمہاری موت کے بعد زندہ کرنے کا کیوں انکار کرتے ہو۔
(تاویلات اہل السنہ ج١ص ٤٠٩، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢٦ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”وہی ہے جس نے تمہاری منفعت کے لیے زمین کی تمام چیزوں کو پیدا فرمایا، پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے ان کو ٹھیک سات آسمان بنادیا اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O“ (البقرہ:٢٩)

آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش کی تفصیل

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ (الاعراف:٥٤) بے شک تمہارا رب وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین کو ہفتہ کے دن پیدا فرمایا اور زمین میں پہاڑوں کو اتوار کے دن پیدا فرمایا اور درختوں کو پیر کے دن پیدا فرمایا اور ناپسندیدہ چیزوں کو منگل کے دن پیدا فرمایا اور نور کو بدھ کے دن پیدا فرمایا اور جمعرات کے دن اس میں جانداروں کو پھیلا دیا اور جمعہ کے دن حضرت آدم علیہ السلام کو عصر کے بعد پیدا فرمایا۔ (صحیح مسلم: ٢٧٨٩، الرقم المسلسل: ٦٩٤٨، مسند احمد: ٨٣٤٩)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: زمین کی پیدائش دو دن میں فرمائی، پھر دو دنوں میں آسمان کی پیدائش فرمائی، پھر زمین کو پھیلایا اور ان کے درمیان پہاڑوں کو نصب فرمایا اور دو دن کے اندر اس میں جانداروں کی روزی بنائی، اور حسن اور مجاہد نے کہا: زمین اور جو کچھ اس میں ہے اس کو مسلسل چار دنوں میں بنایا، پھر دو دنوں میں آسمان کو پیدا فرمایا۔ (زاد المسیر ج١ص ٤٩، دارالکتاب العربی، بیروت)

تمام چیزوں اور تمام احکام میں اباحت کا اصل ہونا

جمہور فقہاء اور اصولیین نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ احکامِ شرعیہ نازل ہونے سے پہلے تمام چیزیں اصل میں مباح تھیں، پھر جب احکامِ شرعیہ نازل ہوئے تو بعض کام واجب ہوگئے اور بعض کام حرام ہوگئے مثلاً شراب پینا اور کتوں کے ساتھ مشغول ہونا پہلے مباح تھا جب شریعت نے ان کاموں سے منع کردیا تو یہ کام حرام ہوگئے، اسی طرح ماں باپ کی اطاعت کرنا پہلے مباح تھا پھر جب شریعت نے اس کا حکم دے دیا تو اب یہ واجب ہوگیا اور جن مشرکوں نے شرعی حکم نازل ہونے سے پہلے از خود کسی چیز کو حرام کرلیا تو ان کی مذمت میں النحل: ١١٦ اور یونس: ٥٩ نازل ہوئی۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٣٠﴾

(اے رسولِ مکرم یاد کیجیے!) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا: بے شک میں زمین میں (اپنا) نائب بنانے والا ہوں، فرشتوں نے کہا: کیا آپ زمین میں اس کو (اپنا نائب) بنائیں گے جو اس زمین میں دہشت گردی کرے گا اور خوں ریزی کرے

گا حالانکہ ہم آپ کی حمد کے ساتھ آپ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور آپ کی پاکیزگی بیان کرتے رہتے ہیں، اللہ نے فرمایا: بے شک میں ان چیزوں کو جانتا ہوں جن کو تم نہیں جانتے O

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِئُوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾

اور اللہ نے آدم کو تمام چیزوں کے نام سکھا دیے، پھر ان تمام چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا، پس فرمایا: اگر تم سچے ہو تو مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ؟ O

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۲﴾

فرشتوں نے کہا: آپ کی ذات سبحان (ہر عیب سے پاک) ہے اور ہمیں صرف انہی چیزوں کا علم ہے جن کی آپ نے ہمیں تعلیم دی ہے، بے شک آپ بہت علم والے بے حد حکمت والے ہیں O

قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾

اللہ نے فرمایا: اے آدم ان فرشتوں کو ان تمام چیزوں کے نام بتا دو! پھر جب آدم نے فرشتوں کو ان تمام چیزوں کے نام بتا دیے تو اللہ نے فرمایا: کیا میں نے تم سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ بے شک میں آسمانوں اور زمینوں کے تمام غیوب کو جانتا ہوں اور میں ان چیزوں کو جانتا ہوں جن کو تم ظاہر کرتے ہو اور ان چیزوں کو (بھی) جانتا ہوں جن کو تم چھپاتے تھے O

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۤ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾

اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا آدم کو سجدہ کرو، سو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا، اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے ہو گیا O

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۠ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾

اور ہم نے فرمایا: اے آدم آپ اور آپ کی بیوی جنت میں رہیے اور تم دونوں اس جنت میں سے جہاں سے چاہو خوب کھاؤ، اور اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم دونوں حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے O

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۖ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾

پھر شیطان نے ان دونوں کو اسی درخت کے سبب سے لغزش دے دی اور جس جنت میں وہ رہتے تھے وہاں سے ان کو نکلوا دیا اور ہم نے فرمایا: (اب) تم سب نیچے اتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے اور تمہارے لیے خاص وقت تک زمین ہی میں ٹھکانا اور ایک معین وقت تک فائدہ اٹھانا ہے O

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾

پھر آدم نے اپنے رب سے چند (دعائیہ) کلمات سیکھ لئے، پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، بے شک وہ بہت توبہ قبول فرمانے والا اور بے حد رحم فرمانے والا ہے O

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾

اور ہم نے حکم دیا کہ تم سب اس جنت سے نیچے اتر جاؤ، پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے، سو جن لوگوں نے میری ہدایت کی پیروی کی تو ان پر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے O

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾ ع

اور جن لوگوں نے (اپنے اختیار سے) کفر کیا اور ہماری آیات کی تکذیب کی تو وہی لوگ دوزخ والے ہیں اور وہی اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "(اے رسولِ مکرم یاد کیجئے!) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا: بے شک میں زمین میں (اپنا) نائب بنانے والا ہوں، فرشتوں نے کہا: کیا آپ زمین میں اس کو (اپنا نائب) بنائیں گے جو اس زمین میں دہشت گردی کرے گا اور خوں ریزی کرے گا حالانکہ ہم آپ کی حمد کے ساتھ آپ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور آپ کی پاکیزگی بیان کرتے رہتے ہیں، اللہ نے فرمایا: بے شک میں ان چیزوں کو جانتا ہوں جن کو تم نہیں جانتے O" (البقرہ: ۳۰)

"وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ":

فرشتوں کے متعلق بعض آزاد خیال (Liberal) لوگوں کا نظریہ

سرسید احمد خان متوفی ۱۸۹۸ء لکھتے ہیں:

قرآن مجید سے فرشتوں کا ایسا وجود جیسا کہ مسلمانوں نے اعتقاد کر رکھا ہے ثابت نہیں ہوتا بلکہ برخلاف اس کے پایا جاتا ہے۔ جن فرشتوں کا قرآن میں ذکر ہے ان کا کوئی اصلی وجود نہیں ہو سکتا بلکہ خدا کی بے انتہا قدرتوں کے ظہور کو اور ان قویٰ کو جو خدا نے اپنی تمام مخلوق میں مختلف قسم کے پیدا کئے ہیں مَلَک یا ملائکہ کہا ہے، جن میں سے ایک شیطان یا ابلیس بھی ہے، پہاڑوں کی صلابت، پانی کی رقت، درختوں کی قوت نمو، برق کی قوت جذب و دفع غرضکہ تمام قویٰ جن سے مخلوقات موجود ہوئی ہیں اور جو مخلوقات میں ہیں وہی ملائک و ملائکہ ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے، انسان ایک مجموعہ قویٰ ملکوتی اور قویٰ بہیمی کا ہے، اور ان دونوں ''قوتوں'' کی بے انتہاء ذریات ہیں، جو ہر قسم کی نیکی و بدی میں ظاہر ہوتی ہیں اور وہی انسان کے فرشتے اور ان کی ذرّیات، اور وہی انسان کے شیطان اور اس کی ذرّیات ہیں۔ (تفسیر القرآن وھو الھدیٰ والفرقان ج اول ص ۴۲، سرسید ریسرچ اکیڈمی، لاہور ۲۰۱۰ء)

انہی افکار سے متاثر ہو کر بعد میں غلام احمد پرویز متوفی ۱۹۸۵ء نے لکھا:

قرآنِ کریم میں ملائکہ کو پیغام رساں کہا گیا ہے۔ ''اَللّٰهُ يَصْطَفِىْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ۔۔ ۲۲/۷۵'' ''اللہ ملائکہ میں سے پیغام رساں چن لیتا ہے اور انسانوں میں سے بھی''۔ لیکن یہ پیغام رسانی ملائکہ کے فرائض میں سے صرف ایک فریضہ ہے۔ جامع طور پر انہیں ''فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۞ ۔۔۔ ۷۹/۵'' اور ''فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا۔۔ ۵۱/۴'' کہا گیا ہے۔ ''یعنی تدبیر امور اور تقسیمِ امور کرنے والی قوتیں یا جماعتیں''۔ کائنات میں اللہ تعالیٰ کی متعین کردہ مختلف اسکیمیں کارفرما ہیں۔ جو ملکوتی قوتیں خدا کے قانون کے مطابق ان تدبیرات کو بروئے کار لاتی ہیں انہیں ملائکہ کہہ کر پکارا گیا ہے۔ ان قوتوں کو اس کا اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ اپنی مرضی سے جو چاہیں کریں اس لئے یہ قوتیں بلاچون وچرا قانونِ خداوندی کے مطابق سرگرمِ عمل رہتی ہیں۔ ''وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۞ ۔۔۔ ۱۶/۵۰'' ''جو کچھ ان سے کہا جاتا ہے وہ وہی کچھ کرتی ہیں''۔ جس قانون کے مطابق یہ قوتیں مادی کائنات میں کارفرما رہتی ہیں اس کا علم انسان کو دے دیا گیا ہے، اس لئے یہ قوتیں انسان کے تابع تسخیر آسکتی ہیں۔ ملائکہ کے سجدۂ آدم سے یہی مفہوم ہے، اسی کو تسخیرِ فطرت کہتے ہیں۔ (لغات القرآن ص ۲۴۲۔ ۲۴۳، ادارہ طلوع اسلام، لاہور ۱۹۸۴ء)

بعد میں بعض دوسرے آزاد خیال (Liberal) مفسرین نے بھی ان افکار کا رد کیا، چنانچہ شیخ امین احسن اصلاحی متوفی ۱۹۹۷ء لکھتے ہیں:

ملائکہ مَلَک کی جمع ہے اس کے معنی رسول اور پیغام بر کے ہیں، یہ لفظ ان روحانی پیغام بروں کے لیے مخصوص ہے جن کو ہم اپنی زبان میں فرشتہ کہتے ہیں۔ فرشتے اللہ تعالیٰ اور اس کی دوسری مخلوقات کے درمیان قابلِ اعتماد واسطہ ہیں، یہ اپنی روحانیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے بھی غایت درجہ قرب و اتصال رکھتے ہیں اور مخلوق ہونے کے سبب سے مخلوقات سے بھی نسبت اور تعلقات رکھتے ہیں۔ ان کے اندر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والے انوار و ترشحات کے بلاواسطہ قبول کرنے کی صلاحیت بھی ہے اور یہ ان انوار و ترشحات کو اللہ تعالیٰ کے بندوں تک منتقل کرنے کی قابلیت بھی رکھتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے نبیوں اور رسولوں کے پاس وحی بھی لاتے ہیں اور اس کی مخلوق کے اندر اس کے احکام کی تنفیذ بھی کرتے ہیں۔ قرآن میں ان کی جو صفات بیان کی گئی ہیں وہ تمام تر ایک ذی عقل، ذی ارادہ اور ذی شعور مخلوق کی نہایت اعلیٰ اور پاکیزہ صفات ہیں۔ اس وجہ سے جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ مجرد قوتیں ہیں جن کو ملائکہ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے ان کا خیال صحیح نہیں ہے۔ (تدبر قرآن ج ۱ ص ۱۵۷، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۴۳۴ھ)

شیخ امین احسن اصلاحی کے شاگرد جاوید احمد غامدی لکھتے ہیں:

اصل میں لفظِ الملائکہ استعمال ہوا ہے، یہ مَلَک کی جمع ہے جس کے معنی پیغامبر کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا جو مکالمہ ان آیات میں ان کے ساتھ نقل ہوا ہے اس سے واضح ہے کہ یہ محض قوتیں نہیں ہیں جنہیں الملائکہ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے بلکہ نہایت پاکیزہ صفات کی حامل ایک مستقل مخلوق کی حیثیت رکھتے ہیں۔ (البیان ج ۱ ص ۴۷، المورد مئی ۲۰۱۰ء)

اہلِ اسلام کے نزدیک ملائکہ کی تعریف

میر سید علی بن محمد بن علی الشریف الجرجانی الحنفی المتوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں:

''الملك''، جسمِ لطیف نورانی ہے جو اشکالِ مختلفہ میں متشکل ہو جاتا ہے۔ (کتاب التعریفات ص ۱۶۰، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

علامہ سید محمود آلوسی البغدادی الحنفی المتوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

ملائکہ کی حقیقت میں لوگوں کا اختلاف ہے اور اس پر ان سب کا اتفاق ہے کہ ملائکہ موجود ہیں دلائلِ شرعیہ اور دلائلِ عقلیہ کے اعتبار سے، پس اکثر اہلِ اسلام کا مذہب یہ ہے کہ ملائکہ اجسامِ نورانیہ ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ ملائکہ اجسامِ ھوائیہ ہیں اور اشکالِ مختلفہ میں اللہ تعالیٰ کے اذن سے متشکل ہونے پر قادر ہیں، ہمارے نزدیک ملائکہ کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ قسم ہے جو اللہ تعالیٰ کی معرفت میں مستغرق رہتی ہے اور دن رات اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی رہتی ہے اور تھکتی نہیں ہے اور یہی العلیون اور الملائکۃ المقربون ہیں اور دوسری قسم وہ ہے جو آسمان سے زمین کی طرف قضاء وقدر کے مطابق معاملات کی تدبیر کرتی ہے۔ ''لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝ (التحریم:٦)'' (اللہ ان کو جو حکم دیتا ہے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے O) ان میں سے بعض ملائکہ آسمانی ہیں اور بعض ملائکہ زمینی ہیں، ان کے عدد کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، حدیث میں ہے: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں وہ چیزیں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور میں وہ باتیں سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے، اللہ کے خوف سے آسمان چرچراتا ہے اور اس کو چرچرانا سزاوار ہے، آسمان میں چار انگل جگہ بھی نہیں ہے مگر وہاں پر ایک فرشتہ اپنی پیشانی رکھ کر اللہ عزوجل کو سجدہ کر رہا ہے۔

(سنن ترمذی: ۲۳۱۲، سنن ابن ماجہ: ۴۱۹۰، مسند احمد: ۲۱۰۰۵، ج ۵ ص ۱۷۳)

اور فرشتوں کی مختلف شکلیں ہیں اور یہ اپنی جسامت میں مختلف ہوتے ہیں، سوائے اربابِ النفوس القدسیہ کے انہیں اور کوئی نہیں دیکھ سکتا اور کبھی یہ بدنی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں اور ہر خاص و عام ان کو دیکھ لیتا ہے حتیٰ کہ کہا گیا ہے کہ جس وقت حضرت جبریل علیہ السلام دحیہ کلبی کی صورت میں مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہوتے ہیں اس وقت وہ سدرۃ المنتہیٰ سے جدا نہیں ہوتے، اور اسی کی مثل اولیائے کاملین کو بھی حاصل ہے اور یہ ایسی چیز ہے جو عقل سے ماوراء ہے اور میں اس پر ایمان لانے والوں میں سے ہوں۔

(روح المعانی ج ۱ ص ۳۴۸۔۳۴۹، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

فرشتوں کی حقیقت کے متعلق بعض آزاد خیال (Liberal) مفکرین پر مصنف کا تعاقب

سر سید احمد خان متوفی ۱۸۹۸ء اور غلام احمد پرویز متوفی ۱۹۸۵ء کے نزدیک ملائکہ محض ''قوتوں'' کا نام ہے لیکن یہ نظریہ قرآنِ مجید کی متعدد آیات اور احادیثِ صحیحہ سے متصادم ہے، قرآنِ مجید کی آیات سے واضح ہوتا ہے کہ فرشتے کلام کرتے ہیں، لکھتے ہیں،

انبیاء علیہم السلام تک اللہ کی وحی پہنچاتے ہیں، جاندار مخلوقات کی ارواح کو قبض کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اِذن اور اس کے حکم سے اس کائنات میں تصرف کرتے ہیں، اس نظریہ کو ثابت کرنے کے لیے ہم پہلے قرآن مجید کی چند آیات کو ذکر کریں گے اور پھر اس کی تائید میں بعض احادیث کو بیان کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق

فرشتوں کی حقیقت اور ان کے تصرفات کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ (آل عمران: ۴۵)

(آپ وہ وقت یاد کیجئے) جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! بے شک اللہ آپ کو اپنی طرف سے ایک کلمہ کی بشارت دیتا ہے جس کا نام المسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا۔

اس آیت سے واضح ہوا کہ فرشتے اللہ کے نیک بندوں کے پاس جاتے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت دیتے ہیں اور وہ محض ''قوتیں'' نہیں ہیں، نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾ (البقرہ: ۹۸)

جو شخص اللہ کا دشمن ہو یا اسکے فرشتوں کا یا اس کے رسولوں کا یا جبریل کا یا میکائیل کا تو یقیناً اللہ (بھی) ایسے کافروں کا مخالف ہے O

اس آیت سے معلوم ہوا کہ فرشتے محض ''قوتیں'' نہیں ہیں بلکہ ایسی مخلوق ہیں جن میں سے بعض جبریل اور بعض میکائیل کے نام کے ساتھ موسوم ہیں اور وہ اس کائنات میں اللہ کے اِذن سے تصرف کرتے ہیں، اسی وجہ سے بعض کفار ان سے دشمنی رکھتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ۖ (النساء: ۹۷)

بے شک جن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہوا ہے جب فرشتے ان کی روحوں کو قبض کرتے ہیں تو ان سے کہتے ہیں تم کس کام میں مشغول تھے۔

اس آیت سے واضح ہوا کہ فرشتے صرف ''قوتوں'' کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایسی نورانی مخلوق ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے یہ طاقت عطا فرمائی ہے کہ وہ اللہ کے اِذن سے جانداروں کی روحوں کو قبض کرتے ہیں اور بعض لوگوں سے موت کے وقت کلام بھی کرتے ہیں۔

نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿۱۶﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۣ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿۱۷﴾ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿۱۸﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿۱۹﴾ (مریم: ۱۶-۱۹)

اور اس کتاب میں مریم کا ذکر کیجئے جب وہ اپنے گھر والوں سے الگ ہوکر ایک مشرقی مکان میں چلی گئیں O پس انہوں نے لوگوں کے سامنے سے اپنے لیے ایک پردہ بنالیا، پھر ہم نے ان کے پاس اپنے ایک مخصوص فرشتے (حضرت جبریل علیہ السلام) کو بھیجا جو مریم کے سامنے تندرست آدمی کی شکل میں متشکل ہوئے O مریم نے کہا: میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ طلب کرتی ہوں (کہ تو میرے قریب نہ آ) اگر تو رحمٰن سے ڈرنے والا ہے O (حضرت

جبریل نے) کہا: میں تو آپ کے رب کی طرف سے صرف پیغام
پہنچانے والا ہوں تاکہ میں آپ کو ایک پاکیزہ بیٹا دوں O

اس آیت میں اس کی تصریح ہے کہ فرشتے اللہ کے اذن اور اس کے حکم سے انسانی شکلوں میں متشکل ہوجاتے ہیں اور وہ انسانوں سے آکر کلام کرتے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے ہیں اور یہ کہ حقیقت میں بیٹا دینے والا تو صرف اللہ عزوجل ہے اور اس آیت میں بیٹا دینے کی جو حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف نسبت ہے وہ اسنادِ مجازِ عقلی ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ میں اللہ کے حکم سے آپ کو بیٹے کی بشارت دے رہا ہوں، اسی طرح جب عام مسلمان کہتے ہیں کہ ہمیں غوثِ اعظم نے بیٹا دیا تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ غوثِ اعظم کی دعاء سے یا ان کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو بیٹا دیا۔

قَالَ فَمَا خَطۡبُكُمۡ اَیُّهَا الۡمُرۡسَلُوۡنَ ۝ قَالُوۡۤا اِنَّاۤ اُرۡسِلۡنَاۤ اِلٰی قَوۡمٍ مُّجۡرِمِیۡنَ ۝ لِنُرۡسِلَ عَلَیۡهِمۡ حِجَارَةً مِّنۡ طِیۡنٍ ۝ (الذاریات: ۳۱۔۳۳)

ابراہیم نے کہا: اے (اللہ کی طرف سے) بھیجے ہوئے فرشتو! تمہیں کون سی مہم درپیش ہے O فرشتوں نے کہا: بے شک ہم مجرموں کی طرف بھیجے گئے ہیں O تاکہ ہم ان کے اوپر مٹی کے پتھر برسائیں O

اس آیت سے معلوم ہوا کہ فرشتے انبیاء علیہم السلام سے کلام کرتے ہیں اور کفار اور مجرمین کو سنگسار کرتے ہیں۔ ارشادِ باری ہے:

قُلۡ یَتَوَفّٰىكُمۡ مَّلَكُ الۡمَوۡتِ الَّذِیۡ وُكِّلَ بِكُمۡ ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمۡ تُرۡجَعُوۡنَ ۝ (السجدہ: ۱۱)

آپ کہیے: ملک الموت تم سب کی روح قبض کرتا ہے جس کو تم پر مقرر کیا گیا ہے، پھر تم سب اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے O

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ ملک الموت یعنی حضرت عزرائیل علیہ السلام سب لوگوں کی روح قبض کرتے ہیں اور وہ محض کوئی ''قوت'' نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی نورانی مخلوق ہے جو اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے اذن سے تصرف کرتی ہے۔

نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

وَلِلّٰهِ یَسۡجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ مِنۡ دَآبَّةٍ وَّالۡمَلٰٓئِكَةُ وَهُمۡ لَا یَسۡتَكۡبِرُوۡنَ ۝ یَخَافُوۡنَ رَبَّهُمۡ مِّنۡ فَوۡقِهِمۡ وَیَفۡعَلُوۡنَ مَا یُؤۡمَرُوۡنَ ۝ (النحل: ۵۰)

آسمانوں میں اور زمینوں میں جتنے بھی جاندار ہیں اور فرشتے ہیں وہ (سب) اللہ ہی کے لیے سجدہ کرتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے O وہ اپنے اوپر اپنے رب (کے عذاب) سے ڈرتے رہتے ہیں اور وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے O

اس آیت سے ظاہر ہوگیا کہ فرشتے محض ''قوتیں اور طاقتیں'' نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ایسی نورانی مخلوق ہے جو ذی علم ہے، اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتی ہے اور اس کا ہر حکم بجالاتی ہے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

وَمَنۡ عِنۡدَهٗ لَا یَسۡتَكۡبِرُوۡنَ عَنۡ عِبَادَتِهٖ وَلَا یَسۡتَحۡسِرُوۡنَ ۝ یُسَبِّحُوۡنَ الَّیۡلَ وَالنَّهَارَ لَا یَفۡتُرُوۡنَ ۝ (الانبیاء: ۱۹۔۲۰)

اور جو اللہ کے مقرب ہیں وہ اس کی عبادت کرنے میں عار نہیں سمجھتے اور اس کی عبادت کرنے سے تھکتے نہیں O وہ رات اور دن تسبیح کرتے رہتے ہیں اور سستی نہیں کرتے O

ان دونوں آیتوں میں یہ بتایا ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے میں عار نہیں سمجھتے یا تکبر نہیں کرتے اور وہ اس کی عبادت

سے تھکتے نہیں اور تسبیح کرنے میں سستی نہیں کرتے، ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی مدح فرمائی ہے کہ وہ نہ تکبر کرتے ہیں نہ تھکتے ہیں نہ سستی کرتے ہیں اور کسی فعل کی نفی اس وقت باعثِ مدح اور کمال ہوتی ہے جب اس کا ثبوت ممکن ہو، معلوم ہوا کہ فرشتوں سے تکبر کرنا اور تھکنا اور سستی کرنا ممکن تھا، سو اگر یہ محض ''قوتیں'' ہوتیں تو ان سے تکبر کرنا، تھکنا اور سستی کرنا محال ہوتا۔

فرشتوں کی حقیقت اور ان کے تصرفات کے متعلق احادیثِ صحیحہ

ہم نے لکھا تھا کہ فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا ہے، اس کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ملائکہ کو نور سے پیدا کیا گیا اور جنات کو خالص آگ کے شعلے سے پیدا کیا گیا۔ (صحیح مسلم: ۲۹۹۶، صحیح ابن حبان: ۶۱۵۵، مصنف عبدالرزاق: ۲۰۹۰۴، سنن بیہقی ج ۹ ص ۳، شعب الایمان: ۱۴۳)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جو شخص علم کی طلب کے لیے کسی راستہ پر چلتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے راستوں میں سے کسی راستہ پر چلاتا ہے اور بے شک فرشتے طالبِ علم کی رضا کے لیے اپنے پروں کو جھکاتے ہیں۔ (سنن ابوداؤد: ۳۶۴۱، سنن ترمذی: ۲۶۸۲، سنن ابن ماجہ: ۲۲۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنے بھائی کی طرف لوہے کے ہتھیار سے اشارہ کیا تو بے شک فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں حتیٰ کہ خواہ وہ اس کا سگا بھائی ہو۔ (صحیح مسلم: ۲۶۱۶، الرقم المسلسل: ۶۵۶۱)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے اس (کچے) لہسن کو کھایا اور (کچی) پیاز کو کھایا وہ ہماری مسجد کے ہرگز قریب نہ آئے، کیونکہ فرشتوں کو اس چیز سے ایذاء پہنچتی ہے جس چیز سے بنو آدم کو ایذاء پہنچتی ہے۔

(صحیح البخاری: ۸۵۴، صحیح مسلم: ۵۶۴، سنن ابوداؤد: ۳۸۲۲، سنن ترمذی: ۱۸۱۳، سنن ابن ماجہ: ۳۳۶۵، مسند احمد: ۱۵۲۹۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب جمعہ کا دن آتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازہ پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور جو سب سے پہلے آتا ہے اور پھر جو پہلے آتا ہے اس کو لکھتے رہتے ہیں، پھر جو سخت دھوپ میں آتا ہے اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی مسلمان اونٹ کا صدقہ کرتا ہے، پھر جو اس کے بعد آتا ہے وہ ایسا ہے جیسے کوئی گائے کا صدقہ کرتا ہے، پھر مینڈھے کا صدقہ کرتا ہے، پھر مرغی کا صدقہ کرتا ہے، پھر انڈے کا صدقہ کرتا ہے، پھر جب امام خطبہ دینے کے لیے نکل آتا ہے تو فرشتے اپنے صحیفوں کو لپیٹ لیتے ہیں اور امام کا خطبہ سنتے ہیں۔ (صحیح البخاری: ۹۲۹، صحیح مسلم: ۸۵۰، سنن نسائی: ۸۶۴، سنن داری: ۱۵۴۳، مسند احمد: ۱۰۱۹۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ کے چند فرشتے ہیں جو راستوں میں گھومتے پھرتے ہیں اور اللہ کا ذکر کرنے والوں کو تلاش کرتے ہیں، پس جب وہ ایسی قوم دیکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہی ہو تو ایک دوسرے کو آواز دیتے ہیں: اپنی حاجت پوری کرنے کے لیے ادھر آؤ، آپ نے فرمایا: پھر فرشتے ایک دوسرے کے اوپر اپنے پَر پھیلا کر آسمانِ دنیا تک کا احاطہ کر لیتے ہیں، آپ نے فرمایا: پس ان کا رب عزوجل ان سے سوال کرتا ہے حالانکہ وہ خود ان سے زیادہ جاننے والا ہے: میرے بندے کیا کہتے تھے؟ فرشتے کہتے ہیں: وہ تیری تسبیح کرتے تھے تیری تکبیر کرتے تھے تیری حمد پڑھتے تھے اور تیری تمجید کرتے تھے، آپ نے فرمایا: پس اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: کیا ان ذکر کرنے والوں نے مجھے دیکھا تھا؟ فرشتے کہتے ہیں: نہیں اللہ کی قسم! انہوں نے آپ کو نہیں دیکھا، پھر اللہ عزوجل فرماتا ہے: اگر وہ مجھے دیکھ لیتے پھر کیسا ہوتا؟ آپ

نے فرمایا: فرشتے عرض کرتے ہیں: اگر وہ آپ کو دیکھ لیتے تو اس سے زیادہ شدید آپ کی عبادت کرتے اور اس سے زیادہ آپ کی تمجید کرتے اور حمد کرتے اور اس سے زیادہ آپ کی تسبیح کرتے، آپ نے فرمایا: اللہ عزوجل فرماتا ہے: وہ مجھ سے کیا سوال کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا: فرشتے عرض کرتے ہیں: وہ آپ سے جنت کا سوال کرتے تھے، آپ نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: کیا انہوں نے جنت کو دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: نہیں! اللہ کی قسم! اے ہمارے رب انہوں نے جنت کو نہیں دیکھا، اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: پس اگر انہوں نے جنت کو دیکھا ہوتا تو پھر کیا ہوتا؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: اگر انہوں نے جنت کو دیکھا ہوتا تو اس کی بہت زیادہ حرص کرتے اور بہت زیادہ طلب کرتے اور جنت میں بہت زیادہ رغبت کرتے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: پس وہ کس چیز سے پناہ طلب کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا: فرشتے کہتے ہیں: وہ دوزخ سے پناہ طلب کرتے تھے، آپ نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: کیا انہوں نے دوزخ کو دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: نہیں! اللہ کی قسم! اے ہمارے رب انہوں نے دوزخ کو نہیں دیکھا، اللہ عزوجل فرماتا ہے: اگر انہوں نے دوزخ کو دیکھا ہوتا تو پھر کیا ہوتا؟ آپ نے فرمایا: فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اگر انہوں نے دوزخ کو دیکھا ہوتا تو بہت شدت کے ساتھ دوزخ سے بھاگتے اور بہت زیادہ دوزخ سے ڈرتے، اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: پس اے فرشتو! میں تم کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے ان سب کی مغفرت کر دی ہے، آپ نے فرمایا کہ فرشتوں میں سے کوئی فرشتہ کہتا ہے: ان میں سے فلاں شخص تو کسی کام کے لیے آیا تھا (یعنی ذکر کرنے کے لیے نہیں بیٹھا تھا)، اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: یہ ان لوگوں کی مجلس ہے کہ جو ان میں بیٹھ جائے وہ بھی محروم نہیں ہوتا۔

(صحیح البخاری: ٦٤٠٨، صحیح مسلم: ٢٦٨٩، سنن ترمذی: ٣٦٠٠، مسند احمد: ٧٤٢٦)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے تمہارے پاس ایک دوسرے کے آگے پیچھے آتے ہیں اور فجر کی نماز میں اور عصر کی نماز میں جمع ہو جاتے ہیں، پھر جن فرشتوں نے تمہارے پاس رات گزاری تھی وہ اوپر چلے جاتے ہیں، سو اللہ عزوجل ان سے پوچھتا ہے حالانکہ وہ ان سے زیادہ جاننے والا ہے، فرماتا ہے: تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: جب ہم نے ان کو چھوڑا تو وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم ان کے پاس گئے تو وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ (صحیح البخاری: ٥٥٥، صحیح مسلم: ٦٣٢، سنن نسائی: ٤٨٥، مسند احمد ٧٣٣٦، موطا امام مالک: ٤١٣)

ان احادیث سے یہ معلوم ہوا کہ فرشتوں کو نور سے پیدا فرمایا گیا ہے اور فرشتے طالبِ علم کی رضا کے لیے اپنے پروں کو جھکاتے ہیں (یعنی فرشتوں کا نورانی جسم ہے اور ان کے پر بھی ہیں) اور جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی طرف لوہے کے ہتھیار سے اشارہ کرے اس کے اوپر فرشتے لعنت کرتے ہیں، کچے لہسن کی بدبو سے فرشتوں کو ایذاء پہنچتی ہے اور وہ جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے سب سے پہلے آنے والوں کا نام اپنے رجسٹر میں لکھتے ہیں اور امام کا خطبہ سنتے ہیں۔ پس واضح ہوا کہ فرشتے کلام بھی کرتے ہیں، کلام سنتے بھی ہیں، ان کو خوشبو سے راحت پہنچتی ہے اور بدبو سے ان کو تکلیف ہوتی ہے اور فرشتے گلیوں اور بازاروں میں گھوم پھر کر اللہ کا ذکر کرنے والوں کو تلاش کرتے ہیں ان کا ذکر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جا کر ان کا ذکر پیش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سامنے ان کی دعائیں پیش کرتے ہیں، عصر کے وقت دن کے فرشتے بندوں کی عبادات لکھ کر چلے جاتے ہیں اور رات کے فرشتے بندوں کی عبادات لکھنے کے لیے آ جاتے ہیں، اسی طرح صبح کے وقت رات کے فرشتے بندوں کی عبادات لکھ کر چلے جاتے ہیں اور

دن کے فرشتے ان کی عبادات لکھنے کے لیے آجاتے ہیں اور پھر اللہ عزوجل کے سامنے ان عبادات کو پیش کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ فرشتوں کے یہ تمام کام اور ان کے تصرفات اور بندوں کے نیک اعمال کے متعلق ان کا علم اور برے اعمال کے متعلق ان کا علم اور اس علم کے مطابق صحیفۂ اعمال میں فرشتوں کا لکھنا جن کو کراماً کاتبین کہا جاتا ہے یہ صرف ''قوتیں'' نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی نورانی مخلوق ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ایسی طاقت عطا فرمائی ہے جس کے مطابق وہ اللہ تعالیٰ کے اِذن سے کائنات میں تدبیر اور تصرف کرتے ہیں، سو جو شخص قرآن مجید کی ان آیات اور احادیث کو مانتا ہو وہ کبھی یہ نہیں کہے گا کہ فرشتوں کا نورانی جسم نہیں ہے اور وہ کائنات میں تصرف نہیں کرتے وہ صرف اچھائی اور برائی کی ''قوتیں'' ہیں اچھائی کی قوت کو فرشتہ کہا جاتا ہے اور برائی کی قوت کو ابلیس کہا جاتا ہے۔

خلیفہ کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ ابوالقاسم الحسین بن محمد الراغب الاصفہانی المتوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

''اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً'': خلیفہ کا لفظ ''خَلف'' سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: جو شخص کسی کے بعد آئے اور اس کا قائم مقام ہو۔ ارشادِ باری ہے:

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ (مریم:۵۹)

پھر ان کے بعد بعض (ناخلف) جانشین ہوئے جنہوں نے نماز کو برباد کیا اور خواہشات کی پیروی کی۔

اور خلافت کا معنی ہے: دوسرے شخص کی نیابت، یا تو اصل شخص کے غائب ہونے کی وجہ سے نیابت ہو یا اصل شخص کی موت کی وجہ سے نیابت ہو یا اصل شخص اپنا منصب سنبھالنے سے عاجز ہو تو دوسرا شخص اس کی نیابت کرے یا اس کو جن پر خلیفہ بنایا گیا ہے ان کی تکریم مقصود ہو، اسی آخری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کو زمین میں اپنا خلیفہ مقرر فرمایا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ (فاطر:۳۹)

وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پہلے لوگوں کا جانشین بنایا۔

(المفردات فی غریب القرآن ج ا ص ۲۰۷، مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

القاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر البیضاوی الشافعی المتوفی ۶۸۵ھ ''خلیفہ'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

خلیفہ اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی دوسرے کا جانشین اور اس کا قائم مقام ہو اور اس آیت میں خلیفہ سے مراد حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، کیونکہ حضرت آدم اللہ تعالیٰ کی زمین میں اس کے خلیفہ ہیں، اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو اپنا خلیفہ بنایا تا کہ وہ زمین میں لوگوں کو آباد کرے اور لوگوں کی اصلاح کرے اور لوگوں کے نفوس کو کامل بنائے اور لوگوں میں اللہ تعالیٰ کے احکام کو نافذ کرے، اس وجہ سے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے لیے کسی قائم مقام کی حاجت تھی بلکہ اس لئے کہ جن لوگوں کے اوپر اللہ تعالیٰ نے نبی کو خلیفہ بنایا وہ اللہ تعالیٰ سے براہِ راست وحی کے فیض کو قبول نہیں کر سکتے تھے اور بلا واسطہ اللہ تعالیٰ سے احکام حاصل نہیں کر سکتے تھے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کسی فرشتے کو نبی نہیں بنایا جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا (الانعام:۹)'' (اور اگر ہم فرشتہ کو نبی بناتے تو اسے مرد ہی (کی صورت میں) بناتے)۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قوت اور ان کی طبیعت اس قدر فائق اور مشتعل تھی کہ عنقریب ان کا تیل روشن ہو جاتا خواہ اس کو آگ نہ چھوتی تو ان کی

طرف فرشتوں کو بھیجا گیا، اور ان میں سے جو اعلیٰ مرتبہ کے تھے ان سے اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ کلام فرمایا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے المیقات میں اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لیلۃ المعراج کو، انسان میں اس کی نظیر وہ ہڈی ہے جو گوشت سے غذا حاصل کرتی ہے اور جب کہ گوشت اور ہڈی میں انتہائی بُعد تھا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے ''الغُرضُوف'' (نرم ہڈی) کو ان کے درمیان وسیلہ بنایا جو گوشت سے غذا لیتی ہے اور ہڈی کو پہنچاتی ہے، اسی طرح نبی اللہ سے وحی کا فیض لیتا ہے اور اس کے بندوں تک پہنچاتا ہے اور اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے۔ (انوار التنزیل واسرار التاویل ج ۱ ص ۲۸۰۔۲۸۱، دار الفکر)

امام ابو اسحاق احمد المعروف بالثعلبی متوفی ۴۲۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہما اور کعب اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا: مُلک کے خلیفہ کی کیا تعریف ہے؟ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے کہا: ہمیں معلوم نہیں، تب حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: خلیفہ وہ ہے جو عوام میں عدل کرے اور ان کے درمیان بیت المال کی آمدنی کو عدل سے تقسیم کرے اور ان پر اس طرح شفقت کرے جس طرح کوئی شخص اپنے گھر والوں پر شفقت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کرے۔ (الکشف والبیان جز ۱ ص ۱۷۷)

''قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ'' فرشتوں نے کہا: کیا آپ زمین میں اس کو (اپنا نائب) بنائیں گے جو اس زمین میں دہشت گردی کرے گا اور خوں ریزی کرے گا حالانکہ ہم آپ کی حمد کے ساتھ آپ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور آپ کی پاکیزگی بیان کرتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک میں ان چیزوں کو جانتا ہوں جن کو تم نہیں جانتے''۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفرّاء البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ عزوجل نے آسمان اور زمین کو پیدا فرمایا اور فرشتوں کو پیدا فرمایا اور جنات کو پیدا فرمایا، پس فرشتوں کو آسمان میں سکونت پذیر کیا اور جنات کو زمین میں رہائش دی، پس جنات ایک طویل عرصہ تک زمین میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہے، پھر ان میں حسد اور بغاوت ظاہر ہوئی سو انہوں نے زمین میں دہشت گردی کی اور خوں ریزی کی تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ایک لشکر کو ان کی طرف بھیجا جن کو ''الجن'' کہا جاتا تھا اور وہ جنتوں کے محافظ تھے اور جنتوں میں ہی ان کا نام جن رکھا گیا تھا اور ان کا رئیس ابلیس تھا، وہ ان کا مرشد تھا اور ان سب سے بڑا عالم تھا، پس انہیں زمین کی طرف اتارا گیا، سو انہوں نے سرکش جنات کو پہاڑوں، گھاٹیوں اور سمندروں کے جزائر کی طرف دھکیل دیا اور انہوں نے زمین میں رہائش رکھی، اللہ عزوجل نے ان سے اپنی عبادت میں تخفیف کر دی اور اللہ نے ابلیس کو اس زمین کی اور آسمانِ دنیا کی اور جنت کے خزانوں کی سلطنت عطا فرما دی، پھر ابلیس کبھی زمین میں عبادت کرتا اور کبھی آسمان میں اور کبھی جنت میں تو اس میں تکبر آ گیا اور اس نے اپنے دل میں کہا: اللہ تعالیٰ نے جو مجھے یہ سلطنت عطا فرمائی ہے اس سے معلوم ہوا کہ میں تمام ملائکہ اور اس کے لشکروں میں سب سے زیادہ مکرّم ہوں، تب اللہ تعالیٰ نے اس سے اور اس کے لشکروں سے فرمایا کہ ''میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں'' یعنی تمہارے بجائے میں اس کو زمین میں جانشین کروں گا تو انہوں نے اس کو ناپسند کیا، اور خلیفہ سے یہاں مراد حضرت آدم علیہ السلام کی ذرّیّت ہے کیونکہ ان کی ذرّیّات جنات کے بعد زمین میں رہنے والی تھیں۔

(معالم التنزیل ج ۱ ص ۱۰۱، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۰ھ)

امام ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی ابن الجوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں الملائکہ کی تفسیر میں دو قول ہیں: السدّی اور اس کے اشیاخ نے کہا کہ اس سے مراد تمام ملائکہ ہیں، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد وہ ملائکہ ہیں جو ابلیس کے ساتھ تھے جس وقت اس کو زمین پر اتارا گیا، اور منقول ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے زمین میں جنات رہتے تھے، انہوں نے وہاں دہشت گردی کی تو اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو ملائکہ کی ایک جماعت کے ساتھ بھیجا جس نے ان کو ہلاک کر دیا۔

اس جگہ یہ سوال ہے کہ فرشتوں کو کیسے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی ذرّیّت زمین میں فساد کرے گی، آیا اللہ تعالیٰ نے ان کو اس پر مطلع فرمایا تھا یا فرشتوں نے دہشت گردی کرنے والے جنات پر ان کو قیاس کیا تھا؟

حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس وغیرہما رضی اللہ عنہم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس پر مطلع فرمایا تھا، اور دوسرا قول بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی ذرّیت کو دہشت گردی کرنے والے جنات پر قیاس کیا تھا۔

''اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ'': بے شک میں ان چیزوں کو جانتا ہوں جن کو تم نہیں جانتے''۔ اس آیت کی تفسیر میں چار اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد نے کہا: ابلیس کے دل میں جو سرکشی اور معصیت ہے میں اس کو جانتا ہوں۔

(۲) میں جانتا ہوں کہ اس خلیفہ کی اولاد سے انبیاء اور صالحین پیدا ہوں گے جو دہشت گردی اور خوں ریزی نہیں کریں گے۔

(۳) ابن زید نے کہا: میں جانتا ہوں کہ بے شک میں جہنم کو جنات اور نافرمان لوگوں سے بھر دوں گا۔

(۴) زجاج نے کہا: جس کو تم عبادت گزار سمجھتے ہو میں اس کو آزمائش میں مبتلاء کروں گا تو وہ ابلیس کی طرح نافرمانی کرے گا اور جس کو تم نافرمان گمان کرتے ہو وہ آزمائش میں مبتلاء ہونے کے بعد اطاعت کرے گا۔

(زاد المسیر ج ۱ ص ۵۰۔۵۱، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اللہ نے آدم کو تمام چیزوں کے نام سکھا دیے، پھر ان تمام چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا، پس فرمایا: اگر تم سچے ہو تو مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ؟O فرشتوں نے کہا: آپ کی ذات سبحان (ہر عیب سے پاک) ہے اور ہمیں صرف انہی چیزوں کا علم ہے جن کی آپ نے ہمیں تعلیم دی ہے، بے شک آپ بہت علم والے بے حد حکمت والے ہیںO اللہ نے فرمایا: اے آدم! ان فرشتوں کو ان تمام چیزوں کے نام بتا دو! پھر جب آدم نے فرشتوں کو ان تمام چیزوں کے نام بتا دیئے تو اللہ نے فرمایا: کیا میں نے تم سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ بے شک میں آسمانوں اور زمینوں کے تمام غیوب کو جانتا ہوں اور میں ان چیزوں کو جانتا ہوں جن کو تم ظاہر کرتے ہو اور ان چیزوں کو (بھی) جانتا ہوں جن کو تم چھپاتے تھےO'' (البقرہ: ۳۱۔۳۳)

حضرت آدم علیہ السلام کے نام کی توجیہ اور ان کی فرشتوں پر علمی برتری

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفرّاء البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ ان آیتوں کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا'': حضرت آدم علیہ السلام کا نام آدم اس لئے رکھا گیا کہ ان کو مٹی سے پیدا فرمایا گیا تھا، اس لئے ان کا رنگ زمین کے رنگ کی طرح تھا اور وہ گندم گوں تھے، ان کی کنیت ابو محمد اور ابو البشر ہے، جب اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا فرمایا تو ان کو

تمام چیزوں کے نام سکھا دیئے، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ ''میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں'' تو فرشتوں نے کہا تھا: ہمارا رب جس کی چاہے تخلیق کرنے پر قادر ہے، لیکن وہ ہم سے زیادہ عزت والی کوئی مخلوق پیدا نہیں فرمائے گا کیونکہ ہم کو آدم سے پہلے پیدا کیا گیا ہے اور ہم نے ان چیزوں کو دیکھا ہے جن چیزوں کو آدم نے نہیں دیکھا، لہٰذا ہم آدم سے زیادہ علم والے ہیں، تب اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر حضرت آدم علیہ السلام کی علمی فضیلت کو ظاہر فرمایا اور اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ انبیاء علیہم السلام فرشتوں سے افضل ہوتے ہیں، خواہ وہ فرشتے رسول ہوں اور یہی اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد اور قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ہر چیز کے نام سکھا دیئے حتیٰ کہ پیالہ اور پیالی کا نام بھی بتا دیا، دوسرا قول یہ ہے کہ قیامت تک کی ہر چیز کا نام انہیں بتا دیا، تیسرا قول یہ ہے کہ ان کی اولاد کے نام انہیں بتا دیئے، اہل التاویل نے کہا ہے کہ اللہ عزوجل نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام لغات کی تعلیم عطا فرما دی، پھر بعد میں ان کی اولاد جو مختلف شہروں میں منتشر ہو گئی تھی، انہی لغات کے اعتبار سے مختلف زبانوں میں بولنے لگی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کے نام حضرت آدم علیہ السلام کو بتائے تھے ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا: تم مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ اگر تم اپنے اس قول میں سچے ہو کہ میں تم سے زیادہ فضیلت والی اور تم سے زیادہ علم والی کوئی مخلوق نہیں پیدا فرماؤں گا، فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ بیان کرتے ہوئے عرض کیا: ''آپ کی ذات سبحان (ہر عیب سے پاک) ہے اور ہمیں صرف انہی چیزوں کا علم ہے جن کی آپ نے ہمیں تعلیم دی ہے، بے شک آپ بہت علم والے بے حد حکمت والے ہیں''۔

''قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ'': پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ ان فرشتوں کو ان تمام چیزوں کے ناموں کی خبر دے دیں تو حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہر چیز کا نام بتا دیا، اور جس حکمت کے لیے اس چیز کو پیدا کیا گیا تھا وہ حکمت بھی بتا دی، پھر جب حضرت آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو بتا دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا: ''اے فرشتو! کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمینوں کے تمام غیوب کو جانتا ہوں اور میں ان چیزوں کو جانتا ہوں جن کو تم نہیں جانتے''۔ (معالم التنزیل ج ۱ ص ۱۰۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو، سو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا، اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے ہو گیا O'' (البقرہ: ۳۴)

حضرت آدم علیہ السلام کو کیے گئے سجدہ کی کیفیت

امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی ابن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

''وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا'': حضرت آدم علیہ السلام کو جو سجدہ کیا گیا اس کی کیفیت میں دو قول ہیں: (۱) زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ اس طرح سجدہ تھا جیسے نماز میں سجدہ کیا جاتا ہے (۲) دوسرا قول یہ ہے کہ یہ اتنا جھکنا تھا جتنا رکوع میں جھکا جاتا ہے۔

کیونکہ مخلوق کے لیے سجدہ کرنا جائز نہیں ہے، حدیث میں ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اگر میں کسی کو کسی کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔

(سنن ترمذی:١١٥٩، صحیح ابن حبان:٤١٦٢، المستدرک ج ٤ ص ١٧١۔١٧٢)

شرائع سابقہ میں مخلوق کے لیے سجدہ جائز تھا جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے سجدہ کیا، مگر ہماری شریعت میں یہ منسوخ ہے۔

''اِلَّاۤ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ'': ابلیس کے سجدہ نہ کرنے کے متعلق دو قول ہیں: (١) حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے کہ اس کو بھی سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا کیونکہ وہ بھی فرشتوں میں سے تھا اور اس تقدیر پر یہ استثنیٰ متصل ہے (٢) حسن بصری اور الزہری نے یہ کہا کہ ابلیس فرشتوں کی جنس سے نہیں تھا وہ الجن تھا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ (الکہف:٥٠)

اور (یاد کیجیے!) جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا، وہ جنات میں سے تھا سو اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔

اس تقدیر پر یہ استثنیٰ منقطع ہے۔ (زاد المسیر ج ١ ص ٥٤، دار الکتاب العربی، بیروت، ١٤٣١ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم نے فرمایا: اے آدم! آپ اور آپ کی بیوی جنت میں رہیے اور تم دونوں اس جنت میں سے جہاں سے چاہو خوب کھاؤ، اور اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم دونوں حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے O'' (البقرہ:٣٥)

''وَقُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا'':

حضرت حواء کا تذکرہ

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا (الاعراف:١٨٩)

اللہ وہی ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا فرمایا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا تا کہ وہ اس جوڑے سے تسکین حاصل کرے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عورتوں کے ساتھ نرمی کرو، کیونکہ عورت ایک پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔ (صحیح البخاری:٣٣٣١، صحیح مسلم:١٤٦٨، سنن ترمذی:١١٨٨، مسند احمد:١٠٠١٧، سنن دارمی:٢٢٢٢)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ٣١٠ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے روایت ہے: جب ابلیس پر لعنت کی گئی تو اس کو جنت سے نکال دیا گیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں سکونت دی گئی، پس حضرت آدم علیہ السلام جنت میں چلتے پھرتے تھے اور آپ کو گھبراہٹ ہوتی تھی، آپ کی کوئی بیوی نہیں تھی جس سے آپ کو سکون ملتا، ایک مرتبہ وہ سوئے، پھر بیدار ہوئے تو ان کے سر کے پاس ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے ان کی پسلی سے پیدا فرمایا تھا، حضرت آدم علیہ السلام نے اس سے پوچھا: تم کون ہو؟ اس نے کہا: ''امرأۃ'' (عورت)، حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا: تم کو کیوں پیدا کیا گیا

ہے؟اس نے کہا: تا کہ آپ کو مجھ سے سکون ملے ،فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام سے پوچھا: اس عورت کا کیا نام ہے؟ تو حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: اس کا نام حواء ہے، فرشتوں نے پوچھا: آپ نے اس کا نام حواء کیوں رکھا؟ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: کیونکہ وہ ایک زندہ شخص سے پیدا کی گئی ہے۔ (جامع البیان ۵۹۵، جز ۱ ص ۲۸، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اس آیت میں فرمایا ہے: ''وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا'' مجاہد نے اس کی تفسیر میں کہا: تم دونوں اس سے وسعت کے ساتھ کھاؤ اور اس کے کھانے پر کوئی حساب نہیں ہوگا۔ (جامع البیان: ۵۹۸، ج ۱ ص ۳۳۰، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ کے فوائد

(۱) قصۂ آدم میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے، کیونکہ آپ نے اس قصہ کی خبر دی جو اس سے پہلے آسمانی کتابوں میں لکھا ہوا تھا حالانکہ آپ امی تھے اور آپ نے کسی سے آسمانی کتابوں کو نہیں پڑھا تھا (۲) اس قصہ میں حضرت آدم علیہ السلام کی فرشتوں پر فضیلت کی دلیل ہے، کیونکہ آپ کی علمی برتری کی وجہ سے فرشتوں نے آپ کو سجدہ کیا (۳) اس قصہ سے علم کی فضیلت ثابت ہوتی ہے (۴) اس قصہ سے معلوم ہوا کہ دوسروں کو حقیر سمجھنا تکبر ہے، کیونکہ ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے سے کم تر جانا تھا اس لئے ان کو سجدہ نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ (الاعراف: ۱۲)

(اللہ نے) فرمایا: تجھے سجدہ کرنے سے کیا چیز مانع ہوئی جب کہ میں نے تجھے (سجدہ کرنے کا) حکم دیا تھا؟ ابلیس نے کہا: میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے O

(۵) فی نفسہٖ سجدہ عبادت نہیں ہے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کے لیے سجدہ کا حکم دیا گیا اور غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز نہیں ہے (۶) اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے متعلق فرمایا: ''وہ کافروں میں سے ہو گیا'' یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کا انکار کرنے کی وجہ سے کافروں میں سے ہو گیا یا وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے ہی کافروں میں سے تھا۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۱ ص ۴۱۹۔ ۴۲۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

درختِ ممنوع کا تذکرہ

نیز اس آیت میں فرمایا ہے ''وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ'' امام ابوجعفر نے بیان کیا: کلامِ عرب میں شجر اس کو کہتے ہیں جو اپنی ساق پر قائم ہو، اللہ جلّ وثنا کا ارشاد ہے: ''وَّ النَّجْمُ وَ الشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ﴿۶﴾ ۔۔۔ (الرحمٰن: ۶)'' (پودے یا گھاس اور اپنی ساق پر کھڑے ہونے والے درخت اللہ کو سجدہ کرتے ہیں O)، قتادہ نے کہا: جس درخت سے حضرت آدم علیہ السلام کو منع کیا گیا تھا وہ سنبلہ کا درخت تھا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ زیتونہ کا درخت تھا۔ مجاہد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ وہ گندم کا درخت تھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ انگور کا درخت تھا۔ ابن جریج سے روایت ہے کہ وہ انجیر کا درخت تھا۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں: ہمارے پاس کوئی یقینی دلیل نہیں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو کس معین درخت کے قریب جانے سے یا اس کے کھانے سے منع فرمایا تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس پر قرآن مجید میں کوئی دلیل قائم کی ہے اور نہ سنتِ صحیحہ میں اس کی کوئی تصریح ہے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۳۳۰۔ ۳۳۳ ملخصاً وملتقطاً، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

بعض آزاد منش (Liberal) لوگوں کا شجرِ آدم کے متعلق نظریہ

غلام احمد پرویز متوفی ۱۹۸۵ء لکھتے ہیں: اس مقام پر "شَجَر" سے مفہوم انسانوں کے وہ باہمی اختلافات ہیں جو ان میں انفرادی مفاد پرستی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ (لغات القرآن ص ۹، ادارۃ الاسلام، لاہور، ۱۹۸۴ء)

ڈاکٹر محمد اقبال متوفی ۱۹۳۸ء نے کہا ہے:

شجر ہے فرقہ آرائی تعصب ہے ثمر اس کا ☆ یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو

ڈاکٹر اقبال کے اس شعر سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس علیہ اللعنۃ میں جو اختلاف ہوا تھا اس اختلاف نے ان کو جنت سے نکلوا دیا اور اس اختلاف کی ڈاکٹر اقبال نے مذمت کی ہے لیکن ڈاکٹر اقبال کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے، اولاً اس لئے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے ابلیس لعین سے کوئی اختلاف نہیں کیا تھا بلکہ ابلیس لعین حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت اور ان کے شرف کو دیکھ کر حسد کی آگ میں جل گیا تھا اور اس نے ان کے دل میں شجرِ ممنوع کے قریب جانے یا اس کے کھانے کا وسوسہ ڈالا، ارشادِ باری ہے:

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَاوٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ۝ وَقَاسَمَهُمَاۤ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۖ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَاۤ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَاۤ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ (الاعراف: ۲۰۔۲۲)

پھر ان دونوں (حضرت آدم اور حضرت حواء) کے دل میں شیطان نے وسوسہ ڈالا تاکہ انجام کار ان کی چھپائی ہوئی شرم گاہوں کو بے پردہ کردے اور (شیطان نے) کہا: (اے آدم وحواء!) تم دونوں کے رب نے تم دونوں کو اس درخت (کے کھانے) سے صرف اس لئے منع کیا ہے کہ کہیں تم دونوں فرشتے (نہ) بن جاؤ یا تم دونوں ہمیشہ رہنے والوں میں سے (نہ) ہو جاؤ O اور اس نے ان دونوں کے سامنے قسم کھا کر کہا کہ بے شک میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں O پھر اس نے ان دونوں کو فریب سے اپنی طرف جھکا لیا، سو جب ان دونوں نے اس درخت (کے پھل) کو چکھا تو ان کی شرم گاہیں بے پردہ ہو گئیں اور وہ دونوں اپنے اپنے بدن پر جنت کے درخت کے پتے جوڑنے لگے اور ان کے رب نے ان کو ندا کر کے فرمایا: کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت (کے پھل کھانے) سے منع نہیں فرمایا تھا اور تم سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ بے شک شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے O

حضرت آدم علیہ السلام کے درختِ ممنوع سے کھانے کی توجیہات

اس درختِ ممنوع کا پھل کھانا حضرت آدم علیہ السلام کی اجتہادی خطاء تھی، کیونکہ انہوں نے یہ سمجھا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے کھانے سے تحریماً منع نہیں فرمایا بلکہ تنزیہاً منع فرمایا ہے، یا انہوں نے یہ سمجھا کہ اس مخصوص درخت سے منع فرمایا ہے، اگر وہ اس نوع

کے کسی دوسرے درخت سے کھالیں تو وہ ممنوع ہے، پھراس کی تائید اس سے ہوئی کہ شیطان نے قسم کھا کر یہ کہا کہ تمہیں اس درخت کے کھانے سے اس لئے منع فرمایا ہے کہ کہیں تم فرشتہ نہ بن جاؤ یا ہمیشہ رہنے والے نہ بن جاؤ اور حضرت آدم علیہ السلام نے یہ سمجھا کہ کوئی شخص اللہ کی قسم کھا کر غلط بات نہیں کہہ سکتا، اس لئے انہوں نے اس کے قول کو درست سمجھا اور ممنوع درخت کی نوع کے کسی اور درخت سے کھالیا اور انہوں نے یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کا منع فرمانا تنزیہہ کے لیے ہے اور وہ یہ بھول گئے کہ یہ ممانعت تحریم کے لیے ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَ لَقَدْ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِیَ وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ۝ (طٰہٰ: ۱۱۵)'' (اور کافی عرصہ پہلے ہم نے آدم کو ایک حکم دیا تھا سو وہ بھول گئے۔۔۔)۔ ثانیاً یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام کا جنت سے زمین پر آنا کسی رسوائی کا سبب نہیں تھا بلکہ ان کو تو پیدا ہی زمین کی خلافت عطا فرمانے کے لیے کیا تھا، سو ان کا زمین پر خلیفہ ہونا باعثِ اعزاز ہے نہ کہ باعثِ شرمندگی، لہٰذا ڈاکٹر اقبال کا یہ کہنا غلط ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اختلاف کی وجہ سے جنت سے نکالے گئے۔

حضرت آدم علیہ السلام اور اُن کی زوجہ حضرت حواء کو جس جنت میں رکھا گیا تھا، اس کو جاوید احمد غامدی کا دنیا کا کوئی باغ قرار دینا

جاوید احمد غامدی البقرہ: ۳۵ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

''اور ہم نے آدم سے کہا: تم اور تمہاری بیوی دونوں اس باغ میں رہو اور اس میں سے جہاں سے چاہو فراغت کے ساتھ کھاؤ''۔

اس آیت کی تفسیر میں جاوید احمد غامدی لکھتے ہیں:

یہ غالباً اسی دنیا کا کوئی باغ تھا جسے آدم وحواء کا مستقر قرار دیا گیا۔ (البیان ج ۱ ص ۵۱، المورد، لاہور، ۲۰۱۰ء)

جاوید احمد غامدی نے جو لکھا ہے وہ معتزلہ کا نظریہ ہے

میں کہتا ہوں: جاوید احمد غامدی نے جو اس جنت کو دنیا کا کوئی باغ قرار دیا ہے، یہ علمائے اسلام کا نظریہ نہیں ہے بلکہ یہ معتزلہ کا نظریہ ہے۔

مشہور معتزلی ابو مسلم محمد بن بحر الاصفہانی المتوفی ۳۲۲ھ لکھتے ہیں:

ابو مسلم نے کہا: یہ زمین پر دنیا کے باغات میں سے کوئی باغ تھا اور اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے: ''اهْبِطُوْا مِنْهَا۔۔۔ (البقرہ: ۳۸)'' (تم سب نیچے اترو)، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ جنت آسمانوں میں ہو، اس کی مثل یہ آیت ہے: ''اِهْبِطُوْا مِصْرًا ۔۔۔ (البقرہ: ۶۱)'' (تم سب شہر میں اتر جاؤ)۔

اس میں اختلاف ہے کہ جس جنت کا اس آیت میں ذکر فرمایا ہے، آیا یہ زمین میں تھی یا آسمان میں؟

پس ابو القاسم البلخی المعتزلی اور ابو مسلم الاصفہانی المعتزلی نے کہا ہے کہ یہ جنت زمین میں تھی اور ''اهباط'' کا معنی یہ ہے کہ زمین کی ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جاؤ جیسا کہ ''اِهْبِطُوْا مِصْرًا ۔۔۔ (البقرہ: ۶۱)'' میں فرمایا ہے۔

(تفسیر ابو مسلم محمد بن بحر الاصفہانی ج ۱ ص ۳۵، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۸ھ)

جاوید احمد غامدی اور ابو مسلم الاصفہانی المعتزلی کے نظریہ کا خلافِ قرآن ہونا

ابو مسلم الاصفہانی المعتزلی کی یہ تفسیر اس لیے غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرتِ آدم علیہ السلام اور حضرت حواء کو جنت سے اُترنے کا حکم دینے کے بعد فرمایا: ''وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ ۔۔۔ (البقرہ:٣٦)'' (اور تمہارے لیے ایک خاص وقت تک زمین میں ٹھکانا ہے)، اگر حضرتِ آدم علیہ السلام اور حضرت حواء کو پہلے ہی زمین پر اتار دیا گیا تھا تو پھر یہ فرمانے کی کیا ضرورت تھی کہ تمہارے لیے ایک خاص وقت تک زمین میں ٹھکانا ہے، کیونکہ ابو مسلم کی تفسیر کے مطابق وہ تو پہلے ہی زمین کے ایک باغ میں اتار دیئے گئے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حواء کو اس جنت سے زمین پر اتارا گیا تھا جو آسمانوں میں تھی اور یہی تمام مفسرین اسلام کا نظریہ ہے۔ اس کی تائید درج ذیل آیت سے بھی ہوتی ہے:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۔ (الاعراف:٢٧)

اے اولادِ آدم! تمہیں شیطان اس طرح فتنہ میں نہ ڈال دے جس طرح اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکالا تھا، اُن کا لباس ان سے اتروا دیا تا کہ انہیں ان کی شرمگاہیں دکھائے۔

اگر حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء کو ابو مسلم کی تفسیر کے مطابق زمین کے ایک باغ میں رکھا گیا تھا تو پھر اس آیت کا کوئی معنی نہیں ہوگا کہ شیطان نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکالا تھا، کیونکہ وہ تو پہلے ہی زمین پر موجود تھے۔ اس آیت کا معنی اسی وقت صحیح ہوگا جب حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء کو اُس جنت میں رکھا گیا تھا جو آسمانوں کے اوپر تھی۔

جاوید احمد غامدی اور ابو مسلم الاصفہانی المعتزلی کے نظریہ کا مفسرین اسلام کے خلاف ہونا

(١) امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس الرازی ابن حاتم التوفی ٣٢٧ھ، البقرہ:٣٥ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرتِ آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن پیدا فرمایا اور اُن کو جمعہ کے دن جنت میں داخل فرمایا اور اُن کو جنت الفردوس میں رکھا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم: ١:٣٧، مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکہ مکرمہ، ١٤١٧ھ)

(٢) ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی البصری الشافعی التوفی ٤٥٠ھ، البقرہ:٣٥ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جس جنت میں حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء کو رکھا گیا، اس کے متعلق دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ وہ جنت الخلد ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ مخصوص جنت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے لیے تیار فرمایا تھا۔ (اس کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ: صحیح قول وہ ہے جو اکثر علماء کا مختار ہے کہ یہ وہ جنتِ حقیقی ہے جس میں مومنین داخل ہوں گے نہ کہ ان کے غیر)۔

(النکت والعیون تفسیر الماوردی ج ١ ص ١٠٤، موسسۃ الکتب الثقافیۃ، بیروت، لبنان)

(٣) امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی الحنبلی التوفی ٥٩٧ھ، البقرہ:٣٥ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جس جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کو رکھا گیا اس کے متعلق دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ وہ جنتِ عدن ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ وہ جنت الخلد ہے۔ (زاد المسیر فی علم التفسیر ج ١ ص ٥٥، دار الکتاب العربی، بیروت، ١٤٣١ھ)

(٤) امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی التوفی ٥١٦ھ، البقرہ:٣٦۔٣٨ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے پہلے فرمایا: ''اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ ۔۔۔ (البقرہ:٣٦)'' (تم سب نیچے اتر جاؤ

تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے اور تمہارے لیے خاص وقت تک زمین ہی میں ٹھکانا ہے)، اس کے بعد فرمایا: "قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۔۔۔ (البقرہ:۳۸)" (اور ہم نے حکم دیا کہ تم سب اس جنت سے نیچے اتر جاؤ)۔

علامہ بغوی فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے پہلی مرتبہ جو اترنے کا حکم فرمایا، اس سے مراد یہ تھی کہ جنت سے آسمانِ دنیا کی طرف اتر جاؤ، اور دوسری مرتبہ جو اترنے کا حکم فرمایا، اس سے مراد تھی کہ آسمانِ دنیا سے زمین کی طرف اتر جاؤ۔

(معالم التنزیل ج ۱ ص ۱۰۸، بیروت)

اس تفسیر سے واضح ہو گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء کو جس جنت میں رکھا گیا تھا وہ آسمانوں کے اوپر تھی تبھی ان کو پہلی مرتبہ یہ حکم دیا کہ وہ جنت سے آسمانِ دنیا کی طرف اتر جائیں اور دوسری مرتبہ یہ حکم دیا کہ وہ آسمانِ دنیا سے زمین کی طرف اتر جائیں، اور اگر انہیں پہلے ہی زمین کے کسی باغ میں رکھا گیا ہوتا تو پھر ان دونوں حکموں کی کوئی صحیح توجیہ نہیں ہو سکتی۔ (سعیدی غفرلہٗ)

جاوید احمد غامدی کا شجرۂ ممنوعہ کو شجرۃ التناسل قرار دینا

جاوید احمد غامدی البقرہ:۳۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

سورۂ طٰہٰ (۲۰) کی آیت: ۱۲۰ میں اسے شجرۃ الخلد کہا گیا ہے۔ اس سے واضح ہے کہ لفظ الشجرۃ یہاں مجازی مفہوم ہے، شجرۃ الخلد سے جو معنی ظاہر ہوتے ہیں اور اس درخت کے پھل کے جو اثرات قرآن کے دوسرے مقامات پر بیان ہوئے ہیں، دونوں اس بات کی طرف صاف اشارہ کرتے ہیں کہ اس سے مراد وہی شجرۂ تناسل ہے جس کا پھل کھانے کے باعث انسان اس دنیا میں اپنے آپ کو باقی رکھے ہوئے ہے لیکن آج بھی دنیا میں اس کے لیے سب سے بڑی آزمائش اگر ہے تو یہی درخت ہے، سورۂ اعراف (۷) کی آیت: ۲۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان سب سے بڑھ کر اسی کو فتنہ کا ذریعہ بناتا ہے، اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کو ایک دوسرے کے لیے لباس قرار دیا اور انہیں اجازت دی کہ یہ لباس پہن کر اس درخت کا پھل کھائیں لیکن شیطان انہیں ہمیشہ اس لباس کے بغیر ہی اس کا پھل کھانے کی ترغیب دیتا رہا ہے۔ (البیان، ج ۱ ص ۵۱۔ ۲۲، المورد، لاہور مئی ۲۰۱۰ء)

جاوید احمد غامدی کی تفسیر مذکور کا لغت، مسلم مفسرین اور ان کے استاذ اور امام امین احسن اصلاحی کے خلاف ہونا

لغت کے مشہور امام السید محمد مرتضیٰ بن محمد الحسینی الزبیدی المتوفی ۱۲۰۵ھ "شجرۃ" کے معنی میں لکھتے ہیں:

جب لوگوں کے درمیان کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو کہا جاتا ہے "شَجَرَ بین القوم" یعنی قوم میں جھگڑا ہو گیا۔ الزجاج نے کہا ہے: جب لوگوں میں جھگڑا ہو جائے تو کہا جاتا ہے "اشتجروا و تشاجروا"، قرآن مجید میں ہے: "فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ۔۔۔ (النساء:۶۵)" (پس (اے رسولِ اکرم!) آپ کے رب کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ آپس کے ہر جھگڑے میں آپ کو حاکم نہ مان لیں)، اور حدیث میں ہے: "ایاکم وما شجر بین اصحابی" (میرے اصحاب کے اختلاف اور جھگڑوں سے اپنے آپ کو دور رکھو)۔

(تاج العروس من جواہر القاموس جز ۱۲ ص ۷۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۳ھ)

علامہ زبیدی کی اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ لغت میں شجرۃ کا معنی باہمی جھگڑا ہے نہ کہ شجرۃ التناسل۔

اسی طرح جاوید احمد غامدی کی یہ تفسیر مسلم مفسرین کے بھی خلاف ہے:

جاوید احمد غامدی کی تفسیر کا مسلم مفسرین کے خلاف ہونا

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ، البقرہ:۳۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

نیز اس آیت میں فرمایا ہے"وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ" امام ابوجعفر نے بیان کیا: کلام عرب میں شجر اس کو کہتے ہیں جو اپنی ساق پر قائم ہو، اللہ جلّ وثنا کا ارشاد ہے:"وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ۞ (الرحمٰن:۶)" (پودے یا گھاس اور اپنی ساق پر کھڑے ہونے والے درخت اللہ کو سجدہ کرتے ہیں)، قتادہ نے کہا: جس درخت سے حضرت آدم علیہ السلام کو منع کیا گیا تھا وہ سنبلہ کا درخت تھا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ زیتونہ کا درخت تھا۔ مجاہد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ وہ گندم کا درخت تھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ انگور کا درخت تھا۔ ابن جریج سے روایت ہے کہ وہ انجیر کا درخت تھا۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں: ہمارے پاس کوئی یقینی دلیل نہیں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو کس معین درخت کے قریب جانے سے یا اس کے کھانے سے منع فرمایا تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس پر قرآن مجید میں کوئی دلیل قائم کی ہے اور نہ سنتِ صحیحہ میں اس کی کوئی تصریح ہے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۳۳۰۔ ۳۳۳، ملخصاً وملتقطاً، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام ابن جریر کی تفسیر سے واضح ہو گیا کہ شجرۃ کا معنی شجرۃ التناسل نہیں ہے۔

جاوید احمد غامدی کی تفسیر کا اپنے استاذ اور امام امین احسن اصلاحی کی تصریح کے خلاف ہونا

شیخ امین احسن اصلاحی متوفی ۱۹۹۷ء، البقرہ:۳۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ": شجرۃ پر الف لام داخل ہے جس سے یہ بات تو واضح ہے کہ جہاں تک حضرت آدم وحواء علیہم السلام کا تعلق ہے ان کو یہ درخت تعیّن وتخصیص کے ساتھ بتا دیا گیا تھا۔ رہا یہ سوال کہ یہ درخت کس چیز کا تھا، تو اس سوال کا جواب نہ تو قرآن مجید ہی نے دیا ہے اور نہ کسی صحیح حدیث ہی میں اس کا جواب موجود ہے، اس وجہ سے اس کو معلوم کرنے کی کوشش ایک لا حاصل کوشش ہے، ہمارے نزدیک اس بارے میں صحیح مسلک امام ابن جریر کا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ "ہم تعین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتے کہ یہ درخت کس چیز کا تھا، کیونکہ اس کے تعیّن کے لیے کوئی دلیل نہ تو ہمیں قرآن ہی میں ملتی ہے نہ حدیث ہی میں، پھر آخر کوئی شخص کوئی بات کہے تو کس سند پر"۔ (تدبر قرآن ج ۱ ص ۱۲۶، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، دسمبر ۲۰۱۲ء/محرم الحرام ۱۴۳۴ھ)

شیخ امین احسن اصلاحی کی اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ الشجرۃ کا معنی شجرۃ التناسل نہیں ہے، اور شجرۃ کا یہ معنی نہ لغت میں ہے نہ مسلم مفسرین کی تفسیر میں ہے نہ جاوید احمد غامدی کے استاذ اور امام امین احسن اصلاحی کی تفسیر میں ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "پھر شیطان نے ان دونوں کو اسی درخت کے سبب سے لغزش دے دی اور جس جنت میں وہ رہتے تھے وہاں سے ان کو نکلوا دیا اور ہم نے فرمایا: (اب) تم سب نیچے اتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے اور تمہارے لیے خاص وقت تک زمین میں ہی ٹھکانا اور ایک معین وقت تک فائدہ اٹھانا ہے ○" (البقرہ:۳۶)

حضرت آدم علیہ السلام کے لیے شیطان کی وسوسہ اندازی اور حضرت آدم علیہ السلام کا جنت سے دنیا کی طرف آنا

امام ابواللیث نصر بن محمد بن احمد السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ البقرہ:۳۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ'': سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جنت کی نعمتوں میں ظہر سے عصر کے وقت تک رہے یعنی ایام آخرت کے ظہر سے عصر تک اور آخرت کے ایام میں سے ہر یوم دنیا کے ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت کی نعمتوں میں دیکھا تو وہ مارے حسد کے جل گیا اور اس نے ان کو جنت سے نکالنے کی تدبیر کی، پھر اس نے اپنے آپ کو جنت کے ہر چوپائے کے سامنے پیش کیا تا کہ وہ اس کی صورت میں جنت میں داخل ہو تو سب نے انکار کیا حتیٰ کہ وہ سانپ کے پاس آیا اور سانپ جنت میں بہت عظیم الشان اور حسین وجمیل اونٹ کے برابر جاندار تھا اور اس کے چار پاؤں تھے، ابلیس اس کو مسلسل اپنی تدبیر پر عمل کے لیے آمادہ کرتا رہا حتیٰ کہ سانپ نے اس کی بات مان لی، پس وہ سانپ کے دونوں جبڑوں میں داخل ہوا اور پھر جنت کے دروازہ پر پہنچا اور حضرت آدم اور حواء کو ندا کی اور کہا: اللہ تعالیٰ نے تم کو اس درخت سے صرف اس لیے منع کیا ہے کہ کہیں تم دونوں فرشتے بن جاؤ یا تم دونوں ہمیشہ رہنے والے ہو جاؤ، یعنی یہ درخت خُلد اور دوام کا درخت ہے جس نے اس درخت سے کھالیا وہ ابد تک جنت میں رہے گا، کہا جاتا ہے کہ حضرت حواء نے حضرت آدم سے کہا: آؤ ہم اس درخت کا پھل کھاتے ہیں، حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: بے شک ہمیں ہمارے رب نے اس درخت کے پھل کھانے سے منع فرمایا ہے، پس حضرت حواء نے حضرت آدم کا ہاتھ پکڑا حتیٰ کہ وہ انہیں اس درخت تک لے آئیں اور حضرت آدم حضرت حواء سے بہت محبت کرتے تھے اور اس محبت کی وجہ سے انہوں نے حضرت حواء کی مخالفت کو ناپسند کیا اور حضرت آدم حضرت حواء سے کہتے رہے ایسا نہ کرو، میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرتا ہوں اور حضرت حواء کہتی رہیں اللہ کی رحمت بہت بڑی ہے، پھر حضرت حواء نے اس درخت کا پھل توڑ کر کھالیا اور حضرت آدم سے پوچھا: کیا اس کے کھانے سے مجھے کوئی ضرر پہنچا؟ حضرت حواء کو اس لیے کوئی ضرر نہیں پہنچا تھا کہ وہ تابعہ تھیں اور حضرت آدم متبوع تھے اور جب تک متبوع صحیح طریقہ پر قائم ہو تو تابع کی خطاء سے درگزر کیا جاتا ہے اور جب متبوع خراب ہو جائے تو تابع بھی خراب ہو جاتا ہے، پھر حضرت حواء نے ایک اور پھل توڑا اور حضرت آدم کو دیا، جب حضرت آدم نے وہ پھل کھایا تو وہ پھل ان کے پیٹ تک نہیں پہنچا تھا کہ ان دونوں کو ایک کڑک نے پکڑ لیا اور ان کے اوپر جو لباس اور زیورات تھے وہ اتر کر گر گئے اور وہ دونوں بے پردہ ہو گئے حتیٰ کہ ان کی شرم گاہیں کھل گئیں، پس ان دونوں کو حیاء آئی اور وہ بھاگے۔ (جامع البیان:۶۲۰، ۶۲۲، ۶۲۵، ۶۲۹، جز واول ص ۶۳۶۔ ۶۴۰، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! کیا تم مجھ سے بھاگ رہے ہو؟ حضرت آدم نے کہا: لیکن مجھے اپنے گناہ سے شرم آ رہی ہے، پس ان دونوں نے درختِ انجیر کے پتے توڑ کر اپنے جسموں کو ڈھانپا اور اپنی شرم گاہوں کو چھپایا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو حکم فرمایا کہ وہ دونوں جنت سے اتر کر زمین کی طرف چلے جائیں، پس حضرت آدم ارضِ ہند میں جا کر گرے اور حضرت حواء جدّہ میں جا کر گریں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: انسان کو انسان اس لئے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے ایک عہد لیا تھا اور وہ اس عہد کے مطابق عمل کرنا بھول گیا۔

''وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ'': یعنی حضرت آدم اور حواء اور ابلیس اور سانپ سب نیچے اتر جاؤ، پس حضرت آدم کی

اولاد اور ابلیس کے درمیان قیامت تک کے لیے عداوت قائم ہوگئی، اسی طرح سانپ اور حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کے درمیان بھی قیامت تک کے لیے عداوت قائم ہوگئی۔

''وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝'': یعنی یہ زمین تم سب کے لیے قرار کی جگہ ہے اور تم نے موت تک اپنی زندگی یہاں گزارنی ہے۔ (تفسیر السمرقندی ج۱ ص۱۱۱۔ ۱۱۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

حضرت آدم علیہ السلام کے شجرِ ممنوع کا پھل کھانے پر ملحدین کے اعتراضات کے جوابات

بعض گمراہ لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے شجرِ ممنوع کو کھانے سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام سے بھی گناہ سرزد ہو جاتے ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا شجرِ ممنوع سے کھانا اس وقت گناہ ہوتا جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے قصد اور ارادہ سے اس شجرِ ممنوع کا پھل کھایا ہوتا جب کہ حضرت آدم علیہ السلام نے یا تو اجتہادی خطاء سے یہ پھل کھایا تھا کہ انہوں نے یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے تنزیہاً منع فرمایا ہے نہ کہ تحریماً، جب کہ اللہ تعالیٰ نے تحریماً منع فرمایا تھا، دوسری اجتہادی خطاء یہ تھی کہ انہوں نے یہ سمجھا کہ جس معین درخت کی طرف اشارہ کر کے اللہ تعالیٰ نے اس کا پھل کھانے سے منع فرمایا ہے اس معین درخت سے کھانا ممنوع ہے اگر اس نوع کے کسی اور درخت سے کھا لیا جائے گا تو پھر ممنوع نہیں ہوگا اور یہ حضرت آدم علیہ السلام کی اجتہادی خطاء تھی اور اجتہادی خطاء پر بھی بندہ کو ایک اجر ملتا ہے، لہٰذا حضرت آدم علیہ السلام اس ممنوع پھل کے کھانے پر ماجور ہوئے، اگر یہ کہا جائے کہ پھر ان کو سزا کیوں دی گئی، ان کا لباس کیوں اترا؟، اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پھل کے کھانے میں یہ تاثیر رکھی تھی کہ جو اس پھل کو کھائے گا اس کا لباس اتر جائے گا اور یہ ایسا ہے جیسے زہر کھانے میں اللہ تعالیٰ نے ہلاکت کی تاثیر رکھی ہے جو بھی زہر کھائے گا وہ ہلاک ہو جائے گا، اس لئے ان کا لباس اترنا کسی سزا کے نتیجہ میں نہیں تھا بلکہ اس پھل کے کھانے میں یہ تاثیر تھی۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر حضرت آدم علیہ السلام نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا تو پھر ان کو جنت سے نکال کر زمین کی طرف کیوں بھیجا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے بہر حال زمین پر آنا تھا کیونکہ ان کو زمین ہی کی خلافت کے لیے پیدا فرمایا گیا تھا، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شیطان کامیاب ہو گیا ان کو جنت سے نکلوایا اور حضرت آدم علیہ السلام ناکام ہو گئے، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں ان کی قیامت تک کی ساری اولاد تھی، ان میں نیکوکار بھی تھے، انبیاء علیہم السلام اور اولیاء بھی تھے، متقین اور صدیقین بھی تھے اور ان میں شیطان کے پیروکار بھی تھے اور اللہ تعالیٰ کے نافرمان اور باغی بھی تھے، سو اگر آپ جنت میں رہتے تو یہ بدکار لوگ بھی آپ کی پشت میں جنت میں رہتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا کہ آپ زمین پر جائیں اور اپنی اولاد میں سے نافرمان لوگوں کو زمین پر چھوڑ آئیں، شیطان تو ایک حضرت آدم علیہ السلام کا وجود جنت میں برداشت نہیں کر رہا تھا اور اب قیامت کے بعد حضرت آدم علیہ السلام اپنی بے شمار نیکوکار اولاد کو لے کر جنت میں دائمی زندگی کے ساتھ چلے جائیں گے اور شیطان لعین اپنے تکبر، حسد اور لوگوں کو گمراہ کرنے کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے جہنم میں جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ (الاعراف:۱۸)

اللہ نے حکم دیا اے شیطان! جنت سے دھتکارا ہوا اور مردود ہو کر نکل جا، لوگوں میں سے جس نے بھی تیری اتباع کی میں ضرور تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا۝

پس حضرت آدم علیہ السلام اپنی بے شمار ذریات کے ساتھ ہمیشہ کے لیے جنت میں جائیں گے اور ابلیس لعین اپنے تمام پیروکاروں کے ساتھ ہمیشہ کے لیے جہنم میں جائے گا، سو حضرت آدم علیہ السلام ہی کامیاب ہوئے اور شیطان ناکام اور نامراد ہوا۔

انبیاء علیہم السلام کی عصمت کے متعلق مشاہیر اہلسنت کی تصریحات

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ ھ عصمت کی تعریف میں لکھتے ہیں:

عصمت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ میں اس کی قدرت اور اختیار کے باوجود اس میں کوئی گناہ پیدا نہیں فرماتا، کیونکہ اگر بندہ سے گناہ کا صدور محال ہو تو پھر اس کو گناہوں کے ترک کرنے کے ساتھ مکلف کرنا صحیح نہیں ہوگا اور نہ گناہوں کے ترک کرنے کی وجہ سے وہ دنیا میں تعریف اور تحسین کا مستحق ہوگا اور نہ آخرت میں وہ اجر و ثواب کا سزاوار ہوگا۔

(شرح العقائد النسفی ص ۱۱۳، سکندر علی بہادر علی تاجران کتب، کراچی ۳۸)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں: ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے زمانہ نبوت میں یقینی طور پر کوئی گناہ صادر نہیں ہوتا کبیرہ نہ صغیرہ۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۰۲، دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۸ ھ)

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ ھ لکھتے ہیں: ہمارا مذہب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اعلانِ نبوت کے بعد گناہِ صغیرہ مطلقاً نہیں کرتے اور صغائر عمداً نہیں کرتے، البتہ ان سے سہواً صغیرہ کا صدور ہو جاتا ہے لیکن وہ اس پر اصرار نہیں کرتے اور نہ وہ اس پر برقرار رکھے جاتے ہیں بلکہ ان کو تنبیہ کی جاتی ہے اور وہ متنبہ ہو جاتے ہیں۔ (شرح المقاصد ج ۲ ص ۱۹۳، دار المعارف النعمانیہ، ۱۴۰۱ ھ)

میر سید علی بن محمد بن علی الشریف الجرجانی الحنفی المتوفی ۸۱۶ ھ لکھتے ہیں: ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنے زمانہ نبوت میں مطلقاً گناہ کبیرہ سے اور عمداً صغیرہ سے معصوم ہوتے ہیں۔ (شرح المواقف ص ۶۸۹، مطبع منشی نولکشور، لکھنو)

عصمتِ انبیاء علیہم السلام پر دلائل

انبیاء علیہم السلام کے معصوم ہونے پر درج ذیل دلائل ہیں:

اگر انبیاء علیہم السلام سے (العیاذ باللہ) کوئی گناہ صادر ہو تو ان کی اتباع حرام ہوگی حالانکہ انبیاء علیہم السلام کی اتباع کرنا واجب ہے کیونکہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

(۱) قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۱﴾ (آل عمران: ۳۱)

(اے رسولِ مکرم!) آپ کہیے: اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا اور تمہارے لیے تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O

(۲) وَاذْكُرْ عِبٰدَنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ اُولِی الْاَیْدِیْ وَ الْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾ اِنَّاۤ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾ (ص: ۴۵-۴۶)

اور آپ ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کو یاد کیجیے جو قوت والے اور نظر بصیرت والے تھے O ہم نے ان کو خالص یادِ آخرت کے ساتھ مخلص بنا لیا تھا O

اس آیت میں اس کی تصریح ہے کہ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ہیں اور شیطان نے اس کا اعتراف کر لیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کو گمراہ نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(۳) قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۲﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۸۳﴾ (ص: ۸۲۔۸۳) شیطان نے کہا: پس تیری عزت کی قسم! میں ضرور ان سب کو گمراہ کر دوں گا O سوا ان کے جو ان میں سے تیرے مخلص بندے ہیں O

انبیاء علیہم السلام لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اگر وہ خود گناہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان پر ناراض ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(۴) كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۳﴾ (الصف: ۳) اللہ کے نزدیک یہ بات سخت ناراضگی کا باعث ہے کہ تم ایسے کام کا حکم دو جس پر تم خود عمل نہیں کرتے O

(۵) وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۷﴾ (ص: ۴۷) اور بے شک یہ (سارے نبی) ہمارے نزدیک ضرور منتخب اور پسندیدہ بندوں میں سے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر آدم نے اپنے رب سے چند (دعائیہ) کلمات سیکھ لئے، پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، بے شک وہ بہت توبہ قبول فرمانے والا اور بے حد رحم فرمانے والا ہے O'' (البقرہ: ۳۷)

امام ابو اللیث نصر بن محمد احمد السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ البقرہ: ۳۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ:

(۱) مجاہد نے کہا: وہ کلمات یہ ہیں: ''رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾۔۔۔ (الاعراف: ۲۳)'' (اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہماری مغفرت نہ فرمائی اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے)۔ (جامع البیان: ۶۵۱، جز ۱ ص ۳۴۸، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ، تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۱۱۲)

(۲) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب حضرت آدم علیہ السلام سے (صورتاً) خطاء سرزد ہوگئی تو انہوں نے سر اٹھا کر عرش کی طرف دیکھا اور عرض کیا: میں محمد کے حق سے سوال کرتا ہوں کہ آپ میری مغفرت فرما دیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی: محمد کون ہیں؟ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا: جب آپ نے مجھے پیدا فرمایا تو میں نے سر اٹھا کر عرش کی طرف دیکھا اس پر لکھا ہوا تھا ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' سو میں نے جان لیا کہ آپ کے نزدیک اس شخص سے زیادہ بلند مرتبہ کوئی شخص نہیں ہوگا جس کا نام آپ نے اپنے نام کے ساتھ لکھا ہے، تب اللہ عزوجل نے ان کی طرف یہ وحی فرمائی: اے آدم! وہ تمہاری اولاد میں سے تمام نبیوں کے آخر ہیں اور ان کی امت تمہاری اولاد کی امتوں میں سے آخری امت ہے اور اگر وہ نہ ہوتے تو اے آدم! میں تم کو بھی پیدا نہ کرتا۔

(المعجم الصغیر ج ۲ ص ۸۳، مکتبہ سلفیہ، مدینہ منورہ ۱۳۸۸ھ، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۵ ص ۴۸۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، الوفاء لابن الجوزی ص ۳۳، مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۶۱۵، دار الباز، مکہ مکرمہ، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۵۲، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۲ھ، الدر المنثور ج ۱ ص ۵۸، مطبع آیات اللہ العظمی، ایران، فتاوی ابن تیمیہ ج ۲ ص ۹۶، السعودیۃ العربیہ، الکشف والبیان للثعلبی ج ۱ ص ۱۸۴)

''فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾'': توبہ کا لغوی معنی ہے رجوع کرنا اور بندہ کی توبہ یہ ہے کہ وہ معصیت سے اللہ

تعالیٰ کی اطاعت کی طرف رجوع کرے، اور اللہ تعالیٰ کے توبہ قبول فرمانے کا معنی یہ ہے کہ وہ دنیا میں بندہ کا پردہ رکھے اور آخرت میں اس کو سزا نہ دے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم نے حکم دیا کہ تم سب اس جنت سے نیچے اتر جاؤ، پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے، سوجن لوگوں نے میری ہدایت کی پیروی کی تو ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے O اور جن لوگوں نے (اپنے اختیار سے) کفر کیا اور ہماری آیات کی تکذیب کی تو وہی لوگ دوزخ والے ہیں اور وہی اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں O'' (البقرہ: ۳۸-۳۹)

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی المتوفی ۷۱۰ ھ، البقرہ: ۳۸-۳۹، کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا'': اللہ عزوجل نے دوبارہ مکرر ارشاد فرمایا کہ تم سب اس جنت سے نیچے اتر جاؤ اور یہ تکرار تاکید کے لئے ہے، یا اس لئے کہ پہلی مرتبہ جنت سے آسمان کی طرف اترنے کا حکم فرمایا تھا اور دوسری مرتبہ آسمان سے زمین کی طرف اترنے کا حکم فرمایا، پھر اس میں یہ اضافہ فرمایا کہ جب بھی میں تمہاری طرف کوئی رسول بھیجوں یا کوئی کتاب نازل فرماؤں تو جو بھی میری ہدایت کو قبول کرے گا اور اس پر ایمان لائے گا تو ان لوگوں پر مستقبل میں کوئی خوف نہیں ہوگا اور نہ وہ ماضی میں اپنے کئے ہوئے کاموں پر غمزدہ اور شرمندہ ہوں گے۔

''وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝'' ، یعنی وہ لوگ دوزخ میں رہنے والے ہوں گے اور دوزخ کے مستحق ہوں گے۔ (مدارک التنزیل وحقائق التاویل جز اول ص ۸۳، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ ھ)

نافرمانی کرنے والے سے نعمت کا زائل ہونا

امام ابواللیث نصر بن محمد بن احمد السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ ھ البقرہ: ۳۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ عزوجل نے حضرت آدم، حضرت حواء، ابلیس اور سانپ سب کو حکم دیا کہ وہ جنت سے زمین کی طرف اتر جائیں، اور اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے سے وہ نعمت چھین لی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (الرعد: ۱۱) بے شک اللہ کسی قوم کی (اچھی) حالت کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ لوگ خود اپنے (نیک اعمال) کو نہ بدلیں۔

(تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۱۱۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ ھ)

قصۂ آدم کے اسرار و رموز

(۱) جس مٹی کو عام لوگ حقیر سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس مٹی سے حضرت آدم علیہ السلام کو بنایا اور ان کو اتنا علم عطا فرمایا کہ فرشتوں نے ان کو سجدہ کیا (۲) انبیاء علیہم السلام پر بھی نسیان طاری ہوجاتا ہے حتیٰ کہ حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے منع فرمانے کو بھول گئے اور شجرِ ممنوع سے کھالیا (۳) حضرت آدم علیہ السلام سے بھولے سے خطاء ہوگئی، پھر بھی وہ دو سو سال تک ندامت سے روتے رہے اور چالیس سال تک وہ کھانے پینے کے قریب نہیں گئے۔ (الکشف والبیان ج ۱ ص ۱۸۵) اس کے برعکس ابلیس نے عمداً اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، پھر بھی کہا:

"رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ ـــ (الحجر:۳۹)" (کیونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا)، سو اللہ عزوجل نے اس کی جزاء میں حضرت آدم علیہ السلام کے سر پر تاجِ خلافت رکھا اور ابلیس کو دنیا میں تا قیامت ملعون قرار دیا اور آخرت میں ابدی جہنم کی سزا کا سزاوار قرار دیا۔

(۴) اس قصہ میں یہ دلیل ہے کہ جنت پیدا کی جا چکی ہے اور وہ آسمانوں کے اوپر ہے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۴۰﴾

اے بنی اسرائیل! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام فرمائی تھی اور مجھ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرو (سو) میں تم سے کیا ہوا وعدہ پورا فرماؤں گا اور تم صرف مجھ ہی سے ڈرتے رہو O

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾

اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو میں نے (اب) نازل فرمائی ہے وہ اس کتاب کی تصدیق فرمانے والی ہے جو تمہارے پاس (اصل آسمانی کتابوں سے) ہے اور تم سب سے پہلے اس کا انکار کرنے والے نہ بنو اور میری آیتوں کو تھوڑی قیمت کے بدلہ میں فروخت نہ کرو اور صرف مجھ سے ہی ڈرتے رہو O

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾

اور حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط نہ کرو اور علم کے باوجود حق کو نہ چھپاؤ O

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾

اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور نماز میں رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو O

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾

کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو! کیا پس تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ O

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾

اور صبر اور نماز سے مدد طلب کرو اور بے شک نماز ضرور بھاری ہے سوا ان لوگوں کے جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں O

الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾ ع

ربع ۵

جولوگ اس پر یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں اور بے شک وہ اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے بنی اسرائیل! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام فرمائی تھی اور مجھ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرو (سو) میں تم سے کیا ہوا وعدہ پورا فرماؤں گا اور تم صرف مجھ ہی سے ڈرتے رہو O'' (البقرہ:۴۰)

اللہ تعالیٰ نے پہلے عمومی خطاب ذکر فرمایا اور اپنی توحید اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت پر دلیل قائم فرمائی، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کا مفصل قصہ ذکر فرمایا، اس کے بعد اب بنی اسرائیل کا قصہ شروع فرمارہا ہے، کیونکہ ان کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نبی اُمّی کی اتباع پر برانگیختہ فرمایا تھا جن کی صفات ان کی کتابوں میں مذکور تھیں۔ (روح المعانی ج ۱ ص ۸، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

نعمت کا لغوی اور عرفی معنی

اس آیت میں نعمت کا ذکر ہے، نعمت کا معنی بیان کرتے ہوئے علامہ السید محمد مرتضیٰ بن محمد الزبیدی المتوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

نَعمة میں نون پر زبر ہو تو اس کا معنی ہے تنعّم، اور اگر نون کے نیچے زیر ہو (نِعمة) تو اس کا معنی انعام ہے، اور اگر نون پر پیش ہو (نُعمة) تو اس کا معنی المسرّۃ ہے (یعنی خوشی)، الجوہری نے الصحاح میں لکھا ہے کہ ''النعمة'' کا معنی احسان ہے، اور ابن سیدہ نے لکھا ہے: اللہ تعالیٰ نے بندہ پر جو احسان فرمایا ہے یہ اس کا اسم ہے۔ ''النَعماء'' اور ''النَّعیم'' النعمة کی جمع ہیں، اللہ تعالیٰ کی بہ کثرت نعمتوں کو نعیم کہا جاتا ہے، قرآن مجید میں ہے:

لَتُسۡـَٔلُنَّ یَوۡمَئِذٍ عَنِ النَّعِیۡمِ ۝ (التکاثر:۸) — اس روز بہ کثرت نعمتوں کے متعلق تم سے ضرور سوال کیا جائے گا O

(تاج العروس ج ۱۷ ص ۲۸۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۳ھ)

''یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ'': اس سے مراد ہے اے یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل الرحمٰن کے بیٹو! اور حضرت یعقوب کو اسرائیل کے نام سے پکارا جاتا تھا، اسرائیل کا معنی ہے: اللہ کا بندہ اور مخلوق میں اس کا منتخب، ''اِیل'' کا معنی عبرانی زبان میں ''اللہ'' ہے اور ''اسرا'' کا معنی ''العبد'' ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ اسرائیل کا لفظ عبداللہ کی مثل ہے۔

(جامع البیان: ۶۶۶، ۶۶۷، ج ۱ ص ۵۵)

امام ابو منصور محمد بن محمد الماتریدی الحنفی المتوفی ۳۳۳ھ، البقرہ: ۴۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ'': میری اس خاص نعمت کو یاد کرو جو میں نے صرف تم پر انعام فرمائی ہے جیسے تمہارے اندر انبیاء اور بادشاہ پیدا فرمائے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِقَوۡمِهٖ یٰقَوۡمِ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَیۡکُمۡ اِذۡ جَعَلَ فِیۡکُمۡ اَنۡۢبِیَآءَ وَجَعَلَکُمۡ مُّلُوۡکًا ۖ وَّاٰتٰکُمۡ مَّا لَمۡ یُؤۡتِ اَحَدًا مِّنَ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝ (المائدہ:۲۰)

اور (یاد کیجئے:) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! تم اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب اس نے تمہارے اندر انبیاء پیدا فرمائے اور تم کو بادشاہ بنایا اور تم کو وہ کچھ دیا جو (اس زمانہ میں) تمام جہانوں میں سے کسی (قوم) کو نہ دیا تھا O

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس نعمت کو یاد کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو فرعون سے نجات عطا فرمائی تھی جب وہ تم کو غلام بناتا تھا اور تم سے سخت خدمت لیتا تھا اور تمہارے بیٹوں کو قتل کرتا تھا اور تمہاری عورتوں کو چھوڑ دیتا تھا، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس نعمت کو یاد کرو جو اللہ عزوجل نے تم پر آسمان سے ''المنّ والسلویٰ'' اتارا تھا اور بادل نے تم پر سایا کیا تھا اور ایسی اور نعمتیں جو اس زمانہ میں تمام جہانوں میں سے کسی کو عطاء نہیں فرمائی تھیں، اور ایک قول یہ ہے کہ جب تم دین میں اختلاف کر رہے تھے اور تمہارے مختلف فرقے ہوگئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مبعوث فرما کر تم پر یہ نعمت فرمائی کہ تم تفرقہ بازی کو چھوڑ کر دینِ واحد اسلام میں داخل ہو جاؤ۔

نعمت کو یاد کرنے سے مقصود یہ ہے کہ ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، اور اس شکر کو ادا کرنے کی صورت یہ ہے کہ تم مجھ سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرو سو میں تم سے کئے ہوئے عہد کو پورا فرماؤں گا، اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی زبانوں سے ان سے عہد لیا تھا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ؕ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ ؕ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (المائدہ: ۱۲)

اور بے شک اللہ نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا تھا، اور ہم نے ان میں سے ان کے بارہ سردار مقرر کئے، اور اللہ نے فرمایا: بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں بشرطیکہ تم نماز پڑھتے رہے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہے اور میرے رسولوں پر ایمان لاتے رہے اور ان کی تعظیم کے ساتھ مدد کرتے رہے اور اللہ کو اچھا قرض دیتے رہے تو میں ضرور تم سے تمہارے گناہوں کو دور فرمادوں گا اور میں ضرور تم کو ان جنتوں میں داخل فرمادوں گا جن کے نیچے دریا بہہ رہے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے عہد کا بھی ذکر ہے اور بنی اسرائیل کے عہد کا بھی ذکر ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس عہد سے مراد وہ عہد ہو جس کا درج ذیل آیت میں ذکر ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ (آل عمران: ۱۸۷)

اور (یاد کیجئے:) جب اللہ نے اہلِ کتاب سے پختہ عہد لیا کہ تم ضرور اس کتاب کو (عام) لوگوں کے سامنے بیان کرو گے اور اس کو نہیں چھپاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے علماء سے یہ پختہ عہد لیا تھا کہ ان کی کتابوں میں جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت ہے اور آپ کی عمدہ صفات کا ذکر ہے اس کا تم اقرار کرو گے اور لوگوں کے سامنے بیان کرو گے اور جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوجائیں تو ان کی بہ طورِ تعظیم مدد کرو گے۔

''وَاِیَّایَ فَارۡهَبُوۡنِ'': اس آیت کا ایک محمل یہ ہے کہ تم میرے عذاب اور میرے انتقام سے ڈرو، اور دوسرا محمل یہ ہے کہ تم مجھ سے کئے ہوئے عہد کو توڑنے سے ڈرو اور حضرت محمد نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت اور آپ کی بعثت کو چھپانے سے ڈرو۔

(تاویلات اہل السنہ ج ۱ ص ۲۴۲۔ ۲۴۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو میں نے (اب) نازل فرمائی ہے وہ اس کتاب کی تصدیق فرمانے والی ہے جو تمہارے پاس (اصل آسمانی کتابوں سے) ہے اور تم سب سے پہلے اس کا انکار کرنے والے نہ بنو اور میری آیتوں کو تھوڑی قیمت کے بدلہ میں فروخت نہ کرو اور صرف مجھ سے ہی ڈرتے رہوO'' (البقرہ: ۴۱)

القاضی محمد ثناء اللہ الحنفی المظہری المتوفی ۱۱۴۳ھ، البقرہ: ۴۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ'': یعنی قرآن مجید پر ایمان لاؤ جس میں تورات اور انجیل کی بعض آیتوں کے موافق آیتیں ہیں۔

''وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ'': اس آیت پر یہ سوال ہے کہ بنی اسرائیل اس قرآن کا سب سے پہلے انکار کرنے والے نہ تھے بلکہ اس سے پہلے مشرکین مکہ نے قرآن مجید کا کفر کیا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ چونکہ تم اہل کتاب ہو اور تمہیں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا علم ہے اس لئے واجب ہے کہ تم سب سے پہلے اس پر ایمان لانے والے بنو جیسے ورقہ بن نوفل تورات کے عالم تھے اور وہ سب سے پہلے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے۔ علماء یہود تورات میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات کو چھپاتے تھے تاکہ عام یہود آپ پر ایمان نہ لے آئیں جس سے ان کے نذرانے بند ہو جائیں، اس لئے فرمایا ''اور میری آیتوں کو تھوڑی قیمت کے بدلہ میں فروخت نہ کرو''۔ (تفسیر مظہری ج ۱ ص ۷۱۔ ۷۲، مکتبہ عثمانیہ، کوئٹہ ۱۴۲۵ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط نہ کرو اور علم کے باوجود حق کو نہ چھپاؤO'' (البقرہ: ۴۲)

تلبیس کا معنی اور یہود کی تلبیس

''وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ'' ''وَلَا تَلْبِسُوا'' ''لبس'' سے ماخوذ ہے، علامہ ابن منظور افریقی اس کے معنی میں لکھتے ہیں:

''لبس'' کا معنی ہے: کسی چیز کا خلط ملط ہونا، کوئی چیز اس طرح مختلط ہو جائے کہ اس کی اصل معلوم نہ کی جا سکے ''اِلْتَبَسَ عَلَيْهِ الْاَمْرُ'' کا معنی ہے: اس پر کوئی بات مشتبہ ہو گئی اور ''تَلْبِيْس'' ''تَدْلِيْس'' کی مثل ہے، ارشادِ باری ہے: ''اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا (الانعام: ۶۵)'' (یا تم کو مختلف فرقوں میں خلط ملط کر دے)۔ (لسان العرب ج ۱۳ ص ۱۶۲، دار صادر، بیروت، ۲۰۰۳ء)

یہود مدینہ کی تلبیس یہ تھی کہ وہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے یہ عہد لیا ہے کہ ہم نبی اُمّی پر ایمان لائیں اور اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں بتایا کہ وہ نبی اُمّی عربوں میں سے ہوگا۔ اس آیت میں فرمایا ہے: ''حق کی باطل کے ساتھ تلبیس نہ کرو''، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: حق سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین ہے اور یہودِ مدینہ تورات میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات بدل کر اپنے ہاتھوں سے اس طرح لکھ دیتے تھے کہ پڑھنے والا ان میں تمیز نہیں کر سکتا تھا اور مقاتل نے کہا کہ یہودِ مدینہ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض صفات کا اقرار کیا اور بعض صفات کو چھپا لیا، پس ان کا اقرار کرنا حق ہے اور ان کا چھپانا باطل ہے اور فرمایا: حالانکہ تم جانتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے نبی اور رسول ہیں اور تم ان کی صفت کو چھپاتے ہو اور یہ بہت قبیح ہے، کیونکہ جاہل کو کبھی معذور قرار دیا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم سچ کو جھوٹ کے ساتھ نہ ملاؤ، اور مجاہد نے کہا: تم یہودیت اور نصرانیت کو اسلام کے ساتھ نہ ملاؤ۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۳۶۲۔ ۳۶۴، ملتقطاً)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور نماز میں رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو○'' (البقرہ: ۴۳)

''وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ'': بعض علماء شافعیہ نے کہا ہے کہ اس آیت میں یہودِ مدینہ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے اور یہ احکام فرعیہ ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ کفار کو احکامِ فرعیہ کے ساتھ مخاطب اور مکلف کرنا جائز ہے۔ فقہاء احناف اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس آیت سے پہلی آیت میں ان کو ایمان لانے کا حکم دیا ہے ''وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ'' اور ایمان لانے کے حکم کے بعد ان کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا۔

اس آیت سے مراد یہ ہے کہ تمام مسلمانوں کی طرح نماز پڑھو اور ان کے طریقہ کے مطابق زکوٰۃ ادا کرو۔ ''صلوٰۃ'' سے مراد جنسِ صلوٰۃ ہے یعنی دن اور رات کی پانچ نمازیں۔ اور زکوٰۃ کا لفظ ''الزکاء'' سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: بڑھنا اور زیادہ ہونا۔

پھر فرمایا: ''وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ'': اس آیت میں ان کو صرف رکوع کرنے کا حکم دیا ہے، کیونکہ یہود کی نماز میں رکوع نہیں تھا، دوسری تفسیر یہ ہے کہ تم نمازیوں کے ساتھ نماز پڑھو، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز پڑھو۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۶۰۔۶۱، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

باجماعت نماز پڑھنے کے متعلق فقہاءِ اسلام کے اقوال

جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا داؤد ظاہری کے نزدیک رُکن ہے اور امام احمد کے نزدیک یہ فرض ہے مگر رُکن نہیں ہے اور جمہور فقہاء کے نزدیک جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا ایسی سنتِ مؤکدہ ہے جو واجب کے قریب ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۱ ص ۷۲۔۷۳)

جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا بہت زیادہ ثواب ہوتا ہے، حدیث میں ہے: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا ثواب تنہا نماز پڑھنے کی بہ نسبت ستائیس درجہ زیادہ ہوتا ہے''۔

(صحیح البخاری: ۶۴۵، صحیح مسلم: ۶۵۰، سنن ترمذی: ۲۱۵، سنن نسائی: ۸۷، سنن ابن ماجہ: ۷۸۹، مسند احمد: ۵۳۱۰، موطا امام مالک: ۲۹۰)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو! کیا پس تم عقل سے کام نہیں لیتے ؟○'' (البقرہ: ۴۴)

''اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہود اپنے مسلمان قرابت داروں کو تنہائی میں اسلام پر قائم رہنے کا حکم دیتے تھے اور خود اسلام سے انحراف کرتے تھے، اور زجاج نے ذکر کیا کہ یہودِ مدینہ لوگوں کو صدقہ اور خیرات کرنے کا حکم دیتے تھے اور خود بُخل کرتے تھے۔

''وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ'': کتاب کی تفسیر میں دو قول ہیں: ایک یہ ہے کہ اس سے مراد تورات ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن ہے اور اس صورت میں یہ خطاب یہود سے نہیں ہوگا۔

(زاد المسیر ج ۱ ص ۶۰۔۶۱، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

عقل کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور عقل کی فضیلت

اس آیت میں فرمایا ہے''اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ'': عقل کے معنی کے متعلق علامہ السید محمد مرتضیٰ الزبیدی الحنفی المتوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:
''العُبَاب'' میں مذکور ہے: عقل کا معنی ہے، کسی کو کسی کام سے روکنا اور منع کرنا''الصحاح'' میں مذکور ہے: کسی چیز کے حُسن اور قبح اور اس کے کمال اور اس کے نقصان کا علم، اس کو عقل کہتے ہیں، یا خیر اور شر کے علم کو عقل کہتے ہیں، یا اس قوّت کو عقل کہتے ہیں جس سے کسی چیز کے قبح اور حسن میں تمیز ہوتی ہے۔ علامہ الراغب الاصفہانی نے کہا ہے: عقل اس قوت کو کہتے ہیں جو علم کے قبول کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور جس قوت کے ساتھ انسان کسی چیز کا استنباط کرتا ہے اس کو عقل کہتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے عقل سے زیادہ مکرم کوئی چیز پیدا نہیں فرمائی، اور آپ نے فرمایا: انسان کا اس عقل سے افضل کسب نہیں ہے جو اس کی ہدایت کی طرف رہنمائی کرے یا اس کو برائی سے روکے۔ (تاج العروس ج ۱۵ ص ۱۲۔ ۱۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت،، ۱۴۳۳ھ)، نیز حکیم ترمذی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعدد صحابہ سے روایت کی ہے، آپ نے فرمایا: اللہ عزوجل نے عقل سے ارشاد فرمایا: میں نے ایسی کوئی مخلوق پیدا نہیں فرمائی جو میرے نزدیک تجھ سے زیادہ محبوب اور مکرم ہو۔ (اتحاف السادۃ المتقین ج ۱ ص ۴۶۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت،، ۱۴۱۴ھ) نیز ابو العلاء بیان کرتے ہیں کہ کسی بندہ کو اسلام کے بعد عقلِ صالح سے افضل کوئی چیز نہیں عطا فرمائی گئی۔
(مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۶۴۶۲، المجلس العلمی بیروت، ۱۴۲۷ھ)

اصل میں عقل کا معنی ہے: روکنا اور منع کرنا، جانور کی لگام کو''عِقَال'' اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اُس کو غلط چلنے سے روکتی ہے، اسی طرح انسان کو عقل ان کاموں سے روکتی ہے جو اس کے لیے مضر ہوں۔

بے عمل علماء اور واعظین کے متعلق وعید

حدیث میں ہے: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس رات مجھے معراج کرائی گئی اس رات میں نے چند مردوں کو دیکھا جن کے ہونٹ آگ کی قینچی سے کاٹے جا رہے تھے، میں نے پوچھا: اے جبریل! یہ لوگ کون ہیں؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے بتایا: یہ آپ کی امت کے وہ خطباء ہیں جو لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے تھے اور اپنے آپ کو بھول جاتے تھے حالانکہ وہ کتاب کی تلاوت کرتے تھے۔ (شرح السنۃ: ۴۰۵۴، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۳۰۸، مسند احمد: ۱۱۸۰۱، ج ۳ ص ۱۲۰، حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۴۳۔ ۴۴، شعب الایمان للبیہقی: ۱۷۷۳)

نیز حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: قیامت کے دن ایک مرد کو لایا جائے گا، پھر اس کو دوزخ میں ڈالا جائے گا اور اس کے پیٹ سے آنتیں باہر نکل رہی ہوں گی اور وہ اس طرح چکر لگا رہا ہوگا جیسے گدھا چکی کے گرد چکر لگاتا ہے، پس اس کے پاس دوزخی جمع ہو کر پوچھیں گے: اے فلاں! یہ تمہارا کیا حال ہے تم تو ہمیں نیکی کا حکم دیتے تھے اور ہم کو برائی سے روکتے تھے! وہ کہے گا: میں تم کو نیکی کا حکم دیتا تھا اور خود نیک کام نہیں کرتا تھا اور میں تم کو برائی سے روکتا تھا اور خود برے کام کرتا تھا۔ (صحیح البخاری: ۳۲۶۷، صحیح مسلم: ۲۹۸۹، شرح السنۃ: ۴۰۵۳، مسند احمد: ۲۱۲۷۷)

قاضی عبد اللہ بن عمر بیضاوی المتوفی ۶۸۵ھ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:
اس آیت میں بے عمل علماء اور واعظین کو اپنی اصلاح کرنے کی تلقین کی ہے اور ان کو وعظ اور نصیحت کرنے سے منع نہیں فرمایا،

کیونکہ انسان کو خود نیک بننے کا بھی حکم دیا گیا ہے اور دوسروں کو نیک بنانے کا بھی حکم دیا گیا ہے، سو اگر اس نے ان میں سے کسی ایک حکم پر عمل نہیں کیا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ دوسرے حکم پر بھی عمل نہ کرے، لہٰذا اگر وہ خود نیک نہیں ہے تو دوسروں کو وعظ اور نصیحت کرنے سے نہ رکے۔ (انوار التنزیل واسرار التاویل ج ۱ ص ۳۱۶، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور صبر اور نماز سے مدد طلب کرو اور بے شک نماز ضرور بھاری ہے سوا ان لوگوں کے جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں O جو لوگ اس پر یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں اور بے شک وہ اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں O'' (البقرہ: ۴۵۔۴۶)

صبر کا لغوی معنی اور البقرہ: ۴۵ میں صبر کے متعلق اقوال

''وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ'':

امام ابن الجوزی متوفی ۵۹۷ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: صبر کا اصل معنی ہے روکنا، پس صبر کرنے والا اپنے آپ کو کسی مصیبت پر رونے پیٹنے اور غم وغصہ کے اظہار سے روکتا ہے، روزہ دار کو بھی صابر کہا جاتا ہے کیونکہ وہ اپنے آپ کو کھانے پینے اور عمل تزویج سے روکتا ہے، اس آیت میں صبر کے متعلق دو قول ہیں: (۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مقاتل نے کہا: اس سے مراد ہے: فرائض کو ادا کرنا (۲) قتادہ نے کہا: اس سے مراد ہے: اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کو ترک کرنا۔ اور نماز سے مدد طلب کرنے کی توجیہ یہ ہے کہ بندہ نماز پڑھنے سے آخرت کی طرف راغب ہوتا ہے اور دنیا سے بے رغبت ہوتا ہے۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۶۱، دار الکتاب العربی بیروت)

''وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ'': اس آیت میں صبر اور نماز دو چیزوں کا ذکر ہے اور ان کی طرف واحد کی ضمیر راجع کی ہے، اس کی ایک توجیہ یہ ہے کہ یہ ضمیر صلوٰۃ کی طرف راجع ہے اور صبر بھی اس میں داخل ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ (التوبہ: ۶۲) اللہ اور اس کا رسول اس کے زیادہ مستحق تھے کہ لوگ اس کو راضی کرتے۔

اس آیت میں بھی پہلے دو کا ذکر ہے یعنی اللہ اور اس کے رسول کا اور ان کی طرف واحد کی ضمیر راجع کی ہے کیونکہ اللہ اور اس کے رسول دونوں کی رضا واحد ہے۔ اور اس کی دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہ ضمیر صبر اور نماز دونوں کی طرف راجع ہے یعنی صبر کرنا اور نماز پڑھنا دونوں دشوار اور بھاری ہیں لیکن ان لوگوں پر بھاری نہیں ہیں جو آخرت پر اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات پر یقین رکھتے ہیں۔ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جن لوگوں پر نماز پڑھنا بھاری ہے ان کا آخرت پر یقین نہیں ہے۔

(معالم التنزیل ج ۱ ص ۱۱۲، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

يٰبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝۴۷

اے بنی اسرائیل! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام فرمائی تھی اور یہ کہ میں نے (اس زمانہ کے) تمام جہان والوں پر تم کو فضیلت عطا فرمائی تھی O

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور اس دن سے ڈرتے رہو جب کوئی جان دوسری جان کی طرف سے کچھ بھی بدلہ نہ دے سکے گی، اور (نہ اللہ کے اذن کے بغیر) کسی جان کی طرف سے شفاعت قبول کی جائے گی، اور نہ کسی جان سے کوئی فدیہ لیا جائے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی ○

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾

اور (اے بنی اسرائیل! اس وقت کو یاد کرو) جب ہم نے تم کو فرعون والوں سے نجات عطا فرمائی جو تم کو بدترین عذاب میں مبتلا کر رہے تھے جو تمہارے بیٹوں کو ذبح کر دیتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے سخت آزمائش تھی ○

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾

(اور یاد کرو) جب ہم نے تمہارے لیے سمندر کو پھاڑ دیا، پس ہم نے تم کو نجات عطا فرمائی اور فرعون والوں کو غرق کر دیا اور اس منظر کو تم دیکھ رہے تھے ○

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾

اور (یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ کر لیا تھا، پھر اس کے بعد تم نے بچھڑے کو (اپنا) معبود بنا لیا تھا اور اس حال میں تم ظلم کرنے والے تھے ○

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾

پھر ہم نے تم کو اس کے بعد (بھی) معاف فرما دیا تاکہ تم (ہمارا) شکر ادا کرو ○

وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾

اور (اس وقت کو یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ کو (اپنی) کتاب عطا فرمائی اور حق و باطل میں فارق (معجزہ) عطا فرمایا تاکہ تم ہدایت یافتہ بن جاؤ ○

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ

الَتَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾

اور (یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! تم نے بچھڑے کو (اپنا معبود بنانے) کے سبب سے اپنے اوپر (بہت بڑا) ظلم کیا، پس (اب) تم اپنے خالق کے حضور توبہ کرو، سو اپنے لوگوں کو قتل کرو، یہ تمہارے خالق کے نزدیک تمہارے لیے بہتر ہے، پس انہوں نے تمہاری توبہ قبول فرمائی بے شک وہی بہت توبہ قبول فرمانے والے بے حد رحم فرمانے والے ہیں O

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾

اور (اس وقت کو یاد کرو) جب تم نے (موسیٰ سے) کہا: اے موسیٰ! ہم اس وقت تک ہرگز آپ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہم کھلم کھلا اللہ کو نہ دیکھ لیں، سو (اس جسارت پر بجلی کی) کڑک نے تم کو پکڑ لیا اور تم اس منظر کو دیکھ رہے تھے O

ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

پھر ہم نے تمہاری موت کے بعد تم کو زندہ کر دیا تاکہ تم (اللہ) کا شکر ادا کرو O

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾

اور ہم نے تم پر بادل کا سایا کر دیا اور تمہارے اوپر ''مَن اور سلویٰ'' نازل فرمایا، تم ہماری دی ہوئی پاک چیزوں میں سے کھاؤ اور انہوں نے (اپنی نافرمانی سے) ہم پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنے ہی اوپر ظلم کر رہے تھے O

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾

اور (یاد کرو) جب ہم نے فرمایا کہ تم اس شہر میں داخل ہو جاؤ، پھر اس میں سے جہاں سے چاہو خوب کھاؤ اور تم (شہر کے) دروازہ میں (عجز سے) سر جھکاتے ہوئے داخل ہو اور (یہ) کہتے جانا ''حِطَّةٌ'' (ہماری توبہ ہے) ہم تمہارے لیے تمہاری خطاؤں کو بخش دیں گے اور ہم عنقریب نیکوکاروں کو زیادہ اجر عطا فرمائیں گے O

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾ ع

سو ظالموں نے اس قول کو جو ان سے کہا گیا تھا دوسرے قول کے ساتھ تبدیل کر دیا تو ہم نے ان ظالموں پر (ان کی مسلسل)

نافرمانیوں کے سبب سے آسمان سے عذاب نازل فرمایاO

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے بنی اسرائیل! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام فرمائی تھی اور یہ کہ میں نے (اس زمانہ کے) تمام جہان والوں پر تم کو فضیلت عطا فرمائی تھیO'' (البقرہ:۴۷)

بنی اسرائیل پر انعام فرمائی ہوئی نعمتوں کا تذکرہ

''یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ وَ اَنِّیۡ فَضَّلۡتُکُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿﴾'':

امام ابومنصور محمد بن محمد الماتریدی الحنفی المتوفی ۳۳۳ھ، البقرہ:۴۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی اے بنی اسرائیل! میں نے تم پر یہ انعام فرمایا کہ جب بعثتِ رُسل کے انقطاع کے وقت اور وحی موقوف ہوجانے کے وقت لوگ مختلف ادیان اور مذاہب میں بٹے ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تاکہ آپ ان منتشر اور بکھرے ہوئے لوگوں کو اللہ کے دینِ واحد کی دعوت دیں اور ان کے مختلف اور متنازع قلوب کو جوڑ دیں اور ان کو حیرت اور تشویش سے نکالیں (کہ وہ کس دین کو قبول کریں اور کس کو رد کریں) اور یہ اللہ تعالیٰ کی بہت عظیم نعمت ہے جو اللہ جلّ مجدہٗ نے بنی اسرائیل پر انعام فرمائی۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس نعمت سے وہ نعمت مراد ہو جس کا حسبِ ذیل آیت میں اللہ کریم نے ذکر فرمایا ہے:

وَ اِذۡ اَخَذَ اللّٰہُ مِیۡثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیۡتُکُمۡ مِّنۡ کِتٰبٍ وَّ حِکۡمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمۡ لَتُؤۡمِنُنَّ بِہٖ وَ لَتَنۡصُرُنَّہٗ ؕ قَالَ ءَاَقۡرَرۡتُمۡ وَ اَخَذۡتُمۡ عَلٰی ذٰلِکُمۡ اِصۡرِیۡ ؕ قَالُوۡۤا اَقۡرَرۡنَا ؕ قَالَ فَاشۡہَدُوۡا وَ اَنَا مَعَکُمۡ مِّنَ الشّٰہِدِیۡنَ ﴿﴾ (آل عمران:۸۱)

اور (اے رسولِ مکرم! اس وقت کو یاد کیجئے:) جب اللہ نے انبیاء (سابقین) سے یہ پختہ عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب اور حکمت عطا فرمادوں، پھر تمہارے پاس وہ (عظیم) رسول آجائیں جو اُن چیزوں کی تصدیق کرنے والے ہوں جو تمہارے پاس ہیں تو تم ضرور بہ ضرور اس رسول پر ایمان لانا اور تم ضرور بہ ضرور اس کی مدد کرنا، فرمایا: کیا تم نے اس کا اقرار کرلیا اور اس پر میرے بھاری عہد کو قبول کرلیا؟ (سب نبیوں نے) کہا: ہم نے اقرار کرلیا، فرمایا: تم (اس پر) گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہی دینے والوں میں سے ہوںO

یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی تم پر بہت بڑی نعمت ہے کہ جس عظیم الشان نبی (سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لانے کے لیے تمام انبیاء سابقین کو حکم دیا تھا تمہیں بھی اس جلیل القدر نبی پر ایمان لانے کا حکم فرمایا ہے۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بنی اسرائیل پر یہ نعمت مراد ہو کہ ان پر ایسا لباس نازل فرمایا جو ان کی قامت کے مطابق تھا اور وہ لباس نہ میلا کچیلا ہوتا تھا اور نہ پھٹتا تھا، اور یہ وہ نعمت ہے جو اُن سے پہلے کسی اور کو عطا نہیں فرمائی تھی، ارشادِ باری ہے:

وَّ اٰتٰىکُمۡ مَّا لَمۡ یُؤۡتِ اَحَدًا مِّنَ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿﴾ (المائدہ:۲۰) اور تم کو وہ کچھ دیا جو (اس زمانہ میں) تمام جہانوں میں سے کسی

(قوم) کو نہ دیا تھا O

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے یہ نعمت مراد ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس زمانہ کے تمام جہان کے لوگوں پر فضیلت عطا فرمائی ہو کیونکہ ان میں اللہ تعالیٰ نے ان ہی میں سے نبیوں کو مبعوث فرمایا اور ان کو دشمنوں کے ہاتھوں سے نجات عطا فرمائی اور ان کی نظروں کے سامنے ان کے دشمنوں کو ہلاک کر دیا۔ (تاویلات اہل السنہ ج ۱ ص ۴۵۱۔ ۴۵۲ ملخصاً وملتقطاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اس دن سے ڈرتے رہو جب کوئی جان دوسری جان کی طرف سے کچھ بھی بدلہ نہ دے سکے گی، اور (نہ اللہ کے اذن کے بغیر) کسی جان کی طرف سے شفاعت قبول کی جائے گی، اور نہ کسی جان سے کوئی فدیہ لیا جائے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی O'' (البقرہ:۴۸)

شفاعت کا لغوی اور عرفی معنی، شفاعت میں مذاہب اور مانعین شفاعت کی دلیل کا جواب

''وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْــًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ'':

البقرہ:۴۸ میں ''شفاعت'' کا ذکر ہے اور شفاعت کے متعلق علامہ السید محمد مرتضیٰ الحسینی الزبیدی الحنفی المتوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

''الشَّفْع'' کا معنی ہے جوڑا جو ''الوتر'' اور ''الفرد'' کے خلاف ہیں، علامہ الراغب الاصفہانی المتوفی ۵۰۲ھ نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ ''الفرد'' ہے جو ہر جہت سے واحد ہے اور مخلوقات ''الشَّفع'' ہے جو مرکبات ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام وتر اور فرد تھے اور ان کی بیوی کے سبب سے ان کا جوڑا بنایا گیا۔ علامہ راغب اصفہانی نے کہا: جب کوئی شخص اپنے ساتھ کسی اور شخص کو ملا لے اور وہ اس کی اچھے یا برے کام میں معاونت کرے تو یہ شفاعت ہے، ارشادِ باری ہے:

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا (النساء:۸۵)

جو کسی کے لیے نیک سفارش کرے گا اس کے لئے اس میں سے حصہ ہوگا اور جو کسی کے لیے بری سفارش کرے گا اس کے لیے اس میں سے حصہ ہوگا۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اسلام میں کسی نیک طریقہ کو ایجاد کیا تو اس کے لیے اس کا اجر ہوگا اور بعد کے لوگ جو اس طریقہ پر عمل کریں گے ان کا اجر بھی اس کو ملے گا اور بعد والوں کے اجروں میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور جو اسلام میں کسی برے طریقہ کو ایجاد کرے گا تو اس پر اس کا وبال ہوگا اور بعد کے لوگ جو اس پر عمل کریں گے ان کا وبال بھی اس کے کھاتے میں ہوگا اور بعد والوں کے وبال میں اس سے کوئی کمی نہیں ہوگی۔ (صحیح مسلم:۱۰۱۷، سنن نسائی:۲۵۵۰)

(تاج العروس ج ۱۱ ص ۱۵۵، دار الکتب العلمیہ، O بیروت، ۱۴۳۳ھ)

اہل سنت و جماعت کے نزدیک مسلمان گناہِ کبیرہ کے مرتکب کے حق میں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اس کی نجات کے لیے یا تخفیفِ عذاب کے لیے یا قیامت کے دن آسان حساب کے لیے شفاعت فرمائیں گے اور نیکوکاروں کے حق میں ترقی درجات اور اجر و ثواب میں اضافہ کے لیے شفاعت فرمائیں گے۔ شیخ ابن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ اور ان کے پیروکار شفاعت کی پہلی قسم کے قائل نہیں ہیں دوسری قسم کی شفاعت کے معتقد ہیں اور دنیا میں کسی بزرگ کی کسی دنیاوی کام کے لیے شفاعت کے قائل ہیں۔

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی المتوفی ۷۱۰ھ البقرہ: ۴۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ (المدثر: ۴۸) سو مجرمین کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت فائدہ نہیں پہنچائے گی۔

معتزلہ، خوارج اور دیگر منکرینِ شفاعت نے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں کفار کے حق میں شفاعت کے نفع پہنچانے کی نفی فرمائی ہے اور مومن مرتکبِ کبیرہ کی نجات یا تخفیفِ عذاب کے لیے درجِ ذیل حدیث سے شفاعت ثابت ہے:

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شفاعت سے اُس قوم کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل فرما دیا جائے گا جن کو دوزخی کہا جاتا تھا۔

(صحیح البخاری: ۶۵۶۶، سنن ترمذی: ۲۶۰۰، سنن ابوداؤد: ۴۷۴۰، سنن ابن ماجہ: ۴۳۱۵، مسند احمد: ۱۹۳۹۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری شفاعت میری امت کے گناہِ کبیرہ کرنے والوں کے حق میں ہوگی۔ (سنن ترمذی: ۲۴۳۵، سنن ابوداؤد: ۴۷۳۹، مسند احمد: ۱۲۸۱۰، ج ۳ ص ۲۱۳) (مدارک التنزیل وحقائق التاویل ج ۱ ص ۸۷، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے بنی اسرائیل! اس وقت کو یاد کرو) جب ہم نے تم کو فرعون والوں سے نجات عطا فرمائی جو تم کو بدترین عذاب میں مبتلا کر رہے تھے جو تمہارے بیٹوں کو ذبح کر دیتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے سخت آزمائش تھی O'' (البقرہ: ۴۹)

''وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ'':

اس آیت میں آلِ فرعون کا ذکر ہے اور آل کی تفسیر میں امام محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

آلِ فرعون کا معنی ہے: فرعون کے دین کو ماننے والے اور اس کی قوم کے لوگ، آل کی اصل ''اھل'' ہے کیونکہ اس کی تصغیر ''اُھیل'' آتی ہے، دوسرا قول ہے کہ اس کی تصغیر ''اُویل'' بھی آتی ہے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۳۸۵، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی المصری المتوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل کے متعلق اختلاف ہے، ابوالعباس احمد بن یحییٰ نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل آپ کے پیروکار ہیں خواہ وہ آپ کے قرابت دار ہوں یا نہ ہوں۔ اور دوسروں نے کہا: ''اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد'' میں آپ کے اہل بیت اور آپ کی ازواج بھی داخل ہیں، کیونکہ جب کسی شخص سے سوال کیا جاتا ہے کہ کیا اس کے اہل ہیں؟ اور وہ کہے: نہیں تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اس کی بیوی نہیں، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آلِ محمد کا معنی ہے: اہلِ دینِ محمد، کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام نے دعا کی:

رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ۝ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ (ھود: ۴۵-۴۶) اے میرے رب! بے شک میرا بیٹا میرے اہل سے ہے اور یقیناً آپ کا وعدہ برحق ہے اور آپ تمام حاکموں سے بڑے حاکم ہیں O (اللہ نے) فرمایا: اے نوح! یہ آپ کے اہل میں سے نہیں

ہے کیونکہ اس کے برے اعمال ہیں۔

سو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کے متعلق فرمایا: وہ آپ کے اہل سے اس لیے نہیں ہے کہ وہ آپ کے دین پر نہیں ہے۔ نیز ایک قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: محمد اور آلِ محمد کے لیے صدقہ لینا جائز نہیں ہے۔ (مصنف عبد الرزاق: ۶۹۳۹) اور جن کے لیے صدقہ جائز نہیں ہے وہ بنو ہاشم اور بنو مطلب ہیں، لہٰذا وہی آل ہیں۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ آپ کی آل آپ کے اہلِ بیت ہیں، اور تیسرا قول یہ ہے کہ آپ کی آل آپ کے اصحاب ہیں۔ (لسان العرب ج ۱ ص ۱۹۶، دار صادر، بیروت، ۲۰۰۳ء)

فرعون کے نام کے متعلق متعدد اقوال

امام ابن الجوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں: فرعون کے نام کے متعلق چار اقوال ہیں: (۱) اکثر کا قول ہے کہ اس کا نام الولید بن مصعب ہے (۲) مقاتل نے کہا: اس کا نام فیطوس ہے (۳) امام ابن جریر الطبری نے کہا: اس کا نام الریان ہے (۴) بعض مفسرین نے کہا: اس کا نام مغیث ہے، اور اس کا لقب فرعون ہے۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۶، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

بنو اسرائیل پر فرعون کے مظالم

امام عبد الرحمٰن بن محمد بن ادریس الرازی ابن ابی حاتم المتوفی ۳۲۷ھ لکھتے ہیں: ابو العالیہ نے کہا کہ فرعون بنو اسرائیل پر چار سو سال تک حکومت کرتا رہا، پھر اس کے کاہنوں نے اس کو بتایا کہ عنقریب مصر میں ایک لڑکا پیدا ہوگا اور اس کے ہاتھوں تم ہلاک ہو جاؤ گے، تب فرعون نے اہلِ مصر کی حاملہ عورتوں کی طرف یہ حکم بھیجا کہ جب کسی عورت سے کوئی لڑکا پیدا ہو تو اس کو فرعون کے پاس لایا جائے، پھر فرعون اس کو قتل کر دیتا تھا، بنو اسرائیل کے بیٹے مارے جا رہے تھے اور بنو اسرائیل کے بوڑھے قضاءِ الٰہی سے مر رہے تھے ان میں سے کوئی بچہ بڑا نہیں ہوتا تھا، تب قبطیوں نے کہا: بنو اسرائیل کے بچے بڑے نہیں ہو رہے اور بوڑھے مر رہے ہیں، اس طرح ان میں کوئی مرد باقی نہیں رہے گا، پھر ہمارے کام کون کرے گا؟ تب فرعون نے یہ حکم دیا کہ ایک سال بنو اسرائیل کے بیٹے ذبح کر دیے جائیں اور دوسرے سال چھوڑ دیے جائیں، جس سال وہ بنو اسرائیل کے بیٹے ذبح نہیں کرتے تھے اس سال حضرت ہارون علیہ السلام پیدا ہوئے اور ان کو چھوڑ دیا گیا اور جس سال بنو اسرائیل کے بیٹوں کو ذبح کیا جاتا تھا اس سال حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔
(تفسیر امام ابن ابی حاتم: ۵۰۵، ج ۱ ص ۱۰۵۔۱۰۶، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "(اور یاد کرو) جب ہم نے تمہارے لیے سمندر کو پھاڑ دیا، پس ہم نے تم کو نجات عطا فرمائی اور فرعون والوں کو غرق کر دیا اور اس منظر کو تم دیکھ رہے تھے ○" (البقرہ: ۵۰)

امام عبد الرحمٰن بن محمد بن ادریس الرازی ابن ابی حاتم المتوفی ۳۲۷ھ لکھتے ہیں:

"وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ": جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنو اسرائیل کو مصر سے لے جانے لگے تو فرعون کو اس کی خبر پہنچ گئی، اس نے کہا: ابھی رہنے دو صبح مرغ کی اذان کے ساتھ ان کا پیچھا کریں گے، اس رات مرغ نے اذان نہیں دی، جب صبح ہوئی تو فرعون نے ایک بکری ذبح کروائی اور کہا: جب میں اس کی کلیجی کھانے سے فارغ ہوں تو یہاں چھ لاکھ قبطی جمع ہو جائیں، پھر چھ لاکھ قبطیوں کے ساتھ فرعون نے بنو اسرائیل کا پیچھا کیا، ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام جب سمندر کے کنارے پہنچے تو ان

کے اصحاب میں سے یوشع بن نون نے کہا: اے موسیٰ! آپ کے رب نے کس طرف سے نکلنے کا حکم دیا تھا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے سامنے سمندر کی طرف اشارہ کیا، حضرت یوشع نے اپنا گھوڑا سمندر میں ڈال دیا حتیٰ کہ جب وہ سمندر کی گہرائی میں پہنچا تو وہ پھر لوٹ آئے اور پوچھا کہ آپ کے رب نے کہاں سے نکلنے کا حکم دیا؟ تین بار اس طرح ہوا، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف یہ وحی فرمائی کہ اپنے عصا کو سمندر پر ماریں، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پر عصا مارا تو وہ بارہ حصوں میں منقسم ہو کر پھٹ گیا حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنو اسرائیل کے بارہ گروہوں کے ساتھ اس کے پار گزر گئے، بعد میں جب فرعون اور اس کے قبطی اس کے ساتھ گزرنے لگے تو سمندر کے دونوں حصے آپس میں مل گئے اور فرعون اور قبطی غرق ہو گئے، یہ سمندر بحر قلزم تھا، قتادہ نے کہا کہ بنو اسرائیل چھ لاکھ تھے اور قبطی بارہ لاکھ تھے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم ج ا ص ۱۰۷، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، جامع البیان ج ا ص ۳۹۴۔۳۹۵)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کی ایک بوڑھی خاتون سے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کا مقام دریافت فرمانا

حافظ احمد بن علی بن المثنیٰ التمیمی المتوفی ۳۰۷ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا، آپ نے اس کا اکرام کیا، پس اس سے فرمایا: تم ہمارے پاس آنا، سو وہ آپ کے پاس آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا: تم اپنی حاجت کا سوال کرو، اس نے کہا: ایک اونٹنی جس پر میں سواری کروں اور بکریاں جن سے میں اپنے گھر والوں کے لیے دودھ نکالوں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تم بنو اسرائیل کی بوڑھی خاتون کی مثل بننے سے بھی عاجز ہو؟ آپ نے بیان فرمایا کہ بے شک موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر روانہ ہوئے تو انہوں نے راستہ گم کر دیا، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اس کی کیا وجہ ہے؟ تو بنی اسرائیل کے علماء نے کہا: جب حضرت یوسف علیہ السلام پر موت کا وقت قریب آیا تو انہوں نے ہم سے پختہ اللہ کی قسم لی کہ ہم اس وقت تک مصر سے روانہ نہیں ہوں گے حتیٰ کہ ہم حضرت یوسف علیہ السلام کے جسم کو بھی اپنے ساتھ لے چلیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کو کون جانتا ہے؟ تو انہوں نے کہا: بنی اسرائیل کی ایک بوڑھی خاتون ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو بلوایا سو وہ آئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: مجھے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کی نشاندہی کرو، اس نے کہا: میں اس وقت تک نشاندہی نہیں کروں گی جب تک آپ میری درخواست پر عمل نہیں کریں گے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: تمہاری کیا درخواست ہے؟ اس نے کہا: میں چاہتی ہوں کہ میں جنت میں آپ کے ساتھ رہوں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے قبول کرنے کو ناپسند کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ تم اس کی درخواست کو مان لو، پس وہ بوڑھی خاتون ان کو سمندر میں اس جگہ لے گئی جہاں پر بہت گہرا پانی تھا، اس نے کہا: اس پانی کو نکالو تو بنو اسرائیل نے اس پانی کو نکالا، پھر اس نے کہا: اس زمین کو کھودو، جب زمین کو کھودا گیا تو وہاں حضرت یوسف علیہ السلام کا جسم مبارک تھا، پس جب انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے جسم کو اوپر اٹھایا تو ان پر مصر کا راستہ آفتاب سے زیادہ روشن ہو گیا۔ (اس حدیث کی سند حسن ہے، (۱) مسند ابو یعلیٰ الموصلی: ۷۲۵۴، (۲) صحیح ابن حبان: ۷۲۳، (۳) موارد الظمآن: ۲۴۳۵، مختصر اتحاف الخیرۃ المہرۃ بزوائد المسانید العشرۃ للحافظ البوصیری المتوفی ۸۴۰ھ: ۷۲۲۳، حافظ الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ نے کہا ہے: اس حدیث کی امام طبرانی نے بھی حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: (۵) مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۷۰، (۶) المطالب العالیہ بزوائد المسانید الثمانیہ للحافظ ابن حجر العسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ: ۳۴۶۲، ج ۳ ص ۲۷۳، (۷) الکشف والبیان تفسیر الثعلبی للامام الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ، ج ا ص ۱۹۲، (۸) معالم التنزیل للامام البغوی المتوفی ۵۱۶ھ، ج ا ص ۱۱۴)

انبیاء علیہم السلام کا کسی کو اپنے ساتھ جنت میں رکھنے کا اختیار اور مزید مسائل

میں کہتا ہوں: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی ہم نے آٹھ مستند کتب حدیث اور تفسیر سے باحوالہ روایت کی ہے اور اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ جب ایک اعرابی نے آپ سے اونٹ اور بکریوں کا سوال کیا تو آپ نے اس کے سوال کو کم حیثیت کا قرار دیا اور فرمایا: تم نے تو بنی اسرائیل کی بوڑھی خاتون سے بھی کم درجہ کا سوال کیا ہے جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال کیا تھا کہ وہ آپ کے ساتھ جنت میں رہے گی اور موسیٰ علیہ السلام نے اس کا یہ سوال پورا کر دیا، گویا آپ نے یہ ترغیب فرمائی ہے کہ تم مجھ سے سوال کرو تو جنت کا سوال کرو اور جنت میں میرے ساتھ رہنے کا سوال کرو اور آپ اللہ تعالیٰ کی عطاء سے یہ سوال پورا فرما دیتے ہیں، اس حدیث سے امام ابن حبان المتوفی ۳۵۴ھ نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ دنیائے فانی کے بجائے آخرت کی نعمت کو طلب کرنا چاہیے، حافظ نورالدین الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ نے اس حدیث سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جنت کی طلب پر برانگیختہ کرنا چاہیے، اور امام البوصیری المتوفی ۸۴۰ھ نے اس حدیث سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ ضرورت کی بناء پر موت کے بعد ایک جسم کو اس کی قبر سے دوسری جگہ منتقل کرنا جائز ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ کر لیا تھا، پھر اس کے بعد تم نے بچھڑے کو (اپنا) معبود بنا لیا تھا اور اس حال میں تم ظلم کرنے والے تھے O'' (البقرۃ:۵۱)

بنی اسرائیل کے بچھڑے کی پرستش کا پس منظر اور پیش منظر

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس الرازی ابن ابی حاتم المتوفی ۳۲۷ھ البقرۃ:۵۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً'': چالیس راتوں یعنی ذوالقعدہ کا پورا مہینہ اور ذوالحجہ کے دس دن، یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے اصحاب کو چھوڑ کر پہاڑ طور پر اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے گئے اور اپنے اصحاب پر حضرت ہارون علیہ السلام کو خلیفہ بنا گئے، آپ پہاڑ طور پر چالیس راتیں رہے اور آپ پر تورات کی الواح نازل کی گئیں، رب تعالیٰ نے آپ سے سرگوشی کی اور آپ کو کلام سے نوازا اور آپ نے قلم کے لکھنے کی آواز سنی۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم:۵۱۱، ج۱ ص۱۰۷، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ البقرۃ:۵۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب فرعون اپنے متبعین کے ساتھ سمندر میں اترنے لگا اور فرعون سیاہ رنگ کے لمبی دم والے نر گھوڑے پر سوار تھا، جب اس نے گھوڑے کو سمندر میں اتارنا چاہا تو وہ گھوڑے سمندر میں داخل ہونے سے بھاگے، تب حضرت جبریل ایک مادہ گھوڑی پر سوار ہو کر ان گھوڑوں کے سامنے سے گزرے، پس جب گھوڑوں نے اس مادہ گھوڑی کو دیکھا تو وہ اس کے پیچھے چل پڑے، السامری حضرت جبریل کو پہچانتا تھا کیونکہ جب سامری کی ماں کو یہ خطرہ ہوا کہ سامری کو بھی بنی اسرائیل کے بیٹوں کی طرح ذبح کر دیا جائے گا تو اس نے سامری کو ایک غار میں چھپا دیا اور اس کا منہ بند کر دیا، پس حضرت جبریل علیہ السلام اس کے پاس آتے تھے اور اس کو غذا فراہم کرتے تھے حتیٰ کہ وہ نشوونما پا کر بڑا ہو گیا، پس جب اس نے سمندر میں حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا تو پہچان لیا اور اس نے حضرت جبریل علیہ السلام کی گھوڑی کے نیچے سے مٹی اٹھا کر اپنی مٹھی میں بھر لی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما

فرماتے ہیں کہ سامری کے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ تم جس چیز پر اس مٹی کو ڈالو گے اور یہ کہو گے کہ تم اس طرح ہو جاؤ تو وہ اس طرح ہو جائے گی، پھر وہ مٹی اس کی مٹھی میں رہی حتیٰ کہ وہ سمندر کے پار گزر گیا، پس جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنو اسرائیل سمندر کے پار گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے متبعین کو غرق کر دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام سے کہا:

اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَ اَصْلِحْ وَ لَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۱۴۲﴾ (الاعراف: ۱۴۲)

تم میرے پیچھے میری قوم میں میرے خلیفہ (جانشین) بن جاؤ اور (ان کی) اصلاح کرتے رہنا اور فساد کرنے والوں کے طریقہ کی پیروی نہ کرنا O

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب سے کئے ہوئے وعدہ کو پورا کرنے کے لیے چلے گئے، ادھر بنی اسرائیل نے فرعون کے پیروکاروں سے عاریۃً چند زیورات لیے ہوئے تھے، سامری نے ان زیورات کو آگ میں ڈھالا اور اپنی مٹھی سے وہ مٹی نکال کر اس آگ میں ڈالی اور کہا: تو ایک بچھڑا بن جا جو مونہہ سے آواز نکالتا ہو، پس وہ بچھڑا بن گیا اور اس کے مونہہ سے آواز نکلتی تھی، سامری نے کہا: یہ تمہارا اور موسیٰ کا معبود ہے، پس بنو اسرائیل اس بچھڑے کے سامنے بیٹھ کر اس کی عبادت کرنے لگے، حضرت ہارون علیہ السلام نے ان کو منع کیا اور کہا:

یٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَ اِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِیْ وَ اَطِیْعُوْۤا اَمْرِیْ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَیْهِ عٰكِفِیْنَ حَتّٰى یَرْجِعَ اِلَیْنَا مُوْسٰى ﴿۹۱﴾ (طٰہٰ: ۹۰-۹۱)

اے میری قوم! تم کو اس (بچھڑے) کے ذریعہ صرف آزمائش میں مبتلاء کیا گیا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تمہارا رب رحمٰن ہے، سو تم میری پیروی کرو اور میرے حکم کو مانو O ان لوگوں نے کہا: ہم تو اس وقت تک اس (بچھڑے کی عبادت پر) ڈٹے رہیں گے حتیٰ کہ موسیٰ ہمارے پاس لوٹ آئیں O

(جامع البیان: ۷۷۲، ج ۱ ص ۴۰۱-۴۰۲، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "پھر ہم نے تم کو اس کے بعد (بھی) معاف فرما دیا تا کہ تم (ہمارا) شکر ادا کرو O" (البقرہ: ۵۲)

"ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾"

بنی اسرائیل کے آباء و اجداد کو معاف فرمانے کی موجودہ بنی اسرائیل پر احسان کی توجیہ اور شکر ادا کرنے کا معنی

امام ابو منصور محمد بن محمد الماتریدی الحنفی المتوفی ۳۳۳ھ، البقرہ: ۵۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں یہودِ مدینہ کو خطاب کر کے فرمایا ہے کہ پھر ہم نے تم کو معاف فرما دیا تا کہ تم ہمارا شکر ادا کرو، حالانکہ آپ کے زمانہ کے یہودِ مدینہ نے تو کوئی قصور نہیں کیا تھا، قصور تو ان کے آباء و اجداد نے کیا تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے امتی تھے، لہٰذا معاف کرنے کا تعلق بھی ان ہی کے ساتھ ہونا چاہیے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہودِ مدینہ کے آباء و اجداد سے ان کی اس تقصیر پر مواخذہ نہیں فرمایا ورنہ بظاہر یہ چاہیے تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ملیا میٹ فرما دیتا لیکن اللہ تعالیٰ نے

ان کو چھوڑے رکھا حتیٰ کہ ان میں توالد اور تناسل کا سلسلہ جاری رہا اور بہ تدریج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہودِ مدینہ پیدا ہوگئے، اور اگر اللہ تعالیٰ ان کے آباء واجداد کو ہلاک کر دیتا تو وہ سب فنا ہو جاتے اور یہ یہودِ مدینہ دنیا میں نہ آتے، اس طرح اللہ تعالیٰ کا ان کے اوپر بھی احسان ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے آباء واجداد کو معاف فرمایا تو یہ پیدا ہوئے، اس لئے ان پر واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کریں۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کا معنی یہ ہے کہ ہر یہودی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اعتراف اور اقرار کرے اور اس کی تمام نعمتوں پر شکر بجالائے، دوسرا احتمال یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے علماء اور اکابر اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کریں اور اس کے احکام کے مطابق اس کی عبادت کریں۔ (تاویلات اہل السنہ ج ۱ ص ۴۵۶۔۴۵۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”اور (اس وقت کو یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ کو (اپنی) کتاب عطا فرمائی اور حق و باطل میں فارق (معجزہ) عطا فرمایا تاکہ تم ہدایت یافتہ بن جاؤ ○“ (البقرہ: ۵۳)

تورات کو فرقان فرمانے کی وجہ

امام ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، البقرہ: ۵۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”وَ اِذْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ وَ الْفُرْقَانَ“: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب یعنی تورات عطا فرمائی اور اس کے دوسرے نام ”الفرقان“ کا ذکر فرمایا، مجاہد نے کہا: الفرقان بھی تورات ہے اور اس کے دو نام ہیں، اس کا نام الفرقان اس لیے ہے کہ یہ حلال اور حرام میں فرق کرنے والی کتاب ہے۔ (معالم التنزیل ج ۱ ص ۱۱۷، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”اور (یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! تم نے بچھڑے کو (اپنا معبود بنانے) کے سبب سے اپنے اوپر (بہت بڑا) ظلم کیا، پس (اب) تم اپنے خالق کے حضور توبہ کرو، سو اپنے لوگوں کو قتل کرو، یہ تمہارے خالق کے نزدیک تمہارے لیے بہتر ہے، پس انہوں نے تمہاری توبہ قبول فرمائی بے شک وہی بہت توبہ قبول فرمانے والے بے حد رحم فرمانے والے ہیں ○“ (البقرہ: ۵۴)

بنی اسرائیل کا بچھڑے کی پرستش کے تدارک میں ایک دوسرے کو قتل کرنا

امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ، البقرہ: ۵۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو حکم دیا کہ تم نے بچھڑے کی عبادت کر کے جو گناہ کیا ہے، اس کی تلافی اس طرح ہوگی کہ تم اپنی جانوں کو قتل کرو، پھر جن لوگوں نے بچھڑے کی عبادت کی تھی وہ دو زانو ہو کر بیٹھ گئے اور جن لوگوں نے بچھڑے کی عبادت نہیں کی تھی وہ اپنے ہاتھوں میں خنجر لے کر کھڑے ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر سخت اندھیرا مسلط کر دیا تھا تاکہ قتل کرنے والے مقتولین کو نہ دیکھ سکیں، پھر جنہوں نے بچھڑے کی عبادت نہیں کی تھی انہوں نے بچھڑے کی عبادت کرنے والوں کو قتل کیا اور اس دن ستر ہزار بنی اسرائیل قتل کر دیئے گئے اور جو بنی اسرائیل مقتول ہوئے یہ ان کی توبہ قرار پائی

اور جو باقی بچ گئے ان کی بھی بالتبع توبہ ہوگئی۔ (جامع البیان: ۸۶۰، ج ۱ ص ۴۰۸، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

آیتِ مذکورہ میں اپنی جانوں کو قتل کرنے کے حکم سے مراد اپنی جانوں پر اللہ تعالیٰ کے پُر مشقت اور سخت احکام کو لاگو کرنا

امام ابو منصور محمد بن محمد الماتریدی الحنفی المتوفی ۳۳۳ھ، البقرہ: ۵۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ہر چند کہ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں قتل کرنے کے حکم سے مراد حقیقتاً قتل کرنا ہے لیکن ہمارے نزدیک اس کی یہ تفسیر صحیح نہیں ہے، کیونکہ بنی اسرائیل کو ان کی توبہ کرنے اور بچھڑے کی عبادت سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کی طرف رجوع کرنے کے بعد یہ حکم دیا گیا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ (الاعراف: ۱۴۹)

اور جب وہ (بچھڑے کی پرستش کرنے والے) نادم ہوگئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ وہ گمراہ ہو چکے ہیں تو انہوں نے کہا: اگر ہم پر ہمارا رب رحم نہ فرمائے اور ہماری مغفرت نہ فرمائے تو ضرور بہ ضرور ہم تباہ و برباد ہونے والوں میں سے ہو جائیں گے ۝

اس آیت سے واضح ہو گیا کہ بچھڑے کی پرستش کرنے والے بنو اسرائیل نے قتل کا حکم دیا جانے سے پہلے توبہ کر لی تھی، نیز قتل کرنا کفر کی سزا ہے اسلام لانے کی سزا نہیں ہے، کیونکہ اسلام قتل کو ساقط کرتا ہے اور جس شخص کو اس کے کفر کی وجہ سے قتل کرنے کا حکم ہو تو جب وہ اسلام قبول کر لے تو اس سے قتل کا حکم ساقط ہو جاتا ہے اور زائل ہو جاتا ہے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ (البقرہ: ۸۴)

اور (اے بنی اسرائیل! وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا تھا کہ تم اپنوں کا خون نہ بہانا۔

سو اس میثاق میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ ایک دوسرے کو قتل نہ کریں۔

ان دلائل کی وجہ سے واجب ہے کہ ان بنی اسرائیل کو توبہ کرنے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کی طرف رجوع کرنے کے بعد دنیا میں قتل کرنے کا حکم نہ دیا گیا ہو۔ اور البقرہ: ۵۴ میں جو انہیں ایک دوسرے کو قتل کرنے کا حکم ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پُر مشقت اور سخت عبادت انجام دے کر اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالیں اور مصائب اور مشکلات کو برداشت کریں کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بچھڑے کی عبادت کر کے اللہ تعالیٰ کی سخت نافرمانی کی تھی۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو بطورِ آزمائش ایک دوسرے کو قتل کرنے کا حکم دیا ہو جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بطورِ آزمائش حکم دیا تھا کہ وہ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل کو ذبح کر دیں۔ تیسری توجیہ یہ ہے کہ انہیں یہ حکم دیا تھا کہ وہ اپنے آپ کو قتل کے لیے پیش کر دیں اور اللہ کے حکم کو تسلیم کر لیں، پس گویا کہ انہوں نے اپنے آپ کو قتل کر دیا۔ چوتھی توجیہ یہ ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور جہاد کے نتیجہ میں اپنے آپ کو قتل کے لیے پیش کر دیں، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ

بے شک اللہ نے ایمان والوں سے ان کی جانوں اور ان کے

بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۭ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ (التوبۃ:۱۱۱) مالوں کو اس کے عوض خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی، یہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، پس (کبھی کفار کو) قتل کر دیتے ہیں اور (کبھی خود کفار کے ہاتھوں) قتل کر دیئے جاتے ہیں۔

اور اگر اس آیت کو اس پر محمول کیا جائے کہ بنی اسرائیل کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ حقیقتاً ایک دوسرے کو قتل کر دیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابتداءً آزمائش ہے اور ان کی نافرمانی کی سزا نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ مالک ہے وہ جو چاہے حکم فرما سکتا ہے۔

(تاویلات اہل السنۃ ج ۱ ص ۴۶۳۔ ۴۶۴)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اس وقت کو یاد کرو) جب تم نے (موسیٰ سے) کہا: اے موسیٰ! ہم اس وقت تک ہرگز آپ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہم کھلم کھلا اللہ کو نہ دیکھ لیں، سو (اس جسارت پر بجلی کی) کڑک نے تم کو پکڑ لیا اور تم اس منظر کو دیکھ رہے تھے O'' (البقرہ:۵۵)

امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ البقرہ:۵۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَ اِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً'': السدّی بیان کرتے ہیں: جب بنو اسرائیل نے بچھڑے کی عبادت کرنے پر توبہ کی اور ان کے ایک دوسرے کو قتل کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ بنو اسرائیل کے لوگوں کو لے کر اللہ کے پاس حاضر ہوں تا کہ وہ بچھڑے کی عبادت کرنے پر معذرت کریں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے ستّر معین افراد کو منتخب کر لیا، پھر ان کو لے کر اس جگہ گئے جہاں پر انہوں نے معذرت کی تو بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: ''ہم اس وقت تک ہرگز آپ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہم کھلم کھلا اللہ کو دیکھ نہ لیں'' کیونکہ آپ نے بھی اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے، پس ان کو ایک کڑک (زلزلہ) نے پکڑ لیا اور وہ سب مر گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہو کر رونے لگے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: اے میرے رب! میں بنی اسرائیل سے کیا کہوں گا جب میں ان کے پاس جاؤں گا حالانکہ تو ان کے بہترین لوگوں کو ہلاک فرما چکا ہے، سو انہوں نے کہا:

وَ اخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَ اِيَّايَ ۭ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا (الاعراف:۱۵۵) اور موسیٰ نے اپنی قوم میں سے ستّر ہزار مردوں کو ہمارے مقرر کردہ وقت (پر حاضر ہونے) کے لیے منتخب کر لیا، پھر جب ان کو زلزلہ نے پکڑ لیا تو موسیٰ نے دعا کی: اے میرے رب! اگر یہی آپ کی مشیت میں تھا تو آپ ان کو اور مجھے پہلے ہی ہلاک فرما دیتے، کیا آپ ہم میں سے جاہلوں کی حرکت کی وجہ سے ہم کو ہلاک فرما دیں گے۔

پھر اللہ جل ثناؤہٗ نے ان سب کو زندہ فرما دیا، پس ایک ایک مرد کھڑے کھڑے زندہ ہو گیا اور وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے کہ وہ کیسے زندہ کیے جا رہے ہیں۔ (جامع البیان: ۸۰۷، ج ۱ ص ۴۱۶۔ ۴۱۷، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کے دیدار کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات

امام ماتریدی حنفی متوفی ۳۳۳ھ نے لکھا ہے: معتزلہ اور خوارج وغیرہ اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کا انکار کرتے ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا دکھائی دینا ممکن ہوتا تو جن بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا مطالبہ کیا تھا اللہ تعالیٰ ان کو کڑک یا زلزلہ سے ہلاک نہ فرماتا، امام ماتریدی اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا دکھائی دینا ممکن ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا تھا: ''رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَیْكَ (الاعراف:۱۴۳)'' (اے میرے رب! مجھے اپنی ذات دکھا میں آپ کو دیکھوں گا) اور بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے مطالبہ پر اس لیے ہلاک کر دیا گیا کہ انہوں نے سرکشی اور عناد سے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا مطالبہ کیا تھا کہ جب تک ہم اللہ تعالیٰ کو دیکھ نہیں لیں گے اے موسیٰ ہم آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔

(تاویلاتِ اہل السنۃ ج۱ ص۴۶۶ ملخصاً وملتقطاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر ہم نے تمہاری موت کے بعد تم کو زندہ کر دیا تا کہ تم (اللہ) کا شکر ادا کرو○'' (البقرہ:۵۶)

''ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ'': امام عبدالرحمن بن محمد بن ادریس الرازی ابن ابی حاتم المتوفی ۳۲۷ھ، لکھتے ہیں:

الربیع بن انس نے بیان کیا: بنو اسرائیل کو ان کی موت کے بعد زندہ فرما دیا گیا، کیونکہ ان کی یہ موت ان کی سزا تھی، پھر ان کو مرنے کے بعد اس لیے زندہ فرمایا تا کہ وہ اپنی مقرر کردہ طبعی حیات کو پورا کر لیں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم: ۵۴۴، ج۱ ص۱۱۲، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم نے تم پر بادل کا سایا کر دیا اور تمہارے اوپر ''مَن اور سلویٰ'' نازل فرمایا: تم ہماری دی ہوئی پاک چیزوں میں سے کھاؤ اور انہوں نے (اپنی نافرمانی سے) ہم پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنے ہی اوپر ظلم کر رہے تھے○'' (البقرہ:۵۷)

''الغمام'' اور ''المنّ'' کے متعلق مفسرین کے اقوال

امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ البقرہ:۵۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَظَلَّلْنَا عَلَیْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَیْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی'': اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر عطا کی ہوئی نعمتوں کو شمار فرمایا کہ ان کو موت کے بعد زندہ فرمایا اور ان پر بادل کا سایا فرمایا اور ان کے کھانے کے لیے المن اور ''السلویٰ'' آسمان سے اتارا، لفظِ ''الغمام'' غمامۃ کی جمع ہے جیسے لفظ السحاب، سَحابۃ کی جمع ہے اور غمام اس چیز کو کہتے ہیں جو آسمان کو ڈھانپ لے اور دیکھنے والوں کی نگاہوں کے سامنے سَتر بن جائے، اور عرب ہر ڈھانپی ہوئی چیز کو مغموم کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ یہ بادل ان کے ساتھ میدانِ ''التِیہ'' میں تھا۔

نیز امام ابوجعفر طبری ''المن'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ برف کے ذرّات کی مثل کوئی چیز تھی اور دوسروں نے کہا: یہ کوئی

مشروب تھا، الربیع بن انس سے روایت ہے کہ ''المَن'' شہد کی طرح کوئی مشروب تھا جو بنی اسرائیل پر میدانِ ''التیہ'' میں نازل کیا جاتا تھا، وہ اس کو پانی کے ساتھ ملا کر پیتے تھے، اور دوسروں نے کہا کہ ''المَن'' شہد ہے جوان پر آسمان سے نازل ہوتا تھا، اور السدّی سے روایت ہے کہ تُرنجبین (چکوترا، بڑا لیمو) گرتا تھا (ایک قسم کی قدرتی شکر جو شبنم کی طرح پتوں سے گر کر جم جاتی تھی)۔

(جامع البیان ج۱ ص۴۱۸۔۴۲۰، دار الفکر، بیروت)

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''کُھنبی'' (سانپ کی چھتری) بھی ''المَن'' کی قسم سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لیے شفاء ہے۔ (صحیح البخاری:۴۴۷۸، صحیح مسلم:۲۰۴۹، سنن ترمذی:۲۰۶۷، سنن ابن ماجہ:۳۴۵۴)

''السلوٰی'' کے متعلق مفسرین کے اقوال

حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ ''السلوٰی'' ایک پرندہ ہے جو کبوتر کے برابر تھا، ابن جُریج نے کہا: اگر کوئی مرد ''المن'' اور ''السلوٰی'' کو ایک دن کے کھانے سے زیادہ رکھتا تو وہ سڑ جاتا تھا اور بدبودار ہو جاتا تھا، البتہ وہ جمعہ کے دن جو طعام کھاتے تھے وہ ہفتہ کے دن خراب نہیں ہوتا تھا۔ (جامع البیان ج۱ ص۴۲۵، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (یاد کرو) جب ہم نے فرمایا کہ تم اس شہر میں داخل ہو جاؤ، پھر اس میں سے جہاں سے چاہو خوب کھاؤ اور تم (شہر کے) دروازہ میں (عجز سے) سر جھکاتے ہوئے داخل ہو اور (یہ) کہتے جانا ''حِطَّةٌ'' (ہماری توبہ ہے) ہم تمہارے لیے تمہاری خطاؤں کو بخش دیں گے اور ہم عنقریب نیکوکاروں کو زیادہ اجر عطا فرمائیں گے ۝'' (البقرہ:۵۸)

''الْقَرْيَةَ'' کا لغوی اور عرفی معنی

''وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ'':

اس آیت میں ''الْقَرْيَةَ'' کا لفظ ہے، علامہ ابن منظور افریقی المتوفی ۷۱۱ھ ''الْقَرْيَةَ'' کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لغت میں ''الْقَرْيَة'' اور ''الْقِرْيَة'' دو لفظ ہیں، اس کا معنی ہے: وہ شہر یا وہ بستی جو لوگوں کی جامع ہو، الجوہری نے کہا: اس کی جمع ''القُرٰی'' خلافِ قیاس ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''اُمِرْتُ بِقَرْيَةٍ تَاْكُلُ الْقُرٰى'' (مجھے اس شہر کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا ہے جو تمام شہروں کو کھا جائے گا)۔ (صحیح البخاری:۱۸۷۱، صحیح مسلم:۱۳۸۲، مسند احمد:۷۱۹۱، موطا امام مالک:۱۶۴۰)

(لسان العرب ج۱۲ ص۹۳، دار صادر، بیروت، ۲۰۰۳ء)

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، البقرہ:۵۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس شہر کی تعیین میں متعدد اقوال ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ شہر ''اریحا'' ہے، یہ جبارین کی بستی ہے اور اس میں قوم عاد کے بقیہ لوگ رہتے تھے جن کو ''العمالقہ'' کہا جاتا تھا اور ان کا سردار عوج بن عنق تھا، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ شہر ''البلقاء'' تھا، اور مجاہد نے کہا: یہ شہر ''بیت المقدس'' تھا، اور الضحاک نے کہا: اس کا مصداق ''الرملہ'' اور ''الاردن'' اور ''الفلسطین'' ہے اور مقاتل نے کہا: اس شہر کا نام ''ایلیاء'' ہے، اور ابن کیسان نے کہا: اس کا نام ''شام'' ہے۔

''وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ '': اس شہر کے سات دروازے تھے، ان سے کہا گیا کہ اس شہر کے دروازہ میں جھکتے ہوئے حالتِ رکوع میں خضوع وخشوع کے ساتھ داخل ہو۔ اور وہب بن مُنَبِّہ نے کہا: جب تم اس شہر میں داخل ہوتو اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ شکر کرتے ہوئے داخل ہو اور کہنا ''حِطَّةٌ''، قتادہ نے کہا: اس کا معنی ہے کہ ہم سے ہماری خطاؤں کو ساقط کر دے اور ان کو استغفار کرنے کا حکم دیا گیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''حِطَّةٌ'' سے مراد ہے ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' پڑھتے ہوئے شہر میں داخل ہونا، کیونکہ یہ کلمہ طیبہ گناہوں کو ساقط کر دیتا ہے اور قرآن مجید میں ''حِطَّة'' پر پیش اس لیے ہے کہ یہ اصل میں ''حِطَّةُ مَسْئَلَتِنَا'' ہے یعنی ہمارا یہ سوال ہے کہ ہمارے گناہوں کو ساقط کر دیا جائے، اور جب تم اس طرح کہو گے تو ہم تمہاری خطاؤں کی مغفرت فرمادیں گے، مغفرت کا لفظ ''الغفر'' سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے ''السَّتر'' پس مغفرت کا معنی ہے: گناہوں پر پردہ رکھنا اور فرمایا: ''ہم عنقریب نیکوکاروں کو زیادہ اجر عطا فرمائیں گے''۔

(معالم التنزیل ج ۱ ص ۱۲۰۔۱۲۱، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''سو ظالموں نے اس قول کو جو اُن سے کہا گیا تھا دوسرے قول کے ساتھ تبدیل کر دیا تو ہم نے ان ظالموں پر (ان کی مسلسل) نافرمانیوں کے سبب سے آسمان سے عذاب فرمایا O'' (البقرہ:۵۹)

''فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ '':

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بنی اسرائیل سے کہا گیا تھا کہ دروازۂ شہر میں جھکتے ہوئے داخل ہونا اور ''حِطَّةٌ'' کہنا، سوانہوں نے اس حکم کو تبدیل کر دیا، پس وہ شہر میں اپنی سرین کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے اور انہوں نے کہا: ''حَبَّةٌ فِيْ شَعْرَة'' (دانہ جَو میں)۔ (صحیح البخاری: ۳۴۰۳، صحیح مسلم: ۳۰۱۵، سنن ترمذی: ۲۹۵۶، سنن ابوداؤد: ۴۰۰۶)

''الرِّجز'' کے معنی کی تحقیق

امام ابوجعفر طبری لکھتے ہیں:

''فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ '': لغتِ عرب میں ''الرِّجز'' کا معنی ہے العذاب، اور یہ ''الرجز'' کا غیر ہے جس کا معنی ہے بُت، اور یہاں ''رِجز'' سے مراد طاعون ہے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۴۳۵، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ الزبیدی المتوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

''الرِّجز'' اور ''الرُّجز'' ان دونوں لفظوں کا معنی گندگی اور ناپاکی ہے اور یہ ''الرِّجس'' کی مثل ہے، اور ''الرُّجز'' کا معنی بتوں کی عبادت ہے، ارشاد باری ہے: ''وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۞ ۔۔۔ (المدثر:۵)'' (اور (حسبِ سابق) بتوں کو چھوڑے رکھیے O)، ایک قول یہ ہے کہ رِجز وہ برا عمل ہے جو عذاب تک پہنچاتا ہے اور لغت میں ''الرِّجز'' کا معنی مضطرب ہونا اور مسلسل حرکت کرنا ہے۔

(تاج العروس ج ۸ ص ۸۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۳ھ)

حضرت سعد بن مالک، حضرت خزیمہ بن ثابت اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''الطاعون'' رجز ہے یا ایسا عذاب ہے جس کے ساتھ ایک قوم کو عذاب دیا گیا تھا، پس جب کسی علاقہ میں طاعون کی بیماری ہو اور تم

اس علاقہ میں ہو تو وہاں سے نہ نکلو اور جب تم یہ سنو کہ کسی علاقہ میں طاعون ہے تو اس علاقہ میں داخل نہ ہو۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۱۳: ۲۱۸۶۰، التاریخ الکبیر للبخاری ج ۱ ص ۲۸۸، مسند البزار: ۲۶۰۷، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے سوال کیا، آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے طاعون کے متعلق کیا سنا ہے؟ تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "طاعون رِجس (عذاب) ہے جو بنی اسرائیل کی ایک جماعت پر نازل کیا گیا تھا، یا تم سے پہلے لوگوں پر نازل کیا گیا تھا، پس جب تم یہ سنو کہ کسی علاقہ میں طاعون ہے تو اس علاقہ میں داخل نہ ہو اور جب تم کسی علاقہ میں ہو اور وہاں طاعون واقع ہو تو طاعون سے بھاگنے کے لیے اس علاقہ سے نہ نکلو"۔

(صحیح البخاری: ۳۴۷۳، صحیح مسلم: ۲۲۱۸، سنن ترمذی: ۱۰۶۵، مسند احمد: ۲۱۲۵۶، موطا امام مالک: ۱۲۵۶)

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۶۰﴾

اور (یاد کیجیے) جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی (کے حصول) کی دعا کی، پس ہم نے فرمایا: آپ اپنا عصا فلاں پتھر پر ماریں، سو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے، بے شک (بنی اسرائیل کے) ہر قبیلہ نے اپنے اپنے پانی پینے کی جگہ (گھاٹ) کو جان لیا، تم سب اللہ کے رزق سے کھاؤ اور پیو اور زمین میں دہشت گردی کرتے ہوئے نہ پھرو O

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۚ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ ع

اور (اے بنی اسرائیل! یاد کرو:) جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم ایک قسم کے کھانے پر ہرگز قناعت نہیں کر سکیں گے، سو آپ اپنے رب سے ہمارے لیے دعا کیجیے کہ ("المن والسلوىٰ" کے بجائے) وہ ہمارے لیے وہ چیزیں نکالے جن کو زمین اگاتی ہے یعنی سبزی اور ککڑی اور گندم اور مسور اور پیاز، (موسیٰ نے) کہا: کیا تم عمدہ چیز کے مقابلہ میں کم تر چیز لینا چاہتے ہو؟ تم کسی شہر میں چلے جاؤ وہاں تم کو وہ چیزیں مل جائیں گی جن کا تم نے سوال کیا ہے، اور ان پر ذلت اور محتاجی مسلّط کر دی گئی اور وہ اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹے کیونکہ وہ اللہ کی نشانیوں کا کفر کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کر ڈالتے تھے اور یہ (سب) اس وجہ سے ہوا کہ وہ (اللہ

کی) نافرمانی کرتے تھے اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھےO

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (یاد کیجئے) جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی (کے حصول) کی دعا کی، پس ہم نے فرمایا: آپ اپنا عصا فلاں پتھر پر ماریں، سو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے، بے شک (بنی اسرائیل کے) ہر قبیلہ نے اپنے اپنے پانی پینے کی جگہ (گھاٹ) کو جان لیا، تم سب اللہ کے رزق سے کھاؤ اور پیؤ اور زمین میں دہشت گردی کرتے ہوئے نہ پھروO'' (البقرہ: ۶۰)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کی تاریخی حیثیت

امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ البقرہ: ۶۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اِضْرِبْ بِّعَصَاكَ'' مقاتل نے بیان کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ عصا جنت کے درختِ آس کا تھا، اس کا طول دس ہاتھ تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قامت کے برابر تھا اور اس عصا کی دو شاخیں تھیں جو اندھیرے میں نور بن جاتی تھیں، حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس درخت کو جنت سے لائے تھے، پھر انبیاء علیہم السلام اس عصا کے وارث ہوتے رہے حتیٰ کہ یہ عصا حضرت شعیب علیہ السلام تک پہنچا، سو انہوں نے یہ عصا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا کر دیا۔

اس پتھر کا بیان جس سے بارہ چشمے پھوٹے تھے

''اَلْحَجَرَ'' اس پتھر کی تعیین میں مفسرین کا اختلاف ہے، وہب بن مُنَبِّہ نے کہا: یہ کوئی معیّن پتھر نہیں تھا بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جس پتھر پر بھی اپنا عصا مارتے تو اس سے چشمے پھوٹ پڑتے۔ ہر چشمہ سے نکلا ہوا پانی ایک نہر کی طرف جاتا تھا اور اس نہر سے بنی اسرائیل کے قبیلے پانی پیتے تھے، حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے اور ہر بیٹے کی نسل سے ایک قبیلہ تھا، سو ان بارہ قبائل میں سے ہر قبیلہ نے اپنے اپنے پانی پینے کی جگہ کو جان لیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ ایک مُعیّن پتھر تھا (کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ''الحجر'' معرفہ فرمایا ہے)، انہوں نے بتایا کہ یہ انسان کے سر کے برابر ایک چوکور پتھر تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کو اپنے پاس رکھتے تھے، جب انہیں پانی کی ضرورت ہوتی تو اس پتھر پر اپنا عصا مارتے۔ عطاء بن ابی رباح نے کہا: اس پتھر کے چار چہرے اور تین آنکھیں تھیں اور ہر قبیلہ کے لیے ایک آنکھ تھی، ان چشموں سے ہر دن چھ لاکھ بنو اسرائیل پانی پیتے تھے۔

اور سعید بن جبیر نے کہا: یہ وہی پتھر ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لے کر بھاگ گیا تھا، (حدیث میں ہے:) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بنی اسرائیل برہنہ غسل فرماتے تھے اور ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہتے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام تنہائی میں غسل کرتے تھے تو بنی اسرائیل نے کہا: اللہ کی قسم! موسیٰ کو ہمارے ساتھ غسل کرنے سے اور کوئی چیز مانع نہیں ہے سوا اس کے کہ ان کے خصیے بہت بڑے ہیں، پس ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام غسل فرمار ہے تھے تو انہوں نے اپنے کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیے، سو وہ پتھر ان کے کپڑے لے کر بھاگ گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے یہ کہتے ہوئے بھاگے: اے پتھر! میرے کپڑے دے! حتیٰ کہ بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ لیا پس وہ آپس میں کہنے لگے: اللہ کی قسم!

موسیٰ میں تو کوئی عیب نہیں ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کپڑے پتھر سے لے لیے اور اس پر اپنا عصا مارنے لگے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا: اللہ کی قسم! حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مارنے سے اس پتھر پر چھ یا سات نشان پڑ گئے تھے۔
(صحیح البخاری: ٢٧٨، صحیح مسلم: ٣٣٩، سنن ترمذی: ٣٢٢١، مسند احمد: ٢٧٣٩٠)

اس حدیث کی تصدیق درج ذیل آیت میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ۭ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ۝ (الاحزاب: ٦٩)

اے ایمان والو! ان لوگوں کی مثل نہ ہو جانا جنہوں نے موسیٰ کو اذیت پہنچائی تھی سو اللہ نے موسیٰ کو اس عیب سے بری فرما دیا جو لوگوں نے ان کے متعلق کہا تھا، اور وہ اللہ کے نزدیک بہت خوبرو تھے O

ایک پتھر سے بارہ چشمے پھوٹنے اور اس سے بارہ نہریں بھر جانے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں

''فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا'':

امام ابو منصور محمد بن محمد الماتریدی الحنفی المتوفی ٣٣٣ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا سے نہایت عجیب نشانیاں ظاہر فرمائیں، وہ عصا اژدھا بن جاتا تھا:

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ۝ (الشعراء: ٣٢)

پس موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا سو وہ یک بہ یک ایک نمایاں اژدھا بن گیا O

نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمندر (بحرِ قلزم) پر اپنا عصا مارا تو وہ پھٹ گیا اور بارہ حصوں میں منقسم ہو گیا، ارشادِ باری ہے:

فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۭ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ۝ (الشعراء: ٦٣)

پس ہم نے موسیٰ کی طرف وحی فرمائی کہ آپ اپنا عصا سمندر پر ماریں تو یکا یک سمندر پھٹ گیا اور اس کا ہر حصہ بڑی پہاڑی کی مثل تھا O

اور یہاں البقرہ: ٦٠ میں فرمایا ہے ''پس ہم نے فرمایا: آپ اپنا عصا فلاں پتھر پر ماریں، سو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے، بے شک (بنی اسرائیل کے) ہر قبیلہ نے اپنے اپنے پانی پینے کی جگہ (گھاٹ) کو جان لیا''۔

عصا کو پتھر پر مارنے اور اس سے چشموں کے پھوٹنے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے: (١) اس نشانی میں اس جہان کے حادث ہونے اور عدم سے وجود میں آنے کی دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ایک ایسے چھوٹے پتھر سے جس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جا سکتا تھا بارہ چشمے نکال دیے اور ان سے بارہ نہریں بھر دیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بارہ میل پر پھیلی ہوئی تھی اور ان کی تعداد چھ لاکھ تھی، وہ سب اس پتھر سے نکالے ہوئے پانی سے سیراب ہو گئے، اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ وہ تمام پانی اس چھوٹے سے پتھر کے اندر موجود ہو، اس سے واضح ہوا کہ اس پانی کو اللہ تعالیٰ عدم سے وجود میں لایا ہے، سو جو ذات ایک چھوٹے سے پتھر سے اتنا پانی نکال سکتی ہے جس سے چھ لاکھ افراد سیراب ہو جائیں، اس کا اس جہان کو عدم سے وجود میں لانا کب مستبعد ہو سکتا ہے! (٢) اس واقعہ میں قیامت کے بعد دوبارہ لوگوں کے زندہ کرنے پر دلیل ہے

کیونکہ جوذات ایک چھوٹے سے پتھر سے اتنا کثیر پانی نکال سکتی ہے وہ اس جہان کو فنا کرنے کے بعد دوبارہ اس جہان کو پیدا کرنے پر بہ طریقِ اولیٰ قادر ہے۔ (تاویلات اہل السنۃ ج اص ۱۷۴۔۱۷۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پتھر سے پانی نکالنے کے معجزہ اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری کرنے کے معجزہ میں تقابل

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مقامِ زوراء (مدینہ کے بازار) میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک برتن لایا گیا، آپ نے اس برتن میں اپنا ہاتھ رکھا تو آپ کی انگلیوں سے (چشمہ کی طرح) پانی اُبل کر نکلنے لگا، سوتمام لوگوں نے وضو کرلیا، قتادہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ لوگوں کی اس وقت کتنی تعداد تھی؟ انہوں نے بتایا: ہم لوگ تین سو تھے یا تین سو کے لگ بھگ تھے۔

(صحیح البخاری: ۳۵۷۲، صحیح مسلم: ۲۲۷۹، مسند احمد: ۱۲۳۳۱)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ (صُلح) حدیبیہ کے دن مسلمان پیاسے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے چمڑے کا ایک چھوٹا سا ڈول تھا، آپ نے اس سے وضو فرمایا، پس لوگ اس ڈول میں سے پانی لینے کے لیے جھپٹ پڑے، آپ نے پوچھا: تمہیں کیا ہوا ہے؟ انہوں نے بتایا: ہمارے پاس وضو کرنے کے لیے اور پینے کے لیے اس ڈول کے سوا اور پانی نہیں ہے جو آپ کے سامنے ہے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ڈول میں اپنا ہاتھ رکھا تو آپ کی انگلیوں سے جوش کے ساتھ اس طرح پانی اُبلنے لگا جس طرح چشموں سے پانی اُبلتا ہے، سو ہم نے پانی پیا (بھی) اور وضو (بھی) کیا، سالم بن ابی الجعد (راوی) نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: اس وقت آپ لوگوں کی کتنی تعداد تھی؟ تو انہوں نے بتایا: اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو ہمیں وہ پانی کافی ہوجاتا، لیکن ہم پندرہ سو صحابہ تھے۔ (صحیح البخاری: ۳۵۷۶، صحیح مسلم: ۱۸۵۶، مسند احمد: ۱۴۱۱۳)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر سے پانی نکالا اور پتھر زمین کی جنس سے ہے اور زمین کے اندر عادتاً پانی ہوتا ہے جس پانی کو آلات کے ذریعہ نکالا جاسکتا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ یہ تھا کہ انہوں نے بغیر کسی آلہ کے پتھر سے پانی نکال دیا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انگلیوں سے پانی نکالا جب کہ عادتاً انگلیوں میں پانی ہوتا ہی نہیں ہے، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پتھر سے پانی نکالنا صرف ایک مرتبہ کا واقعہ ہے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد بار اپنی انگلیوں سے پانی کو جاری فرمایا، ایک مرتبہ سفر کے موقع پر جب لوگوں کے وضو کے لیے پانی نہیں تھا تو آپ کی انگلیوں سے پانی جاری ہوگیا جس سے اسّی صحابہ نے وضو کرلیا (صحیح البخاری: ۳۵۷۵) دوسری مرتبہ مقامِ زوراء میں جب لوگوں کے وضو کے لیے پانی نہیں تھا تو آپ کی انگلیوں سے پانی جاری ہوا جس سے تین سو صحابہ نے وضو کرلیا (صحیح البخاری: ۳۵۷۲) اور تیسری مرتبہ حدیبیہ میں جب لوگوں کے وضو کرنے کے لیے پانی نہیں تھا تو آپ کی انگلیوں سے پانی جاری ہوا جس سے پندرہ سو صحابہ نے وضو کیا اور اگر وہ ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ان کے وضو کے لیے کافی تھا۔ (صحیح البخاری: ۳۵۷۶)

ہر قسم کے پانی پر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لعابِ دہن کی افضلیت

دنیا کے ہر پانی سے افضل زمزم کا پانی ہے اور اس سے بھی افضل جنت کے دریاؤں کوثر و تسنیم کا پانی ہے اور اس سے بھی افضل وہ پانی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگلیوں سے جاری ہوا، کیونکہ آپ افضل الخلق ہیں اور جو آپ کی انگلیوں سے پانی جاری ہوا وہ تمام

پانیوں سے افضل ہے اور اس پانی سے بھی افضل وہ پانی ہے جو آپ کا لعابِ دہن ہے:

طاؤس بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواجِ مطہرات کے ساتھ رات کو طوافِ زیارت کیا، پھر آپ اپنی سواری پر سوار ہوئے اور حجرِ اسود کی اپنی ڈھال کے ساتھ تعظیم فرمائی، پھر آپ زمزم پر آئے، پھر آپ کے حکم سے زمزم سے ایک ڈول میں پانی نکالا گیا، آپ نے اس کا پانی پیا اور کُلی فرمائی، پھر آپ نے اس ڈول میں کُلی فرمائی، پھر اس ڈول کے پانی کو زمزم میں ڈال دیا گیا۔ (المعجم الکبیر: ١١١٦٥، تاریخ مکہ بحوالہ نصب الرایہ ج ١ ص ٥١٣)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو زمزم کے پانی میں کلی فرمائی، اس سے زمزم کی لذت دوبالا ہوگئی، اس کی شفا بالائے شفا ہوگئی، اس کا نور علیٰ نور ہوگیا اور اس کا طہور بالائے طہور ہوگیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمزم میں کُلی فرمائی تو زمزم کے پانی سے آپ کا لُعابِ دہن مخلوط ہوگیا تاکہ قیامت تک آنے والی آپ کی امت آپ کے لعابِ دہن کی برکتوں سے اور آپ کے پس خوردہ پانی کی لذتوں سے اور آپ کے طہور کی برکتوں سے محروم نہ ہو اور قیامت تک آنے والے مسلمان اس مبارک پانی کے فیوض سے فیض یاب ہوتے رہیں، آپ نے اپنی امتِ مرحومہ پر جو یہ شفقت اور رحمت اور عنایت فرمائی، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو اپنی امت سے کتنی محبت ہے، جب آپ نے دنیا میں اپنی امت کا اتنا خیال رکھا ہے تو ایمانِ کامل اور یقینِ واثق ہے کہ قیامت میں بھی آپ اپنی امت پر توجہ فرمائیں گے اور جس طرح دنیا میں زمزم کے پانی کی صورت میں اپنا تبرک عطا فرمایا ہے، قیامت کے دن ہمیں کوثر و تسنیم سے سیراب فرمائیں گے، سو آپ پر ہمارے آباء اور اُمّہات فدا ہوں اور اللہ تعالیٰ قیامت تک آپ پر اور آپ کی آل و اصحاب پر اور آپ کی ازواج پر صلوٰۃ و سلام نازل فرماتا رہے۔

''كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ '' یعنی ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ تم ''المن'' اور ''السلویٰ'' کھاؤ اور ان چشموں سے پانی پیو اور ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے تمہیں بغیر کسی مشقت کے عطا فرمایا ہے۔

اس آیت میں ''وَلَا تَعْثَوْا'' کا لفظ ہے، یہ لفظ ''عثّی'' سے بنا ہے، اس کا معنی ہے: بہت زیادہ فساد کرنا۔

(معالم التنزیل ج ١ ص ١٢١۔ ١٢٢، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ١٤٢٠ھ)

انگریزی زبان میں قرآن کریم کا قدیم ترین ترجمہ جارج سیل نے کیا ہے، وہ اس مقام کے حاشیہ پر لکھتا ہے: ''ایک مسیحی سیاح جو وہاں سے ہو کر آیا ہے اس نے صراحت سے لکھا ہے کہ اس چٹان سے بارہ مقامات سے پانی نکلتا تھا''۔ یہ قرآنِ مجید کا معجزہ ہے کیونکہ سب سے پہلے قرآنِ کریم ہی نے حتمی طور پر بنی اسرائیل کے بارہ قبائل کے لیے بارہ چشموں کی تعداد بیان فرمائی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے بنی اسرائیل! یاد کرو:) جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم ایک قسم کے کھانے پر ہرگز قناعت نہیں کرسکیں گے، سو آپ اپنے رب سے ہمارے لیے دعا کیجئے کہ: (''المن والسلویٰ'' کے بجائے) وہ ہمارے لیے وہ چیزیں نکالے جن کو زمین اگاتی ہے یعنی سبزی اور ککڑی اور گندم اور مسور اور پیاز، (موسیٰ نے) کہا: کیا تم عمدہ چیز کے مقابلہ میں کم تر چیز لینا چاہتے ہو؟ تم کسی شہر میں چلے جاؤ وہاں تم کو وہ چیزیں مل جائیں گی جن کا تم نے سوال کیا ہے، اور ان پر ذلّت اور محتاجی مسلّط کردی گئی اور وہ اللہ کے غضب کے ساتھ

لوٹے کیونکہ وہ اللہ کی نشانیوں کا کفر کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کر ڈالتے تھے اور یہ (سب) اس وجہ سے ہوا کہ وہ (اللہ کی) نافرمانی کرتے تھے اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے O'' (البقرہ:۶۱)

بنی اسرائیل کے ''المنّ والسلویٰ'' سے اکتانے پر تورات کی شہادت

''یُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ'' بنو اسرائیل ''المن'' (ترنجبین) اور ''السلویٰ'' (بٹیر) کھاتے کھاتے اُکتا گئے اور وہ چونکہ مصر کے باشندے تھے اور مصر میں زیادہ تر سبزیاں کھائی جاتی ہیں، اس لئے انہوں نے زمین کی پیداوار میں سے متعدد سبزیوں کا مطالبہ کیا، تورات میں لکھا ہوا ہے:

''اور جو ملی جلی بھیڑ ان لوگوں میں تھی وہ طرح طرح کی حرص کرنے لگی اور بنی اسرائیل بھی پھر رونے اور کہنے لگے کہ ہم کو کون گوشت کھانے کو دے گا O ہم کو وہ مچھلی یاد آتی ہے جو ہم مصر میں مُفت کھاتے تھے اور ہائے وہ کھیرے اور وہ خربوزے اور وہ گندنے اور پیاز اور لہسن O لیکن اب تو ہماری جان خشک ہو گئی O یہاں کوئی چیز میسر نہیں اور مَنّ کے سوا ہم کو اور کچھ دکھائی نہیں دیتا O

(پرانا عہد نامہ، گنتی، باب ۱۱ آیت: ۴، بائبل سوسائٹی انارکلی، لاہور)

واضح رہے کہ قرآنِ مجید میں مذکور ہے ''وَ فُوْمِهَا'' اور فُوم کا معنی گندم بھی ہے اور لہسن بھی ہے۔

''اِهْبِطُوْا مِصْرًا'' اس سے مراد مشہور و معروف ملکِ مصر نہیں ہے بلکہ اس سے مراد جزیرہ نمائے سینا یا اس کے مضافات کا کوئی آباد شہر ہے۔

مصر کا لغوی اور عرفی معنی

السید محمد مرتضیٰ بن محمد الحسینی الزبیدی الحنفی المتوفی ۱۲۰۵ھ مصر کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

دو چیزوں کے درمیان حاجز اور حد کو مصر کہتے ہیں اور مشہور مُلک کا نام بھی مصر ہے، اس کو مصر اس لیے کہتے ہیں کہ اس مُلک کو المصر بن نوح علیہ السلام نے آباد کیا تھا اور ''الروض الأنف'' میں مذکور ہے: اس مُلک کے بانی کے نام پر اس کا نام رکھا گیا اور ہمارے شیخ نے الجاحظ سے نقل کیا ہے کہ مَصیر کا معنی ہے: رجوع کرنے کی جگہ، تو چونکہ لوگ متمدن دنیا میں آباد ہونے کے لیے اس ملک کی طرف رجوع کرتے تھے اس لیے اس کا نام مصر رکھا گیا۔ (تاج العروس ج ۷ ص ۶۷۔۶۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۳ھ)

''وَ ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَ الْمَسْكَنَةُ وَ بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ'' (اوران پر ذلّت اور محتاجی مسلّط کردی گئی اور وہ اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹے)۔

بنی اسرائیل پر مسلط کی ہوئی ''المسکنۃ'' پر ایک سوال کا جواب

اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ یہودی تو دنیا میں سب سے زیادہ سرمایہ دار قوم ہے تو ان کے متعلق یہ کہنا کس طرح درست ہوگا کہ ان پر ذلت اور محتاجی مسلط کردی گئی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ دولت اور ثروت جس قدر ہے وہ صرف یہود کے اکابر اور مشاہیر میں منحصر ہے ورنہ یہود کے عوام دنیا کے مفلس ترین لوگوں میں سے ہیں، جیوش انسائیکلو پیڈیا میں مذکور ہے: گو یہود کا تموّل ضرب المثل کی حد تک شہرت پا چکا ہے، لیکن اہل

تحقیق کا اتفاق ہے کہ یہود یورپ کے جس جس ملک میں آباد ہیں وہاں کی آبادی میں ان ہی کے مفلسوں کا تناسب بڑھا ہوا ہے''۔ (جیوش انسائیکلو پیڈیا ج ۱۰ ص ۱۵۱)، عوام یہود دوسری قوموں سے کہیں زیادہ غریب ہیں یہ اور بات ہے کہ ان کے چند افراد بہت زیادہ دولت مند ہیں۔ (جیوش انسائیکلو پیڈیا ج ۱ ص ۶۱)

بنی اسرائیل پر مسلط کی ہوئی ذلت کی تفسیر

امام ابن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

حسن بصری المتوفی ۱۱۰ھ نے کہا: اس آیت میں ذلت سے مراد الجزیہ ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ لَا یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى یُعْطُوا الْجِزْیَةَ عَنْ یَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ ۝ (التوبہ:۲۹)

اہلِ کتاب سے اس وقت تک قتال کرتے رہو حتیٰ کہ وہ احساسِ ذلت کے ساتھ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں یہ لوگ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے اور نہ ان چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں جن کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام فرمایا ہے اور وہ دینِ حق کو قبول نہیں کرتے O

اور ''المسکنۃ'' کی تفسیر میں دو قول ہیں: ابو العالیہ اور ابو عبیدہ نے کہا: اس سے مراد فقر اور فاقہ ہے اور الزجاج نے کہا: اس سے مراد ان کا عاجز ہونا ہے۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۷۲، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

''ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ'' (کیونکہ وہ اللہ کی نشانیوں کا کفر کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کر ڈالتے تھے)۔

وہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا کفر کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں سے مراد انبیاء علیہم السلام پر نازل کی ہوئی آسمانی کتابیں ہیں اور ان کے معجزات ہیں یا قرآنِ مجید ہے، اور فرمایا ''اور وہ نبیوں کو ناحق قتل کر ڈالتے تھے'' انبیاء علیہم السلام کے قتل کو ناحق اس لیے فرمایا کہ اگرچہ فی نفسہٖ قتلِ انبیاء علیہم السلام ناحق ہے لیکن بنو اسرائیل کے نزدیک اور ان کے زعم میں بھی یہ قتل ناحق تھا۔

بنو اسرائیل کا انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنا

امام عبد الرحمٰن بن محمد بن ادریس الرازی ابن ابی حاتم المتوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے ایک دن کے اول وقت میں تین سو نبیوں کو قتل کیا، پھر دن کے آخری حصہ میں قتل کرنے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱ ص ۱۲۶، رقم: ۶۳۲، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

میں کہتا ہوں: اگرچہ بعض معتبر کتبِ تفسیر میں یہ روایت ہے مگر درایتاً یہ روایت صحیح نہیں ہے، صحیح وہ ہے جو علامہ نسفی نے لکھا ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

علامہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی المتوفی ۷۱۰ھ لکھتے ہیں: بنو اسرائیل نے شعیاء نبی کو قتل کیا، زکریا نبی کو قتل کیا اور یحییٰ نبی صلوات اللہ علیہم کو قتل کیا۔ (مدارک التنزیل وحقائق التاویل ج ۱ ص ۹۴، دار ابن کثیر، بیروت ۱۴۳۲ھ)

بنی اسرائیل کے نبیوں کو قتل کرنے کے متعلق تورات اور انجیل میں تصریح

موجودہ تورات میں بھی مذکور ہے:

''تو بھی وہ نافرمان ہو کر تجھ سے باغی ہوئے اور انہوں نے تیری شریعت کو پیٹھ پیچھے پھینکا اور تیرے نبیوں کو جو ان کے خلاف گواہی دیتے تھے تاکہ ان کو تیری طرف پھرا لائیں قتل کیا اور انہوں نے غصہ دلانے کے بڑے بڑے کام کئے O''

(پرانا عہد نامہ، نحمیاہ باب: ۹ آیت: ۲۶، بائبل سوسائٹی انارکلی، لاہور)

موجودہ انجیل میں بھی مذکور ہے:

''اے ریاکار فقیہو اور فریسیو تم پر افسوس! کہ نبیوں کی قبریں بناتے ہو اور راستبازوں کے مقبرے آراستہ کرتے ہو O اور کہتے ہو کہ اگر ہم اپنے باپ دادا کے زمانہ میں ہوتے تو نبیوں کے خون میں ان کے شریک نہ ہوتے O اس طرح تم اپنی نسبت گواہی دیتے ہو کہ تم نبیوں کے قاتلوں کے فرزند ہو O''۔ (نیا عہد نامہ، متی باب ۲۳ آیت: ۲۹، ۳۰، ۳۱، بائبل سوسائٹی انارکلی، لاہور)

''النَّبِی'' کا لغوی، عرفی اور شرعی معنی

اس آیت میں ''النَّبِیّٖنَ'' کا لفظ ہے، اس کا واحد ''النَّبِیءُ'' ہے، علامہ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ اس کے معنی کے متعلق لکھتے ہیں: یہ فعیل کا وزن ہے اور مُفْعِلٌ کے معنی میں ہے، اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دینے والا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی کو اپنی توحید کی خبر دی اور اس کو اپنے غیب پر مطلع فرمایا اور اس کو یہ علم عطا فرمایا کہ وہ اللہ کا نبی ہے۔ اور اگر اس کے آخر میں ہمزہ نہ ہو بلکہ یاء ہو جیسا کہ حدیث میں ہے ''اَللّٰھُمَّ آمَنْتُ بِکِتَابِکَ الَّذِیْ اَنْزَلْتَ وَبِنَبِیِّکَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ'' (اے اللہ! میں آپ کی اس کتاب پر ایمان لایا جس کو آپ نے نازل فرمایا اور آپ کے اس نبی پر ایمان لایا جس کو آپ نے بھیجا)۔ (صحیح البخاری: ۷۴۸۸، صحیح مسلم: ۲۷۱۰، سنن ترمذی: ۳۵۷۴، سنن ابوداؤد: ۵۰۴۶، سنن ابن ماجہ: ۳۸۷۶)، اور ''نَبِیٌّ'' کی جمع ''اَنْبِیَاء'' ہے اور یہ جمع مکسّر ہے اور اس کی جمع سالم ''نَبِیِّیْن'' ہے۔ اور ''النَّبِیُّ'' کا معنی ہے راستہ، کیونکہ ''نبی'' اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچانے والا واضح راستہ ہے، اور لسان العرب میں مذکور ہے ''نُبُوءٌ'' کا معنی ہے: جو بلند ہے (اور نبی کو نبی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اپنی امت پر بلند ہوتا ہے)۔

(تاج العروس من جواہر القاموس ج ۱ ص ۲۹۵ ـ ۲۹۸ ملخصاً وملتقطاً ومخرجاً وموضحاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۳ھ)

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِـِٕیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾

بے شک جو لوگ (صحیح) ایمان لائے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور صابئین، (ان میں سے) جو بھی اللہ پر ایمان لایا اور قیامت کے دن پر (ایمان لایا) اور اس نے نیک عمل کئے تو ان (سب) کے لیے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے اور نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ (کبھی) غمگین ہوں گے O

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَاۤ اٰتَیْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا

فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾

اور (اے بنی اسرائیل! اس وقت کو) یاد کرو جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا تھا اور ہم نے پہاڑ طور کو تمہارے اوپر اٹھا لیا تھا کہ ہم نے تم کو جو (کتاب یا احکام) دیے ہیں ان کو اخلاص سے مانو اور پوری قوت کے ساتھ ان پر عمل کرو اور جو کچھ اس میں مذکور ہے اس کو یاد رکھو تا کہ تم متقی بن جاؤ O

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٦٤﴾

پھر اس (اقرار) کے بعد تم اس سے منحرف ہو گئے، پس اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم ضرور تباہ و برباد ہونے والوں میں سے ہو جاتے O

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٔيْنَ ﴿٦٥﴾ ۚ

اور بے شک تم ان لوگوں (کے انجام) کو خوب جانتے ہو جنہوں نے تم میں سے ہفتہ کے دن حد سے تجاوز کیا تھا، سو ہم نے ان سے کہا: تم دھتکارے ہوئے بندر بن جاؤ O

فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٦﴾

پس ہم نے (ان کی سزا کے) اس (واقعہ) کو اس وقت کے موجودہ لوگوں اور بعد میں آنے والے لوگوں کے لیے موجبِ عبرت اور اللہ سے ڈرتے رہنے والوں کے لیے نصیحت بنا دیا O

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۭ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿٦٧﴾

اور (اس وقت کو یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: "اللہ تمہیں ایک گائے کو ذبح کرنے کا حکم فرماتا ہے" ان لوگوں نے کہا: کیا آپ ہم سے مذاق کر رہے ہیں؟ (حضرت موسیٰ نے) کہا: میں اس سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں کہ میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں O

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۭ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ۭ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ۭ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿٦٨﴾

ان لوگوں نے کہا: آپ ہماری خاطر اپنے رب سے دعا کیجیے کہ وہ ہمیں یہ بتائے کہ وہ گائے کیسی ہو؟ (موسیٰ نے) کہا: بے شک وہ (اللہ) ارشاد فرماتا ہے کہ: "وہ ایسی گائے ہو جو نہ بوڑھی ہو اور نہ بچھیا ہو (بلکہ) ان دونوں کی عمروں کے درمیان متوسط عمر کی ہو" سو اب تم اس پر عمل کرو جس کا تمہیں حکم فرمایا گیا ہے O

قَالُوا ادۡعُ لَنَا رَبَّكَ یُبَیِّنۡ لَّنَا مَا لَوۡنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ یَقُوۡلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفۡرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوۡنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِیۡنَ ﴿٦٩﴾

ان لوگوں نے کہا: آپ ہماری خاطر اپنے رب سے یہ دعا کیجئے کہ وہ ہمیں بتائے کہ وہ کیسے رنگ کی گائے ہو؟ (موسیٰ نے کہا:) بے شک وہ (اللہ) فرماتا ہے کہ ''وہ خوب چمک دار زرد رنگ کی ایسی گائے ہو جس سے دیکھنے والے خوش ہوں'' O

قَالُوا ادۡعُ لَنَا رَبَّكَ یُبَیِّنۡ لَّنَا مَا هِیَ ۙ اِنَّ الۡبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَیۡنَا ؕ وَاِنَّاۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهۡتَدُوۡنَ ﴿٧٠﴾

ان لوگوں نے کہا: آپ ہماری خاطر اپنے رب سے یہ دعا کیجئے کہ وہ ہمیں واضح طور سے بتائے کہ وہ اور کیسی گائے ہو؟ کیونکہ ہم پر گائیں مشتبہ ہوگئی ہیں اور بے شک اگر اللہ نے چاہا تو ہم ضرور (اس گائے کے متعلق) ہدایت پالیں گے O

قَالَ اِنَّهٗ یَقُوۡلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوۡلٌ تُثِیۡرُ الۡاَرۡضَ وَلَا تَسۡقِی الۡحَرۡثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِیَةَ فِیۡهَا ؕ قَالُوا الۡـٰٔنَ جِئۡتَ بِالۡحَقِّ ؕ فَذَبَحُوۡهَا وَمَا كَادُوۡا یَفۡعَلُوۡنَ ﴿٧١﴾

(موسیٰ نے) کہا: بے شک وہ (اللہ) فرماتا ہے کہ: ''وہ ایسی گائے ہے جو نہ محنت ومشقت کی ذلت اٹھانے والی ہے کہ زمین میں ہل چلاتی ہے اور نہ کھیت کو پانی دیتی ہے، (ہر عیب) سے سلامت ہے اور اس میں کوئی داغ اور دھبہ نہیں ہے'' ان لوگوں نے کہا: اب آپ نے پوری بات بتائی، سوانہوں نے اس گائے کو ذبح کر دیا اور وہ اس کام کو تقریباً نہ کرنے والے تھے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک جو لوگ (صحیح) ایمان لائے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور صابئین، (ان میں سے) جو بھی اللہ پر ایمان لایا اور قیامت کے دن پر (ایمان لایا) اور اس نے نیک عمل کئے تو ان (سب) کے لیے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے اور نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ (کبھی) غمگین ہوں گے O'' (البقرہ: ٦٢)

''اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا'' کے مصداق میں پانچ اقوال

امام ابن الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں: ''اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا'': اس آیت کی تفسیر میں پانچ اقوال ہیں: (۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاچکے تھے (۲) السدّی اور ان کے اشیاخ نے کہا: اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر عمل کرتے رہے تھے، پس جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی تو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر عمل کرتے رہے یہاں تک کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہوگئی (۳) سفیان ثوری المتوفی ۱۶۱ھ نے کہا: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو صرف زبان

سے ایمان لائے تھے اور دل سے ایمان نہیں لائے تھے (۴) اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے اسلام کے طلب گار تھے جیسے قس بن ساعدۃ، زید بن عمرو بن نفیل، بحیرا راہب، ورقہ بن نوفل، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، (ان میں سے بعض نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پایا اور آپ کی اتباع کی اور ان میں سے بعض نے آپ کو نہیں پایا) (۵) اس سے مراد اس امت کے مومنین ہیں جن کا صحیح ایمان تھا (اور یہی قولِ مختار ہے)۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۷۲، دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۳۱ھ)

یہود کا لقب اور ان کے مذہب کی تحقیق

''وَالَّذِیۡنَ هَادُوۡا'' (اور جو لوگ یہودی ہوئے)۔ الزجاج نے کہا: لغت میں ''هَادُوۡا'' کا معنی ہے ''تَابُوۡا'' یعنی جن یہودیوں نے بچھڑے کی پرستش سے مشہور توبہ کی تھی۔ (اس آیت میں بنی اسرائیل کے بجائے ''اَلَّذِیۡنَ هَادُوۡا'' فرمایا ہے، اس میں نکتہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل ایک نسل اور ایک قوم کا نام تھا جس کو اپنے نسب کی بلندی پر فخر تھا، اس سے پہلی آیات میں تاریخی واقعات ذکر کئے گئے تھے، اس لئے ان کے نسلی اور خاندانی نام کا ذکر فرمایا، کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے اور ہر بیٹے کے نسب سے ایک قبیلہ تھا، اس لئے ان کی تاریخ کو دہراتے وقت ان کے نسلی نام کو لیا گیا اور اب یہود کے عقائد کا ذکر شروع ہو رہا ہے، اس لئے ان کا ایسا نام ذکر فرمایا جس سے ان کے عقیدہ کا اظہار ہو، یہود کا مذہب ایک نسلی مذہب ہے تبلیغی مذہب نہیں ہے، ان کے ہاں یہودی وہی ہوتا ہے جو کسی یہودی گھرانے میں پیدا ہو اور کسی غیر اسرائیلی کو یہودی بنانے کا طریقہ ان کے ہاں مروّج نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ان کا نام یہود اس لئے رکھا گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا: ''اِنَّا هُدۡنَاۤ اِلَیۡكَ ۔۔۔ (الاعراف: ۱۵۶)'' (بے شک ہم نے تیری طرف توبہ کی ہے)۔

السید محمد مرتضیٰ بن محمد الحسینی الزَبیدی الحنفی المتوفی ۱۲۰۵ھ ''اَلۡهُوۡد'' کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس کا معنی ''اَلۡیَهُوۡد'' ہے، یہ ایک قبیلہ کا نام ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقَالُوۡا لَنۡ یَّدۡخُلَ الۡجَنَّةَ اِلَّا مَنۡ كَانَ هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰی (البقرۃ: ۱۱۱) — اور (اہلِ کتاب) نے کہا: یہودی یا نصرانی کے سوا جنت میں ہرگز کوئی داخل نہیں ہوگا۔

''اَلۡیَهُوۡدِی'' کی جمع یَهُوۡد ہے جیسے اَلۡمَجُوۡسِی کی جمع مَجُوۡس ہے، یَهُوۡد کا نام هَادُوۡا سے بنایا گیا ہے جس کا معنی ہے ''تَابُوۡا'' یعنی جنہوں نے توبہ کی۔ (تاج العروس من جواہر القاموس ج ۵ ص ۱۹۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۳ھ)

''النَّصَارٰی'' کی تحقیق

امام البغوی المتوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں: ''وَالنَّصٰرٰی'': ان کا نام نصاریٰ اس لئے رکھا گیا ہے کیونکہ الحواریین نے کہا تھا ''نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰهِ ۔۔۔ (آل عمران: ۵۲)'' (ہم اللہ کے (دین کے) مددگار ہیں)، اور مقاتل نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ''ناصرۃ'' نامی شہر میں رہتے تھے اور یہ وہ شہر ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام رہتے تھے۔

(معالم التنزیل ج ۱ ص ۱۲۴، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

علامہ الزبیدی الحنفی المتوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں: ''نَاصِرَة'' طَبَرِیَّة سے تیرہ میل کے فاصلہ پر ہے، ایک قول یہ ہے کہ نصاریٰ اسی کی

طرف منسوب ہیں، اور ''یاقوت'' نے اپنی معجم میں لکھا ہے کہ ناصرۃ میں حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت ہوئی تھی اور اسی لفظ سے نصاریٰ کا نام بنایا گیا ہے، اور اہلِ بیت المقدس اس کا انکار کرتے ہیں اور ان کا زعم یہ ہے کہ المسیح بیت اللحم میں پیدا ہوئے تھے اور ان کی والدہ ان کو اس شہر نَاصِرۃ کی طرف لے کر منتقل ہوئی تھیں، یاقوت نے کہا: انجیل میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیت اللحم میں پیدا ہوئے تھے، پھر ان کی والدہ ان کو لے کر اس شہر میں آئیں جس کو ناصرۃ کہا جاتا تھا، اور انجیل میں بہ کثرت ''یسوع الناصری'' مذکور ہے، یہ شام میں ایک شہر ہے جس کو ناصرۃ کہا جاتا ہے اور یہی طبریّۃ ہے، اور اسی کی طرف ''النصاریٰ'' منسوب ہیں، یا نصاریٰ نصران کی جمع ہے جیسے ندامیٰ ندمان کی جمع ہے۔ (تاج العروس من جواہر القاموس ج ۷ ص ۱۲۴، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۳۳ھ)

''الصَّابِئِیۡنَ'' کی تحقیق

''وَالصّٰبِئِیۡنَ'': اس کا اصل معنی ہے خروج، کہا جاتا ہے ''صَبَئَ فُلَانٌ'' یعنی فلاں شخص ایک دین سے نکل کر دوسرے دین میں داخل ہو گیا، اور ''صَبَئَتِ النُّجُوۡمُ'' کہا جاتا ہے جب ستارے اپنے مطالع سے نکلیں، لہٰذا ان لوگوں کو 'صَابِئِیۡن' اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ ایک دین سے دوسرے دین کی طرف نکل گئے تھے۔

امام بغوی متوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں: حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے کہا: یہ اہلِ کتاب کی ایک قوم ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان کا ذبیحہ اہلِ کتاب کے ذبائح کی مثل حلال ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نہ ان کا ذبیحہ حلال ہے اور نہ ان سے نکاح کرنا جائز ہے، مجاہد نے کہا: یہ یہود اور مجوس کے درمیان شام کی جانب رہنے والا ایک قبیلہ ہے، الکلبی نے کہا: یہ اَلۡیَهُوۡد اور النصاریٰ کے درمیان ایک قوم ہے، یہ سر کے درمیان میں مانگ نکالنے کو پسند کرتے ہیں اور قتادہ نے کہا: یہ ایک قوم ہے جو اللہ کا اقرار کرتی ہے اور زبور کی تلاوت کرتی ہے اور فرشتوں کی عبادت کرتی ہے اور کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتی ہے، انہوں نے ہر دین سے کچھ نہ کچھ اپنا لیا ہے، عبد العزیز بن یحییٰ نے کہا: یہ لوگ اب ختم ہو چکے ہیں۔ (معالم التنزیل ج ۱ ص ۱۲۴)

امام ابو اللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ لکھتے ہیں: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ النصرانیۃ اور الیہودیۃ کی درمیانی قوم ہے، یہ الزبور کی تلاوت کرتے ہیں اور یہ اہلِ کتاب کے حکم میں ہیں، ان کے ذبیحوں کو کھایا جائے گا اور ان کی عورتوں سے نکاح کیا جائے گا، اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما نے کہا: یہ المجوس کے حکم میں ہیں، نہ ان کے ذبیحوں کو کھانا جائز ہے اور نہ ان کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے، کیونکہ یہ لوگ فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں، لہٰذا یہ آتش پرستوں کے حکم میں ہیں۔

(تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۱۲۵)

اس اشکال کا جواب کہ البقرہ: ۶۲ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہودی اور عیسائی بھی اگر نیک عمل کریں تو ان کی نجات ہو جائے گی

اس آیت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان، یہودی، عیسائی اور صابئی ان میں سے جو بھی اللہ اور آخرت پر ایمان لے آئے اور وہ نیک کام کرے تو اس کو آخرت میں خوف اور غم نہیں ہو گا اور یہودِ مدینہ اور عیسائی بھی اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، لہٰذا ان میں سے جو بھی نیک کام کرنے والے ہیں ان سب کی نجات ہو جائے گی، اس اشکال کے متعدد جوابات ہیں:

(۱) ''مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ'' کا معنی ہے کہ جو لوگ اللہ پر صحیح ایمان لائے ہوں اور اللہ تعالیٰ پر اسی وقت ایمان صحیح ہوگا جب اللہ تعالیٰ کے ہر ارشاد اور اس کے ہر حکم کو مان لیا جائے اور جب تک لوگ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اللہ کا رسول اور خاتم النّبیین نہ مانیں اس وقت تک ان کا اللہ تعالیٰ پر ایمان صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (الفتح: ۲۹)

(حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (الاحزاب: ۴۰)

(حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی ایک کے (بھی) باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور تمام نبیوں کے آخر ہیں۔

(۲) اس آیت میں ''اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا'' فرمایا ہے اور دوسری آیت میں فرمایا ہے:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (البقرہ: ۲۸۵)

رسول اس پر ایمان لائے جو اُن پر اُن کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے اور مومنین بھی، یہ سب اللہ پر اور اس کے تمام فرشتوں پر اور اس کی تمام کتابوں پر اور اس کے تمام رسولوں پر (یہ کہتے ہوئے) ایمان رکھتے ہیں (کہ) ہم (ایمان لانے میں) رسولوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے۔

اور قرآن مجید کی تمام آیات ایک دوسرے کے موافق ہیں اور مخالف نہیں ہیں، لہٰذا ایمان لانے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے تمام رسولوں پر ایمان لائیں اور اس کی تمام کتابوں پر ایمان لائیں اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لائیں اور یہود اور نصاریٰ اللہ تعالیٰ کے تمام رسولوں اور تمام کتابوں پر ایمان نہیں لائے، کیونکہ یہ لوگ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اللہ کا رسول نہیں مانتے اور نہ قرآنِ مجید کو اللہ کی کتاب مانتے ہیں، لہٰذا یہود و نصاریٰ اور اسی طرح صابئین ''اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا'' یعنی مومنین کا مصداق نہیں ہیں، لہٰذا وہ اس بشارت میں داخل نہیں ہیں کہ آخرت میں نہ اُن پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

(۳) اس آیت میں نجات کو ایمان لانے پر موقوف فرمایا ہے اور ایمان لانا اس وقت معتبر ہے جب اللہ تعالیٰ کے تمام رسولوں پر ایمان لایا جائے، اور یہود اور نصاریٰ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت کو نہیں مانتے بلکہ آپ کی رسالت کا کفر کرتے ہیں، لہٰذا اس آیت سے یہود و نصاریٰ کی نجات ثابت نہیں ہے۔

(۴) اس آیت میں نجات کا مدار اعمالِ صالحہ کو قرار دیا ہے اور یہود و نصاریٰ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت کا کفر کرتے ہیں اور کُفر کے ساتھ کوئی عملِ صالح قبول نہیں ہوتا، لہٰذا اس آیت سے ان کی نجات ثابت نہیں ہوگی۔

(۵) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ (آل عمران: ۸۵)

اور جس نے اسلام کے سوا کسی اور دین کو طلب کیا تو اس سے وہ دین ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں تباہ و برباد ہونے والوں میں سے ہوگا O

یہود اور نصاریٰ نے اسلام کو چھوڑ کر یہودیت اور عیسائیت کو اختیار کیا، اس لئے وہ البقرہ: ۶۲ کے عموم سے خارج ہو گئے۔

البقرہ: ۶۲ میں بہ ظاہر تکرار کا جواب

امام ابن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں: اس آیت میں ''اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا'' کے بعد پھر فرمایا ''مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ'' اور بہ ظاہر یہ تکرار ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ''اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا'' سے مراد یہ ہے کہ جنہوں نے زبان سے اقرار کیا اور ''مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ'' سے مراد یہ ہے کہ جو اپنے اس اقرار پر تاحیات قائم اور برقرار رہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ پہلے لفظ سے مراد ہے جو زبان سے ایمان لائے اور دوسرے لفظ سے مراد ہے جو دل سے ایمان لائے۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۷۳، دار الکتاب العربی، بیروت)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے بنی اسرائیل! اس وقت کو) یاد کرو جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا تھا اور ہم نے پہاڑ طور کو تمہارے اوپر اٹھا لیا تھا کہ ہم نے تم کو جو (کتاب یا احکام) دیے ہیں ان کو اخلاص سے مانو اور پوری قوت کے ساتھ ان پر عمل کرو اور جو کچھ اس میں مذکور ہے اس کو یاد رکھو تاکہ تم متقی بن جاؤ ''O (البقرہ: ۶۳)

بنی اسرائیل کے سروں پر پہاڑ طور کو معلّق کرنے کا سبب

امام ابو اللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، البقرہ: ۶۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بنی اسرائیل سے دو مرتبہ میثاق لیا گیا، ایک مرتبہ اس وقت جب ان کو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالا گیا اور دوسری مرتبہ جب ان سے یہ میثاق لیا گیا کہ وہ تورات پر عمل کریں اور باقی آسمانی کتابوں پر ایمان لائیں، اس کی تفسیر اس طرح ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے پاس تورات لے کر آئے اور بنی اسرائیل نے تورات کے تمام احکام میں انتہائی سختی اور مشقت کو دیکھا تو یہ ان پر بہت شاق اور دشوار گزرا اور انہوں نے تورات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

اور یہ اللہ تعالیٰ کا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس امت کے اوپر خصوصی احسان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت پر تمام احکام یکبارگی فرض نہیں فرمائے بلکہ تدریجاً ایک کے بعد دوسرا حکم فرض فرمایا، جب کسی ایک حکم پر مسلمان عمل کرنے کے عادی ہو گئے تو پھر ان پر دوسرا حکم نازل فرمایا، اس کے برخلاف بنو اسرائیل پر دفعتاً واحدۃ تمام احکام فرض کئے، سو یہ ان پر سخت دشوار ہوا اور انہوں نے تورات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، تب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ فلسطین کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ان کے سروں کے اوپر معلّق کر دیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم فرسخ در فرسخ پھیلی ہوئی تھی اور اتنی ہی لمبائی اور چوڑائی پر وہ پہاڑ ان کے سروں پر مسلط کر دیا گیا اور جب بنی اسرائیل نے یہ دیکھا کہ ان کے لیے اب بھاگنا ممکن نہیں ہے تو انہوں نے چار و ناچار تورات کو قبول کیا اور مارے خوف کے سجدہ میں گر گئے اور وہ حالتِ سجدہ میں ایک آنکھ سے پہاڑ کی طرف دیکھتے رہے کہ کہیں وہ ان کے اوپر گر نہ جائے، یہی وجہ ہے کہ بعض یہودی اپنے آدھے چہرہ پر سجدہ کرتے ہیں۔ (تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۱۲۵۔۱۲۶، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۳ھ)

نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ (الاعراف: ۱۷۱)

اور (یاد کیجئے!) جب ہم نے ان (بنی اسرائیل پر) سائبان کی طرح پہاڑ کو معلّق کر دیا تھا اور اُن کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ وہ پہاڑ

ضرور ان پر گرنے والا ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری المتوفی ۳۱۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس کلام کا معنی یہ ہے کہ ہم نے تمہارے اوپر پہاڑ طور کو اٹھا لیا اور ہم نے تم سے کہا: ہم نے تم کو جو کتاب دی ہے اس کو مانو اور اس پر عمل کرو، ورنہ ہم تم پر یہ پہاڑ گرا دیں گے۔ (جامع البیان ج۱ ص ۴۶۴، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام عبدالرحمن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم الرازی المتوفی ۳۲۷ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

عطاء بن ابی رباح نے کہا کہ بنی اسرائیل کے سروں کے اوپر پہاڑ طور کو اٹھا لیا، پس فرمایا: تم ضرور بہ ضرور ہماری کتاب پر ایمان لاؤ ورنہ یہ پہاڑ تمہارے اوپر گر جائے گا۔ (تفسیر القرآن العظیم ج۱ ص ۱۲۹، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

بعض آزاد منش (Liberal) علماء کا بنی اسرائیل کے سروں پر پہاڑ طور کے اٹھائے جانے کا انکار

سرسید احمد خان متوفی ۱۸۹۸ء لکھتے ہیں:

(وَرَفَعْنَا): یہ مضمون دو مقام میں آیا ہے، ایک تو اسی آیت میں ہے کہ ہم نے تمہارے اوپر پہاڑ کو اونچا کیا اور سورۂ اعراف میں یہ لفظ ہیں ''وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْۤا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ'' ان دونوں مقاموں میں چار لفظ ہیں جن کے معنی حل طلب ہونے سے مطلب سمجھ میں آ ویگا۔ رفع۔ فوق۔ نتق۔ ظلة۔

''رفع'' کے معنی اونچا کرنے کے ہیں، مگر اس لفظ سے یہ بات کہ جو چیز اونچی کی گئی ہے وہ زمین سے بھی معلق کی گئی ہو لازم نہیں آتی، دیوار اونچا کرنے کو بھی ''رفعنا'' کہہ سکتے ہیں حالانکہ وہ زمین سے معلق نہیں ہوتی۔

''فوق'' کے لفظ کو بھی اس شے کا زمین سے معلق ہونا لازم نہیں ہے۔

''نتق'' کا لفظ البتہ بحث طلب ہے، اس کے معنی مفسرین نے مذہبی عجائبات بنانے کو ''قلع'' کے بھی لئے ہیں، جس کو زمین سے یا جگہ سے علیحدہ کرنا لازم ہے، اور ''رفع'' کے بھی لئے ہیں جس کو علیحدہ کرنا لازم نہیں ہے، بیضاوی میں لکھا ہے ''وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ'' ای قلعناه و رفعناه، مگر قاموس میں اس کے معنی ہلا دینے کے لکھے ہیں ''نتقه زعزعه'' اور ''زعزع'' کے معنی ہلا دینے کے ہیں، ''الزعزعة تحریك الریح الشجرة ونحوها او كل تحریك شدید'' یعنی زعزعہ کے معنی ہوا کا درخت کو ہلانے کے ہیں اور ہر جنبش شدید کو بھی ''زعزعہ'' کہتے ہیں، پس صاف طور سے ''نتقنا'' کے معنی ہلا دینے کے ہیں یعنی ہم نے پہاڑ کو ہلا دیا، اور الفاظ ''وَظَنُّوْۤا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ'' زیادہ تر پہاڑ کے ہلا دینے کے جس سے ان کو اس کے گر پڑنے کا گمان ہوا مناسب ہیں۔

''ظُلّة'' کے معنی سائبان کے بھی ہو سکتے ہیں، چھتری کے بھی ہو سکتے ہیں اور جو چیز کہ ہم پر سایہ ڈالے اس کے بھی ہو سکتے ہیں، اور اس چیز کا زمین سے معلق ہمارے سر پر ہونا ضروری نہیں ہے، تفسیر کبیر میں لکھا ہے ''الظُّلّة كل ما اظلك من سقف بیت او سحابة او جناح حایطة'' یعنی ''ظُلّة'' ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو سایہ ڈالے گھر کی چھت ہو یا ابر کا ٹکڑا یا احاطہ کا بازو یعنی دیوار، پس ظُلّة کے لفظ سے بھی یہ بات لازم نہیں آتی کہ وہ معلق سر کے اوپر ہو۔

اب غور کرنا چاہیے کہ واقعہ کیا تھا، بنی اسرائیل جو خدا کے دیکھنے کو گئے تھے طور یا طور سینا کے نیچے کھڑے ہوئے تھے، پہاڑ ان کے سر پر نہایت اونچا اٹھا ہوا تھا، وہ اس کے سایہ کے تلے تھے، اور طور بہ سبب آتش فشانی کے شدید حرکت اور زلزلہ میں تھا، جس کے

سبب وہ گمان کرتے تھے کہ ان پر گر پڑیگا، پس اس حالت کو خدا تعالیٰ نے ان لفظوں میں یاد دلایا ہے کہ "وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ" "نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُ ظُلَّةٌ وَظَنُّوا أَنَّهُ وَاقِعٌ بِهِمْ" پس ان الفاظ میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جو عجیب ہو یا مطابق واقع اور موافق قانون قدرت نہ ہو، ہاں مفسرین نے اپنی تفسیروں میں اس واقع کو عجیب وغریب واقعہ بنا دیا ہے، اور ہمارے مسلمان مفسر (خدا ان پر رحمت کرے) عجائبات و دوراز کار کا ہونا مذہب کا فخر اور اس کی عمدگی سمجھتے تھے، اس لئے انہوں نے تفسیروں میں لغو اور بیہودہ عجائبات بھر دی ہیں، بعضوں نے لکھا ہے کہ کوہ سینا کو خدا ان کے سر پر اٹھا لایا تھا کہ مجھ سے اقرار کرو نہیں تو اسی پہاڑ کے تلے کچل دیتا ہوں، اور بعضوں نے کہا: نہیں بیت المقدس کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ کو اکھاڑ کر ہوا میں اڑا لایا تھا، اور پانچ میل کا چوڑا اور پانچ میل کا لمبا تھا، اتنی بڑائی اس کی اس لیے تھی کہ کل لشکر بنی اسرائیل کا اس کے تلے ایک ہی دفعہ میں کچل جاوے، یہ تمام خرافاتیں لغو و بیہودہ ہیں اور خدائے پاک کا کلام ایسی بیہودہ باتوں سے پاک ہے۔

(تفسیر القرآن وھوالھدی والفرقان ج ا ص ۱۲۳۔۱۲۵، سرسید ریسرچ اکیڈمی، لاہور ۲۰۱۰ء)

شیخ امین احسن اصلاحی متوفی ۱۹۹۷ء اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ معاہدہ قرآنِ مجید اور تورات دونوں میں تصریح ہے کہ بنی اسرائیل کے سرداروں سے دامنِ کوہ میں لیا گیا، اور اس وقت اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک سخت زلزلہ نے پہاڑ کو ہلا دیا، اگر زلزلہ کے وقت آدمی کسی اونچی دیوار کے زیر سایہ یا پہاڑ کے دامن میں بیٹھا ہو تو ایسا معلوم ہوگا کہ پہاڑ یا دیوار سائبان کی طرح سر پر لٹک رہے ہیں اور اوپر گرا چاہتے ہیں، اس حالت کو قرآن نے طور کو ان کے سروں پر اٹھا لینے سے تعبیر کیا ہے۔

یہ پہاڑ ان کے سروں پر اٹھا دینا بنی اسرائیل کو معاہدہ پر مجبور کرنے کے لیے نہیں تھا کہ اگر وہ یہ معاہدہ نہیں کرتے تو اس پہاڑ سے وہ کچل کر رکھ دیے جائیں گے، معاہدہ کو قبول کرنا یا نہ کرنا ایک امرِ اختیاری ہے، دین کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے زبردستی اور جبر کو پسند نہیں فرمایا ہے، یہ جو کچھ ہوا وہ محض اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے جلال کا ایک مظاہرہ تھا۔

(تدبر قرآن ج ا ص ۲۴۳، فاران فاؤنڈیشن لاہور، دسمبر ۲۰۱۲ء)

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس واقعے کو قرآن میں مختلف مقامات پر جس انداز سے بیان کیا گیا ہے اس سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ اس وقت بنی اسرائیل میں یہ ایک مشہور و معروف واقعہ تھا لیکن اب اس کی تفصیلی کیفیت معلوم کرنا مشکل ہے۔ بس مجملاً یوں سمجھنا چاہیے کہ پہاڑ کے دامن میں میثاق لیتے وقت ایسی خوفناک صورت حال پیدا کر دی گئی تھی کہ ان کو ایسا معلوم ہوتا تھا گویا پہاڑ ان پر آ پڑے گا۔

(تفہیم القرآن ج ا ص ۸۳، ادارہ ترجمان القرآن، بار چہارم مئی ۲۰۱۲ء)

جاوید احمد غامدی لکھتے ہیں:

قرآن اور بائبل دونوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل سے یہ عہد پہاڑ کے دامن میں اس طرح لیا گیا کہ طُور اپنی جگہ سے اکھڑ کر سائبان کی طرح ان کے سروں پر لٹک رہا تھا اور انہیں لگتا تھا کہ وہ ان پر گر کر رہے گا۔ قرآن نے یہاں اس حالت کو پہاڑ کے اُن پر اٹھا لینے سے تعبیر کیا ہے۔ (البیان ج ا ص ۹۷، المورد، لاہور مئی ۲۰۲۰ء)

بنی اسرائیل کے سروں پر پہاڑ طور کے اٹھائے جانے پر مصنف کے دلائل اور آزاد منش (Liberal) علماء پر تعاقب

سرسید احمد خان کی تاویلات کا رد

سرسید احمد خان نے محض اٹکل پچو سے تفسیر بالرائے کی ہے، انہوں نے بلا وجہ مسلمان مفسرین کو کوسا ہے جب کہ غیر مسلم محققین نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے کہ پہاڑ طور کو بنی اسرائیل کے سروں پر اٹھالیا گیا تھا جیسا کہ عنقریب ہم تورات کی شرح تالمود سے نقل کریں گے، نیز سرسید احمد خان نے محض اپنی رائے سے لکھا ہے کہ ''طور بہ سبب آتش فشانی کے شدید حرکت اور زلزلہ میں تھا'' اور چونکہ سرسید احمد خان نے اپنی اس رائے پر کوئی دلیل یا حوالہ پیش نہیں کیا، اس لئے بغیر دلیل کے محض ان کی یہ رائے قابلِ قبول نہیں ہے کیونکہ جب کسی واقعہ کو بیان کیا جائے تو اس کی صحت کے لیے ضروری ہے کہ اس پر کوئی شہادت پیش کی جائے اور بغیر شہادت کے یہ بیان کذب اور افتراء کے سوا اور کچھ نہیں ہے، نیز سرسید احمد خان نے ''القاموس'' کے حوالہ سے یہ لکھا ہے کہ: ''نَتَقَ'' کا معنی ہلا دینے کے لکھے ہیں ''نتقه زعزعه'' اور زعزع کا معنی ہلا دینے کے ہیں، ''الزعزعة تحريك الريح الشجرة ونحوها او كل تحريك شديد''، یعنی زعزعہ کے معنی ہوا کا درخت کو ہلانے کے ہیں اور ہر جنبش شدید کو بھی ''زعزعہ'' کہتے ہیں، پس صاف طور سے ''نتقنا'' کے معنی ہلا دینے کے ہیں یعنی ہم نے پہاڑ کو ہلا دیا''۔

یہ پوری عبارت القاموس میں مذکور نہیں ہے، القاموس میں صرف اتنا مذکور ہے ''نَتَقَهٗ زَعزعه'' اس کے بعد جو کچھ سرسید احمد خان نے لکھا ہے وہ ان کا القاموس پر افتراء ہے، القاموس کی مشہور اور مستند شرح میں علامہ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

اور ''نَتَقَ'' سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ''وَ اِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ۔ (الاعراف: ۱۷۱)'' امام ابو عبید نے کہا: ''زعزعناه فاستخرجناه من مكانه'' (اس کا معنی ہے: ہم نے اس کو اپنی جگہ سے نکال دیا) اور حدیث میں ہے کہ اس پہاڑ کو اپنی جگہ سے اکھاڑ دیا گیا، اور الفرّاء نے کہا: ہم نے اس پہاڑ کو ان کے لشکر پر اٹھالیا جو فرسخ در فرسخ پھیلا ہوا تھا، اور ان کے اوپر اس کو سائبان بنا دیا، پس ان سے سیدنا موسیٰ علیہ وعلیٰ نبینا السلام نے فرمایا: یا تو تورات کو قبول کر لو یا یہ پہاڑ تمہارے اوپر گر جائے گا۔

(تاج العروس من جواہر القاموس ج ۱۳ ص ۷۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۳ھ)

سرسید احمد خان کو چاہیے تھا کہ وہ القاموس پر افتراء باندھنے سے پہلے کم از کم اس کی شرح تاج العروس کا ہی مطالعہ کر لیتے تاکہ وہ قرآن مجید، حدیث اور آثارِ صحیحہ میں تحریف کے ارتکاب سے بچ جاتے۔ سرسید احمد پر تعاقب کرنے کے بعد اب ہم دیگر منکرینِ رفعِ طور کا تعاقب کر رہے ہیں:

شیخ امین احسن اصلاحی کی تاویلات کا رد

منکرین کی سب سے قوی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بنو اسرائیل کے سروں پر پہاڑ کو معلّق کر کے یہ فرمانا کہ ''تورات کو قبول کرو ورنہ یہ پہاڑ تم کو کچل دے گا'' یہ فرمان بنی اسرائیل سے بالجبر اور زبردستی منوانا اور اقرار کروانا ہے اور اللہ تعالیٰ کو دین کے معاملہ میں اس طرح کا جبر پسند نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ بالعموم اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ نہیں ہے لیکن بنی اسرائیل ایسی ضدی اور ہٹ دھرم قوم تھی کہ اس کے سوا ان سے حق کو منوانے کی اور کوئی صورت نہیں تھی، اس کی نظیر یہ ہے کہ جب بنو اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے صاف کہہ دیا: ہم آپ پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک کھلم کھلا اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھ نہ لیں "وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ (البقرہ: ۵۵)" پس ایک کڑک سے ان پر موت طاری کی گئی تو اس وقت ایک زلزلہ نے ان کو پکڑ لیا اور وہ سب مر گئے، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سفارش سے ان کو زندہ کیا گیا اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے، سو جس طرح یہاں پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ان کا اس طرح ایمان لانا بھی ناپسندیدہ ہے کیونکہ بنی اسرائیل ایسی ضدی اور ہٹ دھرم قوم تھی کہ اس کا علاج اسی طرح ہو سکتا تھا۔ اور بنی اسرائیل کے اوپر پہاڑ طور کو معلق کرنا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان کو بنی اسرائیل کی حیات بعد الموت پر موقوف کرنے سے زیادہ بعید نہیں ہے۔

غیر مسلمین کی شہادت سے بنی اسرائیل کے اوپر پہاڑ طور کے معلق ہونے کا ثبوت

غیر مسلموں کے ہاں بھی یہ بات مسلم ہے کہ بنی اسرائیل کے اوپر پہاڑ طور کو معلق کیا گیا تھا: تورات کی مشہور اور نہایت مستند شرح تالمود میں مذکور ہے: "حق تبارک وتعالیٰ نے ان کے اوپر کوہِ سینا کو الٹ دیا۔ جس طرح کوئی بڑا ظرف الٹ دیا جاتا ہے، اور کہا کہ اگر تم توریت کو قبول کرتے ہو جب تو خیر ورنہ سب یہیں دفن ہو کر رہ جاؤ گے"۔ (جیوش انسائیکلو پیڈیا ج ۴ ص ۳۲۱)، نیز لکھا ہے: خدا نے پہاڑ کو ان لوگوں پر الٹ کر اوندھا کر دیا اور ان سے کہا کہ توریت کو اگر قبول کرتے ہو جب تو خیر ورنہ یہیں تمہارا مدفن بن کر رہے گا۔

غامدی کی عبارت سے بنی اسرائیل کے اوپر پہاڑ طور کے معلق ہونے کا ثبوت

منکرین میں سے جاوید احمد غامدی نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے، وہ لکھتے ہیں: قرآن اور بائبل دونوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل سے یہ عہد پہاڑ کے دامن میں اس طرح لیا گیا کہ طور اپنی جگہ سے اکھڑ کر سائبان کی طرح ان کے سروں پر لٹک رہا تھا اور انہیں لگتا تھا کہ وہ ان پر گر کر رہے گا۔ (البیان ج ۱ ص ۹۷، المورد، لاہور، ۲۰۱۰ء)

تفسیر بیضاوی اور تفسیر کبیر سے پہاڑ طور کے بنی اسرائیل کے اوپر معلق ہونے کا ثبوت

سرسید احمد خان نے اس بحث میں امام رازی کی تفسیر کبیر کا بھی حوالہ دیا تھا اور بیضاوی کا بھی حوالہ دیا تھا اور یہ تاثر دیا تھا گویا یہ جلیل القدر مفسرین بھی ان کے ہمنوا ہیں، پہلے ہم قاضی بیضاوی شافعی متوفی ۶۸۵ھ کی عبارت نقل کر رہے ہیں:

روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کے پاس تورات کو لے کر آئے، پس انہوں نے اس میں شدید دشوار تکالیف پر مشتمل احکام دیکھے تو ان کو تورات بہت بھاری لگی اور انہوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا، پس حضرت جبریل علیہ السلام کو حکم دیا گیا، انہوں نے پہاڑ طور کو اکھاڑ کر بنی اسرائیل کے اوپر بطور سائبان کے کر دیا۔

(انوار التنزیل واسرار التاویل ج ۱ ص ۳۳۵، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی الشافعی المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

بعض ملحدین نے بغیر ستون کے ایک بھاری جسم کے ہوا میں معلق رہنے کا انکار کیا ہے، ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام ممکنات

پر قادر ہے اور بھاری جسم کا ہوا میں معلق ہونا ممکن ہے، پس ضروری ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہو، اور بعض دیگر ملحدین نے کہا: پہاڑ کا بطور سائبان ہونا جائز نہیں ہے، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو یہ ان کے جبراً ایمان لانے کے قائم مقام ہوتا اور وہ ان کو مکلف کرنے کے منافی ہے، القاضی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس سے ان پر جبر لازم نہیں آتا کیونکہ اس میں زیادہ سے زیادہ یہ بات تھی کہ ان کو یہ خوف تھا کہ پہاڑ ان کے اوپر گر جائے گا، پس جب ایک مدت تک پہاڑ اپنی جگہ پر معلق رہا اور انہوں نے اس کا بھی مشاہدہ کیا تھا کہ آسمان ان کے اوپر بغیر ستون کے اٹھائے ہوئے ہیں اور وہ ان کے اوپر نہیں گرے تو اس سے ان کا خوف زائل ہو سکتا تھا، پس ان کو مجبور کرنے کا معنی زائل ہو گیا اور ان کا مکلف ہونا باقی رہا۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۵۳۸، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۵ھ)

ہم نے تفسیر تبیان الفرقان میں خصوصیت کے ساتھ آزاد منش (Liberal) علماء کے افکار پر تنقید کا التزام کیا تھا، بحمد اللہ یہ التزام مکمل ہو گیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر اس (اقرار) کے بعد تم اس سے منحرف ہو گئے، پس اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم ضرور تباہ و برباد ہونے والوں میں سے ہو جاتے O'' (البقرہ: ۶۴)

''فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ'': یعنی اگر اللہ تعالیٰ کا تم پر فضل نہ ہوتا اور اس نے تم پر عذاب کو موخر کر کے رحمت نہ فرمائی ہوتی تو ضرور تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تباہ و برباد ہو جاتے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے تمہاری طرف رسولوں کو بھیج کر تم پر رحمت نہ فرمائی ہوتی تو تم اپنے کفر پر قائم اور باقی رہتے اور تم ضرور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تباہ و برباد ہو جاتے۔ (تفسیر سمرقندی ج ۱ ص ۱۲۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۳ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بے شک تم ان لوگوں (کے انجام) کو خوب جانتے ہو جنہوں نے تم میں سے ہفتہ کے دن حد سے تجاوز کیا تھا، سو ہم نے ان سے کہا: تم دھتکارے ہوئے بندر بن جاؤ O'' (البقرہ: ۶۵)

بنو اسرائیل کا ہفتہ کے دن حد سے تجاوز کرنا اور ان کی سزا

''وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ'':

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری المتوفی ۳۱۰ھ البقرہ: ۶۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو الجمعہ کے دن کی تعظیم اور اس دن عبادت کرنے کا حکم دیا اور یہ بتایا: اللہ تعالیٰ نے اسی دن آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور قیامت بھی اسی دن واقع ہو گی، پس سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل کیا اور اس دن کی فضیلت کو پہچانا اور جن لوگوں نے اس دن کی تعظیم نہیں کی، وہ ان لوگوں کے حکم میں ہیں جن کے متعلق فرمایا: ''اور بے شک تم ان لوگوں (کے انجام) کو خوب جانتے ہو جنہوں نے تم میں سے ہفتہ کے دن حد سے تجاوز کیا تھا، سو ہم نے ان سے کہا: تم دھتکارے ہوئے بندر بن جاؤ''، اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنو اسرائیل کو جمعہ کے دن کا حکم دیا اور اس کی فضیلت کی خبر دی تو انہوں نے کہا: اے موسیٰ! آپ ہمیں کیسے جمعہ کے دن کا حکم دیتے ہیں اور اس کو باقی دنوں پر افضل قرار دیتے ہیں حالانکہ ہفتہ کا دن تمام دنوں سے افضل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو اور ان کی چیزوں کو چھ دنوں میں پیدا

کیا اور ہفتہ کے دن ہر چیز نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور ہفتہ کا دن ان چھ دنوں کے بعد ہے۔

یہ بنی اسرائیل ''ایلہ'' اور ''الطور'' کے درمیان مدین نامی بستی میں رہتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے دن شکار کرنا ان پر حرام قرار دیا تھا اور ساحلِ سمندر پر ہفتہ کے دن مچھلیاں بہت بڑی تعداد میں آتی تھیں اور ہفتہ کا دن گزرنے کے بعد وہ کسی مچھلی کو نہیں دیکھتے تھے نہ چھوٹی مچھلی کو اور نہ بڑی کو اور جب ہفتہ کا دن گزر جاتا تو پھر مچھلیاں آجاتیں، اسی طرح عرصۂ دراز تک ہوتا رہا، پھر ایک مرد نے چپکے سے ایک مچھلی پر ڈوری باندھ دی اور اس کو ساحلِ سمندر سے کھینچ کر ایک نالہ میں لے آیا حتیٰ کہ جب اگلا دن آیا یعنی اتوار تو اس نے اس ڈوری کے ذریعہ اس مچھلی کو پکڑ لیا اور دل میں کہا: میں نے اس مچھلی کو ہفتہ کے دن نہیں پکڑا، پھر اس کو لے گیا اور اس کو کھالیا، پھر اگلے ہفتہ کو بھی یہی عمل کرتا رہا اور لوگوں نے مچھلیوں کی خوشبو پائی تو پھر اس شہر کے لوگ اس مرد کے طریقہ پر مطلع ہوئے تو انہوں نے بھی اس مرد کے عمل کی مثل عمل کیا اور ایک زمانہ تک چپکے چپکے ان مچھلیوں کو کھاتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل پر ان کی کوئی گرفت نہیں فرمائی حتیٰ کہ وہ کھلم کھلا ہفتہ کے دن مچھلیوں کا شکار کرنے لگے اور ان کو بازاروں میں بیچنے لگے، اور بنی اسرائیل کے ایک دوسرے گروہ نے ان سے کہا کہ اللہ سے ڈرو اور ان کو ان کی اس کارروائی سے منع کیا، اور تیسرے گروہ نے نہ مچھلیاں کھائیں اور نہ لوگوں کو ان کی اس کارروائی سے منع کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان نافرمانی کرنے والوں کو مسخ کر کے بندر بنا دیا، وہ صرف تین دن تک زمین پر زندہ رہے، نہ کھاتے تھے اور نہ پیتے تھے اور نہ ان کی نسل چلی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے: جو گروہ ان کو اس کارروائی سے منع کرتا تھا انہوں نے ان سے علیحدگی اختیار کر لی اور اپنے اور ان کے درمیان ایک دیوار بنا دی، پھر ایک دن وہ نافرمانی کرنے والے ان کو نظر نہیں آئے تو انہوں نے ان کو تلاش کیا اور ان کے گھروں میں جا کر دیکھا تو انہوں نے اپنے گھروں کے دروازے بند کیے ہوئے تھے اور وہ بندر بنا دیئے گئے تھے۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۴۶۹۔۴۷۰، ملخصاً وملتقطاً، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس الرازی ابن ابی حاتم المتوفی ۳۲۷ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

عثمان بن عطاء اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے تین فرقے ہو گئے تھے، ایک فرقہ نے ہفتہ کے دن مچھلیوں کو شکار کر کے کھایا اور دوسرا فرقہ ان سے الگ رہا اور ان کو منع نہیں کیا اور تیسرے فرقہ نے ان کو منع کیا اور ان سے الگ نہیں ہوا، پھر ایک دن جن لوگوں نے ہفتہ کے دن حد سے تجاوز کیا تھا ان کو تین بار ندا کی گئی اے شہر والو! تو ایک فرقہ متنبہ ہوا، پھر دوسری ندا کی گئی اے شہر والو! تو پہلے فرقہ سے زیادہ لوگ متنبہ ہو گئے، پھر تیسری بار ندا کی گئی اے شہر والو! تو مرد، عورتیں اور بچے سب متنبہ ہو گئے، پس اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا: ''تم دھتکارے ہوئے بندر بن جاؤ'' پس جو لوگ ان کو اس کارروائی سے منع کرتے تھے وہ ان کے پاس آئے اور ان سے کہا: اے فلاں! کیا ہم نے تم کو اس کارروائی سے منع نہیں کیا تھا؟ تو وہ سر کے اشارہ سے کہتے تھے یعنی کیوں نہیں! (تفسیر ابن ابی حاتم ج ۱ ص ۱۳۲، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

تورات میں ہفتہ کے دن کی تعظیم کا ذکر

''اور خداوند نے موسیٰ سے کہا O تو بنی اسرائیل سے یہ بھی کہہ دینا کہ تم میرے سبتوں کو ضرور ماننا، اس لئے کہ یہ میرے اور تمہارے درمیان تمہاری پشت در پشت ایک نشان رہے گا تا کہ تم جانو کہ میں خداوند تمہارا پاک کرنے والا ہوں O پس تم سب کو ماننا

اس لئے کہ وہ تمہارے لیے مقدس ہے۔ جو کوئی اس کی بے حرمتی کرے وہ ضرور مار ڈالا جائے۔ جو اس میں کچھ کام کرے وہ اپنی قوم میں سے کاٹ ڈالا جائے ○ چھ دن کام کاج کیا جائے لیکن ساتواں دن آرام کا سبت ہے جو خداوند کے لیے مقدس ہے، جو کوئی سبت کے دن کام کرے وہ ضرور مار ڈالا جائے ○ پس بنی اسرائیل سبت کو مانیں اور پشت در پشت اسے دائمی عہد جان کر اس کا لحاظ رکھیں ○''۔ (پرانا عہد نامہ، خروج، باب: ۳۱، آیت: ۱۲۔ ۱۷، بائبل سوسائٹی انارکلی، لاہور)

بنی اسرائیل کے بندر بننے کی کیفیت میں مختلف اقوال

''فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ'':

امام ابو منصور محمد بن محمد الماتریدی الحنفی المتوفی ۳۳۳ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ ان کو حقیقتاً بندر بنا دیا گیا اور ان میں انسانیت باقی نہیں رہی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان کے جوہر کو بندر کے جوہر کی طرف منتقل کر دیا گیا اور ان میں انسانیت باقی رہی اور ان میں انسانوں کی سی فہم اور عقل و شعور تھا، کیونکہ جب ان کو اس کارروائی سے منع کرنے والوں نے ان سے کہا کہ کیا ہم نے تم کو اس کارروائی سے منع نہیں کیا تھا؟ تو انہوں نے سر کے اشارہ سے کہا: ہاں! اور ان کی آنکھوں سے ان کے چہرہ پر آنسو بہہ رہے تھے، تو اگر ان کو مکمل بندر بنا دیا گیا ہوتا تو وہ اس بات کو نہ سمجھتے اور اپنے فعل پر غمگین نہ ہوتے، نیز ان کو بندر کی صورت میں مسخ کرنا ان کی سرکشی پر عذاب تھا، تو اگر ان میں انسانیت باقی نہ ہوتی تو وہ اس عذاب کا ادراک نہ کر سکتے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر دلیل

اس آیت میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے برحق ہونے کی دلیل ہے کیونکہ آپ نے بنی اسرائیل کے بندر بننے کے قصہ کو ان کی کسی کتاب میں نہیں پڑھا تھا اور نہ ان کے کسی عالم سے سنا تھا، اس کے باوجود آپ نے یہ واقعہ اسی طرح بیان فرما دیا جس طرح ان کی کتابوں میں مذکور تھا۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۱ ص ۴۸۷۔ ۴۸۸، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

بنو اسرائیل کے حد سے تجاوز اور ان کو مسخ کیے جانے کے متعلق اقوال اور اس کارروائی کی تاریخ

امام ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی ابن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

حسن بصری اور مقاتل نے کہا ہے کہ یہ لوگ ہفتہ کے دن مچھلیوں کو پکڑ لیتے تھے، اور السدّی نے کہا ہے: یہ لوگ ہفتہ کے دن مچھلیوں کو کسی گڑھے میں بند کر لیتے تھے اور اتوار کے دن ان کو پکڑ لیتے تھے۔

قتادہ نے کہا: نافرمانی کرنے والے بنی اسرائیل میں سے جوانوں کو بندر بنا دیا گیا اور بوڑھوں کو خنزیر بنا دیا گیا اور صرف ان لوگوں نے نجات پائی جنہوں نے ان کو اس کارروائی سے منع کیا تھا اور باقی لوگ ہلاک کر دیئے گئے۔ اور دوسروں نے کہا: ان کی تعداد ستر ہزار تھی۔

مجاہد نے بیان کیا کہ ان کے دل مسخ کر دیئے گئے اور بدن مسخ نہیں کئے گئے اور یہ قول ظاہر قرآن کے خلاف ہے اور بعید ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ وہ صرف تین دن زمین پر زندہ رہے، وہ نہ کھاتے تھے اور نہ پیتے تھے اور نہ ان کی نسل چلی،

مقاتل کا زعم یہ ہے کہ وہ سات دن زندہ رہے اور آٹھویں دن مر گئے اور یہ واقعہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ کا ہے۔

(زاد المسیر ج ا ص ٧٤۔ ٧٥، دار الکتاب العربی، بیروت، ١٤٣١ھ)

بعض آزاد منش (Liberal) علماء کا بنی اسرائیل کو مسخ کر کے بندر بنانے سے انکار

سر سید احمد خان متوفی ١٨٩٨ء البقرہ: ٦٥ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''کُوْنُوْا قِرَدَةً'' ہو جاؤ بندر، اس کی تفسیر میں بھی ہمارے علمائے مفسرین نے عجیب و غریب باتیں بیان کی ہیں اور لکھا کہ وہ لوگ سچ مچ صورت و شکل و خاصیت میں بھی بندر ہو گئے تھے، بعضوں کا قول ہے کہ وہ سب تیسرے دن مر گئے، اور بعضے کہتے ہیں کہ یہ بندر جو اب درختوں پر چڑھتے اور ایک ٹہنی سے دوسری ٹہنی پر اچھلتے پھرتے ہیں انہی بندروں کی نسل میں سے ہیں۔

مگر یہ تمام باتیں لغو و خرافات ہیں، خدائے پاک کے کلام پاک کا یہ مطلب نہیں ہے۔ یہودیوں کی شریعت میں سبت کا دن عبادت کا تھا اور اس میں کوئی کام کرنا یا شکار کھیلنا منع تھا، مگر ایک گروہ یہودیوں کا جو دریا کے کنارہ پر رہتا تھا فریب سے سبت کے دن بھی شکار کھیلتا تھا، ان کی قوم کے مشائخوں نے منع کیا، جب نہ مانا تو ان کو قوم سے منقطع، برادری سے خارج، کھانے پینے سے الگ میل جول سے علیحدہ کر دیا، اور وہ توریت پر نہ چلنے والوں کو ایسا ہی کیا کرتے تھے، اور اسی لئے ان کی حالت بندروں کی سی حالت ہو گئی تھی جس کی نسبت خدا نے فرمایا ہے کہ ''کُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ'' یعنی جس طرح بندر بلا پابندی شریعت حرکتیں کرتے ہیں جس طرح انسانوں میں بندر ذلیل و خوار ہیں، اسی طرح تم بھی انسانوں سے علیحدہ اور ذلیل و خوار و رسوا ہو جس کے سبب اس زمانہ کے لوگوں کو عبرت ہو، اور آئندہ آنے والے ان کی ذلت و رسوائی کا حال سن کر عبرت پکڑیں۔

یہ کہنا کہ وہ لوگ سچ مچ کے بندر ہو گئے تھے، بجز اہل الجنۃ کے اور کوئی تسلیم نہیں کر سکتا تھا، اسی سبب سے بعض مفسرین نے بھی ان کے سچ مچ کے بندر ہو جانے سے انکار کیا ہے، جس کو ہم بطور تائید اپنی کلام کے اس مقام پر نقل کرتے ہیں، بیضاوی میں لکھا ہے: ''مجاہد کا قول ہے کہ ان کی صورتیں بندر کی سی نہیں ہو گئی تھیں بلکہ ان کے دل بندروں کے سے ہو گئے تھے، اور اسی لئے بندروں کے ساتھ ان کو تشبیہ دی ہے'' جیسے کہ خدا نے گدھے کے ساتھ اپنے اس قول میں ''کہ ان کی مثال گدھے کی ہے جس پر کتابیں لدی ہوں'' تشبیہ دی ہے۔ (تفسیر القرآن وھو الھدیٰ والفرقان ج ا ص ١٢٥۔ ١٢٦، سر سید ریسرچ اکیڈمی، لاہور، ٢٠١٠ء)

دیگر آزاد مفسرین کی سر سید احمد خان سے مختلف تفسیر

شیخ امین احسن اصلاحی متوفی ١٩٩٧ء البقرہ: ٦٥ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بستی سمندر کے کنارے تھی۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ اس بستی کے لوگ تجارت اور تمدن میں بہت ترقی کر چکے تھے لیکن اس لعنت کی پاداش میں ان کے اوپر ایسا زوال آیا کہ ان کا ظاہر اور باطن سب کچھ مسخ ہو کر رہ گیا اور وہ گرد و پیش کی بستیوں اور آنے والی نسلوں کے لیے ایک داستانِ عبرت بن کر رہ گئے۔ (تدبر قرآن ج ا ص ٢٤٥، فاران فاؤنڈیشن، لاہور)

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ١٣٩٩ھ البقرہ: ٦٥ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ان کے بندر بنائے جانے کی کیفیت میں اختلاف ہے، بعض یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی جسمانی ہیئت بگاڑ کر بندروں کی سی کر دی گئی تھی اور بعض اس کے یہ معنی لیتے ہیں کہ ان میں بندروں کی سی صفات پیدا ہو گئی تھیں۔ لیکن قرآن کے الفاظ اور اندازِ بیان سے ایسا

ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسخ اخلاقی نہیں بلکہ جسمانی تھا۔ میرے نزدیک قرینِ قیاس یہ ہے کہ ان کے دماغ بعینہٖ اسی حال پر رہنے دیے گئے ہوں گے جس میں وہ پہلے تھے اور جسم مسخ ہو کر بندروں کے سے ہو گئے ہوں گے۔

(تفہیم القرآن ج ۱ ص ۸۴، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور ۲۰۱۲ء)

جاوید احمد غامدی لکھتے ہیں:

معلوم ہوتا ہے کہ خواہشِ نفس کی پیروی میں جب وہ بندروں کی طرح کسی حد کے پابند نہیں رہے تو پہلے ان کی سیرت مسخ ہوئی اور اس کے بعد ایک ظاہری فرق جو تھوڑا سا رہ گیا تھا وہ بھی بالآخر مٹ گیا یہاں تک کہ اس لعنت نے ان کے ظاہر و باطن ہر چیز کا احاطہ کر لیا۔ نیز لکھتے ہیں: محققین کا غالب رجحان یہ ہے کہ یہ مقام ایلہ یا ایلات یا ایلوت تھا، اسرائیل کی یہودی ریاست میں یہاں اسی نام کی ایک بندرگاہ بنائی ہے، اُردن کی مشہور بندرگاہ عقبہ اس کے قریب ہی واقع ہے، اس کا محلِ وقوع بحرِ قلزم کی اس شاخ کے انتہائی سرے پر ہے جو جزیرہ نمائے سینا کے مشرقی اور عرب کے مغربی ساحل کے درمیان ایک لمبی خلیج کی صورت میں نظر آتی ہے۔

(البیان ج ۱ ص ۸۱۔ ۸۲، المورد، لاہور، مئی ۲۰۱۰ء)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس ہم نے (ان کی سزا کے) اس (واقعہ) کو اس وقت کے موجودہ لوگوں اور بعد میں آنے والے لوگوں کیلئے موجبِ عبرت اور اللہ سے ڈرتے رہنے والوں کے لیے نصیحت بنا دیا O'' (البقرہ:۶۶)

موجودہ بندروں کا بنی اسرائیل کے مسخ شدہ بندروں کی نسل سے نہ ہونا

''فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهَا وَ مَا خَلْفَهَا وَ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿۶۶﴾'':

امام ابواللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ البقرہ:۶۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے مسخ شدہ بندروں کو بعد کے لوگوں کے لیے عبرت کا نشان بنا دیا تا کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے کئے ہوئے حرام کے ساتھ حلال کا معاملہ نہ کریں، حدیث میں ہے:

حضرت المغیرہ بن عبداللہ الیشکری بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے پوچھا: یارسول اللہ! کیا یہ بندر و خنزیر ان میں سے ہیں جن کو مسخ کیا گیا تھا؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل جس قوم کو ہلاک کرتا ہے یا جس قوم کو عذاب دیتا ہے تو اس کی نسل نہیں چلاتا اور بندر و خنزیر تو اس سے پہلے بھی تھے۔ (صحیح مسلم: ۲۶۶۳، الرقم المسلسل: ۶۶۶۵۔ ۶۶۶۷، دارالفکر، بیروت ۱۴۲۴ھ) (تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۱۲۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

میں کہتا ہوں: اس حدیث سے سرسید احمد خان کا واضح رد ہوتا ہے جنہوں نے بنی اسرائیل کے جسمانی مسخ ہونے کا انکار کیا ہے۔

(سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اس وقت کو یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: ''اللہ تمہیں ایک گائے کو ذبح کرنے کا حکم فرماتا ہے'' ان لوگوں نے کہا: کیا آپ ہم سے مذاق کر رہے ہیں؟ (حضرت موسیٰ نے) کہا: میں اس سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں کہ میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں O ان لوگوں نے کہا: آپ ہماری خاطر

اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں یہ بتائے کہ وہ گائے کیسی ہو؟ (موسیٰ نے) کہا: بے شک وہ (اللہ) ارشاد فرماتا ہے کہ: ''وہ ایسی گائے ہو جو نہ بوڑھی ہو اور نہ بچھیا ہو (بلکہ) ان دونوں کی عمروں کے درمیان متوسط عمر کی ہو''، سو اب تم اس پر عمل کرو جس کا تمہیں حکم فرمایا گیا ہے O ان لوگوں نے کہا: آپ ہماری خاطر اپنے رب سے یہ دعا کیجئے کہ وہ ہمیں بتائے کہ وہ کیسے رنگ کی گائے ہو؟ (موسیٰ نے) کہا: بے شک وہ (اللہ) فرماتا ہے کہ ''وہ خوب چمک دار زرد رنگ کی ایسی گائے ہو جس سے دیکھنے والے خوش ہوں'' O ان لوگوں نے کہا: آپ ہماری خاطر اپنے رب سے یہ دعا کیجئے کہ وہ ہمیں واضح طور سے بتائے کہ وہ اور کیسی گائے ہو؟ کیونکہ ہم پر گائیں مشتبہ ہو گئی ہیں اور بے شک اگر اللہ نے چاہا تو ہم ضرور (اس گائے کے متعلق) ہدایت پالیں گے O (موسیٰ نے) کہا: بے شک وہ (اللہ) فرماتا ہے کہ: ''وہ ایسی گائے ہے جو نہ محنت و مشقت کی ذلت اٹھانے والی ہے کہ زمین میں ہل چلاتی ہے اور نہ کھیت کو پانی دیتی ہے، (ہر عیب) سے سلامت ہے اور اس میں کوئی داغ اور دھبہ نہیں ہے'' ان لوگوں نے کہا: اب آپ نے پوری بات بتائی، سو انہوں نے اس گائے کو ذبح کر دیا اور وہ اس کام کو تقریباً نہ کرنے والے تھے O'' (البقرہ: ۶۷۔۷۱)

بنی اسرائیل کی گائے کا پس منظر اور پیش منظر

''وَاِذْقَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً'':

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ ھ، ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں البقرۃ کا ذکر ہے، یہ البقر (یعنی بیل) کی مؤنث ہے، اس کا قصہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک مال دار شخص تھا اور اس کے چچا کا بیٹا تنگدست تھا اور اس مال دار کا اس چچا کے بیٹے کے سوا اور کوئی وارث نہیں تھا، وہ اس مال دار کی موت کا انتظار کرتا رہا کہ وہ مرے گا تو وہ اس کے مال کا وارث ہوگا، اور جب کافی عرصہ تک وہ نہیں مرا تو اس نے اس مال دار شخص کو قتل کر دیا تا کہ وہ اس کا وارث ہو جائے اور اس کو اٹھا کر کسی اور بستی کے صحن میں ڈال دیا، پھر صبح کو اس مال دار کا وارث اس مال دار کے خون کا مطالبہ کرنے لگا اور کئی لوگوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس لے کر آیا اور ان کے متعلق یہ دعویٰ کیا کہ انہوں نے اس مال دار شخص کو قتل کیا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں سے سوال کیا تو انہوں نے انکار کیا، پھر اس مقتول کا معاملہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر مشتبہ ہو گیا، تب لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں تا کہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے یہ بتلائے کہ اس مال دار شخص کا قاتل کون ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''اللہ تمہیں ایک گائے کو ذبح کرنے کا حکم فرماتا ہے'' ان لوگوں نے کہا: کیا آپ ہم سے مذاق کر رہے ہیں؟ (موسیٰ نے) کہا: میں اس سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں کہ میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں O''

بنی اسرائیل نے یہ کہا کہ کیا آپ ہم سے مذاق کر رہے ہیں؟، کیونکہ ہم آپ سے قاتل کے متعلق سوال کر رہے ہیں اور آپ

ہمیں گائے کو ذبح کرنے کا حکم دے رہے ہیں، اور انہوں نے یہ اس لئے کہا کہ بہ ظاہر ان کے سوال کے جواب میں گائے کو ذبح کرنے کا حکم دینا بہت مستبعد تھا لیکن بنی اسرائیل کو یہ پتا نہیں تھا کہ گائے کو ذبح کرنے میں کیا حکمت ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میں اس سے اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں کہ میں مومنین کے ساتھ مذاق کروں، پھر جب بنی اسرائیل کو معلوم ہوگیا کہ گائے کو ذبح کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے پختہ عزم ہے تو پھر انہوں نے گائے کی صفات کے متعلق دریافت کیا اور اگر وہ پہلے کسی معمولی سی گائے کو بھی ذبح کر دیتے تو یہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل کے لیے کافی تھا لیکن انہوں نے اپنے اوپر سختی کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے اوپر سختی کی اور اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی۔

بنی اسرائیل کے فرماں بردار لڑکے کا قصہ اور اس کی آزمائش

اس حکمت کا بیان یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک نیک مرد تھا، اس کا ایک کم سن بیٹا تھا اور اس کی ایک بچھیا تھی جس کو اس نے جنگل میں رکھا ہوا تھا، اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اے اللہ! یہ بچھیا میرے کم سن بیٹے کی امانت ہے حتیٰ کہ وہ بڑا ہو جائے، پھر وہ مرد فوت ہوگیا اور وہ بچھیا جنگل میں رہی اور جو کوئی اس کو دیکھتا وہ اس سے بھاگ جاتی تھی، جب وہ لڑکا بڑا ہوگیا تو وہ اپنی والدہ کے ساتھ بہت نیکی کرتا تھا، اس نے رات کے تین حصے کئے تھے، ایک حصہ میں نماز پڑھتا تھا، دوسرے حصہ میں سوتا تھا اور تیسرے حصہ میں اپنی ماں کے سرہانے بیٹھا رہتا تھا، پھر جب صبح ہوتی تو وہ جنگل میں جا کر لکڑیاں کاٹ کر اپنی پیٹھ پر لاد کر لاتا اور بازار میں ان کو فروخت کرتا، پھر جو قیمت ملتی اس کے تین حصے کرتا، ایک حصہ صدقہ کرتا اور ایک حصہ کو کھالیتا اور ایک حصہ اپنی والدہ کو دیتا، ایک دن اس کی ماں نے اس سے کہا: تیرے باپ نے تجھے ایک بچھیا کا وارث بنایا ہے اور اس کو جنگل میں اللہ تعالیٰ کے پاس امانت میں رکھا ہے، تم جنگل میں جاؤ اور دعا کرو: اے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے رب! تو وہ بچھیا ہمیں واپس عطا فرما دے اور اس بچھیا کی علامت یہ ہے کہ جب تم اس کو دیکھو گے تو تمہیں یہ خیال آئے گا کہ اس گائے کی کھال سے سورج کی شعاعیں نکل رہی ہیں اور وہ گائے زرد رنگ کی بہت حسین تھی اور اس کو سنہری گائے کہا جاتا تھا، پھر وہ لڑکا جنگل میں گیا تو دیکھا وہ گائے چر رہی ہے، اس نے کہا: میں تجھے ابراہیم، اسماعیل، اسحاق اور یعقوب کے رب کی قسم دیتا ہوں کہ تو میرے پاس آ، سو وہ دوڑتی ہوئی آئی اور اس کے سامنے آ کر کھڑی ہوگئی، وہ اس کی گردن کو پکڑ کر اپنے ساتھ لے جانے لگا تو اللہ کے اذن سے وہ گائے بولنے لگی، اس نے کہا: اے لڑکے! تو اپنی ماں کے ساتھ نیکی کرتا ہے تو مجھ پر سوار ہو جا تیرے لیے سفر آسان ہوگا، اس لڑکے نے کہا: میری ماں نے مجھے تم پر سوار ہونے کا حکم نہیں دیا لیکن میری ماں نے کہا تھا: اس کو گردن سے پکڑ کر لے کر آنا، تو گائے بولی: بنی اسرائیل کے رب کی قسم! اگر تو مجھ پر سوار ہو جاتا تو کبھی بھی مجھ کو لے جانے پر قادر نہ ہوتا، پس اب اگر تم پہاڑ کو حکم دو کہ وہ اپنی جگہ سے اکھڑ کر تمہارے ساتھ چلے تو وہ ضرور چلے گا، کیونکہ تم اپنی ماں کی فرمانبرداری کرتے ہو، پھر وہ لڑکا اس گائے کو لے کر اپنی ماں کے پاس گیا تو ماں نے اس سے کہا: بے شک تم تنگدست ہو اور تم جنگل سے دن میں لکڑیاں کاٹ کر لاتے ہو اور رات کو عبادت کرتے ہو، تم کو بہت مشقت ہوتی ہے، تم جاؤ اس گائے کو فروخت کر دو، لڑکے نے پوچھا: میں اس گائے کو کتنی قیمت میں فروخت کروں؟ اس کی ماں نے کہا: تین دینار میں لیکن میرے مشورہ کے بغیر فروخت نہ کرنا اور اس گائے کی قیمت تین دینار ہی تھی، وہ لڑکا اس گائے کو بازار میں لے گیا۔

فرشتہ کا اس لڑکے کو بنو اسرائیل کے ہاتھ گائے فروخت کرنے کا مشورہ

اور اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کو بھیجا تا کہ اپنی قدرت کے آثار دکھائے اور اس لڑکے کی آزمائش کرے حالانکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے، اس فرشتہ نے لڑکے سے پوچھا: تم اس گائے کو کتنے میں فروخت کرو گے؟ لڑکے نے کہا: تین دینار میں اور شرط یہ ہے کہ میری ماں راضی ہو، فرشتہ نے کہا: تم چھ دینار لے لو اور اپنی ماں سے مشورہ نہ کرو، تو اس لڑکے نے کہا: اگر تم اس گائے کے وزن کے برابر مجھے سونا بھی دو تب بھی میں اپنی ماں کی رضا کے بغیر اس کو فروخت نہیں کروں گا، پھر وہ اس گائے کو لے کر اپنی ماں کے پاس گیا اور اس واقعہ کی خبر دی اور اس قیمت کی بتائی، ماں نے کہا: واپس جاؤ اور اس گائے کو چھ دینار میں فروخت کر دو مگر میری رضامندی کی شرط لگانا، وہ پھر اس گائے کو بازار میں لے کر گیا اور فرشتہ اس کے پاس آیا، فرشتہ نے پوچھا: تم نے اپنی ماں سے پوچھ لیا؟ لڑکے نے کہا: ماں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں چھ دینار سے کم میں فروخت نہ کروں مگر اس کا مشورہ ضروری ہے، فرشتے نے کہا: میں تم کو بارہ دینار اس شرط پر دیتا ہوں کہ تم ماں سے مشورہ نہ کرو، سو لڑکے نے اس کا انکار کر دیا اور اپنی ماں کے پاس واپس جا کر اس کی خبر دی تو اس کی ماں نے کہا: تیرے پاس جو شخص آیا ہے وہ دراصل فرشتہ ہے جو آدمی کی صورت میں ہے اور تمہاری آزمائش کے لیے آیا ہے، پس جب وہ تمہارے پاس آئے تو تم اس سے پوچھنا: آپ کیا مشورہ دیتے ہیں کہ ہم اس گائے کو فروخت کریں یا نہ کریں؟ لڑکے نے ایسا کیا تو اس سے فرشتہ نے کہا: اپنی ماں کے پاس جاؤ اور اس سے کہو: اس گائے کو روک کر رکھے کیونکہ حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام اس گائے کو تم سے اس مقتول کے بدلہ میں خریدیں گے جس کو بنو اسرائیل نے قتل کیا تھا، سو تم اس گائے کو اس وقت بیچنا جب وہ تم کو اس کی کھال میں دنانیر بھر کر دے دیں، سو اس لڑکے نے اس گائے کو روک لیا اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر یہ مقدر کیا کہ وہ بعینہٖ اس گائے کو ذبح کریں، سو وہ مسلسل حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گائے کی صفات کے بارے میں معلوم کرتے رہے حتیٰ کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس گائے کی وہ صفات بیان کیں جو اس معیّن گائے میں پائی جاتی تھیں تا کہ جو لڑکا اپنی ماں کا فرمانبردار ہے اس کو اس کی فرمانبرداری کا صلہ حاصل ہو۔

البقرہ: ۶۷ تا البقرہ: ۷۱ کا خلاصہ

البقرہ: ۶۸ میں ان کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ: وہ گائے ایسی ہو جو نہ بوڑھی ہو اور نہ بچھیا ہو، اس آیت میں ''فارض'' کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: ایسی بوڑھی جس سے اولاد نہ ہو، اور اس آیت میں ''بکر'' کا لفظ ہے، یعنی ایسی چھوٹی نہ ہو جس سے بچہ نہ ہو سکے اور ان دونوں عمروں کے درمیان ہو، پھر فرمایا: پس اب تم گائے کو ذبح کر دو یعنی زیادہ سوال نہ کرو۔

البقرہ: ۶۹ میں ان کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ وہ گہرے زرد رنگ کی گائے ہو اور دیکھنے والوں کو خوبصورت لگتی ہو۔

البقرہ: ۷۰ میں مذکور ہے، انہوں نے کہا: ''آپ ہمیں واضح طور پر بتائیں کہ وہ گائے کیسی ہو؟ کیونکہ گائے ہمیں مشتبہ ہو گئی ہے اور ان شاء اللہ ہم ہدایت پا جائیں گے''، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! اگر وہ ان شاء اللہ نہ کہتے تو ابد تک ان پر گائے منکشف نہ ہوتی۔ (الطبری: ۶۲۴، ۱۲۴ الکشاف: ۳۹)

البقرہ: ۷۱ میں ان کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ: ''وہ ایسی گائے ہے جو نہ محنت و مشقت کی ذلت اٹھانے والی ہے کہ

زمین میں ہل چلاتی ہے اور نہ کھیت کو پانی دیتی ہے، (ہر عیب) سے سلامت ہے اور اس میں کوئی داغ اور دھبہ نہیں ہے'' ان لوگوں نے کہا: اب آپ نے پوری بات بتائی، سوانہوں نے اس گائے کو ذبح کر دیا اور وہ اس کام کو تقریباً نہ کرنے والے تھے''۔

(معالم التنزیل ج ۱ ص ۱۲۷۔ ۱۳۰، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

بنی اسرائیل کے گائے کے قصہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل

امام ابومنصور محمد بن محمد الماتریدی الحنفی المتوفی ۳۳۳ھ البقرہ: ۶۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً'' اس آیت میں امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کی دلیل ہے، کیونکہ وہ کہتے ہیں: جس شخص نے یہ قسم کھائی کہ وہ ''بقرۃ'' (گائے) کا گوشت نہیں کھائے گا، پھر اس نے ''ثور'' (بیل) کا گوشت کھالیا تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ''البقرۃ'' کا ذکر فرمایا، پھر آخر میں جو اس کے متعلق ذکر فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ''ثور'' کا ارادہ فرمایا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مذکر کے صیغہ کے ساتھ فرمایا ''لَا ذَلُوْلٌ تُثِیْرُ الْاَرْضَ'' اور ''بیل'' وہ ہوتا ہے جو زمین میں ہل چلاتا ہے اور کھیت کو پانی دیتا ہے نہ کہ گائے، البتہ اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ بنی اسرائیل گائے سے بھی اس طرح ہل چلواتے تھے جس طرح اس زمانہ میں بیل سے ہل چلوایا جاتا ہے۔

''وَمَا كَادُوْا یَفْعَلُوْنَ'': اور وہ اس کام کو تقریباً نہ کرنے والے تھے، بنو اسرائیل اس گائے کو حسبِ ذیل وجوہ سے ذبح کرنا نہیں چاہتے تھے: (۱) اس گائے کی قیمت بہت زیادہ تھی (۲) ان کو یہ خوف تھا کہ اگر گائے کو ذبح کر دیں تو اس مال دار شخص کا قاتل ظاہر ہو جائے گا اور اس میں ان کی رسوائی تھی (۳) انہوں نے اس گائے کی صفت کے متعلق بہت سوالات کیے اور ایسا وہی شخص کرتا ہے جو وہ کام نہ کرنا چاہتا ہو۔ (تاویلات اہل السنۃ، ج ۱ ص ۴۹۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِیْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۷۲﴾ ج

اور (اے بنی اسرائیل! یاد کرو) جب تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا، پھر تم اس (قاتل) کے متعلق آپس میں جھگڑا کرنے لگے اور اللہ اس چیز کو ظاہر کرنے والے تھے جس کو تم چھپا رہے تھے O

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ یُحْیِ اللّٰهُ الْمَوْتٰی ۙ وَیُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾

پس ہم نے فرمایا: اس (مذبوح گائے) کا کوئی ٹکڑا اس مقتول پر مارو، اسی طرح اللہ مُردوں کو (قیامت کے دن) زندہ فرمائیں گے اور وہ تم کو اپنی نشانیاں دکھا رہے ہیں تاکہ تم عقل سے کام لو O

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِیَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا یَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا یَشَّقَّقُ فَیَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا یَهْبِطُ مِنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾

پھر اس (واقعہ کو دیکھنے) کے بعد تمہارے دل (مزید) سخت ہو گئے، سو وہ (دل) پتھروں کی مثل ہیں یا ان سے بھی زیادہ سخت ہیں اور بے شک بعض پتھروں سے ضرور دریا پھوٹ نکلتے ہیں اور بے شک بعض پتھر پھٹ جاتے ہیں سو ان سے پانی نکلتا ہے اور بے شک بعض پتھر ضرور اللہ کے خوف سے گر جاتے ہیں اور تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ ان کاموں سے بے خبر نہیں ہے O

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾

اور (اے مسلمانو!) کیا تم یہ توقع رکھتے ہو کہ یہ (یہودی) تمہارے دین پر ایمان لے آئیں گے؟ حالانکہ ان میں سے ایک گروہ ایسا تھا جو اللہ کا کلام سنتا تھا، پھر اس کلام کو جاننے اور سمجھنے کے باوجود بدل دیتا تھا O

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۶﴾

اور یہ (یہودی) جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم ایمان لا چکے ہیں، اور جب ایک دوسرے کے ساتھ تنہائی میں ہوتے ہیں تو کہتے ہیں: کیا تم ان (مسلمانوں) کو وہ باتیں بتا دیتے ہو جو اللہ نے تم پر منکشف کی ہیں تا کہ انجامِ کار وہ (مسلمان) تمہارے رب کے سامنے تمہارے خلاف استدلال کریں، کیا پس تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ O

اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۷﴾

کیا (یہودی اتنا بھی) نہیں جانتے کہ بے شک اللہ اُن (باتوں) کو جانتا ہے جن کو یہ چھپاتے ہیں اور اُن (باتوں کو بھی) جانتا ہے جن کو یہ ظاہر کرتے ہیں O

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۷۸﴾

اور ان (یہودیوں) میں سے بعض اَن پڑھ ہیں جو اپنی تمناؤں کے سوا کتاب کا کچھ علم نہیں رکھتے اور وہ محض گمان کرتے ہیں O

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۤ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿۷۹﴾

پس اُن لوگوں کے لیے خسارا ہے جو اپنے ہاتھوں سے (اللہ کی) کتاب میں لکھتے ہیں، پھر کہتے ہیں: یہ (لکھا ہوا) اللہ کی طرف سے ہے تا کہ اس کے عوض وہ قلیل معاوضہ حاصل کریں، پس اُن کے لیے اس پر خسارا ہے جس کو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے لکھا اور اُن کے لیے اُس پر خسارا ہے جو اس سے وُہ کمائی حاصل کرتے ہیں O

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗۤ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾

اور (یہودیوں) نے کہا: ہمیں دوزخ کی آگ صرف چند دنوں تک ہی چھوئے گی، آپ کہیے: کیا تم اللہ تعالیٰ سے (اس کے متعلق) کوئی عہد کر چکے ہو کہ اللہ اس عہد کے خلاف ہرگز نہیں کرے گا؟ یا تم اللہ کے متعلق وہ بات کہہ رہے ہو جس کا تمہیں علم نہیں ہے O

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَیِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِیْٓـَٔتُهٗ فَاُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾

کیوں نہیں! جس نے بھی کسی برائی کا ارتکاب کیا اور اس بُرائی نے اس کا احاطہ کر لیا سو وہی لوگ اہلِ دوزخ ہیں اور وُہ اس دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں O

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع ۹

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے وہ اہلِ جنت ہیں (اور) وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے بنی اسرائیل! یاد کرو) جب تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا، پھر تم اس (قاتل) کے متعلق آپس میں جھگڑا کرنے لگے اور اللہ اس چیز کو ظاہر کرنے والے تھے جس کو تم چھپا رہے تھے O پس ہم نے فرمایا: اس (مذبوح گائے) کا کوئی ٹکڑا اس مقتول پر مارو، اسی طرح اللہ مُردوں کو (قیامت کے دن) زندہ فرمائے گا اور وہ تم کو اپنی نشانیاں دکھا رہا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو O'' (البقرہ: ۷۲۔۷۳)

البقرہ: ۶۷۔۷۱ کا البقرہ: ۷۲۔۷۳ کے ساتھ مربوط ہونا

''وَ اِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِیْهَا'': امام ابو اللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، البقرہ: ۷۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی جب تم نے ''عامیل'' نام کے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا، پھر تم ایک دوسرے سے اس قتل کے الزام کو دور کر رہے تھے اور یہ گائے ذبح کرنے کے حکم کا ابتدائی واقعہ ہے، پھر تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس گئے اور اُن سے کہا کہ آپ اللہ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ''عامیل'' کے قاتل کی نشاندہی فرمائے، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ تم گائے کو ذبح کرو، اس کے بعد وہ پورا قصہ ہے جس کا اس سے پہلے رکوع میں ذکر فرمایا ہے، اور اللہ تعالیٰ ''عامیل'' کے قاتل کو ظاہر فرمانے والا تھا جس کو تم چھپا رہے تھے۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ اے بنی اسرائیل! جس طرح تم عامیل کے قاتل کو چھپا رہے تھے اور اللہ تعالیٰ اس کے قاتل کو ظاہر فرمانے والا تھا، اسی طرح اے یہودِ مدینہ! تم تورات میں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نعت اور صفت کو چھپاتے ہو اور اللہ تعالیٰ اس کو بھی اسی طرح ظاہر فرمانے والا ہے جس طرح اس نے عامیل کے قاتل کو ظاہر فرما دیا۔

قاتل کا مقتول کی وراثت سے محروم ہونا

''فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا'' یعنی ہم نے کہا: اس مقتول کے جسم پر گائے کے کسی عُضو کو مارو۔ بعض مفسرین نے کہا: اس کی دائیں ران کو مارو اور بعض نے کہا: اس کی زبان کو مارو اور بعض نے کہا: اس کی دُم کی ہڈی کو مارو، اور جو ہڈی دُم کی جڑ میں ہوتی ہے اسی سے پورے جسم کی تخلیق ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ سب سے پہلے اس ہڈی کی تخلیق فرماتا ہے، پھر اس کے اوپر باقی بدن کی تخلیق فرماتا ہے اور موت کے بعد یہ ہڈی سب سے آخر میں فنا ہوتی ہے، بعض مفسرین نے کہا ہے کہ جب انہوں نے اس مقتول پر گائے کے اس عضو کو مارا تو وہ مقتول اس حال میں اٹھ کر بیٹھ گیا کہ اس کی رگوں سے خون بہہ رہا تھا اور اس نے بتایا: مجھے میرے چچا کے دو بیٹوں نے قتل کیا ہے، پس ان دونوں بیٹوں کو گرفتار کیا گیا اور قصاص میں قتل کر دیا گیا اور اُن دونوں بیٹوں کو اس مقتول ''عامیل'' کی وراثت سے کچھ بھی نہیں دیا گیا۔ عبیدہ السلمانی نے کہا: اس قصہ کے بعد کسی قاتل کو مقتول کا وارث نہیں بنایا گیا۔

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر دلیل

''كَذٰلِكَ یُحْیِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى'' (اسی طرح اللہ مُردوں کو (قیامت کے دن) زندہ فرمائے گا):

اس واقعہ میں ان لوگوں کے لیے یہ دلیل تھی کہ لوگوں کو مرنے کے بعد لامحالہ زندہ کیا جائے گا، کیونکہ انہوں نے اس کا مشاہدہ کر لیا کہ موت کے بعد ایک مُردہ کو زندہ کیا گیا اور اس واقعہ میں اس اُمت اور مشرکینِ عرب کے لیے بھی دلیل ہے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور رسالت پر دلیل

میں کہتا ہوں: اس واقعہ کے متعلق آیات میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور رسالت کی دلیل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس واقعہ کی خبر دی اور آپ نے بنی اسرائیل کے سامنے یہ آیات پڑھیں اور انہوں نے اس کی تصدیق کر دی، حالانکہ وہ آپ کے دین کے مخالف تھے اور ان کو یہ معلوم تھا کہ آپ نے یہ واقعہ ان کی کسی کتاب میں نہیں پڑھا اور نہ ان کے کسی عالم سے سنا ہے، اس کے باوجود جب آپ نے یہ واقعہ اسی طرح بیان فرما دیا تو معلوم ہو گیا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کی وحی سے خبر دی ہے اور وحی صرف نبی پر نازل ہوتی ہے، سو اس واقعہ کے متعلق آیات آپ کی نبوت کی دلیل ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

''وَیُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ'' (اور وہ تم کو اپنی نشانیاں دکھا رہا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو):

علامہ سمرقندی حنفی المتوفی ۳۷۵ھ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ تم کو مُردہ زندہ کر کے دکھاتا ہے تاکہ تم اس کی تصدیق کرو کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جو مرنے کے بعد زندہ کیے جانے کی خبر دی ہے وہ برحق ہے۔

(تفسیر سمرقندی ج ۱ ص ۱۲۹۔ ۱۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

قاتل کے لیے مقتول کی وراثت کے متعلق مذاہبِ فقہاء

امام ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی المتوفی ۳۷۰ھ البقرہ: ۷۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

قاتل کی میراث میں اختلاف ہے، حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت ابن عباس، حضرت سعید بن المسیّب رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ قاتل کو مقتول کی میراث نہیں ملے گی خواہ اس نے عمداً قتل کیا ہو یا خطاءً قتل کیا ہو، اور نہ قاتل مقتول کی دیت کا وارث ہوگا اور نہ

اس کے باقی مال کا وارث ہوگا، اور یہی امام ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ھ، الثوری متوفی ۱۶۱ھ، امام ابو یوسف متوفی ۱۸۲ھ، امام محمد متوفی ۱۸۹ھ اور امام زفر متوفی ۱۵۸ھ کا مذہب ہے، لیکن ہمارے اصحاب نے یہ کہا ہے کہ اگر قاتل بچہ ہو یا دیوانہ ہو تو وہ وارث ہوگا۔ اور عثمان البتی نے کہا ہے کہ خطاءً قتل کرنے والا وارث ہوگا اور عمداً قتل کرنے والا وارث نہیں ہوگا، اور ابن شبرمہ نے کہا کہ خطاءً قتل کرنے والا وارث نہیں ہوگا، اور ابن وہب نے امام مالک متوفی ۱۷۹ھ سے روایت کی ہے کہ عمداً قتل کرنے والا مقتول کی دیت سے کسی چیز کا وارث نہیں ہوگا اور نہ اس کے مال سے کسی چیز کا وارث ہوگا۔ اور اگر اس نے خطاءً قتل کیا ہے تو اس کے مال سے وارث ہوگا اور اس کی دیت سے وارث نہیں ہوگا، اور اسی کی مثل حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ، مجاہد متوفی ۱۰۴ھ اور الزہری متوفی ۱۲۵ھ سے مروی ہے، اور یہی امام الاوزاعی کا قول ہے، اور المزنی نے امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ سے نقل کیا ہے کہ جب باغی عادل کو قتل کردے یا عادل باغی کو قتل کردے تو دونوں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے کیونکہ وہ دونوں قاتل ہیں۔

امام ابوبکر نے کہا ہے کہ فقہاء کا اس میں اختلاف نہیں ہے کہ جب عاقل بالغ کسی کو ناحق عمداً قتل کرے تو وہ اس کا وارث نہیں ہوگا اور جو خطاءً قتل کرے اس کے متعلق وہی اختلاف ہے جو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے، اس کی دلیل میں حسبِ ذیل احادیث ہیں:

عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قاتل کے لیے میراث میں سے کوئی حصہ نہیں ہے۔

مکحول بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو عمداً قتل کرے وہ نہ اپنے بھائی کا وارث ہوگا نہ اپنے کسی اور قرابت دار کی کسی چیز کا وارث ہوگا۔ اور قاتل کے بعد جو لوگوں میں سب سے زیادہ قریب رشتہ دار ہوگا وہ وارث ہوگا۔

حضرت عدی الجزامی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میری دو بیویاں تھیں، وہ آپس میں لڑیں تو میں نے ان دونوں میں سے کسی ایک کو مار ڈالا، آپ نے فرمایا: تم اس کی دیت ادا کرو اور تم اس کے وارث نہیں ہو گے۔

ان احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ قاتل مقتول کے تمام مال کی وراثت سے محروم ہوگا اور اس میں یہ فرق نہیں ہے کہ اس نے عمداً قتل کیا ہو یا خطاءً قتل کیا ہو کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقاً قاتل کا ذکر فرمایا ہے، اور تحقیق یہ ہے کہ فقہاء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے اور تمام فقہاء نے اس کو قبول کیا ہے، لہٰذا یہ حدیث اس حدیث کی طرح متواتر ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ" یعنی وارث کے لیے وصیت نہیں کی جائے گی۔

اور ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ بچہ اور مجنون قتل کے سبب سے وراثت سے محروم نہیں کئے جائیں گے کیونکہ وہ دونوں غیر مکلف ہیں، نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تین لوگوں سے قلم (تکلیف) اٹھالیا گیا ہے: سوئے ہوئے شخص سے حتیٰ کہ وہ بیدار ہو جائے، اور مجنون سے حتیٰ کہ وہ صحت یاب ہو جائے اور بچہ سے حتیٰ کہ وہ بالغ ہو جائے۔

(احکام القرآن، ج ۱ ص ۴۳۔ ۴۴ ملخصاً وملتقطاً وموضحاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۴ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "پھر اس (واقعہ کو دیکھنے) کے بعد تمہارے دل (مزید) سخت ہو گئے، سو وہ (دل) پتھروں کی مثل ہیں یا ان سے بھی زیادہ سخت ہیں اور بے شک بعض پتھروں سے ضرور دریا پھوٹ نکلتے ہیں

اور بے شک بعض پتھر پھٹ جاتے ہیں سو ان سے پانی نکلتا ہے اور بے شک بعض پتھر ضرور اللہ کے خوف سے گر جاتے ہیں اور تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ ان کاموں سے بے خبر نہیں ہے O'' (البقرہ: ۷۴)

کفار کے دلوں کی سختی کی مثال

''ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً'':

امام ابو منصور محمد بن محمد الماتریدی الحنفی المتوفی ۳۳۳ھ البقرہ: ۷۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے دلوں کو پتھروں کے مشابہ قرار دیا ہے کیونکہ ان کے دل پتھروں کی طرح سخت تھے بلکہ پتھروں سے بھی زیادہ سخت تھے کیونکہ پتھروں میں عقل اور فہم نہیں ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے خطاب کے سننے سے عاری ہیں اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور اس کے خوف سے پھٹ جاتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (الحشر: ۲۱) اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل فرماتے تو (اے مخاطب!) تم ضرور اسے اللہ کے خوف سے جھکا ہوا اور پھٹا ہوا دیکھتے۔

اور ان کا دل عقل اور فہم کے اسباب میسر ہونے کے باوجود اللہ کے سامنے نہ جھکتا تھا اور نہ نرم ہوتا تھا، اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے متعلق خبر دی ہے کہ وہ قیامت کے دن کی ہولناکی کی وجہ سے نرم ہو جائیں گے، ارشادِ باری ہے:

وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝ (القارعہ: ۵) اور پہاڑ (قیامت کے دن) دھنکی ہوئی رنگ برنگی اون کی طرح ہو جائیں گے O

یا اس طرح کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں میں ان کی سختی اور شدت کے باوجود مخلوق کے لیے منافع رکھے ہیں، ان پہاڑوں سے دریا پھوٹتے ہیں اور پانی کے چشمے نکلتے ہیں اور کافر کے دل سے کسی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔

کفار کے دلوں کی سختی کو پتھروں کے ساتھ تشبیہ دینے کی توجیہ

اللہ تعالیٰ نے کفار کے دلوں کی سختی کو پتھروں کے ساتھ تشبیہ دی ہے کسی اور سخت چیز مثلاً لوہے یا پیتل یا تانبے کے ساتھ تشبیہ نہیں دی، اللہ ہی بہتر جانتا ہے اس کی کیا وجہ ہے، ہوسکتا ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ لوہا آگ سے نرم ہو جاتا ہے اور لوہے کو پگھلا کر اس سے مشینیں اور اوزار بنا لیے جاتے ہیں اسی طرح تانبا اور پیتل بھی آگ سے نرم ہو جاتا ہے اور ان کو پگھلا کر ان سے برتن وغیرہ ڈھال لیے جاتے ہیں اور پتھر ایسی جنس ہے جس کو آگ یا کوئی اور چیز نرم نہیں کر سکتی، لہٰذا کافر کے دل کو پتھر کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۱ ص ۴۹۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالِ حسن کا معجزہ

میں کہتا ہوں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اُحُدٌ جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهٗ''۔

(صحیح البخاری: ۱۴۸۲، صحیح مسلم: ۱۳۹۲، سنن ترمذی: ۳۹۲۲، سنن ابن ماجہ: ۳۱۱۵)

یعنی اُحد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں، اور احد پہاڑ بھی پتھر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اعجاز یہ

ہے کہ پتھر جو کسی چیز سے نرم نہیں ہوتا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال کو دیکھ کر نرم ہو گیا اور آپ سے محبت کرنے لگا۔
(سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے ''اور (اے مسلمانو!) کیا تم یہ توقع رکھتے ہو کہ یہ (یہودی) تمہارے دین پر ایمان لے آئیں گے؟ حالانکہ ان میں سے ایک گروہ ایسا تھا جو اللہ کا کلام سنتا تھا، پھر اس کلام کو جاننے اور سمجھنے کے باوجود بدل دیتا تھا O'' (البقرہ:۷۵)

البقرہ:۷۵ میں صورتاً استفہام اور حقیقتاً ممانعت کا مراد ہونا

امام ابو منصور محمد بن محمد الماتریدی الحنفی المتوفی ۳۳۳ھ ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اَفَتَطۡمَعُوۡنَ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡا لَکُمۡ'': اس آیت میں بہ ظاہر استفہام ہے کہ کیا تم ان یہودیوں کے ایمان کی توقع رکھتے ہو اور اس سے مراد نہی اور ممانعت ہے، یعنی تم ان کے ایمان کی توقع نہ کرو، کیونکہ ان یہودِ مدینہ کے آباء و اجداد کو اللہ تعالیٰ نے بہت عجیب و غریب نشانیاں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دکھائے، اس کے باوجود وہ ایمان نہیں لائے اور یہودِ مدینہ ان ہی کی نسل سے ہیں اور دین داری اور خدا خوفی میں ان سے بہت کم تر ہیں، سو جب وہ ایمان نہیں لائے حالانکہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو بہت قریب سے دیکھا تھا اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں اور انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا مشاہدہ کیا تھا، پھر بھی وہ ایمان نہیں لائے، تو پھر ان یہودِ مدینہ کے ایمان لانے کی تم کیسے توقع کر رہے ہو! یعنی تم یہ توقع نہ کرو۔

اَفَمَنۡ حَقَّ عَلَیۡهِ کَلِمَةُ الۡعَذَابِ ؕ اَفَاَنۡتَ تُنۡقِذُ مَنۡ فِی النَّارِ ۞ (الزمر:۱۹)

کیا جس شخص پر (اللہ کا) عذاب مقدر ہو چکا ہے تو کیا آپ اس شخص کو چھڑا لیں گے جو (علمِ الٰہی میں) دوزخ میں ہے؟O

یعنی ایسے شخص پر آپ کی تبلیغ موثر نہیں ہوگی لہٰذا اس کے ایمان نہ لانے پر آپ افسوس نہ کریں۔

(تاویلات اہل السنۃ ج ۱ ص ۴۹۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور یہ (یہودی) جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم ایمان لا چکے ہیں، اور جب ایک دوسرے کے ساتھ تنہائی میں ہوتے ہیں تو کہتے ہیں: کیا تم ان (مسلمانوں) کو وہ باتیں بتا دیتے ہو جو اللہ نے تم پر منکشف کی ہیں تاکہ انجامِ کار وہ (مسلمان) تمہارے رب کے سامنے تمہارے خلاف استدلال کریں، کیا پس تم عقل سے کام نہیں لیتے؟O کیا (یہودی اتنا بھی) نہیں جانتے کہ بے شک اللہ اُن (باتوں) کو جانتا ہے جن کو یہ چھپاتے ہیں اور اُن (باتوں کو بھی) جانتا ہے جن کو یہ ظاہر کرتے ہیں O'' (البقرہ:۷۶۔۷۷)

علامہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی المتوفی ۷۱۰ھ البقرہ:۷۶۔۷۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَ اِذَا لَقُوا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا'' یعنی جب منافقین یا یہودی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مخلص اصحاب سے ملتے ہیں تو منافقین کہتے ہیں: ہم یہ مانتے ہیں کہ تم حق پر ہو اور محمد وہی رسول ہیں جن کی بشارت دی گئی تھی، اور جب یہ منافقین ایک دوسرے کے ساتھ تنہائی میں ملتے ہیں تو وہ ڈانٹتے ہوئے کہتے ہیں کہ کیا تم اصحابِ محمد کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ان صفات کی خبر دے دیتے ہو جو اللہ تعالیٰ

نے تورات میں ذکر فرمائی ہیں تا کہ یہ مسلمان تمہارے خلاف حجت قائم کریں، اللہ تعالیٰ ان کا رد کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: ''کیا ان کو یہ علم نہیں ہے کہ انہوں نے اپنے دلوں میں جو کفر چھپایا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو بھی جانتا ہے اور جس ایمان کو یہ ظاہر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو بھی جانتا ہے''۔ (مدارک التنزیل وحقائق التاویل ج ١ ص ١٠٣، دار ابن کثیر، بیروت، ١٤٣٢ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ان (یہودیوں) میں سے بعض اَن پڑھ ہیں جو اپنی تمناؤں کے سوا کتاب کا کچھ علم نہیں رکھتے اور وہ محض گمان کرتے ہیں O'' (البقرہ:٧٨)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفت ''اُمّی'' کی تحقیق

البقرہ:٧٨ میں ''اُمِّيُّوْنَ'' کا لفظ ہے اور ''اُمِّيُّوْنَ'' ''اُمِّی'' کی جمع ہے ''اُمِّی'' کے معنی کے متعلق علامہ زبیدی حنفی متوفی ١٢٠٥ھ لکھتے ہیں:

''وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ'': ''اُمِّی'' اس شخص کو کہتے ہیں جو لکھتا نہ ہو یا جو شخص اپنی ابتدائی خلقت پر ہو اور اس نے کتاب کو کسی سے نہ پڑھا ہو، حدیث میں ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اِنَّا اُمَّةٌ اُمِّيَّةٌ لَا نَكْتُبُ وَلَا نَحْسُبُ'' (ہم ایسی امت ہیں جس نے کسی سے نہیں پڑھا ہم نہ لکھتے ہیں اور نہ حساب کرتے ہیں)۔

(صحیح البخاری: ١٩١٣، صحیح مسلم: ١٠٨٠، سنن نسائی: ٢١٤١، سنن ابوداؤد: ٢٣١٩، مسند احمد: ٥١١٦)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس ارشاد سے منشاء یہ ہے کہ جس حالت میں آپ اپنی ''اُم'' (ماں) سے پیدا ہوئے تھے، آپ اسی حالت پر قائم ہیں اور آپ نے لکھنا اور حساب نہیں سیکھا، سو آپ اپنی جبلّت اُولیٰ پر ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''اُمّی'' اس لئے فرمایا ہے کہ عرب کی قوم نہ لکھتی تھی اور نہ کسی مکتوب کو پڑھتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف ایسا رسول مبعوث فرمایا جو نہ لکھتا تھا اور نہ کسی مکتوب سے پڑھتا تھا اور آپ کا یہ وصف بھی آپ کا ایک معجزہ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بار قرآن مجید کی کسی سورت کی تلاوت فرماتے پھر دوبارہ اسی سورت کی تلاوت فرماتے تو اس میں پہلی بار کی تلاوت سے سرِ مُو بھی فرق نہ ہوتا اور اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ○ (العنکبوت:٤٨)

اور آپ اس (نزولِ قرآن) سے پہلے نہ کسی کتاب سے پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے (کچھ) لکھتے تھے (ورنہ) باطل پرست لوگ ضرور شک میں پڑ جاتے O

یعنی کفار یہ کہتے کہ آپ پچھلے انبیاء اور ان کی امتوں کے جو احوال ہمیں پڑھ کر سناتے ہیں تو آپ نے یہ ضرور ان کی کتابوں میں پڑھ لیے ہوں گے، اور جب نزولِ قرآن سے پہلے آپ نہ پڑھتے تھے اور نہ لکھتے تھے تو کفار کے اس شبہ کا محل نہیں رہا۔ بعض علماء نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ پہلے آپ لکھنا اور پڑھنا نہیں جانتے تھے اور بعد میں آپ لکھنا اور پڑھنا جانتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے العنکبوت:٤٨ میں یہ قید لگائی ہے کہ نزولِ قرآن سے پہلے آپ لکھنا اور پڑھنا نہیں جانتے تھے، اور اس قید کا فائدہ یہ ہے کہ نزولِ قرآن کے بعد آپ لکھنا اور پڑھنا جانتے تھے، کیونکہ نزولِ قرآن سے پہلے آپ کا لکھنے اور پڑھنے کو نہ جاننا آپ کا معجزہ تھا اور جب

ہے کہ یہ کفار کی اپنے اوپر بددعا ہے، وہ اپنے لیے ''وَیل'' اور ''الثبور'' (ہلاکت) کہتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا معنی ہے: شدید عذاب اور سعید بن المسیب نے کہا: جہنم کی ایک وادی کا نام وَیل ہے، اگر تمام دنیا کے پہاڑ اس وادی میں ڈال دیے جائیں تو وہ پگھل جائیں، حدیث میں ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جہنم میں ''وَیل'' نام کی ایک وادی ہے، اس وادی میں اس کی تہہ تک پہنچنے سے پہلے کافر چالیس سال تک گرتا رہے گا۔ (شرح السنۃ: ۴۳۰۵، سنن ترمذی: ۳۱۶۴، مسند احمد ج ۳ ص ۷۵)

''يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا'' (جو اپنے ہاتھوں سے (اللہ کی) کتاب میں لکھتے ہیں، پھر کہتے ہیں: یہ (لکھا ہوا) اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے عوض وہ قلیل معاوضہ حاصل کریں):

یعنی یہود مدینہ کے علماء کو یہ خطرہ تھا کہ اگر ہم نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی حقانیت کو بیان کر دیا تو عوام یہود ان کو جو نذرانے دیتے ہیں وہ بند ہو جائیں گے اور ان کے کھانے پینے کا ذریعہ ختم ہو جائے گا اور ان کی چودھراہٹ زائل ہو جائے گی، سو جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو انہوں نے عوام یہود کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے روکنے کا حیلہ کیا اور تورات میں آپ کی جو صفات مذکور تھیں ان کو بدل ڈالا، تورات میں آپ کی صفت مذکور تھی کہ آپ کا چہرہ حسین ہے، بال حسین ہیں، آنکھیں سُرمئی ہیں اور آپ کا قد متوسط ہے اس کو بدل کر انہوں نے لکھ دیا کہ آخری نبی کا قد لمبا ہوگا، آنکھیں نیلی ہوں گی، بال سیدھے ہوں گے، پس جب علماء یہود سے ان کے عوام پوچھتے کہ آخری نبی کی صفت بیان کریں تو انہوں نے آپ کی صفت کے متعلق جو لکھا ہوا تھا وہ پڑھ کر سنا دیتے۔

''فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ'' (پس اُن کے لیے اس پر خسارا ہے جس کو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے لکھا): یعنی انہوں نے اپنے ہاتھوں سے گھڑ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صفات لکھی ہیں اس کی وجہ سے ان کو عذابِ شدید ہوگا اور یہی ان کا خسارا ہے۔

''وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ'' (اُن کے لیے اُس پر خسارا ہے جو اس سے وُہ کمائی حاصل کرتے ہیں): یعنی وہ اپنے کھانے پینے کے لیے آیتیں گھڑ کر جو کمائی حاصل کرتے تھے اس کی وجہ سے ان پر عذابِ شدید ہوگا اور یہی ان کا خسارا ہے۔

(معالم التنزیل ج ۱ ص ۱۳۶۔۱۳۸، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

البقرہ: ۷۸ عوامِ یہود کے متعلق نازل ہوئی تھی اور البقرہ: ۷۹ علماءِ یہود کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (یہودیوں) نے کہا: ہمیں دوزخ کی آگ صرف چند دنوں تک ہی چھوئے گی، آپ کہیے: کیا تم اللہ تعالیٰ سے (اس کے متعلق) کوئی عہد کر چکے ہو کہ اللہ اس عہد کے خلاف ہرگز نہیں کرے گا؟ یا تم اللہ کے متعلق وہ بات کہہ رہے ہو جس کا تمہیں علم نہیں ہے O'' (البقرہ: ۸۰)

امام ابواللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، البقرہ: ۸۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ'': الضحاک نے کہا: کسی کافر نے یہود سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ پر جرأت نہیں کی، کیونکہ انہوں نے کہا: ''عزیر اللہ کے بیٹے ہیں'' اور انہوں نے کہا ''دوزخ کی آگ ہمیں صرف چند دن جلائے گی'' یعنی جتنے دن ہمارے آباء واجداد نے بچھڑے کی پرستش کی تھی اور یہ چالیس دن ہیں، اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد سات دن ہیں۔

''قُلۡ اَتَّخَذۡتُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ عَهۡدًا'': ''آپ کہیے: کیا تم اللہ تعالیٰ سے (اس کے متعلق) کوئی عہد کر چکے ہو کہ اللہ اس عہد کے خلاف ہرگز نہیں کرے گا؟ یا تم اللہ کے متعلق وہ بات کہہ رہے ہو جس کا تمہیں علم نہیں ہے''، روایت ہے کہ جب دوزخ میں ان پر یہ مدت گزر جائے گی تو دوزخ کے محافظ ان سے کہیں گے: اے اللہ کے دشمنو! وہ مدت تو ختم ہو گئی ہے اور تم ابد تک دوزخ میں رہو گے۔ (تفسیر السمر قندی ج ۱ ص ۱۳۲۔ ۱۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''کیوں نہیں! جس نے بھی کسی برائی کا ارتکاب کیا اور اس بُرائی نے اس کا احاطہ کر لیا سو وہی لوگ اہلِ دوزخ ہیں (اور) وہ اس دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں O اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے وہ اہلِ جنت ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں O'' (البقرہ: ۸۱۔۸۲)

قاضی ابو السعود محمد بن محمد مصطفیٰ العمادی الحنفی المتوفی ۹۸۲ھ ان دونوں آیتوں کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''بَلٰی'': یہ لفظ نفی کے جواب کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کا معنی ایجاب اور اثبات ہے یعنی کیوں نہیں، یہودیوں نے کہا تھا کہ ہمیں صرف چند معین دن دوزخ کا عذاب ہو گا، اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا ''کیوں نہیں!'' اس کا معنی ہے: تم کو ضرور عذاب ہو گا۔

''مَنۡ کَسَبَ سَیِّئَةً'': یعنی جس نے بہت بڑا گناہ کیا جس طرح ان لوگوں نے بچھڑے کی پرستش کر کے شرک کا ارتکاب کیا تھا، کسب کا معنی ہے: نفع کو حاصل کرنا، ان یہودیوں نے بچھڑے کی عبادت کر کے اپنے خیال میں نفع حاصل کیا تھا حالانکہ وہ شرک تھا۔

''وَّ اَحَاطَتۡ بِهٖ خَطِیۡٓـئَتُهٗ'' یعنی اس گناہ نے ان کا ہر طرف سے احاطہ کر لیا، ان کے دل، ان کی زبان اور ان کے اعضاء سب بہت بڑے گناہ میں ملوث ہو گئے، امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے اور امام ابن جریر المتوفی ۳۱۰ھ نے حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ اور مجاہد سے روایت کی ہے کہ اس ''خَطِیۡٓـئَتُهٗ'' سے مراد کفر ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ ''السیئة'' سے مراد کفر ہے اور ''اَلۡخَطِیۡئَة'' سے مراد گناہ کبیرہ ہے۔

''فَاُولٰٓـئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ ۝'' یعنی جس نے کسی گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کیا اور اس گناہِ کبیرہ نے اس کے پورے جسم کا احاطہ کر لیا حتیٰ کہ اس کے دل کو بھی اس گناہ نے ڈھانپ لیا، جس طرح ان یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کی اور اس کے کلام میں تحریف کی اور اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھا اور انہوں نے ان تمام گناہوں کو جائز سمجھ کر کیا، سو یہ لوگ دوزخ کے دائمی عذاب کے مستحق ہو گئے اور یہ اس عذاب میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

معتزلہ اور خوارج اس آیت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ مرتکبِ کبیرہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا لیکن ان کا یہ استدلال درست نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اس گناہِ کبیرہ نے اس کے پورے جسم کا احاطہ کر لیا حتیٰ کہ اس کے دل میں تھوڑی سی تصدیق بھی باقی نہیں رہی، سو وہ کافر ہو گیا اور اختلاف کافر کے دائمی عذاب میں نہیں ہے بلکہ مومن مرتکبِ کبیرہ کے دائمی عذاب میں اہل سنت و جماعت کا خوارج اور معتزلہ سے اختلاف ہے۔ اہل سنت و جماعت کا مسلک یہ ہے کہ مومن مرتکبِ کبیرہ کافر نہیں ہے فاسق ہے اور اگر دنیا میں اس نے توبہ نہیں کی اور آخرت میں اس کی شفاعت نہیں ہوئی اور وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بھی محروم رہا تو دوزخ میں اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر بالآخر جنت میں داخل ہو جائے گا، اس کے برخلاف خوارج یہ کہتے ہیں کہ جس مومن

نے کسی گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کیا وہ ایمان سے نکل گیا اور کفر میں داخل ہو گیا اور وہ دائماً دوزخ کے عذاب میں رہے گا اور معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ مومن مرتکبِ کبیرہ کفر میں داخل نہیں ہوا، کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی تکذیب نہیں کی اور وہ ایمان سے نکل گیا کیونکہ ایمان تصدیق، اقرار اور اعمالِ صالحہ کے مجموعہ کا نام ہے، اور جب اس نے بعض اعمالِ صالحہ نہیں کیے تو اس کا مکمل ایمان نہیں رہا، کیونکہ جز کی نفی سے کُل کی نفی ہو جاتی ہے، اس لیے اس کا ایمان نہیں رہا تاہم وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بتلایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے وہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے، کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا اسلوب ہے کہ وہ کفار کے عذاب کے بعد مومنین کے ثواب کا ذکر فرماتا ہے۔

(تفسیر ابوالسعود ج ۱ ص ۱۵۶۔ ۱۵۷، موضحاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۗ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾

اور (یاد کیجئے:) جب ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرو گے اور ماں باپ کے ساتھ اور قرابت داروں کے ساتھ اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کرتے رہو گے اور (عام) لوگوں سے اچھی بات کہنا اور نماز قائم کرتے رہنا اور زکوٰۃ ادا کرتے رہنا، پھر تم میں سے قلیل لوگوں کے سوا تم (سب) اس عہد سے پھر گئے، اور تم ہو ہی روگردانی کرنے والے O

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾

اور (اے بنی اسرائیل! اس وقت کو یاد کرو) جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا تھا کہ تم آپس میں خوں ریزی نہیں کرو گے اور نہ اپنوں کو ان کے وطنوں سے نکالو گے، پھر تم نے اس کا اقرار کر لیا اور (اب بھی) تم اس اقرار کی گواہی دیتے ہو O

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِیْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِیَارِهِمْ ؗ تَظٰهَرُوْنَ عَلَیْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؕ وَاِنْ یَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰی تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَیْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ یَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْیٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ یُرَدُّوْنَ اِلٰٓی اَشَدِّ

الْعَذَابِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾

پھر تم وہی لوگ ہو جو اپنوں کو قتل کرتے ہو اور اپنے ایک فریق کو اُن کے وطن سے نکالتے ہو (اور) ان کے مخالفین کی گناہ اور ظلم کے ساتھ مدد کرتے ہو، اور اگر وہ قیدی بن کر تمہارے پاس آجائیں تو تم (زرِ) فدیہ دے کر ان کو چھڑا لیتے ہو حالانکہ ان کو نکالنا ہی تم پر حرام تھا، تو کیا پس تم (اپنی) کتاب کے کچھ حصہ کو مانتے ہو اور کچھ حصہ کا انکار کرتے ہو؟ پس تم میں سے جو لوگ ایسا کریں ان کی سزا اس کے سوا کیا ہوگی کہ وہ دنیا کی زندگی میں رُسوا ہوں اور قیامت کے دن ان کو سخت ترین عذاب کی طرف لوٹا دیا جائے، اور تم جو کچھ عمل کر رہے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے O

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۡ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۸۶﴾ ع

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کے عوض دنیا کی زندگی خرید لی، پس نہ ان سے عذاب کو کم کیا جائے گا اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (یاد کیجئے:) جب ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرو گے اور ماں باپ کے ساتھ اور قرابت داروں کے ساتھ اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کرتے رہو گے اور (عام) لوگوں سے اچھی بات کہنا اور نماز قائم کرتے رہنا اور زکوٰۃ ادا کرتے رہنا، پھر تم میں سے قلیل لوگوں کے سوا تم (سب) اس عہد سے پھر گئے، اور تم ہو ہی روگردانی کرنے والے O'' (البقرہ: ۸۳)

''مِیثَاق'' کا لغوی اور عرفی معنی

اس آیت میں ''میثاق'' کا لفظ ہے، علامہ ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ اس کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اَلْمِيثَاق'' اس کا مادّہ ''اَلْوَثَاق'' ہے اور یہ مِفعَال کا وزن ہے، اس کا معنی ہے: ''العَهد'' اور اصل میں میثاق اُس رسّی یا اس زنجیر کو کہا جاتا ہے جس سے قیدی یا جانور کو باندھا جاتا ہے، قرآن مجید میں ہے: ''حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ (محمد: ۴)'' (جب تم اچھی طرح ان کا خون بہا چکو تو (ان قیدیوں کو) مضبوطی سے باندھ لو)، حضرت معاذ اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے ''فَاِذَا رَجُلٌ عِنْدَهٗ مُوْثَقٌ'' (صحیح البخاری: ۶۹۲۳، صحیح مسلم: ۱۸۲۴) یعنی انہوں نے ایک مرد کو بندھا ہوا دیکھا، اور ''اَلْمُوَاثَقَة'' کا معنی ہے ''اَلْمُعَاهَدَة''۔ (لسان العرب ج ۱۵ ص ۱۵۲، دار صادر، بیروت، ۲۰۰۳ء)

علامہ ابوالقاسم الحسین بن محمد الراغب الاصفہانی المتوفی ۵۰۲ھ ''میثاق'' کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جس عہد کو قسم کے ساتھ مؤکد کیا جائے اس کو میثاق کہتے ہیں، قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ   اور (اے رسولِ مکرم! اس وقت کو یاد کیجئے!) جب اللہ نے نبیوں

حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ (آل عمران: ۸۱)

سے (یہ) عہد لیا کہ میں تم کو جو کچھ کتاب اور حکمت سے دوں، پھر تمہارے پاس وہ عظیم رسول آجائے جو اس کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور بہ ضرور اس (رسول) پر ایمان لانا اور ضرور بہ ضرور اس کی مدد کرنا۔

(المفردات فی غریب القرآن، ج ۲ ص ۶۶۴، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

امام ابو منصور محمد بن محمد الماتریدی الحنفی المتوفی ۳۳۳ھ البقرہ: ۸۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

بنی اسرائیل سے لیے ہوئے دو میثاق

''وَ اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ'': (اور (یاد کیجئے:) جب ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا)۔

اس آیت میں بنی اسرائیل سے میثاق اور عہد لینے کا ذکر ہے، اس عہد کی دو تفسیریں ہیں، ایک یہ کہ اس عہد سے وہ عہد مراد ہے جو انسان کی تخلیق کے وقت اس سے عہد لیا گیا تھا، ارشادِ باری ہے:

وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۛۚ شَهِدْنَا (الاعراف: ۱۷۲)

اور (اے رسول مکرم! یاد کیجئے) جب آپ کے رب نے اولادِ آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور خود اُن کو ان ہی کے اوپر گواہ بنایا (اور کہا:) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، ان سب نے کہا: کیوں نہیں! ہم نے گواہی دی۔

اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس عہد سے وہ عہد مراد ہے جو بنی اسرائیل کے علماء سے عہد لیا گیا تھا، ارشادِ باری ہے:

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَ لَا تَكْتُمُوْنَهٗ (آل عمران: ۱۸۷)

اور (یاد کیجئے:) جب اللہ نے اہلِ کتاب (کے علماء سے) یہ عہد لیا کہ تم اس کتاب کو ضرور بہ ضرور (عام) لوگوں کے سامنے بیان کرو گے اور اس کو چھپاؤ گے نہیں۔

''لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ'': (تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرو گے)۔ یعنی تم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو مستحقِ عبادت مانو گے، یا اس کا معنی یہ ہے کہ تم اللہ کے سوا اور کسی کی عبادت نہیں کرو گے خواہ وہ اصنام ہوں یا بُت ہوں۔

ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کے احکام

''وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا'' (ماں باپ کے ساتھ)۔ یعنی ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو گے اور ان پر شفقت اور مہربانی کرو گے اور ان کے سامنے اپنے آپ کو عاجزی سے جھکائے رکھو گے اور ان سے نرمی سے بات کرو گے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کے ساتھ حُسنِ سلوک کے احکام دیتے ہوئے فرمایا:

اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِیْمًا ﴿۲۳﴾ وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ

(اے مخاطب!) اگر تمہارے سامنے اُن (ماں باپ) میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو تم ان کو اُف تک نہ کہنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور اُن سے با ادب بات کرنا O اور ان کے

ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ؀ (بنی اسرائیل: ۲۳۔۲۴)

سامنے نرم دلی سے عاجزی کے بازو جھکائے رکھنا اور یہ دعا کرتے رہنا: اے میرے رب! ان دونوں پر رحم فرما کیونکہ ان دونوں نے بچپن میں میری پرورش کی ہے O

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۗ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ؀ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا۔ (لقمان: ۱۴۔۱۵)

اور ہم نے انسان کو تاکید کے ساتھ اس کے والدین کے متعلق نیکی کرنے کا حکم دیا ہے، اس کی ماں نے اس کو کمزوری پر کمزوری برداشت کرتے ہوئے (پیٹ میں) اٹھایا اور دو برس میں اس کا دودھ چھوٹنا ہے (اور ہم نے یہ حکم دیا ہے) کہ تم میرا (اور) اپنے ماں باپ کا شکر ادا کرو اور تم نے میری ہی طرف لوٹنا ہے O اور اگر وہ دونوں تم کو میرے ساتھ اس کو شریک بنانے پر مجبور کریں جس کی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے تو تم ان کا کہنا نہ ماننا اور دنیا میں ان کے ساتھ نیکی کے ساتھ گزر بسر کرنا۔

میں کہتا ہوں: لقمان: ۱۵ کی تائید میں یہ حدیث ہے:

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عہد میں میری ماں آئیں اور وہ مُشرکہ تھیں تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا کہ میری ماں آئی ہیں اور وہ اسلام سے اعراض کرنے والی ہیں، کیا میں ان کے ساتھ نیکی کروں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! تم اپنی ماں کے ساتھ نیکی کرو۔ (صحیح البخاری: ۲۶۲۰، صحیح مسلم: ۱۰۰۳، سنن ابوداؤد: ۱۶۶۸)

''وَذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ'' (اور قرابت داروں کے ساتھ اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کرتے رہو گے) یعنی قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں کو فرض صدقات اور نفل صدقات میں سے ادا کرتے رہو گے۔

''وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا'' (اور (عام) لوگوں سے اچھی بات کہنا): یعنی اے علماء بنی اسرائیل! تم عام لوگوں کے سامنے تورات میں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نعت اور آپ کی صفت کو نہ چھپاؤ اور لوگوں کے سامنے ظاہر کرو۔ اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ سب لوگوں کو توحید کی گواہی دینے کی دعوت دو، اور اس کا تیسرا محمل یہ ہے کہ لوگوں سے شائستگی کے ساتھ بات کرو۔

''وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ'' (اور نماز قائم کرتے رہنا): یعنی نماز پڑھنے کے حکم کو قبول کرو اور مانو اور اس پر عمل کرو، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہر نماز کو اس کے وقت میں ادا کرو اور نماز کو اس کے تمام ارکان اور شرائط کے ساتھ ادا کرو اور ظاہری ادب اور باطنی خشوع کو لازم رکھو، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تم ایسے حال میں ہو جاؤ کہ نماز تمہارے لیے پاکیزگی کا ذریعہ بن جائے۔

''وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ'' (اور زکوٰۃ ادا کرتے رہنا): یعنی زکوٰۃ کے حکم کو مانو اور اس پر عمل کرو اور زکوٰۃ کو اس کی شرائط کے مطابق ادا کرو۔

''ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ'' (پھر تم میں سے قلیل لوگوں کے سوا تم (سب) اس عہد سے پھر گئے، اور تم ہو ہی روگردانی کرنے والے): یعنی بنی اسرائیل میں سے صرف چند لوگوں نے اس میثاق پر عمل کیا اور باقی لوگوں نے عمل نہیں کیا۔

(تاویلات اہل السنۃ ج ۱ ص ۵۰۲۔۵۰۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے بنی اسرائیل! اس وقت کو یاد کرو) جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا تھا کہ تم آپس میں خوں ریزی نہیں کرو گے اور نہ اپنوں کو ان کے وطنوں سے نکالو گے، پھر تم نے اس کا اقرار کر لیا اور (اب بھی) تم اس اقرار کی گواہی دیتے ہو O'' (البقرہ: ۸۴)

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی المتوفی ۷۱۰ھ البقرہ: ۸۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ'': اس آیت کا ظاہر معنی یہ ہے کہ تم اپنا خون نہیں بہاؤ گے، اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ اپنا خون کون بہاتا ہے اور کون خود کو قتل کرتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل نے اپنے قبیلہ کے کسی دوسرے فرد کو قتل کیا تو گویا خود اپنے آپ کو قتل کیا، یا اس وجہ سے کہ اس کو قتل کرنے کے قصاص میں خود اس کو قتل کیا جائے گا تو دوسرے کو قتل کرنا گویا خود کو قتل کرنا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ وہ اللہ عزوجل کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور ماں باپ اور قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے ساتھ نیک سلوک کریں گے اور عام لوگوں سے نیکی کے ساتھ بات کریں گے اور نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے اور ایک دوسرے کا خون نہیں بہائیں گے اور ایک دوسرے کو ان کے گھروں سے نہیں نکالیں گے، پھر اے بنو قریظہ اور بنو نضیر! تم نے ان تمام باتوں کا اقرار کیا اور تم یہ گواہی دیتے تھے کہ یہ تمام احکام تورات میں مذکور ہیں، پھر تم نے اس میثاق کو توڑ دیا۔ (مدارک التنزیل ج ۱ ص ۱۰۶، تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۱۳۴)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر تم وہی لوگ ہو جو اپنوں کو قتل کرتے ہو اور اپنے ایک فریق کو اُن کے وطن سے نکالتے ہو اور ان کے مخالفین کی گناہ اور ظلم کے ساتھ مدد کرتے ہو، اور اگر وہ قیدی بن کر تمہارے پاس آجائیں تو تم (زرِ) فدیہ دے کر ان کو چھڑا لیتے ہو حالانکہ ان کو نکالنا ہی تم پر حرام تھا، تو کیا پس تم (اپنی) کتاب کے کچھ حصہ کو مانتے ہو اور کچھ حصہ کا انکار کرتے ہو؟ پس تم میں سے جو لوگ ایسا کریں ان کی سزا اس کے سوا کیا ہوگی کہ وہ دنیا کی زندگی میں رُسوا ہوں اور قیامت کے دن ان کو سخت ترین عذاب کی طرف لوٹا دیا جائے، اور تم جو کچھ عمل کر رہے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے O یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کے عوض دنیا کی زندگی خرید لی، پس نہ ان سے عذاب کو کم کیا جائے گا اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی O'' (البقرہ: ۸۵۔۸۶)

بنو قُریظہ اور بنو نضیر کی عہد شکنی اور ان کی سزا

امام ابومحمد الحسین بن مسعود الفرّاء البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ البقرہ: ۸۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

السدّی نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے تورات میں یہ عہد لیا تھا کہ وہ ایک دوسرے کو قتل نہیں کریں گے اور نہ ایک دوسرے کو ان کے گھروں سے نکالیں گے، اور بنی اسرائیل کے جس غلام یا باندی کو تم پاؤ تو اس کو اس کی قیمت کے عوض خرید لو اور پھر

اس کو آزاد کردو، پس بنو قُریظہ الاوس کے حلیف تھے اور بنو نَضیر الخزرج کے حلیف تھے، اور الاوس اور الخزرج کئی سالوں سے ایک دوسرے کے خلاف جنگ کر رہے تھے، پس بنو قُریظہ اپنے حلیفوں کے ساتھ لڑتے اور بنو نَضیر اپنے حلیفوں کے ساتھ لڑتے اور جب کوئی فریق غالب آجاتا تو دوسرے فریق کے گھروں کو تباہ و برباد کر دیتا اور وہاں کے رہنے والوں کو ان کے گھروں سے نکال دیتا، اور جب فریقین میں سے کوئی مرد قید کر لیا جاتا تو وہ اس کے لیے مال جمع کر کے اس کا زرِ فدیہ ادا کرتے خواہ وہ قیدی ان کے دشمنوں سے متعلق ہوں، تو عرب نے ان کو طعنہ دیا کہ تم ان سے قتال بھی کرتے ہو اور ان کا فدیہ بھی دیتے ہو، تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں ان کا فِدیہ دے کر ان کو چھڑانے کا حکم دیا گیا ہے، پس عرب کہتے: پھر تم ان سے قتال کیوں کرتے ہو؟ تو وہ جواب میں کہتے کہ ہمیں اس سے حیاء آتی ہے کہ ہمارے حلیف ذلیل ہوں، پس اللہ تعالیٰ نے ان سے چار عہد لیے: (۱) ایک دوسرے کے ساتھ قتال نہ کریں (۲) ایک دوسرے کو گھروں سے نہ نکالیں (۳) گناہ اور سرکشی کے ساتھ کسی کی مدد نہ کریں (۴) ان کے قیدیوں کو زرِ فدیہ ادا کر کے چھڑائیں، تو بنی اسرائیل نے فدیہ دے کر قیدیوں کو چھڑانے کے سوا باقی تین احکام سے اعراض کیا، پس اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت فرمائی کہ تم کتاب کے بعض احکام پر ایمان لاتے ہو اور بعض احکام کا کفر کرتے ہو۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ اگر کوئی یہودی کسی دوسرے کے پاس قید ہو تو تم اس کو فدیہ دے کر چھڑاتے ہو اور تم اس کو اپنے ہاتھوں سے قتل بھی کرتے ہو، سوا ے یہود! (یہودِ مدینہ) تم میں سے جو لوگ یہ کام کریں گے ان کی سزا اس کے سوا کیا ہو گی کہ دنیا میں ان پر ذلت والا عذاب نازل ہو، پس بنو قُریظہ میں سے سات سو جوانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خیبر کے بعد قتل کرا دیا اور عورتوں بچوں کو قید کر لیا اور بنو نضیر کو یہ سزا دی کہ ان کو مدینہ منورہ سے جلا وطن کر دیا اور ان کو شام کے علاقوں کی طرف نکال دیا اور قیامت کے دن ان لوگوں کو زیادہ شدید عذاب کی طرف لوٹایا جائے گا اور وہ دوزخ کا عذاب ہے۔ (معالم التنزیل ج ۱ ص ۱۴۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ وَقَفَّیْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ؗ وَاٰتَیْنَا عِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَاَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِیْقًا كَذَّبْتُمْ ؗ وَفَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی اور ان کے بعد ہم نے پے در پے رسول بھیجے اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو واضح نشانیاں عطا فرمائیں اور ہم نے روح القُدس (جبریل) کے ذریعہ ان کی تائید فرمائی، تو کیا (ایسا نہیں تھا کہ) جب بھی کوئی رسول تمہارے پاس ایسے احکام لے کر آیا جو تمہاری خواہش کے مطابق نہیں تھے تو تم نے سرکشی کی، پس (انبیاء کے) ایک گروہ کی تم تکذیب کرتے تھے اور دوسرے گروہ کو تم قتل کرتے تھے O

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِیْلًا مَّا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

اور (یہود نے) کہا: ہمارے دل غلاف میں (ملفوف) ہیں، (نہیں) بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت فرمائی ہے، سو یہ کم لوگ ہی ایمان لائیں گے O

وَلَمَّا جَآءَهُمۡ كِتٰبٌ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمۡ ۙ وَكَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ يَسۡتَفۡتِحُوۡنَ عَلَى الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ۚۖ فَلَمَّا جَآءَهُمۡ مَّا عَرَفُوۡا كَفَرُوۡا بِهٖ ۫ فَلَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۸۹﴾

اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے ایسی کتاب آئی جو اِن کے پاس (اصل) آسمانی کتاب کی تصدیق کرنے والی تھی، اور یہود اس سے پہلے (قرآن اور آخری نبی کے وسیلہ سے) کفار کے خلاف اللہ سے فتح کی دعا کرتے تھے، پھر جب وہ پہچانے ہوئے ان کے پاس آ گئے (تو) انہوں نے ان کے ساتھ کفر کیا، پس کافروں پر اللہ کی لعنت ہے O

بِئۡسَمَا اشۡتَرَوۡا بِهٖۤ اَنۡفُسَهُمۡ اَنۡ يَّكۡفُرُوۡا بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ بَغۡيًا اَنۡ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ وَلِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ ﴿۹۰﴾

نہایت بری ہے وہ چیز جس کے عوض انہوں نے اپنی جانوں کو فروخت کر ڈالا کہ وہ اس کلام کا کفر کریں جس کو اللہ نے نازل فرمایا (محض) اس جلن سے کہ اللہ نے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہا اپنا (خاص) فضل نازل فرمایا، سو وہ غضب بالائے غضب کے ساتھ لوٹے اور کافروں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے O

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اٰمِنُوۡا بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ قَالُوۡا نُؤۡمِنُ بِمَآ اُنۡزِلَ عَلَيۡنَا وَيَكۡفُرُوۡنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۗ وَهُوَ الۡحَـقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمۡ ؕ قُلۡ فَلِمَ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنۡ قَبۡلُ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۹۱﴾

اور جب ان سے کہا گیا: اس کلام پر ایمان لاؤ جو اللہ نے (اب) نازل فرمایا ہے (تو) انہوں نے کہا: ہم اس کلام پر ایمان لائیں گے جو ہم پر نازل کیا گیا ہے اور جو کچھ اس کے علاوہ ہے وہ اس کا کفر کرتے ہیں حالانکہ وہ کلام برحق ہے اور ان کے پاس جو (اصل) آسمانی کتاب ہے اس کی تصدیق کرنے والا بھی ہے، آپ کہیے: اگر تم واقعی (اپنی کتاب) پر ایمان رکھنے والے ہو تو تم اس سے پہلے اللہ کے نبیوں کو کیوں قتل کرتے تھے O

وَلَقَدۡ جَآءَكُمۡ مُّوۡسٰى بِالۡبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذۡتُمُ الۡعِجۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ وَاَنۡتُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ﴿۹۲﴾

اور بے شک تمہارے پاس موسیٰ واضح نشانیاں لے کر آئے، پھر تم نے اس کے بعد بچھڑے کو معبود بنا لیا اور تم (اپنے اوپر) ظلم کرنے والے تھے O

وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِيۡثَاقَكُمۡ وَرَفَعۡنَا فَوۡقَكُمُ الطُّوۡرَ ؕ خُذُوۡا مَآ اٰتَيۡنٰكُمۡ بِقُوَّةٍ وَّاسۡمَعُوۡا ؕ قَالُوۡا سَمِعۡنَا وَعَصَيۡنَا ٭ وَاُشۡرِبُوۡا فِىۡ قُلُوۡبِهِمُ الۡعِجۡلَ بِكُفۡرِهِمۡ ؕ قُلۡ بِئۡسَمَا يَاۡمُرُكُمۡ بِهٖۤ

اِیۡمَانُکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۹۳﴾

اور جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا اور پہاڑ طور کو تم پر اٹھا لیا (اور یہ حکم دیا کہ) ہم نے تم کو جو کتاب عطا فرمائی ہے اس پر پوری قوت سے عمل کرو اور تمہیں جو حکم دیا جائے اس کو سنو، (اس وقت) انہوں نے کہا: ہاں ہم نے سن تو لیا مگر ہم مانیں گے نہیں اور ان کے کفر کی وجہ سے بچھڑے کی محبت ان کے دلوں میں رچ گئی تھی، آپ کہیے: اگر تم (واقعی) ایمان والے ہو تو وہ نہایت بری بات ہے جس کا تمہیں (تمہارے زعم میں) تمہارا ایمان حکم دے رہا ہے O

قُلۡ اِنۡ کَانَتۡ لَکُمُ الدَّارُ الۡاٰخِرَۃُ عِنۡدَ اللّٰہِ خَالِصَۃً مِّنۡ دُوۡنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الۡمَوۡتَ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۹۴﴾

آپ کہیے: اگر (بہ قول تمہارے) اللہ کے نزدیک آخرت کا گھر اور لوگوں کے بجائے صرف تمہارے ساتھ مخصوص ہے سو تم موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو O

وَلَنۡ یَّتَمَنَّوۡہُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتۡ اَیۡدِیۡہِمۡ ؕ وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌۢ بِالظّٰلِمِیۡنَ ﴿۹۵﴾

اور وہ ان اعمالِ (بد) کی وجہ سے جن کو وہ پہلے کر چکے ہیں کبھی بھی موت کی تمنا نہیں کریں گے اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے O

وَلَتَجِدَنَّہُمۡ اَحۡرَصَ النَّاسِ عَلٰی حَیٰوۃٍ ۚۛ وَمِنَ الَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡا ۚۛ یَوَدُّ اَحَدُہُمۡ لَوۡ یُعَمَّرُ اَلۡفَ سَنَۃٍ ۚ وَمَا ہُوَ بِمُزَحۡزِحِہٖ مِنَ الۡعَذَابِ اَنۡ یُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰہُ بَصِیۡرٌۢ بِمَا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۶﴾ ع

اور (اے رسول مکرم!) آپ ان کو دنیا کی زندگی پر (سب) لوگوں سے زیادہ ضرور بہ ضرور حرص کرنے والا پائیں گے اور مشرکین سے بھی زیادہ (دنیا کی زندگی پر حریص پائیں گے)، ان یہود میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ کاش وہ ہزار برس تک زندہ رہے حالانکہ اس کی اتنی (لمبی) عمر (بھی) اس کو عذاب سے بچانے والی نہیں ہے، اور اللہ ان کے سب کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی اور ان کے بعد ہم نے پے در پے رسول بھیجے اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو واضح نشانیاں عطا فرمائیں اور ہم نے روح القدس (جبریل) کے ذریعہ ان کی تائید فرمائی، تو کیا (ایسا نہیں تھا کہ) جب بھی کوئی رسول تمہارے پاس ایسے احکام لے کر آیا جو تمہاری خواہش کے مطابق نہیں تھے تو تم نے سرکشی کی، پس (انبیاء کے) ایک گروہ کی تم تکذیب کرتے تھے اور دوسرے گروہ کو تم قتل کرتے تھے O'' (البقرہ:۸۷)

ل ن = معانقہ ۲

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت تک بنی اسرائیل کے رسول

''وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ قَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ '': (اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی اوران کے بعد ہم نے پے در پے رسول بھیجے)۔جمہور مفسرین کے مطابق اس آیت میں ''اَلْکِتَاب'' سے مراد تورات ہے،اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے لگاتار پے در پے رسول بھیجے،اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک چار ہزار رسول آچکے تھے،دوسرا قول ہے کہ ستر ہزار رسول آچکے تھے اور وہ سب رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر تھے،ان میں سے مشہور رسول حضرت یُوشع ،حضرت شمویل، حضرت شمعون، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت شعیاء، حضرت اُرمیاہ، حضرت عزیر، حضرت حزقیل، حضرت الیاس، حضرت الیسع ،حضرت یونس، حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہم السلام تھے۔

(روح المعانی از علامہ آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ، ج ا ص ۴۹۸۔۴۹۹، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی سوانح

قرآن مجید میں پچیس (۲۵) مرتبہ عیسیٰ ابن مریم فرمایا گیا ہے ،عبرانی زبان میں یہ لفظ'' Jesu ''تھا،یونانی زبان میں ''Jesies''بنا جو''Joshua'' کی بدلی ہوئی صورت ہے،عربی میں آکر یہ اسم عیسیٰ بن گیا۔

حضرت عیسیٰ ابن مریم کا نسب اس طرح ہے:عیسیٰ ابن مریم بنت عمران بن یاشم بن اُمون بن میشا بن حزقیا بن احریق بن موثم بن عزازیا بن امصیا بن یاوش بن احریہو بن یازم بن یہفاشاط بن ایشا بن ایان بن رحبعام بن سلیمان بن داؤد۔

(البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۵۶)

عیسائی گو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یوسف نجار کا بیٹا نہیں سمجھتے ،لیکن نسب اسی کی طرف سے شمار کرتے ہیں۔

(متی، باب ا آیت:۱۶، لوقا باب ۳ آیت ۲۴ تا ۲۸)

قرآن مجید کے مطابق عمران حضرت مریم کے والد اور حضرت عیسیٰ کے نانا ہیں، بائبل میں اس کے متعلق کچھ بھی مذکور نہیں ہے، حضرت عیسیٰ کا اصلی نسب نامہ والدہ کی طرف سے ہے، اناجیل میں اس کو مکمل طور سے نظر انداز کیا گیا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے حضرت مریم سے پیدا ہونا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت مریم اپنے باپ حضرت عمران کی اکلوتی دُختر تھیں،قرآن مجید کے مطابق حضرت عیسیٰ کی ولادت حضرت آدم کی طرح عام مروّجہ طریقہ سے ہٹ کر ہوئی۔(آل عمران:۵۹) حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ماں باپ کے بغیر ہوئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت بغیر باپ کے واسطہ کے ہوئی، حضرت مریم نہایت عابدہ، زاہدہ اور صالحہ خاتون تھیں، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے خصوصی نشانات کے ظہور کے لیے چُن لیا، چنانچہ انہیں پہلے بے موسمی پھل عطا کئے گئے، (آل عمران:۴۲)۔ پھر انہیں کسی قسم کے ظاہری واسطہ کے بغیر محض اپنے فضل وکرم سے اپنے ایک نبی کی ماں بننے کی سعادت بخشی، (آل عمران:۴۵)۔ چنانچہ ایک دن جب کہ وہ مسجدِ اقصیٰ (ہیکل) کی مشرقی جانب لوگوں سے عبادت یا طہارت کی غرض سے الگ ہو کر بیٹھی تھیں کہ انہیں حضرت جبریل انسانی شکل وصورت میں نظر آئے، حضرت جبریل نے کہا: میں تمہارے رب کا فرستادہ ہوں اور

تمہیں ایک پاکیزہ بیٹے کی بشارت دینے آیا ہوں،(مریم:۱۷تا۱۹)۔حضرت مریم نے کہا: بھلا یہ کیسے ممکن ہے مجھے تو کسی بشر نے ہاتھ تک نہیں لگایا،حضرت جبریل نے کہا کہ اللہ کے لیے یہ کام مشکل نہیں، اللہ نے جس طرح یہ کائنات بغیر واسطہ اور وسیلہ کے پیدا فرمادی ہے تو کسی ایک شخص کا پیدا فرمانا اس کے لیے کیا مشکل ہے،(آل عمران:۴۷،مریم:۲۰)۔لہٰذا حکمِ خداوندی کے مطابق حضرت عیسیٰ بغیر واسطہ پدر شکمِ مادر میں قرار پاگئے،(مریم:۱۹)۔

جب حضرت عیسیٰ شکمِ مادر میں قرار پاگئے تو حضرت مریم کو اندیشہ لاحق ہوا کہ اگر یہ واقعہ ہیکل میں رہتے ہوئے پیش آیا تو قوم حقیقتِ حال سے باخبر ہونے سے پہلے ہی ان کا اور ان کے بچے کا جینا حرام کردے گی۔اس بناء پر انہوں نے بیت المقدس کو چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا،اس میں کچھ اختلاف ہے کہ ولادت سے کتنا عرصہ پہلے انہوں نے یہ علاقہ چھوڑا۔(البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۶۵)

جب حضرت عیسیٰ کی ولادت کا وقت قریب آیا تو اس وقت حضرت مریم بیت المقدس سے چند میل کے فاصلہ پر کوہِ ساعیر کے دامن میں تھیں،(قصص القرآن ج ۴ ص ۴۲)۔بعض علماء نے جائے پیدائش ناصرہ کو قرار دیا۔اس موقع پر حضرت مریم کو یہ بھی فکر تھی کہ میں قوم کو اس بارے میں کیا جا کر کہوں گی،چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتہ نے انہیں کہا کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو اور وہ تم سے بچہ کی نسبت پوچھے تو کہہ دینا کہ میں نے آج خدا کے لیے چپ رہنے کی نذر مان رکھی ہے،(لہٰذا جو پوچھنا ہے اس بچہ سے پوچھو)۔چنانچہ ایسا ہی ہوا،قوم نے جب ان کی گود میں بچہ دیکھا تو ان کو متہم کرنا شروع کردیا،حضرت مریم نے حضرت عیسیٰ کی طرف اشارہ کر کے کہا:اس بچہ سے پوچھو!لوگوں نے کہا:ہم شیرخوار بچے سے کیسے گفتگو کریں(مریم:۲۶تا۲۹)،اس پر حضرت عیسیٰ نے فرمایا:

قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ۟ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِيْ نَبِيًّا ﴿۳۰﴾ وَّ جَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَ اَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿۳۱﴾ وَّ بَرًّۢا بِوَالِدَتِيْ ۫ وَ لَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿۳۲﴾ وَ السَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَ يَوْمَ اَمُوْتُ وَ يَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ﴿۳۳﴾ (مریم:۳۰۔۳۳)

(بچے نے) کہا: بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں،اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے اور اس نے مجھے نبی بنایا ہے O اور اس نے مجھے بابرکت بنایا ہے خواہ میں کہیں بھی ہوں،اور اس نے مجھے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا ہے جب تک میں زندہ ہوں O اور مجھے میری والدہ کے ساتھ نیکی کرنے والا بنایا ہے اور اس نے مجھے متکبر اور سرکش نہیں بنایا O اور مجھ پر سلام ہے جس روز میری ولادت ہوئی اور جس دن میری وفات ہوگی اور جس دن میں زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا O

حضرت عیسیٰ کی گہوارہ میں یہ گفتگو چونکہ خلافِ عادت تھی اس بناء پر یہ ان کا اولین معجزہ قرار دیا گیا ہے۔اناجیل نے اس واقعہ کا کوئی ذکر نہیں کیا،بہرحال جب ان کی عمر آٹھ سال کی ہوئی تو موسوی شریعت کے مطابق ان کا ختنہ کیا گیا۔

(عبدالوہاب النجار،قصص الانبیاء ص ۳۸۵)

ولادت کے بعد سے عہدِ نبوت تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے احوال

پیدائش کے بعد سے لے کر نبوت تک حضرت عیسیٰ کہاں رہے؟ یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے۔قرآن وحدیث میں اس مسئلہ پر سکوت اختیار کیا گیا۔(البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۷۵)

جب بیت المقدس کا بادشاہ مر گیا تو حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم کو بلا بھیجا، اب حضرت مریم اپنے بچہ سمیت بیت المقدس میں واپس تشریف لے آئیں۔ (البدایہ ج ۲ ص ۷۷)

الکسائی کے مطابق واپس آکر حضرت عیسیٰ نے بیت المقدس کے قریب مقامِ ناصرہ میں جو صوبہ گلیلی (Galilee) ہے، رہائش اختیار کی جس کی بناء پر (ایک قول کے مطابق) ان کے متبعین کو نصاریٰ کہا جاتا ہے، بچپن سے لے کر عہدِ نبوت تک کے حالات بہت کم معلوم ہیں۔ (قصص الانبیاء ج ۲ ص ۳۰۷)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور ان پر وحی کا آغاز

جب حضرت عیسیٰ کی عمر تیس (۳۰) سال کی ہوئی (البدایہ ج ۲ ص ۸۷، عرائس المجالس ج ۲ ص ۲۸) تو ان پر نزولِ وحی کا آغاز ہوا اور ابنِ کثیر (البدایہ ج ۲ ص ۸۷) کے مطابق یہ اٹھارہ (۱۸) رمضان المبارک کی رات تھی۔ (انجیل متیٰ باب ۳ آیت ۱۳ تا ۱۷ کے مطابق) حضرت عیسیٰ نے حضرت یحییٰ سے اصطباغ (بپتسمہ) لیا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ تک تنہا یہودیہ کے جنگل کی سیاحت کرتے ہوئے گزارا، اسی سیاحت کے دوران میں ان پر پہلی وحی نازل ہوئی۔ (انجیل متیٰ، باب ۳ آیت ۱۶ تا ۱۷ کے مطابق) حضرت عیسیٰ کو روح القدس کبوتر کی شکل میں نظر آئے جو آسمان سے نازل ہو رہے تھے۔ حضرت عیسیٰ نے پورے زور و شور سے دعوت وتبلیغ کا آغاز کر دیا، ان کی تبلیغ میں حکمت و دانائی کے ساتھ ساتھ احکامِ الٰہی پر شدت سے عمل کرنے اور کرانے کا جذبہ بھی پایا جاتا تھا، انہوں نے اعلانِ نبوت کے بعد ایک پہاڑی سے وعظ کہا جسے خطبۂ کوہ کہا جاتا ہے، اس وعظ میں ان کی تمام تعلیمات کا خلاصہ موجود ہے۔ پھر جیسے جیسے عوام ان سے متاثر ہوتے گئے خواص یعنی مذہبی لوگ کاہن اور فریسی (Pharisees) اتنے ہی ان کے مخالف ہوتے گئے کیونکہ انہیں اپنی مذہبی سیادت ختم ہوتی نظر آرہی تھی۔

چند ہی دنوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف مخالفت کا طوفان شدت اختیار کر گیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ جس شہر یا قصبہ کا رُخ کرتے وہاں سے انہیں نکال دیا جاتا، اس بناء پر ان کا زیادہ تر وقت جنگلوں اور بیابانوں میں گزرا، وہ کہا کرتے تھے: لومڑیوں کے بھی بھٹ ہوتے ہیں اور ہوا کے پرندوں کے گھونسلے، مگر ابن آدم کے لیے سر دھرنے کو بھی کوئی جگہ نہیں۔ (متیٰ، باب ۸ آیت: ۲۰) ان ہی دنوں میں انہوں نے اپنی طرف سے قاصد یا نمائندے مقرر کئے اور انہیں اپنی طرف سے مختلف شہروں یا قصبوں میں تبلیغ کے لیے روانہ فرمایا (یٰس: ۱۳ تا ۳۰، انجیل متیٰ، باب ۱۹ آیت: ۵ تا ۲۳ کے مطابق) ان کی تعداد بارہ (۱۲) تھی جو بعد ازاں بارہ شاگردوں کے نام سے مشہور ہوئے، حضرت عیسیٰ نے جب دیکھا کہ لوگ روز بہ روز ان کے مخالف ہوتے جا رہے ہیں تو انہوں نے فرمایا: ''مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ ۔۔۔ (آل عمران: ۵۲، ۶۱، الصف: ۱۴)'' یعنی خدا کے راستہ میں کون میرا مددگار ہوگا؟ جس پر حواریوں نے کہا کہ ہم خدائے واحد کے راستہ میں آپ کے مددگار ہیں۔ حضرت عیسیٰ کے یہ ابتدائی شاگرد نہایت مخلص اور پاک باز لوگ تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے کی ناکام کوشش اور ان کا آسمان پر اٹھایا جانا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صلح جو پالیسی کے مقابلہ میں ان کے دشمنوں نے ان کے خلاف کارروائیاں تیز تر کر دیں، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اندیشہ ہوا کہ مبادا دشمن انہیں حضرت یحییٰ کی طرح پکڑ کر خوار کرنے اور ہلاک کرنے میں کامیاب ہو جائیں، چنانچہ انہوں نے

اللہ تعالیٰ سے فریاد کی جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ تسلی دی:

اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسٰۤى اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَیَّ وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا (آل عمران:۵۵)

جب اللہ نے فرمایا: اے عیسیٰ! بے شک میں آپ کی عمر پوری کرنے والا ہوں اور آپ کو اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور کافروں (کے بہتان) سے آپ کو پاک کرنے والا ہوں۔

الزمخشری نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے: یعنی میں تجھے دشمن کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچاؤں گا اور تیری اَجل کو وقتِ مقررہ کے آنے تک مؤخر رکھوں گا (الکشاف)۔ علامہ نسفی نے لکھا ہے: یعنی میں تمہیں طبعی موت دوں گا، ان کے ہاتھوں قتل نہ ہونے دوں گا۔ (مدارک التنزیل)

قرآنِ کریم اس پر بہت زور دیتا ہے کہ دشمن حضرت عیسیٰ کو سولی دینے اور قتل کر دینے میں بری طرح ناکام رہے، چنانچہ ارشاد ہے:

وَّ قَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِیْحَ عِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَ مَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ وَ لٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَ اِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِیْهِ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَ مَا قَتَلُوْهُ یَقِیْنًۢا ﴿۱۵۷﴾ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا ﴿۱۵۸﴾ (النساء:۱۵۷،۱۵۸)

اور اُن (یہود) کے اس قول کی وجہ سے بھی کہ ہم نے المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا، حالانکہ انہوں نے ان کو قتل نہیں کیا اور نہ ان کو سولی پر چڑھایا، لیکن ان کے لیے (کسی کو عیسیٰ کا) ہم شکل بنا دیا گیا، اور بے شک جن لوگوں نے ان کے متعلق اختلاف کیا وہ ان کی طرف سے ضرور شک میں ہیں، انہیں ان کا کچھ یقین نہیں مگر وہ محض گمان کی پیروی کرتے ہیں اور انہوں نے عیسیٰ کو یقیناً قتل نہیں کیا O بلکہ اللہ نے انہیں اپنی طرف (آسمان پر) اٹھا لیا اور اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے O

عیسائی اور یہودی اس بات پر متفق تھے کہ حضرت عیسیٰ کو سولی پر چڑھایا گیا، آگے کچھ اختلاف تھا۔ یہودی کہتے تھے کہ حضرت عیسیٰ قتل ہو گئے تھے، عیسائی کہتے تھے کہ وہ تین دن مُردہ رہنے کے بعد زندہ ہوئے اور آسمان پر چلے گئے، اللہ تعالیٰ نے ان دونوں گروہوں کی بابت فرمایا کہ یہ دونوں شک میں مبتلا ہیں، درحقیقت حضرت عیسیٰ کو یہ لوگ گرفتار ہی نہ کر سکے تھے۔

بہرحال دشمنوں نے رومی گورنر پیلاطس (Pontsmpilatc) کو حضرت عیسیٰ کے خلاف ابھارا اور اس کے سپاہیوں کے ساتھ مل کر حضرت عیسیٰ کو گرفتار کرنے کی سازش تیار کر لی اور بہ قول انجیل حضرت عیسیٰ کے ایک شاگرد یہوداہ اسکریوتی کو ۳۰ دینار پر جاسوسی کے لیے تیار کر لیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام مذہبی تہوار کے موقع پر بیت المقدس آئے ہوئے تھے، یہاں انہوں نے (بہ قول متی باب ۲۶ آیت ۲۷ تا ۲۹) فسح کا آخری کھانا کھایا، اس کے بعد حضرت عیسیٰ اپنے گیارہ شاگردوں سمیت شہر کے باہر گتسمنی (Gethsemane) نام ایک جگہ میں شب باشی کے لیے تشریف لے گئے، پھر اپنے شاگردوں سے الگ ہو کر منہ کے بل گر کر اللہ تعالیٰ سے یوں دعا مانگی: اے میرے خدا! (باپ) اگر ہو سکے تو یہ پیالہ (موت) مجھ سے ٹل جائے (تقریباً تین مرتبہ یہی الفاظ دہرائے: متی باب ۲۶ آیت ۳۶ تا ۴۴)، اسی دعا کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تسلی نازل ہوئی۔

مسلم علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جب دشمن حضرت عیسیٰ کے ایک شاگرد یہوداہ اسکریوتی کی رہنمائی میں مذکورہ جگہ پر پہنچے اور اس کا محاصرہ کرلیا تو عین اسی وقت حضرت عیسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اٹھالیا اور خود گرفتار کروانے والے پر حضرت عیسیٰ کی شکل وشباہت طاری کردی، چنانچہ حکومت کے اہلکاروں اور یہودیوں حتیٰ کہ خود حواریوں نے بھی اسی کو حضرت عیسیٰ سمجھ لیا اور اسی کو لے جا کر پھانسی پر چڑھا دیا۔ (ابن کثیر: البدایہ ج ۲ ص ۹۲، الآلوسی: روح المعانی ج ۲ ص ۱۷۷ تا ۱۷۸)

نزولِ مسیح

اسلامی عقیدہ کے مطابق چونکہ حضرت عیسیٰ نہ تو قتل ہوئے ہیں اور نہ ہی طبعی موت مرے ہیں بلکہ زندہ آسمان پر اٹھالیے گئے ہیں اس بناء پر آخری زمانہ میں ان کو دوبارہ نازل فرمایا جائے گا، اس مضمون کو تقریباً تمام کتبِ حدیث میں مرفوعاً آنحضرت ﷺ سے نقل کیا گیا ہے (البخاری، کتاب الانبیاء باب: ۴۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۴۳)۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شمائل وخصائل

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہایت حلیم الطبع، وسیع القلب، خندہ رو اور غریبوں اور مصیبت زدہ لوگوں کے بہی خواہ تھے، طبیعت میں حد درجہ ملائمت تھی جس کی بناء پر کبھی بھی ان کے دل میں کسی کے خلاف کوئی معاندانہ یا متشددانہ جذبہ پیدا نہیں ہوا، ان کی صلح جوئی کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ انہوں نے ایک شخص کو اپنی آنکھوں سے چوری کرتے ہوئے دیکھا تو اسے کہا: کیا تو نے چوری کی ہے؟ اس نے کہا: خدا کی قسم! ہرگز نہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فی الفور کہا: میں خدا کی قسم پر یقین رکھتا ہوں اور اپنی آنکھوں کو جھٹلاتا ہوں، (البخاری: کتاب الانبیاء، باب: ۴۸)۔ وہ کسی سے برائی کا بدلہ بھی لینے کے خلاف تھے، ان کا قول تھا: ''شریر کا مقابلہ نہ کرنا، بلکہ جو تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے، دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے اور اگر کوئی تجھ پر نالش کر کے تیرا کُرتا لینا چاہے تو چوغہ بھی اسے لے لینے دے اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے تو اس کے ساتھ دو کوس چلا جا'' (متیٰ باب: ۵ آیت ۳۹ تا ۴۲)۔

انہوں نے مجرد رہ کر تقویٰ وطہارت اور عصمت وعفت کی ایک مثال قائم کی، اسی بناء پر ان کی سیرت کو جس میں آنحضرت ﷺ کی طرح جامعیت نہیں ہے، حضرت یحییٰ کی طرح صرف ایک خاص طبقہ کی نمائندہ کہا جاسکتا ہے لیکن اسلامی عقیدہ کے مطابق یہ ان کی حیاتِ طیبہ کا صرف آغاز تھا، بعد میں جب وہ اپنی بقیہ زندگی مکمل کرنے کے لیے نازل ہوں گے تو ان کی سیرت کے بہت سے پہلو اپنی تکمیلی شان کے ساتھ نمودار ہوں گے۔

(اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، ج ۱۴ / ۲ ص ۳۶۰۔۳۶۹، ملخصاً وملتقطاً وموضحاً، دانش گاہ پنجاب، لاہور، ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۲ء)

''وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ'' (اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو واضح نشانیاں عطا فرمائیں اور ہم نے روح القدس (جبریل) کے ذریعہ ان کی تائید فرمائی):

امام ابومنصور ماتریدی حنفی متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں: واضح نشانیوں سے مراد وہ معجزات ہیں جو ان کے ہاتھوں سے ظاہر ہوئے کہ وہ مٹی سے پرندہ بنا کر اڑا دیتے تھے اور مُردوں کو زندہ کرتے تھے، اور مادر زاد اندھوں کو بینا کر دیتے تھے، اور برص کے مریضوں کو شفایاب کر دیتے تھے، اور لوگوں کو خبر دیتے تھے کہ وہ کیا کھا کر آئے ہیں اور گھر میں کیا ذخیرہ کر کے آئے ہیں۔

''رُوْحُ الْقُدُس'' سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں، اصل میں یہ لفظ ''الْقُدُوْس'' تھا تخفیف کے لیے واؤ کو ساقط کر دیا، اور

حضرت جبریل کی تائید اس طرح تھی کہ شیطان ان کے قریب نہیں آسکتا تھا، دوسرا قول یہ ہے کہ ''رُوْحُ الْقُدُس'' سے مراد اللہ کی روح ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف روح کی اضافت تکریم اور تعظیم کے لیے ہے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تعظیم کے لیے کلیم اللہ فرمایا اور عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ فرمایا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ فرمایا۔

''اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۡ وَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ۝'' (تو کیا (ایسا نہیں تھا کہ) جب بھی کوئی رسول تمہارے پاس ایسے احکام لے کر آیا جو تمہاری خواہش کے مطابق نہیں تھے تو تم نے سرکشی کی، پس (انبیاء کے) ایک گروہ کی تم تکذیب کرتے تھے اور دوسرے گروہ کو تم قتل کرتے تھے ○):

یہود نے صرف انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا تھا یا رسولوں کو بھی قتل کیا تھا، اس کے متعلق مفسرین کے دو قول

اس آیت کا ظاہر معنی یہ ہے کہ یہود نے رسولوں کے ایک فریق کی تکذیب کی اور دوسرے فریق کو قتل کیا، اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہود نے انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا تھا اور رُسل علیہم السلام کو قتل نہیں کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا (المومن: ۵۱) بے شک ہم اپنے رسولوں کی ضرور مدد فرمائیں گے۔

اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝ (الصافات: ۱۷۲) بے شک رسول ضرور مدد کئے ہوئے ہیں ○

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ رسولوں کی مدد فرمائے گا اور جس کی اللہ تعالیٰ مدد فرمانے والا ہو اسے کوئی قتل نہیں کرسکتا۔ اور دوسرے مفسرین نے کہا کہ یہود نے رسولوں اور نبیوں کو قتل کیا، اور جس آیت میں رسولوں کی مدد کا ذکر ہے اس کا معنی ہے کہ دلائل اور نشانیوں کے ساتھ رسولوں کی مدد کی جائے گی۔

نیز اس آیت میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور نبوت کی دلیل ہے، کیونکہ آپ نے یہ خبر دی کہ یہود بعض رسولوں کی تکذیب کرتے تھے اور بعض رسولوں کو قتل کرتے تھے، اور یہود یہ خبر سن کر خاموش رہے، پس اگر ان کو یہ یقین نہ ہوتا کہ آپ برحق رسول ہیں اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس بات کی خبر دی ہے تو وہ اس پر خاموش نہ رہتے۔ (تاویلات اہل السنۃ، ج ا ص ۵۰۶۔ ۵۰۸)

انبیاء علیہم السلام کو یہودِ مدینہ کے آباء واجداد نے قتل کیا تھا، پھر یہودِ مدینہ کی طرف قتل کرنے کی نسبت کی توجیہ

علامہ السید محمود الآلوسی البغدادی الحنفی المتوفی ۱۲۷۰ھ، لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہودِ مدینہ کی طرف انبیاء اور رُسل کے قتل کرنے کی نسبت فرمائی ہے، حالانکہ یہودِ مدینہ نے انبیاء اور رُسل علیہم السلام کو قتل نہیں کیا تھا بلکہ ان کے آباء واجداد نے ان کو قتل کیا تھا، اور ان یہودِ مدینہ کی طرف انبیاء کے قتل کرنے کی نسبت اس لیے فرمائی ہے کہ یہودِ مدینہ بھی اس قتل پر راضی تھے، اس لیے ان کو بھی ان کے آباء واجداد کی مذمت کے ساتھ ملا دیا، نیز یہ یہودی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے بھی درپے تھے، اور اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت نہ فرمائی ہوتی تو یہ یہودی آپ کو بھی قتل کرڈالتے، کیونکہ انہوں نے زہر آلود بکری کا گوشت آپ کو کھلایا، اور قتل کرنے سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے ایسے اسباب اختیار کئے جن سے حیات زائل ہوجاتی ہے خواہ اس پر موت کا ترتب ہو یا نہ ہو۔ (روح المعانی ج ا ص ۵۰۲، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(یہود نے) کہا: ہمارے دل غلاف میں (ملفوف) ہیں، (نہیں) بلکہ اللہ نے ان

کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت فرمائی ہے، سو یہ کم لوگ ہی ایمان لائیں گے O'' (البقرہ:۸۸)

''غُلْف'' کا معنی

البقرہ:۸۸ میں ''غُلْفٌ'' کا لفظ ہے، علامہ محمد زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ اس کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''غُلْف'' کا معنی ہے الغلاف، یہ اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی دوسری چیز پر مشتمل ہو، قرآن مجید میں ہے: ''وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ (البقرہ:۸۸)'' یعنی ہمارے دل حق کو سننے اور اس کو قبول کرنے سے غلاف میں ہیں۔ (تاج العروس من جواہر القاموس، ج ۱۲ ص ۱۲۳)

امام ابوالیث السمرقندی الحنفی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ'' یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی سزا میں ان کو دنیا میں رسوا کر دیا اور اپنی رحمت سے دھتکار دیا۔

''فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ'' بعض مفسرین نے کہا کہ اس کا معنی ہے: یہود میں سے قلیل لوگ ایمان لائیں گے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب، اور بعض مفسرین نے کہا: ان کا اللہ پر ایمان قلیل ہے، کیونکہ وہ بعض آیات پر ایمان لاتے ہیں اور بعض آیات کا کفر کرتے ہیں۔ (تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۱۳۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے ایسی کتاب آئی جو ان کے پاس (اصل) آسمانی کتاب کی تصدیق کرنے والی تھی، اور یہود اس سے پہلے (قرآن اور آخری نبی کے وسیلہ سے) کفار کے خلاف اللہ سے فتح کی دعا کرتے تھے، پھر جب وہ پہچانے ہوئے ان کے پاس آ گئے (تو) انہوں نے ان کے ساتھ کفر کیا، پس کافروں پر اللہ کی لعنت ہے O'' (البقرہ:۸۹)

یہودِ مدینہ کا مشرکین کے خلاف فتح کے حصول کے لیے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرنا

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری المتوفی ۳۱۰ھ البقرہ:۸۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے یہود ''الاوس'' اور ''الخزرج'' کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے فتح کو طلب کرتے تھے، پس جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو عرب سے مبعوث فرما دیا تو یہود نے آپ کا کفر کیا اور جو کچھ پہلے وہ آپ کے وسیلہ سے دعا کرتے تھے اس کا انکار کیا، تو ان سے حضرت معاذ بن جبل، حضرت بشر بن البراء بن معرور رضی اللہ عنہم نے کہا: اے یہود کی جماعت! اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کر لو کیونکہ تم ہمارے خلاف سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے فتح طلب کرتے تھے اور اس وقت ہم مشرک تھے اور تم ہمیں یہ خبر دیتے تھے کہ وہ مبعوث ہونے والے ہیں اور تم ہم سے آپ کی صفت کو بیان کرتے تھے تو بنونضیر کے بھائی سلام بن مشکم نے کہا: وہ ہمارے پاس کوئی ایسی چیز لے کر نہیں آئے جس کو ہم پہچانتے ہوں، اور نہ یہ وہ نبی ہیں جس کا ہم تم سے ذکر کیا کرتے تھے تو اللہ جل ثناؤہ نے ان کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی: ''وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۫ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ ۔۔۔ (البقرہ:۸۹)''۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۵۷۸، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

ابو العالیہ بیان کرتے ہیں کہ یہود مشرکینِ عرب کے خلاف سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے مدد طلب کرتے تھے اور یوں دعا کرتے تھے: اے اللہ! اس نبی کو مبعوث فرما جس کو ہم اپنی کتابوں میں لکھا ہوا پاتے ہیں حتیٰ کہ وہ نبی مشرکین کو قتل کر کے ان کو عذاب دے، پھر جب اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور یہود نے یہ دیکھا کہ آپ یہود سے نہیں ہیں تو انہوں نے عربوں سے حسد کی وجہ سے آپ کا کفر کیا حالانکہ وہ خوب جانتے تھے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ (جامع البیان ا ص ۵۷۹، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حسبِ ذیل مفسرین نے اس تفسیر کو اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے:

(۱) امام عبد الرحمٰن بن محمد ابن ابی حاتم الرازی المتوفی ۳۲۷ھ، تفسیر القرآن العظیم ج ا ص ۱۷۲، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ۔
(۲) امام ابو منصور محمد بن محمد الماتریدی الحنفی المتوفی ۳۳۳ھ، تاویلات اہل السنہ، ج ا ص ۵۰۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ۔
(۳) امام ابو اسحاق احمد الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ، الکشف والبیان ج ا ص ۲۳۴، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۲ھ۔
(۴) شیخ ابو جعفر محمد بن الحسن الطوسی (شیعہ) المتوفی ۴۶۰ھ، التبیان فی تفسیر القرآن، ج ا ص ۳۴۴۔۳۴۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت۔
(۵) امام ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی ابن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ، زاد المسیر ج ا ص ۸۷، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ۔
(۶) امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی المتوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر ج ا ص ۵۹۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ۔
(۷) علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد القرطبی المالکی المتوفی ۶۶۸ھ، الجامع لاحکام القرآن، جز ۲ ص ۳۰، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ۔
(۸) قاضی عبد اللہ بن عمر البیضاوی الشافعی المتوفی ۶۸۵ھ، انوار التنزیل واسرار التاویل، ج ا ص ۳۵۹، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۶ھ۔
(۹) شیخ ابو علی الفضل بن الحسن الطبرسی (شیعہ) القرن السادس، مجمع البیان ج ا ص ۳۱۰، انتشارات ناصر خسرو، ایران، ۱۳۶۵ھ۔
(۱۰) حافظ ابن کثیر الدمشقی الشافعی المتوفی ۷۷۴ھ، تفسیر القرآن العظیم ج ا ص ۱۵۰، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۹ھ۔
(۱۱) حافظ جلال الدین السیوطی الشافعی المتوفی ۹۱۱ھ، الدر المنثور ج ا ص ۱۹۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ۔
(۱۲) شیخ محمد بن علی بن محمد الشوکانی الظاہری المتوفی ۱۲۵۰ھ، فتح القدیر ج ا ص ۲۳۲، دار الوفاء، جدہ، ۱۴۱۸ھ۔
(۱۳) علامہ سید محمود آلوسی البغدادی الحنفی المتوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی ج ا ص ۵۰۵، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ۔
(۱۴) نواب صدیق بن حسن بن علی بھوپالی (غیر مقلد) المتوفی ۱۳۰۷ھ، فتح البیان ج ا ص ۱۵۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ۔
(۱۵) شیخ محمود الحسن دیوبندی المتوفی ۱۳۳۹ھ، تفسیر بر حاشیہ قرآن، ج ا ص ۱۷، دار التصنیف لمیٹڈ، کراچی۔
(۱۶) سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ، تفہیم القرآن ج ا ص ۹۳، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، مئی ۲۰۱۲ء۔
(۱۷) شیخ امین احسن اصلاحی المتوفی ۱۹۹۷ء، تدبر قرآن ج ا ص ۲۷۰، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، دسمبر ۲۰۱۲ء۔

متعدد مذاہب اور مسالک کے مفسرین کی مذکور الصدر تصریحات سے واضح ہو گیا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توسل سے فتح و نصرت اور اپنی دیگر حاجات کی دعا کرنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ تمام مذاہب کے علماء کے نزدیک اس پر عمل کیا جاتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''نہایت بری ہے وہ چیز جس کے عوض انہوں نے اپنی جانوں کو فروخت کرڈالا کہ وہ اس کلام کا کُفر کریں جس کو اللہ نے نازل فرمایا (محض) اس جلن سے کہ اللہ نے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہا اپنا (خاص) فضل نازل فرمایا، سو وہ غضب بالائے غضب کے ساتھ لوٹے اور کافروں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے ○'' (البقرہ:۹۰)

''فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰی غَضَبٍ'' یعنی وہ ایک لعنت کے بعد دوسری لعنت کے مستحق ہوئے۔ مقاتل نے کہا: پہلا غضب اس وجہ سے نازل ہوا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کفر کیا، اور دوسرا غضب اس وجہ سے نازل ہوا کہ انہوں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر کیا۔ یا پہلا غضب بچھڑے کی عبادت کی وجہ سے نازل ہوا اور دوسرا غضب ہفتہ کے دن شکار کرنے کی وجہ سے نازل ہوا۔ (تفسیر السمر قندی ج ۱ ص ۱۴۳)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جب ان سے کہا گیا: اس کلام پر ایمان لاؤ جو اللہ نے (اب) نازل فرمایا ہے (تو) انہوں نے کہا: ہم اس کلام پر ایمان لائیں گے جو ہم پر نازل کیا گیا ہے اور جو کچھ اس کے علاوہ ہے وہ اس کا کُفر کرتے ہیں حالانکہ وہ کلام برحق ہے اور ان کے پاس جو (اصل) آسمانی کتاب ہے اس کی تصدیق کرنے والا بھی ہے، آپ کہیے: اگر تم واقعی (اپنی کتاب) پر ایمان رکھنے والے ہو تو تم اس سے پہلے اللہ کے نبیوں کو کیوں قتل کرتے تھے ○'' (البقرہ:۹۱)

امام ابواللیث السمر قندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، البقرہ:۹۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ'' (حالانکہ وہ کلام برحق ہے اور ان کے پاس جو (اصل) آسمانی کتاب ہے اس کی تصدیق کرنے والا بھی ہے)، اس سے مراد قرآنِ مجید ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا تھا اور ان کی آسمانی کتابوں کے موافق تھا، اور جب انہوں نے قرآنِ مجید کا انکار کیا تو اس سے ان کی آسمانی کتابوں کا بھی انکار ہو گیا جو ان کے پاس تھیں کیونکہ قرآن مجید نے ان کی تصدیق کی تھی، انہوں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: آپ ہمارے پاس ایسی نشانیاں اور معجزات لے کر نہیں آئے جیسے ہمارے پاس دیگر انبیاء علیہم السلام معجزات لائے تھے، کیونکہ ہمارے پاس جو بھی نبی آتا تو اس کی قربانی کو آسمان سے آگ نازل ہو کر کھا جاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

''قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۹۱﴾'' (آپ کہیے: اگر تم واقعی (اپنی کتاب) پر ایمان رکھنے والے ہو تو تم اس سے پہلے اللہ کے نبیوں کو کیوں قتل کرتے تھے ○)، یعنی تمہارے پاس جو پہلے انبیاء آئے تھے وہ ایسی نشانیاں لے کر آئے تھے جن کا تم مطالبہ کر رہے ہو، پھر تم نے ان نبیوں کو کیوں قتل کیا اگر تم واقعی انبیاءِ سابقین کی تصدیق کرنے والے ہو۔

یہودِ مدینہ نے انبیاءِ سابقین کو قتل نہیں کیا تھا لیکن ان کے آباء واجداد نے قتل کیا تھا، لیکن چونکہ یہ اپنے آباء واجداد کے اس فعل پر راضی تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف انبیاءِ سابقین کو قتل کرنے کی نسبت فرمائی۔

اس پر دلیل کہ جو شخص کسی معصیت پر راضی ہو تو گو یا وہ اس معصیت کا مرتکب ہے

اور اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ جو آدمی کسی معصیت سے راضی ہو تو گو یا وہ اس معصیت کا مرتکب اور فاعل ہے کیونکہ یہودِ مدینہ اپنے آباء واجداد کے انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنے پر راضی تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو قاتل قرار دیا، اور اس آیت میں دوسری دلیل یہ ہے کہ جو شخص ایمان کا مدعی ہو اس پر واجب ہے کہ وہ ایسے افعال کرے جو اس کے ایمان کی تصدیق کریں، یہودِ مدینہ ایمان کا دعویٰ کرتے تھے اور انبیاء سابقین کے قتل پر راضی تھے اور متفق تھے اور وہ کونسا دین اور ایمان ہے جس نے انبیاء علیہم السلام کے قتل کو جائز قرار دیا ہو؟ (تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۱۳۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

یہودِ مدینہ کے انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنے کی دوسری توجیہ

میں کہتا ہوں کہ یہودِ مدینہ نے ہر چند کہ انبیاء سابقین کو قتل نہیں کیا تھا لیکن انہوں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کئی مرتبہ قتل کرنے کی سازش کی، ایک مرتبہ جب آپ بنونضیر سے دیت کے معاملہ پر گفتگو کرنے کے لیے گئے تو انہوں نے پیچھے سے آپ کے سر پر پتھر مار کر آپ کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا، (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب: ۱۴، سنن نسائی: باب القسامۃ: ۲۷) اور دوسری مرتبہ غزوۂ خیبر کے موقع پر آپ کو زہر آلود بکری کا گوشت کھلایا، (صحیح البخاری: ۴۲۴۹)۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بے شک تمہارے پاس موسیٰ واضح نشانیاں لے کر آئے، پھر تم نے اس کے بعد بچھڑے کو معبود بنالیا اور تم (اپنے اوپر) ظلم کرنے والے تھے ○'' (البقرہ: ۹۲)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لائی ہوئی نو (۹) واضح نشانیاں

امام ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی ابن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ البقرہ: ۹۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ'' (اور بے شک تمہارے پاس موسیٰ واضح نشانیاں لے کر آئے): یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام تمہارے پاس اپنی نبوت کے صدق پر واضح دلائل لے کر آئے: (۱) عصا جو کھلا ہوا اژدھا بن جاتا تھا (۲) ''ید بیضاء'' یعنی جب وہ بغل میں ہاتھ ڈال کر نکالتے تو وہ انتہائی روشن اور چمک دار ہو جاتا (۳) پہاڑ طور کو ان کے سروں پر کھڑا کر دینا (۴) بنی اسرائیل پر طوفان کو بھیجنا (۵) بنی اسرائیل پر قحط سالی کو مسلط کرنا (۶) بنی اسرائیل پر ٹڈیاں بھیجنا جو ان کی فصل کو چاٹ کر ختم کر دیتیں (۷) بنی اسرائیل پر جوؤں یا سُرسریوں کو مسلط کرنا (۸) مینڈکوں کو مسلط کرنا، یعنی ان کی ہر چیز میں مینڈک بھر جاتے تھے (۹) خون، وہ اپنے لیے جو پانی لاتے وہ خون بن جاتا۔ (زاد المسیر ج ۲ ص ۱۴۸، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا اور پہاڑ طُور کو تم پر اٹھالیا (اور یہ حکم دیا کہ) ہم نے تم کو جو کتاب عطا فرمائی ہے اس پر پوری قوت سے عمل کرو اور تمہیں جو حکم دیا جائے اس کو سنو، (اس وقت) انہوں نے کہا: ہاں ہم نے سن تو لیا مگر ہم مانیں گے نہیں اور ان کے کفر کی وجہ سے بچھڑے کی محبت ان کے دلوں میں رَچ گئی تھی، آپ کہیے: اگر تم (واقعی) ایمان والے ہو تو وہ نہایت بری بات ہے جس کا تمہیں

(تمہارے زعم میں) تمہارا ایمان حکم دے رہا ہے O'' (البقرہ: ۹۳)

بچھڑے کی عبادت کی محبت کا بنی اسرائیل کے دلوں میں سرایت کرنا

امام ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ ھ البقرہ: ۹۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''سَمِعْنَا وَ عَصَیْنَا'' (ہاں ہم نے سن تو لیا مگر ہم مانیں گے نہیں)، یعنی ہم نے اپنے کانوں سے سنا اور ہم نے اپنے دلوں سے نافرمانی کی، کیونکہ انہوں نے اپنی زبانوں سے نہیں کہا تھا کہ ہم نے نافرمانی کی لیکن جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل نہیں کیا تو گویا انہوں نے اپنے دلوں سے کہا: ہم نے نافرمانی کی۔

''وَ اُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ'' (اور ان کے کفر کی وجہ سے بچھڑے کی محبت ان کے دلوں میں رچ گئی تھی): یعنی ان کے کفر کی وجہ سے بچھڑے کی عبادت کرنے کی محبت ان کے دلوں میں اس طرح سرایت کر گئی تھی جیسے رنگ کسی مشروب میں سرایت کر جاتا ہے۔ (معالم التنزیل ج ۱ ص ۱۳۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''آپ کہیے: اگر (بہ قول تمہارے) اللہ کے نزدیک آخرت کا گھر اور لوگوں کے بجائے صرف تمہارے ساتھ مخصوص ہے سو تم موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو O'' (البقرہ: ۹۴)

امام ابو منصور محمد بن محمد الماتریدی الحنفی المتوفی ۳۳۳ ھ البقرہ: ۹۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی اللہ کے دشمن یہ کہتے تھے کہ آخرت میں جنت صرف ہم کو ہی ملے گی، ارشادِ باری ہے:

وَ قَالُوْا لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِیُّهُمْ (البقرہ: ۱۱۱)

اور (اہل کتاب) نے کہا: یہودی یا نصرانی کے سوا جنت میں ہرگز کوئی داخل نہیں ہوگا، یہ ان کی تمنائیں ہیں۔

نیز وہ کہتے تھے:

وَ قَالَتِ الْیَهُوْدُ وَ النَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ ؕ (المائدہ: ۱۸)

اور یہود اور نصاریٰ نے کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا: آپ ان سے یہ کہیے کہ اگر واقعی بہ قول تمہارے آخرت کا گھر اور آخرت میں جنت تمہارے ساتھ مخصوص ہے ''فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝'' سو تم موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو، کیونکہ کوئی شخص بھی اپنے گھر اور اپنے باغ میں منتقل ہونے کو ناپسند نہیں کرتا بلکہ اپنے گھر اور اپنے باغ میں منتقل ہونے کی تمنا کرتا ہے، سو اگر تمہارا دعویٰ برحق ہے تو پھر تم موت کی تمنا کرو حتیٰ کہ تمہیں دنیا کے غموں سے نجات مل جائے اور دنیا کی مشقتوں اور مصیبتوں سے تم چھٹکارا پالو، اگر تم اپنے اس زعم میں سچے ہو کہ آخرت تمہاری ہے اور تم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہو۔

مسلمانوں پر یہودِ مدینہ کے اعتراض کا امام ماتریدی کی طرف سے جواب

اگر یہ سوال کیا جائے کہ پھر یہودِ مدینہ مسلمانوں سے بھی کہہ سکتے ہیں کہ تم مسلمان لوگ یہ زعم کرتے ہو کہ تم کو جنت ملے گی تو پھر تم بھی موت کی تمنا کرو؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مسلمان یہ نہیں کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا بہت بڑا مرتبہ ہے اور وہ اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں، اس کے برخلاف یہودی یہ دعویٰ کرتے تھے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ہر حبیب اپنے حبیب سے ملنا چاہتا ہے اور ہر بیٹا اپنے باپ سے ملنا چاہتا ہے، تو اگر وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور اس کے بیٹے تھے تو پھر چاہیے تھا کہ وہ موت کی صورت میں آخرت کے طلب گار ہوتے۔

(تاویلات اہل السنہ ج ۱ ص ۵۱۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

مسلمانوں پر یہودِ مدینہ کے اعتراض کا امام فخر الدین رازی کی طرف سے جواب

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی المتوفی ۶۰۶ھ اس اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

سیدنا محمد علیہ السلام اور یہودِ مدینہ کے درمیان فرق ہے، کیونکہ آپ یہ فرمائیں گے کہ مجھے تو شریعت کی تبلیغ کے لیے بھیجا گیا ہے اور یہ مقصود ابھی تک حاصل نہیں ہوا، اس لیے میں قتل اور موت پر راضی نہیں ہوں اور تم اس طرح نہیں ہو، لہٰذا دونوں کا فرق ظاہر ہو گیا۔

(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۶۰۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

مسلمانوں پر یہودِ مدینہ کے اعتراض کا مصنف کی طرف سے جواب

میں کہتا ہوں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا بہت عظیم مرتبہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ — عنقریب آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا ○

(بنی اسرائیل: ۷۹)

نیز آخرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اور مومنین کا مقام حسبِ ذیل آیت سے ظاہر ہوتا ہے:

يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِىَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ (التحریم: ۸) — جس دن اللہ نہ (اپنے) نبی کو شرمندہ ہونے دے گا اور نہ ان لوگوں کو جو اُن کے ساتھ ایمان لائے ہیں، ان کا نور ان کے آگے اور ان کے دائیں طرف دوڑ رہا ہو گا ○

اب رہا یہ سوال کہ جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کے متبعین کا آخرت میں یہ مرتبہ اور مقام ہے تو پھر آپ نے اور مسلمانوں نے آخرت کے اس مقام اور مرتبہ کے حصول کے لیے موت کی تمنا کیوں نہیں کی۔

ہم کہتے ہیں کہ انہوں نے شہادت کی صورت میں ضرور موت کی تمنا کی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے ضرور یہ پسند ہے کہ بے شک میں اللہ کے راستہ میں قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں۔

(صحیح البخاری: ۳۶، صحیح مسلم: ۱۸۷۶، سنن نسائی: ۳۱۲۳، سنن ابن ماجہ: ۲۷۵۳، مسند احمد: ۷۱۱۷، موطا امام مالک: ۹۷۴)

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دعا کی: اے اللہ! مجھے اپنے راستہ میں شہادت عطا فرما، اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے شہر میں مجھے موت عطا فرما۔ (صحیح البخاری: ۱۸۹۰، موطا امام مالک: ۱۰۰۶)

پس یہودِ مدینہ نے تو آخرت میں اپنے مخصوص گھر کا دعویٰ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مطالبہ کے باوجود اپنی موت کی دعا نہیں کی تا کہ وہ آخرت کے گھر اور جنت کو حاصل کر لیتے، اس کے برخلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور مسلمانوں کا یہ کہنا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کو

آخرت میں عزت اور وجاہت عطا فرمائے گا اور اس کے حصول کے لیے وہ شہادت کی صورت میں موت کی تمنا کرتے تھے، لہٰذا یہودِ مدینہ کا اعتراض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں پر وارد نہیں ہوگا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور وہ ان اعمالِ (بد) کی وجہ سے جن کو وہ پہلے کر چکے ہیں کبھی بھی موت کی تمنا نہیں کریں گے اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے O'' (البقرہ:۹۵)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور آپ کی پیشین گوئی کے صدق پر دلیل

''وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر یہ لوگ موت کی تمنا کرتے تو ان میں سے ہر ایک کا دم گھٹ جاتا اور روئے زمین پر ہر یہودی مر جاتا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۲۷۴-۲۷۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ پیش گوئی فرمائی کہ کوئی یہودی موت کی تمنا نہیں کرے گا اور یہودِ مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور رسالت کے منکر تھے اور آپ کے مخالف اور مکذِب تھے، تو چاہیے تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں سے کہتے: لو ہم موت کی تمنا کرتے ہیں، لہٰذا آپ کا یہ کہنا غلط اور باطل ہو گیا کہ یہ کبھی موت کی تمنا نہیں کریں گے کیونکہ ہم نے موت کی تمنا کی ہے، لیکن ایسا نہیں ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان پر ایسا رعب طاری تھا کہ انہوں نے موت کی تمنا نہیں کی اور انہیں یہ خطرہ تھا کہ اگر انہوں نے موت کی تمنا کی تو صفحۂ ہستی سے یہودیت مٹ جائے گی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے رسولِ مکرم!) آپ ان کو دنیا کی زندگی پر (سب) لوگوں سے زیادہ ضرور بہ ضرور حرص کرنے والا پائیں گے اور مشرکین سے بھی زیادہ (دنیا کی زندگی پر حریص پائیں گے) ان یہود میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ کاش وہ ہزار برس تک زندہ رہے حالانکہ اس کی اتنی (لمبی) عمر (بھی) اس کو عذاب سے بچانے والی نہیں ہے، اور اللہ ان کے سب کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے O'' (البقرہ:۹۶)

مشرکین کی لمبی عمر کی خواہش کی توجیہ

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری المتوفی ۳۱۰ھ البقرہ:۹۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یعنی یہود دنیا کی زندگی پر مشرکین سے بھی زیادہ حریص تھے، امام ابوجعفر طبری فرماتے ہیں: کیونکہ یہود کو یہ یقین تھا کہ انہوں نے جو کفر کیا ہے اس کی سزا ان کو یقیناً آخرت میں ملے گی، اس لیے آخرت کی زندگی میں ان کی کوئی طمع نہیں تھی بلکہ وہ مشرکین سے بھی زیادہ دنیا کی زندگی گزارنا چاہتے تھے، کیونکہ مشرکین آخرت پر یقین نہیں رکھتے، ان کے لیے جو کچھ ہے وہ یہی دنیا کی زندگی ہے اور یہود آخرت پر یقین رکھتے تھے لیکن اپنے لیے آخرت میں کسی ثواب کی امید نہیں رکھتے تھے، اس لیے وہ مشرکین سے بھی زیادہ دنیا کی زندگی پر حریص تھے، ہر چند کہ انہیں دنیا کی زندگی ایک ہزار سال کی بھی ملتی تو وہ ان کو اللہ کے عذاب سے بچا نہیں سکتی تھی۔

ابوالعالیہ نے کہا: اس آیت میں مشرکین سے مراد مجوس ہیں۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۶۰۲، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام ابوالليث السمرقندی الحنفی المتوفی ٣٧٥ھ، البقرہ:٩٦ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس آیت کی تفسیر مجوس کے ساتھ کرنی کس طرح صحیح ہوگی جب کہ مجوس اپنے آپ کو مشرکین نہیں کہتے۔
اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقت میں مجوس مشرک ہیں، کیونکہ وہ دو خداؤں کے قائل ہیں، ایک خدا کا نام انہوں نے نور رکھا ہے اور دوسرے خدا کا نام انہوں نے ظلمت رکھا ہے، (اور نور کو وہ یزداں بھی کہتے ہیں اور ظلمت کو اھرمن بھی کہتے ہیں)۔
(تفسیر السمرقندی ج ١ ص ١٣٩، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ١٤١٣ھ)

مجوس کا مختصر تعارف

ابن خلدون نے کہا ہے کہ مجوس سب سے قدیم امت ہے، ان کا ظہور ''زرداشت'' کے عہد سے ہوا اور پھر عہدِ اسلام اور عہدِ اسلام کے بعد بھی مجوسی دنیا میں رہے۔ ابن حزم نے کہا ہے کہ مجوس کسی نبی کا اقرار نہیں کرتے تھے، مجوس کا ایک فرقہ وہ ہے جو تناسخ کا قائل ہے اور بعض مجوس کا عقیدہ یہ تھا کہ آخر زمانہ میں ایسے مرد کا ظہور ہوگا جو دنیا کو عدل سے بھر دے گا۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَ هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٩٧﴾

آپ کہیے! جو لوگ جبریل کے دشمن ہیں (تو ہوا کریں) کیونکہ اس نے اللہ کے حکم سے آپ کے قلب پر قرآن نازل کیا ہے جو اس (اصل) کلام کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس سے پہلے نازل ہوا ہے اور ایمان والوں کے لیے ہدایت دینے والا اور بشارت دینے والا ہے O

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ جِبْرِيْلَ وَ مِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٩٨﴾

جو لوگ اللہ کے اور اس کے فرشتوں کے اور اس کے رسولوں کے اور جبریل کے اور میکائیل کے دشمن ہیں تو بے شک اللہ (بھی ان) کافروں کا دشمن ہے O

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿٩٩﴾

اور (اے رسولِ مکرم!) بے شک ہم نے آپ کی طرف واضح نشانیاں نازل فرمائی ہیں اور ان نشانیوں کا نافرمانوں کے سوا کوئی انکار نہیں کرے گا O

اَوَ كُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠٠﴾

یا (کیا ایسا نہیں ہوا) کہ جب بھی انہوں نے کوئی عہد کیا تو ان میں سے ایک فریق نے اس عہد کو توڑ ڈالا، بلکہ ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے O

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِیْقٌ مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙۗ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۟ (۱۰۱)

اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے (وہ) رسول (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تشریف لائے جو ان کے پاس (اصل آسمانی کتاب) کی تصدیق کرنے والے تھے تو (ان) اہلِ کتاب کے ایک فریق نے اللہ کی کتاب (تورات) کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا گویا کہ وہ جانتے ہی نہیں O

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّیٰطِیْنُ عَلٰی مُلْكِ سُلَیْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَیْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّیٰطِیْنَ كَفَرُوْا یُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَاۤ اُنْزِلَ عَلَی الْمَلَكَیْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ وَمَا یُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰی یَقُوْلَاۤ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ فَیَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا یُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَیْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ وَمَا هُمْ بِضَآرِّیْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَیَتَعَلَّمُوْنَ مَا یَضُرُّهُمْ وَلَا یَنْفَعُهُمْ ؕ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۫ؕ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ۟ (۱۰۲)

اور ان لوگوں نے (اس جادو منتر کی) پیروی کی جس کو سلیمان کی بادشاہت میں شیاطین پڑھا کرتے تھے، اور سلیمان نے (کبھی) کفر نہیں کیا، ہاں شیطانوں نے ہی کفر کیا تھا، وہ لوگوں کو (کفریہ) جادو سکھاتے تھے اور انہوں نے اس جادو کی پیروی کی جو شہرِ بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر نازل کیا گیا تھا، اور وہ (فرشتے) کسی کو کچھ نہیں سکھاتے تھے حتیٰ کہ یہ کہہ دیتے کہ ہم تو صرف ایک ذریعۂ امتحان ہیں لہٰذا تم (کہیں) کفر اختیار نہ کرنا، پس یہ لوگ ان دونوں فرشتوں سے اس (جادو) کو سیکھ لیتے جس کے ذریعہ وہ مرد اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی ڈالتے تھے، اور وہ (دونوں فرشتے) اللہ کے حکم کے بغیر کسی کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے تھے، اور یہ لوگ اس چیز کو سیکھتے تھے جو اُن کو نقصان پہنچاتی اور نفع نہ پہنچاتی، اور بے شک ان لوگوں نے ضرور جان لیا تھا کہ جس نے اس جادو کو خریدا اس کے لیے آخرت کے اجر میں سے کوئی حصہ نہیں ہوگا، اور نہایت برا ہے وہ (جادو) جس کے عوض میں انہوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا تھا، کاش! وہ لوگ جانتے ہوتے! O

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَیْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ۟ع (۱۰۳)

ع ۱۲ ۱۲

اور اگر یہ لوگ ایمان لے آتے اور اللہ سے ڈرتے رہتے تو اللہ کے پاس جو ثواب ہے وہ بہت بہتر ہے، کاش یہ لوگ جانتے! O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''آپ کہیے! جو لوگ جبریل کے دشمن ہیں (تو ہوا کریں) کیونکہ اس نے اللہ کے حکم

سے آپ کے قلب پر قرآن نازل کیا ہے جو اس (اصل) کلام کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس سے پہلے نازل ہوا ہے اور ایمان والوں کے لیے ہدایت دینے والا اور بشارت دینے والا ہے O'' (البقرہ: ۹۷)

یہود کی حضرت جبریل علیہ السلام سے عداوت کا سبب اور اس کا رد

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی المتوفی ۷۱۰ھ البقرہ: ۹۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ'' (آپ کہیے! جو لوگ جبریل کے دشمن ہیں (تو ہوا کریں)): جبریل کا معنی ہے عبداللہ، کیونکہ ''جبر'' کا سریانی زبان میں معنی ہے عبد اور ''ایل'' اللہ کا نام ہے۔ روایت ہے کہ علماء یہود میں سے ابن صوریا نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مجادلہ کیا اور آپ سے پوچھا کہ آپ پر وحی کون لاتا ہے، آپ نے فرمایا: ''جبریل'' اس نے کہا: وہ تو ہمارا دشمن ہے، اگر اس کے علاوہ کوئی اور آپ پر وحی لے کر آتا تو ہم آپ پر ایمان لے آتے اور جبریل نے متعدد بار ہمارے ساتھ عداوت کی ہے، اور سب سے شدید عداوت وہ تھی جب وہ ہمارے نبی پر نازل ہوا اور یہ خبر دی کہ عنقریب بیت المقدس کو بخت نصر تباہ و برباد کر دے گا، سو ہم نے بخت نصر کو قتل کرنے کے لیے کسی کو بھیجا وہ اس سے بابل میں ملا، وہ ایک مسکین لڑکا تھا تو جبریل نے اس کی طرف سے مدافعت کی اور کہا: اگر تمہارے رب نے اس کو تمہیں ہلاک کرنے کا حکم دیا ہے تو وہ تم کو اس کے اوپر مسلط نہیں کرے گا، اور اگر تمہارے رب نے یہ حکم نہیں دیا ہے تو پھر تم کس جرم کی پاداش میں اس کو قتل کرتے ہو؟ (اسباب النزول للواحدی ج ۱ ص ۳۲، سنن ترمذی: ۳۱۱۷)

''فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ'' (کیونکہ اس نے اللہ کے حکم سے آپ کے قلب پر قرآن نازل کیا ہے):

اس آیت میں حضرت جبریل علیہ السلام کا نام نہیں لیا صرف ان کی طرف ضمیر لوٹائی ہے، کیونکہ حضرت جبریل علیہ السلام قرآن مجید نازل کرنے کے وصف کے ساتھ مشہور ہیں، ارشادِ باری ہے:

وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ (الشعراء: ۱۹۲۔ ۱۹۴)

اور بے شک یہ (کلام) رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے O جس کو الروح الامین (جبریل) نے نازل کیا O آپ کے قلب پر تاکہ آپ (عذابِ الٰہی سے) ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں O

بہ ظاہر سیاقِ کلام کا تقاضا یہ تھا کہ یوں فرمایا جاتا کہ جبریل نے اللہ کے حکم سے میرے قلب پر قرآن نازل کیا، لیکن اس آیت میں اللہ عزوجل کے کلام کی حکایت کی اور اصل عبارت یوں ہوگی: اگر اہل کتاب میں سے کوئی شخص جبریل سے عداوت رکھتا ہے تو اس کی عداوت رکھنے کا کوئی سبب نہیں ہے کیونکہ جبریل نے وہ کتاب نازل کی ہے جو سابقہ اصل آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے، پس اگر یہودی انصاف سے کام لیتے تو حضرت جبریل سے محبت کرتے اور ان کے شکر گزار ہوتے، کیونکہ وہ ایسی چیز لے کر نازل ہوئے ہیں جو ان کو نفع پہنچائے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس شرط کا جواب محذوف ہے اور اصل عبارت یوں ہے کہ جو شخص جبریل سے عداوت رکھتا ہے وہ غیظ میں جل کر مر جائے کیونکہ حضرت جبریل نے اللہ کے حکم سے آپ کے قلب پر وحی نازل فرمائی ہے۔

''مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾'' (جو اس (اصل) کلام کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس سے پہلے نازل ہوا ہے اور ایمان والوں کے لیے ہدایت دینے والا اور بشارت دینے والا ہے O):

اس آیت میں یہود کا رد ہے جو یہ کہتے تھے کہ جبریل لڑائی اور سخت احکام کو لے کر نازل ہوتے ہیں، تو فرمایا کہ جبریل ہدایت اور بشارت کو لے کر بھی تو نازل ہوئے ہیں۔

فرقہ باطنیہ کے اس قول کا رد کہ قرآنِ مجید الفاظ کا نام نہیں ان معانی کا نام ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر الہام کیے گئے تھے

فرقہ باطنیہ نے کہا ہے: جن الفاظ کے ساتھ ہم قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں ان الفاظ کے ساتھ قرآن مجید نازل نہیں ہوا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ کے معانی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قلب پر نازل فرمایا تھا اور آپ نے ان معانی کو زبانِ عربی میں تعبیر فرمایا، پس قرآن اس باطن کا نام ہے نہ کہ ان الفاظ کا۔

علامہ نسفی فرماتے ہیں: ان کا یہ قول مردود ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فی نفسہٖ قرآنِ مجید کی نظمِ عجیب کو معجز قرار دیا ہے کیونکہ فرمایا: ''فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ (البقرہ:۲۳)'' (تو اس قرآن کی مثل کوئی ایک سورت بنا کر لے آؤ)، نیز ارشاد فرمایا: ''اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ○ (یوسف:۲)'' (بے شک ہم نے اس کتاب کو (بہ صورتِ قرآن) عربی زبان میں نازل فرمایا ہے تاکہ تم اسے (آسانی سے) سمجھ سکو○)۔ ان آیات سے واضح ہوا کہ قرآنِ مجید صرف معانی کا نام نہیں بلکہ الفاظِ عربیہ کا نام ہے۔

(مدارک التنزیل ج ۱ ص ۱۱۳۔ ۱۱۴، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

میں کہتا ہوں: اس موقف کو ثابت کرنے کے لیے درجِ ذیل آیت سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے، ارشادِ باری ہے:

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ۝۱۹۵ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۹۶ (الشعراء:۱۹۵۔۱۹۶)

یہ کلام واضح عربی زبان میں (نازل ہوا ہے)○ اور بے شک اس کلام کا پہلے صحائف میں بھی ذکر کیا گیا ہے○

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ قرآن مجید محض الہام کی صورت میں نازل نہیں ہوا بلکہ عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ سرسید احمد خان بھی اسی نظریہ کا قائل ہے کہ قرآن مجید عربی الفاظ کا نام نہیں ہے اور اس کا رد ہم مقدمہ میں کر چکے ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جو لوگ اللہ کے اور اس کے فرشتوں کے اور اس کے رسولوں کے اور جبریل کے اور میکائیل کے دشمن ہیں، تو بے شک اللہ (بھی ان) کافروں کا دشمن ہے○'' (البقرہ:۹۸)

یہودِ مدینہ کا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان نہ لانے کا سبب

امام ابو اللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، البقرہ:۹۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے یہود سے کہا: کیا وجہ ہے کہ تم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان نہیں لاتے، انہوں نے کہا: کیونکہ جبریل ان کے اوپر وحی نازل کرتا ہے، اگر ان کے اوپر میکائیل وحی نازل کرتا تو ہم ان پر ایمان لے آتے، کیونکہ میکائیل رحمت کا فرشتہ ہے اور جبریل عذاب کا فرشتہ ہے اور وہ ہمارا دشمن ہے، وہ ہمارے راز کی باتیں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو بتا دیتا ہے، تب یہ آیت نازل ہوئی، دوسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے کہا کہ پہلے نبوت ہم میں تھی، پھر جبریل نے ہماری دشمنی کی وجہ سے نبوت ہم سے چھین کر دوسروں کو دے دی، تب یہ آیت نازل ہوئی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے رسولِ مکرم!) بے شک ہم نے آپ کی طرف واضح نشانیاں نازل فرمائی ہیں اور ان نشانیوں کا نافرمانوں کے سوا کوئی انکار نہیں کرے گا O'' (البقرہ:۹۹)

''اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ'' سے مراد ہے واضح نشانیاں، دوسرا قول ہے کہ اس سے مراد وہ آیات ہیں جو حلال اور حرام کو بیان کرنے والی ہیں اور ان آیات کا وہی انکار کرتے ہیں جو کافر ہیں اور فاسق ہیں اور یہود ہیں اور مشرکینِ عرب ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یا (کیا ایسا نہیں ہوا) کہ جب بھی انہوں نے کوئی عہد کیا تو ان میں سے ایک فریق نے اس عہد کو توڑ ڈالا، بلکہ ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے O'' (البقرہ:۱۰۰)

جس عہد کو بنی اسرائیل نے توڑا، اس سے مراد یا تو وہ عہد ہے جو ان سے تورات میں لیا گیا تھا، یا اس سے مراد وہ عہد ہے جو اُن سے یوم میثاق میں لیا گیا تھا، اُن میں سے ایک فریق نے اس عہد پر عمل نہیں کیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے (وہ) رسول (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تشریف لائے جو اِن کے پاس (اصل آسمانی کتاب) کی تصدیق کرنے والے تھے تو (اِن) اہلِ کتاب کے ایک فریق نے اللہ کی کتاب (تورات) کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا گویا کہ وہ جانتے ہی نہیں O'' (البقرہ:۱۰۱)

تورات میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کا ذکر

''وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ'' یعنی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ان کے پاس آئے اور آپ نے ان کو اس دین کی طرف دعوت دی جس کی تصدیق ان کے پاس اصل آسمانی کتابوں میں تھی تو ان میں سے ایک فریق نے اللہ کی کتاب کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے چھوڑ دیا اور اس پر ایمان نہیں لائے، گویا کہ ان کو اپنی کتاب میں یہ علم ہی نہیں تھا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

(تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۱۳۹۔۱۴۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ان لوگوں نے (اس جادو منتر کی) پیروی کی جس کو سلیمان کی بادشاہت میں شیاطین پڑھا کرتے تھے، اور سلیمان نے (کبھی) کفر نہیں کیا، ہاں شیطانوں نے ہی کفر کیا تھا، وہ لوگوں کو (کُفریہ) جادو سکھاتے تھے اور انہوں نے اس جادو کی پیروی کی جو شہرِ بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر نازل کیا گیا تھا، اور وہ (فرشتے) کسی کو کچھ نہیں سکھاتے تھے حتیٰ کہ یہ کہہ دیتے کہ ہم تو صرف ایک ذریعۂ امتحان ہیں لہٰذا تم (کہیں) کفر اختیار نہ کرنا، پس یہ لوگ ان دونوں فرشتوں سے اس (جادو) کو سیکھ لیتے جس کے ذریعہ وہ مرد اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی ڈالتے تھے، اور وہ (دونوں فرشتے) اللہ کے حکم کے بغیر کسی کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے تھے، اور یہ لوگ اس چیز کو سیکھتے تھے جو اُن کو نقصان پہنچاتی اور نفع نہ پہنچاتی، اور

بے شک ان لوگوں نے ضرور جان لیا تھا کہ جس نے اس جادو کو خریدا اس کے لیے آخرت کے اجر میں سے کوئی حصہ نہیں ہوگا، اور نہایت برا ہے وہ (جادو) جس کے عوض میں انہوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا تھا، کاش وہ لوگ جانتے ہوتے!O'' (البقرہ:۱۰۲)

البقرہ:۱۰۲ کا شانِ نزول

امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی المتوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں:

عمران بن الحارث بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس تھے جب انہوں نے بتایا کہ جنات فرشتوں کی باتوں کو آسمان سے چوری چھپے سن لیتے تھے، پھر ان میں سے کوئی ایک ان کی بات کو لے کر آتا، پس جب تجربہ سے اس کا صدق معلوم ہو جاتا تو وہ اس کے ساتھ ستر جھوٹ ملا دیتے اور لوگوں کے دلوں میں ان کو ڈال دیتے، حضرت سلیمان علیہ السلام اس پر مطلع ہوئے تو انہوں نے ان باتوں کو اپنے تخت کے نیچے دفن کر دیا، پس جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات ہوگئی تو شیطان لوگوں سے راستہ میں ملا، پس کہا: کیا میں تم کو سلیمان کے اس خزانہ کی رہنمائی نہ کروں جس خزانہ کی کوئی مثل نہیں ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں! اس نے کہا: وہ خزانہ اس کرسی کے نیچے ہے سو اس کو نکال لو، پس لوگوں نے کہا کہ یہ سحر (جادو) ہے، پھر لوگوں نے اس جادو کو لکھنا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا عذر بیان فرمایا: ''وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ''۔

(اسباب النزول للواحدی، ج ا ص ۳۴۔۳۵، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۲۶۵، جامع البیان ج ا ص ۶۲۴)

''سحر'' (جادو) کا لغوی، عرفی اور شرعی معنی

علامہ السید محمد مرتضیٰ بن محمد الحسینی الزبیدی المتوفی ۱۲۰۵ھ، ''سحر'' کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''التہذیب'' میں مذکور ہے: ''سحر'' کی اصل یہ ہے کہ کسی چیز کو اس کی حقیقت سے دوسری حقیقت کی طرف پھیر دیا جائے، پس گویا کہ ''ساحر'' باطل کو حق کی صورت میں دکھاتا ہے اور ذہن میں اس چیز کی حقیقت کے خلاف خیال ڈالتا ہے۔ شمر نے ابن ابی عائشہ سے روایت کی ہے کہ سحر کو ''سحر'' اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ صحت کو مرض کی طرف زائل کر دیتا ہے اور بغض کو محبت کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔ ابن سیدہ نے کہا: حدیث میں ہے کہ ''جس نے علمِ نجوم کا ایک باب سیکھا تو بالتحقیق اس نے سحر کا ایک باب سیکھا''، اس کا معنی یہ ہے کہ علمِ نجوم کا سیکھنا حرام ہے اور علمِ نجوم کفر ہے جیسا کہ سحر کا علم بھی اسی طرح سے ہے۔

(تاج العروس من جواہر القاموس ج ۶ ص ۴۷۔۴۷۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۳ھ)

قاضی عبد اللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ۶۸۵ھ ''سحر'' کی تعریف میں لکھتے ہیں:

جس کام کے حصول میں شیطان کے تقرب سے مدد لی جائے اور انسان اس کام کو خود اپنی طاقت سے نہ کر سکتا ہو تو اس کو سحر کہتے ہیں، اور یہ اسی شخص کو حاصل ہوتا ہے جس کا نفس خبیث اور بدکار ہو، کیونکہ مدد کے لیے دونوں میں مناسبت ضروری ہے اور اسی قید سے ''ساحر'' نبی اور ولی سے ممتاز ہوتا ہے، اور جن کاموں پر لوگوں کو تعجب ہوتا ہے جیسے شعبدہ باز آلات اور دواؤں کی مدد سے عجیب و غریب کام کرتے ہیں، یا جو شخص اپنے ہاتھ کی صفائی سے کوئی غیر معمولی کام کرتا ہے تو ایسے کام مذموم نہیں ہیں اور ایسے کاموں

کو مجازاً سحر کہا جاتا ہے۔ یا اس وجہ سے کہ ان کاموں کی اصل بہت دقیق اور مخفی ہوتی ہے۔

(انوار التنزیل واسرار التاویل ج ۱ ص ۳۷۱ ـ ۳۷۲، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی جادو اور کفر سے براءت

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی المتوفی ۷۱۰ھ البقرہ: ۱۰۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ'': یعنی یہود نے اللہ کی کتاب کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے چھوڑ دیا اور جادو کی کتابوں کو پڑھنے لگے۔

''عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ'': یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت کے عہد اور ان کے زمانہ میں، کیونکہ جنات چوری چھپے فرشتوں کی باتیں سنتے تھے، پھر اپنی سنی ہوئی باتوں کے ساتھ کئی جھوٹ ملا دیتے تھے اور ان باتوں کو کاہنوں کے دلوں میں ڈال دیتے تھے، اور انہوں نے ان باتوں کو کتابوں میں لکھ لیا تھا اور ان کو پڑھتے تھے اور لوگوں کو سکھاتے تھے، حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں یہ بات مشہور ہوگئی حتیٰ کہ لوگوں نے کہا کہ جنات غیب کو جانتے ہیں اور وہ لوگ یہ کہتے تھے کہ یہ سلیمان کا علم ہے اور سلیمان کی حکومت اسی علم سے قائم ہوئی ہے اور اسی علم کی وجہ سے انہوں نے جنات کو اور انسانوں کو اور ہواؤں کو اپنے تابع کیا ہوا ہے۔

''وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ'' (اور سلیمان نے (کبھی) کفر نہیں کیا): اس آیت میں جنات کی تکذیب ہے اور جنات نے جو حضرت سلیمان علیہ السلام پر جادو کے اعتقاد رکھنے اور اس پر عمل کرنے کا بہتان لگایا تھا اس بہتان کا رد ہے۔

''وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا'': لیکن شیاطین نے ہی جادو کو مدوّن کر کے اور جادو کو استعمال کر کے کفر کیا تھا۔

''يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ'': وہ لوگوں کو گمراہ کرنے کے قصد سے جادو سکھاتے تھے۔

''وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ'': وہ لوگوں کو وہ چیز سکھاتے تھے جو دو فرشتوں پر نازل ہوئی تھی۔

''بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ'': ہاروت اور ماروت ان دو فرشتوں کا نام ہے، اور جو چیز ان دو فرشتوں پر نازل کی گئی تھی وہ سحر کا علم ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کی آزمائش تھی، سو جو ان فرشتوں سے اس سحر کو سیکھتا اور اس پر عمل کرتا وہ کافر ہو جاتا بشرطیکہ ان جادو کے کلمات میں ایسے الفاظ ہوں جو ایمان کے منافی ہوں، اور جو اس سحر سے مجتنب رہتا یا اس سحر کو سیکھتا لیکن اس پر عمل نہ کرتا اور صرف اس لیے سیکھتا تاکہ وہ جادو کے ضرر سے محفوظ رہ سکے اور تاکہ وہ جادو سے دھوکا نہ کھائے تو وہ اپنے ایمان پر قائم رہتا۔

جادو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کا شرعی حکم

الشیخ ابومنصور الماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ نے کہا ہے: مطلقاً یہ کہنا کہ ''سحر کفر ہے'' خطا ہے، بلکہ سحر کی حقیقت سے بحث کرنا ضروری ہے، پس اگر سحر کے کلمات ایسے ہوں جو شرطِ ایمان کو رد کرتے ہوں تو پھر سحر کفر ہے ورنہ سحر کفر نہیں ہے۔ پھر جو سحر کفر ہے اس کی وجہ سے مردوں کو قتل کیا جائے گا اور عورتوں کو قتل نہیں کیا جائے گا، اور جو سحر کفر نہیں ہے اور اس کی وجہ سے کسی نفس کو ہلاک کیا جاتا ہے تو اس کا حکم وہ ہے جو ڈاکوؤں کا حکم ہے اور اس میں مرد اور عورت برابر ہیں، اور جب وہ توبہ کریں تو ان کی توبہ قبول کی جائے گی اور جس نے کہا کہ ان کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی اس نے غلط کہا، کیونکہ فرعون کے ساحروں کی توبہ قبول کی گئی تھی۔

(مدارک التنزیل ج ۱ ص ۱۱۵ ـ ۱۱۶)

(میں کہتا ہوں: علامہ نسفی نے سحر کا جو شرعی حکم لکھا ہے وہ صحیح ہے لیکن امام ماتریدی کی ''تاویلات اہل السنۃ ج ۱ ص

۵۲۲۔ ۵۲۴'' میں اس طرح مذکور نہیں ہے، ہم ان شاءاللہ عنقریب امام ماتریدی کی تفسیر کو نقل کریں گے۔ سعیدی غفرلہٗ)

ہاروت اور ماروت کے قصہ کے متعلق روایت

جب فرشتوں نے انسان کی بدکاری پر انسانوں کو ملامت کی تو ان سے کہا گیا کہ جو شہوت اور غضب انسان میں رکھا گیا ہے اگر وہ شہوت اور غضب فرشتوں میں رکھ دیا جائے تو وہ بھی اسی طرح بدکاری کریں گے تو فرشتوں نے اپنے میں سے دو فرشتوں ہاروت اور ماروت کو اختیار کیا اور ان کو بشری صورت میں متمثل کر دیا اور ان میں شہوت اور غضب کو رکھ دیا گیا، وہ زمین پر فیصلے کرتے تھے اور رات کو آسمان پر چڑھ جاتے تھے، پھر وہ ایک عورت زہرہ پر فریفتہ ہوگئے، اس نے ان کو خمر پینے اور زنا کرنے پر برانگیختہ کیا، کسی انسان نے ان کو شراب پیتے ہوئے اور زنا کرتے ہوئے دیکھ لیا تو ان دونوں نے اس انسان کو قتل کر دیا، پھر اس عورت زہرہ نے ان فرشتوں سے ایک علم سیکھ لیا جس کے ذریعہ وہ آسمان پر چڑھ گئی اور اس کو مسخ کر کے ایک ستارہ بنا دیا گیا، پھر ان دونوں فرشتوں نے اوپر چڑھنے کا ارادہ کیا تو ان سے یہ ممکن نہ ہوا، پھر ان کو دنیا کے عذاب اور آخرت کے عذاب میں سے کسی ایک پر اختیار دیا گیا تو انہوں نے دنیا کے عذاب کو آخرت کے عذاب پر اختیار کر لیا، سو وہ دونوں بابل کے کنویں میں اوندھے لٹکے ہوئے ہیں۔

(مدارک التنزیل ج ۱ ص ۱۱۵۔ ۱۱۶، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ و روح المعانی ج ۱ ص ۷۵۳، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

ہاروت اور ماروت کے قصہ کی سند کے لحاظ سے تحقیق

علامہ السید محمود آلوسی البغدادی الحنفی المتوفی ۱۲۷۰ھ ''ہاروت اور ماروت کے قصہ کی تحقیق'' میں لکھتے ہیں:

یہ قصہ بیس سے زیادہ احادیث کی کتابوں میں مذکور ہے اور محققین کی ایک جماعت نے اس قصہ کو رد کر دیا ہے، القاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۴ھ نے کہا ہے: اس قصہ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ کوئی صحیح روایت منقول ہے نہ ضعیف، اور نہ اس قصہ کو قیاس سے نکالا جا سکتا ہے، علامہ ابوالحیان الاندلسی المتوفی ۷۵۴ھ نے ''البحر المحیط'' میں لکھا ہے: اس پورے واقعہ میں سے کوئی چیز صحیح نہیں ہے اور نہ یہ صحیح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الزہرہ پر لعنت فرماتے تھے، اور امام رازی متوفی ۶۰۶ھ نے اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ روایت فاسدہ، مردودہ اور غیر مقبولہ ہے اور الشہاب العراقی نے کہا ہے کہ جس نے ہاروت اور ماروت کے متعلق یہ اعتقاد کیا کہ ان دونوں کو ان کے گناہوں پر عذاب دیا جا رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے والا ہے کیونکہ ملائکہ معصوم ہیں، ارشادِ باری ہے:

لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝ وہ (فرشتے) اللہ کے کسی حکم کے خلاف نہیں کرتے اور وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے O (التحریم: ۶)

اور زہرہ ستارہ اس دن سے ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا تھا اور یہ کہنا کہ وہ عورت زہرہ ستارہ بن گئی نہ معقول ہے اور نہ مقبول ہے۔

اور حافظ سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے ان لوگوں پر اعتراض کیا ہے جنہوں نے اس قصہ کو رد کیا ہے، کیونکہ امام احمد بن حنبل، امام ابن حبان اور امام بیہقی وغیرہم نے اس قصہ کی مرفوعاً اور موقوفاً حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم

سے اسانید متعددہ صحیحہ کے ساتھ روایت کی ہے اور جو اِن کثیر روایات پر مطلع ہوگا تو وہ اِن روایات کی صحت پر یقین کرلے گا۔
(روح المعانی ج ۱ ص ۳۵۷۔۳۵۸ ، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

یہودیوں کا ان دو فرشتوں سے جادو سیکھنا اور ان کے اس عمل کی مذمت

”وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ“ (اور وہ (فرشتے) کسی کو کچھ نہیں سکھاتے تھے حتیٰ کہ یہ کہہ دیتے کہ ہم تو صرف ایک ذریعہ امتحان ہیں لہٰذا تم (کہیں) کفر اختیار نہ کرنا):

علامہ نسفی لکھتے ہیں: یعنی وہ دو فرشتے کسی کو جادو اس وقت تک نہیں سکھاتے تھے جب تک کہ اس کو تنبیہ اور نصیحت نہ کر دیں اور وہ دونوں اس سے کہتے تھے: ہم تو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان اور آزمائش ہیں، سو تم جادو سیکھ کر اور اس پر عمل کر کے کفر نہ کرو۔

”فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ“ (پس یہ لوگ ان دونوں فرشتوں سے اس (جادو) کو سیکھ لیتے جس کے ذریعہ وہ مرد اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی ڈالتے تھے):

لوگ ان فرشتوں سے جادو اور کفر سیکھتے اور لوگ ان فرشتوں سے اس جادو کو سیکھتے تھے جس سے مرد اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق ہوجائے بایں طور کہ اللہ تعالیٰ اس عورت کے دل میں نافرمانی کو پیدا کردے۔

اہل سنت کثر ہم اللہ کے نزدیک جادو کی حقیقت ہے اور المعتزلہ کے نزدیک وہ تخییل ہے یعنی ذہن میں کسی معنی کو ڈال دینا ہے۔

”وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ“ (اور وہ (دونوں فرشتے) اللہ کے حکم کے بغیر کسی کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے تھے، اور یہ لوگ اس چیز کو سیکھتے تھے جو اُن کو نقصان پہنچاتی اور نفع نہ پہنچاتی):

اور لوگ اس جادو کو سیکھ کر اللہ کے حکم کے بغیر کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے اور وہ اس جادو سے وہ چیز سیکھتے جو ان کو نقصان پہنچاتی اور آخرت میں نفع نہ دیتی، اور اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ جادو سے اجتناب اور پرہیز کرنا واجب ہے جیسے فلسفہ کی تعلیم انسان کو گمراہی کی طرف لے جاتی ہے۔

”وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ“ (اور بے شک ان لوگوں نے ضرور جان لیا تھا کہ جس نے اس جادو کو خریدا اس کے لیے آخرت کے اجر میں سے کوئی حصہ نہیں ہوگا):

یعنی یہود نے جان لیا تھا کہ جس نے اللہ کی کتاب کے بدلہ میں شیطان کی پڑھی ہوئی چیزوں کو اختیار کیا اس کے لیے اجر آخرت میں سے کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

”وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ“ (اور نہایت برا ہے وہ (جادو) جس کے عوض میں انہوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا تھا، کاش وہ لوگ جانتے ہوتے!):

اور وہ جادو نہایت برا ہے جس کے بدلہ میں ان یہودیوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا، کاش کہ ان کو علم ہوتا۔

اس آیت کے پہلے حصہ میں فرمایا ہے ”وَلَقَدْ عَلِمُوْا“ یعنی یہود کو ضرور معلوم تھا، اور آخری حصہ میں فرمایا ہے ”لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ“ کاش کہ وہ یہودی جانتے، تو اس آیت میں یہود کے لیے علم کا اثبات بھی ہے اور علم کی نفی بھی ہے، اور یہ تعارض ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہود کو جادو کی خرابی کا ضرور علم تھا لیکن چونکہ وہ اس علم کے تقاضا پر عمل نہیں کرتے تھے اس لیے ان کے علم

کو عدمِ علم کے مرتبہ میں نازل کر کے فرمایا ''کاش کہ وہ جانتے!''۔ (مدارک التنزیل ج ١ ص ١١٦۔١١٧، دار ابن کثیر، بیروت، ١٤٣٢ھ)

ہاروت اور ماروت کے عذاب کی کیفیت

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ قیامت تک اپنے بالوں کے ساتھ لٹکے رہیں گے۔

عطاء بن ابی رباح نے کہا: وہ ایک کنویں میں الٹے لٹکے ہوئے ہیں اور ان کے سر ان کے پروں کے نیچے ہیں۔

روایت ہے کہ ایک مرد نے جادو سیکھنے کے لیے ہاروت اور ماروت کا قصد کیا تو دیکھا وہ کنویں میں الٹے لٹکے ہوئے ہیں، ان کی آنکھیں نیلی ہیں اور ان کا جسم سیاہ ہے، ان کی زبانوں اور پانی کے درمیان صرف چار انگلیوں کا فاصلہ ہے اور ان کو پیاس کا عذاب ہو رہا ہے، وہ ان کا یہ حال دیکھ کر خوفزدہ ہو گیا، پس کہا: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، جب ہاروت اور ماروت نے اس کا کلام سنا تو پوچھا: تم کون ہو؟ تو اس نے بتایا کہ میں لوگوں میں سے ایک مرد ہوں، انہوں نے پوچھا: تم کس کی امت میں سے ہو؟ اس نے کہا: میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے ہوں، ان دونوں نے پوچھا: کیا وہ مبعوث ہو گئے ہیں؟ اس مرد نے کہا: ہاں! ان دونوں نے کہا: الحمد للہ! اور خوشی کا اظہار کیا، اس مرد نے پوچھا: تم کس وجہ سے خوش ہو رہے ہو؟ تو اس نے کہا: جب اس وقت وہ مبعوث ہو گئے ہیں تو ہمارے عذاب کے ختم ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ (معالم التنزیل ج ١ ص ١٥١، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ١٤٢٠ھ)

امام ابو منصور محمد بن محمد الماتریدی الحنفی المتوفی ٣٣٣ھ البقرہ: ١٠٢ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ہاروت اور ماروت کے قصہ اور ان کے عمل کے متعلق مفسرین کا اختلاف

الحسن البصری المتوفی ١١٠ھ نے کہا: ہاروت اور ماروت دو فرشتے نہیں تھے بلکہ یہ دو فاسق اور سرکش مرد تھے، کیونکہ اللہ عزوجل نے فرشتوں کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرتے ہیں:

لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝ (التحریم: ٦)

وہ (فرشتے) اللہ کے کسی حکم کے خلاف نہیں کرتے اور وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے O

بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۝ (الانبیاء: ٢٦۔٢٧)

بلکہ وہ (فرشتے، اللہ کے) معزز بندے ہیں O وہ اس کے کسی حکم پر سبقت نہیں کرتے اور وہ اسی کے حکم پر عمل کرتے ہیں O

حسن بصری کے قول کے خلاف یہ آیت ہے: ''(اور وہ (فرشتے) کسی کو کچھ نہیں سکھاتے تھے حتیٰ کہ یہ کہہ دیتے کہ ہم تو صرف ایک ذریعہ امتحان ہیں لہٰذا تم (کہیں) کفر اختیار نہ کرنا)'' (البقرہ: ١٠٢)۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر نے یہ کہا کہ وہ دونوں فرشتے تھے، البتہ ان کو اسمِ اعظم کا علم تھا جس کی مدد سے وہ لوگوں کی حاجات کو پورا کرتے تھے۔

پھر ان کے عمل میں اختلاف ہے، بعض علماء نے کہا کہ وہ جادو نہیں کرتے تھے بلکہ وہ میاں بیوی میں علیحدگی کرنے کے لیے تعویذ کی تعلیم دیتے تھے، اور بعض نے کہا: ان دو فرشتوں پر عمدہ اور صحیح کلام نازل کیا گیا تھا لیکن شیطان نے اس میں خلط ملط کر دیا تو وہ جادو ہو گیا، اور دوسرے بعض علماء نے کہا: نہیں، وہ لوگوں کو فی نفسہٖ جادو کی تعلیم دیتے تھے لیکن اس پر عمل سے انہیں روکتے تھے، اور جادو کی تعلیم کفر نہیں ہے صرف جادو کے کفریہ کلمات کا اعتقاد رکھنا کفر ہے، کیونکہ جب تک جادو کا علم نہ ہو ہمیں جادو کی خرابی

اوراس کے فساد کا علم نہیں ہوگا، اس لیے صرف جادو کے کلمات پر اعتقاد رکھنے سے منع کیا جاتا تھا اور اس کو سیکھنا ممنوع نہیں تھا۔

جادو کرنے کا شرعی حکم

بعض جادو کے کلمات کفریہ ہیں، اگر کوئی شخص اسلام قبول کرنے کے بعد جادو کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا، کیونکہ اسلام کے بعد جادو کرنا ارتداد ہے، اور بعض جادو کے کلمات کفریہ نہیں ہیں، لہٰذا ایسا جادو کرنے والے کو کافر نہیں قرار دیا جائے گا اور نہ اس کو قتل کیا جائے گا، سوا اس کے کہ وہ جادو کے ذریعہ زمین میں دہشت گردی کرے، لوگوں کو قتل کرے، ان کا مال چھینے تو وہ ڈاکوؤں کی مثل ہے اور اس پر ڈاکوؤں کا حکم جاری کیا جائے گا۔ اور اگر وہ توبہ کر لے تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی، کیا تم نہیں دیکھتے کہ فرعون کے جادوگروں نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ کی نشانیاں دیکھیں تو انہوں نے توبہ کی اور ان کی توبہ قبول کر لی گئی۔

امام ابوحنیفہ سے جادوگرنی کے متعلق دو قول منقول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ جادوگرنی کو قتل نہیں کیا جائے گا اور دوسرا قول یہ ہے کہ جادوگرنی کو قتل کر دیا جائے گا، اور جادوگر کے متعلق بھی ان کے دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ جادو کرنے کے بعد اس کو قتل کر دیا جائے گا، یہ اس صورت میں ہے جب وہ جادو کے ذریعہ دہشت گردی کرے تو اس کو ڈاکوؤں کی طرح قتل کر دیا جائے گا، یا اسلام کے بعد وہ کفریہ کلمات پڑھ کر جادو کرے تو اس کو مرتد قرار دے کر قتل کر دیا جائے گا۔

(تاویلات اہل السنہ ج ۱ ص ۵۲۳۔۵۲۷ ملخصاً ملتقطاً موضحاً، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اگر یہ لوگ ایمان لے آتے اور اللہ سے ڈرتے رہتے تو اللہ کے پاس جو ثواب ہے وہ بہت بہتر ہے، کاش یہ لوگ جانتے! O'' (البقرہ: ۱۰۳)

''وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ'': یعنی اگر یہ یہود مدینہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور قرآن پر ایمان لے آتے اور یہودیت اور جادو کو ترک کر دیتے تو اللہ عزوجل کے پاس جو ثواب ہے وہ ان کے لیے بہت بہتر ہوتا، کاش یہ لوگ اس کا ادراک کر لیتے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾

اے ایمان والو! تم (اپنے رسول سے) ''راعنا'' نہ کہا کرو اور تم ''انظرنا'' کہا کرو اور تم (اپنے رسول کا ارشاد) غور سے سن لیا کرو، اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے O

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾

اور (اے مسلمانو!) اہلِ کتاب میں سے کفار اور مشرکین یہ نہیں چاہتے کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے کوئی خیر (یعنی وحی) نازل کی جائے، حالانکہ اللہ جس کو چاہتے ہیں اپنی رحمت کے ساتھ خاص فرما لیتے ہیں اور اللہ بڑے فضل والے ہیں O

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٠٦﴾

ہم جس آیت کو منسوخ کردیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں (تو) اس سے بہتر یا اس کی مثل آیت لے آتے ہیں، (اے مخاطبین!) کیا تم نہیں جانتے کہ بے شک اللہ ہر اس چیز پر قادر ہیں جس کو وہ چاہیں O

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿١٠٧﴾

(اے مخاطبین!) کیا تم نہیں جانتے کہ بے شک اللہ ہی کی ملکیت میں تمام آسمانوں اور زمینوں کی سلطنت ہے، اور (اے مسلمانو!) اللہ کے سوا نہ تمہارا کوئی دوست ہے اور نہ مددگار O

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔــلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُىِٕلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ﴿١٠٨﴾

کیا تم اپنے رسول سے ایسے (لغو) سوالات کرنا چاہتے ہو جیسا کہ اس سے پہلے (زمانہ میں) موسیٰ سے کیے گئے تھے؟ اور جس نے ایمان کے عوض کفر کو اختیار کیا تو بے شک وہ سیدھے راستہ سے بھٹک گیا O

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ښ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٠٩﴾

بہت سے اہلِ کتاب نے اپنے دلوں کے حسد (کی وجہ) سے یہ چاہا کہ تمہارے ایمان لانے کے بعد تم کو پھر کافر بنا ڈالیں، جب کہ ان پر حق واضح ہو چکا ہے، سو تم (ان کو) معاف کردو اور (ان سے) درگزر کرو حتیٰ کہ اللہ اپنا (کوئی اور) حکم نازل فرمادے، بے شک اللہ ہر اس چیز پر قادر ہے جس کو وہ چاہے O

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿١١٠﴾

اور نماز (پابندی سے) پڑھتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو، اور تم اپنے لیے جو نیکیاں پہلے سے بھیج دو گے ان کو اللہ کے پاس پاؤ گے، بے شک اللہ تمہارے تمام کاموں کو خوب دیکھنے والے ہیں O

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ تِلْكَ اَمَانِيُّھُمْ ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْھَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾

اور (اہلِ کتاب) نے کہا: یہودی یا نصرانی کے سوا جنت میں ہرگز کوئی داخل نہیں ہوگا، یہ ان کی (صرف باطل) تمنائیں ہیں، آپ کہیے! اگر تم (اپنے اس دعویٰ میں) سچے ہو تو اس پر تم اپنی دلیل پیش کرو ○

بَلٰى ۤ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَھُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۠ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

کیوں نہیں! جس نے اپنی ذات کو اللہ کے سامنے جھکا دیا اور وہ نیکی کرنے والا بھی ہو تو اس کے رب کے پاس اس کا اجر ہے اور نہ ان لوگوں پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! تم (اپنے رسول سے) ''راعنا'' نہ کہا کرو اور تم ''اُنظرنا'' کہا کرو اور تم (اپنے رسول کا ارشاد) غور سے سن لیا کرو، اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے ○'' (البقرہ: ۱۰۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ''رَاعِنَا'' کہنے کی ممانعت اور ''اُنظُرنا'' کہنے کے حکم کا شانِ نزول

علامہ ابوالبرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی المتوفی ۷۱۰ھ البقرہ: ۱۰۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مسلمانوں سے کوئی علمی بات فرماتے تو وہ کہتے ''رَاعِنَا یَا رَسُولَ اللہ'' یعنی یارسول اللہ! ہمارے دماغوں کی رعایت فرمائیے! اور آسان الفاظ میں فرمائیے تاکہ ہم سمجھ لیں اور یاد کرلیں، اور یہود کی عبرانی یا سُریانی زبان میں ''رَاعِیْنَا'' ایک گالی تھی، مسلمانوں سے ''رَاعِنَا'' سن کر ان کو موقع ملا کہ وہ اس لفظ کو کھینچ کر ''رَاعِیْنَا'' کہیں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے ''رَاعِیْنَا'' کہتے اور گالی کا قصد کرتے، (ان کی لغت میں اس کا معنی تھا: ہمارے جاہل، یا ہمارے احمق) تو اللہ تعالیٰ نے اس کے سدِّ باب کے لیے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ ''اُنظُرنا'' کہیں، یعنی ہم پر نظرِ رحمت فرمائیں یا ہمیں یہ بات یاد کرنے کے لیے مہلت دیں، پھر یہ حکم دیا کہ تم پہلے ہی دماغ کو حاضر کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کلام کو غور سے سن لیا کرو تاکہ تمہیں اس کلام کو دہروانے یا رعایت کو طلب کرنے کی ضرورت نہ پڑے، یا اس کا معنی ہے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کلام کو قبول کرنے اور اطاعت کرنے کے جذبہ کے ساتھ سنا کرو اور اس طرح نہ سنا کرو جس طرح یہود بہ ظاہر سنتے ہیں اور دل میں کہتے ہیں: ہم نے سنا اور نافرمانی کی، اور کافروں کے لیے یعنی ان یہودِ مدینہ کے لیے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو گالی دینے کا قصد کیا دردناک عذاب ہے۔ (مدارک التنزیل ج ۱ ص ۱۱۷۔۱۱۸، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق ایسے الفاظ بولنا جائز نہیں جن میں توہین کا معنی پایا جاتا ہو

مشہور دیوبندی عالم شیخ عبد الماجد دریا آبادی متوفی ۱۹۷۷ء، البقرہ: ۱۰۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ مرتبۂ رسالت کا ادب صرف معنوی ہی حیثیت سے نہیں، لفظی حیثیت سے بھی ضروری ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ جن الفاظ سے احتمال بھی اہانت کا نکلتا ہو ان سے احتیاط لازم ہے۔ وھذا دلیل علی تجنّب الالفاظ المحتملة التی فیھا التعرّض للتنقیص (ابن عربی)، (عربی عبارت کا ترجمہ: یہ آیت اس پر دلیل ہے کہ جن الفاظ میں توہینِ رسالت کا احتمال بھی ہو ان الفاظ سے اجتناب کرنا ضروری ہے)، بلکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تو ایسے الفاظ پر حد واجب ہوتی ہے۔ فقہاءِ حنفیہ نے جو اپنی باریک بینی کے لیے سب سے ممتاز ہیں یہیں سے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ اس بحث کا فیصلہ کہ فلاں مقام پر مرادامرِ خیر ہے یا شر، واضع کی نیت کے لحاظ سے ہوگا تالی (پڑھنے والے) کی رائے سے نہیں۔ (تفسیر ماجدی ص ۵۴، پاک کمپنی لاہور)

توہینِ رسول کرنے والے کے قتل کے وجوب پر احادیث اور عباراتِ فقہاءِ اسلام سے استدلال

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: کعب بن اشرف کو کون قتل کرے گا؟ کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو ایذاء دی ہے، تو حضرت محمد بن مَسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں یارسول اللہ!، پھر وہ کعب بن اشرف کے پاس گئے اور اس سے کہا: ہمارا ارادہ ہے کہ تم ہم کو ایک وسق یا دو وسق غلّہ ادھار دو، کعب بن اشرف نے کہا: تم اپنی عورتوں کو میرے پاس گروی رکھ دو، پس انہوں نے کہا: ہم تمہارے پاس اپنی عورتوں کو کیسے گروی رکھ سکتے ہیں حالانکہ تم عرب کے خوبصورت ترین آدمی ہو، اس نے کہا: پھر تم اپنے بیٹوں کو میرے پاس گروی رکھ دو، انہوں نے کہا: ہم اپنے بیٹوں کو تمہارے پاس کیسے گروی رکھیں، پھر کوئی شخص ہم کو طعنہ دے گا کہ یہ مرد ایک وسق یا دو وسق غلّہ کے عوض گروی رکھا گیا تھا اور یہ بات ہمارے لیے باعثِ عار ہوگی، لیکن ہم تمہارے پاس اپنے ہتھیار گروی رکھ دیتے ہیں، سو اس نے وعدہ کیا کہ وہ ان کے پاس آئیں، پھر حضرت عبد اللہ بن مَسلمہ اور ان کے اصحاب نے اس کو قتل کر دیا، پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو اس واقعہ کی خبر دی۔

(صحیح البخاری: ۲۵۱۰، صحیح مسلم: ۱۸۰۱، سنن ابوداؤد: ۲۷۶۸)

قاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں: علماء کا اس پر اجماع ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اہانت کرنے والا اور آپ کی تنقیص کرنے والا کافر ہے اور اس پر عذابِ الٰہی کی وعید جاری ہے اور امت کے نزدیک اس کا حکم قتل کرنا ہے اور جو شخص اس کے کفر اور عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ (الشفاء، ج ۲ ص ۱۹۰، عبدالتواب اکیڈمی، ملتان)

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی الحنفی المتوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

اسی طرح اگر کوئی عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ظاہراً سب وشتم کرتی ہو تو اس کو قتل کرنا جائز ہے، کیونکہ ابواسحاق ہمدانی نے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آ کر کہا: یارسول اللہ! میں نے ایک یہودی عورت کو سنا وہ آپ کو گالی دے رہی تھی اور بہ خدا یارسول اللہ! وہ عورت میرے ساتھ نیکی کرتی تھی لیکن میں نے اس کو قتل کر دیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کے خون کو رائیگاں قرار دیا۔ (شرح السیر الکبیر ج ۴ ص ۴۱۷۔۴۱۸، افغانستان، ۱۴۰۵ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

میں اس کے ساتھ ہوں جو یہ کہتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر سب وشتم کرنے والے کو مطلقاً قتل کرنا جائز ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱۳ ص ۱۷، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، مصر ۱۳۴۸ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے مسلمانو!) اہلِ کتاب میں سے کفار اور مشرکین یہ نہیں چاہتے کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے کوئی خیر (یعنی وحی) نازل کی جائے، حالانکہ اللہ جس کو چاہتے ہیں اپنی رحمت کے ساتھ خاص فرمالیتے ہیں اور اللہ بڑے فضل والے ہیں O'' (البقرہ:۱۰۵)

امام ابواللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، البقرہ:۱۰۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی یہود اہلِ مدینہ اور نصاریٰ اہلِ نجران اور نہ مشرکینِ عرب یہ چاہتے ہیں کہ تمہارے رسول کے اوپر اللہ کی وحی نازل ہو اور اسلام کے شرعی احکام نازل ہوں کیونکہ یہ سب لوگ کافر ہیں، پس یہ چاہتے ہیں کہ تمام لوگ ان کی مثل کافر ہو جائیں، اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے جو اس کے نزدیک نبوت کا اہل ہوتا ہے اس کو نبوت عطا فرماتا ہے اور دینِ اسلام کے ساتھ جس کو چاہتا ہے عزت بخشتا ہے، اور اللہ جس کو نبوت اور اسلام کے ساتھ خاص کر لیتا ہے اس پر بہت عظیم احسان کرنے والا ہے۔

(تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۱۴۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''ہم جس آیت کو منسوخ کر دیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں (تو) اس سے بہتر یا اس کی مثل آیت لے آتے ہیں، (اے مخاطبین!) کیا تم نہیں جانتے کہ بے شک اللہ ہر اس چیز پر قادر ہیں جس کو وہ چاہیں O'' (البقرہ:۱۰۶)

نسخ کا لغوی اور شرعی معنی

''مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰیَۃٍ'': یہ لفظ نسخ سے بنا ہے اور نسخ کے معنی بیان کرتے ہوئے علامہ ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ لکھتے ہیں:

''نسخ'' کا معنی ہے: ایک چیز کو باطل کر کے دوسری چیز کو اس کی جگہ پر قائم کرنا، اور ابن الاعرابی نے کہا: ایک چیز کو دوسری چیز سے تبدیل کر دینا، کہا جاتا ہے ''نَسَخَتِ الرِّیۡحُ آثَارَ الدِّیَارِ'' (یعنی آندھیوں نے آبادی کے نام و نشان مٹا دیئے)۔

(لسان العرب ج ۱۴ ص ۲۴۳، دار صادر، بیروت، ۲۰۰۳ء)

علامہ علی بن محمد بن علی ابوالحسن الحسینی الجرجانی الحنفی المتوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں:

ایک دلیلِ شرعی کے بعد دوسری دلیلِ شرعی وارد ہو جس کا حکم پہلے حکم کے خلاف ہو، سو وہ ہمارے علم کے اعتبار سے حکم کو بدلنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم کے اعتبار سے وہ پہلے حکم کی مدت کو بیان کرنا ہے اور وہ صاحب شرع کے حق میں حکمِ شرعی کی انتہاء کو بیان کرنا ہے اور اس کی انتہاء اللہ تعالیٰ کے نزدیک معلوم ہوتی ہے مگر ہمارے علم میں وہ حکم دائماً اور مستمر ہوتا ہے اور ناسخ کے وارد ہونے سے ہمیں یہ علم ہوتا ہے کہ اس حکم کی مدت ختم ہو گئی ہے اور وہ ہمارے حق میں حکم کا بدلنا اور متغیر ہونا ہے۔ (کتاب التعریفات ص ۱۶۷)

نسخ کی تین صورتیں اور ان کی قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے مثالیں

(۱) آیت کی تلاوت باقی رہے اور اس کا حکم منسوخ کر دیا جائے جیسے پہلے قرابت داروں کے لیے وصیت کرنا واجب تھی ''کُتِبَ عَلَیۡکُمۡ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الۡمَوۡتُ ۔۔۔۔ (البقرہ:۱۸۰)'' (جب تم میں سے کسی کو موت آئے، اگر اس نے مال چھوڑا ہو تو اس پر

وصیت کو فرض کیا گیا ہے)، پھر بعد میں وراثت کے احکام سے متعلق آیات نے اس حکم کو منسوخ کر دیا۔

(۲) آیت کی تلاوت اٹھالی جائے اور اس کا حکم باقی رکھا جائے جیسے رجم کی آیت کو اٹھالیا گیا ہے اور اس کا حکم یعنی زانی کو سنگسار کرنا باقی رکھا گیا ہے۔ اس کی مثال یہ آیت ہے: ''الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما البتۃ''، (شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت جب زنا کریں تو ان دونوں کو یقینی طور پر رجم کر دو)۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج۱ ص ۲۰۰، مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

(۳) کسی آیت کو مطلقاً اٹھالیا جائے نہ وہ آیت مصحف میں باقی رہے اور نہ دلوں میں باقی رہے۔

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ نے بصرہ کے قاریوں کو بلوایا تو ان کے پاس تین سو ایسے مرد آئے جو قرآن مجید پڑھ چکے تھے، حضرت ابوموسیٰ نے کہا: تم اہلِ بصرہ میں سب سے بہتر ہو اور اے قرآن پڑھنے والو! تم قرآن مجید پڑھتے رہو کہیں زیادہ مدت گزر جانے سے تمہارے دل سخت نہ ہو جائیں جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں کے دل سخت ہو گئے، ہم ایک سورت پڑھتے تھے جس کو ہم طول اور سختی میں سورۂ توبہ کے مشابہ قرار دیتے تھے، پس وہ سورت مجھے بھلا دی گئی سوا اس کے کہ مجھے اس میں سے اتنی بات یاد رہ گئی کہ اگر ابنِ آدم کے لیے مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری وادی کو طلب کرے گا اور ابنِ آدم کے پیٹ کو صرف مٹی بھر سکتی ہے اور ہم ایک اور سورت بھی پڑھتے تھے جو مسبحات (وہ سورت جو سَبَّحَ سے شروع ہو) میں سے کسی ایک سورت کے برابر تھی وہ بھی مجھے بھلا دی گئی، البتہ اس میں سے مجھے اتنا یاد رہ گیا ہے (ترجمہ: اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جس کو خود نہیں کرتے، سو تمہاری گردنوں میں شہادت لکھ دی جائے گی اور قیامت کے دن تم سے اس کے متعلق سوال کیا جائے گا)۔ (صحیح مسلم: ۱۰۵۰، الرقم المسلسل: ۲۳۰۸)

''اِنْسَاء'' کا معنی اور اس کی مثالیں

''اَوۡ نُنۡسِهَا'': یعنی ہم اس آیت کو آپ کے دل سے بھلا دیں، پس نسخ کا معنی یہ ہے کہ ایک حکم اٹھالیا جائے اور دوسرے حکم کو اس پہلے حکم کا قائم مقام کر دیا جائے اور ''الاِنْسَاء'' یہ ہے کہ کسی آیت یا اس کے حکم کو اٹھالیا جائے اور کسی اور حکم کو اس کا قائم مقام نہ کیا جائے اور اس کی مثال یہ ہے:

امام بخاری حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ انہوں نے قرآن مجید میں یہ آیت پڑھی: ''الا بَلِّغوا عنّا قومَنا، بِاَنَّا قد لقِینا ربَّنا، فرَضِیَ عنّا وَ اَرضانا'' (سنو! ہماری قوم کو یہ پیغام پہنچا دو کہ بے شک ہم نے اپنے رب سے ملاقات کر لی، سو وہ ہم سے راضی ہو گیا اور اس نے ہم کو راضی کر دیا)، پھر بعد میں اس آیت کو اٹھالیا گیا۔

(صحیح البخاری: ۳۰۶۴، صحیح مسلم: ۶۷۷، سنن نسائی: ۱۰۷۰، مسند احمد: ۱۱۶۵۳)

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: یہ ستر (۷۰) انصار تھے جن کو بئر معونہ میں شہید کر دیا گیا اور ان کے متعلق یہ آیت قرآن میں تھی: ''الا بَلِّغوا عنّا قومَنا، بِاَنَّا قد لقِینا ربَّنا، فرَضِیَ عنّا وَ اَرضانا'' پھر بعد میں اس آیت کو اٹھالیا گیا، سو اس آیت کو دلوں سے بھلا دیا گیا۔ (جامع البیان ج۱ ص ۶۷۰، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

کسی آیت کو منسوخ کر کے اس سے بہتر آیت نازل فرمانے کی مثالیں

''نَاۡتِ بِخَیۡرٍ مِّنۡہَاۤ اَوۡ مِثۡلِہَا'' (تو) اس سے بہتر یا اس کی مثل آیت لے آتے ہیں: اس سے بہتر کا معنی یہ ہے کہ جس آیت

پر عمل کرنا بدن پر زیادہ آسان ہو جیسے پہلے عدتِ وفات ایک سال تک تھی اور بعد میں اس کو منسوخ کر کے چار ماہ دس دن عدت مقرر کردی گئی'' وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ۔۔ (البقرہ: ۲۴۰)'' (اور تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں وہ (وفات سے پہلے) ان بیویوں کو نکالے بغیر سال بھر تک خرچ دینے کی وصیت کر جائیں)، پھر اس آیت کو البقرہ: ۲۳۴ سے منسوخ کر دیا گیا'' وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا (البقرہ: ۲۳۴)''۔ (اور تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں، وہ بیویاں اپنے آپ کو چار ماہ دس دن انتظار میں رکھیں)، یا جیسے پہلے ایک مسلمان کا دس کافروں سے قتال کرنا واجب تھا'' اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ۔۔۔ (الانفال: ۶۵) (اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوں تو وہ دو سو پر غالب رہیں گے)، بعد میں تخفیف کر کے ایک مسلمان کا دو کافروں سے قتال کرنا واجب کر دیا گیا:'' اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۚ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ۔۔۔ (الانفال: ۶۶)'' (اب اللہ نے تم سے تخفیف فرمادی اور اس کو معلوم ہے کہ تم میں ناتوانی ہے، سو اگر تم میں سے سو آدمی صابر ہوئے تو وہ دو سو پر غالب آجائیں گے)، اسی طرح پہلے یہ حکم تھا کہ جب روزہ دار سو جائے تو اس پر کھانا پینا اور جماع کرنا حرام تھا بعد میں یہ آیت نازل ہوئی:'' اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ۚ۔۔۔ (البقرہ: ۱۸۷)'' (تمہارے لیے روزہ کی رات میں اپنی بیویوں سے جماع کرنا حلال کر دیا گیا)۔

کسی آیت کو منسوخ کر کے اس کی مثل آیت لانے کی مثال

اور اس کی مثل آیت لانے کی مثال یہ ہے کہ پہلے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم تھا، بعد میں اس حکم کو منسوخ کر کے کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا:'' فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ۔۔۔ (البقرہ: ۱۴۹)'' (پس آپ اپنا مونہہ (نماز میں) مسجدِ حرام کی طرف پھیرلیں)۔

نسخ کی حکمت

اگر یہ سوال کیا جائے کہ آیات اور احکام کو منسوخ کرنے میں کیا حکمت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک ہے، وہ اپنی مخلوق کو جو چاہے حکم دے کر اس کو آزمائش میں مبتلاء کرے جیسا کہ جب بیت المقدس کے بجائے کعبہ کی طرف مونہہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا تو بعض منافقین کو یہ حکم ناگوار ہوا، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ۚ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾ (البقرہ: ۱۴۳)

اور (اے رسولِ مکرم!) آپ (پہلے) جس قبلہ پر تھے اس کو ہم نے اسی لیے مقرر کیا تھا تاکہ جو لوگ رسول کی پیروی کرتے ہیں ان کو ان دوسرے لوگوں سے ممتاز فرمادیں جو الٹے پاؤں پھر جاتے ہیں، اور بے شک یہ (تبدیلِ قبلہ کا حکم) ضرور بھاری تھا، سوا ان لوگوں کے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت عطا فرمائی ہے، اور اللہ کی (یہ شان) نہیں ہے کہ وہ تمہارا ایمان ضائع کردے،

بے شک اللہ لوگوں پر بہت مہربان بے حد رحم فرمانے والا ہے O

اس آیت سے نسخ کی حکمت ظاہر ہوگئی اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو آزمائش میں مبتلاء کرنا۔
نسخ کی مکمل تفصیل اور تحقیق ہم نے اس تفسیر کے مقدمہ میں بیان کردی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے مخاطبین!) کیا تم نہیں جانتے کہ بیشک اللہ ہی کی ملکیت میں تمام آسمانوں اور زمینوں کی سلطنت ہے، اور (اے مسلمانو!) اللہ کے سوا نہ تمہارا کوئی دوست ہے اور نہ مددگار O'' (البقرہ:۱۰۷)

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی المتوفی ۷۱۰ھ البقرہ:۱۰۷،۱۰۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'': یعنی وہ تمہارے تمام امور اور معاملات کا مالک ہے اور ان کی تدبیر فرماتا ہے اور وہ اس کو زیادہ جاننے والا ہے جو اس نے تم کو ناسخ اور منسوخ پر عمل کرنے کے احکام دیئے ہیں، اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی کارساز نہیں ہے جو تمہارے امور اور معاملات کا مالک ہو، اور نہ اللہ کے سوا تمہیں کوئی اس کے عذاب سے دور کرنے والا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''کیا تم اپنے رسول سے ایسے (لغو) سوالات کرنا چاہتے ہو جیسا کہ اس سے پہلے (زمانہ میں) موسیٰ سے کئے گئے تھے؟ اور جس نے ایمان کے عوض کفر کو اختیار کیا تو بے شک وہ سیدھے راستہ سے بھٹک گیا O'' (البقرہ:۱۰۸)

روایت ہے کہ قریش نے کہا: اے محمد! ہمارے لیے صفا پہاڑ کو سونے کا پہاڑ بنادیں اور ہمارے لیے مکہ کی زمین کو وسیع کردیں، تو ان لوگوں کو اس قسم کے مطالبات کرنے سے منع فرمایا کہ تم ایسے مطالبات کر رہے ہو جیسے حضرت موسیٰ کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبات کئے تھے اور کہا تھا:

یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰـهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ (الاعراف:۱۳۸) — اے موسیٰ! ہمارا بھی کوئی ایسا معبود بنادیں جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں، موسیٰ نے کہا: بے شک تم لوگ جہالت کی بات کرتے ہو O

''وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ'' (اور جس نے ایمان کے عوض کفر کو اختیار کیا): یعنی جس نے اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی نشانیوں پر اعتماد کرنے کو ترک کردیا اور ان میں شک کیا اور دوسری نشانیوں کو طلب کیا تو بے شک وہ سیدھی راہ سے بھٹک گیا۔

(مدارک التنزیل ج ۱ ص ۱۱۹، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

امام ماتریدی حنفی متوفی ۳۳۳ھ نے کہا ہے کہ قریش کا یہ سوال بھی تھا:

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا (الفرقان:۲۱) — اور جو لوگ ہم سے ملاقات کی امید نہیں رکھتے، انہوں نے کہا: ہم پر فرشتے کیوں نہیں نازل کیے گئے یا ہم اپنے رب کو دیکھ لیتے۔

(تاویلات اہل السنہ ج ۱ ص ۵۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

قریش کے فرمائشی معجزات عطا نہ فرمانے کی توجیہ

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری المتوفی ۳۱۰ھ البقرہ:۱۰۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی تم اپنے نبی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح ایسے مطالبات کر رہے ہو جن کو پورا کرنا اللہ تعالیٰ کی حکمت میں نہیں ہے کہ اگر وہ مطالبات پورے نہ کیے جائیں تو تم اللہ تعالیٰ کا کفر کرو، اور اگر وہ مطالبات پورے کر دیئے جائیں اور پھر بھی تم ایمان نہ لاؤ، تو تم پر ایسا عذاب نازل کیا جائے جس سے تم سب ہلاک ہو جاؤ جس طرح اس سے پہلی امتوں کے فرمائشی معجزات عطا کئے گئے اور وہ پھر بھی ایمان نہیں لائے تو ان سب کو ملیا میٹ کر دیا گیا۔ (جامع البیان، ج ۱ ص ۶۷۹، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بہت سے اہلِ کتاب نے اپنے دلوں کے حسد (کی وجہ) سے یہ چاہا کہ تمہارے ایمان لانے کے بعد تم کو پھر کافر بنا ڈالیں، جب کہ ان پر حق واضح ہو چکا ہے، سو تم (ان کو) معاف کر دو اور (ان سے) درگزر کرو حتیٰ کہ اللہ اپنا (کوئی اور) حکم نازل فرمادے، بے شک اللہ ہر اس چیز پر قادر ہے جس کو وہ چاہے O'' (البقرہ: ۱۰۹)

یہود اور نصاریٰ کے حسد پر زبور اور انجیل سے شہادت

اس آیت میں اہلِ کتاب سے مراد یہودی اور عیسائی دونوں ہیں اور یہ دونوں مسلمانوں سے حسد رکھتے تھے، ان دونوں کے حسد کی شہادت خود ان کی کتابوں میں موجود ہے:

پرانا عہد نامہ کے ''زبور'' میں لکھا ہے:

''انہوں نے خیمہ گاہ میں موسیٰ پر اور خداوند کے مقدس مرد ہارون پر حسد کیا۔'' (زبور، باب ۱۰۶، آیت ۱۶، بائبل سوسائٹی، لاہور)

نیا عہد نامہ کے ''اعمال'' میں لکھا ہے:

''مگر یہودیوں نے حسد میں آ کر بازاری آدمیوں میں سے کئی بدمعاشوں کو اپنے ساتھ لیا اور بھیڑ لگا کر شہر میں فساد کرنے لگے اور یاسون کا گھر گھیر کر انہیں لوگوں کے سامنے لے آنا چاہا O'' (اعمال، باب: ۱۷، آیت: ۵، بائبل سوسائٹی، لاہور)

''دوسرے سبت کو تقریباً سارا شہر خدا کا کلام سننے کو اکٹھا ہوا O مگر یہودی اتنی بھیڑ دیکھ کر حسد سے بھر گئے اور پولس کی باتوں کی مخالفت کرنے اور کفر بکنے لگے O''۔ (اعمال، باب: ۵، آیت: ۴۴۔۴۵، بائبل سوسائٹی، لاہور)

البقرہ: ۱۰۹ کا شانِ نزول اور حسد کا معنی

امام ابو اسحاق احمد الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ البقرہ: ۱۰۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ آیت یہود کی ایک جماعت کے متعلق نازل ہوئی ہے، ان میں سے فنحاص بن عازوراء اور زید بن قیس تھے، وہ دونوں غزوہ احد کے بعد حضرت حذیفہ بن الیمان اور حضرت عمار بن یاسر سے ملے اور کہا: کیا تم دونوں نے نہیں دیکھا کہ غزوۂ احد میں تمہیں کیسی زبردست شکست ہوئی ہے، اگر تم برحق ہوتے تو تم کو شکست نہ ہوتی، پس تم ہمارے دین کی طرف لوٹ آؤ، وہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اور ہم تم سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں تو ان دونوں نے کہا: تمہارے دین میں عہد شکنی کا کیا حکم ہے؟ یہود نے کہا: بہت سخت ہے، تو حضرت عمار بن یاسر نے کہا: میں نے یہ عہد کیا تھا کہ میں جب تک زندہ رہوں گا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کفر نہیں کروں گا، پھر یہود نے کہا: اس شخص نے تو شکست پر صبر کر لیا اور حضرت حذیفہ نے کہا: رہا میں تو میں اللہ کو رب مان کر راضی ہوں اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

نبی مان کر راضی ہوں اور اسلام کو دین مان کر راضی ہوں اور قرآن کو امام مان کر راضی ہوں اور کعبہ کو قبلہ مان کر راضی ہوں اور مومنین کو اپنا بھائی مان کر راضی ہوں، پھر وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کو اس واقعہ کی خبر دی تو آپ نے فرمایا: تم دونوں نے درست کیا اور تم نے خیر کو پالیا اور تم دونوں کامیاب ہو گئے، تب یہ آیت نازل ہوئی: وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ ۔۔۔

''لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا'': یعنی یہ لوگ تم سے حسد کی وجہ سے تم کو تمہارے دین سے پھیر کر کافر بنانا چاہتے ہیں۔ حسد کا لغت میں معنی ہے: غصہ سے جل جانا، سو یہ یہود مسلمانوں کی ترقی کی وجہ سے غصہ کی آگ میں جل گئے تھے۔

''فَاعْفُوْا وَ اصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم ان کو معاف کرو اور ان سے درگزر کرو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنے عذاب کو لے آئے جس عذاب سے بنوقُریظہ کے سات سو جوانوں کو قتل کیا گیا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قید کیا گیا اور بنی نضیر کو مدینہ سے نکال دیا گیا۔ (الکشف والبیان ج ۱ ص ۲۵۷۔۲۵۸، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور نماز (پابندی سے) پڑھتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو، اور تم اپنے لیے جو نیکیاں پہلے سے بھیج دو گے ان کو اللہ کے پاس پاؤ گے، بے شک اللہ تمہارے تمام کاموں کو خوب دیکھنے والے ہیں O اور (اہلِ کتاب) نے کہا: یہودی یا نصرانی کے سوا جنت میں ہرگز کوئی داخل نہیں ہوگا، یہ ان کی (صرف باطل) تمنائیں ہیں، آپ کہیے! اگر تم (اپنے اس دعویٰ میں) سچے ہو تو اس پر تم اپنی دلیل پیش کرو O کیوں نہیں! جس نے اپنی ذات کو اللہ کے سامنے جھکا دیا اور وہ نیکی کرنے والا بھی ہو تو اس کے رب کے پاس اس کا اجر ہے اور نہ ان لوگوں پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے O'' (البقرہ: ۱۱۰۔۱۱۲)

امام ابو اللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، البقرہ: ۱۰۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ'': یعنی نماز کا اقرار کرو اور نماز کو اس کے وقت میں ادا کرو اور خضوع وخشوع کے ساتھ رکوع اور سجود کرو اور فرض زکوٰۃ کو ادا کرو۔

''وَ مَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ'': یعنی تم نے جو نیک عمل کیے ہیں تم ان کے اجر کو اللہ تعالیٰ کے پاس محفوظ پاؤ گے اور اللہ تعالیٰ تم کو ان کی جزاء عطا فرمائے گا جیسا کہ ارشاد باری ہے: ''فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۞ ۔۔۔ (الزلزال: ۷)'' (سو جو ایک ذرّہ کے برابر بھی نیکی کرے گا وہ اس کی جزا پائے گا O)۔

''وَ قَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى'': یعنی یہود اہلِ مدینہ یہ کہتے تھے کہ جنت میں صرف یہودی داخل ہوں گے اور نصاریٰ اہلِ نجران یہ کہتے تھے کہ جنت میں صرف نصاریٰ داخل ہوں گے، اللہ تعالیٰ ان کا رد کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''یہ ان کی باطل آرزوئیں ہیں، آپ کہیے: اگر تمہارے پاس اس دعویٰ پر تورات یا انجیل سے کوئی دلیل ہے تو پیش کرو''۔

''بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ'': یعنی تمہارے علاوہ دوسرے ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے جو اخلاص کے ساتھ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور انہوں نے عمدہ عمل کیے تو ان کے رب کے پاس ان کا جنت میں اجر ہے، نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۱۴۹۔۱۵۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۖ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

اور یہود نے کہا کہ نصاریٰ کسی (لائق شمار) چیز پر نہیں اور نصاریٰ نے کہا کہ یہود کسی (قابلِ ذکر) چیز پر نہیں، حالانکہ یہ سب کتاب کی تلاوت کرتے ہیں، اسی طرح ان کی بات کی مثل جاہل (مشرکین) نے کہا، پس اللہ قیامت کے دن ان سب کے درمیان اس چیز کا فیصلہ فرما دے گا جس میں یہ (دنیا میں) اختلاف کرتے تھے O

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ۬ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾

اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں میں اس کا ذکر کیے جانے سے منع کرے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے، یہ لوگ اس قابل نہیں کہ وہ مسجدوں میں امن اور سلامتی کے ساتھ داخل ہوں، ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے O

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

اور مشرق اور مغرب سب اللہ ہی کے ہیں، لہٰذا تم جس طرف بھی رُخ کرو گے وہیں اللہ کی ذات ہے، بے شک اللہ بہت وسعت والے بے حد علم والے ہیں O

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

اور ان لوگوں نے کہا: اللہ نے ایک بیٹا بنالیا ہے، وہ اس سے پاک ہیں بلکہ آسمانوں میں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے سب انہی کی ملکیت ہے، سب ان کے فرمانبردار ہیں O

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾

وہ آسمانوں اور زمینوں کے موجد ہیں، اور جب وہ کسی کام کا فیصلہ فرماتے ہیں تو اس سے صرف یہ فرماتے ہیں ''ہو جا'' سو وہ جاتا ہے O

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ

قَبۡلِهِمۡ مِّثۡلَ قَوۡلِهِمۡ ؕ تَشَابَهَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ ؕ قَدۡ بَيَّنَّا الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يُّوۡقِنُوۡنَ ﴿۱۱۸﴾

اور جاہلوں (مشرکوں) نے کہا: اللہ خود ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا، یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی؟ ان سے پہلے لوگوں نے بھی ان کی مثل بات کہی تھی، ان سب کے دل ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور بے شک ہم نے یقین کرنے والوں کے لیے اپنی نشانیاں ظاہر فرما دی ہیں O

اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ بِالۡحَقِّ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا ۙ وَّلَا تُسۡـَٔلُ عَنۡ اَصۡحٰبِ الۡجَحِيۡمِ ﴿۱۱۹﴾

(اے رسولِ مکرم!) ہم نے آپ کو حق کے ساتھ ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، اور اہلِ دوزخ کے متعلق آپ سے کوئی سوال نہیں کیا جائے گا O

وَلَنۡ تَرۡضٰى عَنۡكَ الۡيَهُوۡدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمۡ ؕ قُلۡ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الۡهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعۡتَ اَهۡوَآءَهُمۡ بَعۡدَ الَّذِىۡ جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ ﴿۱۲۰﴾

وقف منزل

اور یہود اور نصاریٰ آپ سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے حتیٰ کہ آپ ان کے مذہب کی پیروی کر لیں، آپ کہیے: اللہ کی بتائی ہوئی ہدایت ہی حقیقی ہدایت ہے، اور (اے رسولِ مکرم!) اگر (بالفرض) آپ نے آپ کے پاس وحی آنے کے بعد بھی ان کی خواہشوں کی پیروی کی تو آپ کو اللہ (کی گرفت) سے بچانے والا نہ کوئی دوست ہو گا اور نہ مددگار O

اَلَّذِيۡنَ اٰتَيۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ يَتۡلُوۡنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ ؕ وَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۱۲۱﴾ ع

ع ۱۴

جن لوگوں کو ہم نے کتاب عطا کی اور وہ اس کو اس طرح پڑھتے ہیں جس طرح اس کو پڑھنے کا حق ہے تو وہی لوگ اس پر (حقیقت میں) ایمان رکھتے ہیں، اور جس نے اس کے کفر کو اختیار کیا سو وہی لوگ تباہ و برباد ہونے والے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور یہود نے کہا کہ نصاریٰ کسی (لائقِ شمار) چیز پر نہیں اور نصاریٰ نے کہا کہ یہود کسی (قابلِ ذکر) چیز پر نہیں، حالانکہ یہ سب کتاب کی تلاوت کرتے ہیں، اسی طرح انکی بات کی مثل جاہل (مشرکین) نے کہا، پس اللہ قیامت کے دن ان سب کے درمیان اس چیز کا فیصلہ فرما دے گا جس میں یہ (دنیا میں) اختلاف کرتے تھے O اور اس سے بڑا ظالم کون ہو گا جو اللہ کی مسجدوں میں اس کا ذکر کیے جانے سے منع کرے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے، یہ لوگ اس قابل نہیں کہ وہ مسجدوں میں امن اور سلامتی کے ساتھ داخل ہوں، ان کیلئے

دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے O'' (البقرہ: ۱۱۳۔ ۱۱۴)

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی المتوفی ۷۱۰ ھ البقرہ: ۱۱۳۔ ۱۱۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۪ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ'':

یہود اور نصاریٰ نے ایک دوسرے کے دین کا انکار کیا حالانکہ یہ دونوں اہلِ علم میں سے ہیں اور اپنی اپنی کتابوں کی تلاوت کرتے ہیں اور جو شخص تورات اور انجیل کا حامل ہو اور اس پر ایمان رکھتا ہو، اس پر لازم ہے کہ وہ دوسرے کا انکار نہ کرے، کیونکہ ان میں سے ہر ایک کتاب دوسری کتاب کی مصدّق ہے۔

''كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ'': یعنی جو جاہل مشرکین ہیں جیسے بُت پرست اور جیسے دہریہ، انہوں نے بھی ہر دین والے کے دین کا انکار کیا ہے اور اس میں یہود و نصاریٰ کے لیے بہت سخت زجر و توبیخ ہے، کیونکہ وہ اپنے آپ کو اہلِ علم قرار دیتے ہیں اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ بے علم لوگوں کی سی بات کرتے ہیں، پس اللہ تعالیٰ قیامت کے دن یہود و نصاریٰ کے درمیان فیصلہ فرمادے گا اور ہر فریق جس سزا کے لائق ہے اس کو وہ سزا دے گا۔

البقرہ: ۱۱۴ کا شانِ نزول اور خصوصیتِ مورد کے باوجود عام حکم کا نازل ہونا اور نفی کا نہی کے معنی میں ہونا

''وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا'':

اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ نصاریٰ نے بیت المقدس میں گندگی پھینک دی اور لوگوں کو وہاں نماز پڑھنے سے منع کیا، یا اس کا دوسرا سببِ نزول یہ ہے کہ حدیبیہ کے سال مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجدِ حرام میں داخل ہونے سے منع کیا، اس آیت میں جمع کے صیغہ کے ساتھ ''مَسٰجِدَ'' فرمایا ہے، حالانکہ منع صرف ایک مسجد سے کیا گیا تھا اور وہ یا بیت المقدس ہے اور یا مسجدِ حرام ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر چند کہ سبب خاص ہے لیکن حکم بہ طریقِ عموم نازل فرمایا ہے، اس کی مثال یہ آیت ہے:

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ (الہمزۃ:۱) ہر پسِ پشت عیب جوئی کرنے والے اور طعنہ زن کیلئے ہلاکت ہو۔

یہ آیت ایک خاص شخص اخنس بن شریق کی مذمت میں نازل ہوئی لیکن اس کا ذکر بہ طورِ عموم فرمایا، لہٰذا یہاں بھی سببِ نزول خاص ہے اور حکم عام ہے۔

''اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ'': یعنی اللہ کی مساجد میں داخل ہونے سے منع کرنے والوں کو یہ نہیں چاہیے تھا کہ وہ اللہ کی مساجد میں بغیر ڈر اور خوف کے داخل ہوں، پس جب وہ مسجدوں میں داخل ہوں تو وہ اس خوف سے داخل ہوں کہ کہیں مومنین ان کو پکڑ لیں گے چہ جائیکہ وہ ان مساجد کے اوپر قابض اور ان کے متولّی بن جائیں اور مومنین کو مساجد میں داخل ہونے سے منع کریں، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کفار کا ظلم اور سرکشی نہ ہوتی تو ان کے لیے اللہ کی مسجدوں میں سلامتی کے ساتھ داخل ہونا ممکن نہ ہوتا، دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرما دیا ہے اور لوحِ محفوظ میں لکھ دیا ہے کہ وہ مومنین کی مدد فرمائے گا اور ان کو قوت عطا فرمائے گا حتیٰ کہ کفار اور مشرکین کے لیے بغیر ڈر اور خوف کے مسجدوں میں داخل ہونا ممکن نہ ہوگا۔

روایت ہے کہ بیت المقدس میں نصاریٰ میں سے کوئی شخص بھیس بدلے بغیر داخل نہیں ہوتا تھا کیونکہ اسے ڈر ہوتا تھا کہ اس کو قتل کر دیا جائے گا، اور قتادہ نے کہا کہ بیت المقدس میں جو نصرانی بھی پایا جاتا اس کی زبردست پٹائی لگائی جاتی، اور حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جس سال حج کا امیر بنایا تھا اس سال انہوں نے مجھے یوم النحر کو اعلان کرنے والوں کے ساتھ بھیجا کہ ہم منیٰ میں اعلان کریں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور نہ کوئی مشرک بیت اللہ میں برہنہ طواف کرے گا۔ (صحیح البخاری: ۳۶۹، صحیح مسلم: ۱۳۴۷، سنن نسائی: ۲۹۵۷، سنن ابوداؤد: ۱۹۴۶)

تیسرا قول یہ ہے کہ اس آیت میں نفی "نہی اور ممانعت" کے معنی میں ہے، یعنی مشرکین کو مسجدوں میں داخل ہونے سے منع فرما دیا ہے، اس کی نظیر درج ذیل آیت ہے:

مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ (الاحزاب: ۵۳) اور تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانا جائز نہیں ہے۔

اس آیت میں بھی بہ ظاہر نفی ہے لیکن حقیقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانے سے منع فرمایا ہے۔

"لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ": یعنی ان میں سے حربی کو دنیا میں قتل کیا جائے گا اور قید کیا جائے گا اور ذمی پر جزیہ کی ذلت مسلط کی جائے گی، اور آخرت میں ان کے لیے دوزخ کا عذاب ہے۔ (مدارک التنزیل ج ۱ ص ۱۲۱۔ ۱۲۳، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

البقرہ: ۱۱۴ کے دیگر اسبابِ نزول

امام ابواسحاق احمد الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ نے اس آیت کے شانِ نزول میں لکھا ہے: یہ آیت ططیوس بن استیسانوس الرومی اور اس کے اصحاب کے متعلق نازل ہوئی ہے، کیونکہ انہوں نے بنو اسرائیل پر حملہ کیا اور ان کے لڑنے والوں کو قتل کر ڈالا اور ان کے بچوں کو قید کر لیا اور تورات کو جلا ڈالا اور بیت المقدس کو ویران کر دیا اور اس میں مُردار ڈال دیے اور اس میں خنزیروں کو ذبح کیا اور بیت المقدس اس وقت تک ویران رہا یہاں تک کہ مسلمانوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اس کی تعمیر کی۔

قتادہ اور السدّی نے کہا ہے: وہ بخت نصر اور اس کے اصحاب تھے جنہوں نے یہود پر حملہ کیا اور بیت المقدس کو کھنڈر بنا دیا اور اس سلسلہ میں اہلِ روم سے نصاریٰ کے ططیوس اور اس کے اصحاب نے ان کی مدد کی۔

اور السدّی نے کہا: کیونکہ انہوں نے حضرت یحییٰ بن زکریا کو قتل کر دیا اور قتادہ نے کہا: بعض یہود نے ان کو بخت نصر البابلی المجوسی کی معاونت پر برانگیختہ کیا تو ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں کہ اس سے بڑا ظالم کون ہو گا جس نے اللہ کی مساجد یعنی بیت المقدس اور اس کی محاریب کو ویران کیا تاکہ اس میں اللہ عزوجل کے ذکر سے روکا جائے۔

(الکشف والبیان ج ۱ ص ۲۶۰۔ ۲۶۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور مشرق اور مغرب سب اللہ ہی کے ہیں، لہٰذا تم جس طرف بھی رُخ کرو گے وہیں اللہ کی ذات ہے، بے شک اللہ بہت وسعت والے بے حد علم والے ہیں O" (البقرہ: ۱۱۵)

البقرہ: ۱۱۵ کے متعدد اسبابِ نزول اور "وَاسِعٌ" کے متعدد معانی

امام ابواللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، البقرہ: ۱۱۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کے سببِ نزول میں اختلاف ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی جماعت کسی سفر میں گئی، وہ سخت سیاہ اندھیری رات تھی، پس بعض صحابہ نے مشرق کی طرف مونہہ کر کے نماز پڑھی اور بعض نے مغرب کی

طرف مونہہ کر کے نماز پڑھی، پھر جب سورج طلوع ہوا اور اندھیرا چھٹ گیا تو ان کو یہ معلوم ہوا، پھر جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ سے اپنی اس نماز کے متعلق دریافت کیا، تب یہ آیت نازل ہوئی: ''وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۗ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ''یعنی تم نے اپنی نماز میں جس طرف بھی مونہہ کیا ہے وہیں اللہ ہے، یعنی وہیں اللہ کا قبلہ ہے، یا وہیں اللہ کی رضا ہے، یا وہیں اللہ کی سلطنت ہے، اور بعض مفسرین نے کہا: اس سے مراد سواری پر نماز پڑھنا ہے، یعنی جب تم سواری پر نماز پڑھو تو جس طرف بھی تمہاری سواری کا مونہہ ہو، نماز ہو جائے گی۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں سواری پر نماز پڑھتے تھے، سواری کا جس طرف بھی مونہہ ہوتا آپ اشارہ سے تہجد کی نماز پڑھتے سوا فرائض کے، اور سواری پر وتر پڑھتے تھے۔ (صحیح البخاری:۱۰۰۰)

پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ آیت پڑھی: ''وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۗ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ'' اور کہا: یہ آیت سواری پر نماز کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

اس آیت کے نزول کا دوسرا سبب یہ ہے کہ پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے، پھر جب کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا تو یہود نے کہا: کبھی تم اِس طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہو اور کبھی اُس طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہو، تب یہ آیت نازل ہوئی: ''وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۗ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ''۔

''اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ'': یعنی اللہ تعالیٰ بہت وسعت والا اور بہت بخشش کرنے والا ہے، وہ تھوڑا عمل قبول کر کے بہت زیادہ ثواب عطا فرماتا ہے، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی نمازوں سے مستغنی ہے، وہ ان کی صرف خالص نیت کو طلب فرماتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ واسع ہے یعنی تم پر شریعت کے احکام کو وسیع فرمائے گا اور تم پر احکامِ شرعیہ میں تنگی نہیں فرمائے گا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ واسع ہے یعنی وسیع فضل والا ہے۔ (تفسیر السمرقندی ج۱ ص۱۵۱۔۱۵۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ان لوگوں نے کہا: اللہ نے ایک بیٹا بنا لیا ہے، وہ اس سے پاک ہیں بلکہ آسمانوں میں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے سب انہی کی ملکیت ہے، سب ان کے فرمانبردار ہیں O'' (البقرہ:۱۱۶)

البقرہ:۱۱۶ کا سببِ نزول

امام ابو اسحاق احمد الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ البقرہ:۱۱۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ آیت یہود اہلِ مدینہ کے متعلق نازل ہوئی کیونکہ انہوں نے کہا تھا ''عزیر'' اللہ کا بیٹا ہے، اور نصاریٰ نجران کے متعلق نازل ہوئی کیونکہ انہوں نے کہا تھا کہ ''مسیح'' اللہ کا بیٹا ہے، اور مشرکین عرب کے متعلق نازل ہوئی کیونکہ انہوں نے کہا تھا کہ ''فرشتے'' اللہ کی بیٹیاں ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول سے اپنی تنزیہہ اور براءت فرمائی کہ وہ کسی کو بیٹا یا بیٹی بنانے سے پاک ہے۔

''بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'': آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اللہ کی ملکیت میں ہے اور سب اس کے بندے ہیں اور اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ (یعنی اگر اس کا کوئی بیٹا ہوتا تو وہ بھی اس کی طرح خدا ہوتا اور اس کی اطاعت نہ کرتا)

''قٰنِتُوۡنَ'' کے متعدد معانی

''كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوۡنَ'': مجاہد، عطاء بن ابی رباح اور السدّی نے کہا: سب اللہ کی اطاعت کرنے والے ہیں، کیونکہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

وَالۡقٰنِتِيۡنَ وَالۡقٰنِتٰتِ (الاحزاب: ۳۵) اور اطاعت کرنے والے مرد اور اطاعت کرنے والی عورتیں۔

ابن کیسان نے کہا: اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی توحید کی شہادت دینے والے، اور قنوت کا اصل معنی قیام ہے، حدیث میں ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''افضل الصلوٰۃ طول القنوت'' (صحیح مسلم: ۷۵۶، سنن ابن ماجہ: ۱۴۲۱، مسند احمد: ۱۵۲۱۲، سنن دارمی: ۳۸۵)، یعنی وہ نماز سب سے افضل ہے جس میں لمبا قیام ہو۔

اس آیت کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے، مقاتل اور یمان نے کہا کہ حضرت عزیر، حضرت المسیح اور فرشتے یہ سب اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت سے مراد یہ ہے کہ تمام لوگوں میں سے جو اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار ہیں وہ اس کے فرمانبردار ہیں۔ (الکشف والبیان ج ۱ ص ۲۶۳۔ ۲۶۴، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وہ آسمانوں اور زمینوں کے موجد ہیں، اور جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرتے ہیں تو اس سے صرف یہ فرماتے ہیں ''ہوجا'' سو وہ جاتا ہے O'' (البقرہ: ۱۱۷)

امام ابو اللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، البقرہ: ۱۱۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''بَدِيۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ'': یعنی اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کا خالق ہے، لغت میں ''الِابْدَاع'' کا معنی ہے: کسی چیز کو ابتداءً بغیر پہلے کسی مثال کے اور بغیر کسی کے مشورہ کے بنانا، اور جو شخص سنت کی مخالفت کرے اس کو ''مُبْتَدِع'' کہا جاتا ہے، کیونکہ اس نے ایسا کام کیا جو اس سے پہلے صحابہ کرام اور تابعین عظام نے نہیں کیا تھا۔

بدعت کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ السید محمد مرتضیٰ بن محمد الحسینی الزبیدی الحنفی المتوفی ۱۲۰۵ھ، ''بدعت'' کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

دین کے مکمل ہونے کے بعد جو نیا کام کیا جائے اس کو بدعت کہتے ہیں، اسی کے متعلق یہ حدیث ہے: ''تم اپنے آپ کو نئے نئے کاموں سے مُجتَنِب رکھو، کیونکہ ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے''۔

(سنن ابوداؤد: ۴۶۰۷، سنن ترمذی: ۲۶۷۶، سنن ابن ماجہ: ۴۲، سنن دارمی: ۹۵، مسند احمد: ۱۶۶۹۴، ۱۶۶۹۵، ج ۴ ص ۱۲۶)

یا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اپنی خواہشات کے مطابق جو کام کئے جائیں ان کو بدعت کہتے ہیں۔

علامہ ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ نے لکھا ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں: (۱) بدعتِ ھدیٰ (۲) بدعتِ ضلال، پس جو نیا کام اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے حکم کے خلاف ہو تو وہ مذموم ہے اور باعثِ انکار ہے، اور جو نیا کام مستحبات میں داخل ہو اور اس کام پر اللہ تعالیٰ نے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برانگیختہ کیا ہو تو وہ کام لائقِ مدح ہے، اور جس کام کی پہلے کوئی مثال موجود نہ ہو جیسے جود اور سخا کی اقسام اور وہ عمدہ کام ہو تو وہ فعلِ محمود ہے اور وہ کام احکام شرعیہ کے خلاف نہ ہو، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کام پر ثواب بیان

فرمایا ہے، آپ کا ارشاد ہے: ''جس نے کسی نیک کام کو ایجاد کیا تو اس کو بھی اس کا اجر ملے گا اور جو لوگ اس پر عمل کریں گے ان کا اجر بھی اس کو ملے گا'' اور اس کی ضد کے متعلق آپ کا ارشاد ہے: ''جس نے کسی بُرے کام کو ایجاد کیا تو اس پر اس بُرائی کا وبال ہوگا اور جو لوگ اس بُرے کام پر عمل کریں گے ان کا گناہ بھی اس کو ہوگا'' (صحیح مسلم: ۱۰۱۷، سنن نسائی: ۲۵۵۰، سنن ابن ماجہ: ۲۰۳، مسند احمد: ۱۹۱۷۷)، اور یہ اس وقت ہوگا جب وہ نیا کام اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم کے خلاف ہو، اور اسی قسم سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے: ''نعمة البدعة هذه'' (یہ تراویح کی جماعت بہت اچھی بدعت ہے) (صحیح البخاری: ۲۰۱۰، موطا امام مالک: ۲۵۲)، کیونکہ یہ نیک کاموں میں سے ہے اور لائقِ مدح ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو بدعت اس لیے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تراویح کی جماعت کو سنت نہیں قرار دیا تھا، آپ نے چند راتیں تراویح پڑھی تھی، پھر آپ نے اس کو ترک فرما دیا تھا اور اس پر دوام نہیں فرمایا تھا، اور نہ آپ نے تراویح کے لیے لوگوں کو جمع کیا تھا اور نہ تراویح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تھی، صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کے لیے لوگوں کو جمع کیا تھا، اس وجہ سے آپ نے اس کو بدعت فرمایا ورنہ یہ حقیقت میں سنت ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''تم میری سنت کو اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت کو لازم رکھو'' (سنن ابوداؤد: ۴۶۰۷، سنن ترمذی: ۲۶۷۶، سنن ابن ماجہ: ۴۲، سنن دارمی: ۹۵، مسند احمد: ۱۶۶۹۲، ۱۶۶۹۴، ۱۶۶۹۵، ج ۴ ص ۱۲۶)، اور آپ کا ارشاد ہے: ''میرے بعد ابوبکر اور عمر کی اقتداء کرو'' (سنن ترمذی: ۳۶۶۲، مسند احمد ج ۵ ص ۳۸۲، المستدرک ج ۳ ص ۷۵، شرح السنة ج ۱ ص ۵۵۶، صحیح ابن حبان: ۲۱۹۳، تلخیص الحبیر ج ۴ ص ۱۹۰، مشکوٰۃ: ۶۲۲۱) اور ان دلائل کی وجہ سے اس حدیث کی تاویل کی جائے گی جس میں مذکور ہے ''کُلُّ مُحدَثَة بدعة'' یعنی ہر نیا کام بدعت ہے، اس سے مراد وہ نیا کام ہے جو اصولِ شریعت کے مخالف ہو اور سنت کے موافق نہ ہو، اور مُبْتَدِع کا لفظ زیادہ تر بدعتِ مذمومہ میں استعمال کیا جاتا ہے۔ (النہایہ ج ۱ ص ۱۰۶۔۱۰۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

(تاج العروس من جواہر القاموس ج ۱۰ ص ۱۶۵۔۱۶۶، موضحاً ومخرجاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۳ھ)

بدعت کی اقسام

حافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ، لکھتے ہیں:

شریعت میں سنت کے مقابل پر بدعت کا اطلاق کیا جاتا ہے اور تحقیق یہ ہے کہ اگر دین میں نیا کام ان کاموں میں داخل ہو جن کی شریعت میں تحسین کی گئی ہے تو وہ بدعتِ حسنہ ہے اور اگر وہ نیا کام ان کاموں میں داخل ہو جن کی شریعت میں مذمت کی گئی ہے تو وہ بدعتِ قبیحہ ہے ورنہ وہ نیا کام مباح کی قسم ہے، اور بدعت کی پانچ قسمیں ہیں۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۵۰۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

مشہور غیر مقلد عالم شیخ محمد بن علی بن محمد الشوکانی المتوفی ۱۲۵۵ھ نے بھی اس عبارت کو تائیداً نقل کیا ہے۔

(نیل الاوطار ج ۲ ص ۳۱۲، دار الوفاء، جدہ، ۱۴۲۱ھ)

علامہ سید محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الدمشقی الشامی الحنفی المتوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

بدعت کی پانچ قسمیں ہیں: (۱) بدعتِ واجبہ: جیسے گمراہ فرقوں کے رد کے لیے دلائل قائم کرنا اور کتاب اور سنت کی فہم کے لیے علمِ صرف اور نحو کو سیکھنا (۲) بدعتِ مستحبہ: جیسے دینی مدارس کو قائم کرنا اور ہر وہ نیک کام جو صحابہ کے زمانہ میں نہ کیا گیا ہو (۳) بدعتِ مکروہہ تنزیہاً: جیسے مساجد کو مزیّن کرنا (۴) بدعتِ مباحہ: جیسے لذیذ چیزوں کو کھانا اور پینا اور عمدہ کپڑے پہننا (۵) بدعتِ مکروہہ

تحریماً: جیسے شیعہ پیروں کو دھونے کے بجائے پیروں پر مسح کرتے ہیں اور موزوں پر مسح کا انکار کرتے ہیں اور اس بدعت کی تعریف یہ ہے: وہ نیا کام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے منقول علم اور عمل یا حال کے خلاف ہو اور اس کو کسی شبہ کی بنیاد پر دین میں داخل کر لیا جائے اور اس کو صراطِ مستقیم قرار دیا جائے۔ (ردالمحتار علی الدرالمختار ج ۲ ص ۲۵۶، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

''وَ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ'': کہا جاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس وفدِ نجران سے السید اور العاقل وغیرہم آئے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کہا: کیا آپ نے کوئی ایسی مخلوق دیکھی ہے جو بغیر باپ کے ہو؟ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ جیسا کہ حضرت آدم بغیر باپ اور ماں کے تھے اسی طرح حضرت عیسیٰ ابن مریم کو اللہ تعالیٰ نے بغیر باپ کے پیدا فرمایا۔

اللہ عزوجل کے ارشاد ''كُنْ فَيَكُوْنُ'' پر ایک اعتراض کا جواب

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد یا موجود سے ہوگا یا معدوم سے ہوگا، اگر یہ ارشاد معدوم سے ہو تو کسی معدوم سے خطاب کرنا درست نہیں ہے اور اس کی طرف لفظِ کُن سے اشارہ کرنا صحیح نہیں ہے اور اگر یہ خطاب موجود سے ہو تو جو چیز پہلے سے موجود ہے اس کے متعلق یہ کہنا کہ ''ہو جا'' تحصیلِ حاصل ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ازل میں تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے علم میں موجود تھیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے علم میں موجود چیز کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ ''اس جہان میں موجود ہو جا'' لہٰذا نہ معدوم سے خطاب لازم آیا اور نہ تحصیلِ حاصل لازم آئی۔ (تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۱۵۲۔ ۱۵۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جاہلوں (مشرکوں) نے کہا: اللہ خود ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا، یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی؟ ان سے پہلے لوگوں نے بھی ان کی مثل بات کہی تھی، ان سب کے دل ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور بے شک ہم نے یقین کرنے والوں کے لیے اپنی نشانیاں ظاہر فرما دی ہیں O'' (البقرہ:۱۱۸)

''وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ'': یعنی عرب کے جاہل مشرکین نے کہا۔

''لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ'': یعنی اللہ ہم سے کلام کر کے یہ کیوں نہیں بتاتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

''اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ'': یا ہمارے پاس کوئی ایسی نشانی آئے جو آپ کی نبوت پر دلیل اور علامت ہو۔

''كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ'': یعنی اسی طرح یہود نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا ''اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً'' (ہمیں اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا دکھائیں)۔

''قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ'': یعنی ہم تورات میں آپ کی نبوت پر واضح نشانیاں بیان کر چکے ہیں، اور کہا جاتا ہے کہ انبیاء سابقین میں سے جس نبی کو بھی کوئی معجزہ دیا گیا تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس کی مثل معجزہ دیا گیا، حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر نبی کو اتنے معجزات عطا کیے گئے جن کی مثل سے کوئی بشر ایمان لے آئے ہیں اور مجھے جو معجزہ عطا کیا گیا ہے وہ اللہ کی وحی ہے جو اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی، پس مجھے امید ہے کہ میرے پیروکار قیامت کے دن تمام نبیوں سے زیادہ ہوں گے۔ (صحیح البخاری:۴۹۸۱، صحیح مسلم:۱۵۲، مسند احمد:۹۵۱۸)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ مراد نہیں ہے کہ آپ کا معجزہ قرآن مجید میں منحصر ہے اور نہ اس حدیث سے یہ مراد ہے کہ آپ کو انبیاء سابقین کے معجزات نہیں عطا کئے گئے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۵۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

''لِقَوۡمٍ يُّوۡقِنُوۡنَ'': یعنی اہل التورات میں سے مومنین۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ مکرم!) ہم نے آپ کو حق کے ساتھ ثواب کی بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، اور اہلِ دوزخ کے متعلق آپ سے کوئی سوال نہیں کیا جائے گا O'' (البقرہ:۱۱۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان کی تحقیق

''وَّلَا تُسۡـَٔلُ عَنۡ اَصۡحٰبِ الۡجَحِيۡمِ'': محمد بن کعب القرظی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کاش مجھے پتا ہوتا کہ میرے ماں باپ کے ساتھ کیا کیا گیا؟ تب یہ آیت نازل ہوئی: ''اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ بِالۡحَقِّ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا ۙ وَّلَا تُسۡـَٔلُ عَنۡ اَصۡحٰبِ الۡجَحِيۡمِ ﴿۱۱۹﴾ (البقرہ:۱۱۹)''۔ (تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۱۵۲۔ ۱۵۴ ملخصاً وملتقطاً ومخرجاً وموضحاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

محمد بن کعب القرظی کی یہ روایت تفسیر القرآن لعبد الرزاق ج ۱ ص ۵۹، تفسیر الطبری ج ۱ ص ۱۹۷، الکشف والبیان ج ۱ ص ۲۶۵، معالم التنزیل ج ۱ ص ۱۸۰ اور تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۹۱ وغیر ہا میں بھی مذکور ہے۔

علامہ السید محمود الآلوسی البغدادی الحنفی المتوفی ۱۲۷۰ھ محمد بن کعب القرظی کی اس روایت پر تبصرہ کرتے ہیں:

اس روایت کا بعید ہونا مخفی نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ علم عطا کیا گیا تھا کہ آپ کے والدین کا کیا مآل ہے اور شیخ ولی الدین العراقی نے کہا ہے: میں اس روایت پر واقف نہیں ہو سکا، اور الامام السیوطی نے کہا ہے: یہ حدیث ضعیف الاسناد ہے، سو اس پر اعتماد نہ کیا جائے اور جو چیز قطعی ہے وہ یہ ہے کہ یہ آیت کفارِ اہلِ کتاب کے متعلق ہے نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کے متعلق، علامہ السخاوی نے کہا ہے کہ میرا دین یہ ہے کہ آپ کے والدین کی وفات عقیدۂ توحید پر زمانہ کفر میں ہوئی اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا کلام بھی اسی پر محمول ہے۔ (روح المعانی ج ۱ ص ۵۸۴، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی المتوفی ۶۶۸ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ہم نے اپنی کتاب ''التذکرۃ'' میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے آپ کے والد اور والدہ کو زندہ کیا اور وہ دونوں آپ پر ایمان لائے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۹۱، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

علامہ ابو سعود الحنفی المتوفی ۹۸۲ھ نے لکھا ہے: اس آیت کو والدین کریمین کے حال کے متعلق سوال کی ممانعت پر محمول کرنا نظمِ قرآن سے بعید ہے۔ (تفسیر ابو سعود ج ۱ ص ۱۸۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

والدین کریمین کے ایمان کی نفی پر ملا علی قاری کے دلائل

ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

پھر جمہور کا موقف یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کفر پر فوت ہوئے تھے، علامہ ابن حجر مکی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے جس میں مذکور ہے کہ آپ کے والدین کریمین کو زندہ کیا گیا حتیٰ کہ وہ آپ کے اوپر ایمان لائے اور پھر فوت ہوئے، اور جن

علماء نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے وہ الامام القرطبی ہیں اور الحافظ بن ناصر الدین ہیں، اور اگر یہ حدیث صحیح بھی ہو تو یہ صحیح مسلم کی اس حدیث کے معارض نہیں ہو سکتی جس میں مذکور ہے کہ میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کے لیے استغفار کی اجازت طلب کی تو مجھے اس کی اجازت نہیں دی گئی اور میں نے ان کی قبر کی زیارت کی اجازت طلب کی تو مجھے اس کی اجازت دی گئی۔

(صحیح مسلم: ۱۰۸۔۹۷۶، سنن ابوداؤد: ۳۲۳۴، سنن نسائی: ۳۰۳۴، سنن ابن ماجہ: ۱۵۷۲، مسند احمد: ۹۳۹۵، ج ۲ ص ۴۴۱)

علاوہ ازیں حفاظِ حدیث نے والدین کو زندہ کرنے والی حدیث پر طعن کیا ہے اور اس کی عدمِ صحت پر یہ دلیل قائم کی ہے کہ موت کے بعد کا ایمان اجماعاً مقبول نہیں ہوتا، جیسا کہ اس پر کتاب وسنت میں دلائل قائم ہیں۔

علاوہ ازیں مسلم کی یہ حدیث صحیح اور صریح ہے جس سے ان لوگوں کا رد ہوتا ہے جنہوں نے کہا کہ آپ کے والدین اہل الفترۃ سے تھے، اور اہلِ فترۃ پر عذاب نہیں ہوتا۔ اور حافظ سیوطی نے والدین کریمین کی نجات کے متعلق تین رسالے لکھے ہیں اور اس میں جانبین کے دلائل ذکر کیے ہیں، اگر تم تفصیل جاننا چاہو تو ان رسائل کا مطالعہ کرو۔ (مرقاۃ ج ۴ ص ۲۵۱، المکتبۃ الحقانیہ، پشاور)

والدین کریمین کے ایمان کی نفی کے متعلق ملا علی قاری کے دلائل پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں: صحیح مسلم کی اس حدیث سے آپ کے والدین کریمین کے ایمان کی نفی نہیں ہوتی، اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ نے اپنی والدہ کے لیے مغفرت طلب کرنے کی اجازت طلب کی تو آپ کو اجازت نہیں دی گئی، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث تو سیدنا آمنہ رضی اللہ عنہا کے گناہوں سے محفوظ ہونے کی دلیل ہے، کیونکہ جب غیر معصوم کے لیے استغفار کیا جائے تو اس سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ انہوں نے کوئی گناہ کیا ہوگا، سو جب آپ کی والدہ ماجدہ کے لیے استغفار کی اجازت نہیں دی گئی تو اس میں یہ دلیل ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا جس کے لیے استغفار کی ضرورت ہو، نیز اس حدیث میں آپ کی والدہ ماجدہ کے ایمان پر دلیل ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت طلب کی تو آپ کو یہ اجازت دے دی گئی، حالانکہ کفار کی قبروں پر آپ کو کھڑے ہونے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤی اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمۡ عَلٰی قَبۡرِهٖ ؕ اِنَّهُمۡ كَفَرُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَمَاتُوۡا وَهُمۡ فٰسِقُوۡنَ ۝ (التوبہ: ۸۴)

اور ان (منافقین) میں سے جو مر جائے آپ کبھی اس (کی میت) پر نماز نہ پڑھیں اور نہ کبھی اس کی قبر پر کھڑے ہوں، کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور وہ اس حال میں مرے ہیں کہ وہ نافرمان تھے ○

ملا علی قاری کی عبارت پر علامہ آلوسی حنفی کا تبصرہ

بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ والدین کریمین ملا علی قاری اور ان جیسے منکرین سے بہت افضل تھے۔

(روح المعانی ج ۱ ص ۵۸۴، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”اور یہود اور نصاریٰ آپ سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے حتیٰ کہ آپ ان کے مذہب کی پیروی کرلیں، آپ کہیے: اللہ کی بتائی ہوئی ہدایت ہی حقیقی ہدایت ہے، اور (اے رسولِ مکرم!) اگر

(بالفرض) آپ نے آپ کے پاس وحی آنے کے بعد بھی ان کی خواہشوں کی پیروی کی تو آپ کو اللہ (کی گرفت) سے بچانے والا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ مددگار O" (البقرہ: ۱۲۰)

"وَلَنۡ تَرۡضٰی عَنۡكَ الۡیَهُوۡدُ وَلَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمۡ": یعنی یہود اہلِ مدینہ اور نصاریٰ اہلِ نجران آپ سے اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ ان کے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز نہ پڑھیں، آپ کہیے کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت یہی ہے کہ کعبہ قبلہ ہے، اور اگر (بالفرض) آپ نے کعبہ کے قبلہ بنائے جانے کے بعد بھی ان کی خواہشوں کی پیروی کر لی تو پھر آپ کو نہ کوئی نفع پہنچا سکے گا اور نہ آپ کی مدد کر سکے گا۔

"وَلَئِنِ اتَّبَعۡتَ اَهۡوَآءَهُمۡ بَعۡدَ الَّذِیۡ جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ": اس آیت میں بہ ظاہر نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خطاب ہے اور اس سے مراد آپ کی امت ہے، یعنی اگر آپ کی امت نے ان کی پیروی کر لی تو اللہ کے عذاب سے ان کو کوئی بچانے والا نہیں ہوگا اور نہ ان کی کوئی مدد کرنے والا ہوگا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "جن لوگوں کو ہم نے کتاب عطا کی اور وہ اس کو اس طرح پڑھتے ہیں جس طرح اس کو پڑھنے کا حق ہے تو وہی لوگ اس پر (حقیقت میں) ایمان رکھتے ہیں، اور جس نے اس کے کفر کو اختیار کیا سو وہی لوگ تباہ و برباد ہونے والے ہیں O" (البقرہ: ۱۲۱)

یعنی اہلِ کتاب کے مومنین اپنی کتابوں میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جو صفات پڑھتے ہیں وہ لوگوں کے سامنے بیان کر دیتے ہیں اور یہی لوگ حقیقت میں مومن ہیں۔ اور جو لوگ آپ کا کفر کرتے ہیں وہ تباہ و برباد ہونے والے ہیں۔ (تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۱۵۴۔۱۵۵)

یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡكُمۡ وَاَنِّیۡ فَضَّلۡتُكُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۲۲﴾

اے بنی اسرائیل! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام فرمائی تھی اور یہ کہ میں نے (اس زمانہ کے) تمام جہان والوں پر تم کو فضیلت عطا فرمائی O

وَاتَّقُوۡا یَوۡمًا لَّا تَجۡزِیۡ نَفۡسٌ عَنۡ نَّفۡسٍ شَیۡئًا وَّلَا یُقۡبَلُ مِنۡهَا عَدۡلٌ وَّلَا تَنۡفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمۡ یُنۡصَرُوۡنَ ﴿۱۲۳﴾

اور اس دن سے ڈرتے رہو جب کوئی جان دوسری جان کی طرف سے کچھ بھی بدلہ نہ دے سکے گی اور نہ کسی جان کی طرف سے کوئی فدیہ لیا جائے گا اور نہ (اللہ کے اذن کے بغیر) کسی نفس کو کسی کی شفاعت نفع پہنچائے گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی O

وَاِذِ ابۡتَلٰۤی اِبۡرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیۡ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهۡدِی الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۲۴﴾

اور (یاد کیجئے!) جب ابراہیم کی ان کے رب نے چند باتوں میں آزمائش فرمائی تو انہوں نے ان آزمائشوں کو پورا کر دیا، (اللہ نے) فرمایا: بے شک میں آپ کو لوگوں کا امام بنانے والا ہوں، (ابراہیم نے) کہا: اور میری اولاد سے بھی؟ (اللہ نے) فرمایا: میرا وعدہ ظالموں کو نہیں پہنچتا O

وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا ؕ وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآىٕفِیْنَ وَ الْعٰكِفِیْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾

اور (یاد کیجئے!) جب ہم نے خانہ (کعبہ) کو لوگوں کے رجوع کرنے کی جگہ اور مقامِ امن بنا دیا (اور ہم نے حکم دیا) مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالو، اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو تاکید فرمائی کہ تم دونوں طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لیے میرے گھر کو پاک رکھو O

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَ مَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِیْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۱۲۶﴾

اور (یاد کیجئے!) جب ابراہیم نے دعا کی: اے میرے رب! اس جگہ کو امن والا شہر بنا دیں اور اس میں رہنے والے ان شہریوں کو پھلوں سے روزی دیں جو ان میں سے اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائیں، (اللہ نے) فرمایا: اور جو کفر کرے گا میں اس کو بھی قلیل فائدہ پہنچاؤں گا، پھر (اس کی موت کے بعد) اس کو زبردستی دوزخ کے عذاب کی طرف لے جاؤں گا، اور وہ نہایت برا ٹھکانا ہے O

وَ اِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَ اِسْمٰعِیْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۱۲۷﴾

اور (یاد کیجئے!) جب ابراہیم اور اسماعیل خانہ (کعبہ) کی بنیادیں اٹھا رہے تھے (اور یہ دعا کر رہے تھے:) اے ہمارے رب! ہم سے (اس کو) قبول فرمائیے، بے شک آپ (سب کچھ) سننے والے (سب کچھ) جاننے والے ہیں O

رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَیْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۲۸﴾

اے ہمارے رب! ہم دونوں کو اپنا (مزید) فرمانبردار بنا دیں اور ہماری اولاد میں سے اپنی ایک فرمانبردار امت بنا دیں اور ہم کو ہمارے حج کے احکام کی تعلیم دیں اور ہم پر اپنی رحمت سے توجہ فرمائیں، بیشک آپ بہت توجہ فرمانے والے اور بہت مہربان ہیں O

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾

اے ہمارے رب! اور ان میں ان ہی میں سے ایک (عظیم) رسول بھیج دیں جو ان پر آپ کی آیات کی تلاوت کرے اور انہیں قرآن اور سنت کی تعلیم دے اور ان کے باطن کو پاک کرے، بے شک آپ بہت زبردست بہت حکمت والے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے بنی اسرائیل! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام فرمائی تھی اور یہ کہ میں نے (اس زمانہ کے) تمام جہان والوں پر تم کو فضیلت عطا فرمائی O'' (البقرہ: ۱۲۲)

بنی اسرائیل پر مخصوص نعمت کا مصداق

علامہ ابوسعود محمد بن محمد بن مصطفیٰ العمادی الحنفی المتوفی ۹۸۲ھ البقرہ: ۱۲۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''يٰبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ'': اور میری ان نعمتوں میں سے ایک نعمت تورات ہے جو میں نے تم پر نازل فرمائی ہے، اور نعمت کو اس کا شکر ادا کرنے کے لیے یاد دلایا جاتا ہے، اور تورات کی نعمت کے شکر ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ تورات میں جو احکام مذکور ہیں ان سب پر ایمان لاؤ اور ان احکام میں سے ایک حکم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت اور آپ کی صفت ہے اور اس پر ایمان لانے کا تقاضا یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لاؤ۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اس دن سے ڈرتے رہو جب کوئی جان دوسری جان کی طرف سے کچھ بھی بدلہ نہ دے سکے گی اور نہ کسی جان کی طرف سے کوئی فدیہ لیا جائے گا اور نہ (اللہ کے اذن کے بغیر) کسی نفس کو کسی کی شفاعت نفع پہنچائے گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی O'' (البقرہ: ۱۲۳)

اس آیت کے دوبارہ ذکر کی توجیہ

''وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا...... الخ: اس آیت کا دوبارہ ذکر فرمایا ہے تاکہ بنی اسرائیل کو اس نعمت کے یاد دلانے کے ساتھ مخصوص کیا جائے اور ان کو نصیحت میں مبالغہ کرنے کے لیے دوبارہ ڈرایا ہے اور یہ خبر دی ہے کہ اس سے مقصود یہ ہے کہ بنی اسرائیل پر اللہ عزوجل کی نعمتیں بہت عظیم تھیں اور ان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا بہت قبیح تھا۔

(تفسیر ابوسعود ج ۱ ص ۱۹۰۔۱۹۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (یاد کیجیے!) جب ابراہیم کی ان کے رب نے چند باتوں میں آزمائش فرمائی تو انہوں نے ان آزمائشوں کو پورا کر دیا، (اللہ نے) فرمایا: بیشک میں آپ کو لوگوں کا امام بنانے والا ہوں، (ابراہیم نے) کہا: اور میری اولاد سے بھی؟ (اللہ نے) فرمایا: میرا وعدہ ظالموں کو نہیں پہنچتا O'' (البقرہ: ۱۲۴)

طہارت کی سنتوں کے متعلق احادیث

امام ابواللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، البقرہ: ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وضو کی سنتوں پر عمل کے ساتھ آزمائش کی گئی۔

''وَاِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دس سنتوں پر عمل کرنے کا حکم فرمایا، پانچ سنتیں سر سے متعلق تھیں اور پانچ سنتیں باقی جسم سے متعلق تھیں، حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دس کام سنت میں سے ہیں: (۱) مونچھوں کو ترچھوانا (۲) ڈاڑھی کو بڑھانا (۳) مسواک کرنا (۴) ناک میں پانی ڈالنا (۵) ناخن تراشنا (۶) ہاتھ کے جوڑوں کو دھونا (۷) بغل کے بالوں کو کاٹنا (۸) زیر ناف بالوں کو مونڈنا (۹) استنجاء کرنا (۱۰) مصعب نے کہا: دسویں سنت کو میں بھول گیا ہوسکتا ہے کہ وہ غرارہ کرنا ہو۔

(صحیح مسلم: ۲۶۱، سنن ابوداؤد: ۵۳، سنن ترمذی: ۲۷۶۲، سنن نسائی: ۵۰۵۵، سنن ابن ماجہ: ۲۹۳، مسند احمد: ۲۵۱۱۴، الجامع لشعب الایمان: ۲۵۰۵، مسند ابویعلی: ۴۵۱۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۹۵، شرح السنہ: ۲۰۵، مشکل الآثار للطحاوی ج ۱ ص ۲۹۷، صحیح ابن خزیمہ: ۸۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک سو بیس سال کی عمر میں مقام قدوم میں ختنہ کیا، پس سعید بن المسیب نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ختنہ کیا اور وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے سفید بال کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: اے میرے رب! یہ کیا چیز ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ابراہیم! یہ وقار ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی: اے میرے رب! میرے وقار کو زیادہ کردے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مہمان نوازی کی اور وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مونچھیں تراشیں اور وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ناخن تراشے اور وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے زیر ناف بال مونڈے۔ (شعب الایمان للبیہقی: ۸۶۴۰، ۸۶۴۲)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہمارے لیے مونچھیں تراشنے اور ناخن تراشنے اور بغلوں کے بال مونڈنے اور زیر ناف بال مونڈنے کے متعلق یہ وقت مقرر کیا گیا ہے کہ ہم چالیس دنوں سے زیادہ ان بالوں کو نہ چھوڑیں۔

(صحیح مسلم: ۵۱، سنن ترمذی: ۲۷۵۹، سنن نسائی، کتاب الطہارۃ ج ۱ ص ۱۵، سنن بیہقی ج ۱ ص ۱۵۰، سنن ابن ماجہ: ۲۹۵، مسند ابوداؤد والطیالسی ص ۲۷۵، مسند احمد: ۱۱۸۲۳، ج ۳ ص ۱۲۲، الجامع لشعب الایمان: ۲۵۱۳، تاریخ بغداد ج ۳ ص ۳۱۵۔ ۳۱۸، تہذیب الاسماء واللغات ج ۱ ص ۹۲، ۹۴)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش کے متعلق دیگر اقوال

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک غار میں اپنی ماں سے پیدا ہوئے۔

(۲) جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستارے کو دیکھ کر کہا ''یہ میرا رب ہے''۔

(۳) حسن بصری نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین چیزوں کے ساتھ آزمائش کی گئی، پہلے ستارے کے ساتھ، پھر سورج اور چاند کے ساتھ، دوسری مرتبہ نمرود کی جلائی ہوئی آگ میں ڈالے جانے کے ساتھ اور تیسری مرتبہ حضرت سارہ کے ساتھ ان کو آزمائش میں مبتلاء کیا گیا جب ظالم بادشاہ کے کارندے حضرت سارہ کو زبردستی اپنے ساتھ لے گئے اور بالآخر ظالم بادشاہ کو انہیں رہا کرنا پڑا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لوگوں کا امام بنانا

''اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا'': امام وہ شخص ہوتا ہے جس کی لوگ اقتداء کرتے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ تمنا کی کہ ان کی اولاد کو بھی امام بنایا جائے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میرا وعدہ کافروں کو نہیں پہنچتا'' یعنی کافر میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ لوگوں کا امام بنے، سو اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ ان کی اولاد میں کفار بھی ہوں گے اور یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ کسی کافر کو نہیں پہنچتا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (یاد کیجئے!) جب ہم نے خانہ (کعبہ) کو لوگوں کے رجوع کرنے کی جگہ اور مقامِ امن بنا دیا (اور ہم نے حکم دیا) مقامِ ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنا لو، اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو تاکید فرمائی کہ تم دونوں طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لیے میرے گھر کو پاک رکھو ''(البقرہ:۱۲۵)

قاتل اگر کعبہ میں پناہ لے تو اس سے قصاص لینے کا طریقہ

''وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا'': یعنی ہم نے کعبہ کو لوگوں کے لوٹنے کی جگہ بنا دیا، وہ بار بار لوٹ کر کعبہ کی طرف آئیں گے، قتادہ نے کہا: ہم نے کعبہ کو لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ بنا دیا، وہ ہر جہت اور ہر سمت سے کعبہ کی طرف آئیں گے، اور ہم نے کعبہ کو امن کی جگہ بنا دیا، یعنی جس شخص پر قصاص واجب ہو اس نے اگر کعبہ میں پناہ لے لی تو کعبہ میں اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: اگر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قاتل کو حرم میں پاؤں تو اسے دیکھ کر میرا خون قصاص کے لیے نہیں کھولے گا، لیکن قاتل تک اس کے کھانے پینے اور نفع کی چیزوں کو نہیں پہنچنے دیا جائے گا حتیٰ کہ وہ مجبور ہو کر کعبہ سے باہر آ جائے اور پھر کعبہ سے باہر اس سے قصاص لیا جائے گا۔

کعبہ کو جائے امن بنانے کے متعلق صحیح حدیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ارشاد فرمایا: ''اب ہجرت نہیں ہے لیکن جہاد اور نیت ہے اور جب تم کو جہاد کے لیے بلایا جائے تو فوراً آ جاؤ، بے شک اللہ نے اس شہر (مکہ) میں لڑائی کو اس وقت حرام فرمایا تھا جس دن اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا تھا، اور وہ (مکہ) اللہ کے حرام قرار دینے سے قیامت تک کے لیے حرام ہے، بے شک اس میں مجھ سے پہلے کسی کے لیے قتال (لڑنا) حلال نہیں ہوا اور نہ میرے لیے حلال ہوا مگر صرف آج کے دن کی اس ساعت میں، پس وہ (مکہ) اللہ کے حرام قرار دینے سے قیامت تک کے لیے حرام ہے، نہ اس کا کانٹا کاٹا جائے گا اور نہ اس کے شکار کو بھگایا جائے گا اور نہ اعلان کرنے والے کے سوا کوئی اس کی گری ہوئی چیز کو کوئی اٹھائے گا اور نہ اس کی سبز گھاس کو کاٹا جائے گا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یا رسول اللہ! ماسوا اذخر کے کیونکہ وہ ہمارے لوہاروں کے لیے ہے اور ہمارے گھروں کے لیے ہے، آپ نے فرمایا: ماسوا اذخر کے''۔ (صحیح البخاری:۱۸۳۴، صحیح مسلم:۱۳۵۳، ۱۸۶۴، سنن ترمذی:۱۵۹۰، سنن نسائی: ۲۸۹۲، ۴۱۷۰، سنن ابوداود: ۲۴۸۰، سنن ابن ماجہ:۲۷۷۳، مسند احمد:۱۹۹۲، سنن دارمی:۲۵۱۲)

''وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى'':

مقامِ ابراہیم اور حجرِ اسود کی فضیلت کے متعلق احادیث

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے اپنے رب کی تین چیزوں میں موافقت کی ہے: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! (ان میں سے ایک یہ ہے کہ) کاش کہ ہم مقامِ ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالیں تو یہ آیت نازل ہوگئی: ''وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى... (البقرہ:۱۲۵) الحدیث''۔

(صحیح البخاری: ۴۰۲، صحیح مسلم: ۲۳۹۹، سنن ترمذی: ۲۹۶۰، سنن ابن ماجہ: ۱۰۰۹، مسند احمد: ۱۵۸، سنن دارمی: ۱۸۴۹)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم جنت کے یاقوتوں میں سے دو یاقوت ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے نور کو مٹادیا اور اگر اللہ تعالیٰ ان کے نور کو نہ مٹاتا تو یہ مشرق سے لے کر مغرب تک کو روشن کر دیتے۔ (الجامع لشعب الایمان: ۳۷۴۱، المستدرک ج ۱ ص ۴۵۶، سنن بیہقی ج ۵ ص ۷۵، سنن ترمذی: ۸۷۸، صحیح ابن خزیمہ: ۲۷۳۲، صحیح ابن حبان: ۳۷۰۲)

مسند احمد کی روایت میں مذکور ہے: حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم جنت کے یاقوت ہیں اور اگر ان دونوں کو بنو آدم کے گناہوں نے نہ مسخ کیا ہوتا تو یہ مشرق اور مغرب کے درمیان کو روشن کر دیتے۔

''وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ... الآیۃ'': یعنی جب ہم نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو یہ حکم دیا کہ وہ میری اس مسجد کو بتوں سے پاک رکھیں، دوسرا قول یہ ہے کہ تمام نجاسات سے پاک رکھیں، یعنی مسافروں کے کعبہ کا طواف کرنے والوں کے لیے اور مکہ میں رہنے والوں کے اعتکاف کرنے والوں کے لیے اور ہر نماز میں ہر جگہ سے آکر رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لیے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (یاد کیجئے!) جب ابراہیم نے دعا کی: اے میرے رب! اس جگہ کو امن والا شہر بنا دیں اور اس میں رہنے والے ان شہریوں کو پھلوں سے روزی دیں جو اِن میں سے اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائیں، (اللہ نے) فرمایا: اور جو کفر کرے گا میں اس کو بھی قلیل فائدہ پہنچاؤں گا، پھر (اس کی موت کے بعد) اس کو زبردستی دوزخ کے عذاب کی طرف لے جاؤں گا، اور وہ نہایت برا ٹھکانا ہے O'' (البقرہ:۱۲۶)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعائے مذکور کا قبول ہونا

''وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ'':

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کو قبول فرمایا، سو دنیا کے ہر شہر سے پھلوں کو مکہ میں لایا جاتا ہے، پس مکہ میں ہر وقت ہر قسم کا پھل دستیاب ہے۔

''مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ'': حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعا میں یہ شرط لگائی کہ مکہ کے ایمان والوں کو پھل عطا فرمائے، کیونکہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے لیے امامت کی دعا کی تھی تو ظالموں کے حق میں وہ دعا قبول نہیں ہوئی،

پس حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خطرہ ہوا کہ شاید اللہ تعالیٰ جو پھلوں کا رزق عطا فرمائے گا وہ بھی ظالموں کو نہ عطا فرمائے تو اس لیے انہوں نے خصوصیت کے ساتھ ایمان والوں کے لیے رزق کا سوال کیا، سو اللہ عزوجل نے ان کو خبر دی کہ اللہ تعالیٰ کافر اور مومن دونوں کو رزق دے گا، اور رزق دینے کا معاملہ امامت کے معاملہ کی مثل نہیں ہے، کیونکہ امامت عطا فرمانا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور رزق عطا فرمانا اللہ تعالیٰ کا عدل ہے، پس اللہ تعالیٰ اپنا فضل تو اپنے بندوں میں سے اسی کو عطا فرماتا ہے جو اس کے فضل کا اہل ہوتا ہے اور اپنا عدل تمام لوگوں کو عطا فرماتا ہے کیونکہ وہ سب اس کے بندے ہیں خواہ وہ کافر ہوں، اس لئے فرمایا: ''اور جو کفر کرے گا میں اس کو بھی قلیل فائدہ پہنچاؤں گا، پھر (اس کی موت کے بعد) اس کو زبردستی دوزخ کے عذاب کی طرف لے جاؤں گا، اور وہ نہایت برا ٹھکانا ہے''۔ (تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۱۵۵۔۱۵۷، ملتقطاً وموضحاً ومخرجاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (یاد کیجئے!) جب ابراہیم اور اسماعیل خانہ (کعبہ) کی بنیادیں اٹھا رہے تھے (اور یہ دعا کر رہے تھے:) اے ہمارے رب! ہم سے (اس کو) قبول فرمایئے، بے شک آپ (سب کچھ) سننے والے (سب کچھ) جاننے والے ہیں O'' (البقرہ: ۱۲۷)

علامہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی التوفی ۷۱۰ھ البقرہ: ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ'': ''اَلْقَوَاعِد'' قاعدة کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: بنیاد اور اوپر کی عمارت کی اصل، اور بنیاد اٹھانے کا معنی ہے کہ وہ اس کے اوپر کعبہ کی عمارت تعمیر کر رہے تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام بنیاد رکھ رہے تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام ان کو پتھر لا لا کر دے رہے تھے۔

کسی عبادت کو کرنے کے بعد اس کے قبول کیے جانے کی دعا کرنا

''رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝'': یعنی حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کعبہ کی بنیادیں اٹھاتے ہوئے یہ دعا کر رہے تھے: اے اللہ! اس گھر کی تعمیر کی وجہ سے ہمیں اپنا مقرّب بنا لیجئے، بے شک آپ ہماری دعا کو سننے والے اور ہمارے دلوں کے حال اور ہماری نیت کے اخلاص کو جاننے والے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ہمارے رب! ہم دونوں کو اپنا (مزید) فرمانبردار بنا دیں اور ہماری اولاد میں سے اپنی ایک فرمانبردار امت بنا دیں اور ہم کو ہمارے حج کے احکام کی تعلیم دیں اور ہم پر اپنی رحمت سے توجہ فرمائیں، بے شک آپ بہت توجہ فرمانے والے اور بہت مہربان ہیں O'' (البقرہ: ۱۲۸)

''رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ'': آپ ہم دونوں کو اپنے لیے اخلاص پر برقرار رکھیں یا ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار رکھیں، یا ہمارے اخلاص اور ہمارے یقین میں دوام اور ترقی عطا فرمائیں۔

''وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ'': یہ ''مِنْ'' تبعیض کے لیے ہے یعنی ہماری امت (میں سے اولادِ اسماعیل) کے بعض افراد کو اپنے لیے اسلام پر قائم رکھیں، دوسرا قول یہ ہے کہ امت سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہے، حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل

علیہ السلام نے اپنی اولاد کے لیے خصوصیت کے ساتھ دعا کی، کیونکہ ان کی اولاد دوسروں کی بہ نسبت ان کی شفقت کی زیادہ مستحق تھی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ہمارے رب! اور اِن میں ان ہی میں سے ایک (عظیم) رسول بھیج دیں جو اِن پر آپ کی آیات کی تلاوت کرے اور اِنہیں قرآن اور سنت کی تعلیم دے اور اِن کے باطن کو پاک کرے، بے شک آپ بہت زبردست بہت حکمت والے ہیںO'' (البقرہ:۱۲۹)

''رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ'': حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی دعا فرمائی:

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا جب حضرت آدم علیہ السلام اپنی مٹی کے پتلے میں تھے اور میں تمہیں اپنی ابتداء کی خبر دیتا ہوں، میں حضرت ابراہیم کی دعا ہوں اور حضرت عیسیٰ کی بشارت ہوں اور میں اپنی ماں کا وہ خواب ہوں جو انہوں نے اس وقت دیکھا تھا جب میں اُن سے پیدا ہوا تھا اور اُن سے ایک نور نکلا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔

(شرح السنہ:۳۶۲۶، مسند احمد:۱۶۷۰۰، ۱۶۷۰۱، ج ۴ ص ۱۲۷، صحیح ابن حبان:۶۴۰۴، المستدرک ج ۲ ص ۶۰۰، مسند البزار:۲۳۶۵)

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی کہ اے میرے رب! آپ اس امتِ مسلمہ میں سے اس عظیم رسول کو مبعوث فرمادیں۔

''يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ'': جو اِن لوگوں پر آپ کی آیات کی تلاوت کریں اور آپ کی توحید کے وہ دلائل پیش کریں جن کی آپ نے میری طرف وحی فرمائی ہے، اور انہیں قرآن مجید کی تعلیم دیں اور سنت اور فہمِ قرآن کی تعلیم دیں اور ان کو شرک اور باقی نجاستوں سے پاک کردیں، بے شک آپ بہت غالب اور بہت حکمت والے ہیں۔

(مدارک التنزیل ج ۱ ص ۱۲۸۔۱۳۱، موضحاً و مخرجاً، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعائے مذکور کا ان کی اولادِ اسماعیل کے حق میں قبول ہونا

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيمُ لِاَبِيهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِي بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ ﴿۲۶﴾ اِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَاِنَّهٗ سَيَهْدِينِ ﴿۲۷﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِي عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۲۸﴾ (الزخرف:۲۶۔۲۸)

اور (اے رسولِ اکرم! یاد کیجئے) جب ابراہیم نے اپنے (عُرفی) باپ اور اپنی قوم سے کہا: بے شک میں اُن بتوں سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہوO ہاں میں اس کی عبادت کرتا ہوں جس نے مجھے پیدا کیا ہے، پھر وہی میری رہنمائی فرماتا ہےO اور انہوں نے اس (عقیدۂ توحید) کو اپنی نسل میں باقی رہنے والا عقیدہ بنادیا تاکہ (مشرکین آئندہ بھی اسی عقیدہ توحید کی طرف رجوع کرتے رہیںO

اس آیت مبارکہ میں یہ تصریح ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد عقیدۂ توحید پر قائم اور باقی رہی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے والدین کریمین اسی نسل سے اسی عقیدہ پر پیدا ہوئے، مقاتل نے کہا: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الجمعہ میں آپ کی اس دعا کو قبول فرمایا، چنانچہ ارشاد فرمایا: ''هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ (الجمعہ:۲)''۔ میرے فاضل دوست عالمی محقق علامہ عبدالمجید (برسٹل زید علمہٗ وشرفہٗ) نے (مورخہ 22 جون 2014ء) کو مجھے ٹیلیفون پر بتایا کہ اس آیت میں والدین کریمین کے ایمان کی دلیل ہے، اس کی مکمل تفصیل اور تحقیق ہم ان شاء اللہ الشعراء:۲۱۸ کی تفسیر میں کریں گے۔

وَ مَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَ لَقَدِ اصْطَفَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا ۚ وَ اِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۳۰﴾

اور ابراہیم کی ملت سے اس کے سوا کون اعراض کرے گا جس نے اپنے آپ کو جہالت میں مبتلاء کر لیا ہو؟ اور ہم نے ان کو دنیا میں برگزیدہ بنالیا ہے اور بے شک وہ آخرت میں بھی ضرور صالحین میں سے ہیںO

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۳۱﴾

(اے رسول اکرم! یاد کیجئے) جب ابراہیم سے ان کے رب نے فرمایا: اسلام لاؤ! تو انہوں نے کہا: میں رب العالمین کے لیے اسلام لے آیاO

وَ وَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِیْهِ وَ یَعْقُوْبُ ؕ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ؕ﴿۱۳۲﴾

اور ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اسی دین کی وصیت کی اور یعقوب نے (بھی اسی دین کی وصیت کی) کہ اے میرے بیٹو! بے شک اللہ نے تمہارے لیے اس دین کو منتخب فرمالیا ہے، سو تم تابہ وقتِ مرگ اسلام پر ہی قائم رہناO

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِیْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآىٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾

کیا تم اس وقت حاضر تھے جب یعقوب پر موت آئی تھی جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا: تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ ان کے بیٹوں نے کہا: ہم آپ کے معبود اور آپ کے آباء واجداد ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے، اسی معبودِ واحد کی اور ہم سب اس کے فرماں بردار ہیںO

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَ لَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾

وہ ایک امت تھی جو گزر چکی ہے، اس کے لیے ان کاموں کی جزا ہے جو اس نے کئے اور تمہارے لیے ان کاموں کی جزا ہے جو تم کرو گے اور تم سے ان کے کیے ہوئے کاموں کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا O

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾

اور اہلِ کتاب نے کہا: یہودی یا نصرانی ہو جاؤ تو تم ہدایت پا جاؤ گے، آپ کہیے: (نہیں!) ہم نے ابراہیم کی ملت کو اختیار کیا ہے جو ہر باطل سے اعراض کرنے والے تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے O

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

اے مسلمانو! تم کہو: ہم اللہ پر ایمان لائے اور ان تمام آیات پر جو ہماری طرف نازل کی گئی ہیں اور ان آیات پر ایمان لائے جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل کی گئیں اور ان احکام پر ایمان لائے جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دیے گئے، اور ان احکام پر ایمان لائے جو (تمام) نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیے گئے، ہم ان رسولوں میں سے کسی ایک کے درمیان (ایمان لانے میں) فرق نہیں کرتے اور ہم اسی رب کے فرماں بردار ہیں O

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾

پھر اگر وہ (اہلِ کتاب) اس طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو بے شک وہ ہدایت یافتہ ہیں اور اگر انہوں نے (اس سے) پیٹھ پھیری تو وہ صرف (تمہاری) مخالفت میں (ایسا کر رہے ہیں)، پس (اے رسولِ مکرم!) عنقریب اللہ آپ کو ان کے شر سے کافی ہوگا، وہ (سب کچھ) سننے والا (سب کچھ) جاننے والا ہے O

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

(اے مسلمانو! تم کہو: ہم نے خود کو) اللہ کے دین کے رنگ میں رنگ لیا، اور اللہ کے دین کے رنگ سے کس کا رنگ بہتر ہوگا؟ اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں O

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ

وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾

آپ کہیے: کیا تم اللہ کے متعلق ہم سے جھگڑ رہے ہو حالانکہ وہ ہمارا (بھی) رب ہے اور تمہارا (بھی) رب ہے، اور ہمارے (اجر) کے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے (اجر) کے لیے تمہارے اعمال ہیں اور ہم اسی کی اخلاص سے عبادت کرنے والے ہیں O

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾

(اے بنی اسرائیل!) کیا تم یہ کہتے ہو کہ بے شک ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد (سب) یہودی تھے یا نصرانی تھے؟ آپ کہیے: کیا تم زیادہ جاننے والے ہو یا اللہ (زیادہ جاننے والا ہے)، اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اس شہادت کو چھپائے جو اس کے پاس اللہ کی طرف سے پہنچ چکی ہے؟ اور اللہ تمہارے کرتوتوں سے بے خبر نہیں ہیں O

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾ ع

وہ ایک امت تھی جو گزر چکی ہے، اس کے لیے ان کاموں کا اجر ہے جو اس نے کیے اور تمہارے لیے ان کاموں کا اجر ہوگا جو تم کرو گے اور تم سے ان کے کیے ہوئے کاموں کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ابراہیم کی ملت سے اس کے سوا کون اعراض کرے گا جس نے اپنے آپ کو جہالت میں مبتلاء کرلیا ہو؟ اور ہم نے ان کو دنیا میں برگزیدہ بنالیا ہے اور بے شک وہ آخرت میں بھی ضرور صالحین میں سے ہیں O (اے رسول اکرم! یاد کیجئے) جب ابراہیم سے ان کے رب نے فرمایا: اسلام لاؤ! تو انہوں نے کہا: میں رب العالمین کے لیے اسلام لے آیا O'' (البقرہ: ۱۳۰_۱۳۱)

ملت کے معنی کے متعلق متعدد اقوال

امام ابومنصور محمد بن محمد الماتریدی الحنفی المتوفی ۳۳۳ھ البقرہ: ۱۳۰_۱۳۱، کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ'': الملّة کا ایک معنی ہے ''الدین'' الملّة کا دوسرا معنی ہے ''السنّة'' حدیث میں ہے: ''بسم اللہ وعلی ملّةِ رسولِ اللہ''۔

(مسند احمد: ۵۳۴۷، ج ۲ ص ۶۹، السنن الکبریٰ للنسائی ج ۶ ص ۲۶۸، صحیح ابن حبان: ۳۱۱۰، مسند ابویعلی: ۵۷۵۵، المستدرک ج ۱ ص ۳۶۶)

اور ''الملّة'' کا تیسرا معنی ہے ''الاسلام''۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حُسنِ خاتمہ کی بشارت

''وَلَقَدِ اصۡطَفَيۡنٰهُ فِى الدُّنۡيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيۡنَ'': یعنی دنیا میں ہم نے ابراہیم کو نبوت اور رسالت کے ساتھ منتخب کیا اور دنیا میں لوگوں کی زبان پر اُن کی تحسین اور ثنا جاری کی اور آخرت میں اُن کے اجر میں کوئی کمی نہیں کی۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اُن کو دنیا میں یہ بشارت دی کہ وہ آخرت میں صالحین میں سے ہوں گے، اور اس میں اُن کے حُسنِ خاتمہ کی بشارت ہے جیسا کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں یہ بشارت دی:

لِيَغۡفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ ۔ (الفتح: ۲) تا کہ اللہ آپ کے لیے آپ کے تمام اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) خلافِ اولیٰ سب کام معاف فرمادے۔

اور اس آیت میں بھی آپ کے حُسنِ خاتمہ کی بشارت ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اسلام لانے کا حکم دینے کی متعدد توجیہات

''اِذۡ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسۡلِمۡ ۙ قَالَ اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ'': حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے ہی مسلمان تھے، پھر اُن کو اسلام لانے کا کیوں حکم دیا، اس کی حسبِ ذیل توجیہات ہیں:

(۱) اس سے مراد آپ کی تخلیق کے وقت کا اسلام ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ ؕ قَالُوۡا بَلٰى (الاعراف: ۱۷۲)'' (اللہ نے فرمایا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا: کیوں نہیں! ضرور ہیں)۔

(۲) اس سے مراد اُن کا ابتداءً اسلام لانا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فَلَمَّا جَنَّ عَلَيۡهِ الَّيۡلُ رَاٰ كَوۡكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّىۡ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الۡاٰفِلِيۡنَ ۝ ۔۔۔ (الانعام: ۷۶)'' (پھر جب اُن (ابراہیم) پر رات کی تاریکی چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا، انہوں نے کہا: یہی میرا رب ہے؟ پھر جب وہ ستارہ ڈوب گیا تو انہوں نے کہا: میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا O)، ''فَلَمَّا رَاَ الۡقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّىۡ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَئِنۡ لَّمۡ يَهۡدِنِىۡ رَبِّىۡ لَاَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡقَوۡمِ الضَّآلِّيۡنَ ۝ ۔۔ (الانعام: ۷۷)'' (پھر جب انہوں نے چاند کو چمکتا ہوا دیکھا تو کہا: یہی میرا رب ہے؟ پھر جب وہ غروب ہوگیا تو انہوں نے کہا: اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ کرتا رہتا تو میں (بھی) ضرور گمراہ لوگوں میں سے ہوجاتا O)، ''فَلَمَّا رَاَ الشَّمۡسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّىۡ هٰذَاۤ اَكۡبَرُ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَتۡ قَالَ يٰقَوۡمِ اِنِّىۡ بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تُشۡرِكُوۡنَ ۝ اِنِّىۡ وَجَّهۡتُ وَجۡهِىَ لِلَّذِىۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ حَنِيۡفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ۝ (الانعام: ۷۸-۷۹)'' (پھر جب انہوں نے سورج کو جگمگاتے ہوئے دیکھا تو کہا: یہی میرا رب ہے؟ یہ (ان سب سے) بڑا ہے، پھر جب وہ بھی غروب ہوگیا تو انہوں نے کہا: اے میرے مخاطب لوگو! بے شک میں اس سے بیزار ہوں جس کو تم (اللہ کا) شریک قرار دیتے ہو O بے شک میں نے ہر ایک سے اعراض کرکے اپنا رُخ (صرف) اس ذات کی طرف کرلیا ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں O''۔

(۳) اس سے مراد تجدیدِ اسلام ہے، جس طرح ہر تازہ نعمت کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر واجب ہوتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی قدرت پر ہر نئی نشانی کو دیکھ کر اس پر اسلام لانا واجب ہوتا ہے۔

(۴) اس سے مراد اسلام پر دوام اور استمرار ہے، یعنی میں تا دمِ مرگ اسلام پر قائم رہوں گا۔

(تاویلات اہل السنۃ ج ۱ ص ۵۷۴۔۵۷۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اسی دین کی وصیت کی اور یعقوب نے (بھی اسی دین کی وصیت کی) کہ اے میرے بیٹو! بے شک اللہ نے تمہارے لیے اس دین کو منتخب فرمالیا ہے، سوتم تا بہ وقتِ مرگ اسلام پر ہی قائم رہنا O کیا تم اس وقت حاضر تھے جب یعقوب پر موت آئی تھی جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا: تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ ان کے بیٹوں نے کہا: ہم آپ کے معبود اور آپ کے آباء واجداد ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے، اسی معبودِ واحد کی اور ہم سب اس کے فرماں بردار ہیں O'' (البقرہ: ۲ ۱۳۲۔۱۳۳)

یہودِ مدینہ کے اس دعویٰ کا رد کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو یہودیت کی وصیت کی تھی

امام ابواللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، البقرہ: ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ'': کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت اپنے تمام بیٹوں کو جمع کیا اور ان کو یہ وصیت کی کہ وہ ہمیشہ اسلام پر قائم رہیں گے، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ خطرہ تھا کہ کہیں ابلیس ان کے خلاف سازش نہ کرے۔ مقاتل نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چاروں بیٹوں اسماعیل، اسحاق، مدین اور مداین کو جمع کیا، پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بارہ (۱۲) بیٹوں کو وصیت کی: (۱) روبیل (۲) شمعون (۳) یہوذا (۴) لاویٰ (۵) نفتال (۶) ریالون (۷) یشجر (۸) ودان (۹) اشترفیاحان (۱۰) حان (۱۱) یوسف (۱۲) بنیامین۔

''يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ'': یعنی اے میرے بیٹو! اللہ عزوجل نے تمہارے لیے دینِ اسلام کو اختیار فرمالیا ہے۔

''فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ'': یعنی تم تمام حیات اسلام پر قائم رہنا، اور جب تم پر موت آئے تو وہ حالتِ اسلام اور عقیدۂ توحید پر آئے۔

اور یہودِ مدینہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا: کیا آپ کو معلوم نہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت اپنے بیٹوں کو یہودیت پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی؟ تب اللہ عزوجل نے اس کے رد میں فرمایا:

''اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ'': یعنی کیا تم یعقوب کی وفات کے وقت حاضر تھے؟ تم کس طرح یہ دعویٰ کرتے ہو کہ یعقوب نے وفات کے وقت اپنے بیٹوں کو یہودیت کی وصیت کی تھی، کیا تم یعقوب کی وفات کے وقت ان کے پاس حاضر تھے یا تم بغیر علم کے ایک دعویٰ کر رہے ہو؟

''اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِىْ'': جب یعقوب نے اپنے بیٹوں سے کہا: تم میری وفات کے بعد کس کی عبادت کرو گے؟۔

''قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ'': ان کے بیٹوں نے کہا: ہم آپ کے معبود اور آپ کے آباء

واجداد ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے۔ حضرت یعقوب کے آباء میں سے حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق ہیں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے چچا تھے، لیکن اس آیت میں ان کو بھی حضرت یعقوب کے آباء میں سے شمار فرمایا ہے، کیونکہ چچا بھی باپ کے درجہ میں ہوتا ہے، حدیث میں ہے: ''اِنَّمَا عَمُّ الرَّجُلِ صِنْوُ اَبِیْهِ'' (مرد کا چچا بھی اس کے باپ کے درجہ میں ہوتا ہے)۔ (صحیح البخاری: ۱۴۶۸، صحیح مسلم: ۹۸۳، سنن ابوداؤد: ۱۶۲۳، سنن نسائی ج ۵ ص ۳۳، صحیح ابن حبان: ۳۲۷۳، سنن الدارقطنی ج ۲ ص ۱۲۳، شرح السنۃ: ۱۵۷۸، سنن بیہقی: ج ۶ ص ۱۶۴۔۱۶۵)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وہ ایک امت تھی جو گزر چکی ہے اس کے لیے ان کاموں کی جزا ہے جو اس نے کئے اور تمہارے لیے ان کاموں کی جزا ہے جو تم کرو گے اور تم سے ان کے کیے ہوئے کاموں کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا O'' (البقرہ: ۱۳۴)

یعنی وہ جماعت گزر چکی ہے، انہوں نے خیر اور شر کے جو کام کئے اس جماعت کو اس کی جزا ملے گی اور تم جو کام کرو گے تم کو ان کاموں کی جزا ملے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ (الزلزال: ۷۔۸)

سو جو ایک ذرہ کے برابر بھی نیکی کرے گا وہ اس کی جزا پائے گا O اور جو ایک ذرہ کے برابر بھی گناہ کرے گا وہ اس کی سزا پائے گا O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اہل کتاب نے کہا: یہودی یا نصرانی ہو جاؤ تو تم ہدایت پا جاؤ گے، آپ کہیے: (نہیں!) ہم نے ابراہیم کی ملت کو اختیار کیا ہے جو ہر باطل سے اعراض کرنے والے تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے O'' (البقرہ: ۱۳۵)

''وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا'': یعنی یہودِ مدینہ اور نصاریٰ اہل نجران نے باہم جھگڑا کیا، پس ان میں سے ہر فریق نے کہا کہ ہمارا دین زیادہ صحیح ہے اور ہمارے نبی زیادہ افضل ہیں، پھر انہوں نے اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا، پس پوچھا: ہم میں سے کون افضل ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر فریق باطل پر ہے، تو انہوں نے آپ سے اعراض کیا، اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں فرمایا:

''قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ'': یعنی تم ہمیں یہودیت یا نصرانیت کی دعوت دیتے ہو، ہم ان میں سے کسی کی پیروی نہیں کریں گے بلکہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی پیروی کریں گے جو تمام باطل ادیان سے اعراض کرنے والے تھے۔ اس آیت میں ''حَنِيْفًا'' کا لفظ ہے، زُجاج نے کہا: ''حَنَف'' کا معنی ہے: جب مرد کی تمام انگلیاں سیدھی ہوں اور کسی طرف مڑی ہوئی نہ ہوں، اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام دینِ اسلام کی طرف متوجہ تھے اور باقی تمام ادیان میں سے کسی دین کی طرف مائل نہیں تھے۔ (تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۱۵۹۔۱۶۱، موضحاً و مخرجاً، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے مسلمانو! تم کہو: ہم اللہ پر ایمان لائے اور ان تمام آیات پر جو ہماری طرف

نازل کی گئی ہیں اور ان آیات پر ایمان لائے جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل کی گئیں اور ان احکام پر ایمان لائے جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دیے گئے، اور ان احکام پر ایمان لائے جو (تمام) نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیے گئے، ہم ان رسولوں میں سے کسی ایک کے درمیان (ایمان لانے میں) فرق نہیں کرتے اور ہم اسی رب کے فرماں بردار ہیں O'' (البقرہ: ١٣٦)

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی المتوفی ٧١٠ھ البقرہ: ١٣٦، ١٣٧، ١٣٨ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ'':

''الْاَسْبَاط'' سِبط کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے نواسا، اور حضرت الحسن اور حضرت الحسین رضی اللہ عنہما دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے تھے، اور یہاں مراد ہے حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ (١٢) بیٹوں کی اولاد یعنی ان کے پوتے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر اگر وہ (اہلِ کتاب) اس طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو بے شک وہ ہدایت یافتہ ہیں اور اگر انہوں نے (اس سے) پیٹھ پھیری تو وہ صرف (تمہاری) مخالفت میں (ایسا کر رہے ہیں)، پس (اے رسولِ مکرم!) عنقریب اللہ آپ کو ان کے شر سے کافی ہوگا، وہ (سب کچھ) سننے والا (سب کچھ) جاننے والا ہے O'' (البقرہ: ١٣٧)

البقرہ: ١٣٧ پر اس اشکال کا جواب کہ اس آیت سے اللہ کی مثل کا ہونا لازم آتا ہے

''فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا'': اس آیت کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اگر بنی اسرائیل اس کی مثل پر ایمان لے آئے جس پر تم ایمان لائے ہو تو وہ ہدایت یافتہ ہوں گے، اس پر یہ اشکال ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے تھے تو اس کی مثل پر ایمان لانے کا معنی یہ ہے کہ بنی اسرائیل اللہ کی مثل پر ایمان لائیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی تو کوئی مثل نہیں ہے، ارشادِ باری ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (الشوریٰ: ١١) اس (اللہ) کی مثل کوئی چیز نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ''باء'' زائدہ ہے اور مثل کا لفظ مصدر محذوف کی صفت ہے اور اصل عبارت یوں ہے ''فَاِنْ اٰمَنُوْا اِيْمَانًا مِّثْلَ اِيْمَانِكُمْ'' یعنی اگر وہ تمہارے ایمان کی مثل ایمان لائے تو وہ ہدایت یافتہ ہوں گے، اور ''باء'' کا زائدہ ہونا بعید نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا۔ (یونس: ٢٧)'' اور اصل عبارت یوں ہے ''جَزَاءُ سَيِّئَةٍ مِّثْلُهَا'' یعنی برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا ہے: ''وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا۔ (الشوریٰ: ٤٠)''۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ''مِثْل'' کا لفظ زائد ہے، اس کی تائید حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت سے ہوتی ہے، انہوں نے اس آیت کو یوں پڑھا: ''فَاِنْ اٰمَنْتُمْ بِمَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ'' اور تیسرا جواب یہ ہے کہ ''مَا'' ''الَّذِی'' کے معنی میں ہے، اس کی تائید حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت سے ہوتی ہے، انہوں نے اس آیت کو اس طرح پڑھا: ''فَاِنْ اٰمَنُوْا بِالَّذِیْ اٰمَنْتُمْ بِهٖ''۔

''وَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّمَا هُمۡ فِىۡ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكۡفِيۡكَهُمُ اللّٰهُ '': یعنی اگر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کی شہادت دینے سے پیٹھ پھیری اور اسلام میں داخل ہونے سے انکار کیا تو یہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دینِ اسلام کی مخالفت کی وجہ سے ہے۔

اور اللہ تعالیٰ عنقریب ان سے آپ کا بدلہ لے گا اور اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل میں سے بنو قریظہ کو قتل کر کے اور بنو نضیر کو مدینہ بدر کر کے اس وعدہ کو پورا فرمایا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے مسلمانو! تم کہو: ہم نے خود کو) اللہ کے (دین کے) رنگ میں رنگ لیا، اور اللہ کے (دین کے رنگ) سے کس کا رنگ بہتر ہوگا؟ اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں O'' (البقرہ:۱۳۸)

''صِبۡغَةَ اللّٰهِ'' کا معنی اور عیسائیوں کے ''بپتسمہ'' کا بیان

''صِبۡغَةَ اللّٰهِ'': اس سے مراد اللہ کا دین ہے، اور یہ ''صبغ'' کا اس طرح مفعول ہے جس طرح ''جَلَسَ'' کا مفعول ''الجلسة'' ہے، اس سے مراد وہ حالت اور وہ کیفیت ہے جو رنگنے سے پیدا ہوتی ہے، اور اس کا معنی ہے ''تطہیر اللہ'' یعنی اللہ تعالیٰ کا پاک کرنا، کیونکہ اللہ پر ایمان، جانوں کو پاک کرتا ہے اور اس کی اصل یہ ہے کہ نصاریٰ اپنی اولاد کو زرد رنگ کے پانی میں ڈبو دیتے تھے اور اس کا نام ''المعمودية'' رکھتے تھے اور کہتے تھے: یہ ان کی تطہیر ہے، اور جب کوئی شخص اپنے بیٹے کے ساتھ اس طرح کرتا تو کہتے تھے کہ اب یہ سچا نصرانی ہو گیا ہے، لہٰذا مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ عیسائیوں سے کہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایمان کے رنگ سے رنگ دیا اور ہم اپنے آپ کو تمہارے رنگ کے ساتھ نہیں رنگتے، یہاں پر ''الصِبغة'' کا لفظ اس لیے لایا گیا ہے کہ نصاریٰ بھی اپنے لیے ''الصِبغة'' کا لفظ استعمال کرتے تھے اور اس کو ''بپتسمہ'' کہتے تھے۔

جب حضرت عیسیٰ کی عمر تیس (۳۰) سال کی ہوئی (البدایہ ج ۲ ص ۸۷، عرائس المجالس ج ۲ ص ۲۸) تو ان پر نزولِ وحی کا آغاز ہوا اور ابنِ کثیر (البدایہ ج ۲ ص ۸۷) کے مطابق یہ اٹھارہ (۱۸) رمضان المبارک کی رات تھی۔ حضرت عیسیٰ نے حضرت یحییٰ علیہم السلام سے اصطباغ (بپتسمہ) لیا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ تک تنہا یہودیہ کے جنگل کی سیاحت کرتے ہوئے گزارا، اسی سیاحت کے دوران میں ان پر پہلی وحی نازل ہوئی۔ (انجیل متی باب ۳ آیت ۱۳ تا ۱۷)۔

(مدارک التنزیل ج ۱ ص ۱۳۳۔۱۳۵، ملتقطا وموضحا، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''آپ کہیے: کیا تم اللہ کے متعلق ہم سے جھگڑ رہے ہو حالانکہ وہ ہمارا (بھی) رب ہے اور تمہارا (بھی) رب ہے، اور ہمارے (اجر) کے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے (اجر) کے لیے تمہارے اعمال ہیں اور ہم اسی کی اخلاص سے عبادت کرنے والے ہیں O'' (البقرہ:۱۳۹)

قاضی ابو سعود محمد بن محمد بن مصطفیٰ العمادی الحنفی المتوفی ۹۸۲ھ البقرہ: ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں عام خطاب کے بعد خصوصیت کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے، اور اس آیت میں ہمزہ انکار اور زجر و توبیخ کے لیے ہے، یعنی آپ کہیے: کہ تم ہم سے اللہ کے دین کے متعلق جھگڑا کر رہے ہو اور تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ دینِ حق یہودیت اور نصرانیت ہے، اور تم اسی پر اپنے ہدایت یافتہ ہونے اور استحقاقِ جنت کا مدار رکھتے ہو، اور کبھی کہتے ہو ''لَنۡ يَّدۡخُلَ الۡجَـنَّةَ اِلَّا مَنۡ

كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى "(یہودی یا نصرانی کے سوا جنت میں ہرگز کوئی داخل نہیں ہوگا)، اور کبھی کہتے ہو" كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا "(یہودی یا نصرانی ہوجاؤ تو تم ہدایت پا جاؤ گے)۔

"وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ ": یعنی تمہارے ہم سے جھگڑے کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ اللہ ہمارا اور تمہارا مالک ہے اور ہم نے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق نیک عمل کئے ہیں ان کا ہمیں اجر ملے گا اور تم نے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف برے عمل کئے ہیں اس کی تم کو سزا ملے گی، اور ہم اپنے نیک اعمال میں صرف اللہ عزوجل کی رضا کو طلب کرتے ہیں، پس تم ہم سے کیوں جھگڑا کرتے ہو اور یہ دعویٰ کیوں کرتے ہو کہ تم ہی جنت کے مستحق ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "(اے بنی اسرائیل!) کیا تم یہ کہتے ہو کہ بے شک ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد (سب) یہودی تھے یا نصرانی تھے؟ آپ کہیے: کیا تم زیادہ جاننے والے ہو یا اللہ (زیادہ جاننے والا ہے)، اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اس شہادت کو چھپائے جو اس کے پاس اللہ کی طرف سے پہنچ چکی ہے؟ اور اللہ تمہارے کرتوتوں سے بے خبر نہیں ہے O" (البقرہ: ۱۴۰)

"اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ":

جس طرح تمہارا یہ دعویٰ غلط ہے کہ تم ہی جنت کے مستحق ہو، اسی طرح تمہارا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام وغیرہ یہودی یا نصرانی تھے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا (آل عمران: ۶۷) — ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے لیکن وہ ہر باطل طریقہ سے مجتنب حق کی طرف مائل مسلمان تھے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر یہ دلیل قائم فرمائی:

وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۵﴾ (آل عمران: ۶۵) — حالانکہ تورات اور انجیل تو ابراہیم کے بعد نازل کی گئی ہیں، کیا تمہیں اتنی بھی سمجھ نہیں؟ O

جب حضرت ابراہیم تورات اور انجیل پر مقدم تھے تو وہ یہودی اور عیسائی کیسے ہوسکتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "وہ ایک امت تھی جو گزر چکی ہے، اس کے لیے ان کاموں کا اجر ہے جو اس نے کئے اور تمہارے لیے ان کاموں کا اجر ہوگا جو تم کرو گے اور تم سے ان کے کیے ہوئے کاموں کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا O" (البقرہ: ۱۴۱)

اس آیت کی تفسیر البقرہ: ۱۳۴ میں گزر چکی ہے۔ (تفسیر ابو سعود ج ۱ ص ۲۰۷۔۲۰۹، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ)

سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾

عنقریب لوگوں میں سے بے وقوف یہ کہیں گے کہ ان (مسلمانوں) کو اُس قبلہ (بیت المقدس) سے کس نے پھیر دیا جس پر وہ اب تک (قائم) تھے، آپ کہیے: مشرق اور مغرب اللہ ہی کی ملکیت ہیں، وہ جسے چاہتے ہیں سیدھے راستہ کی طرف چلاتے ہیں O

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾

اور (اے مسلمانو!) اسی طرح ہم نے تم کو بہترین امت بنایا ہے تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ، اور یہ رسول بھی تمہارے حق میں گواہ ہوں، اور (اے رسولِ اکرم!) آپ پہلے جس قبلہ پر قائم تھے اس کو ہم نے اسی لیے مقرر فرمایا تھا تا کہ جو لوگ رسول کی پیروی کرتے ہیں ان کو ہم ان لوگوں سے ممتاز کر کے ظاہر فرمادیں جو اپنی ایڑیوں پر واپس پلٹ جاتے ہیں، اور بے شک یہ (تحویلِ قبلہ) ضرور بہت بھاری ہے سوا ان لوگوں کے جن کو اللہ نے ہدایت عطا فرمائی، اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ تمہارے ایمان کو ضائع فرمادیں، بے شک اللہ لوگوں پر ضرور بہت مہربان بے حد رحم فرمانے والے ہیں O

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

بے شک ہم آپ کے چہرہ کا (بار بار) آسمان کی طرف پھرنا دیکھ رہے ہیں، لہٰذا ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف ضرور پھیر دیں گے جس پر آپ راضی ہیں، سو (اب) آپ اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں، اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو تو اپنے چہروں کو اسی قبلہ کی طرف پھیر لو، اور بے شک اہلِ کتاب ضرور جانتے ہیں کہ یہ (تحویلِ قبلہ) یقیناً ان کے رب کی طرف سے برحق ہے اور اللہ ان کی کارروائیوں سے بے خبر نہیں ہیں O

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا

جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۴۵﴾

اور (اے رسولِ اکرم!) اگر آپ اہلِ کتاب کے پاس (تحویلِ قبلہ کے برحق ہونے پر) ہر ہر دلیل بھی لے آئیں تو وہ آپ کے قبلہ کی پیروی نہیں کریں گے اور نہ آپ ان کے قبلہ کی پیروی کرنے والے ہیں اور نہ وہ (یہود و نصاریٰ) ایک دوسرے کے قبلہ کی پیروی کرنے والے ہیں، اور (اے رسولِ اکرم!) اگر آپ کے پاس (قطعی) علم آنے کے بعد بھی آپ نے (بالفرض) اِن (یہودیوں) کی خواہشات کی پیروی کی تو اس وقت آپ بے شک ضرور ظلم کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے O

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَ اِنَّ فَرِیْقًا مِّنْهُمْ لَیَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾

جن لوگوں کو ہم نے کتاب عطا فرمائی ہے وہ اِس (نبی) کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، اور بے شک اِن (یہودِ مدینہ) میں سے ایک فریق ضرور عمداً حق کو چھپا رہا ہے O

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ﴿۱۴۷﴾ع

(اے رسولِ اکرم!) یہ (تحویلِ قبلہ) آپ کے رب کی طرف سے برحق ہے، سو (بالفرض) آپ (اس کے متعلق) شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''عنقریب لوگوں میں سے بے وقوف یہ کہیں گے کہ اِن (مسلمانوں) کو اُس قبلہ (بیت المقدس) سے کس نے پھیر دیا جس پر وہ اب تک (قائم) تھے، آپ کہیے: مشرق اور مغرب اللہ ہی کی ملکیت ہیں، وہ جسے چاہتے ہیں سیدھے راستہ کی طرف چلاتے ہیں O'' (البقرہ: ۱۴۲)

تحویلِ قبلہ کی مدت

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب پہلے مدینہ میں آئے تو انصار میں سے اپنے نانا یا ماموں کے ہاں ٹھہرے اور آپ نے بیت المقدس کی طرف مونہہ کر کے سولہ یا سترہ مہینے نماز پڑھی اور آپ کو پسند یہ تھا کہ آپ کا قبلہ بیت اللہ کی طرف ہو جائے، اور آپ نے سب سے پہلی جو نماز بیت اللہ کی طرف مونہہ کر کے پڑھی وہ عصر کی نماز تھی اور آپ کے ساتھ چند صحابہ نے بھی نماز پڑھی، پھر جن صحابہ نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی تھی ان میں سے ایک صحابی ایک مسجد والوں کی طرف باہر نکلے اور اہلِ مسجد اس وقت رکوع کر رہے تھے، انہوں نے کہا: میں اللہ کی گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ کی طرف مونہہ کر کے نماز پڑھی ہے، سو وہ لوگ نماز میں ہی بیت اللہ کی طرف گھوم گئے۔ (صحیح البخاری: ۴۰، صحیح مسلم: ۵۲۵، سنن ترمذی: ۲۹۶۲، ۳۴۰) نیز حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: جس وقت لوگ قباء میں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے اس وقت ان کے پاس ایک آنے والا آیا، پس اس نے کہا: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آج رات قرآن نازل کیا گیا اور آپ کو یہ حکم دیا گیا کہ آپ کعبہ کی

طرف مونہہ کریں سو اہلِ مسجد نے گھوم کر کعبہ کی طرف مونہہ کر لیا اور پہلے ان کا مونہہ شام کی طرف تھا۔

(صحیح البخاری: ۴۰۳، صحیح مسلم: ۵۲۶، سنن نسائی: ۷۴۵، موطا امام مالک: ۴۵۸)

امام ابو اللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، البقرہ: ۱۴۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''سَیَقُوۡلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ'': یعنی جاہلوں میں سے یہود اور منافقین نے کہا، اور ایک قول ہے کہ اہلِ مکہ نے کہا۔

''مَا وَلّٰىهُمۡ عَنۡ قِبۡلَتِهِمُ الَّتِیۡ كَانُوۡا عَلَیۡهَا'': یعنی ان مسلمانوں کو اس قبلہ سے کس نے پھیر دیا جس پر وہ پہلے تھے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مدینہ میں آنے سے دو سال پہلے انصار بیت المقدس کی طرف مونہہ کر کے نماز پڑھتے تھے، پس جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مدینہ منورہ ہجرت کر کے تشریف لے آئے تو آپ نے سترہ یا اٹھارہ ماہ بیت المقدس کی طرف مونہہ کر کے نماز پڑھی، پھر آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ کعبہ کی طرف مونہہ کر کے نماز پڑھیں، تب اہلِ مکہ نے کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے ہمارے قبلہ کی طرف رجوع کر لیا، سو عنقریب وہ ہمارے دین کی طرف بھی رجوع کر لیں گے، آپ کہیے: ''لِلّٰهِ الۡمَشۡرِقُ وَالۡمَغۡرِبُ''۔ یعنی بیت المقدس کی طرف مونہہ کر کے نماز پڑھی جائے یا الکعبۃ کی طرف نماز پڑھی جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہے، اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے کعبہ کے قبلہ ہونے کی طرف ہدایت عطا فرماتا ہے۔ اور ابو العالیہ الریاحی نے روایت کی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کعبہ کی طرف مونہہ کر کے نماز پڑھتے تھے، اور یہ تمام انبیاء صلوات اللہ علیہم کا قبلہ ہے۔ (تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۱۶۳۔ ۱۶۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

قرآن سے سنت کے منسوخ ہونے کی دلیل

امام ابو بکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی المتوفی ۳۷۰ھ البقرہ: ۱۴۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت سے اُن علماء نے استدلال کیا ہے جو اس کے قائل ہیں کہ سنت کو قرآنِ مجید سے منسوخ کرنا جائز ہے، کیونکہ نبی علیہ السلام پہلے بیت المقدس کی طرف مونہہ کر کے نماز پڑھتے تھے اور قرآنِ مجید میں اس کا ذکر نہیں ہے، پھر اس حکم کو اس آیت سے منسوخ کر دیا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت سے درجِ ذیل آیت منسوخ کر دی گئی:

فَاَیۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۱۱۵﴾ (البقرہ: ۱۱۵)

لہٰذا تم جس طرف بھی رُخ کرو گے وہیں اللہ کی ذات ہے، بے شک اللہ بہت وسعت والا بے حد علم والے ہیں O

پھر جب کعبہ کی طرف مونہہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

امام ابو بکر جصاص فرماتے ہیں: ہمارے نزدیک یہ حکم منسوخ نہیں ہوا ہے بلکہ یہ حکم اب بھی مستعمل ہے، جب کوئی شخص اپنے اجتہاد سے غیرِ کعبہ کی جہت کی طرف مونہہ کر کے نماز پڑھ لے یا جو شخص سواری پر نماز پڑھے اور اس کا مونہہ غیرِ کعبہ کی طرف ہو تو اس کی نماز صحیح ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی سواری پر نماز پڑھی اور جب البقرہ: ۱۱۵ کو منسوخ قرار دیے بغیر اس پر عمل کرنا ممکن ہے تو ہمارے لیے اس آیت کو منسوخ قرار دینا جائز نہیں ہے۔

(احکام القرآن للجصاص ج ۱ ص ۱۰۴۔ ۱۰۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۴ھ)

تحویلِ قبلہ سے یہود کے انکار کا سبب اور احکام کے منسوخ ہونے کی مشروعیت

امام ابو منصور محمد بن محمد الماتریدی الحنفی المتوفی ۳۳۳ھ البقرہ: ۱۴۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہود نے تحویلِ قبلہ کا اس لیے انکار کیا کیونکہ ان کے نزدیک احکامِ شرعیہ کا منسوخ کرنا جائز نہیں ہے، ان کے نزدیک نسخ سے ''البداء'' لازم آتا ہے، (''البداء'' کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پہلے یہ علم نہ ہو کہ اس حکم میں کیا خرابی ہے، پھر جب اس کو اس خرابی کا علم ہو تو وہ اس حکم کو منسوخ فرمادے یا تبدیل فرمادے، اور اس سے اللہ تعالیٰ کا جہل لازم آتا ہے، اس لیے احکام کو منسوخ ماننا جائز نہیں ہے) ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک نسخ کا معنی ہے: کسی حکمِ شرعی کی انتہاء کی مدت کو بیان کردینا، اور جب وہ مدت ختم ہو جائے تو پھر دوسرا حکم دینا، اور اللہ تعالیٰ کسی مصلحت کی وجہ سے پہلے کسی حکم کی مدت کو بیان نہیں فرماتا اور بعد میں اس حکم کی مدت کو بیان فرما دیتا ہے، لہٰذا احکامِ شرعیہ میں نسخ کو ماننے سے نہ ''البداء'' لازم آتا ہے نہ اللہ تعالیٰ کا جہل لازم آتا ہے۔

(تاویلات اہل السنۃ ج ۱ ص ۵۸۲)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے مسلمانو!) اسی طرح ہم نے تم کو بہترین امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ، اور یہ رسول بھی تمہارے حق میں گواہ ہوں، اور (اے رسولِ اکرم!) آپ پہلے جس قبلہ پر قائم تھے اس کو ہم نے اسی لیے مقرر فرمایا تھا تاکہ جو لوگ رسول کی پیروی کرتے ہیں ان کو ہم ان لوگوں سے ممتاز کر کے ظاہر فرما دیں جو اپنی ایڑیوں پر واپس پلٹ جاتے ہیں، اور بے شک یہ (تحویلِ قبلہ) ضرور بہت بھاری ہے سوا ان لوگوں کے جن کو اللہ نے ہدایت عطا فرمائی، اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ تمہارے ایمان کو ضائع فرما دیں، بے شک اللہ لوگوں پر ضرور بہت مہربان بے حد رحم فرمانے والے ہیں O'' (البقرہ: ۱۴۳)

''اُمتِ وَسَط'' کا معنی اور مصداق

علامہ السید محمود الآلوسی البغدادی الحنفی المتوفی ۱۲۷۰ھ البقرہ: ۱۴۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں امتِ مسلمہ کو امتِ وَسَط فرمایا ہے اور اس سے مراد ہے جو امت سب سے بہتر یا سب سے زیادہ عادل ہو، کیونکہ وَسَط کا معنی ہے: جس کی نسبت دائرہ کی تمام جانبوں کی طرف مساوی ہو جیسے دائرہ کا مرکز، پھر اس کا استعارہ خصالِ محمودہ بشریہ کے لیے کیا گیا ہے، کیونکہ وہ خصال افراط اور تفریط کے درمیان متوسط ہوتی ہیں جیسے اسراف اور بُخل کے درمیان جُود متوسط ہے اور جیسے بزدلی (یعنی دس آدمی مل کر ایک سے بھی نہ لڑ سکیں) اور ''تَہَوُّر'' (جیسے ایک آدمی دس آدمیوں سے لڑنے کے لیے نکل کر خود کو ہلاک کر دے) کے درمیان شجاعت متوسط ہے، اور جیسے ذکاوت اور بلادت کے درمیان حکمت متوسط ہے، اور شہادت میں کیفیتِ متوسطہ یہ ہے کہ انسان کی قوتِ عقلیہ اور قوتِ شہویہ اور قوتِ غضبیہ کامل ہو یعنی اس قوت کا اپنے محل میں استعمال ہو، اور جب کہ بندوں کا علم صرف ظاہر کو محیط ہے اس لیے فقہاء نے کہا کہ شہادت کے باب میں عدالت کا معنی یہ ہے کہ جو انسان گناہِ کبیرہ سے مُجتنب ہو اور گناہِ صغیرہ پر اصرار نہ کرے اور حقوق العباد کی حفاظت کرے تو وہ شخص عادل ہوتا ہے اور شہادت کا اہل ہوتا ہے اور وہ اس لائق ہوتا ہے کہ اس کی شہادت سنی جائے اور اس کی شہادت قبول کی جائے۔ (روح المعانی ج ۲ ص ۶، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

حجیت اجماع پر قرآن مجید سے دلائل

امام ابو منصور محمد بن محمد الماتریدی الحنفی التوفی ۳۳۳ھ البقرہ: ۱۴۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا'':

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے امتِ مسلمہ کو''وَسَط''فرمایا ہے اور''الوَسَط'' کا معنی ہے العدل، سواللہ عزوجل نے یہ خبر دی ہے کہ امتِ مسلمہ عادل ہے یعنی نیک ہے، اور عادل شہادت (گواہی) دینے کا اہل ہوتا ہے اور اس کا مستحق ہوتا ہے کہ اس کی گواہی قبول کی جائے۔ اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس امتِ مسلمہ کے اجماع کو حجت قرار دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس امتِ مسلمہ کو عادل فرمایا ہے اور شہادت کا اہل قرار دیا ہے، پس جب امتِ مسلمہ کے علماء اور مجتہدین کسی حکم پر اجماع اور اتفاق کر لیں اور اس کی شہادت دیں تو اس حکم کو قبول کرنا لازم ہے، اور یہ آیت حجیتِ اجماع پر پہلی دلیل ہے۔

حجیت اجماع پر دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ (التوبۃ:۱۱۹)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور صادقین کے ساتھ ہو جاؤO

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے امتِ مسلمہ کو صادقین قرار دیا ہے، پس وہ اپنے اجتہاد کے ذریعہ قرآن اور حدیث سے جو حکم مستنبط کریں گے ان کا یہ استنباط صادق ہوگا، لہٰذا ان کے استنباط پر عمل کرنا واجب ہوگا۔

حجیت اجماع پر تیسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾ (النساء:۱۱۵)

اور جو کوئی راہِ ہدایت کھل جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرے گا اور مومنین کے راستہ کے علاوہ (کسی اور راستہ کی) پیروی کرے گا (تو) ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرا ہے اور اس کو جہنم میں جھونک دیں گے اور وہ نہایت برا ٹھکانا ہےO

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کے اختیار کردہ طریقہ کے خلاف کو اختیار کرنے پر شدید وعید فرمائی ہے، اور یہ وعید اسی وقت لازم ہوگی جب مومنین کے اختیار کردہ طریقہ پر عمل کرنا واجب ہو، لہٰذا امتِ مسلمہ کے مجتہدین نے اپنے اجتہاد سے جو حکم نکالا اس پر عمل کرنا واجب ہوگا۔

حجیت اجماع پر چوتھی دلیل: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۵۹﴾ (النساء:۵۹)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنوں میں سے صاحبانِ امر کی (اطاعت کرو)، پھر اگر تمہارا کسی حکم میں اختلاف ہو جائے تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دیا کرو اگر تم اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہی بہتر ہے اور (اس کا) انجام (بھی) عمدہ ہےO

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کسی حکم میں اختلاف کے وقت اس حکم کو کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی طرف لوٹانے کو واجب قرار دیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جب امتِ مسلمہ کے مجتہدین کا کسی شرعی حکم میں اختلاف نہ ہو تو اس پر عمل کرنا واجب ہے، اور یہ اجماع کے حجت ہونے کی دلیل ہے۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ا ص ۵۸۴۔۵۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

''لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ'':

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (قیامت کے دن) حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی امت آئے گی، پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تم نے تبلیغ کی تھی؟ حضرت نوح عرض کریں گے: جی ہاں اے میرے رب!، اللہ تعالیٰ ان کی امت سے استفسار فرمائے گا: کیا نوح نے تم کو تبلیغ کی تھی؟ سو وہ کہیں گے: نہیں! ہمارے پاس کوئی نبی نہیں آیا، پس اللہ تعالیٰ حضرت نوح سے ارشاد فرمائے گا: تمہارے حق میں کون گواہی دے گا؟ سو وہ کہیں گے: محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ان کی امت، پس ہم شہادت دیں گے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے تبلیغ کی تھی اور یہی اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے: ''وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا''۔ اور ''الوسط'' کا معنی ہے العدل۔

(صحیح البخاری: ۳۳۳۹، سنن ترمذی: ۲۹۶۱، سنن ابن ماجہ: ۴۲۸۴، مسند احمد: ۱۰۸۹۱)

''وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ'':

البقرہ: ۱۴۳ میں ''اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ'' کے ترجمہ میں بعض مترجمین کی لغزش

(۱) شاہ ولی اللہ دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

''مگر برائے آنکہ بدانیم کسے را کہ پیروی پیغمبر کند جدا از اں کس کہ باز گردد بر بہر دو پاشنہ خود''۔

(۲) شاہ رفیع الدین دہلوی متوفی ۱۲۳۳ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

''مگر تو کہ جانین ہم اوس شخص کو کہ پیروی کرتا ہے رسول کی اوس شخص سے جو پھر جاتا ہے اوپر ایڑیوں اپنی کی''۔

(۳) شاہ عبد القادر دہلوی متوفی ۱۲۳۰ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

''مگر اسے واسطے کہ معلوم کریں کون تابع رہے گا رسول کا اور کون پھر جاویگا اولٹے پاؤں''۔

(قرآن مجید چہار ترجمہ، نور محمد کارخانہ تجارت کتب رودگران، دہلی)

(۴) شیخ فتح محمد جالندھری اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

''کہ معلوم کریں کہ کون (ہمارے) پیغمبر کا تابع رہتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے''۔

(۵) شیخ محمود الحسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

''اور نہیں مقرر کیا تھا ہم نے وہ قبلہ کہ جس پر تو پہلے تھا مگر اس واسطے کہ معلوم کریں کون تابع رہے گا رسول کا اور کون پھر جائے گا الٹے پاؤں''۔ (دار التصنیف لمیٹڈ، شاہراہ لیاقت صدر، کراچی)

(۶) شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

''اور جس سمت قبلہ پر آپ رہ چکے ہیں وہ تو محض اس کے لیے تھا کہ ہم کو معلوم ہو جاوے کہ کون تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع

اختیار کرتا ہے اور کون پیچھے کو ہٹتا جاتا ہے''۔ (تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور، کراچی)

(۷) مشہور غیر مقلد محمد جونا گڑھی اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

''جس قبلہ پر تم پہلے سے تھے اسے ہم نے صرف اس لئے مقرر کیا تھا کہ ہم جان لیں کہ رسول کا سچا تابعدار کون ہے اور کون ہے جو اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جاتا ہے''۔ (شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس)

(۸) دوسرے غیر مقلد شیخ عبد الستار دہلوی نے قرآن مجید کے دو ترجمے کیے ہیں، ایک لفظی اور دوسرا بامحاورہ، ہم دونوں ترجمے پیش کر رہے ہیں:

لفظی ترجمہ: ''اور نہیں کیا تھا ہم نے قبلہ جو تھا تو اوپر اس کے مگر تو کہ جانیں ہم اس شخص کو کہ پیروی کرتا ہے رسول کی اس شخص سے جو پھر جاتا ہے اوپر ایڑھیوں اپنی کے''۔

بامحاورہ ترجمہ: ''اور اس قبلہ کو جس کی طرف تم پہلے متوجہ تھے ہم نے صرف اس لئے مقرر کیا تھا کہ تحویلِ قبلہ کے وقت ہمیں معلوم ہو جائے کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے''۔ (محمدی مسجد، برنس روڈ، کراچی)

(۹) شیخ عبد الماجد دریا آبادی متوفی ۱۹۷۷ء اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

''اور جس قبلہ پر آپ (اب تک) تھے اسے تو ہم نے اسی لیے رکھا تھا کہ ہم پہچان لیں رسول کا اتباع کرنے والوں کو الٹے پاؤں واپس چلے جانے والوں سے''۔ (پاک کمپنی اردو بازار، لاہور)

(۱۰) سر سید احمد خان متوفی ۱۸۹۸ء اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

''اور نہیں مقرر کیا ہم نے اس قبلہ کو جس پر تو تھا بجز اس کے کہ ہم جان لیں اس شخص کو جو پیروی کرتا ہے رسول کی اس شخص سے جو پھر جاتا ہے اپنی ایڑیوں پر''۔ (تفسیر القرآن وھو الھدی والفرقان ج ۱ ص ۱۷۸، سر سید ریسرچ اکیڈمی، لاہور)

مذکورہ تراجم پر مصنف کا تبصرہ

ان تمام تراجم میں بارگاہِ الوہیت کی عظمت، تقدیس اور اللہ جل مجدہٗ کے غیر متناہی علم کا لحاظ نہیں رکھا گیا، ان تراجم سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تحویلِ قبلہ کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کو یہ علم نہیں تھا کہ کون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں کعبہ کو قبلہ قرار دے گا اور کون اپنی ایڑیوں پر پلٹ کر بیت المقدس ہی کو قبلہ مانے گا، اور جب اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو قبلہ بنا دیا تو پھر اس کو علم ہوا کہ کون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے والا ہے اور کون آپ سے انحراف کرنے والا ہے، اس لیے بارگاہِ صمدیت کی ناموس اور اس کے غیر متناہی علوم کی مناسبت سے ہم نے اس آیت کا حسبِ ذیل ترجمہ کیا ہے:

''اور (اے رسولِ اکرم!) آپ پہلے جس قبلہ پر قائم تھے اس کو ہم نے اسی لیے مقرر فرمایا تھا تاکہ جو لوگ رسول کی پیروی کرتے ہیں ان کو ہم ان لوگوں سے ممتاز کر کے ظاہر فرما دیں جو اپنی ایڑیوں پر واپس پلٹ جاتے ہیں''۔

مصنف کے ترجمہ پر ''تدبر قرآن'' سے شہادت

ہمارے اس ترجمہ کی تائید شیخ امین احسن اصلاحی متوفی ۱۹۹۷ء کی درج ذیل تفسیر سے ہوتی ہے:

''عَلِمَ يَعْلَمُ'' کے معنی جس طرح جان لینے اور متعین کر لینے کے ہیں، اسی طرح اس کے معنی ممیز کر دینے، چھانٹ کر الگ کر

دینے اور ظاہر کر دینے کے بھی ہیں مثلاً ''وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ (محمد: ۳۱)'' (اور ہم تمہیں جانچیں گے یہاں تک کہ ظاہر کر دیں تمہارے اندر سے ان لوگوں کو جو جہاد کرنے والے اور ثابت قدم رہنے والے ہیں)، ''اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ (آل عمران: ۱۴۲)'' (کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے تمہارے اندر سے ان لوگوں کو ظاہر نہیں کیا جنہوں نے جہاد کیا)۔

مطلب یہ ہے کہ یہ جو تمہیں بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کی اجازت دے دی گئی تھی تو اس لیے نہیں کہ یہی تمہارا مستقل قبلہ ہے، بلکہ یہ اجازت ایک عارضی اور وقتی اجازت تھی اور مقصود اس اجازت سے یہ تھا کہ پھر اس قبلہ کی تبدیلی تمہارے لیے امتحان کی ایک کسوٹی بنے اور اس کے ذریعہ سے یہ ظاہر کر دیا جائے کہ تمہارے اندر کتنے آدمی ایسے ہیں جو فی الواقع رسول کے پیرو ہیں اور کتنے ایسے ہیں جو رسول سے زیادہ اپنی پچھلی روایات کے پرستار ہیں اور وہ پھر مڑ کر اپنے قدیم دین ہی کی طرف چلے جاتے ہیں۔ (تدبر قرآن ج ۱ ص ۳۶۵، ادارہ فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۲۰۱۲ء)

''وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ'':

امام ابواللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، البقرہ: ۱۴۳ کے اس حصہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی تحویلِ قبلہ ان لوگوں کے سوا سب پر بھاری تھی جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے اسلام پر ثابت قدم رکھا ہے اور ان کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے ساتھ ممتاز اور مشرّف فرمایا ہے اور وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں۔

''وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ'':

صحابہ کرام نے کہا: یارسول اللہ! پس ہمارے وہ بھائی جو کعبہ کو قبلہ بنانے سے پہلے فوت ہو گئے تھے، اللہ تعالیٰ ان کی نمازوں کے ساتھ کیا معاملہ فرمائے گا؟ تب یہ آیت نازل ہوئی یعنی اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں ہے کہ تم نے جو تحویلِ قبلہ سے پہلے نمازیں پڑھی تھیں ان کے اجر کو ضائع فرما دے۔ امام بخاری لکھتے ہیں:

زہیر نے کہا: ہمیں ابواسحاق نے از حضرت البراء رضی اللہ عنہ یہ حدیث بیان کی کہ تحویلِ قبلہ سے پہلے چند مرد فوت ہو گئے اور شہید ہو گئے، پس اب ہم نہیں جانتے کہ ہم ان کے متعلق کیا کہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ۔۔ (البقرہ: ۱۴۳)، (صحیح البخاری: ۴۰)۔ (تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۱۶۴۔۱۶۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک ہم آپ کے چہرہ کا (بار بار) آسمان کی طرف پھرنا دیکھ رہے ہیں، لہٰذا ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف ضرور پھیر دیں گے جس پر آپ راضی ہیں، سو (اب) آپ اپنا چہرہ مسجدِ حرام کی طرف پھیر لیں، اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو تو اپنے چہروں کو اسی قبلہ کی طرف پھیر لو، اور بے شک اہلِ کتاب ضرور جانتے ہیں کہ یہ (تحویلِ قبلہ) یقیناً ان کے رب کی طرف سے برحق ہے اور اللہ ان کی کارروائیوں سے بے خبر نہیں ہیں O'' (البقرہ: ۱۴۴)

امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی النیشاپوری المتوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں:

مفسرین نے کہا ہے: ان دونوں قبلوں میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زیادہ محبوب ''کعبہ'' تھا، کیونکہ وہ آپ کے جدِ کریم حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ تھا، اور اس لیے بھی کہ آپ یہود کی موافقت کو ناپسند فرماتے تھے، پس آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے کہا: میری یہ خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے یہود کے قبلہ سے دوسرے قبلہ کی طرف پھیر دے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: میں تو صرف آپ کی مثل بندہ ہوں اور آپ اپنے رب کے نزدیک نہایت مکرّم ہیں، سو آپ اپنے رب سے دعا کیجئے اور اس سے سوال کیجئے، پھر حضرت جبریل علیہ السلام آسمانوں کی طرف چڑھ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلسل آسمان کی طرف دیکھتے رہے اس امید سے کہ آپ کے پاس حضرت جبریل اس چیز کو لے کر آئیں گے جس کا آپ نے اپنے رب سے سوال کیا ہے، تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: ''قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ '' (بے شک ہم آپ کے چہرہ کا (بار بار) آسمان کی طرف پھرنا دیکھ رہے ہیں، لہٰذا ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف ضرور پھیر دیں گے جس پر آپ راضی ہیں، سو (اب) آپ اپنا چہرہ مسجدِ حرام کی طرف پھیر لیں)۔

(الوسیط فی تفسیر القرآن المجید ج ۱ ص ۲۲۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ، تفسیر ابن عباس ص ۹۰، تفسیر الثوری ص ۵۱، تفسیر الزجاج ج ۱ ص ۲۰۳، اسباب النزول للواحدی ص ۲۹، غرائب النیشاپوری ج ۲ ص ۲۱۔۲۲)

اللہ تعالیٰ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش کو جلد پورا فرمانا

''الوسیط'' کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش تھی کہ کعبہ کو قبلہ بنا دیا جائے، اور اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش کو بہت جلد پورا فرماتا ہے، حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا ''ما اریٰ ربك الا یسارع فی ھواك'' (میں آپ کے رب کے متعلق یہی جانتی ہوں کہ وہ آپ کی خواہش پوری کرنے میں بہت جلدی فرماتا ہے)۔

(صحیح البخاری: ۴۷۸۸، ۵۱۱۳، صحیح مسلم: ۱۴۶۴، سنن نسائی: ۳۱۹۹، سنن ابن ماجہ: ۲۰۰۰، مسند احمد: ۲۴۷۲۳)

نیز قرآنِ مجید کی بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا کا طالب ہے:

فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾ (طٰہٰ: ۱۳۰) (اے رسولِ اکرم!) آپ دن کی طرف میں تسبیح پڑھیے (یعنی ظہر کی نماز پڑھیے) تاکہ آپ اپنے رب سے راضی ہو جائیں O

سبحان اللہ! ساری کائنات اس لیے نماز پڑھتی ہے کہ اس سے اس کا رب راضی ہو جائے اور آپ سے اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: آپ اس لیے نماز پڑھیے تاکہ آپ اپنے رب سے راضی ہو جائیں۔ نیز ارشاد فرمایا:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ﴿۵﴾ (الضحیٰ: ۵) اور عنقریب آپ کا رب آپ کو ضرور اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے O

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی خواہش پوری کرنے میں جلدی فرماتا ہے اور ان آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی رضا کا طالب ہے، سو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش اور رضا اس میں تھی کہ کعبہ کو قبلہ بنا دیا جائے تو اس کا تقاضا یہ تھا کہ فوراً کعبہ کو قبلہ بنا دیا جائے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ '' (سو (اب)

آپ اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں)۔

مسجد بنوسلمہ کا نام ''مسجد القبلتین'' رکھنے کے متعلق شواہد

''وَ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ'':

(۱) امام محمد بن سعد بن منیع الہاشمی البصری المتوفی ۲۳۰ھ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر کی نماز کی دو رکعت اپنی مسجد میں مسلمانوں کو پڑھائیں، پھر آپ کو یہ حکم فرمایا گیا کہ آپ مسجد حرام کی طرف مونہہ پھیر لیں تو آپ بھی مسجد حرام کی طرف گھوم کر پھر گئے اور مسلمان بھی آپ کے ساتھ گھوم کر پھر گئے، دوسرا قول یہ ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام بشر بن البراء بن معرور سے بنو سلمہ میں آپ سے ملاقات کی، انہوں نے آپ کے لیے کھانا تیار کیا اور ظہر کا وقت آ گیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کو دو رکعت نماز ظہر پڑھائی، پھر آپ کو کعبہ کی طرف مونہہ کرنے کا حکم دیا گیا تو آپ الکعبۃ کی طرف گھوم کر پھر گئے اور میزاب کی طرف مونہہ کر لیا، پھر اس مسجد کا نام مسجد القبلتین رکھا گیا اور یہ واقعہ پیر کے دن نصف رجب کو ہجرت کے سترہ ماہ بعد پیش آیا۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۱۸۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

(۲) امام ابو اسحاق احمد الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے۔

(الکشف والبیان ج ۲ ص ۱۲، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

(۳) امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ نے اس روایت کو اس طرح نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد بنو سلمہ میں ٹھہرے اور وہاں ظہر کی نماز دو رکعت پڑھائی، پھر تحویل قبلہ ہو گئی تو آپ نے میزاب کی طرف مونہہ کیا اور مرد عورتوں کی جگہ آ گئے اور عورتیں مردوں کی جگہ آ گئیں، پھر اس مسجد کا نام مسجد القبلتین رکھا گیا۔

(معالم التنزیل ج ۱ ص ۱۷۸، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

(۴) علامہ ابو القاسم محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی المتوفی ۵۳۸ھ نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے۔

(الکشاف ج ۱ ص ۲۲۸، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

(۵) امام ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے۔

(کشف المشکل ج ۱ ص ۶۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

(۶) قاضی عبد اللہ بن عمر بیضاوی شیرازی متوفی ۶۸۵ھ نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے۔

(انوار التنزیل واسرار التاویل ج ۱ ص ۴۲۲، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

(۷) علامہ علی بن محمد خازن شافعی متوفی ۷۲۵ھ نے بھی علامہ بغوی شافعی متوفی ۵۱۶ھ کی روایت کو نقل کیا ہے۔

(تفسیر خازن ج ۱ ص ۹۸، دار الکتب العربیہ، پشاور)

(۸) علامہ شرف الدین الحسین بن عبد اللہ الطیبی الشافعی المتوفی ۷۴۳ھ نے بھی کشاف کی روایت کو برقرار رکھا ہے۔

(فتوح الغیب ج ۳ ص ۱۴۵، جائزۃ دبئی الدولیۃ للقرآن الکریم، دبئی، الامارات العربیۃ المتحدۃ ۱۴۳۴ھ)

(۹) علامہ بدر الدین محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ نے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد بنو سلمہ میں عصر کی نماز پڑھی اور اس کو

اب مسجد القبلتین کہا جاتا ہے، اور اہلِ قباء کے پاس جس آنے والے نے آ کر بتایا تھا کہ تحویل قبلہ ہوگئی ہے، یہ صبح کی نماز کا واقعہ تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۳۸۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

(۱۰) علامہ نور الدین علی بن احمد السمہودی الشافعی المتوفی ۹۱۱ھ نے بھی امام محمد بن سعد المتوفی ۲۳۰ھ کی روایت کو نقل کیا ہے۔

(وفاء الوفاء ج ۱ ص ۳۶۳، مرکز اہل سنت برکات رضا)

(۱۱) قاضی مجیر الدین بن محمد العلیمی المقدسی الحنبلی المتوفی ۹۲۸ھ نے بھی لکھا ہے کہ مسجدِ بنو سلمہ میں تحویل قبلہ کی گئی اور پھر اس کا نام مسجد القبلتین رکھ دیا گیا۔ (فتح الرحمٰن فی تفسیر القرآن ج ۱ ص ۲۱۷، دار النوادر، لبنان ۱۴۳۲ھ)

(۱۲) قاضی ابو السعود محمد بن محمد بن مصطفیٰ العمادی الحنفی المتوفی ۹۸۲ھ نے بھی لکھا ہے کہ مسجدِ بنو سلمہ میں تحویل قبلہ کی گئی اور اب اس کا نام مسجد القبلتین ہے۔ (تفسیر ابو السعود ج ۱ ص ۲۱۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

(۱۳) مشہور غیر مقلد نواب صدیق بن حسن بن علی الحسنی القنوجی المتوفی ۱۳۰۷ھ نے بھی لکھا ہے کہ مسجدِ بنو سلمہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو دو رکعت نماز ظہر پڑھائی، پھر تحویلِ قبلہ کی گئی اور آپ نے المیزاب کی طرف مونہہ کر لیا اور مرد عورتوں کی جگہ آ گئے اور عورتیں مردوں کی جگہ آ گئیں، پھر اس مسجد کا نام ''مسجد القبلتین'' رکھا گیا اور یہ خبر اہلِ قباء تک پہنچی تو وہ دوسرے دن صبح کی نماز میں بیت المقدس سے کعبہ کی طرف پھر گئے (جیسا کہ صحیح البخاری: ۴۰۳ اور ۴۴۹۱ میں اس کی تصریح ہے)، اور اس مسجد کا نام بھی مسجد القبلتین رکھا گیا۔ (فتح البیان ج ۱ ص ۲۱۴ ملخصاً وموضحاً ومخرّجاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

علامہ آلوسی کا مسجدِ بنو سلمہ کو ''مسجد القبلتین'' قرار دینے سے انکار اور ان کے منشاءِ غلطی کا بیان

میں نے مسجدِ بنو سلمہ کو مسجد القبلتین قرار دینے پر بہ کثرت حوالے اس لئے پیش کئے ہیں کہ چونکہ صحیح البخاری: ۴۰۳ میں مسجد قباء کو مسجد القبلتین قرار دینے کا ذکر ہے، اس وجہ سے علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے امام سیوطی پر رد کیا کہ انہوں نے حدیثِ صحیح میں تحریف کی، اور جو واقعہ اہلِ قباء کی مسجد کی طرف منسوب تھا اس کو مسجدِ بنو سلمہ کی طرف منسوب کر دیا۔

(روح المعانی ج ۲ ص ۱۴، دار الفکر، بیروت ۱۴۱۷ھ)

حالانکہ یہ صرف امام سیوطی کا تفرّد نہیں ہے بلکہ ہم نے امام سیوطی کے علاوہ تیرہ (۱۳) مستند مفسرین کی تصریح پیش کی ہے جنہوں نے مسجدِ بنو سلمہ کو مسجد القبلتین قرار دینے کا ذکر کیا ہے، دراصل علامہ آلوسی کو غلط فہمی اس لیے ہوئی کہ انہوں نے صرف صحیح البخاری کی حدیث: ۴۰۳ کا مطالعہ کیا اور باقی مستند روایات ان کی نظر سے نہیں گزریں، جب کہ مسجدِ بنو سلمہ میں آپ نے پہلے دن ظہر کی نماز دو قبلوں کی طرف پڑھی تھی اور اس کا نام مسجد القبلتین رکھا گیا تھا اور دوسرے دن صبح کی نماز میں جب یہ خبر اہلِ قباء کو پہنچی تو وہ بھی اس نماز میں بیت المقدس سے کعبہ کی طرف پھر گئے، سو اس کا نام بھی مسجد القبلتین رکھا گیا۔ اللہ تعالیٰ علامہ آلوسی حنفی کے درجات بہت بلند فرمائے، وہ بہت خوش عقیدہ اور عظیم مفسر ہیں لیکن ہر عالم سے کہیں نہ کہیں غلطی ہو جاتی ہے۔ (اللہ تعالیٰ مجھے اپنی تصنیفات میں غلطیوں سے محفوظ فرمائے۔ آمین)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش جلد پوری کی جانے کی مزید شہادت

میں کہتا ہوں کہ ان متعدد حوالہ جات میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے اور ابھی ظہر کی نماز مکمل نہیں ہوئی تھی کہ اثنائے نماز میں ہی اللہ تعالیٰ نے تحویلِ قبلہ کا حکم نازل فرما دیا اور یہ انتظار نہیں فرمایا کہ ظہر کی یہ نماز مکمل ہو جائے، سو اُسی وقت تمام نمازی اسی نماز میں بیت المقدس کی طرف سے مونہہ پھیر کر اور مُڑ کر کعبہ کی طرف پھر گئے اور میزاب کی طرف مونہہ کر لیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش پوری کرنے میں اتنی تاخیر بھی نہیں فرمائی کہ ظہر کی باقی دو رکعات بھی پڑھ لی جائیں جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''بے شک آپ کا رب آپ کی خواہش پوری کرنے میں بہت جلدی فرماتا ہے''، جیسا کہ ''صحیح البخاری: ۴۷۸۸'' میں اس کی تصریح ہے۔ ان سطور کے لکھنے کے بعد میں نے دیکھا کہ علامہ شرف الدین الحسین بن عبداللہ طیبی المتوفی ۷۴۳ھ نے بھی کشاف کی شرح میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرضی پوری کرنے میں بہت جلدی فرماتا ہے اور جو آپ کی تمنا ہو اس کو پورا فرماتا ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ ''میں صرف یہی دیکھتی ہوں کہ آپ کا رب آپ کی خواہش پوری کرنے میں بہت جلدی فرماتا ہے''۔ (صحیح البخاری: ۴۷۸۸، صحیح مسلم: ۱۴۶۴)

(فتح الغیب فی الکشف عن قناع الریب وھو حاشیۃ الطیبی علی الکشاف ج ۳ ص ۱۴۲، جائزۃ دبئی الدولیۃ للقرآن الکریم، دبئی، الامارات العربیۃ المتحدۃ ۱۴۳۴ھ)

مصنف غُفِرلہٗ پر اللہ تعالیٰ کا انعام واکرام

اس بحث میں یہ ذکر آ گیا ہے کہ بنوسلمہ کی مسجد میں ظہر کی نماز دو قبلوں کی طرف مونہہ کر کے پڑھی گئی، پھر اس کا نام مسجد القبلتین رکھ دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے جب مجھے 1994ء میں حج بیت اللہ اور حجِ اکبر کی سعادت عطا فرمائی تھی تو جب مدینہ منورہ میں میری حاضری ہوئی تو میں نے بھی مسجد القبلتین میں دو رکعت نماز پڑھنے کا شرف حاصل کیا، نیز مجھے اللہ تعالیٰ نے مسجد قباء میں بھی نماز پڑھنے کا شرف عطا فرمایا اور وہاں پر ''نماز پڑھنے کا اجر عمرہ کی مثل ہے''۔ (سنن ترمذی: ۳۲۴، سنن نسائی: ۶۹۵، سنن ابن ماجہ: ۱۴۱۱) والحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

اہلِ کتاب کا عناداً سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا اعتراف نہ کرنا

''وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ'': یعنی اہلِ کتاب میں سے یہود ونصاریٰ کو یقین ہے کہ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف قبلہ کی تحویل برحق ہے، لیکن وہ آپ سے عناد رکھنے کی وجہ سے اپنی باطل خواہشات کی پیروی کرتے ہیں، اور اس آیت کا دوسرا محمل یہ ہے کہ یہودِ مدینہ کو یقین ہے کہ ان کی کتاب تورات میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق جو بیان کیا گیا ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، یہ برحق ہے لیکن وہ عناد کی وجہ سے آپ کی رسالت کا اعتراف اور اقرار نہیں کرتے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے رسولِ اکرم!) اگر آپ اہلِ کتاب کے پاس (تحویلِ قبلہ کے برحق ہونے پر) ہر ہر دلیل بھی لے آئیں تو وہ آپ کے قبلہ کی پیروی نہیں کریں گے اور نہ آپ ان کے قبلہ کی پیروی کرنے والے ہیں اور نہ وہ (یہود ونصاریٰ) ایک دوسرے کے قبلہ کی پیروی کرنے والے ہیں، اور (اے رسولِ اکرم!)

اگر آپ کے پاس (قطعی) علم آنے کے بعد بھی آپ نے (بالفرض) اِن (یہودیوں) کی خواہشات کی پیروی کی تو اس وقت آپ بیشک ضرور ظلم کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے O'' (البقرہ: ۱۴۵)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیش گوئیوں کے سچے ہونے سے آپ کی نبوت اور رسالت کا ثبوت

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے یہ پیش گوئی فرمائی ہے کہ آپ خواہ کتنے ہی معجزات اور دلائل پیش کریں اہلِ کتاب آپ کے قبلہ کی پیروی نہیں کریں گے، یہود و نصاریٰ آپ کے مُخالف اور مُکذِب تھے تو چاہیے تھا کہ وہ آپ کے قبلہ کی پیروی کرتے اور پھر کہتے کہ دیکھو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پیش گوئی جھوٹی ہو گئی، انہوں نے کہا تھا کہ اہلِ کتاب ان کے قبلہ کی پیروی نہیں کریں گے لو ہم نے ان کے قبلہ کی پیروی کر لی، لیکن ایسا نہیں ہوا، انہوں نے آپ کے قبلہ کی پیروی نہیں کی اور آپ کی پیش گوئی سچی ہو گئی، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''سَیَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَیْهَا'' (عنقریب لوگوں میں سے بے وقوف یہ کہیں گے کہ اِن (مسلمانوں) کو اُس قبلہ سے کس نے پھیر دیا جس پر وہ اب تک (قائم) تھے)، یہ بھی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے پیش گوئی فرمائی کہ ضرور یہ یہود و نصاریٰ کہیں گے کہ ان مسلمانوں نے پہلے قبلہ کو کیوں چھوڑ دیا، سو چاہیے تھا کہ یہودِ (مدینہ) و نصاریٰ ایسا نہ کہتے اور پھر کہتے کہ دیکھو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پیش گوئی کی تھی کہ ہم یہ کہیں گے کہ مسلمانوں نے پہلے قبلہ کو کیوں چھوڑا مگر ہم نے ایسا نہیں کہا، لہٰذا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جھوٹے ہو گئے اور ان کی پیش گوئی غلط ہو گئی، لیکن ایسا نہیں ہوا اور انہوں نے ضرور کہا کہ مسلمانوں نے پہلے قبلہ کو کیوں چھوڑ دیا؟ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیش گوئی سچی ہو گئی، حالانکہ اہلِ کتاب کے لیے اس پیش گوئی کو جھوٹا ثابت کرنا بہت آسان تھا، وہ ایسا نہ کہتے لیکن انہوں نے ضرور ایسا کہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ بڑی خطرناک پیش گوئی تھی، کیونکہ آپ نے ان کی زبانوں پر پیش گوئی کی تھی، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اور پیش گوئی فرمائی ہے، ارشادِ باری ہے:

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ (البقرہ: ۹۴)	آپ کہیے: اگر (بہ قول تمہارے) اللہ کے نزدیک آخرت کا گھر اور لوگوں کے بجائے صرف تمہارے ساتھ مخصوص ہے سو تم موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو O

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیش گوئی فرمائی کہ یہ یہودی ہرگز موت کی تمنا نہیں کریں گے اور یہودِ مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکذِب تھے اور آپ کو جھوٹا ثابت کرنے کے درپے تھے تو چاہیے تھا کہ وہ موت کی تمنا کرتے اور کہتے کہ اے محمد! تم نے کہا تھا: ہم موت کی تمنا نہیں کریں گے لو ہم موت کی تمنا کر رہے ہیں، لیکن ایسا نہیں ہوا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رُعب کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کر سکے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیش گوئی سچی ہو گئی اور یہ بھی آپ کی بڑی خطرناک پیش گوئی تھی کیونکہ آپ نے ان کے دلوں کے متعلق پیش گوئی فرمائی تھی اور آپ نے ان کی زبانوں کے متعلق بھی پیش گوئی فرمائی اور ان کے لیے آپ کی پیش گوئی کو جھوٹا ثابت کرنا بہت آسان تھا لیکن وہ ایسا نہ کر سکے اور آپ کی پیش گوئی کا صدق ظاہر ہو گیا اور آپ کی نبوت اور رسالت ثابت ہو گئی، اور سچے نبی کی یہی شان ہوتی ہے کہ اس کی پیش گوئی برحق ہوتی ہے، مسیلمہ کذاب کے پاس ایک کانا شخص گیا اور کہا: اگر تم سچے نبی ہو

تو دعا کرو کہ میری یہ کانی آنکھ درست ہو جائے، مسیلمہ کذاب نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی تو اس کی دوسری آنکھ بھی کانی ہو گئی۔

جھوٹے نبی کی پیش گوئیوں کا پورا نہ ہونا

مرزا غلام احمد متوفی ۱۹۰۸ء لکھتے ہیں: میں بار بار کہتا ہوں کہ نفسِ پیش گوئی داماد احمد بیگ (سلطان محمد کی موت) کی تقدیرِ مبرم ہے اس کا انتظار کرو اور اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ پیش گوئی پوری نہیں ہوگی اور میری موت آجائے گی۔ (انجام آتھم ص ۳۱)

آنجہانی مرزا غلام احمد نے محمدی بیگم سے نکاح کی پیش گوئی کی، لیکن محمدی بیگم کا نکاح مرزا سلطان محمد سے ہو گیا، پھر مرزا غلام احمد نے دوبارہ پیش گوئی کی کہ مرزا سلطان محمد شادی کے ڈھائی سال بعد مر جائے گا اور محمدی بیگم ان کے نکاح میں آجائے گی۔ لیکن مرزا غلام احمد آنجہانی ہو گئے اور سلطان محمد ان کی موت کے بعد دیر تک بفضلہٖ تعالیٰ زندہ رہا۔

اسی طرح مرزا غلام احمد نے عیسائی پادری آتھم کی موت کے بارے میں پیش گوئی کی تھی کہ وہ 5 ستمبر 1894ء کے دن مر جائے گا لیکن وہ اس دن زندہ رہا اور عیسائیوں نے بڑی شان و شوکت سے اس کا جلوس نکالا، چنانچہ آنجہانی مرزا کے ایک مرید نے اپنے مضمون میں لکھا: ''میں نے امرتسر جا کر عبد اللہ آتھم کو خود دیکھا، عیسائی اسے گاڑی میں بٹھائے ہوئے بڑی دھوم دھام سے بازاروں میں لیے پھرتے تھے لیکن اسے دیکھ کر میں سمجھ گیا کہ واقعہ میں یہ مر گیا اور یہ صرف اس کا جنازہ ہے جسے لیے پھرتے ہیں آج نہیں تو کل مر جائے گا''۔ (مضمون رحیم بخش قادیانی مندرجہ الحکم ج ۲۵ ص ۴۴ ۳، مورخہ ۷ دسمبر ۱۹۲۳ء)

اسی طرح آنجہانی مرزا نے اپنی موت کے متعلق پیش گوئی کی: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے اسّی (۸۰) سال کی عمر دی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ''۔ مرزا نے اپنے ایک اشتہار میں لکھا: ''یعنی دشمن جو کہتا ہے کہ صرف جولائی ۱۹۰۷ء میں چودہ مہینے تک تیری عمر کے دن رہ گئے ہیں یا ایسا ہی جو دوسرے دشمن پیش گوئی کرتے ہیں میں ان سب کو جھوٹا کروں گا اور تیری عمر کو بڑھا دوں گا''، لیکن آنجہانی مرزا کی یہ پیش گوئی بھی غلط ہو گئی اور مرزا مئی ۱۹۰۸ء میں اڑسٹھ سال کی زندگی گزار کر اپنے انجام کو پہنچ گئے۔ (اشتہار مؤلفہ مرزا بنام تبصرہ ۱۹۰۷ء)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جن لوگوں کو ہم نے کتاب عطا فرمائی ہے وہ اِس (نبی) کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، اور بے شک اِن (یہودِ مدینہ) میں سے ایک فریق ضرور عمداً حق کو چھپا رہا ہے O'' (البقرہ: ۱۴۶)

امام ابو اللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، البقرہ: ۱۴۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی اہلِ کتاب میں سے ایمان والے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تورات میں لکھی ہوئی آپ کی نعت اور آپ کی صفات کے مطابق آپ کو پا کر آپ کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! بے شک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت کے صدق کو اپنے بیٹے سے زیادہ پہچانتا ہوں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: اے ابن سلام! اس کی کیا وجہ ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ میں ضرور یہ شہادت دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم برحق نبی ہیں اور میں اپنے بیٹے کے متعلق یہ شہادت نہیں دے سکتا کہ وہ ضرور میرا بیٹا ہے، کیونکہ میں از خود نہیں جانتا کہ میری بیوی نے میرے پیچھے کیا، کیا ہے؟

''وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنْهُمْ لَیَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ۝۱۴۶'': یعنی اہلِ کتاب میں سے یہود اپنی کتاب میں حق کو چھپاتے ہیں،

تورات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صفت لکھی ہوئی ہے اس کو یہودِ مدینہ چھپاتے ہیں، حالانکہ ان کو یقین ہے کہ آپ سچے نبی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے اس قول سے یہ معلوم ہوا کہ تورات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو نعت اور آپ کی صفت لکھی ہوئی تھی اس وقت تک اس میں کوئی تغیر نہیں ہوا تھا، ان صفات میں یہودِ مدینہ نے بعد میں تغیر کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تورات میں مذکورہ صفات کو چھپالیا، تورات میں آپ کی مذکورہ صفات کے متعلق اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ٘ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىٕثَ وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ (الاعراف: ۱۵۷)

جو لوگ اس رسول، نبی، اُمّی کی پیروی کرتے ہیں (جن کی صفات کو) وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ رسول ان کو نیک کاموں کا حکم فرماتے ہیں اور برے کاموں سے منع فرماتے ہیں اور ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیتے ہیں اور نجس چیزوں کو ان پر حرام قرار دیتے ہیں اور ان سے (مشکل احکام) کا بوجھ اور طوق اتارتے ہیں جو اُن پر تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) یہ (تحویلِ قبلہ) آپ کے رب کی طرف سے برحق ہے، سو (بالفرض) آپ (اس کے متعلق) شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں O'' (البقرہ: ۱۴۷)

''اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ۝'': یعنی اے محمد! صلی اللہ علیک وسلم! کعبہ حضرت ابراہیم کا قبلہ ہے، سو آپ اس بات پر شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قبلہ ہے۔

(تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۱۶۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

وَ لِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّیْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ ؕ۟ اَیْنَ مَا تَكُوْنُوْا یَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۱۴۸

اور ہر ایک کے (قبلہ کی) ایک (معیّن) سمت ہے جس کی طرف وہ (نماز میں) متوجہ ہوتا ہے، سو (اے مسلمانو!) تم (سب) بڑھ چڑھ کر نیکیاں کرو، تم جہاں کہیں بھی ہو گے اللہ تم سب کو لے آئے گا، بے شک اللہ جو چاہیں اس پر قادر ہیں O

وَ مِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَ اِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۴۹

اور (اے رسولِ اکرم!) آپ جس جگہ سے بھی (باہر) نکلیں تو اپنا مونہہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں، یہ آپ کے رب کی طرف سے ضرور برحق (حکم) ہے، اور (اے مسلمانو!) اللہ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں ہے O

وَ مِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَ حَیْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا

وُجُوهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ق فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ ق وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾

اور (اے رسولِ اکرم!) آپ جس جگہ سے بھی (باہر) نکلیں تو اپنا مونہہ مسجدِ حرام کی طرف پھیر لیں، اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو تو اپنے چہروں کو اسی قبلہ کی طرف پھیر لو تا کہ لوگوں کے لیے تمہارے خلاف کوئی حجت نہ ہو سوا ان لوگوں کے جو ان میں سے ظالم ہیں، سو تم ان سے نہ ڈرو اور (صرف) مجھ سے ہی ڈرو (نیز) اس لیے کہ میں تم پر اپنی نعمت کو مکمل فرما دوں اور اس لیے کہ تم سیدھی راہ پر قائم رہو O

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾

جس طرح ہم نے تم میں ایک (عظیم) رسول تم ہی میں سے بھیجا ہے جو تم پر ہماری آیتوں کی تلاوت کرتا ہے اور تمہارے باطن کو صاف کرتا ہے اور تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں اس کی تعلیم دیتا ہے جس کو تم (پہلے) نہیں جانتے تھے O

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾

سو تم مجھے یاد کرتے رہو میں بھی تمہیں یاد کرتا رہوں گا اور میرا شکر ادا کرتے رہو اور میری ناشکری نہ کرو O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہر ایک کے (قبلہ کی) ایک (معیّن) سمت ہے جس کی طرف وہ (نماز میں) متوجہ ہوتا ہے، سو (اے مسلمانو!) تم (سب) بڑھ چڑھ کر نیکیاں کرو، تم جہاں کہیں بھی ہو گے اللہ تم سب کو لے آئے گا، بے شک اللہ جو چاہیں اس پر قادر ہیں O'' (البقرہ:۱۴۸)

علامہ السید محمود الآلوسی البغدادی الحنفی المتوفی ۱۲۷۰ھ البقرہ:۱۴۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا'': یعنی ہر اہلِ ملت کے لیے یا مسلمانوں اور یہود اور نصاریٰ میں سے ہر جماعت کے لیے یا ہر قوم کے لیے ایک معیّن سمت ہے جس کی طرف وہ اپنی عبادت میں متوجہ ہوتا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہر ایک کا ایک مخصوص قبلہ ہے، پس مقربین کا قبلہ عرش ہے اور روحانیین کا قبلہ کرسی ہے اور الکروبیین کا قبلہ البیت المعمور ہے اور آپ سے پہلے نبیوں کا قبلہ بیت المقدس تھا اور آپ کا قبلہ الکعبہ ہے، اور یہ آپ کے جسم کا قبلہ ہے اور رہا آپ کی روح کا قبلہ تو وہ میری ذات ہے اور میرا قبلہ آپ کی ذات ہے جیسا کہ اس حدیث میں اس کی طرف اشارہ ہے:

''اَنَا عِنْدَ الْمُنْكَسِرَةِ قُلُوْبُهُمْ'' (میں ٹوٹنے والے دلوں کے پاس ہوتا ہوں) (روح المعانی ج ۲ ص ۲۳، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

علامہ آلوسی کی ذکر کردہ حدیث پر مصنف کا تبصرہ

(علامہ زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ نے اس حدیث کی تخریج میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی مناجات میں عرض کیا: اے اللہ! میں تجھے کہاں تلاش کروں؟ تو فرمایا: مجھے ٹوٹنے والے دلوں کے پاس تلاش کرو، اس حدیث کو امام ابونُعیم نے حِلیۃ الاولیاء میں ذکر کیا ہے، میں کہتا ہوں: شاید یہ حدیث اسرائیلیات میں سے ہے اور ائمہ حدیث کے نزدیک یہ ثابت نہیں ہے کہ یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ (اتحاف السادۃ المتقین ج ۶ ص ۲۹۰، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۴ھ))

میں کہتا ہوں: علامہ آلوسی ایسے محقق کی شان کے لائق نہیں تھا کہ وہ اسرائیلیات سے استدلال کرتے، اس سے بہتر تھا کہ وہ اس حدیث سے استدلال کرتے: ''اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ'' (مسند احمد: ۱۶۵۳۱، ج ۴ ص ۱۰۶) ''میں اپنے بندہ کے اس گمان کے پاس ہوتا ہوں جو وہ میرے ساتھ رکھتا ہے''۔ (سعیدی غفرلہٗ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنا اور اللہ تعالیٰ کا آپ کی طرف متوجہ رہنا

نیز علامہ آلوسی نے لکھا ہے: ''اور رہا آپ کی روح کا قبلہ تو وہ میری ذات ہے اور میرا قبلہ آپ کی ذات ہے''، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قبلہ جائے عبادت کو کہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا قبلہ آپ کیسے ہو سکتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قبلہ مرکزِ توجّہ کو کہتے ہیں یعنی آپ کی توجہ کا مرکز میری ذات ہے اور میری توجہ کا مرکز آپ کی ذات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب آپ کا ذکر فرماتا ہے تو آپ کی اپنی طرف نسبت فرماتا ہے: ''وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا (البقرہ: ۲۳)'' (اور اگر تم اس قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے کے متعلق کسی شک میں مبتلاء ہو جس کو ہم نے اپنے بندہ (محمد عربی) پر نازل فرمایا ہے) اور جب اپنا ذکر فرماتا ہے تو آپ کی طرف اضافت فرماتا ہے ''فَلَا وَرَبِّكَ (النساء: ۶۵)'' (یعنی آپ کے رب کی قسم) یعنی تم ہمارے ہو اور ہم تمہارے ہیں، نیز اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: ''قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ۔۔۔ (البقرہ: ۱۴۴)'' (بے شک ہم آپ کے چہرہ کا (بار بار) آسمان کی طرف پھرنا دیکھ رہے ہیں)، اور فرمایا: ''الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۱۹﴾ (الشعراء: ۲۱۸۔۲۱۹)'' (جب آپ قیام میں ہوتے ہیں تو وہ آپ کو دیکھتا رہتا ہے ○ اور جب آپ سجدہ کرنے والوں میں پلٹتے ہیں تو وہ آپ کو دیکھتا رہتا ہے ○)، یعنی اللہ تعالیٰ کی توجہ آپ ہی کی طرف رہتی ہے، آپ گردن اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھیں تو وہ آپ کو دیکھتا رہتا ہے اور جب آپ نماز میں قیام کریں یا سجدہ کرنے والوں میں پلٹیں تو وہ آپ کو دیکھتا رہتا ہے اور آپ کے ہر حال میں اس کی توجہ آپ ہی کی طرف ہے۔

جگر مراد آبادی کا ایک شعر ہے جس کو میں کچھ تصرف کے ساتھ پڑھتا ہوں:

ہمیں معلوم ہے ہم سے سنو محشر میں کیا ہوگا ☆ سب اس کو دیکھتے ہوں گے وہ ان کو دیکھتا ہوگا

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے رسولِ اکرم!) آپ جس جگہ سے بھی (باہر) نکلیں تو اپنا مونہہ مسجدِ حرام کی طرف پھیر لیں، یہ آپ کے رب کی طرف سے ضرور برحق (حکم) ہے، اور (اے مسلمانو!) اللہ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں ہے ○ اور (اے رسولِ اکرم!) آپ جس جگہ سے بھی (باہر) نکلیں تو اپنا مونہہ مسجدِ

حرام کی طرف پھیر لیں، اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو تو اپنے چہروں کو اسی قبلہ کی طرف پھیر لو تا کہ لوگوں کے لیے تمہارے خلاف کوئی حجت نہ ہو سوا ان لوگوں کے جو ان میں سے ظالم ہیں، سو تم ان سے نہ ڈرو اور (صرف) مجھ سے ہی ڈرو (نیز) اس لیے کہ میں تم پر اپنی نعمت کو مکمل فرما دوں اور اس لیے کہ تم سیدھی راہ پر قائم رہو O'' (البقرہ:۱۴۹۔۱۵۰)

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی المتوفی ۷۱۰ھ البقرہ:۱۴۹۔۱۵۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ '': یعنی جب آپ سفر پر جائیں تو نماز میں مسجد حرام کی طرف مونہہ کریں۔

''وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ '': اس آیت کا مکرر ذکر فرمایا ہے تا کہ کعبہ کے قبلہ ہونے کے حکم کی تاکید کی جائے، کیونکہ بیت المقدس کو نسخ کر کے کعبہ کو قبلہ بنانا فتنہ اور شُبہ کا موجب تھا، اس لیے اس حکم کو مکرر فرمایا تا کہ مسلمان اس حکم پر قائم رہیں۔

''لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ '': یعنی تا کہ یہود تمہارے خلاف کوئی حجت قائم نہ کر سکیں جو از روئے عناد یہ کہتے تھے: انہوں نے ہمارے قبلہ کو چھوڑ کر الکعبہ کو اس لیے قبلہ بنایا تا کہ یہ اپنی قوم کے دین کی طرف مائل ہوں اور اپنے شہر کی محبت کو ظاہر کریں، اور اگر یہ برحق ہوتے تو ان پر لازم تھا کہ یہ انبیائے سابقین علیہم السلام کے قبلہ پر لازم رہتے۔

''إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ '': یعنی کفارِ مکہ وہ یہ اعتراض کریں گے کہ اب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر حق واضح ہو گیا اور وہ اپنے آباء واجداد کے دین کی طرف لوٹ آئے۔

''فَلَا تَخْشَوْهُمْ '': سو اے مسلمانو! تم اپنے قبلہ کے متعلق ان کے اعتراضات اور ان کے طعنوں کی پرواہ نہ کرو، کیونکہ وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

''وَاخْشَوْنِي '': پس تم میرے حکم کی مخالفت نہ کرنا۔

''وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ '': یعنی تا کہ میں تم کو کعبہ کی طرف ہدایت دے کر تم پر اپنی نعمت مکمل کر دوں۔

''وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۞ '': اور تا کہ تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قبلہ کی طرف ہدایت پا جاؤ۔

(مدارک التنزیل ج ۱ ص ۱۴۲۔۱۴۳، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جس طرح ہم نے تم میں ایک (عظیم) رسول تم ہی میں سے بھیجا ہے جو تم پر ہماری آیتوں کی تلاوت کرتا ہے اور تمہارے باطن کو صاف کرتا ہے اور تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں اس کی تعلیم دیتا ہے جس کو تم (پہلے) نہیں جانتے تھے O'' (البقرہ:۱۵۱)

امام ابواللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، البقرہ:۱۵۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ '': یعنی ہم نے تم میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مبعوث فرمایا جو تمہاری مثل آدمی ہیں، کیونکہ اگر وہ فرشتوں میں سے ہوتے تو تم ان کو دیکھ نہیں سکتے تھے، لہٰذا ہم نے بنو آدم میں سے تمہارے پاس عظیم نبی بھیجا جو تم پر قرآنِ مجید کی آیات کی تلاوت فرماتے ہیں اور زکوٰۃ کے ذریعہ تمہارے باطن کو صاف فرماتے ہیں، مقاتل نے کہا: یعنی تم کو شرک اور کفر سے پاک فرماتے ہیں، الزجاج نے کہا: اس آیت میں عربوں کو خطاب فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ایک عظیم رسول بھیجا ہے حالانکہ تم اہلِ جاہلیت تھے اور کتاب کو اور حکمت کو نہیں جانتے تھے، پس جس طرح میں نے یہ عظیم رسول بھیج کر تم پر انعام فرمایا ہے، سو تم توحید کے ساتھ میرا ذکر کرو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''سو تم مجھے یاد کرتے رہو میں بھی تمہیں یاد کرتا رہوں گا اور میرا شکر ادا کرتے رہو اور میری ناشکری نہ کروo'' (البقرہ: ۱۵۲)

بندوں کے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کے جواب میں اللہ تعالیٰ کا بندوں کو یاد فرمانا

''فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ '': یعنی تم میری توحید کا ذکر کرو تو میں تمہاری مغفرت فرما کر تمہارا ذکر فرماؤں گا۔ پس جو عبادت کر کے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے درجات بڑھا کر اس کا ذکر فرماتا ہے اور جو گناہ گار توبہ کے ساتھ اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرما کر ان کا ذکر فرماتا ہے، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تم عیش و عشرت میں مجھے یاد رکھو تو میں مصیبت کے وقت تم کو یاد رکھوں گا، یا تم تنگی کے حال میں مجھے یاد رکھو تو میں تم کو اس تنگی سے نکال کر تم کو یاد رکھوں گا، یا تم لوگوں میں میرا ذکر کرو تو میں فرشتوں میں تمہارا ذکر فرماؤں گا۔

''وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ۝۱۵۲ '': یعنی تم میری دی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا کر کے مجھے یاد رکھو تو میں ان نعمتوں میں اضافہ کر کے تمہیں یاد رکھوں گا۔ (تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۱۶۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مالک اور بے نیاز ہے اور ہم اس کے بندے اور محتاج ہیں، پس چاہیے تو یہ تھا کہ ہم اس کو یاد کرتے رہتے اور وہ توجہ نہ فرماتا، ہم اس کی یاد میں روتے اور بلکتے رہتے اور وہ التفات نہ فرماتا لیکن اس کا کرم بالائے کرم یہ ہے کہ اس نے یہ ظاہر فرمایا کہ آؤ بندے اور آقا کی بات چھوڑو برابر کا سلوک کر لو تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کر لوں گا! (سعیدی غفرلہٗ)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۱۵۳

اے ایمان والو! تم صبر اور نماز سے مدد طلب کرو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہےo

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝۱۵۴

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے جاتے ہیں انہیں مُردہ نہ کہو، (وہ مُردہ نہیں) بلکہ وہ زندہ ہیں اور لیکن (تم ان کی زندگی کو) محسوس نہیں کر سکتےo

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ

وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۙ﴿۱۵۵﴾

اور ہم تمہیں کچھ خوف اور بھوک اور اموال اور جانوں اور پھلوں میں کمی کے ساتھ ضرور آزمائش میں ڈالیں گے اور آپ ان صبر کرنے والوں کو خوش خبری سنا دیجئے O

الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ؕ﴿۱۵۶﴾

کہ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ کہتے ہیں: بیشک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں O

اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے خصوصی نوازشیں ہوں گی اور رحمت (نازل ہوگی)، اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں O

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾

بے شک صفا اور مروہ اللہ کی (عظیم) نشانیوں میں سے ہیں، سو جس نے بیت اللہ کا حج کیا یا عمرہ کیا اس پر ان کے درمیان طواف کرنے (یا سعی کرنے) میں کوئی گناہ نہیں ہے، اور جس نے خوش دلی سے کوئی نیک کام کیا تو بے شک اللہ بہت قدر افزائی فرمانے والے بے حد جاننے والے ہیں O

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۙ﴿۱۵۹﴾

بے شک جو لوگ ہماری نازل کی ہوئی واضح نشانیوں اور ہدایت کو اس کے باوجود چھپاتے ہیں جب کہ ہم ان کو لوگوں کے لیے کتاب میں صاف بیان فرما چکے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت فرماتا ہے اور لعنت کرنے والے ان پر لعنت کرتے ہیں O

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۰﴾

سوا ان لوگوں کے جنہوں نے (کتمانِ حق سے) توبہ کرلی اور (اپنی) اصلاح کرلی اور (جن واضح نشانیوں کو انہوں نے چھپایا تھا) ان کو ظاہر کردیا، سو یہی وہ لوگ ہیں جن کی میں توبہ قبول فرماؤں گا اور میں بہت توبہ قبول فرمانے والا بے حد رحم فرمانے والا ہوں O

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۙ﴿۱۶۱﴾

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ حالتِ کفر میں ہی مر گئے (تو) یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی لعنت ہے اور تمام فرشتوں اور

(تمام) لوگوں کی لعنت ہے O

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾

وہ (لعنت میں) ہمیشہ گرفتار رہنے والے ہیں، نہ ان سے عذاب میں تخفیف کی جائے گی اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی O

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾

اور تمہارا معبود، معبودِ واحد ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہ سب پر رحم فرمانے والا، بے حد مہربانی فرمانے والا ہے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! تم صبر اور نماز سے مدد طلب کرو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے O'' (البقرہ: ۱۵۳)

''يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ'': یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو اور اس کی دی ہوئی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرو اور روزہ اور جہاد باقی عبادات کو خوشی سے ادا کرو اور ان لوگوں کی پرواہ نہ کرو جو تحویلِ قبلہ کے معاملہ میں تم پر طعنہ زن ہیں، اور نماز سے مدد طلب کرو جو اللہ تعالیٰ کے کمالِ قرب کا ذریعہ ہے، بے شک جو لوگ روزے رکھتے ہیں اور نمازوں کو پابندی سے ادا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرما کر ان کے ساتھ ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں انہیں مُردہ نہ کہو، (وہ مردہ نہیں) بلکہ وہ زندہ ہیں اور لیکن (تم ان کی زندگی کو) محسوس نہیں کر سکتے O'' (البقرہ: ۱۵۴)

حیاتِ شہداء کے متعلق جمہور اہلِ اسلام کا مذہب

''وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾'':

علامہ السید محمود آلوسی البغدادی الحنفی المتوفی ۱۲۷۰ھ البقرہ: ۱۵۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی تم اپنے حواس سے شہداء کی زندگی کا ادراک نہیں کر سکتے، کیونکہ شہداء کی زندگی برزخ کے ان احوال میں سے ہے جن پر اللہ تعالیٰ کی وحی کے بغیر علم کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

شہداء کی حیات کے متعلق اہلِ اسلام کا اختلاف ہے، اکثر سلفِ صالحین کا مذہب یہ ہے کہ شہداء کی حیات جسم اور روح دونوں کے ساتھ ہوتی ہے لیکن ہم اس دنیا میں اس کا ادراک نہیں کر سکتے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا ہے: ''عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾۔ (آلِ عمران: ۱۶۹)'' (ان کو ان کے رب کے پاس سے رزق دیا جاتا ہے)۔

(روح المعانی ج ۲ ص ۳۰، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

حیاتِ شہداء کے متعلق معتزلہ کے مختلف مذاہب

ابوبکر الاصم المعتزلی المتوفی ۲۲۵ھ لکھتے ہیں:

یعنی جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ہیں تم مشرکین کی طرح ان کو مُردہ نہ کہو جس طرح مشرکین نے کہا کہ ان مسلمانوں نے دنیا میں جو مشقتیں اور تکالیف برداشت کیں، اس کا انہیں کوئی صلہ نہیں ملا لیکن یاد رکھو کہ یہ لوگ زندہ ہیں یعنی عنقریب آخرت میں زندہ کئے جائیں گے، سو ان کو ثواب عطا کیا جائے گا اور یہ جنت کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہوں گے اور ''اَحْیَآءٌ'' کی یہ تاویل بعید نہیں ہے کہ ان کو عنقریب زندہ کیا جائے گا۔ (تفسیر ابوبکر الاصم ص ۵۱۔۵۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ھ)

ابوعلی الجبائی المعتزلی المتوفی ۳۰۳ھ لکھتے ہیں:

ہم یہ کہتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ شہداء قیامت تک زندہ ہیں، پھر اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں زندہ فرمائے گا اور اس میں اہلِ علم کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے سوائے بعض متاخرین کے شاذ قول کے۔ اور پہلا قول الحسن البصری، مجاہد، قتادہ، الجبائی، ابن الاخشید، الرمانی اور تمام مفسرین کا ہے۔ (جیسا کہ شیعہ مفسر الطوسی نے التبیان ج ۲ ص ۳۳ میں لکھا ہے)۔

اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: ''بَلْ اَحْیَآءٌ'' اس کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں: ایک قول یہ ہے اور وہی صحیح قول ہے کہ شہداء حقیقت میں قیامت تک زندہ ہیں اور یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور قتادہ کا قول ہے اور یہی الحسن البصری، عمرو بن عبید اور واصل بن عطاء کا مذہب ہے اور یہی الجبائی اور الرمانی اور تمام مفسرین کا مختار ہے۔ (جیسا کہ شیعہ مفسر الطبرسی نے مجمع البیان ج ۲ ص ۲۳۲ میں تصریح کی ہے)۔ (تفسیر ابوعلی الجبائی ص ۸۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ھ)

ابوالقاسم الکعبی البلخی المعتزلی المتوفی ۳۱۹ھ لکھتے ہیں:

اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا شہداء حقیقت میں زندہ ہیں یا معنوی طور پر زندہ ہیں اور وہ عنقریب قیامت میں زندہ کئے جائیں گے اور اب زندہ نہیں ہیں، ہم کہتے ہیں: صحیح قول یہ ہے کہ وہ قیامت تک زندہ ہیں، پھر اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں زندہ فرمائے گا اور ایک شاذ قول کے سوا اس میں اہلِ علم کا اختلاف نہیں ہے۔ اور دوسرا قول البلخی کا ہے کہ شہداء کو قیامت کے دن زندہ کیا جائے گا اور ان کو ثواب عطا فرمایا جائے گا۔ (تفسیر ابوالقاسم الکعبی البلخی ص ۱۲۴۔۱۲۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ھ)

ابومسلم محمد بن بحر الاصفہانی المعتزلی المتوفی ۳۲۲ھ لکھتے ہیں:

شہداء کی حیات کے متعلق متعدد اقوال ہیں، تیسرا قول یہ ہے کہ بے شک وہ زندہ ہیں یعنی ان کو آخرت میں زندہ کیا جائے گا اور ثواب عطا فرمایا جائے گا۔ (تفسیر ابومسلم محمد بن بحر الاصفہانی ص ۵۱۔۵۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ھ)

ابوالحسن الرُّمّانی علی بن عیسیٰ بن علی بن عبداللہ المعتزلی المتوفی ۳۸۴ھ لکھتے ہیں:

ہم کہتے ہیں کہ صحیح قول یہ ہے کہ شہداء قیامت تک زندہ ہیں، پھر اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں زندہ فرمائے گا اور اس میں ایک شاذ قول کے سوا کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اور دوسرا قول البلخی کا ہے جو کہتے ہیں کہ وہ اب زندہ نہیں ہیں ان کو قیامت میں زندہ کیا جائے گا۔

(تفسیر ابوالحسن الرُّمّانی ص ۱۴۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ معتزلہ میں سے واصل بن عطاء، ابوعلی الجبائی اور الرُّمّانی کا مذہب یہ ہے کہ شہداء اب سے قیامت تک حقیقتاً زندہ ہیں اور معتزلہ میں سے ابومسلم اور البلخی کا مذہب یہ ہے کہ شہداء اب زندہ نہیں ہیں ان کو آخرت میں زندہ کیا جائے گا۔

مشہور معتزلی جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی المتوفی ۵۳۸ھ البقرہ: ۱۵۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

الحسن البصری المتوفی ۱۱۰ھ نے بیان کیا ہے کہ شہداء اللہ کے پاس زندہ ہیں، ان کی روحوں کے اوپر ان کا رزق پیش کیا جاتا ہے، پس ان کو خوشی اور مسرت حاصل ہوتی ہے جیسا کہ آلِ فرعون پر صبح اور شام آگ پیش کی جاتی ہے تو ان کو درد ہوتا ہے اور مجاہد سے منقول ہے کہ ان کو جنت کے پھل دیے جاتے ہیں، وہ جنت میں نہیں ہیں اور ان کو ان پھلوں کی خوشبو آتی ہے، اور متکلمین نے کہا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ شہید کے جسم کے تمام اجزاء کو اکٹھا فرمائے، پھر ان کو زندہ کر دے، اور ان اجزاء کی طرف نعمتیں پہنچائے خواہ ان کا جسم حجم میں ایک ذرّہ کے برابر ہو، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت شہداء بدر کے متعلق نازل ہوئی ہے جن کی تعداد ۱۴ تھی۔

(الکشاف عن حقائق التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل ج ۱ ص ۲۳۲، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

ایک اور معتزلی مفسر ابو محمد عبد الحق بن عطیہ الاندلسی المتوفی ۵۴۱ھ البقرہ: ۱۵۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ جو لوگ غزوہ بدر اور غزوۂ احد میں شہید ہو گئے تھے ان کے متعلق لوگوں نے کہا: فلاں مر گیا فلاں مر گیا، تو اللہ تعالیٰ کو یہ ناگوار ہوا کہ شہداء کے مرتبہ کو کم کیا جائے، سو یہ آیت نازل ہوئی۔ نیز مومنین پر ان کے بھائیوں اور رشتہ داروں کا فراق دشوار ہوا تو یہ آیت ان کو تسلی دینے کے لیے نازل ہوگئی۔

جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ شہداء جنت میں ہیں اور اس کی تائید درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ام حارثہ بن سراقہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، پس انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! کیا آپ مجھے حارثہ کے متعلق خبر نہیں دیں گے جو کہ بدر کے دن شہید ہو گئے تھے جن کو ایک اجنبی تیر آ کر لگا تھا، پس اگر حارثہ جنت میں ہے تو میں صبر کرتی ہوں اور اگر اس کے سوا کوئی بات ہے تو میں خوب رونے کی کوشش کروں گی، آپ نے فرمایا: اے ام حارثہ! بے شک جنت میں بہت سارے باغات ہیں اور بے شک تمہارا بیٹا ''الفردوس الاعلیٰ'' میں ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۸۰۹، سنن ترمذی: ۳۱۷۴، مسند احمد: ۱۳۳۳۰)

اور مجاہد نے کہا کہ شہداء جنت سے باہر جنت کے درخت کے ساتھ متعلق ہیں۔

(المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز ص ۱۴۵ ملخصاً ومخرجاً، دار ابن حزم، ۱۴۳۳ھ)

حیاتِ شہداء کے متعلق بعض جدید معتزلہ یا آزاد منش (Liberal) لوگوں کے افکار

سر سید احمد خان متوفی ۱۸۹۸ء لکھتے ہیں:

حیاتِ شہداء کے متعلق تین اقوال ہیں: تیسرا قول یہ ہے کہ ان کو مُردہ مت کہو وہ تو زندہ ہیں، یہ کہنا ایسا ہے جیسے کہ کوئی کہے کہ ''وہ شخص نہیں مرا جس نے تیرے مانند خلف چھوڑا''۔ جو لوگ دین کی استقامت کے سبب مارے گئے ہیں درحقیقت انہوں نے دینِ حق کے پھیلانے اور اپنے بعد اس نیکی کو قائم رہنے اور جاری رہنے کے لیے جان دی ہے۔ پس انہوں نے اپنے بعد ایسی نیکی چھوڑی ہے جو اس سے بہتر نہیں ہوسکتی، اور اسی اعتبار سے ان کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ مرے نہیں ہیں بلکہ زندہ ہیں جن سے ایسی نیکی قائم و جاری ہے، پس حیات سے ان کی حیات فی الدین مراد ہے۔۔۔ نہ اور قسم کی حیات، میرے نزدیک تیسرے معنی صحیح ہیں۔

(تفسیر القرآن وھو الھدیٰ والفرقان ج ۱ ص ۱۹۰، سر سید ریسرچ اکیڈمی، لاہور، ۲۰۱۰ء)

شیخ امین احسن اصلاحی متوفی ۱۹۹۷ء لکھتے ہیں:

جہاں تک موت کے بعد زندگی کا تعلق ہے، یہ حاصل تو کافر و مومن سب ہی کو ہوتی ہے لیکن کفار کی زندگی چونکہ کلفت اور عذاب کی ہوتی ہے اس وجہ سے وہ قابلِ ذکر نہیں، البتہ اہلِ ایمان برزخ کی زندگی میں بھی اپنے اپنے مراتب و مدارج کے لحاظ سے مسرور وشادکام ہوتے ہیں، بالخصوص ان میں سے جو لوگ راہِ حق میں شہادت کا مرتبہ حاصل کرتے ہیں، ان کی برزخی زندگی کی کامرانیوں کا تو اس ناسوتی زندگی میں کوئی تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، وہ اپنے مقدس خونِ شہادت سے اس دنیا کی کشتِ حق کو جو سیرابی اور زندگی بخشتے ہیں اس کے انعامات ان کو عالمِ برزخ ہی سے ملنے شروع ہوجاتے ہیں۔ (تدبر قرآن ج ۱ ص ۳۸۰، فاران فاؤنڈیشن، لاہور ۲۰۱۲ء)

جاوید احمد غامدی لکھتے ہیں:

جو لوگ حق کی شہادت کے لیے جیتے اور مرتے ہیں ان کا معاملہ قیامت تک کے لیے موخر نہیں کیا جاتا، بلکہ عالمِ برزخ میں ایک نوعیت کی زندگی انہیں حاصل ہوجاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے انعامات مرنے کے فوراً بعد انہیں ملنے شروع ہوجاتے ہیں، سورہ آلِ عمران ۳ کی آیت ۱۶۹ میں قرآن نے یہ بات ''عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ'' (اپنے پروردگار کے پاس روزی پا رہے ہیں) کے الفاظ سے واضح کردی ہے۔ (البیان ج ۱ ص ۱۵۸۔۱۵۹، المورد، لاہور مئی ۲۰۱۰ء)

غلام احمد پرویز لکھتے ہیں:

مقتولین فی سبیل اللہ کی حیات کے متعلق اپنے مقام پر گفتگو کی جائے گی، یہاں اتنا کہہ دینا کافی ہوگا کہ وہ اُس دنیا میں زندہ ہوتے ہیں جسے آخرت کہہ کر پکارا گیا ہے اور جسے یہاں ''عِنْدَ رَبِّهِمْ'' (اپنے خدا کے ہاں) سے تعبیر کیا گیا ہے، ان کا ہماری دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، ان کی اس زندگی کے متعلق قرآن کہتا ہے ''وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۔ (البقرہ: ۱۵۴)'' (تم اپنے شعور کی موجود سطح پر اسے سمجھ نہیں سکتے)۔ (مطالب الفرقان ج ۳ ص ۱۱۱، طلوع اسلام ٹرسٹ، گلبرگ ۲ لاہور)

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

اس کے بجائے ہدایت کی گئی کہ اہلِ ایمان اپنے ذہن میں یہ تصور جمائے رکھیں کہ جو شخص خدا کی راہ میں جان دیتا ہے وہ حقیقت میں حیاتِ جاوداں پاتا ہے۔ (تفہیم القرآن ج ۱ ص ۱۲۶، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، مئی ۲۰۱۲ء)

خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح معتزلہ میں سے ابومسلم اصفہانی اور البلخی اس دنیا میں شہداء کی جسمانی حیات کے منکر تھے اسی طرح مذکور الصدر لوگ بھی شہداء کی اس دنیا میں حیاتِ جسمانی کے منکر ہیں۔

حیاتِ شہداء کے متعلق فقہاءِ اسلام کا موقف

علامہ شرف الدین الحسین بن عبداللہ الطیبی المتوفی ۷۴۳ھ شرح الکشاف میں حیاتِ شہداء کے متعلق لکھتے ہیں:

بعض معتزلہ کا یہ مذہب ہے کہ البقرہ: ۱۵۴ میں جو حیات کا اثبات فرمایا ہے اور موت کی نفی فرمائی ہے، اس سے یوم حساب میں شہداء کی حیات کا اثبات اور ان کی موت کی نفی مراد ہے نہ کہ اس حال میں اور اس حیات کے ثبوت میں شہداء کی کوئی خصوصیت نہیں ہے، اس آیت میں شہداء کی حیات کا اس لیے ذکر فرمایا ہے کیونکہ اس آیت میں اللہ کی راہ میں مقتول ہونے والوں کا ذکر ہے، اور اگر شہداء کی حیات کے ساتھ دوسروں کی حیات کا بھی ذکر فرمانا ہوتا تو فرما دیتا، اور اس کو حواس پر متفرع کیا ہے، اور ان معتزلہ نے کہا:

ہم کو یہ یقین ہے کہ مقتول فی سبیل اللہ اپنی قبروں میں ہیں نہ وہ کھاتے ہیں اور نہ وہ پیتے ہیں۔ اور اس تاویل کی اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد سے نفی فرمائی ہے "وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ" یعنی تم شہداء کی حیات کا اپنے حواس سے ادراک نہیں کر سکتے۔ اور اس میں اس پر تنبیہ فرمائی ہے کہ شہداء کی حیات کے علم کے لیے ادراک کا ایک اور ذریعہ ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان جب نیکوکار ہو تو اس کی روح کو قیامت تک نعمتیں ملتی رہیں گی اور اگر انسان بدکار ہو تو اس کی روح کو قیامت تک عذاب دیا جاتا رہے گا اور جماعتِ صحابہ اور فقہاء تابعین اور محدثین کا یہی مذہب ہے اور اس کی تائید میں بہ کثرت آیات اور احادیث ہیں، ازاں جملہ بعض یہ ہیں:

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِيًّا ۚ وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۝ (مومن:۴۶) آلِ فرعون کو صبح اور شام دوزخ کی آگ پر پیش کیا جاتا ہے اور جس دن قیامت قائم ہوگی (اس دن فرمایا جائے گا:) آلِ فرعون کو شدید ترین عذاب میں داخل کر دو ○

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں کفارِ اہلِ بدر کے گرنے کی جگہوں کو دکھا رہے تھے، آپ فرما رہے تھے کہ کل اس جگہ فلاں (کافر) گرے گا ان شاء اللہ، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کفار کے گرنے کی جگہوں کی جو نشاندہی فرمائی تھی وہ اس جگہ سے سرِ مُو متجاوز نہیں ہوئیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ پھر ان سب کی لاشوں کو بدر کے کنویں میں اوپر تلے ڈال دیا گیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گئے حتیٰ کہ ان کی لاشوں کے پاس پہنچے، پس آپ نے فرمایا: اے فلاں بن فلاں، اور اے فلاں بن فلاں! تم سے اللہ اور رسول نے جو وعدہ فرمایا تھا کیا تم نے اس کو برحق پالیا ہے؟ کیونکہ اللہ نے مجھ سے جو وعدہ فرمایا تھا اس کو میں نے برحق پالیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ کس طرح ایسے جسموں سے گفتگو فرما رہے ہیں جن میں ان کی روحیں نہیں ہیں، تو آپ نے فرمایا: میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تم اس کو ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو البتہ یہ لوگ مجھے جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔

(صحیح مسلم: ۲۸۷۳، الرقم المسلسل: ۷۱۱۶، سنن نسائی: ۲۰۷۴، مسند احمد: ۱۸۲)

مخالف یعنی معتزلی کو یہ وہم ہے کہ روحیں اَعراض ہوتی ہیں جو بغیر اجسام کے قائم نہیں ہوتیں، اور جب وہ روحیں اجسام سے الگ ہو جائیں تو باطل ہو جاتی ہیں، اور ان کا یہ قول باطل ہے۔

(فتوح الغیب فی الکشف عن قناع الریب علی الکشاف ج ۳ ص ۱۶۴۔۱۶۵، جائزۃ دبئی الدولیۃ للقرآن الکریم، ۱۴۳۴ھ)

علامہ سید محمد آلوسی البغدادی الحنفی المتوفی ۱۲۷۰ھ، البقرہ: ۱۵۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

شہداء کی حیات کے متعلق اہلِ اسلام کا اختلاف ہے، اکثر سلفِ صالحین کا مذہب یہ ہے کہ شہداء کی حیات جسم اور روح دونوں کے ساتھ ہوتی ہے لیکن ہم اس دنیا میں اس کا ادراک نہیں کر سکتے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا ہے: "عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝"۔ (آلِ عمران:۱۶۹) "(ان کو ان کے رب کے پاس سے رزق دیا جاتا ہے)۔

(روح المعانی ج ۲ ص ۳۰، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

بعض احادیثِ صحیحہ سے شہداء کی حیاتِ جسمانی کا ثبوت

میں کہتا ہوں کہ بعض احادیثِ صحیحہ سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ شہداء کی حیات جسمانی ہوتی ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب غزوۂ احد پیش آیا تو میرے والد نے مجھے رات کو بلایا اور کہا: میرا یہی گمان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے جو شہید ہوں گے، میں ان میں سب سے پہلے شہید ہو جاؤں گا اور میں جن کو چھوڑ کر جاؤں گا ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مجھے سب سے زیادہ عزیز تم ہو، پس مجھ پر قرض ہے سو تم میرا قرض ادا کر دینا اور تم اپنی بہنوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا، پھر صبح ہوئی تو وہ سب سے پہلے شہید ہوئے تھے اور ان کے ساتھ ایک اور شخص کو بھی قبر میں دفن کیا گیا، پھر میرا دل اس سے خوش نہیں ہوا کہ میں ان کو دوسرے شخص کے ساتھ رہنے دوں، پس میں نے چھ مہینے بعد ان کو اس قبر سے نکال لیا، پس وہ اسی طرح تھے جیسے اس وقت ان کو رکھا گیا تھا، البتہ کان تھوڑا سا متغیر ہوا تھا (یعنی کان پر تھوڑی سی مٹی لگی ہوئی تھی)۔

(صحیح البخاری: ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، سنن نسائی: ۲۰۲۰، سنن بیہقی ج ۴ ص ۵۷، نشر السنہ، ملتان)

امام مالک بن انس فرماتے ہیں کہ ان کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ عمرو بن الجموح اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم جو دونوں انصاری پھر السلمی تھے، ان دونوں کی قبریں سیلاب میں آ گئیں اور ان دونوں کی قبریں سیلاب کے پانی کے ساتھ متصل تھیں اور وہ دونوں ایک قبر میں تھے، اور وہ دونوں ان صحابہ میں سے تھے جو غزوۂ احد میں شہید ہو گئے تھے، پس ان دونوں کی قبروں کو کھودا گیا تا کہ ان کو اس جگہ سے منتقل کر دیں، سو وہ دونوں اس حال میں پائے گئے کہ ان کے جسموں میں کوئی تغیر نہیں ہوا تھا گویا کہ وہ دونوں کل فوت ہوئے ہوں اور ان دونوں میں سے ایک زخمی ہوا تھا اور اس نے اپنا ہاتھ اپنے زخم پر رکھا ہوا تھا، پس اس کو اسی حال میں دفن کر دیا گیا تھا، پھر اس کے ہاتھ کو اس کے زخم سے ہٹایا گیا، پھر چھوڑا گیا تو وہ ہاتھ اسی طرح زخم پر لوٹ گیا اور غزوۂ احد اور جس دن ان دونوں کی قبروں کو کھودا گیا ان کے درمیان چھیالیس (۴۶) سال کا عرصہ تھا۔ (موطا امام مالک: ۱۰۴۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ زمین شہداء کے اجسام کو نہیں کھاتی، ہو سکتا ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہ شہداء احد کی خصوصیت ہے مگر ایسے آثار بھی ثابت ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں کہ شہداء احد کے علاوہ دوسرے شہداء کے اجسام کو بھی زمین نہیں کھاتی اور اس کا مشاہدہ بھی کیا گیا ہے۔ (الاستذکار ج ۱۴ ص ۳۴۴، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۱۴ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ صحیح البخاری کی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: اس حدیث میں حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد رضی اللہ عنہ کے دوست اور بہنوئی تھے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ ان کو تعظیماً چچا کہتے تھے، موطا امام مالک کی اس حدیث میں مذکور ہے کہ ان کو چھیالیس سال کے بعد ان کی قبر سے منتقل کیا گیا اور صحیح البخاری: ۱۳۵۱ میں مذکور ہے کہ چھ ماہ بعد حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کو اس قبر سے نکال لیا تھا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: حافظ ابن عبد البر نے کہا ہے کہ یہ دو مختلف واقعات ہیں، ہو سکتا ہے کہ پہلے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کو چھ ماہ بعد قبر سے نکالا ہو اور بعد میں چھیالیس سال بعد نکالا ہو، لیکن علامہ عینی نے کہا ہے کہ حافظ ابن عبد البر کی یہ توجیہ صحیح نہیں ہے، صحیح جواب یہ ہے کہ موطا امام مالک کی حدیث بلاغات میں سے ہے اور یہ حدیث منقطع ہے اور امام بخاری کی حدیث متصل ہے اس لیے وہ راجح ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۸ ص ۲۴۰، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ علامہ عینی کا حافظ ابن عبد البر پر رد کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ جب دو حدیثوں میں تعارض ہو تو حتی الامکان ان میں تطبیق دی جاتی ہے اور اگر تطبیق ممکن نہ ہو تو پھر کسی ایک حدیث کو ترجیح دی جاتی ہے اور جب یہاں تطبیق ممکن ہے تو پھر موطا امام

مالک کی حدیث کو غیر معتبر قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

مفتی محمد تقی عثمانی دیوبندی لکھتے ہیں:

ایک عجیب ایمان افروز واقعہ

حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہما کے مزارات کے ساتھ اسی صدی میں ایک عجیب وغریب اور ایمان افروز واقعہ رونما ہوا جو آجکل بہت کم لوگوں کو معلوم ہے۔ یہ واقعہ میں نے پہلی بار جناب مولانا ظفر احمد صاحب انصاری مدظلہم سے سنا تھا، پھر بغداد میں وزارتِ اوقاف کے ڈائریکٹر تعلقاتِ عامہ جناب خیر اللہ حدیثی صاحب نے بھی اجمالاً اس کا ذکر کیا۔

یہ ۱۹۲۹ء کا واقعہ ہے، اس وقت عراق میں بادشاہت تھی۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہما کی قبریں اس وقت یہاں (جامع مسجد سلمان رضی اللہ عنہ کے احاطے میں) نہیں تھیں، بلکہ یہاں سے کافی فاصلے پر دریائے دجلہ اور مسجد سلمان کے درمیان کسی جگہ واقع تھیں۔

۱۹۲۹ء میں بادشاہِ وقت نے خواب میں دیکھا کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہ اس سے فرمارہے ہیں کہ ہماری قبروں میں پانی آرہا ہے، اس کا مناسب انتظام کرو۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ دریائے دجلہ اور قبروں کے درمیان کسی جگہ گہری کھدائی کر کے دیکھا جائے کہ دجلہ کا پانی اندرونی طور پر قبروں کی طرف رِس رہا ہے یا نہیں۔ کھدائی کی گئی، لیکن پانی رِسنے کے کوئی آثار نظر نہیں آئے۔ چنانچہ بادشاہ نے اس بات کو ایک خواب سمجھ کر نظر انداز کردیا۔

لیکن اس کے بعد پھر۔۔۔ غالباً ایک سے زیادہ مرتبہ۔۔۔ وہی خواب دکھائی دیا، جس سے بادشاہ کو بڑی تشویش ہوئی اور اس نے علماء کو جمع کر کے ان کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا۔ ایسا یاد پڑتا ہے کہ اُس وقت عراق کے کسی عالم نے بھی بیان کیا کہ انہوں نے بھی بعینہٖ یہی خواب دیکھا ہے۔ اُس وقت مشورے اور بحث وتمحیص کے بعد رائے یہ قرار پائی کہ دونوں بزرگوں کی قبرِ مبارک کو کھول کر دیکھا جائے، اور اگر پانی وغیرہ آرہا ہو تو ان کے جسموں کو منتقل کیا جائے۔ اُس وقت کے علماء نے بھی اس رائے سے اتفاق کرلیا۔

چونکہ قرونِ اولیٰ کے دو عظیم بزرگوں اور صحابۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبروں کو کھولنے کا یہ واقعہ تاریخ میں پہلا واقعہ تھا، اس لیے حکومتِ عراق نے اس کا بڑا زبردست اہتمام کیا، اس کے لیے ایک تاریخ مقرر کی، تاکہ لوگ اس عمل میں شریک ہوسکیں، اتفاق سے وہ تاریخ ایامِ حج کے قریب تھی، جب اس ارادے کی اطلاع حجاز پہنچی تو وہاں حج پر آئے ہوئے لوگوں نے حکومتِ عراق سے درخواست کی کہ اس تاریخ کو قدرے مؤخر کردیا جائے، تاکہ حج سے فارغ ہوکر جو لوگ عراق آنا چاہیں وہ آسکیں، چنانچہ حکومتِ عراق نے حج کے بعد کی ایک تاریخ مقرر کردی۔

کہا جاتا ہے کہ مقررہ تاریخ پر نہ صرف اندرونِ عراق بلکہ دوسرے ملکوں سے بھی خلقت کا اس قدر اژدحام ہوا کہ حکومت نے سب کو یہ عمل دکھانے کے لیے بڑی بڑی اسکرینیں دُور تک فِٹ کیں، تاکہ جو لوگ براہِ راست قبروں کے پاس یہ عمل نہ دیکھ سکیں وہ ان اسکرینوں پر اس کا عکس دیکھ لیں۔

اس طرح یہ مبارک قبریں کھولی گئیں اور ہزارہا افراد کے سمندر نے یہ حیرت انگیز منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ تقریباً تیرہ صدیاں گزرنے کے باوجود دونوں بزرگوں کی نعش ہائے مبارک صحیح وسالم اور تروتازہ تھیں، بلکہ ایک غیر مُسلم ماہر امراضِ چشم وہاں

موجود تھا، اس نے نعشِ مبارک کو دیکھ کر بتایا کہ ان کی آنکھوں میں ابھی تک وہ چمک موجود ہے جو کسی مُردے کی آنکھوں میں انتقال کے کچھ دیر بعد بھی موجود نہیں رہ سکتی، چنانچہ وہ شخص یہ منظر دیکھ کر مسلمان ہو گیا۔

(جہانِ دیدہ، ص ۵۵۔۵۷، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، محرم الحرام ۱۴۲۶ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم تمہیں کچھ خوف اور بھوک اور اموال اور جانوں اور پھلوں میں کمی کے ساتھ ضرور آزمائش میں ڈالیں گے اور آپ ان صبر کرنے والوں کو خوش خبری سنا دیجئے O'' (البقرہ: ۱۵۵)

خوف، بھوک، اموال، جانوں اور پھلوں میں کمی کے مصادیق

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی المتوفی ۷۱۰ھ البقرہ: ۱۵۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَلَنَبۡلُوَنَّكُمۡ بِشَیۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ'': یعنی تم پر دشمن کا تھوڑا سا خوف طاری کر کے تم کو آزمائیں گے۔

''وَالۡجُوۡعِ'': اور تم کو قحط کی وجہ سے بھوک اور پیاس میں مبتلاء کر کے آزمائیں گے، یا رمضان کے روزوں میں تم کو بھوک اور پیاس میں مبتلاء کر کے آزمائیں گے۔

''وَنَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ'': یعنی تمہارے مویشیوں کو ہلاک کر کے یا ادائیگی زکوٰۃ کے ذریعہ تم کو مال میں کمی سے آزمائیں گے۔

''وَالۡاَنۡفُسِ'': یعنی تمہاری جانوں کو مرض میں یا بڑھاپے میں مبتلاء کر کے یا تم پر طبعی موت طاری کر کے یا دشمنوں کے ہاتھوں قتل سے تمہیں آزمائیں گے۔

''وَالثَّمَرٰتِ'': یعنی کھیتوں اور باغات کی تباہی سے تم کو آزمائیں گے یا تمہارے بچوں کی موت سے تم کو آزمائیں گے کیونکہ انسان کا بچہ بھی اس کے دل کا پھل ہوتا ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب کسی بندہ کا بیٹا فوت ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے: تم نے میرے بندہ کے بیٹے کی روح کو قبض کر لیا؟ وہ عرض کرتے ہیں: جی ہاں! پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تم نے میرے بندہ کے دل کے ٹکڑے کو قبض کر لیا؟ وہ عرض کرتے ہیں: جی ہاں! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرا بندہ (اس مصیبت پر) کیا کہتا تھا؟ فرشتے کہتے ہیں: اے اللہ! اس نے تیری حمد کی اور ''اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡهِ رٰجِعُوۡنَ'' پڑھا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے اس بندہ کے لیے جنت میں ایک گھر بنا دو اور اس گھر کا نام ''بیت الحمد'' رکھو۔

(سنن ترمذی: ۱۰۲۱، مسند احمد: ۱۹۲۲۶، ج ۴ ص ۴۱۵، صحیح ابن حبان: ۲۹۴۷، فیض القدیر ج ۱ ص ۴۴۰)

''وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیۡنَ'': یعنی جو مسلمان ان مصائب پر صبر کرتے ہیں یا کسی مصیبت کے آنے پر صرف ''اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡهِ رٰجِعُوۡنَ'' پڑھتے ہیں تو ان کو بشارت دے دیجئے۔ (مدارک التنزیل ج ۱ ص ۱۴۴۔۱۴۵، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''کہ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ کہتے ہیں: بے شک ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں O'' (البقرہ: ۱۵۶)

مصیبت پر ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ'' پڑھنے والوں کا اجر وثواب

''اَلَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۞'':

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے مصیبت آنے پر ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ'' پڑھا اور اللہ کی تقدیر کو تسلیم کرلیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے تین نیک خصلتیں لکھ دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر صلوٰۃ اور رحمت نازل ہوتی ہے اور ہدایت کا راستہ ثابت فرما دیتا ہے اور انہوں نے بتایا کہ جس شخص نے مصیبت آنے پر ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ'' پڑھا تو اللہ تعالیٰ اس سے اس مصیبت کو ٹال دیتا ہے اور اس کا انجام اچھا فرماتا ہے اور اس مصیبت کا ایسا بدل عطا فرماتا ہے جس سے وہ راضی ہو۔

(شعب الایمان: ۹۶۸۹، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۳۱)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ ارشاد سنا ہے: جب بندہ پر کوئی مصیبت آئے اور وہ ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ'' پڑھے اور یہ دعا کرے: اے اللہ! مجھے اس مصیبت میں اجر عطا فرما اور مجھے اس مصیبت کا نیک بدل عطا فرما تو اللہ تعالیٰ اس کو اس مصیبت میں اجر عطا فرماتا ہے اور اس کو اس مصیبت سے بہتر بدل عطا فرماتا ہے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب (ان کے شوہر) حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے ابوسلمہ کے بدلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرما دیا۔

(صحیح مسلم: ۹۱۸، سنن ابوداؤد: ۳۱۱۹، مسند احمد: ۲۶۰۹۵، ج ۶ ص ۳۰۹، شعب الایمان: ۹۶۹۷، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۳ ص ۵۰۶۔۵۰۷)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے خصوصی نوازشیں ہوں گی اور رحمت (نازل ہوگی)، اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں O'' (البقرہ: ۱۵۷)

''اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ'':

''صلوات'' اور ''رحمت'' کا معنی

امام ابومنصور محمد بن محمد الماتریدی الحنفی المتوفی ۳۳۳ھ البقرہ: ۱۵۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ''صلوات'' نازل ہونے کے حسبِ ذیل معانی ہیں: (۱) رحمت اور مغفرت۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ''صلوٰۃ'' کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کے سامنے فخر فرمانا، اور یہ فرشتوں کے اس قول کے جواب میں ہے جو انہوں نے کہا تھا ''اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ'' (فرشتوں نے کہا: کیا آپ زمین میں اس کو (اپنا نائب) بنائیں گے جو اس زمین میں دہشت گردی کرے گا اور خوں ریزی کرے گا)، یعنی تم نے یہ کیسے کہا حالانکہ ان میں ایسے لوگ ہوں گے جو میری حمد اور تسبیح کریں گے اور میری بہ کثرت عبادت کریں گے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی طرف سے صبر کرنے والوں کی ثنا اور تحسین۔

اور اس کے بعد فرمایا: ''وَرَحْمَةٌ''، بعض مفسرین نے کہا کہ رحمت اور صلوٰۃ کا ایک معنی ہے، اور دوسرا قول ہے کہ رحمت سے مراد نعمت ہے اور وہ جنت ہے۔

''وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾'': اللہ تعالیٰ نے اِن لوگوں کو ہدایت یافتہ فرمایا کیونکہ اِن لوگوں نے اپنے معاملات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردیا اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو تسلیم کرلیا اور اس کی قضاء پر راضی ہوگئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بندہ کی تقدیر میں لکھ دیا ہے وہ لامحالہ ہو کر رہے گا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۲۲﴾ (الحدید:۲۲)

دنیا میں اور تمہاری جانوں میں جو بھی مصیبت آتی ہے ہم نے اس مصیبت کو پیدا کرنے سے پہلے اس کو ایک کتاب (لوحِ محفوظ) میں لکھا ہوا ہے، بے شک یہ اللہ پر بہت آسان ہے O

(تاویلات اہل السنہ ج ۱ ص ۶۰۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

مصائب یافتہ لوگوں کے مصداق اور ان کا اجر وثواب

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مسلمان پر جو بھی مصیبت آتی ہے یا اس کو تھکاوٹ ہوتی ہے یا جو سخت بیماری آتی ہے کوئی پریشانی آتی ہے یا اس کو کسی چیز کا غم ہوتا ہے یا اس پر کوئی تکلیف دِہ چیز آتی ہے یا مستقبل کی فکر لاحق ہوتی ہے حتیٰ کہ اسے کوئی کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۶۴۱، صحیح مسلم: ۲۵۷۳، سنن ترمذی: ۹۶۶، مسند احمد: ۷۹۶۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک عورت آئی جس کو جنون کی بیماری تھی، اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ میرے متعلق دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس بیماری سے شفا عطا فرمائے، آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو میں اللہ تعالیٰ سے تمہارے لیے دعا کروں کہ وہ تمہیں شفا عطا فرما دے، اور اگر تم چاہو تو تم صبر کرو اور تم سے کوئی حساب نہیں لیا جائے گا، اس عورت نے کہا: بلکہ میں صبر کرتی ہوں اور مجھ سے کوئی حساب نہ لیا جائے۔ (علامہ ذہبی نے کہا: اس حدیث کی سند حسن ہے، شرح السنہ: ۱۴۱۸، مسند احمد: ۹۶۹۳، ج ۲ ص ۴۴۱، صحیح ابن حبان: ۲۹۰۹، المستدرک ج ۴ ص 218، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۰۷)

حضرت مصعب بن سعد اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا: لوگوں میں سے سب سے زیادہ مصائب میں مبتلاء کون لوگ ہوتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: الانبیاء، اور جو اُن کے قریب ہوں اور جو اُن کے قریب ہوں، اللہ تعالیٰ کسی مرد کو اس کے دین کے درجہ کے اعتبار سے مصیبت میں مبتلاء فرماتا ہے، اگر وہ اپنے دین میں مُتصلّب ہو تو اس کے اعتبار سے اس کو (سخت) مصیبت میں مبتلاء فرماتا ہے، اور اگر وہ اپنے دین میں نرم ہو تو اس پر مصیبت بھی ہلکی آتی ہے، پھر وہ اسی طرح رہتا ہے حتیٰ کہ وہ زمین پر اس حال میں چلتا ہے کہ اس کے اوپر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔

(سنن ترمذی: ۲۳۹۸، سنن ابن ماجہ: ۴۰۲۳، مسند احمد: ۱۶۱۰، ج ۱ ص ۱۸۵، صحیح ابن حبان: ۲۹۰۱، المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۴۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: زیادہ بڑی جزا زیادہ بڑی مصیبت پر ملتی ہے، اور بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی سے محبت رکھتا ہے تو اس کو مصیبت میں مبتلاء فرما دیتا ہے، پس جو اس مصیبت پر راضی ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر راضی ہوتا ہے اور جو اس مصیبت پر ناراض ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے۔

(سنن ترمذی: ۲۳۹۶، سنن ابن ماجہ: ۴۰۳۱، شرح السنہ: ۱۴۲۹ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کسی مومن مرد یا مومنہ عورت پر اس کی جان اور اس کے مال اور اس کی اولاد میں مصائب نازل فرماتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملتا ہے کہ اس کے اوپر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ (سنن ترمذی: ۲۳۹۹، مسند احمد: ۷۷۹۹، ج ۲ ص ۲۸۷، صحیح ابن حبان: ۲۹۱۳، المستدرک ج ۱ ص ۳۴۶، شرح السنۃ: ۱۴۳۱)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: مومن پر تعجب ہوتا ہے، اگر اُس کو کوئی بھلائی پہنچے تو وہ اللہ کی حمد کرتا ہے اور اُس کا شکر بجالاتا ہے، اور اگر اُس پر کوئی مصیبت آئے تو وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے اور صبر کرتا ہے، پس مومن کو اُس کے ہر کام میں اجر عطا فرمایا جاتا ہے حتیٰ کہ وہ اپنی بیوی کے مونہہ میں جو لقمہ رکھتا ہے اس پر بھی اُسے اجر ملتا ہے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۲۰۳۱۰، مسند ابوداؤد الطیالسی: ۲۱۱، مسند احمد: ۱۴۹۰، ج ۱ ص ۱۷۳، ۱۷۷، ۱۸۲، المعجم الاوسط: ۶۱۱۹، سنن بیہقی ج ۳ ص ۳۷۵، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۰۹)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک صفا اور مروہ اللہ کی (عظیم) نشانیوں میں سے ہیں، سو جس نے بیت اللہ کا حج کیا یا عمرہ کیا اس پر ان کے درمیان طواف کرنے (یا سعی کرنے) میں کوئی گناہ نہیں ہے، اور جس نے خوش دلی سے کوئی نیک کام کیا تو بے شک اللہ بہت قدر افزائی فرمانے والے بے حد جاننے والے ہیں O'' (البقرہ: ۱۵۸)

''اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ'': صفا اور مروہ دو پہاڑوں کے نام ہیں، اور ''شَعَائِر'' ''شَعِيْرَة'' کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: علامت، یعنی صفا اور مروہ پر چڑھنا اور اِن کے درمیان طواف یا سعی کرنا حج کی عبادات میں سے مخصوص عبادت ہے۔

''شَعَآئِرِ اللّٰهِ'' کا معنی اور ان کی تحقیق

علامہ السید محمد مرتضیٰ بن محمد الحسینی الزبیدی الحنفی المتوفی ۱۲۰۵ھ ''شعائر'' کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''شعائر'' دین کی ان مخصوص علامات کو کہتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے پسندیدہ قرار دیا ہے اور ان کو قائم کرنے کا حکم دیا ہے، الزجاج نے کہا ہے کہ ''شعائر اللہ'' سے مراد عبادات کی وہ تمام علامات ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے نشانیاں بنا دیا ہے، میدانِ عرفات میں قیام کی جگہ یا صفا اور مروہ میں سعی کی جگہ یا منیٰ میں ذبح کرنے کی جگہ یہ سب ''شعائر اللہ'' ہیں ان سب کو شعائر اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان سب سے مخصوص عبادات کا علم ہوتا ہے۔ (تاج العروس من جواہر القاموس ج ۶ ص ۹۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۳ھ)

شعائر اللہ کے مصادیق

میں کہتا ہوں کہ شعائر اللہ کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی مخصوص عبادات کی علامات اور اس کی یادگاریں، پس میدانِ عرفات میں وقوف یعنی کھڑے ہو کر ہاتھ پھیلا کر اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں پر توبہ کرنا اس کی مخصوص عبادت کی نشانی اور یادگار ہے، صفا اور مروہ میں سعی کرنا حضرتِ ہاجرؔ کی پانی کی طلب میں صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنے کی نشانی اور یادگار ہے، اور منیٰ میں جانور کو ذبح کرنا حضرتِ اسماعیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ذبح کرنے کی نشانی اور یادگار ہے، اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے ان مخصوص عبادات کو ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے، اس لئے ان کو شعائر اللہ کہا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ ''شعائر اللہ'' عبادات کی وہ علامات اور یادگاریں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے خود مقرر فرمایا ہے اور ان کی تعظیم کی حدود بھی مقرر فرما دی ہیں مثلاً حجرِ اسود بھی شعائر اللہ میں سے ہے اور اس کی تعظیم کا طریقہ شارع علیہ السلام نے مقرر فرما دیا ہے کہ حجرِ اسود کو بوسا دیا جائے یا دور سے کھڑے ہو کر اس کی طرف اشارہ کر کے اس کی

تعظیم کی جائے، اب اس عبادت میں اپنی طرف سے ترمیم یا اضافہ کرنا جائز نہیں ہے مثلاً کوئی حجرِ اسود کی تعظیم کرنے کے لیے اس کو سجدہ کرے یا اُس کے سامنے رکوع کرے تو اس کو بدعتِ سیئہ قرار دیا جائے گا، اسی طرح خانہ کعبہ بھی شعائر اللہ میں سے ہے اور اس کی تعظیم کا طریقہ بھی شریعت میں مقرر ہے کہ حج اور عمرہ میں یا نفلی طور پر اس کا طواف کیا جائے اور حج کے طواف میں سات چکر لگائے جائیں اور پہلے تین چکروں میں رمل کیا جائے یعنی بھاگ بھاگ کر اور کندھے ہلا ہلا کر دوڑا جائے، اب کوئی اس کی تعظیم میں مبالغہ کرے اور بجائے تین چکروں کے دس چکروں میں رمل کرے تو یہ اضافہ بدعتِ سیئہ ہوگا، اسی طرح طواف کے تین چکروں میں رَمَل کرنا بھی شعائر اللہ میں سے ہے، اب اگر کوئی شخص طواف کے ساتوں چکروں میں رَمَل کرے تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے خلاف اور بدعتِ سیئہ قرار پائے گا، اسی طرح رمی جمار یعنی شیطان کو کنکریاں مارنا بھی شعائر اللہ میں سے ہے لیکن اس میں بھی ترمیم اور اضافہ کرنا جائز نہیں ہے اور کنکریاں مارنے کی تعداد بھی مقرر اور معین ہے کہ جمراتِ ثلاثہ میں سے ہر جمرہ پر سات کنکریاں ماری جائیں (منیٰ اور مکہ کے درمیان میں تین جگہ ستون بنے ہوئے ہیں ان کو جمرہ کہتے ہیں، پہلا ستون جو منیٰ سے قریب ہے جمرہ اولیٰ کہلاتا ہے اور درمیان کا ستون جمرہ وسطیٰ کہلاتا ہے اور آخری ستون جو مکہ معظّمہ سے قریب ہے جمرۃ العقبہ کہلاتا ہے) اب اگر کوئی شخص سات کنکریاں مارنے کے بجائے سو کنکریاں مارے یا کوئی شخص کنکریاں مارنے کے بجائے جوتے مارے یا اُن ستونوں پر لاتیں مارے یا گھونسے مارے تو یہ بھی بدعتِ سیئہ ہے۔

اسی طرح قربانی کے لیے بھیجے جانے والے جانور جن کے گلوں میں نشانی کے ہار ہوں وہ بھی شعائر اللہ میں سے ہیں، قرآنِ مجید میں ارشاد ہے: ''وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ ۔۔۔ (المائدہ: ۲)'' یعنی قربانی کے جن جانوروں کے گلوں میں نشانی کے ہار ہوں ان کی بھی بے حرمتی نہ کرو، اسی طرح قربانی کے اونٹ کے کوہان میں معمولی سا شگاف لگایا جاتا تھا اور اس کا کوہان خون سے سرخ ہو جاتا تھا اور یہ اس بات کی علامت تھی کہ یہ قربانی کا اونٹ ہے، سو یہ اونٹ بھی شعائر اللہ میں سے ہیں۔

اس اعتراض کے دو جواب کہ حج کی عبادات میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی یادگار نہیں ہے بلکہ سب حضرت ابراہیم حضرت اسماعیل اور حضرت ہاجر کی یادگاریں ہیں

مجھ سے ایک علمی مجلس میں جسٹس مفتی سید شجاعت علی قادری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جسٹس جاوید اقبال اور دوسرے ججوں نے اسلام پر یہ اعتراض کیا ہے کہ حج کی تمام عبادات تو حضرتِ ابراہیم، حضرت اسماعیل اور حضرت ہاجر کی یادگار ہیں اس میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تو کوئی یادگار نہیں ہے، میں نے کہا: ایک چیز تو صرف نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور آپ کی یادگار ہے اور وہ ہے طواف کے پہلے تین چکروں میں رَمَل کرنا، کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلح حدیبیہ کے بعد عمرہ کرنے کے لیے صحابہ کرام کے ساتھ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو آپ کے صحابہ کو دیکھ کر مشرکین نے کہا: یثرب کے بخار نے ان کو دُبلا اور کمزور کر دیا ہے، تب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم کندھے ہلا ہلا کر اور بھاگ بھاگ کر پہلوانوں کی طرح طواف کرو تا کہ ان مشرکین کو معلوم ہو جائے کہ ہم مدینہ جا کر کمزور نہیں ہوئے، حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب آئے تو مشرکین نے آپس میں کہا: تمہارے

پاس وہ لوگ آئے ہیں جن کو یثرب کے بخار نے کمزور کر دیا ہے، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا کہ وہ تین چکروں میں رَمَل کریں اور صفا اور مروہ کے درمیان معمول کے مطابق پیدل چلیں اور اُن کو تمام چکروں میں رَمَل کرنے کا حکم اس لئے نہیں دیا تا کہ مسلمان یاد رکھیں کہ ایک وہ وقت تھا جب اُن کو کمزوری کا طعنہ دیا جاتا تھا۔ (صحیح البخاری: ۱۶۰۲، صحیح مسلم: ۱۲۶۶، سنن نسائی ۲۹۴۵، سنن ابوداؤد: ۱۸۸۶)

سو طواف کے پہلے تین چکروں میں رَمَل کرنا صرف سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کا مخصوص عمل ہے، یہ حضرت ابراہیم یا حضرت اسماعیل علیہما السلام کا عمل نہیں ہے، اور اب میں اس کا دوسرا جواب یہ دیتا ہوں کہ ہم حج اور عمرہ کے لیے جو احرام باندھتے ہیں وہ اس حیثیت سے اور اس نیت سے نہیں باندھتے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے بلکہ اس لئے احرام باندھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج اور عمرہ کے لئے احرام باندھا تھا اور ہم جو کعبہ کے گرد طواف کرتے ہیں وہ بھی اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے گرد طواف کیا تھا اور صفا اور مروہ میں جو سعی کرتے ہیں وہ صرف اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا اور مروہ میں سعی کی ہے اور شیطان کو جو کنکریاں مارتے ہیں وہ بھی اس وجہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کنکریاں ماری ہیں، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام نہ باندھا ہوتا، آپ نے کعبہ کا طواف نہ کیا ہوتا اور آپ نے صفا اور مروہ میں سعی نہ کی ہوتی تو ہم کبھی یہ کام نہ کرتے، ڈاکٹر اقبال نے کہا ہے، اور یہ جسٹس جاوید اقبال پر حجت ہے:

توفرمودی رہِ بطحا گرفتیم ☆ وگرنہ جز تو مارا منزلے نیست

یہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ملتِ ابراہیم پر عمل کرنے کا حکم فرمایا ہے لیکن ہم ملتِ ابراہیم پر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق عمل کرتے ہیں مثلاً احرام باندھنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے لیکن اس کے مواقیت ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائے، مثلاً فرمایا: ''اہلِ مدینہ کا میقات ذوالحلیفہ ہے اور اہل الشام کا میقات الجحفہ ہے اور اہلِ نجد کا میقات قرن المنازل ہے اور اہلِ یمن اور باہر سے آنے والوں کا میقات یلملم ہے'' (صحیح البخاری: ۱۵۲۴) حج اور عمرہ کے لیے احرام باندھنے کی ان جگہوں کا تعین حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہیں فرمایا یہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعین فرمائی ہے، اسی طرح صفا اور مروہ میں سعی کرنا حضرتِ ہاجرہ کی یادگار ہے مگر اس سعی کی تعداد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائی ہے کہ صفا سے سعی کی ابتداء کی جائے اور مروہ پر اس کی انتہاء کی جائے اور اس طرح سات مرتبہ چکر لگائے جائیں، یہ تعیین اور تحدید حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہیں فرمائی یہ تعیین اور تحدید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے، اور ہم اسی تعداد کے مطابق سعی کرتے ہیں، اسی طرح قربانی حضرتِ سیدنا ابراہیم اور سیدنا اسماعیل علیہما السلام کی یادگاریں ہیں لیکن قربانی کے جانوروں کی انواع اور جانوروں کی عمروں کا تعیّن کہ قربانی کے بکرے کی عمر کم از کم ایک سال ہو اور گائے کی عمر کم از کم دو سال ہو اور اونٹ کی عمر کم از کم پانچ سال ہو، سو قربانی کے جانوروں کی عمروں کا تعین بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے نہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اور ہم اِسی اعتبار سے حج کے تمام احکام پر عمل کرتے ہیں، لہٰذا یہ مناسکِ حج اگرچہ ابتداءً حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہیں لیکن ان یادگاروں پر ہمارا عمل سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کی ہدایت کے مطابق ہوتا ہے، اگر آپ کی ہدایت سے ہٹ کر ان یادگاروں پر عمل کیا جائے تو وہ نامقبول اور مردود ہوگا۔

یہ بھی واضح رہے کہ شعائر اللہ صرف اُن ہی عبادات کی علامات ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا ہے مثلاً قربانی کے جانور کی تعظیم کرنا کہ اس کو ضرر نہ پہنچایا جائے اور زم زم کے پانی کی اس طرح تعظیم کرنا کہ کھڑے ہو کر زم

زم کا پانی پیا جائے شعائر اللہ میں سے ہیں، اب اگر کوئی شخص کسی بزرگ کے مزار کی تعظیم کرے اور اس کے مزار کے گرد طواف کرے یا مزار کی تعظیم کے لیے حدِ رکوع تک جھکے، یا مزار کی تعظیم کے لیے اس کو سجدہ کرے یا صاحبِ مزار سے منتیں اور مرادیں مانگے تو یہ شعائر اللہ میں سے نہیں ہیں بلکہ بدعاتِ سیئہ ہیں اور اس آیت کا مصداق نہیں ہیں:

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾ اور جو شخص بھی شعائر اللہ کی تعظیم اور ان کا ادب کرے گا، سو یہ تعظیم (الحج: ۳۲) دلوں میں اللہ کے خوف کی وجہ سے ہے O

(سعیدی غفرلہٗ)

صفا اور مروہ کی پہاڑیوں پر چڑھنے کا وجوب

امام ابو منصور محمد بن محمد الماتریدی الحنفی المتوفی ۳۳۳ھ البقرہ: ۱۵۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت سے معلوم ہوا کہ صفا اور مروہ کی پہاڑیوں پر چڑھنا واجب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو شِعار فرمایا ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ (المائدہ: ۲) اے ایمان والو! اللہ کی (عبادت کی) نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو۔

اور صفا مروہ کی پہاڑیوں پر چڑھنے کو ترک کرنا اللہ تعالیٰ کے شعائر کی بے حرمتی ہے۔

صفا اور مروہ کی پہاڑیوں پر چڑھنے کے وجوب پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صفا اور مروہ کے درمیان اپنے اونٹ پر بیٹھ کر طواف کیا اور یہ بات معلوم ہے کہ اونٹ ان دونوں پہاڑوں پر نہیں چڑھتا جیسا کہ حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حجۃ الوداع میں اونٹ پر بیٹھ کر بیت اللہ کا طواف کیا اور آپ ڈھال سے اشارہ کر کے حجرِ اسود کی تعظیم کرتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۱۶۰۷، صحیح مسلم: ۱۲۷۲، سنن ابوداؤد: ۱۸۷۷، سنن نسائی: ۷۱۳، سنن ابن ماجہ: ۲۹۴۸، مسند احمد: ۲۱۱۹)

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عُذر کی وجہ سے اونٹ پر بیٹھ کر طواف کیا تھا اور نہ یہ ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان پہاڑیوں پر چڑھے اور آپ نے بیت اللہ کی طرف مونہہ کیا اور فرمایا: ہم سعی کی ابتداء اس سے کرتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر میں ابتداء فرمائی ہے، یعنی سعی کی ابتداء صفا سے کرتے ہیں اور مروہ پر اس کو ختم کر دیتے ہیں۔ (تاویلات اہل السنہ ج ۱ ص ۶۰۴)

''فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ'': یعنی جس نے کعبہ کا قصد کیا ''اَوِ اعْتَمَرَ'': یعنی جس نے کعبہ کی زیارت کی، کیونکہ الحج کا معنی ہے القصد اور ''العمرہ'' کا معنی ہے الزیارۃ۔ (مدارک التنزیل ج ۱ ص ۱۴۵، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

''فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا'':

عروہ بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ مجھے یہ بتایئے کہ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے ''فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا۔ (البقرہ: ۱۵۸)'' پس اللہ کی قسم! اگر کوئی شخص الصفا اور المروہ میں سعی نہ کرے تو اس کو کوئی گناہ نہیں ہوگا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے میرے بھتیجے! تم نے کیسی غلط بات کہی ہے، اگر اس آیت کی تاویل تمہاری تاویل کے مطابق ہوتی تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتا: ''لَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ لَّا يَطَّوَّفَ بِهِمَا'' یعنی جو شخص الصفا اور المروہ میں طواف نہ

کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، (لیکن یہ آیت اس طرح نہیں ہے) یہ آیت انصار کے متعلق نازل ہوئی ہے، وہ اسلام لانے سے پہلے منات (بُت) کے لیے احرام باندھتے تھے جس کی وہ مشلّل (ایک ٹیلا) کے پاس پرستش کرتے تھے، پس جو انصار حج کرتے وہ الصفا اور المروہ میں اس وجہ سے سعی کرنے کو برا جانتے تھے، لہٰذا جب وہ اسلام لے آئے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا، پس انہوں نے کہا: یارسول اللہ! ہم الصفا اور المروہ میں سعی کرنے سے تنگ ہوتے ہیں، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''بے شک الصفا اور المروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں (البقرہ:۱۵۸)'' (یعنی تم صفا اور مروہ میں طواف کیا کرو، اس میں کوئی گناہ نہیں ہے)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: تحقیق یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے الصفا اور المروہ میں سعی کرنے کو سنت قرار دیا ہے، پس کسی شخص کے لیے اِن میں سعی کو ترک کرنا جائز نہیں ہے۔۔۔۔ الحدیث

(صحیح البخاری:۱۶۴۳، صحیح مسلم:۱۲۷۷، سنن ترمذی:۲۹۶۵، سنن نسائی:۲۹۶۸، مسند احمد:۲۴۵۸۸)

الصفا اور المروَۃ کے درمیان طواف کرنے کو انصار کے ناپسند کرنے کا سبب

امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی المتوفی ۴۶۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ الصفا پر ایک مرد کی صورت میں بُت نصب تھا، اس مرد کا نام اِساف تھا اور المروہ پر عورت کی صورت میں ایک بُت نصب تھا جس عورت کو نائلہ کہا جاتا تھا، اہلِ کتاب کا زعم ہے کہ ان دونوں نے الکعبہ میں زنا کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو مسخ کر کے پتھر بنا دیا، پھر ان پتھروں کو الصفا اور المروہ پر رکھ دیا گیا تا کہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں، جب ایک عرصہ گزر گیا تو مشرکین نے اللہ کو چھوڑ کر اِن دو پتھروں کی عبادت کرنی شروع کر دی، پس زمانۂ جاہلیت میں جب وہ الصفا اور المروہ کے درمیان طواف کرتے تھے تو ان بتوں کو ہاتھ لگاتے تھے، پھر جب اسلام آ گیا اور بُت توڑ دیے گئے تو مسلمانوں نے اِن دو بتوں کی وجہ سے الصفا اور المروہ میں طواف کرنے کو مکروہ جانا، تب اللہ عزوجل نے البقرہ:۱۵۸ نازل فرمائی۔

(اسباب نزول القرآن، ص۴۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

الصفا اور المروہ کے درمیان سعی کرنے کے متعلق مذاہبِ فقہاء

امام محمد بن ادریس الشافعی المتوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے کہ الصفا اور المروہ کے درمیان سعی کرنا فرض ہے حتیٰ کہ اگر کسی حج کرنے والے نے اس سعی کے ایک قدم کو بھی ترک کر دیا اور وہ اپنے وطن چلا گیا تو اسے حکم دیا جائے گا کہ وہ واپس آئے اور اس جگہ قدم رکھے جہاں قدم نہیں رکھا تھا اور ان کا استدلال اس سے ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے الصفا اور المروہ کے درمیان سعی کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے الصفا اور المروہ کے درمیان سعی کو تم پر فرض کر دیا ہے، لہٰذا تم سعی کرو۔

(مسند احمد:۲۶۸۲۲، ج۶ ص۴۲۲، المعجم الکبیر للطبرانی:۷ ۱۱۴۳، مجمع الزوائد ج۳ ص۲۵۱)

امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت المتوفی ۱۵۰ھ نے کہا ہے کہ الصفا اور المروہ کے درمیان سعی کرنا نہ فرض ہے اور نہ لازم، کیونکہ البقرہ:۱۵۸ میں ارشاد فرمایا ہے ''فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا'' یعنی الصفا اور المروہ کے درمیان طواف کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور جو کام فرض ہو اس کے متعلق اس طرح نہیں کہا جاتا، نیز حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ہے ''فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن لَّا يَطَّوَّفَ بِهِمَا'' یعنی الصفا اور المروہ کے درمیان طواف نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ الصفا اور المروہ

میں طواف کرنا فرض یا واجب نہیں ہے، ہاں سنت ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث (صحیح البخاری: ۱۶۴۳) سے ثابت ہے۔

حج، عمرہ اور الصفا والمروہ کے درمیان سعی کے متعلق بعض آزاد منش (Liberal) لوگوں کے افکار

غلام احمد پرویز متوفی ۱۹۸۵ء حج کے متعلق لکھتے ہیں:

اسی کتاب کے ص ۵۶ پر ضمناً بیان کیا جاچکا ہے کہ حج اسلامی نظام میں امت کی سالانہ کانفرنس ہے۔ پھر لکھتے ہیں:

حج اُمت کے اس اجتماع کو کہا جائے گا جہاں نظامِ خداوندی سے متعلق جملہ اہم معاملات کا فیصلہ دلائل وحجت کی رُو سے کیا جائے، مشاورتی نظام میں اس قسم کے اجتماعات نہایت ضروری ہوتے ہیں۔ میری بصیرت کے مطابق اس نظام نے ایک عالمگیر سالانہ اجتماع ضروری قرار دیا تھا۔

اور سال بھر میں چھوٹے چھوٹے اجتماعات عند الضرورۃ اس پر مستزاد ان اجتماعات کو عمرہ کہا جاتا ہے، یعنی ان اجتماعات میں اس بات پر غور وفکر کیا جائے گا کہ یہ نظام کس طرح ہر قسم کی خرابی اور کمزوری سے محفوظ رہ کر مستحکم تر ہو جاتا ہے۔

(مطالب الفرقان ج ۳ ص ۱۲۰، طلوعِ اسلام ٹرسٹ، V گلبرگ لاہور، مارچ ۱۹۹۳ء)

میں کہتا ہوں: غالباً غلام احمد پرویز کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اسلام میں ہر سال حج فرض نہیں ہے بلکہ زندگی میں صرف ایک بار حج کرنا فرض ہے سو حج کو سالانہ کانفرنس کہنا کس طرح صحیح ہوگا؟، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ کرام، فقہاء تابعین اور آج تک امتِ مسلمہ حج اور عمرہ کو ان ہی شرائط کے مطابق ادا کرتی چلی آرہی ہے جو مسلمانوں میں مروّج ہیں اور غلام احمد پرویز نے جو حج کو سالانہ کانفرنس قرار دیا ہے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام امتِ مسلمہ کے عمل کے خلاف ہے، اور قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝ (النساء: ۱۱۵)

اور جو کوئی راہِ ہدایت کھل جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرے گا اور مومنین کے راستہ کے علاوہ (کسی اور راستہ کی) پیروی کرے گا (تو) ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرا ہے اور اس کو جہنم میں جھونک دیں گے اور وہ نہایت برا ٹھکانا ہے ۝

غلام احمد پرویز نے جو حج اور عمرہ کی تفسیر کی ہے وہ اسی آیت کا مصداق ہے، نیز غلام احمد پرویز نے صفا اور مروہ کی بحث میں متعدد جگہ پر حضرت ہاجرہ لکھا ہے (مطالب الفرقان ج ۲ ص ۱۲۱)۔ (حالانکہ اس کا صحیح املاء ''ھاجَر'' ہے)۔

اللہ عز وجل کا ارشاد ہے: ''بے شک جو لوگ ہماری نازل کی ہوئی واضح نشانیوں اور ہدایت کو اس کے باوجود چھپاتے ہیں جب کہ ہم ان کو لوگوں کے لیے کتاب میں صاف بیان فرما چکے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت فرماتا ہے اور لعنت کرنے والے ان پر لعنت کرتے ہیں ۝ سوا ان لوگوں کے جنہوں نے (کتمانِ حق سے) توبہ کر لی اور (اپنی) اصلاح کر لی اور (جن واضح نشانیوں کو انہوں نے چھپایا تھا) ان کو ظاہر کر دیا، سو یہی وہ لوگ ہیں جن کی میں توبہ قبول فرماؤں گا اور میں بہت توبہ قبول فرمانے والا بے حد رحم فرمانے والا

ہوں O بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ حالتِ کفر میں ہی مر گئے (تو) یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی لعنت ہے اور تمام فرشتوں اور (تمام) لوگوں کی لعنت ہے O وہ (لعنت میں) ہمیشہ گرفتار رہنے والے ہیں، نہ ان سے عذاب میں تخفیف کی جائے گی اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی O'' (البقرہ:۱۵۹۔۱۶۲)

علم کے چھپانے پر وعید

البقرہ:۱۵۹ میں علم کے چھپانے پر وعید فرمائی ہے، حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص سے کسی چیز کے علم کے متعلق سوال کیا گیا، پس اس نے اس علم کو چھپالیا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے مونہہ میں آگ کی لگام ڈالے گا۔ (سنن ابوداؤد: ۳۶۵۸، سنن ترمذی: ۲۶۴۹، سنن ابن ماجہ: ۲۶۱، سنن ابوداؤد الطیالسی: ۲۵۳۴، صحیح ابن حبان: ۹۵، مسند احمد: ۷۵۱۷، ج ۲ ص ۲۶۳، المستدرک ج ۱ ص ۱۰۱)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی المالکی المتوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

جس عالم سے کسی مسئلہ کے متعلق دریافت کیا گیا اس پر اس مسئلہ کو بتانا اس آیت اور اس حدیث کی وجہ سے واجب ہے، تاہم کافر کو قرآن مجید کی تعلیم دینا جائز نہیں ہے، اسی طرح بدمذہب جھگڑالو کو بھی قرآن مجید کی یا علم کی تعلیم دینا جائز نہیں ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۱۸۲، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۲۰ ھ)

ان چار آیات میں لعنت کا ذکر ہے، اس لیے یہاں ہم لعنت کی تحقیق کر رہے ہیں:

لعنت کا لغوی اور عرفی معنی

علامہ ابوالقاسم الحسین بن محمد الراغب الاصفہانی المتوفی ۵۰۲ ھ ''لعنت'' کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''لعن'' کا معنی ہے: غصہ سے کسی کو دھتکارنا اور اپنے سے دور کرنا، اللہ تعالیٰ کا آخرت میں لعنت فرمانا سزا ہے اور دنیا میں لعنت فرمانا اپنی رحمت اور توفیق سے منقطع کرنا ہے اور جب انسان کسی دوسرے کو لعنت کرے تو یہ بددعا ہے جیسے ارشادِ باری ہے: ''اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ ۝ (ہود:۱۸)'' (سنو! ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے O)۔

(المفردات فی غریب القرآن ج ۲ ص ۵۸۱، مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ ھ)

لعنت کا شرعی معنی یعنی کس پر شرعاً لعنت کرنا جائز ہے اور کس پر جائز نہیں ہے

(۱) کسی معین شخص پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے جب تک کہ اس کی کفر پر موت ثابت نہ ہو جیسے ابوجہل اور ابولہب، ان کی کفر پر موت قطعیت کے ساتھ معلوم ہے اس لیے ان پر لعنت کرنا جائز ہے، کیونکہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَھُمْ کُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَیْھِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ۝ (البقرہ:۱۶۱)''۔

علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بہ ابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ ھ لکھتے ہیں:

کافر معین پر بھی لعنت کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس کی موت علی الکفر کا ہمیں علم نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ شرط عائد فرمائی ہے کہ جو لوگ کفر کی حالت میں مر گئے ان پر لعنت کی جائے گی۔ (احکام القرآن، ج ۱ ص ۱۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۸ ھ)

یا اُس معیّن شخص پر لعنت کرنی جائز ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کے متعلق فرمایا:

وَّاِنَّ عَلَیْكَ لَعْنَتِیْۤ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ (ص:۷۸) اور بے شک تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت ہے O

(۲) جن صفات کے حاملین پر اللہ تعالیٰ نے مطلقاً لعنت فرمائی ہے ان صفات کے حاملین پر مطلقاً لعنت کرنا جائز ہے جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے ''اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ۔ (ہود:۱۸)'' (سنو! ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے O)، ''لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَی الْكٰذِبِیْنَ (آل عمران:۶۱)'' (جھوٹوں پر خدا کی لعنت ہے O)۔

(۳) غیر معیّن مسلمان مرتکبِ کبیرہ پر بھی لعنت کرنا اجماعاً جائز ہے، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ''لَعَنَ اللّٰهُ السَّارِقَ یَسْرِقُ الْبَیْضَةَ'' (اللہ تعالیٰ چور پر لعنت فرمائے جو خود چراتا ہے) (صحیح البخاری: ۶۷۸۳، صحیح مسلم: ۱۶۸۷، سنن نسائی: ۴۸۷۳، سنن ابن ماجہ: ۲۵۸۳، مسند احمد: ۷۴۳۸۸)، یا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ''لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ وَالْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ'' (اللہ تعالیٰ ان عورتوں پر لعنت فرماتا ہے جو کسی کے بالوں کے ساتھ دوسری عورتوں کے بالوں کو پیوند کرتی ہیں اور ان عورتوں پر لعنت فرماتا ہے جو اپنے بالوں کے ساتھ دوسری عورتوں کے بالوں کو پیوند کراتی ہیں، اور گودنے والی عورتوں پر اور گدوانے والی عورتوں پر لعنت فرماتا ہے)، گودنے سے مراد ہے جسم کے کسی عُضو پر سوئی سے کچھ لکھنا یا تصویر بنانا (جس کو ٹیٹو کہتے ہیں)۔

(۴) کسی مُعیّن مسلمان مرتکبِ کبیرہ پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ حدیث میں ہے: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں ایک شخص تھا جس کا نام عبداللہ تھا اور اس کا لقب حمار تھا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہنسایا کرتا تھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو شراب نوشی پر کوڑے مارے تھے، پس وہ ایک دن لایا گیا تو آپ نے اس کو کوڑے مارنے کا حکم دیا، پس صحابہ میں سے ایک مرد نے کہا: اے اللہ! اس پر لعنت فرما، اس کو کتنی مرتبہ کوڑے مارنے کے لیے لایا جاتا ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس پر لعنت نہ کرو، پس اللہ کی قسم! میں صرف یہی جانتا ہوں کہ یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔ (صحیح البخاری: ۶۷۸۰)

علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بہ ابن العربی المالکی التوفی ۵۴۳ ھ، لکھتے ہیں:

کسی مُعیّن نافرمان پر لعنت کرنا بالاتفاق جائز نہیں ہے۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۷۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۸ ھ)

باغیوں پر لعنت کرنے کا عدم جواز اور یزید بن معاویہ پر لعنت کرنے میں فقہاء کا اختلاف

علامہ سعدالدین مسعود بن عمر تفتازانی حنفی متوفی ۷۹۱ ھ لکھتے ہیں:

السلف المجتہدین اور العلماء الصالحین سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب پر لعنت کرنا منقول نہیں ہے، کیونکہ زیادہ سے زیادہ ان کا حکم یہ ہے کہ انہوں نے خلیفہ وقت کے خلاف بغاوت کی اور امامِ وقت کے خلاف خروج کیا اور یہ لعنت کو واجب نہیں کرتا، ہاں یزید بن معاویہ پر لعنت میں اختلاف ہے حتیٰ کہ الخلاصہ و دیگر کتب میں تصریح ہے کہ یزید پر لعنت نہیں کرنی چاہیے اور نہ حجاج پر، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھنے والوں پر لعنت کرنے سے منع فرمایا ہے اور اہلِ قبلہ پر لعنت کرنے سے منع فرمایا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو بعض اہلِ قبلہ پر لعنت فرمائی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ آپ لوگوں کے احوال کے متعلق وہ کچھ جانتے تھے جو آپ کا غیر نہیں جانتا، اور بعض علماء نے یزید پر لعنت کا اطلاق کیا ہے، کیونکہ جب اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا حکم دیا تو وہ کافر ہو گیا اور اس پر اتفاق ہے کہ جس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا یا ان کو قتل کرنے کا حکم دیا یا اس کی اجازت دی یا ان کے قتل پر

راضی ہوا، اس پر بالاتفاق لعنت جائز ہے۔ اور حق یہ ہے کہ یزید کا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر راضی ہونا اور ان کو قتل کیے جانے پر خوش ہونا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت کی اہانت کرنا، یہ امور معناً متواتر ہیں اگرچہ ان کی تفاسیر اخبار احاد سے ثابت ہیں، پس ہم یزید کے معاملہ میں بالکل توقف نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہو اور اس کے اعوان و انصار پر لعنت ہو۔

(شرح العقائد النسفی ص ۱۱۶۔ ۱۱۷، مطبوعہ سکندر علی، بہادر علی تاجران کتب، کراچی)

میں کہتا ہوں کہ ہر چند کہ یزید بن معاویہ بدترین فاسق و فاجر اور اہلِ بیت کے ساتھ ناروا سلوک کرنے والا تھا تاہم اس کا کفر کسی دلیلِ قطعی سے ثابت نہیں ہے اور بہت سے صحابہ کرام اس کی بیعت پر قائم رہے، اس لیے اس پر لعنت کرنے سے احتراز کیا جائے، اس کی مفصل بحث ہم نے شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۶۱۸۔ ۶۲۳ میں کی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور تمہارا معبود، معبودِ واحد ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہ سب پر رحم فرمانے والا، بے حد مہربانی فرمانے والا ہے O'' (البقرہ: ۱۶۳)

''وَ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝'': اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے حق کے چھپانے پر وعید فرمائی تھی لہٰذا حق کو ظاہر کرنا واجب قرار پایا اور سب سے پہلے جس حق کا اظہار کرنا واجب ہے اور اس کا چھپانا جائز نہیں ہے وہ اللہ تعالیٰ کی توحید ہے، حدیث میں ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نیند سے بیدار ہو کر فرمایا: جس بندہ نے بھی پڑھا: لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، پھر وہ اسی عقیدہ پر فوت ہو گیا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ الحدیث۔ (صحیح مسلم: ۹۴، صحیح البخاری: ۵۸۲۷، مسند احمد: ۲۱۵۲۲)

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ الْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ بَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّ تَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَ السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝۱۶۴

بے شک آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق میں اور رات اور دن کے ایک دوسرے کے بعد آنے میں اور جہازوں کے سمندر میں لوگوں کی نفع بخش چیزوں کو لے جانے میں اور آسمان سے اللہ کے پانی کو نازل فرمانے میں، پھر اُس پانی سے خشک زمین کو سرسبز فرمانے میں اور اُس زمین میں ہر قسم کے جانوروں کو پھیلانے میں اور ہواؤں کے چلانے میں اور جو بادل آسمانوں اور زمینوں کے درمیان ہیں اُن کے حکمِ الٰہی کے تابع رہنے میں، اُن لوگوں کے لیے ضرور (اللہ کی توحید پر) نشانیاں ہیں جو عقل رکھتے ہیں O

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَ لَوْ یَرَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اِذْ یَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ

اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾

اور بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں، وہ اُن سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی محبت اللہ سے ہونی چاہیے اور جو ایمان والے ہیں وہ اللہ ہی سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں، اور کاش! ظالم لوگ (دنیا کا) عذاب دیکھتے وقت (یہ) جان لیتے کہ (آخرت کا عذاب اس سے بہت سخت ہوگا) اور (تمام) قوت اللہ ہی کے لیے ہے اور بے شک اللہ بہت سخت عذاب دینے والے ہیں O

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾

اور جس وقت (کافروں کے) پیشوا اپنے پیروکاروں سے براءت کا اظہار کریں گے (اور وہ دونوں) عذاب کو دیکھ چکے ہوں گے اور ان کے باہمی تعلقات ٹوٹ جائیں گے O

وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾ ع

اور (وہ) پیروکار یہ کہیں گے: کاش! ہمارے لیے (دنیا میں) دوبارہ لوٹنا ہوتا تو ہم بھی ان پیشواؤں سے اسی طرح براءت کا اظہار کرتے جس طرح (اب) انہوں نے ہم سے براءت کا اظہار کیا ہے، اللہ اسی طرح ان کو ان کے حسرت آمیز اعمال دکھائیں گے اور وہ (سب) دوزخ سے نکلنے والے نہیں ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق میں اور رات اور دن کے ایک دوسرے کے بعد آنے میں اور جہازوں کے سمندر میں لوگوں کی نفع بخش چیزوں کو لے جانے میں اور آسمان سے اللہ کے پانی کو نازل فرمانے میں، پھر اُس پانی سے خشک زمین کو سرسبز فرمانے میں اور اُس زمین میں ہر قسم کے جانوروں کو پھیلانے میں اور ہواؤں کے چلانے میں اور جو بادل آسمانوں اور زمینوں کے درمیان ہیں اُن کے حکمِ الٰہی کے تابع رہنے میں، اُن لوگوں کے لیے ضرور (اللہ کی توحید پر) نشانیاں ہیں جو عقل رکھتے ہیں O'' (البقرہ: ۱۶۴)

اللہ تبارک وتعالیٰ کی توحید پر دلائل

امام ابو اللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، البقرہ: ۱۶۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جن لوگوں کے لیے عقل اور تمیز ہے ان کے لیے اس آیت میں جن چیزوں کا ذکر فرمایا گیا ہے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے اوپر دلائل ہیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ آیت توحید کے اصول کی جامع ہے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل بیان کئے گئے ہیں، کیونکہ مثلاً اگر دن اور رات کے ایک دوسرے کے بعد آنے کی تخلیق دو خداؤں نے کی ہوتی تو ان میں یکسانیت نہ ہوتی اور ان کا

ایک نظام نہ ہوتا، کبھی گرمیوں میں دن بڑے ہوتے اور کبھی چھوٹے ہوتے، اور کبھی سردیوں میں راتیں بڑی ہوتیں اور کبھی چھوٹی ہوتیں، لیکن جب دن رات کا تسلسل ہمیشہ نظمِ واحد پر قائم ہے تو اس میں یہ دلیل ہے کہ اس نظام کا خالق بھی واحد ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں، وہ اُن سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی محبت اللہ سے ہونی چاہیے اور جو ایمان والے ہیں وہ اللہ ہی سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں، اور کاش! ظالم لوگ (دنیا کا) عذاب دیکھتے وقت (یہ) جان لیتے کہ (آخرت کا عذاب اس سے بہت سخت ہوگا) اور (تمام) قوت اللہ ہی کے لیے ہے اور بے شک اللہ بہت سخت عذاب دینے والے ہیں O'' (البقرہ: ۱۶۵)

اللہ تعالیٰ سے زیادہ محبت رکھنے کا تقاضا

یعنی بعض لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے شرکاء گھڑ رکھے ہیں اور وہ ان کے اپنے ہاتھوں سے تراشیدہ بُت ہیں اور بعض مفسرین نے کہا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ مشرکین ان بتوں سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی وہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا بھی اقرار کرتے ہیں اور بعض دوسرے مفسرین نے کہا: اس آیت کا معنی ہے مشرکین بُتوں سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسے مومنین اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں۔

''وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ'': کیونکہ کفار کُشادگی اور فراخی کے زمانہ میں اپنے بُتوں کی عبادت کرتے ہیں اور جب ان پر کوئی سختی، تنگی یا مصیبت آتی ہے تو وہ اُن بتوں کی عبادت کو ترک کر دیتے ہیں، اس کے برخلاف مومنین کُشادگی کی حالت ہو یا تنگی کی حالت ہو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم پر عمل کریں اور ہر اُس چیز سے رُک جائیں جس سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے، پس جو شخص اللہ تعالیٰ کا جتنا زیادہ اطاعت گزار ہوگا وہ اُس سے اتنا زیادہ محبت رکھنے والا ہوگا۔

''وَلَوْ یَرَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا'': اس آیت میں کچھ عبارت محذوف ہے اور اس کا معنی اس طرح ہے: ''اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) اگر آپ ان ظالموں کو عذاب میں مبتلاء دیکھتے (تو بہت سنگین امر دیکھتے)'' (میں کہتا ہوں: یہ تقریر صحیح نہیں ہے، صحیح تقریر یہ ہے:) ''اور کاش ظالم لوگ (دنیا کا) عذاب دیکھتے وقت (یہ) جان لیتے کہ (آخرت کا عذاب اس سے بہت زیادہ سخت ہوگا)''۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جس وقت (کافروں کے) پیشوا اپنے پیروکاروں سے براءت کا اظہار کریں گے (اور وہ دونوں) عذاب کو دیکھ چکے ہوں گے اور ان کے باہمی تعلقات ٹوٹ جائیں گے O اور (وہ) پیروکار یہ کہیں گے: کاش! ہمارے لیے (دنیا میں) دوبارہ لوٹنا ہوتا تو ہم بھی ان پیشواؤں سے اسی طرح براءت کا اظہار کرتے جس طرح (اب) انہوں نے ہم سے براءت کا اظہار کیا ہے، اللہ اسی طرح ان کو ان

کے حسرت آمیز اعمال دکھائیں گے اور وہ (سب) دوزخ سے نکلنے والے نہیں ہیں O'' (البقرہ:۱۶۶۔۱۶۷)

''اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَ رَاَوُا الْعَذَابَ وَ تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾'':

یعنی نچلے درجہ کے بُت پرست جب اپنے سے اوپر کے بُت پرستوں کو جن کی وہ دنیا میں پیروی کرتے تھے دوزخ کے عذاب میں مبتلاء دیکھیں گے تو اُن سے براءت کا اظہار کردیں گے اور اُن کے باہمی اسباب منقطع ہوجائیں گے۔

القتبی نے کہا ہے: اسباب سے مراد وہ اسباب ہیں جن اسباب کے ساتھ وہ دنیا میں ایک دوسرے سے رابطہ رکھتے تھے، اور دوسرے مفسرین نے کہا: ان کی ایک دوسرے کے ساتھ جو محبت اور اخوت تھی وہ ٹوٹ جائے گی۔

دوزخ میں بُت پرستوں کے پیشواؤں اور اُن کے پیروکاروں کا مکالمہ

''وَقَالَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا'': یعنی نچلے درجہ کے بُت پرست کہیں گے: کاش! ہمارے لیے دوبارہ دنیا میں لوٹ کر جانا ممکن ہوتا، کیونکہ وہ دیکھیں گے جب بت پرستوں کے پیشواؤں نے نچلے درجہ کے بت پرستوں سے اپنی براءت کا اظہار کیا اور یہ پیشوا اپنے پیروکاروں کو کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے، تب نچلے درجہ کے بُت پرست نادم ہوں گے اور دل میں کہیں گے کہ کاش! ہم دنیا میں دوبارہ لوٹ جائیں اور ہم ان پیشواؤں سے اس طرح اظہارِ براءت کردیں جس طرح ان پیشواؤں نے آج ہم سے براءت کا اظہار کیا ہے۔

''كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ'':

اسی طرح اللہ تعالیٰ دکھائے گا کہ ان کے اعمال غیر مقبول ہیں کیونکہ وہ اعمال اللہ کی رضا جوئی کے لیے نہیں کیے گئے تھے اور تابع اور متبوع یعنی بُت پرستوں کے پیشوا اور پیروکار سب دوزخ میں جھونکے ہوئے ہوں گے اور ان کے لیے دوزخ سے نکلنے اور نجات کا کوئی ذریعہ نہیں ہوگا۔ (تفسیر السمرقندی ج ا ص ۱۷۳۔۱۷۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶۸﴾

اے لوگو! زمین میں سے اُن چیزوں کو کھاؤ جو حلال طیب ہیں اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو بیشک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے O

اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

وہ تم کو صرف برائی اور بے حیائی (کے کاموں) کا حکم دیتا ہے اور (اس کا حکم دیتا ہے کہ) تم اللہ پر ایسا افتراء باندھو جس کا تمہیں علم نہیں ہے O

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے نازل کئے ہوئے (احکام) کی پیروی کرو (تو) وہ کہتے ہیں: بلکہ ہم ان (کاموں) کی پیروی کریں گے جن (کاموں) پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے خواہ ان کے باپ دادا نہ کچھ عقل سے کام لیتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہوں O

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ۭ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾

اور کافروں کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو ایسے (جانور) کو پکار رہا ہے جو سوائے بلانے اور پکارنے کے اور کچھ نہ سنتا ہو، (یہ کفار) بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں، پس وہ عقل سے کام نہیں لیتے O

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾

اے ایمان والو! اُن پاکیزہ چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا فرمائی ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرتے رہو اگر تم صرف اسی کی عبادت کرتے ہو O

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾

اللہ نے تم پر صرف مُردار اور خون اور خنزیر کے گوشت کو حرام فرمایا ہے اور اُس جانور کو (حرام فرمایا ہے) جس کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، پس جو شخص (بھوک سے) بے قرار ہو جب کہ وہ نافرمان اور حد سے بڑھنے والا نہ ہو تو اس پر (ان چیزوں کو بہ قدرِ ضرورت کھانے میں) کوئی گناہ نہیں ہے، بے شک اللہ بہت بخشنے والے بے حد رحم فرمانے والے ہیں O

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰۗىِٕكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ښ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۴﴾

بے شک جو لوگ اُس چیز کو چھپاتے ہیں جس کو اللہ نے کتاب (تورات) میں نازل فرمایا ہے اور وہ اِس کے عِوض قلیل مُعاوضہ لیتے ہیں (تو) وہ لوگ اپنے پیٹوں میں صرف آگ کو کھا رہے ہیں اور قیامت کے دن اللہ اُن سے (مہربانی سے) کلام نہیں فرمائیں گے اور نہ اُنہیں (گناہوں سے) پاک فرمائیں گے اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہے O

اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو ہدایت کے عوض خرید لیا ہے اور عذاب کو نجات کے عوض (خرید لیا ہے)، سو یہ لوگ دوزخ کی آگ پر کس قدر زیادہ صبر کرنے والے ہیں O

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِى الْكِتٰبِ لَفِىْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ (۱۷۶)

یہ (سزا) اس وجہ سے ہے کہ بے شک اللہ نے حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی اور بے شک جن لوگوں نے اس کتاب میں اختلاف ڈالا وہ ضرور بہت دور کی مخالفت میں مبتلاء ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے لوگو! زمین میں سے اُن چیزوں کو کھاؤ جو حلال طیب ہیں اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو، بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے O'' (البقرہ:۱۶۸)

امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ البقرہ:۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

البقرہ:۱۶۸ کا شانِ نزول

''يَآيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا'':

یہ آیت ثقیف، خزاعہ، عامر بن صعصعۃ اور بنو مدلج کے متعلق نازل ہوئی ہے جنہوں نے اپنے اوپر کھیتیوں اور مویشیوں کو حرام کر لیا تھا، علاوہ ازیں انہوں نے ''البحیرۃ، السائبۃ، الوصیلۃ، الحام'' کو بھی حرام قرار دے دیا تھا۔

''البحیرۃ، السائبۃ، الوصیلۃ، الحام'' کی تعریفات

''البحیرۃ'': جس اونٹنی کو مشرکین بتوں کے تقرب کے حصول کے لیے چھوڑ دیتے تھے اور عام لوگوں کو اس کا دودھ دوہنے سے منع کرتے تھے۔

''السائبۃ'': جس اونٹنی کو مشرکین اپنے بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور اُس پر کسی چیز کو لادا نہیں جاتا تھا۔

''الوصیلۃ'': وہ اونٹنی جس سے لگاتار دو مرتبہ اونٹنی پیدا ہو، اُس کو بھی مشرکین بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔

''الحام'': وہ نر اونٹ ہے جو چند مُعیّن مرتبہ مادہ کو گابھن کرے، اس کو بھی مشرکین بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور اس پر سامان نہیں لادتے تھے۔ اللہ عزوجل نے ان مشرکین کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ (۱۰۳) (المائدہ:۱۰۳)

اللہ نے نہ بحیرۃ کو ممنوع فرمایا ہے اور نہ سائبۃ کو اور نہ وصیلۃ کو اور نہ حام کو، لیکن جن لوگوں نے کُفر کیا ہے وہ جھوٹ بول کر اللہ پر بہتان تراشتے ہیں اور اُن میں سے اکثر لوگ عقل سے کام نہیں لیتے O

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام نہ قرار دیا ہو اُس کو حرام قرار دینا باطل ہے، لہٰذا دیوبندی اور وہابی علماء کا گیارہویں، بارہویں اور عاشورہ محرم کی صورت میں ایصالِ ثواب کو حرام قرار دینا بھی اسی ممانعت میں داخل ہے اور باطل ہے۔

(سعیدی غفرلہٗ)

نیز اس آیت میں حلال کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: جس کے کھانے، پینے اور استعمال کو اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیا ہو اور اُس سے منع نہ فرمایا ہو، اور طیب وہ چیز ہے کہ جو پسندیدہ اور لذیذ ہو اور مسلمان حلال چیز کو پسند کرتا ہے اور حرام چیز کو ناپسند کرتا ہے، (میں کہتا ہوں: حلال وہ چیز ہے جو اپنی ذات میں نجس نہ ہو جیسے خون اور مُردار اپنی ذات میں نجس ہیں اور طیب وہ چیز ہے جو جائز ذریعہ سے حاصل ہوئی ہو مثلاً کسی سے دودھ یا مٹھائی چھین لی سو یہ حلال تو ہے کیونکہ اپنی ذات میں نجس نہیں ہے لیکن طیب نہیں ہے کیونکہ یہ ناجائز ذریعہ سے حاصل کی گئی ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

''وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ'': ''خُطُوٰتِ'' کے معنی ہیں: قدموں کے نشانات، اور ''خطوات الشیطان'' سے مراد ہیں شیطان کی دی ہوئی لغزشیں، دوسرا قول ہے کہ اس سے مراد ہے گناہ کی نذر ماننا۔

''اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝'': حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر کے شیطان نے اپنی عداوت کا اظہار کیا، اسی طرح اُن سے عداوت کی وجہ سے اُن کو بہکا کر درختِ ممنوع سے کھانے پر برانگیختہ کیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وہ تم کو صرف برائی اور بے حیائی (کے کاموں) کا حکم دیتا ہے اور (اس کا حکم دیتا ہے کہ) تم اللہ پر ایسا افتراء باندھو جس کا تمہیں علم نہیں ہے ○'' (البقرہ:۱۶۹)

''اِنَّمَا یَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ'': ''السوء'' سے مراد ہے گناہ اور ''الفَحْشَآء'' سے مراد ہے: قول اور فعل سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''الفَحْشَآء'' وہ نافرمانیاں ہیں جن پر حد واجب ہوتی ہے، اور ''السُّوْء'' وہ نافرمانیاں ہیں جن پر حد نہیں ہے۔

''وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝'': یعنی تمہارا کھیتوں کو اور مویشیوں کو حرام قرار دینا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے نازل کئے ہوئے (احکام) کی پیروی کرو (تو) وہ کہتے ہیں: بلکہ ہم ان (کاموں) کی پیروی کریں گے جن (کاموں) پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے خواہ ان کے باپ دادا نہ کچھ عقل سے کام لیتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہوں ○'' (البقرہ:۱۷۰)

''وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَیْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا'': یعنی جب اِن مُشرکین سے کہا گیا اُس کی پیروی کرو جس کو اللہ عزوجل نے حلال فرمایا ہے اور اپنی طرف سے کسی چیز کو حرام نہ قرار دو جیسے مشرکین نے کھیتوں اور مویشیوں اور بحیرۃ اور سائبۃ وغیرہ کو حرام کر لیا تھا، اُن کو اس سے منع کیا گیا تو انہوں نے کہا: ہم اسی پر عمل کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو عمل کرتے ہوئے پایا ہے۔ (معالم التنزیل ج ۱ ص ۱۹۸، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۰ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور کافروں کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو ایسے (جانور) کو پکار رہا ہے جو سوائے بلانے اور پکارنے کے اور کچھ نہ سنتا ہو، (یہ کفار) بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں، پس وہ عقل سے کام نہیں لیتے ○'' (البقرہ:۱۷۱)

البقرہ:۱۷۱ میں ''یَنْعِقُ'' کا معنی

علامہ السید محمد مرتضیٰ بن محمد الحسینی الزبیدی الحنفی المتوفی ۱۲۰۵ھ ''نَعَق'' کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یعنی چرواہے کا مویشیوں کو پکارنا، اور اس کو دُنبوں اور بکروں کو پکارنے کے متعلق استعمال کیا جاتا ہے، اور ہمارے شیخ نے لکھا ہے کہ اونٹوں کو پکارنے کے متعلق بھی اس کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اور حدیث میں ہے: ''وَاِيَّاكُنَّ وَنَعِيْقَ الشَّيْطَان'' یعنی اے عورتو! تم نوحہ کرنے میں شیطان کی طرح چیخنے چلانے سے احتراز کرو۔

(تاج العروس من جواہر القاموس، ج ۱۳، ص ۲۴۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۳ھ)

علامہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی المتوفی ۷۱۰ھ البقرہ:۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً'':

''یَنْعِقُ'' کا معنی ہے: چیخنا اور چلّانا، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کو تبلیغ کرنے والے واعظ کی مثال دی ہے کہ جیسے کوئی چرواہا مویشیوں کے سامنے چلّاتا ہے اور چلّا چلّا کر اُن کو بلاتا ہے اور وہ مویشی اس کی چیخ و پکار کے سوا اور کچھ نہیں سنتے۔

اللہ عزوجل نے فرمایا: وہ بہرے ہیں، یعنی نصیحت کو غور سے نہیں سنتے اور اندھے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو بہ غور نہیں دیکھتے، پس وہ عقل سے کام نہیں لیتے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! اُن پاکیزہ چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا فرمائی ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرتے رہو اگر تم صرف اسی کی عبادت کرتے ہوo'' (البقرہ:۱۷۲)

''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ'': یعنی ہم نے تم کو جو پاکیزہ اور لذیذ چیزیں عطا فرمائی ہیں ان میں سے کھاؤ، اور اگر تم واقعی یہ اقرار کرتے ہو کہ ان نعمتوں کا عطا فرمانے والا اللہ تعالیٰ ہے تو پھر ان نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرتے رہو۔

(میں کہتا ہوں اس کے متعلق درج ذیل حدیث صحیح ہے، سعیدی غفرلہٗ)، حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! اللہ طیب ہے اور طیب کے سوا کسی چیز کو قبول نہیں فرماتا اور بے شک اللہ عزوجل نے مومنین کو اُسی چیز کا حکم فرمایا ہے جس کا اُس نے اپنے رسولوں کو حکم فرمایا ہے، اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: ''يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ۔ (المومنون:۵۱)'' (اے رسولو! طیب چیزوں میں سے کھاؤ) اور فرمایا: ''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ۔ (البقرہ:۱۷۲)'' (اے ایمان والو! اُن طیب چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا فرمائی ہیں)، پھر آپ نے اُس مرد کا ذکر فرمایا جو طویل سفر کرتا ہے، اس کے بال بکھرے ہوئے اور غبار آلود ہیں، وہ آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر پکارتا ہے اے میرے رب! اے میرے رب! حالانکہ اُس کا کھانا حرام ہے اور اُس کا پینا حرام ہے اور اُس کا لباس حرام ہے اور اُسے حرام چیز کے ساتھ غذا دی گئی ہے تو اس کی دعا کیسے قبول ہوگی! (صحیح مسلم:۱۰۱۵، سنن ترمذی:۳۰۰۰)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اللہ نے تم پر صرف مُردار اور خون اور خنزیر کے گوشت کو حرام فرمایا ہے اور اُس جانور کو (حرام فرمایا ہے) جس کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، پس جو شخص (بھوک سے) بے قرار ہو جب کہ وہ

نافرمان اور حد سے بڑھنے والا نہ ہو تو اس پر (ان چیزوں کو بہ قدرِ ضرورت کھانے میں) کوئی گناہ نہیں ہے، بے شک اللہ بہت بخشنے والے بے حد رحم فرمانے والے ہیں O" (البقرہ: ۱۷۳)

"اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ": جس جسم سے بغیر ذبح کے رُوح جدا ہو جائے اُس کو 'میتة' اور مُردار کہتے ہیں۔

"وَالدَّمَ": یعنی بہنے والا خون، کیونکہ دوسری جگہ ارشاد ہے: "اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا۔ (الانعام: ۱۴۵)" یعنی بہنے والا خون حرام ہے اور حدیث میں دو قسم کے مُردار اور دو قسم کے خون حلال قرار دیئے گئے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہمارے لیے دو قسم کے مُردار اور دو قسم کے خون حلال قرار دیئے گئے ہیں، رہے دو قسم کے مُردار تو وہ مچھلی اور ٹڈی ہیں، اور رہے دو قسم کے خون تو وہ کلیجی اور تلّی ہیں۔ (مسند احمد: ۵۶۹۰، ج ۲ ص ۹۷، سنن دار قطنی ج ۴ ص ۲۷۱، سنن بیہقی ج ۱ ص ۲۵۴، ج ۹ ص ۲۵۷، شرح السنۃ: ۲۸۰۳، معرفۃ السنن والآثار: ۱۸۸۵۳)

"وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ": اس سے مراد یہ ہے کہ خنزیر کے تمام اجزاء حرام ہیں اور گوشت کی تخصیص اس لئے فرمائی ہے کہ کھانے سے مقصود گوشت ہوتا ہے، (خنزیر کے گوشت کو حرام قرار دینے کی یہ حکمت ہے کہ یہ جانور بے غیرت ہوتا ہے، اگر کسی دوسرے جانور کی مادہ کے ساتھ کوئی دوسرا جانور جفتی کرے تو وہ اس سے لڑتا ہے اس کے برخلاف خنزیر اپنی مادہ کے ساتھ جُفتی کر رہا ہوتا ہے اور دوسرے خنازیر قطار باندھ کر اس کی فراغت کے منتظر ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جو قوم خنزیر کا گوشت کھاتی ہے اُن میں بے حیائی اور بے غیرتی کا عنصر بہت زیادہ ہوتا ہے، ان لوگوں کی بیویوں کے ساتھ دوسرے اجنبی لوگ عیاشی کریں تو یہ غضب میں نہیں آتے بلکہ اس کو انسانی آزادی کا تقاضا سمجھتے ہیں۔ سعیدی غفرلہٗ)

"وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ": "اُهِلَّ" کا فعل اہلال سے بنا ہے اور اس کا معنی ہے آواز بلند کرنا، یعنی مشرکین جانوروں کو ذبح کرتے وقت بُلند آواز سے بتوں کا نام لیتے تھے اور 'لات' اور 'عُزیٰ' کے نام سے جانور کو ذبح کرتے تھے، سو اگر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے تو وہ جانور حرام ہے (لیکن ذبح سے پہلے اور بعد مثلاً قربانی کے جانوروں کے متعلق کہا جائے کہ یہ زید کا بکرا ہے یا کہا جائے یہ عمرو کا دنبہ ہے، اسی طرح غوثِ اعظم کو ایصالِ ثواب کرنے کے لیے کہا جائے کہ یہ غوثِ اعظم کا بکرا ہے تو یہ جائز ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور ان جانوروں کو جب اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے تو یہ حلال اور طیب ہیں اور ان کو حرام کہنا بدعت ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)۔

"فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ": یعنی جو شخص بھوک سے بے حال اور بے قرار ہو کر ان میں سے کسی چیز کو بہ قدرِ ضرورت کھا لے جب کہ وہ اللہ کے احکام سے بغاوت کرنے والا نہ ہو اور نہ قدرِ ضرورت سے زیادہ کھانے والا ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، فقہاءِ شافعیہ نے "غَيْرَ بَاغٍ" کی تفسیر میں کہا ہے کہ وہ امام کے خلاف بغاوت کرنے والا نہ ہو اور "وَّلَا عَادٍ" کی تفسیر میں کہا ہے کہ وہ کوئی حرام سفر نہ کر رہا ہو، کیونکہ کسی آدمی کی بغاوت یا اس کی معصیت اس کو ایمان سے خارج نہیں کرتی لہٰذا وہ اس رخصت سے محروم نہیں ہوگا۔

"اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ" یعنی جس نے اضطرار کی حالت میں ان چیزوں کو کھایا تو اللہ اُس کو بخشنے والا ہے۔

(مدارک التنزیل ج ۱ ص ۱۵۰۔ ۱۵۲)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک جولوگ اُس چیز کو چھپاتے ہیں جس کو اللہ نے کتاب (تورات) میں نازل فرمایا ہے اور وہ اِس کے عِوض قلیل مُعاوضہ لیتے ہیں (تو) وہ لوگ اپنے پیٹوں میں صرف آگ کو کھا رہے ہیں اور قیامت کے دن اللہ اُن سے (مہربانی سے) کلام نہیں فرمائیں گے اور نہ اُنہیں (گناہوں سے) پاک فرمائیں گے اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہے O'' (البقرہ: ۱۷۴)

امام ابو اللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، البقرہ: ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡتُمُوۡنَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنَ الۡکِتٰبِ وَ یَشۡتَرُوۡنَ بِہٖ ثَمَنًا قَلِیۡلًا'': یعنی جو علماءِ یہود تورات میں مذکور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کو چھپاتے ہیں اور اُس کے عِوض میں قلیل معاوضہ لیتے ہیں۔

''اُولٰٓئِکَ مَا یَاۡکُلُوۡنَ فِیۡ بُطُوۡنِہِمۡ اِلَّا النَّارَ'': یعنی وہ حرام معاوضہ کھاتے ہیں، اور حرام کو دوزخ کی آگ فرمایا، اس لئے کہ حرام کو کھانا دوزخ کی آگ کے عذاب کا سبب ہے جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا ہے ''اِنَّ الَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ اَمۡوَالَ الۡیَتٰمٰی ظُلۡمًا اِنَّمَا یَاۡکُلُوۡنَ فِیۡ بُطُوۡنِہِمۡ نَارًا۔ (النساء: ۱۰)'' (بے شک جولوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں صرف آگ کھا رہے ہیں۔)

''وَ لَا یُکَلِّمُہُمُ اللّٰہُ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ'': یعنی اللہ تعالیٰ اُن کے ساتھ محبت سے کلام نہیں فرمائے گا کیونکہ غضب کے ساتھ وہ ان سے کلام فرمائے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اخۡسَـُٔوۡا فِیۡہَا وَ لَا تُکَلِّمُوۡنِ ۔۔۔ (المومنون: ۱۰۸)'' (تم دھتکارے ہوئے اِسی (دوزخ) میں پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو)۔

''وَ لَا یُزَکِّیۡہِمۡ'': اور اُن کو اُن کے برے کاموں سے پاک نہیں فرمائے گا۔

''وَ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ'': اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہوگا کیونکہ وہ اپنی کتاب تورات میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نعت اور آپ کی صفت کو چھپاتے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو ہدایت کے عِوض خرید لیا ہے اور عذاب کو نجات کے عِوض (خرید لیا ہے)، سو یہ لوگ دوزخ کی آگ پر کس قدر زیادہ صبر کرنے والے ہیں O'' (البقرہ: ۱۷۵)

''اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ اشۡتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ بِالۡہُدٰی وَ الۡعَذَابَ بِالۡمَغۡفِرَۃِ'': یعنی اِن یہودِ مدینہ نے ایمان کے مقابلہ میں کُفر کو اختیار کیا اور اللہ کی مغفرت کے مقابلہ میں اس کے عذاب کو اختیار کیا۔

''فَمَاۤ اَصۡبَرَہُمۡ عَلَی النَّارِ'': یعنی اُن کو اہلِ دوزخ کے فعل پر کس نے برانگیختہ کیا، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اُن کو دوزخ کی آگ میں کس نے باقی رکھا؟۔ (میں کہتا ہوں: علامہ سمرقندی نے اس جملہ کو استفہام پر محمول کیا ہے اور زیادہ تر مفسرین نے اس کو تعجب پر محمول کیا ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یہ (سزا) اس وجہ سے ہے کہ بیشک اللہ نے حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی اور بیشک

جن لوگوں نے اس کتاب میں اختلاف ڈالا وہ ضرور بہت دور کی مخالفت میں مبتلاء ہیں O" (البقرہ:۱۷۶)
یعنی یہود مدینہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کر کے بہت دور کی مخالفت میں مبتلاء ہیں۔ (تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۱۷۸۔۱۷۹)

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

(حقیقت میں) یہ نیکی نہیں ہے کہ تم مشرق اور مغرب (کو قبلہ قرار دے کر نمازوں میں اُن) کی طرف منہ کر لو لیکن (حقیقت میں) نیکی اس شخص کی ہے جو اللہ پر ایمان لائے اور آخرت کے دن پر اور (سب) فرشتوں پر اور (اللہ کی سب) کتابوں پر اور تمام نبیوں پر (ایمان لائے)، اور مال سے اپنی محبت کے باوجود رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں میں اور سوال کرنے والوں میں اور غلاموں کی گردنوں کو آزاد کرنے میں مال خرچ کرے، اور نماز پڑھے اور زکوۃ ادا کرے اور جب وہ عہد کر لیں تو اس عہد کو پورا کریں، اور سختی اور تکلیف اور (کافروں سے) جہاد کے وقت صبر کرنے والے، یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے (دعویٰ ایمان) میں صادق ہیں اور یہی لوگ (ہر وقت) اللہ سے ڈرنے والے ہیں O

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ ۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾

اے ایمان والو! تم پر (قاتلوں سے) ناحق مقتولین کا بدلہ لینا فرض کر دیا گیا ہے، آزاد کے بدلہ میں آزاد اور غلام کے بدلہ میں غلام اور عورت کے بدلہ میں عورت (کو قتل کیا جائے)، ہاں جس (قاتل) کے لیے اس کے بھائی (مقتول کے وارث) کی طرف سے (اس کی دیت میں سے) کچھ معاف کر دیا گیا ہو تو (مقتول کے ورثاء قاتل سے) دستور کے مطابق مطالبہ کریں اور قاتل (مقتول کے ورثاء کو) نیکی کے ساتھ معاف کردہ حصہ ادا کرے، یہ تمہارے رب کی طرف سے سہولت اور رحمت ہے، پھر اس کے بعد جو (کسی فریق کے ساتھ) زیادتی کرے تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے O

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

اور اے عقل والو! تمہارے لیے بدلہ لینے (کے حکم) میں زندگی ہے تا کہ تم (ایک دوسرے کا خون بہانے) سے احتراز کرو O

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۖۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۸۰﴾ؕ

جب تم میں سے کسی ایک پر موت کا وقت قریب آئے اور اس نے مال چھوڑا ہو تو اُس پر ماں باپ اور رشتہ داروں کے حق میں دستور کے مطابق وصیت کو فرض کر دیا گیا ہے، اور اللہ سے (ہر وقت) ڈرنے والوں کے لیے اس حکم پر عمل کرنا واجب ہے O

فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۸۱﴾ؕ

پس جن لوگوں نے وصیت کو سننے کے بعد اُس کو بدل دیا تو اُس کا گناہ انہی لوگوں پر ہے جو اُس وصیت کو بدلیں، بے شک اللہ سب کچھ سننے والے، ہر وقت جاننے والے ہیں O

فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸۲﴾ع

پھر جس کو وصیت کرنے والے کی طرف سے بے انصافی یا گناہ کا خطرہ ہو (سو وہ وصیت کو تبدیل کر کے) وارثوں کے درمیان صلح کرا دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، بے شک اللہ (گناہوں کو) بہت زیادہ بخشنے والے، بے حد رحم فرمانے والے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "(حقیقت میں) یہ نیکی نہیں ہے کہ تم مشرق اور مغرب (کو قبلہ قرار دے کر نمازوں میں اُن) کی طرف مونہہ کر لو لیکن (حقیقت میں) نیکی اس شخص کی ہے جو اللہ پر ایمان لائے اور آخرت کے دن پر اور (سب) فرشتوں پر اور (اللہ کی سب) کتابوں پر اور تمام نبیوں پر (ایمان لائے)، اور مال سے اپنی محبت کے باوجود رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں میں اور سوال کرنے والوں میں اور غلاموں کی گردنوں کو آزاد کرنے میں مال خرچ کرے، اور نماز پڑھے اور زکوٰۃ ادا کرے اور جب وہ عہد کر لیں تو اس عہد کو پورا کریں، اور سختی اور تکلیف اور (کافروں سے) جہاد کے وقت صبر کرنے والے، یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے (دعویٰ ایمان) میں صادق ہیں اور یہی لوگ (ہر وقت) اللہ سے ڈرنے والے ہیں O" (البقرہ: ۱۷۷)

امام ابو اللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، البقرہ: ۱۷۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حقیقی نیکیوں میں فرائض کی ادائیگی اور مستحبات کا شمار

"لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ": یعنی صرف یہ نیکی نہیں ہے کہ تم نمازوں میں اپنا مونہہ مشرق اور مغرب کی طرف کر لو اور اس کے سوا کوئی اور نیک کام نہ کرو۔

''وَلٰكِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ '': یعنی حقیقت میں اُس شخص کی نیکی شمار کی جائے گی جو اس کی تصدیق کرے کہ اللہ واحد ہے اور اُس کا کوئی شریک نہیں ہے، اس آیت میں ایمان کے پانچ اُمور کا ذکر فرمایا ہے، جس نے ان میں سے کسی ایک کا بھی اقرار نہیں کیا تو اس نے کفر کو اختیار کیا، اُن میں سے ایک یہ ہے کہ (۱) وہ اللہ تعالیٰ کے واحد لاشریک ہونے پر ایمان لائے اور (۲) آخرت کے دن کی تصدیق کرے اور اُس دن کی تصدیق کرے جس دن اعمال کا بدلہ دیا جائے گا کہ ایسا ضرور ہونا ہے اور نیک لوگ ثواب سے واصل ہوں گے اور بدکار لوگ دوزخ میں جھونکے جائیں گے اور وہ (۳) اس پر ایمان لائے کہ قرآن مجید اور دیگر آسمانی کتابیں یعنی تورات، زبور اور انجیل اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمائی گئی ہیں اور (۴) فرشتوں کے متعلق اقرار کرے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں اور (۵) نبیوں کے متعلق اقرار کرے کہ وہ اللہ کے فرستادہ ہیں۔ سو یہ پانچ چیزیں ایمان میں داخل ہیں، جس نے ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار کیا اس نے کفر کو اختیار کیا، پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فضیلت والے اعمال میں سے صدقات کو بیان فرمایا۔

نفلی صدقات ادا کرنے کی ترغیب کے متعلق احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک مرد نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: یارسول اللہ! کون سا صدقہ سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اس حال میں صدقہ کرو کہ تم تندرست ہو اور (مال پر) حریص ہو، خوش حالی کی امید رکھتے ہو اور فقر و فاقہ سے ڈرتے ہو، اور صدقہ دینے میں ڈھیل نہ دیتے رہو حتیٰ کہ جب تمہاری روح حلقوم تک پہنچ جائے تب تم کہو کہ یہ مال فلاں کے لیے ہے اور اتنا مال فلاں کے لیے ہے اور اب تو وہ مال فلاں کے لیے ہو ہی جائے گا۔

(صحیح البخاری: ۱۴۱۹، صحیح مسلم: ۱۰۳۲، سنن نسائی: ۳۶۱۱، سنن ابن ماجہ: ۲۷۰۶، مسند احمد: ۷۳۵۹)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ مال سرسبز اور میٹھا ہے، وہ مسلمان کتنا عمدہ ہے جو اُس مال میں سے مسکین کو اور یتیم کو اور مسافروں کو دیتا ہے۔۔۔ الحدیث۔ (صحیح البخاری: ۱۴۶۵، صحیح مسلم: ۱۰۵۲)

حضرت سلمان بن عامر الضّبی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مسکین پر صدقہ کرنا ایک صدقہ ہے اور قرابت دار پر صدقہ کرنے کے دو اجر ہیں، وہ صدقہ بھی ہے اور صلہ رحم بھی ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۸۴۴، سنن نسائی: ۲۵۸۰، مسند احمد: ۱۶۲۳۵، مسند الحمیدی: ۸۲۳، سنن دارمی ج ۱ ص ۳۹۷، صحیح ابن خزیمہ: ۲۳۸۵، صحیح ابن حبان: ۳۳۴۴، سنن بیہقی ج ۴ ص ۱۷۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو، پس وہ مہمان کو تکریم کے ساتھ جائزہ (پرتکلف دعوت) پیش کرے، آپ سے پوچھا گیا: یارسول اللہ! ''جائزۃ'' کی کتنی مدت ہے؟ آپ نے فرمایا: ایک دن اور ایک رات، اور تین دن اور تین رات ضیافت ہے (یعنی اس مدت میں معمول کے مطابق کھانا کھلائیں) اور جو اس سے زیادہ ہو تو وہ مہمان پر صدقہ ہے، اور جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ نیک بات کہے ورنہ خاموش رہے۔

(صحیح البخاری: ۶۰۱۹، صحیح مسلم: ۴۸، سنن ترمذی: ۱۹۶۷، سنن ابوداؤد: ۳۷۴۸، مسند احمد: ۲۶۲۰، موطا امام مالک: ۱۷۲۸)

''وَاٰتَى الۡمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ '': یعنی وہ اپنی ضرورت اور خواہش کے باوجود مال دے مثلاً وہ بوڑھا آدمی ہے اور اسے فقر و فاقہ کا خطرہ ہے یا وہ مال دار آدمی ہے اور وہ عیش و طرب کے لیے مال چاہتا ہے، پھر بھی وہ درجِ ذیل لوگوں کو خوشی سے مال دے:

''ذَوِى الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتٰمٰى : یعنی رشتہ دار اور یتیم اگر فقراء ہوں۔ ''وَالۡمَسٰكِيۡنَ '': جو دائماً فقر و فاقہ میں مبتلاء ہوں۔ ''وَابۡنَ

السَّبِيۡلِ'': اور مسافروں میں یا گھر میں آنے والے مہمانوں میں۔ ''وَالسَّآئِلِيۡنَ'': اور ضرورت کی وجہ سے سوال کرنے والوں میں۔ ''وَفِي الرِّقَابِ'': اور مکاتبین میں یعنی جن غلاموں کو آزاد کرنے کے لیے ان کے مالکوں نے کچھ مال ادا کرنے کی شرط لگا دی ہے، اُن میں۔

''وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ'': یعنی فرض نمازیں پڑھے اور اُس پر جو زکوٰۃ فرض ہے وہ ادا کرے۔

''وَالۡمُوۡفُوۡنَ بِعَهۡدِهِمۡ اِذَا عٰهَدُوۡا'': یعنی جن لوگوں نے اللہ سے یا بندوں سے جو بھی وعدہ کیا ہے اس کو پورا کریں۔

''وَالصّٰبِرِيۡنَ فِي الۡبَاۡسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيۡنَ الۡبَاۡسِ'': ''الۡبَاۡسَآءِ'' سے مراد فقر ہے اور ''الضَّرَّآءِ'' سے مراد بیماری اور محتاجی ہے۔ اور ''حِيۡنَ الۡبَاۡسِ'' سے مراد کافروں سے شدید لڑائی کے وقت جان کا خطرہ ہے۔

آیتِ مذکورہ میں ''الصّٰبِرِيۡنَ'' پر غلط اعراب کا اعتراض اور اس کا جواب

اس آیت میں ''الصّٰبِرِيۡنَ'' حالتِ نصب میں مذکور ہے، بعض لوگوں نے کہا: یہ لفظ غلط لکھا ہوا ہے اور یہاں ''الصَّابِرُوۡن'' رفعی حالت میں صحیح ہے یعنی جو لوگ فقر اور بیماری اور حالتِ جہاد میں صبر کرنے والے ہیں وہی اپنے دعویٰ ایمان میں صادق ہیں اور وہی متقی ہیں، اور وہ اس کی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مصحف کو لکھا گیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اُس کو بغور پڑھا تو فرمایا: میں اس مصحف میں غلطیوں کو دیکھتا ہوں اور عنقریب عرب لوگ اپنی زبان دانی سے اُس کو درست کرلیں گے اور اسی طرح النساء: ۱۶۲ میں ''وَالۡمُقِيۡمِيۡنَ الصَّلٰوةَ'' مذکور ہے، جب کہ صحیح ''المقيمون الصلوٰة'' ہے، کیونکہ اس کے متصل بعد مذکور ہے ''وَالۡمُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ'' اور اسی طرح المائدہ: ۶۹ میں ''اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِيۡنَ هَادُوۡا وَالصّٰبِئُوۡنَ'' مذکور ہے، حالانکہ ''الصابئون'' حرفِ اِنَّ کا اسم ہے اور اس کا اسم منصوب ہوتا ہے لہٰذا اس کو ''الصابِئِين'' ہونا چاہیے تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا منشاء یہ تھا کہ جو عرب زبان دان ہیں وہ ''المقيمين الصلوٰة'' کے بجائے المقيمون الصلوٰة پڑھیں گے اور الصابئون کی جگہ ''الصابئين'' پڑھیں گے، تاہم اہلِ علم نے البقرہ: ۱۷۷ میں مذکور ''الصّٰبِرِيۡنَ'' کا یہ جواب دیا ہے کہ لفظ منصوب علی المدح ہے یعنی ہم ان صبر کرنے والوں کی مدح کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں مذکور جو آیات قواعدِ عربیہ کے اعتبار سے غلط ہیں ان کی تصحیح کیوں نہیں کی گئی؟

میں کہتا ہوں: اسی طرح قرآن مجید میں الکہف: ۸۳ میں مذکور ہے ''قُلۡ سَاَتۡلُوۡا عَلَيۡكُمۡ'' اور اسی طرح القصص: ۴۵ میں مذکور ہے: ''تَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِنَا'' اور العنکبوت: ۴۸ میں مذکور ہے ''وَمَا كُنۡتَ تَتۡلُوۡا مِنۡ قَبۡلِهٖ''، اسی طرح الانعام: ۷۱ میں مذکور ہے ''قُلۡ اَنَدۡعُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ'' اور البقرہ: ۲۲۱ میں مذکور ہے ''وَاللّٰهُ يَدۡعُوۡٓا اِلَى الۡجَنَّةِ''۔

ان تمام آیات میں ''اَتۡلُوا، تَتۡلُوۡا، ''تَتۡلُوا، نَدۡعُوۡا اور يَدۡعُوۡا'' میں واؤ کے بعد جو الف مذکور ہے، یہ قواعد کے اعتبار سے غلط ہے کیونکہ یہ تمام واحد کے صیغے ہیں اور واحد کے صیغہ میں واؤ کے بعد الف نہیں لکھا جاتا بلکہ جمع کے صیغہ میں واؤ کے بعد الف لکھا جاتا ہے، سو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا منشاء یہ تھا کہ مصحف لکھنے والوں نے غلطی سے یہ الفاظ اس طرح لکھ دیئے لیکن بعد کے علماء اور فقہاء نے قرآن مجید کی جو آیات جس طرح لکھی ہوئی تھیں ان کو اسی طرح برقرار رکھا، کیونکہ اگر وہ ان کی اصلاح کا دروازہ کھول دیتے تو ہر شخص

اپنی عقل کے مطابق قرآن مجید کی آیات میں ترمیم کرتا اور قرآن مجید کے جس طرح الفاظ متواتر ہیں اسی طرح ان کا خط بھی متواتر ہے، سو اگر یہ اصلاح کی جاتی تو قرآن مجید کا خط متواتر نہ رہتا، اس لیے امتِ مسلمہ نے ان آیات کو اسی طرح رہنے دیا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! تم پر (قاتلوں سے) ناحق مقتولین کا بدلہ لینا فرض کر دیا گیا ہے، آزاد کے بدلہ میں آزاد اور غلام کے بدلہ میں غلام اور عورت کے بدلہ میں عورت (کو قتل کیا جائے)، ہاں جس (قاتل) کے لیے اس کے بھائی (مقتول کے وارث) کی طرف سے (اس کی دیت میں سے) کچھ معاف کر دیا گیا ہو تو (مقتول کے ورثاء قاتل سے) دستور کے مطابق مطالبہ کریں اور قاتل (مقتول کے ورثاء کو) نیکی کے ساتھ معاف کردہ حصہ ادا کرے، یہ تمہارے رب کی طرف سے سہولت اور رحمت ہے، پھر اس کے بعد جو (کسی فریق کے ساتھ) زیادتی کرے تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے O'' (البقرہ:۱۷۸)

قصاص لینے کے وجوب کے متعلق احادیث

حضرت ابوشریح الکعبی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو اے خزاعہ کی جماعت! تم نے بنو ہذیل کے اس شخص کو قتل کر دیا ہے اور میں اُس کا ولی ہوں، پس میرے اس خطبہ کے بعد جس شخص کو قتل کیا گیا تو اس کے ورثاء کو دو چیزوں میں سے ایک کا اختیار ہے خواہ وہ اس کی دیت لے لیں یا اُس کے قاتل کو قصاص میں قتل کر دیں۔ (سنن ابوداؤد: ۴۵۰۴، سنن ترمذی: ۱۴۰۶، سنن ابن ماجہ: ۲۶۲۳، سنن دارمی: ۲۲۶۲، مسند احمد: ۲۶۶۱۹، ج ۶ ص ۳۸۵، سنن دار قطنی ج ۳ ص ۹۵-۹۶، مشکل الآثار للطحاوی: ۴۹۰۳، سنن بیہقی ج ۸ ص ۵۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ الرُّبَیِّعؓ (حضرت نضر رضی اللہ عنہ کی بیٹی) نے ایک لڑکی کے سامنے کے اوپر نیچے کے دو دو دانت توڑ دیئے، سو اُس لڑکی کے ورثاء نے اُس کے دانتوں کی دیت طلب کی اور حضرت نضر رضی اللہ عنہ نے دیت کی معافی طلب کی اُس لڑکی کے وُرثاء نے اس کا انکار کر دیا، پھر وہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاص کا حکم دیا، (یعنی اُس لڑکی کے دانتوں کے بدلہ میں حضرت نضر رضی اللہ عنہ کی بیٹی کے سامنے کے اوپر نیچے کے دو دو دانت توڑے جائیں گے) تو حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! کیا ''الرُّبَیِّع'' کے سامنے کے دانت توڑ دیئے جائیں گے؟ نہیں! اُس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! اس کے سامنے کے دانت نہیں توڑے جائیں گے، پس آپ نے فرمایا: اے انس! اللہ کی کتاب میں قصاص کا حکم ہے، پھر اُس لڑکی کے وارث راضی ہو گئے اور انہوں نے معاف کر دیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ کے بعض بندے ایسے ہیں کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ پر کسی کام کے کرنے پر قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کو ضرور ان کی قسم میں سچا فرما دیتا ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ اُس لڑکی کے وارث راضی ہو گئے اور انہوں نے دیت کو قبول کر لیا۔

(صحیح البخاری: ۲۷۰۳، صحیح مسلم: ۱۶۷۵، سنن نسائی: ۴۷۵۷، سنن ابوداؤد: ۴۵۹۵، سنن ابن ماجہ: ۲۶۴۹، مسند احمد: ۱۱۸۹۳)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک غلام کو چھپ کر قتل کر دیا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر اس کو قتل کرنے میں

تمام اہلِ صنعاء شریک ہوتے تو میں اُن سب کو قصاص میں قتل کر دیتا، اور مغیرہ بن حکیم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ چار مردوں نے ایک بچہ کو قتل کر دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کی مثل ارشاد فرمایا اور حضرت ابوبکر اور حضرت ابن الزبیر اور حضرت علی اور حضرت سوید بن مُقرن رضی اللہ عنہم نے تھپڑ مارنے کا قصاص لیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دُرّہ مارنے کا قصاص لیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تین کوڑے مارنے کا قصاص لیا اور حضرت شریح رضی اللہ عنہ نے کوڑے مارنے اور خراش ڈالنے کا قصاص لیا۔ (صحیح البخاری: ۶۸۹۶، موطا امام مالک: ۱۶۲۳)

امام ابواللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، البقرہ: ۱۷۸، ۱۷۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مقتول کے قصاص کے حکم دینے کا منصب

''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰى'': اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ قصاص لینا کس پر فرض ہے، آیا ولی پر یا کسی اور پر؟، اس کا جواب یہ ہے کہ جب قاضی کے پاس مقدمہ پیش کیا جائے کہ وہ قاتل کے خلاف قصاص کا فیصلہ کرے جب کہ مقتول کا ولی قصاص کا مطالبہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام مومنین کو قصاص لینے کے حکم سے مخاطب فرمایا ہے، پھر تمام مومنین تو مقتول کا قصاص لینے کے لیے عقلاً جمع نہیں ہو سکتے، اس لیے تمام مومنین کا قائم مقام سلطان کو کیا گیا اور سلطان کا قائم مقام قاضی کو کیا گیا، لہٰذا قاضی پر واجب ہے کہ وہ قاتل سے مقتول کا قصاص لے۔

قصاص میں قاتل اور مقتول کے درمیان صرف جان کی مماثلت کا شرط ہونا اور اُن کی صفات میں مماثلت کا شرط نہ ہونا اور اس مسئلہ میں فقہاءِ اسلام کا اختلاف

''اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى'': بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ابتداءً اس طرح مشروع تھا کہ آزاد کو آزاد کے بدلہ میں قتل کیا جائے اور غلام کو غلام کے بدلہ میں قتل کیا جائے اور آزاد کو غلام کے بدلہ میں نہ قتل کیا جائے اور نہ غلام کو آزاد کے بدلہ میں قتل کیا جائے اور نہ مرد کو عورت کے بدلہ میں قتل کیا جائے، پھر اس حکم کو اس آیت سے منسوخ فرما دیا گیا: ''وَ كَتَبْنَا عَلَیْهِمْ فِیْهَاۤ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ۔ (المائدہ: ۴۵)'' (اور ہم نے اُن پر تورات میں یہ فرض کیا تھا کہ جان کا بدلہ جان ہے)۔

اور دوسرے مفسرین نے کہا کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے، کیونکہ اس آیت میں یہ ذکر فرمایا ہے: ''اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى''، اور اس آیت میں یہ ذکر نہیں فرمایا کہ اگر غلام کسی آزاد کو قتل کر دے تو اس کا کیا حکم ہے اور اس حکم کو دوسری آیت میں بیان فرمایا ہے اور وہ آیت ہے ''اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ''۔ امام مالک اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ آزاد کو غلام کے بدلہ میں نہیں قتل کیا جائے گا اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے کہ آزاد قاتل کو غلام مقتول کے بدلہ میں قتل کر دیا جائے گا، اور ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مطلقاً فرمایا ہے: ''اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ۔ (المائدہ: ۴۴)''، یعنی جان کا بدلہ جان ہے عام ازیں کہ وہ جان آزاد کی ہو یا غلام کی، اور اس کی تائید درج ذیل احادیث سے ہوتی ہے:

قیس بن عُباد بیان کرتے ہیں کہ میں اور الاشتر حضرت علی علیہ السلام کے پاس گئے اور ہم نے کہا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ سے کوئی ایسا عہد فرمایا ہے جو عام لوگوں سے نہیں فرمایا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں! سوا اُس کے جو میری اس کتاب میں ہے، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار کی میان سے ایک صحیفہ نکالا، اُس میں یہ لکھا ہوا تھا: تمام مومنین کا خون ایک دوسرے کی مثل ہے اور وہ

اپنے ماسوا پر برتر ہیں اور ان میں سے ایک ادنیٰ مومن بھی اُن کے ذمہ کے لیے کوشش کرے گا، سنو! کسی مومن کو کافر (حربی) کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ کسی ذمی کو اُس کے عہدِ ذمہ میں کافر کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا۔۔۔الحدیث۔

(سنن ابوداؤد: ۴۵۳۰، سنن نسائی: ۴۷۴۸، مسند البزار: ۴۸۶، سنن بیہقی ج ۸ ص ۲۹، معرفۃ السنن والآثار: ۵۶۳۹)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری المتوفی ۳۱۰ھ البقرہ: ۱۷۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

قتادہ البقرہ: ۱۷۸ کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں مختلف قبیلوں میں بغاوت ہوتی تھی، پس جو قبیلہ زیادہ طاقت ور ہوتا اور دوسرے قبیلہ کا کوئی شخص اُن کے کسی غلام کو قتل کر دیتا تو طاقت ور قبیلہ یہ کہتا تھا کہ ہم اس غلام کے بدلہ میں صرف آزاد کو قتل کریں گے تاکہ ان کا شرف دوسرے لوگوں پر ظاہر ہو، تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی اور یہ خبر دی کہ غلام کو غلام کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا اور عورت کو عورت کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا اور اُن کو بغاوت کرنے سے منع فرمایا۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۱۴۱، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ، تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱ ص ۲۹۳۔ ۲۹۴، رقم الحدیث: ۱۵۷۶، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

(میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''تخریج الکشاف ج ۱ ص ۲۲۱'' میں لکھا ہے کہ اُن کو یہ حدیث نہیں ملی، تاہم یہ حدیث مذکور الصدر کتابوں میں موجود ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

''فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ'': یعنی اگر مقتول کے ولی نے اپنے (مسلمان) بھائی یعنی قاتل سے قصاص لینے کو ترک کر دیا اور اس سے قصاص لینے کے بجائے اس سے دیت وصول کر لی تو دستور کے مطابق سہولت سے دیت کو طلب کیا جائے گا اور قاتل کو مشکل میں نہیں ڈالا جائے گا اور قاتل کو یہ حکم فرمایا کہ وہ طالبِ دیت کو دیت ادا کرے اور احسان کے ساتھ اس کو دیت ادا کر دے۔

اہلِ تورات اور اہلِ انجیل کے مذہب کا افراط اور تفریط پر مبنی ہونا، اس کے برخلاف اسلام کا معتدل نظام

''ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ'': کیونکہ اہلِ تورات کے نزدیک قاتل کو قصاص میں صرف قتل کرنے کا حکم تھا، اور ان کے نزدیک اُس سے مقتول کی دیت لینا مشروع نہیں تھی اور اہلِ انجیل کے نزدیک قاتل کو صرف معاف کر دینے کا حکم تھا اور اُن کے ہاں نہ قصاص لینے کا حکم تھا اور نہ دیت ادا کرنے کا حکم تھا، پس اللہ تعالیٰ نے اس اُمت پر تخفیف فرما کر قصاص اور دیت اور معافی تینوں چیزوں کو مشروع فرما دیا، پس مقتول کے وارث اگر چاہیں تو قاتل کو قصاص میں قتل کر دیں اور اگر چاہیں تو اُس سے مقتول کی دیت وصول کر لیں اور اگر چاہیں تو قاتل کو معاف کر دیں۔

قاتل سے جبراً دیت وصول کرنے کے متعلق مذاہبِ فقہاء

امام شافعی نے یہ کہا ہے کہ مقتول کا ولی اگر چاہے تو قصاص میں قاتل کو قتل کر دے اور اگر چاہے تو قاتل سے مقتول کی دیت وصول کر لے خواہ قاتل اس پر راضی نہ ہو، اور ہمارے اصحابِ احناف نے یہ کہا ہے کہ قاتل سے مقتول کی دیت اُسی وقت وصول کی جائے گی جب قاتل دیت ادا کرنے پر راضی ہو، اور اس آیت میں یہ دلیل نہیں ہے کہ مقتول کے وُرثاء جبراً قاتل سے دیت لے سکتے ہیں۔ اور اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اگر مقتول کے وارث چاہیں تو دیت کو قبول کریں اور اس آیت میں یہ دلیل نہیں ہے کہ

مقتول کے وارث کے لیے قاتل سے جبراً دیت وصول کرنا جائز ہے، اور اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ مقتول کے وارث کے لیے اُس وقت دیت کو قبول کرنا جائز ہے جب قاتل راضی ہو اور اسی کے موافق ہمارا مذہب ہے۔

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مومن کو کافر (حربی) کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا اور جس شخص نے کسی مومن کو عمداً قتل کر دیا تو اس شخص کو مقتول کے ورثاء کے حوالہ کیا جائے گا، اگر وہ چاہیں تو اس کو قتل کر دیں اور اگر چاہیں تو اس سے مقتول کی دیت وصول کر لیں۔ (سنن ابوداؤد: ۴۵۰۶، سنن ترمذی: ۱۴۱۳، سنن ابن ماجہ: ۲۶۵۹)

''فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ'': یعنی اگر مقتول کے وُرثاء نے قاتل سے دیت وصول کرنے کے باوجود قاتل کو قتل کر دیا تو یہ حد سے تجاوز ہے اور اس پر وہ دردناک عذاب کے مستحق ہیں۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے دیت وصول کرنے کے بعد (قاتل کو) قتل کر دیا اس کو معاف نہیں کیا جائے گا۔ (سنن ابوداؤد: ۴۵۰۷، مسند احمد: ۱۴۴۹۵، ج ۳ ص ۳۶۳، مشکوٰۃ: ۳۴۷۹)

ہمارے نزدیک اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب مقتول کے ولی نے دیت وصول کرنے کے باوجود قاتلِ اول کو قتل کرنے کا مطالبہ کیا، پس جب اس دوسرے قاتل کو مقتول کے وُرثاء نے معاف کر دیا اور اُس سے قصاص لینے کو ترک کر دیا تو اُن کا اس قصاص کو ترک کرنا اور دوسرے قاتل کو معاف کرنا جائز ہے، کیونکہ یہ بھی ناحق قتل ہے، پس اس دوسرے قاتل کا حکم وہی ہے جو قاتلِ اول کا حکم ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اور اے عقل والو!) تمہارے لیے بدلہ لینے (کے حکم) میں زندگی ہے تاکہ تم (ایک دوسرے کا خون بہانے) سے احتراز کرو O'' (البقرہ: ۱۷۹)

''وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ'' یعنی قصاص کے حکم میں لوگوں کی بقاء ہے، کیونکہ لوگ قصاص کے حکم پر غور کریں گے تو پھر وہ قتل کرنے سے باز رہیں گے کیونکہ ان کو یہ یقین ہوگا کہ اگر انہوں نے کسی کو ناحق قتل کر دیا تو پھر قاتل کو بھی قصاص میں قتل کر دیا جائے گا تو اس طرح قصاص کی مشروعیت کی وجہ سے لوگ قتل سے باز آئیں گے، لہٰذا قصاص کے حکم میں لوگوں کی زندگی ہے۔

(تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۱۸۰۔۱۸۱، ملخصاً وموضحاً ومخرجاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جب تم میں سے کسی ایک پر موت کا وقت قریب آئے اور اس نے مال چھوڑا ہو تو اُس پر ماں باپ اور رشتہ داروں کے حق میں دستور کے مطابق وصیت کو فرض کر دیا گیا ہے، اور اللہ سے (ہر وقت) ڈرنے والوں کے لیے اس حکم پر عمل کرنا واجب ہے O'' (البقرہ: ۱۸۰)

وصیت کے جواز کے لیے کتنے مال کی مقدار کا میسر ہونا شرط ہے

امام ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی المتوفی ۳۷۰ھ البقرہ: ۱۸۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ'':

فقہاءِ اسلام کا اس میں اختلاف ہے کہ مسلمان کے پاس مال کی کتنی مقدار ہو تو اس پر وصیت کرنا واجب ہے:

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اپنے ایک آزاد شدہ غلام کے پاس اُس کی بیماری کے حال میں گئے اور اس کے پاس سات سو یا چھ سو درہم تھے، اُس نے پوچھا: کیا میں وصیت کروں؟ آپ نے فرمایا: نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''اِنْ تَرَكَ خَيْرَا'' (یعنی اگر اس نے کثیر مال چھوڑا ہو) اور تمہارے پاس کثیر مال نہیں ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ نے فرمایا: چار ہزار درہم اور اس سے کم انسان کے خرچ کے لیے ہوتے ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: آٹھ سو درہم میں وصیت نہیں کی جائے گی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ ایک عورت نے وصیت کرنے کا ارادہ کیا تو اس کے گھر والوں نے وصیت کرنے سے منع کیا اور کہا کہ اس کی اولاد ہے اور اس کا مال تھوڑا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ اس کی کتنی اولاد ہے؟ لوگوں نے بتایا چار بچے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: اس کا مال کتنا ہے؟ لوگوں نے بتایا تین ہزار درہم، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو وصیت کرنے سے معذور قرار دیا اور فرمایا: یہ زیادہ مال نہیں ہے اور ابراہیم نخعی نے کہا: جس مال کو ''خیر'' فرمایا ہے وہ پانچ سو درہم سے لے کر ایک ہزار درہم تک ہیں، اور ہمام نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ ''خیر المال'' ہزار درہم یا اس سے زیادہ ہیں، اور ان تمام فقہاء نے ''خیر'' کی ان مقداروں میں بہ طورِ استحباب تاویل کی ہے نہ کہ بہ طورِ وجوب، اور انہوں نے اپنے اجتہاد سے اِن مقادیر کا تعیّن کیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے تہائی مال کو کثیر فرمایا ہے، سو کسی انسان کے ترکہ کا تہائی مال ''خیر'' ہے اور اسی مال کی وصیت کرنا جائز ہے، اور اس سے کم مال کے متعلق وصیت کرنا جائز نہیں ہے، حدیث میں ہے:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''حجة الوداع'' کے زمانہ میں میرے شدید درد کی وجہ سے ہمارے پاس میری عیادت کرنے کے لیے تشریف لائے، پس میں نے آپ سے عرض کیا: مجھے جس قدر شدید درد ہو رہا ہے اس کو آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں اور میں مال دار ہوں اور میری وارث تو صرف میری ایک بیٹی ہے، تو کیا میں اپنا دو تہائی مال صدقہ کردوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! میں نے عرض کیا: نصف مال صدقہ کردوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! میں نے عرض کیا: تہائی مال صدقہ کردوں؟ آپ نے فرمایا: تہائی مال کثیر ہے، پھر آپ نے اپنا مبارک ہاتھ میری پیشانی پر رکھا، پھر میرے چہرہ اور میرے پیٹ کے اوپر اپنا دستِ کرم پھیرا، پھر آپ نے دعا فرمائی: اے اللہ! سعد کو شفا عطا فرما اور اس کی ہجرت کو مکمل فرما، پھر میں ہمیشہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک کی ٹھنڈک اپنے جگر میں محسوس کرتا رہا حتیٰ کہ اس وقت تک۔

(صحیح البخاری: ۵۶۵۹، صحیح مسلم: ۱۶۲۸، سنن ترمذی: ۲۱۱۶، سنن نسائی: ۳۶۲۶، سنن ابوداؤد: ۲۸۶۴، مسند احمد: ۱۴۴۳، موطا امام مالک: ۱۴۹۵، سنن دارمی: ۳۱۹۶)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان کے لیے اس کے تہائی مال سے کم میں وصیت کرنا جائز نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تہائی مال کو کثیر فرمایا ہے، لہٰذا البقرہ: ۱۸۰ میں ''اِنْ تَرَكَ خَيْرَا'' سے یہی مراد ہے کہ جس شخص کا ترکہ تہائی مال ہو اس پر اس مال کے متعلق وصیت کرنا واجب ہے اور اس سے کم مال میں وصیت کرنا واجب نہیں ہے، یعنی قریب المرگ مسلمان کے ترکہ میں چار حقوق متعلق ہوتے ہیں، پہلے اس کے مال سے اس کی تجہیز و تکفین کی جائے گی، پھر باقی ماندہ مال سے اس کا قرض ادا کیا جائے گا، پھر اگر مال باقی بچا ہو تو اس مال کے تیسرے حصہ سے اس کی وصیت کو پورا کیا جائے گا پھر وصیت پوری کرنے کے بعد جو مال باقی بچا ہو وہ اس کے وارثوں کے درمیان کتاب، سنت اور اجماعِ امت کی تصریحات کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔

وارثوں کے متعلق وصیت کرنے کا شرعی حکم

ابتداء میں وارثوں کے متعلق وصیت کرنا واجب تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے خود وارثوں کے حصص مقرر فرما دیئے تو اب وارثوں کے متعلق وصیت کرنے کا وجوب منسوخ ہو گیا، نیز حدیث میں ہے:

حضرت ابوامامہ الباہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے سال خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق عطا فرما دیا ہے، پس اب وارث کے لیے وصیت نہیں کی جائے گی۔

(سنن ترمذی: ۲۱۲۰، سنن ابوداؤد: ۳۵۶۵، ۲۸۷۰، سنن ابن ماجہ: ۲۷۱۳)

یعنی جن ورثاء کے حصص قرآن اور سنت میں مقرر و معین ہیں مثلاً ذوی الفروض اور العصبات، ان کے متعلق وصیت کرنا جائز نہیں ہے لیکن دیگر رشتہ داروں اور اجنبی فقراء کے متعلق ترکہ کے تہائی مال میں سے وصیت کرنا جائز ہے۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۱۹۹۔ ۲۰۲ ملخصاً وموضحاً ومخرجاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۳ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”پس جن لوگوں نے وصیت کو سننے کے بعد اُس کو بدل دیا تو اُس کا گناہ انہی لوگوں پر ہے جو اُس وصیت کو بدلیں، بے شک اللہ سب کچھ سننے والے، ہر وقت جاننے والے ہیں ○ پھر جس کو وصیت کرنے والے کی طرف سے بے انصافی یا گناہ کا خطرہ ہو (سو وہ وصیت کو تبدیل کر کے) وارثوں کے درمیان صلح کرا دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، بے شک اللہ (گناہوں کو) بہت زیادہ بخشنے والے، بے حد رحم فرمانے والے ہیں ○“ (البقرہ: ۱۸۱۔ ۱۸۲)

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی المتوفی ۷۱۰ھ البقرہ: ۱۸۱، ۱۸۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”فَمَنۡۢ بَدَّلَهٗ بَعۡدَ مَا سَمِعَهٗ“: یعنی جس شخص نے وصیت کو سننے کے بعد اُس میں ترمیم کر دی تو اس ترمیم کا گناہ صرف اسی شخص کو ہوگا جس نے ترمیم کی، اور وصیت کرنے والے کو اور جس کے حق میں وصیت کی گئی ہے ان کو گناہ نہیں ہوگا اور وہ دونوں بری ہوں گے۔

”فَمَنۡ خَافَ مِنۡ مُّوۡصٍ جَنَفًا اَوۡ اِثۡمًا فَاَصۡلَحَ بَيۡنَهُمۡ“: یعنی جس شخص کو وصیت کرنے والے سے یہ خطرہ ہو کہ وہ اس وصیت میں حق سے تجاوز کرے گا یا غلطی کرے گا اور وہ اصلاح کے لیے اس وصیت میں کوئی ترمیم کر دے تو پھر اس صورت میں اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا کیونکہ اس کا تبدیل کرنا دراصل باطل کو مٹا کر حق کو ثابت کرنا ہے۔

(مدارک التنزیل ج ۱ ص ۱۵۷، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُتِبَ عَلَيۡكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَۙ ﴿۱۸۳﴾

اے ایمان والو! تم پر اس طرح روزہ رکھنا فرض فرمایا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر روزہ رکھنا فرض فرمایا گیا تھا تاکہ تم متقی بن جاؤ ○

أَيَّامًا مَّعْدُودَٰتٍ ۚ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۚ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ۖ فَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ ۚ وَأَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١٨٤﴾

ان روزوں کی (فرضیت) کی تعداد گنتی کے چند دن ہے، سو جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا کسی سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں (اُن روزوں کی) تعداد پوری کرلے، اور جو لوگ مشکل اور مشقت سے روزہ رکھنے کی طاقت رکھیں (اُن پر) ایک مسکین کے کھانے کا فدیہ دینا (لازم) ہے، پھر جو خوشی سے (فدیہ کی مقدار بڑھا کر) زیادہ نیکی کرے تو وہ اُس کے حق میں بہتر ہے، اور اگر تم علم رکھتے ہو تو تمہارے لیے (بہرحال) روزہ رکھنا بہتر ہے O

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٨٥﴾

رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل فرمایا گیا، جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور (اس میں) ایسے واضح دلائل ہیں جو حق اور باطل کے درمیان فرق کرتے ہیں، سو تم میں سے جو شخص اس مہینہ میں حاضر ہو تو وہ ضرور اس مہینہ کے روزے رکھے، اور جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا کسی سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں (اُن روزوں کی) تعداد پوری کرلے، اللہ تمہارے حق میں سہولت کا ارادہ فرماتے ہیں اور تم کو مشکل میں ڈالنے کا ارادہ نہیں فرماتے، اور تا کہ تم (روزوں کی) تعداد پوری کرلو اور تا کہ تم (اس نعمت پر) اللہ کی کبریائی بیان کرو کہ اس نے تمہیں ہدایت عطا فرمائی اور تا کہ تم (اس نعمت پر) اللہ کا شکر ادا کرو O

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿١٨٦﴾

اور (اے رسولِ اکرم!) جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق سوال کریں تو (آپ بتا دیں کہ) بے شک میں ان کے قریب (ہی) ہوں، میں دعا کرنے والے کی دعا کو جب وہ دعا کرتا ہے (اپنی حکمت کے مطابق) قبول فرماتا ہوں، تو انہیں بھی چاہیے کہ وہ میرے احکام پر عمل کریں اور مجھ پر (ہی) ایمان رکھیں تا کہ وہ ہدایت پر برقرار رہیں O

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ

عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۪ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِى الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

(اے مسلمانو!) تمہارے لیے روزہ کی رات میں اپنی بیویوں کے ساتھ عملِ زوجیت کو حلال فرمادیا گیا ہے، وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو، اللہ کو معلوم ہے کہ تم اپنی جانوں میں خیانت کرتے تھے سو اس نے تمہاری توبہ قبول فرمائی اور تمہیں معاف فرمادیا، پس اب (اگر تمہاری خواہش ہو تو روزہ کی رات میں) اپنی بیویوں کے ساتھ عملِ زوجیت کرو، اور اللہ نے تمہارے لیے جو (اولاد) مقرر فرمائی ہے اس کو طلب کرو، اور کھاتے پیتے رہو حتیٰ کہ صبح کا سفید دھاگا رات کے سیاہ دھاگے سے ممتاز ہو کر ظاہر ہو جائے، پھر روزہ کو رات آنے تک پورا کرو، اور جب تم مسجدوں میں معتکف ہو تو اس حال میں اپنی بیویوں کے ساتھ عملِ زوجیت نہ کرو، یہ اللہ کی حدود ہیں سو تم ان حدود کے قریب بھی نہ جاؤ، اسی طرح اللہ اپنی آیات کو کھول کھول کر لوگوں کے لیے بیان فرماتے ہیں تاکہ وہ متقی بن جائیں O

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ ع

اور (اے مسلمانو!) تم دانستہ آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقہ سے نہ کھاؤ، اور نہ (بہ طور رشوت) اس مال کو حاکموں تک پہنچاؤ تاکہ لوگوں کے اموال میں سے کچھ حصہ تم ناجائز طریقہ سے کھا سکو O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! تم پر اس طرح روزہ رکھنا فرض فرمایا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر روزہ رکھنا فرض فرمایا گیا تھا تاکہ تم متقی بن جاؤ O'' (البقرہ: ۱۸۳)

روزہ کا لغوی اور شرعی معنی اور روزہ کی فرضیت کی تاریخ

علامہ ابوالقاسم الحسین بن محمد الراغب الاصفہانی المتوفی ۵۰۲ ھ ''صوم'' کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

صوم کا اصل معنی ہے رُکنا خواہ کسی فعل سے رُکا جائے یا کلام سے یا چلنے سے رُکا جائے، اور اصطلاحِ شرع میں صوم کا معنی ہے: مُکلّف عبادت کی نیت سے طلوعِ فجر سے لے کر غروبِ آفتاب تک کھانے پینے کی چیزوں اور عملِ زوجیت سے اپنے آپ کو روکے رکھے۔ (المفردات فی غریب القرآن ج ۲ ص ۳۸۰، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

رمضان کے روزے شعبان ۲ ہجری میں فرض ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نو سال رمضان کے مہینوں میں روزے رکھے، فقہاء شافعیہ نے کہا ہے کہ رمضان سے پہلے کسی روزہ کا رکھنا فرض نہیں تھا، اور فقہاء احناف نے کہا ہے کہ رمضان سے پہلے عاشوراء کا روزہ رکھنا فرض تھا، پھر جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو اس سے پہلے تمام روزوں کی فرضیت منسوخ ہوگئی۔

(عمدۃ القاری ج ۱۰ ص ۳۶۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

پہلی امتوں میں رمضان کے روزوں کی مشروعیت

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی المتوفی ۷۱۰ھ البقرہ: ۱۸۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ'': ''کُتِبَ'' کا معنی ہے: تم پر روزہ رکھنا فرض فرمایا گیا ہے، اور اس سے مراد رمضان کے مہینہ کے روزے ہیں۔

''كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ'': یعنی جس طرح تم سے پہلے انبیاء پر اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر تمہارے عہد تک کی امتوں پر روزے فرض فرمائے گئے تھے۔

حضرت دغفل بن حنظلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نصاریٰ پر رمضان کے روزے فرض کئے گئے تھے اور اُن کا بادشاہ بیمار ہوگیا تو اُس نے کہا کہ اگر اللہ نے اس کو اس بیماری سے شفاء دے دی تو وہ رمضان کے روزوں پر دس روزوں کا اضافہ کرے گا، پھر اُس کے بعد ان کا ایک اور بادشاہ تھا، اس نے گوشت کھایا تو وہ بیمار ہوگیا تو اس نے کہا: اگر اس کو اللہ نے شفاء دے دی تو وہ آٹھ روزوں کا اضافہ کرے گا، پھر ان کا ایک اور بادشاہ تھا، اس نے کہا: ہم ان ایام میں روزہ رکھنے سے فارغ نہیں ہوتے اور ہم یہ روزے ربیع (بہار) کے موسم میں کر دیتے ہیں اور اس کی تلافی میں روزوں کی تعداد میں اضافہ کر دیتے ہیں تو یہ پچاس روزے ہوگئے۔ (المعجم الکبیر: ۴۲۰۲، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۳۹، مجمع الزوائد: ۴۷۱۷، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۴ھ، التاریخ الکبیر للامام محمد بن اسماعیل البخاری ج ۳ ص ۲۲۴۔ ۲۲۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

تورات میں مذکور ہے:

''سو وہ چالیس دن اور چالیس راتیں وہیں خداوند کے پاس رہا اور نہ روٹی کھائی نہ پانی پیا''۔

(خروج: باب: ۳۴، آیت: ۲۸، بائبل سوسائٹی، انارکلی، لاہور، ۱۹۹۲ء)

''پھر رب الافواج کا کلام مجھ پر نازل ہوا ○ کہ رب الافواج یوں فرماتا ہے کہ چوتھے اور پانچویں اور ساتویں اور دسویں مہینے کا روزہ بنی یہوداہ کے لیے خوشی اور خرمی کا دن اور شادمانی کی عید ہوگا اسلئے تم سچائی اور سلامتی کو عزیز رکھو ○''

(زکریاہ، باب: ۸، آیت: ۱۹، بائبل سوسائٹی، انارکلی، لاہور، ۱۹۹۲ء)

انجیل میں مذکور ہے:

''میں ہفتہ میں دو بار روزہ رکھتا اور اپنی ساری آمدنی پر دہ یکی دیتا ہوں ○''

(لوقا: باب: ۱۸، آیت: ۱۲، بائبل سوسائٹی، انارکلی، لاہور، ۱۹۹۲ء)

''لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ ۝۱۸۳'': یعنی تم روزہ رکھ کر گناہوں سے بچو، کیونکہ روزہ نفس کو اس کی خواہش پوری کرنے سے منع کرتا ہے اور اس کو برے کاموں سے دور رکھتا ہے، یا تاکہ تمہارا شمار متقین کی جماعت میں ہو جائے، کیونکہ روزہ رکھنا متقین کا شعار ہے۔
(مدارک التنزیل ج ا ص ۱۵۸، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''ان روزوں کی (فرضیت) کی تعداد گنتی کے چند دن ہے، سو جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا کسی سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں (اُن روزوں کی) تعداد پوری کر لے، اور جو لوگ مشکل اور مشقت سے روزہ رکھنے کی طاقت رکھیں (اُن پر) ایک مسکین کے کھانے کا فدیہ دینا (لازم) ہے، پھر جو خوشی سے (فدیہ کی مقدار بڑھا کر) زیادہ نیکی کرے تو وہ اُس کے حق میں بہتر ہے، اور اگر تم علم رکھتے ہو تو تمہارے لیے (بہر حال) روزہ رکھنا بہتر ہے O'' (البقرہ: ۱۸۴)

امام ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی المتوفی ۳۷۰ھ البقرہ: ۱۸۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اَیَّامًا مَّعۡدُوۡدٰتٍ'': ان ایام کا بیان البقرہ: ۱۸۵ میں مذکور ہے، ارشادِ باری ہے: ''شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡهِ الۡقُرۡاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الۡهُدٰی وَ الۡفُرۡقَانِ ۚ فَمَنۡ شَهِدَ مِنۡکُمُ الشَّهۡرَ فَلۡیَصُمۡهُ'' (رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل فرمایا گیا، جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور (اس میں) ایسے واضح دلائل ہیں جو حق اور باطل کے درمیان فرق کرتے ہیں، سو تم میں سے جو شخص اس مہینہ میں حاضر ہو تو وہ ضرور اس مہینہ کے روزے رکھے)۔

مریض کے لیے رمضان کا روزہ چھوڑنے کی رخصت

''فَمَنۡ کَانَ مِنۡکُمۡ مَّرِیۡضًا اَوۡ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّۃٌ مِّنۡ اَیَّامٍ اُخَرَ'': اس ظاہر آیت کا تقاضا یہ ہے کہ جو شخص مریض یا مسافر کا مصداق ہو تو اس کے لیے روزہ چھوڑنا جائز ہے، لیکن ہمیں معلوم ہے کہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ جس مریض کو روزہ سے ضرر نہ ہو اس کے لیے روزہ چھوڑنے کی رخصت نہیں ہے، پس امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد نے کہا کہ جب کسی شخص کو یہ خوف ہو کہ روزہ رکھنے سے اس کی آنکھ کا درد بڑھ جائے گا یا اس کا بخار زیادہ ہو جائے گا تو وہ روزہ چھوڑ دے، اور امام مالک نے الموطا میں کہا ہے کہ جس شخص کو روزہ مشقت میں ڈالے وہ روزہ چھوڑ دے اور اس کی قضاء کرے اور اس پر کوئی کفارہ نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مریض کے لیے روزہ چھوڑنے کی رخصت اس وقت ہے جب اس کو روزہ رکھنے سے ضرر کا خطرہ ہو۔

مسافر کے لیے رمضان کا روزہ چھوڑنے کی رخصت

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''لیس البر ان تصوموا فی السفر'' (تمہارا سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے)۔ (صحیح البخاری: ۱۹۴۶، صحیح مسلم: ۱۱۱۵، سنن ابوداؤد: ۲۴۰۷، سنن نسائی: ۲۲۵۸)

اس سفر سے مراد سفرِ شرعی ہے یعنی جو سفر (پیدل یا اونٹ کی رفتار سے) تین دن کی مسافت پر مشتمل ہو کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کوئی عورت تین دن کی مسافت کا سفر بغیر محرم کے نہ کرے۔
(صحیح البخاری: ۱۰۸۶، صحیح مسلم: ۱۳۳۸، سنن ابوداؤد: ۱۷۲۷، مسند احمد: ۶۲۵۳)

(میں کہتا ہوں: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احکامِ شرعیہ میں وہ سفر معتبر ہے جو تین دن کی مسافت پر مشتمل ہو اور ہماری تحقیق کے مطابق وہ مقدار اکسٹھ (۶۱) میل دو (۲) فرلانگ اور بیس (۲۰) گز ہے، یا 98.734 کلومیٹر ہے، اس کی تفصیل شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۰۷۔ ۳۴۷ میں ملاحظہ فرمائیں۔ سعیدی غفرلہٗ)

روزہ کی طاقت رکھنے یا طاقت نہ رکھنے کے اعتبار سے روزہ داروں کے متعدد احوال اور ان احوال کے مطابق ان کے احکام

''وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ'': امام ابوبکر الجصاص الرازی الحنفی لکھتے ہیں:

''السلف'' کا اس میں اختلاف ہے، المسعودی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: روزہ کے تین احوال ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ''كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ ... وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ، پس جو مسلمان چاہتا روزہ رکھتا اور جو مسلمان چاہتا وہ روزہ چھوڑ دیتا اور ایک مسکین کو کھانا کھلاتا، اور یہ عمل اسے کافی ہو جاتا، (۲) پھر اللہ عزوجل نے دوسری آیت نازل فرمائی ''شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ ... فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ'' پس اللہ تعالیٰ نے وطن میں اقامت پذیر اور تندرست شخص کے اوپر روزہ کو واجب فرما دیا اور روزہ میں مریض اور مسافر کو رخصت عطا فرما دی اور جو اس قدر بوڑھا ہو کہ روزہ نہ رکھ سکے اس کے لیے روزہ کے بجائے مسکین کے کھانا کھلانے کو جائز قرار دیا، (۳) اور حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس اور حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے علقمہ، الزہری اور عکرمہ نے ''وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ'' کی تفسیر میں کہا: جو شخص چاہتا تھا روزہ رکھتا تھا اور جو شخص چاہتا تھا روزہ چھوڑ دیتا اور ہر دن ایک مسکین کو کھانا کھلاتا حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوگئی: ''فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ''۔

میں کہتا ہوں: روزہ کی فدیہ کی مقدار وہی ہے جو صدقۂ فطر کی مقدار ہے اور صدقۂ فطر کے متعلق درجِ ذیل احادیث ہیں:

مختلف اجناس سے صدقۂ فطر ادا کرنے کے متعلق احادیث

اور اس مسئلہ میں ایک دوسری روایت ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے مروی ہے، آپ نے فرمایا: جس شخص پر رمضان کا مہینہ آئے اور وہ مریض ہو یا مسافر ہو تو وہ روزہ چھوڑ دے اور ہر روزہ کے عوض ایک مسکین کو ایک صاع (چار کلوگرام) کھلائے۔

(میں کہتا ہوں: ہوسکتا ہے کہ اس روایت میں چار کلوگرام سے مراد گندم کے علاوہ دوسری اجناس مثلاً جَو، کھجور اور کشمش وغیرہ مراد ہوں، اور جس روایت میں نصف صاع یعنی دو کلوگرام کا ذکر ہے اس سے مراد گندم کا نصف صاع یعنی دو کلوگرام مراد ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)، اور یہ ''وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ'' کی تفسیر ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم صدقۂ فطر ایک صاع (چار کلوگرام) طعام سے یا ایک صاع جَو سے یا ایک صاع کھجور سے یا ایک صاع پنیر سے یا ایک صاع کشمش سے ادا کرتے تھے۔ (صحیح البخاری: ۱۵۰۵، صحیح مسلم: ۹۸۵)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک صاع کھجور سے یا ایک صاع جَو سے صدقۂ فطر ادا کرتے تھے، پھر

لوگوں (یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) نے اس کے مساوی نصف صاع (دو کلوگرام) گندم کو کر دیا۔ (صحیح البخاری: ۱۵۰۳)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ایک صاع (چار کلوگرام) طعام یا ایک صاع کشمش صدقہ فطر ادا کرتے تھے، پھر جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت آیا اور گندم کی فراوانی ہوئی تو انہوں نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ گندم کا ایک کلو دوسری اجناس کے دو کلو کے برابر ہے۔ (صحیح البخاری: ۱۵۰۸)

مختلف اجناس سے صدقۂ فطر ادا کرنے کے حکم کی حکمت

میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کشمش، پنیر، کھجور، جَو اور طعام یعنی گندم سے صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے، حالانکہ ان تمام اجناس کی قیمت برابر نہیں ہے، 5 جولائی 2014ء میں دو کلوگرام گندم کی قیمت تقریباً سو (۱۰۰) روپے ہے اور چار کلو جَو کی قیمت تقریباً ایک سو اڑسٹھ (۱۶۸) روپے ہے اور چار کلو کھجور کی قیمت تقریباً بارہ سو روپے (۱۲۰۰) ہے، اور چار کلو پنیر کی قیمت تقریباً چوبیس سو روپے (۲۴۰۰) روپے ہے، اور چار کلوگرام کشمش کی قیمت تقریباً پچیس سو ساٹھ (۲۵۶۰) روپے ہے، میرے نزدیک مختلف اجناس سے صدقۂ فطر مشروع کرنے کی حکمت یہ ہوسکتی ہے کہ آمدنی کے اعتبار سے معاشرہ کے افراد کی متعدد قسمیں ہیں، ہمارے ہاں شہر کراچی میں سب سے زیادہ مال دار لوگ کلفٹن اور ڈیفنس میں رہتے ہیں، پھر اس کے بعد وہ لوگ ہیں جو نارتھ ناظم آباد، گلشن اقبال اور گلستانِ جوہر میں رہتے ہیں اور اس کے بعد وہ لوگ ہیں جو لیاقت آباد یا لالوکھیت میں رہتے ہیں اور اس کے بعد وہ لوگ ہیں جو لیاری میں رہتے ہیں، اس لیے ان سب پر صدقہ فطر کی ایک مقدار فرض کرنا حکمت کے خلاف تھا، اس لیے آپ نے زیادہ متموّل لوگوں کے لیے کشمش اور پنیر کے اعتبار سے صدقہ فطر فرض فرمایا اور درمیانی لوگوں کے لیے کھجور اور جَو کے اعتبار سے صدقۂ فطر فرض فرمایا اور آمدنی کے تیسرے درجہ کے لوگوں کے لیے گندم کے اعتبار سے صدقۂ فطر کو فرض فرمایا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

روزہ کے فدیہ کے متعلق دوسری روایت

اور اس مسئلہ میں ایک اور روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ اس آیت کو اس طرح پڑھتے تھے: ''وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ'' (جو لوگ مشکل اور مشقت کے ساتھ روزہ رکھ سکتے ہوں تو وہ ایک مسکین کے کھانے کا فدیہ دیں)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ وہ بوڑھا آدمی جو اپنی جوانی میں روزے رکھتا تھا، پھر اُس پر بڑھاپا آ گیا اور اب وہ اپنے ضعف کی وجہ سے روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا اور کھانا ترک پر قادر نہیں ہے تو وہ روزہ چھوڑ دے اور ہر دن کے بدلہ میں ایک مسکین کو نصف صاع کھانا کھلائے، اور سعید بن المسیّب سے بھی اسی کی مثل منقول ہے (ایک صاع فدیہ کی روایت کے مقابلہ میں نصف صاع فدیہ کی روایت پر زیادہ تر فقہاء کا عمل ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ''وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطَوَّقُوْنَهٗ'' پڑھتی تھیں، اور عکرمہ ''وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ'' پڑھتے تھے اور انہوں نے کہا کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ''وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ'' پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس سے مراد بوڑھے لوگ ہیں۔

امام ابوبکر جصاص نے کہا: اکثر حضراتِ صحابہ اور فقہاءِ تابعین نے یہ کہا ہے: ابتداء میں روزہ کا حکم اس طرح نازل ہوا کہ جو

لوگ روزہ کی طاقت رکھتے ہوں انہیں روزہ رکھنے اور فدیہ دینے کے درمیان اختیار ہے، پھر روزہ کی طاقت رکھنے والوں کے حق میں ''فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ'' سے یہ اختیار منسوخ کر دیا گیا۔

اور حضراتِ صحابہ اور فقہاءِ تابعین کے دوسرے گروہ نے یہ کہا کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے بلکہ مریض اور مسافر کے حق میں ثابت ہے، وہ دونوں روزہ چھوڑ دیں اور اس کی قضاء کریں اور ان پر قضاء کے ساتھ فدیہ لازم ہے۔

اور حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم اور عکرمہ، سعید بن المسیّب یہ آیت اس طرح پڑھتے تھے ''وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطَوَّقُوْنَهٗ'' پس یہ لفظ متعدد معانی کا محتمل ہے، ایک معنی وہ ہے جس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جو لوگ پہلے روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے تھے، پھر جب وہ بوڑھے ہو گئے اور روزہ رکھنے سے عاجز ہو گئے تو ان پر روزہ کے بدلہ میں کھانا کھلانا لازم ہے، اور دوسرا معنی وہ ہے کہ جو لوگ مشقت برداشت کر کے روزہ رکھ سکتے ہیں تو ان پر روزہ رکھنے کے بجائے کھانا کھلانا لازم ہے۔ اور تیسرا معنی یہ ہے کہ خواہ وہ روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں تب بھی وہ روزہ رکھنے کے مکلف ہیں اور اب روزہ کے قائم مقام اُن پر فدیہ لازم ہے۔

اور جب فدیہ روزہ کا قائم مقام ہے تو اب دونوں قراءتیں معمول ہیں لیکن پہلی آیت اور وہ ''وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ'' ہے لامحالہ منسوخ ہوگی کیونکہ ہم نے صحابہ سے یہ روایت کی ہے کہ ابتداء میں روزہ اس طرح فرض ہوا تھا کہ جو شخص روزہ کی طاقت رکھتا ہو اس کو روزہ رکھنے اور روزہ چھوڑنے اور فدیہ دینے کے درمیان اختیار تھا، اور یہ بات صحابہ کرام نے اپنی رائے سے نہیں کہی بلکہ انہوں نے اس کا مشاہدہ کر کے بیان کی اور ان کو علم تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اس اختیار پر برقرار رکھا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ'' یعنی جب مریض اور مسافر روزہ چھوڑ دیں تو اُن پر دوسرے دنوں میں روزہ کی قضاء لازم فرمائی، پھر اس آیت کے بعد یہ حکم نازل فرمایا ''وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ'' پس یہ نہیں ہو سکتا کہ اس آیت کا مصداق بیمار اور مسافر ہوں، کیونکہ بیمار شخص وہ ہے جس کو روزہ رکھنے سے ضرر کا خطرہ ہو تو اس کو روزہ رکھنے کی طاقت رکھنے والے سے کیسے تعبیر کیا جائے گا؟ کیونکہ اس کو روزہ چھوڑنے کی رخصت صرف اسی وجہ سے دی گئی ہے کہ وہ روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا اور روزہ رکھنے کی صورت میں اس کو ضرر کا خوف ہے، اور اس پر یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تلاوت کے اسی نسق میں فرمایا: ''وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ'' اور جس بیمار کو روزہ رکھنے سے اپنی جان پر ہلاکت کا خوف ہو، اس کا روزہ رکھنا خیر کیسے ہو سکتا ہے بلکہ اس حال میں تو اس کو روزہ رکھنے سے منع فرمایا گیا ہے، اور یہ اس پر دلیل ہے کہ مریض اور مسافر سے فدیہ کا ارادہ نہیں کیا گیا اور اُن پر کوئی فدیہ نہیں ہے اور یہ اس پر دلیل ہے کہ ''وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ'' کا حکم منسوخ ہے۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۲۱۲۔ ۲۱۷، ملخصاً وملتقطاً، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۳۴ھ)

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی المتوفی ۷۱۰ھ البقرہ: ۱۸۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ'': یعنی جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہوں ان لوگوں کے لیے روزہ چھوڑنے کا کوئی عذر نہ ہو۔

''فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ'': یعنی وہ نصف صاع گندم فدیہ دیں یا گندم کے علاوہ کسی اور جنس سے ایک صاع فدیہ دیں۔

ابتداءِ اسلام میں مسلمانوں پر روزہ فرض کیا گیا اور وہ روزہ رکھنے کے عادی نہیں تھے، تو اُن پر روزہ رکھنا دشوار ہوا، سو اُن کو

روزہ چھوڑ کر اس کے عوض فدیہ دینے کی رخصت دی گئی، پھر یہ اختیار ''فَمَنۡ شَهِدَ مِنۡكُمُ الشَّهۡرَ فَلۡيَصُمۡهُ'' سے منسوخ کر دیا گیا۔ اس لیے دوبارہ یہ آیت ذکر فرمائی۔

''فَمَنۡ كَانَ مِنۡكُمۡ مَّرِيۡضًا اَوۡ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنۡ اَيَّامٍ اُخَرَ'': جب کہ یہ آیت منسوخ کے ساتھ ذکر فرمائی گئی تھی تو اس کو پھر ناسخ کے ساتھ بھی ذکر فرمایا گیا تاکہ یہ اس پر دلالت کرے کہ یہ حکم اب بھی باقی ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ ''الَّذِيۡنَ يُطِيۡقُوۡنَهٗ'' کا معنی ہے ''الَّذِيۡنَ لَا يُطِيۡقُوۡنَهٗ'' اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی قراءت کے مطابق یہاں پر ''لَا'' کا لفظ مقدر ہے اور اب معنی ہوگا: جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے وہ ایک روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کا کھانا فدیہ دیں اور اس صورت میں یہ آیت منسوخ نہیں قرار پائے گی۔

''فَمَنۡ تَطَوَّعَ خَيۡرًا فَهُوَ خَيۡرٌ لَّهٗ'': یعنی جو شخص اپنی خوشی سے فدیہ کی مقدار سے زیادہ دے تو یہ خوشی سے دینا اس کے حق میں زیادہ بہتر ہے۔

''وَاَنۡ تَصُوۡمُوۡا خَيۡرٌ لَّكُمۡ'': یعنی جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں اُن لوگوں کے لیے روزہ کا فدیہ دینے کے بجائے روزہ رکھنا زیادہ بہتر ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ ہر چند کہ تم کو سفر اور مرض میں روزہ چھوڑنے کی رخصت ہے پھر بھی تمہارے لیے سفر اور مرض میں روزہ رکھنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ یہ حکم تم پر دشوار ہے اور پُرمشقت کام کرنے کا زیادہ اجر ہوتا ہے۔

(مدارک التنزیل ج ۱ ص ۱۵۸۔۱۵۹، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

جن امراض میں روزہ کا فدیہ دیا جائے گا

علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

سفرِ شرعی کرنے والے مسافر، حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کو جب غلبۂ ظن سے اپنی جان یا اپنے بچہ کی جان کا خطرہ ہو یا مرض بڑھ جانے کا خوف ہو یا تندرست آدمی کو غلبۂ ظن، تجربہ، علامات یا طبیب کے بتانے سے مرض پیدا ہونے کا خوف ہو، یا خادمہ کو ضُعف کا خوف ہو تو اُن کے لیے روزہ نہ رکھنا جائز ہے اور بعد میں ان ایام کی قضاء کریں۔

(درمختار مع ردالمحتار ج ۲ ص ۱۱۶۔۱۱۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

میں کہتا ہوں: شوگر، بلڈ پریشر، دمہ اور جوڑوں کا درد یہ چار بیماریاں ایسی ہیں جن کا کوئی علاج نہیں، ان بیماریوں کو دواؤں سے کنٹرول تو کیا جا سکتا ہے لیکن یہ بیماریاں ختم نہیں ہو سکتیں، اِن بیماریوں میں سے جوڑوں کا درد، روزہ کے منافی نہیں ہے اور عام حالات میں دمہ اور بلڈ پریشر کی بیماری میں بھی روزہ رکھنا ممکن ہے لیکن جب شوگر زیادہ ہو اور اس کو کنٹرول کرنے کے لیے زیادہ گولیاں لینی پڑتی ہوں جس کی وجہ سے وقفہ وقفہ سے شدید بھوک لگتی ہو یا مریض دن میں دو مرتبہ انسولین لیتا ہو اور اس کے ساتھ شوگر کنٹرول کرنے کی دوائیں بھی لیتا ہو اور وہ سارا دن بھوکا پیاسا نہ رہ سکتا ہو اور اس کو وقفہ وقفہ سے کھانے کی ضرورت ہو تو اس کے لیے روزہ رکھنا جائز نہیں ہے بلکہ اس پر لازم ہے کہ وہ روزہ کا فدیہ دے۔

روزہ میں انجکشن لگوانے کی بحث

تحقیق یہ ہے کہ انجکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے خواہ مَسل (mussle) میں انجکشن لگایا جائے یا رگ (Vein) میں۔

قدیم فقہاء یہ کہتے تھے کہ جب جوفِ دماغ یا جوفِ معدہ میں دوا یا غذا پہنچے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اس فقہی جزئیہ کی بناء پر ہمارے دور کے بعض علماء نے یہ کہا کہ انجکشن خواہ رگ میں لگایا جائے یا مسلز میں لگایا جائے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا لیکن ان کا یہ قول صحیح نہیں ہے، کیونکہ قدیم فقہاء نے یہ کہا تھا کہ دماغ یا معدہ میں کوئی چیز پہنچ جائے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے، اول تو یہ اس لیے غلط تھا کہ دماغ اور معدہ کے درمیان کوئی منفذ نہیں ہے، اس لیے دماغ میں کوئی چیز جانے سے اس کا معدہ میں پہنچنا لازم نہیں آتا، دوسرا اس لیے کہ ان کے زمانہ میں طب نے اتنی ترقی نہیں کی تھی لیکن اب میڈیکل سائنس نے بہت ترقی کر لی ہے جس سے ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ جب ہم مونہہ کے ذریعہ دوا کھاتے ہیں تو معدہ کے مراحلِ ہضم کے بعد وہ دوا خون میں پہنچ جاتی ہے اور جب تک وہ دوا خون میں نہ مل جائے اس کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا، اس لیے پہلے دوا سے استفادہ کا صرف یہی ایک طریقہ تھا لیکن اب میڈیکل سائنس نے ترقی کر لی ہے اور انجکشن کے ذریعہ دوا کو براہِ راست خون میں پہنچا دیا جاتا ہے، بعض اوقات کسی عارضہ کی وجہ سے معدہ کام کرنا چھوڑ دیتا ہے اور مونہہ سے دوا کھانے کا کوئی اثر نہیں ہوتا، بعض دفعہ اس قدر قے آتی ہے کہ جو دوا کھاؤ فوراً قے کے ذریعہ نکل جاتی ہے، پہلے اس مسئلہ کا کوئی حل نہیں تھا، لیکن اب جب معدہ کام نہ کرے یا کسی چیز کو قبول نہ کرے اور دوا کا اثر جلدی مطلوب ہو تو دوا کو انجکشن کے ذریعہ براہِ راست خون میں پہنچا دیا جاتا ہے، لہٰذا مونہہ کے ذریعہ دوا کھانے سے جو فائدہ مطلوب ہوتا ہے وہ انجکشن کے ذریعہ اس دوا کو خون میں پہنچانے سے کامل طریقہ سے حاصل ہو جاتا ہے، فرق یہ ہے کہ مونہہ کے ذریعہ دوا کھانے سے معدہ کے عملِ ہضم کے بعد دوا خون میں پہنچتی ہے اور انجکشن کے ذریعہ اسی وقت دوا خون میں پہنچ جاتی ہے اور اثر کرتی ہے لہٰذا جس طرح مونہہ کے ذریعہ دوا کھانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اسی طرح دوا کا انجکشن لگوانے سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا۔

بعض دیگر فقہاء نے بھی ہمارے اس موقف کی تائید کی ہے۔

مشہور محقق ڈاکٹر وہبہ الزحیلی لکھتے ہیں: مسل (پٹھے) میں انجکشن لگانا ہو یا کھال کے نیچے انجکشن لگانا ہو یا رگ میں انجکشن لگانا ہو تو بہتر یہ ہے کہ اس کو شام تک مؤخر کیا جائے اور حقنہ یعنی مقعد میں پچکاری مارنے سے بہر حال روزہ ٹوٹ جائے گا۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۲ ص ۶۵۸، دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۹ھ)

میں کہتا ہوں: ڈاکٹر وہبہ الزحیلی نے روزہ میں انجکشن لگانے کے عمل کو شام تک مؤخر کرنے کے لیے کیوں کہا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر روزہ کی حالت میں انجکشن لگایا جائے تو ان کے نزدیک روزہ ٹوٹ جائے گا، اسی وجہ سے انہوں نے کہا کہ انجکشن لگانے کو شام تک مؤخر کیا جائے، اس سے معلوم ہوا کہ اُن کے نزدیک روزہ میں انجکشن لگانا روزہ کے فساد کا موجب ہے۔

مولانا وقار الدین حنفی متوفی ۱۴۱۳ھ لکھتے ہیں: انجکشن لگانے یا منہ سے دوا پینے سے وضو تو نہیں ٹوٹتا ہے مگر انجکشن سے اور ڈرپ لگوانے سے عام طور پر کچھ خون نکلتا ہے اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، لہٰذا ایسی مجبوری کہ اٹھ نہیں سکتے اور وضو کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے تو تیمم کر کے نماز پڑھ سکتے ہیں، مگر بعد میں دہرا لی جائے۔ خون کی حرمت نصِ قرآن سے ثابت ہے، اس کی نجاست وحرمت قطعی ہے، اس لیے اس کا خریدنا اور دینا جائز نہیں۔ ہمارے نزدیک روزے کی حالت میں انجکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ (وقار الفتاویٰ حصہ اول ص ۲۶۶)

''اَلَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ'' میں ''اطاقة'' کا معنی ''مشکل سے'' کرنے پر شیخ امین احسن اصلاحی کے اعتراض کا جواب

شیخ امین احسن اصلاحی متوفی ۱۹۹۷ء لکھتے ہیں:

بعض لوگوں نے ''یُطِیْقُوْنَهٗ'' کے یہ معنی لیے ہیں ''جو لوگ مشکل سے طاقت رکھتے ہیں''، لیکن اس صورت میں اس پر بڑا اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ ''یُطِیْقُوْنَهٗ'' کے یہ معنی لغت میں ہیں بھی یا محض اپنے جی سے گھڑ لیے ہیں؟ ہمارے نزدیک عربی لغت اس لفظ کے اس معنی سے بالکل خالی ہے۔ (تدبر قرآن ج۱ ص ۴۴۷، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۲۰۰۲ء)

میں کہتا ہوں کہ شیخ امین احسن اصلاحی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ عربی لغت ''یُطِیْقُوْنَهٗ'' کے اس معنی سے بالکل خالی ہے، کیونکہ عربی کی مستند لغات میں ''طَاقَة'' کے اس معنی کی تصریح ہے کہ جس کام کو مشکل اور صعوبت کے ساتھ کیا جائے جیسے طوق کو گلے میں ڈالنا مشکل ہوتا ہے۔

علامہ ابوالقاسم الحسین بن محمد الراغب الاصفہانی المتوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

''والطَّاقَةُ اِسْمٌ لِمِقْدَارِ مایمکنُ للانسانِ اَنْ یَفْعَلَهٗ بِمُشَقَّةٍ وذالك تَشْبِیْه بالطَّوق المُحیط بالشیء''۔

یعنی طاقت کا لفظ اس کام کی مقدار کا اسم ہے جس کو کرنا انسان کے لیے مشقت اور مشکل سے ممکن ہو اور اس کو اُس طوق کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو کسی چیز کو محیط ہوتا ہے جیسے ارشادِ باری ہے: ''وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِه'' یعنی ہم کو اُس کام کے کرنے کا مکلف نہ فرما جس کا کرنا ہمارے لیے مشکل ہو۔ (المفردات فی غریب القرآن ج۲ ص ۴۰۷، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

علامہ ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور الافریقی المصری متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

''الطَوقُ والطَّاقَةُ اِسْمٌ لِمِقْدَارِ مایمکنُ للانسانِ اَنْ یَفْعَلَهٗ بِمشَقَّةٍ مِنه''۔ (لسان العرب ج۹ ص ۱۶۲، دار صادر، بیروت، ۲۰۰۳ء)

علامہ السید محمد مرتضیٰ بن محمد الحسینی الزبیدی الحنفی المتوفی ۱۲۰۵ھ، لکھتے ہیں:

''الطَوقُ والطَّاقَةُ اَیْ اقصٰی غَایَتِه، وَهُوَاسْمٌ لِمِقْدَارِ مایمکنُ للانسانِ اَنْ یَفْعَلَهٗ بِمشَقَّةٍ مِنه''

(تاج العروس من جواہر القاموس جز ۲۶ ص ۵۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۳ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل فرمایا گیا، جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور (اس میں) ایسے واضح دلائل ہیں جو حق اور باطل کے درمیان فرق کرتے ہیں، سو تم میں سے جو شخص اس مہینہ میں حاضر ہو تو وہ ضرور اس مہینہ کے روزے رکھے، اور جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا کسی سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں (اُن روزوں کی) تعداد پوری کرلے، اللہ تمہارے حق میں سہولت کا ارادہ فرماتے ہیں اور تم کو مشکل میں ڈالنے کا ارادہ نہیں فرماتے، اور تاکہ تم (روزوں کی) تعداد پوری کرلو اور تاکہ تم (اس نعمت پر) اللہ کی کبریائی بیان کرو کہ اس نے تمہیں ہدایت عطا فرمائی اور تاکہ تم (اس نعمت پر) اللہ کا شکر ادا کرو O'' (البقرہ: ۱۸۵)

قرآنِ مجید اور دیگر آسمانی کتابوں کے نازل ہونے کی تاریخ

امام ابواللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، البقرہ: ۱۸۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ '': یعنی رمضان کے مہینہ میں پورا قرآنِ مجید لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا کی طرف نازل کیا گیا، پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے اس قرآن کو اوقاتِ مختلفہ میں تھوڑا تھوڑا کر کے آپ پر اکیس سال میں نازل کیا، اور مقاتل نے کہا کہ ہر سال قرآنِ مجید لوحِ محفوظ سے لیلۃ القدر میں آسمانِ دنیا کی طرف نازل کیا گیا۔

ابوقلابہ متوفی ۱۰۷ھ بیان کرتے ہیں کہ تورات بارہ رمضان کو نازل کی گئی اور انجیل ۱۸ رمضان کو نازل کی گئی اور قرآن مجید چوبیس رمضان کو نازل کیا گیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ پورا قرآن حضرت جبریل علیہ السلام کے اوپر لیلۃ القدر میں نازل فرمایا گیا۔

رمضان کے روزوں کو متصلاً قضاء کیا جائے یا متفرق طور پر قضاء کرنے کی بھی اجازت ہے؟

''وَمَنْ كَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ '':

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رمضان کے روزوں کی متفرق طور پر قضاء کو مکروہ قرار دیتے تھے اور حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم سے بھی اسی کی مثل مروی ہے، اور حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ کی ایک جماعت نے کہا: قضاء روزوں کی تعداد کو شمار کرو اور جس طرح چاہو روزے رکھو۔

اس مرض کی حد کا بیان جس مرض میں روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے

جس مرض کی وجہ سے روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے اس مرض کی حد میں فقہاء کا اختلاف ہے، بعض فقہاء نے کہا: جب کسی شخص کو یہ خطرہ ہو کہ اگر اس نے مرض کی حالت میں روزہ رکھا تو وہ ہلاک ہو جائے گا تو اس کے لیے روزہ چھوڑنا جائز ہے، اور بعض فقہاء نے کہا کہ جب کسی شخص پر مریض کا اطلاق ہو سکے تو اس کے لیے روزہ چھوڑنا جائز ہے اور دیگر فقہاء نے یہ کہا: جب کسی شخص کو یہ خطرہ ہو کہ اگر اس نے بیماری میں روزہ رکھا تو اس کی بیماری بڑھ جائے گی تو اس کے لیے روزہ چھوڑنا جائز ہے اور یہی ہمارے اصحابِ احناف کا قول ہے۔

''یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَ لَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ '': یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے یہ آسانی رکھی ہے کہ سفر اور مرض میں تمہیں روزہ چھوڑنے کی اجازت عطا فرمائی ہے۔

اگر سفر میں روزہ رکھنے سے مشقت ہو تو پھر سفر میں روزہ نہ رکھنا نیکی اور عبادت ہے

میں کہتا ہوں کہ اگر سفر میں روزہ رکھنے سے مشقت ہو تو پھر سفر میں روزہ نہیں رکھنا چاہیے، حدیث میں ہے:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ کے سال رمضان کے مہینہ میں مکہ کی طرف روانہ ہوئے، سو آپ نے روزہ رکھا حتیٰ کہ جب آپ ''کراع الغمیم'' (ایک مقام) پر پہنچے، پس لوگوں نے بھی روزہ رکھ لیا تھا، پھر آپ نے پانی کا ایک پیالا منگا کر اس کو اوپر اٹھایا حتیٰ کہ لوگوں نے اس پیالے کو دیکھ لیا، پھر آپ نے اس پیالہ سے پانی پیا، پھر آپ کو بتایا

گیا کہ بعض لوگ اپنے روزہ پر برقرار رہے ہیں تو آپ نے فرمایا: یہ لوگ نافرمان ہیں، یہ لوگ نافرمان ہیں۔
(صحیح مسلم: ۱۱۱۴، سنن ترمذی: ۷۱۰، سنن نسائی: ۲۲۵۹، مسند احمد: ۱۴۴۰۶)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفر میں دیکھا کہ ایک مرد کے گرد لوگ جمع ہیں اور اس مرد پر سایا کیا جارہا ہے، آپ نے دریافت فرمایا: اس کو کیا ہوا ہے؟ لوگوں نے بتایا: یہ مرد روزہ دار ہے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں ہے۔
(صحیح البخاری: ۱۹۴۶، صحیح مسلم: ۱۱۱۵، سنن ابوداؤد: ۲۴۰۷، سنن نسائی: ۲۲۵۸، مسند احمد: ۱۴۴۳۳)

''وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ'': یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو جو احکام شرعیہ کی ہدایت فرمائی ہے اس پر تم اللہ تعالیٰ کی تعظیم بجالاؤ۔

''وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾'': یعنی تم اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تم کو بیماری اور سفر کی حالت میں روزہ چھوڑنے کی رخصت عطا فرمائی ہے، اور مقاتل نے کہا: تا کہ تم ان تمام نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو جو اس نے تمہیں دینی معاملات میں عطا فرمائی ہیں۔ (تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۱۸۴۔ ۱۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے رسولِ اکرم!) جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق سوال کریں تو (آپ بتادیں کہ) بے شک میں ان کے قریب (ہی) ہوں، میں دعا کرنے والے کی دعا کو جب وہ دعا کرتا ہے (اپنی حکمت کے مطابق) قبول فرماتا ہوں، تو انہیں بھی چاہیے کہ وہ میرے احکام پر عمل کریں اور مجھ پر (ہی) ایمان رکھیں تا کہ وہ ہدایت پر برقرار رہیں O'' (البقرہ: ۱۸۶)

علامہ ابو البرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی المتوفی ۷۱۰ھ البقرہ: ۱۸۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ'': یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: کیا ہمارا رب ہم سے قریب ہے کہ ہم اس سے سرگوشی کریں، یا ہمارا رب ہم سے دور ہے کہ ہم اس کو نداء کریں تو یہ آیت نازل ہوئی: ''بے شک میں ان کے قریب (ہی) ہوں''۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۱۵۸)

دعا قبول ہونے کی متعدد صورتیں

''اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ'': اللہ تعالیٰ کا دعا کرنے والے کی دعا کو قبول فرمانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے سچا وعدہ ہے جس کے خلاف نہیں ہوسکتا، البتہ دعا کو قبول کرنا اور چیز ہے اور دعا کرنے والے کی حاجت کو پورا کرنا دوسری چیز ہے، دعا کو قبول فرمانا یہ ہے کہ جب بندہ کہے: اے میرے رب! تو اللہ تعالیٰ فرمائے ''لبیك عبدی'' اور یہ چیز ہر مومن کے لیے متحقق ہوتی ہے، اور رہا حاجت کو پورا فرمانا تو کبھی اللہ تعالیٰ فوراً بندہ کی حاجت کو پورا فرمادیتا ہے اور کبھی کچھ عرصہ کے بعد اس کی حاجت کو پورا فرمادیتا ہے، اور کبھی آخرت میں اس کی حاجت کو پورا فرماتا ہے، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بندہ کی خیر اس کی حاجت کے غیر میں ہوتی ہے، تو اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے جو چیز بندہ کے حق میں خیر ہو اس کو عطا فرماتا ہے، اور اس آیت کا یہ معنی بھی ہے کہ جب بندہ کی دعا تقدیر کے موافق ہو تو اس کو پورا فرماتا ہے اور جب بندہ کی دعا تقدیر کے موافق نہ ہو تو اس دعا کے بدلہ میں اس سے کوئی مصیبت دور فرمادیتا ہے، یا

جب بندہ اپنی مراد پوری نہ ہونے پر صبر کرے تو اس کو اجر عطا فرماتا ہے۔

''فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي'': یعنی جب میں تمہیں ایمان لانے اور اطاعت اور عبادت کرنے کی دعوت دوں تو تم بھی میری دعوت کو اسی طرح قبول کرو جس طرح میں تمہاری حاجات کو پورا کر کے تمہاری دعا کو قبول فرماتا ہوں۔

(مدارک التنزیل ج ۱ ص ۱۶۰۔۱۶۱، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

بندوں کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ برابر کا معاملہ بھی نہ کرنا

میں کہتا ہوں کہ ہمیں اس پر غور کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اور ہم غرض مند ہیں، وہ مالک اور خالق ہے اور ہم اس کے مملوک اور اس کی مخلوق ہیں، اس کا تقاضا یہ تھا کہ ہم اس کو پکارتے رہتے روتے رہتے اور فریاد کرتے رہتے اور وہ توجہ نہ فرماتا، لیکن یہ اس کا کتنا کرم ہے کہ اس نے یہ بتایا کہ خالق اور مخلوق کے تقاضوں کو چھوڑ و، آؤ برابر کا معاملہ کرلو، میں تمہاری بات مانتا ہوں تم میری بات مان لیا کرو، لیکن ہم ایسے شقی القلب ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ برابر کا معاملہ کرنے پر بھی تیار نہیں ہیں، وہ فرماتا ہے: ''فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ۔۔ (البقرہ: ۱۵۲)'' تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد فرماؤں گا، اور فرماتا ہے'' وَأَوْفُوا بِعَهْدِي أُوفِ بِعَهْدِكُمْ۔۔ (البقرہ: ۴۰)'' تم مجھ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرو میں تم سے کیے ہوئے عہد کو پورا فرماؤں گا اور یہاں فرمایا ہے'' أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي۔۔ (البقرہ: ۱۸۶)'' میں دعا کرنے والے کی دعا کو قبول فرماتا ہوں تو یہ بھی تو میری ندا کو قبول کیا کریں، لیکن صد افسوس کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ برابر کا معاملہ بھی نہیں کرتے! (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے مسلمانو!) تمہارے لیے روزہ کی رات میں اپنی بیویوں کے ساتھ عملِ زوجیت کو حلال فرما دیا گیا ہے، وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو، اللہ کو معلوم ہے کہ تم اپنی جانوں میں خیانت کرتے تھے سو اُس نے تمہاری توبہ قبول فرمائی اور تمہیں معاف فرما دیا، پس اب (اگر تمہاری خواہش ہو تو روزہ کی رات میں) اپنی بیویوں کے ساتھ عملِ زوجیت کرو، اور اللہ نے تمہارے لیے جو (اولاد) مقرر فرمائی ہے اس کو طلب کرو، اور کھاتے پیتے رہو حتیٰ کہ صبح کا سفید دھاگا رات کے سیاہ دھاگے سے ممتاز ہو کر ظاہر ہو جائے، پھر روزہ کو رات آنے تک پورا کرو، اور جب تم مسجدوں میں معتکف ہو تو اس حال میں اپنی بیویوں کے ساتھ عملِ زوجیت نہ کرو، یہ اللہ کی حدود ہیں سو تم ان حدود کے قریب بھی نہ جاؤ، اسی طرح اللہ اپنی آیات کو کھول کھول کر لوگوں کے لیے بیان فرماتے ہیں تا کہ وہ متقی بن جائیں O'' (البقرہ: ۱۸۷)

امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ البقرہ: ۱۸۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

گفتگو میں شرم گاہ کو صراحۃً ذکر کے بجائے کنایۃً ذکر فرمانا

''أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ'':

''الرفث'' کا لفظ ''الجماع'' سے کنایہ ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حیاء دار کریم ہے وہ صراحۃً جماع کا

لفظ نہیں فرماتا اور قرآن مجید میں جہاں بھی المباشرۃ (جسم سے جسم ملانا)، الملامسۃ (جسم کو چھونا)، الافضاء (پہنچانا)، الدخول (داخل کرنا) اور الرفث (بے حیائی کا کلام یا بے حیائی کا کام کرنا) فرمایا ہے وہ جماع کرنے سے کنایہ ہے۔

(میں کہتا ہوں: جب اللہ تعالیٰ اتنی حیاء فرماتا ہے کہ صراحۃً جماع کا نام نہیں لیتا تو ہمیں تو بہت زیادہ حیاء کرنی چاہیے اور صراحۃً اپنے کلام میں جماع کا ذکر نہیں کرنا چاہیے۔ نیز مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ گالم گلوچ سے لازماً احتراز کریں اور فحش گوئی سے اجتناب کریں، خصوصاً جو علمائے کرام، قرّ اء اور حفاظ ہیں وہ اپنی زبانوں کو گالم گلوچ اور فحش گوئی سے مجتنب رکھیں، کیونکہ جس زبان سے وہ بے حیائی کی باتیں کریں گے اُسی زبان سے بعد میں قرآنِ مجید کی تلاوت کریں گے اور احادیث کو بیان کریں گے اور جس زبان سے فحش کلام کیا گیا ہو اور گالیاں دی گئی ہوں اور بے حیائی کی باتیں کی گئی ہوں، اُسی زبان سے قرآن مجید کی تلاوت اور احادیث کی قراءت کرنا ایسا ہے جیسے کسی گندگی کے برتن میں کوئی کھانے پینے کی چیز ڈال دی جائے، کیا ہم اس کو پسند کریں گے یا گوارا کریں گے کہ گندگی کے برتن میں ہمیں کھانے پینے کی کوئی چیز پیش کی جائے، تو جس زبان سے ہم نے بے حیائی کی باتیں کی ہوں، گالیاں دی ہوں، اسی زبان سے ہم اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قرآن مجید کی تلاوت، قراءتِ حدیث کے پیش کرنے کو کیسے پسند کر لیتے ہیں! سعیدی غفرلہٗ)

البقرہ: ۱۸۷ کا شانِ نزول

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری المتوفی ۳۱۰ھ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد اپنی بیوی کے ساتھ عملِ زوجیت کیا، پھر جب وہ غسل کرنے لگے تو رونے لگے اور اپنے آپ کو ملامت کرنے لگے، (کیونکہ ابتداء رمضان میں مغرب کے بعد روزہ شروع ہو جاتا تھا اور مغرب کے بعد اپنی بیوی سے عملِ زوجیت کرنا ممنوع تھا) پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، پس عرض کیا: یا رسول اللہ! میں آپ کے سامنے اللہ تعالیٰ کے حضور عُذر پیش کرتا ہوں کہ مجھ سے یہ خطاء ہو گئی، میں عشاء پڑھنے کے بعد جب اپنی بیوی کے پاس گیا تو مجھے عمدہ خوشبو آئی، پھر میرا دل اپنی بیوی کی طرف راغب ہوا اور میں نے اپنی بیوی سے عملِ زوجیت کر لیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! تم کو تو یہ کام نہیں کرنا چاہیے تھا، پھر اور مرد بھی کھڑے ہوئے اور انہوں نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح اپنی خطاء کا اعتراف کیا، تب حضرت عمر اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: ''أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَآئِكُمْ''۔ (جامع البیان: ۲۹۵۱)

''هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ'': شوہر اور اس کی بیوی میں سے ہر ایک کو دوسرے کا لباس فرمایا ہے، کیونکہ سوتے وقت وہ دونوں کپڑے اتار دیتے ہیں اور ایک چادر میں جمع ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ ان میں سے ہر ایک اپنے صاحب کے لیے بہ منزلہ لباس ہو جاتا ہے۔

''عَلِمَ اللّٰهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ'': یعنی اللہ تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ تم اپنی جانوں پر ظلم کرو گے اور عشاء کی نماز کے بعد عملِ زوجیت کر کے خیانت کرو گے۔

آیتِ مذکورہ کے ترجمہ میں بعض مترجمین کی لغزش

شاہ عبد القادر دہلوی متوفی ۱۲۳۰ھ لکھتے ہیں:

''اللہ نے معلوم کیا کہ تم اپنے چوری کرتے تھے''۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں:

''اللہ کو معلوم ہو گیا کہ تم لوگ چپکے چپکے اپنے آپ سے خیانت کر رہے تھے''۔

عبد الماجد دریا آبادی متوفی ۱۹۷۷ء لکھتے ہیں:

''اللہ کو خبر ہو گئی کہ تم اپنے آپ کو خیانت میں مبتلاء کرتے رہتے تھے''۔

ان تراجم میں یہ خرابی ہے کہ ان تراجم سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پہلے علم نہیں تھا بعد میں کسی ذریعہ سے اس کو علم ہو گیا جس سے لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم حادث ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا علم قدیم ہے اور اس کو ازل میں ہی قیامت تک کے اور اس کے بعد کے واقعات کا علم تھا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

سفید دھاگے اور سیاہ دھاگے سے دن اور رات مراد ہونے کے متعلق احادیث

''وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ'':

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک سفید دھاگا لیا اور ایک سیاہ دھاگا لیا (پھر ان کو دیکھتے رہے) حتیٰ کہ جب کچھ رات گزر گئی، انہوں نے دیکھا تو وہ دونوں دھاگے ایک دوسرے سے متمیز نہیں ہوئے، پس جب صبح ہوئی تو انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے اپنے تکیے کے نیچے دو دھاگے رکھ لیے تھے، آپ نے فرمایا: بے شک تمہارا تکیہ تو بہت چوڑا ہے کہ سفید دھاگا (دن) اور سیاہ دھاگا (رات) تمہارے تکیہ کے نیچے آ گئے۔

(صحیح البخاری: ۴۵۰۹، صحیح مسلم: ۱۰۹۰، سنن ابوداؤد: ۲۳۴۹، مسند احمد: ۱۸۸۸۰، سنن دارمی: ۱۶۹۴)

نیز حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ''الخیط الابیض من الخیط الاسود'' سے کیا مراد ہے؟ کیا یہ دونوں دھاگے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اگر تم نے ان دونوں دھاگوں کو دیکھ لیا تو بے شک تمہاری گدی بہت چوڑی ہے، پھر آپ نے فرمایا: نہیں! بلکہ اس سے مراد رات کی سیاہی اور دن کی سفیدی ہے۔

(صحیح البخاری: ۴۵۱۰، صحیح مسلم: ۱۰۹۰، سنن ابوداؤد: ۲۳۴۹، مسند احمد: ۱۸۸۸۰، سنن دارمی: ۱۶۹۴)

''ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ'': حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب رات اِس طرف (مشرق) سے نمودار ہو جائے اور دن اُس طرف (مغرب) میں چلا جائے اور سورج غروب ہو جائے تو روزہ دار کے افطار کا وقت آ گیا۔ (صحیح البخاری: ۱۹۵۴، صحیح مسلم: ۱۱۰۰، سنن ترمذی: ۶۹۸، سنن ابوداؤد: ۲۳۵۱، مسند احمد: ۱۹۳، سنن دارمی: ۱۷۰۰)

اعتکاف کے ضروری مسائل کے متعلق احادیث

''وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ'': حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ بیان کرتی ہیں کہ نبی

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان کے مہینہ کے آخری دس دنوں میں اعتکاف کرتے تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفات دے دی، پھر آپ کے بعد آپ کی ازواجِ مطہرات نے اعتکاف کیا۔ (صحیح البخاری: ۲۰۲۶، صحیح مسلم: ۱۱۷۲، سنن ترمذی: ۷۹۰، سنن ابوداؤد: ۲۴۶۲، مسند احمد: ۲۴۰۹۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ وہ حالتِ حیض میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر دھوتی تھیں اور اس وقت آپ مسجد میں معتکف ہوتے تھے، آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (کے حجرہ) کے قریب اپنا سر رکھ دیتے اور اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے حجرہ میں ہوتیں، پس وہ آپ کا سر دھوتی تھیں اور وہ حالتِ حیض میں تھیں۔

(صحیح البخاری: ۲۹۶، ۳۰۱، سنن نسائی: ۲۷۷، سنن ابوداؤد: ۲۴۶۹، سنن ابن ماجہ: ۶۳۳، مسند احمد: ۲۵۲۰۷، موطا امام مالک: ۱۳۵، سنن دارمی: ۱۰۵۸)

میں کہتا ہوں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد سے اپنا سر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کی طرف نکالا اور اپنا سر دھلوایا اور آپ پورا غسل کرنے کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں تشریف نہیں لے گئے، اس سے معلوم ہوا کہ معتکف کے لیے فرض غسل کے سوا گھر جا کر غسل کرنا جائز نہیں ہے اور صفائی کا حصول مقصود ہو یا ٹھنڈک کا حصول مطلوب ہو تو اس کے لیے گھر جا کر غسل کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے جو معتکف حضرات صفائی یا ٹھنڈک کے حصول کے لیے مسجدوں سے اپنے گھر جا کر غسل کرتے ہیں ان کا یہ عمل جائز نہیں ہے، ہاں! غسلِ جمعہ کے لیے گھر جانے کی اجازت ہے، نیز اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ حائضہ عورت میت کو بھی غسل دے سکتی ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر کو دھویا اور جب حائضہ زندہ کو غسل دے سکتی ہے تو مردہ کو بھی غسل دے سکتی ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

''تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا'': امام بغوی فرماتے ہیں کہ روزہ اور اعتکاف کے جو احکام بیان فرمائے گئے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں یعنی جن سے تجاوز کرنا ممنوع ہے اور حد کا اصل معنی منع کرنا ہے، اسی لیے دربان کو حدّاد کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ لوگوں کو بغیر اجازت لیے اندر داخل ہونے سے منع کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی حدود وہ ہیں جو لوگوں کو ان حدود کی مخالفت یا ان سے تجاوز سے منع کرتی ہیں۔ (معالم التنزیل ج ۱ ص ۲۲۸۔ ۲۳۳ ملخصاً وملتقطاً ومخرجاً، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے مسلمانو!) تم دانستہ آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقہ سے نہ کھاؤ، اور نہ (بہ طورِ رشوت) اس مال کو حاکموں تک پہنچاؤ تاکہ لوگوں کے اموال میں سے کچھ حصہ تم ناجائز طریقہ سے کھا سکو''O (البقرہ: ۱۸۸)

کسی کا حق مارنے پر وعید

حضرتِ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجرہ کے دروازہ پر دو مردوں کے جھگڑنے کی آوازیں سنیں، آپ ان کی طرف باہر تشریف لے گئے، آپ نے فرمایا: میں صرف ایک بشر ہوں (یعنی خدا نہیں ہوں) اور بے شک میرے پاس جھگڑنے والے لوگ آتے ہیں، پس ہو سکتا ہے تم میں سے کوئی دوسرے سے زیادہ چرب زبان ہو اور میں یہ گمان کرلوں کہ وہ اپنے دعویٰ میں صادق ہے، پس اگر (بالفرض) میں اُس کے لیے کسی مسلمان کے حق کا فیصلہ کردوں تو وہ دوزخ کی آگ کا ٹکڑا ہے خواہ وہ اس کو لے یا چھوڑ دے۔

(صحیح البخاری: ۲۴۵۸، صحیح مسلم: ۱۷۱۳، سنن نسائی: ۵۴۰۱، سنن ابوداؤد: ۳۵۸۳، سنن ابن ماجہ: ۲۳۱۷، مسند احمد: ۲۶۰۸۶، موطا امام مالک: ۱۴۲۴)

رشوت کی تعریف اور اس کی اقسام

علامہ السید محمد مرتضیٰ بن محمد الحسینی الزبیدی الحنفی المتوفی ۱۲۰۵ھ ''رشوت'' کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

رشوت کا معنی ہے: اپنے مقصود کو باطل ذریعہ سے حاصل کرنا، اور ''الرَّاشِی'' وہ شخص ہے جو باطل پر مدد کرتا ہے اور ''المُرتَشِیْ'' وہ شخص ہے جو رشوت لیتا ہے، تاہم اگر کوئی شخص اپنا حق حاصل کرنے کے لیے مال دے یا خود سے ظلم کو دور کرنے کے لیے مال دے تو وہ رشوت میں داخل نہیں ہے۔ (تاج العروس من جواہر القاموس جز ۳۸ ص ۸۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۳۳ھ)

قاضی خان حسین بن منصور اوز جندی الحنفی المتوفی ۵۹۲ھ لکھتے ہیں:

رشوت کی درج ذیل چار قسمیں ہیں:

(۱) منصبِ قضاء یا کسی بھی ناجائز کام کے حصول کے لیے راشی کا رشوت دینا اور مرتشی کا رشوت لینا دونوں حرام ہیں۔

(۲) کسی بے قصور پر ظلم کرنے کے لیے حاکم یا کسی مُجاز افسر کو رشوت دینا اور حاکم کا رشوت لینا دونوں حرام ہیں۔

(۳) اگر اپنی جان اور مال کو ظلم اور ضرر سے بچانے کے لیے رشوت دی جائے تو یہ رشوت لینے والے پر حرام ہے دینے والے پر حرام نہیں ہے۔

(۴) اپنے جائز حق کے حصول کے لیے رشوت دی جائے تو رشوت کا دینا جائز ہے اور لینا حرام ہے۔

(فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیہ، ج ۲ ص ۳۶۲۔ ۳۶۳، ملخصاً وموضحاً، مطبع امیریہ کبریٰ، بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ)

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّ ؕ وَ لَیْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰی ۚ وَ اْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾

(اے رسولِ اکرم!) لوگ آپ سے (نئے طلوع ہونے والے) ہلالوں کے متعلق دریافت کرتے ہیں، آپ کہیے کہ وہ لوگوں کے، (دینی اور دنیاوی کاموں) اور حج کے اوقات کی نشانیاں ہیں، اور تمہارا گھروں میں پُشت کی طرف سے داخل ہونا کوئی نیکی نہیں ہے، اور تم گھروں میں اُن کے (معروف) دروازوں سے داخل ہو اور (ہر وقت) اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم فلاح حاصل کرو O

وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۱۹۰﴾

اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور حد سے تجاوز نہ کرو، بے شک اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا O

وَ اقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَ اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَ الْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَ لَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰی یُقٰتِلُوْكُمْ فِیْهِ ۚ

فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۱﴾

اور (اے مسلمانو!) تم کافروں کو جہاں بھی پاؤ قتل کرڈالو اور ان کو وہاں سے نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا، اور (کفر کا) فتنہ قتل کرنے سے زیادہ سخت ہے، اور تم مسجدِ حرام کے نزدیک ان سے جنگ نہ کرو حتیٰ کہ وہ خود تم سے وہاں جنگ کریں، پھر اگر وہ تم سے (وہاں جنگ کریں) تو تم انہیں قتل کرڈالو، کافروں کی اسی طرح سزا ہے O

فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾

پھر اگر (وہ کفر سے) باز آجائیں تو بے شک اللہ بہت بخشنے والے بے حد رحم فرمانے والے ہیں O

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾

اور اُن سے جنگ کرتے رہو حتیٰ کہ فتنہ (کفر کا خطرہ) نہ رہے اور اللہ ہی کے دین (کا نظام) قائم ہوجائے، پھر اگر وہ (کفر سے) باز آجائیں تو ظالموں کے سوا اور کسی پر سختی نہ کرو O

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾

حرمت اور ادب والے مہینے، حرمت اور ادب والے مہینوں کے بالمقابل ہیں، اور ادب کی تمام چیزیں ایک دوسرے کا عوض ہیں، پس اگر تم پر کوئی زیادتی کرے تو تم بھی اس پر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی اس نے تم پر زیادتی کی ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یاد رکھو اللہ ان کے ساتھ ہیں جو اللہ سے (ہر وقت) ڈرنے والے ہیں O

وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛۚ وَاَحْسِنُوْا ۛۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۹۵﴾

مع

اور (اے مسلمانو!) تم اللہ کی راہ میں (اپنے مال کو) خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیکی کرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں O

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ

رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ۗ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ۭ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (۱۹۶) ع ۲۴ ۸

اور تم اللہ کے لیے حج اور عمرہ کو پورا کرو، پس اگر تم کو (راستہ میں) حج اور عمرہ ادا کرنے سے (مرض یا دشمن کی وجہ سے) روک دیا جائے تو تم پر جس قربانی کو (حرم میں) بھیجنا آسان ہو اس کو (حرم میں) بھیج دو، اور تم اپنے سروں کو اس وقت تک نہ منڈواؤ حتیٰ کہ قربانی اپنے محل (حرم) میں پہنچ جائے، پھر تم میں سے جو بیمار ہو یا اُس کے سر میں کچھ تکلیف ہو تو اُس پر بال منڈوانے کا فدیہ (دینا) لازم ہے خواہ روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے، پھر جب تم سفر میں امن سے ہو تو جس نے حج کے ساتھ عمرہ کو ملانے کا فائدہ اٹھایا تو اس پر ایسی قربانی کرنا لازم ہے جو اس کے لیے آسان ہو، پھر جس کے لیے قربانی کرنا آسان نہ ہو وہ ایامِ حج میں تین دن کے روزے رکھے اور جب تم (اپنے وطن) واپس پہنچ جاؤ تو سات روزے رکھو، یہ مکمل دس روزے ہیں، یہ (حکم) اس کے لیے ہے جس کے اہل وعیال مسجدِ حرام کے رہنے والے نہ ہوں اور تم (ہر وقت) اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ سخت عذاب دینے والے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) لوگ آپ سے (نئے طلوع ہونے والے) ہلالوں کے متعلق دریافت کرتے ہیں، آپ کہیے کہ وہ لوگوں کے، (دینی اور دنیاوی کاموں) اور حج کے اوقات کی نشانیاں ہیں، اور تمہارا گھروں میں پُشت کی طرف سے داخل ہونا کوئی نیکی نہیں ہے، اور تم گھروں میں اُن کے (معروف) دروازوں سے داخل ہو اور (ہر وقت) اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم فلاح حاصل کرو O'' (البقرہ:۱۸۹)

امام ابو اللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، البقرہ:۱۸۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''الاَهِلَّة'' کا لغوی اور عرفی معنی

''يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ۭ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ'':

''الاَهِلَّة'' کا لفظ ہلال کی جمع ہے، پہلی رات کے چاند کو ہلال کہتے ہیں، یہ لفظ ''اہلال'' سے ماخوذ ہے، اہلال کا معنی ہے: آواز بلند کرنا، جب بچہ پیدا ہونے کے بعد بلند آواز سے روتا ہے تو کہتے ہیں ''اَهَلَّ الصَّبِیُّ''، اسی طرح حج کا احرام باندھنے کے بعد بلند آواز سے ''اللهم لبيك اللهم لبيك'' کہنے کو بھی ''اَهَلَّ'' کہا جاتا ہے، اور جب لوگ پہلی رات کا چاند دیکھتے ہیں تو آواز بلند کر کے کہتے ہیں ''هذا الهلال والله'' اسی طرح جانور کو ذبح کرتے وقت جب بلند آواز سے اللہ اکبر کہتے ہیں تو اس کو بھی اَهَلَّ کہتے ہیں، قرآن مجید میں ہے: ''وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ۔ (البقرہ:۱۷۳)'' (اور اُس جانور کو (حرام فرمایا ہے) جس کو غیر اللہ کے نام پر

ذبح کیا گیا ہو)۔

البقرہ:۱۸۹ کا شانِ نزول

الضحاک نے بیان کیا ہے کہ مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے چاند کے گھٹنے اور بڑھنے کے سبب کے متعلق دریافت کیا تو یہ آیت نازل ہوئی: ''قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ''۔ اللہ تعالیٰ نے چاند کے گھٹنے اور بڑھنے کا سبب نہیں بیان فرمایا کیونکہ اس سبب کو جاننے کے ساتھ مسلمانوں کی دینی اغراض وابستہ نہیں تھیں بلکہ یہ بیان فرمایا کہ چاند کے گھٹنے اور بڑھنے اور مہینہ کے کم یا زیادہ ہونے کے ساتھ مسلمانوں کی کیا دینی اور دنیاوی اغراض وابستہ ہیں، سو فرمایا کہ مہینہ کے کم اور زیادہ ہونے میں تمہارے دینی اور دنیاوی احکام اور حج کی نشانیاں ہیں، اور یہ جواب دے کر اس پر تنبیہ فرمائی کہ ایسے سوال نہ کیا کرو جن کے ساتھ تمہاری کوئی دینی یا دنیاوی غرض وابستہ نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے چاند کے گھٹنے اور بڑھنے کے نظام کو جن اسباب اور عِلَل پر موقوف فرمایا ہے، اس کا علم اسی کی شان کے لائق ہے، تمہارا اس کے ساتھ کوئی سروکار نہیں ہے، تمہیں صرف یہ جاننا چاہیے کہ چاند کے گھٹنے اور بڑھنے کے ساتھ تمہارے دین کے کون سے احکام متعلق ہیں۔ (تفسیر السمرقندی ج ا ص ۱۸۸)

رؤیت ہلال کے ثبوت کے شرعی قواعد

البقرہ:۱۸۹ میں ''اَلْاَهِلَّةِ'' کا لفظ مذکور ہے جس کا معنی ہے پہلی رات کا چاند، اس مناسبت سے ہم مختصر طور پر ہلالِ رمضان کے شرعی ثبوت کے قواعد ذکر کرنا چاہتے ہیں اور اس کے تین قواعد ہیں: (۱) آنکھ سے ہلالِ رمضان کو دیکھ لیا جائے (۲) دو یا دو سے زائد مسلمان چاند دیکھنے کی شہادت دیں (۳) خبرِ مستفیض: یعنی مختلف شہروں سے متعدد جماعتیں آکر چاند کی رؤیت کی خبر دیں جن سے چاند کی رؤیت کا ظنِ غالب ہو جائے۔

موجودہ رؤیت ہلال کمیٹی کے اعلان کا طریقۂ کار

ہمارے ملک پاکستان میں یہ طریقہ رائج ہے کہ رؤیت ہلال کمیٹی کا چیئرمین اور کمیٹی کے دیگر ارکان کھلی آنکھ سے اور دوربین کے ذریعے چاند دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں، نظر آجائے تو فبہا، ورنہ پاکستان بھر میں قائم اپنے زونل مراکز سے رابطہ قائم کر کے ساری دستیاب معلومات، اور شہادات (اگر ہوں) تو یکجا کرتے ہیں، شہادتوں کو فنی بنیادوں پر ماہرین پرکھتے ہیں اور شرعی اعتبار سے قبول الشہادت ہونے کے حوالے سے مقامی کمیٹی یا ثقہ عالم کی طرف معاملے کو تفویض کرتے ہیں۔

رویت ہلال کمیٹی پاکستان میں فنی ماہرین (محکمہ موسمیات، اسپارکو، پاکستان نیوی اور کراچی یونیورسٹی کے ماہرین شامل ہوتے ہیں اور الحمد للہ حتمی فیصلے میں ان کی آراء شامل ہوتی ہیں اور کمیٹی کے فیصلے ہمیشہ اتفاق رائے سے ہوتے ہیں)، یہ بھی واضح رہے کہ کمیٹی میں تمام مکاتب فکر کے ثقہ علماء شامل ہوتے ہیں۔

بعض آزاد خیال (Liberal) علماء کا ہلالِ رمضان کے ثبوت میں منازلِ قمر کا اعتبار کرنا

ڈاکٹر محمد شکیل اوج لکھتے ہیں: حدیث میں مذکور ہے کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھا کرو اور چاند دیکھ کر عید منایا کرو، پھر اگر مطلع غبار آلود ہو جائے تو اندازہ کر لیا کرو (کہ چاند ہو سکتا ہے یا نہیں؟)

اس حدیث کے مطابق اب فقہی احکام کی از سرِ نو تشریح کی ضرورت ہے۔ ہمارے خیال میں اس ارشاد کی تشریح یہ ہے کہ منازلِ قمر کا لحاظ کر کے فیصلہ کر لیا کرو، مطلب یہ ہے کہ چاند ایسے اُفق پر واقع ہو کہ اگر فضا میں کثافت نہ ہوتی تو وہ ضرور دکھائی دیتا، پس ایسی صورت میں رؤیت کا حکم لگایا جائے گا اور اگر صورت برعکس ہوئی تو حکم بھی برعکس ہو جائے گا۔ (افکارِ شگفتہ ص ۲۳۷)

میں کہتا ہوں: ڈاکٹر محمد شکیل اوج کا جذبۂ تحقیق قابلِ قدر ہے لیکن ان کی یہ تحقیق صحیح حدیث کے خلاف ہے، حدیث میں ہے:

''حدثنا سعید ابن عمر انه سمع ابن عمر رضی الله عنه عن النبی ﷺ انه قال انا امة امية لا نكتب ولا نحسب الشهر هكذا وهكذا يعنی مرة تسعة وعشرين ومرة وثلاثين''۔ (یعنی نبی ﷺ نے فرمایا: ہم اُمی امت ہیں نہ ہم لکھتے ہیں اور نہ حساب کرتے ہیں، مہینہ اس طرح ہوتا ہے اور اس طرح ہوتا ہے یعنی کبھی مہینہ انتیس دن کا ہوتا ہے اور کبھی تیس دن کا ہوتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۹۱۳، صحیح مسلم: ۱۰۸۰، سنن نسائی: ۲۱۴۱، سنن ابوداؤد: ۲۳۱۹، مسند احمد: ۵۱۱۶)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

(۶) حساب نہ کرنے کا معنی یہ ہے کہ ہم علمِ نجوم کا حساب نہیں کرتے یا ستاروں کے چلنے اور ان کی رفتار کا حساب نہیں رکھتے۔

(۷) ہم ایسی امت ہیں جس کو اپنے روزوں اور دیگر عبادات میں حساب و کتاب کی معرفت کا مکلف نہیں فرمایا گیا۔

(۸) ہماری عبادات واضح نشانیوں اور امورِ ظاہرہ کے ساتھ مربوط ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۱۰ ص ۴۰۹، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱)

صحیح البخاری، صحیح مسلم، سنن نسائی، سنن ابوداؤد اور مسند احمد میں مذکور حدیثِ صحیح اور اس کی شرح سے واضح ہو گیا کہ ثبوتِ ہلالِ رمضان میں منازلِ قمر کا اعتبار کرنا خلافِ اسلام ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

مسئلہ مذکور میں ڈاکٹر محمد شکیل اوج کی جارحیت

نیز ڈاکٹر محمد شکیل اوج لکھتے ہیں: فطرت کے قوانین کو نہ سمجھنے کے سبب اس کا انکار کر دینا یا اس کی ضرورت واہمیت کو تسلیم نہ کرنا جہالت نہیں تو اور کیا ہے۔ (افکارِ شگفتہ ص ۲۳۷)

میں کہتا ہوں: علمی اور تحقیقی مباحث میں اس طرح کا جارحانہ اور جذباتی لہجہ اختیار کرنا مناسب نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

امام احمد بن حنبل کی عبارت کا صحیح محمل

نیز ڈاکٹر محمد شکیل اوج لکھتے ہیں: مذکورہ بالا روایت میں ''فاقدروا'' کے جو الفاظ آئے ہیں وہ قابلِ توجہ ہیں، امام احمد بن حنبل نے ''فاقدروا'' کو ''ضیقوا'' کے معنی میں لیا ہے اور اس کی تائید میں قرآن مجید کی یہ آیت پیش کی ہے ''وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُه'' گویا ان کے خیال میں ''فاقدروا'' تنگی کے معنی میں ہے، مطلب یہ ہے کہ رؤیت کے مشتبہ ہونے کی صورت میں چاند کو گھیر لو، اس کا قافیہ تنگ کر دو، فی زمانہ چاند کو گھیرنے یا اس کے قافیہ کو تنگ کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ فضاء میں اُسے تلاش کرو۔

(افکارِ شگفتہ ص ۲۳۷۔۲۳۸)

میں کہتا ہوں کہ ڈاکٹر محمد شکیل اوج نے امام احمد بن حنبل کی عبارت کا کوئی حوالہ تو نہیں دیا لیکن ہم نے از خود امام احمد بن حنبل کی اس عبارت کو تلاش کیا ہے اور اس کا صحیح محمل پیش کر رہے ہیں تاکہ اس سے کسی کو غلط فہمی نہ ہو۔

علامہ شمس الدین عبدالرحمٰن بن محمد بن احمد بن قدامہ المقدسی الحنبلی المتوفی ۶۸۲ھ لکھتے ہیں:

نافع بیان کرتے ہیں: جب شعبان کے انتیس دن گزر جاتے تو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کسی کو چاند دیکھنے کے لیے بھیجتے، اگر چاند دکھائی دے جاتا تو فبہا، اور اگر چاند نہیں دکھائی دیتا اور چاند کے دیکھنے میں کوئی بادل یا گردوغبار بھی حائل نہ ہوتا تو پھر وہ اگلی صبح کو روزہ چھوڑ دیتے، اور اگر چاند کے دکھائی دینے میں بادل یا گردوغبار حائل ہوتا تو پھر اگلے دن روزہ رکھتے، اور ''اقدروا لہ'' کا معنی ہے ''ضیقوالہ'' جیسے الطلاق: ۷ میں بھی یہی معنی مراد ہے۔ اور ''تضییق'' کا معنی یہ ہے کہ شعبان کو انتیس دن کا قرار دیا جائے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے فعل سے اس کی تفسیر کر دی ہے اور چونکہ وہ خود اس حدیث کے راوی ہیں لہٰذا وہ اس حدیث کا معنی دوسروں سے زیادہ جاننے والے ہیں، پس ان ہی کی تفسیر کی طرف رجوع کرنا واجب ہے۔ (الشرح الکبیر ج ۴ ص ۱۲۰، دار الحدیث قاہرہ، ۱۴۲۰ھ، علامہ احمد عبد الرحمٰن البناء التوفی ۱۳۷۸ھ نے ''الفتح الربانی'' شرح مسند احمد بن حنبل: ۴۴۸۸ میں اسی طرح لکھا ہے، الفتح الربانی ج ۲ ص ۱۴۳۴، بیت الافکار الدولیۃ، مکہ مکرمہ ۲۰۰۵ء)

گھروں میں پچھلے دروازوں سے دخول کا نیکی نہ ہونا

''وَلَیۡسَ الۡبِرُّ بِاَنۡ تَاۡتُوا الۡبُیُوۡتَ مِنۡ ظُہُوۡرِہَا'': الضحاک نے بیان کیا ہے کہ کفار حج کے مہینوں میں گھروں کے دروازوں سے داخل نہیں ہوتے تھے تب یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ زمانۂ جاہلیت میں اور ابتداء اسلام میں جب ان میں سے کوئی مرد حج سے پہلے احرام باندھتا تو اگر وہ شہر کا رہنے والا ہوتا تو اپنے گھر کی پشت میں ایک سوراخ کر لیتا اور اُسی دروازہ سے داخل ہوتا اور اُسی دروازہ سے خارج ہوتا، یا گھر کے پیچھے ایک سیڑھی رکھ لیتا اور اس سیڑھی پر چڑھ کر گھر میں اترتا، اور اگر وہ خانہ بدوش لوگوں میں سے ہوتا تو خیمہ کے پیچھے سے خیمہ میں داخل ہوتا، ماسوا الحمس کے، یہ قریش کے وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنے اوپر دین میں سختی کی تھی، انہوں نے اپنے اوپر کئی ایسی چیزوں کو حرام قرار دے ڈالا تھا جن کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے حلال فرمایا تھا، اور کئی ایسی چیزوں کو اپنے لیے حلال کر لیا تھا جو دوسروں پر حرام تھیں اور اُن میں سے ایک چیز یہ ہے کہ وہ گھروں میں دروازوں سے داخل ہوتے تھے۔ (تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۱۸۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور حد سے تجاوز نہ کرو، بے شک اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے O'' (البقرہ: ۱۹۰)

علامہ ابوالبرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی التوفی ۷۱۰ھ البقرہ: ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَقَاتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ الَّذِیۡنَ یُقَاتِلُوۡنَکُمۡ'': ''قتال فی سبیل اللہ'' سے مراد ہے: اللہ کے دین کو سربلند کرنے اور اس کا غلبہ حاصل کرنے کے لیے جہاد کرنا۔ یعنی تم ان کافروں اور مشرکوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں، پھر اس آیت کا حکم درج ذیل آیت سے منسوخ ہو گیا:

وَقَاتِلُوا الۡمُشۡرِکِیۡنَ کَآفَّۃً (التوبہ: ۳۶) — تم تمام مشرکین سے قتال کرو۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ سب سے پہلی آیت ہے جو مشرکین سے قتال کے متعلق نازل ہوئی ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہی مشرکین سے قتال فرماتے تھے جو آپ سے قتال کرتے تھے، اور جو آپ سے قتال نہیں کرتے تھے اُن سے آپ درگزر فرماتے

تھے۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ اُن سے قتال کرو جو تمہارے خلاف قتال کو نصب کرتے ہیں، نہ اُن لوگوں سے جو قتال نصب کرنے کے اہل نہیں ہیں یعنی بوڑھے، بچے، رُہبان اور عورتیں، یا اس کا معنی ہے: تم تمام کفار سے قتال کرو، کیونکہ وہ مسلمانوں سے قتال کا قصد کرنے والے ہیں، سو وہ بھی لڑنے والوں کے حکم میں ہیں۔

''وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝۱۹۰'': یعنی تم اُن سے ابتداءً قتال نہ کرو، یا اُن کی عورتوں اور بوڑھوں اور بچوں کو قتل نہ کرو، یا اُن کو قتل کرنے کے بعد مُثلہ نہ کرو (یعنی ان کے اعضاء نہ کاٹو)، کیونکہ ایسی تمام صورتوں میں حد سے تجاوز ہے اور حد سے تجاوز کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے مسلمانو!) تم کافروں کو جہاں بھی پاؤ قتل کر ڈالو اور ان کو وہاں سے نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا، اور (کُفر کا) فتنہ قتل کرنے سے زیادہ سخت ہے، اور تم مسجدِ حرام کے نزدیک ان سے جنگ نہ کرو حتیٰ کہ وہ خود تم سے وہاں جنگ کریں، پھر اگر وہ تم سے (وہاں جنگ کریں) تو تم انہیں قتل کر ڈالو، کافروں کی اسی طرح سزا ہے O'' (البقرہ: ۱۹۱)

''وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ'': ''ثقف'' کا معنی ہے: بہ طور غلبہ کسی کا وجود، یعنی جب تم اُن پر غالب ہو کر انہیں پاؤ تو ان کو قتل کر ڈالو۔

''وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ'': یعنی تم ان کو مکہ سے نکال دو جس طرح انہوں نے تم مسلمانوں کو مکہ سے نکال کر ہجرت پر مجبور کیا تھا اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فتح مکہ کا وعدہ فرمایا ہے اور فتح مکہ کے دن جن لوگوں نے اسلام نہیں قبول کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو مکہ سے نکال دیا تھا۔

''وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ'': یعنی ان کافروں کا کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دینا اُس سے زیادہ سخت ہے کہ تم اُن کو قتل کرو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ''الفتنۃ'' سے مراد آخرت کا عذاب ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ ''الفتنۃ'' سے مراد وہ مصائب اور آزمائشیں ہیں جو انسان پر آتی ہیں اور اُن میں انسان کا مبتلاء ہونا کفار کو قتل کرنے سے زیادہ سخت ہے۔

''وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ'': یعنی تم اُن سے حرم میں قتال کی ابتداء نہ کرو اور ہمارے نزدیک پورے حرم پر مسجد حرام کا اطلاق ہوتا ہے۔

''فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ'': یعنی اگر وہ تم سے حُرمت والے مہینوں میں لڑنے کی ابتداء کریں تو تم بھی اُن سے اِن مہینوں میں لڑو اور تم اُن کو جہاں پاؤ قتل کر دو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر اگر (وہ کفر سے) باز آجائیں تو بے شک اللہ بہت بخشنے والے بے حد رحم فرمانے والے ہیں O'' (البقرہ: ۱۹۲)

''فَاِنِ انْتَهَوْا'': یعنی اگر کفار شرک سے اور لڑنے سے باز آجائیں تو اللہ بہت بخشنے والے بے حد رحم فرمانے والے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اُن سے جنگ کرتے رہو حتیٰ کہ فتنہ (کفر کا خطرہ) نہ رہے اور اللہ ہی کے دین (کا نظام) قائم ہو جائے، پھر اگر وہ (کفر سے) باز آ جائیں تو ظالموں کے سوا اور کسی پر سختی نہ کرو O'' (البقرہ: ۱۹۳)

''وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ'': یعنی تم کفار سے اس وقت تک لڑتے رہو حتیٰ کہ شرک نہ رہے اور دین خالص اللہ کے لیے ہو جائے اور اس میں شیطان کا حصہ نہ ہو، اور اگر وہ کفر سے باز آ جائیں تو پھر اُن سے مت لڑو، کیونکہ سزا تو صرف ظالموں کو دی جاتی ہے اور اب جب وہ شرک سے تائب ہو گئے تو ظالم نہیں رہے۔ (مدارک التنزیل ج ۱ ص ۱۶۵۔۱۶۶، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''حرمت اور ادب والے مہینے، حرمت اور ادب والے مہینوں کے بالمقابل ہیں، اور ادب کی تمام چیزیں ایک دوسرے کا عوض ہیں، پس اگر تم پر کوئی زیادتی کرے تو تم بھی اس پر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی اس نے تم پر زیادتی کی ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یاد رکھو اللہ ان کے ساتھ ہیں جو اللہ سے (ہر وقت) ڈرنے والے ہیں O'' (البقرہ: ۱۹۴)

البقرہ: ۱۹۴ کا شانِ نزول اور غزوۂ حدیبیہ

حدیبیہ زیادہ بڑی بستی نہیں ہے، اس کا نام وہاں پر ایک کنویں کی وجہ سے رکھا گیا ہے جو مسجد الشیمرہ کے پاس ہے، حدیبیہ اور مدینہ کے درمیان نو مرحلوں کا فاصلہ ہے اور حدیبیہ اور مکہ کے درمیان ایک مرحلہ کا فاصلہ ہے، یہ غزوہ یکم ذوالقعدہ پیر کے دن چھ ہجری میں ہوا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم غسل فرمانے کے بعد اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہوئے۔ (دلائل النبوۃ ج ۴ ص ۱۹۱۔۱۹۲)

امام محمد بن سعد نے کہا: آپ کے ساتھ کوئی بھی میان کے بغیر ہتھیار لے کر نہیں چلا تھا، کیونکہ آپ ان صحابہ کے ساتھ عمرہ کرنے کے لیے مکہ کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۹۵)

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ بے شک حدیبیہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چودہ سو یا اس سے زیادہ اصحاب تھے۔۔ الحدیث (صحیح البخاری: ۳۵۷۷، ۴۱۵۱، مسند احمد: ۱۸۰۹۲)

امام عبداللہ محمد بن عمر بن واقد الواقدی المتوفی ۲۰۷ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپ بیت اللہ میں داخل ہوئے اور آپ نے اپنا سر منڈوایا اور بیت اللہ کی چابی لی، سو آپ کے اصحاب آپ کے ساتھ عمرہ کرنے کے لیے روانہ ہوئے، حضرت عمر اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ اپنے ساتھ ہتھیار لے چلیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ہتھیار نہیں اٹھاؤں گا کیونکہ میں عمرہ کرنے کے لیے جا رہا ہوں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے دن یکم ذوالقعدہ کو مدینہ سے روانہ ہوئے، آپ اپنی اونٹنی القصواء پر سوار ہوئے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے ظہر کی نماز ذوالحلیفہ میں ادا کی، پھر اونٹوں پر کپڑے ڈالے گئے۔ (کتاب المغازی ج ۲ ص ۷۰۔۷۲، ملخصاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

قاضی ابو سعود محمد بن محمد بن مصطفیٰ العمادی الحنفی المتوفی ۹۸۲ھ البقرہ: ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ'': مسلمان حدیبیہ کے سال ذوالقعدہ میں عمرہ کرنے کے لیے روانہ ہوئے تو کفار نے آپ سے لڑنا شروع کیا، مسلمان ذوالقعدہ میں لڑائی کرنے کو مکروہ جانتے تھے کیونکہ ذوالقعدہ حرمت والے مہینوں میں سے ہے اور اس مہینہ کے ادب کی وجہ سے اس میں لڑائی نہیں کی جاتی تھی، تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو تسلی دی کہ اگر کفار تم سے حرمت والے مہینہ میں لڑائی کرتے ہیں تو تم بھی ان سے اس مہینہ میں اپنے دفاع کے لیے لڑو۔

''فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْكُمْ'': یعنی اگر کفار اس مہینہ میں حد سے تجاوز کرتے ہیں تو تم بھی جواب میں ان کے خلاف اتنی ہی کارروائی کرو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے مسلمانو!) تم اللہ کی راہ میں (اپنے مال کو) خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیکی کرتے رہو بیشک اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں O'' (البقرہ: ۱۹۵)

''وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ'': پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اُن کی جانوں کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم فرمایا تھا اور اس آیت میں اُن کو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے مال خرچ کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

''وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ'': یعنی تم اتنا زیادہ مال نہ خرچ کرو کہ جس کی وجہ سے تم پر معیشت تنگ ہوجائے یا جس کی وجہ سے تم جہاد نہ کرسکو، کیونکہ مال تم کو دشمن سے مقابلہ میں قوت دیتا ہے اور تم کو دشمن پر غالب کرنے میں مدد دیتا ہے۔ اس آیت میں جو فرمایا ہے ''اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو'' اس سے مراد ہے اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

''وَاَحْسِنُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۹۵﴾'': یعنی اپنے اعمال اور اخلاق کو عمدہ اور حسین بناؤ، یا فقراء پر زیادہ خرچ کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نیکی کے کام کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور تم اللہ کے لیے حج اور عمرہ کو پورا کرو، پس اگر تم کو (راستہ میں) حج اور عمرہ ادا کرنے سے (مرض یا دشمن کی وجہ سے) روک دیا جائے تو تم پر جس قربانی کو (حرم میں) بھیجنا آسان ہو اس کو (حرم میں) بھیج دو، اور تم اپنے سروں کو اس وقت تک نہ منڈواؤ حتیٰ کہ قربانی اپنے محل (حرم) میں پہنچ جائے، پھر تم میں سے جو بیمار ہو یا اُس کے سر میں کچھ تکلیف ہو تو اُس پر بال منڈوانے کا فدیہ (دینا) لازم ہے خواہ روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے، پھر جب تم سفر میں امن سے ہو تو جس نے حج کے ساتھ عمرہ کو ملانے کا فائدہ اٹھایا تو اس پر ایسی قربانی کرنا لازم ہے جو اس کے لیے آسان ہو، پھر جس کے لیے قربانی کرنا آسان نہ ہو وہ ایامِ حج میں تین دن کے روزے رکھے اور جب تم (اپنے وطن) واپس پہنچ جاؤ تو سات روزے رکھو، یہ مکمل دس روزے ہیں، یہ (حکم) اس کے لیے ہے جس کے اہل وعیال مسجدِ حرام کے رہنے والے نہ ہوں اور تم (ہر وقت) اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ سخت عذاب دینے والے ہیں O'' (البقرہ: ۱۹۶)

''وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ'': حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا عمرہ حج کی طرح واجب ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں! لیکن اگر تم عمرہ کرو گے تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''حج کرنا جہاد ہے اور عمرہ کرنا نفل ہے''۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۹۸۹)

''احصار'' کے شرعی حکم میں اختلافِ ائمہ، احصار کے فقہی احکام، اور عذر کی بناء پر احرام کھولنے کی اجازت

''فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ'': یعنی اگر تم کو حج یا عمرہ سے روک دیا جائے، امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ دشمن حج کے لیے جانے سے روک دے۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ آیت عام ہے خواہ کسی شخص کو دشمن حج کے لیے جانے سے روک دے یا مرض اور بیماری حج کے لیے جانے سے روک دے (الشرح الکبیر ج ۵ ص ۱۳۰) کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ''جس شخص کی ہڈی توڑ دی جائے یا اس کو لنگڑا کر دیا جائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اگلے سال حج کرے۔

(سنن ابوداؤد: ۱۸۶۲، سنن ترمذی: ۹۴۰، سنن نسائی: ۲۸۶۱، سنن ابن ماجہ: ۳۰۷۸، سنن دارمی: ۱۸۹۳)

''فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ'' یعنی جب تم کو حج یا عمرہ سے روک دیا جائے تو جو قربانی تم کو میسر ہو اُس قربانی کو بھیجو، اس کا معنی یہ ہے کہ مُحرِم کو جب حج یا عمرہ سے روک دیا جائے اور وہ احرام سے حلال ہونے کا ارادہ کرے تو وہ ایک قربانی کو ذبح کر کے حلال ہو سکتا ہے اور وہ قربانی اُن جانوروں میں سے ہو جو اس کو آسانی سے حاصل ہوں اونٹ ہو یا گائے ہو یا بکری ہو۔ دوسرے ائمہ کے نزدیک جس جگہ اس کو روک دیا گیا ہے وہیں پر اس کے لیے قربانی کرنا لازم ہے، اور ہم احناف کے نزدیک قربانی حرم کی طرف بھیجی جائے گی اور جو قربانی کو لے کر جائے گا اس سے دن کا تعین کر لے کہ فلاں دن حرم میں وہ قربانی کرے گا اور جب وہ دن آ جائے اور اس کو یہ گمان ہو کہ اس نے اس قربانی کو ذبح کر دیا ہو گا تو پھر وہ احرام کھول کر حلال ہو سکتا ہے، ہماری دلیل یہ آیت ہے:

''وَ لَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ'': یعنی تم اس وقت تک احرام نہ کھولو حتیٰ کہ تمہیں یقین ہو جائے کہ وہ قربانی حرم میں پہنچ گئی ہے اور وہاں اس کو ذبح یا نحر کر دیا گیا ہے، اور دوسرے ائمہ کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ جب وہ قربانی اپنی جگہ پر ذبح کر دی جائے خواہ وہ جگہ حِل ہو یا حرم ہو اور اُن کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیبیہ کے سال حدیبیہ میں قربانی کی اور حدیبیہ حِل میں سے ہے۔ ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حدیبیہ کی ایک طرف میں روکا گیا تھا جو اسفلِ مکہ کی طرف ہے اور وہ حرم میں ہے، اور الزہری نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ہدی کو حرم میں نحر کیا اور امام الواقدی نے لکھا ہے کہ الحدیبیہ حَرم کی طرف ہے جو کہ مکہ سے نو میل کے فاصلہ پر ہے اور ہدی کا لفظ ''هدية'' کی جمع ہے جیسے ''مَطِيَّةٌ'' کی جمع ''مَطِيّ'' ہے۔

''فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ'': یعنی جس شخص نے احرام باندھا ہوا ہو اور اس کو اپنا سر منڈانے کی ضرورت ہو، مثلاً اس کے سر میں کوئی زخم ہو یا جوئیں وغیرہ ہوں جس کی وجہ سے اُسے سر منڈانے کی ضرورت ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ سر منڈانے کے لیے فدیہ دے خواہ روزے سے یا صدقہ سے یا قربانی سے، حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تمہیں تمہاری جوئیں ایذاء پہنچا رہی ہیں؟ انہوں نے کہا: جی ہاں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: تم سر منڈا لو اور تین دن کے روزے رکھو یا تین صاع کی مقدار کو چھ مسکینوں پر صدقہ کرو، یا

بکری کی قربانی دو۔(صحیح البخاری:۱۸۱۴،صحیح مسلم:۱۲۰۱،سنن ترمذی:۲۹۷۴،سنن ابوداؤد:۱۸۵۶،سنن نسائی:۲۸۵۱)

''فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ '': یعنی جس شخص نے حج کے ساتھ عمرہ کو ملا کر اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا ہے تو اس کے شکرانے میں اس پر ایسی قربانی پیش کرنا لازم ہے جو اس کو آسانی سے مل جائے۔

''فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ '': یعنی جس شخص کو قربانی میسر نہ ہو تو وہ ایامِ حج میں تین دن کے روزے رکھے اور مستحب یہ ہے کہ وہ سات ذوالحجہ، آٹھ ذوالحجہ اور نو ذوالحجہ کو روزے رکھے۔ اور دس ذوالحجہ کو روزہ رکھنا صحیح نہیں ہے، اور جب تم حج کے مناسک سے فارغ ہو جاؤ اور گھر واپس پہنچ جاؤ تو پھر وہاں سات دن کے روزے رکھنا تم پر لازم ہے اور یہ دس دن کے کامل روزے ہیں۔

''ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ '': یعنی تمتع کرنے کی اجازت صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو حرم میں رہنے والے نہ ہوں اور ان کا گھر میقات سے باہر ہو۔

''وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾ '': یعنی تم بالعموم اللہ تعالیٰ کے احکام پر اللہ تعالیٰ سے ڈر کر عمل کرتے رہو خصوصاً حج کے احکام میں، اور جو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرے گا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا رہے گا تو اللہ تعالیٰ سخت گرفت فرمانے والا ہے۔(تفسیر ابو سعود ج ۱ ص ۲۴۸۔۲۵۰ ملخصاً و ملتقطاً و مخرجاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾

وقف النبی

حج کے مہینے مشہور و معروف ہیں، پس جو مسلمان اِن مہینوں میں حج کی نیت کر کے اُس کو لازم کر لے تو وہ دورانِ حج نہ عورتوں کے ساتھ مباشرت کی باتیں کرے اور نہ (اللہ کی) نافرمانی کرے اور نہ لڑائی جھگڑا کرے، اور تم جو بھی نیکی کے کام کرتے ہو اللہ کو ان کا علم ہے اور (سفرِ حج کے لیے) زادِ راہ مہیا کرو اور بہترین زادِ راہ اللہ کا خوف ہے اور اے عقل والو! تم مجھ سے ہی ڈرتے رہو O

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۠ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾

(اے مسلمانو!) تم پر (حج کے دوران) اپنے رب کی طرف سے تلاشِ معاش میں کوئی حرج نہیں ہے، پھر جب تم عرفات سے (مزدلفہ میں) مشعرِ حرام کے نزدیک واپس آؤ تو اللہ کو یاد کرو اور اُس کا اِس طرح ذکر کرو جس طرح اُس نے تمہیں ہدایت عطا فرمائی ہے اور بے شک اس سے پہلے تم ضرور گمراہوں میں سے تھے O

ثُمَّ اَفِيۡضُوۡا مِنۡ حَيۡثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسۡتَغۡفِرُوا اللّٰهَ ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۹۹﴾

(اے قریشیو!) پھر تم وہاں سے (وقوف کر کے) واپس آؤ جہاں سے (عام) لوگ (وقوف کر کے) واپس آتے ہیں (یعنی میدانِ عرفات سے) اور اللہ سے مغفرت طلب کرو، بے شک اللہ بہت مغفرت فرمانے والے بے حد رحم فرمانے والے ہیں O

فَاِذَا قَضَيۡتُمۡ مَّنَاسِكَكُمۡ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ كَذِكۡرِكُمۡ اٰبَآءَكُمۡ اَوۡ اَشَدَّ ذِكۡرًا ‌ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّقُوۡلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنۡيَا وَمَا لَهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنۡ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾

پھر جب تم اپنی حج کی عبادات پوری کر چکو تو اس طرح اللہ کا ذکر کرو جس طرح تم اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ ذکر کرو، اور بعض لوگ وہ ہیں جو دعا کرتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں عطا فرما، اور ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے O

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّقُوۡلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنۡيَا حَسَنَةً وَّفِى الۡاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾

اور بعض لوگ وہ ہیں جو دعا کرتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرمائیں اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرمائیں اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ فرمائیں O

اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ نَصِيۡبٌ مِّمَّا كَسَبُوۡا ‌ؕ وَاللّٰهُ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾

یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے ان کے کیے ہوئے کاموں کی جزاء ہے اور اللہ بہت جلد حساب لینے والے ہیں O

وَاذۡكُرُوا اللّٰهَ فِىۡٓ اَيَّامٍ مَّعۡدُوۡدٰتٍ‌ ؕ فَمَنۡ تَعَجَّلَ فِىۡ يَوۡمَيۡنِ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَيۡهِ ۚ وَمَنۡ تَاَخَّرَ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَيۡهِ‌ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ‌ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡٓا اَنَّكُمۡ اِلَيۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۲۰۳﴾

اور چند شمار شدہ ایام میں اللہ کا ذکر کرتے رہو اور جس شخص نے دو دنوں میں (روانہ ہونے) کی عجلت کی تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اور جس نے تاخیر کی اس پر بھی کوئی گناہ نہیں ہے، یہ (حکم) اس کے لیے جو (اللہ سے) ڈرتا رہتا ہے، اور تم سب اللہ سے ڈرتے رہو اور یاد رکھو کہ تم سب اسی کی طرف جمع کیے جاؤ گے O

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يُّعۡجِبُكَ قَوۡلُهٗ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَيُشۡهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِىۡ قَلۡبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الۡخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾

(اے رسولِ اکرم!) آپ کو کسی شخص کی بات دنیا کی زندگی میں اچھی معلوم ہوتی ہے اور وہ شخص اپنے دل کی بات پر اللہ کو گواہ قرار دیتا ہے حالانکہ وہ شخص سب سے بڑا جھگڑالو ہے O

وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾

اور جب وہ شخص (آپ سے) پیٹھ پھیر کر جاتا ہے تو زمین میں دہشت گردی کرنے کی سعی کرتا ہے اور کھیت کو برباد کرنے اور مویشیوں کو ہلاک کرنے کی سعی کرتا ہے، اور اللہ دہشت گردی کو پسند نہیں فرماتے O

وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾

اور جب اُس شخص سے کہا جاتا ہے: اللہ سے ڈر! تو اس کا تکبر اُس کو گناہ پر اور بھڑکاتا ہے، سو اُس کے لیے جہنم کافی ہے اور وہ ضرور بُرا ٹھکانا ہے O

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾

اور بعض وہ لوگ ہیں جو اللہ کی رضا جوئی کے عوض اپنی جان کو فروخت کر دیتے ہیں اور اللہ (اپنے) بندوں پر نہایت مہربان ہیں O

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾

اے ایمان والو! تم پورے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو، بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے O

فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾

پھر اگر تم اللہ کی طرف سے واضح نشانیاں آنے کے بعد بھی پھسل گئے تو تم یاد رکھو اللہ بہت غالب بے حد حکمت والے ہیں O

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾ ع

ع ۲۵ ۱۴ ۹

یہ مشرکین صرف اسی کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس بادلوں کے سائبانوں میں اللہ کا عذاب پہنچ جائے اور ان کے پاس (عذاب کے) فرشتے آ جائیں اور ان کا کام تمام ہو جائے، اور اللہ ہی کی طرف تمام معاملات لوٹائے جائیں گے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''حج کے مہینے مشہور و معروف ہیں، پس جو مسلمان اِن مہینوں میں حج کی نیت کر کے اُس کو لازم کر لے تو وہ دورانِ حج نہ عورتوں کے ساتھ مباشرت کی باتیں کرے اور نہ اللہ کی نافرمانی کرے اور نہ لڑائی جھگڑا کرے، اور تم جو بھی نیکی کے کام کرتے ہو اللہ کو ان کا علم ہے اور (سفرِ حج کے لیے) زادِ راہ مہیا

کرو اور بہترین زادِ راہ اللہ کا خوف ہے اور اے عقل والو! تم مجھ سے ہی ڈرتے رہو O '' (البقرہ: ۱۹۷)

حج کے مہینوں کی تعیین میں فقہاء مذہب کا اختلاف

امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ اور علامہ نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ، اس رکوع کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ '': اہلِ حجاز اس کو ''الحج '' پڑھتے ہیں اور یہی جمہور کی قراءت ہے، اور بنوتمیم اس کو ''الحِج '' پڑھتے ہیں، حج کے مہینوں کے متعلق دو قول ہیں: (۱) حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہم اور فقہاء تابعین میں سے الحسن البصری، ابن سیرین، عطاء بن ابی رباح، الشعبی، طاؤس، النخعی، قتادہ، مکحول، ضحاک، السدی، اور ائمہ مجتہدین میں سے امام ابوحنیفہ، امام احمد بن حنبل اور امام شافعی رضی اللہ عنہم کے نزدیک یہ مہینے شوال اور ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے دس دن ہیں۔ (۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، فقہاء تابعین میں سے مجاہد، الزہری، الربیع، اور ائمہ مجتہدین میں سے امام مالک بن انس کے نزدیک یہ مہینے شوال اور ذوالقعدہ اور ذوالحجہ ہیں۔

امام ابن جریر الطبری نے کہا ہے: ان فقہاء کی مراد یہ ہے کہ یہ حج کے مہینے ہیں عمرہ کے مہینے نہیں ہیں، صرف حج کے مہینے ہیں اور بے شک حج کا عمل ایامِ منیٰ کے ختم ہونے سے ختم ہوجاتا ہے اور یہ فقہاء کہتے ہیں کہ عمرہ کو دوسرے مہینوں میں کرنا مستحب ہے، ابن سیرین نے کہا: اہلِ علم میں سے کسی کو اس میں شک نہیں ہے کہ حج کے علاوہ دوسرے مہینوں میں عمرہ کرنا حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے سے زیادہ افضل ہے، ''اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ '' فرمانے کا فائدہ یہ ہے کہ حج صرف انہی مہینوں میں منعقد ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد بن حنبل نے کہا کہ حج کے مہینوں کے شروع ہونے سے پہلے حج کا احرام باندھنا صحیح ہے، اس بناء پر ''اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ '' کا معنی یہ ہوگا کہ حج کے معظم ارکان ان مہینوں میں واقع ہوتے ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے:

حضرت عبدالرحمٰن بن یعمر الدیلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس وقت آپ عرفہ میں تھے، پس آپ کے پاس اہلِ نجد میں سے چند لوگ آئے، انہوں نے کسی شخص سے کہا تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نداء کر کے دریافت کیا: حج کس طرح ہے؟ سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرد کو حکم فرمایا تو اس نے نداء کی ''اَلْحَجُّ اَلْحَجُّ یَوْمُ عَرَفَةَ '' (عرفہ کے دن حج کرنا، حج ہے)، جس شخص نے نمازِ فجر سے پہلے مزدلفہ کی رات کو پالیا تو اس کا حج مکمل ہوگیا۔۔۔ الحدیث (سنن ابوداؤد: ۱۹۴۹، سنن ترمذی: ۸۸۹۔۸۹۰، سنن نسائی: ۳۰۱۶، سنن ابن ماجہ: ۳۰۱۵، سنن دارمی: ۱۸۲۷، ابوداؤد الطیالسی: ۱۳۰۹، مسند احمد: ۱۸۲۹۷، ج ۴ ص ۳۰۹، المستدرک ج ۱ ص ۴۶۴، سنن بیہقی ج ۵ ص ۱۱۶، اس حدیث کی سند جید ہے)

امام ابوداؤد نے کہا: مہران نے از سفیان دو مرتبہ ''الحجّ الحجّ '' کی روایت کی ہے، اور یحییٰ بن سعید القطان نے از سفیان ایک مرتبہ ''الحج '' کی روایت کی ہے۔

مُحرِم کے مصداق میں فقہاء کا اختلاف

''فَمَنْ فَرَضَ فِیْهِنَّ الْحَجَّ '': حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یعنی جس نے حج کا احرام باندھ کر بلند آواز سے ''اللھم

لبيك اللهم لبيك'' کہا، اور حضرت علی اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ جس نے اپنے اونٹ کے گلے میں قلادہ (ہار) ڈال دیا تو وہ مُحرِم ہو گیا اور اس کا محمل یہ ہے کہ اُس نے حج کرنے کی نیت سے اونٹ کے گلے میں قلادہ ڈالا اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے تصریح کی ہے کہ جس نے حج کی نیت سے احرام باندھا، اُن سے پوچھا گیا: کیا بغیر تلبیہ کے وہ مُحرِم ہو جائے گا؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں! جب اس نے حج کی نیت سے احرام باندھا ہو، اسی طرح امام مالک اور امام شافعی کا قول ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تلبیہ یا اونٹ کے گلے میں ہار ڈالے بغیر کوئی شخص مُحرِم نہیں ہوگا۔

''رَفَث اور فُسُوق کے معانی اور ''جِدَال'' کے معانی

''فَلَا رَفَثَ'': ''الرفث'' کے متعلق تین اقوال ہیں: (۱) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور فقہاء تابعین میں سے حسن بصری اور عکرمہ نے کہا: اس سے مراد جماع ہے (۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور فقہاء تابعین میں سے عمرو بن دینار نے کہا: اس سے مراد جماع اور جماع کی باتیں ہیں (۳) ابوعبدالرحمٰن الیزیدی نے کہا: اس سے مراد لغو اور فضول کلام ہے۔

''وَلَا فُسُوْقَ'' الفسوق کے متعلق بھی تین اقوال ہیں: (۱) حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ اس سے مراد گالی دینا ہے (۲) اور الضحاک نے کہا: اس سے مراد برے القاب ہیں مثلاً کوئی شخص اپنے بھائی کو اے فاسق یا اے ظالم کہے (۳) حسن بصری، عطاء بن ابی رباح اور طاؤس وغیرہ نے کہا: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں ہیں اور یہی قول مختار ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ان تمام چیزوں پر مشتمل ہے، اور اس لیے کہ لفظِ فسوق سے فاسق کا لفظ بنا ہے اور فاسق اس کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے اس کی معصیت کی طرف نکلے۔

''وَلَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ'': اس کے متعلق دو قول ہیں: (۱) حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور فقہاء تابعین میں سے طاؤس، عطاء بن ابی رباح، عکرمہ اور النخعی نے کہا: اس کا معنی ہے: حج میں شک نہ کیا جائے اور بحث نہ کی جائے۔

ایامِ حج میں لڑائی جھگڑے سے ممانعت کی تخصیص کی توجیہ

میں کہتا ہوں: جدال یعنی لڑائی جھگڑا کرنا ایامِ حج کے علاوہ دیگر ایام میں بھی ممنوع ہے اور اس آیت میں خصوصیت کے ساتھ لڑائی جھگڑا کرنے سے اس لیے منع فرمایا ہے کیونکہ حج کے ایام میں لوگوں کا بہت رَش ہوتا ہے اور ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کو دوسروں سے پہلے مناسکِ حج ادا کرنے کا موقع مل جائے اور حجرِ اسود کو بوسا دیتے وقت لوگوں کی بہت زیادہ دھکم پیل ہوتی ہے اور ہر شخص دوسرے کو پیچھے ہٹا کر خود پہلے حجرِ اسود کو بوسا دینا چاہتا ہے، اسی طرح منیٰ میں رہائشی خیموں میں زیادہ سہولتوں کے حصول کے لیے لوگ ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے ہیں بلکہ میں نے 1994ء میں جب حج کیا تھا تو میں نے لوگوں کو ماں بہن کی گالیاں دیتے ہوئے بھی سنا، لہٰذا ہر چند کہ لڑائی جھگڑا بالعموم ممنوع ہے لیکن چونکہ حج کے موقع پر لڑائی جھگڑے کے زیادہ امکانات ہوتے ہیں اس لیے ایامِ حج میں خصوصیت کے ساتھ لڑائی جھگڑے سے منع فرمایا، 1994ء میں سفرِ حج میں میرے ساتھ طیب بھائی تھے، میں حج سے ایک دن پہلے یعنی 8 ذوالحجہ کو اپنی رہائش گاہ سے ایک اسٹاپ پہلے بس سے اتر گیا، طیب بھائی نے مجھ سے کہا: پاگل آدمی ایک اسٹاپ پہلے کیوں اترے ہو؟ میں نے کہا: بھائی دو تین دن اور صبر کر لو حج ہو جانے دو پھر جھگڑا کر لینا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

''وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی'': اس کے متعلق حسبِ ذیل حدیث ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اہلِ یمن حج کرتے تھے اور زادِ راہ ساتھ نہیں لیتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم توکل کرنے والے ہیں، پس جب وہ مکہ آئے اور لوگوں سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''وَتَزَوَّدُوۡا فَاِنَّ خَيۡرَ الزَّادِ التَّقۡوٰى''۔ (صحیح البخاری: ۱۵۲۳، سنن ابوداؤد: ۱۷۳۰، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۱۰۳۳، اسباب النزول للواحدی: ۱۱۳)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے مسلمانو!) تم پر (حج کے دوران) اپنے رب کی طرف سے تلاشِ معاش میں کوئی حرج نہیں ہے، پھر جب تم عرفات سے (مزدلفہ میں) مشعرِ حرام کے نزدیک واپس آؤ تو اللہ کو یاد کرو اور اُس کا اِس طرح ذکر کرو جس طرح اُس نے تمہیں ہدایت عطا فرمائی ہے اور بے شک اس سے پہلے تم ضرور گمراہوں میں سے تھے○'' (البقرہ: ۱۹۸)

''لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّكُمۡ'': اس کے متعلق حسبِ ذیل حدیث ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ذوالمجاز اور عکاظ زمانہ جاہلیت میں تجارت کرنے کے بازار تھے، پس جب اسلام آ گیا تو مسلمانوں نے ایامِ حج میں اس بازار میں تجارت کرنے کو مکروہ جانا سو یہ آیت نازل ہوئی ''لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّكُمۡ''۔ (صحیح البخاری: ۴۵۱۹، سنن ابوداؤد: ۱۷۳۱)

عرفات اور ''الۡمَشۡعَرُ الۡحَرَام'' کا معنی، مصداق اور ان کی وجہ تسمیہ

''فَاِذَاۤ اَفَضۡتُمۡ مِّنۡ عَرَفٰتٍ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ عِنۡدَ الۡمَشۡعَرِ الۡحَرَامِ'': اس آیت میں عرفات کا لفظ ہے اور اس کا نام عرفات رکھنے کے متعلق دو قول ہیں: (۱) حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف بھیجا، پس انہوں نے حضرت ابراہیم کو حج کرایا، پس جب وہ عرفات پر آئے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا: ''قد عرفت'' یعنی آپ نے جان لیا، سو اس جگہ کا نام عرفہ رکھ دیا گیا۔ (۲) الضحاک نے کہا: اس جگہ کا نام عرفہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حواء یہاں پر جمع ہوئے اور وہ دونوں ایک دوسرے سے متعارف ہو گئے۔

''المشعر الحرام'' کے متعلق الزجاج نے کہا: اَلۡمَشۡعَر کا معنی ہے المَعۡلَم، اس کا نام اَلۡمَشۡعَر اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس کے پاس نماز پڑھی جاتی ہے اور مقامِ ابراہیم اور منیٰ میں دعا کرنا حج کے معالم میں سے ہیں اور اَلۡمَشۡعَر الحرام مزدلفہ ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور مجاہد نے کہا: پورا مزدلفہ اَلۡمَشۡعَر الحرام ہے۔

البقرہ: ۱۹۸ میں ذکر کے حکم کی تکرار کی توجیہ

''وَاذۡكُرُوۡهُ كَمَا هَدٰىكُمۡ'':

''فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ عِنۡدَ الۡمَشۡعَرِ الۡحَرَامِ'' کے بعد ''وَاذۡكُرُوۡهُ'' فرمایا اور اس ذکر کی تکرار میں حسبِ ذیل فوائد ہیں:

(۱) القاضی ابویعلیٰ نے کہا: ''فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ عِنۡدَ الۡمَشۡعَرِ الۡحَرَامِ'' سے مراد ہے المزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازوں کو جمع کر کے پڑھنا اور ''وَاذۡكُرُوۡهُ كَمَا هَدٰىكُمۡ'' سے مراد ہے المزدلفہ میں صبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا (۲) محمد بن القاسم النحوی نے کہا: ذکر کے بعد دوبارہ ذکر فرمایا تا کہ اللہ تعالیٰ کا بار بار ذکر کیا جائے۔ (۳) ذکر کی تکرار ذکر میں مبالغہ کے لیے کی ہے۔

''وَ اِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّیْنَ ﴿۱۹۸﴾'': مِّنْ قَبْلِهٖ کی ضمیر کے مرجع کے متعلق تین اقوال ہیں: (۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد اسلام ہے، یعنی اسلام لانے سے پہلے تم گمراہوں میں سے تھے (۲) مقاتل اور الزجاج نے کہا: اس ضمیر کا مرجع ہدایت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ہدایت دینے سے پہلے تم گمراہوں میں سے تھے (۳) سفیان ثوری نے کہا: اس کا مرجع قرآن ہے یعنی قرآن کے نازل ہونے سے پہلے تم ناواقفوں میں سے تھے یا گمراہوں میں سے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے قریشیو!) پھر تم وہاں سے (وقوف کر کے) واپس آؤ جہاں سے (عام) لوگ (وقوف کر کے) واپس آتے ہیں (یعنی میدانِ عرفات سے) اور اللہ سے مغفرت طلب کرو، بے شک اللہ بہت مغفرت فرمانے والے بے حد رحم فرمانے والے ہیں O'' (البقرہ:۱۹۹)

''افاضہ'' کا معنی اور قریش کا عرفات کے بجائے مزدلفہ میں وقوف کرنے کا سبب اور وقوف کی کیفیت

''ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ'': اس کے متعلق حسبِ ذیل حدیث ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ قریش اور ان کے متبعین (عرفات کے بجائے) المزدلفہ میں وقوف کرتے تھے اور وہ الحُمس کہلاتے تھے اور باقی عرب عرفات میں وقوف کرتے تھے، پھر جب اسلام آیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حکم فرمایا کہ آپ عرفات میں جائیں اور وہاں پر وقوف کریں، پھر وہیں سے واپس ہوں اور اس کے متعلق یہ ارشاد ہے ''ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ النَّاسُ''۔ (صحیح البخاری: ۴۵۲۰، ۱۶۶۵، صحیح مسلم: ۱۲۱۹، سنن ابوداؤد: ۱۹۱۰، سنن ترمذی: ۸۸۴، سنن نسائی: ۳۰۱۲)

''الاِفَاضَة'' اس کا معنی ہے المزدلفہ سے قربانی کی صبح کو منیٰ کی طرف جانا، مگر جمہور مفسرین نے کہا: اس کا معنی ہے عرفات سے مزدلفہ کی طرف جانا۔

وقوفِ عرفہ کی کیفیت اور وقوفِ عرفہ کے اجر و ثواب اور مغفرت کی نوید کے متعلق احادیث

میں کہتا ہوں: حج دراصل وقوفِ عرفہ کا نام ہے اور حج کا اہم رُکن میدانِ عرفات میں وقوف کرنا ہے، ہر چند کہ آدمی سواری پر بیٹھا ہوا میدانِ عرفات سے گزر جائے یا میدانِ عرفات میں پیدل چل رہا ہو یا کھڑا ہوا ہو تب بھی فرضیتِ وقوف ادا ہو جاتی ہے، لیکن وقوف کا طریقہ یہ ہے کہ حاجی میدانِ عرفات میں کھڑا ہو اور اپنے دونوں ہاتھ بلند کر کے اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرے اور اپنے گناہوں کی معافی طلب کرے اور روئے اور گڑگڑائے، رونا نہ بھی آئے تب بھی رونے کی کوشش کرے اور آنسو بہائے، حدیث میں ہے:

''امام مالک سے سوال کیا گیا کہ کیا مرد عرفہ یا مزدلفہ میں وقوف یا رمی الجمار یا الصفا اور المروہ میں سعی بغیر وضو کے کر سکتا ہے؟ امام مالک نے فرمایا: حج کی یہ عبادات حائض عورت بھی کرتی ہے اور مرد بھی بغیر وضو کے یہ عبادات کرتا ہے اور بغیر وضو کے ان عبادات کے کرنے میں اس پر کوئی حرج نہیں ہے اور فضیلت یہ ہے کہ یہ تمام عبادات حج کرنے والا وضو کے ساتھ کرے اور بے وضو کرنا مناسب نہیں ہے''۔

اور امام مالک سے سوال کیا گیا کہ کوئی شخص سواری پر وقوفِ عرفہ کر سکتا ہے یا سواری سے اُتر کر وقوف کرے یا سواری پر کھڑے ہو کر دعا کرے؟ امام مالک نے کہا: بلکہ وہ سواری پر بھی وقوف کر سکتا ہے سوا اس صورت کے کہ اس کو یا اس کی سواری کو کوئی عذر ہو تو

اللہ تعالیٰ عذر کو بہت قبول فرمانے والا ہے۔ (موطا امام مالک، کتاب الحج: ۱۶۸، الرقم المسلسل: ۹۰۳، ص ۳۵۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

امام مالک از ابراہیم بن ابی عبلۃ از طلحہ بن عبید اللہ بن کریز روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شیطان کسی دن بھی اتنا زیادہ چھوٹا اور اتنا زیادہ دھتکارا ہوا اور اتنا زیادہ حقیر اور اتنا زیادہ غیظ و غضب میں نہیں دیکھا گیا جتنا وہ عرفہ کے دن میں ہوتا ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ وہ عرفہ کے دن اللہ تعالیٰ کی اس قدر رحمتوں کے نزول کو دیکھتا ہے اور بندوں کے بڑے بڑے گناہوں پر اللہ تعالیٰ کی معافی کو دیکھتا ہے اور یوم عرفہ اور یوم بدر کے سوا اس کو اور کسی دن اس قدر ذلیل اور غیظ و غضب میں نہیں دیکھا گیا۔

(کتاب الحج: ۲۴۳، الرقم المسلسل: ۹۸۰، ص ۳۸۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

مسند بزار میں یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کے دن کے متعلق فرمایا: اُس دن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے قریب ہو کر جلوہ گر ہوتا ہے اور فرشتوں کے سامنے اپنے بندوں پر فخر فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے: ''میرے بندے دور دراز سے گرد و غبار سے اٹے ہوئے جنت کی امید میں آئے ہیں (اے میرے بندو!) اگر تمہارے گناہ ریت کے ذرّوں، بارش کے قطروں اور سمندر کے جھاگ کے برابر بھی ہوں پھر بھی میں ان کو بخش دوں گا''۔ (کشف الاستار عن زوائد البزار ج ۲ ص ۸۔۹، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۰۴ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر جب تم اپنی حج کی عبادات پوری کر چکو تو اس طرح اللہ کا ذکر کرو جس طرح تم اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ ذکر کرو، اور بعض لوگ وہ ہیں جو دعا کرتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں عطا فرما، اور ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے O'' (البقرہ: ۲۰۰)

مناسکِ حج کی ادائیگی کے بعد اللہ تعالیٰ کا زیادہ سے زیادہ ذکر کرنا

''فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا'': اس آیت کے شانِ نزول میں تین اقوال ہیں:

(۱) عطاء اور مجاہد نے کہا کہ اہلِ جاہلیت جب ایامِ حج میں جمع ہوتے تو اپنے باپ دادا کے کارناموں کا ذکر کرتے اور اپنے نسب پر فخر کرتے تو یہ آیت نازل ہوئی کہ جس طرح تم اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے ہو اس طرح اللہ کا ذکر کرو بلکہ اس سے بھی زیادہ اللہ کا ذکر کرو۔ (۲) حسن بصری نے کہا کہ عرب جب باتیں کرتے تو کہتے: تیرے باپ کی قسم! انہوں نے اس طرح اس طرح کیا ہے، تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (۳) السدّی نے کہا: جب لوگ حج کی عبادات کو مکمل کر لیتے تو ایک مرد منیٰ میں کھڑا ہو کر کہتا: اے اللہ! میرا باپ بہت مالدار تھا تو مجھے بھی اتنا مال عطا فرما دے، پس وہ اللہ کا ذکر نہیں کرتا تھا اپنے باپ کا ذکر کرتا تھا اور اللہ تعالیٰ سے دنیا کا سوال کرتا تھا، تب یہ آیت نازل ہوئی۔

دنیا کے سوال کا مصداق

''فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا'': دنیا کی اچھائی کے متعلق حسبِ ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ نیک بیوی کا سوال ہے (۲) سفیان بن حسین نے حسن بصری سے روایت کی کہ وہ عبادت کا سوال ہے (۳) ہشام نے حسن بصری سے روایت کی کہ وہ علم اور عبادت کا سوال ہے (۴) ابو وائل اور السدی نے کہا: وہ مال و دولت کا سوال ہے (۵) قتادہ نے کہا: وہ عافیت کا سوال ہے (۶) مقاتل نے کہا: وہ وسیع رزق کا سوال ہے (۷) ابن قتیبہ نے کہا:

وہ نعمت کا سوال ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بعض لوگ وہ ہیں جو دعا کرتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرمائیں اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرمائیں اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ فرمائیں O'' (البقرہ: ۲۰۱)

آخرت کی اچھائی کے متعلق سوال کا مصداق

''وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً'': اور آخرت کی اچھائی کے متعلق بھی تین اقوال ہیں:

(۱) حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ ''الحور العین'' (بڑی آنکھوں والی گوری عورت) کا سوال ہے۔ (۲) حسن بصری نے کہا: وہ جنت کا سوال ہے (۳) الثوری نے کہا: وہ اللہ تعالیٰ سے عفو اور مغفرت کا سوال ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے ان کے کیے ہوئے کاموں کی جزاء ہے اور اللہ بہت جلد حساب لینے والے ہیں O'' (البقرہ: ۲۰۲)

''اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا'': الزجاج نے کہا: اس آیت کا معنی ہے کہ ان کی دعا مستجاب ہے، اور کسب سے یہاں مراد دعا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے جلد حساب لینے کے محامل

''وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ'': اور سرعت حساب کے متعلق تین اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ اُن سے کم حساب لے گا (۲) الزجاج نے کہا: اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ بہت جلد جزاء عطا فرمائے گا (۳) ابوالسلیمان الدمشقی نے کہا: اللہ تعالیٰ کو حساب لینے کے لیے غور و فکر کی حاجت نہیں ہے، اس لیے وہ بہت جلد حساب لے گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور چند شمار شدہ ایام میں اللہ کا ذکر کرتے رہو اور جس شخص نے دو دنوں میں (روانہ ہونے) کی عُجلت کی تو اُس پر کوئی گناہ نہیں ہے اور جس نے تاخیر کی اُس پر بھی کوئی گناہ نہیں ہے، یہ (حکم) اس کے لیے جو (اللہ سے) ڈرتا رہتا ہے، اور تم سب اللہ سے ڈرتے رہو اور یاد رکھو کہ تم سب اسی کی طرف جمع کئے جاؤ گے O'' (البقرہ: ۲۰۳)

ایام معدودات میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے متعلق اقوال

''وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ'': اس آیت میں مذکور ذکر کے متعلق دو قول ہیں:

(۱) اس سے مراد وہ تکبیرات ہیں جو جمرات کے وقت پڑھی جاتی ہیں یعنی شیطان کو کنکریاں مارتے وقت اللہ اکبر پڑھا جاتا ہے۔

(۲) اس سے فرض نمازوں کے بعد اللہ اکبر پڑھنا مراد ہے۔

نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کے ذکر کے متعلق احادیث

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کے ختم ہونے کو اللہ اکبر کی آواز کے ساتھ پہچانتا تھا۔

(صحیح البخاری: ۸۴۱، ۸۴۲، صحیح مسلم: ۵۸۳، سنن نسائی: ۱۳۳۵، سنن ابوداؤد: ۱۰۰۳، مسند احمد: ۳۴۶۸)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مکتوب میں لکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد یہ ذکر فرماتے تھے: ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ''۔ (ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں جو واحد ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی سلطنت ہے اور اُسی کے لیے حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اے اللہ! آپ جو عطا فرمائیں اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے، اور جس چیز کو آپ روک لیں اس کو کوئی دینے والا نہیں ہے، اور کوئی غنی آپ کے اذن کے بغیر نفع نہیں پہنچا سکتا)۔

(صحیح البخاری: ۸۴۴، صحیح مسلم: ۵۹۳، سنن نسائی: ۱۳۴۱، سنن ابوداؤد: ۱۵۰۵، مسند احمد: ۱۸۱۷۷، سنن دارمی: ۱۳۴۹)

ایام تشریق میں ذکر کرنے کے متعلق صحابہ کرام، فقہاء تابعین اور ائمہ مجتہدین کے اقوال

(۱) حضرت علی علیہ السلام اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہم نے کہا: یوم عرفہ کو نمازِ فجر سے لے کر ایامِ تشریق کے آخری دن عصر کی نماز تک تکبیرات پڑھے۔ (۲) حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یوم عرفہ کو نمازِ فجر سے لے کر قربانی کے دن کی عصر کی نماز تک تکبیرات پڑھے۔ (۳) حضرت ابنِ عمر، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے کہا: قربانی کے دن ظہر کی نماز کے بعد سے لے کر ایامِ تشریق کے آخری دن عصر کی نماز کے بعد تک تکبیرات پڑھے۔ (۴) حسن بصری نے کہا: قربانی کے دن ظہر کی نماز سے لے کر ایامِ تشریق کے دوسرے دن ظہر کی نماز تک تکبیرات پڑھے۔ (۵) امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: قربانی کے دن ظہر کی نماز سے لے کر ایامِ تشریق کے آخری دن صبح کی نماز تک تکبیرات پڑھے۔ (۶) امام شافعی اور امام احمد بن حنبل نے کہا: قربانی کے دن مغرب کی نماز سے لے کر ایامِ تشریق کے آخری دن صبح کی نماز تک تکبیرات پڑھے۔

ایام منیٰ سے رمی جمرات کے دو دن بعد واپسی میں یا تین دن بعد واپسی میں گناہ نہ ہونا

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی المتوفی ۷۱۰ھ لکھتے ہیں:

''فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ'': یعنی جس نے ایام منیٰ سے واپس ہونے میں جلدی کی یعنی جو ایام منیٰ کے تین دنوں میں سے دو دن منیٰ میں رہا اور رمی جمرات کی اور تیسرے دن رمی جمرات کے لیے نہیں ٹھہرا اور صرف دو دن رمی جمار پر اکتفاء کر لی تو اس پر کوئی حرج نہیں ہے یعنی وہ اس عُجلت کی وجہ سے گناہ گار نہیں ہوگا اور جس نے تاخیر کی حتیٰ کہ تیسرے دن بھی رمی جمرات کی تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں ہے۔

''لِمَنِ اتَّقٰى'': یعنی جو شخص حالتِ احرام میں شکار کرنے سے بچا یا ایام حج میں رفث اور فسوق سے بچا، یعنی ایسا شخص تعجیل اور تاخیر میں مختار ہے، ہر چند کہ تاخیر افضل ہے جیسا کہ مسافر کو روزہ رکھنے اور روزہ چھوڑنے کے درمیان اختیار دیا گیا ہے اگرچہ روزہ رکھنا افضل ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اہلِ جاہلیت میں دو گروہ تھے، بعض جلدی کرنے والے کو گناہ گار قرار دیتے تھے اور بعض تاخیر کرنے

والے کو گناہ گار قرار دیتے تھے، پس قرآنِ مجید میں بتایا کہ ان میں سے کوئی بھی گناہ گار نہیں ہے۔ (مدارک التنزیل ج ا ص ۱۷۲-۱۷۳)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) آپ کو کسی شخص کی بات دنیا کی زندگی میں اچھی معلوم ہوتی ہے اور وہ شخص اپنے دل کی بات پر اللہ کو گواہ قرار دیتا ہے حالانکہ وہ شخص سب سے بڑا جھگڑالو ہے O'' (البقرہ: ۲۰۴)

''وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یُّعۡجِبُکَ قَوۡلُهٗ فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا'':

البقرہ: ۲۰۴ کا شانِ نزول

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، السُّدّی اور مقاتل نے کہا ہے کہ یہ آیت الاخنس بن شریق کے متعلق نازل ہوئی ہے، یہ شخص دل سے کافر تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے اسلام کا اظہار کرتا تھا اور بہت عمدہ باتیں کرتا تھا اور قسم کھا کر کہتا تھا کہ وہ آپ سے محبت کرتا ہے اور دین میں آپ کی پیروی کرتا ہے اور دل میں آپ کا مخالف تھا۔

(۲) حسن بصری، قتادہ اور ابن زید نے کہا ہے کہ یہ آیت اس منافق کے متعلق نازل ہوئی ہے جو اپنی زبان سے آپ کی محبت کا دم بھرتا تھا۔

''اَلَدُّ الۡخِصَامِ'' کا معنی اور اس کی دہشت گردی

''وَهُوَ اَلَدُّ الۡخِصَامِ'': الخِصَام ''خصم'' کی جمع ہے اور الزجاج نے کہا: ''اَلۡاَلَدُّ'' کا معنی ہے: جو بہت زیادہ جھگڑالو ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جب وہ شخص (آپ سے) پیٹھ پھیر کر جاتا ہے تو زمین میں دہشت گردی کرنے کی سعی کرتا ہے اور کھیت کو برباد کرنے اور مویشیوں کو ہلاک کرنے کی سعی کرتا ہے، اور اللہ دہشت گردی کو پسند نہیں فرماتے O'' (البقرہ: ۲۰۵)

''وَیُهۡلِکَ الۡحَرۡثَ وَالنَّسۡلَ'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عکرمہ نے کہا: حَرث کا معنی ہے کھیت، اور ''نسل'' کا معنی ہے ہر جاندار کی نسل۔ اور الزجاج نے کہا ہے کہ ''حرث'' سے مراد عورتیں ہیں، کیونکہ وہ بھی کھیت کی مثل ہیں جس طرح کھیت میں بیج ڈالا جاتا ہے تو اس سے پیداوار ہوتی ہے، اسی طرح عورتوں میں نطفہ ڈالا جائے تو اس سے بچے پیدا ہوتے ہیں۔ اور ''النسل'' سے مراد ہے اولاد۔ اور ''حرث اور نسل'' کو ہلاک کرنے کے متعلق تین قول ہیں: (۱) اکثر مفسرین نے کہا: اس سے لوگوں کو قتل کرنا اور کھیتوں کو جلانا مراد ہے۔ (۲) اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد لوگوں پر ظلم کرنا ہے اور لوگوں پر ظلم کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بارش کو روک لیتا ہے اور جب بارش رُک جائے تو کھیت اور نسل ہلاک ہو جاتے ہیں۔ (۳) بعض مفسرین نے کہا ہے: ہلاک کرنے سے مراد ہے لوگوں کو گمراہ کرنا۔

''وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الۡفَسَادَ'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اللہ تعالیٰ گناہوں سے راضی نہیں ہوتے اور اسی طرح اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا ''وَلَا یَرۡضٰی لِعِبَادِهِ الۡکُفۡرَ'' (الزمر: ۷) ''(اور وہ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے کفر کو پسند نہیں فرماتے)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جب اُس شخص سے کہا جاتا ہے اللہ سے ڈر! تو اس کا تکبر اُس کو گناہ پر اور بھڑکاتا

ہے، سو اُس کے لیے جہنم کافی ہے اور وہ ضرور بُرا ٹھکانا ہے O'' (البقرہ:۲۰۶)

''وَاِذَا قِیۡلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتۡهُ الۡعِزَّةُ بِالۡاِثۡمِ'': اس آیت میں ''العِزّۃ'' سے مراد ہے نخوة الجاهلية، یعنی جب جاہلوں کو معصیت کے ارتکاب سے منع کیا جائے تو وہ تکبر سے جرم اور معصیت پر جمے اور ڈٹے رہتے ہیں اور باز نہیں آتے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ عزوجل کے نزدیک سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ جب کسی بندہ سے کہا جائے: اللہ سے ڈر! تو وہ کہے: ''عَلَیۡكَ بِنَفۡسِكَ'' (یعنی تم اپنے کام سے کام رکھو)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بعض وہ لوگ ہیں جو اللہ کی رضا جوئی کے عوض اپنی جان کو فروخت کر دیتے ہیں اور اللہ (اپنے) بندوں پر نہایت مہربان ہیں O'' (البقرہ:۲۰۷)

البقرہ:۲۰۷ کے ایک شانِ نزول میں حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ کی ہجرت کی حدیث

''وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّشۡرِیۡ نَفۡسَهُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰهِ'': یہ سعید بن المسیب کا قول ہے اور اسی کی مثل ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور انہوں نے بیان کیا کہ یہ آیت حضرت صہیب الرومی رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے، روایت ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرنے کے لیے مکہ سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے تو کفارِ قریش کی ایک جماعت نے ان کا پیچھا کیا، حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سواری سے اترے اور انہوں نے اپنا تیر کمان نکالا اور کہا: تم خوب جانتے ہو میں تم سب سے بڑھ کر تیر انداز ہوں، اور اللہ کی قسم! تم مجھ تک نہیں پہنچ سکو گے حتیٰ کہ میرے تمام تیر تمہیں مار مار کر ختم ہو جائیں، پھر میں اپنی تلوار میان سے نکالوں گا اور جب تک مجھ میں رمقِ حیات ہے میں تم سے مقابلہ کرتا رہوں گا، ہاں اگر تم چاہو تو میں تمہیں اپنے جمع شدہ مال کی طرف رہنمائی کرتا ہوں، کفارِ قریش کی جماعت نے کہا: چلو ٹھیک ہے تم ہمیں اپنا مال بتاؤ ہم تمہارا راستہ چھوڑ دیں گے، سو حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے اپنے مال کا پتا نشان بتا کر ان سے اپنی جان چھڑا لی اور مدینہ منورہ پہنچ گئے، تب ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو فرمایا: اے ابو یحییٰ! تم نے اپنی بیع میں نفع کمایا ہے اور پھر ان کے سامنے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّشۡرِیۡ نَفۡسَهُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰهِ (البقرہ:۲۰۷)''۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۳ ص ۱۷۱، المستدرک للحاکم ج ۳ ص ۴۰۰، الطبرانی: ۷۳۰۸، الطبری: ۴۰۰۵)

البقرہ:۲۰۷ کے دوسرے شانِ نزول میں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی شہادت کی حدیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس آدمیوں کا لشکر کفارِ قریش کی جاسوسی کے لیے بھیجا اور حضرت عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو اس لشکر کا امیر بنایا، جب یہ لشکر عسفان اور مکہ کے درمیان مقامِ ہداۃ پر پہنچا تو قبیلہ ہذیل کی ایک شاخ بنو لحیان میں ان کا ذکر کیا گیا، پس ان کے تقریباً دو سو تیر انداز اس لشکر کے پیچھے روانہ ہوئے، وہ ان کے نشانات پر چل رہے تھے حتیٰ کہ ان کو اس لشکر کی کھائی ہوئی کھجوریں ملیں جن کو اہلِ لشکر مدینہ سے بہ طور زادِ راہ لائے تھے، پیچھا کرنے والوں نے کہا: یہ تو یثرب کی کھجوریں ہیں، سو وہ ان کے نشانوں پر چلنے لگے، پھر جب حضرت عاصم اور ان کے اصحاب نے ان کفار کو دیکھ لیا تو ان سب نے پہاڑ کی ایک چوٹی پر پناہ لی اور مشرکین نے ان کا محاصرہ کر لیا اور ان سے کہا: تم لوگ نیچے اتر آؤ اور اپنے ہتھیار ہمیں

دے دو اور ہم تم سے پکا عہد کرتے ہیں کہ ہم تم میں سے کسی کو قتل نہیں کریں گے، مسلمانوں کے لشکر کے امیر حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا: رہا میں تو اللہ کی قسم! میں آج کسی کافر کی پناہ میں ہرگز نہیں اتروں گا، اے اللہ! ہمارے حال کی اپنے نبی کو خبر دے دے، پھر کفار نے ان پر تیر برسانے شروع کر دیے اور انہوں نے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کو ان کے سات اصحاب سمیت شہید کر دیا اور باقی تین صحابہ ان کے عہد و پیمان پر اعتماد کر کے پہاڑی سے نیچے اتر آئے (یہ صحابہ حضرت خبیب انصاری رضی اللہ عنہ، حضرت ابن دثنہ رضی اللہ عنہ اور ایک تیسرے صاحب حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ تھے)، جب کفار نے ان صحابہ پر قابو پالیا تو انہوں نے اپنی کمانوں کے تانت اتار کر ان کے ساتھ ان کو باندھ لیا، تب اس تیسرے صاحب نے کہا: یہ ان کی پہلی عہد شکنی ہے اور اللہ کی قسم! میں تمہارے ساتھ نہیں رہوں گا، بے شک میرے لیے ان میں نمونہ ہے، ان کی مراد تھی کہ ان سات شہداء میں، مشرکین نے ان کو زبردستی کھینچ کر اپنے ساتھ لے جانا چاہا لیکن انہوں نے انکار کر دیا سو مشرکین نے ان کو بھی شہید کر دیا، پھر وہ حضرت خبیب اور حضرت ابن دثنہ رضی اللہ عنہما کو ساتھ لے کر گئے اور ان کو مکہ میں لے جا کر فروخت کر دیا، یہ غزوۂ بدر کے بعد کا واقعہ ہے، حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو حارث بن عامر بن نوفل بن عبد مناف کے بیٹوں نے خرید لیا اور حضرت خبیب نے ہی غزوۂ بدر میں حارث بن عامر کو قتل کیا تھا، پس حضرت خبیب رضی اللہ عنہ بہ طور قیدی ان کے پاس رہے، حارث کی بیٹی نے خبر دی کہ جب مشرکین حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے لیے اکٹھے ہوئے تو حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے زیر ناف بال مونڈنے کے لیے حارث کی بیٹی سے استرا مانگا تو اس نے ان کو استرا دے دیا، حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے اس کے بیٹے کو پکڑ لیا اور جب اس کا بیٹا حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو حارث کی بیٹی اس سے غافل تھی، وہ بتاتی ہے کہ اس کا بیٹا حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے زانو پر بیٹھا ہوا تھا اور حضرت خبیب کے ہاتھوں میں استرا تھا، وہ بہت خوف زدہ تھی، حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے اس کے چہرہ پر خوف محسوس کر کے کہا: کیا تم اس وجہ سے ڈر رہی ہو کہ میں تمہارے بیٹے کو قتل کر دوں گا؟ نہیں میں ایسا نہیں کروں گا، حارث کی بیٹی نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے (حضرت) خبیب سے بہتر قیدی کبھی بھی نہیں دیکھا اور اللہ کی قسم! میں نے ان کے ہاتھ میں ایک دن انگور کا خوشا دیکھا جس سے وہ کھا رہے تھے حالانکہ وہ زنجیر سے بندھے ہوئے تھے اور ان دنوں میں مکہ میں کوئی پھل نہیں تھا اور وہ کہتی تھی کہ بے شک وہ انگور اللہ کے رزق میں سے تھے جو اللہ نے (حضرت) خبیب رضی اللہ عنہ کو دیے تھے، جب مشرکین (حضرت) خبیب رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے لیے حرم سے باہر نکلے تو ان سے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے دو رکعت نماز پڑھنے دو، مشرکین نے ان کو چھوڑ دیا اور انہوں نے دو رکعت نماز پڑھی، پھر انہوں نے مشرکین سے کہا: اگر تم یہ گمان نہ کرتے کہ میں موت کے ڈر سے لمبی نماز پڑھ رہا ہوں تو میں نماز کو زیادہ طول دیتا، اے اللہ! ان مشرکین کو ایک ایک کر کے ختم کر دے، پھر انہوں نے یہ شعر پڑھا:

ولست ما ابالی حین اقتل مسلما
علی ای شق کان للہ مصرعی
وذالك فی ذات الالہ وان یشأ
یبارك علی اوصال شلو ممزع

ترجمہ: جب میں حالتِ اسلام میں قتل کیا جا رہا ہوں تو مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے کہ مجھے اللہ کی راہ میں خواہ کسی بھی پہلو پر گرایا

جائے، اور میرا یہ مرنا صرف اللہ کی رضا کی طلب میں ہے اور اگر اللہ چاہے تو وہ اُس جسم کے ٹکڑوں میں بھی برکت ڈال سکتا ہے جس کی بوٹی بوٹی کر دی گئی ہو۔

پس حارث کے بیٹے نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا اور حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے ہی ہر جس مسلمان کو قید کر کے قتل کیا جائے تو اس کے قتل سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنے کا طریقہ ایجاد کیا، پس اللہ تعالیٰ نے حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن ان کو قبول فرما لیا تھا، لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو ان واقعات کی اور ان صحابہ کی شہادت کی خبر دے دی تھی، کفارِ قریش کو جب معلوم ہوا کہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے تو انہوں نے ان کی لاش کی طرف کچھ لوگوں کو بھیجا تا کہ وہ ان کے جسم کا کوئی حصہ کاٹ کر لے آئیں جس سے ان کی شناخت ہو سکے کیونکہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے مشرکین کے ایک سردار (عقبہ بن ابی معیط) کو غزوۂ بدر میں قتل کر دیا تھا، تب اللہ تعالیٰ نے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی لاش پر سائبان کی طرح بھڑوں کا ایک چھتہ بھیج دیا جس نے مشرکین کے بھیجے ہوئے کفار سے ان کی لاش کی حفاظت کی اور وہ ان کے جسم کے کسی ٹکڑے کو کاٹنے پر قادر نہ ہو سکے۔

(صحیح البخاری: ۳۰۴۵، سنن ابوداؤد: ۲۶۶۰، مسند احمد: ۷۸۶۹، سنن ابوداؤد الطیالسی: ۲۵۹۷، مصنف عبدالرزاق: ۹۷۳۰، صحیح ابن حبان: ۷۰۳۹، شرح السنہ: ۲۱۲، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۳ ص ۳۲۳، السیرۃ النبویہ لابن ہشام ج ۳ ص ۱۳۴۔۱۴۶، السیرۃ النبویہ لابن کثیر ج ۳ ص ۱۲۳)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! تم پورے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو، بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے O'' (البقرہ: ۲۰۸)

''يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً'': اس آیت کے شانِ نزول کے متعلق تین اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ آیت اہلِ کتاب میں سے ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جو اسلام لانے کے بعد بھی ہفتہ کے دن شکار نہیں کرتے تھے اور اونٹ کا گوشت نہیں کھاتے تھے اور ان چیزوں سے بچتے تھے جن سے اہلِ کتاب بچتے ہیں یعنی اسلام لانے کے بعد بھی تورات کے احکام پر عمل کرتے تھے (۲) الضحاک نے کہا: یہ آیت اُن اہلِ کتاب کے متعلق نازل ہوئی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے تھے تو ان کو اسلام میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ (۳) مجاہد نے کہا: یہ آیت مسلمانوں کے متعلق نازل ہوئی ہے اور ان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اسلام کے تمام احکام پر عمل کریں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر اگر تم اللہ کی طرف سے واضح نشانیاں آنے کے بعد بھی پھسل گئے تو تم یاد رکھو اللہ بہت غالب بے حد حکمت والے ہیں O'' (البقرہ: ۲۰۹)

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی المتوفی ۷۱۰ھ البقرہ: ۲۰۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ'' یعنی اگر تم اسلام کی حقانیت پر معجزات کا مشاہدہ کرنے اور دیگر دلائل کو دیکھنے کے بعد بھی اسلام لانے سے منحرف رہے تو یاد رکھو اللہ بہت غالب ہے اس کو تمہیں عذاب دینے سے کوئی روک نہیں سکتا اور وہ حکمت والا ہے، وہ اسی کو عذاب دیتا ہے جس کو عذاب دینا برحق ہو۔ (مدارک التنزیل ج ۱ ص ۱۷۵۔۱۷۶)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یہ مشرکین صرف اسی کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس بادلوں کے سائبانوں میں

اللہ کا عذاب پہنچ جائے اور ان کے پاس (عذاب کے) فرشتے آجائیں اور ان کا کام تمام ہوجائے، اور اللہ ہی کی طرف تمام معاملات لوٹائے جائیں گے O" (البقرہ:۲۱۰)

اللہ تعالیٰ کے بادلوں کے سائے میں آنے کی توجیہ اور فرشتوں کے آنے کے وقت کی تعیین

"اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیَهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ": اس آیت کا ظاہر معنی یہ ہے کہ مشرکین اس کا انتظار کر رہے ہیں کہ اللہ اُن کے پاس بادلوں کے سائبانوں میں آجائے۔ سَلَف صالحین اس قسم کی آیات میں بحث نہیں کرتے تھے، امام احمد بن حنبل سے منقول ہے، انہوں نے کہا: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کا حکم ہے یا اللہ کا عذاب۔ "ظُلَل" کا لفظ ظلة کی جمع ہے جس کا معنی سائبان ہے اور "الغمام" اس بادل کو کہتے ہیں جس میں پانی نہ ہو۔

"وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ قُضِیَ الْاَمْرُ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾": فرشتے کب آئیں گے؟ اس کے متعلق جمہور کا قول یہ ہے کہ فرشتے قیامت کے دن آئیں گے اور قتادہ نے کہا: موت کے وقت آئیں گے۔ اس سے مراد مخلوق کو یہ خبر دینی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ان کو ثواب اور عقاب کی جزا دینے والا ہے۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۱۶۳۔۱۷۵، ملخصاً وموضحاً ومخرجاً، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

سَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ كَمْ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ اٰیَةٍۭ بَیِّنَةٍ ؕ وَ مَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾

(اے رسولِ اکرم!) آپ علماءِ یہود سے سوال کیجئے کہ ہم نے اُن کو کتنے واضح دلائل (اور روشن معجزات) عطا فرمائے تھے، اور جو لوگ اپنے پاس اللہ کی نعمت آنے کے بعد اس کو بدل ڈالیں تو بے شک اللہ سخت عذاب دینے والے ہیں O

زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَ یَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَ اللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾

وقف لازم

کفار کے لیے دنیا کی زندگی کو خوش نما بنا دیا گیا ہے اور وہ مومنین کا مذاق اڑاتے ہیں، اور جو مسلمان اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں وہ قیامت کے دن اِن کافروں سے کہیں بالاتر ہوں گے، اور اللہ جس کو چاہتے ہیں بے حساب روزی عطا فرماتے ہیں O

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۫ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ ۪ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِیَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ ؕ وَ مَا اخْتَلَفَ فِیْهِ اِلَّا الَّذِیْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِیْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۲۱۳﴾

(سب) لوگ (پہلے) ایک ہی امت تھے، (پھر انہوں نے اختلاف کیا تو) اللہ نے (اجر وثواب کی) خوش خبری دینے والے اور (آخرت کے عذاب سے) ڈرانے والے انبیاء مبعوث فرمائے، اور ان کے ساتھ سچی کتاب نازل فرمائی تاکہ وہ ان کے درمیان اس باب میں فیصلہ کرے جس میں وہ اختلاف کر رہے تھے اور اس باب میں ان ہی لوگوں نے اختلاف کیا تھا جن کو کتاب عطا فرمائی گئی تھی، انہوں نے اپنے پاس (حق کی) واضح نشانیاں آنے کے باوجود باہمی سرکشی کی وجہ سے اختلاف کیا، پھر اللہ نے اپنے حکم سے ایمان والوں کو ان کے باہمی اختلاف میں حق کی طرف رہنمائی فرما دی اور اللہ جس کو چاہتے ہیں راہِ راست کی طرف ہدایت عطا فرماتے ہیں O

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾

(اے مسلمانو!) کیا تم نے جنت میں داخل ہونے کا گمان کر لیا ہے حالانکہ ابھی تک تم پر تم سے پہلے لوگوں کی مثل مصیبتیں نہیں آئیں، اُن پر سختیاں اور تکلیفیں آئیں اور ان کو جھنجوڑ ڈالا گیا حتیٰ کہ رسول اور اُن پر ایمان لانے والوں نے کہا: اللہ کی مدد کب آئے گی؟ سنو! بے شک اللہ کی مدد قریب ہے O

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾

(اے رسولِ اکرم!) مسلمان آپ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟ آپ کہیے کہ: تم جو بھی (بہ طورِ احسان) مال خرچ کرو تو اپنے ماں باپ کے لیے اور رشتہ داروں کے لیے اور یتیموں کے لیے اور مسکینوں کے لیے اور مسافروں کے لیے (خرچ کرو) اور تم جو بھی نیکی کرتے ہو تو بے شک اللہ اُسے خوب جاننے والے ہیں O

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ ع ۲۶/۱۰

(اے مسلمانو!) تم پر (اللہ کی راہ میں) جہاد فرض فرما دیا گیا ہے حالانکہ وہ (طبعاً) تم پر دشوار ہے اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو دشوار سمجھو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو بہتر سمجھو اور وہ تمہارے حق میں خراب ہو، اور اللہ ہی (سب کچھ) جاننے والے ہیں اور تم نہیں جانتے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) آپ علماءِ یہود سے سوال کیجیے کہ ہم نے اُن کو کتنے واضح

دلائل (اور روشن معجزات) عطا فرمائے تھے، اور جو لوگ اپنے پاس اللہ کی نعمت آنے کے بعد اس کو بدل ڈالیں تو بے شک اللہ سخت عذاب دینے والے ہیں O'' (البقرہ:۲۱۱)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اللہ تعالیٰ کی نعمت ہونا

امام ابو اللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، البقرہ:۲۱۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''سَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ کَمْ اٰتَیْنٰھُمْ مِّنْ اٰیَۃٍۢ بَیِّنَۃٍ'': مقاتل نے کہا: اے رسولِ اکرم! آپ علماءِ یہود سے سوال کیجئے کہ ہم نے ان کو کتنے روشن معجزات عطا فرمائے، ہر چند کہ یہ معجزات علماءِ یہود کے آباء واجداد بنی اسرائیل کو عطا فرمائے تھے لیکن چونکہ یہودِ مدینہ کے علماء بھی ان معجزات کو مانتے تھے اور ان پر فخر کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے سمندر کو چیر دیا اور ان کے دشمن فرعون اور اس کے متبعین کو سمندر میں غرق کر دیا اور ان پر میدان ''التِّیہ'' میں ''المن'' اور ''السلویٰ'' نازل فرمایا، دوسرا قول یہ ہے کہ ''آیۃ بیّنۃ'' سے مراد تورات میں مذکور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نعت ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ کُفْرًا (ابراہیم:۲۸) کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو ناشکری سے بدل دیا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ کی نعمت کو ناشکری سے بدلنے والے کفارِ قریش ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ کی نعمت ہیں۔ (صحیح البخاری: ۳۹۷۷، ۴۷۰۰) (تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۱۹۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''کفار کے لیے دنیا کی زندگی کو خوش نما بنا دیا گیا ہے اور وہ مومنین کا مذاق اڑاتے ہیں، اور جو مسلمان اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں وہ قیامت کے دن اِن کافروں سے کہیں بالاتر ہوں گے، اور اللہ جس کو چاہتے ہیں بے حساب روزی عطا فرماتے ہیں O'' (البقرہ:۲۱۲)

دنیا کی زندگی کو دلوں میں خوش نما بنانے والا کون ہے، اللہ تعالیٰ یا شیطان؟

علامہ السید محمود الآلوسی البغدادی الحنفی المتوفی ۱۲۷۰ھ البقرہ:۲۱۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا'': یعنی کفار کے دلوں میں دنیا کی زندگی کو پسندیدہ اور محبوب بنا دیا گیا ہے اور وہ دنیا کی زندگی پر اس طرح ٹوٹ کر گر رہے ہیں جیسا کہ پروانے آگ یا شمع پر گرتے ہیں اور وہ دنیا کی زندگی کے ماسوا سے اعراض کرتے ہیں، اسی وجہ سے یہودِ مدینہ تورات میں مذکور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نعتوں کو بدل ڈالتے ہیں، دنیا کی زندگی کو دلوں میں مزیّن اور خوش نما بنانے کا فاعل حقیقت میں اللہ عزوجل ہے، لیکن ظاہر میں تزیین کرنے والا شیطان ہے جو لوگوں کے دلوں میں دنیا کی زندگی کی خوش نمائی کا وسوسہ ڈالتا ہے جیسا کہ اللہ عزوجل نے شیطان کے اس قول کی حکایت فرمائی ہے:

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاُزَیِّنَنَّ لَھُمْ فِی الْاَرْضِ وَلَاُغْوِیَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۳۹﴾ (الحجر:۳۹) شیطان نے کہا: اے میرے رب! چونکہ تو نے مجھے گمراہ کر دیا ہے تو میں بھی تیرے بندوں کے لیے زمین میں (برے کاموں کو)

ضرور خوش نما بنادوں گا اور میں ان سب کو ضرور گمراہ کردوں گا O

اور اس آیت میں دونوں معنوں کی گنجائش ہے۔

''وَ یَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'': یہ آیت ابوجہل اور دیگر صنادیدِ قریش کے متعلق نازل ہوئی ہے جن کے لیے دنیا کا عیش و عشرت وسیع کردیا گیا تھا اور وہ فقراء مومنین (مثلاً حضرت ابن مسعود، حضرت عمار بن یاسر، حضرت صہیب رومی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم) کا مذاق اڑاتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) برحق نبی ہوتے تو عرب کے معزز لوگ ضرور ان کی پیروی کرتے۔

''وَالَّذِیْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ'': یعنی یہ فقراء مسلمین آخرت میں ان مذاق اڑانے والے کفار کا اسی طرح مذاق اڑائیں گے جس طرح وہ دنیا میں ان کا مذاق اڑاتے تھے اور وہ بلند درجات میں ہوں گے، کیونکہ یہ فقراء مسلمین جنت کے اندر اعلیٰ علیین میں ہوں گے اور یہ کفار دوزخ کے اندر اسفل السافلین میں ہوں گے۔

(روح المعانی ج ۲ ص ۱۵۱، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ، فتح الرحمٰن ج ۱ ص ۲۹۷، دارالنوادر، کویت ۱۴۳۲ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(سب) لوگ (پہلے) ایک ہی امت تھے، (پھر انہوں نے اختلاف کیا تو) اللہ نے (اجروثواب کی) خوش خبری دینے والے اور (آخرت کے عذاب سے) ڈرانے والے انبیاء مبعوث فرمائے، اور ان کے ساتھ سچی کتاب نازل فرمائی تاکہ وہ ان کے درمیان اس باب میں فیصلہ کرے جس میں وہ اختلاف کررہے تھے اور اس باب میں ان ہی لوگوں نے اختلاف کیا تھا جن کو کتاب عطا فرمائی گئی تھی، انہوں نے اپنے پاس (حق کی) واضح نشانیاں آنے کے باوجود باہمی سرکشی کی وجہ سے اختلاف کیا، پھر اللہ نے اپنے حکم سے ایمان والوں کو ان کے باہمی اختلاف میں حق کی طرف رہنمائی فرمادی اور اللہ جس کو چاہتے ہیں راہِ راست کی طرف ہدایت عطا فرماتے ہیں O'' (البقرہ: ۲۱۳)

قاضی مجیرالدین بن محمد المقدسی الحنبلی التوفی ۹۲۸ھ، البقرہ: ۲۱۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً'': یعنی پہلے سب لوگ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت نوح علیہ السلام تک ایک دین پر متفق تھے، پھر اُن میں اختلاف ہوگیا۔

اُن انبیاء علیہم السلام کی تعداد جن کے ناموں کا قرآن مجید میں صراحۃً یا اشارۃً ذکر ہے

''فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ'': یعنی اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے اور ان میں سے تین سو تیرہ رسول تھے اور قرآنِ مجید میں جن انبیاء علیہم السلام کا نام ذکر ہے وہ چھبیس (۲۶) انبیاء ہیں:

(۱) (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، (۲) حضرت آدم، (۳) حضرت ادریس، (۴) حضرت نوح، (۵) حضرت ہود، (۶) حضرت صالح، (۷) حضرت ابراہیم، (۸) حضرت لوط، (۹) حضرت اسماعیل، (۱۰) حضرت اسحاق، (۱۱) حضرت یعقوب، (۱۲) حضرت یوسف، (۱۳) حضرت ایوب، (۱۴) حضرت ذوالکفل، (۱۵) حضرت شعیب، (۱۶) حضرت موسیٰ، (۱۷) حضرت

ہارون، (۱۸) حضرت داؤد، (۱۹) حضرت سلیمان، (۲۰) حضرت عزیر، (۲۱) حضرت یونس، (۲۲) حضرت زکریا، (۲۳) حضرت یحییٰ، (۲۴) حضرت الیاس، (۲۵) حضرت الیسع، (۲۶) حضرت عیسیٰ صلوات اللہ علیہم اجمعین ۔ اور حضرت اشموئیل کی طرف اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے: ''وَقَالَ لَهُمۡ نَبِيُّهُمۡ اِنَّ اللّٰهَ قَدۡ بَعَثَ لَكُمۡ طَالُوۡتَ مَلِكًا ۔ (البقرہ:۲۴۷)'' اور حضرت ارمیا کی طرف اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے ''اَوۡ كَالَّذِىۡ مَرَّ عَلٰى قَرۡيَةٍ وَّهِىَ خَاوِيَةٌ ۔ (البقرہ:۲۵۹)'' اور حضرت یوشع کی طرف اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے ''وَاِذۡ قَالَ مُوۡسٰى لِفَتٰٮهُ ۔ (الکہف:۶۰)'' اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی طرف اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے ''لَقَدۡ كَانَ فِىۡ يُوۡسُفَ وَاِخۡوَتِهٖۤ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيۡنَ ○ (یوسف:۷)''۔ اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کی طرف اس آیت میں اجمالاً اشارہ فرمایا ہے ''اِذۡ حَضَرَ يَعۡقُوۡبَ الۡمَوۡتُ ۙ اِذۡ قَالَ لِبَنِيۡهِ ۔ (البقرہ:۱۳۳)'' یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے نبی تھے (ان بارہ بیٹوں کی نبوت میں علماء کرام کا اختلاف ہے ۔ سعیدی غفرلہٗ)، اور حضرت لقمان اور حضرت ذوالقرنین کے نبی ہونے میں اختلاف ہے ۔

''وَمَا اخۡتَلَفَ فِيۡهِ اِلَّا الَّذِيۡنَ اُوۡتُوۡهُ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُمُ الۡبَيِّنٰتُ بَغۡيًاۢ بَيۡنَهُمۡ'': ان کا آپس میں اختلاف یہ تھا کہ انہوں نے ایک دوسرے کی تکذیب کی اور دنیا کے معاوضہ کے لالچ میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نعوت کو چھپایا۔

''فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لِمَا اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ'': اس اختلاف کی ایک تفسیر یہ ہے کہ ان میں سے بعض لوگ مشرق کی طرف مونہہ کر کے نماز پڑھتے تھے اور بعض لوگ مغرب کی طرف مونہہ کر کے نماز پڑھتے تھے، سو اللہ تعالیٰ نے ہم کو کعبہ کی طرف مونہہ کر کے نماز پڑھنے کی ہدایت عطا فرمائی ۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ لوگوں نے روزہ رکھنے کے دن میں اختلاف کیا تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں رمضان کے مہینہ میں روزہ رکھنے کی ہدایت عطا فرمائی ۔ تیسری تفسیر یہ ہے کہ عبادت کے مخصوص دن کے متعلق لوگوں نے اختلاف کیا، یہود نے ہفتہ کا دن مقرر کیا اور نصاریٰ نے اتوار کا دن مقرر کیا، سو اللہ تعالیٰ نے ہمیں الجمعہ کے دن کی ہدایت عطا فرمائی ۔ چوتھی تفسیر یہ ہے کہ لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق اختلاف کیا، یہود نے کہا کہ حضرت ابراہیم یہودی تھے اور نصاریٰ نے کہا کہ وہ نصرانی تھے تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت دی کہ حضرت ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی ۔ (فتح الرحمٰن ج ۱ ص ۲۹۷ ۔ ۲۹۹، دار النوادر، الکویت، ۱۴۳۲ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے مسلمانو!) کیا تم نے جنت میں داخل ہونے کا گمان کر لیا ہے حالانکہ ابھی تک تم پر تم سے پہلے لوگوں کی مثل مصیبتیں نہیں آئیں، اُن پر سختیاں اور تکلیفیں آئیں اور ان کو جھنجوڑ ڈالا گیا حتیٰ کہ رسول اور اُن پر ایمان لانے والوں نے کہا: اللہ کی مدد کب آئے گی؟ سنو! بے شک اللہ کی مدد قریب ہے ○'' (البقرہ:۲۱۴)

امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ البقرہ:۲۱۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَلَمَّا يَاۡتِكُمۡ مَّثَلُ الَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِكُمۡ ؕ مَسَّتۡهُمُ الۡبَاۡسَآءُ وَالضَّرَّآءُ'': قتادہ نے بیان کیا ہے کہ غزوۂ احزاب میں صحابہ پر جو مصائب اور تنگیاں آئیں تو وہ گھبرا گئے، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی ۔ عطاء نے بیان کیا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب مدینہ میں تشریف لائے تو وہاں پر تنگی اور تکلیف (صحابہ کرام کو) بہت سخت لگی، تب یہ

آیت نازل ہوئی۔

''وَزُلۡزِلُوۡا حَتّٰى يَقُوۡلَ الرَّسُوۡلُ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ مَتٰى نَصۡرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصۡرَ اللّٰهِ قَرِيۡبٌ ○ '': زَلۡزَلَ کا لغوی معنی ہے: کسی چیز کا اپنی جگہ سے پھسل جانا اور ہلنا۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ گزشتہ امتوں پر اتنے زیادہ شدید مصائب آئے کہ انہوں نے یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد آنے میں تاخیر ہوگئی ہے تو انہوں نے کہا: اللہ کی مدد کب آئے گی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سنو! بے شک اللہ کی مدد قریب ہے۔

(زاد المسیر ج ۱ ص ۱۷۸۔۱۷۹، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

گزشتہ امتوں پر شدید سخت امتحانات اور مصائب نازل ہونے کے متعلق صحیح حدیث

حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے (مصائب کی) شکایت کی، اس وقت آپ کعبہ کے سائے میں اپنی چادر سے ٹیک لگائے ہوئے تھے، ہم نے آپ سے عرض کیا: کیا آپ ہمارے لیے اللہ سے مدد نہیں طلب کرتے، کیا آپ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا: تم سے پہلی امتوں میں ایک مرد کے لیے زمین میں گڑھا کھود دیا جاتا اور اس کو اس گڑھے میں ڈال دیا جاتا، پھر اس کے سر کے اوپر آری رکھ کر اس کو کاٹ کے دو ٹکڑے کر دیے جاتے اور یہ مصیبت بھی اس کو اس کے دین سے روگرداں نہیں کرتی تھی اور اُس کے گوشت، ہڈی اور پٹھوں میں لوہے کی کنگھی گھسا کر چلائی جاتی تھی اور یہ تکلیف بھی اس کو اس کے دین سے روگرداں نہیں کرتی تھی اور اللہ کی قسم! اللہ ضرور امن کو برپا فرمائے گا حتیٰ کہ ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک کا سفر کرے گا اور وہ اللہ کے سوا اور کسی سے نہیں ڈرے گا، یا فرمایا: نہ اسے اپنی بکریوں پر بھیڑیے کا خوف ہوگا لیکن تم لوگ جلدی کرتے ہو۔

(صحیح البخاری: ۳۶۱۲، مسند احمد: ۲۱۰۵۷، مسند الحمیدی: ۱۵۷، سنن ابوداؤد: ۲۶۴۹، سنن الکبریٰ للنسائی: ۵۸۹۳، مسند ابویعلیٰ: ۷۲۱۳، الطبرانی: ۳۶۳۹، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۴۴، سنن بیہقی، ج ۹ ص ۵، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۳۱۵، اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۱۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے، آپ نے تین راتیں مسلسل گندم کی روٹی نہیں کھائی حتیٰ کہ آپ کی وفات ہوگئی۔ (صحیح البخاری: ۵۴۱۶، صحیح مسلم: ۲۹۷۰، سنن نسائی: ۴۴۳۲، سنن ابن ماجہ: ۳۳۴۴، مسند احمد: ۲۳۶۳۱)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) مسلمان آپ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟ آپ کہیے کہ: تم جو بھی (بہ طورِ احسان) مال خرچ کرو تو اپنے ماں باپ کے لیے اور رشتہ داروں کے لیے اور یتیموں کے لیے اور مسکینوں کے لیے اور مسافروں کے لیے (خرچ کرو) اور تم جو بھی نیکی کرتے ہو تو بے شک اللہ اُسے خوب جاننے والے ہیں ○'' (البقرہ: ۲۱۵)

قاضی ابوسعود محمد بن محمد بن مصطفیٰ العمادی الحنفی المتوفی ۹۸۲ھ البقرہ: ۲۱۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''يَسۡـَٔلُوۡنَكَ مَاذَا يُنۡفِقُوۡنَ '': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ آپ کی خدمت میں حضرت عمرو بن الجموح حاضر ہوئے اور وہ بوڑھے آدمی تھے اور ان کے پاس مال بہت تھا تو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم اپنے اموال میں سے کیا خرچ کریں

اور کہاں رکھیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر ابو سعود ج ۱ ص ۲۶۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے مسلمانو!) تم پر (اللہ کی راہ میں) جہاد فرض فرمادیا گیا ہے حالانکہ وہ (طبعاً) تم پر دشوار ہے اور ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو دشوار سمجھو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو بہتر سمجھو اور وہ تمہارے حق میں خراب ہو، اور اللہ ہی (سب کچھ) جاننے والے ہیں اور تم نہیں جانتے O'' (البقرہ:۲۱۶)

امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، البقرہ:۲۱۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ'': یعنی تم پر جہاد فرض فرمایا گیا ہے، اس آیت کے حکم میں علماء کا اختلاف ہے: عطاء بن ابی رباح نے کہا ہے: جہاد نفل ہے اور اس آیت میں مخاطبین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب ہیں نہ کہ دوسرے، ثوری کا بھی یہی مذہب ہے، ان کا استدلال اس آیت سے ہے:

فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى (النساء:۹۵)

جو لوگ اپنی جانوں اور اپنے مالوں کے ساتھ جہاد کرتے ہیں ان کو اللہ نے (جہاد سے) بیٹھے رہنے والوں پر ایک درجہ فضیلت عطا فرمائی ہے اور سب سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے۔

ثوری کے استدلال کی تقریر یہ ہے کہ اگر جہاد فرض ہوتا تو جہاد سے بیٹھے رہنے والوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا وعدہ نہ فرماتا، کیونکہ فرض کا ترک تو گناہِ کبیرہ اور موجبِ عذاب ہے۔ اور دوسرے علماء نے کہا کہ تمام مسلمانوں پر قیامت تک کے لیے جہاد فرض ہے، کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص فوت ہوگیا اور اس نے جہاد نہیں کیا اور نہ اس کے دل میں جہاد کی خواہش ہوئی تو وہ نفاق کی ایک گھاٹی پر مرا۔ ابن سہم نے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن المبارک نے کہا: ہماری رائے میں جہاد کا فرض ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہدِ مبارک میں تھا۔

(صحیح مسلم: ۱۹۱۰، سنن ابوداؤد: ۲۵۰۲، سنن نسائی: ۳۰۹۷، مسند احمد ۸۸۷۴، شرح السنہ ج ۵ ص ۲۳، المستدرک ج ۲ ص ۷۹، حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۶۰، تاریخ بغداد ج ۲ ص ۴۴۳، سنن بیہقی ج ۹ ص ۴۸، شعب الایمان للبیہقی: ۴۲۲۳)

ایک قوم نے کہا ہے کہ یہی جمہور کا موقف ہے کہ جہاد فرضِ کفایہ ہے، جب بعض لوگ جہاد کرلیں تو دوسرے بعض مسلمانوں سے جہاد کی فرضیت ساقط ہوجاتی ہے جیسے نمازِ جنازہ اور سلام کا جواب دینا، الزہری اور الاوزاعی نے کہا: کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر جہاد کو فرض کردیا خواہ وہ جہاد کریں یا بیٹھے رہیں، پس جس نے جہاد کیا تو فبہا اور جو بیٹھا رہا تو وہ اس کے لیے تیار رہے کہ اگر اس سے مدد طلب کی گئی تو مدد کرے گا اور اگر اسے جہاد کے لیے بلایا گیا تو وہ جائے گا اور اگر اس سے استغناء برتا رہا تو وہ بیٹھ جائے گا۔

ہمارے دور میں مسلمانوں پر صرف دفاعی جہاد کا فرض ہونا اور اقدامی جہاد کا فرض نہ ہونا

میں کہتا ہوں: جہاد کی دو قسمیں ہیں: جہادِ دفاعی اور جہادِ اقدامی، جہادِ دفاعی کا معنی یہ ہے کہ جب کوئی کافر ملک مسلمانوں کے ملک پر حملہ کرے تو مسلمان اس کے دفاع کے لیے کفار کے خلاف جہاد کریں، یہ جہاد ہر مسلمان پر فرض ہے، اور جب حاکمِ اسلام

مسلمانوں کو اسلام کی سرحدوں کی حفاظت کے لیے بلائے تو ہر مسلمان پر اس کی دعوت کو لبیک کہنا واجب ہے، یہ جہاد فرضِ عین ہے خواہ مسلمانوں میں کفار سے مقابلہ کی طاقت ہو یا نہ ہو، خواہ وہ سب اس جہاد کے نتیجہ میں ہلاک ہو جائیں تب بھی ان سے جہاد کی فرضیت ساقط نہیں ہوگی۔ اور جہاد کی دوسری قسم جہادِ اقدامی ہے یعنی کسی کافر ملک پر تبلیغِ اسلام کے لیے حملہ کرنا اور ان سے یہ کہنا کہ یا تو اسلام قبول کر و یا جزیہ دینا قبول کر و ورنہ پھر ہم تم سے جنگ کریں گے، یہ جہادِ اقدامی ہے اور یہ جہاد مسلمانوں پر اس وقت فرض ہے جب ان کے پاس اتنی طاقت ہو کہ وہ دشمن کو مغلوب کر سکیں اور اگر ان کے پاس اتنی طاقت نہ ہو بلکہ ظنِ غالب یہ ہو کہ اگر انہوں نے کفار پر حملہ کیا تو وہ سب کے سب مارے جائیں گے جیسے آج کل کافر ممالک امریکا، روس، برطانیہ، فرانس، چین اور بھارت ہیں، یہ سب جنگ کی جدید ٹیکنالوجی میں مسلمان ممالک سے بہت آگے ہیں، اس زمانہ میں تیروں، تلواروں اور ڈنڈوں سے لڑائی نہیں ہوتی، اس دور میں میزائلوں سے اور تیز ترین لڑاکا طیاروں اور جدید مُہلک ہتھیاروں سے جنگ ہوتی ہے، اب دشمن ممالک نے ایٹمی آبدوزیں، ایٹمی جنگی جہاز، دیوہیکل ایٹمی ٹینک، ایٹمی میزائل، ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم اور اس سے بھی زیادہ مہلک اقسام کے بم ایجاد کر لیے ہیں، اور ان ممالک سے جنگ کا نتیجہ سوائے مسلمانوں کی ذلت اور پسپائی کے اور کچھ نہیں ہے، حدیث میں ہے:

''عن حذیفة رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا ینبغی للمومن ان یذل نفسه، قالو: وکیف یذل نفسه؟ قال: یتعرض من البلاء لما لا یطیق'' (حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کے لیے یہ سزاوار نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل کرے، صحابہ نے پوچھا: مومن اپنے آپ کو کیسے ذلیل کرے گا؟ آپ نے فرمایا: وہ ایسی مصیبت کے درپے ہو جس کی وہ طاقت نہیں رکھتا)۔ (سنن ترمذی: ۲۲۵۴، مسند احمد: ۲۲۹۳۴، ج ۵ ص ۴۰۵، سنن ابن ماجہ: ۴۰۱۶، مسند البزار: ۲۷۹۰، مسند الشہاب: ۸۶۶، شعب الایمان للبیہقی: ۱۰۸۲۴، البغوی: ۳۶۰۱، الکامل لابن عدی ج ۶: ۲۳۰۷، مسند ابویعلی: ۱۴۱۱، مصنف عبدالرزاق: ۲۰۷۲۱، کشف الاستار: ۳۳۲۳، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۳۵۰۷، المعجم الاوسط للطبرانی: ۵۳۵۳، مجمع البحرین: ۴۴۰۳، تاریخ بغداد ج ۸ ص ۴۷۵)

لہٰذا اس دور میں مسلمانوں پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ تبلیغِ اسلام کے لیے کافر ممالک پر حملہ کریں، کیونکہ اب اُن کے پاس جنگ کی ایسی ٹیکنالوجی اور ایسے ایٹمی ہتھیار نہیں ہیں جن سے وہ دشمن کو مغلوب کر سکیں بلکہ اگر دشمن سے جنگ ہو تو غالب گمان یہ ہے کہ مسلمان شکست کھا جائیں گے، جیسے مصر اسرائیل کے خلاف حملہ میں شکست کھا گیا اور جس طرح عراق میں مسلمان صدام حسین کی قیادت میں امریکا اور اس کے حلیفوں کے مقابلہ میں شکست کھا گئے اور جب زمینی جنگ ہوئی تو وہ دو دن بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکے۔

دریں حالات ہم یہ کہتے ہیں کہ اب مسلمانوں پر اقدامی جہاد فرض نہیں ہے، البتہ دفاعی جہاد ضرور فرض ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ

اسْتَطَاعُوْا ؕ وَ مَنْ یَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَیَمُتْ وَ هُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓىٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ وَ اُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾

(اے رسولِ اکرم!) لوگ آپ سے ماہِ حرام (یعنی ماہِ رجب) میں قتال کرنے کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ کہیے: اس ماہ میں قتال کرنا بہت بڑا گناہ ہے اور اللہ کے دین (پر ایمان لانے سے لوگوں کو) روکنا اور اللہ کا کفر کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور مسجدِ حرام (یعنی مکہ) میں رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے، اور فتنہ کفر، ارتکابِ قتل سے زیادہ سنگین ہے، اور (اے مسلمانو!) کفار تم سے ہمیشہ جنگ کرتے رہیں گے حتیٰ کہ اگر ان کا بس چلے تو تم کو تمہارے دین سے برگشتہ کردیں اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر گیا (یعنی مرتد ہوگیا) اور حالتِ کفر میں ہی مر گیا تو ایسے لوگوں کے (نیک) اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہوگئے اور یہی لوگ دوزخ والے ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں ○

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓىٕكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۱۸﴾

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جن لوگوں نے (اللہ کی راہ میں) ہجرت کی اور جن لوگوں نے اللہ کے دین (کی سربلندی) کے لیے جہاد کیا، یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اللہ بہت بخشنے والے، بے حد رحم فرمانے والے ہیں ○

یَسْــٴَـلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ ؕ قُلْ فِیْهِمَاۤ اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَ اِثْمُهُمَاۤ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ وَ یَسْــٴَـلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ۬ؕ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾ۙ

(اے رسولِ اکرم!) لوگ آپ سے شراب اور جوئے کا (شرعی) حکم معلوم کرتے ہیں، آپ کہیے: ان دونوں کاموں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے چند فوائد بھی ہیں اور ان دونوں کاموں کا گناہ ان کے (ظاہری) فوائد کی بہ نسبت بہت بڑا ہے، اور (اے رسولِ اکرم!) لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟ آپ کہیے: جو مال (تمہاری ضرورت سے) زائد اور فاضل ہو (اس کو خرچ کرو)، اسی طرح اللہ تمہارے لیے (اپنے) احکام وضاحت سے بیان فرماتے ہیں تاکہ تم غور و فکر سے کام لو ○

فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ؕ وَ یَسْــٴَـلُوْنَكَ عَنِ الْیَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَیْرٌ ؕ وَ اِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۲۰﴾

دنیا اور آخرت کے کاموں میں (غور وفکر کرو)، اور (اے رسولِ اکرم!) لوگ آپ سے یتیموں کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ کہیے: ان کے اموال میں مصلحت سے کام لینا بہتر ہے، اگر تم ان کے اموال کو اپنے اموال کے ساتھ ملا لو تو وہ تمہارے (دینی) بھائی ہی ہیں، اور اللہ اُن کے اموال میں بے محل خرچ کرنے والوں کو اُن سے جُدا جانتے ہیں جو اُن کے اموال میں مصلحت سے کام لیتے ہیں، اور اگر اللہ چاہتے تو وہ ضرور تم کو مشکل میں ڈال دیتے، بے شک اللہ بہت غالب بے حد حکمت والے ہیں O

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾

اور (اے مسلمانو!) شرک کرنے والی عورتوں سے نکاح نہ کرو حتیٰ کہ وہ (اللہ کی توحید پر) ایمان لے آئیں، اور ایمان والی باندی شرک کرنے والی (آزاد عورت) سے ضرور بہتر ہے خواہ وہ تمہیں اچھی لگتی ہو، اور شرک کرنے والے مردوں سے (توحید پر ایمان رکھنے والی عورتوں کا) نکاح نہ کرو حتیٰ کہ وہ مشرکین ایمان لے آئیں، اور توحید پر ایمان رکھنے والا غلام شرک کرنے والے (آزاد مرد) سے بہتر ہے خواہ وہ تمہیں مشرک اچھا لگتا ہو، وہ (مشرکین) دوزخ کی آگ کی دعوت دیتے ہیں اور اللہ اپنے حکم سے جنت اور مغفرت کی دعوت دیتے ہیں، اور لوگوں کے لیے اپنے احکام وضاحت سے بیان فرماتے ہیں تا کہ لوگ نصیحت حاصل کریں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) لوگ آپ سے ماہِ حرام (یعنی ماہِ رجب) میں قتال کرنے کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ کہیے: اس ماہ میں قتال کرنا بہت بڑا گناہ ہے اور اللہ کے دین (پر ایمان لانے سے لوگوں کو) روکنا اور اللہ کا کفر کرنا اور مسجدِ حرام سے روکنا اور مسجدِ حرام (یعنی مکہ) میں رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے، اور فتنۂ کفر، ارتکابِ قتل سے زیادہ سنگین ہے، اور (اے مسلمانو!) کفار تم سے ہمیشہ جنگ کرتے رہیں گے حتیٰ کہ اگر ان کا بس چلے تو تم کو تمہارے دین سے برگشتہ کر دیں اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر گیا (یعنی مرتد ہو گیا) اور حالتِ کفر میں ہی مر گیا تو ایسے لوگوں کے (نیک) اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے اور یہی لوگ دوزخ والے ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں O'' (البقرہ: ۲۱۷)

البقرہ: ۲۱۷ کا شانِ نزول اور مسلمانوں کا مغالطہ سے عمرو بن الحضرمی کو رجب کے مہینہ میں قتل کر دینا

علامہ ابوالمظفر منصور بن محمد السمعانی المروزی الشافعی المتوفی ۴۸۹ھ البقرہ: ۲۱۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۤ وَ اِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ '': عروہ بن زبیر نے اس آیت کے سببِ نزول میں بیان کیا کہ نبی ﷺ نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو آٹھ اصحاب (۱) حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ، (۲) حضرت عکاشہ بن محصن (۳) حضرت عتبہ بن غزوان، (۴) حضرت سہیل بن بیضاء الفہری، (۵) حضرت سعد بن ابی وقاص، (۶) حضرت عامر بن ربیعہ (۷) حضرت واقد بن عبداللہ التمیمی، (۸) حضرت خالد بن بکیر اللیثی (رضی اللہ عنہم) کے ساتھ مکہ کی طرف بھیجا اور ایک مکتوب اُن کے حوالہ کیا اور فرمایا: اس مکتوب کو دو دن بعد کھول کر دیکھنا، پس جب دو دن گزر گئے تو انہوں نے اس مکتوب کو کھول کر دیکھا سو اس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ تم ''بطن النخل'' کی طرف روانہ ہو اور کفار کی جاسوسی کرو، سو یہ صحابہ وہاں پر پہنچ گئے، پس ان کے قریب سے طائف کا ایک قافلہ گزرا جس کا امیر عمرو بن الحضرمی تھا، ان کے پاس کشمش اور تجارتی سامان تھا، مسلمانوں میں سے کسی ایک شخص نے عمرو بن الحضرمی کو تیر مار کر قتل کر دیا اور مشرکین میں سے عثمان بن عبداللہ اور الحکم بن کیسان کو گرفتار کر لیا، پھر وہ لوگ اس قافلہ کا سامان اور دو قیدیوں کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے اپنے اصحاب سے کہا: اس مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ رسول اللہ ﷺ کے لیے نکال لو اور یہ اسلام میں پہلا خمس تھا، پھر قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی: ''وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ۔۔ (الانفال: ۴۱)'' (اور اے مسلمانو! یاد رکھو کہ تم مالِ غنیمت میں سے جو کچھ حاصل کرو تو اس میں سے پانچواں حصہ اللہ کے لیے اور رسول کے لیے اور (رسول کے) قرابت داروں کے لیے اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے) پس اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے اس عمل کو قبول فرما لیا اور اس عمل کو پسند فرما لیا اور قیامت تک امت کے لیے اس کو سنت قرار دے دیا، اور یہ اسلام میں پہلا مالِ غنیمت تھا، اور حضرت عبداللہ بن جحش پہلے امیر تھے اور عمرو بن الحضرمی اسلام میں پہلا مقتول تھا، رسول اللہ ﷺ نے حرمت والے مہینے میں ابن حضرمی کے قتل کو ناپسند فرمایا تو وہ صحابہ نادم ہوئے اور تب یہ آیت نازل ہوئی: ''يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ۔۔۔''۔ یعنی تم نے جو حرمت والے مہینے میں عمرو بن الحضرمی کو قتل کیا ہے، ہر چند کہ یہ بہت سنگین کام ہے (صحابہ نے یکم رجب کو غلط فہمی سے ابن الحضرمی کو قتل کیا تھا، ان کا خیال تھا کہ ابھی جمادی الثانی کی تیس تاریخ ہے حالانکہ رجب کا ہلال طلوع ہو چکا تھا اور حرمت والا مہینہ شروع ہو چکا تھا) لیکن مشرکین کے کام یعنی لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے روکنا اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا کفر کرنا اور مکہ سے مسلمانوں کو نکالنا، یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ سنگین کام ہیں اور فتنۂ کفر ارتکاب قتل سے زیادہ سنگین جرم ہے، کیونکہ بعض صورتوں میں قتل کرنا مباح ہوتا ہے مثلاً قصاص میں قتل کرنا لیکن کفر کرنا تو کسی صورت میں بھی مباح نہیں ہے، اس لیے وہ زیادہ سنگین جرم ہے۔

''وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا'': یعنی مشرکین ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے اور اگر ان کا بس چلے تو تم کو تمہارے دین سے برگشتہ کر دیں گے۔

''وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ'': جو شخص مرتد ہو کر مر جائے تو اسلام میں اس کے کیے ہوئے نیک کام ضائع ہو جاتے ہیں اور آخرت میں وہ ثواب سے محروم ہو جاتا ہے، امام شافعی نے

اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ ارتداد سے اس وقت تک عمل ضائع نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اسی ارتداد پر مر نہ جائے، ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اعمال کے ضائع ہونے کو نفسِ ارتداد پر موقوف فرمایا ہے، نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَمَنْ یَّكْفُرْ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ۔۔۔ (المائدہ: ۵)'' (اور جس نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا تو بے شک اس کا عمل ضائع ہو گیا)۔

(الطبری ج ۲ ص ۲۰۲۔۲۰۳، مسند ابویعلیٰ: ۱۵۳۴، الطبرانی: ۱۶۷۰، سنن بیہقی ج ۹ ص ۱۱۔۱۲)

(تفسیر القرآن للسمعانی ج ۱ ص ۲۱۶۔۲۱۷، موضحاً و مخرجاً، دار الوطن، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جن لوگوں نے (اللہ کی راہ میں) ہجرت کی اور جن لوگوں نے اللہ کے دین (کی سربلندی کے لیے) جہاد کیا، یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اللہ بہت بخشنے والے، بے حد رحم فرمانے والے ہیں O'' (البقرہ: ۲۱۸)

علامہ السید محمود الآلوسی البغدادی الحنفی المتوفی ۱۲۷۰ھ البقرہ: ۲۱۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ'': یعنی جو مومنین ہجرت اور جہاد کے ساتھ متصف ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہیں، زہری نے روایت کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے لشکر کو غم سے نکالا اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب کے حصول کے امیدوار ہوئے سو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! کیا ہم یہ توقع رکھیں کہ ہم جس غزوہ میں شریک ہوں گے تو اس میں ہم کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کا ثواب عطا فرمایا جائے گا، پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا۔۔''

(روح المعانی ج ۱ ص ۱۶۸، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) لوگ آپ سے شراب اور جوئے کا (شرعی) حکم معلوم کرتے ہیں، آپ کہیے: ان دونوں کاموں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے چند فوائد بھی ہیں اور ان دونوں کاموں کا گناہ ان کے (ظاہری) فوائد کی بہ نسبت بہت بڑا ہے، اور (اے رسولِ اکرم!) لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟ آپ کہیے: جو مال (تمہاری ضرورت سے) زائد اور فاضل ہو (اس کو خرچ کرو)، اسی طرح اللہ تمہارے لیے (اپنے) احکام وضاحت سے بیان فرماتے ہیں تا کہ تم غور و فکر سے کام لو O'' (البقرہ: ۲۱۹)

البقرہ: ۲۱۹ کا شانِ نزول اور شراب کو تدریجاً حرام قرار دینا

''یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ ؕ قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ'':

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب الخمر کی تحریم نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دعا کی: اے اللہ! ہمارے لیے الخمر کے متعلق شافی بیان فرما دے تو سورۃ البقرہ کی آیت نازل ہوئی: ''یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ ؕ قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ''۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا اور ان پر اس آیت کی تلاوت کی گئی تو انہوں نے پھر دعا کی: اے اللہ! ہمارے لیے

خمر کے متعلق شافی بیان فرمادے، تو پھر سورۃ النساء کی یہ آیت نازل ہوئی: "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَ اَنْتُمْ سُکٰرٰی۔۔ (النساء: ۴۳)" (اے ایمان والو! حالتِ نشہ میں نماز کے قریب نہ جاؤ)۔ تب جب نماز کی اقامت کہی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے منادی نے یہ نداء کی: سنو! جو شخص نشہ میں ہو وہ نماز کے قریب نہ جائے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا اور ان پر اس آیت کی تلاوت کی گئی، تب انہوں نے پھر دعا کی: اے اللہ! ہمارے لیے خمر کے متعلق شافی بیان فرمادے، پھر یہ آیت نازل ہوئی: "فَھَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَھُوْنَ (المائدہ: ۹۱)" (پس کیا تم شراب سے باز آنے والے ہو؟) تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم باز آگئے۔

(سنن ابوداؤد: ۳۶۷۰، سنن ترمذی: ۳۰۴۹، سنن نسائی: ۵۵۵۵، مسند احمد: ۳۸۰، ج ۱ ص ۵۳، المستدرک ج ۲ ص ۲۷۸، سنن بیہقی ج ۱ ص ۵۳)

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی المتوفی ۷۱۰ھ البقرہ: ۲۱۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

الخمر کے متعلق چار آیات نازل ہوئی ہیں، مکہ میں یہ آیت نازل ہوئی: "وَ مِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِیْلِ وَ الْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَکَرًا (النحل: ۶۷)" (اور کھجور اور انگور کے بعض پھلوں سے تم نشہ آور مشروب تیار کرتے ہو)، پس مسلمان کھجوروں اور انگوروں کی شرابوں کو پیتے تھے اور یہ ان کے لیے حلال تھیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور صحابہ کی ایک جماعت نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ہمیں خمر کا شرعی حکم بتائیں کیونکہ یہ عقل کو لے جانے والی ہے اور مال کو چھیننے والی ہے، تب یہ آیت نازل ہوئی: "یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ۔۔۔ (البقرہ: ۲۱۹)" پھر بھی بعض مسلمان شراب پیتے رہے اور دوسرے بعض مسلمانوں نے شراب پینے کو ترک کر دیا، پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ایک جماعت کی دعوت کی، سو انہوں نے شراب پی اور ان کو نشہ ہو گیا، پھر اُن میں سے کسی نے نماز پڑھائی اور نماز میں پڑھا "قُل یایھا الکافرون ○ اعبد ما تعبدون ○" (آپ کہیے اے کافرو ○ میں اس کی عبادت کرتا ہوں جس کی تم عبادت کرتے ہو)، تب یہ آیت نازل ہوئی: "لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَ اَنْتُمْ سُکٰرٰی۔۔۔ (النساء: ۴۳)"، سو شراب پینے والے کم ہو گئے، پھر حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ نے ایک جماعت کی دعوت کی، پس جب ان کو شراب پینے سے نشہ ہو گیا تو وہ ایک دوسرے سے لڑے اور ایک دوسرے کو مارا پیٹا، تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دعا کی: اے اللہ! الخمر کے متعلق ہمیں شافی بیان فرمادے، تب یہ آیت نازل ہوئی: "فَھَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَھُوْنَ (المائدہ: ۹۱)"۔

"الخمر" کا شدت سے حرام ہونا اور "الخمر" کا لغوی اور اصطلاحی معنی

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں: اگر شراب کا ایک قطرہ کسی کنویں میں گر جائے پھر اس کا پانی خشک ہو جائے اور وہاں پر مسجد کا مینار بنا دیا جائے تو میں اس مینار پر اذان نہیں دوں گا، اور اگر شراب کا ایک قطرہ سمندر میں ڈال دیا جائے، پھر سمندر خشک ہو جائے اور وہاں پر گھاس اُگ آئے تو میں اس گھاس میں اپنے جانوروں کو نہیں چراؤں گا۔

"الخمر" کا لغوی معنی ڈھانپنا ہے اور شراب کو خمر اس لیے کہتے ہیں کہ یہ عقل کو ڈھانپ لیتی ہے اور فقہی اصطلاح میں "الخمر" انگور کے اس کچے شیرے کو کہتے ہیں جو پڑے پڑے گاڑھا ہو کر سڑ جائے اور بدبودار جائے اور اس میں جھاگ پیدا ہو جائے، پھر اس کے پینے سے نشہ ہو جاتا ہے (اس کا ایک قطرہ پینا بھی نجس ہے اور حرام ہے اور حد کا موجب ہے)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ہر وہ مشروب جو نشہ آور ہو وہ حرام ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۴۲، صحیح مسلم: ۲۰۰۱، سنن ترمذی: ۱۸۶۳، سنن نسائی: ۵۵۹۱، سنن ابوداؤد: ۳۶۸۲، سنن ابن ماجہ: ۳۳۸۶، مسند احمد:

۵۶۲ ۲۳، موطا امام مالک: ۱۵۹۵، سنن دارمی: ۹۷)

''المیسر'' کا لغوی اور اصطلاحی معنی

''المیسر'' کا لفظ یُسر سے بنا ہے جس کے معنی آسانی ہے اور فقہی اصطلاح میں ''المیسر'' ہر اُس کھیل کو کہتے ہیں جس میں یہ شرط رکھی جائے کہ ہارنے والا جیتنے والے کو طے شدہ معین رقم ادا کرے گا، پس جس کھیل میں بھی یہ شرط رکھی جائے خواہ وہ شطرنج ہو، چوسر ہو، ڈبو ہو، تاش کا کوئی کھیل ہو، یا ریس میں دوڑنے والے کسی گھوڑے پر یہ شرط لگائی جائے کہ یہ سب سے آگے نکل جائے گا اور جس کا معین کردہ گھوڑا آگے نکل گیا وہ جیت جاتا ہے اور اس کا مقابل ہار جاتا ہے اور ہارنے والا جیتنے والے کو طے شدہ رقم ادا کرتا ہے، جوئے کو اس لیے حرام قرار دیا گیا ہے کہ اس میں ایک شخص دوسرے کا مال بغیر عوض کے آسانی سے حاصل کرتا ہے۔

''قُلْ فِیْهِمَاۤ اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ'': شراب اور جوئے میں بہت گناہ ہے، کیونکہ شراب اور جوئے کے عوض لوگ ایک دوسرے سے لڑتے ہیں، ایک دوسرے کو گالیاں دیتے ہیں، فحش کلام کرتے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں، اور اس میں جو ظاہری نفع ہے وہ شراب پینے کی لذت ہے اور جوئے میں بغیر مشقت کے آسانی سے مال کا حصول ہے۔

''وَ یَسْـٴَـلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ﱟ قُلِ الْعَفْوَ'': عفو کا معنی ہے: ضرورت سے زائد، یعنی جو مال تمہاری ضرورت سے زائد ہو اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو، ابتداءِ اسلام میں ضرورت سے زائد مال کو خرچ کرنا فرض تھا، پس جب کسی شخص کے کھیت ہوتے تو وہ اپنے ایک سال کے خرچ کا غلّہ اپنے پاس رکھ لیتا اور باقی زائد غلّے کو صدقہ کر دیتا، اور جو شخص مزدوری کرتا تھا وہ ایک دن کی مزدوری میں سے اپنی ضرورت کے مطابق پیسوں کو رکھ لیتا اور باقی کو صدقہ کر دیتا تھا، پھر جب زکوٰۃ کے احکام نازل ہوئے اور یہ فرض کیا گیا کہ صاحبِ نصاب شخص اپنی ایک سال کی ضروریات پوری کرنے کے بعد اس سال کی آمدنی میں سے چالیسواں حصہ فقراء کو ادا کرے، (رمضان المبارک ۱۴۳۵ھ میں ضروریات سے فراغت کے بعد زکوٰۃ کا نصاب 38,810 روپے ہے)، سو یہ حکم منسوخ کر دیا گیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کرنے کا حکم فرمایا، پس ایک مرد نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے پاس ایک دینار ہے، آپ نے فرمایا: اس کو اپنے اوپر خرچ کرو، اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار بھی ہے، آپ نے فرمایا: اس کو اپنی اولاد پر خرچ کرو، اس نے کہا: میرے پاس اس کے علاوہ اور دینار ہے، آپ نے فرمایا: اس کو اپنی بیوی پر خرچ کرو، اس نے کہا: میرے پاس اس کے علاوہ بھی اور دینار ہے، آپ نے فرمایا: اس کو اپنے خادم پر خرچ کرو، اس نے کہا: میرے پاس اور بھی دینار ہے، آپ نے فرمایا: اس کے متعلق تم خود صاحب بصیرت ہو۔ (سنن ابوداؤد: ۱۶۹۱، سنن نسائی: ۲۵۳۴، صحیح ابن حبان: ۳۳۳۳، المستدرک ج ۱ ص ۴۱۵، سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۶۶، شرح السنہ: ۱۶۸۰)۔ (مدارک التنزیل ج ۱ ص ۱۸۲_۱۸۳، ملخصاً وملتقطاً وموضحاً ومخرجاً، دار ابن کثیر، بیروت ۱۴۳۲ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''دنیا اور آخرت کے کاموں میں (غور و فکر کرو)، اور (اے رسولِ اکرم!) لوگ آپ سے یتیموں کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ کہیے: ان کے اموال میں مصلحت سے کام لینا بہتر ہے، اگر تم ان کے اموال کو اپنے اموال کے ساتھ ملا لو تو وہ تمہارے (دینی) بھائی ہی ہیں، اور اللہ اُن کے اموال میں بے

محل خرچ کرنے والوں کو اُن سے جُدا جانتے ہیں جو اُن کے اموال میں مصلحت سے کام لیتے ہیں، اور اگر اللہ چاہتے تو وہ ضرور تم کو مشکل میں ڈال دیتے، بے شک اللہ بہت غالب بے حد حکمت والے ہیں O'' (البقرہ: ۲۲۰)

امام ابومحمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، البقرہ: ۲۲۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْیَتٰمٰى '': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی ''وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ۔۔۔ (الانعام: ۱۵۲)'' (اور اے مسلمانو!) تم بغیر اچھے طریقہ کے یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ) اور یہ آیت نازل ہوئی: ''اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا۔۔۔ (النساء: ۱۰)'' (بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں صرف آگ بھر رہے ہیں)، تب مسلمان یتیموں کے مالوں سے خرچ کرنے میں بہت زیادہ تنگ ہوئے حتیٰ کہ انہوں نے یتیموں کے مالوں کو اپنے مالوں سے الگ کر دیا اور جب یتیم کے مال سے کھانا بچ جاتا تو وہ اس کو چھوڑ دیتے اور نہ کھاتے حتیٰ کہ وہ پڑے پڑے سڑ کر خراب ہو جاتا، پھر یہ معاملہ اُن پر دشوار ہوا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: ''قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَیْرٌ'' یعنی اگر تم بغیر کسی اجرت اور معاوضہ کے ان کے اموال کی اصلاح کرو تو اس میں خیر ہے۔

''وَ اِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ '': یعنی اگر تم اپنے مالوں کو ان کے مالوں کے ساتھ ملا لو اور ان کے اخراجات اور ان کی دیگر خدمات بجالانے کے مقابلہ میں کچھ معاوضہ لو تو یہ تمہارے لیے مباح ہے۔

(معالم التنزیل ج ۱ ص ۲۸۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے مسلمانو!) شرک کرنے والی عورتوں سے نکاح نہ کرو حتیٰ کہ وہ (اللہ کی توحید پر) ایمان لے آئیں، اور ایمان والی باندی شرک کرنے والی (آزاد عورت) سے ضرور بہتر ہے خواہ وہ تمہیں اچھی لگتی ہو، اور شرک کرنے والے مردوں سے (توحید پر ایمان رکھنے والی عورتوں کا) نکاح نہ کرو حتیٰ کہ وہ مشرکین ایمان لے آئیں، اور توحید پر ایمان رکھنے والا غلام شرک کرنے والے (آزاد مرد) سے بہتر ہے خواہ تمہیں وہ مشرک اچھا لگتا ہو، وہ (مشرکین) دوزخ کی آگ کی دعوت دیتے ہیں اور اللہ اپنے حکم سے جنت اور مغفرت کی دعوت دیتا ہے، اور لوگوں کے لیے اپنے احکام وضاحت سے بیان فرماتے ہیں تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں O'' (البقرہ: ۲۲۱)

مشرک عورتوں کے ایمان لائے بغیر ان کے ساتھ نکاح کے عدم جواز کی بحث

علامہ السید محمود الآلوسی البغدادی الحنفی المتوفی ۱۲۷۰ھ البقرہ: ۲۲۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى یُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَیْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ '':

امام بخاری اور النحاس نے اپنی ناسخ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب ان سے یہ سوال کیا گیا کہ کوئی مرد

نصرانی یا یہودی عورت سے نکاح کرے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے مشرک عورتوں کو مسلمانوں پر حرام فرما دیا ہے اور میں اس سے بڑھ کر کسی ظلم کو نہیں پہچانتا کہ عورت یہ کہے کہ اس کا رب عیسیٰ ہے یا اللہ کے بندوں میں سے کوئی بندہ ہے، الامامیہ اور بعض زیدیہ کا یہی مذہب ہے اور انہوں نے ''وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ۔ (المائدہ: ۵)'' کو اس آیت سے منسوخ قرار دیا، ہر چند کہ نزول کے اعتبار سے یہ آیت مؤخر ہے۔

امام ابوداؤد نے اپنی ناسخ میں ''وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ'' کی تفسیر میں کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اہلِ کتاب کی عورتوں کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے حلال کر دیا اور مسلمان عورتوں کو ان کے مردوں پر حرام فرما دیا، اور حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ اور مجاہد متوفی ۱۰۴ھ سے بھی اسی کی مثل منقول ہے اور امام ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ھ اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا بھی یہی مذہب ہے۔ (روح المعانی ج ۲ ص ۱۷۹، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

اہلِ کتاب کے مردوں کے ساتھ مسلمانوں کی عورتوں کے نکاح کی بحث

''وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا'':

حافظ ابوالفداء اسماعیل بن کثیر القرشی الدمشقی الشافعی المتوفی ۷۷۴ھ، البقرہ: ۲۲۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی مشرکین مردوں کے ساتھ مومنات عورتوں کا نکاح نہ کرو۔ (تفسیر القرآن العظیم ج ۱ ص ۲۹۷، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

حدیثِ مرفوع اور موقوف سے محصنین اہلِ کتاب کے ساتھ نکاح کا عدم جواز

روی الحسن عن جابر قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ''نتزوج نساء اهل الكتاب ولا يتزوجون نساء نا''۔ (حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہم اہلِ کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرتے ہیں اور وہ ہماری عورتوں کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتے)۔

(تفسیر الطبری ج ۴ ص ۳۶۷، رقم الحدیث: ۴۲۲۴، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ، رواہ الشافعی فی الام ج ۵ ص ۶، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۷۲)

ڈاکٹر محمد شکیل اوج کا اس مسئلہ میں موقف

ڈاکٹر محمد شکیل اوج (ڈی لٹ) ایک آزاد خیال معاصر اسکالر ہیں اور بہت سے مُسلَّمہ مسائل میں وہ جمہور علماء اسلام کی اجماعی فکر سے منحرف ہیں، اسی وجہ سے انہیں جدید دور کے آزاد خیال حلقوں میں پذیرائی ملتی ہے، ان حلقوں کی فکر کا مرکزی نقطۂ نظر یہ ہے کہ تسلسل اور تواتر کے ساتھ جو مسائل امت میں متفق علیہ چلے آ رہے ہیں، ماضی کے علمی اثاثے سے قطعِ نظر کر کے براہِ راست قرآن کو تختۂ مشق بنایا جائے اور اسے اپنی فکر کے قالب میں ڈھال لیا جائے، بقول اقبال۔

ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق　　خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

چنانچہ مسلم خاتون کے کتابی کافر کے ساتھ نکاح کے جواز کے متعلق ڈاکٹر محمد شکیل اوج لکھتے ہیں:

سوال یہ ہے کہ جس طرح کوئی مسلمان اہلِ کتاب عورت سے از روئے قرآن نکاح کر سکتا ہے تو کیا کوئی مسلمان عورت بھی کسی کتابی سے نکاح کر سکتی ہے؟ قرآن مجید نے اس سوال کا جواب بہ ظاہر سکوت کی صورت میں دے دیا ہے، گویا قرآن کے سکوت

نے اس مسئلہ کو مجتہد فیہ کر دیا ہے جو مثبت اور منفی ہر دو طرح سے قابلِ فہم اور لائق شمول ہو سکتا ہے۔ یعنی ضروریات زمانہ کے اقتضاء سے کوئی بھی صورت اختیار کی جا سکتی ہے، بہر حال ہمیں اس سکوت کا اثباتی پہلو زیادہ قرینِ صواب لگتا ہے۔

(نسائیات: ص ۱۰۰، کلیہ معارفِ اسلامیہ جامعہ کراچی، جون ۲۰۱۲ء)

مصنف کی طرف سے ڈاکٹر محمد شکیل اوج کی دلیلِ مذکور کا پہلا جواب

قرآنِ مجید میں اللہ عزوجل نے چار محرمات کا ذکر فرمایا ہے: ''اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ (البقرہ: ۱۷۳)''، ان چار چیزوں کے علاوہ باقی حرام چیزوں کے بیان سے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سکوت فرمایا ہے، تو کیا کسی شخص کا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ چونکہ باقی حرام چیزوں کے بیان سے اللہ تعالیٰ نے سکوت فرمایا ہے تو ان میں اجتہاد کی گنجائش ہے، اور کسی حرام چیز کو کوئی مجتہد اپنے اجتہاد سے حلال قرار دے سکتا ہے تو کیا اس کا یہ کہنا صحیح ہوگا؟ اور اگر اس کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے تو پھر ڈاکٹر محمد شکیل اوج کا یہ کہنا کس طرح صحیح ہوگا کہ ''گویا قرآن کے سکوت نے اس مسئلہ کو مجتہد فیہ کر دیا ہے''۔

مصنف کی طرف سے ڈاکٹر محمد شکیل اوج کی دلیلِ مذکور کا دوسرا جواب

میں کہتا ہوں: اگر اہلِ کتاب مردوں سے مسلم خواتین کا نکاح جائز ہوتا تو اللہ عزوجل اس جواز کی ضرور تصریح فرما دیتا اور اس پر سکوت نہ فرماتا، کیونکہ حلال اور حرام کے مسئلہ میں سکوت فرمانا اور اس کو ابہام میں رکھنا قرآن مجید کا اُسلوب نہیں ہے، حدیث میں ہے: ''الحَلَالُ بَيِّنٌ وَالحَرَامُ بَيِّنٌ'' (حلال بھی غیر مبہم ہے اور حرام بھی غیر مبہم ہے)۔ (صحیح البخاری: ۵۲، صحیح مسلم: ۱۵۹۹، سنن ترمذی: ۱۲۰۵)، جب کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مشرک مردوں کے ساتھ مسلم خواتین کے نکاح کی مطلقاً ممانعت فرما دی ہے، ارشادِ باری ہے: ''وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا''۔

ڈاکٹر محمد شکیل اوج کا مشرکین کے عموم سے اہلِ کتاب کا استثناء

ڈاکٹر محمد شکیل اوج لکھتے ہیں:

یاد رہے کہ پورے قرآن مجید میں مشرکین سے مراد سوائے مشرکینِ مکہ کے کوئی اور نہیں ہے۔۔۔ آپ نے دیکھا کہ مذکورہ بالا دونوں احکام میں اہلِ کتاب کو شامل نہیں کیا گیا۔ (نسائیات: ص ۹۵)

نیز ڈاکٹر محمد شکیل اوج لکھتے ہیں:

مولانا امین احسن اصلاحی کے بہ قول ''یہ امر ملحوظ ہے کہ مشرکین اور مشرکات کا لفظ قرآن میں خاص عرب کے مشرکین اور مشرکات کے لیے بہ طورِ لقب یا عَلَم کے استعمال ہوتا ہے، دوسری قومیں جن میں شرک پایا جاتا ہے خواہ وہ اہلِ کتاب میں سے ہوں یا مشابہ اہلِ کتاب میں سے، وہ براہِ راست اس لفظ کے تحت نہیں ہیں''۔ (نسائیات ص ۹۷)

ڈاکٹر محمد شکیل اوج کی اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ ''وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا۔۔۔ (البقرہ: ۲۲۱)'' میں مشرک مردوں کے ساتھ مسلمان عورتوں کے نکاح کرنے کو منع فرمایا ہے، لہٰذا اس ممانعت میں اہلِ کتاب مرد داخل نہیں ہیں، سو اہلِ کتاب مردوں کے ساتھ مسلم خواتین کا نکاح جائز ہوگا۔

مصنف کی طرف سے ڈاکٹر محمد شکیل اوج کی دلیلِ مذکور کا جواب

میں کہتا ہوں کہ ابوبکر الاصم عبدالرحمٰن بن کیسان المتوفی ۲۲۵ھ نے لکھا ہے کہ:

اس میں اختلاف ہے کہ لفظِ مُشرک کیا کُفارِ اہلِ کتاب کو شامل ہے یا نہیں؟ ابوبکر الاصم نے یہ کہا کہ ہر وہ شخص جو آپ کی رسالت کا منکر ہو وہ مشرک ہے۔ (تفسیر ابوبکر الاصم ص ۷۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ھ)

ابوجعفر محمد بن الحسن الطوسی المتوفی ۴۶۰ھ لکھتے ہیں:

الزجاج نے ذکر کیا ہے اور وہی قوی ہے، کیونکہ جب کسی شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کفر کیا تو وہ مشرک ہو گیا۔

(التبیان فی تفسیر القرآن جز ۲ ص ۲۱۹، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بہ ابن العربی المتوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

''کل کافر بالحقیقة مشرك'' (ہر کافر حقیقت میں مشرک ہے)۔ (احکام القرآن، ج ۱ ص ۲۱۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۸ھ)

فقہاءِ تابعین کی مسلمان عورتوں کے ساتھ یہود اور نصاریٰ کے نکاح کے عدم جواز کی تصریح

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری المتوفی ۳۱۰ھ، البقرہ: ۲۲۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

قتادہ متوفی ۱۱۷ھ اور زہری متوفی ۱۵۲ھ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: ''قال: لايحل لك ان تنكح يهوديا او نصرانيا ولا مشركا من غير اهل دينك'' (یعنی اللہ عزوجل نے فرمایا: آپ کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ آپ کسی یہودی یا نصرانی یا مشرک یا جو آپ کے اہلِ دین سے نہ ہو، اس سے (مسلمان خاتون کا) نکاح کر دیں۔

نیز لکھتے ہیں: عکرمہ المتوفی ۱۰۵ھ اور الحسن البصری المتوفی ۱۱۰ھ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: ''حرم المسلمات على رجالهم يعني رجال المشركين'' (یعنی مسلمان عورتوں کو مشرکین مردوں پر حرام قرار دیا گیا ہے)۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۵۱۶، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس الرازی ابن ابی حاتم المتوفی ۳۲۷ھ لکھتے ہیں:

قتادہ نے البقرہ: ۲۲۱ کی تفسیر میں بیان کیا: ''قال: لايحل لك ان تنكح يهوديا او نصرانيا ولا مشركا من غير اهل دينك''۔ (تفسیر ابن ابی حاتم ج ۲ ص ۳۹۹، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

مفسرینِ احناف کی مسلمان عورتوں کے ساتھ یہود اور نصاریٰ کے نکاح کے عدم جواز کی تصریح

(۱) امام ابومنصور محمد بن محمد بن محمود الماتریدی الحنفی المتوفی ۳۳۳ھ ''وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''انه يدخل في ذالك الكتابي وغيره'' (اس ممانعت میں کتابی اور غیر کتابی دونوں داخل ہیں)

(تاویلات اہل السنہ ج ۲ ص ۱۲۷)

(۲) قاضی ابوسعود محمد بن محمد بن مصطفیٰ العمادی الحنفی المتوفی ۹۸۲ھ ''وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''والمراد بهم الكفار على الاطلاق لما مراى لاتزوج منهم المومنات'' (اس آیت میں مشرکین سے علی الاطلاق کفار مراد

ہیں یعنی ان کے ساتھ مومن عورتوں کا نکاح نہ کیا جائے)۔(تفسیر ابو سعود ج ۱ ص ۲۶۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

(۳) علامہ اسماعیل حقی الحنفی المتوفی ۱۱۳۷ھ "وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"ولا يحل تزويج المومنة من الكافر البتة على اختلاف انواع الكفر" (یعنی ہر قسم کے کافر سے مسلمان عورت کا نکاح جائز نہیں ہے)۔(روح البیان ج ۱ ص ۴۲۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

(۴) علامہ السید محمود الآلوسی البغدادی الحنفی المتوفی ۱۲۷۰ھ "وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اى لا تزوج الكفار من المومنات سواء كان الكافر كتابيا اوغيره" (یعنی مومن عورتوں کا کفار سے نکاح نہ کیا جائے خواہ وہ کافر اہلِ کتاب سے ہو یا نہ ہو)۔(روح المعانی ج ۲ ص ۱۸۱، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

(۵) عبد الماجد دریابادی حنفی دیوبندی متوفی ۱۹۷۷ء لکھتے ہیں:

"یعنی ہر قسم کے کافر۔قانونِ اسلام کا منکر جو کوئی جس قسم کا بھی ہو مومن خاتون اس کے نکاح میں نہیں جا سکتی ہے"۔

(تفسیر ماجدی ص ۱۱۵)

مفسرین شوافع کی مسلمان عورتوں کے ساتھ یہود اور نصاریٰ کے نکاح کے عدم جواز کی تصریح

(۱) علامہ ابو الحسن علی بن احمد الواحدی النیشاپوری الشافعی المتوفی ۴۶۸ھ "وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"لا يجوز تزويج المسلمة من المشرك بحال" (مسلمان عورت کا مشرک سے کسی حال میں نکاح کرنا جائز نہیں ہے)۔

(الوسیط ج ۱ ص ۳۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۵ھ)

(۲) امام فخر الدین محمد بن عمر الرازی الشافعی المتوفی ۶۰۶ھ "وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"فلا خلاف ههنا ان المراد به الكل وان المومنة لا يحل تزويجها من الكافر البتة على اختلاف انواع الكفرة"۔ (یہاں اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اس آیت سے مراد کُل کفار ہیں اور مسلمان عورت کا کسی قسم کے کافر سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے)۔(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۱۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

(۳) قاضی عبد اللہ بن عمر بیضاوی شیرازی شافعی متوفی ۶۸۵ھ "وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وهو على عمومه" اس کی شرح میں لکھا ہے: "اى عدم تزويج المشركين المسلمات باق على عمومه ولا يستثنى منه شيء" (یعنی مشرکین کا مسلمان عورتوں سے نکاح کا عدمِ جواز اپنے عموم پر باقی ہے اور اس سے کوئی مشرک مستثنیٰ نہیں ہے)

(انوار التنزیل و اسرار التاویل مع شرح الکازرونی ج ۱ ص ۵۰۸، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

(۴) علامہ نظام الدین الحسن بن محمد بن حسین القمی الشافی النیشاپوری المتوفی ۷۲۸ھ "وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"لا خلاف ههنا فى ان المراد به الكل وان المومنة لا يحل تزويجها من الكافر على اختلاف اقسام الكفر"۔

(تفسیر غرائب القرآن ج ۱ ص ۶۱۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

مالکی، حنبلی، شیعہ اور غیر مقلدین مفسرین کی مسلمان عورتوں کیساتھ یہود اور نصاریٰ کے نکاح کے عدم جواز کی تصریح

علامہ احمد بن محمد الصاوی المالکی المتوفی ۱۲۴۱ھ "وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''والمعنی لاتزوج الکفار ولواھل کتاب المومنات'' (یعنی مسلمان عورتوں کا کفار سے نکاح نہ کیا جائے خواہ وہ اہلِ کتاب ہوں)۔ (حاشیۃ الصاوی ج ۱ ص ۱۸۶، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ ابوحفص عمر بن علی ابن عادل الدمشقی الحنبلی المتوفی ۸۸۰ھ ''وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''ھذا بالاجماع المراد منه الکل وان المومنة لا یحل تزویجھا بکافر البتة علی اختلاف انواع الکفر'' (اس پر اجماع ہے کہ یہاں ہر قسم کے مشرک مراد ہیں اور مسلمان عورت کا کسی کافر سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے خواہ وہ کسی قسم کا کافر ہو)۔

(اللباب فی علوم الکتاب ج ۴ ص ۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

شیخ ابوعلی الفضل بن الحسن الطبرسی (الشیعہ) ''وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''معناہ ولا تنکحوا النساء المسلمات جمیع الکفار من اھل الکتاب وغیرھم حتی یومنوا''۔

(مجمع البیان ج ۱ ص ۵۶۱، انتشارات ناصر خسرو تہران، ایران ۱۳۶۵ھ)

صلاح الدین یوسف غیر مقلد ''وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''البتہ کسی مسلمان عورت کا نکاح کسی اہلِ کتاب مرد سے نہیں ہوسکتا''۔ (شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس)

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی ''وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''ولم یجز الشارع زواج المسلمة بالکتابی''۔ (تفسیر منیر ج ۲ ص ۲۹۳، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۱ھ)

بعض آزاد خیال (Liberal) مفسرین کی مسلمان عورتوں کے ساتھ یہود اور نصاریٰ کے نکاح کے عدم جواز کی تصریح

غلام احمد پرویز متوفی ۱۹۸۵ء ''وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مسلمان مرد اہلِ کتاب کی عورتوں سے شادی کر سکتے ہیں لیکن مسلمان عورتیں اہلِ کتاب کے مردوں سے شادی نہیں کر سکتیں۔

(مطالب الفرقان ج ۳ ص ۲۴۲، طلوعِ اسلام ٹرسٹ، لاہور، ۱۹۹۳ء)

امین احسن اصلاحی متوفی ۱۹۹۷ء ''المائدہ: ۵'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہی وجہ ہے کہ مسلمان مردوں کو تو کتابیات سے نکاح کی اجازت دی گئی لیکن مسلمان عورت کو کسی صورت میں بھی کسی غیر مسلم سے نکاح کی اجازت نہیں دی گئی خواہ کتابی ہو یا غیر کتابی۔ (تدبر قرآن ج ۲ ص ۴۶۶، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۲۰۱۲ء)

مسلمان عورتوں کے اہلِ کتاب کے مردوں کے ساتھ نکاح کے عدمِ جواز پر علماء اسلام کے اجماع کی تصریحات

(۱) علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی البصری الشافعی المتوفی ۴۵۰ھ ''وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''ھذا علی عمومه اجماعا، لایجوز لمسلمة ان تنکح مشرکا ابدا''۔ روی الحسن عن جابر قال: قال رسول اللہ ﷺ: ''نتزوج نساء اھل الکتاب ولا یتزوجون نساءنا''۔ (حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہم اہلِ کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرتے ہیں اور وہ ہماری عورتوں کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتے)۔ (تفسیر الطبری ج ۴ ص ۳۶۷، رقم الحدیث: ۴۲۲۴، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ، رواہ الشافعی فی الام ج ۵ ص ۶، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۷۲)

(النکت والعیون (تفسیر الماوردی) ج ۱ ص ۲۸۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

(۲) علامہ ابوالمظفر منصور بن محمد السمعانی الشافعی المتوفی ۴۸۹ھ "وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"فی هذا اجماع ان المسلمة لا تنكح من المشركين احد" (اس پر اجماع ہے کہ مسلمان عورت کا تمام مشرکین میں سے کسی کے ساتھ بھی نکاح نہیں کیا جائے گا)۔ (تفسیر القرآن للسمعانی ج ۱ ص ۲۲۳، دارالوطن، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

(۳) امام ابومحمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ "وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"هذا اجماع لا يجوز للمسلمة ان تنكح المشرك" (اس پر اجماع ہے کہ مسلمان عورت کا کسی مشرک سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے)۔ (معالم التنزیل ج ۱ ص ۲۸۴، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۰ھ)

(۴) علامہ ابومحمد عبدالحق بن عطیہ الاندلسی المعتزلی المتوفی ۵۴۱ھ "وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اجمعت الامة على ان المشرك لا يطأ المومنة بوجه، لما في ذالك من الغضاضة على دين الاسلام" (اس پر امت کا اجماع ہے کہ مشرک مومن عورت سے کسی صورت میں مباشرت نہیں کرسکتا کیونکہ اس میں دینِ اسلام کی ذلت ہے)۔

(المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز ص ۱۹۵، دار ابن حزم، بیروت، ۱۴۲۳ھ)

(۵) ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی المالکی المتوفی ۶۶۸ھ "وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اجمعت الامة على ان المشرك لا يطأ المومنة بوجه، لما في ذالك من الغضاضة على دين الاسلام"۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۶۹، دارالکتاب العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

(۶) علامہ علاؤالدین علی بن محمد المعروف بالخازن الشافعی المتوفی ۷۲۵ھ "وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وانعقد الاجماع على انه لا يجوز للمسلمة ان تتزوج بالمشرك"۔ (لباب التاویل للخازن، ج ۱ ص ۱۶۱، دارالکتب العربیہ، پشاور)

(۷) علامہ محمد بن یوسف ابوحیان الاندلسی الغرناطی المتوفی ۷۵۴ھ "وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اجمعت الامة على ان المشرك لا يطأ المومنة بوجه ما"۔ (البحر المحیط ج ۲ ص ۴۱۹، دارالفکر، بیروت)

(۸) علامہ ابوحفص عمر بن علی ابن عادل الدمشقی الحنبلی المتوفی ۸۸۰ھ "وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"هذا بالاجماع المراد منه الكل وان المومنة لا يحل تزويجها بكافر البتة على اختلاف انواع الكفر" (اس پر اجماع ہے کہ یہاں ہر قسم کے مشرک مراد ہیں اور مسلمان عورت کا کسی کافر سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے خواہ وہ کسی قسم کا کافر ہو)۔ (اللباب فی علوم الکتاب ج ۴ ص ۶۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

(۹) القاضی مجیر الدین بن محمد المقدسی الحنبلی المتوفی ۹۲۸ھ "وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"فلا يجوز تزويج مسلمة بكافر اجماعا"۔ (فتح الرحمٰن فی تفسیر القرآن ج ۱ ص ۳۱۲، دارالنوادر، لبنان، ۱۴۳۲ھ)

(۱۰) القاضی محمد ثناء اللہ المظہری الحنفی المتوفی ۱۲۲۵ھ "وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"هذه الآية محكمة لا يجوز نكاح المومنة بالمشرك كتابيا كان او غيره اجماعا" (یہ آیت محکمہ (یعنی غیر مؤوّل) ہے کہ مومن عورت کا مشرک کے ساتھ نکاح اجماعاً جائز نہیں ہے خواہ وہ مشرک کتابی ہو یا غیر کتابی ہو)۔ (تفسیر المظہری ج ۱ ص ۳۰۸)

(۱۱) محمد بن علی بن محمد الشوکانی (غیر مقلد) المتوفی ۱۲۵۰ھ "وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اجمعت الامۃ علی ان المشرك لا یطأ المومنۃ بوجه، لما فی ذالك من الغضاضۃ علی دین الاسلام"۔

(فتح القدیر ج ۱ ص ۳۹۲، دار الوفاء، ریاض ۱۴۱۸ھ)

(۱۲) نواب صدیق بن حسن بھوپالی (غیر مقلد) المتوفی ۱۳۰۷ھ "وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اجمعت الامۃ علی ان المشرك لا یطأ المومنۃ بوجه، لما فی ذالك من الغضاضۃ علی دین الاسلام"۔

(فتح البیان فی مقاصد القرآن ج ۱ ص ۳۱۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۰)

ڈاکٹر محمد شکیل اوج سے مصنف کی دردمندانہ اپیل

قرآنِ مجید، مستند حدیث، آثارِ صحابہ، فقہاء تابعین اور ہر مذہب و مسلک کے مفسرین اور علمائے اسلام کے اجماع کے حوالہ جات سے آفتاب سے روشن تر ثابت ہو گیا کہ مسلمان عورتوں کا اہلِ کتاب کے مردوں سے نکاح جائز نہیں ہے، لہٰذا میں ڈاکٹر محمد شکیل اوج سے دل سوزی کے ساتھ درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنے اس موقف سے رجوع کر لیں کہ مسلمان عورت کا اہلِ کتاب مرد کے ساتھ نکاح جائز ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ قرآن مجید کی اس وعید میں داخل ہو جائیں:

وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا ۝ (النساء: ۱۱۵)

اور جو کوئی راہِ ہدایت کھل جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرے گا اور مومنین کے راستہ کے علاوہ (کسی اور راستہ کی) پیروی کرے گا (تو) ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرا ہے اور اس کو جہنم میں جھونک دیں گے اور وہ نہایت برا ٹھکانا ہے O

وما علینا الا البلاغ المبین۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِى الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۝۲۲۲

اور (اے رسولِ اکرم! لوگ آپ سے) حیض کا (شرعی) حکم دریافت کرتے ہیں، آپ کہیے: وہ (ایک قسم کی) گندگی ہے، سو تم اپنی بیویوں سے ایامِ حیض میں الگ رہو، اور جب تک وہ (حیض سے) پاک نہ ہو جائیں اُن سے عملِ زوجیت نہ کرو، پس جب وہ اچھی طرح پاک ہو جائیں تو اُن کے پاس اس جگہ سے جاؤ جہاں سے اللہ نے تمہیں اجازت دی ہوئی ہے، بے شک اللہ بہت توبہ کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں اور اچھی طرح پاکیزگی حاصل کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں O

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۪ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۫ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ؕ

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾

(اے مسلمانو!) تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں، سوتم اپنی کھیتیوں میں جس کیفیت سے چاہو آؤ اور اپنے لیے نیک کاموں کو پہلے بھیجتے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یاد رکھو کہ تم اللہ سے ملاقات کرنے والے ہو اور (اے رسولِ اکرم!) آپ ایمان والوں کو خوشخبری سنا دیجئے O

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾

اور (اے مسلمانو!) تم اللہ (کے نام) کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ کہ تم نیکی کے کام (نہ کرنے) اور گناہوں سے اجتناب (نہ کرنے) اور لوگوں کے درمیان صلح (نہ کرانے) کی قسم کھاؤ اور اللہ سب کچھ سننے والے، سب کچھ جاننے والے ہیں O

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾

اور اللہ تمہاری بلا قصد کھائی ہوئی قسموں پر گرفت نہیں فرمائیں گے لیکن ان قسموں پر تمہاری گرفت فرمائیں گے جن کا تم نے اپنے دلوں سے قصد کیا ہو اور اللہ بہت بخشنے والے، بے حد بردبار ہیں O

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾

اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ترکِ صحبت کی قسم کھاتے ہیں ان کے لیے چار مہینوں کی مہلت ہے، پس اگر وہ (اس مدت میں) رجوع کرلیں تو بے شک اللہ بہت بخشنے والے بے حد رحم فرمانے والے ہیں O

وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾

اور اگر انہوں نے طلاق (دینے کا) مصمم عزم کرلیا تو بے شک اللہ سب کچھ سننے والے سب کچھ جاننے والے ہیں O

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ

بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۸﴾

اور طلاق یافتہ بیویاں اپنے آپ کو تین حیض تک (کسی دوسرے کے ساتھ نکاح سے) روکے رکھیں، اور ان بیویوں کے لیے اس چیز کو چھپانا جائز نہیں ہے جس کو اللہ نے ان کے رحموں میں پیدا فرمایا ہے بشرطیکہ وہ اللہ پر ایمان رکھتی ہوں اور روزِ آخرت پر، اور ان (رجعی طلاق یافتہ بیویوں) کے شوہر اس مدت (تین حیض) کے اندر اُن سے رجوع کرنے کے حق دار ہیں اگر وہ حسنِ سلوک کے ساتھ ان کو رکھنے کا ارادہ کریں، اور بیویوں کے بھی اپنے شوہروں پر دستور (شرع) کے موافق ایسے ہی حقوق ہیں جیسے شوہروں کے اپنی بیویوں پر حقوق ہیں، اور مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فضیلت ہے، اور اللہ بہت غالب، بے حد حکمت والے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے رسولِ اکرم! لوگ آپ سے) حیض کا (شرعی) حکم دریافت کرتے ہیں، آپ کہیے: وہ (ایک قسم کی) گندگی ہے، سو تم اپنی بیویوں سے ایامِ حیض میں الگ رہو، اور جب تک وہ (حیض سے) پاک نہ ہو جائیں اُن سے عملِ زوجیت نہ کرو، پس جب وہ اچھی طرح پاک ہو جائیں تو اُن کے پاس اس جگہ سے جاؤ جہاں سے اللہ نے تمہیں اجازت دی ہوئی ہے، بے شک اللہ بہت توبہ کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں اور اچھی طرح پاکیزگی حاصل کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں O'' (البقرہ: ۲۲۲)

''وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ'':

لفظِ ''الْمَحِيْضِ'' کا لغوی معنی

علامہ السید محمد مرتضیٰ بن محمد الحسینی الزبیدی الحنفی المتوفی ۱۲۰۵ھ ''حیض'' کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''محیض'' کا لفظ حیض کی مثل ہے اور اس کا معنی ہے خون کا بہنا، اور ''الحیاض'' کا معنی ہے حیض کا خون، اور ''حاضت'' کا معنی ہے: لڑکی حیض کی عمر کو پہنچ گئی یعنی بالغہ ہو گئی۔ (تاج العروس جز ۱۸ ص ۱۶۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۳ھ)

یہود وغیرہ کا حیض کے معاملہ میں غُلو

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہود کے ہاں کوئی عورت حائض ہو جاتی تو وہ نہ اس کے ساتھ کھاتے پیتے تھے اور نہ اپنے ساتھ گھروں میں رکھتے تھے، سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: ''وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ..... (البقرہ: ۲۲۲)'' تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم حائض کے ساتھ عملِ زوجیت کے سوا تمام کام کرو۔

(صحیح مسلم: ۳۰۲، سنن ابوداؤد: ۲۵۸، ۲۱۶۵، سنن ترمذی: ۲۹۸۸، سنن نسائی: ۲۸۸، سنن ابن ماجہ: ۶۴۴، مسند احمد: ۱۱۹۴۵، ج ۳ ص ۱۳۲، مسند ابوداؤد طیالسی: ۱۹۳۳، شرح السنہ للبغوی: ۳۱۴، مسند ابوعوانہ ج ۱ ص ۳۱۱، سنن بیہقی ج ۱ ص ۳۱۳، صحیح ابن حبان: ۱۳۶۲، مسند ابویعلی: ۳۵۳۳)

''اَذًى'' کا لغوی اور عرفی معنی

علامہ ابوحفص عمر بن علی الدمشقی الحنبلی المتوفی ۸۸۰ھ لکھتے ہیں:

''قُلْ هُوَ اَذًى'': عطاء، قتادہ اور السدّی نے کہا: ''اَذًى'' کا معنی ہے نجاست۔ (الطبری ج ۴ ص ۳۷۴)

اور جان لو کہ لغت میں ہر مکروہ چیز کو ''اَذًى'' کہتے ہیں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد وہ چیز ہو جو ایذاء کا سبب ہوتی ہے کیونکہ جو شخص حیض میں جماع کرے تو کبھی اس کے آلہ تناسل اور خصیتین میں چھالے اور پھنسیاں نکل آتی ہیں۔

(اللباب فی علوم الکتاب ج ۴ ص ۶۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۱ء)

علامہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی المتوفی ۷۱۰ھ البقرہ: ۲۲۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ'': یعنی حالتِ حیض میں اپنی بیویوں کے ساتھ عملِ زوجیت سے اجتناب کرو۔ ایک قول یہ ہے کہ نصاریٰ اپنی بیویوں سے حالتِ حیض میں عملِ زوجیت کرتے تھے اور یہود ہر چیز میں بیویوں سے اجتناب کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے درمیانی حکم نازل فرمایا، پھر امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک بیوی کے جسم کے اس حصہ سے اجتناب کرے جو تہبند کے نیچے ہے، اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک صرف اندام نہانی سے اجتناب واجب ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ صرف خون کی جگہ سے اجتناب کرے اور باقی جسم سے تمتع حاصل کرے۔ (مدارک التنزیل ج ۱ ص ۱۸۵، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

مدتِ حیض

امام ابو حنیفہ کے نزدیک حیض کی کم از کم مدت تین دن ہے اور زیادہ سے زیادہ حیض کی مدت دس دن ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ''اقل الحیض ثلاثۃ ایام و اکثرہ عشرۃ ایام''۔

(سنن دارقطنی ج ۱ ص ۲۱۹، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۸ ص ۱۵۲، تاریخ بغداد ج ۹ ص ۲۰)

''وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ'': یعنی عملِ زوجیت کے ساتھ ان کے قریب نہ جاؤ حتیٰ کہ وہ غسل کر لیں، یا حیض کی اکثر مدت کے بعد خون منقطع ہو جائے تب بھی شوہر اپنی بیوی سے عملِ زوجیت کر سکتا ہے خواہ اس نے غسل نہ کیا ہو اور حیض کی کم از کم مدت منقطع ہونے کے بعد خون منقطع ہو جائے تو وہ اس سے عملِ زوجیت نہیں کر سکتا تاوقتیکہ وہ غسل کر لے۔

''فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ'': یعنی جب تمہاری بیویاں حیض سے پاک ہو جائیں تو ان کے پاس وہاں سے آؤ جہاں سے آنے کی اللہ تعالیٰ نے تم کو اجازت دی ہے اور وہ عورت کی اندام نہانی ہے۔

''اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ'': یعنی اللہ تعالیٰ اُن کو پسند فرماتا ہے جو اس کے منع کیے ہوئے کام کے ارتکاب کے بعد اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتے ہیں اور اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اگر اُن سے بار بار لغزش ہو اور وہ بار بار توبہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان کو مایوس نہیں فرماتا۔

''وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ'': یعنی جو لوگ قضائے حاجت کے بعد پانی سے صفائی حاصل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو پسند فرماتا ہے۔ یا جو لوگ اپنی بیویوں کی دُبر میں دخول کرنے سے اجتناب کرتے ہیں یا جو لوگ حالتِ حیض میں عملِ زوجیت سے اجتناب کرتے ہیں، یا جو لوگ بے حیائی کے کاموں سے اجتناب کرتے ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے۔

(مدارک التنزیل ج ۱ ص ۱۸۵، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے مسلمانو!) تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں، سو تم اپنی کھیتیوں میں جس

کیفیت سے چاہو آؤ اور اپنے لیے نیک کاموں کو پہلے بھیجتے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یاد رکھو کہ تم اللہ سے ملاقات کرنے والے ہو اور (اے رسولِ اکرم!) آپ ایمان والوں کو خوشخبری سنا دیجئے O'' (البقرہ: ۲۲۳)

البقرہ: ۲۲۳ کا شانِ نزول

''نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ'':

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہود کہتے تھے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ پیچھے کی طرف سے عملِ زوجیت کرے تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے، تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: ''نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ''۔

(صحیح البخاری: ۴۵۲۸، صحیح مسلم: ۱۴۳۵، سنن ترمذی: ۲۹۷۷، سنن ابوداؤد: ۲۱۶۳، سنن ابن ماجہ: ۱۹۲۵، سنن دارمی: ۲۲۱۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اہلِ کتاب عورتوں کے ساتھ صرف ایک طریقہ سے عملِ زوجیت کرتے تھے اور انصار نے بھی ان کے طریقہ کو اختیار کرلیا اور قریش عورتوں کے ساتھ آگے کی طرف سے بھی عملِ زوجیت کرتے تھے اور پیچھے کی طرف سے بھی عملِ زوجیت کرتے تھے اور لٹا کر بھی عملِ زوجیت کرتے تھے، پس جب مہاجرین مدینہ آئے اور کسی مہاجر نے کسی انصار کی عورت سے نکاح کیا تو وہ اسی طرح متعدد طریقوں سے اپنے بیوی کے ساتھ عملِ زوجیت کرنے لگا تو اس کی بیوی نے اس پر انکار کیا اور کہا: ہمارے ساتھ صرف ایک طریقہ سے عملِ زوجیت کیا جاتا ہے، تم بھی اسی طرح کرو ورنہ مجھ سے اجتناب کرو، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچی تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: ''نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ''۔۔۔ یعنی تم جس کیفیت کے ساتھ چاہو اپنی بیویوں کے ساتھ عملِ زوجیت کرو خواہ آگے کی طرف سے خواہ پیچھے کی طرف سے اور خواہ لٹا کر، یعنی اس جگہ میں عملِ زوجیت کرو جس جگہ سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۲۱۶۴، المستدرک ج ۲ ص ۱۹۵، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۹۵)

''وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ'': یعنی اعمالِ صالحہ کو پہلے بھیجو اور جن کاموں سے تم کو منع کیا گیا ہے ان کے خلاف کرو، یا اولاد کو طلب کرو یا عملِ زوجیت سے پہلے پڑھو: ''بسم اللہ، اللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطٰنَ وَجَنِّبِ الشيطان ما رزقتنا'' (اللہ کے نام سے، اے اللہ! ہم سے شیطان کو دور رکھیں اور ہمیں جو اولاد عطا فرمائیں اس سے بھی شیطان کو دور رکھیں)۔ (صحیح البخاری: ۱۴۱، صحیح مسلم: ۱۴۳۴)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے مسلمانو!) تم اللہ (کے نام) کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ کہ تم نیکی کے کام (نہ کرنے) اور گناہوں سے اجتناب (نہ کرنے) اور لوگوں کے درمیان صلح (نہ کرانے) کی قسم کھاؤ اور اللہ سب کچھ سننے والے، سب کچھ جاننے والے ہیں O'' (البقرہ: ۲۲۴)

''وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ'':

کوئی مرد رشتہ داروں سے ملاپ رکھنے یا دو لڑے ہوئے مردوں کے درمیان صلح کرانے یا کسی کے ساتھ نیکی کرنے یا کوئی عبادت کرنے کی قسم کھاتا تھا، پھر یہ کہتا: میں اللہ سے ڈرتا ہوں کہ ہوسکتا ہے کہ میری قسم پوری نہ ہو، پھر وہ ان نیک کاموں کو ترک کردیتا تب یہ آیت نازل ہوئی: وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ۔۔۔ الآیۃ''۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اللہ تمہاری بلا قصد کھائی ہوئی قسموں پر گرفت نہیں فرمائیں گے لیکن ان قسموں پر تمہاری گرفت فرمائیں گے جن کا تم نے اپنے دلوں سے قصد کیا ہو اور اللہ بہت بخشنے والے بے حد بردبار ہیں O'' (البقرہ: ۲۲۵)

یمینِ لغو کی تعریف اور اس میں فقہاء کا اختلاف

''لَا یُؤَاخِذُ کُمُ اللّٰہُ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِکُمْ'': ''لغو'' اس کلام کو کہتے ہیں جو لائقِ شمار نہ ہو، اور لغو قسم وہ ہے جس کا قسموں میں شمار نہ کیا جائے اور وہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے گمان کے مطابق کسی چیز پر قسم کھائے اور جس چیز پر اس نے قسم کھائی ہے وہ اس کے گمان کے خلاف ہو، اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم جو لغو قسم کھاؤ گے اس پر اللہ تعالیٰ تمہاری گرفت نہیں فرمائیں گے، اور امام شافعی کے نزدیک لغو قسم وہ ہے جو انسان کی زبان پر بغیر قصد اور اختیار کے جاری ہو جاتی ہے مثلاً وہ بات بات پر کہے: نہیں خدا کی قسم، ہاں خدا کی قسم۔

''وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُ کُمْ بِمَا کَسَبَتْ قُلُوْبُکُمْ'': اس سے مراد یمینِ غموس ہے یعنی کوئی انسان دانستہ جھوٹی قسم کھائے اور اس قسم پر اللہ تعالیٰ گرفت فرمائے گا۔

اور یمین کی تیسری قسم یمینِ منعقدہ ہے یعنی انسان مستقبل میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائے، اگر اس نے وہ کام کر لیا تو اس کی قسم پوری ہو جائے گی اور وہ کام نہیں کیا تو وہ حانث ہو جائے گا یعنی اس کی قسم پوری نہیں ہوگی اور اس پر قسم کا کفارہ ادا کرنا لازم ہوگا، اور کفارۂ قسم کے متعلق ارشادِ باری ہے:

لَا یُؤَاخِذُ کُمُ اللّٰہُ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِکُمْ وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُ کُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ ۚ فَکَفَّارَتُہٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَۃِ مَسٰکِیْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَھْلِیْکُمْ اَوْ کِسْوَتُھُمْ اَوْ تَحْرِیْرُ رَقَبَۃٍ ؕ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ ثَلٰثَۃِ اَیَّامٍ ؕ ذٰلِکَ کَفَّارَۃُ اَیْمَانِکُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ وَاحْفَظُوْٓا اَیْمَانَکُمْ ؕ (المائدہ: ۸۹)

اللہ یمینِ لغو میں تمہاری گرفت نہیں فرمائیں گے لیکن یمینِ منعقدہ پوری نہ کرنے میں تمہاری گرفت فرمائیں گے، سو اس قسم کے توڑنے کا کفارہ یہ ہے: دس مسکینوں کو ایسا درمیانی کھانا کھلایا جائے جیسا کھانا تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا دس مسکینوں کو کپڑے دیے جائیں یا ایک غلام کی گردن آزاد کی جائے، سو جس کو ان امور میں سے کسی پر قدرت نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے، یہ تمہاری یمینِ منعقدہ کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ (اور اس کو توڑ دو) اور تم اپنی قسموں کی حفاظت کرو (یعنی ان کو توڑنے سے بچاؤ)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ترکِ صحبت کی قسم کھاتے ہیں ان کے لیے چار مہینوں کی مہلت ہے، پس اگر وہ (اس مدت میں) رجوع کر لیں تو بے شک اللہ بہت بخشنے والے بے حد رحم فرمانے والے ہیں O'' (البقرہ: ۲۲۶)

لغوی ایلاء اور شرعی ایلاء کی تعریف اور ان کے احکام

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''لِلَّذِیۡنَ یُؤۡلُوۡنَ مِنۡ نِّسَآئِهِمۡ تَرَبُّصُ اَرۡبَعَةِ اَشۡهُرٍ'': زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا یہ معمول تھا کہ اپنی عورتوں سے مال طلب کرتے، اگر وہ دینے سے انکار کرتیں تو ایک سال، دو سال، تین سال یا اس سے زیادہ عرصہ تک ان کے پاس نہ جانے اور صحبت ترک کرنے کی قسم کھا لیتے تھے اور انہیں پریشانی میں چھوڑ دیتے تھے، نہ وہ بیوہ ہی تھیں کہ کہیں اپنا ٹھکانا کر لیتیں، نہ شوہر دار تھیں کہ شوہر سے آرام پاتیں، اسلام نے اس ظلم کو مٹایا اور ایسی قسم کھانے والوں کے لیے چار مہینے کی مدت معین فرمادی کہ اگر عورت سے چار مہینے یا اس سے زائد عرصہ کے لیے یا غیر معین مدت کے لیے ترکِ صحبت کی قسم کھالے جس کو ''ایلاء'' کہتے ہیں تو اس کے لیے چار ماہ انتظار کی مہلت ہے، اس عرصہ میں خوب سوچ سمجھ لے کہ عورت کو چھوڑنا اس کے لیے بہتر ہے یا رکھنا، اگر رکھنا بہتر سمجھے اور اس مدت کے اندر رجوع کرے تو نکاح باقی رہے گا اور قسم کا کفارہ لازم ہوگا اور اگر اس مدت میں رجوع نہ کیا اور قسم نہ توڑی تو عورت نکاح سے باہر ہوگئی اور اس پر طلاقِ بائن واقع ہوگئی۔

مسئلہ: اگر مرد صحبت پر قادر ہو تو رجوع صحبت ہی سے ہوگا، اور اگر کسی وجہ سے قدرت نہ ہو تو بعد قدرت صحبت کا وعدہ رجوع ہے۔

(خزائن العرفان بر حاشیہ کنز الایمان ص ۷۶، مجلس المدینۃ العلمیہ، ۱۴۳۲ھ)

(میں کہتا ہوں: ملا احمد جیون جونپوری حنفی متوفی ۱۱۳۰ھ نے بھی البقرہ:۲۲۶ کی یہی تفسیر لکھی ہے۔ دیکھیے: التفسیرات الاحمدیہ ص ۱۱۶، مکتبہ حقانیہ، پشاور)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اگر انہوں نے طلاق (دینے کا) مصمم عزم کر لیا تو بے شک اللہ سب کچھ سننے والے سب کچھ جاننے والے ہیں O'' (البقرہ:۲۲۷)

ملا احمد جیون جونپوری حنفی متوفی ۱۱۳۰ھ، البقرہ:۲۲۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَ اِنۡ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ'': یعنی اگر ان مسلمانوں نے چار ماہ کی مدت کے دوران اپنی اس قسم سے رجوع کر لیا کہ میں چار ماہ تک اپنی بیوی سے عملِ زوجیت نہیں کروں گا بلکہ انہوں نے اپنی قسم کو توڑ دیا تو جب وہ اس قسم کا کفارہ دے دیں گے تو بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والے بے حد رحم فرمانے والے ہیں، اور ان پر کفارہ اس صورت میں لازم ہوگا جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کھائی ہو یعنی یوں کہا ہو: اللہ کی قسم! میں چار ماہ تک اپنی بیوی سے عملِ زوجیت نہیں کروں گا اور اگر انہوں نے اللہ کے نام کی قسم نہ کھائی ہو بلکہ اپنی بیوی سے یوں کہا ہو: اگر میں نے تم سے چار مہینوں میں عملِ زوجیت کیا تو مجھ پر حج لازم ہے، پھر اس نے اس مدت میں اپنی بیوی سے عملِ زوجیت کر لیا تو اس پر حج کرنا واجب ہوگا۔ (التفسیرات الاحمدیہ ص ۱۱۶، مکتبہ حقانیہ، پشاور)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور طلاق یافتہ بیویاں اپنے آپ کو تین حیض تک (کسی دوسرے کے ساتھ نکاح سے) روکے رکھیں، اور ان بیویوں کے لیے اس چیز کو چھپانا جائز نہیں ہے جس کو اللہ نے ان کے رحموں میں پیدا فرمایا ہے بشرطیکہ وہ اللہ پر ایمان رکھتی ہوں اور روزِ آخرت پر، اور ان (رجعی طلاق یافتہ بیویوں) کے شوہر اس مدت (تین حیض) کے اندر ان سے رجوع کرنے کے حق دار ہیں اگر وہ حسنِ سلوک کے ساتھ ان کو

رکھنے کا ارادہ کریں، اور بیویوں کے بھی اپنے شوہروں پر دستورِ (شرع) کے موافق ایسے ہی حقوق ہیں جیسے شوہروں کے اپنی بیویوں پر حقوق ہیں، اور مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فضیلت ہے، اور اللہ بہت غالب، بے حد حکمت والے ہیں O'' (البقرہ:۲۲۸)

''وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ'':

اس آیت میں ارشادِ باری ہے ''ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ''، اس لیے ہم ''قرءٌ'' کے معنی کی تحقیق کر رہے ہیں۔

''قرء'' کے معنی کی تحقیق اور حیض کے احکام میں فقہاءِ احناف کے موقف کی تائید

علامہ السید محمد مرتضیٰ بن محمد الحسینی الزبیدی الحنفی المتوفی ۱۲۰۵ھ، ''قرء'' کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الاصمعی نے کہا ہے کہ ''ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ'' میں ''قرء'' کی جمع قروء خلافِ قیاس ہے اور قیاس کے مطابق ''ثلثة اقرء'' ہونا چاہیے تھا۔ ''قرأت الشیء'' کا معنی ہے: میں نے اس شے کو جمع کیا۔ ابواسحاق نے کہا: میرے نزدیک ''القرء'' کا معنی لغت میں الجمع ہے اور القرء سے مراد رحم میں خون کا جمع ہونا ہے اور یہ زمانہ طُہر میں ہوتا ہے، اور حضرت عائشہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے صحت کے ساتھ منقول ہے، ان دونوں نے کہا: ''الاقراء والقرؤ الاطہار'' پس القروئ کا اس آیت میں معنی الاطہار ہے نہ کہ الحیض، کیونکہ عورتوں سے زمانہ طہر میں جماع کیا جاتا ہے نہ کہ زمانہ حیض میں۔ الازہری نے کہا: اہل العراق کہتے ہیں ''القرء'' الحیض، اور ان کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنتِ ابی حُبیش رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا: ''دعی الصلوٰة ایام اقراءك ای ایام حیضك'' (تم اپنے حیض کے ایام میں نماز کو چھوڑ دو)۔

(تلخیص الحبیر للحافظ ابن حجر عسقلانی:۲۳۴، شرح معانی الآثار ج۱ ص ۱۳۳، الحدیث:۶۱۳، قدیمی کتب خانہ، کراچی، سنن دار قطنی:۸۲۸، الکشاف:۱۲۵)

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں فقہاءِ احناف کی دو دلیلیں ہیں: ایک یہ کہ ''قرء'' کا معنی حیض ہے، دوسری دلیل یہ ہے کہ ''اقراء'' جمع قلت ہے اور اس کا اطلاق کم از کم تین اور زیادہ سے زیادہ دس پر ہوتا ہے، اس کا مفاد یہ ہوا کہ حیض کی کم از کم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے اور یہی احناف کثرھم اللہ تعالیٰ کا مسلک ہے۔ نیز فقہاءِ احناف کی ''قرء'' کا معنی حیض ہونے پر یہ حدیث بھی دلیل ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''طلاق الامة تطلیقتان وقرء ها حیضتان'' (باندی کی طلاق دو طلاقیں ہیں، اور اس کی عدت دو قرء یعنی دو حیض ہیں)، (سنن ابوداؤد:۲۱۸۹، سنن ترمذی:۱۱۸۲، سنن ابن ماجہ:۲۰۸۰)، (سعیدی غفرلہٗ)۔

اور الکسائی اور الفراء نے کہا: جب عورت کو حیض آجائے تو کہا جاتا ہے: ''اقرءت المرأة''، علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے کہ امام شافعی اور اہلِ حجاز کے نزدیک ''قرء'' کا اطلاق الطُّہر پر ہوتا ہے اور امام ابوحنیفہ اور اہلِ عراق کے نزدیک ''قرء'' کا اطلاق حیض پر ہوتا ہے۔ (تاج العروس من جواہر القاموس جز واول ص ۲۵۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۳ھ)

امام ابومنصور محمد بن محمد بن محمود الماتریدی الحنفی المتوفی ۳۳۳ھ، البقرہ:۲۲۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''الاقراء'' کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے، بعض مفسرین نے کہا: الاقراء سے مراد الاطہار ہیں، اور دوسرے مفسرین نے کہا: ''القرء'' کا معنی الحیض ہے اور یہی ہمارے فقہاء احناف کا قول ہے، اسی وجہ سے صحابہ کرام کا بھی اس میں اختلاف ہے:

حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اجمعین نے کہا کہ اس سے مراد حیض ہے، اور حضرت عائشہ، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم اجمعین نے کہا: ''القرء'' کا معنیٰ ''الطھر'' ہے اور اسی پر اہلِ مدینہ کا عمل ہے، انہوں نے کہا: یہ معنی سنت سے اور آثارِ صحابہ سے ثابت ہے۔

''ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ'' سے تین حیض مراد لینے پر فقہاءِ احناف کے دلائل

(۱) ''ثَلٰثَةَ'' کا لفظ مکمل عدد کے لیے وضع کیا گیا ہے، اگر قروئ سے مراد طُہر ہو تو جس طُہر میں مباشرت کی گئی ہو اگر اس طہر کو شامل کیا جائے تو پھر یہ ڈھائی طُہر بنتے ہیں اور اگر اس طُہر کو شامل نہ کیا جائے تو پھر ساڑھے تین طُہر بنتے ہیں اور یہ ''ثلاثۃ'' کے لفظ کے خلاف ہے، اور جب قرء سے مراد حیض لیا جائے تو پھر مکمل تین حیض بنتے ہیں لہٰذا قرء سے حیض مراد لینا راجح ہے۔

(۲) حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''طلاق الامة تطليقتان وقرء ها حيضتان'' (باندی کی طلاق دو طلاقیں ہیں، اور اس کی عدت دو قرء یعنی دو حیض ہیں)۔ (سنن ابوداؤد: ۲۱۸۹، سنن ترمذی: ۱۱۸۲، سنن ابن ماجہ: ۲۰۸۰)

(۳) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ'' (البقرہ: ۲۳۴) پھر جب وہ اپنی عدت پوری کر لیں، اور مطلقہ عورت کی عدت کا مکمل ہونا طُہر سے نہیں ہو سکتا، کیونکہ طُہر کی کوئی انتہاء نہیں ہے، عدت کی انتہاء صرف حیض سے ہی ہو سکتی ہے یعنی جب مطلقہ عورت تیسری بار خون کو دیکھ لے تو اس کی عدت مکمل ہو جائے گی۔ اس دلیل سے واضح ہو گیا کہ جس علامت سے عدت پوری ہو گی وہ حیض ہے۔

رِحم میں حمل چھپانے کا عدمِ جواز

''وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ'': اس میں اختلاف ہے کہ اس سے مراد حمل ہے یا حیض ہے، حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ ''مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ'' سے مراد حمل اور حیض ہے، کیونکہ ثابت ہے کہ حیض کی جگہ رِحم ہے، پھر حمل رِحم میں سے خون نکلنے کو روک دیتا ہے، پس ظاہر ہو گیا کہ حاملہ عورت کو حیض نہیں آتا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۹۱۰۳)

اور بعض اہلِ تاویل نے کہا: ''مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ'' سے مراد صرف حمل ہے نہ کہ حیض، اس کی دلیل یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عورتیں حمل کو چھپا لیتی تھیں اور اس حمل کو اس کے آباء کے غیر کی طرف منسوب کر دیتی تھیں، تو اسلام کے ظہور کے بعد ان کو اس پر وعید کی گئی، پس واضح ہو گیا کہ یہاں حیض کی گنجائش نہیں ہے۔

''وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا'': اس کا معنی یہ ہے کہ عورتیں طلاق سے رجوع کرنے کی مالک نہیں ہیں اور نہ اپنے شوہروں کو رجوع کرنے سے منع کر سکتی ہیں بلکہ یہ معاملہ ان کے شوہروں کی طرف مفوض ہے۔

شوہر اور بیوی کے ایک دوسرے پر حقوق اور فرائض

''وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میں اپنی بیوی کے لیے اپنے آپ کو مزین کروں جس طرح میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ میری بیوی میرے لیے اپنے آپ کو مزین کرے اور بناؤ سنگھار

کرے۔ (تفسیر ابن جریر: ۲۷۷۴) ۔اور دوسرے علماء نے کہا: جس طرح بیوی اپنی اندام نہانی کو شوہر کے سپرد کر دیتی ہے اسی طرح شوہر پر بھی لازم ہے کہ وہ اس کے عوض میں مہر کو بیوی کے سپرد کر دے۔ اور تیسرے علماء نے کہا: جس طرح شوہر کے حقوق بیوی پر لازم ہیں اسی طرح شوہر پر بھی بیوی کے حقوق لازم ہیں، بیوی پر لازم ہے کہ وہ شوہر کی خدمت کرے، بیماری میں اس کی تیمارداری کرے، گھر کے کام کاج کرے اور شوہر پر لازم ہے کہ وہ محنت مزدوری کر کے کمائے اور بیوی کے لیے خوراک، طعام اور اس کی دیگر ضروریات کی چیزیں دستور کے مطابق مہیا کرے۔

"وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ": یعنی شوہروں کو بیوی پر یہ برتری حاصل ہے کہ طلاق دینے کا اختیار شوہر کو ہے بیوی کو نہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ حکم دینا اور اطاعت کرانا شوہر کا اختیار ہے نہ کہ بیوی کا، تیسرا قول یہ ہے کہ جہاد کرنا اور وراثت میں دگنا حصہ لینا یہ شوہر کی خصوصیت ہے نہ کہ بیوی کی۔ (تاویلات اہل السنہ ج ۱ ص ۱۵۴۔ ۱۶۳ ملخصاً وملتقطاً ومخرجاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَـكُمۡ اَنۡ تَاۡخُذُوۡا مِمَّاۤ اٰتَيۡتُمُوۡهُنَّ شَيۡـئًا اِلَّاۤ اَنۡ يَّخَافَاۤ اَلَّا يُقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا يُقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَا فِيۡمَا افۡتَدَتۡ بِهٖ ؕ تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ فَلَا تَعۡتَدُوۡهَا ۚ وَمَنۡ يَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۲۲۹﴾

طلاقِ رجعی دوبار (تک) ہے، پھر دورانِ عدت (بیوی کو) دستورِ شرع کے موافق روک لیا جائے یا عدت پوری ہونے تک حسنِ سلوک کے ساتھ چھوڑ دیا جائے، اور (اے مسلمانو!) تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ تم جو کچھ اپنی بیویوں کو دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لے لو سوا اس کے کہ دونوں کو یہ خطرہ ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے، پھر اگر تمہیں یہ خطرہ ہو کہ شوہر اور بیوی اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو اس صورت میں بیوی نے (شوہر سے نجات کے لیے) جو بدلِ خلع دیا ہے اس کے لینے میں ان دونوں پر کوئی حرج نہیں ہے، یہ اللہ کی حدود ہیں سو تم ان حدود سے تجاوز نہ کرو، اور جو لوگ اللہ کی حدود سے تجاوز کریں گے سو وہی لوگ ظالم ہیں O

فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ ؕ فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَاۤ اَنۡ يَّتَرَاجَعَاۤ اِنۡ ظَنَّاۤ اَنۡ يُّقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۳۰﴾

پھر اگر (شوہر نے) بیوی کو (تیسری بار) طلاق دے دی تو اس (تیسری طلاق کے بعد) اس بیوی کے لیے اس شوہر سے نکاح جائز نہیں ہے حتیٰ کہ وہ بیوی (اس شوہر کے علاوہ) کسی اور مرد سے نکاح کر لے، پھر اگر وہ (دوسرا خاوند) اس کو طلاق دے دے تو اس بیوی اور اس کے پہلے شوہر پر (دوسرے شوہر کی عدت گزارنے کے بعد) اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ باہم رجوع

کر لیں، بشرطیکہ ان دونوں کا یہ ظنِ غالب ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم رکھ سکیں گے اور یہ اللہ کی حدود ہیں جن کو وہ ان لوگوں کے لیے بیان فرماتے ہیں جو علم والے ہیں O

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۫ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۳۱﴾

اور (اے مسلمانو!) جب تم اپنی بیویوں کو رجعی طلاق دے دو، پھر وہ اپنی عدت (پوری ہونے کے قریب پہنچ جائیں) تو یا انہیں دستورِ شرع کے موافق (اپنے نکاح میں) روک لو یا بھلائی کے ساتھ ان کو چھوڑ دو اور ان کو ضرر پہنچانے کے لیے روکے نہ رکھو تا کہ تم ان پر زیادتی کرو اور جس نے ایسا کیا تو بے شک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا اور اللہ کے احکام کو مذاق میں نہ ٹالو، اور (اے مسلمانو!) تم اللہ کی اس نعمت کو یاد رکھو جو اس نے تم کو عطا فرمائی ہے اور اس نے تم پر جو کتاب اور حکمت نازل فرمائی ہے اس کو یاد رکھو، اللہ تمہیں اس کی نصیحت فرماتے ہیں اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یاد رکھو کہ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''طلاقِ رجعی دوبار (تک) ہے، پھر دورانِ عدت (بیوی کو) دستورِ شرع کے موافق روک لیا جائے یا عدت پوری ہونے تک حسنِ سلوک کے ساتھ چھوڑ دیا جائے، اور (اے مسلمانو!) تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ تم جو کچھ اپنی بیویوں کو دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لے لو سوا اس کے کہ دونوں کو یہ خطرہ ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے، پھر اگر تمہیں یہ خطرہ ہو کہ شوہر اور بیوی اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو اس صورت میں بیوی نے (شوہر سے نجات کے لیے) جو بدلِ خلع دیا ہے اس کے لینے میں ان دونوں پر کوئی حرج نہیں ہے، یہ اللہ کی حدود ہیں سو تم ان حدود سے تجاوز نہ کرو، اور جو لوگ اللہ کی حدود سے تجاوز کریں گے سو وہی لوگ ظالم ہیں O'' (البقرہ:۲۲۹)

البقرہ:۲۲۹ کا شانِ نزول

''اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ'':

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ لوگوں کا پہلے یہ معمول تھا کہ ایک مرد اپنی بیوی کو جتنی طلاقیں دینا چاہتا دے دیتا اور وہ بیوی اس کے نکاح میں ہی رہتی اور وہ عدت میں ہی اپنی بیوی سے رجوع کر لیتا خواہ وہ اس کو سو مرتبہ طلاق دیتا یا اس سے زیادہ مرتبہ دیتا حتیٰ کہ ایک مرد نے اپنی بیوی سے کہا: اللہ کی قسم! میں تم کو اس طرح طلاق نہیں دوں گا کہ تم مجھ سے علیحدہ ہو جاؤ اور نہ میں تم کو کبھی

اپنے ساتھ بساؤں گا، اس کی بیوی نے کہا: یہ کیسے ہوگا؟ اس مرد نے کہا: میں تم کو طلاق دوں گا، پھر جب تمہاری عدت پوری ہونے کے قریب ہوگی تو میں تمہیں دی ہوئی طلاق سے رجوع کرلوں گا، تو وہ عورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی اور آپ کو اس واقعہ کی خبر دی، پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خاموش رہیں حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو اس واقعہ کی خبر دی، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر سکوت فرمایا حتیٰ کہ قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوگئی: ''اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ـ''۔ (سنن ترمذی: ۱۱۹۲، موطا امام مالک ج ۲ ص ۵۸۸، المستدرک ج ۲ ص ۲۷۹، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۳۳)

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی المتوفی ۷۱۰ھ البقرہ: ۲۲۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں طلاق بمعنی تطلیق ہے جیسے سلام بمعنی تسلیم ہے، یعنی طلاقِ شرعی ایک طلاق کے بعد وقفہ سے دوسری طلاق دی جائے نہ کہ مجموعی طور پر دو طلاقیں دی جائیں، اور اس میں ہماری یہ دلیل ہے کہ دو طلاقیں اور تین طلاقیں ایک طُہر میں اکٹھی دینا بدعت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں متفرق طور پر طلاقیں دینے کا حکم فرمایا ہے، اور اگرچہ یہ آیت بہ ظاہر جملہ خبریہ ہے لیکن معنوی طور پر اس میں امر اور حکم ہے، اور اس آیت کا معنی ہے کہ طلاقِ رجعی (صرف) دو مرتبہ دو، کیونکہ تیسری طلاق کے بعد رجوع کرنا مشروع نہیں ہے۔

''فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ'': یعنی اے مسلمانو! تم پر واجب ہے کہ دو طلاقیں دینے کے بعد دستورِ شرع کے موافق بیوی سے رجوع کرلو اور اس کو اپنے پاس رکھو۔

''اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ'': یعنی اگر تم نے دو طلاقیں دینے کے بعد رجوع نہیں کیا حتیٰ کہ تمہاری بیوی عدت پوری ہونے کے بعد بائنہ ہوگئی تو اس کو عمدہ طریقہ سے چھوڑ دو، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر تم نے اپنی بیوی کو تیسرے طُہر میں تیسری طلاق دے دی تو پھر اس کو عمدہ طریقہ سے چھوڑ دو۔

اسلام میں خُلع کا ثبوت

اگر شوہر اور بیوی کے درمیان ہم آہنگی نہ ہو تو اسلام نے یہ گنجائش رکھی ہے کہ ان کے درمیان خلع کرلیا جائے، اگر بیوی خلع کی طلب گار ہو تو اس کے لیے خلع کے معاوضہ میں مہر کی مقدار سے زیادہ لینا مکروہ ہے، اور اگر بیوی کی طرف سے نافرمانی نہ ہو اور مرد ہی علیحدگی چاہے تو مرد کو طلاق کے عوض مال لینا مطلقاً مکروہ ہے۔ خلع کے ثبوت میں درج ذیل حدیث ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے کہا: یارسول اللہ! مجھے ثابت بن قیس کے اخلاق اور ان کی دین داری پر اعتراض نہیں ہے لیکن میں اسلام کے بعد کفر کو ناپسند کرتی ہوں (یعنی اُن کی بدصورتی کی وجہ سے ان سے علیحدگی چاہتی ہوں)، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ثابت بن قیس نے تم کو مہر میں جو باغ دیا تھا کیا تم اس باغ کو واپس کردو گی؟ انہوں نے کہا: جی ہاں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اپنا باغ قبول کرلو اور اس کو ایک طلاق دے دو۔ (صحیح البخاری: ۵۲۷۳، سنن نسائی: ۳۴۶۳، سنن ابن ماجہ: ۲۰۵۶)

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی کے طلاق لینے کا سبب

امام عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی المتوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں، معمر نے کہا: مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی نے کہا: یارسول اللہ! آپ دیکھ رہے ہیں کہ میں کتنی حسین اور جمیل عورت ہوں اور ثابت بدشکل مرد ہے اور معتمر بن سلیمان نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ اسلام میں پہلا خلع وہ تھا جو حضرت ثابت بن قیس کی بیوی نے کیا تھا، وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں پس کہا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم!) میرا سر اور ثابت کا سر کبھی بھی جمع نہیں ہوگا، میں نے خیمہ کی ایک طرف کو اٹھایا تو ثابت بن قیس چند لوگوں کے ساتھ آرہے تھے اور وہ ان میں سب سے زیادہ سیاہ رنگ کے تھے اور اُن کا قد ان سب میں سب سے چھوٹا تھا اور ان کا چہرہ سب سے زیادہ بدشکل تھا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے پوچھا: کیا تم ان کا دیا ہوا باغ واپس کردو گی؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! انہوں نے کہا: بلکہ اگر وہ چاہیں تو میں اس کے علاوہ اور زیادہ دوں گی، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے درمیان تفریق کردی۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۱۸۰۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

''وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا'': علامہ نسفی حنفی لکھتے ہیں:

اس آیت میں شوہروں سے خطاب ہے یا حکام سے خطاب ہے کہ تم نے جو کچھ بیویوں کو مہر میں دیا ہے، خلع کے عوض تمہارے لیے اس سے زیادہ لینا جائز نہیں ہے۔

''فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ'': اور اگر حکام کو یہ خطرہ ہو کہ شوہر اور بیوی اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو مرد پر اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ جو کچھ وہ مہر میں دے چکا ہے اس کو واپس لے لے، اور نہ عورت پر اس میں کوئی حرج ہے کہ جو کچھ اس نے مہر میں لیا ہے اس کو واپس کردے۔

''تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا'': یعنی نکاح اور قسم اور ایلاء اور طلاق اور خلع کے متعلق اللہ تعالیٰ نے جو احکام فرمائے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں، سو تم ان احکام کی مخالفت کر کے اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز نہ کرو، اور جس نے اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کیا تو وہی اپنی جان پر ظلم کرنے والا ہے۔ (مدارک التنزیل ج ۱ ص ۱۹۰۔۱۹۱، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

''طلاق'' کے متعلق آنجہانی غلام احمد پرویز کا نظریہ

غلام احمد پرویز متوفی ۱۹۸۵ء لکھتے ہیں:

یہ جو ہمارے ہاں عام روش ہے کہ مرد کا جس وقت جی چاہے طلاق۔ طلاق۔ طلاق کہہ کر بیوی کو گھر سے نکال باہر کرے، یہ قطعاً خلافِ قرآن ہے، نکاح ایک معاہدہ ہے جس میں میاں بیوی برابر کے فریق ہوتے ہیں تو اس کے فسخ کرنے میں بھی وہ برابر کے فریق ہوں گے، یہ تو معاہدہ کے بنیادی تصور کے خلاف ہے کہ اس کے استوار کرنے میں تو زوجین برابر کے فریق ہوں لیکن اس کے فسخ کرنے کا کلی اختیار ایک فریق (خاوند) کو حاصل ہو اور فریقِ ثانی (بیوی) مجبور و مقہور ہو، قرآن کریم کی رو سے اس میں نہ خاوند کو کوئی اختیار ہوتا ہے نہ بیوی کو، یہ معاملہ معاشرہ (مملکت) کے طے کرنے کا ہے۔

(مطالب الفرقان ج ۳ ص ۳۸۵، طلوعِ اسلام ٹرسٹ، لاہور مارچ ۱۹۹۳ء)

ایک آزاد منش اسکالر کی طرف سے غلام احمد پرویز کے نظریہ کا رد

میں کہتا ہوں: ہم اپنی طرف سے غلام احمد پرویز کے نظریہ کا رد کرنے کے بجائے ایک اور (Liberal) اسکالر کی تحریر پیش کر رہے ہیں، جاوید احمد غامدی البقرہ: ۲۲۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

آیت کے الفاظ سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ طلاق کا اختیار اللہ تعالیٰ نے مرد کو دیا ہے۔ اس کی وجہ بھی واضح ہے۔ عورت کی حفاظت اور کفالت کی ذمہ داری ہمیشہ سے مرد پر ہے اور اس کی اہلیت بھی قدرت نے اسے ہی دی ہے۔ قرآن نے اسی بناء پر اسے ''قوام'' قرار دیا اور اس سے پہلے آیت ۲۲۸ میں بہ صراحت فرمایا ہے کہ ''وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ'' (شوہروں کو ان پر ایک درجہ فضیلت حاصل ہے)، چنانچہ ذمہ داری کی نوعیت اور حفظِ مراتب دونوں کا تقاضا ہے کہ طلاق کا اختیار شوہر ہی کو دیا جائے۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ عورت اگر علیحدگی چاہے گی تو طلاق دے گی نہیں، بلکہ شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے گی۔ عام حالات میں توقع یہی ہے کہ ہر شریف النفس آدمی نباہ کی کوئی صورت نہ پا کر یہ مطالبہ مان لے گا، لیکن اگر ایسا نہ ہو تو عورت عدالت سے رجوع کر سکتی ہے۔ (البیان ج ۱ ص ۲۴۵-۲۴۶، المورد، ۲۰۱۰ء)

ڈاکٹر محمد شکیل اوج کا اکٹھی دی ہوئی تین طلاقوں کو غیر مؤثر قرار دینا

ڈاکٹر محمد شکیل اوج لکھتے ہیں:

ان چاروں آیات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک ساتھ تین طلاقیں ناجائز اور ناقابلِ قبول ہیں، کیونکہ طلاق کے بعد میاں بیوی کو نکاحِ ثانی کی جو اجازت ان آیات سے ملتی ہے وہ اکٹھی تین طلاقوں سے باطل ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں:

حکمتِ اول کے پیشِ نظر بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ ایک ساتھ دی گئی تین طلاقوں کو تین ماننا قرآن ہی کے خلاف ہے، کیونکہ اس صورت میں قرآن کریم کی پُرحکمت تعلیم بالکل ضائع ہو جاتی ہے جسے شریعت نے اسی لیے روا رکھا تھا کہ گھر آباد رکھنے کی راہ مسدود نہ ہونے پائے۔ (نسائیات ص ۱۴۶، کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی ۲۰۱۲ء)

میں کہتا ہوں کہ ڈاکٹر شکیل اوج کا یہ نظریہ صریح قرآن مجید، احادیثِ صحیحہ اور اجماعِ امت کے خلاف ہے۔

قرآن مجید سے اکٹھی دی گئی تین طلاقوں کے مؤثر ہونے کا ثبوت

''اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ۔۔۔۔ (البقرہ: ۲۲۹)'' یعنی طلاقِ رجعی دو مرتبہ دی جا سکتی ہے، اس کے بعد فرمایا: ''فَاِنْ طَلَّقَهَا'' اس کے شروع میں حرف ''فاء'' ہے جو تعقیب بلا مہلت کے لیے آتا ہے اور اب قواعدِ عربیہ کے اعتبار سے یہ معنی ہوا کہ دو رجعی طلاقیں دینے کے بعد اگر خاوند نے فوراً تیسری طلاق دے دی تو اب وہ عورت اس مرد کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ شرعی قاعدہ کے مطابق کسی اور مرد کے ساتھ نکاح نہ کرے، اس آیت میں اگر حرفِ ''ثُمَّ'' یا اس قسم کا کوئی اور حرف ہوتا جو مہلت اور تاخیر پر دلالت کرتا تو بہ طورِ تعیین یہ کہا جا سکتا تھا کہ ایک طہر میں ایک طلاق دی جائے اور دوسرے طہر میں دوسری طلاق دی جائے اور تیسرے طہر میں تیسری طلاق دی جائے، لیکن قرآن مجید میں ''ثُمَّ'' کی بجائے ''فاء'' کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر خاوند نے دو طلاقیں دینے کے فوراً بعد تیسری طلاق دے دی تو اس کی بیوی اس کے لیے حلال نہیں رہے گی۔

قرآن مجید نے ''اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ'' فرمایا ہے یعنی دو مرتبہ طلاق دی جائے اور دو مرتبہ طلاق دینا اس سے عام ہے کہ ایک مجلس میں دو مرتبہ طلاق دی جائے یا دو طہروں میں دو مرتبہ طلاق دی جائے اور اس کے فوراً بعد اگر تیسری طلاق دے دی گئی تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی، اس سے واضح ہو گیا کہ اگر کسی شخص نے ایک مجلس میں تین بار طلاق دے دی اور بیوی سے کہہ دیا ''میں نے تم کو طلاق دی''، ''میں نے تم کو طلاق دی''، ''میں نے تم کو طلاق دی'' تو یہ تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی۔

غیر مقلدین کے مشہور، مستند اور ان کے مسلّم شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی المتوفی ۴۵۶ھ اس آیت کے متعلق لکھتے ہیں:

یہ آیت بہ یک وقت دی گئی تین طلاقوں اور الگ الگ دی گئی تین طلاقوں دونوں پر صادق آتی ہے، اور اس آیت کو بغیر کسی صریح نص کے طلاق کی بعض صورتوں کے ساتھ خاص کرنا جائز نہیں ہے۔ (المحلی ج ۱۰ ص ۱۷۰، ادارۃ الطباعۃ المنیر یہ، ۱۳۵۲ھ)

احادیثِ صحیحہ سے اکٹھی دی گئی تین طلاقوں کے مؤثر ہونے کا ثبوت

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار میں سے ایک مرد (حضرت عویمر العجلانی رضی اللہ عنہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، پس انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ فرمایئے کہ ایک مرد اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو پائے آیا اس کو قتل کر دے یا وہ کیا کرے؟ تو اللہ عزوجل نے اس معاملہ میں قرآن مجید میں لعان کرنے والوں کے متعلق آیات نازل فرمائیں، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے اور تمہاری بیوی کے متعلق فیصلہ فرما دیا ہے، پس ان دونوں نے مسجد میں لعان کیا (ایک دوسرے پر لعنت کی) اور میں اس موقع پر حاضر تھا، پس جب وہ دونوں لعان سے فارغ ہو گئے تو حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! اگر اب میں نے اس عورت کو اپنے پاس رکھا تو میں اس پر جھوٹ باندھنے والا قرار پاؤں گا، سو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم دینے سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ پس حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی سے علیحدگی اختیار کر لی، سو آپ نے فرمایا: یہ ہر دو لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۳۰۹، صحیح مسلم: ۱۴۹۲، سنن ابوداؤد: ۲۲۴۵، سنن نسائی: ۳۳۹۹، سنن ابن ماجہ: ۲۰۶۶، موطا امام مالک: ۱۲۰۱، سنن دارمی: ۲۲۲۹)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں کہا: ''فطلقها ثلاث تطليقات عند رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فانفذها رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم'' (حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین طلاقوں کو نافذ فرما دیا) اور جو کام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا گیا وہ سنت ہے''۔ (سنن ابوداؤد: ۲۲۵۰)

سوید بن غفلہ بیان کرتے ہیں کہ عائشہ خثعمیہ، حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے نکاح میں تھیں، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو انہوں نے حضرت حسن سے کہا: آپ کو خلافت مبارک ہو! حضرت حسن نے کہا: تم حضرت علی کی شہادت پر خوشی کا اظہار کر رہی ہو؟ جاؤ! تم کو تین طلاقیں دی ہیں، انہوں نے اپنے کپڑے لیے اور بیٹھ گئیں حتیٰ کہ ان کی عدت پوری ہو گئی، حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف ان کا بقیہ مہر اور دس ہزار کا صدقہ بھیجا، جب ان کے پاس قاصد یہ مال لے کر آیا تو انہوں نے کہا: مجھے اپنے جدا ہونے والے محبوب سے یہ تھوڑا سا سامان ملا ہے، جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ تک یہ بات پہنچی تو انہوں نے آبدیدہ ہو کر فرمایا: اگر میں نے اپنے نانا سے یہ حدیث نہ سنی ہوتی یا فرمایا: اگر میرے والد نے یہ بیان نہ کیا ہوتا کہ انہوں نے میرے نانا سے سنا ہے ''جس شخص نے بھی

اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں خواہ الگ الگ طہروں میں تین طلاقیں دی ہوں یا بہ یک وقت تین طلاقیں دی ہوں تو وہ عورت اس وقت تک اس کے لیے حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ کسی اور خاوند سے نکاح نہ کر لے'' ، اگر میں نے یہ حدیث نہ سنی ہوتی تو میں اس سے رجوع کر لیتا۔ (سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۳۶، نشر السنہ، ملتان)

سعید بن جبیر اور عطاء بن ابی رباح وغیرہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اکٹھی تین طلاقوں کو جائز قرار دیا اور ان کو نافذ کر دیا اور یہ حدیث حضرت عمر، حضرت علی، حضرت الحسن بن علی بن ابی طالب، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عمر، حضرت ابوہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ (معرفۃ السنن والآثار: ۴۴۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۲ھ)

جمہور فقہاءِ اسلام سے اکٹھی دی گئی تین طلاقوں کے مؤثر ہونے کا ثبوت

جمہور علماء اسلام کے نزدیک بہ یک وقت دی گئی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی، امام مالک، امام ابوحنیفہ اور قدیم وجدید جمہور فقہاء کے نزدیک بہ یک وقت دی گئی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔

(شرح مسلم ج ۱ ص ۴۷۸، نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۷۵ھ)

علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد القدامۃ المقدسی الدمشقی الحنبلی المتوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

''وان طلق ثلاثا بکلمة واحدة وقع الثلاث وحرمت علیه حتی تنکح زوجا غیره ولا فرق بین قبل الدخول وبعده روی ذالك عن ابن عباس وابی هریرة وابن عمر وعبدالله بن عمرو وابن مسعود وانس وهو قول اکثر اهل العلم من التابعین والائمة بعدهم'' (حضرت ابن عباس، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابن عمر، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت انس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ جس مرد نے کلمہ واحدہ سے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں تو یہ تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی خواہ اس نے دخول سے پہلے طلاق دی ہو یا دخول کے بعد طلاق دی ہو تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی حتیٰ کہ وہ کسی اور خاوند سے نکاح کر لے، اور فقہاء تابعین اور بعد کے ائمہ میں سے اکثر کا یہی مذہب ہے)۔ (المغنی ج ۱۰ ص ۸۴، دار الحدیث القاہرہ، ۱۴۲۵ھ)

اکٹھی تین طلاقیں دینے کے مفاسد

ہمارا مقصد یہ ہے کہ تین طلاقیں دینے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ تینوں طلاقیں الگ الگ تین طہروں میں دی جائیں، کیونکہ عموماً غصہ میں طلاق دی جاتی ہے اور جب وقفہ وقفہ سے طلاقیں دی جائیں گی تو ہو سکتا ہے بعد میں شوہر کا غصہ ختم ہو جائے اور وہ اگلے طہر میں اس طلاق سے رجوع کر لے لیکن اس کے برخلاف جب اکٹھی تین طلاقیں دی گئیں تو ہر چند کہ وہ تینوں طلاقیں نافذ ہو جائیں گی لیکن اس طرح تین طلاقیں دینا بدعت اور ناپسندیدہ عمل ہے اور شریعت کی حکمت کے خلاف ہے، میری اڑتالیس سالہ افتاء کی زندگی میں بارہا ایسا ہوا کہ کسی شخص نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دیں اور بعد میں نادم ہو کر ہمارے پاس آیا کہ اب رجوع کی کوئی صورت نکال دیں، لیکن شریعت میرے اختیار میں نہیں ہے جب اس شخص نے اللہ تعالیٰ کی حدود کی خلاف ورزی کر کے اکٹھی تین طلاقیں دے دیں تو اب اس کو اس کا نتیجہ بھگتنا ہوگا، پھر انتہائی افسوس کی بات یہ ہے کہ پھر ایسے لوگ بعد میں غیر مقلدین

کے پاس جا کر ان سے فتویٰ حاصل کرتے ہیں اور تین طلاق کو ایک طلاق قرار دے کر اسی بیوی کے ساتھ رہتے ہیں اور ساری عمر زنا کاری میں مبتلاء رہتے ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر اگر (شوہر نے) بیوی کو (تیسری بار) طلاق دے دی تو اس (تیسری طلاق کے بعد) اس بیوی کے لیے (اس شوہر سے نکاح کرنا) جائز نہیں ہے حتیٰ کہ وہ بیوی (اس شوہر کے علاوہ) کسی اور مرد سے نکاح کرلے، پھر اگر وہ (دوسرا خاوند) اس کو طلاق دے دے تو اس بیوی اور اس کے پہلے شوہر پر (دوسرے شوہر کی عدت گزارنے کے بعد) اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ باہم رجوع کرلیں، بشرطیکہ ان دونوں کا یہ ظنِ غالب ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم رکھ سکیں گے اور یہ اللہ کی حدود ہیں جن کو وہ ان لوگوں کے لیے بیان فرماتے ہیں جو علم والے ہیںO'' (البقرہ:۲۳۰)

حلالۂ شرعیہ میں نکاحِ ثانی کے بعد جماع کی شرط

علامہ السید محمود الآلوسی البغدادی الحنفی المتوفی ۱۲۷۰ھ البقرہ:۲۳۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ'':

یعنی حلالہ شرعیہ کے لیے ضروری ہے کہ جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں وہ پہلے شوہر کے علاوہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کرلے۔ بہ ظاہر اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ صرف دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کرنے سے وہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال ہوجائے گی لیکن حدیث میں یہ قید لگادی ہے کہ حلالۂ شرعیہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسرا شوہر اس کے ساتھ جماع بھی کرے اور جب تک وہ اس کے ساتھ جماع نہیں کرے گا وہ پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوگی۔ وہ حدیث درج ذیل ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت رِفاعۃ القُرظی رضی اللہ عنہ کی بیوی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، پس انہوں نے کہا کہ میں رِفاعۃ کے نکاح میں تھی، پس انہوں نے مجھے تین طلاقیں دے دیں، پھر میں نے حضرت عبدالرحمٰن بن الزَّبیر رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا اور ان کے پاس تو صرف کپڑے کے ایک پلّو کی مثل تھا، آپ نے پوچھا: کیا تم رِفاعۃ کی طرف رجوع کرنا چاہتی ہو؟ نہیں! حتیٰ کہ تم اس کا تھوڑا سا شہد چکھ لو اور وہ تمہارا تھوڑا سا شہد چکھ لے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس وقت وہاں بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ دروازہ پر اس بات کے منتظر تھے کہ ان کے لیے اجازت دی جائے، تو انہوں نے کہا: اے ابوبکر! کیا آپ اس عورت کی بات سُن رہے ہیں، یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بلند آواز سے کیسی بات کر رہی ہے!!

(صحیح البخاری:۲۶۳۹، صحیح مسلم:۱۴۳۳، سنن ترمذی:۱۱۱۸، سنن نسائی:۳۲۸۳، سنن ابن ماجہ:۱۹۳۲، مسند احمد:۲۳۵۷۸، سنن دارمی:۲۲۶۷)

دوسرے شوہر کے جماع کے قید لگانے میں حکمت یہ ہے تاکہ شوہر کو جلدی تین طلاقیں دینے سے روکا جائے، کیونکہ جب اس کو یہ معلوم ہوگا کہ جب اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو اس کی بیوی اس کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک کہ دوسرا مرد اس عورت سے نکاح کرکے اس سے جماع نہ کرلے پھر بغیر کسی شرط کے اپنی مرضی سے اس کو طلاق دے دے اور وہ اس دوسرے شوہر کی عدت گزار لے، تب وہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہوسکتی ہے۔

غیر شرعی حلالہ

ہم نے یہ کہا ہے کہ دوسرا شوہر کسی پیشگی شرط کے بغیر اپنی مرضی سے اس عورت کو طلاق دے تب وہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہوگی اور اگر دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح سے پہلے یہ شرط لگائی جائے کہ وہ دوسرا شوہر اس سے جماع کرنے کے بعد اس عورت کو طلاق دے دے گا تا کہ وہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے تو یہ ایسی شرط ہے جس سے طبائع سلیمہ متنفر ہوتی ہیں اور مردوں کی غیرت اس سے انکار کرتی ہے۔ امام مالک، امام احمد، الثوری اور الظاہر یہ اور بہ کثرت فقہاء کے نزدیک حلالہ کی شرط کے ساتھ نکاح باطل ہے اور ان کا استدلال درج ذیل حدیث سے ہے:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو کرایہ کے سانڈ کی خبر نہ دوں؟ صحابہ نے عرض کیا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: یہ حلالہ کرنے والا ہے، حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا گیا ہو دونوں پر اللہ کی لعنت ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۹۳۶، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۱۹۸، سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۰۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۴۵، ابن الجارود: ۶۸۴، مسند احمد: ۸۰۸۸، ج ۲ ص ۳۲۳، التلخیص الحبیر ج ۳ ص ۱۷۰)

امام عبد الرزاق نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: میرے سامنے جس مُحَلِّل اور مُحَلَّل لَہٗ کو لایا جائے گا میں اس کو سنگسار کر دوں گا۔ (مصنف عبد الرزاق: ۱۰۸۱۹)

امام عبد الرزاق از الزہری روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ سوال کیا گیا کہ کوئی شخص کسی عورت کو اس کے خاوند کے لیے حلال کر دے؟ تو انہوں نے فرمایا: یہ زنا ہے۔ (مصنف عبد الرزاق: ۱۰۸۱۸)

امام عبد الرزاق عبد اللہ بن شریک العامری سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ ایک مرد نے اپنے چچا کی بیٹی کو طلاق دے دی، پھر دوبارہ اس کے ساتھ نکاح میں راغب ہوا اور طلاق دینے پر نادم ہوا تو اس نے یہ ارادہ کیا کہ کوئی اور مرد اس عورت سے نکاح کر کے اس عورت کو اس کے لیے حلال کر دے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ دونوں زانی ہیں خواہ وہ بیس سال تک اس نکاح پر برقرار رہیں۔ (مصنف عبد الرزاق: ۱۰۸۲۰، المحلی لابن حزم ج ۱۰ ص ۱۸۱)

علامہ آلوسی لکھتے ہیں: ہمارے نزدیک یہ احادیث اس صورت پر محمول ہیں جب کسی مرد نے حلالہ کرنے کو اپنا کسب بنا لیا ہو اور وہ لوگوں سے اُجرت لے کر ان کی مطلقہ بیویوں کو ان کے لیے حلال کرتا ہو، دوسرا محمل یہ ہے کہ اگر دوسرے مرد سے عقدِ نکاح میں یہ شرط رکھ دی جائے کہ وہ نکاح کر کے جماع کرنے کے بعد اس عورت کو طلاق دے دے گا تو ایسا محلِل اور محلَل لہٗ لعنت کے مستحق ہیں، لیکن اگر کسی مرد نے یہ شرط نہ لگائی ہو اور صرف دل میں یہ نیت کی ہو کہ وہ اس مسلمان کی مدد کرے گا اور اس کی بیوی کو اس کے لیے حلال کر دے گا تو پھر وہ لعنت کا مصداق نہیں ہے بلکہ کہا گیا ہے: ایسا کرنے والا اجر کا مستحق ہوگا۔

(روح المعانی ج ۲ ص ۲۱۲۔ ۲۱۳، دار الفکر، بیروت)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”اور (اے مسلمانو!) جب تم اپنی بیویوں کو رجعی طلاق دے دو، پھر وہ اپنی عدت (پوری ہونے کے قریب پہنچ جائیں) تو یا انہیں دستورِ شرع کے موافق (اپنے نکاح میں) روک لو یا بھلائی کے ساتھ ان کو

چھوڑ دو اور ان کو ضرر پہنچانے کے لیے روکے نہ رکھو تاکہ تم ان پر زیادتی کرو اور جس نے ایسا کیا تو بیشک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا اور اللہ کے احکام کو مذاق میں نہ ٹالو، اور (اے مسلمانو!) تم اللہ کی اس نعمت کو یاد رکھو جو اس نے تم کو عطا فرمائی ہے اور اس نے تم پر جو کتاب اور حکمت نازل فرمائی ہے اس کو یاد رکھو، اللہ تمہیں اس کی نصیحت فرماتے ہیں اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یاد رکھو کہ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والے ہیں O'' (البقرہ: ۲۳۱)

بیویوں کو تنگ کرنے اور ستانے کی ممانعت

''وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَ لَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا'': یعنی تیسرے طہر میں یا تو دستورِ شرع کے مطابق اپنی بیوی سے ازدواجی تعلقات بحال کرلو، اگر یہ تم کو منظور نہ ہو تو پھر حسن وخوبی کے ساتھ بیوی کو رخصت کردو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ وضاحت فرمادی ہے کہ بیوی کو اپنے نکاح میں اس لیے نہ روکو کہ اس طرح تم اپنی بیوی کو اپنے پنجۂ ستم میں اسیر رکھو اور تم اس کو اپنی خواہش کے مطابق اذیت پہنچا سکو، اور یہ وضاحت اس لیے فرمادی ہے کہ ظالم لوگ طلاق دے کر اور طلاق کے بعد رجوع کرکے شوہری حق کو اس ظلم کے لیے استعمال کرتے تھے حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز اور اس کی شریعت کا مذاق بنانا ہے۔

اگر کوئی مرد اپنی بیوی کو نہ گزارے کا خرچ دے اور نہ اس کو طلاق دے کر آزاد کرے تو اس کے متعلق فقہاء اسلام کے مذاہب

ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی المالکی المتوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں بیویوں کو دستورِ شرع کے موافق اپنے پاس رکھنے کا حکم دیا ہے اور دستورِ شرع کے موافق رکھنے کا معنی یہ ہے کہ بیوی کو اس کے گزارہ کے اخراجات ادا کیے جائیں، اسی لیے فقہاء کی ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ جب شوہر کے پاس اتنا مال نہ ہو جس سے وہ بیوی کی ضروریات پوری کرے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور اگر اس نے ایسا نہیں کیا تو وہ دستورِ شرع کے موافق عمل کرنے سے خارج ہوگیا، ایسی صورت میں حاکمِ شرع اس عورت پر طلاق نافذ کردے، کیونکہ اس صورت میں اس مرد کے نکاح میں رہنے سے اس عورت کو ضرر ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا''۔

امام مالک، امام شافعی، امام احمد، اسحاق، ابوثور، ابوعبید، یحییٰ القطان اور عبدالرحمٰن بن مہدی نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ اور صحابہ کرام میں سے حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے، اور فقہاء تابعین میں سے سعید بن المسیب نے کہا ہے کہ یہی سنت ہے، اس کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے اور فقہاء کی دوسری جماعت نے کہا ہے کہ اس صورت میں ان دونوں کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی اور عورت پر لازم ہے کہ وہ خرچ نہ ملنے اور بھوک پیاس پر صبر کرے اور اس عورت کو جب اس کا خاوند خرچ نہ دے تو حاکم کے اوپر لازم ہے کہ وہ عورت کا خرچ مقرر کرے اور یہ عطاء

اور الزہری کا قول ہے اور یہی فقہاء احناف اور الثوری کا مذہب ہے، اور انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے: ''وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ۔۔۔ (البقرہ: ۲۸۰)'' (اگر مرد تنگدست ہے تو اس کو اس کی آسانی تک مہلت دی جائے)۔ نیز ان دونوں کا نکاح بالاجماع منعقد ہو چکا ہے، لہٰذا ان کے درمیان بغیر اجماع کے تفریق نہیں کی جائے گی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے بغیر ان میں تفریق نہیں کی جائے گی، اور ائمہ ثلاثہ اور دیگر فقہاء اور صحابہ کرام کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین صدقہ وہ ہے جو خوش حالی میں دیا جائے اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے اور جو تمہارے عیال دار ہیں ان سے خرچ کرنے کی ابتداء کرو، بیوی کہے گی: یا تو مجھے کھانا کھلاؤ اور یا مجھے طلاق دے دو۔۔۔ الحدیث۔ (صحیح البخاری: ۵۳۵۵)

(الجامع لاحکام القرآن جز ۳ ص ۱۴۷۔۱۴۸، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

مسئلہ مذکورہ میں مصنف کا موقف

میں کہتا ہوں: قوتِ دلیل کے اعتبار سے ائمہ ثلاثہ کا مذہب راجح ہے اور خصوصاً ہمارے زمانہ میں لوگ اپنی بیویوں کو تنگ کرنے اور ستانے کے لیے نہ اُن کو آباد کر کے ان کا خرچ ادا کرتے ہیں اور نہ اُن کو طلاق دے کر آزاد کرتے ہیں اور ان کی بیویاں ان کے پنجۂ ظلم میں اسیر رہتی ہیں اور یہ امام ابوحنیفہ کا زمانہ تو ہے نہیں کہ حاکمِ شرع ایسی مظلوم عورت کے لیے بیت المال سے خرچ مقرر کر دے اور نہ ہی اس زمانہ میں عورت کو اس پر قدرت ہے کہ وہ عدالتوں کے چکر لگائے اور اپنے نان نفقہ کے لیے حکومت کو درخواست دے تو ایسی صورت میں انسانی ہمدردی کا تقاضا یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ اور دیگر فقہاء کے مذہب پر عمل کیا جائے اور جب کوئی مرد اپنی بیوی کو نہ خرچ دے اور نہ طلاق دے کر آزاد کرے تو پھر عدالت کو یہ اجازت دی جائے کہ وہ ایسی عورت کے اوپر طلاق نافذ کر دے اور اِس زمانہ کے مفتیانِ کرام پر لازم ہے کہ وہ اس طلاق کو نافذ قرار دیں، کیونکہ مذہبِ احناف میں ضرورت کے وقت دوسرے مذہب پر عمل کرنے کی اجازت ہے خصوصاً امام مالک کے مذہب پر، لہٰذا انسانی ہمدردی کا تقاضا یہ ہے کہ اس صورت میں ائمہ ثلاثہ کے مذہب پر عمل کیا جائے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾

اور (اے مسلمانو!) جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دے چکو پھر وہ (بیویاں) اپنی عدت پوری ہونے تک پہنچ جائیں تو (اے عورتوں کے والیو!) جب وہ بیویاں اپنے خاوندوں کے ساتھ دوبارہ دستورِ شرع کے موافق نکاح کرنے پر راضی ہوں تو تم ان بیویوں کو نکاح کرنے سے منع نہ کرو، تم میں سے جو اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو اس حکم سے نصیحت کی جاتی ہے، اس (نصیحت کو قبول کرنا) تمہارے لیے زیادہ صفائے باطن اور زیادہ پاکیزگی (کا سبب) ہے اور اللہ (سب کچھ) جانتے ہیں اور تم

(کچھ) نہیں جانتے O

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۗ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں، یہ (حکم) اس کے لیے ہے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے، اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمہ دستورِ شرع کے موافق ان (دودھ پلانے والی ماؤں) کا طعام اور ان کا لباس ہے، کسی شخص کو اس کی طاقت سے بڑھ کر مکلف نہیں کیا جائے گا، ماں کو اس کے بچہ کی وجہ سے ضرر نہ پہنچایا جائے اور نہ بچہ کے باپ کو اس کے بچہ کی وجہ سے ضرر پہنچایا جائے، اور وارث پر (بھی) اس کی مثل (حکم) لازم ہے، پھر اگر ماں باپ باہمی رضامندی اور مشورہ سے (بچہ کا) دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کچھ گناہ نہیں، اور اگر تم چاہو کہ (دائیوں سے) اپنے بچوں کو دودھ پلواؤ تو اس میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ تم ان (دائیوں) کو وہ معاوضہ ادا کردو جو دستورِ شرع کے موافق ان سے طے پایا تھا، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یاد رکھو کہ بے شک اللہ تمہارے تمام کاموں کو خوب دیکھنے والے ہیں O

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾

اور (اے مسلمانو!) تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں، وہ بیویاں اپنے آپ کو چار ماہ دس دن انتظار میں رکھیں، پھر جب وہ بیویاں اپنی عدت پوری کرلیں تو تم پر اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ بیویاں دستورِ شرع کے موافق جو کچھ اپنے ساتھ کریں، اور اللہ تمہارے تمام کاموں کی خوب خبر رکھنے والے ہیں O

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا

قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ؕ وَ لَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ﴿۲۳۵﴾ ع

اور تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم زیرِ عدت عورتوں کو تعریضاً یا کنایۃً نکاح کا پیغام دو یا تم (اس پیغام کو) دل میں چھپا کر رکھو، اللہ خوب جانتے ہیں کہ بے شک تم عنقریب اُن عورتوں کو یاد کرو گے لیکن تم (عدت پوری ہونے سے پہلے) اُن زیرِ عدت عورتوں سے خُفیہ طور پر نکاح کا وعدہ نہ کرو سوا اس کے کہ تم دستورِ شرع کے موافق کوئی بات کہو، اور تم (زیرِ عدت عورتوں سے) نکاح کا عزمِ مصمم نہ کرو حتیٰ کہ مقررہ عدت پوری ہو جائے اور یاد رکھو کہ اللہ تمہارے دلوں کی ہر بات جانتے ہیں سو اللہ سے ڈرتے رہو اور یاد رکھو کہ بے شک اللہ بہت بخشنے والے نہایت حلم والے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے مسلمانو!) جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دے چکو، پھر وہ (بیویاں) اپنی عدت پوری ہونے تک پہنچ جائیں تو (اے عورتوں کے والیو!) جب وہ بیویاں اپنے خاوندوں کے ساتھ دوبارہ دستورِ شرع کے موافق نکاح کرنے پر راضی ہوں تو تم ان بیویوں کو نکاح کرنے سے منع نہ کرو، تم میں سے جو اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو اس حکم سے نصیحت کی جاتی ہے، اس (نصیحت کو قبول کرنا) تمہارے لیے زیادہ صفائے باطن اور زیادہ پاکیزگی (کا سبب) ہے اور اللہ (سب کچھ) جانتے ہیں اور تم (کچھ) نہیں جانتے O'' (البقرہ: ۲۳۲)

بالغہ خواتین کے از خود نکاح کرنے کے جواز پر قرآنِ مجید سے دلائل

''وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ'':

حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ''فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ'' میرے متعلق نازل ہوئی ہے، انہوں نے بتایا کہ میں نے اپنی بہن (حضرت جمیلہ بنت یسار) کا ایک مرد (حضرت ابوالبداح) سے نکاح کیا تھا، سو اس مرد نے میری بہن کو طلاق دے دی تھی حتیٰ کہ جب میری بہن کی عدت پوری ہو گئی تو وہی مرد میری بہن کو نکاح کا پیغام دینے کے لیے آیا تو میں نے اس مرد سے کہا: میں نے (اپنی بہن کا) تم سے نکاح کر دیا تھا اور اس کو تمہارا بستر بنا دیا تھا اور میں نے تمہاری تکریم کی تھی پھر بھی تم نے اس کو طلاق دے دی، اور اب پھر تم اس سے نکاح کرنے کا پیغام دینے کے لیے آئے ہو؟ نہیں، اللہ کی قسم! وہ تمہاری طرف کبھی نہیں لوٹے گی اور اس مرد میں کوئی عیب نہیں تھا اور میری بہن بھی اس کے نکاح میں واپس جانا چاہتی تھی (مگر میں نے اپنی بہن کو اور اس کے خاوند کو اس نکاح سے منع کیا)، تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: ''وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ'' تب میں نے کہا: یا رسول اللہ! اب میں یہ نکاح کر دوں گا، حضرت معقل رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ پھر انہوں نے اپنی بہن کا اس مرد کے ساتھ نکاح کر دیا۔

(صحیح البخاری: ۴۵۲۹، ۵۱۳۰، سنن ترمذی: ۲۹۸۱، سنن ابوداؤد: ۲۰۸۷، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۱۷۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۳۸)

میں کہتا ہوں: اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم آنے کے بعد مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنی پہلی رائے کو ترک کر دے، جس طرح حضرت معقل رضی اللہ عنہ نے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اپنے پہلے قول سے رجوع کر لیا۔

(سعیدی غفرلہ)

البقرہ: ۲۳۲ اور صحاح کی حدیثِ مذکور سے یہ واضح ہو گیا کہ بالغہ خاتون اپنا نکاح خود کر سکتی ہے اور اس کے والی اور سر پرست اس کو نکاح کرنے سے روکنے اور منع کرنے کے مجاز نہیں ہیں اور یہی امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے اور اُن کے اس موقف پر مزید دلائل درجِ ذیل آیات ہیں:

فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰی تَنۡکِحَ زَوۡجًا غَیۡرَهٗ ؕ (البقرہ: ۲۳۰)

پھر اگر (شوہر نے) بیوی کو (تیسری بار) طلاق دے دی تو اس (تیسری طلاق کے بعد) اس بیوی کے لیے (اس شوہر سے نکاح کرنا) جائز نہیں ہے حتیٰ کہ وہ بیوی (اس شوہر کے علاوہ) کسی اور مرد سے نکاح کر لے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نکاح کرنے کی نسبت عورت کی طرف کی ہے اور اس میں ولی کی قید نہیں لگائی، اس سے معلوم ہوا کہ اگر عورت ولی کے بغیر از خود تیسری طلاق کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح کر لے تو پھر اس دوسرے مرد کی طلاق کے بعد وہ اپنے پہلے خاوند پر حلال ہو جائے گی اور اس آیت سے یہ واضح ہو گیا کہ بالغہ عورت کا از خود نکاح کرنا جائز ہے اور اس کے لیے ولی کی شرط نہیں ہے اور ائمہ ثلاثہ اور غیر مقلدین کا بالغہ عورت کے نکاح کے لیے ولی کی شرط لگانا قرآنِ مجید کی اس آیت پر اضافہ ہے اور باطل ہے۔ نیز اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡهِمَاۤ اَنۡ یَّتَرَاجَعَاۤ (البقرہ: ۲۳۰)

پھر اگر وہ (دوسرا خاوند) اس کو طلاق دے دے تو اس بیوی اور اس کے پہلے شوہر پر (دوسرے شوہر کی عدت گزارنے کے بعد) اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ باہم رجوع کر لیں۔

اس آیت میں بھی یہ تصریح ہے کہ بالغہ عورت تیسری طلاق کے بعد پہلے خاوند سے نکاح کر سکتی ہے اور قرآن مجید نے یہاں پر بھی ولی کی شرط نہیں عائد کی اور غیر مقلدین اور ائمہ ثلاثہ کا اس نکاح میں ولی کی شرط عائد کرنا قرآن مجید پر اضافہ ہے اور باطل ہے۔

بالغہ خواتین کے از خود نکاح کرنے کے جواز پر احادیثِ صحیحہ سے دلائل

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے نکاح عورت (خواہ کنواری ہو یا بیوہ) کا نکاح اس کے مشورہ کے بغیر نہ کیا جائے اور کنواری عورت کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے''۔

(صحیح البخاری: ۵۱۳۶، صحیح مسلم: ۱۴۱۰، سنن ابوداؤد: ۲۰۹۲، سنن نسائی: ۳۲۶۵، سنن ترمذی: ۱۱۰۶، مسند احمد: ۹۶۱۱)

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بیوہ عورت ولی کی بہ نسبت اپنا نکاح کرنے کی

زیادہ حق دار ہے اور کنواری عورت سے اس کا باپ اجازت طلب کرے''۔ (سنن ابوداؤد: ۲۰۹۹)

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''بیوہ عورت کے نکاح میں ولی کا کوئی اختیار نہیں ہے''۔ (سنن ابوداؤد: ۲۱۰۰، سنن نسائی: ۳۲۶۳، مسند احمد: ۲۳۶۱، ج ۱ ص ۲۶۱، صحیح ابن حبان: ۴۰۸۹، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۱۸، مصنف عبدالرزاق: ۱۰۲۹۹، سنن دار قطنی ج ۳ ص ۲۳۹)

(۴) حضرت خنساء بنت خذام الانصاریہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب وہ بیوہ تھیں تو ان کا نکاح ان کے والد نے کر دیا، سوانہوں نے اس نکاح کو ناپسند کیا، پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو آپ نے ان کے نکاح کو مسترد فرما دیا۔ (صحیح البخاری: ۵۱۳۸، ۵۱۳۹، سنن ابوداؤد: ۲۱۰۱، سنن نسائی: ۳۲۶۸، سنن ابن ماجہ: ۱۸۷۳)

''اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ'': دستورِ شرع کے موافق رضامندی کا معنی یہ ہے کہ وہ عقدِ نکاح جائز ہو اور مہرِ مثل کے عوض نکاح کیا جائے اور وہ نکاح کُفو میں ہو، اور عورت کے والی اس نکاح پر راضی ہوں تاکہ بعد میں انہیں اعتراض کی گنجائش نہ رہے اور مجلسِ نکاح میں مسلمان گواہ حاضر ہوں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں، یہ (حکم) اس کے لیے ہے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے، اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمہ دستورِ شرع کے موافق ان (دودھ پلانے والی ماؤں) کا طعام اور ان کا لباس ہے، کسی شخص کو اس کی طاقت سے بڑھ کر مکلف نہیں کیا جائے گا، ماں کو اس کے بچہ کی وجہ سے ضرر نہ پہنچایا جائے اور نہ بچہ کے باپ کو اس کے بچہ کی وجہ سے ضرر پہنچایا جائے، اور وارث پر (بھی) اس کی مثل (حکم) لازم ہے، پھر اگر ماں باپ باہمی رضامندی اور مشورہ سے (بچہ کا) دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کچھ گناہ نہیں، اور اگر تم چاہو کہ (دائیوں سے) اپنے بچوں کو دودھ پلواؤ تو اس میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ تم ان (دائیوں) کو وہ معاوضہ ادا کر دو جو دستورِ شرع کے موافق ان سے طے پایا تھا، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یاد رکھو کہ بے شک اللہ تمہارے تمام کاموں کو خوب دیکھنے والے ہیں O'' (البقرہ: ۲۳۳)

بچوں کو دودھ پلانے کی مدت اور اس سے متعلق دیگر احکام

ملا احمد جیون جونپوری حنفی متوفی ۱۱۳۰ھ، البقرہ: ۲۳۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ'': اس سے پہلی آیت میں طلاق کے احکام بیان فرمائے تھے، اب اس جگہ طبعاً یہ سوال سامنے آتا ہے کہ اگر طلاق والی عورت کی گود میں شیر خوار بچہ ہو تو اس جدائی کے بعد اس کی پرورش کا کیا طریقہ ہوگا؟ اس لیے حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ بچہ کی پرورش کے متعلق ماں باپ کے لیے جو شرعی احکام ہیں وہ اس موقع پر بیان کر دیئے جائیں۔

مسئلہ: ماں خواہ مطلقہ ہو یا نہ ہو، اس پر اپنے بچہ کو دودھ پلانا واجب ہے بشرطیکہ باپ کو اجرت پر دودھ پلوانے کی قدرت

واستطاعت نہ ہو یا کوئی دودھ پلانے والی میسر نہ آئے، یا بچہ ماں کے سوا اور کسی کا دودھ قبول نہ کرے، اگر یہ باتیں نہ ہوں یعنی بچہ کی پرورش خاص ماں کے دودھ پر موقوف نہ ہو تو ماں پر دودھ پلانا واجب نہیں مستحب ہے۔

''وَعَلَی الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ'': بچہ کی پرورش اور اس کو دودھ پلوانا باپ کے ذمہ واجب ہے، اس کے لیے وہ دودھ پلانے والی مقرر کرے لیکن اگر ماں اپنی رغبت سے بچہ کو دودھ پلائے تو اس کا دودھ پلانا مستحب ہے۔

مسئلہ: شوہر اپنی بیوی پر بچہ کو دودھ پلانے کے لیے جبر نہیں کر سکتا اور نہ عورت شوہر سے بچہ کے دودھ پلانے کی اجرت طلب کر سکتی ہے جب تک کہ اس کے نکاح یا عدت میں رہے۔ چونکہ وہ بیوی بچہ کو اس کے باپ کی وجہ سے دودھ پلاتی ہے اس لیے باپ پر لازم ہے کہ وہ اس بیوی کو لباس اور طعام مہیا کرے جیسا کہ اگر کوئی دائی دودھ پلاتی تو وہ اس کو اجرت ادا کرتا۔ مسئلہ: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور عدت گزر چکی تو وہ بیوی اس سے بچہ کے دودھ پلانے کی اجرت لے سکتی ہے۔ مسئلہ: اگر باپ نے کسی عورت کو اپنے بچہ کے دودھ پلانے پر بہ اجرت مقرر کیا اور اس کی ماں اسی اجرت پر یا بے معاوضہ دودھ پلانے پر راضی ہوئی تو ماں ہی دودھ پلانے کی زیادہ مستحق ہے۔ اور اگر ماں نے زیادہ اجرت طلب کی تو باپ کو اس سے دودھ پلوانے پر مجبور نہ کیا جائے گا۔ ''الْمَعْرُوْف'' سے مراد یہ ہے کہ دودھ پلانے کی اُجرت حسبِ حیثیت ہو، نہ اس میں تنگی ہو اور نہ فضول خرچی ہو۔

''لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا'': یعنی بیوی کو اس کی مرضی کے خلاف بچہ کو دودھ پلانے پر مجبور نہ کیا جائے۔

''لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ'': ماں کا بچہ کو ضرر دینا اس طرح ہے کہ وہ اس کو وقت پر دودھ نہ پلائے اور اپنی نگرانی میں بچہ کو نہ رکھے یا اپنے ساتھ مانوس کر لینے کے بعد اس کو چھوڑ دے، اور باپ کا بچہ کو ضرر دینا اس طرح ہے کہ وہ مانوس بچہ کو ماں سے چھین لے یا ماں کا حق ادا کرنے میں کوتاہی کرے جس سے بچہ کو نقصان پہنچے۔

''وَعَلَی الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ'': یعنی جس طرح باپ کی زندگی میں اس کی بیوی کا طعام اور لباس باپ کے ذمہ تھا اسی طرح باپ کی وفات کے بعد جو اس کا وارث ہوگا اس پر بھی لازم ہوگا کہ وہ بچہ کی ماں کو طعام اور لباس فراہم کرے۔

''فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا'': یعنی دودھ پلانے کے لیے دو سال کی مدت کو پورا کرنا لازم نہیں ہے، اگر بچہ کو ضرورت نہ رہے اور دودھ چھڑانے میں اس کے لیے کوئی خطرہ نہ ہو تو اس سے کم مدت میں بھی دودھ چھڑانا جائز ہے یا باہمی مشورہ سے دو سال سے زیادہ مدت یعنی ڈھائی سال تک دودھ پلانا چاہیں تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، پس سبحان ہے وہ ذات جس نے بڑوں کو ادب سکھایا اور بچوں کی خیر خواہی کو ترک نہیں فرمایا اور ماں باپ دونوں کے اتفاق کا اعتبار کیا گیا ہے کیونکہ باپ سے بچہ کا نسب ثابت ہوتا ہے اور وہی پرورش کا خرچ اٹھاتا ہے اور ماں بچہ پر شفقت کرتی ہے اور اس کی پرورش کرتی ہے۔

''وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَیْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ'': یعنی جب کسی وجہ سے ماں بچہ کو دودھ نہ پلا سکے تو تم کسی دائی سے دودھ پلواؤ تو اس میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے۔

(التفسیرات الاحمدیہ ص ۱۳۸۔۱۴۵ ملخصاً وملتقطاً، مکتبہ حقانیہ، پشاور)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے مسلمانو!) تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ

جائیں، وہ بیویاں اپنے آپ کو چار ماہ دس دن انتظار میں رکھیں، پھر جب وہ بیویاں اپنی عدت پوری کرلیں تو تم پر اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ بیویاں دستورِ شرع کے موافق جو کچھ اپنے ساتھ کریں، اور اللہ تمہارے تمام کاموں کی خوب خبر رکھنے والے ہیں O'' (البقرہ: ۲۳۴)

عورتوں کی عدت چار ماہ دس دن مقرر فرمانا

امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، البقرہ: ۲۳۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا'': عورتوں کی عدت کا معنی یہ ہے کہ بیوہ خواتین چار مہینے دس دن تک اپنے خاوندوں کے فراق کی وجہ سے زینت، خوشبو اور بناؤ سنگھار وغیرہ کو ترک کردیں مگر حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے، اور ابتداءِ اسلام میں بیوہ عورتوں کی عدت وضعِ حمل تک تھی، کیونکہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚۖ وَّصِیَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَیْرَ اِخْرَاجٍ (البقرہ: ۲۴۰) اور تم میں سے جو لوگ فوت ہوجائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں وہ (وفات سے پہلے) ان بیویوں کو نکالے بغیر سال بھر تک خرچ دینے کی وصیت کرجائیں۔

پھر جب چار ماہ دس دن تک عدت کا حکم نازل ہوا تو اس آیت کو منسوخ کردیا گیا اور بیوہ کے لیے عدتِ وفات میں سوگ منانا واجب ہے اور سوگ یہ ہے کہ وہ بناؤ سنگھار، تیل لگانے اور خوشبو لگانے کو ترک کردے، حدیث میں ہے:

حضرت زینب ابنۃ ابی سلمۃ رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی جب (ملکِ) شام سے حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر آئی، پس حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اُن کی وفات کے تیسرے دن زرد رنگ کی خوشبودار کریم منگوائی، پھر انہوں نے وہ خوشبودار کریم اپنے رُخساروں پر اور اپنی کلائیوں پر مَلی، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں اب اس بناؤ سنگھار سے مستغنی ہوچکی ہوں (کیونکہ میرے شوہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفات پاچکے ہیں) لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: جو عورت اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتی ہو اس کے لیے تین دن سے زیادہ کسی وفات شدہ پر سوگ منانا جائز نہیں ہے سوا خاوند کے، اس پر وہ چار ماہ دس دن سوگ منائے۔ (صحیح البخاری: ۱۲۸۰، صحیح مسلم: ۱۴۸۶، سنن ترمذی: ۱۱۹۵، سنن نسائی: ۳۵۰۴، سنن ابوداؤد: ۲۲۹۹، سنن ابن ماجہ: ۲۰۸۶، مسند احمد: ۲۵۹۱۴، موطا امام مالک: ۱۲۶۸، سنن دارمی: ۲۲۸۴)

حدیثِ مذکور کی روایت میں امام بخاری کا تسامح

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس روایت میں کہا ہے کہ شام سے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر آئی، یہ غلط ہے کیونکہ مورخین اہلِ علم کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت ابوسفیان کی وفات مدینہ میں ہوئی اور جمہور کا اس پر اتفاق ہے کہ ان کی وفات ۳۲ھ میں ہوئی، اور میرا گمان یہ ہے کہ یہاں ''ابن'' کا لفظ چھوٹ گیا ہے یعنی شام سے ابن ابوسفیان کی موت کی خبر آئی تھی جو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے جن کا نام یزید بن ابی سفیان تھا، یہ شام کے گورنر تھے۔ امام بخاری نے امام مالک اور سفیان ثوری کی سند

سے روایت کی ہے کہ جب حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کے والد حضرت ابوسفیان بن حرب فوت ہو گئے اور ان میں سے کسی نے بھی شام کا ذکر نہیں کیا اور مجھے یہ حدیث مصنف ابن ابی شیبہ میں مل گئی، اس میں مذکور ہے کہ جب حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے بھائی کی وفات کی خبر آئی تو انہوں نے بناؤ سنگھار ترک کر دیا اور زرد رنگ کی کریم اپنی کلائیوں پر لگائی۔

(فتح الباری ج ۲ ص ۲۹۔ ۷۳۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ، عمدۃ القاری ج ۸ ص ۹۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

بیوہ خاتون کی عدت میں فقہاءِ صحابہ اور تابعین کا اختلاف

اکثر اہلِ علم صحابہ اور فقہاءِ تابعین کے نزدیک بیوہ عورت کی عدت وضعِ حمل ہے اور حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ بیوہ عورت دو عدتوں یعنی وضعِ حمل اور چار ماہ دس دن میں سے لمبی مدت تک عدت گزارے، یعنی ان دونوں عدتوں میں سے جس کا عرصہ زیادہ ہو وہ اس کی عدت ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سورۃ النساء القصریٰ یعنی سورۃ الطلاق، سورۃ النساء الطولیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے، سورۃ الطلاق میں ارشاد ہے:

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۭ اور حاملہ عورتوں کی عدت ان کا وضعِ حمل ہے۔

(الطلاق: ۴)

اور یہ آیت ''يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا'' کے بعد نازل ہوئی ہے، پھر اس کو ناسخ قرار دیا گیا ہے۔ اور جمہور فقہاء نے الطلاق: ۴ کے عام حکم کی درج ذیل حدیث سے تخصیص کی ہے:

بیوہ خاتون کی عدت کے لیے وضعِ حمل کا مقرر ہونا

حضرت المسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت سبیعۃ الاسلمیہ رضی اللہ عنہا کو ان کے شوہر کی وفات کے چند دن بعد نفاس آ گیا (یعنی وضعِ حمل کے چند دن بعد انہوں نے خون دیکھ لیا) پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ سے نکاح کرنے کی اجازت طلب کی، پس آپ نے ان کو نکاح کرنے کی اجازت دے دی، سو انہوں نے نکاح کر لیا۔

(صحیح البخاری: ۵۳۲۰، سنن نسائی: ۳۵۰۶، سنن ابن ماجہ: ۲۰۲۹، مسند احمد: ۱۸۳۴۸، موطا امام مالک: ۱۲۵۲)

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث سے جس طرح یہ ثابت ہوا کہ جو عورت حاملہ ہو اور وضعِ حمل کے چند دن بعد اس کا خاوند فوت ہو جائے تو اس کی عدت ختم ہو جاتی ہے، اسی طرح اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بالغہ عورت از خود اپنا نکاح کر سکتی ہے اور یہی فقہاءِ احناف کثرھم اللہ کا مذہبِ مہذب ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم زیرِ عدت عورتوں کو تعریضاً یا کنایۃً نکاح کا پیغام دو یا تم (اس پیغام کو) دل میں چھپا کر رکھو، اللہ خوب جانتے ہیں کہ بے شک تم عنقریب اُن عورتوں کو یاد کرو گے لیکن تم (عدت پوری ہونے سے پہلے) اُن زیرِ عدت عورتوں سے خُفیہ طور پر نکاح کا وعدہ نہ کرو سوا اس کے کہ تم دستورِ شرع کے موافق کوئی بات کہو، اور تم (زیرِ عدت عورتوں سے) نکاح کا عزمِ مصمم نہ کرو حتیٰ کہ مقررہ عدت پوری ہو جائے اور یاد رکھو کہ اللہ تمہارے دلوں کی ہر بات جانتے ہیں سو اللہ سے ڈرتے رہو اور یاد

رکھو کہ بے شک اللہ بہت بخشنے والے نہایت حلم والے ہیں O'' (البقرہ: ۲۳۵)

امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ البقرہ: ۲۳۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ'': ''عَرَّضْتُمْ'' کا لفظ تعریض سے ماخوذ ہے اور ''التعریض'' کا معنی ہے: بغیر تصریح کے کوئی بات کہنا، اور ''الخطبة'' کا معنی ہے: نکاح کا پیغام دینا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تعریض یہ ہے کہ کوئی شخص زیرِ عدت عورت سے یہ کہے ''میں نکاح کرنا چاہتا ہوں'' اور مجاہد نے کہا: یہ کہے: ''آپ بہت حسین وجمیل اور خوبصورت ہیں'' اور یہ نہ کہے کہ آپ مجھ سے نکاح کر لیں۔

''وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا'': یعنی اُن سے نکاح کا وعدہ نہ کرو۔ ہاں تعریضاً انہیں نکاح کا پیغام دے سکتے ہو۔

''وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ'': یعنی زیرِ عدت عورتوں سے نکاح کا عزمِ مصمم نہ کرو حتیٰ کہ ان کی عدت پوری ہو جائے۔

(زاد المسیر ج ۱ ص ۲۱۰۔۲۱۱، ملخصاً وملتقطاً، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚۖ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾

(اے مسلمانو!) جب تک تم نے بیویوں کو چھوا نہ ہو (یعنی اُن سے مباشرت نہ کی ہو) یا اُن کے لیے کچھ مہر مقرر نہ کیا ہو (اس صورت میں) اگر تم نے اُن کو طلاق دے دی (تو) تم پر کوئی حرج نہیں ہے اور انہیں دستورِ شرع کے موافق استعمال کی چند مفید چیزیں دو، خوش حال پر اس کی حیثیت کے مطابق دینا ہے اور تنگ دست پر اس کی گنجائش کے مطابق دینا ہے، یہ نیک مسلمانوں پر ایک قسم کا حق ہے O

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۭ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۭ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾

اور اگر تم نے مباشرت سے پہلے بیویوں کو طلاق دے دی حالانکہ تم اُن بیویوں کا مہر مقرر کر چکے تھے تو مقرر شدہ مہر کا نصف ادا کرو سوا اس کے کہ بیویاں اپنے حق میں سے کچھ معاف کر دیں، یا جس مرد کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ اپنا حق چھوڑ دے (یعنی مکمل مہر ادا کر دے تو مرد اور عورت دونوں کو اختیار ہے)، (اور اے مردو!) اگر تم ہی اپنا حق چھوڑ دو تو یہ خدا خوفی کے زیادہ قریب ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ احسان کرنے کو فراموش نہ کرو، بے شک اللہ تمہارے تمام کاموں کو دیکھنے والے ہیں O

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿۲۳۸﴾

(اے مسلمانو!) تم تمام نمازوں کو عموماً اور درمیانی نماز کو خصوصاً پابندی کے ساتھ ادا کرو، اور اللہ کے سامنے ادب سے ڈرتے ہوئے کھڑے ہو O

فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ۚ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٣٩﴾

پس اگر تم کو جان کا خطرہ ہو تو پیدل چلتے ہوئے یا سواری پر (نماز پڑھ لیا کرو)، پھر جب جان کا خطرہ نہ رہے تو اس طرح نماز پڑھو جس طرح اللہ نے تمہیں تعلیم دی ہے جس کو تم پہلے نہیں جانتے تھے O

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجًا ۖ وَّصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ ۚ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْ أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٤٠﴾

اور تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ (وفات سے پہلے) ان بیویوں کو نکالے بغیر سال بھر تک خرچ دینے کی وصیت کر جائیں، پھر اگر وہ بیویاں از خود (گھروں سے) نکل گئیں تو انہوں نے دستورِ شرع کے موافق اپنے حق میں جو کام کیے اُن کاموں پر تم پر کوئی گرفت نہیں ہوگی اور اللہ بہت غالب بے حد حکمت والے ہیں O

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿٢٤١﴾

اور طلاق یافتہ بیویوں کے لیے دستورِ شرع کے موافق خرچ دینا ہے جو اللہ سے ڈرنے والوں پر واجب ہے O

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٢٤٢﴾ ع

اللہ اسی طرح وضاحت سے اپنے احکام بیان فرماتے ہیں تاکہ تم عقل سے کام لو O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے مسلمانو!) جب تک تم نے بیویوں کو چھوا نہ ہو (یعنی اُن سے مباشرت نہ کی ہو) یا اُن کے لیے کچھ مہر مقرر نہ کیا ہو (اس صورت میں) اگر تم نے اُن کو طلاق دے دی (تو) تم پر کوئی حرج نہیں ہے اور انہیں دستورِ شرع کے موافق استعمال کی چند مفید چیزیں دو، خوش حال پر اس کی حیثیت کے مطابق دینا ہے اور تنگ دست پر اس کی گنجائش کے مطابق دینا ہے، یہ نیک مسلمانوں پر ایک قسم کا حق ہے O'' (البقرہ: ۲۳۶)

البقرہ: ۲۳۶ کا شانِ نزول

علامہ ابوحفص عمر بن علی الدمشقی الحنبلی المتوفی ۸۸۰ ھ لکھتے ہیں:

''لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً'':

یہ آیت ایک انصاری کے متعلق نازل ہوئی جس نے بنوحنیفہ کی ایک خاتون سے نکاح کیا تھا اور اس کا کوئی مہر مقرر نہیں کیا تھا، پھر عملِ زوجیت سے پہلے اس کو طلاق دے دی تو یہ آیت نازل ہوئی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اس کو استعمال کی چند مفید چیزیں دو خواہ تم اس کو اپنی ٹوپی دے دو۔

مطلقہ بیویوں کی اقسام

(۱) جن بیویوں سے طلاق دینے کا کوئی معاوضہ نہ لیا جائے اُن بیویوں کو مکمل مہر ادا کرنا لازم ہے اور اُن بیویوں پر عدت لازم ہے۔

(۲) جس بیوی کو عملِ زوجیت سے پہلے طلاق دے دی گئی ہو اور اُس کا مہر مقرر کیا جا چکا ہو تو اس کو مقرر شدہ مہر کا نصف ادا کرنا لازم ہے جیسا کہ البقرہ: ۲۳۷ میں صراحۃً بیان فرمایا ہے اور اُس مطلقہ بیوی پر عدت نہیں ہے، ارشادِ باری ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا ۖ فَمَتِّعُوهُنَّ وَسَرِّحُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۝ (الاحزاب: ۴۹)

اے ایمان والو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو، پھر تم اُن کو عملِ زوجیت سے پہلے طلاق دے دو تو تمہارے لیے اُن پر کوئی عدت واجب نہیں ہے جس کو تم شمار کرو، سوتم اُن کو استعمال کی چند مفید چیزیں دے دو اور حسنِ سلوک کے ساتھ ان کو چھوڑ دو O

(۳) اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو مہر ادا کر دیا، پھر عملِ زوجیت سے پہلے اس کو طلاق دے دی، اس صورت میں امام مالک نے کہا: اگر شوہر نے اس کو مہر میں سونا یا چاندی دی اور اس کی بیوی نے اس سے کوئی مکان یا مالِ تجارت خرید لیا تو اس کی آمدنی اور نقصان میں وہ دونوں شریک ہوں گے۔ (الجامع لاحکام القرآن جزء ۳ ص ۱۹۳، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

تعین مہر کے بغیر عقدِ نکاح کا جواز

ابوبکر الاصم المعتزلی المتوفی ۲۲۵ ھ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر عقدِ نکاح میں مہر مقرر نہ کیا گیا ہو تب بھی نکاح جائز ہے۔ (تفسیر ابوبکر الاصم ص ۴۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ھ)

امام ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی المتوفی ۳۷۰ ھ لکھتے ہیں: اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ مہر کے ذکر کے بغیر بھی نکاح جائز ہے۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۵۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۴ھ)

''وَمَتِّعُوهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ'': امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: استعمال کی چند مفید چیزوں کی قیمت نصف مہر سے زیادہ نہ ہو۔ اور ''المتاع'' میں قمیص، تہبند اور دوپٹا دیا جائے۔

(مدارک التنزیل ج ۱ ص ۱۹۸، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ، اللباب فی علوم الکتاب ج ۴ ص ۲۱۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۱ء)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اگر تم نے مباشرت سے پہلے بیویوں کو طلاق دے دی حالانکہ تم اُن بیویوں کا مہر

مقرر کر چکے تھے تو مقرر شدہ مہر کا نصف ادا کر دو سوا اس کے کہ بیویاں اپنے حق میں سے کچھ معاف کر دیں، یا جس مرد کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ اپنا حق چھوڑ دے (یعنی مکمل مہر ادا کر دے تو مرد اور عورت دونوں کو اختیار ہے)، (اور اے مردو!) اگر تم ہی اپنا حق چھوڑ دو تو یہ خدا خوفی کے زیادہ قریب ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ احسان کرنے کو فراموش نہ کرو، بے شک اللہ تمہارے تمام کاموں کو دیکھنے والے ہیں O'' (البقرہ: ۲۳۷)

خلوتِ صحیحہ کی تعریف

''وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ'': امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ خلوتِ صحیحہ یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کے ساتھ تنہائی میں ہو اور وہاں پر عملِ زوجیت سے نہ کوئی حسّی مانع ہو اور نہ شرعی مانع ہو اور نہ عقلی مانع ہو، حسّی مانع یہ ہے کہ بیوی کی اندامِ نہانی میں کوئی پھوڑا یا پھنسی ہو یا وہ ''رتقاء'' ہو (یعنی اس کی اندامِ نہانی کا شگاف بند ہو جس کی وجہ سے اس میں مرد کے آلہ کا دخول نہ ہو سکے) یا کوئی اور ایسی بیماری ہو جس کی وجہ سے عملِ زوجیت نہ ہو سکے اور شرعی مانع یہ ہے کہ اس کی بیوی حیض میں ہو یا نفاس میں ہو یا اس نے فرض روزہ رکھا ہوا ہو یا اُس کی بیوی نے مطلقاً احرام باندھا ہوا ہو، اور عقلی مانع یہ ہے کہ وہاں کوئی ایسا شخص ہو جس کی وجہ سے خاوند عملِ زوجیت سے حیاء کرے۔ سو جب خلوتِ صحیحہ ہو جائے اور پھر بھی شوہر نے اپنی بیوی سے عملِ زوجیت نہ کیا ہو اور اس عمل سے پہلے اس کو طلاق دے دی ہو جبکہ اس کا مہر مقرر کیا جا چکا ہو تو اس صورت میں شوہر پر لازم ہے کہ بیوی کو مکمل مہر ادا کرے اور اس پر احتیاطاً عدت واجب ہے اور اگر نہ خلوتِ صحیحہ ہوئی ہو اور نہ شوہر نے اپنی بیوی سے عملِ زوجیت کیا ہو اور اس سے پہلے شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہو تو اس صورت میں اُسے اپنی بیوی کے مقرر شدہ مہر کی نصف مقدار دینی لازم ہوگی۔

(حاشیۃ محی الدین شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی لمحمد بن مصلح الدین مصطفیٰ القوجوی الحنفی المتوفی ۹۵۱ھ ج ۶ ص ۶۴۷ ملخصاً وموضحاً، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ، اللباب فی علوم الکتاب ج ۴ ص ۲۱۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۱ء، مدارک التنزیل ج ۱ ص ۱۹۹، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

خلوتِ صحیحہ کی مذکور فقہی تعریف سے بعض لبرل (Liberal) اسکالرز کا انحراف

ڈاکٹر محمد شکیل اوج نے یہاں پر ہم سے اختلاف کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''جب کہ خلوتِ صحیحہ دراصل موقع مس و لمس کی فراہمی اور دستیابی کا نام ہے اور بس۔ دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ مَس کے لغوی معنی تو چھونا ہیں، مگر قرآن مجید کے سیاق و سباق میں وہ جماع و صحبت اور مقاربت کا کنایہ ہے۔ اب آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مَس کے موقع یا ماحول کی موجودگی سے عمل مَس یا فعل مَساس و تماس کب لازم آتا ہے؟ اس لیے خلوتِ صحیحہ کو مسِ ظاہری (چھونے) یا مس معنوی یعنی کنائے کے طور پر لینا اور اس پر ویسے ہی احکام واجب کر دینا کہاں کا انصاف ہے؟ موقع مَس کی دستیابی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وقوع مس کا لازمی مفہوم اخذ کرنا یا ظن کو تصدیق کا مقام دینا کیا از روئے عقل درست ہے؟ کیا فقط امکانِ صحبت کے پیشِ نظر مرد و عورت پر مہر کامل اور عدت جیسے احکام نافذ کیے جا سکتے ہیں؟ اور کیا ایسا کرنا قرآن کے صریح الفاظ کو اس کی تعیین سے الگ کر دینے کے مترادف نہیں ہوگا۔ (نسائیات ص ۱۴۹، کلیہ معارف اسلامی، جامعہ کراچی، ۲۰۱۲ء)

تنبیہ: ڈاکٹر شکیل اوج کی یہ عبارت انتہائی جارحانہ اور سوقیانہ ہے، علمی اور تحقیقی موضوع پر متانت اور شائستگی سے قلم اٹھانا

چاہیے۔(سعیدی غفرلہٗ)

ڈاکٹر شکیل اوج کے اقتباسِ مذکور پر مصنف کا تعاقب

میں کہتا ہوں کہ ڈاکٹر شکیل اوج کا یہ اقتباس صریح قرآنِ مجید کے خلاف ہے، اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

وَ كَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَ قَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ (النساء:۲۱) اور (اے مسلمانو!) تم اپنی بیویوں سے کس طرح مہر واپس لے سکتے ہو جب کہ تم ایک دوسرے کے ساتھ خلوت (صحیحہ) کر چکے ہو۔

امام ابوزکریا یحییٰ بن زیاد الفراء المتوفی ۲۰۷ھ ''اَفْضٰی'' کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''الافضاء ان یخلوا بھا وان لم یجامعھا'' افضاء یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کے ساتھ خلوت (صحیحہ) کرے خواہ اس سے جماع نہ کرے۔(معانی القرآن ج ۱ ص ۲۵۹)

علامہ ابوالقاسم الحسین بن محمد الراغب الاصفہانی المتوفی ۵۰۲ھ ''اَفْضٰی'' کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''افضٰی الٰی امراتہ'' کنایۃً کہنا اس سے زیادہ بلیغ ہے کہ صراحۃً یہ کہا جائے کہ شوہر نے اپنی بیوی کے ساتھ خلوت (صحیحہ) کی۔(المفردات فی غریب القرآن ج ۲ ص ۴۹۴، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

علامہ السید محمد مرتضیٰ بن محمد الحسینی الزبیدی الحنفی المتوفی ۱۲۰۵ھ، ''اَفْضٰی'' معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''او افضٰی بھا: اذا خلا بھا جامع ام لا، نقلہ ابن سیدہ''۔ابن سیدہ نے کہا ہے کہ افضٰی بھا کا معنی ہے: جب شوہر بیوی کے ساتھ خلوت (صحیحہ) کرے خواہ اس کے ساتھ جماع کرے یا نہ کرے۔

(تاج العروس من جواہر القاموس جزء ۳۹ ص ۱۱۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۳۳ھ)

امام ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی المتوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

الفرّاء نے النساء:۲۱ کی تفسیر میں کہا ہے: ''افضاء'' کا معنی ہے: خلوت خواہ شوہر نے بیوی کے ساتھ دخول کیا ہو یا دخول نہ کیا ہو اور الفراء لغت میں حجت ہیں اور انہوں نے یہ خبر دی ہے کہ الافضاء خلوت کا اسم ہے، پس اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ خلوت کے بعد بیوی سے کوئی چیز لی جائے اور اس پر دلیل قائم ہے کہ اس خلوت سے مراد خلوتِ صحیحہ ہے جس میں بیوی کے ساتھ عملِ زوجیت سے کوئی مانع نہیں ہوتا اور اس لیے کہ الافضاء کا لفظ الفَضَاءَ من الارض سے ماخوذ ہے یعنی وہ جگہ جس میں کوئی عمارت نہ ہو اور دیکھنے میں کوئی چیز حائل نہ ہو، پس اس سے یہ مستفاد ہوا کہ بیوی اُس خلوت کی وجہ سے مہر کی مستحق ہوتی ہے جس خلوت میں بیوی اور شوہر کے درمیان کوئی حائل نہ ہو اور بیوی جو اپنے آپ کو شوہر کے سپرد کرتی ہے تا کہ وہ اس سے استمتاع کرے کہ اس سے کوئی مانع نہ ہو اور اس پر اللہ عزوجل کا یہ ارشاد بھی دلیل ہے:

فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَ اٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (النساء:۲۵) پس (اے مسلمانو!) تم ان باندیوں سے ان کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کر لو اور دستورِ شرع کے موافق اُن کو ان کے مہر ادا کر دو۔

نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً۔ (النساء: ۲۴) پھر تم نے جن عورتوں سے نکاح کر کے مہر کے عوض فائدہ اٹھالیا تو اُن کو ان کے مہر ادا کردو، یہ (اللہ کی طرف سے) فریضہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور خلفاء راشدین کے فیصلہ سے خلوتِ صحیحہ کا ثبوت

خلوتِ صحیحہ کے ثبوت میں سنت سے یہ دلیل ہے:

محمد بن عبدالرحمٰن بن ثوبان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''من كشف خمار امراة ونظراليها وجب الصداق دخل بها اولم يدخل'' (جس مرد نے اپنی بیوی کا دوپٹا کھولا اور اس کی طرف دیکھا اس پر مہر واجب ہو گیا خواہ اُس نے اپنی بیوی کے ساتھ دخول کیا ہو یا دخول نہ کیا ہو)۔

ہمارے نزدیک اس حدیث پر قرنِ اول کا اتفاق ہے، کیونکہ حضرت زرارۃ بن اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ خلفاء راشدین مہدیین نے یہ فیصلہ کیا کہ ''جس شخص نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر دیا یا دروازہ پر پردہ ڈال دیا تو اُس کے اوپر اپنی بیوی کا مہر واجب ہو گیا اور بیوی پر عدت واجب ہوگئی''۔ پس حضرت زرارۃ رضی اللہ عنہ نے یہ خبر دی کہ یہ خلفاء راشدین کا فیصلہ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد ہے ''عليكم بسنتي وسنة خلفاء الراشدين من بعدى وعضوا عليها بالنواجذ'' (تم میری سنت کو لازم رکھو اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت کو لازم رکھو اور اُس سنت کو اپنی ڈاڑھوں کے ساتھ پکڑ لو)۔

آثارِ صحابہ سے خلوتِ صحیحہ کا ثبوت

حضرت علی، حضرت عمر، حضرت ابن عباس، حضرت زید اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم نے ''مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ۔۔ (البقرہ: ۲۳۶)'' کو خلوتِ صحیحہ پر محمول کیا ہے، پس یا تو انہوں نے ''مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ'' (بیویوں کو چھونے سے پہلے) کو از روئے لغت خلوت پر محمول کیا ہے، یا اس وجہ سے کہ اُن کے نزدیک یہ لفظ شریعت میں خلوتِ صحیحہ کا اسم ہے، کیونکہ یہ جائز نہیں ہے کہ صحابہ کسی لفظ کو اُس معنی پر محمول کریں جو اُس کا اسمِ شرعی نہ ہو۔ اور اگر انہوں نے ''مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ'' کو بہ طورِ لغت خلوتِ صحیحہ پر محمول کیا ہے تو اُن کا قول اس باب میں حجت ہے کیونکہ وہ بعد والوں کی بہ نسبت لغت کو زیادہ جاننے والے تھے۔ اور اگر انہوں نے اس کو بہ طورِ شرع خلوتِ صحیحہ پر محمول کیا ہے تو یہ اس پر محمول ہے کہ اُن کے پاس اس پر کوئی دلیلِ شرعی تھی، اور اب البقرہ: ۲۳۶ کا معنی اس طرح ہوگا کہ ''اگر تم نے اپنی بیویوں کو خلوتِ صحیحہ سے پہلے طلاق دے دی تو تم اُن کو مقرر شدہ مہر کا نصف ادا کرو'' اور نیز اس لیے بھی کہ اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں حقیقتاً ہاتھ سے چھونا مراد نہیں ہے۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۵۳۰۔۵۳۱ ملخصاً وملتقطاً، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۴ھ)

شوہر کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہونے پر دلائل

''اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ'': حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سعید بن جُبیر اور شریح اور مجاہد اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے اپنے قولِ جدید میں کہا کہ ''جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے'' اس سے مراد شوہر ہے یعنی اگر شوہر چاہے تو اس صورت میں نصف

مہر سے زیادہ دے سکتا ہے۔(مدارک التنزیل ج ا ص ۱۹۹، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

شیخ امین احسن اصلاحی متوفی ۱۹۹۷ء لکھتے ہیں:

اس دور کے معاشرتی مفکروں اور مصلحتوں کو خاص طور پر نگاہ میں رکھنا چاہیے کہ نکاح کی گرہ جس طرح مرد کے قبول سے بندھتی ہے اسی طرح اسی کی طلاق سے کھلتی ہے، گویا یہ سرِ رشتہ اصلاً شریعت نے مرد ہی کے اختیار میں رکھا ہے، اس وجہ سے طلاق کے معاملہ میں عورت کو مرد کے مساوی اختیار دینے کا رجحان جو مغرب کی نقالی میں ہمارے مسلمان ممالک میں بڑھتا جا رہا ہے، شریعت کے بالکل خلاف ہے اور اس سے خاندانی نظام کا شیرازہ بالکل پراگندہ ہو کر رہ جائے گا۔(تدبر قرآن ج ا ص ۵۴۸۔۵۴۹، فاران فاؤنڈیشن، لاہور)

شیخ امین احسن اصلاحی بھی لبرل (Liberal) اسکالر ہیں اور اُن کی یہ تفسیر غلام احمد پرویز متوفی ۱۹۸۵ء کے خلاف حجت ہے، غلام احمد پرویز نے لکھا ہے: ''نکاح ایک معاہدہ ہے جس میں میاں بیوی برابر کے فریق ہوتے ہیں تو اُس کے فسخ کرنے میں بھی وہ برابر کے فریق ہوں گے، یہ تو معاہدہ کے بنیادی تصور کے خلاف ہے کہ اس کے استوار کرنے میں تو زوجین برابر کے فریق ہوں لیکن اس کے فسخ کرنے کا کلی اختیار ایک فریق (خاوند) کو حاصل ہو اور فریقِ ثانی (بیوی) مجبور و مقہور ہو''۔

(مطالب الفرقان ج ۳ ص ۳۸۵، طلوعِ اسلام ٹرسٹ لاہور، مارچ ۱۹۹۳ء)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے مسلمانو!) تم تمام نمازوں کو عموماً اور درمیانی نماز کو خصوصاً پابندی کے ساتھ ادا کرو، اور اللہ کے سامنے ادب سے ڈرتے ہوئے کھڑے ہو ۝'' (البقرہ: ۲۳۸)

درمیانی نماز سے عصر کی نماز مراد ہونے کے متعلق احادیث

''حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى'': حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب یومِ خندق تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ کفار کے گھروں اور ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے جنہوں نے ہمیں درمیانی نماز پڑھنے سے مشغول رکھا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا''۔(صحیح البخاری: ۲۹۳۱، صحیح مسلم: ۶۲۷، سنن ترمذی: ۲۹۸۴، سنن نسائی: ۴۷۳، سنن ابوداؤد: ۴۰۹، سنن ابن ماجہ: ۶۸۴، مسند احمد: ۱۲۲۵، سنن دارمی: ۱۲۳۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام ابویونس بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھے حکم دیا کہ میں اُن کے لیے مُصحف لکھوں، آپ نے مجھے حکم دیا کہ جب تم ''حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى (البقرہ: ۲۳۸)'' پر پہنچو تو مجھے خبر دینا، سو جب میں اس آیت پر پہنچا تو میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو خبر دی تو آپ نے مجھے اس طرح لکھوایا: ''حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطٰى وصلوٰۃ العصر''۔(صحیح مسلم: ۶۲۹، سنن ابوداؤد: ۴۱۰، سنن ترمذی: ۲۹۹۳، سنن نسائی: ۴۶۸، مسند احمد: ۲۴۵۰۲)

پانچ نمازوں کی فرضیت کے متعلق قرآنِ مجید کی آیات

البقرہ: ۲۳۸ میں صرف نمازِ عصر کا ذکر ہے اور فرض پانچ نمازیں ہیں، ان پانچوں نمازوں کی فرضیت کے متعلق درج ذیل آیات ہیں:

(۱) فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ۝ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ

پس جب تم شام کا وقت پاؤ اور جب تم صبح کا وقت پاؤ تو اللہ کی تسبیح کرو (یعنی ان وقتوں میں نماز پڑھو) ۝ اور تمام آسمانوں اور

تُظْهِرُوْنَ ۝ (الروم:۱۷-۱۸)

زمینوں میں اللہ ہی کی حمد ہے اور جب تم سہ پہر کا وقت پاؤ اور جب تم دوپہر کا وقت پاؤ (تو اللہ کی تسبیح کرو، یعنی ان وقتوں میں نماز پڑھو) O

''حِيْنَ تُمْسُوْنَ'' سے مغرب اور عشاء کی نماز مراد ہے اور ''حِيْنَ تُصْبِحُوْنَ'' سے فجر کی نماز مراد ہے اور ''عَشِيًّا'' سے عصر کی نماز مراد ہے اور ''حِيْنَ تُظْهِرُوْنَ'' سے ظہر کی نماز مراد ہے۔

(۲) اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝ (بنی اسرائیل:۷۸)

(اے رسولِ اکرم!) آپ سورج ڈھلنے کے وقت سے لے کر رات کی تاریکی تک نماز قائم کریں اور فجر کی نماز (قائم کریں)، بے شک فجر کی نماز میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں O

سورج ڈھلنے کے وقت سے لے کر رات کی تاریکی تک چار نمازوں کا وقت ہے: نمازِ ظہر، نمازِ عصر، نمازِ مغرب اور نمازِ عشاء، پھر ''قُرْاٰنَ الْفَجْرِ'' سے فجر کی نماز مراد ہے۔

(۳) وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ۝ (طٰہٰ:۱۳۰)

اور (اے رسولِ اکرم!) آپ طلوعِ آفتاب سے پہلے اور غروبِ آفتاب سے پہلے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح پڑھیے اور رات کے کچھ اوقات میں تسبیح پڑھیے اور دن کے (درمیانی) کناروں میں تسبیح پڑھیے تاکہ آپ (اللہ سے) راضی ہو جائیں O

''قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ'' میں فجر کی نماز داخل ہے اور ''قَبْلَ غُرُوْبِهَا'' میں عصر کی نماز داخل ہے۔ ''وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ'' میں مغرب اور عشاء کی نمازیں داخل ہیں اور ''وَاَطْرَافَ النَّهَارِ'' میں ظہر کی نماز داخل ہے۔

(۴) وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۝ (ہود:۱۱۴)

اور (اے رسولِ اکرم!) آپ دن کے دونوں کناروں میں اور رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم کیجیے، بے شک نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں، یہ نصیحت قبول کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے O

''طَرَفَيِ النَّهَارِ'' میں فجر اور عصر کی نمازیں داخل ہیں اور ''زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ'' میں مغرب اور عشاء کی نمازیں داخل ہیں، اور ''اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ'' میں ظہر کی نماز داخل ہے۔

پانچ نمازوں کے اوقات کے متعلق عقلی دلیل

سورج کے پانچ احوال ہیں: (۱) طلوع (۲) نصف النہار (۳) ڈھلنے کے بعد (۴) غروب (۵) شفق کی سفیدی غائب ہونے کے بعد۔ اور انسان کی زندگی کے بھی پانچ احوال ہیں: (۱) ولادت (۲) شباب (۳) شباب کا ڈھلنا (۴) بڑھاپا (۵) موت، پس اللہ تعالیٰ نے سورج کے ہر حال کے مقابلہ میں ایک نماز فرض کر دی، جب سورج طلوع ہو تو انسان اپنی پیدائش کو یاد کرے، جب سورج نصف النہار پر پہنچے تو وہ اپنے شباب کو یاد کرے، جب سورج ڈھل جائے یعنی عصر کا وقت تو وہ اپنی جوانی ڈھلنے کو یاد کرے، اور جب سورج غروب ہو جائے تو وہ اپنی موت کو یاد کرے اور جب شفق کی سفیدی غائب ہو جائے اور مکمل اندھیرا چھا جائے تو اس

وقت کو یاد کرے جب موت کے بعد اس کا ذکر اور یاد لوگوں کے دلوں سے بالکل ختم ہو جائے گی اور ہر حال کو یاد کر کے نماز پڑھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس اگر تم کو جان کا خطرہ ہو تو پیدل چلتے ہوئے یا سواری پر (نماز پڑھ لیا کرو)، پھر جب جان کا خطرہ نہ رہے تو اس طرح نماز پڑھو جس طرح اللہ نے تمہیں تعلیم دی ہے جس کو تم پہلے نہیں جانتے تھےO'' (البقرہ:۲۳۹)

امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، البقرہ:۲۳۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُکْبَانًا'': اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر تم جان کے خطرہ کی وجہ سے معروف طریقہ کے مطابق نماز نہ پڑھ سکو تو پیدل چلتے ہوئے نماز پڑھ لو یا اپنی سواریوں کی پشت پر نماز پڑھ لو۔

(معالم التنزیل ج۱ ص ۳۲۶، داراحیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۲۰ھ)

چلتی ہوئی تیز رفتار ایکسپریس ٹرین یا ہوائی جہاز میں فرض نماز بلا اعادہ پڑھنے کی دلیل

میں کہتا ہوں: اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ جب کوئی مسلمان تیز رفتار ایکسپریس ٹرین میں سفر کر رہا ہو اور نماز کا وقت آجائے اور نماز کے پورے وقت میں ٹرین نہ رکے تو اس پر فرض ہے کہ وہ چلتی ٹرین میں فرض نماز پڑھے اور اس کا اعادہ نہیں کرے گا، جو لوگ کہتے ہیں کہ لازم ہے وہ ٹرین سے اتر کر زمین پر نماز پڑھے، پس اگر وہ مسلمان ایک سو بیس کلومیٹر کی رفتار سے دوڑنے والی ٹرین سے زمین پر نماز پڑھنے کے لیے اترے گا تو وہ ہلاک ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اجازت فرمائی ہے کہ جب جان کا خطرہ ہو تو تم سواری پر نماز پڑھ لو۔ اسی طرح جب ہوائی جہاز میں نماز کا وقت آجائے اور نماز کا پورا وقت ہوائی جہاز کو پرواز کرتے ہوئے گزر جائے تو مسلمان پر فرض ہے کہ وہ ہوائی جہاز میں جس طرح ممکن ہو نماز پڑھ لے اور فرض نماز کو دانستہ ترک نہ کرے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

الحمدللہ! میں نے جب بھی ٹرین یا ہوائی جہاز میں سفر کیا تو اُن میں نماز اپنے وقت پر پڑھی۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ (وفات سے پہلے) ان بیویوں کو نکالے بغیر سال بھر تک خرچ دینے کی وصیت کر جائیں، پھر اگر وہ بیویاں از خود (گھروں سے) نکل گئیں تو انہوں نے دستورِ شرع کے موافق اپنے حق میں جو کام کئے اُن کاموں پر تم سے کوئی گرفت نہیں ہوگی اور اللہ بہت غالب بے حد حکمت والے ہیںO'' (البقرہ:۲۴۰)

قاضی مجیر الدین بن محمد المقدسی الحنبلی المتوفی ۹۲۸ھ، البقرہ:۲۴۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ'': اس سورت میں دو صورتوں میں مردوں پر گناہ نہیں ہوگا (۱) اگر تمہاری بیویاں سال پورا ہونے سے پہلے گھروں سے نکل جائیں اور تم اُن کو خرچ نہ دو تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ (۲) اگر تم اُن کو گھروں سے نکلنے سے منع نہ کرو تو تُم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا، کیونکہ ایک سال تک بیویوں کا شوہروں کے گھروں میں رہنا

واجب نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے بیویوں کو یہ اختیار دیا تھا کہ وہ ایک سال تک گھروں میں رہیں اور اُن کو شوہر کی طرف سے خرچ اور رہائش مہیا ہوگی اور اگر وہ گھروں سے نکل جائیں تو پھر وہ خرچ اور رہائش کی مستحق نہیں ہوں گی۔ پھر جب چار ماہ دس دن تک عدت گزارنے کا حکم نازل ہوا تو اس آیت کا حکم منسوخ کر دیا گیا۔ (فتح الرحمٰن فی تفسیر القرآن ج ا ص ۳۴۵، دار النوادر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

اللہ عزجل کا ارشاد ہے: ''اور طلاق یافتہ بیویوں کے لیے دستورِ شرع کے موافق خرچ دینا ہے جو اللہ سے ڈرنے والوں پر واجب ہے O'' (البقرہ:۲۴۱)

''وَلِلۡمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالۡمَعۡرُوۡفِ'': البقرہ:۲۳۶ کی تفسیر میں ''مَتَاع'' کی مفصل تفسیر بیان کی جاچکی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اللہ اسی طرح وضاحت سے اپنے احکام بیان فرماتے ہیں تاکہ تم عقل سے کام لو O'' (البقرہ:۲۴۲)

''لَعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ'': تاکہ تم اللہ تعالیٰ کے ارشادات پر غور وفکر کر کے عمل کرو۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ خَرَجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ وَهُمۡ اُلُوۡفٌ حَذَرَ الۡمَوۡتِ ۖ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوۡتُوۡا ثُمَّ اَحۡيَاهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَشۡكُرُوۡنَ ﴿۲۴۳﴾

(اے رسولِ اکرم!) کیا آپ نے اُن لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو موت کے ڈر کی وجہ سے اپنے گھروں سے نکل بھاگے تھے، پس اللہ عزوجل نے اُن کو حکم دیا کہ مر جاؤ، پھر اللہ نے اُن کو زندہ فرما دیا، بے شک اللہ لوگوں پر مہربانی فرمانے والے ہیں لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے O

وَقَاتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۲۴۴﴾

(اور اے مسلمانو!) تم اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور یاد رکھو کہ بے شک اللہ سب کچھ سننے والے ہیں سب کچھ جاننے والے ہیں O

مَنۡ ذَا الَّذِىۡ يُقۡرِضُ اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضۡعَافًا كَثِيۡرَةً ؕ وَاللّٰهُ يَقۡبِضُ وَيَبۡصُۜطُ ۖ وَاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۲۴۵﴾

کوئی ہے جو اللہ کو قرضِ حسن دے! تو اللہ اُس کے دیے ہوئے کو بڑھا چڑھا کر کئی گنا زیادہ فرمادے اور اللہ ہی (رزق میں) تنگی فرماتے ہیں اور کُشادگی فرماتے ہیں اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے O

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الۡمَلَاِ مِنۡۢ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مُوۡسٰى ۘ اِذۡ قَالُوۡا لِنَبِىٍّ لَّهُمُ ابۡعَثۡ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلۡ عَسَيۡتُمۡ اِنۡ كُتِبَ عَلَيۡكُمُ الۡقِتَالُ اَلَّا

تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْہِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْہُمْ ؕ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۴۶﴾

(اے رسولِ اکرم!) کیا آپ نے موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کے گروہ کی طرف نہیں دیکھا! جب انہوں نے اپنے ایک نبی سے کہا: آپ ہمارے لیے کسی بادشاہ کو مقرر کر دیں تاکہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں، اُس (نبی نے) کہا: ہوسکتا ہے کہ اگر تم پر جہاد فرض کیا جائے تو تم جہاد نہ کرو؟ انہوں نے کہا: ہم اللہ کی راہ میں جہاد کیوں نہیں کریں گے حالانکہ ہم کو اپنے گھروں سے اور اپنے اہل وعیال سے نکال دیا گیا ہے، پھر جب اُن پر جہاد فرض کر دیا گیا تو اُن میں سے چند لوگوں کے سوا سب نے جہاد سے پیٹھ پھیر لی، اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والے ہیں O

وَقَالَ لَہُمْ نَبِیُّہُمْ اِنَّ اللّٰہَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْٓا اَنّٰی یَكُوْنُ لَہُ الْمُلْكُ عَلَیْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْہُ وَلَمْ یُؤْتَ سَعَۃً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰىہُ عَلَیْكُمْ وَزَادَہٗ بَسْطَۃً فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰہُ یُؤْتِیْ مُلْكَہٗ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۴۷﴾

اور اُن کے نبی نے ان سے کہا: بے شک اللہ نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر فرما دیا ہے، انہوں نے کہا: وہ (طالوت) ہمارا بادشاہ کیسے ہوسکتا ہے جب کہ ہم اُس سے زیادہ سلطنت کے حق دار ہیں اور اُس (طالوت) کو وسیع مال بھی نہیں دیا گیا، (اُن کے نبی) نے کہا: بے شک اللہ نے اُس کو تم پر فضیلت عطا فرمائی ہے اور اُس کو علم اور جسم میں زیادہ کشادگی عطا فرمائی ہے، اور اللہ جس کو چاہیں اپنا مُلک عطا فرما دیتے ہیں اور اللہ بہت وسعت والے بے حد علم والے ہیں O

وَقَالَ لَہُمْ نَبِیُّہُمْ اِنَّ اٰیَۃَ مُلْكِہٖٓ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ التَّابُوْتُ فِیْہِ سَكِیْنَۃٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِیَّۃٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰی وَاٰلُ ہٰرُوْنَ تَحْمِلُہُ الْمَلٰٓئِكَۃُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَۃً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۲۴۸﴾ ع

اور اُن کے نبی نے ان سے کہا: بے شک اُس (طالوت) کی سلطنت کی علامت تمہارے پاس تابوت کا آنا ہے جس میں تمہارے رب کی طرف سے (دلوں کی) طمانیت ہے اور آلِ موسیٰ اور آلِ ہارون کی چھوڑی ہوئی بقیہ چیزیں ہیں، فرشتے اس تابوت کو اٹھائے ہوئے ہوں گے، بے شک اس میں تمہارے لیے ضرور بڑی علامت ہے اگر تم ایمان رکھنے والے ہو O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) کیا آپ نے اُن لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو موت کے ڈر کی وجہ سے اپنے گھروں سے نکل بھاگے تھے، پس اللہ عزوجل نے اُن کو حکم دیا کہ مرجاؤ، پھر اللہ نے اُن کو زندہ فرما دیا، بے شک اللہ لوگوں پر مہربانی فرمانے والے ہیں لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے O'' (البقرہ: ۲۴۳)

البقرہ: ۲۴۳ کا شانِ نزول اور حضرت حزقیل علیہ السلام کی دعاء سے بوسیدہ مُردوں کا زندہ ہونا

علامہ ابوحفص عمر بن علی الدمشقی الحنبلی المتوفی ۸۸۰ھ البقرہ: ۲۴۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ خَرَجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ وَهُمۡ اُلُوۡفٌ حَذَرَ الۡمَوۡتِ'': اکثر مفسرین نے بیان کیا ہے کہ جس بستی کا نام ''دَاوَرْدَان'' تھا وہاں طاعون پھیل گیا، پس اُس بستی کے اکثر لوگ موت کے ڈر سے نکل بھاگے اور ایک گروہ باقی رہ گیا، پھر باقی رہنے والوں میں سے اکثر لوگ ہلاک ہوگئے اور جو اُن میں سے باقی بچے تھے وہ بیماری اور مصیبت میں مبتلاء ہوگئے، پھر جب طاعون اٹھ گیا اور جو لوگ اس بستی سے بھاگ گئے تھے وہ صحیح سلامت واپس آگئے تو اُن باقی رہنے والوں میں سے بیماروں نے کہا: یہ لوگ تو ہم سے بہت زیادہ محتاط تھے، اگر ہم بھی اسی طرح کرتے جس طرح انہوں نے کیا ہے تو ہم بھی بیماری سے نجات پالیتے اور اگر دوبارہ طاعون آیا تو ہم بھی ضرور ایسے علاقہ میں جائیں گے جہاں پر طاعون کی وبا نہیں ہوگی، پھر اگلے سال دوبارہ طاعون پھیل گیا، پھر اُس بستی کے تیس ہزار افراد وہاں سے بھاگے حتیٰ کہ وہ ایک وسیع وعریض وادی میں پہنچے تو ایک فرشتہ نے اس وادی کے نیچے سے اُن کو نداء کی اور دوسرے فرشتہ نے اس وادی کے اوپر سے اُن کو ندا کی اور کہا: ''تم سب مرجاؤ'' پھر جب وہ سب مرگئے اور ان کے اجسام بوسیدہ ہوگئے تو وہاں سے حضرت حزقیل بن بوذی نام کے نبی گزرے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں تیسرے خلیفہ تھے، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کے معاملات کے منتظم حضرت یوشع بن نون تھے، پھر حضرت کالب بن یوفنا تھے، پھر حضرت حزقیل تھے، کہا جاتا ہے کہ حضرت حزقیل ایک بوڑھی خاتون کے بیٹے تھے جس نے اللہ تعالیٰ سے بڑھاپے میں بیٹے کے حصول کی دعا کی تھی کیونکہ وہ بانجھ تھیں، سو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور اُن کے ہاں حضرت حزقیل پیدا ہوگئے۔ جب حضرت حزقیل اِن مُردوں کے پاس سے گزرے تو وہ غور وفکر کرکے تعجب کرتے رہے، تب اللہ عزوجل نے اُن کی طرف وحی فرمائی: کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں تمہیں اپنی کوئی نشانی دکھاؤں؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں! پس انہیں یہ حکم دیا گیا کہ آپ یہ نداء کریں اے ہڈیو! اللہ تم کو جمع ہونے کا حکم دیتا ہے، پھر وہ ہڈیاں اُڑ کر ایک دوسرے کے ساتھ جُڑنے لگیں حتیٰ کہ ہڈیوں کا ڈھانچہ مکمل ہوگیا، پھر اللہ عزوجل نے اُن کو دوبارہ وحی فرمائی کہ آپ یہ نداء کریں کہ اے ہڈیو! اللہ تمہیں یہ حکم دیتا ہے کہ تم گوشت اور خون کا لباس پہن لو، پھر انہوں نے نداء کی کہ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم سب کھڑے ہوجاؤ تو وہ سب مردے یہ کہتے ہوئے زندہ ہوکر کھڑے ہوگئے ''سبحانك ربنا وبحمدك لا اله الا انت'' پھر وہ سب لوگ زندہ ہونے کے بعد اپنی بستیوں کی طرف واپس گئے اور اُن کی موت کی علامت اُن کے چہروں سے ظاہر ہورہی تھی، پھر وہ اُس وقت تک زندہ رہے جب تک کہ اُن کی مدتِ حیات پوری ہوگئی، پھر اُس کے بعد وہ مرگئے۔

اس روایت میں یہ ذکر ہے کہ حضرت حزقیل علیہ السلام کی دُعا سے وہ مُردے زندہ ہوگئے اور یہ حضرت حزقیل علیہ السلام کا معجزہ ہے۔

(اللباب فی علوم الکتاب، ج ۴ ص ۲۴۸-۲۴۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۱ء)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اور اے مسلمانو!) تم اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور یاد رکھو کہ بے شک اللہ سب کچھ سننے والے ہیں سب کچھ جاننے والے ہیںO'' (البقرہ: ۲۴۴)

آیت مذکورہ کی تفسیر میں مفسرین کے دو قول

ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی المالکی المتوفی ۶۶۸ھ البقرہ: ۲۴۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ'': جمہور مفسرین کے نزدیک اس آیت میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو اللہ تعالیٰ نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا حکم دیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت میں اُن بنی اسرائیل سے خطاب ہے جن کو حضرت حزقیل علیہ السلام کی دعا سے زندہ کیا گیا تھا۔ النحاس نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مومنین کو یہ حکم دیا ہے کہ جس طرح وہ بنی اسرائیل موت کے ڈر سے اپنی بستی کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے اس طرح تم موت کے ڈر سے جہاد کو ترک نہ کر دینا۔ (الجامع لاحکام القرآن جزو ۳ ص ۲۲۵، دار الکتاب العربی، ۱۴۲۰ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''کوئی ہے جو اللہ کو قرضِ حسن دے! تو اللہ اُس کے دیے ہوئے کو بڑھا چڑھا کر کئی گنا زیادہ فرمادے اور اللہ ہی (رزق میں) تنگی فرماتے ہیں اور کُشادگی فرماتے ہیں اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گےO'' (البقرہ: ۲۴۵)

حضرت ابوالدحداح رضی اللہ عنہ کا اپنا باغ اللہ تعالیٰ کو قرض حسن میں دینا

امام ابوالفرج عبدالرحمن بن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ البقرہ: ۲۴۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا'': جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوالدحداح رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض لینا چاہتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! حضرت ابوالدحداح نے کہا: میں اپنا باغ اپنے رب کو بہ طورِ قرض دیتا ہوں اور اُن کے باغ میں چھ سو کھجور کے درخت تھے، پھر وہ اپنے باغ میں آئے اور اپنی بیوی سے کہا: اے ام الدحداح! اس باغ سے نکل جاؤ، میں نے یہ باغ اللہ تعالیٰ کو بہ طورِ قرض دے دیا ہے۔

(مسند ابویعلیٰ: ۴۹۸۶، مسند البزار: ۹۴۴، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۲۲ ص ۳۰۱، المعجم الاوسط للطبرانی: ۱۸۸۷، شعب الایمان للبیہقی: ۳۴۵۲، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۱۴)

اللہ تعالیٰ کے قرض مانگنے کی توجیہ

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ کا قرض طلب کرنا مجاز پر محمول ہے ورنہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مالک ہے اور بندہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جو اس کی راہ میں صدقہ اور خیرات کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی جزاء میں اس کو بے شمار اجر عطا فرماتا ہے۔ سو مطلب یہ ہے کہ تم دنیا میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو اس کے عوض اللہ تعالیٰ آخرت میں تمہیں ڈھیروں نیکیاں عطا فرمائے گا، اس لیے اس کو صورتاً قرض فرمایا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

''فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا کَثِیْرَةً'' یعنی اللہ تعالیٰ اس کی راہ میں خرچ کرنے پر بے حساب اجر عطا فرمائے گا، حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: بے شک اللہ تعالیٰ مومن کی ایک نیکی کو ہزار ہزار گنا فرما دیتا ہے اور پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ (مسند احمد: ٧٨٨٥، ج ٢ ص ٢٩٦۔ ٥٢١، ٥٢٢)

”وَاللّٰهُ یَقْبِضُ وَیَبْصُۜطُ“: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن بصری، ابن الزید اور مقاتل نے کہا: اس آیت کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے رزق کو تنگ فرما دیتا ہے اور جس پر چاہتا ہے رزق کو کشادہ فرما دیتا ہے۔

(زاد المسیر ج ١ ص ٢٢١۔ ٢٢٢، موضحاً ومخرجاً ومزیداً، دار الکتاب العربی، بیروت، ١٤٣١ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”(اے رسولِ اکرم!) کیا آپ نے موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کے گروہ کی طرف نہیں دیکھا! جب انہوں نے اپنے ایک نبی سے کہا: آپ ہمارے لیے کسی بادشاہ کو مقرر کر دیں تاکہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں، اُس (نبی نے) کہا: ہوسکتا ہے کہ اگر تم پر جہاد فرض کیا جائے تو تم جہاد نہ کرو؟ انہوں نے کہا: ہم اللہ کی راہ میں جہاد کیوں نہیں کریں گے حالانکہ ہم کو اپنے گھروں سے اور اپنے اہل وعیال سے نکال دیا گیا ہے، پھر جب اُن پر جہاد فرض کر دیا گیا تو اُن میں سے چند لوگوں کے سوا سب نے جہاد سے پیٹھ پھیر لی، اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والے ہیں O“ (البقرہ: ٢٤٦)

امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ٥١٦ھ، البقرہ: ٢٤٦، ٢٤٧، ٢٤٨ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت اِشمویل علیہ السلام کا نسب

”اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ“:

جمہور مفسرین نے کہا ہے: اس آیت میں جس نبی کا ذکر ہے، اُن کا نام عبرانی زبان میں اشمویل یعنی اسماعیل بن یال بن علقمہ تھا اور مقاتل نے کہا: وہ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔

حضرت اِشمویل علیہ السلام سے بنی اسرائیل کے سوال کا سبب

بنی اسرائیل نے اُن سے یہ سوال کیا تھا کہ آپ ہمارے لیے بادشاہ مقرر کر دیں، اس سوال کا سبب یہ تھا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوگئی تو انہوں نے اپنے بعد بنی اسرائیل میں حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کو خلیفہ مقرر کیا جنھوں نے بنی اسرائیل میں تورات کے احکام نازل کیے حتیٰ کہ ان کی وفات ہوگئی، پھر اُن کے بعد کالب بن یوفنا خلیفہ ہوئے حتیٰ کہ اُن کی وفات ہوگئی، پھر ان کے بعد حضرت حزقیل علیہ السلام خلیفہ ہوئے حتیٰ کہ ان کی بھی وفات ہوگئی، پھر بنو اسرائیل میں بہت بدعات پیدا ہوگئیں اور وہ اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد و پیمان کو بھول گئے حتیٰ کہ انہوں نے بتوں کی پرستش شروع کر دی، پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کی طرف حضرت الیاس علیہ السلام نبی کو مبعوث فرمایا، حضرت الیاس علیہ السلام نے انہیں اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دی، پھر حضرت الیاس علیہ السلام کے بعد حضرت الیسع علیہ السلام خلیفہ ہوئے، پھر جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ ان میں رہے، پھر اُن کی وفات ہوگئی، پھر اُن میں بُرے لوگ جانشین ہوئے اور وہ بڑے بڑے سنگین گناہ کرنے لگے، پس ان کے اوپر اُن کا دشمن البشاثا غالب ہوگیا۔

جالوت کی قوم کا تذکرہ اوران کا بنواسرائیل پر غلبہ

جالوت کی قوم مصراور فلسطین کے درمیان بحرروم کے ساحل پر رہتی تھی اور وہی لوگ العمالقہ تھے، وہ اپنی طاقت سے بنی اسرائیل پر غالب آ گئے، انہوں نے بنی اسرائیل کی زمینوں پر قبضہ کرلیا اور اُن کے بچوں میں سے اکثر کو قید کرلیا اور اُن کے بادشاہوں کے چارسو چالیس بیٹوں کو غلام بنالیا اور اُن پر الجزیہ مقرر کردیا اوران سے تورات کو چھین لیا، اور بنواسرائیل نے اُن سے بہت مصائب برداشت کیے، اس زمانہ میں ان کے پاس کوئی نبی نہیں تھا جواُن کے معاملات کی تدبیر کرتا اور نبی کی اولاد میں سے سب فوت ہو چکے تھے، البتہ ایک عورت باقی تھی جس کو جالوت نے ایک گھر میں قید کررکھا تھا، اس عورت سے ایک لڑکا پیدا ہوا اور اس عورت نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ اس کو ایک لڑکا عطا فرمائے، جب لڑکا پیدا ہوا تو اس عورت نے اس لڑکے کا نام اشمویل رکھا۔

حضرت اشمویل علیہ السلام کی ولادت اوران کی نشوونما اوران کی نبوت اور بعثت

وہ عورت کہتی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمائی، وہ لڑکا بڑا ہوگیا، اس عورت نے اس لڑکے کو بیت المقدس کے حوالہ کردیا تاکہ وہ تورات کا علم حاصل کرے اور بنواسرائیل کے علماء میں سے ایک شیخ نے اس لڑکے کی کفالت کی، جب وہ لڑکا بالغ ہوگیا تو اس کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور وہ لڑکا اس شیخ کے پہلو میں سویا ہوا تھا اور وہ شیخ اس لڑکے کے متعلق کسی پر اعتماد نہیں کرتے تھے، پس حضرت جبریل علیہ السلام نے اس شیخ کی آواز اور اس کے لہجہ میں نداء کی: یا اشمویل! تو وہ لڑکا گھبرا کر شیخ کے پاس گیا اور اس سے پوچھا: اے ابا جان کیا آپ نے مجھے بلایا ہے؟ اس شیخ نے انکار کرنے کو ناپسند کیا اور کہا: اے بیٹے! واپس جاؤ اور سو جاؤ، وہ لڑکا واپس گیا اور سو گیا، پھر دوبارہ حضرت جبریل علیہ السلام نے اس لڑکے کو نداء کی تو لڑکے نے پھر شیخ سے پوچھا: اے ابا جان! کیا آپ نے مجھے بلایا ہے؟ شیخ نے کہا: جاؤ سو جاؤ، اگر میں تمہیں تیسری مرتبہ بلاؤں تو تم جواب نہ دینا اور دیکھنا اللہ تعالیٰ تمہارے معاملہ میں فرماتا ہے، پھر جب تیسری مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام ظاہر ہوئے تو انہوں نے اس لڑکے سے کہا: تم اپنی قوم کی طرف جاؤ اور اُن کو اپنے رب کا پیغام پہنچاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس قوم میں نبی مبعوث فرمادیا ہے، پھر جب وہ لڑکا اپنی قوم کے پاس گیا تو قوم نے کہا: تم اتنی جلدی نبی بن گئے اور اس لڑکے سے کہا: اگر تم سچے نبی ہو تو ہمارے لیے ایک ایسا بادشاہ مقرر کرو جس کے ساتھ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور یہ تمہاری نبوت کی علامت ہوگی۔

''فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ'': جب بنی اسرائیل پر جہاد فرض کردیا گیا تو انہوں نے جہاد سے پیٹھ پھیر لی اور چندلوگوں کے سوا کسی نے اللہ عزوجل کے حکم پر عمل نہیں کیا اور یہ چندلوگ وہ تھے جنہوں نے طالوت کے ساتھ دریا کو عبور کیا تھا اور صرف ایک چلّو پانی پینے پر اکتفاء کی تھی اوران کی تعداد تین سو تیرہ تھی، جیسا کہ اگلی آیات میں اسکا قصہ تفصیل سے آئے گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اوراُن کے نبی نے ان سے کہا: بے شک اللہ نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر فرمادیا ہے، انہوں نے کہا: وہ (طالوت) ہمارا بادشاہ کیسے ہوسکتا ہے جب کہ ہم اُس سے زیادہ سلطنت کے حق دار ہیں اور اُس (طالوت) کو وسیع مال بھی نہیں دیا گیا، (اُن کے نبی) نے کہا: بے شک اللہ نے اُس کو تم پر

فضیلت عطا فرمائی ہے اور اُس کو علم اور جسم میں زیادہ کشادگی عطا فرمائی ہے، اور اللہ جس کو چاہیں اپنا مُلک عطا فرما دیتے ہیں اور اللہ بہت وسعت والے بے حد علم والے ہیں O'' (البقرہ: ۲۴۷)

''وَقَالَ لَهُمۡ نَبِیُّهُمۡ اِنَّ اللّٰهَ قَدۡ بَعَثَ لَکُمۡ طَالُوۡتَ مَلِکًا'': وہب بن منبہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت اشمویل علیہ السلام کو بہ طورِ نبی مبعوث فرمایا، پس بنو اسرائیل چالیس سال تک اچھے حال میں رہے، پھر اس کے بعد جالوت اور عمالقہ کا غلبہ ہوا، تب بنو اسرائیل نے حضرت اشمویل علیہ السلام سے کہا: ''اِبۡعَثۡ لَنَا مَلِکًا نُّقَاتِلۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ''۔

اور اُن کے نبی نے ان سے کہا: بے شک اللہ نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر فرما دیا ہے۔

''قَالُوۡۤا اَنّٰی یَکُوۡنُ لَهُ الۡمُلۡکُ عَلَیۡنَا وَ نَحۡنُ اَحَقُّ بِالۡمُلۡکِ مِنۡهُ وَ لَمۡ یُؤۡتَ سَعَةً مِّنَ الۡمَالِ'': انہوں نے کہا: وہ (طالوت) ہمارا بادشاہ کیسے ہو سکتا ہے! جب کہ ہم سلطنت کے اُس سے زیادہ حق دار ہیں اور اُس (طالوت) کو وسیع مال بھی نہیں دیا گیا۔

''قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰهُ عَلَیۡکُمۡ وَ زَادَهٗ بَسۡطَةً فِی الۡعِلۡمِ وَ الۡجِسۡمِ'': (اُن کے نبی) نے کہا: بے شک اللہ نے طالوت کو تم پر فضیلت دی ہے اور اُس کو علم اور جسم میں زیادہ کشادگی عطا فرمائی ہے، اور اللہ جس کو چاہے اپنا مُلک عطا فرما دیتا ہے۔

طالوت کا تذکرہ اور سوانح

طالوت کا نام عبرانی زبان میں شاول بن قیس تھا، یہ حضرت بنیامین بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے، ان کا نام طالوت اس لیے رکھا گیا کہ ان کا قد اس زمانہ کے لوگوں میں سب سے لمبا تھا، یہ رنگریز تھے۔ اور السدی نے کہا: یہ سقاء تھے، اپنے دراز گوش پر پانی بھر کر لاتے تھے، ایک دن ان کا گدھا گم ہو گیا تو وہ اس کو ڈھونڈنے کے لیے نکلے، اس اثناء میں وہ حضرت اشمویل علیہ السلام کے گھر کے پاس سے گزرے، تب طالوت کے غلام نے اُن سے کہا: اگر ہم اس نبی کے پاس جائیں اور ان سے اپنے گم شدہ گدھے کے متعلق سوال کریں ہو سکتا ہے وہ ہمارے گمشدہ گدھے کے متعلق ہمیں کوئی نشاندہی فرمائیں، پس طالوت اور اُن کا غلام دونوں حضرت اشمویل علیہ السلام کے پاس گئے، حضرت اشمویل علیہ السلام نے ایک لاٹھی کے ساتھ اُن کا قد ناپا تو اُن کا قد اس لاٹھی کے برابر تھا، پھر انہوں نے طالوت سے کہا: اپنا سر قریب کرو، پھر ان کے سر پر مقدس تیل لگایا، پھر اُن سے کہا: تم بنی اسرائیل کے بادشاہ ہو گے، اللہ عزوجل نے مجھے وحی فرمائی ہے کہ میں تم کو بنی اسرائیل کا بادشاہ بناؤں، طالوت نے اُن سے کہا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ میرا خاندان تو بنی اسرائیل کے پسماندہ خاندان میں سے ہے اور میرا گھر بنی اسرائیل کے غریب گھروں میں سے ہے، حضرت اشمویل علیہ السلام نے کہا: کیوں نہیں! طالوت نے پوچھا: اچھا آپ کے قول کی صداقت کی کیا علامت ہے؟ حضرت اشمویل علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تم واپس جاؤ گے تو تمہارے باپ کو تمہارا گمشدہ گدھا مل چکا ہو گا سو اسی طرح ہوا، پھر حضرت اشمویل علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے طالوت کو بادشاہ مقرر فرما دیا ہے۔

طالوت کی بادشاہی پر بنی اسرائیل کے اعتراض کا سبب

بنو اسرائیل نے طالوت کی بادشاہی پر اعتراض کیا تھا، اس کا سبب یہ تھا کہ بنی اسرائیل میں دو قبیلے تھے، ایک قبیلہ میں نبوت تھی

اور دوسرے قبیلہ میں بادشاہت تھی، پس جس قبیلہ میں نبوت تھی وہ لاوی بن یعقوب کی اولاد تھی، اور انہی کی نسل سے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام پیدا ہوئے، اور جس قبیلہ میں بادشاہت تھی وہ یہوذا ابن یعقوب کی اولاد تھی اور ان ہی کی نسل سے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام پیدا ہوئے اور طالوت ان دونوں قبیلوں میں سے کسی ایک قبیلہ سے بھی نہیں تھے بلکہ طالوت، بن یامین بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے تھے اور اس دور میں بنو اسرائیل سنگین گناہ کرتے تھے، وہ عورتوں سے سرِ عام دن کے وقت بازاروں میں جماع کرتے تھے، پس اللہ تعالیٰ ان پر غضب ناک ہوا اور ان سے بادشاہت اور نبوت دونوں چھین لیں، تب جب ان سے ان کے نبی نے کہا کہ تمہارے لیے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے تو انہوں نے اس پر انکار کیا، کیونکہ طالوت اس قبیلہ سے نہیں تھے جس قبیلہ میں بادشاہت تھی، علاوہ ازیں انہوں نے کہا کہ طالوت تو تنگدست ہیں، ان کو وسیع مال نہیں دیا گیا تو حضرت اشمویل علیہ السلام نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تم پر علمی اور جسمانی فضیلت عطا فرمائی ہے، اور اس کا سبب یہ ہے کہ طالوت اس وقت بنی اسرائیل کے سب سے بڑے عالم تھے اور ان کا جسم بہت طویل تھا اور اس زمانہ کے بنی اسرائیل میں وہ سب سے حسین وجمیل مرد تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اُن کے نبی نے ان سے کہا: بے شک اُس (طالوت) کی سلطنت کی علامت تمہارے پاس تابوت کا آنا ہے جس میں تمہارے رب کی طرف سے (دلوں کی) طمانیت ہے اور آلِ موسیٰ اور آلِ ہارون کی چھوڑی ہوئی بقیہ چیزیں ہیں، فرشتے اس تابوت کو اٹھائے ہوئے ہوں گے، بے شک اس میں تمہارے لیے ضرور بڑی علامت ہے اگر تم ایمان رکھنے والے ہو O'' (البقرہ: ۲۴۸)

بنی اسرائیل کے تابوت کی تاریخ

''وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ'': تابوت کی تاریخ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر ایک تابوت نازل فرمایا تھا جس میں انبیاء علیہم السلام کی تصویریں تھیں، یہ تابوت شمشاد کی لکڑی کا بنا ہوا تھا، یہ تین ہاتھ لمبا اور دو ہاتھ چوڑا تھا (ایک ہاتھ ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے)، یہ تابوت حضرت آدم علیہ السلام کے پاس رہا حتیٰ کہ ان کی وفات ہوگئی، پھر ان کے بعد یہ تابوت حضرت شیث علیہ السلام کے پاس رہا، پھر ان کی وفات کے بعد یہ تابوت حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں منتقل ہوتا رہا حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تک پہنچا، پھر ان کے بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاس پہنچا، کیونکہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے، پھر ان کے بعد یہ تابوت حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچا، پھر یہ تابوت بنی اسرائیل میں رہا یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام اس تابوت میں تورات رکھتے تھے اور اپنی ضروریات کا دیگر سامان رکھتے تھے، سو یہ تابوت ان کی وفات تک اُن کے پاس رہا، پھر اُس کے بعد یہ تابوت بنی اسرائیل کے انبیاء میں منتقل ہوتا رہا یہاں تک کہ حضرت اشمویل علیہ السلام تک پہنچا اور اس تابوت میں وہ چیزیں تھیں جن کا اللہ تعالیٰ نے درجِ ذیل آیت میں ذکر فرمایا ہے:

تابوت کی ''سَكِيْنَةٌ'' کے متعلق متعدد اقوال

''فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ'': السکینۃ کے مصداق میں متعدد اقوال ہیں: (۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اس میں انسان کے چہرہ کی مثل ایک چہرہ تھا، (میں کہتا ہوں: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت صحیح نہیں ہے، یہ اسرائیلی روایت ہے۔ سعیدی

غفرلہٗ)۔(۲) مجاہد نے کہا: اس میں بلی کے مشابہ کوئی چیز تھی جس کا سر بلی کی طرح تھا اور اس کے دو پر تھے۔(۳) ایک قول یہ ہے کہ اس کی دو آنکھیں تھیں جن سے شعاعیں نکلتی تھیں اور زمرد کے دو پر تھے اور جب بنو اسرائیل اس کی آواز سنتے تو ان کو اپنی نصرت کا یقین ہو جاتا تھا، اور جب وہ سفر کے لیے نکلتے تو اس تابوت کو اپنے سامنے رکھتے تھے۔(۴) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ جنت سے آیا ہوا سونے کا ایک طشت تھا، اس طشت میں انبیاء علیہم السلام کے دلوں کو دھویا جاتا تھا۔(۵) اور وہب بن منبہ نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کی ایک پسندیدہ روح تھی جو باتیں کرتی تھی، جب بنو اسرائیل کو کسی چیز میں اختلاف ہوتا تو وہ ان کو صحیح بات کی خبر دیتی تھی (۶) اور عطاء بن ابی رباح نے کہا: اس میں وہ نشانیاں تھیں جن کو بنو اسرائیل پہچانتے تھے۔(۷) اور قتادہ اور الکلبی نے کہا: السکینۃ کا لفظ فعیلۃ کے وزن پر ہے جو سکون سے ماخوذ ہے، یعنی اس میں تمہارے رب کی طرف سے نازل کی ہوئی طمانیت تھی، پس جس جگہ پر بھی یہ تابوت ہوتا تو وہ اس جگہ پر مطمئن ہو جاتے اور وہیں ٹھہر جاتے۔

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے تبرکات

''وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ'': یعنی اس تابوت میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی استعمال کی ہوئی چیزیں تھیں، اس میں تورات کی تختیاں تھیں اور تورات کی ان تختیوں کے ٹکڑے تھے جو ٹوٹ گئی تھیں، اور اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور اُن کی نعلین تھیں، اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ اور اُن کا عصا تھا۔ اور جو ''المن'' بنی اسرائیل پر نازل ہوتا تھا اس کا ایک ٹوکرا تھا، پس یہ تابوت بنی اسرائیل کے پاس تھا اور جب اُن کا کسی چیز میں اختلاف ہوتا تو یہ تابوت کلام کرتا اور ان کے درمیان فیصلہ کرتا۔ اور جب وہ کسی قوم سے لڑنے کے لیے جاتے تو اس تابوت کو اپنے سامنے رکھتے اور اس تابوت کے وسیلہ سے بنی اسرائیل اپنے دشمنوں پر فتح طلب کرتے۔ پس جب بنو اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور زمین میں دہشت گردی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر العمالقہ کو مسلط کر دیا جو ان کے تابوت کو اُن سے چھین کر لے گئے۔

بنی اسرائیل سے تابوت کے چھینے جانے کا سبب

اس کا سبب یہ تھا کہ جس شیخ نے حضرت اشمویل علیہ السلام کی پرورش کی تھی اس کے دو جوان بیٹے تھے، اور اس شیخ کا نام عَیلی تھا جو قربانیاں پیش کرتا تھا اور اس کے پاس دو کتے تھے اور اس شیخ کے دو بیٹوں نے قربان گاہ پر لوہے کے دو آنکڑے رکھ دیے، پس اللہ تعالیٰ نے حضرت اشمویل علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ آپ عَیلی کی طرف جائیں اور اُس سے کہیں: اولاد سے آپ کی محبت نے آپ کو اپنے بیٹوں کو اس پر جھڑکنے سے منع کر دیا ہے کہ وہ میری قربان گاہ میں کوئی نئی چیز ڈالیں اور میری نافرمانی کریں۔ سو میں ضرور آپ سے اور آپ کی اولاد سے کہانت کو چھین لوں گا اور آپ کو اور آپ کے دونوں بیٹوں کو ہلاک کر دوں گا۔ پس حضرت اشمویل نے عَیلی کو یہ خبر پہنچائی تو وہ بہت گھبرایا اور اُن کا دشمن اُن کی طرف روانہ ہوا تو عَیلی نے اپنے دونوں بیٹوں کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو ساتھ لے کر اس دشمن سے لڑیں، پس وہ دونوں نکلے اور انہوں نے اپنے ساتھ اس تابوت کو رکھا، پس جب وہ لڑنے کے لیے تیار ہوئے اور عَیلی اس کا منتظر تھا کہ اب کیا ہوتا ہے؟ پس اس کے پاس ایک مرد آیا جو کرسی پر بیٹھا ہوا تھا، اس نے بتایا کہ وہ لوگ شکست کھا چکے ہیں اور تمہارے دونوں بیٹے قتل کیے جا چکے ہیں، عَیلی نے پوچھا: اور تابوت کا کیا ہوا؟ تو اس نے بتایا کہ دشمن اس تابوت کو چھین کر لے گیا ہے، پس عَیلی اپنی پیٹھ کے بل گر پڑا اور مر گیا۔ پھر بنی اسرائیل کے حالات بگڑ گئے اور وہ بکھر گئے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو

بادشاہ بنا کر بھیجا، پھر جب بنو اسرائیل نے اس بادشاہ کے متعلق نشانی طلب کی تو بنی اسرائیل سے ان کے نبی نے کہا کہ اس بادشاہ کی سلطنت کی نشانی یہ ہے کہ یہ تمہارے پاس تابوت کو واپس لے آئے گا اور جو لوگ تابوت کو چھین کر چلے گئے تھے وہ اس تابوت کو فلسطین کی بستیوں میں سے کسی بستی میں لے گئے تھے اور اس تابوت کو ایک مندر میں رکھ دیا تھا اور اس تابوت کے اوپر ایک بت کا قدم رکھ دیا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اُس بستی کے لوگوں پر ایک چوہے کو بھیج دیا، وہ چوہا جس مرد کے گھر میں داخل ہوتا تو وہ مرد مر جاتا، تب وہ لوگ اس تابوت سے نجات کے لیے اس کو ایک صحرا میں لے گئے اور اس تابوت کو اپنے بیت الخلاء میں دفن کر دیا، پھر جو شخص بھی وہاں قضائے حاجت کرتا اس کو بواسیر ہو جاتی اور درد قولنج ہو جاتا۔ پھر وہ لوگ اس تابوت کے معاملہ میں بہت حیران ہوئے کہ اس کا کیا کریں؟ تو انبیاء بنی اسرائیل کی اولاد میں سے ایک عورت نے اُن سے کہا جو ان کے ہاں قید تھی کہ جب تک تم میں یہ تابوت رہے گا تم اسی طرح مصائب میں مبتلا ہوتے رہو گے، پھر وہ ایک بیل گاڑی لے کر آئے اور اس عورت کے مشورہ سے اس تابوت کو اس بیل گاڑی پر رکھ دیا، پھر اس گاڑی کے ساتھ دو بیل جوت دیے اور ان بیلوں کے پہلوؤں میں ضرب لگائی تو وہ بیل اس کو لے کر روانہ ہوئے، اور اللہ تعالیٰ نے ان بیلوں کے ساتھ چار فرشتے مقرر کر دیے جو ان بیلوں کو گھسیٹتے تھے، پس وہ چلتے رہے یہاں تک کہ بنو اسرائیل کی سرزمین میں پہنچ گئے اور اس تابوت کو وہاں رکھ دیا جہاں بنو اسرائیل کا کھلیان تھا، پس جب بنو اسرائیل نے اس تابوت کو دیکھا تو زور سے نعرہ لگایا اللہ اکبر!، اور اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور یہ اس کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فرشتے اس تابوت کو اٹھائے ہوئے تھے"۔

تابوت کو طالوت کے پاس پہنچانے کے متعلق متعدد اقوال

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آسمان اور زمین کے درمیان فرشتے اس تابوت کو لے کر آئے اور بنو اسرائیل اس تابوت کی طرف دیکھ رہے تھے حتیٰ کہ فرشتوں نے اس تابوت کو طالوت کے پاس لا کر رکھ دیا۔ (۲) اور حسن بصری نے کہا کہ تابوت آسمان اور زمین کے درمیان فرشتوں کے ساتھ تھا، پس جب طالوت کو مُلک مل گیا تو فرشتوں نے اس تابوت کو اٹھا کر ان کے سامنے رکھ دیا۔ (۳) قتادہ نے کہا: بلکہ یہ تابوت میدانِ تیہ میں تھا جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت یوشع بن نون کو اپنا خلیفہ بنایا تھا، پس یہ تابوت وہیں رہا، پھر فرشتے اس تابوت کو اٹھا کر لائے حتیٰ کہ اس تابوت کو طالوت کے گھر میں رکھ دیا، پھر بنو اسرائیل نے طالوت کی سلطنت کا اقرار کر لیا۔

"اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ": حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ تابوت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا بحیرۂ طبریہ میں ہے۔ (معالم التنزیل ج ۱ ص ۳۳۱۔۳۳۶، ملتقطاً و ملخصاً، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِیْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَیْسَ مِنِّیْ ۚ وَمَنْ لَّمْ یَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّیْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِیَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْیَوْمَ بِجَالُوْتَ

وَجُنُوۡدِهٖؕ قَالَ الَّذِيۡنَ يَظُنُّوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّلٰقُوا اللّٰهِۙ كَمۡ مِّنۡ فِئَةٍ قَلِيۡلَةٍ غَلَبَتۡ فِئَةً كَثِيۡرَةًۢ بِاِذۡنِ اللّٰهِؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيۡنَ ﴿۲۴۹﴾

پھر جب طالوت افواج کو لے کر روانہ ہوا تو اُس نے (افواج سے) کہا: بے شک اللہ ایک دریا کے ذریعہ تم کو آزمائش میں مبتلاء فرمانے والے ہیں، پس جس نے اس دریا سے (پانی) پیا تو وہ میرا متبع نہیں رہے گا اور جس نے اُس دریا سے (پانی) نہیں پیا تو بے شک وہ میرا متبع رہے گا، سوا اس کے جس نے اپنے ہاتھ سے چلّو بھر کر (پانی پیا)، سو تمام فوجیوں نے اُس دریا سے خوب (پانی) پیا، سوا اُن میں سے چند فوجیوں کے، پھر جب طالوت اور اُس کے ساتھ ایمان والوں نے اُس دریا کو عبور کر لیا تو (خوب پانی پینے والوں نے) کہا: آج ہم میں جالوت اور اس کی افواج سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے، اور جن لوگوں کو یہ یقین تھا کہ وہ اللہ سے ملاقات کرنے والے ہیں انہوں نے کہا: بارہا قلیل گروہ اللہ کے حکم سے کثیر گروہ پر غالب آجاتا ہے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں O

وَلَمَّا بَرَزُوۡا لِجَالُوۡتَ وَجُنُوۡدِهٖ قَالُوۡا رَبَّنَاۤ اَفۡرِغۡ عَلَيۡنَا صَبۡرًا وَّثَبِّتۡ اَقۡدَامَنَا وَانۡصُرۡنَا عَلَى الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَؕ ﴿۲۵۰﴾

اور جب وہ (یعنی طالوت کی افواج) جالوت اور اس کی افواج کے بالمقابل ہوئیں تو انہوں نے (یعنی طالوت کی افواج نے) دعا کی: اے ہمارے رب! ہم پر صبر انڈیل دیں اور ہم کو (اس مقابلہ میں) ثابت قدم رکھیں اور کفر اختیار کرنے والی قوم کے خلاف ہماری مدد فرمائیں O

فَهَزَمُوۡهُمۡ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ۙ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوۡتَ وَاٰتٰٮهُ اللّٰهُ الۡمُلۡكَ وَالۡحِكۡمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَلَوۡلَا دَفۡعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعۡضَهُمۡ بِبَعۡضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الۡاَرۡضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۲۵۱﴾

پس انہوں نے (یعنی طالوت کی افواج نے) اللہ کے حکم سے ان کو (یعنی جالوت کی افواج کو) شکست دے دی اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا اور اللہ نے داؤد کو سلطنت اور حکمت عطا فرمائی اور (مزید) جو چاہا اُن کو علم عطا فرمایا اور اگر اللہ بعض لوگوں (کے شر کو) دوسرے بعض لوگوں سے دور نہ فرماتے رہتے تو (روئے زمین میں) فساد برپا ہو جاتا لیکن اللہ تمام جہان والوں پر بہت فضل فرمانے والے ہیں O

تِلۡكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتۡلُوۡهَا عَلَيۡكَ بِالۡحَـقِّ ؕ وَاِنَّكَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ﴿۲۵۲﴾

یہ اللہ کی آیتیں ہیں جن کی ہم آپ پر حق کے ساتھ تلاوت فرماتے ہیں (اور اے رسولِ اکرم!) بے شک آپ ضرور رسولوں میں

سے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر جب طالوت افواج کو لے کر روانہ ہوا تو اُس نے (افواج سے) کہا: بے شک اللہ ایک دریا کے ذریعہ تم کو آزمائش میں مبتلاء فرمانے والے ہیں، پس جس نے اس دریا سے (پانی) پیا تو وہ میرا مُتَّبع نہیں رہے گا اور جس نے اُس دریا سے (پانی) نہیں پیا تو بے شک وہ میرا مُتَّبع رہے گا، سوا اس کے جس نے اپنے ہاتھ سے چُلّو بھر کر (پانی پیا)، سو تمام فوجیوں نے اُس دریا سے خوب (پانی) پیا، سوا اُن میں سے چند فوجیوں کے، پھر جب طالوت اور اُس کے ساتھ ایمان والوں نے اُس دریا کو عبور کر لیا تو (خوب پانی پینے والوں نے) کہا: آج ہم میں جالوت اور اس کی افواج سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے، اور جن لوگوں کو یہ یقین تھا کہ وہ اللہ سے ملاقات کرنے والے ہیں انہوں نے کہا: بارہا قلیل گروہ اللہ کے حکم سے کثیر گروہ پر غالب آجاتا ہے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں O'' (البقرہ: ۲۴۹)

طالوت کی افواج کا جالوت کی افواج کے ساتھ مقابلہ

امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، البقرہ: ۲۴۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ'':

طالوت کی افواج میں ستر ہزار جنگ جُو تھے، دوسرے قول کے مطابق اسّی ہزار جنگ جُو تھے اور اس کی افواج میں صرف بوڑھوں اور بیماروں اور معذوروں کو شامل نہیں کیا گیا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل نے تابوت کو دیکھ لیا تو اُن کو اس معرکہ میں کامیابی کا یقین ہو گیا، پس طالوت نے کہا: مجھے اپنی افواج میں اُس کو شامل کرنے کی ضرورت نہیں جو کسی عمارت کی تعمیر کرنے میں مشغول ہو یا جو شخص اپنی تجارت میں مشغول ہو یا جس شخص پر قرض ہو یا جس مرد نے نکاح کیا ہو اور ابھی اپنی بیوی کے ساتھ رات نہ گزاری ہو، میری افواج میں صرف وہ لوگ شامل ہوں جو ہر قسم کی مشغولیات سے فارغ ہوں، سو اس شرط کے مطابق اسّی ہزار بنی اسرائیل اس کی افواج میں شامل ہوئے اور یہ سخت گرمی کا موسم تھا تو انہوں نے طالوت سے کہا کہ پانی بہت کم ہے سو آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے ایک دریا جاری کر دے، تب طالوت نے کہا:

''قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ'': اللہ تعالیٰ تمہاری اطاعت کی آزمائش کے لیے تم کو اس دریا میں مبتلاء فرمائے گا، حضرت ابن عباس اور السدّی نے کہا: یہ فلسطین کا دریا تھا اور قتادہ نے کہا: یہ اُردن اور فلسطین کے درمیان میں دریا تھا۔

''فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ'': یعنی جس نے اس دریا سے سیر ہو کر پانی پیا وہ میرے دین اور میرے طریقہ پر نہیں رہے گا اور جس نے اس دریا سے سیر ہو کر پانی نہیں پیا تو وہ میرے دین اور میرے طریقہ پر ہو گا۔

''فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ'': اس میں اختلاف ہے کہ جن قلیل لوگوں نے صرف چُلّو بھر کر اس دریا سے پانی پیا تھا ان قلیل کی تعداد کتنی تھی؟ السدّی نے کہا: وہ چار ہزار تھے اور دوسروں نے کہا کہ وہ تین سو تیرہ تھے اور یہی قول صحیح ہے اور اس کی تائید

میں درج ذیل حدیث ہے:

حضرت البراء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: مجھے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے یہ حدیث بیان کی کہ غزوۂ بدر میں حاضر ہونے والوں کی تعداد طالوت کے اُن اصحاب کی تعداد کے برابر تھی جنہوں نے دریا کو عبور کرلیا تھا اور وہ تین سو تیرہ تھے، حضرت البراء رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! طالوت کے ساتھ صرف مومنین نے ہی دریا کو عبور کیا تھا۔

(صحیح البخاری: ۳۹۵۷، سنن ترمذی: ۱۵۹۸، سنن ابن ماجہ: ۲۸۲۸، مسند احمد: ۱۸۰۸۳)

''فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ'': یعنی جن لوگوں نے دریا سے خوب پانی پیا تھا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کی تھی اور دراصل وہ لوگ منافقین تھے تو انہوں نے کہا: ''لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ''، اور جن لوگوں کو یقین تھا کہ وہ اللہ سے ملاقات کرنے والے ہیں، انہوں نے کہا: ''كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ''۔ (معالم التنزیل ج ۱ ص ۳۳۶۔ ۳۳۷، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۰ھ، اللباب فی علوم الکتاب ج ۴ ص ۲۸۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۱ء)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جب وہ (یعنی طالوت کی افواج) جالوت اور اس کی افواج کے بالمقابل ہوئیں تو انہوں نے (یعنی طالوت کی افواج نے) دعا کی: اے ہمارے رب! ہم پر صبر انڈیل دیں اور ہم کو (اس مقابلہ میں) ثابت قدم رکھیں اور کفر اختیار کرنے والی قوم کے خلاف ہماری مدد فرمائیں'' (البقرہ: ۲۵۰)

دشمن کی کثیر تعداد کے مقابلہ میں مسلمانوں کا فتح کے لیے اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا کرنا

علامہ ابوحفص عمر بن علی الدمشقی الحنبلی المتوفی ۸۸۰ھ البقرہ: ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا'': جب طالوت کی افواج جالوت کی افواج کے بالمقابل ہوئیں اور انہوں نے اپنی قلت اور دشمن کی کثرت کو دیکھا تو انہوں نے گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی ''رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ''۔

اور ایسی صورت میں اس کی نظیر مسلمانوں کی یہ دعا ہے: ''رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۔۔۔ (آل عمران: ۱۴۷)'' (اے ہمارے رب! ہمارے گناہوں کو اور ہمارے کاموں میں بے اعتدالیوں کو بخش دیں اور ہمیں جہاد میں ثابت قدم رکھیں اور کفر اختیار کرنے والوں کے خلاف ہماری مدد فرمائیں)۔

غزوۂ بدر میں کفارِ قریش سے مقابلہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح دعا فرمائی:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی طرف نظر ڈالی تو ان کی تعداد ایک ہزار تھی اور آپ کے اصحاب کی تعداد تین سو انیس (یا تین سو تیرہ) تھی، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی طرف مونہہ کیا، پھر اپنے ہاتھ دراز کر کے اپنے رب سے گڑگڑا کر دعا کی: ''اے اللہ! آپ نے مجھ سے جو وعدہ فرمایا ہے اس کو پورا کیجیے، اے اللہ! اپنا وعدہ مجھے عطا کیجیے، اے اللہ! اہلِ اسلام کی یہ جماعت اگر آج ہلاک ہوگئی تو روئے زمین پر تیری عبادت نہیں کی جائے گی''۔

(صحیح مسلم: ۱۷۶۳، الرقم المسلسل: ۴۴۹۷، سنن ترمذی: ۳۰۸۱، مسند عبد بن حمید: ۳۱، مسند البزار: ۱۹۶، مسند ابوعوانہ ج ۴ ص ۱۵۲، صحیح ابن حبان: ۴۷۹۳، سنن بیہقی ج ۶ ص ۳۲۱، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۳ ص ۵۱۵۲، دلائل النبوۃ لابی نعیم: ۴۰۸، مسند احمد: ۲۰۸، ۲۲۱)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس انہوں نے (یعنی طالوت کی افواج نے) اللہ کے حکم سے ان کو (یعنی جالوت کی افواج کو) شکست دے دی اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا اور اللہ نے داؤد کو سلطنت اور حکمت عطا فرمائی اور (مزید) جو چاہا اُن کو علم عطا فرمایا اور اگر اللہ بعض لوگوں (کے شر کو) دوسرے بعض لوگوں سے دور نہ فرماتے رہتے تو (روئے زمین میں) فساد برپا ہو جاتا لیکن اللہ تمام جہان والوں پر بہت فضل فرمانے والے ہیں O''
(البقرہ: ۲۵۱)

''فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ۫ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ'':

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ حضرت داؤد علیہ السلام بکریوں کو چراتے تھے اور اُن کے سات بھائی طالوت کے لشکر میں شامل تھے، طالوت نے اعلان کیا کہ جو جالوت کو قتل کرے گا میں اس کے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح کر دوں گا اور اس کو اپنا آدھا ملک عطا کر دوں گا، پس حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا کہ میں یہ کام کروں گا، سو جب حضرت داؤد علیہ السلام جالوت سے مقابلہ کے لیے نکلے تو وہ تین پتھروں کے پاس سے گزرے، ان پتھروں نے کہا: اے داؤد! ہمیں اپنے ساتھ لے چلیں کیونکہ ہمارے سبب سے ہی جالوت کی موت ہوگی، پھر جب حضرت داؤد علیہ السلام جالوت سے مقابلہ کے لیے نکلے تو انہوں نے جالوت پر وہ پتھر پھینک کر مارا جو اس کے سینے پر جا کر لگا اور آر پار ہو گیا، اور اس کے بعد انہوں نے جالوت کی افواج کے بہت سارے لوگوں کو قتل کر دیا، سو اللہ تعالیٰ نے جالوت کے لشکر پر طالوت کو فتح عطا فرمائی اور حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کر دیا، پھر طالوت کو اُن سے حسد ہوا اور اس نے حضرت داؤد علیہ السلام کو اپنی مملکت سے نکال دیا اور اپنا وعدہ پورا نہیں کیا، پھر بعد میں وہ اپنے اس فعل پر نادم ہوا تو اس نے ان کو تلاش کیا یہاں تک کہ طالوت مارا گیا اور حضرت داؤد علیہ السلام کو اس کی سلطنت حاصل ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم اور حکمت عطا فرمائی، آپ کو زِرہ بُننی سکھائی اور قوتِ فیصلہ عطا فرمایا۔ (اللباب فی علوم الکتاب ج ۴ ص ۲۹۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۱ء)

بعض بدکار لوگوں کے شر کو بعض نیکوکار لوگوں کی نیکیوں سے دور کرنے کی اقسام

''وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ'': بعض بدکار لوگوں کے شر کو بعض نیکوکار لوگوں کی نیکیوں سے دور کرنے کی حسبِ ذیل اقسام ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کے کفر کو انبیاء علیہم السلام اور بعد کے ائمہ سے دور فرماتا ہے جو دلائل قائم کر کے کفر کو باطل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ (ابراہیم: ۱)

(اے رسولِ اکرم!) ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب نازل فرمائی تاکہ آپ اللہ کے حکم سے لوگوں کو کفر کی تاریکیوں سے نکال کر اسلام کی روشنی کی طرف لائیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کو امتِ مسلمہ کی تبلیغ سے دور فرمانا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران: ۱۱۰)

اے مسلمانو! جو امتیں لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی ہیں تم ان میں سے سب سے بہترین امت ہو، تم نیکی کے کاموں کا حکم دیتے ہو اور برائی کے کاموں سے منع کرتے ہو۔

(۳) ابرار کی نیکیوں کے سبب سے فُجّار کے شر کو دور فرمانا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ میری امت کے نمازیوں کے سبب سے ان لوگوں سے عذاب دور فرمادیتا ہے جو نماز نہیں پڑھتے اور زکوٰۃ دینے والوں کے سبب سے ان لوگوں سے عذاب دور فرمادیتا ہے جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے، اور روزہ رکھنے والوں کے سبب سے ان لوگوں سے عذاب دور فرمادیتا ہے جو روزے نہیں رکھتے، اور حج کرنے والوں کے سبب سے ان لوگوں سے عذاب دور فرمادیتا ہے جو حج نہیں کرتے، اور جہاد کرنے والوں کے سبب سے ان لوگوں سے عذاب دور فرمادیتا ہے جو جہاد نہیں کرتے۔ اور اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں پر جمع ہوجاتے تو اللہ تعالیٰ ان کو پلک جھپکنے کی بھی مہلت نہ دیتا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: ''وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ''۔ (شعب الایمان للبیہقی: ۷۵۹۷)

نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: شام میں چالیس ابدال ہوں گے، جب بھی ان میں سے کوئی مرد فوت ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں دوسرے مرد کو پیدا فرمادے گا، ان ابدال کے وسیلہ سے بارش نازل کی جاتی ہے اور ان کے وسیلہ سے دشمنوں پر فتح حاصل ہوتی ہے اور ان کے وسیلہ سے زمین والوں سے مصائب دور کیے جاتے ہیں۔ (الدیلمی: ۴۰۵۰، تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۶۴۶، اللآلی المصنوعہ للسیوطی ج ۲ ص ۳۳۰۔۳۳۲)

ان احادیث کی صحت پر قرآن مجید کی درج ذیل آیت دلیل ہے:

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ (الکہف: ۸۲)

(حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتایا:) اور رہی وہ دیوار (جس کی میں نے مرمت کی تھی) تو وہ شہر میں رہنے والے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس دیوار کے نیچے ان یتیم لڑکوں کا خزانہ تھا اور ان لڑکوں کا باپ نیک مرد تھا تو آپ کے رب نے یہ ارادہ فرمایا کہ وہ دونوں لڑکے اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور اپنا خزانہ اس دیوار سے نکال لیں، (اور یہ کام) آپ کے رب کی رحمت سے ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: باپ کی نیکی کی وجہ سے ان یتیم لڑکوں کے خزانہ کی حضرت خضر علیہ السلام سے حفاظت کرائی گئی، جعفر بن محمد نے کہا: ان یتیم لڑکوں اور ان کے باپ کے درمیان سات آباء تھے۔ (زاد المسیر لابن الجوزی ج ۳ ص ۱۰۴)

(اللباب فی علوم الکتاب ج ۴ ص ۲۹۳۔۲۹۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۱ء)

میں کہتا ہوں کہ اگر آٹھویں پشت میں بھی کوئی مردِ صالح ہو تو سات پشتوں کے بعد اس کی نیکی سے فائدہ پہنچتا ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یہ اللہ کی آیتیں ہیں جن کی ہم آپ پر حق کے ساتھ تلاوت فرماتے ہیں (اور اے رسولِ اکرم!) بے شک آپ ضرور رسولوں میں سے ہیں O'' (البقرہ: ۲۵۲)

''تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۲۵۲'': ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے طالوت اور جالوت کا قصہ بیان فرمایا ہے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کی وحی سے ہوا ہے اور یہ آپ کی رسالت پر دلیل ہے۔ (اللباب ج ۴ ص ۲۹۶)

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۟ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۝۲۵۳

یہ سب رسول ہیں (جن کو ہم نے مبعوث فرمایا)، اِن میں سے کسی رسول کو دوسرے رسولوں سے افضل قرار دیا، اِن میں سے کسی رسول سے اللہ نے کلام فرمایا، اور اِن میں سے کسی رسول کو اللہ نے (اَن گنت) درجات بلندی عطا فرمائی، اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو واضح معجزات عطا فرمائے اور ہم نے روح القدس (یعنی جبرائیل) سے ان کی مدد فرمائی، اور اگر اللہ چاہتے تو واضح معجزات دیکھنے کے بعد ان کے بعد کے لوگ باہم جنگ وقتال نہ کرتے لیکن وہ ایک دوسرے سے مختلف ہو گئے، اُن میں سے چند لوگ ایمان پر برقرار رہے اور کچھ لوگوں نے کُفر کو اختیار کیا، اور اگر اللہ چاہتے تو یہ لوگ آپس میں برسرِ پیکار نہ ہوتے، مگر اللہ وہی کرتے ہیں جو ان کی مشیت ہوتی ہے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یہ سب رسول ہیں (جن کو ہم نے مبعوث فرمایا)، اِن میں سے کسی رسول کو دوسرے رسولوں سے افضل قرار دیا، اِن میں سے کسی رسول سے اللہ نے کلام فرمایا، اور اِن میں سے کسی رسول کو اللہ نے (اَن گنت) درجات بلندی عطا فرمائی، اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو واضح معجزات عطا فرمائے اور ہم نے روح القدس (یعنی جبرائیل) سے ان کی مدد فرمائی، اور اگر اللہ چاہتے تو واضح معجزات دیکھنے کے بعد ان کے بعد کے لوگ باہم جنگ وقتال نہ کرتے لیکن وہ ایک دوسرے سے مختلف ہو گئے، اُن میں سے چند لوگ ایمان پر برقرار رہے اور کچھ لوگوں نے کُفر کو اختیار کیا، اور اگر اللہ چاہتے تو یہ لوگ آپس میں برسرِ پیکار نہ ہوتے، مگر اللہ وہی کرتے ہیں جو ان کی مشیت ہوتی ہے O'' (البقرہ: ۲۵۳)

البقرہ: ۲۵۳ کا اس سے پہلی آیات کے ساتھ ارتباط

ابو مسلم محمد بن بحر الاصفہانی المعتزلی المتوفی ۳۲۲ھ البقرہ: ۲۵۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ'': اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ سے پہلی امتوں کی خبریں بیان فرمائیں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت نے سوال کیا تھا: ''اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً''۔۔۔ (النساء: ۱۵۳)'' (ہمیں کھلم کھلا اللہ کی ذات دکھادیں) اور جیسے انہوں نے مطالبہ کیا: ''اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ''۔۔۔ (الاعراف: ۱۳۸)'' (ہمارے لیے بھی ایسا معبود بنا دیجئے جیسے ان کے معبود ہیں)، اور جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اللہ کے حکم سے مُردوں کو زندہ کرنے اور پیدائشی اندھوں کو بینا کرنے اور برص کے مریضوں کو تندرست کرنے کے معجزات دیکھنے کے باوجود ان کی تکذیب کی اور اُن کو قتل کرنے کا قصد کیا، پھر ایک فریق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کفر پر برقرار رہا اور وہ یہودی تھے اور دوسرے فریق کا یہ زعم تھا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے محبین ہیں اور انہوں نے یہود کے خلاف یہ دعویٰ کیا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا ہے اور ان کو سولی پر چڑھایا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے تکذیب فرمادی ہے اور جیسے بنی اسرائیل کی ایک جماعت نے طالوت سے حسد کیا اور دریا جاری کرنے کا جو معاملہ ہوا، پس جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قوم کی تکذیب اور حسد کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی کہ آپ سے پہلے رسولوں میں سے اللہ تعالیٰ نے کسی سے کلام فرمایا اور کسی کو باقی رسولوں پر درجات بلندی عطا فرمائی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح القدس سے مدد فرمائی، پھر بھی ان رسولوں کو اپنی امتوں کی تکذیب اور مخالفت کا سامنا کرنا پڑا حالانکہ وہ معجزات کا مشاہدہ کر چکے تھے، اور آپ بھی ان رسولوں کی مثل ایک رسول ہیں تو آپ اپنی قوم کی مخالفت اور ضد سے غمگین نہ ہوں، پس اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ہوتا تو نہ ان کی امتیں اپنے رسولوں کی مخالفت کرتیں اور نہ آپ کی قوم آپ کی مخالفت کرتی لیکن جو چیز اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ہو، وہ ہو کر رہتی ہے سو اس آیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی قوم کی ایذاء پر تسلی دینا مقصود ہے۔

(تفسیر ابو مسلم محمد بن بحر الاصفہانی ص ۴۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ھ)

ابو مسلم معتزلی کی تفسیر پر مصنف کا مواخذہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام رسولوں سے افضل قرار دینا

میں کہتا ہوں کہ ابو مسلم اصفہانی کا یہ کہنا غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی رسول کو باقی رسولوں پر فضیلت عطا فرمائی تھی بلکہ تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ اس آیت میں ''رَفَعَ بَعْضَهُمْ'' سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں آپ کو تمام رسولوں سے افضل قرار فرمایا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ آپ کو درجات بلندی عطا فرمائی اور اُن درجات کی تعیین اور تحدید نہیں فرمائی، کیونکہ اگر تحدید فرمائی ہوتی مثلاً فرمایا ہوتا کہ آپ کو ہزار یا لاکھ درجات بلندی عطا فرمائی تو اس سے یہ وہم ہوتا کہ آپ کو صرف ہزار یا لاکھ درجات بلندی عطا فرمائی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے درجات کا عدد ذکر نہیں فرمایا اور اس سے یہ ظاہر فرمایا کہ عالمِ اعداد میں کوئی ایسا عدد نہیں ہے جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درجات کی تعیین اور تحدید کر سکے، تاکہ واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو غیر متناہی درجات کی بلندی عطا فرمائی ہے اور ان غیر متناہی درجات کی بلندی کے ساتھ آپ کا نام اس لیے نہیں لیا تاکہ یہ واضح ہو کہ غیر متناہی درجات کی بلندی کے ساتھ آپ ایسے مخصوص ہیں کہ آپ کے سوا اور کسی کی طرف ذہن جا ہی نہیں سکتا۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افضل الرُّسل ہونے کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیات

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

(۱) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۞ (الانبیاء:۱۰۷)

اور (اے رسولِ اکرم!) ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے صرف رحمت بنا کر بھیجا ہے O

رحمت کی احتیاج ہوتی ہے اور جب آپ تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں تو معلوم ہوا کہ تمام جہان والے آپ کے محتاج ہیں اور تمام جہان والوں میں تمام رُسل بھی شامل ہیں اور آپ اُن سب کے محتاج الیہ ہیں، اس سے لازم آیا کہ آپ تمام رسولوں سے افضل ہیں۔

(۲) وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۞ (الم نشرح:۴)

اور (اے رسولِ اکرم!) ہم نے آپ کے لیے آپ کا ذکر بلند کر دیا O

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر کی بلندی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کے ساتھ آپ کے ذکر کو ملا دیا ہے، جیسا کہ کلمۂ شہادت میں اور اذان میں اور تشہد میں: مثلاً غروبِ آفتاب کے وقت اذان ہوتی ہے اور دنیا میں ہر وقت کسی نہ کسی جگہ سورج غروب ہو رہا ہے اور جہاں سورج غروب ہو رہا ہے وہاں اذان ہو رہی ہے اور جہاں اذان ہو رہی ہے وہاں ''اشھد ان محمد رسول اللہ'' کہا جا رہا ہے، سو دنیا میں ہر وقت آپ کا ذکر بلند ہو رہا ہے اور یہ فضیلت آپ کے سوا اور کسی نبی کو حاصل نہیں ہے، اس سے لازم آیا کہ آپ تمام انبیاء و رسل سے افضل ہیں۔

(۳) مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء:۸۰)

جس نے رسول کی اطاعت کی سو بے شک اس نے اللہ کی اطاعت کر لی۔

(۴) اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ (الفتح:۱۰)

بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔

(۸) وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ (المنافقون:۸)

عزت صرف اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے۔

(۹) وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ (التوبۃ:۶۲)

اللہ اور اس کا رسول سب سے زیادہ اس کے مستحق ہیں کہ لوگ ان کو راضی کریں۔

(۱۰) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ (الانفال:۲۴)

اے ایمان والو! جب اللہ اور اس کا رسول تمہیں بلائیں تو تم فوراً حاضر ہو جاؤ۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور آپ سے بیعت کو اپنی بیعت اور آپ کی رضا کو اپنی رضا اور آپ کی استجابت کو اپنی استجابت قرار دیا ہے، یعنی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے خلیفۂ مطلق ہیں، آپ کا خریدنا اللہ کا خریدنا ہے اور آپ کا فروخت کرنا اللہ کا فروخت کرنا ہے اور آپ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے اور آپ کی عزت اللہ کی عزت ہے اور آپ کی رضا اللہ کی رضا ہے اور آپ کی استجابت اللہ کی استجابت ہے، اور یہ مقام انبیاء اور رسولوں میں سے آپ کے سوا اور کسی کو

حاصل نہیں ہوا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

(۱۱) لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (الفتح: ۲)

(اے رسولِ اکرم! ہم نے آپ کو فتحِ مبین اس لیے عطا فرمائی ہے) تا کہ اللہ آپ کے لیے آپ کے تمام اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) خلافِ اولیٰ سب کام معاف فرما دیں۔

حافظ ابوالفداء اسماعیل بن کثیر الدمشقی الشافعی المتوفی ۷۷۴ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ آیت آپ کے ان خصائص میں سے ہے جن میں کوئی دوسرا رسول آپ کا شریک نہیں ہے اور کسی حدیثِ صحیح میں یہ مذکور نہیں ہے کہ آپ کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے کسی اور کے تمام (ظاہری) ذنوب کی مغفرت فرما دی ہو اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت عظیم عزت افزائی ہے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور آپ کے صراطِ مستقیم پر قائم رہنے کا جو مرتبہ ہے وہ آپ کے سوا کسی بشر کو حاصل نہیں ہے نہ اولین میں سے اور نہ آخرین میں سے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی الاطلاق سب سے کامل بشر ہیں اور آپ دنیا اور آخرت میں سب کے سردار ہیں۔ (تفسیر القرآن العظیم ج ۴ ص ۲۰۱، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کسی رسول کی دنیا میں مغفرتِ کلی کا اعلان نہیں فرمایا، یہی وجہ ہے کہ عرصۂ محشر میں جب امتیں اپنے اپنے نبیوں کے پاس شفاعت کے لیے حاضر ہوں گی تو سب یہ کہیں گے ''اذھبوا الی غیری'' (میرے علاوہ کسی دوسرے نبی کے پاس جاؤ) کیونکہ تمام نبیوں کو اپنی فکر دامن گیر ہوگی اور چونکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مغفرتِ کلی کا اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اعلان فرما دیا ہے جیسا کہ الفتح: ۲ سے ظاہر ہے، اس لیے جب آپ کے پاس آپ کی امت حاضر ہوگی تو آپ فرمائیں گے ''انا لھا، انا لھا'' میں ہی اس منصبِ شفاعت کے لیے مقرر کیا گیا ہوں، سو اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افضل الرسل علی الاطلاق ہیں۔

(۱۲) فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾ (طٰہٰ: ۱۳۰)

(اے رسولِ اکرم!) آپ دن کے (درمیانی) کناروں میں نماز پڑھیے تا کہ آپ (اللہ سے) راضی ہو جائیں O

تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کی اس لیے عبادت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جائے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''آپ اس لیے عبادت کیجئے تا کہ آپ اللہ سے راضی ہو جائیں''۔ اس سے واضح ہو گیا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افضل الرسل علی الاطلاق ہیں۔

(۱۳) تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ﴿۱﴾ (الفرقان: ۱)

عظیم برکت والی ہے وہ ذات جس نے اپنے عبدِ مکرم پر الفرقان کو نازل فرمایا تا کہ وہ (عبدِ مکرم) تمام جہان والوں کے لیے اللہ کے عذاب سے ڈرانے والے ہو جائیں O

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام جہان والوں کے لیے رسول ہیں اور آپ کے سوا اور کوئی تمام جہان والوں کا رسول نہیں ہے، اس سے واضح ہوا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افضل الرسل علی الاطلاق ہیں۔

(۱۴) وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا۔ (سبا:۲۸)

اور (اے رسولِ اکرم!) ہم نے آپ کو قیامت تک تمام لوگوں کا رسول بنا کر بھیجا ہے اس حال میں کہ آپ (اللہ کی طرف سے) (ثواب کی) خوش خبری سنانے والے ہیں اور (اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والے ہیں۔

یہ آیت اس باب میں نصِ قطعی ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت تک کے تمام لوگوں کے لیے رسول ہیں اور آپ کے سوا کسی اور رسول کا یہ منصب نہیں ہے، اس سے واضح ہو گیا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افضل الرسل علی الاطلاق ہیں۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افضل الرسل ہونے کے ثبوت میں احادیثِ صحیحہ

(۱) ''عن ابی هريرة رضی الله عنه ان رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال: فضلت على الانبياء بست: اعطيت جوامع الكلم ونصرت بالرعب واحلت لی الغنائم وجعلت لی الارض طهورا ومسجدا، وارسلت الى الخلق كافة وختم بی النبيون'' (حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے چھ وجوہ سے انبیاء علیہم السلام پر فضیلت عطا فرمائی گئی ہے: (۱) مجھے جامع کلمات عطا کیے گئے ہیں (۲) رُعب سے میری مدد کی گئی ہے (۳) غنیمتوں کو میرے لیے حلال کر دیا گیا ہے (۴) میرے لیے تمام روئے زمین کو طاہر قرار دے کر تیمم کا سبب بنا دیا گیا ہے اور تمام روئے زمین کو میرے لیے مسجد بنا دیا گیا ہے (۵) اور مجھے تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے (۶) اور مجھ پر نبوت کو ختم کر دیا گیا)۔

(صحیح مسلم: ۵۲۳، الرقم المسلسل: ۱۰۵۴، سنن ابن ماجہ: ۵۶۷، سنن ترمذی: ۱۵۵۹، مسند احمد: ۹۳۴۸، مسند ابویعلیٰ: ۶۴۹۱، صحیح ابوعوانہ ج ۱ ص ۳۹۵، شرح مشکل الآثار للطحاوی: ۱۰۲۵، صحیح ابن حبان: ۶۴۰۱، ۶۴۰۳، ۲۳۱۳، سنن بیہقی ج ۲ ص ۴۳۳، شرح السنہ: ۳۶۱۷)

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوق کے رسول ہیں، سو آپ کی مشقت تمام رسولوں سے زیادہ ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افضل الرسل علی الاطلاق ہیں۔

(۲) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب لوگوں کو قبروں سے اٹھایا جائے گا تو میں سب سے پہلے اٹھوں گا، اس دن حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور میں اپنے رب کے نزدیک تمام اولادِ آدم سے زیادہ مکرم ہوں اور مجھے اس پر فخر نہیں ہے۔ (سنن ترمذی: ۳۶۱۰، مسند احمد: ۵۵۹)

(۳) حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''انا سيد ولد آدم يوم القيامة ولا فخر، وبيدی لواء الحمد ولا فخر، وما من نبی يومئذ آدم فمن سواه الا تحت لوائی ۔۔ الحديث'' (میں قیامت کے دن تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں گا اور مجھے اس پر فخر نہیں ہے اور میرے ہی ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور مجھے اس پر فخر نہیں ہے، اور حضرت آدم اور جو لوگ بھی ان کے ماسوا ہیں وہ سب قیامت کے دن میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے)۔ (سنن ترمذی: ۳۱۴۸، مسند احمد ۱۰۶۰۴، ج ۳ ص ۲، مسند ابوداؤد الطیالسی: ۲۷۹۸، مسند ابویعلیٰ: ۲۳۲۸، صحیح ابن حبان: ۶۴۴۴، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۷۲۔ ۳۷۴)

(۴) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''انا قائد المرسلين ولا فخر، وانا خاتم النبيين ولا فخر، وانا اول الشافعين واول المشفعين ولا فخر'' (میں تمام رسولوں کا قائد ہوں اور مجھے اس پر فخر نہیں ہے اور میں تمام

نبیوں کا خاتم ہوں اور مجھے اس پر فخر نہیں ہے، اور میں پہلا شفاعت کرنے والا ہوں، اور میں وہ ہوں جس کی شفاعت سب سے پہلے قبول کی جائے گی اور مجھے اس پر فخر نہیں ہے)۔ (سنن داری: ۵۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں تمام رسولوں کا قائد ہوں اور مجھے اس پر فخر نہیں ہے''، اس کی ایک توجیہ یہ ہے کہ آپ نے بہ طورِ انکسار اور تواضع فرمایا، اور اس کی دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہ میرے فخر کرنے کی بات نہیں ہے کہ مجھے رسولوں کی قیادت مل گئی، فخر تو ان رسولوں کو کرنا چاہیے جنہیں مجھ ایسا قائد مل گیا۔

(۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب آپ کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے حتیٰ کہ آپ تشریف لائے اور ان کے قریب پہنچے اور ان کی باتیں سنیں، ان میں سے کسی نے کہا: تعجب ہے اللہ عزوجل نے اپنی مخلوق میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا، دوسرے نے کہا: اس سے بھی زیادہ اس پر تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا کلیم بنایا اور ایک اور نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا کلمہ اور اپنی (پسندیدہ) روح بنایا، اور کسی نے کہا: حضرت آدم علیہ السلام کو چُنا ہوا بنایا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے آئے سو اُن کو سلام کیا اور فرمایا: میں نے تمہاری باتیں سنیں اور تمہیں اس پر تعجب ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہیں اور وہ ایسے ہی ہیں اور حضرت موسیٰ نجی اللہ ہیں اور وہ ایسے ہی ہیں اور حضرت عیسیٰ روح اللہ وکلمتہٗ ہیں اور وہ ایسے ہی ہیں، اور حضرت آدم کو اللہ تعالیٰ نے چن لیا اور وہ ایسے ہی ہیں، سنو! میں اللہ کا حبیب ہوں اور مجھے اس پر فخر نہیں ہے اور قیامت کے دن میں ہی حمد کا جھنڈا اٹھائے ہوئے ہوں گا اور مجھے اس پر فخر نہیں ہے اور میں ہی سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور میں ہی وہ ہوں جس کی شفاعت سب سے پہلے قبول کی جائے گی اور مجھے اس پر فخر نہیں ہے اور میں ہی سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا سو اللہ تعالیٰ جنت کو میرے لیے کھول دے گا، پس مجھ کو جنت میں داخل فرمائے گا اور میرے ہی ساتھ فقراء مومنین ہوں گے اور مجھے اس پر فخر نہیں ہے اور میں تمام اولین اور آخرین میں سے سب سے زیادہ مکرم ہوں اور مجھے اس پر فخر نہیں ہے۔ (سنن ترمذی: ۳۶۱۶، سنن داری: ۴۸)

(۶) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے جنت کے حلوں میں سے حُلّہ پہنایا جائے گا، پھر میں عرش کی دائیں جانب کھڑا ہوں گا اور میرے علاوہ مخلوق میں سے کوئی بھی اُس مقام پر نہیں ہوگا۔ (سنن ترمذی: ۳۶۱۱)

(۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میرے لیے اللہ عزوجل سے الوسیلۃ کی دعا کرو، صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! الوسیلۃ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ جنت میں سب سے بلند درجہ ہے جس درجہ کو صرف ایک ہی مرد حاصل کرے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ مرد میں ہوں گا۔ (سنن ترمذی: ۳۶۱۲، مسند احمد: ۷۵۴۴، ج ۲ ص ۲۶۵)

(۸) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: کیا آپ کے اوپر کوئی ایسا دن بھی آیا جو آپ کے نزدیک غزوۂ اُحد کے دن سے بھی زیادہ سخت تھا؟ آپ نے فرمایا: تمہاری قوم کی طرف سے مجھے جو مصائب پہنچے سو پہنچے، اور ان تمام مصائب میں سے سب سے زیادہ سخت مصیبت وہ تھی جو مجھے عقبہ کے دن پہنچی جب میں نے اپنے آپ کو ابن عبدِ یالیل بن عبدِ کلال پر پیش کیا، اس نے میرے ارادہ کے مطابق میری دعوت کو قبول نہیں کیا، میں وہاں سے بہت غمزدہ ہو کر چل پڑا، پھر جب میں قرن الثعالب پر پہنچا تو میری حالت سنبھلی سو میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو مجھ پر ایک بادل نے سایا کیا ہوا تھا، پھر میں نے غور کیا تو اس

بادل میں حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے، انہوں نے مجھے نداء کر کے کہا: بے شک اللہ نے آپ کی قوم کی باتیں سُن لی ہیں اور انہوں نے آپ کو جو جواب دیا ہے وہ بھی سن لیا ہے اور اللہ نے آپ کی طرف پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے تا کہ آپ اس فرشتہ کو ان لوگوں کے متعلق جو چاہیں حکم فرمائیں، پھر مجھے پہاڑوں کے فرشتہ نے آواز دی سو اس نے مجھ کو سلام کیا، پھر اس نے کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) اس نے بھی یہی کہا: آپ جو چاہیں، اگر آپ چاہیں تو جن دو پہاڑوں کے درمیان یہ لوگ ہیں ان دو پہاڑوں کو میں آپس میں ملا دوں (جس سے یہ لوگ ان پہاڑوں کے درمیان پس جائیں)، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلکہ مجھے یہ امید ہے کہ اللہ ان لوگوں کی پشتوں سے ایسے لوگوں کو نکالے گا جو صرف اللہ وحدہٗ کی عبادت کریں گے اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہیں کریں گے۔

(صحیح البخاری: ۳۲۳۱، صحیح مسلم: ۱۷۹۵:۱۱، الرقم المسلسل: ۴۵۴۵)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحمۃ للعالمین ہے، آپ نے حضرت نوح علیہ السلام کی طرح یہ نہیں فرمایا ''لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ ۔ (نوح: ۲۶)'' (اے میرے رب! زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑO)، اور نہ آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح یہ فرمایا ''رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۸۸﴾ (یونس: ۸۸)'' (اے ہمارے رب! ان کے اموال پر ہلاکت ڈال دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے تا کہ وہ اس وقت تک ایمان نہ لائیں حتیٰ کہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیںO)۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾

اے ایمان والو! اس دن کے آنے سے پہلے اللہ کی راہ میں اس مال میں سے کچھ خرچ کر لو جو ہم نے تم کو عطا فرمایا ہے، جس دن میں نہ (اعمال کی) خرید و فروخت ہوگی اور نہ (کافروں کی کسی سے) دوستی کام آئے گی اور نہ سفارش، اور کفر اختیار کرنے والے ہی ظالم ہیںO

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿۲۵۵﴾

اللہ (وہ) ہیں جن کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہ (از خود) زندہ ہیں اور (دوسروں کو) قائم رکھنے والے ہیں، انہیں نہ اونگھ آتی ہے اور نہ نیند، آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے وہ انہیں کی ملکیت ہے، اُن کی اجازت کے بغیر کون اُن کی جناب میں شفاعت کر سکتا ہے، جو کچھ لوگوں کے سامنے ہو رہا ہے اور جو کچھ لوگوں سے پہلے ہو چکا ہے وہ اُن سب کو (از خود) جانتے ہیں، اور

لوگ اُن کی معلومات میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا علم وہ عطا فرمانا چاہیں، اُن کی کرسی آسمانوں اور زمینوں کو محیط ہے، اور اُن کی حفاظت اُن پر ذرا بھی دشوار نہیں ہے، اور وہی بہت بلند اور بہت عظیم ہیں O

لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ ﳜ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ ۚ فَمَنْ یَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ یُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۵۶﴾

دین (قبول کرنے میں) کوئی جبر نہیں ہے، بے شک ہدایت گمراہی سے خوب متمیز ہو چکی ہے، سو جس شخص نے شیطان (کے حکم) کا انکار کیا اور اللہ (کے احکام) پر ایمان لایا تو اس نے ایسے مضبوط دستہ کو پکڑ لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں ہے، اور اللہ سب کچھ سننے والے سب کچھ جاننے والے ہیں O

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۙ یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ۬ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَوْلِیٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾

اللہ ایمان والوں کے مددگار ہیں، وہ ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتے ہیں اور جنہوں نے کفر کو اختیار کیا اُن کے دوست شیطان ہیں وہ اُن کو روشنی سے اندھیروں کی طرف نکالتے ہیں، وہی لوگ اہلِ دوزخ ہیں جو اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! اس دن کے آنے سے پہلے (اللہ کی راہ میں) اس مال میں سے کچھ خرچ کر لو جو ہم نے تم کو عطا فرمایا ہے، جس دن میں نہ (اعمال کی) خرید و فروخت ہوگی اور نہ (کافروں کی کسی سے) دوستی کام آئے گی اور نہ سفارش، اور کفر اختیار کرنے والے ہی ظالم ہیں O'' (البقرہ: ۲۵۴)

البقرہ: ۲۵۴ کا گزشتہ آیات کے ساتھ ارتباط

علامہ ابوحفص عمر بن علی الدمشقی الحنبلی المتوفی ۸۸۰ھ البقرہ: ۲۵۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ'':

پہلے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار کے خلاف قتال کرنے کا حکم فرمایا: ''وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ... (البقرہ: ۲۴۴)''، پھر اس کے بعد مسلمانوں کو کفار کے خلاف جہاد کرنے کے لیے مال خرچ کرنے کا حکم فرمایا: ''مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا... (البقرہ: ۲۴۵)'' پھر اللہ تعالیٰ نے طالوت کا قصہ بیان فرما کر: ''وَ قَالَ لَهُمْ نَبِیُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا... (البقرہ: ۲۴۷)'' کفار کے خلاف قتال کے حکم کو مؤکد فرمایا، پھر اس کے بعد اس آیت کریمہ: ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ... (البقرہ: ۲۵۴)'' میں دوبارہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے حکم کو تاکیداً ذکر فرمایا۔

''مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْہِ وَلَا خُلَّۃٌ وَّلَا شَفَاعَۃٌ '': ''بَیْعٌ'' سے مراد ہے اعمال کی خرید وفروخت، یعنی اُس دن کوئی شخص کسی سے نیک اعمال خرید نہیں سکے گا۔ ''وَلَا خُلَّۃٌ'' سے مراد یہ ہے کہ اُس دن کوئی شخص کسی سے دوستی کی وجہ سے اس کو نیک اعمال نہیں دے سکے گا۔ اور ''وَلَا شَفَاعَۃٌ'' سے مراد یہ ہے: اور نہ کوئی شخص کسی کی سفارش کر سکے گا۔

''وَالْکٰفِرُوْنَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ'': یعنی اس آیت میں دوستی اور شفاعت کے مفید ہونے کی جو نفی فرمائی ہے، یہ نفی صرف کفار کے ساتھ مخصوص ہے، اس کا مفہومِ مخالف یہ ہے کہ مسلمانوں کی جو نیک لوگوں سے دوستی ہے وہ آخرت میں ان کے کام آئے گی اور اولیاء اللہ گناہ گار مسلمانوں کی سفارش کریں گے۔ (اللباب فی علوم الکتاب ج ۴ ص ۳۰۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اللہ (وہ) ہیں جن کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہ (از خود) زندہ ہیں اور (دوسروں کو) قائم رکھنے والے ہیں، اُنہیں نہ اونگھ آتی ہے اور نہ نیند، آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے وہ اُنہیں کی ملکیت ہے، اُن کی اجازت کے بغیر کون اُن کی جناب میں شفاعت کر سکتا ہے، جو کچھ لوگوں کے سامنے ہو رہا ہے اور جو کچھ لوگوں سے پہلے ہو چکا ہے وہ اُن سب کو (از خود) جانتے ہیں، اور لوگ اُن کی معلومات میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا علم وہ عطا فرمانا چاہیں، اُن کی کرسی آسمانوں اور زمینوں کو محیط ہے، اور اُن کی حفاظت اُن پر ذرا بھی دشوار نہیں ہے، اور وہی بہت بلند اور بہت عظیم ہیں O'' (البقرہ:۲۵۵)

''اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ'': یعنی اللہ از خود ہمیشہ سے موجود ہیں اور ہمیشہ موجود رہیں گے، وہ واجب الوجود اور قدیم بالذات ہیں، اُن کی ہر صفت مستقل بالذات ہے اور اُن کی کوئی صفت کسی دوسرے سے مستفاد اور مستعار نہیں ہے اور وہی عبادت کے مستحق ہیں ہر چند کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کی عبادت کی گئی لیکن ان میں سے کوئی بھی اس عبادت کا مستحق نہیں تھا، عبادت کا استحقاق صرف اللہ عزوجل کی ذاتِ بابرکات کے ساتھ مخصوص ہے۔

''اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ'': قتادہ نے کہا: ''اَلْحَیُّ'' وہ ہے جس پر کبھی موت نہیں آئے گی اور ''اَلْحَیُّ'' اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ایک اسم ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہی اللہ تعالیٰ کا اسمِ اعظم ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ بدر کے دن میں یہ دیکھنے کے لیے گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا کر رہے ہیں، میں نے دیکھا کہ آپ سجدہ میں یہ دعا کر رہے تھے ''یا حیّ یا قیّوم'' اور آپ یہ بار بار پڑھتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتح عطا فرمائی۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۳ ص ۴۹، الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۷، البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۶۷)

''اَلْقَیُّوْمُ'' فیعول کے وزن پر ہے، جو شخص کسی چیز کو قائم کرے اور اس کی تدبیر کرے اس کو قیّوم کہا جاتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ''اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ'' اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے۔

مجاہد نے کہا: ''اَلْقَیُّوْمُ'' اس کو کہتے ہیں جو ہر چیز کو قائم کرنے والا ہو اور تمام مخلوقات کو پیدا کرنے والا ہو اور ان کو رزق دینے والا ہو اور ان کی تدبیر کرنے والا ہو۔

الضحاک نے کہا: ''اَلۡقَیُّوۡمُ'' اس کو کہتے ہیں جو دائم الوجود ہو، ابو عبیدہ نے کہا: ''اَلۡقَیُّوۡمُ'' وہ ہے جس کو کبھی زوال نہ ہو۔

''لَا تَاۡخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوۡمٌ'': ''اَلسِّنَۃُ'' کا معنی ہے نیند سے پہلے جو سستی کی کیفیت طاری ہوتی ہے، اس کو نُعاس بھی کہتے ہیں، جو شخص نیند اور بیداری کی کیفیت میں ہو اس کو ''الوَسنان'' کہتے ہیں۔ اور نیند وہ ثقیل کیفیت ہے جو قوتِ کار اور عقل کو زائل کر دیتی ہے۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے درمیان کھڑے ہو کر پانچ باتیں ارشاد فرمائیں، آپ نے فرمایا کہ: ''اللہ نیند نہیں کرتا اور نہ نیند کرنا اس کی شان کے لائق ہے، لیکن وہ ترازو کو جھکاتا ہے اور بلند کرتا ہے، دن نکلنے سے پہلے رات کے اعمال اس کے پاس پیش کئے جاتے ہیں اور رات آنے سے پہلے دِن کے اعمال اس کے پاس پیش کیے جاتے ہیں، اس کا حجاب نور ہے، اگر وہ اپنے چہرہ کے حجاب کو کھول دے تو منتہائے بصر تک اس کی مخلوق جل جائے گی''۔

(صحیح مسلم: ۲۹۴، ۲۹۵، سنن ابن ماجہ: ۱۹۲، مسند احمد: ۱۹۰۳۶، ج ۴ ص ۳۹۵، شرح السنہ ج ۱ ص ۱۷۳، مسند امام ابن ابی عاصم ج ۱ ص ۲۷۲)

''لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ'': اس سے مقصود یہ ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اس کی مملوک ہے، لہٰذا آسمانوں اور زمینوں کی کوئی چیز اس لائق اور اس کی مستحق نہیں کہ اس کی پرستش کی جائے اور آسمانوں میں مثلاً سورج اور چاند اور ستاروں میں سے جس کی بھی عبادت کی گئی وہ سب اس کے مملوک اور غلام ہیں، اور زمین میں جس کی بھی عبادت کی گئی مثلاً بتوں کی، یا بعض بنو آدم کی تو وہ سب اللہ تعالیٰ کے مملوک اور غلام ہیں۔

''مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَشۡفَعُ عِنۡدَہٗۤ اِلَّا بِاِذۡنِہٖ'': یعنی جب سب اس کی مخلوق اور اس کے مملوک ہیں تو اس کی اجازت کے بغیر کون اس کی جناب میں شفاعت کر سکتا ہے!

''یَعۡلَمُ مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَمَا خَلۡفَہُمۡ'':

الضحاک نے کہا: ''مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ'' سے مراد آخرت ہے اور ''وَمَا خَلۡفَہُمۡ'' سے مراد دنیا ہے، کیونکہ لوگ دنیا کو اپنے پیچھے چھوڑ کر آخرت کی طرف روانہ ہوں گے۔

ابن جریج نے کہا: ''مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ'' سے مراد لوگوں کی مدتِ حیات کا پورا ہونا ہے اور ''وَمَا خَلۡفَہُمۡ'' سے مراد وہ امور ہیں جو اُن کی حیات پورا ہونے کے بعد ہوں گے۔

اس کلام سے مقصود یہ ہے کہ اللہ عزوجل الشافِع اور المَشۡفُوع لہٗ کے احوال کو جاننے والا ہے، اور وہ یہ جانتا ہے کہ کون ثواب اور عذاب کا مستحق ہے، کیونکہ وہ تمام معلومات کا از خود عالم ہے، اس پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے اور شفاعت کرنے والے از خود نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون شفاعت کا مستحق ہے، اور نہ وہ یہ جانتے ہیں کہ آیا اللہ عزوجل نے اُن کو اس شفاعت کی اجازت دی ہے یا نہیں دی۔

''وَلَا یُحِیۡطُوۡنَ بِشَیۡءٍ مِّنۡ عِلۡمِہٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ'':

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ فرشتے ان چیزوں کو نہیں جانتے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فرشتے اور قیامت کے دن دیگر شفاعت کرنے والے خواہ وہ انبیاء ہوں، صدیقین ہوں، شہداء ہوں اور صالحین ہوں، وہ از خود نہیں جانتے کہ کون شفاعت کا مستحق

ہے اور کون نہیں ہے۔اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ وہ غیب میں سے صرف اُن ہی چیزوں کا علم رکھتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ بعض انبیاء علیہم السلام کو مطلع فرماتا ہے جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (الجن: ۲۶۔۲۷)'' ((اللہ) غیب کا جاننے والا ہے، سو وہ اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں فرماتا O سوا ان کے جن کو اس نے پسند فرمالیا ہے اور وہ اس کے (سب) رسول ہیں)۔

''وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ'': کُرسی کے مصداق میں حسبِ ذیل اقوال ہیں:

(۱) وہ ایک عظیم جسم ہے جو تمام آسمانوں اور زمینوں پر محیط ہے۔(۲) کرسی سے مراد اللہ تعالیٰ کی سلطنت، اس کی قدرت اور اس کا ملک ہے۔(۳) کُرسی سے مراد اللہ تعالیٰ کا علم ہے، کیونکہ کُرسی اس کو کہتے ہیں جس پر ٹیک لگائی جائے اور علم پر ہی اعتماد کیا جاتا ہے۔

اس کلام سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی کبریائی کا تصور کیا جائے جیسے اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو اپنا گھر بنایا تا کہ لوگ اس کے گرد طواف کریں جیسا کہ لوگ بادشاہوں کے گھروں کے گرد طواف کرتے ہیں۔

''وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا'': یعنی آسمانوں اور زمینوں کی حفاظت اللہ تعالیٰ پر دشوار نہیں ہے۔

''وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ'': اللہ تعالیٰ بُلند ہے اور اس سے مراد مقام اور جگہ کی بلندی نہیں ہے، کیونکہ جو جگہ اور مقام کے اعتبار سے بلند ہو وہ متناہی ہوگا اور اللہ تعالیٰ غیر متناہی ہے، اور ''الْعَظِيْمُ'' کا معنی ہے وہ معظم ہے۔

آیۃ الکرسی کی فضیلت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس گھر میں آیۃ الکرسی کو پڑھا جائے گا تو تیس دنوں تک شیطان اس گھر پر مسلط نہیں ہو سکے گا اور کوئی جادوگر یا جادوگرنی چالیس راتوں تک اس گھر کے قریب نہیں آسکے گی''۔(تنزیہ الشریعہ ج ا ص ۲۸۸، الکشاف: ۱۴۵)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ یہ روایت باطل ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔(تخریج الکشاف ج ا ص ۳۰۲)

حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھی اس کو موت کے سوا جنت میں داخل ہونے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے''۔(عمل الیوم واللیلۃ للنسائی: ۱۰۰، عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی: ۱۷۵، حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔(تخریج الکشاف ج ا ص ۳۰۳))

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: '' دین (قبول کرنے میں) کوئی جبر نہیں ہے، بے شک ہدایت گمراہی سے خوب متمیّز ہو چکی ہے، سو جس شخص نے شیطان (کے حکم) کا انکار کیا اور اللہ (کے احکام) پر ایمان لایا تو اس نے ایسے مضبوط دستہ کو پکڑ لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں ہے، اور اللہ سب کچھ سننے والے سب کچھ جاننے والے ہیں O'' (البقرہ: ۲۵۶)

البقرہ: ۲۵۶ کا شانِ نزول

''لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ'': مجاہد نے بیان کیا کہ انصار کے قبیلہ الاوس کے چند لوگوں یہود کے دودھ شریک بھائی تھے، پھر جب

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو النضیر کو مدینہ سے نکالنے کا حکم دیا تو جن انصار کا یہود کے ساتھ دودھ کا رشتہ تھا انہوں نے کہا: ہم بھی ان کے ساتھ نکل جائیں گے اور ہم اُن کے دین کو اختیار کرلیں گے، تو ان کے گھر والوں نے اُن کو منع کیا اور ان کو اسلام میں برقرار رہنے پر مجبور کیا تب یہ آیت نازل ہوئی: ''لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ ---''۔ (تفسیر ابن جریر: ۵۸۲۱)

البقرہ: ۲۵۶ کا منسوخ ہونا

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ حکم ابتداءِ اسلام میں مشرکین کو قتل کرنے کے حکم سے پہلے تھا، پھر جب یہ آیت نازل ہوئی: ''فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ --- (التوبۃ:۵)'' (سوا ے مسلمانو! تم مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کردو)، تو یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ (معالم التنزیل ج۱ ص ۳۵۰)

دینِ اسلام قبول کرنے میں جبر نہ ہونا اور احکام شرعیہ پر عمل میں جبر ہونا

میں کہتا ہوں: دین میں جبر ہونے کا معنی یہ ہے کہ ابتداءً دین قبول کرنے میں کوئی جبر نہیں ہے، لیکن جب کسی شخص نے دینِ اسلام قبول کرلیا تو اُسے اسلام کے احکام پر مجبور کیا جائے گا مثلاً جب اُس کی عمر سات سال کی ہوگی تو اسے نماز پڑھنے کا حکم دیا جائے گا اور دس سال کی عمر میں اس کو مار مار کر اس سے نماز پڑھوائی جائے گی اور بالغ ہونے کے بعد اگر اُس نے ایک وقت کی بھی نماز ترک کردی تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس کو قتل کردیا جائے گا اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کو قید کردیا جائے گا اور اس وقت تک قید خانہ میں رکھا جائے گا حتیٰ کہ وہ نماز پڑھنے کا عادی ہوجائے۔ اسی طرح اسلام کے باقی احکام میں اس سے جبراً عمل کرایا جائے گا، اور اگر اس نے زنا کیا یا شراب پی یا چوری کی یا ڈاکہ ڈالا تو اُس پر حدود جاری کی جائیں گی، کسی کو ناحق قتل کیا تو اس کو قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

''قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ'': اس آیت میں دین سے مراد اسلام ہے اور رُشد سے مراد الحق ہے اور الغی سے مراد الباطل ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ الرُّشْدُ سے مراد الایمان ہے اور الغی سے مراد الکفر ہے۔

طاغوت کے معنی اور مصداق کے متعلق متعدد اقوال

''فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ'': الامام ابن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ نے لکھا ہے کہ ''الطاغوت'' کے متعلق حسبِ ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور مجاہد اور الشعبی نے کہا: اس سے مراد شیطان ہے (۲) سعید بن جبیر اور ابو العالیہ نے کہا: اس سے مراد الکاھن ہے۔ (۳) محمد بن سیرین نے کہا: اس سے مراد ساحر ہے۔ (۴) الزجاج نے کہا: اس سے مراد اصنام یعنی بت ہیں۔ (۵) نیز الزجاج نے یہ بھی کہا کہ اس سے مراد اہلِ کتاب کے سرکش لوگ ہیں۔

(زاد المسیر ج۱ ص ۲۳۲، دار الکتاب العربی)

صحیح قول یہ ہے کہ ہر جس کی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کی گئی وہ طاغوت ہے بشرطیکہ وہ معبود ہونے پر راضی ہو، لہٰذا شیطان، کاہن، جادوگر، فرعون اور نمرود، اِن میں سے ہر ایک طاغوت ہے کیونکہ یہ سب اپنے معبود ہونے پر راضی تھے اور ملائکہ اور حضرت عزیر اور

حضرت عیسیٰ طواغیت نہیں ہیں، کیونکہ وہ اپنے معبود ہونے پر راضی نہیں تھے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

''فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى '': مجاہد نے کہا: ''العُرْوَةُ الوُثْقٰى'' الایمان ہے، السدّی نے کہا: اس سے مراد اسلام ہے، حضرت ابن عباس، سعید بن جبیر اور الضحاک نے کہا: اس سے مراد لاالٰہ الا اللہ کا اعتقاد ہے۔ (تفسیر ابن جریر ج ۵ ص ۴۲۱)

اللہ عز وجل کا ارشاد ہے: ''اللہ ایمان والوں کے مددگار ہیں، وہ ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتے ہیں اور جنہوں نے کفر کو اختیار کیا اُن کے دوست شیطان ہیں وہ اُن کو روشنی سے اندھیروں کی طرف نکالتے ہیں، وہی لوگ اہلِ دوزخ ہیں جو اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ○'' (البقرہ: ۲۵۷)

ولی کا معنی اور مصداق

''اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'': ''الولی'' صفتِ مشبہ کا صیغہ ہے اور یہ ''وَلِیَ یَلِیْ وِلَایَةً'' سے ماخوذ ہے اور اس کا لغوی معنی القُرب ہے۔ اور اس آیت میں مومنین کے ولی سے مراد یہ ہے کہ اللہ اُن کا ناصر ہے اور مُعین ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اُن کا مُحِب ہے۔ حسن بصری نے کہا: اللہ اُن کو ہدایت پر برقرار رکھنے کا ولی ہے۔

میں کہتا ہوں: ولی اللہ کا معنی ہے: ''وہ مومن کامل جو صغائر اور کبائر سے دائماً مجتنب ہو اور فرائض اور واجبات پر دائماً عامل ہو اور سُنن اور مستحبات پر کثرت سے عمل کرتا ہو'' حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عز وجل نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے میرے ولی سے عداوت رکھی تو میں اس سے اعلانِ جنگ فرماتا ہوں، اور میرا بندہ کسی ایسی عبادت سے میرا قرب حاصل نہیں کرتا جو مجھے ان عبادات سے زیادہ پسندیدہ ہو جو میں نے اس پر فرض فرمائی ہیں، اور میرا بندہ نوافل کے ساتھ مسلسل میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت فرماتا ہوں، پس جب میں اس سے محبت فرماتا ہوں تو میں اس کے وہ کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے، اور میں اس کی وہ آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اور میں اس کے وہ ہاتھ ہو جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے، اور میں اس کے وہ پیر ہو جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔ اور اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو ضرور عطا فرماتا ہوں، اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں اس کو ضرور پناہ عطا فرماتا ہوں، اور میں کسی ایسے کام میں جس کو میں کرنے والا ہوں اس طرح تردد نہیں کرتا جس طرح میں مومن کی روح قبض کرنے کے معاملہ میں تردد فرماتا ہوں (یعنی اس کی روح قبض کرنے میں تاخیر فرماتا ہوں) وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اسے رنجیدہ کرنے کو ناپسند فرماتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۶۵۰۲، مسند احمد: ۲۶۱۹۳، مسند احمد ج ۶ ص ۲۵۶ موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۱، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۵، طبع جدید، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۴۷، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۴۶، ج ۱۰ ص ۲۱۹، کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ص ۴۹۱، صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۱۵، مشکوٰۃ رقم الحدیث: ۲۲۶۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۳۲۷)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ

رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِ وَيُمِيتُ ۙ قَالَ أَنَا أُحْيِ وَأُمِيتُ ۖ قَالَ إِبْرٰهِمُ فَإِنَّ اللّٰهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِينَ ﴿۲۵۸﴾

(اے رسولِ اکرم!) کیا آپ نے اُس شخص کو نہ جانا جس نے ابراہیم سے اُن کے رب کے متعلق (اس غرور کی وجہ سے) جھگڑا کیا کہ اللہ نے اس کو سلطنت عطا فرمائی تھی، جب ابراہیم نے کہا: میرا رب وہ ہے جو (لوگوں کو) زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، اس نے کہا: میں (بھی) زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں، ابراہیم نے کہا: پس بے شک اللہ سورج کو مشرق سے نکالتے ہیں، تو اس کو مغرب سے نکال کر دکھا، سو جس نے کفر کیا تھا وہ بدحواس ہو گیا، اور اللہ ظلم کرنے والے لوگوں کو ہدایت نہیں فرماتے ○

أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوشِهَا ۚ قَالَ أَنّٰى يُحْيِ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَأَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ۖ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۖ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۖ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ إِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ إِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ۖ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ ۙ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۵۹﴾

یا اس کی مثل وہ شخص ہے جو ایسی بستی پر گزرا جو اپنی چھتوں پر گری ہوئی تھی، اس شخص نے (تعجب سے دل میں) کہا: اس بستی کے لوگوں کو اُن کی موت کے بعد اللہ کیسے زندہ فرمائیں گے! سو اللہ نے اُس پر سو سال تک موت مسلط فرما دی، پھر اس کو زندہ کر کے اٹھایا (اور) فرمایا: تم (اس بستی میں) کتنی مدت تک ٹھہرے رہے ہو؟ اس شخص نے کہا: میں پورا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرا ہوں، (اللہ نے) فرمایا: بلکہ تم ایک سو سال تک ٹھہرے رہے ہو، پس تم اپنے طعام اور مشروب کی طرف نظر کرو جو اب تک (سڑ کر) بدبودار نہیں ہوا، اور اپنے گدھے کی طرف نظر کرو (جس کی ہڈیاں تک سالم نہیں رہیں)، اور (ہم نے یہ اس لیے کیا ہے) تا کہ ہم تمہیں لوگوں کے لیے اپنی قدرت کی نشانی قرار دیں، اور ان ہڈیوں کی طرف دیکھو ہم کس طرح ان کو جوڑتے ہیں، پھر ہم کس طرح ان کو گوشت پہناتے ہیں، پھر جب (اس شخص پر قدرت کی) یہ نشانی ظاہر ہو گئی تو اس نے کہا: (اب) مجھے (اس پر) کامل یقین ہو گیا کہ بے شک اللہ جو چاہیں اس پر قادر ہیں ○

وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ۖ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ ۖ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي ۖ قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ

جَبَلٍ مِّنۡهُنَّ جُزۡءًا ثُمَّ ادۡعُهُنَّ یَاۡتِیۡنَكَ سَعۡیًا ؕ وَاعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیۡزٌ حَكِیۡمٌ ﴿۲۶۰﴾ ع ۳۵

اور (اے رسولِ اکرم! آپ یاد کیجئے) جب ابراہیم نے کہا: اے میرے رب! مجھے (یہ) دکھایئے کہ آپ مُردوں کو کس کیفیت سے زندہ فرمائیں گے، (اللہ نے) فرمایا: کیا آپ کا اس پر ایمان نہیں ہے؟ (ابراہیم نے) عرض کیا: کیوں نہیں! مگر (میں نے اس لیے یہ سوال کیا ہے) کہ میرا دل مطمئن ہو جائے، (اللہ نے) فرمایا: پھر آپ چار پرندے پکڑ کر انہیں اپنے ساتھ مانوس کر لیجئے، پھر (اُن پرندوں کو ذبح کرنے کے بعد) ان پرندوں کے جسم کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دیجئے، پھر اُن کو بلایئے وہ آپ کے پاس دوڑتے ہوئے آ جائیں گے اور یقین رکھیے کہ بے شک اللہ بہت غالب بے حد حکمت والے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) کیا آپ نے اُس شخص کو نہ جانا جس نے ابراہیم سے اُن کے رب کے متعلق (اس غرور کی وجہ سے) جھگڑا کیا کہ اللہ نے اس کو سلطنت عطا فرمائی تھی، جب ابراہیم نے کہا: میرا رب وہ ہے جو (لوگوں کو) زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، اس نے کہا: میں (بھی) زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں، ابراہیم نے کہا: پس بے شک اللہ سورج کو مشرق سے نکالتے ہیں، تو اس کو مغرب سے نکال کر دکھا، سو جس نے کفر کیا تھا وہ بدحواس ہو گیا، اور اللہ ظلم کرنے والے لوگوں کو ہدایت نہیں فرماتے O'' (البقرہ:۲۵۸)

البقرہ:۲۵۸ کے رکوع میں مذکور تین قصوں کا خلاصہ

اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے تین قصے بیان فرمائے ہیں: پہلے قصہ میں اللہ تعالیٰ نے خالق اور صانع کے وجود پر دلیل قائم فرمائی ہے، یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ہے جس میں انہوں نے اپنے زمانہ کے ایک مغرور بادشاہ کے ساتھ مناظرہ کیا تھا، اور دوسرے اور تیسرے قصہ میں اللہ تعالیٰ نے حشر اور نشر یعنی حیات بعد الموت پر استدلال فرمایا ہے، دوسرے قصہ میں اس شخص کا ذکر فرمایا ہے جس پر ایک بستی میں سو سال تک موت مسلط فرما دی اور پھر اس کو زندہ فرمایا تو اس کا طعام اور مشروب اسی طرح تر و تازہ تھا، اور اس کا گدھا اس عرصہ میں مر چکا تھا اور اس کی ہڈیاں گل چکی تھیں، اور تیسرے قصہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پرندوں کو ذبح کرنے کے بعد ان کو زندہ کر کے بلانے کا ذکر فرمایا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جس بادشاہ سے مناظرہ ہوا تھا اس کا مصداق اور مناظرہ کی تاریخ

''اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡ حَآجَّ اِبۡرٰهٖمَ فِیۡ رَبِّهٖۤ اَنۡ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الۡمُلۡكَ'': حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جس بادشاہ سے مناظرہ ہوا تھا وہ نمرود تھا اور یہ وہ پہلا شخص ہے جس نے اپنے سر پر تاج رکھا اور پورے روئے زمین پر جبراً حکومت کی اور اپنے خدا ہونے کا دعویٰ کیا۔

مجاہد نے کہا ہے: پورے روئے زمین پر چار بادشاہ گزرے ہیں: ان میں سے دو مومن تھے اور دو کافر تھے، جو دو مومن تھے وہ حضرت سلیمان علیہ السلام اور ذوالقرنین ہیں اور جو دو کافر تھے وہ نمرود اور بخت نصر تھے۔

اس میں اختلاف ہے کہ یہ مناظرہ کس وقت ہوا؟ مقاتل نے کہا: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بُت توڑ ڈالے تو نمرود نے ان کو

قید کرلیا، پھر اُن کو قید سے نکالا تا کہ اُن کو آگ میں جلائے، پس اُس نے اُن سے پوچھا: تمہارا وہ رب کون ہے جس کی توحید کی تم ہمیں دعوت دیتے ہو تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، اور دوسرے مفسرین نے کہا: یہ واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کے بعد پیش آیا تھا۔

''اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ'': حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ ارشاد ایک سوال کا جواب ہے اور اس سوال کا اس آیت میں ذکر نہیں ہے، سوال یہ ہے کہ نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا: تمہارا رب کون ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: میرا رب وہ ہے جو لوگوں کو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، تو نمرود نے کہا: ''اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ''، اکثر مفسرین نے بیان کیا کہ نمرود نے دو مردوں کو بلایا، ان میں سے ایک کو قتل کر دیا اور دوسرے کو زندہ چھوڑ دیا اور قتل کرنے کو مارنا قرار دیا اور قتل کے ترک کرنے کو زندہ کرنا قرار دیا، لیکن یہ نمرود کی انتہائی جہالت تھی کیونکہ قتل کرنا مارنے کا مصداق نہیں ہے، کیونکہ بغیر قتل کے بھی انسان اپنی طبعی موت سے مرجاتا ہے اور نہ قتل کو ترک کرنا زندہ کرنے کا مصداق ہے، کیونکہ قتل کو ترک کرنے کے بعد بھی انسان اپنی طبعی موت سے مرسکتا ہے، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دیکھا کہ یہ بے وقوف بادشاہ زندہ کرنے اور مارنے کے معنی کو نہیں سمجھ رہا تو انہوں نے نمرود کی خدائی کے خلاف دوسری دلیل پیش کی جو پہلی دلیل سے زیادہ واضح ہے، کیونکہ پہلی دلیل علمی اور عقلی تھی اور اب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حسّی دلیل پیش فرمائی:

''قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ'': نمرود اس دلیل کے خلاف کوئی معارضہ پیش نہیں کرسکا اور بدحواس ہو کر عاجز ہو گیا۔

بعض لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دلیل پر یہ اشکال پیش کیا ہے کہ اگر نمرود پلٹ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہتا کہ اچھا آپ سورج کو مغرب سے نکال کر دکھائیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کیا جواب دیتے؟

میں کہتا ہوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے: میں نے کب خدا ہونے کا دعویٰ کیا ہے؟ تم نے خدا ہونے کا دعویٰ کیا ہے تو تم سورج کو مغرب سے نکال کر دکھاؤ، کیونکہ میرا دعویٰ تو یہ ہے کہ سورج کو مشرق سے نکال کر مغرب میں غروب کرنا یہ خدائے واحد کا نظام ہے، اگر تم اس نظام کو خدائے واحد کا نظام نہیں مانتے تو اس نظام کے برعکس کر کے دکھاؤ۔ (سعیدی غفرلہٗ)

(معالم التنزیل ج ۱ ص ۳۵۱۔۳۵۲، زادالمسیر ج ۱ ص ۲۳۲۔۲۳۳)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یا اس کی مثل وہ شخص ہے جو ایسی بستی پر گزرا جو اپنی چھتوں پر گری ہوئی تھی، اس شخص نے (تعجب سے دل میں) کہا: اس بستی کے لوگوں کو اُن کی موت کے بعد اللہ کیسے زندہ فرمائیں گے! سو اللہ نے اُس پر سو سال تک موت مسلط فرمادی، پھر اس کو زندہ کر کے اٹھایا (اور) فرمایا: تم (اس بستی میں) کتنی مدت تک ٹھہرے رہے ہو؟ اس شخص نے کہا: میں پورا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرا ہوں، (اللہ نے) فرمایا: بلکہ تم ایک سو سال تک ٹھہرے رہے ہو، پس تم اپنے طعام اور مشروب کی طرف نظر کرو جواب تک (سڑ

کر) بدبودار نہیں ہوا، اور اپنے گدھے کی طرف نظر کرو (جس کی ہڈیاں تک سالم نہیں رہیں)، اور (ہم نے یہ اس لیے کیا ہے) تاکہ ہم تمہیں لوگوں کے لیے اپنی قدرت کی نشانی قرار دیں، اور ان ہڈیوں کی طرف دیکھو ہم کس طرح ان کو جوڑتے ہیں، پھر ہم کس طرح ان کو گوشت پہناتے ہیں، پھر جب (اس شخص پر قدرت کی) یہ نشانی ظاہر ہوگئی تو اس نے کہا: (اب) مجھے (اس پر) کامل یقین ہوگیا کہ بے شک اللہ جو چاہیں اس پر قادر ہیں O'' (البقرہ:۲۵۹)

بستی کے پاس سے گزرنے والے شخص کے متعلق مفسرین کے متعدد اقوال

(ا) بعض مفسرین نے کہا: وہ شخص کافر تھا جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کا منکر تھا، اور دوسرے مفسرین نے کہا: نہیں! بلکہ وہ شخص مسلمان تھا، اور اکثر مفسرین نے کہا کہ وہ شخص حضرت عزیر علیہ السلام تھے۔

(تاویلات اہل السنۃ ج ا ص ۲۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حشر و نشر اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر پہلی دلیل

امام ابو اللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، البقرہ:۲۵۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ'':

مقاتل نے کہا: جو شخص ایسی بستی کے پاس سے گزرا جس کی چھتیں گری ہوئی تھیں، وہ شخص عزیر بن شرخیا تھے، وہ علماءِ بنی اسرائیل میں سے تھے، وہ شہرِ واسط اور مداین کے درمیان ہِرْقِل کے گرجا کے پاس سے اپنے گدھے پر سوار ہو کر گزرے۔

اور الضحاک بن مزاحم نے کہا: وہ حضرت عزیر النبی علیہ السلام تھے جو بیت المقدس کے پاس سے گزرے اور بخت نصر نے بیت المقدس کو کھنڈر بنا دیا تھا اور ان میں سے ستر ہزار اسرائیلیوں کو قتل کر دیا تھا اور ستر ہزار اسرائیلیوں کو قید کر دیا تھا، اور ان ہی میں سے حضرت عزیر علیہ السلام بھی تھے، انہوں نے دل میں کہا:

''اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا'': اور ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ بخت نصر نے بنی اسرائیل پر حملہ کیا، پس ان میں سے بہت سے لوگوں کو قید کر لیا اور ان میں عزیر بن شرخیا بھی تھے اور وہ بنی اسرائیل کے علماء میں سے تھے، پس وہ ان کو بابل کی طرف لے آیا، سو ایک دن عزیر اپنے کسی کام سے ہرقل کے گرجا کی طرف گئے جو دریائے دجلہ کے کنارے پر تھا، وہ ایک درخت کے سائے میں اترے اور انہوں نے اپنے گدھے کو اس درخت کے سائے میں باندھ دیا، پھر وہ اس بستی کے گرد گھومے جس کی چھتیں گری ہوئی تھیں، پس عزیر نے کچھ پھل لیے جن میں انجیر اور انگور تھے، پھر واپس اپنے گدھے کی طرف آئے اور اس پر بیٹھ کر ان پھلوں کو کھانے لگے، پھر انہوں نے انگور کا رس نکالا اور اس کو پیا، پھر بقیہ انجیروں اور انگوروں کو ایک ٹوکری میں رکھ دیا اور انگور کے شیرہ کو چمڑے کے ایک مشکیزے میں رکھ دیا، پھر انہوں نے اس بستی پر نظر ڈالی تو انہیں اس پر تعجب ہوا کہ اس میں اتنے زیادہ پھل ہیں اور بستی والے فنا ہو چکے ہیں تو انہوں نے اپنے دل میں کہا: ''اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا'' عزیر کو

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے میں شک نہیں تھا، لیکن وہ یہ چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کو دکھائے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ مُردوں کو زندہ فرمائے گا، پھر عُزَیر اپنے دل میں یہ بات کہنے کے بعد اس جگہ سو گئے۔

''فَأَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ'': اللہ تعالیٰ نے ان کی نیند میں اُن پر سو سال تک کی موت طاری کر دی اور ان کے گدھے کو مار دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے دن کے آخری حصہ میں اُن کو اٹھایا اور اُن کی موت کے حال میں اللہ تعالیٰ نے اُن کو لوگوں کی نگاہوں سے اور درندوں سے اور پرندوں سے محفوظ رکھا ہوا تھا، پس جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اٹھایا تو انہوں نے کوئی آواز سنی:

''قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۖ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۖ قَالَ بَل لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانظُرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۖ وَانظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ ۖ وَانظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا'':

اللہ تعالیٰ نے اُن سے فرمایا: اے عُزَیر! تم کتنی دیر تک سوتے رہے؟ انہوں نے کہا: میں ایک دن تک سویا، پھر سورج کی طرف دیکھا تو اس کے غروب ہونے میں تھوڑا سا وقت رہ گیا تھا تو کہا: یا دن کے کچھ حصہ تک میں سویا رہا، اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا: بلکہ تم سو سال تک سوئے رہے یعنی تم سو سال تک مُردہ رہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر متنبہ کرنے کے لیے فرمایا: تم اپنے پھلوں کی طرف دیکھو اور اپنے انگور کے شیرہ کی طرف دیکھو جو سڑ کر بدبودار نہیں ہوئے، پھر عُزَیر نے اپنے گدھے کی طرف دیکھا جو مردہ ہو کر بوسیدہ ہو چکا تھا، سو اُن کو نداء کی گئی کہ اپنے گدھے کی طرف دیکھو، پس وہ سفید ہڈیوں کا پنجر تھا جن سے گوشت جدا ہو چکا تھا، پھر انہوں نے آواز سنی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے بوسیدہ ہڈیو! میں تم میں روح ڈال رہا ہوں، سو تم جمع ہو جاؤ، پس وہ ہڈیاں ایک دوسرے کی طرف دوڑیں حتیٰ کہ ہر ہڈی اپنی جگہ پر پہنچ گئی، پھر اس کے اوپر کھال پہنائی گئی اور اس میں روح ڈالی گئی تو وہ اچانک کھڑا ہو کر ہینکنے لگا، یہ دیکھ کر عُزَیر اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ میں گر گئے اور اس وقت یہ کہا:

''أَعْلَمُ أَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ'': یعنی اب مجھے یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو مارنے کے بعد انہیں زندہ کرنے پر قادر ہے۔ اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ جب عُزَیر اپنے گھر پہنچے اور اپنے رشتہ داروں سے ملے تو انہوں نے کہا کہ تم تو سو سال بعد آئے ہو، اور یہ ان کا قول ہے جنہوں نے کہا کہ یہ شخص حضرت عُزَیر نبی علیہ السلام نہیں تھے بلکہ ان کے علاوہ کوئی اور مرد تھا۔

(تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۲۲۶-۲۲۷، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۳ھ)

حضرت عُزَیر کا سو سال بعد اپنے گھر جانا، لوگوں کا انہیں نہ پہچاننا اور اللہ تعالیٰ کا حضرت عُزَیر کو نبوت سے سرفراز فرمانا

امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، البقرہ: ۲۵۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مجاہد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عُزَیر کو ایک سو سال کے بعد زندہ فرما دیا تو وہ اپنے گدھے پر سوار ہوئے اور اپنے محلہ میں پہنچے، پس لوگوں نے ان کو نہیں پہچانا اور حضرت عُزَیر نے بھی اپنے گھروں کو نہیں پہچانا، پھر وہ سوچ بچار کرتے ہوئے چل پڑے حتیٰ کہ اپنے گھر پر پہنچے، وہاں پر ایک نابینا لولی لنگڑی بڑھیا بیٹھی ہوئی تھی جس کی عمر ایک سو بیس سال ہو چکی تھی، اور وہ حضرت عُزَیر کو پہچانتی تھی، اس بڑھیا سے حضرت عُزَیر نے پوچھا: کیا یہ عُزَیر کا گھر ہے؟ اس بڑھیا نے

کہا: ہاں یہ عُزَیر کا گھر ہے اور رونے لگی اور کہنے لگی: اتنے سال گزر چکے ہیں میں عُزَیر کو یاد کر رہی ہوں، حضرت عُزَیر نے بڑھیا سے کہا: میں عُزَیر ہوں، اس بڑھیا نے کہا: سبحان اللہ! عُزَیر کو تو ہم ایک عرصہ ہوا گم کر چکے ہیں تقریباً سو سال ہوئے ہیں اور ان کا کوئی ذکر نہیں ہے، حضرت عُزَیر نے کہا: بے شک میں عُزَیر ہی ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھے سو سال مارے رکھا تھا، پھر دوبارہ اس نے مجھے زندہ کیا، اس بڑھیا نے کہا کہ عُزَیر ایسے مرد تھے جن کی دعا قبول ہوتی تھی، وہ بیمار کے لیے دعا کرتے تو وہ تندرست ہو جاتا، اگر تم عُزَیر ہو تو میرے لیے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ میری بینائی لوٹائے حتیٰ کہ میں تمہیں دیکھ لوں، اگر تم عُزَیر ہو گئے تو میں تمہیں پہچان لوں گی، پھر حضرت عُزَیر نے اپنے رب سے دعا کی اور اس کی دونوں آنکھوں پر ہاتھ پھیر کر کہا: اللہ کے حکم سے اٹھ جاؤ تو اللہ تعالیٰ نے اس کی دونوں ٹانگوں میں جان ڈال دی، وہ تندرست ہو کر کھڑی ہو گئی، اس نے حضرت عُزَیر کی طرف دیکھ کر کہا: میں گواہی دیتی ہوں کہ تم واقعی عُزَیر ہو، پھر حضرت عُزَیر اس بڑھیا کے ساتھ بنی اسرائیل کی طرف گئے اور وہ اپنی مجالس میں بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت عُزَیر کا بیٹا بہت بوڑھا تھا اور ایک سو اٹھارہ سال کا ہو چکا تھا، اور حضرت عُزَیر کے پوتے بھی بوڑھے ہو چکے تھے وہ بھی اس مجلس میں تھے، اس بڑھیا نے کہا: یہ عُزَیر ہیں، تو اس کے بیٹوں اور پوتوں نے بڑھیا کی تکذیب کی، اس بڑھیا نے کہا: میں فلاں عورت ہوں تمہاری باندی ہوں، عُزَیر نے میرے لیے اپنے رب سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے میری بینائی لوٹا دی اور میری ٹانگوں میں جان ڈال دی اور اس شخص کا یہ زعم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو سو سال تک مردہ رکھا تھا پھر اٹھا دیا، پھر وہ سب لوگ کھڑے ہو گئے اور عُزَیر کی طرف بڑھے، اس کے بیٹے نے کہا: میرے باپ کے کندھوں کے درمیان چاند کی مثل سیاہ تل تھا، پس اس نے ان کے کندھوں کو کھولا تو وہ عُزَیر ہی تھے اور وہ تل ان کے کندھوں کے درمیان موجود تھا، اور السدّی اور الکلبی نے کہا: جب حضرت عُزَیر اپنی بستی کی طرف لوٹے اور بخت نصر تورات کو جلا چکا تھا اور اب بنی اسرائیل کے پاس اللہ کا کوئی عہد نہیں تھا تو حضرت عُزَیر تورات کے اوپر روئے، پھر ایک فرشتہ ایک برتن میں پانی لے کر آیا اور حضرت عُزَیر کو اس پانی میں سے پلایا تو ان کے سینے میں تورات کی مثل جمع ہو گئی، پھر وہ بنی اسرائیل کی طرف واپس گئے اور اللہ نے ان کو تورات کا علم عطا فرما دیا اور ان کو نبوت پر سرفراز فرما دیا، پس انہوں نے کہا: میں عُزَیر ہوں، لوگوں نے اس کی تصدیق نہیں کی، انہوں نے کہا کہ میں عُزَیر ہوں، مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف مبعوث فرمایا ہے تا کہ میں تمہارے لیے تورات کی تجدید کروں، لوگوں نے کہا: آپ ہمیں تورات لکھوائیں تو حضرت عُزَیر نے ان کو اپنے دل سے تورات لکھوائی، پس لوگوں نے کہا: جس مرد کے سینہ میں اللہ تعالیٰ نے تورات کو جمع کیا وہ ضرور اللہ کا بیٹا ہے، سو انہوں نے کہا: عُزَیر ابن اللہ ہے۔ (معالم التنزیل ج ۱ ص ۳۵۶، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

ابو علی الجبائی المعتزلی المتوفی ۳۰۳ھ لکھتے ہیں:

یہ واقعہ (یعنی عُزَیر کا سو سال بعد زندہ ہونا) ممکن نہیں ہے، کیونکہ معجزات صرف انبیاء علیہم السلام کے لیے ممکن ہیں جو ان کی نبوت پر دلالت کرتے ہیں۔ اگر غیر نبی کے زمانہ میں کوئی معجزہ ہوتا تو معجزہ کا وقوع نبوت پر دلیل نہ ہوتا۔

(تفسیر ابو علی الجبائی ص ۱۱۴۔ ۱۱۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ھ)

میں کہتا ہوں: حضرت عُزَیر علیہ السلام کا سو سال کے بعد زندہ ہونا ان کی نبوت پر فائز ہونے سے پہلے واقع ہوا تھا، اور اعلانِ نبوت سے پہلے جس خرقِ عادت کا ظہور ہو اس کو ارہاص کہتے ہیں جیسے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت سے پہلے بادل کا آپ پر سایا کرنا،

یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اعلانِ نبوت سے پہلے ان کا پنگوڑہ میں کلام فرمانا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

حضرت عُزیر علیہ السلام کے قصہ میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت کی دلیل

امام ابومنصور محمد بن محمد بن محمود الماتریدی الحنفی المتوفی ۳۳۳ھ، البقرہ: ۲۵۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ان آیات میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے برحق رسول ہونے کی دلیل ہے، کیونکہ ان آیات میں جو قصص بیان فرمائے ہیں وہ بنی اسرائیل کے نزدیک مسلّم تھے اور ان کے نزدیک ان میں کوئی اختلاف نہیں تھا اور یہ بھی سب کو معلوم تھا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کی کتابوں کو نہیں پڑھا اور نہ اُن کے علماء سے ان قصص کے متعلق کچھ سنا، پھر بھی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان قصص اور واقعات کو اسی تفصیل سے بیان فرمادیا جس تفصیل سے یہ قصص اور واقعات ان کی آسمانی کتابوں میں مذکور تھے، سو اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرما کر آپ کو ان قصص اور واقعات پر مطلع فرمایا اور آپ پر وحی کا نزول آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔ (تاویلات اہل السنہ ج ۱ ص ۲۴۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے رسولِ اکرم! آپ یاد کیجئے) جب ابراہیم نے کہا: اے میرے رب! مجھے (یہ) دکھایئے کہ آپ مُردوں کو کس کیفیت سے زندہ فرمائیں گے، (اللہ نے) فرمایا: کیا آپ کا اس پر ایمان نہیں ہے؟ (ابراہیم نے) عرض کیا: کیوں نہیں! مگر (میں نے اس لیے یہ سوال کیا ہے) کہ میرا دل مطمئن ہو جائے، (اللہ نے) فرمایا: پھر آپ چار پرندے پکڑ کر انہیں اپنے ساتھ مانوس کر لیجئے، پھر (اُن پرندوں کو ذبح کرنے کے بعد) ان پرندوں کے جسم کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دیجئے، پھر اُن کو بلایئے وہ آپ کے پاس دوڑتے ہوئے آجائیں گے اور یقین رکھیے کہ بے شک اللہ بہت غالب بے حد حکمت والے ہیں O'' (البقرہ: ۲۶۰)

حشر و نشر اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر دوسری دلیل

امام ابواللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، البقرہ: ۲۶۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَ اِذۡ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیۡ کَیۡفَ تُحۡیِ الۡمَوۡتٰی'': مقاتل نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام ساحلِ سمندر پر ایک مردار کے پاس سے گزرے جس کو سمندری جانور اور پرندے کھا رہے تھے تو ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ مُردار مختلف پرندوں اور سمندری جانوروں کے پیٹ میں پہنچ چکا ہے، اب اللہ تعالیٰ اس مردار کے متفرق اجزاء کو کس طریقہ سے اکٹھا کر کے زندہ فرمائے گا، تب انہوں نے دل میں کہا: ''رَبِّ اَرِنِیۡ کَیۡفَ تُحۡیِ الۡمَوۡتٰی''۔

''قَالَ اَوَلَمۡ تُؤۡمِنۡ ؕ قَالَ بَلٰی وَ لٰکِنۡ لِّیَطۡمَئِنَّ قَلۡبِیۡ'': ان کے رب عزوجل نے فرمایا: کیا آپ کا اس پر ایمان نہیں ہے کہ میں مُردوں کو زندہ کروں گا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: کیوں نہیں! میں اس کی تصدیق کرتا ہوں لیکن میں اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ کر مطمئن ہونا چاہتا ہوں تاکہ میرا ایمان علم الیقین سے ترقی کر کے عین الیقین تک پہنچ جائے۔

''قَالَ فَخُذۡ اَرۡبَعَۃً مِّنَ الطَّیۡرِ فَصُرۡهُنَّ اِلَیۡکَ ثُمَّ اجۡعَلۡ عَلٰی کُلِّ جَبَلٍ مِّنۡهُنَّ جُزۡءًا ثُمَّ ادۡعُهُنَّ یَاۡتِیۡنَکَ سَعۡیًا'':

بعض روایات میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مور اور دیگر تین پرندے لیے اور ان کو اپنے ساتھ مانوس کیا، پھر ان سب کو ذبح کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، پھر ہر ٹکڑے کو چار مختلف پہاڑوں پر ڈال دیا، پھر انہوں نے ان پرندوں کو بلایا تو وہ سب اپنی ٹانگوں سے دوڑتے ہوئے آ گئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہے تھے اور تعجب کر رہے تھے اور اس وقت انہوں نے کہا: ''وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ'' یعنی اللہ تعالیٰ اپنی سلطنت پر غالب ہے۔ اور وہ اپنی حکمت سے مُردوں کو زندہ فرماتا ہے اور میں نے جو یہ سوال کیا تھا کہ مجھے دکھا تو مردوں کو کیسے زندہ فرمائے گا، تو میرے دل میں کوئی شک نہیں تھا لیکن میں نے تسکینِ قلب کے لیے یہ سوال کیا تھا۔ (تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۲۲۷۔۲۲۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍؕ وَ اللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۶۱﴾

جو لوگ اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں (ان کے خرچ کی) مثال اس دانے کی طرح ہے جس نے سات خوشے اگائے اور ہر خوشہ میں سو دانے ہوں، اور اللہ جس کے لیے چاہیں (ان دانوں کو) دگنا فرما دیتے ہیں اور اللہ بہت وسعت والے بے حد علم والے ہیں O

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَاۤ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّ لَاۤ اَذًىۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْۚ وَ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾

جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں پھر جو انہوں نے خرچ کیا ہے اُس پر نہ احسان جتاتے ہیں اور نہ (طعنہ دے کر) ایذاء پہنچاتے ہیں ان کے لیے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے، اور نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے O

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَیْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ یَّتْبَعُهَاۤ اَذًىؕ وَ اللّٰهُ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ ﴿۲۶۳﴾

نیک بات کہنا اور (لوگوں کو) معاف کر دینا اس صدقہ سے بہتر ہے جس کے بعد (طعنہ دے کر) ایذاء پہنچائی جائے، اور اللہ (سب سے) غنی ہیں، بے حد حلم والے ہیں O

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰىۙ كَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَ لَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَیْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًاؕ لَا یَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَیْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْاؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۲۶۴﴾

اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر (اور طعنوں سے) تکلیف پہنچا کر ضائع نہ کرو جس طرح کوئی شخص اپنے مال کو

لوگوں کے دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے اور وہ نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور نہ قیامت کے دن پر، سو اُس کی مثال اس چکنے پتھر کی طرح ہے جس پر (کچھ) مٹی (پڑی) ہو، پھر اُس پتھر پر زوردار بارش ہوئی جس نے اُس پتھر کو بالکل صاف کر دیا، ایسے لوگ اپنے کیے ہوئے کام سے کوئی اجر حاصل نہیں کر سکیں گے، اور اللہ کفر اختیار کرنے والوں کو ہدایت عطا نہیں فرماتے O

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۶۵﴾

اور جو لوگ اپنے مالوں کو اللہ کی رضا جوئی کے لیے اور خود کو (ایمان پر) ثابت قدم رکھنے کے لیے خرچ کرتے ہیں، ان کی مثال ایسے باغ کی طرح ہے جو کسی اونچی زمین پر ہو اس پر زوردار بارش ہوئی ہو تو اُس کا باغ دُگنے پھل لائے، پھر اگر اُس باغ پر زوردار بارش نہ ہوئی ہو تو اُس کے لیے شبنم (ہی) کافی ہے، اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھنے والے ہیں O

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۶۶﴾

(اے مسلمانو!) کیا تم میں سے کوئی اس کو پسند کرے گا کہ اُس کا کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو جس کے نیچے دریا بہہ رہے ہوں اور اس شخص کے لیے اس باغ میں ہر قسم کے پھل ہوں، اور اس شخص کو بڑھاپا پہنچے اور اُس کے چھوٹے چھوٹے کمزور بچے ہوں، پس اچانک اُس باغ پر گرم ہوا کا ایک بگولا آئے جس میں آگ ہو سو وہ باغ جل جائے، اللہ اسی طرح تمہارے لیے آیات کو وضاحت سے بیان فرماتے ہیں تاکہ تم تدبر اور تفکر کرو O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جو لوگ اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں (ان کے خرچ کی) مثال اس دانے کی طرح ہے جس نے سات خوشے اگائے اور ہر خوشہ میں سو دانے ہوں، اور اللہ جس کے لیے چاہیں (ان دانوں کو) دگنا فرما دیتے ہیں اور اللہ بہت وسعت والے بے حد علم والے ہیں O'' (البقرہ:۲۶۱)

اللہ کی راہ میں خرچ کیے ہوئے مال کے اجر کا زیادہ ہونا

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی المتوفی ۷۱۰ھ البقرہ:۲۶۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ'':

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا کہ وہ لوگوں کے مرنے کے بعد ان کو زندہ کرنے پر قادر ہے، اور اس آیت

میں اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں خرچ کرنے پر برانگیختہ فرمایا اور اس کی یہ مثال بیان فرمائی جیسے کوئی شخص زمین میں ایک بیج اگائے جس سے سات شاخوں والے پودے نکلیں اور ان کے ہر خوشہ میں ایک سو دانے ہوں، گویا ایک دانہ سے سات سو دانے نکل آئیں، اور اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کو دگنا فرما کر چودہ سو گنا بنا دیتا ہے۔ (مدارک التنزیل ج ۱ ص ۲۱۶، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

اجر وثواب بڑھانے کے مختلف مراتب

میں کہتا ہوں: کبھی اللہ کی راہ میں ایک روپیہ خرچ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کا اجر دس گنا عطا فرماتا ہے، ارشادِ باری ہے:

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ (الانعام: ۱۶۰) جو شخص اللہ کی راہ میں ایک نیکی کرے تو اس کے لیے اس جیسی دس نیکیوں کا اجر ہے۔

اور کبھی اللہ عزوجل سات سو گنا اجر عطا فرماتا ہے، اور کبھی اس کو دگنا کر کے چودہ سو گنا اجر عطا فرماتا ہے، جیسے البقرہ: ۲۶۱ میں اس کی تصریح ہے۔ اور کبھی بے حساب اجر عطا فرماتا ہے، ارشادِ باری ہے:

اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ (الزمر: ۱۰) صبر کرنے والوں کو (ان کی نیکیوں کا) اجر بے حساب ہی دیا جاتا ہے ۝

اب یہ سوال ہے کہ دس گنا اجر کسے دیا جائے گا اور سات سو گنا اجر کسے دیا جائے گا اور چودہ سو گنا اجر کسے دیا جائے گا اور بے حساب اجر کسے دیا جائے گا؟

اس کی تحقیق یہ ہے کہ دینے والوں کی مقادیر مختلف ہوتی ہیں، لہٰذا ہو سکتا ہے کہ اگر بڑا سرمایہ دار کسی کو ایک روپیہ صدقہ دے تو اس کو دس روپے صدقہ دینے کا اجر ملے اور اس سے کم آمدنی والا کسی کو ایک روپیہ صدقہ دے تو اس کو سات سو گنا یا چودہ سو گنا اجر ملے، اور اگر کوئی ایسا مفلس کسی کو ایک روپیہ صدقہ دے جس کے پاس صرف وہی ایک روپیہ ہو خواہ وہ اس روپیہ کو اپنی ضروریات پر خرچ کرے یا کسی دوسرے ضرورت مند کو اپنے اوپر ترجیح دے کر اس کو وہ روپیہ دے دے، خود بھوکا رہ کر دوسرے کو کھلا دے تو ظاہر ہے ان سب کے دیے ہوئے صدقہ کا اجر برابر نہیں ہو سکتا اور وہ مُفلس جو اپنی ضروریات پر صبر کر کے دوسرے کو صدقہ دیتا ہے اسے اللہ تعالیٰ بے حساب اجر عطا فرمائے گا۔

اور اس کی دوسری تحقیق یہ ہے کہ ایک شخص زکوٰۃ کا حساب کر کے صرف اتنی ہی زکوٰۃ دیتا ہے جتنی زکوٰۃ اس پر فرض ہے اور دوسرا شخص فرض زکوٰۃ کے علاوہ نفلی صدقات بھی دیتا ہے اور تیسرا شخص وہ ہے جو حساب کتاب نہیں رکھتا وہ اللہ کی راہ میں دیتا رہتا ہے خواہ اس کی زکوٰۃ سے اس کا دیا ہوا کسی قدر زائد ہو جائے سو جو اللہ کی راہ میں حساب کتاب سے دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اجر بھی حساب کتاب سے عطا فرماتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں بے حساب دیتا ہے تو اس کو اجر بھی اللہ تعالیٰ بے حساب عطا فرماتا ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں، پھر جو انہوں نے خرچ کیا ہے اُس پر نہ احسان جتاتے ہیں اور نہ (طعنہ دے کر) ایذاء پہنچاتے ہیں ان کے لیے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے، اور نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۝“ (البقرہ: ۲۶۲)

البقرہ: ۲۶۲ کا شانِ نزول

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی شیرازی شافعی متوفی ۶۸۵ھ، البقرہ: ۲۶۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ'': یہ آیت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے غزوۂ تبوک کے لشکر میں ایک ہزار اونٹ ان کے پالانوں اور ساز و سامان کے ساتھ مہیا کیے اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے متعلق نازل ہوئی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چار ہزار درہم کا صدقہ لائے۔ (انوار التنزیل واسرار التاویل ج ۱ ص ۵۶۵، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

علامہ محمد بن مصلح الدین مصطفیٰ القوجوی الحنفی المتوفی ۹۵۱ھ، اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے غزوۂ تبوک کے لشکر کے لیے ایک ہزار اونٹ اور ایک ہزار دینار پیش کیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ہاتھ بلند کر کے فرمایا: اے میرے رب! میں اس سے راضی ہو گیا، سو آپ بھی اس سے راضی ہو جائیں، اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنا نصف مال جو چار ہزار درہم تھا وہ بہ طورِ صدقہ پیش کیا تو یہ دو آیتیں نازل ہوئیں۔

(حاشیہ محی الدین شیخ زادہ ج ۲ ص ۶۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''نیک بات کہنا اور (لوگوں کو) معاف کر دینا اس صدقہ سے بہتر ہے جس کے بعد (طعنہ دے کر) ایذاء پہنچائی جائے، اور اللہ (سب سے) غنی ہیں، بے حد حلم والے ہیں ○'' (البقرہ: ۲۶۳)

البقرہ: ۲۶۳ کا شانِ نزول

''قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ'': کی تفسیر یہ ہے کہ نیک بات کہہ کر سائل کو لوٹا دینا بہترین نیکی ہے، الکلبی نے کہا: اس سے مراد ہے جو شخص پسِ پشت اپنے بھائی کے لیے دعا کرے اور الضحاک نے کہا: یہ آیت اس کے متعلق نازل ہوئی ہے جو اُن دو مسلمانوں کے درمیان صلح کرائے جو آپس میں لڑے ہوئے ہوں۔

''وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى'': کی تفسیر یہ ہے کہ اگر مانگنے والا بے اعتدالی سے اور بلا ضرورت سوال کرے تو اس سے درگزر کرنا ایسا صدقہ دینے سے بہتر ہے جس کے بعد صدقہ دینے والا اس فقیر کو طعنہ دے کر اذیت پہنچائے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر (اور طعنوں سے) تکلیف پہنچا کر ضائع نہ کرو جس طرح کوئی شخص اپنے مال کو لوگوں کے دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے اور وہ نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور نہ قیامت کے دن پر، سو اُس کی مثال اس چکنے پتھر کی طرح ہے جس پر (کچھ) مٹی (پڑی) ہو، پھر اُس پتھر پر زوردار بارش ہوئی جس نے اُس پتھر کو بالکل صاف کر دیا، ایسے لوگ اپنے کیے ہوئے کام سے کوئی اجر حاصل نہیں کر سکیں گے، اور اللہ کفر اختیار کرنے والوں کو ہدایت عطا نہیں فرماتے ○'' (البقرہ: ۲۶۴)

''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ'':

اللہ تعالیٰ نے دکھاوے کا صدقہ کرنے اور صدقہ کے بعد طعنہ دے کر اذیت پہنچانے والے کے لیے یہ مثال بیان فرمائی ہے۔

یعنی دکھاوے کا صدقہ، صدقہ کے اجر وثواب کو باطل کر دیتا ہے۔ ریا کار اور دکھاوے کے لیے عمل کرنے والے کی مذمت میں درج ذیل حدیث ہے:

ریا کار کے متعلق شدید وعید

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: سب سے پہلے قیامت کے دن جس شخص کے متعلق فیصلہ کیا جائے گا، وہ شخص شہید ہوگا، اس کو لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس پر اپنی نعمتیں گنوائے گا، سو وہ شخص ان نعمتوں کو پہچان لے گا، اللہ تعالیٰ دریافت فرمائے گا: تم نے ان نعمتوں کے مقابلہ میں کیا (نیک) عمل کیے؟، وہ عرض کرے گا: میں نے تیری راہ میں قتال کیا حتیٰ کہ میں شہید ہو گیا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو نے جھوٹ بولا لیکن تو نے اس لیے قتال کیا تھا تاکہ یہ کہا جائے کہ یہ بڑا بہادر ہے، سو کہا گیا۔ پھر حکم فرمائے گا: اس کو مونہہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں جھونک دیا جائے، (اور دوسرا شخص) وہ مرد ہوگا جس نے علم دین حاصل کیا اور لوگوں کو علمِ دین سکھایا اور قرآن مجید کی تلاوت کی سو اُس کو لایا جائے گا، اللہ تعالیٰ اُس پر اپنی نعمتیں گنوائے گا، سو وہ شخص ان نعمتوں کو پہچان لے گا، اللہ تعالیٰ دریافت فرمائے گا: تم نے ان نعمتوں کے مقابلہ میں کیا (نیک) عمل کیے؟، وہ عرض کرے گا: میں نے علمِ دین حاصل کیا اور لوگوں کو سکھایا اور تیرے لیے قرآن پڑھا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو نے جھوٹ بولا، لیکن تو نے علم اس لیے حاصل کیا تھا تاکہ کہا جائے کہ یہ عالم ہے، اور تو نے قرآن اس لیے پڑھا تاکہ کہا جائے کہ یہ قاری ہے، سو کہا گیا۔ پھر حکم فرمائے گا: اس کو مونہہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں جھونک دیا جائے۔ (پھر تیسرا شخص) وہ ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے وسیع مال عطا فرمایا تھا اور اس کو ہر قسم کے مال سے عطا فرمایا تھا، اسے لایا جائے گا، پس اللہ تعالیٰ اس پر اپنی نعمتوں کو گنوائے گا تو وہ ان نعمتوں کو پہچان لے گا، اللہ تعالیٰ دریافت فرمائے گا: تم نے ان نعمتوں کے مقابلہ میں کیا (نیک) عمل کیے؟ وہ عرض کرے گا: آپ جس راستہ میں خرچ کرنے کو پسند فرماتے ہیں میں نے اُسی راستہ میں آپ کی رضا کے لیے اپنے مال کو خرچ کیا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو نے جھوٹ بولا، لیکن تو نے یہ خرچ اس لیے کیا تھا تاکہ کہا جائے کہ یہ جواد (بہت بڑا سخی) ہے، سو کہا گیا، پھر حکم فرمائے گا: اس کو مونہہ کے بل گھسیٹ کر دوزخ کی آگ میں جھونک دیا جائے۔

(صحیح مسلم: ۱۹۰۵، سنن ترمذی: ۲۳۸۲، سنن نسائی: ۳۱۳۷، مسند احمد: ۸۲۸۴، صحیح ابن حبان: ۴۰۸، سنن بیہقی ج ۹ ص ۱۶۸)

میں کہتا ہوں: امام ترمذی نے اس حدیث کی روایت سے پہلے یہ لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جب اس حدیث کو بیان کرنے لگے تو چند الفاظ بیان کرنے کے بعد خوفِ الٰہی سے بے ہوش ہو گئے، پھر ہوش میں آ کر دوبارہ حدیث بیان کرنی شروع کی، پھر بے ہوش ہو گئے اور کئی مرتبہ ایسا ہوا، پھر جا کر وہ حدیث مکمل بیان کر سکے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جو لوگ اپنے مالوں کو اللہ کی رضا جوئی کے لیے اور خود کو (ایمان پر) ثابت قدم رکھنے کے لیے خرچ کرتے ہیں، ان کی مثال ایسے باغ کی طرح ہے جو کسی اونچی زمین پر ہو اس پر زوردار بارش ہوئی ہو تو اُس کا باغ دُگنے پھل لائے، پھر اگر اُس باغ پر زوردار بارش نہ ہوئی ہو تو اُس کے لیے شبنم (ہی) کافی ہے، اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھنے والے ہیں O'' (البقرہ: ۲۶۵)

مشکل الفاظ کے معانی

قاضی مجیر الدین بن محمد المقدسی الحنبلی المتوفی ۹۲۸ھ، البقرہ:۲۶۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَ مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ '': یعنی جولوگ اللہ کی رضا کوطلب کرتے ہیں۔
''وَ تَثْبِیْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ '': یعنی جولوگ اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کی آیات کی تصدیق کرتے ہیں اور خوش دلی سے اس یقین کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن کوثواب عطا فرمائے گا اور ان کو یہ یقین ہوتا ہے کہ جو مال انہوں نے اللہ کی راہ میں نکالا ہے وہ اس مال سے بہتر ہے جس کی زکوٰۃ انہوں نے نہیں نکالی، اور اس کا معنی یہ ہے کہ جو مال انہوں نے خرچ کیا ہے وہ اللہ عزوجل کے نزدیک بڑھ جائے گا۔
''كَمَثَلِ جَنَّةٍ '': اس کی مثال ایسا باغ ہے۔
''بِرَبْوَةٍ '': یعنی ہموار زمین کا ایسا بلند حصہ جس پر پانی نہیں چڑھتا، پس اس باغ میں بہت عمدہ پیداوار ہوگی۔
''اَصَابَهَا وَابِلٌ '': یعنی اس باغ پر شدید بارش برسی۔
''فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَیْنِ '': یعنی اس باغ کی ایک سال کی پیداوار دوسال کی پیداوار سے زیادہ ہوگی۔
''فَاِنْ لَّمْ یُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ '': ''طَلّ'' کا معنی ہے شبنم، یعنی اس باغ کی پیدوار بڑھتی رہتی ہے خواہ بارش کم ہو یا زیادہ ہو، اسی طرح جو مومن اخلاص سے صدقہ دیتا ہے اسے اس کا نفع پہنچتا ہے خواہ صدقہ کی مقدار کم ہو یا زیادہ ہو۔
''وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ '': اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ریا کاری سے ڈرایا ہے۔

(فتح الرحمٰن فی تفسیر القرآن ج ۱ ص ۳۸۰۔ ۳۸۲، دار النوادر، ۱۴۳۲ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے مسلمانو!) کیا تم میں سے کوئی اس کو پسند کرے گا کہ اُس کا کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو جس کے نیچے دریا بہہ رہے ہوں اور اس شخص کے لیے اس باغ میں ہر قسم کے پھل ہوں، اور اس شخص کو بڑھاپا پہنچے اور اُس کے چھوٹے چھوٹے کمزور بچے ہوں، پس اچانک اُس باغ پر گرم ہوا کا ایک بگولا آئے جس میں آگ ہو سو وہ باغ جل جائے، اللہ اسی طرح تمہارے لیے آیات کو وضاحت سے بیان فرماتے ہیں تاکہ تم تدبر اور تفکر کروO'' (البقرہ:۲۶۶)

ریا کار کے عمل کی مثال

امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، البقرہ:۲۶۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اَیَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّ اَعْنَابٍ '': اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے منافق اور ریا کار کی مثال بیان فرمائی ہے، ریا کار کا عمل ایسا خوبصورت ہوتا ہے جیسے کوئی باغ خوبصورت ہو اور باغ والا اس باغ سے فائدہ حاصل کرے، پھر جب باغ والا بوڑھا ہو جائے اور اس کے چھوٹے چھوٹے کمزور بچے ہوں تو اس باغ کے اوپر سخت گرم ہوا کا ایک بگولا آئے جو اس باغ کو جلا

ڈالے، اور جس وقت اس کو اس باغ کے پھلوں کی شدید ضرورت ہو کیونکہ وہ بوڑھا ہو اور اس کے چھوٹے بچے ہوں، اس وقت وہ باغ جل کر راکھ ہو چکا ہو، تو اسی طرح جو لوگ دکھاوے کے لیے نیک عمل کرتے ہیں تو جس وقت ان کو ان نیک اعمال کے اجر وثواب کی ضرورت ہوگی یعنی قیامت کے دن تو اللہ تعالیٰ ان کے دکھاوے سے کیے ہوئے اعمال کو ضائع فرمادے گا۔

عبید بن عمیر بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے پوچھا کہ تمہارے خیال میں البقرہ:۲۶۶ کس شخص کے متعلق نازل ہوئی ہے؟ اُن اصحاب نے کہا: اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جاننے والا ہے، سو حضرت عمر رضی اللہ عنہ غصہ میں آ گئے، پس فرمایا: تم صاف صاف بتاؤ تم جانتے ہو یا نہیں جانتے ہو؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اے امیر المومنین! میرے دل میں اس آیت کے متعلق ایک چیز ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے میرے بھتیجے! بتاؤ اور اپنے آپ کو حقیر نہ سمجھو، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس آیت میں عمل کی مثال بیان کی گئی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کون سے عمل کی؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ایک عمل کی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بتایا: ایک مال دار آدمی اللہ عزوجل کی اطاعت میں عمل کرتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس کے اوپر شیطان بھیج دیتا ہے، پھر شیطان اس سے گناہ کراتا ہے حتیٰ کہ اس کے اعمال برباد کرا دیتا ہے۔

(صحیح البخاری:۴۵۳۸، کتاب الزہد لعبد اللہ بن المبارک:۱۵۶۸، تفسیر ابن جریر:۶۰۹۵)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ ۖ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنفِقُونَ وَلَسْتُم بِآخِذِيهِ إِلَّا أَن تُغْمِضُوا فِيهِ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ﴿٢٦٧﴾

اے ایمان والو! اپنی کمائی ہوئی پاکیزہ چیزوں میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو اور ان چیزوں میں سے (خرچ کرو) جن کو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالا ہے اور ناقص چیزوں کو اللہ کی راہ میں دینے کا ارادہ نہ کرو (ایسی چیزیں) جن سے تم (دوسروں کو تو) دیتے ہو اور تم خود ان چیزوں کو لینے والے نہیں ہو سوا اس کے کہ تم اُن چیزوں میں بے توجہی کرو، اور یاد رکھو! اللہ بہت غنی بے حد حمد کیے ہوئے ہیں O

الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ ۖ وَاللَّهُ يَعِدُكُم مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٦٨﴾

شیطان تم کو تنگدستی سے ڈراتا ہے اور تم کو بے حیائی (یعنی بخل) کا حکم دیتا ہے اور اللہ تم سے اپنی مغفرت اور فضل کا وعدہ فرماتے ہیں اور اللہ بہت وسعت والے سب کچھ جاننے والے ہیں O

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ

وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۶۹﴾

وہ جسے چاہتے ہیں حکمت عطا فرماتے ہیں، اور جس کو حکمت عطا کی گئی تو بے شک اسے بہت زیادہ بھلائی عطا کی گئی، اور صرف عقل والے نصیحت کو قبول کرتے ہیں ○

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾

اور تم اللہ کی راہ میں جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو یا تم اللہ کے لیے جو بھی مَنّت مانتے ہو، سو بے شک اللہ اس مَنّت کو جانتے ہیں اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے ○

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۷۱﴾

اگر تم کھلم کھلا صدقات دو تو کیا ہی اچھا ہے! اور اگر تم صدقات کو چھپاؤ اور تنگدستوں کو دو تو وہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے، اور (ایسا کرنا) تمہارے کچھ گناہوں کو مٹا دے گا، اور اللہ تمہارے تمام کاموں کی خوب خبر رکھنے والے ہیں ○

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾

(اے رسولِ اکرم!) آپ کے ذمہ تمام لوگوں کو راہِ راست پر لانا نہیں ہے، لیکن اللہ جس کو چاہتے ہیں اس کو راہِ راست پر لے آتے ہیں، اور (اے مسلمانو!) تم جو مال بھی خرچ کرتے ہو تو وہ تمہارے ہی نفع کے لیے ہے اور تم صرف اللہ کی رضا جوئی کے لیے خرچ کرتے ہو اور تم اللہ کی راہ میں جتنا مال خرچ کرو گے تمہیں اس کا پورا پورا اجر دیا جائے گا اور تمہارے اجر میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی ○

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ؗ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾ ع

(یہ صدقہ وخیرات) ان تنگدست لوگوں کے لیے ہے جنہوں نے خود کو اللہ کی راہ میں وقف کیا ہوا ہے، وہ زمین میں سفر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، جو ان کے حال سے ناواقف ہو وہ ان کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے ان کو مالدار گمان کرتا ہے،، (اے مخاطب!) تم ان تنگدستوں کو ان کی صورتوں سے پہچانو گے، وہ لوگوں سے گڑگڑا کر سوال نہیں کرتے، اور تم (اللہ کی راہ میں) جو

مال بھی خرچ کرتے ہو تو بے شک اس کو اللہ خوب جاننے والے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! اپنی کمائی ہوئی پاکیزہ چیزوں میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو اور ان چیزوں میں سے (خرچ کرو) جن کو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالا ہے اور ناقص چیزوں کو اللہ کی راہ میں دینے کا ارادہ نہ کرو (ایسی چیزیں) جن سے تم (دوسروں کو تو) دیتے ہو اور تم خود ان چیزوں کو لینے والے نہیں ہو سوا اس کے کہ تم اُن چیزوں میں بے توجہی کرو، اور یاد رکھو! اللہ بہت غنی بے حد حمد کیے ہوئے ہیں O'' (البقرہ:۲۶۷)

البقرہ:۲۶۷ کے دو شانِ نزول

امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ البقرہ:۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

البقرہ:۲۶۷ کے دو شانِ نزول ہیں:

(۱) حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انصار جب کھجور کے درخت سے کھجوریں اتارتے تو ہر مرد چند کھجوروں کا ''گچھا'' لا کر مسجد میں لٹکا دیتا جس سے فقراء مہاجرین کھاتے تھے، اور ان میں سے بعض لوگ نیکی میں رغبت نہیں رکھتے تھے، پس وہ خراب کھجوروں کا ''گچھا'' لا کر مسجد کی دیوار پر لٹکا دیتے، تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (سنن ابن ماجہ:۱۸۲۲، المستدرک ج ۲ ص ۲۸۵)

(۲) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم دیا تو ایک مرد ردّی کھجوریں لے کر آ گیا، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ (المستدرک ج ۲ ص ۲۸۳، اسباب النزول للواحدی:۱۷۲)

''یَآیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ'': عبیدہ السلمانی نے کہا: اس خرچ سے مراد صدقۂ فرض ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد صدقۂ نفل ہے۔

''وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْہُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِیْہِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْہِ'': اکثر مفسرین کے نزدیک اس آیت میں ''الْخَبِیْثَ'' سے مراد ردّی مال ہے اور آیت کا سیاق اس پر دلیل ہے، اور ابن زید نے کہا: اس سے مراد مالِ حرام ہے یعنی حرام مال کو صدقہ میں نہ دو۔

حرام مال (مثلاً سود کی آمدنی یا چوری کے مال) سے صدقہ دینے کا کفر ہونا

میں کہتا ہوں: فتاویٰ ظہیریہ میں لکھا ہوا ہے کہ جس مرد نے فقیر کو حرام قطعی مال سے (مثلاً سود کی آمدنی سے یا چوری کے مال سے یا مالِ مغصوب سے) صدقہ دیا اور اس نے ثواب کی امید رکھی تو اس کو کافر قرار دیا جائے گا اور اگر فقیر کو علم ہو کہ جس مال سے اس کو صدقہ دیا ہے وہ حرامِ قطعی ہے، پھر اس نے دینے والے کو دعا دی اور دینے والے نے آمین کہی تو دونوں کافر قرار دیے جائیں گے۔

(ردالمحتار ج ۳ ص ۲۰۲، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''شیطان تم کو تنگدستی سے ڈراتا ہے اور تم کو بے حیائی (یعنی بخل) کا حکم دیتا ہے اور

اللہ تم سے اپنی مغفرت اور فضل کا وعدہ فرماتا ہے اور اللہ بہت وسعت والا سب کچھ جاننے والے ہیں O''
(البقرہ: ۲۶۸)

''اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ'': اس آیت میں الفحشاء کی تفسیر میں دو قول ہیں (۱) بُخل (۲) اللہ کی نافرمانی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وہ جسے چاہتے ہیں حکمت عطا فرماتے ہیں، اور جس کو حکمت عطا کی گئی تو بے شک اسے بہت زیادہ بھلائی عطا کی گئی، اور صرف عقل والے نصیحت کو قبول کرتے ہیں O'' (البقرہ: ۲۶۹)

حکمت کی تعریف میں متعدد اقوال

''یُؤْتِی الْحِکْمَۃَ مَنْ یَّشَآءُ'': حکمت کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور مجاہد اور الضحاک نے کہا: اس سے مراد قرآنِ مجید کا علم ہے۔ (۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد قرآنِ مجید کے ناسخ اور منسوخ اور محکم اور متشابہ اور مقدم اور مؤخر کا علم ہے۔ (۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا دوسرا قول ہے کہ اس سے مراد نبوت ہے۔ (۴) ابوالعالیہ اور قتادہ نے کہا: اس سے مراد قرآنِ مجید کی فہم ہے۔ (۵) مجاہد نے کہا: اس سے مراد علمِ فقہ ہے۔ (۶) حسن بصری نے کہا: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے دین میں تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔ (۷) الربیع بن انس نے کہا: اس سے مراد خوفِ خدا ہے۔ (۸) ابن زید نے کہا: اس سے مراد دین کی فہم ہے۔

''وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ'': یعنی جو قرآن مجید کی آیات میں غور و فکر کرتا ہے، اس کو حکمت عطا کی جاتی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور تم اللہ کی راہ میں جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو یا تم اللہ کے لیے جو بھی مَنّت مانتے ہو، سو بے شک اللہ اس مَنّت کو جانتے ہیں اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے O'' (البقرہ: ۲۷۰)

''وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَۃٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ'': انسان اپنے اوپر جس عبادت کو لازم کر لے اس کو نذر کہتے ہیں۔

(زاد المسیر ج ۱ ص ۲۴۱۔۲۴۳، ملخصاً وملتقطاً ومخرجاً، ادار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

جہلاء اور ان پڑھ عوام کی نذر کا شرعی حکم اور عوام کی نذر کا صحیح محمل

علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد الحصکفی الحنفی التوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

یاد رکھو! اکثر عوام فوت شدہ بزرگوں کی نذر مانتے ہیں اور دراہم اور موم بتی اور زیتون کا تیل جو اولیائے کرام کے مزارات پر ان کے تقرب کے حصول کے لیے پیش کیا جاتا ہے وہ بالا جماع باطل اور حرام ہے جب تک کہ وہ یہ قصد نہ کریں کہ ان چیزوں کو فقراء پر خرچ کیا جائے گا اور لوگ اس برائی میں مبتلاء ہو چکے ہیں خاص طور پر اس زمانہ میں۔

(الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۳ ص ۳۷۹۔۳۸۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ سید ابن عابدین الشامی الحنفی التوفی ۱۲۵۲ھ اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس نذر کے حرام ہونے کی حسبِ ذیل وجوہ ہیں:

(۱) یہ مخلوق کی نذر ہے اور مخلوق کی نذر جائز نہیں ہے کیونکہ نذر عبادت ہے اور مخلوق عبادت کی مستحق نہیں ہوتی۔

(۲) جس کے لیے نذر مانی جاتی ہے وہ مردہ ہے اور مُردہ کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا۔

(۳) نذر ماننے والے کا یہ گمان ہوتا ہے کہ مُردہ اللہ کے بغیر کائنات میں تصرف کرتا ہے اور یہ اعتقاد کفر ہے۔

اگر اس کی یہ توجیہ کی جائے کہ نذر ماننے والے کی مراد یہ ہے کہ اے اللہ! میں تیری نذر مانتا ہوں اگر تو نے میرے بیمار کو شفا عطاء فرمادی یا میرے غائب کو لوٹا دیا یا میری حاجت پوری فرمادی تو میں ان فقراء کو کھانا کھلاؤں گا جو سیدہ نفیسہ کی درگاہ پر بیٹھے ہوئے ہیں یا امام شافعی یا امام مالک کی درگاہ پر بیٹھے ہوئے ہیں یا میں اس رقم سے ان کی مساجد کے لیے چٹائی خریدوں گا یا زیتون کا تیل روشنی کے لیے خریدوں گا، یا جوان ضروریات میں اس رقم کو خرچ کرے اس کو دوں گا وغیرہ، یہ ایسی چیزیں ہیں جن میں فقراء کی منفعت ہے اور نذر اللہ عزوجل کے لیے ہے، اور شیخ نے ذکر کیا ہے کہ معروف نذر کے جواز کا یہی محمل ہے، سو اس اعتبار سے یہ نذر ماننا جائز ہے اور اس نذر کی رقم کو نہ مال دار لوگوں پر خرچ کرنا جائز ہے نہ معزز لوگوں پر یا نیک خاندان کے لوگوں پر یا علماء پر، جب تک کہ وہ تنگدست اور فقیر نہ ہوں۔ اور شریعت میں مال دار لوگوں کے لیے نذر کو خرچ کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ مخلوق کی نذر ماننا حرام ہے اور وہ نذر منعقد نہیں ہوتی اور یہ نذر حرام ہے۔

(ردالمحتار ج ۳ ص ۳۷۹۔ ۳۸۰، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اگر تم کھلم کھلا صدقات دو تو کیا ہی اچھا ہے! اور اگر تم صدقات کو چھپاؤ اور تنگدستوں کو دو تو وہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے، اور (ایسا کرنا) تمہارے کچھ گناہوں کو مٹادے گا، اور اللہ تمہارے تمام کاموں کی خوب خبر رکھنے والے ہیں O'' (البقرہ: ۲۷۱)

علانیہ صدقہ دینے کا محمل

''اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ'': فرض صدقہ (مثلاً زکوٰۃ، صدقۂ فطر اور قربانی کے گوشت) میں افضل یہ ہے کہ وہ سب کے سامنے ظاہر کر کے دیے جائیں تا کہ مسلمان پر یہ تہمت نہ لگے کہ وہ فرض کی ادائیگی کا تارک ہے اور کوئی شخص اس کے متعلق بدگمانی نہ کرے اور کوئی شخص اس کی وجہ سے غیبت کے گناہ میں مبتلاء نہ ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نفلی صدقہ چھپا کر دینا ظاہر کر کے دینے سے ستر درجہ افضل ہے، اور صدقۂ فرض ظاہر کر کے دینا چھپا کر دینے سے پچیس درجہ افضل ہے۔ (تفسیر ابن جریر: ۶۱۹۵)

اور اگر نفلی صدقہ بھی اس نیت سے ظاہر کر کے دیا جائے کہ دوسرے لوگ اس کی اقتداء اور اتباع کریں تو یہ بھی افضل ہے۔

چھپا کر صدقہ دینے کا محمل

''وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ'': چھپا کر صدقہ دینے کی فضیلت میں حسبِ ذیل احادیث ہیں:

(۱) بہز بن حکیم از والد خود از جد خود روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھپا کر صدقہ دینا رب کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے۔

(المعجم الکبیر: ۱۰۱۸، المعجم الاوسط: ۲۵۹۔ ۲۶۰، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۱۵، مسند الشہاب: ۱۰۱، الترغیب والترہیب للمنذری ج ۲ ص ۱۶۹، المعجم الصغیر

للطبرانی: ۱۰۳۴۴، شعب الایمان للبیہقی: ۳۴۴۲، تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر المتوفی ۵۷۱ھ: ج ۱۹ ص ۱۲۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس دن کسی کا سایا نہیں ہوگا اس دن سات (۷) مردوں کو اللہ تعالیٰ اپنے سایا میں رکھے گا: (۱) امام عادل (۲) وہ مرد جو اپنے رب کی عبادت کرتے ہوئے جوان ہوا (۳) وہ مرد جس کا دل مساجد میں معلق رہتا ہے (۴) وہ دو مرد جو اللہ کی محبت کے سبب سے ایک دوسرے سے ملیں اور اللہ کی محبت کی وجہ سے ایک دوسرے سے الگ ہوں (۵) وہ مرد جس کو کوئی خوبصورت اور صاحبِ اقتدار عورت گناہ کی دعوت دے تو وہ کہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں (۶) وہ مرد جو چھپا کر صدقہ دے حتیٰ کہ اس کے بائیں ہاتھ کو پتا نہ چلے کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے (۷) وہ مرد جو تنہائی میں بیٹھ کر اللہ کو یاد کرے اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہوں۔

(صحیح البخاری: ۶۶۰، صحیح مسلم: ۱۰۳۱، سنن ترمذی: ۲۳۹۱، سنن نسائی: ۵۳۸۰، مسند احمد: ۹۳۷۳، موطا امام مالک: ۱۷۷۷، صحیح ابن حبان: ۴۴۸۶، صحیح ابن خزیمہ: ۳۵۸، سنن بیہقی ج ۳ ص ۶۶۵، ج ۴ ص ۱۹۰، کتاب الزہد لابن المبارک: ۱۳۴۲)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”(اے رسولِ اکرم!) آپ کے ذمہ تمام لوگوں کو راہِ راست پر لانا نہیں ہے، لیکن اللہ جس کو چاہتے ہیں اس کو راہِ راست پر لے آتے ہیں، اور (اے مسلمانو!) تم جو مال بھی خرچ کرتے ہو تو وہ تمہارے ہی نفع کے لیے ہے اور تم صرف اللہ کی رضاجوئی کے لیے خرچ کرتے ہو اور تم اللہ کی راہ میں جتنا مال خرچ کرو گے تمہیں اس کا پورا پورا اجر دیا جائے گا اور تمہارے اجر میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی ○“ (البقرہ: ۲۷۲)

اہلِ ذمہ کو نفلی صدقات دینے کا جواز

امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، البقرہ: ۲۷۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”لَیْسَ عَلَیْکَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ“: سعید بن جبیر نے بیان کیا کہ مسلمان، ذمی فقراء کو بھی صدقہ دیتے تھے، پس جب فقراءِ مسلمین زیادہ ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین کو صدقہ دینے سے منع فرمایا تا کہ مشرکین کی حاجات اُن کو اسلام قبول کرنے پر برانگیختہ کریں، تب یہ آیت نازل ہوئی: ”لَیْسَ عَلَیْکَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ...“ یعنی مشرکین کو مسلمان بنانا آپ کی ذمہ داری نہیں ہے، لیکن اُن کا اسلام لانا اللہ تعالیٰ کی مشیّت پر موقوف ہے۔ رہا تبلیغ کے ذریعہ ہدایت دینا تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منصب ہے، پھر اس آیت کے نازل ہونے کے بعد مسلمانوں نے فقراءِ اہل الذمہ کو صدقات دیے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ نفلی صدقات اہلِ ذمہ کو دینا جائز ہے لیکن فرض صدقہ مسلمانوں کے سوا کسی کو دینا جائز نہیں ہے۔ (معالم التنزیل ج ۱ ص ۳۷۶، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

پاکستان کے عیسائی باشندوں کو نفلی صدقات دینے کا جواز

میں کہتا ہوں: پاکستان میں رہنے والے عیسائی اہلِ ذمہ کے حکم میں ہیں کیونکہ حکومتِ پاکستان نے ان کی جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہوئی ہے، جس طرح عیسائی حکومت مثلاً امریکہ اور برطانیہ وغیرہ نے وہاں کے مسلمان باشندوں کے جان

ومال کی حفاظت لی ہوئی ہے، اس لیے پاکستان میں رہنے والے عیسائیوں کو قربانی کا گوشت دینا جائز ہے، اسی طرح دیگر نفلی صدقات بھی ان کو دینا جائز ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(یہ صدقہ وخیرات) ان تنگدست لوگوں کے لیے ہے جنہوں نے خود کو اللہ کی راہ میں وقف کیا ہوا ہے، وہ زمین میں سفر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، جو ان کے حال سے ناواقف ہو وہ ان کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے ان کو مال دار گمان کرتا ہے، (اے مخاطب!) تم ان تنگدستوں کو ان کی صورتوں سے پہچانو گے، وہ لوگوں سے گڑ گڑا کر سوال نہیں کرتے، اور تم (اللہ کی راہ میں) جو مال بھی خرچ کرتے ہو تو بے شک اس کو اللہ خوب جاننے والے ہیں O'' (البقرہ: ۲۷۳)

امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ البقرہ: ۲۷۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ'':

جن لوگوں نے خود کو اللہ کی راہ میں وقف کیا ہوا ہے ان کے متعلق متعدد اقوال

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ یہ لوگ اہل الصفہ ہیں جنہوں نے خود کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت میں محصور کیا ہوا تھا۔ (۲) مجاہد نے کہا: یہ لوگ فقراء مہاجرین ہیں۔ (۳) قتادہ نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو جہاد کے لیے وقف کیا ہوا تھا اور وہ کسبِ معاش پر قادر نہیں تھے۔

''یَحْسَبُہُمُ الْجَاہِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ'': ابن قتیبہ نے کہا: اس آیت میں جاہل سے مراد وہ شخص نہیں ہے جس کے پاس علم نہ ہو، بلکہ اس آیت میں جاہل سے مراد وہ شخص ہے جو اُن فقراء کے فقر سے ناواقف ہو۔ اور ''التَّعَفُّفِ'' کا معنی ہے: سوال نہ کرنا، یعنی چونکہ وہ فقراءِ مسلمین خوددار تھے اور ضرورت کے باوجود لوگوں سے سوال نہیں کرتے تھے اس لیے انہیں ناواقف لوگ مال دار سمجھتے تھے۔

''تَعْرِفُہُمْ بِسِیْمٰہُمْ'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اُن کے چہروں پر جو خدا خوفی اور عبادت کے آثار ہیں اُن سے تم ان کو پہچان لو گے۔ الربیع بن انس نے کہا: اُن پر جو فقر وفاقہ کے آثار ہیں ان سے تم اُن کو پہچان لو گے۔

''لَا یَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا'': وہ لوگوں سے گڑ گڑا کر سوال نہیں کرتے صرف اللہ تعالیٰ سے گڑ گڑا کر سوال کرتے ہیں۔

(زاد المسیر ج۱ ص ۲۴۴۔ ۲۴۵، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

میں کہتا ہوں: ہمارے زمانہ میں لوگ اللہ تعالیٰ سے تو گڑ گڑا کر سوال نہیں کرتے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ رمضان کے مہینہ میں لوگ مسجدوں میں آ کر رو رو کر اور گڑ گڑا، گڑ گڑا کر لوگوں سے اپنی ضروریات کا سوال کرتے ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَہُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّہَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً فَلَہُمْ اَجْرُہُمْ عِنْدَ رَبِّہِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾

وقف منزل

جو لوگ اپنے مال رات اور دن، پوشیدہ اور ظاہر (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں تو ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے نہ اُن پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○

اَلَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوۡمُوۡنَ اِلَّا کَمَا یَقُوۡمُ الَّذِیۡ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیۡطٰنُ مِنَ الۡمَسِّ ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ قَالُوۡۤا اِنَّمَا الۡبَیۡعُ مِثۡلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰہُ الۡبَیۡعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنۡ جَآءَہٗ مَوۡعِظَۃٌ مِّنۡ رَّبِّہٖ فَانۡتَہٰی فَلَہٗ مَا سَلَفَ ؕ وَ اَمۡرُہٗۤ اِلَی اللّٰہِ ؕ وَ مَنۡ عَادَ فَاُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۷۵﴾

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن اس طرح کھڑے ہوں گے جس طرح ایسا شخص کھڑا ہوتا ہے جس کو جن نے چھو کر بدحواس کر دیا ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ اِن سود خوروں نے کہا: بیع تو سود ہی کی مثل ہے، اور اللہ نے بیع کو حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام فرما دیا ہے، سو جس شخص کے پاس اس کے رب کی طرف سے نصیحت پہنچ گئی، پس وہ (سود کھانے سے) باز آ گیا تو جو (سود) وہ پہلے لے چکا ہے وہ اُس کا (مال) ہوگا، اور اُس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، اور جنہوں نے دوبارہ سود لیا تو وہی لوگ دوزخ والے ہیں اور وہ دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ○

یَمۡحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَ یُرۡبِی الصَّدَقٰتِ ؕ وَ اللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ کَفَّارٍ اَثِیۡمٍ ﴿۲۷۶﴾

اللہ سود کو مٹاتے ہیں اور صدقات کو بڑھاتے ہیں، اور اللہ کسی ناشکرے نافرمان کو پسند نہیں فرماتے ○

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ لَہُمۡ اَجۡرُہُمۡ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ ۚ وَ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۲۷۷﴾

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے اور نماز قائم کرتے رہے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہے، ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے، نہ اُن پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ ذَرُوۡا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۲۷۸﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور باقی ماندہ سود کو چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو ○

فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا فَاۡذَنُوۡا بِحَرۡبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ ۚ وَ اِنۡ تُبۡتُمۡ فَلَکُمۡ رُءُوۡسُ اَمۡوَالِکُمۡ ۚ لَا تَظۡلِمُوۡنَ وَ لَا تُظۡلَمُوۡنَ ﴿۲۷۹﴾

پھر اگر تم ایسا نہ کرو (یعنی سود کھانے سے باز نہ آؤ) تو اللہ اور اُس کے رسول سے اعلانِ جنگ قبول کر لو، اور اگر تم نے توبہ کر لی تو

تمہارے اصل مال تمہارے لیے جائز ہوں گے، نہ تم (کسی پر) ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا O

وَاِنۡ كَانَ ذُوۡ عُسۡرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيۡسَرَةٍ ؕ وَاَنۡ تَصَدَّقُوۡا خَيۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۸۰﴾

اور اگر وہ مقروض تنگدست ہو تو اس کو خوشحالی تک مہلت دینا لازم ہے، اور اگر تم اُس پر قرض کی رقم کو صدقہ کر دو تو تمہارا صدقہ کرنا تمہارے لیے بہتر ہے اگر تمہیں علم ہو O

وَاتَّقُوۡا يَوۡمًا تُرۡجَعُوۡنَ فِيۡهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفۡسٍ مَّا كَسَبَتۡ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ ﴿۲۸۱﴾ ع

اور (اے مسلمانو!) تم اُس دن سے ڈرو جس دن تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پھر ہر شخص کو اس کی کمائی کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور اُن پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جو لوگ اپنے مال رات اور دن، پوشیدہ اور ظاہر (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں تو ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے نہ اُن پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے O'' (البقرہ: ۲۷۴)

علامہ ابوحفص عمر بن علی الدمشقی الحنبلی التوفی ۸۸۰ھ البقرہ: ۲۷۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اَلَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ بِالَّیۡلِ وَالنَّهَارِ'':

البقرہ: ۲۷۴ کے متعدد شانِ نزول

(۱) جب ''لِلۡفُقَرَآءِ الَّذِیۡنَ اُحۡصِرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ'' نازل ہوئی تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اصحابِ صُفہ کی طرف بہت زیادہ دینار بھیجے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے رات کے وقت اُن کی طرف چار کلو کھجوریں بھیجیں۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی، ان کے پاس صرف چار دراہم تھے، انہوں نے ایک درہم رات کے وقت اللہ کی راہ میں دیا اور ایک درہم دن کے وقت اللہ کی راہ میں دیا اور ایک درہم چھپا کر اللہ کی راہ میں دیا اور ایک درہم ظاہر کر کے اللہ کی راہ میں دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے پوچھا: آپ کو اس طرح صدقہ کرنے پر کس نے برانگیختہ کیا؟ تو انہوں نے کہا کہ میں یہ چاہتا تھا کہ اللہ نے جو مجھ سے وعدہ فرمایا ہے وہ پورا فرمادے۔

(۳) جار اللہ زمخشری متوفی ۵۳۸ھ نے کہا: یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے چالیس درہم صدقہ کیے، دس درہم رات کے وقت صدقہ کیے اور دس درہم دن کے وقت اور دس درہم چھپا کر اور دس درہم ظاہر کر کے صدقہ کیے۔

(۴) یہ آیتِ کریمہ اُن تمام مسلمین کے حق میں عام ہے جو تمام اوقات میں چھپا کر اور ظاہر کر کے صدقہ دیتے ہیں۔

اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ چھپا کر صدقہ دینا افضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رات کے صدقہ کو دن کے صدقہ پر مقدم فرمایا ہے

اور چھپا کر صدقہ دینے کے ذکر کو ظاہر کر کے صدقہ دینے پر مقدم فرمایا۔

(اللباب فی علوم الکتاب ج ۴ ص ۴۴۵۔۵۵۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۱ء)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن اس طرح کھڑے ہوں گے جس طرح ایسا شخص کھڑا ہوتا ہے جس کو جن نے چھو کر بدحواس کر دیا ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ اِن سود خوروں نے کہا: بیع تو سود ہی کی مثل ہے، اور اللہ نے بیع کو حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام فرما دیا ہے، سو جس شخص کے پاس اس کے رب کی طرف سے نصیحت پہنچ گئی پس وہ (سود کھانے سے) باز آ گیا تو جو (سود) وہ پہلے لے چکا ہے وہ اُس کا (مال) ہوگا، اور اُس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، اور جنہوں نے دوبارہ سود لیا تو وہی لوگ دوزخ والے ہیں اور وہ دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں O'' (البقرہ: ۲۷۵)

سود کی تحریم پر دلائل

امام ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ البقرہ: ۲۷۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا'': لغت میں ربا کا معنی ہے زیادتی، اور عُرفِ شرع میں ربا کا معنی ہے: مال کا بلا عوض اور بلا مشقت حصول۔ سود کھانے کی مذمت میں حسبِ ذیل احادیث ہیں:

(۱) حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سود کھانے والے پر، سود کھلانے والے پر، سودی معاملہ کو لکھنے والے پر اور سودی معاملہ کے گواہ پر لعنت فرمائی۔ (صحیح مسلم: ۱۵۹۸، مسند احمد: ۱۳۸۵۱، ج ۳ ص ۳۰۴، سنن بیہقی ج ۵ ص ۲۷۵، مسند ابو یعلیٰ: ۱۸۴۹)

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: سود کے ستّر باب ہیں اور اللہ کے نزدیک سب سے ہلکا باب یہ ہے جیسے کوئی شخص اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کرے۔

(المعجم الاوسط للطبرانی: ۷۱۴۷، المعجم الصغیر ج ۱ ص ۸۲، شعب الایمان: ۵۵۱۸، حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۴۷)۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۲۴۷، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

سود کی اقسام

سود کی دو قسمیں ہیں: (۱) سونا کے عوض سونے کی بیع کی جائے یا چاندی کے عوض چاندی کی یا گندم کے عوض گندم کی یا جَو کے عوض جَو کی یا کھجور کے عوض کھجور کی یا نمک کے عوض نمک کی، سو یہ بیع نقد اور برابر برابر ہو تو جائز ہے اور اگر یہ بیع نقد نہ ہو یا برابر برابر نہ ہو تو پھر یہ سود ہے، اور اگر جنس بدل جائے مثلاً سونے کے عوض چاندی کی بیع ہو یا گندم کے عوض جَو کی بیع ہو تو یہ بیع اضافہ کے ساتھ جائز ہے اور ادھار جائز نہیں ہے۔ (۲) کسی مقروض کو معیّن رقم معیّن مدت کے لیے ادھار دی جائے اور مدت گزرنے کے بعد اُس مقروض سے اصل رقم سے زائد وصول کی جائے، سود کی پہلی قسم کو ربا الحدیث کہا جاتا ہے اور دوسری قسم کو ربا القرآن کہا جاتا ہے، کیونکہ قرآن مجید کی آیتِ مذکورہ میں سود کی اسی قسم کو حرام فرمایا ہے۔

سود کی خرابیاں

(۱) سود میں اصل رقم پر جو اضافہ لیا جاتا ہے وہ اضافہ بِلا عوض لیا جاتا ہے اور مدتِ معیّنہ کے مقابلہ میں لیا جاتا ہے اور یہ سراسر ناانصافی اور ظلم ہے۔ (۲) سود خور کو بغیر محنت اور مشقت کے مال حاصل ہوتا ہے، اس لیے اس کو تجارت کی مشقت اور نقصان کے خطرہ سے محفوظ ہونا آسان معلوم ہوتا ہے، اس لیے سود خود تجارت کی مشقت اٹھانے کی بجائے بغیر محنت کے سود لینے کو ترجیح دیتے ہیں اور اس سے تجارت میں کمی ہوتی ہے۔ (۳) سود کی وجہ سے بلا سود قرض دینے کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور مسلمان حسنِ عمل سے محروم ہو جاتے ہیں۔

''لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ'':

''یَتَخَبَّطُهٗ'' کا لفظ ''تخبُّط'' سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: کسی کام کا غیر مستقیم ہونا، جو شخص سیدھا کھڑا ہوا نہ ہو، لڑکھڑا رہا ہو اس کے متعلق کہا جاتا ہے ''تَخَبَّطَ''، اس کے بعد فرمایا ہے: ''مِنَ الْمَسِّ'' اس کے دو محامل ہیں: (۱) ابوالبقاء نے کہا: جو شخص دیوانگی کی حالت میں سیدھا کھڑا ہوا نہ ہو، لڑکھڑا رہا ہو۔ (۲) زمخشری نے کہا ہے: وہ شخص اس طرح کھڑا ہو جس طرح مرگی زدہ کھڑا ہوتا ہے۔ وہ کبھی کھڑا ہوتا ہے اور کبھی گر جاتا ہے اور قیامت کے دن سود خور کا یہی حال ہوگا، وہ اسی کیفیت سے کھڑا ہوگا۔

(اللباب فی علوم الکتاب ج ۴ ص ۴۵۰-۴۵۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۱ء)

انسانوں پر ''جن'' چڑھنے کی تحقیق

میں کہتا ہوں: بعض لوگوں میں مشہور ہے کہ کسی انسان کے اعضاء پر ''جن'' مسلط ہو جاتا ہے بہ ظاہر وہ انسان تصرف کرتا ہے لیکن حقیقت میں اس کے اعضاء پر ''جن'' تصرف کر رہا ہوتا ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی البغدادی الحنفی المتوفی ۱۲۷۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

بعض اوقات بعض اجسام کی بعض کیفیات میں بدبودار روح داخل ہوتی ہے جس کے ساتھ اس کے مناسب روحِ خبیثہ متعلق ہو جاتی ہے، پس وہ اس جسم میں مکمل طور پر جنون پیدا کر دیتی ہے اور بسا اوقات یہ بخارات اس آدمی کے حواس پر غالب ہو جاتے ہیں اور اس آدمی کے حواس کو معطل کر دیتے ہیں اور وہ روحِ خبیثہ اُس جسم پر مستقل تصرف کرتی ہے، پس وہ روحِ خبیثہ اُس شخص کے اعضاء سے کلام کرتی ہے اور چیزوں کو پکڑتی ہے اور دوڑتی ہے اور اس شخص کو اُس کا بالکل شعور نہیں ہوتا اور اس چیز کا مشاہدہ کیا جاتا ہے، اس کا وہی انکار کرے گا جو مشاہدات کا انکار کرتا ہے۔ (روح المعانی ج ۳ ص ۸۰، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

بنو آدم کو جنات کے ضرر پہنچانے کے متعلق احادیث

(۱) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب رات کا اندھیرا پھیلے یا رات پر پھیلائے تو اپنے بچوں کو گھروں میں روک لو، کیونکہ اس وقت شیطان منتشر ہوتے ہیں، پھر جب عشا کی ایک ساعت گزر جائے تو بچوں کو چھوڑ دو اور اپنا دروازہ بند کر دو اور اللہ کے نام کا ذکر کرو اور اپنا چراغ بجھا دو۔

(صحیح البخاری: ۳۲۸۰، صحیح مسلم: ۲۰۱۲، سنن ترمذی: ۱۸۱۲، سنن ابوداؤد: ۳۵۳۱، مسند احمد: ۱۴۰۲۵)

میں کہتا ہوں: اسی حدیث سے علامہ آلوسی نے جنات کے انسانوں کے اعضاء پر تصرف کرنے پر استدلال کیا ہے لیکن اس حدیث سے جنات کا بنو آدم کے بچوں کو ضرر پہنچانا تو ثابت ہوتا ہے لیکن بنو آدم کے اعضاء پر جنات کا تصرف ثابت نہیں ہوتا۔

امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں رات کے وقت بچوں کو گھروں میں لازم رکھنے کا حکم فرمایا گیا ہے، اس کی دو وجہیں ہیں: (۱) شیاطین (جنات) نجاست کے پاس جاتے ہیں اور چونکہ عام طور پر بچے طہارت کا اہتمام نہیں کرتے اس لیے ان پر نجاست لگی ہوتی ہے، اس لیے وہ شیاطین کی آماجگاہ بن جاتے ہیں۔ (۲) شیاطین اللہ تعالیٰ کے ذکر سے بھاگ جاتے ہیں اور چھوٹے بچوں سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا متصور نہیں ہے، اس لیے شیاطین الجن کو ان سے خطرہ نہیں ہوتا۔ (کشف المشکل ج ۴ ص ۲۷۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت اپنے بیٹے کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے کر آئی، پس اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس بیٹے کو جنون ہے (دیوانگی ہے) اور ہمارے کھانے کے وقت اس پر جنون طاری ہوتا ہے تو یہ ہمارے کھانے کو خراب کر دیتا ہے (یعنی کھانے کے برتن اٹھا اٹھا کر پھینک دیتا ہے)، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بچہ کے سینہ پر ہاتھ پھیرا اور اس کے حق میں دعا فرمائی، پس اس بچے نے قے کی تو اس کے منہ سے کالے کتے کے پلّے کی مثل کوئی جانور نکل کر بھاگ گیا اور وہ بچہ تندرست ہو گیا۔

(مسند احمد: ج ۱ ص ۲۳۸، رقم الحدیث: ۲۱۳۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۵۰، سنن دارمی: ۱۹، الطبرانی: ۱۲۴۶۰، دلائل النبوۃ لابی نعیم: ۳۹۵، اس حدیث کی سند میں ایک راوی فرقد بن یعقوب السنجی ہے، اس کی احادیث مُنکر ہیں، امام احمد اور امام ابوحاتم نے کہا: یہ شخص قوی نہیں ہے، امام ابن سعد اور امام ابن المدینی اور امام نسائی اور یعقوب بن شیبہ وغیرہما نے اس کی روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ حاشیہ مسند احمد ج ۴ ص ۳۰۷۔۳۰۸، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

(۳) حضرت یعلیٰ بن مُرّہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تین ایسے کام صادر ہوتے ہوئے دیکھے جن کو نہ مجھ سے پہلے کسی نے دیکھا اور نہ میرے بعد کوئی دیکھے گا، میں ایک مرتبہ آپ کے ساتھ سفر میں گیا حتیٰ کہ ہم ایک عورت کے پاس سے گزرے جو بیٹھی ہوئی تھی اور اس کے ساتھ اس کا بچہ تھا، اس عورت نے کہا: یا رسول اللہ! اس بچے پر آفت آئی ہوئی ہے اور اس کی وجہ سے ہم پریشانی میں ہیں، میں نہیں جانتی کہ ایک دن میں کتنی مرتبہ اس پر وہ آفت آتی ہے، آپ نے فرمایا: اس بچے کو میرے پاس لاؤ، وہ عورت اس بچہ کو اٹھا کر آپ کے پاس لائی اور اس بچہ کو آپ کے اور آپ کی سواری کے پالان کے درمیان بٹھا دیا، پھر آپ نے تین مرتبہ اُس پر دم کیا اور پڑھا: ''بسم اللہ انا عبد اللہ اخسأ عدو اللہ'' (اللہ کے نام سے، میں اللہ کا بندہ ہوں، اے اللہ کے دشمن! دفع ہو جا)، پھر آپ نے اس عورت کو وہ بچہ دے دیا، پس فرمایا: جب ہم واپسی میں اس جگہ سے گزریں تو پھر تم ہم سے ملاقات کرنا اور ہمیں بتانا کہ اس بچہ کے ساتھ کیا ہوا؟ حضرت یعلیٰ بن مرہ نے کہا: پس ہم چلے گئے اور واپس آئے، پھر وہ عورت ہم کو اُس جگہ تین بکریوں کے ساتھ ملی، آپ نے پوچھا: تمہارا بچہ کیسا ہے؟ اس عورت نے عرض کیا: اُس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے! ہم نے اب تک اس بچہ میں کوئی تکلیف محسوس نہیں کی، سو آپ یہ بکریاں لے جائیے! حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ آپ نے مجھ سے فرمایا: تم سواری سے اُترو اور ان بکریوں میں سے ایک بکری لے لو اور بقیہ بکریاں واپس کر دو۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۱۷۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۸۸ ۴۔ ۴۹۰، سنن دارمی: ۱۷، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۱۸۔ ۱۹، سنن ابن ماجہ: ۳۵۴۸، المعجم الکبیر للطبرانی: ۸۳۴۷، دلائل النبوۃ لابی نعیم: ۳۹۶، اس حدیث کا راوی عبد الرحمٰن بن عبد العزیز ہے اور وہ ضعیف ہے۔ حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۱۷۵۴۸، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

انسان کے اعضاء پر جنات کے تصرّف کے متعلق مصنف کی تحقیق

میں کہتا ہوں: مذکور الصدر احادیث سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ جنات انسانوں کے بچوں کو ضرر پہنچاتے ہیں اور اُن پر جنون اور دیوانگی طاری کر دیتے ہیں لیکن کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جنات انسان کے اعضاء پر تصرف کرتے ہیں بایں طور بولتا انسان ہے اور کلام جن کرتا ہے، یا بھاگتا دوڑتا انسان ہے اور درحقیقت اُس کے پیروں سے جِن بھاگ رہا ہوتا ہے یا مارتا پیٹتا انسان ہے لیکن درحقیقت جِن مار پیٹ رہا ہوتا ہے، اور جنات کا ایسا تصرف از روئے قرآن باطل ہے، ارشادِ باری ہے:

وَقَالَ الشَّیْطٰنُ لَمَّا قُضِیَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِیَ عَلَیْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِیْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ وَلُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ (ابراہیم:۲۲)

اور (حشر کے دن) جب فیصلہ ہو چکنے کے بعد شیطان کہے گا: بے شک اللہ نے تم سے سچا وعدہ فرمایا تھا اور میں نے تم سے جو وعدہ کیا سو میں نے اس کے خلاف کیا، اور میرا تم پر کوئی غلبہ نہیں تھا مگر یہ کہ میں نے تمہیں (گناہ کی) دعوت دی سو تم نے میری بات مان لی، پس اب تم مجھ کو ملامت نہ کرو اور اپنے آپ کو ملامت کرو۔

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ شیطان کا انسانوں پر کوئی غلبہ نہیں ہے، وہ صرف ان کے دلوں میں گناہوں کا وسوسہ ڈالتا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ شیطان یا جِن انسان کے اعضاء سے تصرف کراتا ہے تو یہ اس آیت کی صریح مخالفت ہے، نیز اگر یہ ممکن ہو کہ شیطان انسان کے اعضاء سے کوئی فعل کرانے پر قادر ہو تو پھر انسان کو برے کاموں سے اجتناب اور نیک کاموں کے کرنے کا مکلف کرنا عبث ہو جاتا ہے، اگر ایسا ممکن ہوتا تو کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو قتل کر دیتا، پھر کہتا کہ اُس وقت تو مجھ پر جِن چڑھا ہوا تھا اس کو اُس جن نے قتل کیا ہے میں نے قتل نہیں کیا، تو اُس کے اس قول کا نہ احکامِ شرعیہ میں اعتبار ہوگا اور نہ ملک و ملت کے قوانین میں اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی الشافعی المتوفی ۶۰۶ھ، ابراہیم: ۲۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"ثم ان ظاهر هذه الآية يدل على ان الشيطان لا قدرة له على تصريع الانسان وعلى تعويج اعضائه وعلى جوارحه وعلى ازالة العقل كما يقوله العوام" (پھر یہ ظاہر آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ شیطان کو انسان کو مرگی زدہ کرنے پر اور اس کے اعضاء کو ٹیڑھا کرنے پر کوئی قدرت نہیں ہے نہ اُس کی عقل کے زائل کرنے پر قدرت ہے جیسا کہ عام لوگ کہتے ہیں)۔

(تفسیر کبیر ج ۷ ص ۸۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

نیز امام رازی لکھتے ہیں:

مشہور یہ ہے کہ جنات انسانوں کے باطن میں نفوذ کر جاتے ہیں اور ان کا استدلال اس آیت سے ہے: "لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ۔۔۔ (البقرہ:۲۷۵)" لیکن یہ اس وجہ سے باطل ہے کہ ابراہیم: ۲۲ میں یہ تصریح ہے

کہ شیطان کو انسانوں پر وسوسہ اندازی کے سوا اور کوئی غلبہ نہیں ہے، نیز اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ انبیاء اور علماء محققین لوگوں کو شیطان پر لعنت کرنے کی دعوت دیتے ہیں اور شیطان سے دور رہنے کی دعوت دیتے ہیں، پس ضروری ہوا کہ شیطان سب سے زیادہ اُن کا دشمن ہوتا، اگر شیاطین اور جنات کو بشر کے بواطن میں نفوذ پر قدرت ہوتی اور اُن تک شر اور بلاء کو پہنچانے کی قدرت ہوتی تو واجب تھا کہ وہ سب سے زیادہ انبیاء علیہم السلام اور علماء محققین کو ضرر پہنچاتے، لیکن جب کہ ایسا نہیں ہوا تو ہم نے جان لیا کہ یہ قول باطل ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۸۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ محمد بن مصلح الدین مصطفیٰ القوجوی الحنفی المتوفی ۹۵۱ھ ''کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیْطٰنُ'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''ان الشیطان لیس لہ قدرۃ علی ذالک ولم یسلطہ اللہ تعالیٰ علی ابدانِ بنی آدم واجسادھم ولم یجعلہ لہ سبیلا الا الی ان یوسوس فی صدورھم'' (شیطان کو اللہ تعالیٰ نے بدنِ انسان میں تاثیر کی قدرت نہیں عطا فرمائی اور اُس کو بنی آدم کے ابدان اور اجسام پر مسلط نہیں فرمایا اور اُس کو صرف یہی طاقت عطا فرمائی ہے کہ وہ بنو آدم کے سینوں میں وسوسے ڈالتا ہے)۔

(حاشیۃ محی الدین شیخ زادہ علیٰ تفسیر البیضاوی ج ۲ ص ۶۶۸-۶۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

میں کہتا ہوں کہ صریح قرآن اور عقلِ سلیم کے تقاضا سے اور امام رازی کے مذکور الصدر دلائل سے یہ واضح ہو گیا کہ عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ ''جن'' انسان پر چڑھ جاتا ہے اور قوت جن کی ہوتی ہے اور اعضاء انسان کے ہوتے ہیں اور جن کی قوت سے انسان کے اعضاء سے عجیب و غریب کاموں کا صدور ہوتا ہے، سو عوام کا یہ قول بے دلیل، قرآن مجید کے خلاف اور باطل محض ہے۔

(سعیدی غفرلہٗ)

سود خوروں کے شبہات کے جوابات

''ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا'': بہ ظاہر سود خور کفار کو یوں کہنا چاہیے تھا کہ سود تجارت کی مثل ہے لیکن انہوں نے مبالغہ کرتے ہوئے کہا کہ تجارت سود کی مثل ہے، اُس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کے نزدیک حلت اور جواز میں اصل سود تھا، لہٰذا انہوں نے سود کو مُشبہ بہ قرار دیا اور تجارت کو مشبہ قرار دیا، سود خوروں کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح خرید و فروخت اور تجارت میں ایک آدمی دس روپے کی چیز کو بیس روپے کے عوض فروخت کرتا ہے اور وہ جو دس روپے اضافی بلا معاوضہ لے رہا ہے، اُس پر عقلاً اور شرعاً کوئی اعتراض نہیں ہوتا، اسی طرح سود میں بھی ایک آدمی سو روپے مثلاً ایک سال کے لیے قرض دیتا ہے اور پھر ایک سال کے بعد اُس پر سو روپیہ سود لیتا ہے اور وہ بھی بلا معاوضہ ہے تو اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جو آدمی دس روپے کی چیز بیس روپے کے عوض فروخت کرتا ہے اور اضافی دس روپے لیتا ہے تو یہ اضافی دس روپے محض بلا معاوضہ نہیں ہیں، کیونکہ وہ آدمی مثلاً منڈی سے وہ چیز خرید کر لاتا ہے اور اس کے لانے لے جانے میں اس کا کرایہ خرچ ہوتا ہے، اس کی محنت خرچ ہوتی ہے تو یہ اضافی دس روپے اس کے کرایہ کے خرچ اور اس کی محنت کے مقابلہ میں ہیں، اس کے برخلاف سود میں جو ایک سال کے بعد سو روپے کے عوض دو سو روپے ملے، اس اضافہ میں سود خور کا نہ کچھ خرچ ہوا اور نہ اس کی کوئی محنت ہوئی تو یہ اضافہ محض بلا معاوضہ ہے، اس لیے تجارت میں اضافہ جائز ہے اور سود میں اضافہ ناجائز اور حرام ہے۔ علاوہ ازیں سود خور غریبوں کی مدد اور اُن سے ہمدردی کے بجائے الٹا ان کا معاشی استحصال کرتے ہیں اور جو تنگدست لوگ اپنی ضروریات پوری

کرنے کے لیے کسی سے رقم قرض لیتے ہیں تو اس سے وہ رقم دوگنی چوگنی اور سود در سود کی صورت میں وصول کرتے ہیں۔

بینک کے مروّجہ سود کے جواز کے شبہ کا جواب

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ سود کی ممانعت تو اس صورت میں تھی جب غریبوں سے اُن کی مجبوری کا فائدہ اٹھا کر سود لیا جائے، لیکن آج کل جو بینک کا مروّجہ سود ہے اس میں بینک کسی کی مجبوری سے فائدہ نہیں اٹھاتا، لوگ اپنی خوشی سے بینک سے بڑی بڑی رقمیں قرض لے کر کاروبار کرتے ہیں اور صنعتیں قائم کرتے ہیں، کارخانے لگاتے ہیں اور اس میں زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرتے ہیں اور ان کے ایک کارخانہ سے تھوڑے عرصہ میں دوسرا کارخانہ بن جاتا ہے اور دوسرے سے تیسرا کارخانہ بن جاتا ہے، اس پر بینک اُن سے کبھی سات فیصد اور کبھی دس فیصد Interest لیتا ہے، اور آج کل بڑی بڑی صنعتیں اور بڑے بڑے کاروبار اسی سود کے ذریعہ ہو رہے ہیں، اور اگر بینک کے سود کو ختم کر دیا جائے تو تمام تاجروں کے کاروبار ٹھپ ہو جائیں گے اور صنعت کاروں کی صنعتیں اور کارخانے بند ہو جائیں گے، لہٰذا معاشی ترقی اسی سود کی بنیاد پر ہے اور قوم کی خوش حالی میں سود کا بہت بڑا کردار ہے، تو اس میں عدمِ جواز کی کونسی وجہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ایک مومن اور مسلمان کے ایمان کا تقاضا یہ ہونا چاہیے کہ خواہ میں کاروبار کر سکوں یا نہ کر سکوں، خواہ میں کوئی کارخانہ لگا سکوں یا نہ لگا سکوں، جب سود کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام قرار دے دیا ہے اور اس پر سخت وعید فرمائی ہے اور سودی کاروبار سے نہ رکنے کو اللہ اور اس کے رسول سے اعلانِ جنگ قرار دیا ہے، تو جن لوگوں میں یہ حوصلہ ہو کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کر سکتے ہوں تو وہ ضرور سود لیں اور جو مسلمان اللہ سے ڈرتے ہوں ان کے ایمان کا تقاضا یہ ہونا چاہیے کہ خواہ ہم کاروبار کر سکیں یا نہ کر سکیں، کارخانے لگا سکیں یا نہ لگا سکیں، خواہ ہم بھوکے مر جائیں لیکن ہم اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی نہیں کریں گے اور اس سے اعلانِ جنگ قبول نہیں کریں گے۔ وما علینا الا البلاغ۔ (سعیدی غفرلہٗ)

سود کی رقم سے ضرورت مندوں کی مدد کا باطل ہونا

بعض لوگوں نے سود کے جواز کا یہ حیلہ اختراع کیا ہے کہ ہم سود کی رقم کو خود استعمال نہیں کرتے بلکہ بینک سے سود لے کر غریب اور ضرورت مند لوگوں کو وہ رقم دے دیتے ہیں جس سے ان کی ضروریات پوری ہوتی ہیں، ان لوگوں کا یہ قول بھی محض باطل ہے کیونکہ جب واضح ہو گیا کہ سود حرام ہے تو آپ غریب لوگوں کی مالِ حرام سے مدد کیوں کرتے ہیں! یعنی کسی غریب آدمی کو گوشت کھلانا ہو تو خنزیر کا گوشت کیوں کھلاتے ہیں! اسے حلال گوشت کیوں نہیں کھلاتے؟ یاد رکھیے کہ حرام مال سے کی ہوئی کوئی عبادت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول نہیں ہوتی، بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر ہم یہ سود نہیں لیں گے تو بینک والے سود کی یہ رقم غیر اسلامی مشنریوں کو دے دیں گے اور وہ اس رقم کو اسلام کے خلاف تبلیغ پر استعمال کریں گے، اس کا جواب یہ ہے کہ بینک جو کچھ بھی کریں اس کے ذمہ دار وہ ہیں آپ نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى۔“ (الانعام: ۱۶۴) ”(اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا)۔ نیز رسول اللہ ﷺ نے سود کا مال کھلانے والے پر بھی لعنت فرمائی ہے، حدیث میں ہے: ”عن جابر قال: لعن رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم آکل الربا وموکلہ وکاتبہ وشاهدیه وقال هم سواء'' (حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے پر، سود کھلانے والے پر، سودی معاملہ کو لکھنے والے پر اور سودی معاملہ کے گواہ پر لعنت فرمائی اور ارشاد فرمایا: یہ سب برابر ہیں)۔ (صحیح مسلم:۱۵۹۸، مسند احمد:۱۳۸۵۱، ج ۳ ص ۳۰۴، سنن بیہقی ج ۵ ص ۲۷۵، مسند ابو یعلیٰ:۱۸۴۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایک غلام تھا جو اُن کے لیے (مقرر کردہ) خراج لے کر آتا تھا، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس خراج سے کھاتے تھے، ایک دن وہ کوئی کھانے کی چیز لے کر آیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اُس سے کھایا تو اس غلام نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ جانتے ہیں یہ کیا چیز تھی؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: وہ کیا چیز تھی؟ تو اس نے بتایا کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک شخص کو کہانت سے کچھ بتایا تھا حالانکہ میں کچھ اچھا کاہن نہیں تھا مگر میں نے اس کو دھوکا دیا، آج وہ مجھ سے ملا تو اُس نے مجھ کو اس کا معاوضہ دیا، سو آپ نے اُسی (معاوضہ) سے کھایا ہے، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ (اپنے حلق میں) داخل کیا اور جو کچھ کھایا تھا اس کی قے کر دی۔ (صحیح البخاری:۳۸۴۲)

میں کہتا ہوں: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نادانستہ ایک لقمۂ حرام کھایا تو قے کر دی، آج ہمارا حال یہ ہے کہ مسلمان عمداً سود اور حرام مال کھاتے ہیں اور ڈکار تک نہیں لیتے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اللہ سود کو مٹاتے ہیں اور صدقات کو بڑھاتے ہیں، اور اللہ کسی ناشکرے نافرمان کو پسند نہیں فرماتے O'' (البقرہ:۲۷۶)

علامہ ابوالمظفر منصور بن محمد السمعانی المروزی الشافعی المتوفی ۴۸۹ھ البقرہ:۲۷۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''یَمۡحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرۡبِی الصَّدَقٰتِ'':

یعنی اللہ تعالیٰ سود کی کمائی سے مال کی برکت اٹھا لیتا ہے، کیونکہ برکت حلال مال کے لیے ہوتی ہے اور حرام مال کے لیے نہیں ہوتی۔ اور صدقات کو اللہ تعالیٰ بڑھاتا رہتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے زمانۂ جاہلیت کے سود کو باطل فرما دیا، کیونکہ زمانہ جاہلیت میں ایک شخص دوسرے کو قرض دیتا اور ادائیگی کی مدت مقرر کر دیتا، پھر جب مدت پوری ہو جاتی تو وہ اس سے کہتا: تم سود کی رقم میں اضافہ کرو تو میں تمہارے لیے ادائیگی کی مدت میں اضافہ کر دوں گا، اور یہ زمانۂ جاہلیت کا سود ہے اور یہ حرام ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے اور نماز قائم کرتے رہے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہے، ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے، نہ اُن پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے O'' (البقرہ:۲۷۷)

''اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ'':

یعنی جن ایمان والوں نے پابندی سے نمازیں پڑھیں اور باقاعدگی سے زکوٰۃ ادا کی، ان کا اجر اللہ عزوجل کے پاس ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور باقی ماندہ سود کو چھوڑ دو اگر تم ایمان والے

ہو○'' (البقرہ: ۲۷۸)

''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا'':

یہ آیت ثقیف اور بنومخزوم کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے مکہ کے قاضی حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ سے جھگڑا کیا، پس ثقیف نے کہا: ہم اس شرط پر اسلام لائے تھے کہ ہم پر جو لوگوں کا سود ہے وہ اٹھالیا جائے گا اور لوگوں پر جو ہمارا سود باقی ہے وہ ہمیں مل جائے گا، پس حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکتوب لکھ کر اس کا حکم دریافت کیا، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عتاب کی طرف یہ آیت لکھ کر بھیجی۔ خلاصہ یہ ہے کہ اب ثقیف کے لیے جائز نہیں ہے کہ لوگوں پر جو اُن کا سود باقی ہے، وہ ان سے لیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر اگر تم ایسا نہ کرو (یعنی سود کھانے سے باز نہ آؤ) تو اللہ اور اُس کے رسول سے اعلانِ جنگ قبول کرلو، اور اگر تم نے توبہ کرلی تو تمہارے اصل مال تمہارے لیے جائز ہوں گے، نہ تم (کسی پر) ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا○'' (البقرہ: ۲۷۹)

''فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ'': یعنی دوسروں کو بھی یہ بتادو کہ اگر تم سود سے باز نہیں آئے تو تم اللہ اور اس کے رسول سے اعلانِ جنگ قبول کرلو۔

''وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ'': یعنی اگر تم نے سود حلال جاننے کو ترک کر دیا اور اس سے رجوع کرلیا اور اصل رقم پر زیادتی کو باطل قرار دے ڈالا تو تم اپنے اصل مال کے مستحق ہوگے۔

''لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ'': یعنی تم اصل رقم پر زیادتی کو طلب نہ کرو تو تمہارے اصل مال سے کمی نہیں کی جائے گی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اگر وہ مقروض تنگدست ہو تو اس کو خوشحالی تک مہلت دینا لازم ہے، اور اگر تم اُس پر قرض کی رقم کو صدقہ کردو تو تمہارا صدقہ کرنا تمہارے لیے بہتر ہے اگر تمہیں علم ہو○'' (البقرہ: ۲۸۰)

''وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ'':

یعنی اگر مقروض تنگدست ہے تو تم پر لازم ہے کہ تم اس کی خوش حالی تک اس کو ادائیگی کے لیے مہلت دو، حدیث میں ہے:

حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی تنگدست مقروض کو مہلت دی تو اللہ تعالیٰ اسے اس دن اپنے سائے میں رکھے گا جس دن اس کے سائے کے سوا کسی کا سایہ نہیں ہوگا۔

(صحیح مسلم: ۳۰۰۶، سنن ابن ماجہ: ۲۴۱۹، مسند احمد: ۱۵۰۹۵، ج ۳ ص ۴۲۷، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۲۸۔۲۹، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۵ ص ۳۵۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سے پہلی امتوں میں ایک مرد لوگوں کو ادھار پر چیزیں فروخت کرتا تھا، پس اس نے اپنے نوکر سے کہا: اگر مقروض تنگدست ہو تو اس سے درگزر کرنا، شاید اللہ بھی ہم سے درگزر فرمائے، پھر اس مرد کی اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے درگزر فرمادیا۔ (صحیح البخاری: ۲۰۷۸، صحیح مسلم: ۱۵۶۲)

''وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ'': یعنی اگر تم نے مقروض سے اپنا قرض بالکل چھوڑ دیا تو یہ تمہارے لیے بہت

بہتر ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے مسلمانو!) تم اُس دن سے ڈرو جس دن تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پھر ہر شخص کو اس کی کمائی کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور اُن پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا O'' (البقرہ:۲۸۱)

''وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ'':

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ آخری آیت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی ہے۔ ابن جریج نے کہا: اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سات راتیں ظاہری حیات سے زندہ رہے اور ایک روایت میں نو راتوں کا ذکر ہے۔

''ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ'': اس آیت کا معنی ظاہر ہے۔

(تفسیر القرآن، ج ۱ ص ۲۸۰۔ ۲۸۲، دار الوطن، ریاض ۱۴۱۸ھ)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْـَٔمُوْۤا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰۤى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰۤى اَلَّا تَرْتَابُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْۤا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۪ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ؕ۬ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾

اے ایمان والو! جب تم کسی چیز کو مدتِ معینہ کے دَین (یعنی اُدھار) پر فروخت کرو تو اُس کو لکھ لیا کرو، اور کوئی لکھنے والا تمہارے درمیان کسی کی رعایت کے بغیر لکھے، اور لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے جس طرح اللہ نے اس کو لکھنا سکھایا ہے تو اسے بھی لکھ دینا چاہیے، اور مدیون (یعنی ادھار خریدنے والا) لکھوائے اور وہ اللہ سے ڈرے جو اُس کے رب ہیں اور اُس میں سے کچھ کمی نہ کرے،

اور اگر مدیون کم عقل ہو یا کمزور ہو یا وہ لکھوانے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اُس مدیون کا ولی کسی کی رعایت کے بغیر لکھوا دے، اور (اے مسلمانو!) تم اپنے مردوں میں سے دو مردوں کو گواہ بناؤ، پھر اگر دو مرد میسر نہ ہوں تو تمہارے پسندیدہ گواہوں میں سے ایک مرد اور دو عورتیں ہوں، (دو عورتیں اس لیے ہوں) کہ اِن دو عورتوں میں سے کوئی ایک عورت بھول جائے تو اس بھولنے والے عورت کو دوسری عورت یاد دلا دے، اور جب گواہوں کو گواہی دینے کے لیے بلایا جائے تو وہ (گواہی دینے سے) انکار نہ کریں، اور دَین کم ہو یا زیادہ، اس دَین کو اس کی میعاد تک لکھنے میں سُستی نہ کرو، اللہ کے نزدیک اس (طریقہ) میں تمہارے لیے مکمل انصاف ہے اور یہ (طریقہ) گواہی کو زیادہ صحیح قائم کرنے والا ہے اور (یہ طریقہ) تمہیں شک سے دور رکھنے کے زیادہ قریب ہے، ہاں اگر تمہاری تجارت نقد بہ نقد ہو جس کا تم آپس میں لین دین کر رہے ہو تو ایسی صورت میں اُس دَین کی دستاویز کو نہ لکھنے میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے، اور جب تم خرید و فروخت کرو تو گواہ مقرر کر لیا کرو، اور نہ لکھنے والے کو ضرر دیا جائے اور نہ گواہ کو، اور اگر تم نے ایسا کیا (یعنی ان میں سے کسی کو ضرر پہنچایا) تو بے شک وہ تمہاری نافرمانی ہوگی اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور اللہ تمہیں (اپنے احکام) سکھاتے ہیں اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں O

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰی سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْیُؤَدِّ الَّذِی اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْیَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ یَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ﴿۲۸۳﴾ ع

اور اے مسلمانو! اگر تم کسی سفر میں ہو اور تم کو (قرض کی دستاویز) لکھنے والا نہ ملے تو قبضہ میں لی ہوئی کوئی چیز رہن رکھ کر (قرض لے لو)، پھر اگر تم کو ایک دوسرے پر اعتبار ہو (تو بغیر دستاویز اور رہن کے ادھار فروخت کر دو)، پھر جس پر اعتبار کیا گیا ہے اُس کو وہ امانت ادا کر دینی چاہیے اور وہ اللہ سے ڈرتا رہے جو اُس کے رب ہیں، اور (اے مسلمانو!) تم گواہی نہ چھپاؤ، اور جو شخص گواہی چھپائے گا تو بے شک اس کا دل گناہ گار ہوگا اور اللہ تمہارے تمام کاموں کو خوب جاننے والے ہیں O

اللہ عز وجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! جب تم کسی چیز کو مدتِ معینہ کے دَین (یعنی اُدھار) پر فروخت کرو تو اُس کو لکھ لیا کرو، اور کوئی لکھنے والا تمہارے درمیان کسی کی رعایت کے بغیر لکھے، اور لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے جس طرح اللہ نے اس کو لکھنا سکھایا ہے تو اسے بھی لکھ دینا چاہیے، اور مدیون (یعنی ادھار خریدنے والا) لکھوائے اور وہ اللہ سے ڈرے جو اُس کا رب ہے اور اُس میں سے کچھ کمی نہ کرے، اور اگر مدیون کم عقل ہو یا کمزور ہو یا وہ لکھوانے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اُس مدیون کا ولی کسی کی رعایت کے بغیر لکھوا دے، اور (اے مسلمانو!) تم اپنے مردوں میں سے دو مردوں کو گواہ بناؤ، پھر اگر دو مرد میسر نہ ہوں تو تمہارے پسندیدہ گواہوں میں سے ایک مرد اور دو عورتیں ہوں، (دو عورتیں اس لیے ہوں) کہ اِن دو عورتوں میں سے کوئی ایک عورت بھول

جائے تو اس بھولنے والی عورت کو دوسری عورت یاد دلا دے، اور جب گواہوں کو گواہی دینے کے لیے بلایا جائے تو وہ (گواہی دینے سے) انکار نہ کریں، اور دَین کم ہو یا زیادہ، اس دَین کو اس کی میعاد تک لکھنے میں سُستی نہ کرو، اللہ کے نزدیک اس (طریقہ) میں تمہارے لیے مکمل انصاف ہے اور یہ (طریقہ) گواہی کو زیادہ صحیح قائم کرنے والا ہے اور (یہ طریقہ) تمہیں شک سے دور رکھنے کے زیادہ قریب ہے، ہاں اگر تمہاری تجارت نقد بہ نقد ہو جس کا تم آپس میں لین دین کر رہے ہو تو ایسی صورت میں اُس دَین کی دستاویز کو نہ لکھنے میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے، اور جب تم خرید و فروخت کرو تو گواہ مقرر کر لیا کرو، اور نہ لکھنے والے کو ضرر دیا جائے اور نہ گواہ کو، اور اگر تم نے ایسا کیا (یعنی ان میں سے کسی کو ضرر پہنچایا) تو بے شک وہ تمہاری نافرمانی ہوگی اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور اللہ تمہیں (اپنے احکام) سکھاتے ہیں اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں O'' (البقرہ: ۲۸۲)

دَین اور قرض کا فرق

علامہ السید محمد مرتضیٰ بن محمد الحسینی الزبیدی الحنفی المتوفی ۱۲۰۵ھ ''الدَّیْن'' کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''دَین'' اس ادھار کو کہتے ہیں جس کی ادائیگی کی میعاد معیّن ہو، اور ''قرض'' اس ادھار کو کہتے ہیں جس کی ادائیگی کی میعاد مقرر نہ ہو۔ (تاج العروس من جواہر القاموس جزء ۳۵ ص ۲۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۳ھ)

ادھار خرید و فروخت پر گواہ بنانے یا وثیقہ نویس سے لکھوانے کے احکام

علامہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی المتوفی ۷۱۰ھ البقرہ: ۲۸۲-۲۸۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ'':

اللہ تعالیٰ نے دَین کے معاملہ کو لکھنے کا اس لیے حکم فرمایا ہے کیونکہ دَین کی دستاویز لکھنے کی وجہ سے یہ معاملہ پُراعتماد ہوگا اور بھول چوک سے محفوظ رہے گا اور اس کی وجہ سے بعد میں انکار کی گنجائش نہیں رہے گی۔

''وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ'': یعنی دَین کی دستاویز کو، کوئی وثیقہ نویس بغیر کسی فریق کی رُو رعایت کے لکھ دے، اور اس میں یہ دلیل ہے کہ وثیقہ نویس فقیہ ہو اور دَین کی شرائط کو جاننے والا ہو۔

''وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ'': یعنی وثیقہ نویس دَین کی دستاویز کو لکھنے سے انکار نہ کرے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے اُس کو وثیقوں کا لکھنا سکھایا ہے، وہ لکھنے میں کوئی تبدل اور تغیر نہ کرے۔

''وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ'': یعنی وثیقہ نویس سے لکھوانا یہ مدیون (خریدار) کی ذمہ داری ہے۔

''وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ'': یعنی مدیون، اللہ سے ڈرے اور وثیقہ یا دستاویز لکھوانے سے انکار نہ کرے۔

''وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا'': یعنی لکھوانے میں کسی کے حق کا انکار نہ کیا جائے۔

''فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ'': یعنی اگر مدیون کم

عقل ہو، یا اُس کی جہالت کی وجہ سے اس کو تصرف سے روکا گیا ہو، یا وہ بچہ ہو، یا وہ گونگا ہو، یا زبان سے ناواقف (مثلاً وہ پنجابی یا سرائیکی ہو اور اُردو اور انگریزی زبان نہ جانتا ہو) ہو تو اس مدیون کا ولی بغیر کسی فریق کی رُو رعایت کے لکھوا دے۔

تجارتی خرید وفروخت پر گواہ بنانے کا حکم

''وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ'': یعنی تم دَین پر دو مسلمان مردوں کو گواہ بناؤ، اور گواہوں کے لیے اُن کا آزاد ہونا، بالغ ہونا اور مسلمان ہونا شرط ہے، اور کافروں کی ایک دوسرے کے حق میں گواہی ہم احناف کے نزدیک مقبول ہے۔

''فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ'': یعنی اگر دو مسلمان مرد گواہ میسر نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بناؤ، اور حدود اور قصاص کے سوا ایک عورت کی دو مردوں کے ساتھ گواہی مقبول ہے۔

''مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ'': وہ گواہ ایسے ہوں جن کا عادِل یعنی نیک ہونا تمہارے نزدیک پسندیدہ ہو۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ وہ اگر غیر پسندیدہ ہوں تو پھر بھی ان کی گواہی جائز ہے۔

''اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى'': یعنی دو عورتوں کی شرط اس لیے ہے کہ اگر گواہی دیتے وقت ایک عورت بھول جائے تو دوسری عورت اس کو یاد دلا دے۔

اسلام میں تنہا ایک عورت کی گواہی کو بعض آزاد منش لوگوں کا جائز قرار دینا

بعض آزاد خیال (Liberal) لوگوں نے کہا ہے کہ اسلام میں ایک عورت کی گواہی بھی جائز ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایک عورت کی گواہی اس لیے ناقابلِ قبول ہے کہ عورت ناقص العقل ہے اور اس پر انہوں نے بہت لعن طعن کی ہے۔

آنجہانی غلام احمد پرویز، م ۱۹۸۵ء نے لکھا ہے:

''عورت کے ناقص العقل ہونے کے ثبوت میں یہ دلیل بھی دی جاتی ہے کہ قرآن کریم نے دو عورتوں کی شہادت کو ایک مرد کے برابر قرار دیا ہے، اس سے ثابت ہو گیا کہ عورت میں مرد کے مقابلہ میں آدھی عقل ہوتی ہے، اس موضوع پر سیر حاصل بحث البقرہ: ۲۲۱ کے تحت آ چکی ہے، اسے یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ (مطالب الفرقان ج ۳ ص ۴۸۶، طلوع اسلام، لاہور، ۱۹۹۳ء)

میں کہتا ہوں کہ غلام احمد پرویز نے البقرہ: ۲۲۱ میں عورت کے مقام پر لمبی چوڑی گفتگو کی ہے مگر اس گفتگو میں تنہا ایک عورت کی گواہی کے ثبوت میں کچھ نہیں لکھا، تاہم ایک عورت کی گواہی نامقبول ہونے اور اس کے ناقص العقل ہونے کے متعلق درج ذیل حدیث ہے:

تنہا ایک عورت کی گواہی کے نامقبول ہونے کے متعلق صحیح حدیث

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عید الاضحیٰ یا عید الفطر میں عید گاہ کی طرف روانہ ہوئے، آپ خواتین کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا: اے عورتوں کی جماعت! ''تم صدقہ کیا کرو، کیونکہ مجھے دکھایا گیا ہے تم میں سے اکثر اہلِ دوزخ ہو، عورتوں نے کہا: یا رسول اللہ! وہ کس وجہ سے؟ آپ نے فرمایا: تم لعنت بہت کرتی ہو اور خاوند کی ناشکری کرتی ہو، میں نے کوئی ایسی ناقصِ عقل اور ناقصِ دین عورت نہیں دیکھی جو کسی محتاط مرد کی عقل کو زائل کرنے والی ہو، عورتوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! ہمارے دین اور ہماری عقل کا نقصان کیسے ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا ایسا نہیں ہے کہ عورت کی گواہی مرد کی گواہی کے نصف کی

مثل ہوتی ہے؟ عورتوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: یہ عورتوں کی عقل کا نقصان ہے، (نیز فرمایا:) کیا ایسا نہیں ہے کہ عورت کو جب حیض آتا ہے تو وہ نہ روزے رکھتی ہے نہ نماز پڑھتی ہے؟ عورتوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: یہ عورت کے دین کا نقصان ہے۔ (صحیح البخاری: ۳۰۴، صحیح مسلم: ۷۹، سنن ابوداؤد: ۴۶۷۹، سنن نسائی: ۱۵۷۸، ۱۵۷۵، سنن ابن ماجہ: ۴۰۰۳، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۱۴۸، شعب الایمان: ۲۹، مسند احمد: ۵۳۲۱، ج ۲ ص ۶۷)

گواہی دینے اور وثیقہ نویس کے وثیقہ لکھنے کا وجوب

''وَلَا یَاۡبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوۡا'': اور جب گواہوں کو گواہی دینے کے لیے بلایا جائے تو وہ گواہ بننے سے یا گواہ بننے کے بعد گواہی دینے سے انکار نہ کریں تاکہ لوگوں کے حقوق ضائع نہ ہوں، اس آیت میں اُن کو گواہ بنانے سے پہلے مجازاً مستقبل کے اعتبار سے گواہ فرمایا ہے، اُن کا گواہی دینے کے لیے آنا فرض ہے اور گواہ بننے کے لیے آنا مستحب ہے۔

''وَلَا تَسۡـَٔمُوۡۤا اَنۡ تَکۡتُبُوۡهُ صَغِیۡرًا اَوۡ کَبِیۡرًا'': یعنی وثیقہ نویس وثیقہ لکھنے سے انکار نہ کریں خواہ وثیقہ مختصر ہو یا مفصل ہو۔

''اِلٰۤی اَجَلِهٖ'' یعنی جس مدت پر داین اور مدیون فروخت کنندہ اور خریدار دونوں متفق ہوں۔

''ذٰلِکُمۡ اَقۡسَطُ عِنۡدَ اللّٰهِ وَاَقۡوَمُ لِلشَّهَادَةِ'': اور لوگوں کے حقوق کے متعلق گواہی دینا اللہ تعالیٰ کے نزدیک انصاف کے زیادہ قریب ہے

''وَاَدۡنٰۤی اَلَّا تَرۡتَابُوۡۤا'': کیونکہ جب گواہ حاکم اور حق دار کے سامنے گواہی دے دیں گے تو پھر کسی کو انصاف کے متعلق شک نہیں رہے گا۔

نقد بہ نقد خرید وفروخت میں گواہ بنانے یا وثیقہ لکھوانے کا واجب نہ ہونا

''اِلَّاۤ اَنۡ تَکُوۡنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِیۡرُوۡنَهَا بَیۡنَکُمۡ'': یعنی تجارتی دین کو لکھنا یا اُس پر گواہ بنانا اُس وقت ہے کہ جب تجارت نقد بہ نقد نہ ہو جس کو آپس میں تم نقد بہ نقد فروخت کرتے ہو۔

''وَاَشۡهِدُوۡۤا اِذَا تَبَایَعۡتُمۡ'': اس آیت میں مطلقاً خرید وفروخت پر گواہ بنانے کا حکم دیا ہے خواہ وہ خرید وفروخت نقد ہو یا ادھار ہو، اور یہ کہ صرف گواہ بنانا کافی ہے وثیقہ نویس سے لکھوانا ضروری نہیں ہے۔

''وَلَا یُضَآرَّ کَاتِبٌ وَّلَا شَهِیۡدٌ'': یعنی وثیقہ نویس اور گواہ کو جب لکھنے یا گواہی دینے کے لیے بلایا جائے تو وہ انکار کر کے صاحبِ حق کو ضرر نہ پہنچائیں اور نہ گواہی اور لکھنے میں تحریف یا کمی اور زیادتی کریں۔

''وَاِنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاِنَّهٗ فُسُوۡقٌۢ بِکُمۡ'': یعنی اگر تم نے صاحب حق کو ضرر پہنچایا تو یہ اللہ کی نافرمانی اور گناہ ہے۔

''وَاتَّقُوا اللّٰهَ'': اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت کرنے سے ڈرتے رہو۔

''وَیُعَلِّمُکُمُ اللّٰهُ'': اللہ اپنے احکام شرعیہ کی تم کو تعلیم دیتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اے مسلمانو! اگر تم کسی سفر میں ہو اور تم کو (قرض کی دستاویز) لکھنے والا نہ ملے تو قبضہ میں لی ہوئی کوئی چیز رہن رکھ کر (قرض لے لو)، پھر اگر تم کو ایک دوسرے پر اعتبار ہو (تو بغیر دستاویز اور

رہن کے ادھار فروخت کردو)، پھر جس پر اعتبار کیا گیا ہے اُس کو وہ امانت ادا کر دینی چاہیے اور وہ اللہ سے ڈرتا رہے جو اُس کا رب ہے، اور (اے مسلمانو!) تم گواہی نہ چھپاؤ، اور جو شخص گواہی چھپائے گا تو بے شک اس کا دل گناہ گار ہوگا اور اللہ تمہارے تمام کاموں کو خوب جاننے والے ہیں O'' (البقرہ: ۲۸۳)

دورانِ سفر خرید وفروخت میں مدیون کی کوئی چیز رہن رکھنے کی اجازت

''وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ'': یعنی اگر تم سفر میں خرید وفروخت کرو اور دورانِ سفر تم کو وثیقہ نویس یا گواہ میسر نہ ہوں تو تم مدیون سے اپنی فروخت کردہ چیز کے عوض اُس کی کوئی چیز اپنی رقم کے تحفظ کے لیے گروی رکھ لو۔

''فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ'': اگر داین اور مدیون (فروخت کنندہ اور خریدار) کو حسنِ ظن کی وجہ سے ایک دوسرے پر اعتماد ہو تو جس پر اعتماد کیا گیا ہے (یعنی خریدار)، اُس کو چاہیے کہ فروخت کنندہ کی رقم جو اس کے پاس امانت ہے، وہ وقت پر ادا کر دے اور اس ادائیگی میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے۔

گواہی ادا کرنے کا وجوب

''وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ'': اس آیت میں گواہوں کو خطاب ہے کہ تم گواہی کو نہ چھپاؤ، اور جو گواہ، گواہی کو چھپائے گا تو اس کا دل گناہ گار ہوگا۔ دل کو گناہ گار اس لیے فرمایا کہ دل تمام اعضاء کا رئیس ہے۔ حدیث میں ہے:

دل کو گناہ گار قرار دینے کی توجیہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وان فی الجسدِ مُضْغَة اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله الا وهی القلب'' (بے شک جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، جب وہ درست ہو تو تمام جسم درست رہتا ہے اور جب وہ خراب ہو تو تمام جسم خراب ہو جاتا ہے، سنو! وہ گوشت کا ٹکڑا دل ہے)۔ (صحیح البخاری: ۵۲، صحیح مسلم: ۱۵۹۹، سنن ترمذی: ۱۲۰۵، سنن ابوداؤد: ۳۳۲۹، سنن نسائی: ۴۴۵۳، سنن ابن ماجہ: ۳۹۸۴، مسند احمد: ۸۶۳۸۷۲، سنن دارمی: ۲۵۳۱)۔

(مدارک التنزیل ج ۱ ص ۲۲۷۔۲۳۱ ملخصاً ومخرجاً، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِىْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾

آسمانوں میں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کی ملکیت ہے، اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے خواہ تم اس کو ظاہر کرو خواہ تم اس کو چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لیں گے، پھر جس کے لیے چاہیں گے اس کی مغفرت فرما دیں گے، اور جس کو چاہیں گے اس کو عذاب دیں گے، اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والے ہیں O

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ

وَ كُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۫ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۫ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۫ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾

رسول اس پر ایمان لائے جو اُن پر اُن کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے اور مومنین بھی، یہ سب اللہ پر اور اس کے تمام فرشتوں پر اور اس کی تمام کتابوں پر اور اس کے تمام رسولوں پر (یہ کہتے ہوئے) ایمان رکھتے ہیں (کہ) ہم (ایمان لانے میں) رسولوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے، اور انہوں نے کہا: ہم نے (احکام کو) سنا اور (ان کی) اطاعت کی، اے ہمارے رب! ہم آپ کی مغفرت کے طلب گار ہیں اور ہمیں آپ ہی کی طرف لوٹنا ہے O

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۭ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۫ وَاغْفِرْ لَنَا ۫ وَارْحَمْنَا ۫ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾

اور اللہ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں فرماتے، کسی شخص نے جو نیک کام کیے ان کا فائدہ اسی کو پہنچے گا اور کسی شخص نے جو برے کام کیے ان کی سزا بھی اسی کو ملے گی، اے ہمارے رب! ہم اگر بھول جائیں یا ہم سے بلاقصد قصور ہو جائے تو آپ ہماری گرفت نہ فرمائیں، اور ہم پر ایسا بھاری بوجھ نہ ڈالیں جیسا آپ نے ہم سے پہلی امتوں پر بھاری بوجھ ڈالا تھا، اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالیں جو ہماری برداشت سے باہر ہو، اور ہم کو معاف فرمادیں، اور ہماری مغفرت فرمادیں، اور ہم پر رحم فرمائیں، آپ ہی ہمارے مددگار ہیں، سو کافروں کے خلاف ہماری مدد فرمائیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "آسمانوں میں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کی ملکیت ہے، اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے خواہ تم اس کو ظاہر کرو خواہ تم اس کو چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لیں گے، پھر جس کے لیے چاہیں گے اس کی مغفرت فرمادیں گے، اور جس کو چاہیں گے اس کو عذاب دیں گے، اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والے ہیں O رسول اس پر ایمان لائے جو اُن پر اُن کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے اور مومنین بھی، یہ سب اللہ پر اور اس کے تمام فرشتوں پر اور اس کی تمام کتابوں پر اور اس کے تمام رسولوں پر (یہ کہتے ہوئے) ایمان رکھتے ہیں (کہ) ہم (ایمان لانے میں) رسولوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے، اور انہوں نے کہا: ہم نے (احکام کو) سنا اور (ان کی) اطاعت کی، اے ہمارے رب! ہم آپ کی مغفرت کے طلب گار ہیں اور ہمیں آپ ہی کی طرف لوٹنا ہے O اور اللہ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں فرماتے، کسی شخص

نے جو نیک کام کئے ان کا فائدہ اسی کو پہنچے گا اور کسی شخص نے جو برے کام کئے ان کی سزا بھی اسی کو ملے گی، اے ہمارے رب! ہم اگر بھول جائیں یا ہم سے بلا قصد قصور ہو جائے تو آپ ہماری گرفت نہ فرمائیں، اور ہم پر ایسا بھاری بوجھ نہ ڈالیں جیسا آپ نے ہم سے پہلی امتوں پر بھاری بوجھ ڈالا تھا، اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالیں جو ہماری برداشت سے باہر ہو، اور ہم کو معاف فرمادیں، اور ہماری مغفرت فرمادیں، اور ہم پر رحم فرمائیں، آپ ہی ہمارے مددگار ہیں، سو کافروں کے خلاف ہماری مدد فرمائیں O'' (البقرہ: ۲۸۴۔۲۸۶)

البقرہ: ۲۸۴ کا گزشتہ آیات کے ساتھ ارتباط

ابو مسلم محمد بن بحر الاصفہانی المتوفی ۳۲۲ھ، البقرہ: ۲۸۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''لِلّٰهِ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَمَافِي الْاَرْضِ'':

اللہ عزوجل نے البقرہ: ۲۸۳ میں ارشاد فرمایا تھا: ''وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ'' یعنی اللہ تعالیٰ کو تمہارے تمام کاموں کا علم ہے اور اس کے بعد اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم پر عقلی دلیل قائم فرمائی، پس فرمایا: ''لِلّٰهِ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَمَافِي الْاَرْضِ'' یعنی جو آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزوں کا مالک ہے جب کہ آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزیں حادث ہیں اور وہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور اس کی تکوین اور اس کی ابداع سے وجود میں آئی ہیں اور جو ان تمام عجیب وغریب افعال محکمہ کا فاعل ہوگا تو ضرور ہے کہ وہ ان تمام چیزوں کی حکمتیں اور ان کے عظیم فوائد کا عالم ہو، کیونکہ یہ محال ہے کہ ان تمام چیزوں کو ایسا شخص وجود میں لائے جو ان تمام چیزوں اور ان کی حکمتوں اور ان کے منافع سے جاہل ہو، پس گویا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں اور جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے ان کی تخلیق سے اپنے عالم ہونے پر اور ان تمام چیزوں کی جزئیات کے علم محیط ہونے پر استدلال فرمایا، لہٰذا ارشاد فرمایا: ''لِلّٰهِ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَمَافِي الْاَرْضِ''۔ (تفسیر ابو مسلم محمد بن بحر الاصفہانی ص ۷۶۔۷۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ھ)

''وَاِنْ تُبْدُوْا مَافِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ'':

امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیری النیشاپوری المتوفی ۲۶۱ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر البقرہ: ۲۸۴ نازل ہوئی جس میں یہ بھی مذکور ہے ''وَاِنْ تُبْدُوْا مَافِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ'' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب پر یہ آیت دشوار گزری، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دوزانو بیٹھ گئے، پس انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم کو ایسے اعمال کا مکلف کیا گیا تھا جن کی ہم طاقت رکھتے تھے مثلاً نماز، روزہ، جہاد اور صدقہ اور اب ہم پر ایسی آیت نازل فرمائی گئی ہے جس کی ہم طاقت نہیں رکھتے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تم اس طرح کہو جس طرح تم سے پہلی کتاب والوں نے کہا تھا سمعنا وعصینا (ہم نے سنا اور نافرمانی کی) بلکہ تم یوں کہو: سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ (ہم نے (احکام کو) سنا اور (ان کی) اطاعت کی، اے ہمارے رب! ہم تیری مغفرت کے طلب گار ہیں اور ہمیں تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔ (البقرہ: ۲۸۵)'' جب صحابہ نے اپنی زبانوں سے اس طرح پڑھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد یہ آیت نازل فرمائی:

''اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۗ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ''(رسول اس پر ایمان لائے جو اُن پر اُن کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے اور مومنین بھی، یہ سب اللہ پر اور اس کے تمام فرشتوں پر اور اس کی تمام کتابوں پر اور اس کے تمام رسولوں پر (یہ کہتے ہوئے) ایمان رکھتے ہیں (کہ) ہم (ایمان لانے میں) رسولوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے، اور انہوں نے کہا: ہم نے (احکام کو) سنا اور (ان کی) اطاعت کی، اے ہمارے رب! ہم آپ کی مغفرت کے طلب گار ہیں اور ہمیں آپ ہی کی طرف لوٹنا ہے O)۔

جب صحابہ نے اس طرح کہہ دیا تو اللہ تعالیٰ نے پہلے حکم کو منسوخ فرما دیا، پھر اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

''لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا '':(اور اللہ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں فرماتے، کسی شخص نے جو نیک کام کئے ان کا فائدہ اسی کو پہنچے گا اور کسی شخص نے جو برے کام کئے ان کی سزا بھی اسی کو ملے گی، اے ہمارے رب! ہم اگر بھول جائیں یا ہم سے بلا قصد قصور ہو جائے تو آپ ہماری گرفت نہ فرمائیں)، اللہ عزوجل نے فرمایا: ہاں! پھر آپ کے اصحاب نے دعا کی:

''رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا '':(اور ہم پر ایسا بھاری بوجھ نہ ڈالیں جیسا آپ نے ہم سے پہلی امتوں پر بھاری بوجھ ڈالا تھا)، اللہ عزوجل نے فرمایا: ہاں، پھر آپ کے اصحاب نے دعا کی:

''رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ '':(اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالیں جو ہماری برداشت سے باہر ہو) اللہ عزوجل نے فرمایا: ہاں!، پھر آپ کے اصحاب نے دعا کی:

''وَاعْفُ عَنَّا ۥ وَاغْفِرْ لَنَا ۥ وَارْحَمْنَا ۥ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ '':(اور ہم کو معاف فرما دیں، اور ہماری مغفرت فرما دیں، اور ہم پر رحم فرمائیں، آپ ہی ہمارے مدد گار ہیں، سو کافروں کے خلاف ہماری مدد فرمائیں O (البقرہ:۲۸۶)) (صحیح مسلم:۱۲۵، سنن ترمذی:۳۰۰۳، مسند ابوعوانہ ج ۱ ص ۷۶۔۷۷، صحیح ابن حبان:۱۳۹، تفسیر ابن جریر ج ۳ ص ۱۴۳)

ھاجس، خاطر اور حدیثِ نفس پر مواخذہ نہ ہونا اور عزم پر مواخذہ ہونا

میں کہتا ہوں: البقرہ:۲۸۶ سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے دلوں میں گناہوں کے جو اچانک خیالات آتے ہیں جن کو ھاجس کہتے ہیں اور دلوں میں جو بار بار گناہوں کے خیالات آتے ہیں جن کو خاطر کہتے ہیں، پھر دلوں میں اُن گناہوں کی جو ترغیبات پیدا ہوتی ہیں جن کو حدیثِ نفس کہتے ہیں، ان پر مسلمانوں کی گرفت نہیں کی جاتی جب تک کہ وہ اُن گناہوں کے کرنے کا عزمِ مصمم نہ کر لیں یا اُن گناہوں کا ارتکاب نہ کر لیں، اور اس پر دلیل درج ذیل حدیث ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اُمت کے سینوں میں جو وسوسے پیدا ہوتے ہیں اُن سے اللہ تعالیٰ نے درگزر فرمالیا ہے جب تک کہ وہ اُن وسوسوں کے موافق عمل نہ کریں یا اُن وسوسوں کے موافق کلام نہ کریں۔ (صحیح البخاری:۲۵۲۸، صحیح مسلم:۱۲۷، سنن ابوداود:۲۲۰۹، سنن ترمذی:۱۱۸۶، سنن نسائی:۳۴۳۴، سنن ابن ماجہ:۲۰۴۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۵۳، مسند احمد:۸۸۶۴)

آل عمران

(۳)
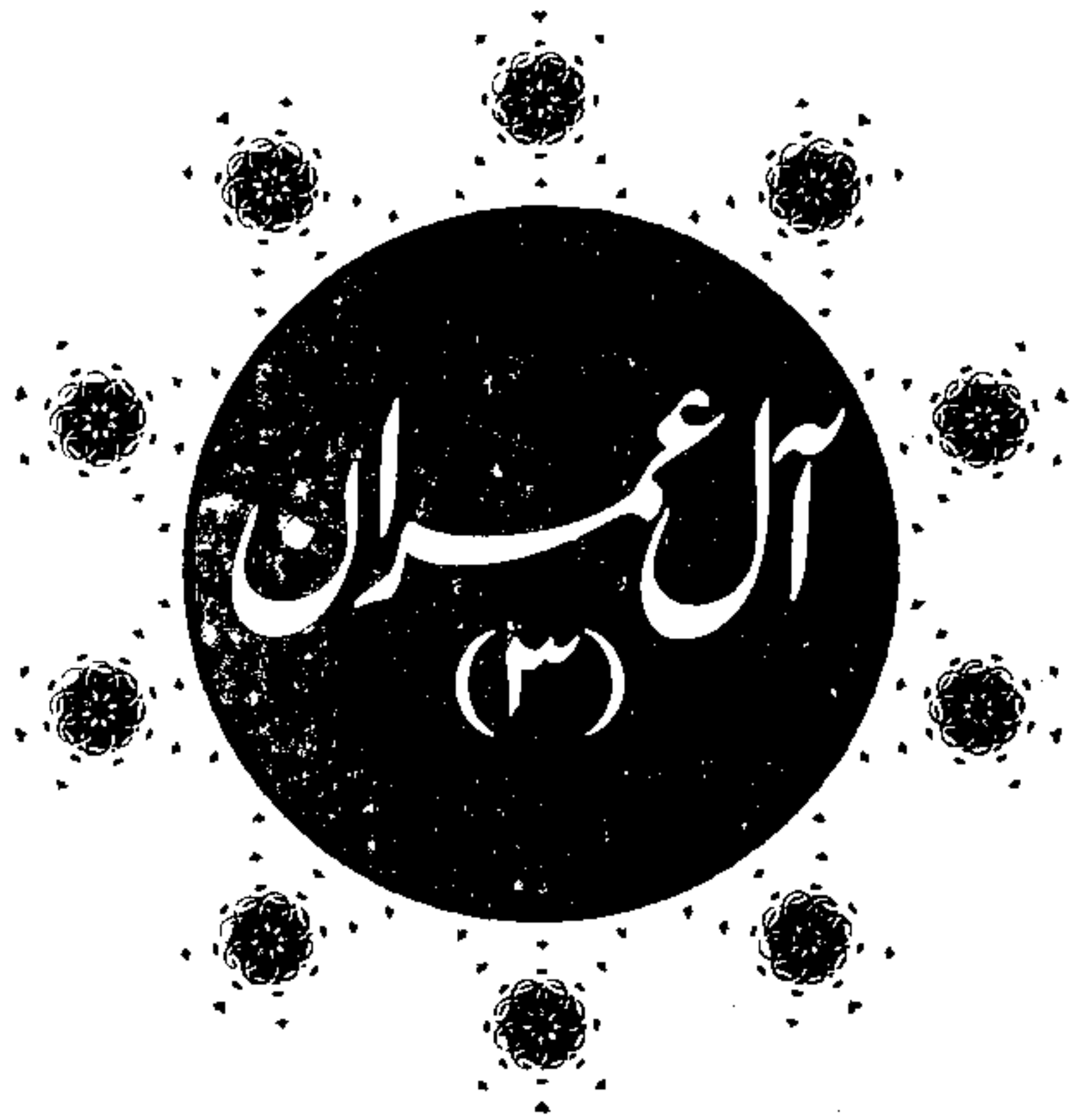
سورۂ آل عمران کے مشمولات

یہ سورت مصحفِ کریم میں درج تیسری سورت ہے، یہ سورت مدنی ہے اور اس میں دو سو آیتیں ہیں، یہ سورت، سورۃ الانفال کے بعد نازل ہوئی ہے۔

سورۃ البقرۃ اور سورۂ آل عمران کی باہمی مناسبت

(۱) سورۃ البقرۃ اور سورۂ آل عمران دونوں کی ابتداء قرآنِ مجید کے ذکر سے ہے، سورۃ البقرۃ میں مذکور ہے: ''الٓمّٓ ۚ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ ۛ فِیْہِ۔۔۔ (البقرۃ: ۱۔ ۲)'' اور سورۂ آل عمران کی ابتداء میں مذکور ہے: ''الٓمّٓ ۙ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۙ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۝ نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ۔۔۔ (آل عمران: ۱۔ ۳)''۔

(۲) سورۃ البقرۃ میں مومنین، منافقین، یہود و نصاریٰ اور دیگر کفار کے احوال کا ذکر ہے اور سورۂ آل عمران میں اُن لوگوں کا ذکر ہے جو آیاتِ متشابہات کی غلط اور باطل تاویل کرتے ہیں اور اُن مومنین کا ذکر ہے جو آیاتِ متشابہات کی تاویل کو اللہ عزوجل کے سپرد کر دیتے ہیں۔

(۳) اِن دونوں سورتوں میں حضرت آدم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی تخلیق کو بیان فرمایا ہے۔ سورۃ البقرۃ میں حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا ذکر فرمایا ہے اور سورۂ آل عمران میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر فرمایا ہے۔

(۴) سورۃ البقرۃ میں یہودِ مدینہ کے مسلمانوں سے مناظروں کا ذکر ہے اور سورۂ آل عمران میں نجران کے عیسائیوں کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مناظرہ کا ذکر ہے۔

(۵) اِن دونوں سورتوں کے آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کی تعلیم فرمائی ہے، سورۃ البقرۃ میں مذکور ہے: ''رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا۔۔۔ الخ (البقرہ: ۲۸۶)'' اور سورۂ آلِ عمران میں مذکور ہے: ''رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ کَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝۱۹۳ ۔۔۔ (آل عمران: ۱۹۳)''۔

سورۂ آلِ عمران میں مذکور چند عقائد

اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی توحید، سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت، قرآنِ مجید کا صدق اور اہلِ کتاب کے شبہات کا ازالہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق عیسائیوں کے اس عقیدہ کا بطلان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا یا خدا کے بیٹے ہیں اور یہود کی دیگر برائیوں اور ان کے جرائم کا ذکر ہے۔

سورۂ آل عمران میں مذکور چند احکام شرعیہ

اس سورت میں حجۃ الاسلام کی فرضیت، جہاد کی فرضیت، سود کی تحریم، زکوٰۃ نہ دینے والوں کی سزا اور دیگر عبرت ناک احوال اور غزوۂ بدر اور احد کے احوال بیان فرمائے گئے ہیں۔

سورۂ آل عمران کی وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام سورۂ آل عمران اس لیے رکھا گیا ہے، کیونکہ اس سورت میں حضرت مریم کے والد حضرت عمران کا قصہ بیان فرمایا ہے اور حضرت مریم کی والدہ نے جو عبادت کی نذر مانی تھی اس کا بیان ہے۔

ایاتہا ۲۰۰ ۳ سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِیَّۃٌ ۸۹ رکوعاتہا ۲۰

(سورۂ آل عمران مدنی ہے اور اس میں دو سو آیات اور بیس رکوع ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ عزوجل کے بابرکت نام سے ہی (ابتداء ہے) جو سب پر رحم فرمانے والے، نہایت مہربان ہیں

الٓمّٓ ۝۱ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۝۲

الف لام میم ۝ اللہ (برحق معبود) ہیں، ان کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہ (ازخود ہمیشہ ہمیشہ) زندہ رہنے والے اور سب کو قائم فرمانے والے ہیں ۝

نَزَّلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ ۝۳

(اے رسولِ اکرم!) اُنہوں نے آپ پر برحق کتاب نازل فرمائی جو اُس سے پہلے (اصل آسمانی کتابوں) کی تصدیق فرمانے والی ہے اور اُنہوں نے تورات اور انجیل نازل فرمائی ۝

مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۗ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝۴

اُنہوں نے لوگوں کی ہدایت کے لیے اس کتاب سے پہلے (تورات اور انجیل نازل فرمائی) اور (پھر) قرآن نازل فرمایا جو حق اور باطل میں تفریق فرمانے والا ہے، بے شک جن لوگوں نے اللہ کی آیات کے ساتھ کُفر کو اختیار کیا اُن کے لیے سخت عذاب ہے، اور اللہ بہت غالب اور زبردست بدلہ لینے والے ہیں ۝

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَخْفٰى عَلَیْهِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ؕ ۝۵

بے شک اللہ پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے نہ زمین میں اور نہ آسمان میں ۝

هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝۶

وہی تمہیں ماؤں کے پیٹ میں جیسی چاہتے ہیں صورت عطا فرماتے ہیں، ان کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے وہی بہت غالب بے حد حکمت والے ہیں ۝

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ۚ وَ مَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَ مَا یَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

اسی نے آپ پر یہ کتاب نازل فرمائی ہے جس کی چند آیات محکمہ ہیں اور وہی کتاب کی اصل ہیں اور دیگر آیات متشابہات ہیں، پس رہے وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی (ٹیڑھ) ہے، وہ اُن آیات کے درپے رہتے ہیں جو اُن میں سے متشابہات ہیں تاکہ فتنہ برپا کریں اور اِن آیات کی اصلی مراد کا پتا چلائیں اور ان آیات کے متشابہات کی اصل مراد کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور پختہ علم والے کہتے ہیں: ہم ان پر ایمان لائے، یہ تمام آیات ہمارے رب کی طرف سے نازل فرمائی گئی ہیں اور صرف عقل سے کام لینے والے ہی نصیحت کو قبول کرتے ہیں O

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝

(پختہ علم والے دعا کرتے ہیں:) اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو ہدایت عطا فرمانے کے بعد ٹیڑھا نہ فرمایئے اور ہمیں اپنے پاس سے (خصوصی) رحمت عطا فرمائیں، بے شک آپ ہی بہت زیادہ عطا فرمانے والے ہیں O

رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ۝ ع

اے ہمارے رب! بے شک آپ تمام لوگوں کو اُس دن میں جمع فرمانے والے ہیں جس دن کے واقع ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، بے شک اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں فرماتے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''الف لام میم O اللہ (برحق معبود) ہیں، ان کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہ (ازخود ہمیشہ ہمیشہ) زندہ رہنے والے اور سب کو قائم فرمانے والے ہیں O'' (آل عمران: ۱۔۲)

''الٓمّٓ ۝'': اس کی تفسیر البقرہ: ۱ میں گزر چکی ہے۔

نجران کے نصاریٰ سے مناظرہ اور عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث کا بُطلان اور عقیدۂ توحید کا اثبات

علامہ ابوحفص عمر بن علی الدمشقی الحنبلی المتوفی ۸۸۰ھ آل عمران: ۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

الربیع بن انس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نجران کا وفد آیا (نجران مکہ سے سات مراحل کے فاصلہ پر یمن کی طرف ایک بڑا شہر ہے جس میں تہتر بستیاں ہیں)، اس وفد میں ساٹھ سوار تھے اور اُن کے معزز لوگوں میں سے چودہ افراد تھے

اور اُن میں سے تین اُن کی قوم کے اکابر تھے اور اُن میں سے ایک اُن کا امیر تھا جس کو العاقب کہا جاتا تھا اور اس کا نام عبد المسیح تھا اور دوسرا اُن کا مشیر اور وزیر تھا جس کو وہ السیّد کہتے تھے اور اس کا نام ''الایہم'' تھا اور تیسرا اُن کا بڑا عالم تھا جس کو ابو حارثہ بن علقمہ کہا جاتا تھا، اور روم کے بادشاہ اس کی بہت تعظیم و تکریم کرتے تھے، پس جب نجران کا یہ وفد آیا تو ابو حارثہ اپنے خچر پر سوار ہوا، اسی اثناء میں ابو حارثہ کا خچر لڑکھڑایا تو اس کے ساتھی کُرز نے کہا: دور والا ہلاک ہو جائے، اس کی مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی تھی، تب ابو حارثہ نے کہا: بلکہ تیری ماں ہلاک ہو جائے، اس نے پوچھا: وہ کیوں میرے بھائی؟ تو اس نے بتایا: بے شک اللہ کی قسم! یہ وہی نبی ہیں جن کا ہم انتظار کر رہے تھے، تب اُس کے بھائی کُرز نے کہا: پھر تمہیں اُن پر ایمان لانے سے کیا چیز مانع ہے؟ ابو حارثہ نے کہا: کیونکہ یہ بادشاہ ہم کو بڑے بڑے نذرانے دیتے ہیں اور ہماری تعظیم کرتے ہیں اگر ہم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لے آئے تو وہ ہم سے یہ تمام مراتب اور مال و دولت چھین لیں گے، تب اُس کے بھائی کُرز کے دل میں یہ بات جم گئی اور اس نے اپنے اسلام قبول کرنے کے ارادہ کو مخفی رکھا، پھر یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد میں اس وقت داخل ہوئے جب آپ نے عصر کی نماز پڑھی تھی اور اس وفد کے لوگوں نے بہت قیمتی پوشاک پہنی ہوئی تھی، اور جب نماز کا وقت آیا تو العاقب اور السیّد اور الحبر (عالم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد میں اپنی نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں سے فرمایا: ان کو چھوڑ دو، انہوں نے مشرق کی طرف مونہہ کر کے نماز پڑھی، پھر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مناظرہ شروع کیا، پس کبھی وہ کہتے کہ عیسیٰ ''اللہ'' ہیں اور کبھی کہتے کہ وہ ''ابن اللہ'' ہیں اور کبھی وہ کہتے کہ وہ ''تین میں سے تیسرے'' ہیں اور اس پر انہوں نے یہ دلائل پیش کئے کہ حضرت عیسیٰ مردوں کو زندہ کرتے تھے، بیماروں کو تندرست کرتے تھے اور غیب کی خبریں دیتے تھے اور مٹی سے پرندے بنا کر پھونک مارتے تو وہ اڑنے لگتے تھے اور انہوں نے حضرت عیسیٰ کے ''ابن اللہ'' ہونے پر یہ دلیل پیش کی کہ حضرت عیسیٰ کا کوئی باپ معلوم نہیں ہے، اور انہوں نے حضرت عیسیٰ کے ''تین میں کے تیسرے'' ہونے پر یہ دلیل پیش کی کہ اللہ تعالیٰ اپنے متعلق جمع کا صیغہ ذکر فرماتا ہے مثلاً ''فَعَلْنَا'' (ہم نے کیا) مثلاً ''قُلْنَا'' (ہم نے فرمایا) اور اگر اللہ تعالیٰ واحد ہوتا تو ''فَعَلْتُ'' (میں نے کیا) اور ''قُلْتُ'' (میں نے کہا) فرماتا، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم اسلام قبول کر لو، انہوں نے کہا: ہم اسلام قبول کر چکے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم جھوٹ بولتے ہو، اسلام کے خلاف تمہارا یہ قول ہے کہ اللہ کا بیٹا ہے اور تمہارا صلیب کی عبادت کرنا ہے اور تمہارا خنزیر کھانا ہے، انہوں نے کہا: اگر اللہ کا کوئی بیٹا نہیں ہے تو پھر بتائیں حضرت عیسیٰ کا باپ کون ہے؟ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش ہو گئے، اس موقع پر اللہ عزوجل نے سورۂ آل عمران کی اسّی سے زائد آیات نازل فرمائیں اور انہی آیات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو جواب دیا، آپ نے پوچھا: کیا تم مانتے ہو کہ ہر بیٹا اپنے باپ کے مشابہ ہوتا ہے؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: کیا تم یہ نہیں مانتے کہ ہمارا رب ہمیشہ ہمیشہ زندہ ہے اور اس کو موت نہیں آئے گی اور بے شک عیسیٰ علیہ السلام پر موت آئے گی، انہوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: کیا تم نہیں مانتے کہ ہمارا رب ہر چیز کو قائم فرمانے والا ہے اور ہر چیز کی حفاظت فرمانے والا ہے اور ہر ایک کو رزق عطا فرمانے والا ہے؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے پوچھا: کیا حضرت عیسیٰ ان کاموں میں سے کسی کام کے مالک تھے؟ انہوں نے کہا: نہیں! آپ نے پوچھا: کیا تم یہ نہیں مانتے کہ زمین و آسمان کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہے؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے پوچھا: کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی زمین

وآسمان کی کوئی چیز مخفی نہیں تھی؟ انہوں نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: پس بے شک ہمارے رب نے حضرت عیسیٰ کو ماں کے پیٹ میں جیسی چاہی صورت عطا فرمائی، آپ نے فرمایا: کیا تم یہ نہیں مانتے کہ بے شک ہمارا رب نہ کھاتا ہے اور نہ پیتا ہے اور نہ قضائے حاجت کرتا ہے؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: کیا تم نہیں مانتے کہ حضرت عیسیٰ سے اُن کی ماں اس طرح حاملہ ہوئیں جیسے عورتیں اپنے بچوں سے حاملہ ہوتی ہیں اور حضرت عیسیٰ کی ماں نے حضرت عیسیٰ کو اسی طرح جنا جس طرح عورتیں اپنے بچوں کو جنتی ہیں، پھر حضرت عیسیٰ کو اسی طرح غذا دی گئی جس طرح بچوں کو غذا دی جاتی ہے، پھر وہ کھانا کھاتے تھے اور پانی پیتے تھے اور قضاءِ حاجت کرتے تھے؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: پس جب تمہارا یہ زعم ہے تو پھر حضرت عیسیٰ خدا کیسے ہو سکتے ہیں؟ اور انہوں نے سوا انکار کے اور کوئی جواب نہیں دیا، پھر انہوں نے جواباً کہا: اے محمد! کیا آپ کا یہ زعم نہیں ہے کہ عیسیٰ ''اللہ'' کا کلمہ اور اس کی روح ہیں؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں! انہوں نے کہا: بس یہ بات ہمیں کافی ہے، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ''، پھر اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُن سے مباہلہ کرنے کا حکم فرمایا، سو آپ نے اُن کو مباہلہ کی دعوت دی تو انہوں نے کہا: اے ابو القاسم! ہمیں غور و فکر کرنے کی مہلت دیں، پھر ہم بعد میں آپ کے پاس آئیں گے، سو وہ چلے گئے، پھر اُن تینوں نے ایک دوسرے سے کہا: تمہاری کیا رائے ہے؟ پس ایک نے کہا: اے نصاریٰ کی جماعت! تمہیں خوب معلوم ہے کہ محمد نبی مرسل ہیں اور وہ تمہارے پاس تمہارے پیغمبر کے متعلق فیصلہ کن خبریں سناتے ہیں اور تم اچھی طرح جانتے ہو کہ جس قوم نے بھی نبی سے مباہلہ کیا تو اُس کے بڑے اور چھوٹے سب فنا کر دیئے گئے اور اگر تم نے ان سے مباہلہ کیا تو تم سب مارے جاؤ گے، پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: اے ابو القاسم! بے شک ہماری یہ رائے ہے کہ ہم آپ سے مباہلہ نہ کریں اور آپ ہم کو اپنے دین پر عمل کرنے کے لیے چھوڑ دیں اور ہم اپنے دین پر عمل کرتے رہیں، اور انہوں نے کہا: آپ اپنے اصحاب میں سے ہمارے ساتھ کسی مرد کو بھیجئے تاکہ جن مالی معاملات میں ہمارا اختلاف ہے وہ اُس میں ہمارا فیصلہ کریں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم شام کو آنا، میں تمہارے ساتھ ''القوی الامین'' کو بھیجوں گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اس دن کے علاوہ اور کسی دن امارت کی تمنا نہیں کی، انہوں نے بیان کیا کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، پھر آپ نے اپنی دائیں طرف اور بائیں طرف نظر ڈالی اور میں چاہتا تھا کہ آپ مجھ پر نظر جمائے رکھیں حتیٰ کہ آپ نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ پر نظر ڈالی، سو اُن کو بلایا، پس فرمایا: اے ابو عبیدہ! تم اِن لوگوں کے ساتھ جاؤ اور ان کے مالی معاملات کے اختلاف میں حق کے ساتھ فیصلہ کرو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا: پس وہ لوگ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لے گئے۔

(تفسیر ابن جریر ج ۶ ص ۲۵۱۔ ۲۵۲، البحر المحیط ج ۲ ص ۳۸۹) (اللباب فی علوم الکتاب ج ۵ ص ۱۰۔ ۱۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۱ء)

''اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۝'': اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا ہونے کے عقیدہ کو باطل فرمایا ہے کہ خدا وہ ہوتا ہے جو ہمیشہ ہمیشہ از خود زندہ ہو اور دوسروں کو قائم کرنے والا ہو، جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمیشہ ہمیشہ سے زندہ نہیں تھے نہ پیدا ہونے سے پہلے موجود تھے اور نہ اپنی وفات کے بعد موجود رہیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) انہوں نے آپ پر برحق کتاب نازل فرمائی جو اُس سے پہلے (اصل

آسمانی کتابوں) کی تصدیق فرمانے والی ہے اور اُنہوں نے تورات اور انجیل نازل فرمائی O" (آل عمران: ۳)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی صداقت کی دلیل

"نَزَّلَ عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ": اس آیت میں قرآن مجید اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے برحق ہونے پر دلیل حسبِ ذیل ہے:

اس کتاب میں انبیاء سابقین کے جو واقعات بیان فرمائے گئے ہیں وہ پہلی آسمانی کتابوں کے موافق ہیں، جب کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اہلِ کتاب علماء کے ساتھ میل جول نہیں رہا اور نہ آپ نے کسی سے ان واقعات کا علم حاصل کیا، اس سے معلوم ہو گیا کہ آپ نے انبیاء سابقین کے جو قصص اور واقعات بیان فرمائے ہیں ان کو صرف اللہ تعالیٰ کی وحی سے جانا تھا۔

تورات اور انجیل عربی نام ہیں یا عبرانی

"وَاَنۡزَلَ التَّوۡرٰىةَ وَالۡاِنۡجِيۡلَ ۙ": اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ تورات اور انجیل عربی الفاظ ہیں یا عجمی الفاظ ہیں۔ زمخشری متوفی ۵۳۸ھ وغیرہ کا مختار یہ ہے کہ تورات اور انجیل دونوں عبرانی زبان کے الفاظ ہیں اور علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔ (البحر المحیط ج ۲ ص ۳۸۷)، بعض علماء نے کہا کہ تورات عربی زبان کا لفظ ہے اور یہ "تفعلۃ" کے وزن پر ہے مگر اس دعویٰ پر کوئی دلیل نہیں ہے، اور انہوں نے کہا: "الانجیل" بھی عربی لفظ ہے اور یہ "اِفعیل" کے وزن پر ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اُنہوں نے لوگوں کی ہدایت کے لیے اس کتاب سے پہلے (تورات اور انجیل نازل فرمائی) اور (پھر) قرآن نازل فرمایا جو حق اور باطل میں تفریق فرمانے والا ہے، بے شک جن لوگوں نے اللہ کی آیات کے ساتھ کُفر کو اختیار کیا اُن کے لیے سخت عذاب ہے، اور اللہ بہت غالب اور زبردست بدلہ لینے والے ہیں O" (آل عمران: ۴)

"الفُرقان" سے زبور یا قرآن مراد لینے پر اشکال کا جواب

"وَاَنۡزَلَ الۡفُرۡقَانَ": ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں فُرقان سے مراد الزبور ہے، کیونکہ ارشادِ باری ہے: "وَاٰتَيۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا ﴿۵۵﴾۔ (بنی اسرائیل: ۵۵)" اور دوسرا قول یہ ہے کہ الفرقان سے مراد قرآنِ مجید ہے۔

ابن الخطیب نے کہا کہ میرے نزدیک ان دونوں قولوں میں اشکال ہے، الفرقان سے زبور کو مراد لینا اس لیے صحیح نہیں ہے کہ زبور میں احکامِ شرعیہ کا ذکر نہیں ہے، اُس میں صرف اللہ تعالیٰ کی حمد پر مشتمل نظمیں ہیں، اور اس سے قرآن مراد لینا اس لیے صحیح نہیں ہے کہ فُرقان کا عطف اس سے پہلے "نَزَّلَ عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ" پر ہے، اور عطف کا تقاضا یہ ہے کہ الفرقان کو الکتاب یا قرآن مجید کے مغایر کوئی چیز ہونا چاہیے، اس لیے میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ فرقان سے یہاں پر مراد وہ معجزات ہیں جو ان کتابوں کے نازل فرمانے کے ساتھ عطا فرمائے گئے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بیشک اللہ پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے نہ زمین میں اور نہ آسمان میں O''

(آل عمران: ۵)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ''ابن اللہ'' ہونے کا بُطلان

''اِنَّ اللّٰہَ لَا یَخْفٰی عَلَیْہِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ۝'': یعنی اللہ تعالیٰ کا علم تمام اشیاء کو محیط ہے۔

نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت پر یہ دلیل قائم کی تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام غیب کی خبریں بیان کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے زمین و آسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کا خالق ہے اور خالق کے لیے ضروری ہے کہ اسے اپنی مخلوق کا علم ہو اور یہ بات بداہۃً معلوم ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام تمام مغیبات کے عالم نہیں تھے اور وہ تمام مغیبات کے کیسے عالم ہو سکتے ہیں؟ کیونکہ نصاریٰ اس بات کے معترف ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا گیا تھا، پس اگر اُن کو غیب کا علم ہوتا تو وہ ضرور جان لیتے کہ اُن کی قوم اُن کو قتل کرنے کا ارادہ کر رہی ہے تو وہ اُن کے پہنچنے سے پہلے ان کے پاس سے بھاگ جاتے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد: ''وہی تمہیں ماؤں کے پیٹ میں جیسی چاہتے ہیں صورت عطا فرماتے ہیں، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے وہی بہت غالب بے حد حکمت والے ہیں O'' (آل عمران: ۶)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق دعویٰ الوہیت کا بُطلان

''ھُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَآءُ'': اس آیت سے اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کے اس عقیدہ کا رد فرمایا ہے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کے خدا ہونے پر یہ دلیل قائم کرتے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام مُردوں کو زندہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اُن کا رد فرمایا کہ بعض صورتوں میں حضرت عیسیٰ کا مُردوں کو زندہ کر دینا اُن کے خدا ہونے کو مستلزم نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ماؤں کے پیٹوں میں ایک حقیر قطرہ کو انسان کی صورت عطا فرماتا ہے، اگر حضرت عیسیٰ زندہ کرنے اور مارنے پر قادر ہوتے تو ضرور اُن لوگوں کو مار ڈالتے جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پکڑ لیا تھا اور اُن کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا اور جیسا کہ ان کا زعم ہے ان مخالفین نے حضرت عیسیٰ کو صلیب پر چڑھا دیا تھا۔ نیز عیسائیوں کا یہ الزام تھا کہ حضرت عیسیٰ کا کوئی بشری باپ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے اُن کا رد فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ایک نُطفہ کو باپ کی صورت عطا فرما دیتا ہے اور اگر چاہے تو ابتداءً انسان کو بغیر باپ کے پیدا فرما دیتا ہے جیسے حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا فرمایا ہے اور حضرت حواء کو بھی بغیر باپ کے پیدا فرمایا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اسی نے آپ پر یہ کتاب نازل فرمائی ہے جس کی چند آیات محکمہ ہیں اور وہی کتاب کی اصل ہیں اور دیگر آیات متشابہات ہیں، پس رہے وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی (ٹیڑھ) ہے، وہ اُن آیات کے درپے رہتے ہیں جو اُن میں سے متشابہات ہیں تاکہ فتنہ برپا کریں اور اِن آیات کی اصلی مراد کا پتا چلائیں اور اِن آیات کے متشابہات کی اصل مراد کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور پختہ علم والے کہتے ہیں: ہم

ان پر ایمان لائے، یہ تمام آیات ہمارے رب کی طرف سے نازل فرمائی گئی ہیں اور صرف عقل سے کام لینے والے ہی نصیحت کو قبول کرتے ہیں O" (آل عمران: ۷)

"المُحکَم" اور "المُتَشابہ" کی تفسیر میں علماء اسلام کے متعدد اقوال

"مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ": المُحکَم اور المُتَشابہ کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "المُحْکَمَات" سورۃ الانعام کی یہ تین آیات ہیں:

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَیْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْــٴًـا وَّ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ۚ وَ لَا تَقْتُلُوْۤا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِیَّاهُمْ ۚ وَ لَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ ۚ وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ حَتّٰى یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَ اَوْفُوا الْكَیْلَ وَ الْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَ بِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

(الانعام: ۱۵۱۔ ۱۵۳)

(اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: آؤ میں تم پر اُن چیزوں کی تلاوت کروں جن کو تمہارے رب نے تم پر حرام فرما دیا ہے (اس کا ارشاد ہے:) کہ تم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو، اور تنگدستی کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، تم کو بھی ہم رزق عطا فرماتے ہیں اور اُن کو بھی، اور تم بے حیائی کے کاموں کے قریب نہ جاؤ، خواہ وہ بے حیائی کے کام ظاہر ہوں یا پوشیدہ، اور تم کسی ایسی جان کو ناحق قتل نہ کرو جس کے قتل کو اللہ نے حرام فرما دیا ہے، یہی وہ کام ہیں جن کا اللہ نے تمہیں حکم فرمایا ہے تا کہ تم عقل سے کام لو O اور تم بہت اچھے طریقہ کے سوا یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ حتیٰ کہ وہ یتیم اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو، ہم کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتے، اور جب تم بات کرو تو انصاف کے ساتھ کرو خواہ وہ تمہارے قرابت دار ہوں، اور اللہ کے عہد کو پورا کرو، یہی وہ امور ہیں جن کا اللہ نے تمہیں مؤکد حکم دیا ہے تا کہ تم نصیحت حاصل کرو O اور بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے، سو تم اسی راستہ پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو وہ راستے تمہیں اللہ کے راستے سے الگ کر دیں گے، اسی بات کا اللہ نے تمہیں مؤکد حکم دیا ہے تا کہ تم (گمراہی سے) بچو O

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: آیاتِ متشابہات سورتوں کی ابتداء میں حروفِ تہجی ہیں مثلاً الٓمّٓ، الٓرٰ، الٓمّٓصٓ وغیرہا۔

(۳) مجاہد اور عکرمہ نے کہا: آیاتِ متشابہات وہ ہیں جن میں الحلال اور الحرام کا بیان ہے اور ان کے سوا آیاتِ متشابہات ہیں جو حق ہونے اور ایک دوسرے کی تصدیق میں آپس میں مشابہ ہیں۔

(۴) قتادہ، الضحاک اور السدی نے کہا: المُحکم وہ ناسخ آیات ہیں جن پر عمل کیا جاتا ہے، اور المتشابہ وہ منسوخ آیات ہیں جن پر عمل نہیں کیا جاتا اور اُن پر ایمان رکھا جاتا ہے۔

(۵) المُحکمات وہ آیات ہیں جن کے معنی پر اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو مطلع فرما دیا، اور المتشابہ وہ آیات ہیں جن کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اور اُن کے علم کا کسی کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے، جیسے وقتِ وقوعِ قیامت کی خبر اور دجال کے نکلنے کی خبر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کی خبر اور مغرب سے سورج کے طلوع ہونے کی خبر اور قیامت قائم ہونے اور دنیا کے فنا ہونے کی خبر۔

(۶) محمد بن جعفر بن الزبیر نے کہا: المُحکمات وہ آیات ہیں جن میں کسی وجہ سے تاویل کی گنجائش نہیں ہے اور المتشابہات وہ آیات ہیں جن میں کئی تاویلات کی گنجائش ہے۔

(۷) المُحکمات وہ آیات ہیں جن کا معنی معروف ہے اور جن کی اپنے مقصود پر دلالت واضح ہے اور اس کے دلائل مشتبہ نہیں ہیں اور المتشابِہ وہ آیت ہے جن کا غور وفکر سے علم ہوتا ہے اور عوام اُس میں حق کو باطل سے متمیز نہیں کر سکتے۔

(۸) المُحکمات وہ آیات ہیں جس کا معنی از خود مستقل ہو، اور المُتشابہات وہ آیات ہیں جن کا معنی از خود مستقل نہ ہو بلکہ کسی دوسرے ذریعہ سے سمجھ آئے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(پختہ علم والے دعا کرتے ہیں:) اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو ہدایت عطا فرمانے کے بعد ٹیڑھا نہ فرمائیے اور ہمیں اپنے پاس سے (خصوصی) رحمت عطا فرمائیں، بے شک آپ ہی بہت زیادہ عطا فرمانے والے ہیں O'' (آل عمران: ۸)

دلوں کی ہدایت اور اُن کے ''زیغ'' کا اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہونا

''رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا بَعۡدَ اِذۡ هَدَيۡتَنَا'':

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ ''زیغ'' یعنی دلوں کا ٹیڑھا ہونا اور ''ہدایت'' اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے، اہل السنۃ نے کہا: کیونکہ انسان کا دل اس بات کی صلاحیت رکھتا ہے کہ وہ کفر کی طرف مائل ہو یا اسلام کی طرف مائل ہو اور انسان کے دل کا کسی ایک جانب کی طرف مائل ہونا اُسی وقت ہوگا جب اس کے دل میں اُس کی کوئی تحریک ہو، کوئی داعیہ ہو، کوئی ارادہ ہو جس کو اللہ تعالیٰ وجود میں لاتا ہے۔ پھر اگر یہ تحریک کفر کی تحریک ہو تو یہ الخذلان، الازاغة، الصد، الختم، الرین، القسوة، الوقر اور الکنان وغیرہ ہے جو الفاظ قرآن مجید میں وارد ہیں، اگر یہ تحریک ایمان کی تحریک ہو تو یہ التوفیق، الارشاد، الهداية، التصدید، التثبیت اور العصمة وغیرہ ہے جو الفاظ اس کے متعلق قرآن مجید میں وارد ہیں۔

حضرت النواس بن سمعان الکلابی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: ہر قلب رب العالمین کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے، اگر وہ اس دل کو سیدھا رکھنا چاہے تو سیدھا رکھتا ہے اور اگر وہ اس دل کو ٹیڑھا کرنا چاہے تو ٹیڑھا فرما دیتا ہے اور آپ یہ دعا فرماتے تھے: ''یا مقلب القلوب ثبت قلوبنا علی دینك'' (اے دلوں کے پلٹنے والے! ہمارے دلوں کو اپنے دین پر ثابت رکھ)۔

(مسند احمد: ۱۷۱۷۸، ج ۴ ص ۱۸۲، رقم: ۱۷۷۳۰، صحیح ابن خزیمہ: التوحید ص ۸۰، الشریعہ للآجری ص ۳۱۷، کتاب الدعاء للطبرانی: ۱۲۶۲، مسند الشامیین: ۵۸۲، شرح السنہ للبغوی: ۸۹، سنن ابن ماجہ: ۱۹۹، المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۵۲۵، ج ۲ ص ۲۸۹، ج ۴ ص ۳۲۱، کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ص ۳۴۱)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ہمارے رب! بے شک آپ تمام لوگوں کو اُس دن میں جمع فرمانے والے ہیں جس دن کے واقع ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، بے شک اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں فرماتے O'' (آل عمران: ۹)

قیامت کے وقوع، میدانِ حشر کو قائم کرنے اور حساب و کتاب لینے پر عقلی دلائل

''رَبَّنَآ اِنَّکَ جَامِعُ النَّاسِ لِیَوۡمٍ لَّا رَیۡبَ فِیۡہِ'':

میں کہتا ہوں: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے وقوع کا ذکر فرمایا ہے، قیامت کا وقوع اس لیے ضروری ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس دنیا میں بہت سارے لوگ ظلم کرتے کرتے مرجاتے ہیں اور اُن کو ان کے مظالم کی کوئی سزا نہیں ملتی، اور بہت لوگ اس دنیا میں ظلم برداشت کرتے کرتے مرجاتے ہیں اور ان کو ان کی مظلومیت پر کوئی جزا نہیں ملتی، اگر اس جہان کے بعد کوئی اور جہان نہ ہو تو ظالم بغیر سزا کے رہ جائے گا اور مظلوم بغیر جزا کے رہ جائے گا اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کے عدل کے خلاف ہے، اس لیے ضروری ہوا کہ اس جہان کے بعد کوئی اور جہان بھی ہو جہاں ظالم کو اس کے ظلم کی سزا دی جائے اور مظلوم کو اس کی مظلومیت کی جزا دی جائے، اور انسان مرجاتا ہے لیکن اُس کے عمل کا سلسلہ جاری رہتا ہے، ایک شخص کوئی شراب خانہ یا کوئی قحبہ خانہ یا کوئی جوا خانہ یا کوئی سینما گھر بنا کر مرجاتا ہے لیکن اس کے مرنے کے بعد بھی اس کے برے اعمال کا سلسلہ جاری رہتا ہے، لوگ اس کے بنائے ہوئے شراب خانہ میں شرابیں پیتے رہتے ہیں، قحبہ خانوں میں بدکاری کرتے رہتے ہیں، جوئے خانوں میں جوا کھیلتے رہتے ہیں، سینما گھروں میں فلمیں دیکھتے رہتے ہیں، تو جب تک یہ دنیا قائم ہے اس وقت تک ظلم اور جرم کا سلسلہ ختم نہیں ہوگا اور اس کے اعمال نامہ میں اس کی برائیاں لکھی جاتی رہیں گی، اس لیے کسی ظالم اور کسی مجرم کو اس کے ظلم اور اس کے جرم کی سزا اسی وقت دی جاسکتی ہے جب کہ اس کے مظالم اور جرائم کا سلسلہ ختم ہوجائے اور جب تک یہ دنیا قائم رہے گی اس کے مظالم کا اور جرائم کا سلسلہ ختم نہیں ہوگا، اسی طرح کوئی نیک آدمی مرجاتا ہے، وہ کوئی مسجد بنا کر مرتا ہے یا وہ کوئی دینی مدرسہ قائم کرنے کے بعد مرتا ہے، یا وہ کوئی مصنف ہے، وہ کوئی دینی کتاب، قرآن مجید کی تفسیر یا احادیث کی شروح یا فقہ کی کوئی کتاب لکھ کر مرجاتا ہے لیکن اس کے مرنے سے اس کی نیکیوں کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا جب تک اس کی بنائی ہوئی مسجد میں نمازیں پڑھی جاتی رہیں گی، جب تک اس کے قائم کیے ہوئے مدرسہ میں دینی تعلیم ہوتی رہے گی، جب تک اس کی لکھی ہوئی تفسیر، حدیث یا فقہی احکام پر مشتمل کوئی کتاب پڑھی جاتی رہے گی، اس کی نیکیوں کا سلسلہ جاری رہے گا اور اس کے نامۂ اعمال میں نیکیاں لکھی جاتی رہیں گی، لہٰذا اس کی نیکیوں کا اجر عطا فرمانے کے لیے اور ظالم اور مجرم کے مظالم اور جرائم پر سزا دینے کے لیے ضروری ہے کہ اس دنیا کو ختم کردیا جائے، کیونکہ جب تک دنیا ختم نہیں ہوگی نہ برے اعمال کا سلسلہ ختم ہوگا اور نہ نیک اعمال کا سلسلہ ختم ہوگا، اس لیے ضروری ہوا کہ اس دنیا کو قیامت برپا کر کے ختم کردیا جائے اور پھر ایک نیا جہان آباد کیا جائے، ظالم اور مجرم کو زندہ کیا جائے تاکہ اس کے تمام مظالم اور جرائم پر اس کو مکمل سزا دی جائے

اور نیک مسلمانوں کو اُن کی تمام نیکیوں کی جزا دی جائے اور اجر وثواب عطا کیا جائے، اس لیے قیامت کا وقوع بھی ضروری ہے اور مُردوں کو زندہ کرنا بھی ضروری ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے تقاضے پورے ہوں اور اس کے عدل وانصاف کا ظہور ہو، پھر میدانِ محشر کا قائم ہونا بھی ضروری ہے تا کہ جن مسلمانوں سے صغیرہ یا کبیرہ، دانستہ یا نادانستہ گناہ سرزد ہو گئے تھے اور وہ اُن گناہوں پر نادم اور شرمسار تھے، اُن کے حق میں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام شفاعت کریں تا کہ اللہ تعالیٰ کی مغفرتِ عامہ کا ظہور ہو اور اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وجاہت اور مقبولیت کا اظہار ہو کہ جو گناہ گار مسلمان سزاؤں کے مستحق تھے اور دل میں ڈرتے تھے کہ آج نہ جانے ہماری کتنی سخت گرفت ہوگی پھر جب مقبولانِ بارگاہ اور سید المقبولین سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت فرمائیں گے تو اللہ تعالیٰ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر مقبولانِ بارگاہ کی عزت اور وجاہت ظاہر فرمانے اور بارگاہِ الوہیت میں اُن کا مقام اور عظمت ظاہر فرمانے کے لیے ان گناہ گاروں کو بخش دے گا اور نہ صرف بخشے گا بلکہ اپنے انعام اور اکرام سے ان کو جنت الفردوس میں بلند مقامات عطا فرمائے گا، الہ العالمین! مجھے اور میرے قارئین کو بھی یہ نعمت عطا فرمانا کہ روزِ محشر ہمیں سید الشافعین و سید المشفعین کی شفاعت حاصل ہو، نیز میدانِ محشر کو قائم کرنے اور حساب کتاب لینے میں یہ حکمت بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ ظاہر فرمائے گا کہ اے میرے بندو! تمہارے نامۂ اعمال کے اعتبار سے اتنے زیادہ گناہ تھے اور تم کتنی زیادہ سزا کے مستحق تھے لیکن میں نے اپنے کرم کے اظہار کے لیے اور اپنے مقبولانِ بارگاہ کی اپنی بارگاہ میں وجاہت ظاہر فرمانے کے لیے بجائے اس کے کہ تمہیں سزا دیتا، تمہیں معاف فرما دیا بلکہ تمہارے گناہوں کو بھی نیکیوں سے بدل ڈالا، اے اللہ! مجھے اور میرے قارئین کو بھی یہ نعمت عطا فرمانا، نیز میدانِ حشر کے قائم کرنے میں یہ حکمت بھی ہے کہ جن مسلمانوں کو کفار دنیا میں حقیر جانتے تھے، اُن کا مذاق اڑاتے تھے ان کو دکھایا جائے گا کہ تم جن کو اپنے سے کم تر سمجھتے تھے، جن کا تم تمسخر کرتے تھے، دیکھو آج اللہ تعالیٰ انہیں کتنی عزت اور وجاہت عطا فرما رہا ہے، اسی طرح بعض غریب اور نادار مسلمانوں کو بعض امیر اور متکبر سرمایہ دار بہت کم تر اور حقیر سمجھتے تھے تو اللہ تعالیٰ حشر کے دن دکھائے گا کہ جن کو تم دنیا میں کم تر اور حقیر سمجھتے تھے، دیکھو آج ہم ان کو کتنی عزت اور وجاہت عطا فرما رہے ہیں، اے میرے اللہ! مجھے اور میرے قارئین کو بھی یہ نعمت عطا فرمانا۔ سو میری اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ قیامت کا وقوع بھی ضروری ہے اور تمام مردوں کا زندہ ہونا بھی ضروری ہے، ان سے حساب کتاب لینا بھی ضروری ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَنۡ تُغۡنِیَ عَنۡہُمۡ اَمۡوَالُہُمۡ وَ لَاۤ اَوۡلَادُہُمۡ مِّنَ اللّٰہِ شَیۡئًا ؕ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمۡ وَقُوۡدُ النَّارِ ﴿۱۰﴾

بے شک جن لوگوں نے کفر کو اختیار کیا ان کے اموال اور اُن کی اولاد اُن کو اللہ کے عذاب سے ذرا بھی نہیں بچا سکیں گے، اور وہی لوگ دوزخ کا ایندھن ہیں O

کَدَاۡبِ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ ۙ وَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ؕ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا ۚ فَاَخَذَہُمُ اللّٰہُ بِذُنُوۡبِہِمۡ ؕ وَ اللّٰہُ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ﴿۱۱﴾

اُن کا طریقہ فرعون کے متبعین اور اُن سے پہلے کافروں کے طریقہ کی مثل ہے، جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو اللہ نے اُن کے گناہوں کی وجہ سے اُن پر گرفت فرمائی اور اللہ بہت سخت عذاب دینے والے ہیں O

قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَ تُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾

(اے رسولِ اکرم!) آپ کافروں سے کہیے: تم عنقریب مغلوب ہو گے اور دوزخ کی طرف ہانکے جاؤ گے، اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے O

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِیْ فِئَتَیْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ اُخْرٰى كَافِرَةٌ یَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَیْهِمْ رَاْیَ الْعَیْنِ ؕ وَ اللّٰهُ یُؤَیِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾

بے شک تمہارے لیے اُن دو فریقوں میں نشانی تھی جو (بدر کے دن) آپس میں برسرِ پیکار ہوئے، ایک فریق اللہ کی راہ میں قتال کر رہا تھا اور دوسرا فریق کافروں کا تھا وہ کھلی آنکھوں سے اپنے مدِ مقابل کو اپنے سے دگنا دیکھ رہے تھے، اور اللہ اپنی قوت سے جس کی چاہتے ہیں مدد فرماتے ہیں، بے شک اس واقعہ (بدر) میں غور سے دیکھنے والوں کے لیے ضرور عبرت ہے O

زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَ الْبَنِیْنَ وَ الْقَنَاطِیْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَ الْفِضَّةِ وَ الْخَیْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَ الْاَنْعَامِ وَ الْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾

عورتوں اور بیٹوں اور سونے اور چاندی کے اوپر تلے ڈھیروں اور نشان زدہ گھوڑوں اور مویشیوں اور کھیت کی خواہش کی محبت کو لوگوں کے لیے خوش نما بنا دیا گیا ہے، یہ سب کچھ دنیا کی (عارضی) زندگی کا سامان ہے، اور اللہ ہی کے پاس عمدہ ٹھکانا ہے O

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَیْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۱۵﴾ۚ

آپ کہیے: کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز بتا دوں؟ اللہ سے ہمیشہ ڈرنے والوں کیلئے انکے رب کے پاس ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں اور پاکیزہ بیویاں ہیں اور اللہ کی خوشنودی ہے، اور اللہ (نیک) بندوں کو لطف و کرم سے دیکھنے والے ہیں O

اَلَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اِنَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾ۚ

جو یہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! بے شک ہم ایمان لے آئے، سو آپ ہمارے لیے ہمارے گناہوں کو بخش دیجیے اور ہمیں

دوزخ کے عذاب سے بچالیجئےO

اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾

یہ لوگ (مصائب پر) صبر کرنے والے ہیں، اور (آزمائش کے مواقع پر) سچ بولنے والے ہیں، اور (اللہ کے احکام کی) اطاعت کرنے والے ہیں، اور (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے والے ہیں، اور رات کے آخری حصوں میں مغفرت طلب کرنے والے ہیںO

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾

اللہ نے اور فرشتوں نے اور علماء نے عدل سے کام لیتے ہوئے گواہی دی کہ اللہ معبود ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے وہ بہت غالب بے حد حکمت والا ہےO

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۫ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾

بے شک اللہ کے نزدیک اسلام ہی دین ہے، اور جن اہلِ کتاب نے ضد بحث میں ایک دوسرے سے اختلاف کیا تھا سو اُن کا یہ اختلاف ان کے پاس حصولِ علم کے باوجود واقع ہوا اور جو اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کو اختیار کرے گا تو بے شک اللہ بہت جلد حساب لینے والے ہیںO

فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾

پھر (اے رسولِ اکرم!) اگر یہ لوگ (دینِ اسلام کے متعلق) آپ سے جھگڑا کریں تو آپ کہیے: میں نے اور میرے پیروکاروں نے تو اپنا چہرہ اللہ کے حضور جھکا دیا، اور آپ اہلِ کتاب اور ان پڑھ لوگوں سے کہیے: کیا تم نے بھی اپنا چہرہ اللہ کے حضور جھکا یا؟ پس اگر وہ اللہ کے حضور اپنے آپ کو جھکا دیں تو وہ ہدایت یافتہ ہوں گے اور اگر وہ رُوگردانی کریں تو آپ کے ذمہ صرف دین کے احکام کو پہنچا دینا ہے، اور اللہ اپنے بندوں کو خوب دیکھنے والے ہیںO

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک جن لوگوں نے کفر کو اختیار کیا ان کے اموال اور اُن کی اولاد اُن کو اللہ کے عذاب سے ذرا بھی نہیں بچا سکیں گے، اور وہی لوگ دوزخ کا ایندھن ہیںO'' (آل عمران: ۱۰)

''اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا'':

آل عمران: ۱۰ کی تفسیر میں ربط آیات اور شان نزول

اس سے پہلے آلِ عمران: ۸، اور ۹ میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کی اللہ عزوجل سے دعا اور اُن کے گڑگڑانے کا ذکر فرمایا تھا: ''رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا۔ (آل عمران: ۸)'' اور فرمایا تھا: ''رَبَّنَاۤ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ (آل عمران: ۹)'' اور اب آلِ عمران: ۱۰ میں اللہ عزوجل کفار کے حال کی کیفیت اور اُن کے عذاب کی شدت کی حکایت فرما رہا ہے۔

اس سے مراد نجران کا وفد ہے کیونکہ ان کے قصہ میں یہ روایت گزر چکی ہے کہ ابو حارثہ بن علقمہ نے اپنے بھائی سے کہا: بیشک میں جانتا ہوں کہ یہ اللہ کے برحق رسول ہیں لیکن اگر میں نے لوگوں کے سامنے یہ بات ظاہر کردی تو روم کے بادشاہ نے مجھ کو جو وظائف اور عطیات دیے ہیں وہ واپس لے لیں گے تو اللہ تعالیٰ نے آلِ عمران: ۱۰ میں یہ خبر دی کہ روم کے بادشاہوں نے جو نجران کے لوگوں کو اموال دیے ہیں وہ اموال اُن سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دور نہیں کر سکتے، لہٰذا ارشاد فرمایا: ''بے شک جن لوگوں نے کفر کو اختیار کیا ان کے اموال اور اُن کی اولاد اُن کو اللہ کے عذاب سے ذرا بھی نہیں بچا سکیں گے، وہی لوگ دوزخ کا ایندھن ہیں O''۔

(اللباب فی علوم الکتاب ج ۵ ص ۴۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۱ء)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اُن کا طریقہ فرعون کے متبعین اور اُن سے پہلے کافروں کے طریقہ کی مثل ہے، جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو اللہ نے اُن کے گناہوں کی وجہ سے اُن پر گرفت فرمائی اور اللہ بہت سخت عذاب دینے والے ہیں O'' (آل عمران: ۱۱)

ربطِ آیات اور لفظ ''دأب'' کی تحقیق

''كَدَأْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ'': اس آیت کی تفسیر میں متعدد احتمالات ہیں، ایک احتمال یہ ہے کہ یہ آیتِ کریمہ اللہ تعالیٰ کی عادتِ جاریہ اور کفار کی عادتِ مستمرہ دونوں کی جامع ہے، گویا کہ یوں کہا گیا کہ (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانے میں کفار کی عادت ایسی ہے جیسے ان سے پہلے کافروں کی عادت تھی، وہ اپنے اپنے زمانہ کے رسولوں کو ایذاء پہنچاتے تھے اور ہماری عادت بھی اسی طرح ہے کہ ہم بھی رسولوں کی تکذیب کرنے والے کافروں پر عذاب نازل فرماتے تھے اور اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم)! آپ کا انکار کر کے اور آپ کو اذیت پہنچا کر کفار خوش ہو رہے ہیں، ہم آپ کی طرف سے ان کافروں سے بدلہ لیں گے اور آخرت میں ان کو دائمی عذاب میں مبتلا کریں گے اور کفار کی ایذاء کے مقابلہ میں آپ کی مدد فرمائیں گے۔

اس آیت میں ''دأب'' کا لفظ ہے جیسے ارشاد ہے: ''تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا (یوسف: ۴۷)'' (تم حسبِ عادت سات برس تک کھیتوں میں کاشت کاری کرتے رہو گے) پس ''دأب'' کا معنی ہے: کسی شخص یا کسی قوم کی جو عادت یا اُن کی روایت ہوتی ہے جس پر وہ ہمیشہ کاربند رہتے ہیں۔ (اللباب فی علوم الکتاب ج ۵ ص ۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۱ء)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) آپ کافروں سے کہیے: تم عنقریب مغلوب ہو گے اور دوزخ

کی طرف ہانکے جاؤ گے، اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے O ''(آل عمران: ۱۲)

آلِ عمران: ۱۲ کا سببِ نزول

''قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَ تُحْشَرُوْنَ اِلٰی جَهَنَّمَ'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر میں کفارِ قریش کو شکستِ فاش دی اور آپ مدینہ واپس تشریف لے آئے تو آپ نے بنوقینقاع کے بازار میں یہودیوں کو جمع کر کے فرمایا: اے یہودیو! تم اللہ کی گرفت سے ڈرو، ایسا نہ ہو کہ جس طرح وادیٔ بدر میں کفارِ قریش کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ہاتھوں بدترین شکست سے دوچار کیا تھا، تمہارے ساتھ بھی وہی معاملہ نہ ہو، لہٰذا اس سے پہلے کہ تم بھی اللہ کے عذاب سے دوچار ہو تم اسلام کو قبول کر لو کیونکہ تم جان چکے ہو کہ میں نبی مرسل ہوں اور تم میری نبوت اور رسالت کا ذکر اپنی کتابوں میں لکھا ہوا پاتے ہو، تو بنوقینقاع کے یہودیوں نے کہا: اے محمد! جن کافروں سے آپ کا مقابلہ ہوا اور آپ نے ان کو شکست دی اس سے آپ دھوکا نہ کھائیں، ان کفارِ قریش کو جنگ کا تجربہ نہیں تھا ہمیں جنگ کا بہت تجربہ ہے اور جب آپ کا ہمارے ساتھ مقابلہ ہو گا تو پھر آپ کو ہماری قوت اور ہماری جنگ کی مہارت کا پتا چل جائے گا، تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: ''(اے رسولِ اکرم!) آپ کافروں سے کہیے: تم عنقریب مغلوب ہو گے.......''۔

(سنن ابوداود: ۳۰۰۱، تفسیر ابن جریر ج ۶ ص ۲۲۷۔۲۲۸، اسباب النزول للواحدی ص ۱۹۲)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک تمہارے لیے اُن دو فریقوں میں نشانی تھی جو (بدر کے دن) آپس میں برسرِ پیکار ہوئے، ایک فریق اللہ کی راہ میں قتال کر رہا تھا اور دوسرا فریق کافروں کا تھا وہ کھلی آنکھوں سے اپنے مدِ مقابل کو اپنے سے دگنا دیکھ رہے تھے، اور اللہ اپنی قوت سے جس کی چاہتے ہیں مدد فرماتے ہیں، بے شک اس واقعہ (بدر) میں غور سے دیکھنے والوں کے لیے ضرور عبرت ہے O ''(البقرہ: ۱۳)

''قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰیَةٌ فِیْ فِئَتَیْنِ الْتَقَتَا'': اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے مسلمانو! غزوۂ بدر کے دن ان دو متحارب جماعتوں میں تمہارے لیے عظیم نشانی ہے کہ تم نے دیکھا کہ تمہارے مقابل کفار تم سے عدد میں دگنے تھے، اس کے باوجود اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کی اُن کے خلاف مدد فرمائی اور مسلمانوں کو اُن کفار پر غالب کر دیا جو اُن سے عدد میں دُگنے تھے جیسے اللہ تعالیٰ نے البقرہ: ۲۴۹ میں فرمایا ہے: ''كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِیْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِیْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ (البقرہ: ۲۴۹)''۔

آلِ عمران: ۱۳ اور الانفال: ۴۴، الرحمٰن: ۳۹، اور الحجر: ۹۲ میں ظاہری تعارض کا ازالہ

یہاں پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا ہے:

وَ اِذْ یُرِیْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَیْتُمْ فِیْۤ اَعْیُنِكُمْ قَلِیْلًا وَّ یُقَلِّلُكُمْ فِیْۤ اَعْیُنِهِمْ لِیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۴۴ (الانفال: ۴۴)

اور اے مسلمانو! (اُس وقت کو یاد کرو) جب تمہارا کفار سے مقابلہ ہوا تو اللہ نے اس مقابلہ کے وقت تمہاری نظروں میں کفار کم کر کے دکھائے، اور تم کو (بھی) اُن کی نظروں میں کم کر کے دکھایا تا کہ اللہ اُس کام کو پورا فرما دے جو مقدر ہو چکا ہے اور تمام کام اللہ ہی

کی طرف لوٹائے جاتے ہیںO

مقاتل نے بیان کیا: اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے خلاف مقابلہ سے پہلے خواب میں اُن کا عدد کم دیکھا تھا اور آپ نے اپنے اصحاب کو اپنے خواب کی خبر دی، پس جب بدر میں اِن دونوں فریقوں کا مقابلہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی آنکھوں میں بھی مومنین کو کم دکھایا (کیونکہ اگر وہ دیکھتے کہ مومنین زیادہ ہیں تو ہوسکتا ہے وہ مقابلہ سے پیچھے ہٹ جاتے)۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: کفارِ قریش ہماری نگاہوں میں بہت کم تھے حتیٰ کہ میں نے اپنے پہلو میں کھڑے ہوئے ایک شخص سے پوچھا: کیا تم دیکھتے ہو کہ یہ لوگ ستر (۷۰) ہیں، اس نے کہا: میں ان کو دیکھ رہا ہوں کہ یہ سو (۱۰۰) ہیں، پھر ہم نے کفار میں سے ایک مرد کو قید کرلیا تو ہم نے اُس سے پوچھا: تم لوگ کتنے تھے؟ اس نے کہا: ایک ہزار (۱۰۰۰) تھے۔

الکلبی نے کہا: دونوں فریق ایک دوسرے کو کم تعداد میں دکھائے گئے تاکہ دونوں فریق لڑنے اور قتال کرنے پر جری ہوں، پس مومنین کو مشرکین کی آنکھوں میں کم دکھایا تاکہ مشرکین مقابلہ سے بھاگ نہ جائیں اور مومنین کی نگاہوں میں مشرکین کو کم دکھایا تاکہ مومنین مشرکین کی زیادہ تعداد کو دیکھ کر ہمت نہ ہار جائیں اور اللہ تعالیٰ اسلام کو سربلند کرنے کے لیے جو کارروائی کرنا چاہتا ہے اس کو پورا فرمادے اور مشرکین کو جو شکست سے دوچار کرنا چاہتا ہے اس کو بھی پورا فرمادے۔

(معالم التنزیل ج ۲ ص ۲۹۷۔۲۹۸، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

لہٰذا یہاں پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ آلِ عمران: ۱۳ میں تو یہ فرمایا ہے کہ مسلمانوں کو کفار اُن سے دگنی تعداد میں دکھائے گئے اور الانفال: ۴۴ میں یہ فرمایا ہے کہ مسلمانوں کو کفار اُن سے کم تعداد میں دکھائے گئے حالانکہ ان دونوں آیتوں میں ایک ہی قصہ ہے اور وہ معرکہ بدر کا قصہ ہے، سو اس تعارض کی کیا توجیہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دو آیتیں دو مختلف احوال پر محمول ہیں، جس وقت مسلمانوں کو یہ دکھایا کہ کفار اُن سے دگنی تعداد میں ہیں، تو یہ اس لیے تھا کہ اللہ تعالیٰ اُن کو آزمائش میں ڈالے اور اُن کا امتحان لے کہ آیا وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے اپنے سے دُگنے دُشمن سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہیں یا نہیں؟ اور جس وقت مسلمانوں کی نگاہوں میں کُفار کی تعداد کم دکھائی یہ اس لیے تھا تاکہ مسلمانوں کی ہمت بڑھے اور اُن کی جرأت تازہ ہو اور وہ خوش دلی سے پورے عزم اور حوصلہ کے ساتھ کفارِ قریش کے خلاف لڑنے کے لیے میدان میں اُتریں، اس ظاہری تعارض کی نظیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ﴿۳۹﴾'' (الرحمٰن: ۳۹)۔

اس آیت میں بتایا ہے کہ قیامت کے دن کسی انسان اور جن سے اُن کے اعمال کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا، جب کہ دوسری آیت میں فرمایا ہے: ''فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۲﴾'' (الحجر: ۹۲) اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ ان سب سے قیامت کے دن سوال کیا جائے گا، پس بہ ظاہر ان دونوں آیتوں میں بھی اسی طرح تعارض ہے جس طرح آل عمران: ۱۳ اور الانفال: ۴۴ میں تعارض ہے۔ اور حقیقت میں یہ تعارض اس لیے نہیں ہے کہ یہ دونوں آیتیں مسلمانوں کے مختلف احوال پر محمول ہیں، اسی طرح قیامت کے دن انسانوں اور جنات سے اُن کے متعلق سوال نہ کیا جانا جیسا کہ الرحمٰن: ۳۹ میں ہے، اور اُن سب سے ضرور سوال کیا جانا جیسا کہ الحجر: ۹۲ میں ہے، سو یہ بھی مختلف احوال پر محمول ہے، اور الرحمٰن: ۳۹ میں فرمایا ہے کہ ''اُن سے سوال نہیں کیا جائے گا''

یعنی یہ سوال نہیں کیا جائے گا کہ تم نے کیا کیا، کیونکہ اللہ عزوجل کو معلوم ہے کہ انہوں نے کیا کیا، اور الحجر: ۹۲ میں جو فرمایا ہے کہ ان سے ضرور سوال کیا جائے گا، اس کا محمل یہ ہے کہ اُن سے یہ سوال کیا جائے گا کہ تم نے یہ کام کیوں کیے؟ لہٰذا ان آیات میں بھی تعارض نہیں رہا جس طرح آلِ عمران: ۱۱۳ اور الانفال: ۴۴ میں جو ظاہری تعارض ہے، حقیقت معلوم ہو جانے کے بعد وہ تعارض بھی نہیں رہا۔ (اللباب فی علوم الکتاب ج ۵ ص ۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۱ء)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”عورتوں اور بیٹوں اور سونے اور چاندی کے اوپر تلے ڈھیروں اور نشان زدہ گھوڑوں اور مویشیوں اور کھیت کی خواہش کی محبت کو لوگوں کے لیے خوش نما بنا دیا گیا ہے، یہ سب کچھ دنیا کی (عارضی) زندگی کا سامان ہے، اور اللہ ہی کے پاس عمدہ ٹھکانا ہے O“ (آل عمران: ۱۴)

دنیا کی زیب و زینت کی چیزوں کی خواہش کو دلوں میں خوش نما بنانے والا شیطان ہے یا اللہ عزوجل ہے؟

القاضی ابوالحسن عبد الجبار بن احمد الاسد آبادی المتوفی ۴۱۵ھ آل عمران: ۱۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ“: الحسن البصری المتوفی ۱۱۰ھ نے کہا: دنیاوی چیزوں کی محبت کو دلوں میں خوش نما بنانے والا شیطان ہے اور حسن بصری اس پر اللہ کی قسم کھاتے تھے، قاضی عبد الجبار المعتزلی نے اس پر چار دلائل پیش کیے ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے شہوات کی محبت کا مطلقاً ذکر فرمایا ہے، لہٰذا اس میں شہواتِ محرّمہ بھی داخل ہیں اور شہواتِ محرّمہ کو خوش نما بنانے والا صرف شیطان ہے۔ (۲) اللہ تعالیٰ نے ”اَلْقَنَاطِیْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ“ یعنی سونے چاندی کے اوپر تلے ڈھیروں کا ذکر فرمایا ہے اور مال کی اتنی زیادہ محبت اسی شخص کے دل میں ہو سکتی ہے جس نے دنیا کے مال و متاع کو اپنا قبلہ بنا لیا ہو، اور اُس کو اپنا منتہائے مقصود قرار دے دیا ہو، کیونکہ اہلِ آخرت بہ قدرِ ضرورت مال کو طلب کرتے ہیں۔ (۳) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا“ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کا بہ طورِ مذمت ذکر فرمایا ہے، اور یہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کی محبت کی مذمت فرمائی ہو اُس محبت کو خود اللہ تعالیٰ پیدا فرمائے۔ (۴) اس آیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَیْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ“ (آل عمران: ۱۵) اور اس سے مقصود یہ ہے کہ بندہ کو دنیا کی محبت سے پھیر دیا جائے اور اس کی آنکھوں میں دنیا کی قباحت دکھائی جائے، اس سے معلوم ہوا کہ دنیا کی چیزوں کی محبت دلوں میں ڈالنے والا اللہ تعالیٰ نہیں ہے بلکہ شیطان ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں تیسرا قول ابوعلی الجبائی المعتزلی اور قاضی عبد الجبار المعتزلی کا مختار ہے، اس قول میں تفصیل ہے اور وہ یہ ہے: دنیا کی زیب و زینت کی چیزیں یا واجب ہوں گی یا مستحب ہوں گی، اگر وہ چیزیں واجب یا مستحب ہیں تو اُن کو دلوں میں خوش نما بنانے والا اللہ تعالیٰ ہے، اور اگر دنیا کی زیب و زینت کی چیزیں حرام ہیں تو اُن کو دلوں میں خوش نما بنانے والا شیطان ہے۔

(التفسیر الکبیر للقاضی عبد الجبار المعتزلی ج ۶ ص ۱۲۷-۱۲۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۹ء)

زیب و زینت کی چیزوں کو دلوں میں خوش نما بنانے کے فاعل کے متعلق مصنف کی تحقیق

میں کہتا ہوں: قاضی عبد الجبار المعتزلی نے دنیا کی زیب و زینت کی مذکور الصدر صرف تین اقسام ذکر کی ہیں، واجب، مستحب

اور حرام۔اور یہاں پر ایک چوتھی قسم کا قاضی نے ذکر نہیں کیا اور وہ ہے دنیا کی زیب و زینت کی مباح چیزیں، یعنی دنیاوی زیب و زینت کی جو چیزیں مباح ہوں جن کے اختیار کرنے میں نہ کوئی عقاب ہو اور نہ اُن کے ترک کرنے میں کوئی ثواب ہو، قاضی کو چاہیے تھا کہ وہ اس قسم کا بھی ذکر کرتے اور یہ بیان کرتے کہ ان چیزوں کی محبت کو دلوں میں خوش نما بنانے والا اللہ تعالیٰ ہے یا شیطان ہے۔میرے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ ہر قسم کی محبت کو دلوں میں خوش نما بنانے والا صرف اللہ عزوجل ہے اور شیطان کا کام یہ ہے کہ وہ ناجائز اور حرام چیزوں کی طرف رغبت کا وسوسہ انسانوں کے دلوں میں ڈالتا ہے، وہ اس کام کا صرف وسوسہ ڈالتا ہے، پھر جب بندہ شیطان کے وسوسہ کو قبول کر لیتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس اعتبار سے اس کے دل میں ان باطل، ناجائز اور حرام چیزوں کی محبت کو خوش نما بنا دیتا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ خوش نما بنانے کا فاعل تو صرف اللہ عزوجل ہے اور اللہ تعالیٰ وہی کرتا ہے جس کو بندہ اپنے لیے اختیار کر لیتا ہے، لہٰذا جب شیطان بندہ کے دل میں ناجائز اور حرام چیزوں کی رغبت کا وسوسہ ڈالے اور بندہ اس وسوسہ کو قبول کر لے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے دل میں ان چیزوں کی محبت کو خوش نما بنا دیتا ہے اور جو بندہ متقی اور پرہیز گار ہو وہ ان باطل چیزوں کی زیب و زینت کی طرف التفات نہیں کرتا وہ صرف پاکیزہ اور حلال اور پسندیدہ چیزوں کی طرف رغبت کرتا ہے، سو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں پاکیزہ، حلال اور پسندیدہ چیزوں کی محبت کو خوش نما بنا دیتا ہے، بہر حال دلوں میں خوش نما بنانے کا فاعل صرف اللہ عزوجل ہے۔(سعیدی غفرلہٗ)

متاعِ دنیا سے فائدہ حاصل کرنے کی تین قسمیں

''ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا'': القاضی ابوالحسن عبدالجبار بن احمد الاسد آبادی المتوفی ۴۱۵ھ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں متاعِ دنیا کی سات چیزوں کا ذکر فرمایا ہے ((۱) عورتوں کی محبت (۲) بیٹوں کی محبت (۳) سونے کے ڈھیروں کی محبت (۴) چاندی کے ڈھیروں کی محبت (۵) نشان زدہ گھوڑوں کی محبت (۶) مویشیوں کی محبت (۷) کھیتوں کی محبت)، اور یہ معلوم ہے کہ ان چیزوں کو اس لیے پیدا کیا گیا ہے تاکہ ان سے فائدہ حاصل کیا جائے، پس یہ کیسے کہا جائے گا کہ ان چیزوں کو خوش نما بنانے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا جائز نہیں ہے یعنی ان چیزوں کو خوش نما بنانے کی محبت دلوں میں شیطان نے ڈالی ہے، پھر قاضی عبدالجبار المعتزلی نے کہا کہ دنیا کی ان چیزوں سے فائدہ حاصل کرنے کی حسبِ ذیل اقسام ہیں:

(۱) جو شخص ضرورت کے باوجود دنیا کی ان چیزوں سے فائدہ حاصل نہ کرے تو اس کا یہ فعل مذموم ہے۔(۲) جو شخص ان چیزوں سے ایسا فائدہ حاصل کرے جو مباح ہو، یہ نہ مستحسن ہے اور نہ مذموم ہے۔(۳) جو ان دنیاوی چیزوں سے ایسا فائدہ حاصل کرے جو اُس کو آخرت کی مصلحتوں تک پہنچائے تو اس کا یہ فعل ممدوح ہے یعنی لائقِ مدح و تحسین ہے۔

(التفسیر الکبیر للقاضی عبدالجبار المعتزلی ج ۲ ص ۱۲۸۔۱۲۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۹ء)

قاضی عبدالجبار المعتزلی کی تفسیر پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں: اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں دنیا سے بے رغبتی پیدا کی جائے اور اُن کے دلوں میں آخرت کی رغبت پیدا کی جائے، اس سلسلہ میں درج ذیل حدیث ہے:

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک مرد حاضر ہوا، سو اُس نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے ایسا عمل بیان فرمائیے کہ جب میں اُس کو کرلوں تو اللہ تعالیٰ مجھ سے محبت فرمائے اور لوگ بھی مجھ سے محبت کریں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم دنیا سے بے رغبتی کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائے گا اور جو چیزیں لوگوں کے پاس ہیں تم اُن سے بے رغبتی برتو تو لوگ تم سے محبت کریں گے۔

(سنن ابن ماجہ: ۴۱۰۲، مشکوٰۃ: ۵۱۸۷، حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۱۳۶، کشف الخفاء ج ۱ ص ۱۲۷، الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۱۵۶، کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۲ ص ۱۱، الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۹۰۲)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''آپ کہیے: کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز بتادوں؟ اللہ سے ہمیشہ ڈرنے والوں کے لیے ان کے رب کے پاس ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں اور پاکیزہ بیویاں ہیں اور اللہ کی خوشنودی ہے، اور اللہ (نیک) بندوں کو لطف و کرم سے دیکھنے والے ہیں ○'' (آل عمران: ۱۵)

ربطِ آیات

''قُلْ أَؤُنَبِّئُكُم بِخَيْرٍ مِّن ذَٰلِكُمْ'': اس سے پہلے آل عمران: ۱۴ میں اللہ تعالیٰ نے دنیاوی زیب و زینت کی نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا اور اس آیت یعنی آل عمران: ۱۵ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتلایا ہے کہ آخرت کے منافع دنیا کی زیب و زینت سے کہیں بہتر ہیں، دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ''وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ۝ (الاعلیٰ: ۱۷)'' (اور آخرت ہی زیادہ بہتر اور ہمیشہ رہنے والی ہے)، نیز دنیا کی نعمتیں فانی ہیں اور ان نعمتوں کے ساتھ انسان کو ان نعمتوں کے چھن جانے کا خطرہ دامن گیر رہتا ہے اور آخرت کی نعمتیں خالص ہیں، ان کے چھن جانے کا خطرہ نہیں ہوتا اور وہ ہمیشہ رہنے والی ہیں۔

متقین، ازواج مطہرہ اور اللہ عزوجل کی رضا کے معانی

''لِلَّذِينَ اتَّقَوْا'': قرآنِ مجید کے عرف میں تقویٰ سے مراد شرک اور کفر کو ترک کرنا ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''أَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ (الفتح: ۲۶)'' (اور اللہ نے مومنین کو کلمہ طیبہ پر مستحکم فرمادیا)۔ تحقیق یہ ہے کہ تقویٰ کے چار مراتب ہیں: (۱) شرک اور کفر کو ترک کرنا (۲) گناہِ کبیرہ کو ترک کرنا یعنی حرام کاموں سے دائماً اجتناب کرنا اور فرائض اور واجبات کو ہمیشہ پابندی سے ادا کرنا، (۳) مکروہاتِ تحریمہ کو ترک کرنا (۴) مکروہاتِ تنزیہہ اور خلافِ اولیٰ کو ترک کرنا۔

''وَأَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ'': یعنی جنت میں اُن کی بیویاں ایسی ہوں گی جو حیض اور نفاس سے اور برے اخلاق سے اور بری عادتوں سے اور بدمزاجی سے پاک اور صاف ہوں گی۔

سب سے بڑی نعمت اللہ عزوجل کی رضا ہے

''وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ'': یعنی مومنین کو اللہ تعالیٰ جنت عطا فرمائے گا جس میں اُن کے لیے پاک اور صاف بیویاں ہوں گی اور سب سے بڑی نعمت اُن کو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوگی، اس سلسلہ میں درجِ ذیل حدیث ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ عزوجل اہلِ جنت سے ارشاد فرمائے

گا: اے اہلِ جنت! وہ عرض کریں گے: اے ہمارے رب! ہم حاضر ہیں، اللہ عزوجل استفسار فرمائے گا: کیا تم راضی ہو گئے ہو؟ وہ عرض کریں گے: اے ہمارے رب! ہم کیوں نہ راضی ہوں، آپ نے ہم کو وہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں کہ آپ نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو ایسی نعمتیں عطا نہیں فرمائیں، اللہ عزوجل ارشاد فرمائے گا: کیا میں تم کو اس سے بھی افضل نعمت نہ عطا فرماؤں؟ وہ عرض کریں گے: اے ہمارے رب! ان نعمتوں سے بڑھ کر کون سی نعمت ہوگی؟ اللہ عزوجل ارشاد فرمائے گا: میں تمہارے اوپر اپنی رِضا کو حلال کر دیتا ہوں اور میں اب کے بعد کبھی تم سے ناراض نہیں ہوں گا۔

(صحیح البخاری:۶۵۴۹، ۷۵۱۸، صحیح مسلم:۲۸۲۹، سنن ترمذی:۲۵۵۵، مسند احمد:۱۱۴۲۵)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جو یہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! بے شک ہم ایمان لے آئے، سو آپ ہمارے لیے ہمارے گناہوں کو بخش دیں اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالیں O'' (آل عمران:۱۶)

محض ایمان کی وجہ سے مغفرت اور دخولِ جنت کا استحقاق

''اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا'': اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ مومنین نے دعا کی کہ چونکہ ہم آپ پر ایمان لائے ہیں اس لیے آپ ہمارے گناہوں کو بخش دیں، اور اللہ تعالیٰ نے ان دعا کرنے والے مومنین کی ستائش فرمائی، اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ بندہ محض ایمان لانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی مغفرت کا مستحق ہوتا ہے اور اس کی تائید درجِ ذیل آیت سے ہوتی ہے:

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ (آل عمران:۱۹۳)

اے ہمارے رب! بے شک ہم نے ایمان لانے کی منادی کرنے والے سے سنا، وہ پکار کر کہتا تھا کہ اے لوگو! تم اپنے رب پر ایمان لاؤ سو ہم ایمان لے آئے، اے ہمارے رب! پس آپ ہمارے لیے ہمارے گناہوں کو بخش دیجئے اور ہم سے ہماری برائیوں کو مٹا دیجئے اور نیک لوگوں کے (عقائد کے) ساتھ ہمارا خاتمہ فرمائیں O

اس آیت میں بھی صرف ایمان لانے پر مغفرت اور کفارۂ ذنوب کو مرتّب فرمایا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یہ لوگ (مصائب پر) صبر کرنے والے ہیں، اور (آزمائش کے مواقع پر) سچ بولنے والے ہیں، اور (اللہ کے احکام کی) اطاعت کرنے والے ہیں، اور (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے والے ہیں، اور رات کے آخری حصوں میں مغفرت طلب کرنے والے ہیں O'' (آل عمران:۱۷)

رات کے پچھلے پہر سحری کے وقت اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرنے کی فضیلت

''اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾'': اللہ عزوجل ایک اور جگہ ارشاد فرماتا ہے:

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ (الذاریات:۱۷-۱۸)

وہ نیک لوگ رات کو کم سوتے ہیں O اور وہ لوگ رات کے پچھلے پہر، سحری کے وقت اٹھ کر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے ہیں O

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا رب تبارک و تعالیٰ ہر رات آسمانِ دنیا کی طرف اُس وقت نزول فرماتا ہے جب رات کے تہائی حصہ کا آخری وقت باقی ہوتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے: کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے تو میں اس کی دعا قبول فرماؤں؟ کوئی ہے جو مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو عطا فرماؤں؟ کوئی ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے تو میں اس کی مغفرت فرماؤں؟

(صحیح البخاری: ۱۱۴۵، صحیح مسلم: ۷۵۸، سنن ترمذی: ۳۴۹۸، سنن ابوداؤد: ۱۳۱۵، سنن ابن ماجہ: ۱۳۶۶، مسند احمد: ۹۹۴۰، موطا امام مالک: ۴۹۶، سنن دارمی: ۱۴۷۹)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، آپ سے پوچھا گیا: یارسول اللہ! کس وقت میں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا: رات کے آخری حصہ کے نصف میں اور فرض نمازوں کے بعد۔ (سنن ترمذی: ۳۴۹۹)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اللہ نے اور فرشتوں نے اور علماء نے عدل سے کام لیتے ہوئے گواہی دی کہ اللہ معبود ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہ بہت غالب بے حد حکمت والے ہیں ○'' (آل عمران: ۱۸)

علم اور علماء کی فضیلت

''شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ '': یہ آیت علم اور علماء کے فضل اور شرف پر دلیل ہے، کیونکہ اگر علماء سے زیادہ کوئی اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرف اور فضل والا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے نام اور اپنے فرشتوں کے نام کے ساتھ ملا کر لکھتا، جب کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نام کے ساتھ فرشتوں کا ذکر فرمایا اور پھر ''اُولُوا الْعِلْمِ '' یعنی صاحبانِ علم کا ذکر فرمایا، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا تلقین فرمائی: ''قُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ۞۔ (طٰہٰ: ۱۱۴)'' آپ اپنے رب سے دعا کیجئے کہ اے میرے رب! میرے علم کو زیادہ فرما، جہاں تک عمل کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا: ''يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ۔ (المزمل: ۱۔۳)'' یعنی اے رسولِ اکرم! آپ رات کو بہت زیادہ قیام کرتے ہیں ذرا کم قیام کیجئے، لیکن علم کے متعلق آپ کو تمام کائنات سے زیادہ علم عطا کرنے کے باوجود آپ کو اس دعا کی تلقین فرمائی: اے میرے رب میرے علم کو زیادہ فرما، اس سے معلوم ہوا کہ علم کی عمل پر بہت زیادہ فضیلت ہے اور عابدین اور زاہدین سے علماء کا مرتبہ بہت زیادہ ہے، نیز فرمایا: ''اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۔ (فاطر: ۲۸)'' یعنی اللہ تعالیٰ کے تمام بندوں میں سے صرف علماء ہی اللہ عزوجل سے ڈرتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک اللہ کے نزدیک اسلام ہی دین ہے، اور جن اہلِ کتاب نے ضد بحث میں ایک دوسرے سے اختلاف کیا تھا سو اُن کا یہ اختلاف ان کے پاس حصولِ علم کے باوجود واقع ہوا اور جو اللہ کی آیتوں کے ساتھ کُفر کو اختیار کرے گا تو بے شک اللہ بہت جلد حساب لینے والے ہیں ○'' (آل عمران: ۱۹)

دین اور شریعت کی تعریف

''اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ '': دین سے مراد وہ عقائد اور احکام ہیں جو تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات میں

مشترک ہیں یعنی توحید، رسالت، فرشتوں پر ایمان، تقدیر پر ایمان، مرنے کے بعد اٹھنے پر ایمان اور جزاء اور سزاء پر ایمان اور جھوٹ اور قتلِ ناحق کا حرام ہونا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کا فرض ہونا، سو جو اقدار اور اصول تمام انبیاء علیہم السلام میں مشترک ہوں اس کو دین کہتے ہیں، اور ہر نبی نے اپنے زمانہ کے مخصوص حالات کے اعتبار سے عبادت کے جو جزوی اور فرعی طریقے بتائے اس کو شریعت کہتے ہیں، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ۔ (الشوریٰ: ۱۳)

اے مسلمانو! اللہ نے تمہارے لیے اسی دین کا راستہ مقرر فرمایا ہے جس دین کا پختہ حکم اس نے نوح کو دیا اور اے رسولِ اکرم! جس دین کی ہم نے آپ کی طرف وحی فرمائی اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا کہ تم سب دین کو قائم کرو اور دین میں تفرقہ نہ ڈالو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا دین واحد ہے اور وہ دینِ اسلام ہے، اور شریعت ہر نبی کی مختلف ہے "لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا۔ (المائدہ: ۴۸)" (ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ شریعت اور واضح راہِ عمل بنائی ہے)۔ ان آیات سے واضح ہوگیا کہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا دین اسلام ہے اور شریعت ہر نبی کی الگ الگ ہے، ہر نبی نے اپنے زمانہ کے مخصوص احوال اور تقاضوں کے اعتبار سے عبادت کے جو احکام مقرر فرمائے وہ اُن نبیوں کی شریعتیں ہیں۔

دین اور اسلام کے لغوی اور اصطلاحی معنی

لغت میں دین کا معنی ہے: اطاعت کرنا، تسلیم کرنا اور پیروی کرنا اور اسلام کا معنی ہے اخلاص سے اللہ عزوجل کی عبادت کرنا، اور عرفِ شرع میں اسلام اور ایمان دونوں مترادف ہیں، کیونکہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: "اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ" اس کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ اور مقبول دین صرف اسلام ہے، نیز اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: "وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ۔ (آل عمران: ۸۵)" یعنی اسلام کے سوا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی دین مقبول نہیں ہے۔

ایمان اور اسلام کو مترادف قرار دینے پر ایک اعتراض کا جواب

یہاں پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآنِ مجید میں ہے: "قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا۔۔ (الحجرات: ۱۴)" دیہاتیوں نے کہا: ہم ایمان لائے، آپ کہیے: تم ایمان نہیں لائے، ہاں تم یوں کہو کہ ہم نے اطاعت کی۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ ایمان اور اطاعت الگ الگ چیزیں ہیں اور آپ نے کہا ہے کہ اسلام اور ایمان مترادف ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام اور ایمان کا اصطلاحی معنی واحد ہے اور اس آیت میں ایمان سے مراد اس کا اصطلاحی معنی ہے یعنی تصدیق بالقلب اور اسلام سے مراد اس کا لغوی معنی ہے یعنی ظاہری اطاعت کرنا خواہ تصدیق ہو یا نہ ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "پھر (اے رسولِ اکرم!) اگر یہ لوگ (دینِ اسلام کے متعلق) جھگڑا کریں تو آپ کہیے: میں نے اور میرے پیروکاروں نے تو اپنا چہرہ اللہ کے حضور جھکا دیا، اور آپ اہلِ کتاب اور ان پڑھ

لوگوں سے کہیے: کیا تم نے بھی اپنا چہرہ اللہ کے حضور جھکا یا؟ پس اگر وہ اللہ کے حضور اپنے آپ کو جھکا دیں تو وہ ہدایت یافتہ ہوں گے اور اگر وہ رُوگردانی کریں تو آپ کے ذمہ صرف دین کے احکام کو پہنچا دینا ہے، اور اللہ اپنے بندوں کو خوب دیکھنے والے ہیںO" (آل عمران: ۲۰)

"فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِیَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ": یعنی یہودیت اور نصرانیت نسب ہے اور دین صرف اسلام ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی نبوت اور رسالت پر اس آیت کے نزول سے پہلے کئی مرتبہ دلائل قائم فرما دیے تھے، کیونکہ یہ سورت مدنی ہے اور اس سے پہلے آپ قرآنِ مجید کو بہ طورِ معجزہ پیش فرما چکے تھے اور آپ نے درختوں کو بلایا تو وہ اپنی عادت کے خلاف اپنی جڑوں کو کھینچتے ہوئے آپ کے سامنے حاضر ہو گئے، پہاڑوں اور پتھروں نے آپ کو سلام کیا، گوہ اور ہرن اور دیگر جانوروں نے آپ کا کلمہ پڑھا تو یہ وہ تمام نشانیاں ہیں جو آپ کے دعویٰ نبوت کے صدق پر دلالت کرتی ہیں، پھر بھی اگر یہ لوگ آپ سے اختلاف کریں تو آپ فرما دیجیے: "میں نے اور میرے پیروکاروں نے تو اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا سرِ عبادت جھکا دیا تو جو میرے طریقہ پر عمل کرے گا وہ ہدایت یافتہ ہوگا اور جو میرے طریقہ سے پھر جائے گا تو آپ فرما دیجیے: میرا کام تو صرف احکام کو پہنچا دینا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ ۙ وَّیَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۱﴾

بے شک جو لوگ اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرنے کو اختیار کرتے ہیں اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے ہیں اور انصاف کا حکم دینے والے لوگوں کو قتل کرتے ہیں تو (اے رسولِ اکرم!) آپ ان لوگوں کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیجیےO

اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۲۲﴾

یہی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع کر دیئے گئے اور ان کے حق میں کوئی مددگار نہیں ہوگاO

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ یُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِیَحْكُمَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ یَتَوَلّٰى فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾

(اے رسولِ اکرم!) کیا آپ نے اُن لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جن کو (آسمانی) کتاب کا ایک حصہ دیا گیا تھا، اُن لوگوں کو اللہ کی کتاب (قرآنِ مجید) کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ کتاب اُن کے درمیان فیصلہ فرما دے، پھر اُن میں سے ایک گروہ پیٹھ پھیرتے ہوئے پلٹ جاتا ہے، اور وہ گروہ ہے ہی اعراض کرنے والاO

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۪ وَّغَرَّهُمْ فِیْ دِیْنِهِمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

(انہیں اس سرکشی کی جرأت) اس لیے ہوئی کہ انہوں نے یہ کہا تھا کہ ہمیں دوزخ کی آگ صرف گنتی کے چند دن ہی چھوئے گی، اور انہیں اُن کے دین کے متعلق اُن کے (اللہ پر لگائے ہوئے) بہتان نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا○

فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ ۚ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٥﴾

سو اُس وقت ان لوگوں کا کیسا حال ہوگا جب ہم اُن کو اُس دن میں جمع فرمائیں گے جس کے واقع ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، اور ہر شخص کو اُس کے کیے ہوئے کاموں کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور اُن پر بالکل ظلم نہیں فرمایا جائے گا○

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۖ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ۖ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۖ إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٦﴾

(اے رسولِ اکرم!) آپ دعا کیجیے: اے اللہ! سلطنت کے مالک، آپ جس کو چاہتے ہیں سلطنت عطا فرماتے ہیں اور آپ جس سے چاہتے ہیں سلطنت چھین لیتے ہیں، اور آپ جس کو چاہتے ہیں عزت عطا فرماتے ہیں، اور آپ جس کو چاہتے ہیں ذلت میں مبتلاء فرما دیتے ہیں، تمام بھلائی آپ ہی کے ہاتھ میں ہے، بے شک آپ جو چاہیں اس پر قادر ہیں○

تُولِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۖ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۖ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢٧﴾

آپ رات کو دن میں داخل فرماتے ہیں اور دن کو رات میں داخل فرماتے ہیں، اور آپ زندہ کو مردہ سے نکالتے ہیں اور آپ مردہ کو زندہ سے نکالتے ہیں اور آپ جس کو چاہیں بے حساب رزق عطا فرماتے ہیں○

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِينَ أَوْلِيَآءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِي شَيْءٍ إِلَّآ أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهُ ۗ وَإِلَى اللّٰهِ الْمَصِيرُ ﴿٢٨﴾

ایمان والے کافروں کو مومنوں کے سوا دوست نہ بنائیں، اور جو شخص اس طرح کرے گا اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں، ہاں اگر تم اُن کے شر سے بچنے کے لیے کچھ کرو (تو کوئی حرج نہیں) اور اللہ تمہیں اپنی ذات (کے غضب) سے ڈراتے ہیں اور اللہ ہی کی طرف سب نے لوٹنا ہے○

قُلْ إِنْ تُخْفُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْدُوهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۲۹﴾

(اے رسول اکرم!) آپ کہیے! اگر تم اپنے دلوں کی باتوں کو خواہ چھپاؤ یا اُن کو ظاہر کرو اللہ اُن سب کو جانتے ہیں، اور وہ جانتے ہیں جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے، اور اللہ جو چاہیں اس پر قادر ہیں O

یَوۡمَ تَجِدُ کُلُّ نَفۡسٍ مَّا عَمِلَتۡ مِنۡ خَیۡرٍ مُّحۡضَرًا ۚۖۛ وَّمَا عَمِلَتۡ مِنۡ سُوۡٓءٍ ۚۛ تَوَدُّ لَوۡ اَنَّ بَیۡنَهَا وَبَیۡنَهٗۤ اَمَدًۢا بَعِیۡدًا ؕ وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفۡسَهٗ ؕ وَاللّٰہُ رَءُوۡفٌۢ بِالۡعِبَادِ ﴿۳۰﴾ ع

جس دن ہر شخص اپنے کئے ہوئے ہر نیک کام کو موجود پائے گا اور اپنے کئے ہوئے ہر برے کام کو (موجود پائے گا)، وہ (بدکار) چاہے گا کاش! میرے اور اس دن کے درمیان بہت دور کا فاصلہ ہوتا، اور اللہ تمہیں اپنی ذات (کے عذاب) سے ڈراتے ہیں، اور اللہ بندوں پر نہایت مہربان ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک جو لوگ اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرنے کو اختیار کرتے ہیں اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے ہیں اور انصاف کا حکم دینے والے لوگوں کو قتل کرتے ہیں تو (اے رسولِ اکرم!) آپ ان لوگوں کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیجئے O'' (آل عمران: ۲۱)

سابقہ آیات سے وجہِ ارتباط

''اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡفُرُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ'': اس سے پہلی آیت (آل عمران: ۲۰) میں اُن لوگوں کا ذکر فرمایا تھا جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لائے ہوئے دین سے اعراض کرتے ہیں، اور اب آل عمران: ۲۱ میں ان لوگوں کی تین صفات کا ذکر فرمایا ہے: (۱) یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کو اختیار کرتے ہیں (۲) اور یہ لوگ نبیوں کو ناحق قتل کرتے ہیں (۳) اور یہ لوگ انصاف کا حکم دینے والوں کو قتل کرتے ہیں۔

''وَیَقۡتُلُوۡنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیۡرِ حَقٍّ ۙ وَّیَقۡتُلُوۡنَ الَّذِیۡنَ یَاۡمُرُوۡنَ بِالۡقِسۡطِ مِنَ النَّاسِ'':

علامہ ابو محمد عبد الحق بن عطیہ الاندلسی المتوفی ۵۴۱ھ آل عمران: ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

محمد بن جعفر بن الزبیر اور دوسروں نے کہا: یہ آیت یہود اور نصاریٰ کے متعلق نازل ہوئی ہے، قاضی ابو محمد الاندلسی کہتے ہیں: اس آیت کا حکم ہر اُس شخص کو شامل ہے جس میں یہ صفات پائی جائیں، اور اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے معاصرین یہودِ مدینہ کی مذمت فرمائی ہے جو اپنے آباء و اجداد کے کیے ہوئے ان بُرے کاموں کو مانتے تھے اور خود بھی اسی طرح کرتے تھے، کیونکہ یہودِ مدینہ بھی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو قتل کرنے کے درپے تھے۔ روایت ہے کہ بنو اسرائیل نے ایک دن میں ستر (۷۰) نبیوں کو قتل کیا اور اس کے بعد وہ بازار میں خرید و فروخت کے لیے چلے گئے۔ اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روایت کی ہے کہ یہودیوں نے تینتالیس (۴۳) نبیوں کو قتل کیا پھر اُن یہودیوں میں سے ایک سو بیس (۱۲۰) نیک لوگ اور اُن کے علماء جمع ہوئے اور انہوں نے

نبیوں کے قتل پر انکار کیا تو یہودیوں نے اُن نیک لوگوں اور علماء کو بھی قتل کر دیا اور یہ تمام قتل ایک دن میں کیے گئے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یہی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع کر دیئے گئے اور ان کے حق میں کوئی مددگار نہیں ہوگاO'' (آل عمران: ۲۲)

''اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ'': دنیا میں اُن کے اعمال کا ضائع ہونا اس طرح ہے کہ اُن کی مذمت کی جاتی رہے گی اور اُن پر لعنت کی جاتی رہے گی اور آخرت میں اُن کے اعمال کا ضائع ہونا اس طرح ہے کہ اُن کے تمام نیک اعمال کو فضاء میں بکھرے ہوئے غبار کی طرح منتشر کر دیا جائے گا اور اُن کو ان کے بُرے کاموں پر عذاب دیا جائے گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) کیا آپ نے اُن لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جن کو (آسمانی) کتاب کا ایک حصہ دیا گیا تھا، اُن لوگوں کو اللہ کی کتاب (قرآنِ مجید) کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ کتاب اُن کے درمیان فیصلہ فرمادے، پھر اُن میں سے ایک گروہ پیٹھ پھیرتے ہوئے پلٹ جاتا ہے اور وہ گروہ ہے ہی اعراض کرنے والاO'' (آل عمران: ۲۳)

''اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن بیت المدراس میں یہود کی ایک جماعت کے پاس تشریف لے گئے، سو آپ نے اُن کو دینِ اسلام کی دعوت دی تو نعیم بن عمرو اور الحارث بن زید نے کہا: اے محمد! آپ کون سے دین پر ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں ملتِ ابراہیم پر ہوں، اُن دونوں نے کہا کہ ابراہیم تو یہودی تھے، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم تورات کو لے کر آؤ وہ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرنے والی ہوگی، تو اُن دونوں نے تورات کو لانے سے انکار کیا۔

اور نقاش نے ذکر کیا: یہ آیت اس وقت نازل ہوئی کہ یہود کی ایک جماعت نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا انکار کیا تو ان سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم تورات کو لے کر آؤ اس میں میری صفت کا بیان ہے تو انہوں نے تورات کو لانے سے انکار کیا، اس آیت میں ''مِّنَ الْكِتٰبِ'' کا ذکر ہے، یعنی جن کو کتاب سے حصہ دیا گیا تھا، اس سے مراد تورات ہے اور قتادہ اور ابن جریج نے کہا: اس آیت میں ''اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ'' کا ذکر ہے، اس سے مراد قرآنِ مجید ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کو قرآنِ مجید کی طرف بلاتے تھے تو وہ اس سے اعراض کرتے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(انہیں اس سرکشی کی جرأت) اس لیے ہوئی کہ انہوں نے یہ کہا تھا کہ ہمیں دوزخ کی آگ صرف گنتی کے چند دن ہی چھوئے گی، اور اُنہیں اُن کے دین کے متعلق اُن کے (اللہ پر لگائے ہوئے) بہتان نے دھوکے میں ڈال رکھا تھاO'' (آل عمران: ۲۴)

''ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۠ وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾'':

یعنی ان یہود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوتِ اسلام کو قبول کرنے سے جو اعراض کیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ

پر یہ افتراء باندھا تھا: ''نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ۔ (المائدہ:۱۸)'' کہ وہ اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں، اور ان کا اللہ تعالیٰ پر یہ افتراء تھا کہ دوزخ کی آگ ان کو صرف چالیس دن تک جلائے گی جتنے دنوں تک انہوں نے بچھڑے کی پرستش کی تھی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''سواُس وقت ان لوگوں کا کیسا حال ہوگا جب ہم اُن کو اُس دن میں جمع کریں گے جس کے واقع ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، اور ہر شخص کو اُس کے کیے ہوئے کاموں کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور اُن پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گاO'' (آل عمران: ۲۵)

''فَكَیْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ'': اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کو بہ طورِ تعجب کے خطاب فرمایا: یہ لوگ جو اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھ رہے ہیں اور اپنے محبوبِ خدا ہونے اور چند دن سے زیادہ عذاب نہ ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں، ان لوگوں کا اس وقت کیا حال ہوگا جب ان کو قیامت کے دن جمع کیا جائے گا اور دنیا میں انہوں نے اپنی بڑائی کے جو دعوے کیے تھے وہ دعوے مضمحل ہو جائیں گے اور جو کچھ دنیا میں انہوں نے برے کام کیے تھے، کفر کیا تھا اور دیگر کبیرہ گناہ کیے تھے ان سب کی ان کو سزا دی جائے گی۔ (المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز ص ۲۸۵۔۲۸۶، دار ابن حزم، بیروت، ۱۴۲۳ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) آپ دعا کیجئے: اے اللہ! سلطنت کے مالک، آپ جس کو چاہتے ہیں سلطنت عطا فرماتے ہیں اور آپ جس سے چاہتے ہیں سلطنت چھین لیتے ہیں، اور آپ جس کو چاہتے ہیں عزت عطا فرماتے ہیں، اور آپ جس کو چاہتے ہیں ذلت میں مبتلاء فرما دیتے ہیں، تمام بھلائی آپ ہی کے ہاتھ میں ہے، بے شک آپ جو چاہیں اس پر قادر ہیںO'' (آل عمران: ۲۶)

امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ آل عمران: ۲۶، ۲۷، ۲۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

آل عمران: ۲۶ کی تفسیر میں متعدد اقوال

''قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ'': اس آیت کے سببِ نزول کے متعلق تین اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم نے بیان کیا کہ جب مکہ فتح ہو گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت سے وعدہ فرمایا کہ ان کو فارس اور روم کی سلطنت عطا فرمائی جائے گی، تب منافقین اور یہود نے کہا: ''هیهات هیهات'' (یہ بہت دور کی بات ہے)، تب یہ آیت نازل ہوئی: ''قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ'' (۲) قتادہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب تبارک وتعالیٰ سے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اُن کی امت کو فارس اور روم کی سلطنت عطا فرما دے تو یہ آیت نازل ہوئی: قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ (۳) ابوسلیمان الدمشقی نے بیان کیا کہ یہودِ مدینہ نے قسم کھا کر کہا: ہم اس مرد کی اطاعت نہیں کریں گے جس کا دعویٰ ہے کہ نبوت بنی اسرائیل سے دوسروں کی طرف منتقل ہو گئی ہے، تب یہ آیت نازل ہوئی: ''قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ...''۔

''قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ'': ابوسلیمان الخطابی المتوفی ۳۸۸ھ نے کہا کہ ''مٰلِكَ الْمُلْكِ'' کا معنی ہے کہ ملک اور سلطنت اللہ عزوجل کے دستِ قدرت میں ہیں وہ جس کو چاہے عطا فرما دے۔ اور انہوں نے کہا: اس کا معنی یہ بھی ہے کہ جس دن کوئی شخص

اپنی حاکمیت اور اپنی سلطنت کی حکمرانی کا دعوے دار نہیں ہوگا اس دن اللہ عزوجل ارشاد فرمائے گا'' اَلْمُلْکُ یَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ (الفرقان: ۲۶)'' (اس دن برحق بادشاہت صرف رحمٰن کی ہو گی)۔

'' تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ '': اس مُلک کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) ابن جبیر اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد نبوت ہے۔ (۲) الزجاج نے کہا: اس سے مراد مال، اولاد اور غلام ہیں اور مقاتل نے کہا: آپ جس کو چاہیں سلطنت عطا فرمائیں یعنی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کی امت کو اور جس سے چاہیں سلطنت کو چھین لیں یعنی فارس اور روم سے۔

'' وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ '': اور آپ جس کو چاہیں عزت عطا فرمائیں یعنی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کو، اور جس کو چاہیں ذلت میں مبتلاء فرمادیں یعنی فارس اور روم کو۔

'' بِیَدِکَ الْخَیْرُ '': یعنی جنگ میں مدد فرمانا اور مالِ غنیمت عطا فرمانا یہ اچھائیاں اللہ ہی کے دستِ قدرت میں ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: '' آپ رات کو دن میں داخل فرماتے ہیں اور دن کو رات میں داخل فرماتے ہیں، اور آپ زندہ کو مردہ سے نکالتے ہیں اور آپ مردہ کو زندہ سے نکالتے ہیں اور آپ جس کو چاہیں بے حساب رزق عطا فرماتے ہیں ○ '' (آل عمران: ۲۷)

زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ نکالنے کی تفسیر میں متعدد اقوال

'' تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ '': یعنی آپ کبھی رات کی مقدار کم فرمادیتے ہیں اور دن کی مقدار بڑھادیتے ہیں اور کبھی دن کی مقدار کم فرمادیتے ہیں اور رات کی مقدار بڑھادیتے ہیں جیسا کہ ہمارے ہاں اس کا سردیوں اور گرمیوں کے ایام میں مشاہدہ ہوتا ہے۔

'' وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ '': اس کی تفسیر میں تین اقوال ہیں: (۱) حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے کہا: جس طرح آپ زندہ انسان کو مُردہ نطفہ سے نکالتے ہیں اور مُردہ نطفہ کو زندہ انسان سے نکالتے ہیں، اسی طرح مُردہ انڈے سے زندہ پرندے کو نکالتے ہیں۔ (۲) الضحاک نے بیان کیا کہ زندہ سے مراد مومن ہے اور مُردہ سے مراد کافر ہے، اللہ تعالیٰ مومن سے کافر کو پیدا فرمادیتا ہے جیسے حضرت نوح علیہ السلام سے ان کے کافر بیٹے کنعان کو پیدا فرمایا اور اللہ تعالیٰ کافر سے مومن کو پیدا فرمادیتا ہے جیسے ابوجہل سے اس کے بیٹے عکرمہ کو پیدا فرمایا جو مشرف بہ اسلام ہوئے۔ (۳) الزجاج نے کہا: اللہ تعالیٰ تروتازہ نباتات کو خشک بیج سے پیدا فرمادیتا ہے اور خشک بیج کو تروتازہ پھلوں سے پیدا فرمادیتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: '' ایمان والے کافروں کو مومنوں کے سوا دوست نہ بنائیں، اور جو شخص اس طرح کرے گا اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں، ہاں اگر تم اُن کے شر سے بچنے کے لیے کچھ کرو (تو کوئی حرج نہیں) اور اللہ تمہیں اپنی ذات (کے غضب) سے ڈراتے ہیں اور اللہ ہی کی طرف سب نے لوٹنا ہے ○ '' (آل عمران: ۲۸)

کفار سے دوستی کے رد میں مفسرین کرام کی عبارات

''لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ'': اس آیت کے سببِ نزول کے متعلق چار اقوال ہیں:

(۱) الضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ حضرت عُبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کے لیے یہود میں سے متعدد حلیف تھے، انہوں نے غزوۂ خندق کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے ساتھ پانچ سو یہود ہیں، میری رائے ہے کہ اگر دشمن کا ہم پر غلبہ ہو تو اُن یہودیوں سے مدد حاصل کی جائے تب، یہ آیت نازل ہوئی: ''لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ'' (۲) ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ یہ آیت عبد اللہ بن اُبی اور اس کے منافق اصحاب کے متعلق نازل ہوئی جو یہود سے دوستی رکھتے تھے اور مسلمانوں کی خبریں یہود کو پہنچاتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایسے رویہ سے منع فرمایا۔ (۳) نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بعض یہود بعض انصار سے خفیہ دوستی رکھتے تھے تاکہ وہ انصار کو اُن کے دین سے پھیر دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا۔ (۴) مقاتل بن سلیمان اور مقاتل بن حیان نے بیان کیا: یہ آیت حضرت حاطب بن ابی بلتعۃ رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی جو کفارِ مکہ سے محبت کو ظاہر کرتے تھے تو اللہ عزوجل نے اُن کو اس سے منع فرمایا۔

''وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ'': یعنی مسلمانوں میں سے جس نے کفار کے ساتھ دوستی کو قائم رکھا اور اُن کو اپنا ہمراز بنایا تو اللہ تعالیٰ اس سے بری ہے۔

تقیہ کے بُطلان کے متعلق امام ابن جوزی کی تحقیق

''اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً'': یعنی اگر کسی مسلمان کو یہ خطرہ ہو کہ کافر اُس کو قتل کر دے گا تو وہ اپنی جان بچانے کے لیے کفار کے ساتھ ظاہراً موافقت کر سکتا ہے بشرطیکہ اس کا دل ایمان پر قائم ہو: ''اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ (النحل: ۱۰۶)''۔

اور ''التقیة'' اسلام میں رخصت ہے عزیمت نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبل نے کہا: اگر کافر تمہارے خلاف تلوار سونت لے تب بھی عزیمت یہ ہے کہ تم جان کی پرواہ نہ کرو اور کفار کے ساتھ موافقت نہ کرو، اور انہوں نے کہا: جب عالم تقیہ کر کے کفر کی موافقت کرے اور جاہل جہالت کی وجہ سے کفر کی موافقت کرے تو حق کیسے متمیز ہوگا!

(زاد المسیر ج ۱ ص ۲۷۲، دار الکتاب العربی، بیروت ۱۴۳۱ھ)

تقیہ کے بُطلان کے متعلق مصنف کی تحقیق

علماءِ شیعہ کے نزدیک تقیہ کا حکم

مشہور شیعہ مفسر شیخ الطائفة ابو جعفر محمد بن الحسن الطوسی المتوفی ۴۶۰ھ لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک جان کے خوف کے وقت تقیہ کرنا واجب ہے اور جان کے خوف کے وقت حق کو ظاہر کرنے کی بھی ایک روایت ہے۔ حسن بصری روایت کرتے ہیں کہ مسیلمہ کذاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سے دو مردوں کو پکڑا، پھر ان دونوں میں سے کسی ایک سے کہا: کیا تم یہ شہادت دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں؟ اس نے کہا: ہاں، پھر اس نے کہا: کیا تم شہادت دیتے

ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ اس نے کہا: ہاں! پھر اس نے دوسرے شخص کو پکڑ کر پوچھا: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں؟ اس نے کہا: ہاں، پھر اس نے پوچھا: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ تو اس نے کہا: میں بہرہ ہوں، اور تین مرتبہ اس نے یہی جواب دیا تو مسیلمہ کذاب نے اس صحابی کی گردن اڑا دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا: جو شخص قتل کر دیا گیا اس کو اس کے سچ بولنے کی فضیلت مبارک ہو، اور رہا دوسرا شخص تو اس نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی رخصت کو قبول کیا، اس وجہ سے جان کے خطرہ کے وقت تقیہ کرنے کی رخصت ہے اور حق بات کو ظاہر کرنے میں فضیلت ہے، اور ہماری احادیث کی ظاہر دلالت یہ ہے کہ جان کے خطرہ کے وقت تقیہ کرنا واجب ہے اور اس کے خلاف کرنا خطاء ہے۔

(التبیان فی تفسیر القرآن ج ۲ ص ۴۳۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے متعلق شیعہ اور روافض کا عقیدہ

ملا محمد باقر مجلسی متوفی ۱۱۱۱ھ لکھتے ہیں:

حق تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ آپ کی وفات کے بعد آپ کے اہل بیت پر ظلم کیا جائے گا، رہے علی بن ابی طالب تو وہ آپ کے بھائی ہیں، آپ کی امت کی طرف سے ان کو گالیاں دی جائیں گی اور ان کو ملامت کی جائے گی اور ان کو سرزنش کی جائے گی اور وہ لوگ اُن کو ان کے حق سے محروم کر دیں گے اور ان پر شدید ظلم کر کر کے بالآخران کو شہید کر دیں گے، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے میرے پروردگار! میں نے اس کو قبول کر لیا اور اس کی اطاعت کر لی اور میں تجھ سے اس پر صبر کی توفیق طلب کرتا ہوں، رہی آپ کی بیٹی تو وہ بھی مظلوم ہوگی، اس کو یہ لوگ آپ کی وراثت سے محروم کر دیں گے اور ان کا وہ حق چھین لیں گے جس حق کا آپ نے اُن کے لیے اقرار کیا ہے اور یہ لوگ اُن کے پیٹ پر اس وقت ضرب لگائیں گے جب کہ وہ حاملہ ہوں گی اور ان کے حرم میں اور ان کے گھر میں بغیر اجازت کے داخل ہوں گے اور ان کو شدید ذلت اور خواری میں مبتلاء کریں گے اور اشقیاء امت میں سے کوئی اس ظلم سے منع نہیں کرے گا اور اُس ضرب سے آپ کی بیٹی کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ ساقط ہو جائے گا اور شہید ہو جائے گا، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ'' میں نے اس کو قبول کر لیا اور اطاعت کر لی اور میں تجھ سے اس پر صبر کو طلب کرتا ہوں۔ (جلاء العیون ج ۱ ص ۲۰۱، کتاب فروشی اسلامیہ، تہران خیابان ایران، ۱۳۹۸ھ)

نیز یہی ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں:

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر حاضر ہو کر شکایت کی اور کہا:

اے ابا جان! میں آپ کی قبر پر آئی ہوں اور ابوبکر اور عمر کی شکایت کر رہی ہوں جو سقیفہ بنو ساعدہ میں گئے اور منافقین کے ساتھ مل کر اتفاق کیا اور میرے شوہر امیر المومنین سے خلافت کو غصب کر لیا، پھر وہ ان کو بیعت کے لیے لے گئے اور انہوں نے آپ کے اہل بیت کے گھر کے باہر لکڑیاں اکٹھی کیں اور گھر میں آگ لگانے کے لیے اُن کو جلایا، پس میں نے صدا بلند کی کہ اے عمر! تم کس وجہ سے اللہ اور رسول کے خلاف یہ جرأت کر رہے ہو کہ پیغمبر کی نسل کو زمین پر پٹخ رہے ہو، عمر نے کہا: اے فاطمہ! بس کرو، اب محمد موجود نہیں ہیں کہ ملائکہ آئیں اور آسمان سے امر اور نہی کو لے کر آئیں، علی سے کہو کہ آئیں اور بیعت کریں ورنہ میں اس گھر میں آگ لگا دوں گا اور تم سب کو جلا ڈالوں گا، پس میں نے کہا: اے خداوندا! میں تجھ سے شکایت کرتی ہوں کہ آپ کے پیغمبر دنیا سے

چلے گئے اور آپ کی تمام امت کافر ہوگئی اور میرا حق انہوں نے غصب کر لیا، پس عمر نے بلند آواز سے کہا: یہ عورتوں کی طرح احمقانہ باتیں بند کرو کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے تم کو امامت نہیں دی ہے، پھر عمر نے میرے ہاتھ پر کوڑا مارا اور میرے پیٹ پر ضرب لگائی اور میرا بیٹا جس کا نام محسن ہے اس وقت میرے پیٹ میں چھ ماہ کا تھا وہ مجھ سے ساقط ہو گیا۔

(حق الیقین ص ۳۶۴-۳۶۵، کتاب فروشی اسلامیہ، تہران خیابان بوذرجمہری شرقی، ایران، ۱۳۵۷ھ)

میں کہتا ہوں کہ شیعانِ علی اور روافض یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ظالم اور غاصب تھے بلکہ اُن کو اور پوری امت کو کافر کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پر جو بیعت کی تھی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ برحق تسلیم کیا تھا تو انہوں نے یہ اقدام تقیۃً کیا تھا، اگر وہ ان صحابہ کی موافقت نہ کرتے تو ان کو مار دیا جاتا سو انہوں نے جان بچانے کے لیے ان خلفاءِ ثلٰثہ کی خلافت کو تسلیم کر لیا۔

تقیہ کے بُطلان پر قرآنِ مجید، احادیثِ صحیحہ اور عقلِ سلیم سے دلائل

شیعہ اور روافض کا یہ قول قطعاً باطل ہے، کیونکہ اگر جان کے خطرہ کی وجہ سے تقیہ کرنا جائز ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفارِ قریش سے موافقت کر لیتے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام دنیا کے کفار سے مخالفت مول لی اور اپنی جان کی پرواہ نہیں کی بلکہ اللہ عزوجل نے آپ سے ارشاد فرمایا: "فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ۔ (الحجر: ۹۴)" (آپ کو جس بات کا حکم دیا جاتا ہے آپ اس کا کھلم کھلا اعلان فرما دیں)۔ اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی سے بڑی آزمائش کے موقع پر تقیہ نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ جان کے خطرہ سے تقیہ کرنا اور جان بچانے کے لیے اپنے ضمیر کے خلاف اقدام کرنا جائز نہیں ہے اور اس کی تائید درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "من رای منکم منکراً فلیغیّرہُ بیدہٖ، فان لم یستطع فبلسانہ، فان لم یستطع فبقلبہٖ وذالک اضعف الایمان" (تم میں سے جس شخص نے کسی برائی اور غلط کام کو دیکھا تو وہ اس کو اپنی قوت سے بدل ڈالے، اور اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان سے برائی کو برا کہے، اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو برائی کو دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے)۔

(صحیح مسلم: ۴۹، سنن ابوداؤد: ۱۱۴۰، سنن ترمذی: ۲۱۷۹، سنن نسائی: ۵۰۱۸، سنن ابن ماجہ: ۱۲۷۵، مسند احمد: ۱۱۰۷۳)

شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلفاءِ ثلٰثہ کی خلافت اور حکومت کو باطل سمجھتے تھے لیکن جان بچانے کے لیے ان کی موافقت کرتے تھے اور ان کی اطاعت کرتے تھے۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک خلفاءِ ثلٰثہ کی خلافت باطل ہوتی تو وہ اُن کی حکومت سے ٹکرا جاتے اور اپنی قوتِ بازو سے اُن کی حکومت کو بدل ڈالتے خواہ اس میں کامیاب نہ ہوتے جیسے حضرت حسین رضی اللہ عنہ جب یزید کی بیعت کو باطل سمجھتے تھے تو انہوں نے اپنی جان کی پرواہ نہیں کی اور یزید کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی اور خود اور اپنے ستر (۷۰) رُفقاء کی شہادت کو گوارا کر لیا اور یزید کی بیعت کرنے کو گوارا نہیں کیا۔ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایمان حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ایمان سے بھی کمتر تھا؟۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک خلفاءِ ثلٰثہ کی خلافت باطل ہوتی تو وہ ضرور اُن سے ٹکرا جاتے اور یہی ایمان کا پہلا درجہ ہے اور تم یہ کہتے ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ دل سے خلفاءِ ثلٰثہ کی خلافت کو باطل جانتے تھے لیکن جان کے خوف سے نہ اُن کی خلافت کو قوت سے بدلا، نہ زبان سے ان کی خلافت کو باطل کہا بلکہ صرف ان کی خلافت کو دل سے برا جانا اور یہ ایمان کا

تیسرا درجہ ہے، سوتم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے ایمان کا تیسرا درجہ مانتے ہو اور ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے ایمان کا پہلا درجہ مانتے ہیں، بتاؤ علی کے محب تم ہو یا ہم ہیں!!

نیز ملا باقر مجلسی نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو گھر جلانے کی دھمکی دی اور اُن کے پیٹ پر ضرب لگا کر ان کا حمل ساقط کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ سب دیکھتے رہے اور تقیہ کر کے اس سب کو برداشت کر لیا، میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیوی کے پیٹ پر عمر ضرب لگائیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تقیہ کر کے کھڑے دیکھتے رہیں! ذرا خود بتاؤ کہ یہ تقیہ ہے یا بے غیرتی ہے؟ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی کی عزت کو بچانے کے لیے جان نہ دی جا سکے، اگر اپنی زوجہ کی عزت کی حفاظت کے لیے جان نہ دی جا سکے تو پھر اس جان کا کیا فائدہ ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دامن ان تمام خرافات اور اتہامات سے بری ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دختر اور اپنی زوجہ کی عزت بچانے کے موقع پر تقیہ کرنے والے نہ تھے، آپ دیکھیں حدیث میں ہے:

مروان بن الحکم بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے سامنے حاضر تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تمتع کرنے سے اور حج اور عمرہ کو جمع کرنے سے منع کر رہے تھے، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا تو حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا اور کہا: ''لبیك بعمرة وحجة'' اور کہا: میں کسی ایک شخص کے قول کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو ترک کرنے والا نہیں ہوں۔

(صحیح البخاری: ۱۵۶۳، صحیح مسلم: ۱۲۲۳، سنن نسائی: ۲۷۲۳، مسند احمد: ۱۱۴۵، سنن دارمی: ۱۹۲۳)

اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ تقیہ کرنے والے ہوتے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت نہ کرتے، لیکن انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے منع کرنے کے باوجود حج تمتع کا احرام باندھا، تو جب حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک سنت کے ترک پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی موافقت کرنے والے نہ تھے تو اگر ان کے نزدیک خلفاءِ ثلاثہ کی خلافت باطل ہوتی تو وہ کبھی ان کے ہاتھ پر بیعت نہ کرتے اور ان کی موافقت نہ کرتے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسول اکرم!) آپ کہیے! اگر تم اپنے دلوں کی باتوں کو خواہ چھپاؤ یا اُن کو ظاہر کرو اللہ اُن سب کو جانتے ہیں، اور وہ جانتے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے، اور اللہ جو چاہیں اس پر قادر ہیں O'' (آل عمران: ۲۹)

امام ابواللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، آل عمران: ۲۹، ۳۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ'': اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے کہ اگر تم اپنے دلوں میں کفار کی دوستی کو رکھ کر چھپاؤ یا تم مومنین کے سامنے کفار کے ساتھ دوستی کو ظاہر کر دو تو بہر حال اللہ کو اس کا علم ہے اور آسمانوں اور زمینوں میں سے کوئی چیز اس سے مخفی نہیں ہے، سو تمہارا عمل بھی اس سے مخفی نہیں ہے، اور اللہ ہر اس چیز پر قادر ہے جس کو وہ چاہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جس دن ہر شخص اپنے کئے ہوئے ہر نیک کام کو موجود پائے گا اور اپنے کئے ہوئے ہر برے کام کو (موجود پائے گا)، وہ (بدکار) چاہے گا کاش! میرے اور اس دن کے درمیان بہت دور کا

فاصلہ ہوتا، اور اللہ تمہیں اپنی ذات (کے عذاب) سے ڈراتے ہیں، اور اللہ بندوں پر نہایت مہربان ہیں O"
(آل عمران: ۳۰)

"یَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ": حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خصوصیت کے ساتھ مومنین پر مہربان ہے، اس آیت کے شروع میں اللہ تعالیٰ کے عدل کا ذکر ہے کہ تم قیامت کے دن اپنے ہر عمل کو حاضر پاؤ گے اور اس کے وسط میں اللہ تعالیٰ کے تخویف اور تہدید کا ذکر ہے یعنی اس کے ڈرانے کا اور اس آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی شفقت اور رحمت کا ذکر ہے کہ وہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ (تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۲۶۰۔ ۲۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۱﴾

(اے رسولِ اکرم!) آپ (اہلِ کتاب سے) کہیے: اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری فرمانبرداری کرو، اللہ تمہیں اپنا محبوب بنالیں گے اور تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو بخش دیں گے اور اللہ بہت بخشنے والے بے حد رحم فرمانے والے ہیں O

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

آپ کہیے: (اے لوگو!) اللہ کی فرمانبرداری کرو اور رسول کی (فرمانبرداری کرو)، پس اگر وہ روگردانی کریں تو بے شک اللہ کافروں کو پسند نہیں فرماتے O

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾ۙ

بے شک اللہ نے آدم کو اور نوح کو اور آلِ ابراہیم کو اور آلِ عمران کو (ان کے زمانہ میں) تمام جہان والوں پر فضیلت عطا فرمائی O

ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾ۚ

جو ایک دوسرے کی اولاد ہیں، اور اللہ سب کچھ سننے والے سب کچھ جاننے والے ہیں O

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۵﴾

اور یاد کیجیے! جب عمران کی بیوی نے عرض کی: اے میرے رب! میرے پیٹ میں جو حمل ہے میں آپ کے لیے اُس کی نذر مانتی ہوں کہ وہ خاص آپ کے لیے آزاد کیا ہوا ہوگا، سو آپ اس نذر کو مجھ سے قبول فرمائیں، بے شک آپ سب کچھ سننے والے سب کچھ جاننے والے ہیں O

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَى ۖ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ۖ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَى ۖ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿۳۶﴾

پھر جب اس کا وضع حمل ہوا تو اس نے عرض کی: اے میرے رب! مجھ سے تو یہ لڑکی پیدا ہوئی ہے اور اللہ اس کے وضع حمل کو خوب جاننے والے ہیں (عمران کی بیوی نے عرض کی:) اور میرا طلب کردہ لڑکا اس لڑکی کی مثل نہیں ہوسکتا جو آپ نے عطا فرمائی ہے، اور بے شک میں نے اس لڑکی کا نام مریم رکھا ہے، اور بے شک میں اس لڑکی کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے آپ کی پناہ میں دیتی ہوںO

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۖ قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّى لَكِ هَٰذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾

سو عمران کی بیوی کے رب نے مریم کو عمدہ طریقہ سے قبول فرمالیا اور اس کی نہایت حسین پرورش فرمائی اور زکریا کو اس کا کفیل بنادیا، جب بھی زکریا اپنی عبادت کے حجرہ میں مریم کے پاس تشریف لے جاتے تو اس کے پاس تازہ ترین پھل پاتے، زکریا نے کہا: اے مریم! تمہارے پاس یہ پھل کہاں سے آئے؟ مریم نے کہا: یہ پھل اللہ کے پاس سے آئے ہیں، بے شک اللہ جس کو چاہتے ہیں بے حساب رزق عطا فرماتے ہیںO

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۖ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴿۳۸﴾

اسی جگہ زکریا نے اپنے رب سے دعا کی: اے میرے رب! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرمائیں، بے شک آپ بہت زیادہ دعا قبول فرمانے والے ہیںO

فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَىٰ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۳۹﴾

جس وقت زکریا اپنی عبادت کے حجرہ میں نماز پڑھ رہے تھے تو فرشتوں نے اُن کو آواز دے کر کہا: بے شک آپ کو اللہ یحییٰ کی بشارت فرماتے ہیں جو اللہ کے کلمہ (عیسیٰ) کی تصدیق کرنے والے ہوں گے اور سردار ہوں گے اور عورتوں سے دور رہنے والے ہوں گے اور نبی ہوں گے اور ہمارے نیک بندوں میں سے ہوں گےO

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاۗءُ ۝۴۰

(زکریا نے) عرض کیا: اے میرے رب! میرا بیٹا کیونکر ہوگا حالانکہ مجھے بڑھاپا پہنچ چکا ہے اور میری بیوی بانجھ ہے، فرمایا: اللہ اسی طرح جو چاہیں کرتے ہیں O

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۭ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ۝۴۱

(زکریا نے) کہا: اے میرے رب! میرے لیے (اس ولادت کی) کوئی نشانی مقرر فرمادیں، (رب نے) فرمایا: آپ کے لیے یہ نشانی ہے کہ آپ تین دن تک لوگوں سے بغیر اشارہ کے بات نہ کرسکیں گے، اور اپنے رب کا بہ کثرت ذکر کیجئے اور صبح اور شام کو اس کی تسبیح پڑھیے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) آپ (اہلِ کتاب سے) کہیے: اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری فرمانبرداری کرو، اللہ تمہیں اپنا محبوب بنالیں گے اور تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو بخش دیں گے اور اللہ بہت بخشنے والے بے حد رحم فرمانے والے ہیں O آپ کہیے: (اے لوگو!) اللہ کی فرمانبرداری کرو اور رسول کی (فرمانبرداری کرو)، پس اگر وہ روگردانی کریں تو بے شک اللہ کافروں کو پسند نہیں فرماتے O'' (آل عمران: ۳۱-۳۲)

آل عمران: ۳۱-۳۲ کا سببِ نزول

امام ابوالحسن علی بن احمد الواحدی النیشاپوری المتوفی ۴۶۸ھ اس آیت کے سببِ نزول کے متعلق روایت کرتے ہیں:

''قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ'': الضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے پاس اس وقت مسجدِ حرام میں تشریف لے گئے جب وہ بتوں کو سجدہ کررہے تھے، آپ نے فرمایا: اے قریش کی جماعت! اللہ کی قسم! تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت کی مخالفت کررہے ہو تو قریش نے جواب میں کہا: ہم ان بتوں کی عبادت اللہ عزوجل کی محبت کے حصول کے لیے کررہے ہیں تاکہ یہ بت ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب پہنچادیں، تب اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ آیت نازل فرمائی کہ اے محمد! صلی اللہ علیک وسلم! آپ ان سے کہیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو اور اس لیے بتوں کی عبادت کرتے ہو کہ یہ بت تمہیں اللہ کے قریب کردیں تو تم ان کی عبادت کو چھوڑ دو اور میرا حکم مانو، میری پیروی کرو تو اللہ تعالیٰ خود تم سے محبت فرمائے گا، اور میں تمہاری طرف اللہ عزوجل کا رسول ہوں اور اس کی دلیل ہوں اور تمہاری تعظیم کا تمہارے بتوں کی بہ نسبت میں زیادہ مستحق ہوں۔

بندوں کی اللہ عزوجل سے محبت اور اللہ تعالیٰ کی بندوں سے محبت کا معنی

علامہ ابوالحسن لکھتے ہیں: اس آیت میں بندوں کے اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کا ذکر ہے اور بندوں کی اللہ عزوجل سے محبت کا معنی یہ ہے کہ بندے اللہ تعالیٰ کا حکم مانیں، اس کی اطاعت کریں اور اپنی خواہشات پر اللہ تعالیٰ کی رضامندی کو ترجیح دیں اور اس کی شریعت پر عمل کریں۔ اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے بندوں سے محبت کرنے کا ذکر ہے، اور اللہ تعالیٰ کی بندوں سے محبت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو ثواب عطا فرمانے کا ارادہ فرمائے اور ان کو معاف فرمانے کا ارادہ فرمائے اور ان کو انعام عطا فرمانے کا ارادہ فرمائے، لہٰذا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے محبت کرتے ہو اور تم اس کی رضا اور اس کے ثواب کے حصول کا ارادہ کرتے ہو تو میرا حکم مانو اور میری اطاعت کرو، اللہ تعالیٰ تم کو ثواب عطا فرمائے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت پر موقوف ہونا

''قُلۡ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوۡلَ '': پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت پر موقوف ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نافرمانی کرتے ہوئے کسی شخص کا اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنا مقبول نہیں ہے، اس لیے فرمایا: تم اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ اس آیت میں رسول سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہارا اُن کی اطاعت کرنا درحقیقت میری اطاعت ہے، پھر اگر وہ آپ کی اطاعت کرنے اور آپ کا حکم ماننے سے اعراض کریں تو انہیں بتا دیجئے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں فرماتا، نہ ان کی آخرت میں مغفرت فرمائے گا اور نہ دنیا میں ان کی تحسین فرمائے گا۔ (الوسیط فی تفسیر القرآن المجید ج۱ ص ۴۲۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک اللہ نے آدم کو اور نوح کو اور آلِ ابراہیم کو اور آلِ عمران کو (ان کے زمانہ میں) تمام جہان والوں پر فضیلت عطا فرمائی ○ جو ایک دوسرے کی اولاد ہیں، اور اللہ سب کچھ سننے والے سب کچھ جاننے والے ہیں ○'' (آل عمران: ۳۳۔۳۴)

امام ابومحمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، آل عمران: ۳۳ تا ۴۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوۡحًا وَّ اٰلَ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ۝'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہود نے کہا: ہم ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کے بیٹے ہیں اور ہم ان کے دین پر ہیں تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء علیہم السلام کو اسلام کے ساتھ چن لیا اور تم دینِ اسلام پر نہیں ہو۔

''اصۡطَفٰی'' کا معنی ہے: چن لیا اور پسند کر لیا۔ ''اٰدَمَ'' اور وہ ابوالبشر ہیں۔

آلِ ابراہیم اور آلِ عمران کا مصداق

''وَ نُوۡحًا وَّ اٰلَ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اٰلَ عِمۡرٰنَ'': ایک قول یہ ہے کہ آل ابراہیم اور آل عمران سے اس آیت میں خود حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت عمران علیہ السلام کی ذات ستودہ صفات مراد ہے، اور دوسرے مفسرین نے کہا: آلِ ابراہیم کا مصداق حضرت اسماعیل،

حضرت اسحاق، حضرت یعقوب علیہم السلام اوران کی اولاد ہیں اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل میں سے ہیں، اور رہی آلِ عمران، تو مقاتل نے کہا: اس عمران کا مصداق عمران بن یصہر بن فاہت بن لاوی بن یعقوب علیہ السلام ہیں جو حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے والد ہیں۔ اور حسن بصری اور وہب بن منبہ نے کہا: اس عمران کا مصداق عمران بن اشہم بن امون ہیں جو حضرت سلیمان بن داؤد علیہم السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ اور اُن کی آل حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ ہیں۔ ان نفوس قدسیہ کا خصوصیت کے ساتھ اس لیے ذکر فرمایا کہ بعد میں آنے والے تمام انبیاء ورسول ان کی نسل سے ہیں۔

''ذُرِّيَّةً'' کا معنی

''ذُرِّيَّةً'' کا لفظ ذَرَأَ سے ماخوذ ہے جس کا معنی خَلَقَ ہے، دوسرا قول ہے کہ ''ذُرِّيَّةً'' الذُّر سے ماخوذ ہے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی تمام اولاد کو جب ان کی پشت سے نکالا گیا تو وہ چیونٹیوں کی مثل تھے اور ''ذُر'' کا معنی چیونٹی ہے۔

اس آیت کے معنی کے متعلق تین تفسیریں ہیں۔ (۱) ان میں سے بعض حضرات بعض کی اولاد ہیں۔ (۲) یہ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ (۳) یہ ایک دوسرے کے دین پر ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور یاد کیجئے! جب عمران کی بیوی نے عرض کی: اے میرے رب! میرے پیٹ میں جو حمل ہے میں آپ کے لیے اُس کی نذر مانتی ہوں کہ وہ خاص آپ کے لیے آزاد کیا ہوا ہوگا، سو آپ اس نذر کو مجھ سے قبول فرمائیں، بیشک آپ سب کچھ سننے والے سب کچھ جاننے والے ہیں O'' (آل عمران: ۳۵)

حضرت عمران اوران کی بیوی کا مصداق

''اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ'': حضرت عمران کی بیوی کا نام حنّہ بنت فاقوذا ہے اور یہ حضرت مریم کی والدہ ہیں، اور حضرت عمران کا نام عمران بن ماثان ہے اور یہ وہ عمران نہیں ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد تھے، کیونکہ ان دونوں عمرانوں کے درمیان دو ہزار آٹھ سو (۲۸۰۰) سال کا فاصلہ ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کے درمیان ایک ہزار (۱۰۰۰) سال کا فاصلہ ہے اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان دو ہزار (۲۰۰۰) سال کا فاصلہ ہے۔ اور بنو ماثان میں سے بنی اسرائیل کے سردار اوران کے علماء اوران کے بادشاہ تھے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت عمران کا مصداق عمران بن اشہم ہیں۔

حضرت حنّہ کا بیت المقدس کی خدمت کے لیے اپنے پیٹ کے بچہ کی نذر ماننا

''رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا'': یعنی میرے پیٹ میں جو بچہ ہے میں نے اس کے متعلق یہ نذر مانی ہے کہ وہ آپ کی خدمت کے لیے آزاد کیا ہوا ہوگا اور نذر سے مراد وہ کام ہے جس کو انسان اپنے اوپر خود لازم کر لیتا ہے، اور ''مُحَرَّرًا'' کا معنی ہے: یعنی وہ صرف اللہ عزوجل کی عبادت کے لیے وقف کیا ہوا ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے تمام دنیاوی کاموں سے فارغ کیا ہوا ہوگا اور وہ گرجا میں بیٹھ کر خدمت کرے گا، محمد بن اسحاق وغیرہ نے کہا کہ جس کو عبادت گاہ کی صفائی کے لیے اور وہاں خدمت کے لیے وقف کر دیا جائے اور اس کو ابتداء پیدائش سے بالغ ہونے تک عبادت گاہ میں مقرر رکھا جائے، پھر بالغ ہونے کے بعد اسے اختیار دیا جائے کہ چاہے اس عبادت گاہ میں رہ کر عبادت گاہ کی خدمت کرے یا چلا جائے اور بعد میں آنے والے انبیاء

اور علماء حضرت عمران کی نسل میں سے تھے جو بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف تھے۔ اور بیت المقدس کی خدمت کے لیے صرف لڑکوں کو وقف کیا جاتا تھا اور لڑکی اس کی صلاحیت نہیں رکھتی تھی کیونکہ لڑکی کو حیض آتا ہے اور مدتِ حیض کے دوران وہ اور اس کے کپڑے ناپاک ہوتے ہیں، پس حضرت مریم کی والدہ نے اپنے پیٹ کے بچہ کو بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا۔

حضرت زکریا اور حضرت عمران کا دو بہنوں سے نکاح کرنا

اور اس کا قصہ اس طرح ہے کہ حضرت زکریا اور حضرت عمران دونوں نے دو بہنوں سے شادی کی اور ایشاع بنت فاقوذا (میں کہتا ہوں: فاقوذا جو حضرت یحییٰ کی والدہ تھیں ان کے ہاں بھی اولاد نہیں ہوتی تھی جس کا ذکر ان شاء اللہ آئے گا۔ سعیدی غفرلہٗ) وہ حضرت زکریا کے نکاح میں تھیں۔ اور دوسری بہن حنّہ بنت فاقوذا جو حضرت مریم کی والدہ ہیں وہ حضرت عمران کے نکاح میں تھیں اور حنّہ کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تھی حتیٰ کہ وہ اولاد سے مایوس ہوگئی تھیں۔ ایک دن وہ ایک درخت کے سائے میں بیٹھی ہوئی تھیں تو انہوں نے دیکھا کہ ایک پرندہ چوزہ کو دانا کھلا رہا ہے، یہ دیکھ کر ان کے دل میں بھی بچہ کی خواہش ہوئی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اولاد کے حصول کی دعا کی اور کہا کہ اے اللہ! میں نذر مانتی ہوں کہ اگر آپ نے مجھے بچہ عطا فرمایا تو میں اس کو بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کر دوں گی، وہ بیت المقدس کا خادم ہوگا اور اس کی صفائی کرنے والا ہوگا، پھر حنّہ کے پیٹ میں حضرت مریم کا حمل ہوگیا اور انہوں نے یہ دعا کی کہ میرے پیٹ میں جو کچھ بھی ہے میں اس کو بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کرتی ہوں اور وہ نہیں جانتی تھیں کہ ان کے پیٹ میں بچہ ہے یا بچی ہے، تو ان کے خاوند حضرت عمران نے کہا: تم پر افسوس ہے، تم نے کیسی نذر مانی ہے، یہ بتاؤ کہ اگر تمہارے پیٹ میں جو ہے وہ بچی ہوئی تو وہ تو بیت المقدس کی خدمت کی صلاحیت نہیں رکھتی، پھر وہ دونوں پریشان ہوگئے اور حضرت عمران فوت ہوگئے اور اس وقت حضرت حنّہ کے پیٹ میں حضرت مریم تھیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر جب اس کا وضع حمل ہوا تو اس نے عرض کی: اے میرے رب! مجھ سے تو یہ لڑکی پیدا ہوئی ہے اور اللہ اس کے وضعِ حمل کو خوب جاننے والے ہیں، (عمران کی بیوی نے کہا:) اور میرا طلب کردہ لڑکا اس لڑکی کی مثل نہیں ہوسکتا جو آپ نے عطا فرمائی ہے، اور بے شک میں نے اس لڑکی کا نام مریم رکھا ہے، اور بے شک میں اس لڑکی کو اور اس کی اولاد کو شیطانِ مردود سے آپ کی پناہ میں دیتی ہوں O'' (آل عمران: ۳۶)

حضرت عمران کی بیوی ''حنّہ'' کے بطن سے حضرت مریم کا پیدا ہونا

''فَلَمَّا وَضَعَتْهَا'': جب حضرت حنّہ کا وضع حمل ہوا اور ان کو یہ توقع تھی کہ ان کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا اور جب لڑکی پیدا ہوئی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عذر پیش کرتے ہوئے عرض کی حالانکہ اللہ تعالیٰ کو خوب علم ہے کہ ان کے ہاں کون پیدا ہوا ہے۔

''قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰی'': حضرت حنّہ نے یہ عذر پیش کیا کہ اگر ان سے لڑکا پیدا ہوتا تو وہ اس کو بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کر دیتیں جیسا کہ انہوں نے نذر مانی تھی اور اب لڑکی پیدا ہوگئی جو حیض اور نفاس میں مبتلا ہوتی ہے۔

''وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰی'': اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ تم نے جس لڑکے کی نذر مانی تھی وہ اس لڑکی کے مرتبہ کا نہیں ہے جو تم سے پیدا ہوئی ہے۔

''وَاِنِّيْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ'': یعنی حضرت حنّہ نے جولڑکی پیدا ہوئی اس کا نام مریم رکھا اور ان کی زبان میں مریم کا معنی ہے عابدہ اور خادمہ، اور حضرت مریم تمام عورتوں سے زیادہ حسین تھیں اور اپنے زمانہ کی تمام عورتوں سے افضل تھیں۔

''وَاِنِّيْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۳۶﴾'': حضرت حنّہ نے دعا کی کہ میں مریم کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود کے شر سے آپ کی پناہ میں دیتی ہوں، حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر بنو آدم جب پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس کو انگلی چبھوتا ہے، پس وہ شیطان کے (انگلی چبھونے سے) چیخ مار کر روتا ہے سوا مریم اور ان کے بیٹے کے، پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی: ''وَاِنِّيْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۳۶﴾''۔ (صحیح البخاری: ۳۴۳۱، صحیح مسلم: ۲۳۶۶)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''سو عمران کی بیوی کے رب نے مریم کو عمدہ طریقہ سے قبول فرمالیا اور اس کی نہایت حسین پرورش فرمائی اور زکریا کو اس کا کفیل بنادیا، جب بھی زکریا اپنی عبادت کے حجرہ میں مریم کے پاس جاتے تو اس کے پاس تازہ ترین پھل پاتے، زکریا نے کہا: اے مریم! تمہارے پاس یہ پھل کہاں سے آئے؟ مریم نے کہا: یہ پھل اللہ کے پاس سے آئے ہیں، بے شک اللہ جس کو چاہتے ہیں بے حساب رزق عطا فرماتے ہیں O'' (آل عمران: ۳۷)

''فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ'': یعنی اللہ عزوجل نے حنّہ سے حضرت مریم کو قبول فرمالیا اور راضی ہوگیا۔

حضرت مریم کی غیر معمولی نشوونما

''وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا'': یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی تخلیق اعتدال پر قائم فرمائی، وہ ایک دن میں اتنی نشوونما پاتی تھیں جتنی عام بچے ایک سال میں نشوونما پاتے تھے۔ مورخین نے کہا ہے کہ جب مریم پیدا ہوئیں تو حنّہ نے ان کو ایک کپڑے میں لپیٹا اور ان کو اٹھا کر مسجد میں لے گئیں اور پھر حضرت مریم کو ان علماء کے پاس لے جا کر رکھ دیا جو حضرت ہارون علیہ السلام کے بیٹوں کی اولاد تھے، حنّہ نے ان سے کہا: تم اس بچی کو سنبھالو جس کی میں نے نذر مانی تھی تو احبار اور علماء نے ان کو لینے میں رغبت کی کیونکہ وہ ان کے امام حضرت عمران کی صاحبزادی تھیں اور حضرت عمران قربانیاں پیش کرتے تھے، تب حضرت زکریا نے ان احبار اور علماء سے کہا: میں تم سب لوگوں کی بہ نسبت اس کی پرورش کا زیادہ مستحق ہوں کیونکہ اس کی خالہ میرے نکاح میں ہیں، پس احبار نے کہا: آپ ایسا نہ کریں کیونکہ ہم میں سے ہر ایک اس کی پرورش کرنے کا مشتاق ہے لیکن ہم اس مسئلہ پر قرعہ اندازی کرتے ہیں، جس کے نام قرعہ نکلے گا وہی اس کی پرورش کرے گا، پھر وہ انتیس (۲۹) علماء ایک بہنے والے دریا کے پاس گئے، السدی نے کہا: وہ دریائے اُردن تھا، ان سب لوگوں نے اپنے اپنے قلم پانی میں ڈال دیے کہ جس کا قلم پانی میں ٹھہر جائے گا اور پانی کے اوپر چڑھ جائے گا وہی حضرت مریم کی پرورش کا حق دار ہوگا، اور ہر ایک کے قلم پر اس کا نام لکھا ہوا تھا اور یہ کہا گیا ہے کہ یہ وہ قلم تھے جن سے وہ تورات کو لکھتے تھے، سو انہوں نے اپنے قلم دریا میں ڈال دیے، پس حضرت زکریا کا قلم پانی کے اوپر چڑھ گیا اور باقی احبار کے قلم ڈوب گئے، محمد بن اسحاق نے کہا کہ حضرت زکریا کا قلم پانی کی بلندی کی طرف چڑھا اور باقی احبار کے قلم دریا میں بہہ گئے اور السدی اور

ایک جماعت نے کہا: بلکہ حضرت زکریا کا قلم پانی کے اوپر قائم رہا گویا کہ وہ مٹی میں نصب ہے اور باقی احبار کے اقلام پانی کے ساتھ بہہ گئے، لہٰذا حضرت زکریا کے نام قرعہ فال نکل آیا۔

حضرت زکریا علیہ السلام کا حضرت مریم کی پرورش کرنا

''وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا'': حضرت زکریا ان تمام علماء کے سردار تھے، پس جب حضرت زکریا حضرت مریم کو اپنے ساتھ لے گئے تو انہوں نے مسجد میں ان کے لیے ایک حجرہ بنایا اور ان کے لیے ایک دودھ پلانے والی کو بلوایا، محمد بن اسحاق نے کہا ہے کہ انہوں نے حضرت مریم ان کی خالہ (فاقوذا) کی گود میں دے دیں جو حضرت یحییٰ کی والدہ تھیں، حتیٰ کہ جب وہ جوان ہوگئیں تو ان کے لیے مسجد میں ایک حجرہ بنا دیا اور اس کے وسط میں ایک دروازہ رکھا جس پر صرف سیڑھی کے ذریعہ جایا جاسکتا تھا، اور حضرت زکریا کے علاوہ اور کوئی ان کے حجرہ میں نہیں جاتا تھا اور وہ ہر روز ان کے لیے طعام، مشروب اور تیل لے کر جاتے تھے۔

حضرت مریم کے قصہ میں محراب کا مصداق

''كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيۡهَا زَكَرِيَّا الۡمِحۡرَابَ'': محراب سے مراد یہاں پر وہ بالا خانہ ہے جو حضرت مریم کی رہائش کے لیے بنایا گیا تھا، المبرّد نے کہا: محراب اسی جگہ کو کہتے ہیں جس پر سیڑھی کے ذریعہ چڑھ کر جایا جاسکتا ہے۔

''وَجَدَ عِنۡدَهَا رِزۡقًا'': حضرت زکریا جب حضرت مریم کے حجرہ میں گئے تو وہاں پر بے موسم پھلوں کو دیکھا، سردیوں کے پھل گرمیوں میں دیکھے اور گرمیوں کے پھل سردیوں میں دیکھے تو انہوں نے کہا:

حضرت مریم کو جنت کے پھلوں سے رزق دیا جانا

''يٰمَرۡيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتۡ هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ'': حضرت زکریا نے پوچھا: اے مریم! آپ کے پاس یہ بے موسم پھل کہاں سے آئے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ اللہ کے پاس سے آئے ہیں، یعنی جنت کے خوشوں سے آئے ہیں۔ حسن بصری نے کہا کہ حضرت مریم جب سے پیدا ہوئیں انہوں نے کسی عورت سے بالکل دودھ نہیں پیا (میں کہتا ہوں: یہ بات بالکل صحیح ہے کیوں کہ وہ فاقوذا کی گود میں تھیں جنہوں نے سیدنا یحییٰ علیہ السلام کو بڑھاپے میں ۹۸ سال کی عمر میں جنا تھا اور اس سے پہلے وہ بانجھ تھیں۔ سعیدی غفرلہٗ) بلکہ ان کے پاس جنت سے پھل آتے تھے، تو انہوں نے پوچھا: تمہارے پاس یہ پھل کہاں سے آئے؟ تو حضرت مریم نے جواب دیا حالانکہ وہ چھوٹی بچی تھیں:

حضرت زکریا کے بعد یوسف نجار کا حضرت مریم کی کفالت کرنا

''اِنَّ اللّٰهَ يَرۡزُقُ مَنۡ يَّشَآءُ بِغَيۡرِ حِسَابٍ ۝'': محمد بن اسحاق نے بیان کیا، پھر بنی اسرائیل پر ایک زمانہ گزر گیا اور حضرت مریم اسی حال پر رہیں حتیٰ کہ حضرت زکریا ان کی پرورش کا بوجھ اٹھانے سے کمزور ہوگئے، پھر وہ بنی اسرائیل کے پاس آئے اور ان سے فرمایا: اے بنی اسرائیل! تم جانتے ہو کہ میں اب بوڑھا ہوگیا ہوں اور میں مریم بنتِ عمران کا بوجھ اٹھانے سے کمزور ہو رہا ہوں، تو میرے بعد تم میں سے کون ان کی کفالت کرے گا؟ پھر انہوں نے بھی حضرت مریم کی کفالت کے لیے قلموں کے ساتھ قرعہ اندازی کی، پھر بنی اسرائیل کے ایک بڑھئی کے نام قرعہ نکل آیا جس کو یوسف بن یعقوب کہا جاتا تھا اور وہ حضرت مریم کا چچا زاد تھا،

اس نے حضرت مریم کو اٹھالیا، حضرت مریم نے اس کے چہرہ پر مشقت کے آثار دیکھے، وہ تو خود غریب تھے وہ حضرت مریم کو کہاں سے کھلاتے پلاتے، تو حضرت مریم نے ان سے کہا: اے یوسف! اللہ تعالیٰ کے ساتھ اچھا گمان رکھو، پس بے شک اللہ تعالیٰ عنقریب ہم دونوں کو رزق عطا فرمائیں گے، پھر یوسف نے بڑھئی کا کام کرنا شروع کیا اور ان کو اس میں اچھی اجرت ملنے لگی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اسی جگہ زکریا نے اپنے رب سے دعا کی: اے میرے رب! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرمائیں، بے شک آپ بہت زیادہ دعا قبول فرمانے والے ہیں O'' (آل عمران: ۳۸)

حضرت مریم کے پاس بے موسم پھل دیکھ کر حضرت زکریا کا اپنے بڑھاپے میں بیٹے کی دعا کرنا

''هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ'': جب حضرت زکریا نے حضرت مریم کے پاس بے موسم پھل دیکھے تو ان کے ذہن میں خیال آیا، جب اللہ تعالیٰ بے موسم پھل عطا فرما سکتا ہے تو مجھے بے موسم اولاد بھی عطا فرما سکتا ہے، میں بوڑھا ہوں اور میری بیوی (فاقوذا) بانجھ ہے اور بہ ظاہر ہمارے ہاں اولاد ہونے کا کوئی سبب نہیں ہے لیکن جو حضرت مریم کو بے موسم پھل عطا فرما سکتا ہے وہ مجھے بھی بڑھاپے میں اولاد عطا فرما سکتا ہے، تو حضرت زکریا نے دعا کی:

''رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً'': اے میرے رب! اپنے پاس سے مجھے مبارک، پاکیزہ، متقی اور پسندیدہ بیٹا عطا فرما۔

''ذُرِّيَّةً'' کے صیغہ اور اس کے معنی کی تحقیق

''ذُرِّيَّةً'' کا لفظ واحد، جمع، مذکر اور مونث دونوں کے لیے آتا ہے اور یہاں پر مراد واحد ہے، کیونکہ دوسری جگہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا، انہوں نے دعا میں کہا: ''فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۝ ...(مریم: ۵)''۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جس وقت زکریا اپنی عبادت کے حجرہ میں نماز پڑھ رہے تھے تو فرشتوں نے اُن کو آواز دے کر کہا: بے شک آپ کو اللہ یحییٰ کی بشارت فرماتے ہیں جو اللہ کے کلمہ (عیسیٰ) کی تصدیق کرنے والے ہوں گے اور سردار ہوں گے اور عورتوں سے دور رہنے والے ہوں گے اور نبی ہوں گے اور ہمارے نیک بندوں میں سے ہوں گے O'' (آل عمران: ۳۹)

حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ کا تذکرہ علیہم السلام اور یحییٰ نام رکھنے کی توجیہات

''فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى'': جس وقت حضرت زکریا مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے، کیونکہ حضرت زکریا بہت بڑے عالم تھے، وہ قربانی پیش کرتے تھے تو قربان گاہ کا دروازہ ان کے لیے کھولا جاتا تھا اور جب تک وہ اجازت نہ دیتے کوئی قربان گاہ میں داخل نہیں ہوتا تھا، پس جس وقت کہ حضرت زکریا مسجد میں قربان گاہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے اور لوگ منتظر تھے کہ ان کو داخل ہونے کی اجازت دی جائے، اس وقت ایک نوجوان مرد سفید لباس میں ملبوس آیا اور اس نے حضرت زکریا کو آواز دی اور وہ سفید پوش مرد حضرت جبریل علیہ السلام تھے، انہوں نے آواز دے کر کہا: اے زکریا! اللہ آپ کو

یحییٰ کی بشارت دیتا ہے، اس میں اختلاف ہے کہ ان کا نام یحییٰ کیوں رکھا گیا تھا؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ کے سبب سے ان کی ماں کے بانجھ پن کو دور فرمادیا تھا تو ان کو یحییٰ فرمایا، اور قتادہ نے کہا: کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کا دل ایمان سے زندہ فرمادیا تھا اس لیے ان کو یحییٰ فرمایا، اور تیسرا قول یہ ہے کہ ان کو یحییٰ اس لیے فرمایا کہ وہ شہید کردیے گئے تھے اور شہداء زندہ ہوتے ہیں، چوتھا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اطاعت کے ساتھ زندہ رکھا حتیٰ کہ نہ انہوں نے کوئی نافرمانی کی اور نہ کبھی کسی نافرمانی کا ارادہ کیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ''کلمۃ اللہ'' فرمانے کی توجیہات

''مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ'': یعنی حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی تصدیق کرنے والے ہوں گے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ''کلمۃ من اللہ'' فرمایا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے محض لفظ ''کُن'' سے پیدا فرمایا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان کو ''کلمۃ اللہ'' اس لیے فرمایا کہ ان سے اس طرح ہدایت حاصل کی جائے گی جس طرح اللہ کے کلام سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے، تیسرا قول یہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کی زبان اور ان کے کلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت دی تھی اس لیے ان کو کلمۃ اللہ فرمایا، چوتھا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو اپنے کلام کے ساتھ یہ خبر دی تھی کہ وہ ایک نبی کو بغیر باپ کے پیدا فرمائے گا سو ان کو ''کلمۃ اللہ'' اس لیے فرمایا کہ ان کی وجہ سے یہ وعدہ پورا فرمایا، اور حضرت یحییٰ علیہ السلام پہلے وہ شخص تھے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور ان کی تصدیق کی، اور حضرت یحییٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عمر میں چھ ماہ بڑے تھے اور وہ دونوں آپس میں خالہ زاد بھائی تھے (میں کہتا ہوں کہ حضرت مریم اور حضرت یحییٰ علیہ السلام آپس میں خالہ زاد تھے۔ سعیدی غفرلہٗ) پھر لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے سے پہلے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کردیا۔

لفظِ سید کے متعدد معانی

''وَسَيِّدًا'': سید سے مراد یہ ہے: جس کی دین میں اتباع اور اقتداء کی جائے، المفضّل نے کہا: اس سے مراد ہے دین میں سید، الضحاک نے کہا: اس سے مراد ہے جس کے اخلاق عمدہ ہوں، سعید بن جبیر نے کہا: اس سے مراد ہے جو اپنے رب عزوجل کی عبادت کرنے والا ہو، سعید بن المسیّب نے کہا: سید سے مراد ہے الفقیہ العالم، قتادہ نے کہا: جو علم، عبادت اور تقویٰ میں سردار ہو۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کو ''حصور'' فرمانے کی توجیہ

''وَحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝'': عطاء بن ابی رباح اور حسن بصری نے کہا: حصور کا معنی ہے جو مرد عورتوں کے پاس نہ جائے اور ان سے قربت حاصل نہ کرے۔ اور یہ حصور کا لفظ فعول بمعنی فاعل ہے، یعنی وہ اپنے نفس کو عورتوں کی شہوات سے روکنے والے ہیں۔

میں کہتا ہوں: بعض مفسرین نے ''حصور'' کی توجیہ میں ایسے معانی ذکر کیے ہیں جو شانِ نبوت کے خلاف ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(زکریا نے) عرض کیا: اے میرے رب! میرا بیٹا کیونکر ہوگا حالانکہ مجھے بڑھاپا پہنچ چکا ہے اور میری بیوی بانجھ ہے، فرمایا: اللہ اسی طرح جو چاہیں کرتے ہیں O'' (آل عمران: ۴۰)

حضرت یحییٰ کی ولادت کی بشارت کے وقت حضرت زکریا کی عمر کے متعلق متعدد اقوال

"قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِىَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِىْ عَاقِرٌ": الکلبی اور ایک جماعت نے کہا کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت جبریل علیہ السلام سے کہا: "یا سیدی! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا حالانکہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں؟"۔ الکلبی نے کہا: جب حضرت زکریا کو حضرت یحییٰ کی ولادت کی بشارت دی گئی اس وقت ان کی عمر بیانوے (۹۲) سال تھی، دوسرا قول ہے ننانوے (۹۹) سال تھی، اور الضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ اس وقت ان کی عمر ایک سو بیس (۱۲۰) سال تھی اور ان کی بیوی کی عمر اٹھانوے (۹۸) سال تھی اور ان کی بیوی بانجھ تھی، ان کے ہاں بچہ نہیں پیدا ہوتا تھا۔

حضرت زکریا علیہ السلام کے سوال کرنے کی توجیہ

"قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۝": حضرت زکریا علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی قدرت پر شک نہیں تھا کہ وہ بوڑھے مرد اور بانجھ عورت سے کیسے بچہ پیدا فرمائے گا بلکہ ان کو اس کی کیفیت میں تردد تھا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "(زکریا نے) کہا: اے میرے رب! میرے لیے (اس ولادت کی) کوئی نشانی مقرر فرمادیں، (رب نے) فرمایا: آپ کے لیے یہ نشانی ہے کہ آپ تین دن تک لوگوں سے بغیر اشارہ کے بات نہ کرسکیں گے، اور اپنے رب کا بہ کثرت ذکر کیجئے اور صبح اور شام کو اس کی تسبیح پڑھیے ۝" (آل عمران: ۴۱)

لوگوں سے بات کرنے کے لیے حضرت زکریا کی زبان کا نہ چلنا اور اللہ کے ذکر کے لیے زبان کا چلنا

"قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّىْٓ اٰيَةً": اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ کی ولادت کے لیے یہ علامت مقرر فرمائی کہ آپ تین دن تک لوگوں سے بغیر اشارہ کے بات نہیں کرسکیں گے، ان کی زبان میں لوگوں سے باتیں کرنے کی قدرت نہیں تھی لیکن وہ اسی زبان سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتے تھے، اور یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کا اظہار ہے۔

(معالم التنزیل ج ۱ ص ۴۲۹-۴۳۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝۴۲

اور (اس وقت کو یاد کیجئے) جب فرشتوں نے (مریم سے) کہا: اے مریم! بے شک اللہ نے آپ کو چن لیا ہے اور آپ کو خوب پاک فرمادیا ہے اور آپ کو تمام جہانوں کی عورتوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے ۝

يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِىْ وَارْكَعِىْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝۴۳

اے مریم! اپنے رب کے حضور قیام کیجئے اور سجدہ کیجئے اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کیجئے ۝

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ

اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۖ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾

اے رسولِ اکرم! یہ بعض غیب کی خبریں ہیں جن کی ہم آپ کی طرف وحی فرماتے ہیں، اور (اے رسولِ اکرم) آپ اس وقت ان کے پاس موجود نہ تھے جب وہ (قرعہ اندازی کے لیے) اپنے قلموں کو (دریا میں) ڈال رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کی کفالت کرے گا، اور (اے رسولِ اکرم!) آپ اس وقت (بھی) ان کے پاس موجود نہ تھے جب وہ (مریم کی کفالت کے لیے) ایک دوسرے سے جھگڑ رہے تھے O

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۙ﴿۴۵﴾

جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! بے شک اللہ آپ کو اپنے پاس سے ایک کلمہ کی بشارت دیتے ہیں جن کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہے، وہ دنیا اور آخرت میں معزز ہیں اور اللہ کے مقربین میں سے ہیں O

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾

وہ گہوارے میں اور ادھیڑ عمر میں لوگوں سے گفتگو کریں گے اور وہ نیکوکاروں میں سے ہوں گے O

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ ۖ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۖ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۷﴾

مریم نے کہا! اے میرے رب! مجھ سے بچہ کیونکر ہوگا حالانکہ مجھے تو کسی بشر نے چھوا تک نہیں، فرمایا: اللہ اسی طرح جو چاہتے ہیں پیدا فرماتے ہیں، جب وہ کسی کام کا فیصلہ فرماتے ہیں تو صرف اتنا فرماتے ہیں: ''ہو'' تو وہ کام ہو جاتا ہے O

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ﴿۴۸﴾

اور وہ لوگوں کو آسمانی کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل کی تعلیم دے گا O

وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّىْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْىِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِىْ بُيُوْتِكُمْ ۖ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ﴿۴۹﴾

اور وہ بنی اسرائیل کی طرف اللہ کا فرستادہ ہوگا (وہ کہے گا:) بے شک میں تمہارے پاس اپنے رب کے پاس سے نشانی لایا ہوں، کہ بے شک میں تمہارے سامنے مٹی سے پرندہ کی مثل صورت بناتا ہوں، پس میں اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ صورت اللہ کے حکم سے اڑنے والی ہو جاتی ہے اور میں مادرزاد اندھے اور سفید داغ والے کو شفا دیتا ہوں اور میں اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتا ہوں، اور میں تمہیں اس کی خبر دیتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو تم اپنے گھروں میں جمع کرتے ہو، بے شک ان تمام باتوں میں تمہارے لیے بہت بڑی نشانی ہے بشرطیکہ تم ایمان رکھنے والے ہو O

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۟ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۵۰﴾

اور میں تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں جو میرے سامنے موجود ہے اور تاکہ میں تمہارے لیے ان بعض چیزوں کو حلال قرار دوں جو تم پر حرام قرار دی گئی تھیں اور میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میرا حکم مانو O

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۵۱﴾

بے شک اللہ میرے رب ہیں اور تمہارے رب ہیں سو تم انہی کی عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے O

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾

پھر جب عیسیٰ نے ان لوگوں میں سے کفر کو محسوس کیا تو انہوں نے کہا: کون اللہ کی طرف میرا مددگار ہے؟، حواریوں نے کہا: ہم اللہ کے مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ ہو جائیں کہ ہم مسلمان ہیں O

رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾

(انہوں نے کہا:) اے ہمارے رب! ہم اس سب پر ایمان لائے جو آپ نے نازل فرمایا اور ہم نے رسول کی پیروی کی، سو آپ ہمیں برحق گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ دیں O

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ ع

اور (کافروں نے) سازش کی اور اللہ نے (ان کے خلاف) خفیہ تدبیر فرمائی، اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر فرمانے والے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اس وقت کو یاد کیجئے) جب فرشتوں نے (مریم سے) کہا: اے مریم! بے شک اللہ نے آپ کو چن لیا ہے اور آپ کو خوب پاک فرما دیا ہے اور آپ کو تمام جہانوں کی عورتوں پر فضیلت

عطا فرمائی ہے O" (آل عمران: ۴۲)

حضرت مریم کی تطہیر کے متعلق متعدد اقوال

امام ابوالفرج عبدالرحمن بن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ آل عمران: ۴۲ تا ۵۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وَ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَ طَهَّرَكِ": مفسرین کی جماعت نے کہا ہے کہ اس آیت میں "الملائکۃ" سے مراد صرف حضرت جبریل علیہ السلام ہیں، اگرچہ وہ واحد ہیں لیکن تعظیماً ان کو جمع کے صیغہ الملائکۃ سے تعبیر فرمایا، جس طرح قرآنِ مجید میں ارشاد ہے "كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِالْمُرْسَلِيْنَ ۝" (الشعراء: ۱۰۵) "حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے صرف حضرت نوح کی تکذیب کی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انہوں نے تمام رسولوں کی تکذیب کی ہے، کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کرنا تمام رسولوں کی تکذیب کرنے کے قائم مقام ہے، اور اس آیت میں تطہیر کا ذکر ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو خوب پاک فرما دیا، اس تطہیر کی تفسیر میں حسبِ ذیل اقوال ہیں:

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: حضرت مریم کو حیض سے پاک فرما دیا (۲) السدّی نے کہا: ان کو حیض اور نفاس دونوں سے پاک رکھا (۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری روایت ہے: ان کو مردوں کے چھونے سے پاک رکھا (۴) حسن بصری اور مجاہد نے کہا: ان کو کفر سے پاک رکھا (۵) مقاتل نے کہا: ان کو بے حیائی کے کاموں اور نافرمانیوں سے محفوظ رکھا۔

"وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝": اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو چن لیا، کس کام کے لیے چن لیا اس کی تفسیر میں حسبِ ذیل اقوال ہیں:

(۱) ان کو اپنی عبادت کے لیے چن لیا (۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے لیے چن لیا (۳) اس سے پہلے فرمایا تھا "اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ" اور اس میں ابہام تھا اور اب اس ابہام کو اٹھا کر فرمایا "وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝" یعنی آپ کو اپنے زمانہ کے تمام جہان کی عورتوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اے مریم! اپنے رب کے حضور قیام کیجیے اور سجدہ کیجیے اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کیجیے O" (آل عمران: ۴۳)

قنوت کی تعریف میں متعدد اقوال

"يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ": اس آیت میں قنوت کی تعریف میں متعدد اقوال ہیں:

(۱) حسن بصری نے کہا: اس سے مراد عبادت ہے (۲) مجاہد نے کہا: اس سے مراد نماز میں طویل قیام کرنا ہے (۳) قتادہ نے کہا: اس سے مراد اطاعت کرنا ہے (۴) سعید بن جبیر نے کہا: اس سے مراد اللہ عزوجل کے لیے اخلاص ہے۔

سجدہ کے ذکر کو رکوع کے ذکر پر مقدم کرنے کی توجیہات

"وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝": اس آیت میں سجدہ کا ذکر رکوع کے ذکر پر مقدم ہے، حالانکہ رکوع سجدہ پر مقدم ہوتا ہے، اس کی توجیہ میں حسبِ ذیل اقوال ہیں:

(۱) اس آیت میں سجدہ کا رکوع پر واؤ کے ساتھ عطف ہے اور واؤ کے ساتھ عطف میں ترتیب لازم نہیں ہے (۲) اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کسی حال میں آپ سجدہ کیجئے اور کسی دوسرے حال میں رکوع کیجئے، اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ نماز میں سجدہ اور رکوع کو جمع کیجئے (۳) اس آیت سے مراد ہے ''وَارْكَعِيْ وَاسْجُدِيْ'' الفاظ میں ''وَارْكَعِيْ'' موخر ہے اور معنی میں مقدم ہے، اس کی نظیر ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ'' اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو وفات دینے کا پہلے ذکر فرمایا ہے اور اپنی طرف اٹھانے کا بعد میں ذکر فرمایا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پہلے اپنی طرف چوتھے آسمان پر اٹھالیا اور پھر بعد میں قربِ قیامت میں ان کو وفات دے گا، سو ''مُتَوَفِّيْكَ'' الفاظ میں مقدم ہے اور معنی میں موخر ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے رسولِ اکرم! یہ بعض غیب کی خبریں ہیں جن کی ہم آپ کی طرف وحی فرماتے ہیں، اور (اے رسولِ اکرم) آپ اس وقت ان کے پاس موجود نہ تھے جب وہ (قرعہ اندازی کے لیے) اپنے قلموں کو (دریا میں) ڈال رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کی کفالت کرے گا، اور (اے رسولِ اکرم!) آپ اس وقت (بھی) ان کے پاس موجود نہ تھے جب وہ (مریم کی کفالت کے لیے) ایک دوسرے سے جھگڑ رہے تھے O'' (آل عمران: ۴۴)

غیب اور وحی کا معنی

''ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ'':

''ذٰلِكَ'' سے حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کے قصہ کی طرف اشارہ ہے۔ اس آیت میں ''الانبآء'' کا ذکر ہے، اس کا معنی ہے خبریں، اور ''غیب'' کا ذکر ہے، غیب سے مراد ہے جو چیز تم سے پوشیدہ ہو۔

(میں کہتا ہوں: غیب کا معنی ہے جس چیز کا حواسِ خمسہ اور بداہتِ عقل سے ادراک نہ کیا جاسکے اور سوائے اللہ تعالیٰ کی اطلاع فرمانے کے اس کے جاننے کا کوئی ذریعہ نہ ہو اس کو غیب کہتے ہیں۔ سعیدی غفرلہٗ)

اور وحی کا معنی ہے: کلام سے یا لکھنے سے یا اشارہ کرنے سے یا پیغام رسانی کے ذریعہ سے جس چیز پر دلالت کی جائے اس کو وحی کہتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم غیب کی دلیل

میں کہتا ہوں: اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غیب کا علم عطا فرمایا، اور حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کے قصہ کی آپ کی طرف وحی فرمائی، بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غیب کی خبریں دی گئیں اور غیب کی خبریں دینا اور چیز ہے اور علمِ غیب اور چیز ہے، لہٰذا غیب کی خبروں کے اثبات سے علمِ غیب کا اثبات لازم نہیں آتا۔

میں کہتا ہوں: ان لوگوں کا یہ کہنا علمی اصطلاحات سے ناواقفیت پر مبنی ہے، علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ

لکھتے ہیں: ''اسباب العلم للخلق ثلاثة: الحواس السليمة والخبر الصادق والعقل''۔ (مخلوق کے لیے حصولِ علم کے تین سبب ہیں: (۱) حواس صحیحہ (۲) خبرِ صادق (۳) عقلِ سلیم۔ (شرح عقائد نسفی ص ۱۰، سکندر علی بہادر علی تاجران کتب، دستگیر کالونی، کراچی ۳۸)
اس عبارت میں اس کی تصریح ہے کہ خبر بھی علم کا سبب ہے، لہٰذا جب اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کی خبریں عطا فرمائیں تو یہ اس کو مستلزم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان غیبی واقعات کا علم عطا فرمایا، کیونکہ خبر علم کا سبب ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

علماء بنی اسرائیل کے ڈالے ہوئے قلموں کے مصادیق میں تین اقوال

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ وہ قلم ہیں جن سے تورات کو لکھا جاتا تھا (۲) الربیع بن انس نے کہا: ان قلموں سے مراد لاٹھیاں ہیں (۳) ابن قتیبہ نے کہا: ان قلموں سے مراد تیر ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! بے شک اللہ آپ کو اپنے پاس سے ایک کلمہ کی بشارت دیتے ہیں جن کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہے، وہ دنیا اور آخرت میں معزز ہیں اور اللہ کے مقربین میں سے ہیںo'' (آل عمران: ۴۵)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ''کلمۃ اللہ'' فرمانے کے متعلق مفسرین کے اقوال

''اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ'': الکلمۃ کی تفسیر میں حسبِ ذیل اقوال ہیں:
(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''الکلمۃ'' سے مراد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''کن'' ہے یعنی ہو جا۔ (۲) ''الکلمۃ'' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسم ہے، ان کا نام کلمہ اس لیے رکھا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کلمہ ''کُن'' سے وجود میں آئے، القاضی ابویعلیٰ نے کہا: یا اس وجہ سے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اس طرح ہدایت حاصل کی جاتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے کلمہ یعنی کلام سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔ (۳) ابوسلیمان نے بیان کیا کہ ''الکلمۃ'' سے مراد فرشتوں کی حضرتِ مریم کو حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام ''المسیح'' رکھنے کے متعلق مفسرین کے اقوال

''اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ'': حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام مسیح رکھنے کے متعلق حسبِ ذیل اقوال ہیں:
(۱) الضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جس بیمار اور آفت زدہ کو اپنے ہاتھ سے مسح فرماتے تو وہ تندرست ہو جاتا۔ (۲) حسن بصری نے کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام جس چیز پر ہاتھ پھیرتے اس میں برکت ہو جاتی تھی۔ (۳) ابوسلیمان الدمشقی نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسح فرمایا اور ان کو گناہوں سے پاک فرما دیا۔ (۴) ثعلب نے بیان کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین کو مسح کرتے تھے یعنی زمین کی مسافت قطع کرتے تھے کیونکہ وہ بہت تیزی سے زمین میں سفر کرتے تھے۔ (۵) امام ابوعبید نے کہا: کلامِ عرب میں مسیح کا دو شخصوں پر اطلاق ہے: ان میں سے ایک ''المسیح الدجال'' ہے اور اس میں المسیح بہ معنی الممسوح ہے کیونکہ اس کی دو آنکھوں میں سے ایک آنکھ رگڑی ہوئی تھی، اور دوسرے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، اور اس لفظ میں مسیح بمعنی الماسح ہے، پہلے اطلاق میں فعیل بہ معنی مفعول ہے اور دوسرے اطلاق میں فعیل بہ

معنی فاعل ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح یعنی ماسح اس لیے فرمایا کہ وہ بہت تیزی سے روئے زمین کی مسافت کو قطع کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ''الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ'' فرمایا ہے کیونکہ المسیح کا لفظ عیسیٰ سے زیادہ مشہور ہے۔

بعض صورتوں میں لقب کا نام سے زیادہ مشہور ہونا

اور المسیح ان کا لقب ہے اور عیسیٰ ان کا نام ہے اور کبھی لقب نام سے زیادہ مشہور ہوتا ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ خلفاء راشدین کے القاب ان کے ناموں سے زیادہ مشہور ہیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا لقب صدیق ہے اور نام عبداللہ ہے اور صدیق عبداللہ سے زیادہ مشہور ہے، حضرت فاروقِ اعظم کا لقب فاروق ہے اور ان کا نام عمر بن الخطاب ہے اور فاروق عمر بن الخطاب سے زیادہ مشہور ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا لقب ذوالنورین اور جامع القرآن ہے اور یہ ان کے نام عثمان بن عفان سے زیادہ مشہور ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا لقب اسداللہ ہے اور ان کا نام علی بن ابی طالب ہے اور ''اسداللہ'' علی بن ابی طالب سے زیادہ مشہور ہے۔

''وجیہ'' کا معنی

''وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ'': ابن زید نے کہا: کلام عرب میں الوجیہ کا معنی محبوب اور مقبول ہے، ابن قتیبہ نے کہا: الوجیہ کا معنی ''ذوالجاہ'' ہے یعنی جو عزت اور مرتبہ والا ہو۔ اور الزجاج نے کہا: وجیہ اس کو کہتے ہیں جس کا مرتبہ علماء اور عارفین کے نزدیک بہت بلند ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وہ گہوارے میں اور ادھیڑ عمر میں لوگوں سے گفتگو کریں گے اور وہ نیکوکاروں میں سے ہوں گے O'' (آل عمران:۴۶)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گہوارہ میں کلام کرنے کا سبب

''وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ'': بچے کو ایامِ رضاعت تک جس گہوارے یا پنگوڑے، پالنے یا جھولے میں رکھا جاتا ہے اس کو ''المهد'' کہتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گہوارے میں لوگوں سے جو کلام کیا اس کے متعلق دو قول ہیں: (۱) ان کی والدہ حضرت مریم پر جو بدکاری کی تہمت لگائی گئی تھی اس سے ان کو بری کرنا مقصود تھا۔ (۲) اس معجزہ کو ثابت کرنے کے لیے جو ان کی نبوت پر دلیل تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صرف ایک ساعت گہوارہ میں کلام فرمایا تھا، پھر اس کے بعد اس وقت تک کلام نہیں فرمایا جب تک وہ اس عمر کو نہیں پہنچ گئے جس عمر میں بچے کلام کرتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گہوارہ میں کلام سے اُن کی ماں حضرت مریم پر یہود کی لگائی ہوئی تہمت کے ازالہ کی توجیہ

میں کہتا ہوں: یہود نے حضرت مریم پر اس طرح تہمت لگائی تھی:

فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ۝ يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّ مَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ۝ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ؕ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ

پھر مریم اپنے بچہ کو گود میں لیے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئیں، ان کی قوم نے کہا: اے مریم! آپ نے یہ بہت برا کام کیا O اے ہارون کی بہن! نہ تو آپ کا باپ بداطوار مرد تھا اور نہ آپ کی ماں

مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿۲۹﴾ قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ۛ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِيْ نَبِيًّا ﴿۳۰﴾ وَّ جَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَ اَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿۳۱﴾ وَّ بَرًّا بِوَالِدَتِيْ ۫ وَ لَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿۳۲﴾

(مریم: ۲۷-۳۲)

بدکار تھی O پس مریم نے اس بچہ کی طرف اشارہ کیا (کہ اس سے پوچھو)، انہوں نے کہا: ہم اس سے کیسے بات کریں جو ابھی پنگوڑے میں بچہ ہے؟O (اس بچہ نے) کہا: بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے اور اس نے مجھے نبی بنایا ہے O اور میں جہاں بھی ہوں اس نے مجھے برکت والا بنایا ہے اور جب تک میں زندہ رہوں اس نے مجھے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے O اور اس نے مجھے اپنی ماں کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا بنایا ہے اور اس نے مجھے سرکش اور بدبخت نہیں بنایا O

اس مقام پر یہ سوال ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس کلام سے ان کی ماں حضرت مریم پر یہود کی لگائی ہوئی تہمت کیسے دور ہوگئی؟ کیونکہ حضرت مریم پر یہود یہ تہمت لگاتے تھے کہ آپ نے بدکاری کی ہے، تو جواب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ کہنا چاہیے تھا کہ میری ماں بدکار نہیں ہے تبھی اُن کی ماں سے یہود کی تہمت دور ہوتی، لیکن انہوں نے اپنے فضائل بیان کرنا شروع کر دیے کہ میں نبی ہوں، صاحبِ کتاب ہوں، اور میں جہاں بھی ہوں بابرکت ہوں، احکامِ شرعیہ پر عامل ہوں، تو ان کے فضائل سے حضرت مریم پر یہود کی لگائی ہوئی تہمت کیسے دور ہوئی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ بتایا کہ میں نبی ہوں، صاحبِ کتاب ہوں اور میں جہاں بھی ہوں بابرکت ہوں، یعنی میں اب بھی برکت والا ہوں اور جب میں اپنی ماں کے پیٹ میں تھا تب بھی برکت والا تھا، لیکن جو بچہ زنا سے پیدا ہو وہ برکت کا محل نہیں ہوتا وہ لعنت کا محل ہوتا ہے، وہ مذمت کا محل ہوتا ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بتایا کہ میں جب اپنی ماں کے پیٹ میں تھا تب بھی بابرکت تھا، اس وقت بھی مجھ پر برکت نازل ہو رہی تھی اور اگر میں زنا سے پیدا ہوتا تو اپنی ماں کے پیٹ میں بھی میں العیاذ باللہ لعنت اور مذمت کا مستحق ہوتا برکت کا مستحق نہ ہوتا، سو اس طرح سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی ماں سے یہود کی لگائی ہوئی تہمت کو دور فرمایا، نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میں اللہ کا نبی ہوں، اور نبی کی ماں فاحشہ اور بدکارہ نہیں ہوتی، لہٰذا جب آپ نے اپنی نبوت کو بیان فرمایا تو اس کلام سے بھی اپنی والدہ ماجدہ پر یہود کی لگائی ہوئی تہمت کو دور فرما دیا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

''وَ كَهْلًا'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر تیس سال کی ہوگئی، انہوں نے اس وقت بھی کلام فرمایا۔

انسان کی پیدائش سے لے کر کہولت تک اور پھر اس کے بعد اس کی موت تک کے مراتب

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ نے انسان کو تراب یعنی مٹی سے پیدا فرمایا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ ۔ (طٰہٰ:۵۵)'' (ہم نے تم کو زمین کی مٹی سے پیدا فرمایا)، سو انسان کی اصل مٹی ہے، پھر مٹی سے جو زمین کی پیداوار ہوتی ہے اسے کھانے کے بعد انسان کے جسم میں خون بنتا ہے اور نطفہ بنتا ہے، پھر چالیس دن کے بعد وہ نطفہ انسان کی ماں کے رحم میں علقۃ یعنی جما ہوا خون بن جاتا

ہے، پھر چالیس دن کے بعد وہ مضغة یعنی گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے، پھر چالیس دن کے بعد اس پر ہڈیاں پہنا دی جاتی ہیں، پھر چالیس دن کے بعد اس میں روح پھونک دی جاتی ہے اور اس پیٹ کے بچہ کو جنین کہا جاتا ہے، پھر جب وضعِ حمل کے بعد وہ ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے تو اس کو ولید کہا جاتا ہے، پھر جب وہ دودھ پینا شروع کرتا ہے تو اس کو رضیع کہا جاتا ہے پھر جب دو سال کے بعد وہ ٹھوس غذا کھانے لگتا ہے تو اس کو فطیم کہا جاتا ہے، پھر پانچ چھ سال کی عمر تک اس کو صبی کہا جاتا ہے، پھر آٹھ نو سال کی عمر تک اس کو غلام کہا جاتا ہے، جب قریب بہ بلوغ ہو تو اس کو مراہق کہا جاتا ہے اور پندرہ سال کی عمر میں اس کو بالغ کہا جاتا ہے، پھر بیس سال کی عمر تک اس کو شاب یعنی جوان کہا جاتا ہے، پھر پچیس سال کی عمر میں اس کو رَجُل یعنی مرد کہا جاتا ہے، پھر جب اس کی عمر تیس سال ہو جاتی ہے تو اس کو کَہْل کہا جاتا ہے یعنی ادھیڑ مرد، اور ساٹھ سال کی عمر میں اس کو شیخ کہا جاتا ہے اور ساٹھ سال سے لے کر اس سے زائد عمر تک اس کو شیخِ فانی کہا جاتا ہے، پھر وہ مرجاتا ہے تو اس کو میت کہا جاتا ہے، پھر قبر میں اس کو دفین کہا جاتا ہے، کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اس کی ہڈیاں بوسیدہ ہو کر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہیں اور بالآخر وہ پھر مٹی ہو جاتا ہے "مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ (طٰہٰ: ۵۵)" غرض انسان کی ابتداء بھی تُراب تھی اور اس کی انتہاء بھی تراب ہے "کل شیء یرجع الی اصلہ"۔ (سعیدی غفرلہٗ)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کہولت میں کلام کرنے کے ذکر کی خصوصیت

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ زمانہ کہولت یعنی تیس سال کی عمر میں بھی کلام کریں گے، اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ تیس سال کی عمر میں کلام کرنا کون سے تعجب کی بات ہے؟ گہوارہ میں کلام کرنا تو ضرور تعجب کی بات ہے لیکن تیس سال کی عمر میں کلام کرنا تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، پھر اس کا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات کے ضمن میں بیان کرنے کا کیا فائدہ ہے؟

اس سوال کے حسبِ ذیل جوابات ہیں:

(۱) اس کلام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی لمبی زندگی کی بشارت ہے کہ وہ اپنی زندگی میں کہولت کا زمانہ پائیں گے۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو جب چوتھے آسمان پر اٹھایا جائے گا تو وہ چوتھے آسمان پر قربِ قیامت تک رہیں گے اور پھر جب ان کا آسمان سے زمین پر نزول ہوگا تو اس وقت ان کی عمر ایسی ہوگی جیسے تیس سال کا مرد ہوتا ہے لہٰذا یہ ان کا معجزہ ہے کہ آسمان پر اٹھائے جانے سے لے کر قربِ قیامت تک کا طویل عرصہ گزارنے کے بعد جب وہ زمین پر آئیں گے تو تیس سال کے مرد ہوں گے، سو جس طرح ان کا گہوارہ میں کلام کرنا معجزہ تھا اسی طرح آسمان سے نزول کے بعد ان کا تیس سال کی عمر میں کلام کرنا بھی معجزہ ہے۔

(۳) امام ابن جریر طبری نے بیان کیا کہ اس آیت میں عیسائیوں کے اس عقیدہ کا بطلان ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ یا ابن اللہ ہیں، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر تغیّر آیا، ان پر بچپن کا زمانہ گزرا، پھر ان پر کہولت کا زمانہ گزرا اور ان پر تغیّر آنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ خدا نہیں ہیں کیونکہ خدا پر کوئی تغیّر نہیں آتا اور تغیّر ہونا حدوث کی علامت ہے، سو جو جسم متغیّر ہو وہ حادث ہوتا ہے اور جو حادث ہو وہ ممکن ہوتا ہے اور جو ممکن ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا کیونکہ خدا کا ہونا واجب ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "مریم نے کہا! اے میرے رب! مجھ سے بچہ کیونکر ہوگا حالانکہ مجھے تو کسی بشر نے چھوا تک نہیں، فرمایا: اللہ اسی طرح جو چاہتے ہیں پیدا فرماتے ہیں، جب وہ کسی کام کا فیصلہ فرماتے

ہیں تو صرف اتنا فرماتے ہیں: ''ہو'' تو وہ کام ہو جاتا ہے O'' (آل عمران: ۴۷)

حضرت مریم کے اس قول کی توجیہ کہ میرا بچہ کیسے ہوگا؟

''قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ'': حضرت مریم کے اس قول کی دو تفسیریں ہیں:

(۱) حضرت مریم نے جو کہا: اے میرے رب! میرا بچہ کیونکر ہوگا، یہ اس وجہ سے نہیں کہا تھا کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے متعلق کوئی تردّد یا شک تھا، بلکہ انہوں نے یہ بہ طورِ تعجب کہا اور بہ طورِ استفہام کہا۔ (۲) حضرت مریم سے اس وقت حضرت جبریل نے خطاب کیا اور حضرت جبریل انسانی پیکر میں آئے تھے، حضرت مریم نے ان کو آدمی سمجھا جواُن کے پاس کسی برے ارادہ سے آیا ہے اسی لیے انہوں نے کہا: ''اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا (مریم: ۱۸)'' (میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ میں آتی ہوں اگر تو اللہ سے ڈرنے والا ہے (تو میرے قریب نہ آنا) O)۔ اور حضرت مریم نے یہ نہیں جانا کہ یہ فرشتہ ہے، اسی لیے انہوں نے کہا: میرے ہاں بیٹا کیونکر ہوگا!۔

''وَلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ'': یعنی کسی شوہر نے مجھ سے مقاربت نہیں کی، اور ''المس'' کا معنی ہے الجماع، اور ابن الفارس نے کہا: بشر کو بشر اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا چمڑا ظاہر ہوتا ہے اور اس کے مقابلہ میں الجِنّ ہے جو پوشیدہ ہوتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور وہ لوگوں کو آسمانی کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل کی تعلیم دے گاO'' (آل عمران: ۴۸)

آیتِ مذکورہ میں کتاب کی تفسیر کے متعلق مفسرین کے اقوال

''وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ'':

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''الکتاب'' سے مراد انبیاء علیہم السلام کی کتابیں، ان کے صحائف اور ان کا علم ہے۔

(۲) ابن جریج اور مقاتل نے کہا: ''الکتاب'' سے مراد ہے الکتابت، یعنی اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کتابت اور لکھنا سکھائے گا۔ (۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا دوسرا قول یہ ہے کہ ''الکتاب'' سے مراد الحکمۃ، الفقہ اور انبیاء علیہم السلام کے فیصلے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور وہ بنی اسرائیل کی طرف اللہ کا فرستادہ ہوگا (وہ کہے گا:) بے شک میں تمہارے پاس اپنے رب کے پاس سے نشانی لایا ہوں، کہ بے شک میں تمہارے سامنے مٹی سے پرندہ کی مثل صورت بناتا ہوں، پس میں اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ صورت اللہ کے حکم سے اڑنے والی ہو جاتی ہے اور میں مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو شفا دیتا ہوں اور میں اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتا ہوں، اور میں تمہیں اس کی خبر دیتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو تم اپنے گھروں میں جمع کرتے ہو، بے شک ان تمام باتوں میں تمہارے لیے بہت بڑی نشانی ہے بشرطیکہ تم ایمان رکھنے والے ہو O'' (آل عمران: ۴۹)

''وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ'': اس آیت میں لفظِ رسول پر نصب اور زبر ہونے کی دو وجہیں ہیں، ایک وجہ یہ ہے کہ اصل

میں عبارت یوں ہے "وَنَجْعَلُهٗ رَسُوْلًا" یعنی ہم عیسیٰ کو رسول بنائیں گے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں سے بحیثیت رسول کلام فرمائیں گے۔

پرندوں میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چمگادڑ بنانے کی خصوصیات

"اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ": حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ میں مٹی پکڑی اور اس سے ایک چمگادڑ کی صورت بنائی، پھر اس میں پھونک ماری تو وہ اڑنے لگی، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے چمگادڑ کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں بنائی، اور تیسرا قول یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ سے چمگادڑ بنانے کے لیے کہا تھا، کیونکہ چمگادڑ کی خلقت بہت عجیب ہے، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ چمگادڑ بغیر پروں کے اڑتی ہے، نیز اڑنے والے پرندے انڈے دیتے ہیں بچے نہیں دیتے اور چمگادڑ انڈے نہیں دیتی بچے دیتی ہے، وہب بن منبہ نے کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو مٹی سے صورت بنائی تو جب تک لوگ اس کو دیکھتے رہتے تو وہ اڑتی رہتی اور جب لوگ چمگادڑ سے اپنی نظریں ہٹا لیتے تو وہ مردہ ہو کر گر جاتی۔ اور یہ اس لیے ہوتا کہ مخلوق کی تخلیق خالق کی تخلیق سے متمیز ہو۔

"الاکمہ" اور "الابرص" کا معنی

"وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ": "الاکمہ" کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں: (۱) الضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جو شخص پیدائشی نابینا ہو اس کو "الاکمہ" کہتے ہیں۔ (۲) ابن جریج نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور معمر نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ "الاکمہ" کا معنی "الاعمیٰ" ہے یعنی مطلقاً نابینا۔ (۳) مجاہد اور الضحاک نے کہا: "الاکمہ" اس شخص کو کہتے ہیں جو دن میں دیکھے اور رات میں اس کو دکھائی نہ دے۔

"وَالْاَبْرَصَ" جس کے جسم پر سفید داغ ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب اور حکمت کا بہت چرچا تھا اور لوگوں کو معلوم تھا کہ طب میں پیدائشی نابینا اور برص کے داغ والے کا کوئی علاج نہیں ہے، اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیدائشی نابینا کو اپنے علاج سے بینا کر دیا اور برص کے سفید داغ والوں کو تندرست کر دیا تو یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ اور آپ کی نبوت کی دلیل قرار پایا۔

وہب بن منبہ نے کہا کہ بعض مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس ایک دن میں پچاس ہزار بیمار جمع ہو جاتے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کو دعا سے کر علاج فرماتے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مُردوں کو زندہ کرنا

"وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ": مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چار مُردوں کو زندہ کیا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چار مُردوں کو زندہ کیا، دو قدیم اور دو جدید۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کھائی ہوئی چیزوں اور ذخیرہ کی ہوئی چیزوں کی خبر دینا

"وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ": سعید بن جبیر نے بیان کیا کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام مکتب میں تھے تو لڑکوں کو بتا دیتے تھے کہ وہ کیا کھا کر آئے ہیں، اور آپ کسی لڑکے سے کہتے کہ تمہارے گھر والوں نے آج تمہارے لیے یہ کھانا

تیار کیا ہے اور یہ کھانا تیار کیا ہے، تمام مفسرین نے اسی طرح ذکر کیا ہے لیکن قتادہ نے یہ کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ آسمان سے تم پر دستر خوان نازل کیا جائے گا اور اُن سے یہ وعدہ لیا گیا تھا کہ وہ اس دستر خوان سے کھائیں اور ذخیرہ نہ کریں، سو جب انہوں نے اس دستر خوان سے کھانے پینے کی چیزوں کا ذخیرہ کیا تو ان کو مسخ کر کے خنزیر بنا دیا گیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور میں تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں جو میرے سامنے موجود ہے اور تاکہ میں تمہارے لیے ان بعض چیزوں کو حلال قرار دوں جو تم پر حرام قرار دی گئی تھیں اور میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میرا حکم مانو O'' (آل عمران: ۵۰)

''وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِىْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ'': قتادہ نے بیان کیا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل پر اونٹ کا گوشت اور چربی کو حرام قرار دیا تھا اور کئی قسم کے پرندوں کو حرام قرار دیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اُن کو حلال قرار دیا۔

''وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ'': اور میں تمہارے پاس ایسی نشانیاں لے کر آیا ہوں، ان نشانیوں میں سے ہر نشانی میری نبوت کے صدق پر دلالت کرتی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک اللہ میرے رب ہیں اور تمہارے رب ہیں سو تم انہی کی عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے O'' (آل عمران: ۵۱)

''اِنَّ اللّٰهَ رَبِّىْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ'': حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی زبان سے یہ اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے رب ہیں، سو تم اسی کی عبادت کرو، اس میں عیسائیوں کے عقیدہ پر ضرب لگائی ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ یا ابن اللہ کہتے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر جب عیسیٰ نے ان لوگوں میں سے کفر کو محسوس کیا تو انہوں نے کہا: کون اللہ کی طرف میرا مددگار ہے؟ حواریوں نے کہا: ہم اللہ کے مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ ہو جائیں کہ ہم مسلمان ہیں O'' (آل عمران: ۵۲)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الحوارییّن سے مدد طلب کرنے کے اسباب

''فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِىْٓ اِلَى اللّٰهِ'': اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کس سبب سے الحوارییّن سے مدد طلب فرمائی، مجاہد نے کہا: جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم نے اُن کا کفر کیا اور ان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے الحوارییّن سے مدد طلب فرمائی، اور دوسرے مفسرین نے کہا: جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کفر کیا اور ان کو اپنی بستی سے نکال دیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے الحوارییّن سے مدد طلب فرمائی، اور تیسرا قول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حق کو قائم کرنے کے لیے اور حجت کا غلبہ ظاہر کرنے کے لیے الحوارییّن سے مدد طلب فرمائی۔

الحوارییّن کے معنی، مصداق اور ان کے پیشوں کے متعلق متعدد اقوال

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ''الحوارییّن'' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصفیاء ہیں یعنی ان کے مخلص پیروکار ہیں، اور

الفرّاء نے کہا: وہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خواص میں سے تھے، الزجاج نے کہا: لغت میں الحواریین کا معنی ہے المخلصین، جن سے ہر قسم کا عیب دور کر دیا گیا، جس طرح بھوسی نکال کر آٹے کو صاف کر دیا جاتا ہے، اہلِ لغت میں سے ماہرین نے کہا ہے: ''الحواریون'' انبیاء علیہم السلام کے وہ مخصوص اصحاب ہیں جنہوں نے اخلاص سے انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کی اور اخلاص سے ان کی نصرت کی، اور جب کپڑا بہت زیادہ صاف ہو جائے تو اسے کہا جاتا ہے ''عین حوراء''۔ (۲) سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، ان کو الحواریون اس لیے کہا جاتا تھا کہ ان کے کپڑے بہت صاف اور سفید تھے۔ (۳) الضحاک اور مقاتل نے کہا ہے: الحواریون کا معنی ہے القصارون یعنی دھوبی، کیونکہ یہ لوگ کپڑوں کو دھو کر صاف اور سفید کرتے تھے۔ (۴) الحواریون کا معنی ہے المجاھدون، (۵) الحواریون کا معنی ہے الصیادون، یعنی یہ لوگ حلال جانوروں کا شکار کرتے تھے۔ (۶) الحواریون کا معنی ہے الملوک یعنی بادشاہ، موخر الذکر تینوں اقوال کی ابن الانباری نے حکایت کی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا: الحواریون کی تعداد (۱۲) تھی، اور ان کے پیشوں کے متعلق دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ وہ مچھلیوں کا شکار کرتے تھے، دوسرا قول یہ ہے کہ وہ کپڑے دھوتے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(انہوں نے کہا:) اے ہمارے رب! ہم اس سب پر ایمان لائے جو آپ نے نازل فرمایا اور ہم نے رسول کی پیروی کی، سو آپ ہمیں برحق گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ دیں ○''

(آل عمران: ۵۳)

''رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنۡزَلۡتَ وَاتَّبَعۡنَا الرَّسُوۡلَ'': یہ الحواریین کا قول ہے اور ''بِمَآ اَنۡزَلۡتَ'' سے مراد ہے انجیل اور ''وَاتَّبَعۡنَا الرَّسُوۡلَ'' سے مراد ہے کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیروی کی۔

''شٰهِدِيۡنَ'' کی تفسیر میں پانچ اقوال

''فَاكۡتُبۡنَا مَعَ الشّٰهِدِيۡنَ ۝۵۳'': اس آیت میں شاہدین کی تفسیر میں پانچ اقوال ہیں:

(۱) عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ شاہدین سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت ہیں، کیونکہ آپ نے اور آپ کی امت نے رسولوں کی تبلیغ کرنے کی شہادت دی ہے۔ (۲) ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو الحواریین سے پہلے ایمان لائے تھے۔ (۳) عطاء بن ابی رباح نے کہا: شاہدین سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں کیونکہ ہر نبی اپنی امت پر شاہد ہے۔ (۴) مقاتل نے کہا: الشاھدین سے مراد ہیں الصادقین (۵) الزجاج نے کہا: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (کافروں نے) سازش کی اور اللہ نے (ان کے خلاف) خفیہ تدبیر فرمائی، اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر فرمانے والے ہیں ○'' (آل عمران: ۵۴)

یہودیوں کے مکر اور اللہ تعالیٰ کے مکر کا معنی اور اللہ تعالیٰ کے مکر کی توجیہ

''وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ'': الزجاج نے کہا: جب مکر کی نسبت مخلوق کی طرف ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے کسی کے خلاف سازش کرنا اور کسی کو دھوکا دینا اور جب مکر کی نسبت اللہ عزوجل کی طرف ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے مکر کی جزا دینا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ'' منافقین، مومنین کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں یعنی ان کا مذاق اڑاتے ہیں، تو اللہ عزوجل نے فرمایا: ''اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ''۔ یعنی اللہ تعالیٰ اُن کے استہزاء کی اُن کو جزا دیتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہود کا مکر یہ تھا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ کیا اور اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر یہ تھی کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک گھر میں داخل ہو گئے تو ان یہود میں سے ایک مرد کے اوپر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبیہ ڈال دی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھا لیا، پھر جب وہ مرد یہود کی طرف نکلا تو انہوں نے اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام گمان کیا پھر انہوں نے اس کو قتل کر ڈالا۔ (زاد المسیر ج ا ص ۲۸۱۔۲۸۷، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

بعض آزاد منش (Liberal) لوگوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بن باپ ہونے کا انکار کرنا

آلِ عمران: ۳۹ تا ۴۷ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے، ہم نے ان آیات کی تفسیر امام عبد الرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ کے حوالہ سے لکھی ہے اور جمہور امتِ مسلمہ کا عقیدہ وہی ہے جس کو امام عبد الرحمٰن الجوزی نے ان آیات کی تفسیر میں لکھا ہے لیکن ان آیات کی تفسیر میں بعض آزاد منش لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بن باپ پیدا ہونے کا انکار کیا اور اپنے خیال کے مطابق اس پر دلائل پیش کیے، ہم سطورِ ذیل میں ان کی عبارات کو پیش کر رہے ہیں:

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: ''فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾ ۔۔۔ (آل عمران: ۳۹)''۔

سرسید احمد خان متوفی ۱۸۹۸ء اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہودی حضرت یحییٰ کو پیغمبر نہیں مانتے مگر عیسائی مذہب میں یہ امر تسلیم ہوا ہے کہ حضرت یحییٰ پیغمبر تھے اور وہ حضرت مسیح کی بشارت دینے کے لیے پیغمبر ہوئے تھے، علماءِ اسلام کی عادت ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کی ایسی باتوں کو جو ان کے خیال کے مخالف نہ ہوں بلا عذر تسلیم کر لیتے ہیں۔ اس آیت میں ''کلمۃ'' کا لفظ آیا ہے اور حضرت مسیح کی نسبت بھی کلمہ کے لفظ کا اطلاق ہوا ہے، پس مفسرین نے لکھا دیا کہ ''مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ'' سے یہ مراد ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ کی بشارت دیں گے یا حضرت عیسیٰ کی تصدیق کریں گے، حالانکہ حضرت عیسیٰ خود اس زمانہ میں موجود تھے اور صرف چھ مہینے حضرت یحییٰ سے چھوٹے تھے، اور خود حضرت عیسیٰ نے ان سے اصطباغ لیا تھا، ممکن ہے کہ حضرت یحییٰ نے کہا ہو کہ میرے بعد جو ہونے والا ہے یعنی حضرت عیسیٰ جن کو غالباً وہ اپنا جانشین تصور کرتے ہوں گے مجھ سے بھی برتر ہے، مگر اس امر کو اس آیت سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔

''مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ'' کے صاف معنی یہ ہیں کہ اللہ کے حکم کی یا اللہ کی کتاب کی تصدیق کرے گا۔ تمام قرآن کا محاورہ یہی ہے کہ انبیاء کی نسبت کتبِ سابقہ کی تصدیق کا اشارہ کیا جاتا ہے نہ کسی شخصِ معین کی تصدیق کا۔

(تفسیر القرآن وھو الھدی والفرقان ج ا ص ۲۹۰، سرسید ریسرچ اکیڈمی، لاہور)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''قَالَتۡ رَبِّ اَنّٰی یَکُوۡنُ لِیۡ وَلَدٌ وَّلَمۡ یَمۡسَسۡنِیۡ بَشَرٌ ؕ قَالَ کَذٰلِکِ اللّٰہُ یَخۡلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰۤی اَمۡرًا فَاِنَّمَا یَقُوۡلُ لَهٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ﴿۴۷﴾ ---۔ (آل عمران: ۴۷)''۔

سرسید احمد خان متوفی ۱۸۹۸ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

عیسائی اور مسلمان دونوں خیال کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ صرف خدا کے حکم سے عام انسانی پیدائش کے برخلاف بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ اگر ایسا ہی ہونا فرض کیا جاوے تو اول اس بات پر غور کرنی ہوگی کہ بن باپ کے پیدا کرنے میں حکمتِ الٰہی کیا ہوسکتی ہے۔ ایسے واقعات جو خلافِ عادت یا مافوق الفطرۃ تسلیم کیے جاتے ہیں ان سے یا تو قدرتِ کاملہ پروردگار کا اظہار مقصود ہونا چاہیے یا اُن کا وقوع بطور معجزہ مانا جاوے، جب کہ خدا تعالیٰ اقسامِ حیوانات کو بغیر توالد وتناسل کے عادتاً پیدا کرتا رہتا ہے اور خود انسان کو بھی بلکہ تمام حیوانات کو ابتداءً اس نے اسی طرح پیدا کیا، یا یوں کہو کہ حضرت آدم کو بے ماں و بے باپ کے پیدا کیا تھا تو حضرت عیسیٰ کے صرف بے باپ کے پیدا کرنے میں اس سے زیادہ قدرتِ کاملہ کا اظہار نہ تھا۔ اگر یہ خیال کیا جاوے کہ صرف ماں سے پیدا کرنا دوسری طرح پر اظہارِ قدرتِ کاملہ تھا تو یہ بھی صحیح نہیں تھا اس لیے کہ اظہارِ قدرتِ کاملہ کے لیے ایک امر بیّن اور ایسا ظاہر ہونا چاہیے جس میں کسی کو شبہ نہ رہے، بن باپ کے مولود کا ہونا ایک ایسا امر مخفی ہے کہ جس کی نسبت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اظہارِ قدرتِ کاملہ کے لیے ایسا کیا گیا ہے۔ (تفسیر القرآن وھوالھدیٰ والفرقان ج ۱ ص ۲۹۱، سرسید ریسرچ اکیڈمی، لاہور)

میں کہتا ہوں: اس عبارت میں سرسید احمد خان نے کئی باتیں غلط کی ہیں، کیونکہ انہوں نے لکھا: ''جب کہ خدا تعالیٰ اقسامِ حیوانات کو بغیر توالد وتناسل کے عادتاً پیدا کرتا رہتا ہے'' سرسید احمد خان کا یہ کہنا بداہۃً غلط ہے اور مشاہدہ کے خلاف ہے کیونکہ حیوانات میں جو افزائش نسل ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ اسباب کے مطابق ہوتی ہے اور عادتاً توالد وتناسل کے لحاظ سے ہوتی ہے، نر حیوان مادہ حیوان سے جُفتی کرتا ہے جس کے نتیجہ میں مادہ حیوان سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔

نیز سرسید احمد خان نے لکھا ہے: ''اظہارِ قدرت کاملہ کیلئے ایک امر بیّن اور ایسا ظاہر ہونا چاہیے کہ جس میں کسی کو شبہ نہ رہے''۔

میں کہتا ہوں: سرسید احمد خان نے یہ قاعدہ اپنے دل سے گھڑا ہے اور اس پر انہوں نے قرآنِ مجید، احادیثِ صحیحہ، اقوالِ ائمہ یا متقدمین میں سے کسی کا حوالہ پیش نہیں کیا، اللہ تعالیٰ مالک علی الاطلاق ہے، قادرِ مطلق ہے، ''فعال لما یرید'' ہے اور ''یفعل ما یشاء'' کی شان رکھتا ہے، وہ اپنی قدرتِ کاملہ کا جس طرح چاہے اظہار فرمائے وہ مالک ہے اور قادر ہے اور وہ آپ کے اس قاعدہ کا پابند نہیں ہے کہ قدرتِ کاملہ کا اظہار کسی ایسے امرِ بیّن اور ظاہر سے فرمائے جس میں کسی کو شبہ نہ رہے۔

نیز سرسید احمد خان نے لکھا ہے: ''بن باپ کے مولود ہونا ایک ایسا امر مخفی ہے جس کی نسبت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اظہارِ قدرتِ کاملہ کے لیے کیا گیا ہے''۔

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر مرد وزن کے اختلاط کے پیدا فرمایا اور اُن کو پیدا کرنا بھی ایک امرِ مخفی تھا اور یہ ایسا بیّن اور ظاہر نہیں تھا جس میں کسی کو شبہ نہ رہے، اس وقت تو کوئی تھا ہی نہیں، انسانوں کی پیدائش کی ابتداء ہی حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی ہے، پس اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ''اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ﴿۵۹﴾ --- (آل عمران: ۵۹)'' (بے شک اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی مثل ہے، اللہ نے اس کو مٹی سے پیدا فرمایا پھر اس سے فرمایا: ''ہو''

سو وہ ہو گیا)۔ اس آیت سے بھی واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر مرد و زن کے اختلاط کے صرف مٹی سے پیدا فرمایا۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا اظہار ہے اور اس کا اظہار صرف اللہ عزوجل کے ارشاد سے ہوا، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بن باپ کے پیدا ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا اظہار ہے اور اس کا اظہار بھی صرف اللہ عزوجل کے ارشاد آلِ عمران: ۵۹ سے ہوا۔ اور اللہ عزوجل سرسید احمد خان کے اس اختراعی قاعدہ کا پابند نہیں ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بن باپ پیدا ہونے کا ایسے طریقہ سے اظہار فرماتا جس میں کسی کو شبہ نہ رہے۔

نیز سرسید احمد خان نے اس پیراگراف کے آخر میں لکھا ہے: ''بن باپ کے مولود کا ہونا ایک ایسا امر مخفی ہے جس کی نسبت یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اظہار قدرت کاملہ کے لیے کیا گیا ہے''۔

میں کہتا ہوں: اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بن باپ کے پیدا ہونے میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا اظہار ہے، جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے مرد و زن کے اختلاط کے بغیر پیدا ہونے میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا اظہار ہے، اور ایمان والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا آلِ عمران: ۵۹ میں یہ ارشاد کافی ہے کہ ''اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی مثل ہے'' اور اہلِ انصاف کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بن باپ کے پیدا ہونے کے ثبوت میں ہماری یہ گزارشات باعثِ اطمینان ہوں گی۔

اس اعتراض کا جواب کہ الانعام: ۸۵ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت ابراہیم اور حضرت داؤد علیہما السلام کی ذرّیت فرمایا ہے، تو پھر وہ بن باپ کے کیسے ہو سکتے ہیں؟

سرسید احمد خان لکھتے ہیں:

ابتداء میں عیسائیوں کو یہ خیال نہیں تھا کہ حضرت عیسیٰ بن باپ کے پیدا ہوئے ہیں یا بن باپ کے پیدا ہوں گے، کیونکہ مسیح کی نسبت یقین کیا جاتا تھا کہ وہ داؤد کی نسل سے ہوں گے۔ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ کو مسیحِ موعود نہیں مانا مگر جنہوں نے ان کو مسیح موعود مانا اور عیسائی یا نصاریٰ کہلائے اُن سب کو کامل یقین تھا کہ وہ حضرت داؤد کی اولاد میں ہیں، چنانچہ انجیل متی میں لکھا ہے ''یسوع مسیح ابن داؤد ابن ابراہیم'' اور لوک کی انجیل کے باب: ۱، ورس ۲۷ اور متی کی انجیل باب: ۱، ورس: ۴۰ سے پایا جاتا ہے کہ یوسف حضرت مریم کا شوہر داؤد کی نسل سے تھا۔ مسلمان بھی قرآن کے رُو سے جیسے کہ سورۂ انعام میں لکھا ہے: حضرت عیسیٰ کو حضرت ابراہیم کی ذرّیت یعنی اولاد سمجھتے ہیں، پس اگر حضرت عیسیٰ بن باپ کے پیدا ہوئے ہوں تو وہ نسلِ داؤد یا اولادِ ابراہیم سے کیونکر قرار پا سکتے ہیں۔

میں کہتا ہوں: سرسید احمد خان نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بن باپ کے ہونے کی نفی میں اس سے استدلال کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کی ذرّیت سے ہیں، جیسا کہ درجِ ذیل آیات سے ظاہر ہوتا ہے:

وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَ نُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ وَ اَيُّوْبَ وَ يُوْسُفَ وَ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَ زَكَرِيَّا وَ يَحْيٰى وَ عِيْسٰى وَ اِلْيَاسَ ؕ

اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب عطا فرمائے، ہم نے ان سب کو ہدایت عطا فرمائی، اور اس سے پہلے ہم نے نوح کو ہدایت عطا فرمائی اور ان کی اولاد سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون (کو ہدایت عطا فرمائی)، اور ہم اسی

كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۵﴾ (الانعام: ۸۴۔۸۵)

طرح نیکی کرنے والوں کو ثواب عطا فرماتے ہیں O اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس (ان سب کو ہدایت عطا فرمائی)، یہ سب صالحین میں سے ہیں O

ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذرّیت اور ان کی اولاد سے ہیں، اب رہا یہ سوال کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن باپ کے پیدا ہوئے تو پھر وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذرّیت سے کیسے قرار پائے؟

سرسید احمد خان کے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نانا حضرت عمران ہیں جو کہ حضرت مریم کے والد ہیں اور حضرت عمران کا نسب یہ ہے: حسن بصری اور وہب بن منبہ نے کہا: اس عمران کا مصداق عمران بن اشہم بن امون ہیں جو حضرت سلیمان بن داؤد علیہم السلام کی اولاد میں سے ہیں اور اُن کی آل حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ ہیں۔ اور چونکہ حضرت عمران، حضرت عیسیٰ کے نانا ہیں اس اعتبار سے حضرت عیسیٰ کو حضرت داؤد علیہ السلام یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے قرار دے کر الانعام: ۸۵ میں فرمایا: ''وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۵﴾''۔

نواسے کو نانا کی ذرّیت قرار دینے کے ثبوت میں احادیثِ صحیحہ اور اقاویلِ علماء

رہا یہ سوال کہ نواسے کو نانا کی اولاد اور ذرّیت قرار دینا کس طرح درست ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسن کو اپنا بیٹا فرمایا حالانکہ وہ آپ کے نواسے ہیں، حدیث میں ہے:

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا اس وقت آپ منبر پر تھے اور حضرت حسن (بن علی) رضی اللہ عنہما آپ کے پہلو کی طرف تھے، آپ کبھی لوگوں کی طرف دیکھتے اور کبھی حسن کی طرف دیکھتے اور آپ فرما رہے تھے: ''ابنی ھذا سید'' میرا یہ بیٹا سید ہے، اور تحقیق اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان صلح فرما دے گا۔

(صحیح البخاری: ۲۷۰۴، ۳۶۲۹، سنن ترمذی: ۳۷۷۳، سنن نسائی: ۱۴۱۰، سنن ابوداؤد: ۴۶۶۲، مسند احمد: ۱۹۸۷۹)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے نواسے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو اپنا بیٹا فرمایا اور اس حدیث سے یہ اصول معلوم ہو گیا کہ نواسہ بھی نانا کی ذرّیت ہوتا ہے اور اسی اعتبار سے الانعام: ۸۵ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت ابراہیم اور حضرت داؤد علیہم السلام کی ذرّیت فرمایا۔ نیز حدیث میں ہے:

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: میں ایک رات کسی کام کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر آئے اور آپ کسی چیز کو اٹھائے ہوئے تھے، میں نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا چیز تھی، پس جب میں اپنے کام سے فارغ ہو گیا تو میں نے عرض کیا: یہ کیا چیز ہے جس کو آپ اٹھائے ہوئے ہیں؟ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کپڑا کھول کر دکھایا تو آپ کی رانوں کے اوپر الحسن اور الحسین تھے، آپ نے فرمایا: ''ھذان ابنای وابنا ابنتی، اللھم انی احبھما فاحبھما واحب من یحبھما'' (یہ دونوں میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں، اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو آپ بھی ان دونوں سے محبت فرمائیں اور جو اِن دونوں سے محبت کرے اُس سے بھی محبت فرمائیں)۔ (سنن ترمذی: ۳۷۶۹، شرح السنۃ: ۳۹۴۰)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ مجھ سے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ نے ملاقات کی، سو انہوں نے کہا: کیا میں آپ کو ایک ہدیہ نہ دوں، بے شک نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے، پس ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم کو معلوم ہے ہم آپ پر کس طرح سلام پڑھتے ہیں، سو ہم آپ پر صلوٰۃ (درود شریف) کیسے پڑھیں؟ آپ نے فرمایا: تم کہو: ''اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی آل ابراھیم انک حمید مجید اللھم بارک علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی آل ابراھیم انک حمید مجید''۔ (اے اللہ! (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر صلوٰۃ نازل فرما اور آلِ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر، جیسے تو نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی آل پر صلوٰۃ نازل فرمائی، بے شک تو حمد کیا ہوا بزرگ ہے، اے اللہ! (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر برکت نازل فرما اور آلِ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر، جیسا کہ تو نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی آل پر برکت نازل فرمائی، بے شک تو حمد کیا ہوا بزرگ ہے۔ (صحیح البخاری: ۳۳۷۰، ۴۷۹۷، ۶۳۵۷، صحیح مسلم: ۴۰۶، سنن ترمذی: ۴۸۳، سنن نسائی: ۱۲۸۹، سنن ابوداؤد: ۹۷۶، سنن ابن ماجہ: ۹۰۴، مسند احمد: ۱۷۶۳۹، سنن دارمی: ۱۳۴۲)

حدیثِ مذکور میں آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا مصداق

حافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ اس حدیث میں آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا مصداق کون ہے۔ پس راجح قول یہ ہے کہ آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے مراد آپ کی وہ آل ہے جن کو صدقہ دینا حرام ہے۔ امام شافعی نے اسی کی تصریح کی ہے اور یہی جمہور کا مختار ہے۔ اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے فرمایا: ''انا آل محمد لا تحل لنا الصدقۃ'' (ہم آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہیں ہمارے لیے صدقہ جائز نہیں ہے۔)

اور امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: یہ صدقہ لوگوں کا میل ہے، اور یہ صدقہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اور آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے لیے جائز نہیں ہے۔

امام احمد نے کہا: تشہد کی حدیث میں آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے مراد آپ کے اہلِ بیت ہیں۔ اور اس بناء پر کیا اس حدیث میں آل کے بجائے اہل کا لفظ کہنا جائز ہے؟ اس سلسلہ میں دو روایتیں ہیں۔

اور ایک قول یہ ہے کہ آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے مراد آپ کی ازواج اور آپ کی اولاد ہیں، کیونکہ اس حدیث کی اکثر سندوں میں ''آل محمد وازواجہ وذریتہ'' کے لفظ ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ آل سے مراد آپ کی ازواج اور آپ کی اولاد ہیں۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۴۱۵، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس سلسلہ میں تیسرا قول یہ ہے کہ آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا مصداق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اہلِ بیت اور آپ کی ذرّیت ہیں۔

(صحیح مسلم بشرح النووی ج ۲ ص ۱۵۷۴، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، الریاض، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث میں آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی شرح میں لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ آل سے مراد الحسن والحسین رضی اللہ عنہما ہیں۔

نیز علامہ عینی لکھتے ہیں:

میں نے اپنی شرح ''المستجمع فی شرح المجمع'' میں لکھا ہے کہ بے شک نسب کی جہت سے آلِ رسول کا مصداق اولادِ علی، اولادِ عباس، اولادِ جعفر اور اولادِ عقیل ہیں اور سبب کی جہت سے قیامت تک ہر مومن متقی آپ کی آل کا مصداق ہے۔

(شرح سنن ابوداؤد ج ۴ ص ۲۵۹، مکتبۃ الرشد، ریاض، مکہ مکرمہ، ۱۴۲۰ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ اس حدیث کی شرح لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ آل سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج ہیں اور جن پر صدقہ کرنا حرام ہے وہ ہیں، اور اُن میں آپ کی ذرّیت بھی داخل ہے اور اس قول کے اعتبار سے تمام احادیث مجتمع ہو جاتی ہیں۔

(مرقاۃ المفاتیح ج ۳ ص ۷، المکتبۃ الحقانیۃ، پشاور، پاکستان)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی متوفی ۱۰۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض شارحین آل کی تفسیر اہلِ بیت کے ساتھ کرتے ہیں جن پر صدقہ حرام ہے اور اُس سے مراد بنو ہاشم ہیں، امام فخر الدین رازی نے کہا ہے: اولیٰ یہ ہے کہ کہا جائے کہ اہلِ بیت کا مصداق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج اور آپ کی اولاد ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اِن میں داخل ہیں اس وجہ سے کہ ان کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بہت زیادہ میل جول ہے اور اُن کی سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ معاشرت تھی اور کبھی آل کو حضرت فاطمہ، حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کے ساتھ مخصوص کیا جاتا ہے جیسا کہ مباہلہ کے قصہ میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب نجران کے عیسائیوں سے مباہلہ کیا تو آپ نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن پر اس وقت چادر ڈالی تھی اور اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ۔۔ (الاحزاب: ۳۳)'' اس آیت میں بھی اہلِ بیت کا مصداق یہ حضراتِ گرامی ہیں، اور حق یہ ہے کہ ازواجِ مطہرات بھی اس خطاب میں داخل ہیں۔ (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۴۳۵، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

شیخ نور الحق محدث دہلوی حنفی متوفی ۱۰۷۳ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جاننا چاہیے کہ لفظِ آل کا اطلاق اس جماعت پر ہے جس پر صدقہ کرنا حرام ہے اور اہلِ بیت کے اوپر، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج بھی آل میں داخل ہیں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ذرّیت کے اوپر بھی آل کا اطلاق مشہور ہے۔

(تیسیر القاری ج ۳ ص ۲۹۱، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

امام ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی المتوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے آیتِ مباہلہ میں فرمایا ہے: ''فَقُلۡ تَعَالَوۡا نَدۡعُ اَبۡنَآءَنَا وَ اَبۡنَآءَکُمۡ۔۔ (آل عمران: ۶۱)'' (اے رسولِ اکرم! آپ (ان عیسائیوں سے) کہیے: آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں اور تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ)، جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت الحسن اور الحسین رضی اللہ عنہما کا ہاتھ پکڑا، اور اس وقت ان دونوں کے سوا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی بیٹا نہیں تھا، اور اس میں یہ دلیل ہے کہ حضرت الحسن اور الحسین رضی اللہ عنہما دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے تھے، اور یہ بھی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا: ''ابنی ھذا سید''۔ نیز جب حسنین کریمین میں سے کسی ایک نے صغرسن میں آپ پر پیشاب کر دیا تو رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''لاتزرموا ابنی'' (میرے بیٹے کا پیشاب منقطع نہ کرو)، اور یہ دونوں ہی آپ کی ذرّیت میں سے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذرّیت قرار دیا اور ارشاد فرمایا: ''وَ مِنْ ذُرِّیَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ (الانعام: ۸۴)۔۔۔ الی قولہ: وَ زَکَرِیَّا وَ یَحْیٰی وَ عِیْسٰی وَ اِلْیَاسَ۔۔ (الانعام: ۸۵)'' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حضرت ابراہیم اور حضرت داؤد علیہما السلام کی طرف نسبت ان کی ماں کی جہت سے ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی باپ نہیں تھا۔

(احکام القرآن، ج ۲ ص ۱۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۴ھ)

مذکور الصدر کثیر حوالہ جات سے یہ واضح ہو گیا کہ آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا مصداق آپ کی ذرّیت ہیں اور حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما بھی آپ کی ذرّیت ہیں اور وہ آپ کے نواسے ہیں، تو آفتاب سے زیادہ روشن ہو گیا کہ نواسوں پر بھی ذرّیت کا اطلاق ہوتا ہے، لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو الانعام: ۸۵ میں حضرت ابراہیم اور حضرت داؤد علیہما السلام کی ذرّیت فرمایا ہے، اور اُن کا بن باپ کے ہونا اس کے منافی نہیں ہے کہ وہ حضرت آدم اور حضرت داؤد علیہما السلام کی ذرّیت ہوں، کیونکہ ہم نے بہ کثرت دلائل سے واضح کر دیا کہ کسی شخص کے نواسوں پر بھی اس کی ذرّیت کا اطلاق آتا ہے، لہٰذا الانعام: ۸۵ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بن باپ ہونے کے منافی نہیں ہے، اہلِ ایمان کے لیے ان دلائل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بن باپ ہونے کے متعلق وافر اطمینان کا سامان ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سیکولر اور لبرل لوگوں کو اسلام کی ہدایت عطا فرمائے اور اسلام کے وہ نظریات اور عقائد جو صدیوں سے مسلمانوں کے درمیان متفق علیہ ہیں اُن کے خلاف سرسید احمد خان اور اُن ایسے دیگر آزاد منش لوگوں کے ڈالے ہوئے شکوک وشبہات سے مسلمان متاثر نہ ہوں، میں نے یہ سطور صرف اس لیے لکھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مریم کا بیٹا فرمایا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے صرف نفخِ جبریل سے پیدا ہوئے ہیں، سو میں نے قرآنِ مجید کی آیات کے صدق اور اس کی حقانیت کو ظاہر کرنے کے لیے یہ سب لکھا ہے، اللہ تعالیٰ اس تحریر کے ذریعہ سے مسلمانوں کے عقائد کی حفاظت فرمائے۔ آمین یا رب العالمین بجاہ حبیبک سید المرسلین

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت داؤد علیہ السلام کی نسل سے قرار دینے پر سرسید احمد خان کے اعتراضات

سرسید احمد خان متوفی ۱۸۹۸ء اس بحث میں لکھتے ہیں:

''اگر یہ کہا جاوے کہ ماں کے سبب سے اُن کو داؤد کی نسل سے قرار دیا گیا ہے تو یہ بات دو وجہ سے غلط ہے، اول اس لیے کہ یہودی شریعت میں عورت کی طرف سے نسب قائم نہیں ہوسکتا، دوسرے یہ کہ حضرت مریم کا داؤد کی نسل سے ہونا ثابت نہیں، کیتھوسیکلو پیڈیا میں لکھا ہے کہ یوسیبیس جو قدیمی مذہبی مورخ ہے گو حضرت عیسیٰ کے نام پر اس نے طول طویل بحث کی ہے مگر اس کے بیان سے اور نیز متی اور لوک کی انجیلوں سے مریم کی پیدائش اور نسب پر کوئی نئی روشنی نہیں پڑتی۔ اینی جو مریم کی ماں بیان کی گئی ہیں ان کی نسبت جس قدر قصے ہیں وہ محض افسانے ہیں اور ان کا کچھ ثبوت وشہادت نہیں ہے''۔

(تفسیر القرآن وھو الھدی والفرقان ج ۱ ص ۲۹۳، سرسید ریسرچ اکیڈمی، لاہور)

مصنف کی طرف سے سرسید احمد خان کے اعتراضات کے جوابات

میں کہتا ہوں کہ سرسید احمد کا یہ کہنا کہ ''یہودی شریعت میں عورت کی طرف سے نسب قائم نہیں ہوسکتا'' اُن کے ناقص مطالعہ کی

دلیل ہے، کیونکہ کسی بھی شریعت اور کسی بھی مذہب میں عورت کی طرف سے نسب قائم نہیں ہوتا، نسب صرف باپ کی طرف سے قائم ہوتا ہے لیکن اس قاعدہ سے بعض امور مستثنیٰ ہیں، جیسے کہ ابھی ہم نے بہ کثرت احادیث کے حوالہ جات سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے متعلق فرمایا ''یہ دونوں میرے بیٹے ہیں'' اور ان دونوں کا بیٹا ہونا اُن کی ماں سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی طرف سے ہے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ ہر شخص کا نسب اس کے باپ کی طرف سے ہوتا ہے لیکن حسنین کریمین کا نسب اُن کی ماں کی طرف سے ہے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسنین کریمین کے متعلق فرمایا کہ یہ دونوں میرے بیٹے ہیں۔ ہم اس کی بہت مثالیں اور نظائر پیش کر سکتے ہیں لیکن اس تفسیر میں ہمارا مقصود اختصار ہے اس لیے ہم صرف اتنے ہی بیان پر اقتصار کر رہے ہیں۔

سرسید احمد خان کے دوسرے اعتراض کی بنیاد یوسیبس کے بیان پر ہے جو کہ قدیم اسرائیلی مذہبی مورخ ہے، حیرت ہے کہ سرسید احمد خان قرآنِ مجید کی تصریحات، احادیثِ صریحہ، علماءِ اسلام کے اقاویل کا تو اعتبار نہیں کرتے اور ایک اسرائیلی مذہبی مورخ کے قول کے اوپر اپنے اعتراض کی بنیاد رکھ رہے ہیں، اگر اُن میں ذرا بھی رمقِ ایمان باقی ہوتی تو وہ الانعام: ۸۵ کی تصریح کے مطابق بغیر کسی چون و چرا اور بلا کسی شک و شبہ کے تسلیم کر لیتے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کی ذرّیت ہیں اور جب وہ قرآنِ مجید کی نصِ صریح کا اعتبار نہیں کرتے تو ہم ایک اسرائیلی مورخ کے قول کا اعتبار کیوں کریں گے! (سعیدی غفرلہٗ)

سرسید احمد خان کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یوسف کا بیٹا قرار دینا

سرسید احمد خان متوفی ۱۸۹۸ء لکھتے ہیں:

مسیح کی نسبت یقین کیا جاتا تھا کہ وہ داؤد کی نسل سے ہوں گے۔ (الیٰ قولہ) چنانچہ انجیل متی میں لکھا ہے ''یسوع مسیح ابن داؤد ابن ابراہیم'' اور لوک کی انجیل کے باب: ۱، ورس: ۲۷، اور متی کی انجیل باب: ۱، ورس: ۲۷ سے پایا جاتا ہے کہ یوسف حضرت مریم کا شوہر داؤد کی نسل سے تھا۔ (تفسیر القرآن وھوالھدی والفرقان ج ۱ ص ۲۹۲، سرسید ریسرچ اکیڈمی، لاہور)

میں کہتا ہوں کہ سرسید احمد خان کی یہ عبارت خود ان کے خلاف قوی حجت ہے کیونکہ اس عبارت میں یہ تسلیم کر لیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کی نسل سے ہیں جب کہ اس سے پہلے ہم نے جو اُن کا اقتباس نقل کیا ہے اس میں انہوں نے اس کا انکار کیا۔

نیز سرسید احمد خان لکھتے ہیں:

متی کی انجیل میں حضرت عیسیٰ کے باپ کا نام یوسف اور اُن کے باپ کا نام یعقوب لکھا ہے اور لوک کی انجیل میں یوسف کے باپ کا نام ہیلی لکھا ہے، پہلا نسب نامہ بذریعہ سلیمان کے داؤد تک پہنچتا ہے اور دوسرا نسب نامہ بذریعہ ناثان کے۔ یہ دونوں نسب نامے بلاشبہ مختلف ہیں مگر عیسائی مفسر کہتے ہیں جیسا کہ تفسیر ہنری اسکاٹ میں مندرج ہے کہ یوسف نے ہیلی کی دختر سے یعنی حضرت مریم سے شادی کی تھی اور شاید اس نے یوسف کو متبنیٰ بھی کیا تھا اور یوسف ہیلی کا بیٹا کہلاتا تھا۔

(تفسیر القرآن وھوالھدی والفرقان ج ۱ ص ۲۹۳، سرسید ریسرچ اکیڈمی، لاہور)

مصنف کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یوسف کا بیٹا قرار دینے کا ابطال

میں کہتا ہوں کہ قرآنِ مجید میں تصریح ہے: ''اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنۡ

فَيَكُونُ ۝ ۔۔ (آل عمران: ۵۹)'' (بے شک اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی مثل ہے، اللہ نے اس کو مٹی سے پیدا فرمایا پھر اس سے فرمایا: ''ہو'' سو وہ ہو گیا ۝)''۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کی مثل اس لیے فرمایا ہے کہ جس طرح حضرت آدم علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی بغیر باپ کے پیدا ہوئے، سو قرآنِ مجید کی تصریح کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں، اب اگر متی کی انجیل اور لوک کی انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے باپ کا نام یوسف لکھا ہوا ہے تو یہ انجیلیں ہم پر حجت نہیں ہیں، اگر سرسید احمد خان ان انجیلوں کو حجت سمجھتے ہیں تو انہیں مبارک ہو، ہمارے لیے تو یہ کافی ہے کہ قرآنِ مجید نے جہاں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا تو ''عیسیٰ ابن مریم'' فرمایا، اور کسی باپ کی طرف ان کی نسبت نہیں کی۔ رہا یہ کہ سرسید احمد خان نے لکھا ہے کہ یوسف نے حضرت مریم سے شادی کی تھی اور اُس کے نتیجہ میں حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے سو یہ بھی انہوں نے غلط لکھا ہے، قرآنِ مجید میں تصریح ہے ''قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ۔۔۔ (آل عمران: ۴۷)'' (مریم نے کہا: اے میرے رب! مجھ سے بچہ کیونکر ہوگا حالانکہ مجھے تو کسی بشر نے چھوا تک نہیں)، جن انجیلوں پر سرسید احمد خان نے اعتماد کیا ہے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد لکھی گئی ہیں اور قرآنِ مجید میں جگہ جگہ بیان فرمایا ہے کہ یہ مُحرَّف کتابیں ہیں، حیرت ہے کہ سرسید احمد خان ان مُحرَّف کتابوں پر اعتماد کرتے ہیں اور قرآنِ مجید کی تصریحات کا انکار کرتے ہیں اور آیات کی بے جا تاویلات کرتے ہیں اور ہم حضرتِ مریم کا سوانحی خاکہ پیش کر رہے ہیں جس سے سرسید احمد خان کے اس دعویٰ کا ابطال ہو جائے گا کہ یوسف نجار نے حضرت مریم سے شادی کی تھی اور اسی کے نتیجہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

حضرت مریم کا سوانحی خاکہ اور یوسف سے اُن کی شادی کا ابطال

حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن بن ہبۃ اللہ الشافعی المعروف بابن عساکر المتوفی ۵۷۱ھ لکھتے ہیں:

وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں: جب حضرت مریم کا حمل استقرار پا گیا اور حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم کو بشارت دی تو اُن کو اللہ تعالیٰ کی عزت افزائی پر اعتماد ہو گیا، اور حضرت مریم کے ساتھ اُن کے ماموں زاد بھائی جن کو یوسف کہا جاتا تھا اور وہ بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف تھے اور وہ پردہ کی اوٹ سے حضرت مریم کی خدمت کرتے تھے اور اُن سے باتیں کرتے تھے اور پردہ کے پیچھے سے انہیں چیزیں لا کر دیتے تھے، سب سے پہلے حضرت مریم کے حمل پر وہ مطلع ہوئے اور وہ اس پر بہت فکر مند ہوئے اور غمزدہ ہوئے اور انہیں اندیشہ ہوا کہ انہیں کوئی ایسی مصیبت آئے گی جو اس سے پہلے کبھی نہیں آئی، وہ حضرت مریم سے آنکھیں ملا کر بات نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ بہت عبادت گزار تھے اور حضرت مریم کے پاس جب پانی ختم ہو جاتا تو یوسف ان کو پانی پہنچاتے تھے، جب فرشتوں نے حضرت مریم کو بشارت دی تو یوسف بھی سن رہے تھے، پھر جب یوسف کو حضرت مریم کے حمل کا پتا چلا تو اُن کے دل میں اس قدر رنج ہوا کہ قریب تھا کہ وہ کسی آزمائش میں مبتلاء ہو جاتے، جب انہوں نے اپنے دل میں حضرت مریم پر تہمت لگانے کا ارادہ کیا تو انہیں یاد آیا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے متعلق فرمایا تھا: ''يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ۔۔۔ (آل عمران: ۴۲)'' (اے مریم! بے شک اللہ نے آپ کو چن لیا ہے اور آپ کو خوب پاک فرما دیا ہے (یعنی آپ کو ارتکاب زنا سے محفوظ رکھا ہے)، اور آپ کو تمام جہانوں کی عورتوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے ۝)، پھر جب یوسف نے دیکھا کہ حضرت مریم کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا ہے اور اُن کا پیٹ ان پر ظاہر ہوا تو اُن کو یہ معاملہ بہت سنگین لگا، وہ

حیران ہوئے اور حضرت مریم کے متعلق جوانہوں نے بدگمانی کی تھی اس پر دل ہی دل میں شرمندہ ہوئے، تاہم اپنے اطمینان کے لیے انہوں نے حضرت مریم سے کہا: اے مریم! کیا کوئی کھیت بغیر بیج کے ہوسکتا ہے؟ حضرت مریم نے کہا: ہاں! ہوسکتا ہے، یوسف نے کہا: یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ حضرت مریم نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے پہلا بیج پیدا فرمایا تو کسی کھیت کے بغیر پیدا فرمایا اور جب پہلا کھیت پیدا فرمایا تو بغیر کسی بیج کے پیدا فرمایا، اور شاید کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ بغیر بیج کے کھیت کو پیدا فرمانے پر قادر نہیں ہے، یوسف نے کہا: میں اس قول سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں، آپ نے سچ کہا اور آپ نے جو کہا وہ نور اور حکمت سے کہا، جو ذات اس پر قادر ہے کہ پہلے کھیت کو بغیر بیج کے پیدا فرمائے اور جو اس پر قادر ہے کہ کھیت کو بغیر بیج کے پیدا فرمائے، پھر یوسف نے حضرت مریم سے کہا: مجھے یہ بتایئے: کیا کوئی درخت بغیر پانی اور بارش کے اُگ سکتا ہے؟ حضرت مریم نے جواب دیا: کیا تم نہیں جانتے کہ بیج اور کھیت اور پانی اور بارش اور درخت ان سب کا ایک ہی خالق ہے، شاید کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ اگر پانی نہ ہو اور بارش نہ ہو تو اللہ تعالیٰ درخت اگانے پر قادر نہیں ہے، یوسف نے کہا: میں اس سے اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں کہ میں ایسی بات کروں، آپ نے سچ کہا، آپ نے نور اور حکمت سے کلام کیا، لیکن آپ مجھے یہ بتایئے کہ کیا کسی مرد کے حاملہ کیے بغیر بیٹا ہوسکتا ہے؟ حضرت مریم نے فرمایا: ہاں! ہوسکتا ہے، یوسف نے کہا: کیسے؟ حضرت مریم نے کہا: کیا تم نہیں جانتے کہ بے شک اللہ نے حضرت آدم اور حضرت حواء جو اُن کی بیوی ہیں اُن کو بغیر حمل کے اور بغیر عورت کے پیدا فرمایا ہے اور بغیر مرد کے پیدا فرمایا ہے، یوسف نے کہا: کیوں نہیں! یوسف نے حضرت مریم سے کہا: آپ مجھے اپنی خبر بتایئے! تو حضرت مریم نے کہا: مجھے اللہ تعالیٰ نے بشارت دی "بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ" تب یوسف کو علم ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے اور اس نے حضرت مریم کے ساتھ خیر کا ارادہ کیا، پھر یوسف حضرت مریم کے ساتھ مباحثہ اور مناظرہ سے ساکت ہو گئے۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۴۷ ص ۶۶۔ ۶۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

آنجہانی غلام احمد پرویز کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بن باپ کے پیدا ہونے سے انکار کرنا اور ان کو یوسف نجار کا بیٹا قرار دینا اور حضرت مریم کے کنواری ہونے کا انکار کرنا

آنجہانی غلام احمد پرویز متوفی ۱۹۸۵ء حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق لکھتے ہیں:

عیسائیوں کا یہ بنیادی عقیدہ ہے کہ آپ کی پیدائش بن باپ کے ہوئی تھی اور یہی عقیدہ مسلمانوں میں بھی رائج چلا آ رہا ہے لیکن عیسائیوں کے ہاں شروع میں یہ عقیدہ نہیں تھا یہ بعد کی اختراع ہے، معلوم ہوتا ہے کہ ہیکل کو چھوڑنے کے بعد حضرت مریم نے اپنے ہاں کے ایک شخص سے شادی کی تھی جس کا نام یوسف تھا اور وہ بڑھئی کا کام کرتا تھا، چنانچہ اناجیل میں حضرت عیسیٰ کو بالتصریح یوسف نجار کا بیٹا کہا گیا ہے۔

متی کی انجیل میں ہے:

"جب یسوع یہ تمثلیں ختم کر چکا تو ایسا ہوا کہ وہاں سے روانہ ہو گیا اور اپنے وطن میں آ کر ان کے عبادت خانہ میں انہیں ایسی تعلیم دینے لگا کہ وہ حیران ہو کر بولے: اس کو یہ حکمت اور معجزے کہاں سے مل گئے۔ کیا یہ بڑھئی کا بیٹا نہیں؟ اور اس کی ماں کا نام مریم اور اس کے بھائی یعقوب اور یوسف اور شمعون اور یہودا نہیں؟ اور کیا اس کی سب بہنیں ہمارے ہاں نہیں؟ (متی باب ۱۳ آیات ۵۵۔ ۵۳)

فلپس نے نتن ایل سے مل کر اس سے کہا کہ جس کا ذکر موسیٰ نے تورات میں اور نبیوں نے کیا ہے، وہ ہمیں مل گیا ہے، وہ یوسف کا بیٹا یسوع ناصری ہے۔ (یوحنا، باب: ۱، آیت: ۴۵)

دوسری جگہ ہے: ''اور انہوں نے کہا: کیا یوسف کا بیٹا یسوع نہیں ہے جس کے باپ اور ماں کو ہم جانتے ہیں، اب کیونکر کہتا ہے کہ میں آسمان سے اترا ہوں''۔ (یوحنا: باب: ۶، آیت: ۴۲)

لوقا کی انجیل میں ہے: ''ایک دفعہ بچپن میں مسیح بھیڑ میں کھو گیا اور اس کے ماں باپ اسے ڈھونڈتے رہے جب وہ مل گیا تو وہ اسے دیکھ کر حیران ہوئے اور اس کی ماں نے اس سے کہا: بیٹا! تو نے کیوں ہم سے ایسا کیا؟ تیرا باپ اور میں کڑھتے ہوئے تجھے ڈھونڈتے تھے۔ (لوقا: باب: ۲ آیت: ۴۸)

مشہور عیسائی مورخ رینان (RENAN) نے حیاتِ مسیح (LIFE OF JESUS) کے نام سے ایک بڑی محققانہ کتاب لکھی ہے، وہ اس میں لکھتا ہے:

آپ (حضرت عیسیٰ) طبقہ عوام سے متعلق تھے، آپ کے والد یوسف اور آپ کی والدہ مریم دونوں غریب گھرانے کے افراد تھے، دستکاری ان کا پیشہ تھا۔۔۔ (حضرت) مسیح کے اور بہن بھائی بھی تھے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سب سے بڑے آپ ہی تھے۔۔۔ مادری زبان آپ کی آرامی تھی۔۔۔ آپ کے والد کا انتقال جلد ہو گیا اور اس کے بعد حضرت مریم ہی خاندان کی سرپرست رہ گئیں، یہ وجہ ہے کہ (حضرت) مسیح عام طور پر ابنِ مریم کے نام سے مشہور ہوئے۔۔۔ آپ نے اپنے والد کی اتباع میں نجاری کا پیشہ اختیار کیا۔ (ص ۴۶ تا ص ۷۹)

غلام احمد پرویز لکھتے ہیں:

ان تصریحات سے واضح ہے کہ (حضرت) عیسیٰ کی زندگی میں کسی کو اس کا خیال تک نہیں تھا کہ ان کی پیدائش بن باپ کے ہوئی تھی، لیکن یہ بات (کہ وہ یوسف نجار کے بیٹے تھے) ان کے متبعین کے لیے بڑی پریشانی کا موجب تھی، ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ یہودیوں کی مذہبی پیشوائیت نے فتویٰ صادر کر رکھا تھا کہ (حضرت) مریم کا یوسف سے نکاح شریعت موسوی کی رُو سے ناجائز تھا، چنانچہ وہ (حضرت) عیسیٰ کو (معاذ اللہ) ولد الحرام قرار دیتے تھے۔ عیسائی اگرچہ (حضرت) عیسیٰ کے متبعین تھے لیکن وہ بھی شریعتِ موسوی کے پابند تھے، اس لیے کہ (حضرت) عیسیٰ نے کہا تھا کہ وہ کوئی نئی شریعت نہیں لائے، وہ شریعتِ موسوی کی پابندی کرانے کے لیے آئے ہیں، اس شریعت کی رُو سے اُن سے یہودی پیشواؤں سے اعتراض کا کوئی جواب نہیں بن پاتا تھا، چنانچہ انہوں نے اعتراضات اور ان کے طعن و تشنیع سے بچنے کے لیے طرح طرح کے حیلے تراشے۔ انہوں نے پہلے یہ عقیدہ وضع کیا کہ حضرت مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہوئی تھی۔ ان میں زن و شوئی کے تعلقات قائم نہیں ہوئے تھے۔ انجیل متی میں ہے: اب یسوع مسیح کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ جب اس کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہو گئی تو ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ روح القدس کی قدرت سے حاملہ ہو گئیں۔ (متی: باب: ۱ آیات: ۲۳ تا ۱۸)

غلام احمد پرویز اٹلی کے ایک نامور مصنف (MARCELLO CRAVER) کی (LIFE OF JESUS) کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ عیسائی پیشوائیت نے یوسف اور مریم کے تعلقات کی گتھی کو سلجھانے کے لیے یہ عقیدہ وضع کیا کہ ان کی باہمی

شادی تو ہوگئی تھی لیکن :۔

مریم یوسف سے بالکل اپنے بھائیوں کی طرح محبت کرتی تھی ۔۔۔فرشتوں کی سی محبت ۔۔اور یوسف بھی مریم کو باعصمت نگاہوں سے دیکھتا تھا ۔۔۔یہ جوڑا کیسا تھا؟ ایک کنواری بیوی کا کنوارا خاوند ۔۔(ص ۳۸)

(مطالب الفرقان ج ۴ ص ۸۸۔ ۹۰، ادارہ طلوع اسلام، لاہور)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقدس کنواری حضرت مریم کے بطن سے بغیر باپ کے پیدا ہونے کا ثبوت

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ (آل عمران: ۵۹) (بے شک اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی مثل ہے)۔

اس آیت میں یہ ثبوت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بن باپ کے پیدا فرمایا، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کی مثل قرار دیا کہ جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بغیر جسمانی باپ کے پیدا فرمایا، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے بغیر جسمانی باپ کے پیدا فرمایا۔

اور مقدس کنواری حضرت مریم کے بطن سے بغیر باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے ثبوت میں درج ذیل آیات ہیں:

وَاذۡکُرۡ فِی الۡکِتٰبِ مَرۡیَمَ ۘ اِذِ انۡتَبَذَتۡ مِنۡ اَہۡلِہَا مَکَانًا شَرۡقِیًّا ﴿۱۶﴾ فَاتَّخَذَتۡ مِنۡ دُوۡنِہِمۡ حِجَابًا ۟ فَاَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡہَا رُوۡحَنَا فَتَمَثَّلَ لَہَا بَشَرًا سَوِیًّا ﴿۱۷﴾ قَالَتۡ اِنِّیۡۤ اَعُوۡذُ بِالرَّحۡمٰنِ مِنۡکَ اِنۡ کُنۡتَ تَقِیًّا ﴿۱۸﴾ قَالَ اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوۡلُ رَبِّکِ ٭ۖ لِاَہَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّا ﴿۱۹﴾ قَالَتۡ اَنّٰی یَکُوۡنُ لِیۡ غُلٰمٌ وَّلَمۡ یَمۡسَسۡنِیۡ بَشَرٌ وَّلَمۡ اَکُ بَغِیًّا ﴿۲۰﴾ قَالَ کَذٰلِکِ ۚ قَالَ رَبُّکِ ہُوَ عَلَیَّ ہَیِّنٌ ۚ وَلِنَجۡعَلَہٗۤ اٰیَۃً لِّلنَّاسِ وَرَحۡمَۃً مِّنَّا ۚ وَکَانَ اَمۡرًا مَّقۡضِیًّا ﴿۲۱﴾ فَحَمَلَتۡہُ فَانۡتَبَذَتۡ بِہٖ مَکَانًا قَصِیًّا ﴿۲۲﴾ فَاَجَآءَہَا الۡمَخَاضُ اِلٰی جِذۡعِ النَّخۡلَۃِ ۚ قَالَتۡ یٰلَیۡتَنِیۡ مِتُّ قَبۡلَ ہٰذَا وَکُنۡتُ نَسۡیًا مَّنۡسِیًّا ﴿۲۳﴾ فَنَادٰىہَا مِنۡ تَحۡتِہَاۤ اَلَّا تَحۡزَنِیۡ قَدۡ جَعَلَ رَبُّکِ تَحۡتَکِ سَرِیًّا ﴿۲۴﴾ وَہُزِّیۡۤ اِلَیۡکِ بِجِذۡعِ النَّخۡلَۃِ تُسٰقِطۡ عَلَیۡکِ رُطَبًا جَنِیًّا ﴿۲۵﴾ فَکُلِیۡ وَاشۡرَبِیۡ وَقَرِّیۡ عَیۡنًا ۚ فَاِمَّا تَرَیِنَّ مِنَ الۡبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوۡلِیۡۤ اِنِّیۡ نَذَرۡتُ لِلرَّحۡمٰنِ صَوۡمًا فَلَنۡ اُکَلِّمَ الۡیَوۡمَ اِنۡسِیًّا ﴿۲۶﴾ فَاَتَتۡ بِہٖ قَوۡمَہَا تَحۡمِلُہٗ ؕ قَالُوۡا یٰمَرۡیَمُ لَقَدۡ جِئۡتِ شَیۡئًا فَرِیًّا ﴿۲۷﴾ یٰۤاُخۡتَ ہٰرُوۡنَ مَا کَانَ

(اے رسولِ اکرم!) آپ الکتاب میں مریم کا ذکر کیجئے، جب وہ اپنے گھر والوں سے الگ ہو کر شرقی مکان میں چلی گئیں O پھر انہوں نے اپنے اور لوگوں کے درمیان ایک پردہ قائم کر لیا، پس ہم نے ان کی طرف اپنے فرشتہ (جبریل) کو بھیجا، سو وہ مریم کے سامنے ایک تندرست بشر کی صورت میں متمثل ہوئے O مریم نے کہا: اگر تو اللہ سے ڈرنے والا ہے تو میں تجھ سے اللہ کی پناہ طلب کرتی ہوں O جبریل نے کہا: میں صرف آپ کے رب کی طرف سے بھیجا ہوا (فرشتہ) ہوں تاکہ میں آپ کو پاکیزہ بیٹا دوں O مریم نے کہا: مجھ سے لڑکا کیسے پیدا ہو سکتا ہے، حالانکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں اور نہ میں بدکار ہوں O جبریل نے کہا: اسی طرح ہوگا، آپ کے رب نے فرمایا ہے کہ یہ کام میرے لیے بہت آسان ہے، اور تاکہ ہم اس لڑکے کو لوگوں کے لیے نشانی اور اپنی طرف سے رحمت بنا دیں، اور اس کام کا فیصلہ ہو چکا ہے O پس مریم کے پیٹ میں اس لڑکے کا حمل ہو گیا، پھر وہ اس حمل کو لے کر دور دراز مقام پر چلی گئیں O پھر دردِ زہ اُن کو کھجور کے درخت کی طرف لے آیا، (ولادت کے وقت درد کی شدت سے

اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّ مَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ﴿۲۸﴾ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ؕ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿۲۹﴾ قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِيْ نَبِيًّا ﴿۳۰﴾ وَّ جَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَ اَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿۳۱﴾ وَّ بَرًّا بِوَالِدَتِيْ ۫ وَ لَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿۳۲﴾ وَ السَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَ يَوْمَ اَمُوْتُ وَ يَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ﴿۳۳﴾ ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿۳۴﴾ (مریم: ۱۶۔ ۳۴)

بے قرار ہو کر) انہوں نے کہا: اے کاش! میں اس واقعہ سے پہلے مر جاتی اور میں بھولی بسری ہو جاتی O پس درخت کے نیچے سے فرشتہ نے ان کو پکارا: (اے مریم!) آپ غمگین نہ ہوں، بے شک آپ کے رب نے آپ کے نیچے ایک چشمہ جاری فرما دیا ہے O آپ کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلائیں، سو وہ درخت آپ پر پکی ہوئی تر و تازہ کھجوریں گرائے گا O پس آپ کھائیں اور پئیں اور (اپنے بیٹے سے) اپنی آنکھیں ٹھنڈی رکھیں، پس اگر آپ کسی بشر کو دیکھیں تو آپ (اشارہ سے) کہیں کہ میں نے رحمٰن کے لیے (سکوت کے) روزہ کی نذر مانی ہے سو میں آج ہرگز کسی انسان سے بات نہیں کروں گی O پھر وہ اپنے بیٹے کو اپنی گود میں اٹھائے ہوئے لوگوں کے پاس آئیں، لوگوں نے کہا: اے مریم! آپ نے بہت حیرت انگیز کام کیا ہے O اے ہارون کی بہن! آپ کے والد بھی برے آدمی نہ تھے اور آپ کی والدہ بھی بدچلن نہیں تھیں O (یہ سن کر مریم نے) اس بچہ کی طرف اشارہ کیا، انہوں نے کہا: ہم اس سے کیسے بات کریں جو ابھی گہوارہ میں (نوزائدہ) بچہ ہے O اس (نوزائدہ بچے) نے کہا: بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے اور مجھے اپنا نبی بنایا ہے O اور میں جہاں کہیں بھی ہوں، اس نے مجھے حاملِ برکت بنایا ہے اور اس نے مجھے تاحیات نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا موکد حکم فرمایا ہے O اور اس نے مجھے اپنی والدہ کے ساتھ نیکی کرنے والا بنایا ہے اور اس نے مجھے متکبر، نافرمان نہیں بنایا O اور مجھ پر سلام ہو جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں وفات پاؤں گا اور جس دن مجھے زندہ اٹھایا جائے گا O یہ ہیں عیسیٰ مریم کے بیٹے، ہم حق بات فرماتے ہیں جس بات میں یہ لوگ شک کرتے ہیں O

آنجہانی غلام احمد پرویز نے، آنجہانی سر سید احمد خان کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بن باپ کے پیدا ہونے کا انکار کیا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یوسف نجار (بڑھئی) کا بیٹا قرار دیا ہے اور حضرت مریم کے مقدس کنواری ہونے کا بھی انکار کیا ہے، اور ان تمام مفتریات میں انہوں نے بزعمِ خویش انجیل کی آیات کا سہارا لیا ہے، اور ہم نے قرآن مجید کی مذکور الصدر آیات سے یہ واضح کر دیا

ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بن باپ کے پیدا ہوئے اور مقدس کنواری مریم کے بطن سے بن باپ کے محض نفخِ جبریل سے پیدا ہوئے، آنجہانی غلام احمد پرویز اور آنجہانی سر سید احمد خان کو بزعمِ خویش انجیل کی آیات مبارک ہوں، اور ہمارے لیے حجت قرآنِ مجید ہے جس کی مذکورالصدر آیات ہم نے ابھی قارئین کے سامنے پیش کی ہیں، تاہم حق کو مزید واضح تر کرنے کے لیے اور سر سید احمد خان اور غلام احمد پرویز کے پیروکاروں کے مزید اطمینان کے لیے ہم انجیل کی آیات سے بھی یہ واضح کر رہے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے مقدس کنواری حضرت مریم کے بطن سے پیدا ہوئے اور وہ یوسف نجار کے بیٹے نہ تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو ابنِ مریم فرمایا ہے، وہ مریم کے بیٹے تھے۔ آیئے! اب ہم آپ کے سامنے انجیل کی آیات پیش کر رہے ہیں:

متی کی انجیل میں لکھا ہوا ہے:

اب یسوع مسیح کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ جب اس کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہوگئی تو ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ روح القدس کی قدرت سے حاملہ پائی گئیں O پس اس کے شوہر یوسف نے جو راستباز تھا اور اسے بدنام کرنا نہیں چاہتا تھا اسے چپکے سے چھوڑ دینے کا ارادہ کیا O وہ ان باتوں کو سوچ ہی رہا تھا کہ خداوند کے فرشتہ نے اسے خواب میں دکھائی دے کر کہا: اے یوسف ابن داؤد! اپنی بیوی مریم کو اپنے ہاں لے آنے سے نہ ڈر کیونکہ جو اس کے پیٹ میں ہے وہ روح القدس کی قدرت سے ہے O اس کے بیٹا ہوگا اور تو اس کا نام یسوع رکھنا کیونکہ وہی اپنے لوگوں کو ان کے گناہوں سے نجات دیگا O یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ جو خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا وہ پورا ہو کہ O

دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی
اور اس کا نام عمانوایل رکھیں گے

جسکا ترجمہ ہے: خدا ہمارے ساتھ ہے O پس یوسف نے نیند سے جاگ کر ویسا ہی کیا جیسا خداوند کے فرشتہ نے اسے حکم دیا تھا اور اپنی بیوی کو اپنے ہاں لے آیا O اور اس کو نہ جانا جب تک اسکے بیٹا نہ ہوا اور اس کا نام یسوع رکھا O

(متی، باب: ١، آیت: ١٨ تا ٢٥، نیا عہد نامہ، ص ٥، بائبل سوسائٹی، انارکلی، لاہور، ١٩٩٢ء)

لوقا کی انجیل میں ہے:

چھٹے مہینہ میں جبرائیل فرشتہ خدا کی طرف سے گلیل کے ایک شہر میں جس کا نام ناصرہ تھا ایک کنواری کے پاس بھیجا گیا O جس کی منگنی داؤد کے گھرانہ کے ایک مرد یوسف نام سے ہوئی تھی اور اس کنواری کا نام مریم تھا O اور فرشتہ نے اسکے پاس اندر آکر کہا: سلام تجھ کو جس پر فضل ہوا ہے! خداوند تیرے ساتھ ہے O وہ اس کلام سے بہت گھبرا گئیں اور سوچنے لگیں کہ یہ کیسا کلام ہے O فرشتہ نے اس سے کہا: اے مریم! خوف نہ کر، کیونکہ خدا کی طرف سے تجھ پر فضل ہوا ہے O اور دیکھ تو حاملہ ہوگی اور تیرے بیٹا ہوگا۔ اسکا نام یسوع رکھنا O وہ بزرگ ہوگا اور خدا تعالیٰ کا بیٹا کہلائے گا اور خداوند، خدا اس کے باپ داؤد کا تخت اسے دیگا O اور وہ یعقوب کے گھرانہ پر ابد تک بادشاہی کریگا اور اسکی بادشاہی کا آخر نہ ہوگا O مریم نے فرشتہ سے کہا: یہ کیونکر ہوگا جب کہ میں مرد کو نہیں جانتی؟ O اور فرشتہ نے جواب میں اس سے کہا کہ روح القدس تجھ پر نازل ہوگا اور خدا تعالیٰ کی قدرت تجھ پر سایہ ڈالیگی O اور اس سبب سے وہ مولود مقدس خدا کا بیٹا کہلائیگا اور دیکھ تیری رشتہ دار الیشبع کے بھی بڑھاپے میں بیٹا ہونے والا ہے اور اب اسکو جو بانجھ

کہلاتی تھی چھٹا مہینہ ہےO کیونکہ جو قول خدا کی طرف سے ہے وہ ہرگز بے تاثیر نہ ہوگاO مریم نے کہا: دیکھ میں خداوند کی بندی ہوں، میرے لیے تیرے قول کے موافق ہوO تب فرشتہ اس کے پاس سے چلا گیاO

انہی دنوں مریم اٹھی اور جلدی سے پہاڑی ملک میں یہودا کے ایک شہر کو گئیO اور زکریاہ کے گھر میں داخل ہو کر الیشبع کو سلام کیاO اور جونہی الیشبع نے مریم کا سلام سنا تو ایسا ہوا کہ بچہ اس کے رحم میں اچھل پڑا اور الیشبع روح القدس سے بھر گئیO اور بلند آواز سے پکار کر کہنے لگی کہ تو عورتوں میں مبارک ہے اور تیرے رحم کا پھل مبارک ہےO اور مجھ پر یہ فضل کہاں سے ہے کہ میرے خداوند کی ماں میرے پاس آئی؟O کیونکہ دیکھ جونہی تیرے سلام کی آواز میرے کان میں پہنچی بچہ مارے خوشی کے میرے رحم میں اچھل پڑاO اور مبارک ہے وہ جو ایمان لائی کیونکہ جو باتیں خداوند کی طرف سے اسے کہی گئی تھیں وہ پوری ہونگیO

(لوقا، باب: ۲۶، آیت: ۲۶ تا ۴۵، نیا عہد نامہ، ص ۵۲، بائبل سوسائٹی، انارکلی، لاہور، ۱۹۹۲ء)

انجیل کی ان آیات میں نہ صرف یہ ثبوت ہے کہ حضرت عیسیٰ یوسف نجار کے بیٹے نہ تھے اور وہ مقدس کنواری حضرت مریم سے بن باپ کے نفخ جبریل سے پیدا ہوئے اور اس میں یہ بھی ثبوت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کی نسل سے تھے جس کو ہم نے پہلے الانعام: ۸۵ اور متعدد احادیث کے حوالوں سے ثابت کیا تھا اور اب لوقا کی انجیل میں بھی یہ صراحت آ گئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کی نسل سے تھے، مسلمانوں کے اطمینان کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔ (سعیدی غفرلہ)

اِذۡ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيۡسٰٓى اِنِّىۡ مُتَوَفِّيۡكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَجَاعِلُ الَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡكَ فَوۡقَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ‌ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرۡجِعُكُمۡ فَاَحۡكُمُ بَيۡنَكُمۡ فِيۡمَا كُنۡتُمۡ فِيۡهِ تَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۵۵﴾

(اے رسول اکرم! یاد کیجئے) جب اللہ نے فرمایا: اے عیسیٰ! بے شک میں آپ کی (طبعی) عمر پوری فرمانے والا ہوں اور آپ کو اپنی طرف (آسمان پر) اٹھانے والا ہوں اور کفار (کے بہتان) سے آپ کو بری فرمانے والا ہوں، اور آپ کے پیروکاروں کو قیامت تک کفار پر (دلیل سے) غالب فرمانے والا ہوں، پھر تم سب کا میری ہی طرف لوٹنا ہوگا، پھر میں تمہارے درمیان اس چیز میں فیصلہ فرماؤں گا جس میں تم اختلاف کرتے تھےO

فَاَمَّا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فَاُعَذِّبُهُمۡ عَذَابًا شَدِيۡدًا فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ وَمَا لَهُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِيۡنَ ﴿۵۶﴾

پس رہے وہ لوگ جنہوں نے کفر کو اختیار کیا، میں ان کو دنیا اور آخرت میں سخت عذاب دوں گا اور ان کے لیے کوئی مددگار نہیں ہوگاO

وَاَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيۡهِمۡ اُجُوۡرَهُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۵۷﴾

اور رہے وہ لوگ جنہوں نے ایمان کو اختیار کیا اور انہوں نے نیک اعمال کئے تو اللہ ان کو ان کی نیکیوں کا پورا پورا اجر عطا فرمائیں گے اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں فرماتے O

ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۵۸﴾

یہ وہ پُر از حکمت کلام اور نصیحت ہے جس کی ہم آپ کے سامنے تلاوت فرماتے ہیں O

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۵۹﴾

بے شک اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی مثل ہے، اللہ نے اس کو مٹی سے پیدا فرمایا، پھر اس سے فرمایا: ''ہو'' سو وہ ہو گیا O

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۶۰﴾

یہ آپ کے رب کی طرف سے برحق کلام ہے، تو (اے رسولِ اکرم!) آپ (بالفرض) شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں O

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۟ قف ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۱﴾

پھر (اے رسولِ اکرم!) جو لوگ آپ پر وحی نازل ہونے کے بعد آپ سے عیسیٰ کے متعلق کٹ حجتی کریں تو آپ اُن سے کہیے: آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلالیں اور تم اپنے بیٹوں کو بلالو اور ہم اپنی عورتوں کو بلالیں اور تم اپنی عورتوں کو بلالو اور ہم اپنے آپ کو حاضر رکھیں اور تم بھی اپنے آپ کو حاضر کرو، پھر ہم مباہلہ کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں O

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۲﴾

بے شک یہی ضرور سچا قصہ ہے اور اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، اور بے شک اللہ ضرور بہت غالب اور بے حد حکمت والے ہیں O

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۳﴾ ع

پھر اگر وہ رُوگردانی کریں تو بے شک اللہ فساد کرنے والوں کو خوب جاننے والے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسول اکرم! یاد کیجئے) جب اللہ نے فرمایا: اے عیسیٰ! بے شک میں آپ کی (طبعی) عمر پوری فرمانے والا ہوں اور آپ کو اپنی طرف (آسمان پر) اٹھانے والا ہوں اور کفار (کے

بہتان) سے آپ کو بری فرمانے والا ہوں، اور آپ کے پیروکاروں کو قیامت تک کفار پر (دلیل سے) غالب فرمانے والا ہوں، پھر تم سب کا میری ہی طرف لوٹنا ہوگا، پھر میں تمہارے درمیان اس چیز میں فیصلہ فرماؤں گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے O" (آل عمران: ۵۵)

"اِذۡ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیۡسٰۤی اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ":

لفظِ وفات اور توفی کے معنی کی تحقیق

آلِ عمران: ۵۵ میں "مُتَوَفِّیۡکَ" کا لفظ ہے، اس کا مادّہ وفات اور اس کا مصدر توفّی ہے۔

علامہ السید محمد مرتضیٰ بن محمد الحسینی الزبیدی الحنفی التوفی ۱۲۰۵ھ "وفات اور توفّی" کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس لفظ کا مجازی معنی موت ہے، جب کوئی شخص مرجائے تو کہا جاتا ہے "تُوُفِّیَ فُلَانٌ"۔

علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری التوفی ۳۹۸ھ نے "الصحاح" میں لکھا ہے:

جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کی روح کو قبض فرمالے تو کہا جاتا ہے "تَوَفَّاہُ اللہ"۔ اور دوسروں نے لکھا ہے "تَوَفَّی المَیِّت" کا معنی ہے: اس شخص کی مدتِ حیات پوری ہوگئی اور دنیا میں اس کی زندگی کے مہینوں اور دنوں کا عدد پورا ہوگیا۔ اور اسی اعتبار سے قرآنِ مجید میں ہے: "اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الۡاَنۡفُسَ حِیۡنَ مَوۡتِہَا (الزمر: ۴۲)" یعنی اللہ تعالیٰ دنیا میں ان کی موت کے وقت اُن کی مدتِ حیات کے دنوں کو پورا فرمالیتا ہے۔ (تاج العروس من جواہر القاموس، جزء ۴۰، ص ۱۰۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۳ھ)

آل عمران: ۵۵ میں "مُتَوَفِّیۡکَ" کے معنی میں مفسرین کے اقوال

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس الرازی ابن ابی حاتم التوفی ۳۲۷ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

قتادہ نے کہا: "اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ" میں ترتیب اُلٹ ہے اور اس کا معنی ہے "اِنِّیۡ رَافِعُکَ اِلَیَّ وَمُتَوَفِّیۡکَ" یعنی میں آپ کو اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور آپ کو وفات دینے والا ہوں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم: ۳۵۸۳)

عباد بن منصور بیان کرتے ہیں: میں نے حسن بصری سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا کہ "رَافِعُکَ اِلَیَّ" کا کیا معنی ہے؟ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے پاس آسمان پر اٹھالیا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم: ۳۵۸۴)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی البصری التوفی ۴۵۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کی تفسیر میں چار اقوال ہیں:

(۱) حسن بصری، ابن جریج اور ابن زید نے کہا: اس کا معنی ہے کہ میں بغیر موت اور وفات کے آپ کو آسمان کی طرف اٹھانے والا ہوں۔ (۲) الربیع نے کہا: میں آپ پر نیند طاری کر کے آپ کو آسمان کی طرف اٹھانے والا ہوں۔ (۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میں آپ کو موت کی صورت میں وفات دینے والا ہوں۔ (۴) الفراء نے کہا: اس آیت میں تقدیم اور تاخیر ہے یعنی میں آپ کو آسمان کی طرف اٹھانے والا ہوں اور پھر اس کے بعد آپ پر موت طاری کر کے آپ کو وفات دینے والا ہوں۔

(النکت والعیون، ج ۱ ص ۳۹۷، موسسۃ الکتب الثقافیہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ ابوحفص عمر بن علی الدمشقی الحنبلی المتوفی ۸۸۰ ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کی تفسیر میں حسبِ ذیل اقوال ہیں:

(۱) میں آپ کی عمر مکمل فرمانے والا ہوں، جب آپ کی عمر مکمل ہو جائے گی اس وقت میں آپ کو وفات دوں گا۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور محمد بن اسحاق نے کہا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ میں آپ کو طبعی موت دینے والا ہوں اور اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ آپ کے دشمن یہود آپ کو قتل نہیں کر سکیں گے اور اس موت کی مقدار کے متعلق تین اقوال ہیں:

(۱) وہب بن منبہ نے کہا: آپ پر تین گھنٹے موت آئی، پھر آپ کو زندہ فرما کر آسمان پر اٹھالیا گیا۔ (۲) محمد بن اسحاق نے کہا: سات گھنٹے تک آپ پر موت رہی، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو زندہ فرما کر آسمان پر اٹھالیا۔ (۳) الربیع بن انس نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس حال میں آپ پر نیند طاری فرمادی جس حال میں آپ کو آسمان کی طرف اٹھایا جیسے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الۡاَنۡفُسَ حِيۡنَ مَوۡتِهَا وَالَّتِىۡ لَمۡ تَمُتۡ فِىۡ مَنَامِهَا ۚ فَيُمۡسِكُ الَّتِىۡ قَضٰى عَلَيۡهَا الۡمَوۡتَ وَيُرۡسِلُ الۡاُخۡرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى (الزمر: ۴۲)'' (اللہ لوگوں کی جانوں کو ان کی موت کے وقت قبض فرماتا ہے اور جن کی موت نہیں آئی ان کی نیند کے وقت ان کی جانوں کو قبض فرماتا ہے، پھر جس کی موت کو مقدر فرماتا ہے اس کی جان کو روک لیتا ہے اور دوسری جان کو ایک مقرر وقت تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے)۔

(۳) اس آیت میں فرمایا ہے: ''اِنِّىۡ مُتَوَفِّيۡكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ'' اور وفات اور رفع کے درمیان واوِ عاطفہ ہے، اور واوِ عاطفہ ترتیب کا تقاضا نہیں کرتی، یعنی پہلے آسمان کی طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھایا جائے گا اور پھر اُن پر وفات طاری کی جائے گی، کیونکہ دلیل سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں اور آسمان سے نازل ہوں گے اور دجال کو قتل فرمائیں گے، پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ اُن پر وفات طاری فرمائے گا۔

(۴) ''التوفی'' کا معنی ہے: کسی چیز کو پورا پورا لینا، یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح اور اُن کے جسم کو پورا پورا آسمان کی طرف اٹھالیا گیا۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی المالکی المتوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

صحیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر وفات کے اور بغیر نیند کے آسمان کی طرف اٹھالیا، جیسا کہ حسن بصری اور ابن زید نے کہا ہے اور یہی ابن جریر طبری کا مختار ہے اور یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی صحیح روایت ہے۔

الضحاک نے کہا کہ اس کا قصہ اس طرح ہے کہ جب یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری بالا خانہ میں جمع ہوئے اور وہ بارہ (۱۲) مرد تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام بالا خانہ کے روشن دان سے اُن کے پاس داخل ہوئے تو ابلیس لعین نے تمام یہودیوں کو اس کی خبر دے دی، پس چار ہزار یہودیوں نے ان کا پیچھا کیا اور بالا خانہ کے دروازہ کو پکڑا تو حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے فرمایا: تم میں سے کون نکلے گا اور قتل کیا جائے گا اور میرے ساتھ جنت میں ہوگا؟ تو ایک حواری نے کہا: اے اللہ کے نبی! میں، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اُن کے اوپر اون کا چغہ پہنا دیا اور اُون کا عمامہ اُن پر باندھ دیا اور اپنی لاٹھی ان کے ہاتھ میں دے دی اور اُن کے اوپر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شِبہ (مثل) ڈال دی گئی، سو وہ یہود کے سامنے آئے تو یہود نے

اُن کو قتل کر دیا اور اُن کو سولی پر چڑھا دیا، اور رہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو نور کا لباس پہنایا اور اُن سے بھوک اور پیاس کی خواہش کو منقطع فرما دیا، پھر وہ فرشتوں کے ساتھ اڑ کر آسمان پر چلے گئے اور اُن کے متعلق ان کے اصحاب کے تین فرقے ہو گئے: (۱) الیعقوبیۃ نے کہا: اللہ ہم میں تھا، پھر وہ آسمان کی طرف چڑھ گیا (۲) النسطوریۃ نے کہا: اللہ نے جب تک چاہا ہم میں ابن اللہ رہا، پھر اللہ نے اس کو اپنی طرف اٹھالیا (۳) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صحیح پیروکاروں نے کہا: ہم میں اللہ کے بندے اور اس کے رسول اس وقت تک رہے جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا، پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپنی طرف اٹھالیا۔

پھر کفار صحیح پیروکاروں پر غالب آ گئے اور انہوں نے صحیح پیروکاروں کو مغلوب کر دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صحیح تعلیم مٹ گئی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَ كَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ۝ (الصف: ۱۴)

اے ایمان والو! اللہ (کے دین) کے مددگار بن جاؤ جیسا کہ عیسیٰ ابن مریم نے حواریین سے کہا: اللہ (کے دین) کی طرف میرا مددگار کون ہے؟ تو حواریین نے کہا: ہم اللہ کے (دین کے) مددگار ہیں، پس بنی اسرائیل کا ایک گروہ ایمان لے آیا اور دوسرے گروہ نے کفر کو اختیار کیا، پس ہم نے ایمان والوں کی اُن کے دشمنوں کے خلاف مدد فرمائی، سو ایمان والے کفار پر غالب ہو گئے O

(اللباب فی علوم الکتاب، ج ۵، ص: ۲۶۶۔۲۶۸، ملخصاً وملتقطاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۱ء)

بعض آزاد منش (Liberal) لوگوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ آسمان پر اٹھائے جانے کا انکار کرنا

سرسید احمد خان متوفی ۱۸۹۸ء لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ کی وفات کے متعلق چار جگہ ذکر آیا ہے۔

اول تو سورۂ آل عمران میں اور وہ یہی آیت ہے جس کی ہم تفسیر لکھتے ہیں: ''اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ... (آل عمران: ۵۵)'' (کہ جب اللہ نے عیسیٰ سے کہا کہ بے شک میں تجھ کو وفات دینے والا ہوں اور تجھ کو اپنی طرف رفع کرنے والا ہوں)۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے ثبوت میں سرسید احمد خان کی پہلی دلیل کا مصنف کی طرف سے جواب

میں کہتا ہوں: ''مُتَوَفِّيْكَ'' اسم فاعل کا صیغہ ہے جو حال اور استقبال کے معنی میں ہوتا ہے اور یہاں مراد استقبال ہے یعنی مستقبل میں، مَیں آپ کو وفات دینے والا ہوں۔ جب آسمان سے نزول کے بعد آپ اپنی طبعی حیات کو پورا کر کے زمین پر آئیں گے اور اللہ تعالیٰ نے جو آپ کے لیے دجال کو قتل کرنا مقدر فرمایا ہے وہ کر لیں گے اور اپنی دیگر ذمہ داریوں کو پورا کر لیں گے تو پھر اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو وفات دے دے گا اور آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان کی قبر انور میں مدفون ہوں گے، حدیث میں ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: عنقریب تم میں ابن مریم (آسمان سے) نازل ہوں گے جو عدل سے فیصلے فرمائیں

گے، پس وہ صلیب کو توڑ ڈالیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے اور الجزیۃ کو موقوف کردیں گے اور مال اس قدر بہائیں گے کہ کوئی اس کو قبول کرنے والا نہیں ہوگا، اور اس وقت ایک سجدہ کرنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا، پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہ کہتے تھے: اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو: ''وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۝ ۔ (النساء: ۱۵۹)'' (اور (نزولِ مسیح کے وقت) اہلِ کتاب میں سے ہر شخص ضرور بہ ضرور عیسیٰ کی موت سے پہلے ان پر ایمان لے آئے گا اور قیامت کے دن عیسیٰ ان پر گواہ ہوں گے)۔ (صحیح البخاری: ۲۲۲۲، ۳۴۴۸، صحیح مسلم: ۱۵۵، سنن ترمذی: ۲۲۳۳، سنن ابن ماجہ: ۴۰۷۸، مسند احمد: ۷۲۶۷)

صحیح البخاری کی اس حدیث میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے نزول کا ذکر ہے اور آسمان سے نزول اس کو مستلزم ہے کہ اس سے پہلے ان کو آسمان پر اٹھایا گیا ہو، سو یہ حدیث حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کی دلیل ہے۔ نیز اس حدیث میں النساء: ۱۵۹ کا ذکر ہے جس میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے اہلِ کتاب میں سے ہر شخص ان پر ایمان لے آئے گا، اب غور کیجئے! کہ ابھی تک تو اہلِ کتاب میں سے تمام لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہیں لائے خصوصاً یہود تو اُن کی بہت مذمت کرتے ہیں اور ان کو کافر قرار دیتے ہیں اور اپنے زعم میں انہوں نے ان کو قتل کر ڈالا تھا، تو ضرور تمام اہلِ کتاب کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا اس وقت متحقق ہوگا جب وہ آسمان سے زمین پر نازل ہوں گے اور اسی وقت تمام دنیا پر ان کی حکومت ہوگی، وہ صلیب کو توڑ ڈالیں گے، حالانکہ ابھی تک تو صلیب نہیں توڑی گئی اور تمام عیسائی اپنے گلوں میں فخر کے ساتھ چاندی، سونے یا پیتل کی صلیب بنا کر لٹکاتے ہیں اور جنہیں اس کی توفیق نہیں ہوتی وہ اپنے گلے میں کپڑے کا پھندا ڈالتے ہیں جس کو فیشن کا روپ دے کر ٹائی کا نام دے دیا گیا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ ابھی تک صلیب نہیں توڑی گئی اور صلیب کے آثار باقی ہیں۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ وہ خنزیر کو قتل کریں گے حالانکہ دنیا میں عیسائی اور غیر مسلم ابھی تک خنزیر کو کھاتے ہیں۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ وہ جزیہ کو موقوف کریں گے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کے آنے کے بعد تمام دنیا میں اسلام پھیل جائے گا اور کفار کا وجود نہیں رہے گا تو نہ اُن کے خلاف جہاد ہوگا اور نہ اُن سے جزیہ لیا جائے گا کیونکہ اب کافر ہوں گے ہی نہیں، اور وہ اس قدر مال بہائیں گے کہ کسی کو مال کی ضرورت نہیں رہے گی اور یہ بات آفتاب سے زیادہ روشن ہے کہ ابھی تک یہ امور وقوع میں نہیں آئے، یہ امور جب ہی وقوع میں آئیں گے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول ہوگا، اور نزول فرع ہے صعود کی، سو یہ حدیث حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کی واضح ترین دلیل ہے۔

نیز ایک اور حدیث ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تمہاری کیا شان ہوگی جب تم میں ابنِ مریم نازل ہوں گے اور امام تم میں سے ہوگا۔ (صحیح البخاری: ۳۴۴۹، صحیح مسلم: ۱۵۵، مسند احمد: ۸۲۲۶)

یہ حدیث بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے اور پھر آسمان سے زمین پر نازل ہونے کی روشن ترین دلیل ہے۔

نیز حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عیسیٰ ابن مریم ضرور نازل ہوں گے، احکام نافذ کرنے والے، انصاف کرنے والے، امام عادل ہوں گے، وہ ضرور راستوں پر حج یا عمرہ کرنے جائیں گے، وہ ضرور میری قبر پر آئیں گے

اور مجھ کو سلام کریں گے اور میں ان کو سلام کا جواب دوں گا۔ (المستدرک: ج ۲ ص ۵۵۵، دار الباز، مکہ مکرمہ)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے اس حدیث کا یہ عنوان قائم کیا ہے: ''حیاته صلی الله علیه وسلم فی قبره'' (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک میں حیات کا ثبوت)۔

امام ابو یعلیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث روایت کی ہے: ''ولئن قام علی قبری فقال یا محمد لأُجِیبنّهُ'' (اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے میری قبر پر کھڑے ہو کر کہا: یا محمد! تو میں ضرور ان کی نداء کا جواب دوں گا)۔

(المطالب العالیہ ج ۴ ص ۲۳، الباز، مکہ مکرمہ)

امام احمد بن یعلیٰ بن المثنیٰ التمیمی المتوفی ۳۰۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں ابو القاسم کی جان ہے! ضرور بہ ضرور عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے، امام، انصاف کرنے والے، عدل سے حکومت کرنے والے، وہ ضرور بہ ضرور صلیب کو توڑ ڈالیں گے، اور وہ ضرور بہ ضرور خنزیر کو قتل کر ڈالیں گے، اور وہ ضرور بہ ضرور لڑنے والوں کے درمیان صلح فرمائیں گے، اور وہ ضرور بہ ضرور بغض کو دور کریں گے، اور وہ ضرور بہ ضرور جب ان پر مال پیش کیا جائے گا وہ اس کو قبول نہیں فرمائیں گے، پھر اگر وہ میری قبر (انور) پر کھڑے ہو کر کہیں: یا محمد! تو میں ضرور بہ ضرور ان کی نداء کا جواب دوں گا۔

(مسند ابو یعلیٰ ج ۱۱ ص ۴۶۲، رقم الحدیث: ۶۵۸۴، دار الثقافة العربیة، دمشق، ۱۴۱۳ھ)

ان احادیث میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے اور پھر آسمان سے نازل ہونے اور قربِ قیامت میں وفات پانے کا ثبوت ہے، علاوہ اس حدیث میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کا بھی ثبوت ہے اور اس کا بھی ثبوت ہے کہ آپ کو ''یا محمد'' کے ساتھ نداء کرنا جائز ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے ثبوت میں سرسید احمد خان کی دوسری دلیل

نیز سرسید احمد خان لکھتے ہیں:

دوم: سورۂ مائدہ میں جہاں فرمایا ہے کہ ''جب اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ سے کہے گا کہ کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ تجھ کو اور تیری ماں کو خدا بناؤ تو حضرت عیسیٰ کہیں گے: میں نے ان سے نہیں کہا بجز اس کے جس کا تو نے مجھ کو حکم دیا تھا کہ خدا کی عبادت کرو جو میرا وتمہارا پروردگار ہے اور جب تک میں ان میں رہا ان پر شاہد تھا، پھر جب تو نے مجھ کو وفات دی تو تو ان پر نگہبان تھا اور تو ہر چیز پر گواہ ہے'' (المائدہ: ۱۱۷)۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے ثبوت میں سرسید احمد خان کی دوسری دلیل کا مصنف کی طرف سے جواب

المائدہ: ۱۱۷ میں مذکور ہے: ''كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِىْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ۔ (المائدہ: ۱۱۷)''۔

اس آیت میں ''فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِىْ'' سے سرسید احمد خان کا مدعا پورا نہیں ہوتا، کیونکہ اس آیت کا معنی ہے: ''جب آپ نے مجھے آسمان کی طرف اٹھا کر یہود سے مجھے بچانے کا اپنا وعدہ پورا فرما لیا تو پھر آپ ان لوگوں کے نگران اور نگہبان تھے'' اور اس سے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ آسمان پر اٹھائے جانے کی نفی نہیں ہوتی۔ اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ جب آسمان سے زمین پر نزول کے بعد اور تمام ذمہ داریاں پوری کرنے کے بعد جب آپ مجھے وفات دے دیں گے تو اس وقت آپ ہی ان پر نگہبان اور نگران ہوں گے، سو اس سے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے سے پہلے حیات کی نفی نہیں ہوتی۔ (سعیدی غفرلہٗ)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے ثبوت میں سر سید احمد خان کی تیسری دلیل

سر سید احمد خان لکھتے ہیں:

سوم: سورۂ مریم میں جہاں فرمایا ہے کہ ''جب حضرت مریم حضرت عیسیٰ کو علمائے یہود سے کلام کرنے کو لے آئیں تو حضرت عیسیٰ نے کہا کہ میں خدا کا بندہ اور نبی ہوں، مجھ کو کتاب ملی ہے اور مجھ کو حکم دیا ہے نماز کا اور زکوٰۃ کا کہ جب تک کہ میں زندہ رہوں اور اپنی ماں کے ساتھ نیکی کرنے کا اور اس کو جبار و شقی نہیں بنایا ہے اور مجھ پر سلامتی ہے جس دن کہ میں پیدا ہوا اور جس دن کہ مروں گا اور جس دن کہ پھر زندہ ہو کر اٹھوں گا (یعنی بروزِ حشر)۔ (مریم: ۳۱۔۳۲۔۳۳۔۳۴)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے ثبوت میں سر سید احمد خان کی تیسری دلیل کا مصنف کی طرف سے جواب

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

''وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا۔ (مریم: ۳۱)'' (اور جب تک میں زندہ رہوں مجھے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے)، اس آیت سے نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے سے پہلے حیات کی نفی ہوتی ہے اور نہ سر سید احمد خان کا مدعا پورا ہوتا ہے، پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام قربِ قیامت تک زندہ رہیں گے اور آسمان سے نزول کے بعد بھی زندہ رہیں گے اور نماز قائم فرماتے رہیں گے، تو اس آیت میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو آسمان پر اٹھائے جانے سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات کی نفی پر دلیل ہو، لہٰذا سر سید احمد خان کا اس آیت سے مدعا بالکل پورا نہیں ہوتا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے ثبوت میں سر سید احمد خان کی چوتھی دلیل

سر سید احمد خان لکھتے ہیں:

چہارم: سورۂ نساء میں جہاں یہودیوں کے کفر کے اقوال بیان کئے ہیں، وہاں ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''یہودی کہتے تھے: ہم نے عیسیٰ بن مریم رسولِ خدا کو قتل کر ڈالا حالانکہ نہ انہوں نے ان کو قتل کیا اور نہ صلیب پر مارا ولیکن ان پر (صلیب پر مار ڈالنے کی) شبیہ کر دی گئی اور جو لوگ کہ اس میں اختلاف کرتے ہیں کہ البتہ وہ اس بات میں شک میں پڑے ہیں کہ ان کو اس کا یقین نہیں ہے بجز گمان کی پیروی کے انہوں نے ان کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ خدا نے اپنے پاس ان کو اٹھا لیا''۔ (النساء: ۱۵۶)۔

پہلی تین آیتوں سے حضرت عیسیٰ کا اپنی موت سے وفات پانا علانیہ ظاہر ہے مگر جو کہ علمائے اسلام نے بہ تقلید بعض فرق نصاریٰ کہ قبل اس کے کہ مطلب قرآن مجید کے غور کریں یہ تسلیم کر لیا تھا کہ حضرت عیسیٰ زندہ آسمان پر چلے گئے ہیں، اس لیے انہوں نے ان آیتوں کے بعض الفاظ کو اپنی غیر محقق تسلیم کے مطابق کرنے کی بے جا کوشش کی ہے۔

پہلی آیت میں صاف لفظِ ''مُتَوَفِّیْكَ'' کا واقع ہے جس کے معنی عموماً ایسے مواقع پر موت کے لیے کیے جاتے ہیں۔

یہی حال لفظِ ''تَوَفَّيْتَنِىْ'' کا ہے جو دوسری آیت کا ہے اور جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ جب تو نے مجھے موت دی اور میں مر گیا اور میں ان میں نہیں رہا اور تو ان کا نگہبان تھا۔

پہلی آیت میں اور چوتھی آیت میں لفظ ''رفع'' کا بھی آیا ہے جس سے حضرت عیسیٰ کی قدر و منزلت کا اظہار مقصود ہے نہ یہ کہ ان کے جسم کو اٹھا لینے کا۔

جن علماء نے ''مُتَوَفِّيْكَ'' کے معنی ''مميتك'' قرار دیئے تھے انہوں نے قرآن مجید کے ٹھیک ٹھیک معنی سمجھے تھے، ان کا خیال تھا کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ کو قتل نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی موت سے مرے مگر انہوں نے ''رَافِعُكَ'' کے معنوں میں غلطی کی جو یہ خیال کیا کہ پھر زندہ ہو کر آسمان پر چلے گئے، کیونکہ ''رَافِعُكَ'' کے لفظ سے جیسا ہم نے اوپر بیان کیا آسمان پر جانا لازم نہیں آتا۔

حضرت عیسیٰ کو یہودیوں نے نہ سنگسار کر کے قتل کیا نہ صلیب پر قتل کیا بلکہ وہ اپنی موت سے مرے اور خدا نے ان کے درجہ اور موت کو مرتفع کیا۔

اب باقی رہی چوتھی آیت جس میں مذکور ہے ''وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ''۔ تشبیہ میں چار چیزیں ہوتی ہیں: ایک مشبہ، ایک مشبہ بہ، ایک وجہ تشبیہ اور ایک مشبہ لہٗ، اس آیت میں صرف دو چیزیں بیان ہوئی ہیں ایک مشبہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے دوسری مشبہ لہم جو یہودی تھے اور جو درپے قتلِ حضرت مسیح تھے۔ مشبہ بہ قرآن مجید میں مذکور نہیں ہے، علمائے اسلام نے جب بعض عیسائی فرقوں کا یہ قول پایا کہ شمعون یا یہودا جب صلیب پر چڑھایا گیا تھا انہوں نے جھٹ قرآن کے معنی بدل دیے، اور یہودا یا شمعون کو مشبہ اور حضرت عیسیٰ کو مشبہ بہ اور یہودا یا شمعون کی تبدیل صورت کو وجہ تشبیہ قرار دیا، حالانکہ یہاں صرف مشبہ بہ محذوف ہے اور وہ ''موتیٰ'' ہے اور وجہ تشبیہ وہ حالت ہے جو حضرت عیسیٰ پر طاری ہوئی تھی جس کے سبب وہ مردہ تصور ہوئے تھے۔ پس تقدیر آیت کی یہ ہے کہ ''وما صلبوہ ولکن شبہ لھم بالموتیٰ'' اور اس مقام پر صلیب کا کچھ ذکر نہیں ہے بلکہ صرف قتل کی نفی کی اور اس سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ اوپر جو صلیب کی نفی کی تھی اس سے نفی قتل بالصلیب مراد تھی نہ مطلق صلیب کی۔ ثم اماتہ اللہ باجل مسمی و رفعہ الیہ کما قال اللہ تعالیٰ بل رفعہ اللہ الیہ۔ (تفسیر القرآن وھو الھدیٰ والفرقان ج ۲ ص ۴۱-۴۶ ملخصاً و ملتقطاً، سرسید ریسرچ اکیڈمی، لاہور ۲۰۱۰ء)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے ثبوت میں سرسید احمد خان کی چوتھی دلیل کا مصنف کی طرف سے جواب

سرسید احمد خان نے کہا ہے کہ اس آیت میں مشبہ بہ ''موتیٰ'' ہے یعنی مُردہ مسیح، اور مشبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، گویا زندہ مسیح کو مُردہ مسیح کے ساتھ تشبیہ دی گئی، اول تو یہ سرسید احمد کی تفسیر بالرائے ہے، انہوں نے اس پر نہ کسی حدیث کا حوالہ پیش کیا، نہ کسی صحابی یا تابعی کے قول کا حوالہ پیش کیا کہ اس آیت میں مشبہ زندہ مسیح ہے اور مشبہ بہ مُردہ مسیح ہے، علاوہ ازیں مشبہ اور مشبہ بہ میں تغایر ہوتا ہے اور مسیح کی ذات میں تو کوئی تغایر نہیں ہے خواہ وہ زندہ ہو یا مُردہ ہو، حالانکہ تمام انبیاء علیہم السلام زندہ ہوتے ہیں، حدیث میں ہے:

''ان اللہ عزوجل حرّم علی الارض اجساد الانبیاء'' (اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے اجسام کے کھانے کو زمین پر حرام فرما دیا ہے)۔ (سنن ابوداؤد: ۱۰۴۷، ۱۵۳۱، سنن نسائی: ۱۳۷۳، سنن ابن ماجہ: ۱۰۸۵)

اس لیے سرسید احمد کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مُردہ مسیح لکھنا نہ صرف یہ کہ غلط اور خلافِ حدیث ہے بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں

سخت ترین بے ادبی اور گستاخی ہے۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو اس سے محفوظ رکھے۔ سر سید احمد خان نے تو بلا حوالہ اور بلا دلیل مشبہ بہ مُردہ مسیح قرار دیا ہے اور ہم با حوالہ حدیث صحیح سے بیان کرتے ہیں کہ مشبہ بہ کون ہے:

حافظ ابو القاسم علی بن الحسن بن ہبۃ اللہ الشافعی المعروف بابن عساکر المتوفی ۵۷۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھانے کا ارادہ فرمایا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے اصحاب کے پاس آئے اور وہ ایک گھر میں بارہ (۱۲) مرد تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: بے شک تم میں سے ایک ایسا شخص ہے جو مجھ پر ایمان لانے کے بعد بارہ مرتبہ میرے کفر کو اختیار کرے گا، پھر فرمایا: تم میں سے کون ہے جس کے اوپر میری شبہ ڈالی جائے اور اس کو میری جگہ قتل کر دیا جائے اور وہ میرے ساتھ جنت میں میرے درجہ میں ہو، پس ان میں سے ایک کم عمر نوجوان کھڑا ہوا اور اس نے کہا: میں ہوں، پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: بیٹھ جاؤ، پھر دوبارہ پوچھا: تو پھر نوجوان نے کہا: میں ہوں، آپ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ، پھر سہ بارہ پوچھا: پھر نوجوان نے کہا: میں ہوں، آپ نے فرمایا: ہاں! تم ہی ہو تو ان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبہ ڈال دی گئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس مکان کے روشن دان سے آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۵۰ ص ۳۳۱۔۳۳۲، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ آسمان پر اٹھائے جانے کی نفی اور موت کے ثبوت میں غلام احمد پرویز کے دلائل

آنجہانی غلام احمد پرویز متوفی ۱۸۹۸ء لکھتے ہیں:

یہ حقیقت ہے کہ حضرت عیسیٰ بھی دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح وفات پا چکے ہیں، قرآن کریم کے متعدد مقامات سے واضح ہے جن کا ذکر اپنے اپنے مقام پر آئے گا، یہاں دو ایک شہادات پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ سورۂ مائدہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ سے پوچھے گا کہ وہ تیری یا تیری والدہ کی پرستش کیا کریں؟ اس کے جواب میں وہ کہیں گے: معاذ اللہ میں بھلا ایسا کیسے کہہ سکتا تھا، باقی رہے یہ لوگ جو میرے امتی ہونے کے مدعی ہیں، سو ان کے متعلق میں اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ ''وَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ۔ (المائدہ: ۱۱۷)'' جب تک میں ان میں رہا ان کا نگران رہا، ''فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِىْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ۔ (المائدہ: ۱۱۷)'' (لیکن جب تو نے مجھے وفات دے دی تو اس کے بعد ان کا نگران تو ہی ہو سکتا تھا)۔ اس آیت میں حضرت عیسیٰ نے اپنی زندگی کے دو ہی مرحلوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک وہ مرحلہ جس میں وہ اپنے متبعین میں رہے۔ اس کے بعد ان کی وفات کے بعد کا مرحلہ۔ اس میں اس درمیانی مرحلہ کا کوئی ذکر نہیں جس میں وہ تمام عقیدے کے مطابق آسمان پر چلے گئے۔ اس سے واضح ہے کہ اپنے متبعین میں رہنے کے بعد ان کی وفات ہو گئی تھی۔ (مطالب الفرقان ج ۴ ص ۱۳۰۔۱۳۱، ادارہ طلوع اسلام، لاہور)

نیز آنجہانی غلام احمد پرویز لکھتے ہیں:

ہم نے اس سے پہلے ایک اور کتاب کا بھی ذکر کیا ہے جس کا نام ہے (THE LIFE OF JESUS) اور جس کے مصنف ہیں (MARCELLO CRAVERI)، اس مصنف نے متعدد حوالوں کی سند کے ساتھ لکھا ہے کہ:

جب رومی سپاہی (حضرت) عیسیٰ کو کشاں کشاں سوئے دار لے جا رہے تھے تو ضعف اور کمزوری کی وجہ سے آپ سے وہ شہتیر اٹھائے نہیں جاتے تھے جنہیں گاڑ کر صلیب بنانا مقصود تھا۔ راستے میں (SIMON) نامی ایک شخص ملا جو کھیتوں میں کام کاج

کرنے کے بعد اپنے گھر واپس جا رہا تھا، رومن سپاہیوں نے اسے بیگار میں پکڑا اور کہا کہ وہ ان شہتیروں کو اٹھا کر ساتھ چلے، چنانچہ اس نے شہتیر اٹھا لیے تو (حضرت) عیسیٰ نے پھر ایسا کیا کہ خود سائمن کی شکل اختیار کر لی اور سائمن (حضرت) عیسیٰ کی شکل اختیار کر گیا، چنانچہ سائمن کو سولی پر چڑھا دیا گیا اور (حضرت) عیسیٰ سائمن بنے صلیب کے نیچے کھڑے مسکراتے رہے۔ (ص: ۳۹۵)

یہ مورخ حقیقت تک تو نہیں لیکن اس کے قریب قریب پہنچ گیا، یعنی اس مقام تک جسے صلیب دیا گیا تھا وہ (حضرت) مسیح نہیں تھے بلکہ کوئی اور تھا۔ (مطالب الفرقان ج ۴ ص ۱۳۴، ادارہ طلوعِ اسلام، لاہور)

نیز آنجہانی غلام احمد پرویز لکھتے ہیں:

یہ ہیں حضرت عیسیٰ کی پیدائش اور وفات کے متعلق وہ حقائق جنہیں میں اپنی بصیرت کے مطابق قرآن مجید سے سمجھ سکا ہوں، جیسا کہ میں نے شروع میں کہا ہے کہ ان عقائد نے ہمارے ہاں بڑی اہمیت حاصل کر رکھی ہے، ایسی اہمیت کہ انہیں کفر اور ایمان کا معیار قرار دے دیا گیا ہے۔ میں اس پر اصرار نہیں کرتا کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے آپ اس سے ضرور اتفاق کریں۔ جو حضرات میری پیش کردہ تصریحات کو صحیح سمجھیں وہ مجھ سے اتفاق کر سکتے ہیں اور جو ایسا نہ سمجھیں وہ جو عقائد جی میں آئے رکھ لیں میں ان سے کسی قسم کی بحث میں نہیں الجھوں گا۔ (مطالب الفرقان ج ۴ ص ۱۳۷، ادارہ طلوعِ اسلام، لاہور)

سر سید احمد خان، غلام احمد پرویز اور دیگر گمراہوں کے افکار کے رد میں حرفِ آخر

میں کہتا ہوں: غلام احمد پرویز نے قرآنِ مجید سے جو دلائل کشید کیے ہیں ان کے جوابات سر سید احمد خان کے جوابات کے ضمن میں آ چکے ہیں اور جو کچھ انہوں نے عیسائی مورخین کے حوالہ سے لکھا ہے وہ ہم پر حجت نہیں ہے، اگر غلام احمد پرویز عیسائی مورخین کی تحقیق کو معتبر گردانتے ہیں تو انہیں مبارک ہو۔ حیرت ہے کہ غلام احمد پرویز اور سر سید احمد خان قرآنِ مجید اور احادیثِ صحیحہ کی تصریحات کو تو نہیں مانتے اور عیسائی مورخین کی عبارات کو حجت قرار دیتے ہیں۔

بارہ سو سال سے زیادہ ہوئے، تمام امتِ مسلمہ اس عقیدہ پر متفق تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ چوتھے آسمان پر اٹھا لیا گیا اور قربِ قیامت میں وہ دوبارہ زمین پر نازل ہوں گے اور عدل و انصاف کے ساتھ فیصلے فرمائیں گے، دجال کو قتل کریں گے اور جزیہ کو موقوف کریں گے اور تمام اہلِ کتاب ان کی وفات سے پہلے ان پر ایمان لائیں گے اور وہ اپنی طبعی عمر پوری کرنے کے بعد وفات پائیں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ انور میں آپ کے جوار میں مدفون ہوں گے، پھر سر سید احمد خان: ۱۸۹۸ء اور ان کے بعد مرزا غلام احمد قادیانی: ۱۹۰۸ء اور اس کے بعد غلام احمد پرویز: 1985ء نے یہ شوشہ چھوڑا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر نہیں اٹھایا گیا اور ان کی وفات ہو گئی، اور چونکہ ہر گمراہ کرنے والے کو چند پیروکار مل جاتے ہیں، سو ان لوگوں کو بھی کچھ پیروکار مل گئے، اللہ تعالیٰ عام مسلمانوں کو اسلاف کے عقائد کے ساتھ وابستہ رکھے اور ان گمراہ لوگوں کے زہریلے پروپیگنڈے سے محفوظ رکھے۔ آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عز و جل کا ارشاد ہے: ”پس رہے وہ لوگ جنہوں نے کفر کو اختیار کیا، میں ان کو دنیا اور آخرت میں سخت عذاب دوں گا اور ان کے لیے کوئی مددگار نہیں ہو گا ○“ (آل عمران: ۵۶)

امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ ھ آل عمران: ۵٦ تا ٦٣ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''فَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا'': ان کافروں سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں، دنیا میں ان کا عذاب یہ ہے کہ اُن کو تلوار سے قتل کر دیا جائے گا اور یا اُن پر جزیہ مقرر کیا جائے گا اور آخرت میں ان کو دوزخ کا دائمی عذاب دیا جائے گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور رہے وہ لوگ جنہوں نے ایمان کو اختیار کیا اور انہوں نے نیک اعمال کئے تو اللہ ان کو ان کی نیکیوں کا پورا پورا اجر عطا فرمائیں گے اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں فرماتے O'' (آل عمران: ۵۷)

''فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ'': یعنی اللہ تعالیٰ مومنین اور نیکوکاروں کو پورا پورا اجر عطا فرمائے گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یہ وہ پُرازحکمت کلام اور نصیحت ہے جس کی ہم آپ کے سامنے تلاوت فرماتے ہیں O'' (آل عمران: ۵۸)

''ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَیْكَ'': اس سے مراد وہ قصے ہیں جن کا بیان فرمایا گیا ہے۔

''وَالذِّكْرِ الْحَكِیْمِ ۞'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد قرآنِ مجید ہے اور الزجاج نے کہا: اس کا معنی ہے کہ وہ ایسا کلام ہے کہ جس کی نظم اور تالیف میں بہت حکمتیں ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی مثل ہے، اللہ نے اس کو مٹی سے پیدا فرمایا: پھر اس سے فرمایا: ''ہو'' سو وہ ہوگیا O'' (آل عمران: ۵۹)

امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ یہ آیت نجران کے وفد کے متعلق نازل ہوئی ہے، ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: آپ ہمارے پیغمبر کو برا کیوں کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں تمہارے پیغمبر کو کیا برا کہتا ہوں؟ انہوں نے کہا: آپ کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے بندے ہیں، آپ نے فرمایا: ہاں! وہ اللہ کے بندے ہیں اور اس کے رسول ہیں اور اس کا پسندیدہ کلمہ ہیں جس کو اس نے مقدس کنواری مریم کی طرف القاء کیا، پس وفدِ نجران کے لوگ غضب ناک ہوگئے اور انہوں نے آپ سے پوچھا: آپ یہ بتائیں کہ کیا آپ نے کوئی ایسا انسان دیکھا ہے جو بغیر باپ کے ہو، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

''اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ'': اہل التفسیر نے کہا ہے: اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ نجران کے عیسائیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں بحث کی جس کی تفصیل البقرہ: ۱۵۳ میں گزر چکی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ کی توجیہ

رہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ دینا، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں کو اللہ تعالیٰ نے بغیر باپ کے پیدا فرمایا۔

''خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ'': یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا فرمایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا: ''ہو'' سو وہ ہوگئے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا تعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہو یعنی مستقبل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمائے گا

''ہو'' سووہ ہوجائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:'' یہ آپ کے رب کی طرف سے برحق کلام ہے ،تو (اے رسولِ اکرم!) آپ (بالفرض) شک کرنے والوں میں سے نہ ہوجائیں O'' (آل عمران: ۶۰)

''اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۞ '': اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب ہے اور مراد مخلوق ہے، کیونکہ آپ کو تو بالکل شک نہیں تھا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:'' پھر (اے رسولِ اکرم!) جولوگ آپ پر وحی نازل ہونے کے بعد آپ سے عیسیٰ کے متعلق کٹ حجتی کریں تو آپ اُن سے کہیے: آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلالیں اور تم اپنے بیٹوں کو بلالو اور ہم اپنی عورتوں کو بلالیں اور تم اپنی عورتوں کو بلالو اور ہم اپنے آپ کو حاضر رکھیں اور تم بھی اپنے آپ کو حاضر کرو، پھر ہم مباہلہ کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں O'' (آل عمران: ۶۱)

''فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ '': اس کی تفسیر میں دوقول ہیں:

(۱) اس کا تعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہے، یعنی اگر کوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق آپ سے بحث کرے (۲) اس کا تعلق اس حق کے ساتھ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے۔

''فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ '': مفسرین نے کہا ہے:''اَبْنَآءَنَا'' سے مراد حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم ہیں، حدیث میں ہے:

جب آلِ عمران: ۶۱ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور آپ نے فرمایا:'' یہ میرے اہل ہیں''۔ (صحیح مسلم: ۲۴۰۴، سنن ترمذی: ۳۷۲۴، المستدرک ج ۳ ص ۱۴۷)

''ثُمَّ نَبْتَهِلْ '': یہ لفظ مباہلہ سے ماخوذ ہے، الزجاج نے کہا: لغت میں الابتہال کا معنی ہے دعا میں مبالغہ کرنا، اور اس کی اصل ہے لعنت کرنا، یعنی جب کسی موقف پر حجت قائم کردی جائے اور پھر بھی کوئی فریق اس موقف کو تسلیم نہ کرے تو پھر یہ دعا کی جاتی ہے کہ اگر میرا موقف غلط ہو اور میرے مخالف کا موقف صحیح ہو تو اللہ تعالیٰ مجھ پر دنیا اور آخرت میں لعنت فرمائے اور اگر میرا موقف صحیح ہو اور میرے مخالف کا موقف غلط ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر دنیا اور آخرت میں لعنت فرمائے، اس کو مباہلہ کہتے ہیں۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نجران کا وفد آیا، اس میں السید اور العاقب بھی تھے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کو قبول کرنے سے انکار کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اگلے دن مباہلہ کرنے کے لیے بلایا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بلایا تو نجران کے عیسائیوں نے آپس میں مشورہ کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: آپ ہمیں مہلت دیں کہ ہم اپنے معاملہ پر غور کریں، پھر ہم کل آپ کے پاس آئیں گے، پھر تنہائی میں انہوں نے ایک دوسرے سے مشورہ کیا تو ان میں جو سب سے زیادہ سمجھدار تھا وہ عاقب تھا، اس سے انہوں نے کہا: اے عبد المسیح! تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا: اللہ کی قسم! اے نصاریٰ کی جماعت! تم لوگ جان چکے ہو کہ محمد نبی مرسل ہیں اور اللہ کی قسم! جب بھی کسی قوم نے نبی سے مباہلہ کیا تو ان کے سب چھوٹے

اور بڑے ہلاک ہوجاتے ہیں، پس اگر تم اپنے دین پر ہی برقرار رہنا چاہتے ہو تو ان سے وعدہ کرلو اور اپنے شہروں کی طرف واپس جاؤ، پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس اگلے دن آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت حسین کو اپنی گود میں اٹھایا ہوا تھا اور حضرت حسن کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا اور حضرت سیدہ فاطمہ آپ کے پیچھے چل رہی تھیں اور حضرت علی اُن کے پیچھے چل رہے تھے، اور آپ اُن سے فرمارہے تھے: جب میں دعا کروں تو تم سب آمین کہنا، تب نجران کے بڑے پادری نے کہا: اے جماعت نصاریٰ! بے شک میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ لوگ اللہ سے سوال کریں کہ اللہ تعالیٰ پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹادے تو اللہ تعالیٰ پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹادے گا، اور تم ان سے مباہلہ نہ کرو ورنہ تم ہلاک ہوجاؤ گے اور روئے زمین پر کوئی نصرانی نہیں رہے گا، تب انہوں نے کہا: اے ابوالقاسم! ہماری رائے یہ ہے کہ ہم آپ سے مباہلہ نہ کریں اور ہم آپ کو اپنے دین پر عمل کرنے دیں اور آپ ہمیں اپنے دین پر عمل کرنے دیں، سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اگر تم مباہلہ سے انکار کررہے ہو تو اسلام لے آؤ، مسلمانوں کے جو حقوق ہیں تمہارے بھی وہی حقوق ہوں گے اور جو مسلمانوں کے فرائض ہیں تمہارے بھی وہی فرائض ہوں گے، اور جب انہوں نے اس سے انکار کیا تو آپ نے فرمایا: پھر تم ہم سے اعلانِ جنگ کو قبول کرلو، انہوں نے کہا: ہمیں آپ سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں ہے لیکن ہم اس پر صلح کرتے ہیں کہ آپ ہم پر حملہ نہ کریں اور ہم کو ہمارے دین سے نہ پھیریں اور ہم ہر سال آپ کو خراج میں دو ہزار حُلّے ادا کریں گے ایک ہزار ماہِ صفر میں اور ایک ہزار ماہِ رجب میں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس پر صلح فرمالی اور آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے، اگر اہلِ نجران مباہلہ کرتے تو ان کو مسخ کرکے بندر اور خنزیر بنادیا جاتا اور یہ وادی ان پر آگ سے بھر جاتی اور سال گزرنے سے پہلے تمام عیسائی ہلاک ہوجاتے۔

(دلائل النبوۃ لابی نعیم: ۲۴۵، تفسیر الطبری: ۷۱۷۶، اسباب النزول للواحدی: ۲۰۹، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۵۹۴، الوسیط ج ۱ ص ۴۴۴ ـ ۴۴۵)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک یہی ضرور سچا قصہ ہے اور اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، اور بے شک اللہ ضرور بہت غالب اور بے حد حکمت والے ہیں O'' (آل عمران: ۶۲)

''وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ'': الزجاج نے کہا: اس آیت میں ''مِنْ'' بطور تاکید ہے اور اس میں مشرکین کے مانے ہوئے تمام معبودوں کی نفی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر اگر وہ رُوگردانی کریں تو بے شک اللہ فساد کرنے والوں کو خوب جاننے والے ہیں O'' (آل عمران: ۶۳)

روگردانی کرنے والوں کی تفسیر میں تین اقوال

''فَاِنْ تَوَلَّوْا'': اس آیت میں روگردانی کرنے والوں کے متعلق تین قول ہیں: (۱) مقاتل نے کہا: جو لوگ مباہلہ کرنے سے روگردانی کریں (۲) الزجاج نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دلائل کے ساتھ جو تبلیغ فرمائی تھی، جو اُس سے روگردانی کریں۔ (۳) ابوسلیمان الدمشقی نے کہا: جو لوگ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرنے اور اسے بیوی سے منزہ ہونے کے اقرار سے روگردانی کریں۔

''فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ۝'': اس آیت میں فساد کی تفسیر میں دو قول ہیں: (۱) مقاتل نے کہا: جو لوگ اللہ تعالیٰ کی

نافرمانیوں پر اصرار کریں۔ (۲) ابوسلیمان الدمشقی نے کہا: جو لوگ کفر کو اختیار کرنے پر اصرار کریں۔
(زاد المسیر ج ۱ ص ۲۸۸۔۲۹۰، دار الکتاب العربی ۱۴۳۱ھ)

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾

(اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: اے اہلِ کتاب! اس بات کو ماننے کے لیے آ جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان متفق علیہ ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو رب نہ قرار دے، پھر اگر وہ روگردانی کریں (تو اے مسلمانو!) تم کہہ دو کہ لوگو گواہ ہو جاؤ کہ بے شک ہم مسلمان ہیں O

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۵﴾

اے اہلِ کتاب! تم ابراہیم کے متعلق کیوں جھگڑا کرتے ہو حالانکہ تورات اور انجیل کو صرف ان کے بعد نازل فرمایا گیا ہے، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے! O

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾

سنو! تم ہی وہ لوگ ہو جنہوں نے اس چیز کے متعلق ضد بحث کی جس کا تمہیں کچھ علم تھا، پس اب تم اس چیز کے متعلق کیوں جھگڑا کرتے ہو جس کا تمہیں کچھ بھی علم نہیں ہے، اور اللہ سب کچھ جانتے ہیں اور تم کچھ بھی نہیں جانتے O

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶۷﴾

ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے لیکن وہ ہر باطل نظریہ سے الگ ہو کر حق کی طرف مائل رہنے والے مسلمان تھے، اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے O

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَھٰذَا النَّبِىُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ

وَاللّٰہُ وَلِیُّ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۶۸﴾

بے شک تمام لوگوں میں سے ابراہیم کے سب سے زیادہ قریب وہی لوگ ہیں جنہوں نے اُن کی پیروی کی ہے اور یہ نبی اور (اُن پر) ایمان لانے والے (ابراہیم کے سب سے زیادہ قریب ہیں)، اور اللہ ایمان والوں کے مددگار ہیں O

وَدَّتۡ طَّآئِفَۃٌ مِّنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ لَوۡ یُضِلُّوۡنَکُمۡ ؕ وَمَا یُضِلُّوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَہُمۡ وَمَا یَشۡعُرُوۡنَ ﴿۶۹﴾

اہلِ کتاب کے ایک گروہ نے یہ چاہا کہ کاش! وہ تم کو گمراہ کر دیں، حالانکہ وہ صرف اپنے آپ کو گمراہ کرتے ہیں اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے O

یٰۤاَہۡلَ الۡکِتٰبِ لِمَ تَکۡفُرُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَاَنۡتُمۡ تَشۡہَدُوۡنَ ﴿۷۰﴾

اے اہلِ کتاب! تم اللہ کی آیات کا کیوں کفر کرتے ہو، حالانکہ تم خود ان آیات کی گواہی دیتے ہو O

یٰۤاَہۡلَ الۡکِتٰبِ لِمَ تَلۡبِسُوۡنَ الۡحَقَّ بِالۡبَاطِلِ وَتَکۡتُمُوۡنَ الۡحَقَّ وَاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۱﴾ ع

ع ۸ ۱۵

اے اہلِ کتاب! تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں ملاتے ہو اور حق کو کیوں چھپاتے ہو حالانکہ تم خوب جانتے ہو O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: اے اہلِ کتاب! اس بات کو ماننے کے لیے آجاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان متفق علیہ ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو رب نہ قرار دے، پھر اگر وہ روگردانی کریں (تو اے مسلمانو!) تم کہہ دو کہ لوگو گواہ ہو جاؤ کہ بے شک ہم مسلمان ہیں O'' (آل عمران: ۶۴)

ربطِ آیات

سورۃ البقرہ میں زیادہ تر یہود کی بدعقیدگیوں کا رد فرمایا گیا تھا اور سورۂ آل عمران میں زیادہ تر عیسائیوں کے عقائدِ باطلہ کا رد فرمایا ہے، سورۂ آل عمران میں تقریباً ۸۳ آیات نجران کے عیسائیوں کے متعلق نازل ہوئی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مناظرہ کرنے کے لیے مدینہ طیبہ آئے تھے مگر جب آپ نے ان کو مباہلہ کا چیلنج فرمایا تو انہوں نے اس کو قبول نہیں کیا بلکہ جزیہ ادا کرنے پر راضی ہو کر صلح کر لی اور واپس چلے گئے، ان آیات میں اہلِ کتاب کے دونوں گروہوں کے عقائدِ باطلہ کا رد فرمایا ہے، آل عمران: ۶۴ میں یہود و نصاریٰ دونوں کو مخاطب فرما کر عقیدۂ توحید کی دعوت دی ہے اور یہی اسلام کا اصل اور بنیادی عقیدہ ہے۔

امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، آل عمران: ۶۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''قُلۡ یٰۤاَہۡلَ الۡکِتٰبِ تَعَالَوۡا اِلٰی کَلِمَۃٍ'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نجران کا وفد مدینہ آیا تو اُن کی یہود کے ساتھ

ملاقات ہوئی، پس ان کا آپس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق جھگڑا ہوا، نصاریٰ کا یہ زعم تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نصرانی تھے اور اُن کے دین پر تھے اور تمام لوگوں کی بہ نسبت نصرانی اُن کے زیادہ قریب ہیں، اور یہود کا زعم تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے اور وہ اُن کے دین پر تھے اور تمام لوگوں کی بہ نسبت یہودی اُن کے زیادہ قریب ہیں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دونوں فریق حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے دین سے بری ہیں بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام ادیانِ باطلہ سے اعراض کرنے والے مسلمان تھے اور میں بھی اُن کے دین پر ہوں، اور تمام لوگوں کی بہ نسبت میں ان کے زیادہ قریب ہوں، پس یہود نے کہا: اے محمد! آپ صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کو رب مان لیں جیسا کہ نصاریٰ نے عیسیٰ کو رب مان لیا تھا اور نصاریٰ نے کہا: اے محمد! آپ صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کے متعلق یہ کہیں جو یہود نے عزیر کے متعلق کہا تھا، پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ''۔ (جامع البیان: ۱۹۸۷ء، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۵ ص ۱۸۶)

''وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْــٴًـا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ'': جس طرح یہود اور نصاریٰ نے ایک دوسرے کو اپنا رب بنالیا تھا، اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: ''اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ'' (التوبۃ: ۳۱) ''(انہوں نے اپنے دینی پیشواؤں (علماء) اور عبادت گزاروں (پیروں) کو اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا)۔ یعنی ہم اللہ کے سوا نہ کسی اور کی عبادت کرتے ہیں اور نہ کسی اور کے لیے سجدۂ عبودیت بجالاتے ہیں اور نہ اللہ کی نافرمانی میں کسی اور کی اطاعت کرتے ہیں۔

''فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾'': یعنی اے امتِ محمد! تم یہ کہو کہ لوگو تم گواہ ہو جاؤ، ہم مسلمان ہیں O۔

(معالم التنزیل ج ۱ ص ۴۵۱-۴۵۲، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

صوفی عبدالحمید سواتی (دیوبندی) متوفی ۲۰۰۸ء آل عمران: ۶۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

عیسائیوں نے اقنوم ثلاثہ کا عقیدہ گھڑ لیا یعنی باپ بیٹا اور روح القدس تینوں مل کر ایک خدا بنتے ہیں۔ پھر تینوں الگ الگ بھی خدا ہیں۔ عجیب ملغوبہ ہے بالکل مشرکانہ عقیدہ، نہ تو تین خدا ہیں اور نہ تینوں ایک ہیں، یہ سب بناوٹی عقیدے ہیں، یہ باتیں پولس نے عیسائیوں کے عقیدہ میں داخل کیں۔ انجیل کی تعلیم کے بالکل خلاف ہے۔ نہ کوئی خدا کا اوتار ہے اور نہ کوئی اس کا مظہر ہے۔ یہ تو ہنود کا عقیدہ ہے۔ عیسائیوں کا عقیدہ بھی ان کے ساتھ ملتا جلتا ہے کہ خدا کسی انسان کے روپ میں آ کر ظاہر ہوتا ہے، اس طرح وہ شخص اوتار یا مظہرِ خدا کہلاتا ہے، کہیں مریم پرستی ہو رہی ہے۔ حضرت مریم کی تصویروں کو گرجوں میں رکھ کر ان کی تعظیم کی جاتی ہے، ان کو مادرِ خدا کہتے ہیں، ان کے نام کی نذر و نیاز دیتے ہیں، مسیح پرستی کے علاوہ موجودہ عیسائیوں میں پاپا ئیت بھی پائی جاتی ہے، وہ اپنے بڑے راہنماؤں کو الوہیت کے درجے پر پہنچا دیتے ہیں، مسلمانوں میں اولیاء پرستی بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ شہداء پرستی اور پیر پرستی مسلمانوں میں عام پائی جاتی ہے۔ ان کی ایسی تعظیم کرتے ہیں جیسے خدا کی کرنی چاہیے۔ اُن کی بات کو خدا اور رسول کی بات سے مقدم سمجھتے ہیں، ان کے سامنے سجدے کرتے ہیں اور اُن کا تقرب حاصل کرنے کے لیے نذر و نیاز دیتے ہیں۔

قبر پرستی کی بیماری یہود و نصاریٰ میں تھی اور اب مسلمانوں میں بھی عام ہے۔ حکومت خود اس معاملے میں پیش پیش ہے، چادریں چڑھائی جارہی ہیں، قبروں کی بے جا تعظیم ہو رہی ہے، یہ سب شرکیہ رسوم اور اسراف ہے، بھائی! قبروں پر جا کر وہ کام کرو جو شریعت سے ثابت ہے اور جس کا حکم دیا گیا ہے۔ وہاں جا کر فاتحہ پڑھو اور فوت شدگان کے لیے دعا کرو، حضور علیہ السلام نے خود اپنے

متعلق فرمایا: اللھم لا تجعل قبری وثنا یعبد (اے اللہ! میری قبر کو صنم یا بُت نہ بنانا کہ لوگ اس کی پوجا کرنے لگیں)۔ اس زمانے میں قبر پرستی کی بہت سی صورتیں رائج ہیں، یہ عُرس کیا ہے، شرک و بدعت کے ارتکاب کا ایک طریقہ ہے، قبر کو پختہ بنانا جائز نہیں بلکہ حرام ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا تجصصوا (قبروں پر چونا نہ لگاؤ)، مگر اب چپس ہو رہے ہیں، گنبد بنائے جا رہے ہیں، نقش و نگار ہوتا ہے۔ اللہ کے بندو! یہ اینٹ مسالہ کسی غریب کو دے دو، اس کے سر چھپانے کے لیے جھونپڑی بن جائے اور تمہیں ثواب بھی حاصل ہو، کسی محتاج کی دعائیں لو، قبروں پر چراغاں کرنے، بلب لگانے اور پنکھے نصب کرنے سے کیا حاصل، یہ تو صریحاً قبر پرستی ہے۔ (معالم العرفان، ج ۴ ص ۲۱۴۔ ۲۱۵، مکتبہ دروس القرآن، گوجرانوالہ، ۱۴۳۴ھ)

صوفی عبدالحمید سواتی کی مذکور الصدر تفسیر پر مصنف کا تبصرہ

صوفی عبدالحمید متوفی ۲۰۰۸ء نے اپنی مذکور الصدر تفسیر میں اکثر باتیں صحیح اور درست لکھی ہیں البتہ ان کی تحریر کردہ بعض چیزوں سے ہمیں اختلاف ہے جن کا ہم ذکر کر کے ان پر تبصرہ کر رہے ہیں:

صوفی عبدالحمید سواتی کا اولیاء اللہ کی قبروں پر چادر چڑھانے اور انکی قبروں پر گنبد بنانے کو شرکیہ افعال قرار دینا

(۱) صوفی عبدالحمید نے لکھا ہے: ''قبر پرستی کی بیماری یہود و نصاریٰ میں تھی اور اب مسلمانوں میں بھی عام ہے۔ حکومت خود اس معاملے میں پیش پیش ہے، چادریں چڑھائی جا رہی ہیں، قبروں کی بے جا تعظیم ہو رہی ہے، یہ سب شرکیہ رسوم اور اسراف ہے''۔

(۲) نیز لکھتے ہیں: ''اس زمانے میں قبر پرستی کی بہت سی صورتیں رائج ہیں، یہ عُرس کیا ہے، شرک و بدعت کے ارتکاب کا ایک طریقہ ہے، قبر کو پختہ بنانا جائز نہیں بلکہ حرام ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا تجصصوا (قبروں پر چونا نہ لگاؤ)، مگر اب چپس ہو رہے ہیں، گنبد بنائے جا رہے ہیں''۔

اولیاء اللہ کی قبروں پر چادریں چڑھانے اور اُن کی قبروں پر گنبد بنانے کو شرکیہ افعال قرار دینے کا بطلان

میں کہتا ہوں: شرک کی تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو عبادت کا مستحق قرار دیا جائے یا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو واجب الوجود اور قدیم مانا جائے، یا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی کسی صفت کو مستقل بالذات سمجھا جائے، یہ تین امور متحقق ہوں تو شرک ہوتا ہے اور ان کے بغیر کوئی عمل اور کوئی عقیدہ شرک نہیں ہے۔ صوفی عبدالحمید نے قبروں پر چادریں چڑھانے اور قبروں پر گنبد بنانے کو بھی شرکیہ افعال قرار دیا ہے حالانکہ یہ امور شرک تب ہوتے جب معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ کی قبر پر چادر چڑھانا مشروع ہوتا اور اب اللہ تعالیٰ کی قبر کو چھوڑ کر بندوں کی قبروں پر چادریں چڑھائی جاتیں تب یہ کہنا صحیح ہوتا کہ قبروں پر چادر چڑھانا شرک ہے، اسی طرح قبروں پر گنبد بنانا بھی شرک تب ہوتا جب معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ کی قبر پر گنبد بنانا مشروع ہوتا اور پھر لوگ اللہ تعالیٰ کی قبر پر گنبد بنانے کے بجائے اولیاء اللہ کی قبروں پر گنبد بناتے، تب یہ کہنا صحیح ہوتا کہ قبر پر گنبد بنانا شرک ہے، لیکن جب اللہ تعالیٰ اس چیز سے بلند اور برتر ہے اور سبحان اور پاک ہے کہ اس کی کوئی قبر ہو اور اس پر چادر چڑھائی جائے یا اس کی کوئی قبر ہو اور اس پر کوئی گنبد بنایا جائے، تو پھر کسی اللہ کے نیک بندہ کی قبر پر چادر چڑھانا یا اس کی قبر پر گنبد بنانا شرک کیسے ہوگا! صوفی عبدالحمید کا قبر پر چادر چڑھانے اور قبر پر گنبد بنانے کو شرکیہ افعال قرار دینا ہماری سمجھ سے بالاتر ہے، اب ہم قبر پر گنبد بنانے اور چادر چڑھانے کی باحوالہ تفسیر پیش کر رہے ہیں:

اولیاء اللہ کی قبروں پر گنبد بنانے اور ان کی قبروں پر چادر چڑھانے کا جواز اور اس کے شرعی دلائل

حدیث میں قبر پر عمارت تعمیر کرنے سے بھی منع فرمایا ہے، لیکن یہ کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ شروع سے لے کر اب تک امت کے صالحین اور علماء بزرگان دین کے مزارات پر گنبد بناتے چلے آئے ہیں، اس لیے امت کے اجماع عملی سے گنبد بنانے کا جواز ثابت ہے اور حدیث شریف میں ممانعت بلاضرورت تعمیر پر محمول ہے جس طرح شیخ عثمانی نے قبر پر لکھنے کی ممانعت کو بلاضرورت لکھنے پر محمول کیا ہے اور جواز کو امت کے اجماع عملی کی بناء پر ثابت کیا ہے۔ علاوہ ازیں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بعینہٖ اسی دلیل سے مزارات پر گنبد بنانے کو جائز قرار دیا ہے۔

ملا علی قاری لکھتے ہیں:

اذا كانت الخيمة لفائدة مثل ان يقعد القراء تحتها فلا تكون منهية (الى قوله) وقد اباح السلف البناء على قبرالمشائخ والعلماء المشهورين ليزورهم الناس ويستريحوا بالجلوس فيه

جب (قبر پر) خیمہ کسی فائدہ کی بناء پر لگایا جائے مثلاً تاکہ خیمہ کے نیچے قاری بیٹھ کر قرآن مجید پڑھیں تو پھر اس کی (حدیث میں) ممانعت نہیں ہے، اور سلف صالحین نے مشہور علماء اور مشائخ کی قبروں پر عمارت بنانے کو جائز قرار دیا ہے تاکہ لوگ ان کی زیارت کریں اور آرام سے بیٹھیں۔

(مرقات، ج ۴ ص ۶۹، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ، ملتان، ۱۳۹۲ھ)

علامہ عینی لکھتے ہیں کہ اگر میت پر خیمہ نصب کرنے کی کوئی غرض صحیح ہو تو جائز ہے جیسے زندہ لوگوں پر دھوپ سے سایا کرنے کی غرض سے خیمہ نصب کرنا۔ (عمدۃ القاری ج ۸ ص ۱۸۳، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، مصر ۱۳۴۸ھ)

علامہ عبدالوہاب شعرانی شافعی لکھتے ہیں:

وكان سيدى على واخى افضل الدين يكرهان بناء القبة على القبر ووضع التابوت الخشب والستر عليه ونحو ذالك لاحاد الناس ويقولون هذا لايليق الا بالانبياء ومن داناهم من الاولياء الاكابر واما نحن فمقامنا الدفن تحت نعال الناس فى الشوارع۔

میرے شیخ علی اور بھائی افضل الدین عام لوگوں کی قبروں پر گنبد بنانے، تابوت رکھنے اور چادریں چڑھانے کو مکروہ (تنزیہی) قرار دیتے تھے اور کہتے تھے کہ قبروں پر گنبد اور چادریں صرف انبیاء علیہم السلام اور اکابر اولیاء کی شان کے لائق ہیں، رہے ہم! تو ہمیں لوگوں کے قدموں کے نیچے راستے میں دفن کردینا چاہیے۔

(لواقح الانوار القدسیہ ص ۵۹۳، مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۸۱ھ)

علامہ رافعی حنفی لکھتے ہیں:

قال الشيخ عبدالغنى النابلسى فى كشف النور عن اصحاب القبور ماخلاصته ان البدعة الحسنة الموافقة لمقصود الشارع تسمى سنة فبناء القباب على قبور العلماء والصلحاء ووضع الستور والعمائم

(اس موضوع پر) کشف النور میں شیخ عبدالغنی نابلسی نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو بدعتِ حسنہ شارع کے مقصود کے موافق ہو وہ سنت کہلاتی ہے، لہٰذا علماء اور صلحاء کی قبروں پر گنبد بنانا اور ان کی قبروں پر چادریں اور عمامے چڑھانا جائز کام ہے

والشياب على قبورهم امرجائز اذا كان القصد بذالك التعظيم فى اعين العامة حتى لا يحتقروا صاحب هذا القبر وكذا ايقاد القناديل والشمع عند قبور الاولياء والصلحاء من باب التعظيم والاجلال ايضا للاولياء فالمقصد فيها مقصد حسن ونذر الزيت والشمع للاولياء يوقد عند قبورهم تعظيما لهم ومحبة فيهم جائزايضا لاينبغى النهى عنه۔

جب کہ اس سے یہ مقصود ہو کہ عوام کی نگاہوں میں ان کی تعظیم پیدا کی جائے تا کہ وہ صاحب قبر کو حقیر نہ جانیں ،اسی طرح ان کی قبروں کے پاس قندیلیں اور شمعوں (موم بتیوں) کو روشن کرنا بھی بابِ تعظیم سے ہے ، کیونکہ اس میں نیک مقصد ہے اور تیل اور شمعوں کی نذر اولیاء اللہ کے لیے ہوتی ہے جو ان کی قبروں پر ان کی تعظیم اور ان سے محبت کے اظہار کے لیے جلائی جاتی ہیں ، یہ بھی ایک جائز کام ہے اس سے منع نہیں کرنا چاہیے۔

(تقریراتِ رافعی ج ا ص ۱۲۳ ، مکتبہ ماجدیہ ، کوئٹہ ، ۱۴۰۴ھ)

شیخ عبدالغنی نابلسی کی اس عبارت کو علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ نے ''اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ۔۔ (التوبہ: ۱۸)'' کی تفسیر میں روح البیان میں ذکر کیا ہے۔ (روح البیان ج ۳ ص ۵۱۰ ، دار احیاء التراث العربی ، بیروت ، ۱۴۲۱ھ)

مزارات پر چادر چڑھانے کا شرعی ثبوت

اولیاء اللہ اور علماء کبار کے مزارات پر ان کی تعظیم کے نقطہ نظر سے چادر چڑھانا جائز ہے ، اس سے پہلے ہم علامہ رافعی کے حوالے سے اس سلسلے میں علامہ نابلسی کی عبارت ذکر کر چکے ہیں ، علامہ شامی اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

قال فى فتاوى الحجة وتكره الستور على القبور لكن نحن نقول الأن اذا قصد به التعظيم فى عيون العامة حتى لا يحتقروا صاحب القبر ولجلب الخشوع والادب للغافلين الزائرين فهو جائزلان الاعمال بالنيات وان كان بدعة فهو كقولهم بعد طواف الوداع يرجع القهقرى حتى يخرج من المسجد اجلالا للبيت حتى قال فى منهاج السالكين انه ليس فيه سنة مروية ولا اثر محكى قد فعله اصحابنا۔

صاحب ''فتاویٰ الحجۃ'' نے کہا ہے کہ قبروں پر چادریں چڑھانا مکروہ ہے ، لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ جب چادر چڑھانے سے صاحب قبر کی تعظیم کا قصد کیا جائے تا کہ عام لوگ اس قبر کو معمولی اور حقیر نہ سمجھیں اور زائرین کے خضوع ، خشوع اور ادب میں اضافہ ہو تو یہ جائز ہے کیونکہ اعمال کا مدار نیت پر ہے اور ہر چند کہ یہ فعل بدعت (حسنہ) ہے لیکن اس کی نظیر فقہاء کا یہ قول ہے کہ طواف وداع کے بعد مسجد (حرام) سے باہر آنے تک الٹے پیر لوٹے تا کہ بیت اللہ کی تعظیم کا اظہار ہو ، اور منہاج السالکین میں لکھا ہے کہ اس فعل کے ثبوت میں نہ کوئی سنت مروی ہے نہ اثر صحابی ، اس کے باوجود ہمارے اصحاب نے ایسا کیا۔

(ردالمحتار ج ۵ ص ۳۱۹ ، مطبوعہ مطبع عثمانیہ ، استنبول ، ۱۳۲۷ھ)

علامہ نابلسی ، علامہ اسماعیل حقی ، علامہ شامی اور علامہ رافعی نے مزارات پر چادر چڑھانے کو جائز قرار دیا ہے لیکن اس میں افراط اور بے اعتدالی کرنا صحیح نہیں ہے جس طرح اوباش لڑکے باجوں ، تاشوں کے ساتھ ناچتے گاتے چادر کا جلوس لے کر مزارات کی طرف جاتے ہیں ، البتہ ادب اور تعظیم کے ساتھ نعت خوانی کرتے ہوئے چادر چڑھانا جائز ہے یا ضرورت سے زیادہ چادریں

چڑھائی جائیں یہ دونوں صورتیں اسراف اور گناہ ہیں، جب تعظیم کے لیے مزار پر چادر موجود ہو تو مزید چادروں کے بجائے وہ کپڑا غریبوں پر صدقہ کر کے اس کا ثواب صاحب مزار کو پہنچا دیں، مزار پر چادر چڑھانے کی شرعی نذر اور منّت ماننا بھی گناہ ہے، نذر صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ماننا جائز ہے، فقہاء کی تصریح کے مطابق غیر اللہ کے لیے شرعی نذر ماننا ناجائز اور گناہ ہے، ہاں عرفی نذر بمعنی نذرانہ یا ایصال ثواب جائز ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے اہلِ کتاب! تم ابراہیم کے متعلق کیوں جھگڑا کرتے ہو حالانکہ تورات اور انجیل کو صرف ان کے بعد نازل فرمایا گیا ہے، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے!O'' (آل عمران: ۶۵)

امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ آل عمران: ۶۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوۡنَ فِىۡۤ اِبۡرٰهِيۡمَ'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نجران کے نصاریٰ اور یہودِ مدینہ کے علماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کے پاس بیٹھ کر بحث کرنے لگے، علماءِ یہودِ مدینہ نے کہا: حضرت ابراہیم صرف یہودی تھے اور نصاریٰ نے کہا کہ حضرت ابراہیم صرف نصرانی تھے، تو اللہ عزوجل نے ان کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی: ''يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوۡنَ فِىۡۤ اِبۡرٰهِيۡمَ''۔ اللہ عزوجل نے یہ بتلایا کہ تورات اور انجیل دونوں کتابیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد میں نازل فرمائی گئی ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد ہی یہودیت اور نصرانیت وجود میں آئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی یا نصرانی کیسے ہو سکتے ہیں!

(تفسیر الطبری، ج ۵ ص ۴۸۱، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ، سیرۃ ابنِ ہشام ج ۱ ص ۵۵۳، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۵ ص ۳۸۴)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''سنو! تم ہی وہ لوگ ہو جنہوں نے اس چیز کے متعلق ضد بحث کی جس کا تمہیں کچھ علم تھا، پس اب تم اس چیز کے متعلق کیوں جھگڑا کرتے ہو جس کا تمہیں کچھ بھی علم نہیں ہے، اور اللہ سب کچھ جانتے ہیں اور تم کچھ بھی نہیں جانتےO'' (آل عمران: ۶۶)

علامہ ابوالمظفر السمعانی الشافعی المتوفی ۴۲۶ھ آل عمران: ۶۶، ۶۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''هٰۤاَنۡتُمۡ هٰۤؤُلَآءِ حَاجَجۡتُمۡ فِيۡمَا لَكُمۡ بِهٖ عِلۡمٌ'': اس آیت کا معنی یہ ہے: تم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بحث کی اور تم نے میرے متعلق یہ دعویٰ کیا کہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین پر ہوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر ہوں، حالانکہ اُن کے دین کے عقائد تم پر نازل کیے جا چکے ہیں، پس تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق کیوں بحث کرتے ہو جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے تم پر کوئی چیز نازل نہیں فرمائی، اور تمہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق کچھ علم نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے اور تم کچھ بھی نہیں جانتے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے لیکن وہ ہر باطل نظریہ سے الگ ہو کر حق کی طرف مائل رہنے والے مسلمان تھے، اور وہ مشرکین میں سے نہ تھےO'' (آل عمران: ۶۷)

''مَا كَانَ اِبۡرٰهِيۡمُ يَهُوۡدِيًّا وَّلَا نَصۡرَانِيًّا وَّلٰكِنۡ كَانَ حَنِيۡفًا مُّسۡلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ﴿۶۷﴾'':

اللہ عزوجل نے یہ خبر دی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہود کے دعویٰ کے مطابق یہودی نہ تھے اور نہ عیسائیوں کے دعویٰ کے مطابق نصرانی تھے لیکن وہ حنیف مسلم تھے۔

حنیف اس شخص کو کہتے ہیں جو تمام ادیان سے اعراض کر کے دینِ مستقیم کی طرف مائل ہو۔ اور مجاہد نے کہا: حنیف کا معنی ہے المُتَّبِع، اگر یہ سوال کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے حنیف مسلم کیوں فرمایا جب کہ مسلم وہ ہوتا ہے جو سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تمام عقائد اور اعمال اور تمام اصول اور فروع میں پیروکار ہو، اور حضرت ابراہیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت پر نہیں تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کے بعض احکام پر تھے لہٰذا وہ مسلم ہو گئے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مسلم کا معنی ہو مُطیع یعنی اطاعت کرنے والا جیسے قرآن مجید میں ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ ---(البقرہ: ۱۳۱)'' ((اے رسول اکرم! یاد کیجئے) جب ابراہیم سے ان کے رب نے فرمایا: اسلام لاؤ! تو انہوں نے کہا: میں رب العالمین کے لیے اسلام لے آیا O)۔ (تفسیر القرآن ج ۱ ص ۳۳۰، دار الوطن، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

زید بن عمرو بن نفیل کا دینِ حنیف کو اختیار کرنا

امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ آل عمران: ۶۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ زید بن عمرو بن نُفَیل ملکِ شام کی طرف گئے، وہ لوگوں سے صحیح دین کے متعلق سوال کرتے تھے جس کی وہ پیروی کریں، سو اُن کو ایک یہودی عالم ملا، انہوں نے اس سے اس کے دین کے متعلق پوچھا اور کہا کہ ہوسکتا ہے کہ میں تمہارے دین کو اپنا لوں تو مجھے تم اپنے دین کے متعلق بتاؤ، تو اُس یہودی عالم نے کہا: تم اس وقت تک ہمارے دین کے حامل نہیں ہوسکتے جب تک کہ تم کچھ نہ کچھ اللہ کے غضب کے متحمل نہ ہو، زید بن عمرو نے کہا: میں اللہ کے غضب سے ہی بچنے کے لیے تو دینِ حق کی تلاش میں نکلا ہوں اور میں اللہ کے غضب میں سے کچھ بھی برداشت نہیں کرسکتا، میں کبھی بھی اس کی طاقت نہیں رکھتا، کیا تم میری رہنمائی ایسے دین کی طرف کرو گے جس میں مجھے اللہ کا غضب برداشت نہ کرنا پڑے، تو یہودی عالم نے کہا: میں اس کے سوا اور کوئی دین نہیں جانتا کہ تم حنیف ہو جاؤ، زید نے پوچھا: اور حنیف کون ہوتا ہے؟ تو یہودی عالم نے کہا: حضرت ابراہیم کا دین حنیف ہے وہ نہ یہودی تھے نہ نصرانی تھے لیکن وہ صرف اللہ عزوجل کی عبادت کرتے تھے، پھر زید بن عمرو بن نُفَیل اس کے پاس سے اٹھ کر چلے گئے، پھر ان کو ایک عیسائی عالم ملا، انہوں نے اس سے اس کے دین کے متعلق سوال کیا اور کہا کہ ہوسکتا ہے کہ میں تمہارے دین کو اختیار کرلوں، تو تم مجھے بتاؤ تمہارا دین کیسا ہے؟ اس عیسائی عالم نے کہا: تم اس وقت تک ہمارے دین کے حامل نہیں ہوسکتے حتیٰ کہ تم اللہ تعالیٰ کی لعنت کا بوجھ اٹھاؤ، زید بن عمرو نے کہا: میں تو اللہ تعالیٰ کی لعنت میں سے کچھ بھی نہیں اٹھا سکتا اور نہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں سے کبھی بھی کچھ برداشت کرسکتا ہوں، تو کیا تم مجھے کسی ایسے دین کی طرف رہنمائی کرو گے جس کو اختیار کر کے نہ مجھے اللہ کا غضب اٹھانا پڑے اور نہ اللہ کی لعنت اٹھانی پڑے تو اس عیسائی عالم نے یہودی عالم کی طرح جواب دیا کہ تم حنیف ہو جاؤ، پھر زید بن عمرو اس کے پاس سے اٹھ کر چلے گئے اور ان دونوں عالموں کی بات سن کر وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کے معتقد ہو گئے اور وہ اپنے ہاتھ بلند کر کے اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے: اے اللہ! تو گواہ ہو جا کہ میں دینِ ابراہیم پر ہوں۔ (تفسیر الطبری ج ۵ ص ۴۸۶۔ ۴۸۷، دار عالم الکتب، ریاض، صحیح البخاری: ۳۸۲۷، تاریخ دمشق جز ۱۹ ص ۵۰۳)

کسی نبی یا کسی بزرگ کی تعلیم پر عمل کیے بغیر اس کی طرف نسبت کرنے کی مذمت

میں کہتا ہوں: اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ یہودی اور عیسائی اپنے آپ کو حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے تھے جب کہ وہ حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر نہیں تھے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حنیف مسلم تھے اور وہ مشرکین میں سے نہیں تھے، جب کہ یہودی بھی مشرک تھے، وہ حضرت عُزیر کو ابن اللہ کہتے تھے اور عیسائی بھی مشرک تھے، وہ حضرت مسیح علیہ السلام کو ابن اللہ کہتے تھے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر فرمایا کہ یہودی اور عیسائی چونکہ شرک کرتے ہیں اس لیے ان کا اپنے آپ کو حضرتِ ابراہیم کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں ہے، آج کل امتِ مسلمہ کے بعض افراد بھی اسی بدعت میں مبتلاء ہیں، بعض لوگ اپنے آپ کو حضرتِ غوثِ اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی کی طرف منسوب کر کے اپنے آپ کو قادری کہلواتے ہیں حالانکہ وہ انواع واقسام کی بدعات اور معاصی میں مبتلاء رہتے ہیں، مزارات پر سجدہ کرتے ہیں، اپنی حاجات میں اہل اللہ سے منتیں اور مرادیں مانتے ہیں، حالانکہ حضرتِ غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبات میں لوگوں کو بار بار اللہ کی طرف متوجہ کیا ہے کہ اُسی سے مانگو، اسی سے حاجت روائی کرو، تو جو لوگ اللہ کے نیک بندوں سے حاجت روائی کرتے ہیں اُن کے مزارات پر سجدہ کرتے ہیں اور غوثِ اعظم کی تعلیمات سے بالکل منحرف ہیں ان کا اپنے آپ کو قادری کہلانا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے، (ہاں اولیاء اللہ کے مزارات پر جا کر ان کے وسیلہ سے اپنی حاجات میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا جائز ہے بایں طور کہ بندہ یوں کہے: اے اللہ! میں خود تو بہت گناہگار ہوں اور اس لائق نہیں ہوں کہ آپ میری دعا کو شرفِ قبول عطا فرمائیں، لیکن میں آپ کے جس مقبول بندہ کے مزار پر حاضر ہوں وہ آپ کا نہایت مقبول بندہ ہے، اس نے اپنی پوری زندگی میں آپ کی کوئی بات نہیں ٹالی، کوئی نافرمانی نہیں کی تو مجھے امید ہے کہ اگر وہ میری سفارش کرے یا میں جب اس کے وسیلہ سے دعا کروں تو پھر آپ اس کی سفارش قبول فرمالیں گے یا اس کے وسیلہ سے مانگی ہوئی دعا کو قبول فرمالیں گے)، اسی طرح حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے پیروکار اپنے آپ کو چشتی کہتے ہیں حالانکہ آج کل عرف میں مزامیر کے ساتھ قوالیاں سننے والوں کو چشتی کہا جاتا ہے، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزامیر کی بہت مذمت فرمائی ہے۔

پاک پتن میں ''بہشتی دروازہ'' سے گزرنے کو معیارِ نجات قرار دینے کی بدعت

اسی طرح چشتی سلسلہ میں خواجہ فرید الدین گنج شکر کے پیروکار ہیں، ان کے مزار کے قریب ایک دروازہ ہے جو سال میں صرف ایک مرتبہ ۵ محرم الحرام سے لے کر ۱۰ محرم الحرام تک کھولا جاتا ہے اور اس کا راستہ مزار سے الگ ہے، اور مشہور ہے کہ جو اس دروازہ سے گزر جائے وہ جنتی ہو جاتا ہے، لوگ بہت بڑی تعداد میں پاک پتن جانے کے لیے شدِ رحال (کسی جگہ کی زیارت کے لیے سواری پر سامانِ سفر باندھنا) کرتے ہیں، اب وہاں قطاریں لگائی جاتی ہیں اور لوگ اس بہشتی دروازہ سے گزرنے کے لیے قطار میں دھکم پیل کرتے ہیں اور پولیس والوں کے ڈنڈے کھاتے ہیں اور سخت مشقت اور مار کھا کر اس بہشتی دروازہ سے گزرتے ہیں اور معتقدین ہر سال یہ عمل کرتے ہیں، اور ایک مرتبہ بہشتی دروازہ سے گزرنے کے بعد انہیں اپنے جنتی ہونے کا یقین ہو جاتا ہے خواہ وہ نیک عمل کریں یا نہ کریں، برے کاموں کو ترک کریں یا نہ کریں، بس زندگی میں ایک مرتبہ بہشتی دروازہ سے گزر جائیں تو اس کو اپنی نجات کے لیے کافی سمجھتے ہیں، کیا قرآنِ مجید اور احادیث صحیحہ میں جنتی ہونے کا یہی معیار ہے! یہ درست ہے کہ بڑے

بڑے علماء اور مشائخ اس دروازے سے گزرتے ہیں اور اس اعتقاد کے ساتھ گزرتے ہیں کہ اس دروازے سے گزرنے سے وہ جنتی ہو جائیں گے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ شریعت میں حجت کتاب وسنت ہے۔ بزرگوں کا وہ عمل جو کتاب وسنت کے معارض نہ ہو اس کا اعتبار کیا جاتا ہے، مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب مکہ سے مدینہ جاتے تو لوگوں سے دریافت کرتے کہ اس سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس جگہ نماز پڑھی تھی، پھر اس جگہ نماز پڑھتے تھے۔ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل ہے لیکن اس کی تائید میں یہ حدیث ہے: حضرت عتبان بن مالک انصاری بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے گھر میں تشریف لائے۔ پس آپ نے فرمایا: تم کس جگہ کو پسند کرتے ہو کہ میں تمہارے لیے تمہارے گھر میں نماز پڑھوں؟ انہوں نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا کہ آپ یہاں نماز پڑھیں۔ حضرت عتبان نے کہا: کہ میں نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ اکبر کہا: پس ہم سب نے آپ کے پیچھے نماز کی صف بنادی۔ سو آپ نے دو رکعت نماز پڑھائی۔ (صحیح بخاری: ۴۲۴، مسلم: ۳۳، ابن ماجہ: ۸۵۴)

پس یہ حدیث اس بات کی اصل ہے کہ جس جگہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھی ہو اس جگہ نماز پڑھنے کا بہت بڑا درجہ اور عظیم ثواب ہوتا ہے، اس لیے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سفر میں بزرگوں سے یہ معلوم کرتے تھے کہ اس سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس جگہ نماز پڑھی تھی اور اس جگہ نماز پڑھتے تھے۔ حالانکہ پاک زمین پر ہر جگہ نماز پڑھنی جائز ہے۔ چونکہ نماز اللہ کی پڑھنی ہے، سجدہ اللہ کو کرنا ہے اور کسی جگہ کی نماز پڑھنے کے لحاظ سے کوئی خصوصیت نہیں لیکن عتبان بن مالک انصاری یہ سمجھتے تھے کہ جس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھی ہو اس جگہ کی خاص اہمیت ہے اور اس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خاص انوار وتجلیات نازل ہوتے ہیں۔ تو جب حضرت عتبان بن مالک اس جگہ نماز پڑھیں گے تو ان پر بھی ان تجلیات میں سے کچھ تجلیات نازل ہوں گی اور اسی وجہ سے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سفر میں یہ معلوم کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس جگہ نماز پڑھتے تھے اور پھر اس جگہ نماز پڑھتے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ عمل اگرچہ کتاب وسنت پر زائد ہے لیکن اس کی تائید میں صحیح بخاری کی یہ حدیث ہے۔

اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ کسی بزرگ کے مزار کے قریب کوئی دروازہ ہو تو خیر وبرکت کے حصول کے لیے اس دروازے سے گزرنے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن اگر اس اعتقاد کے ساتھ گزرا جائے کہ اس دروازے سے گزرنے سے بندہ بہشتی ہو جاتا ہے تو اس کے لیے کتاب وسنت سے کسی دلیل کا ہونا ضروری ہے۔ چونکہ سنت سے تو صرف اتنا ثابت ہے: من قال لا الہ الا اللہ صادقا بہا دخل الجنۃ۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۴۱۱) جو شخص لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھے اور اس پر ایمان رکھے اور اس پر اس کا خاتمہ ہو جائے وہ جنتی ہو جائے گا، سو اگر اب یہ کہا جائے کہ جنتی ہونے کے لیے بہشتی دروازے سے گزرنا لازم ہوگا تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیان کی ہوئی شریعت پر اضافہ ہے، اس لیے میں تمام قارئین سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس بدعت سے احتراز کریں۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔ (سعیدی غفرلہ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "بے شک تمام لوگوں میں سے ابراہیم کے سب سے زیادہ قریب وہی لوگ ہیں جنہوں نے اُن کی پیروی کی ہے اور یہ نبی اور (اُن پر) ایمان لانے والے (ابراہیم کے سب سے زیادہ قریب ہیں)، اور اللہ ایمان والوں کے مددگار ہیں O" (آل عمران: ۶۸)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سب سے زیادہ قریب کا مصداق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی امت ہے

امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ آل عمران: ۶۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سب سے زیادہ قریب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکار ہیں یعنی المومنون۔

(تفسیر الطبری ج ۵ ص ۴۸۹، دار عالم الکتب، ریاض، مسند البزار: ۱۹۷۳، سنن ترمذی: ۲۹۹۵، مشکل الآثار للطحاوی: ۱۰۰۹، تفسیر ابن ابی حاتم ج ۲ ص ۳۲۶، تاریخ دمشق جز ۶ ص ۲۲۱، المستدرک ج ۲ ص ۲۹۲، ص ۵۵۳، اسباب النزول للواحدی ص ۷۹)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اہلِ کتاب کے ایک گروہ نے یہ چاہا کہ کاش! وہ تم کو گمراہ کردیں، حالانکہ وہ صرف اپنے آپ کو گمراہ کرتے ہیں اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے O'' (آل عمران: ۶۹)

یہود و نصاریٰ کا اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے میثاق سے انحراف کرنا

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری المتوفی ۳۱۰ھ آل عمران: ۶۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ'': اہلِ کتاب میں سے بعض لوگوں نے یہ چاہا کہ وہ تم کو گمراہ کردیں لیکن حقیقت میں وہ اپنی اس باطل خواہش کی وجہ سے خود گمراہ ہو رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو مول لے رہے ہیں اور اپنے کفر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کی لعنت کے مستحق ہو رہے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن سے جو میثاق لیا تھا جس کا ان کی کتابوں میں ذکر ہے، اس میثاق کو وہ توڑ رہے ہیں، اس میثاق میں انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کریں گے، آپ کی نبوت کا اقرار کریں گے اور تصدیق کریں گے، پھر اللہ جل ثناؤہٗ نے ان کے متعلق یہ خبر دی کہ وہ ایسا نہیں کر رہے بلکہ مومنین کو ہدایت سے پھیر کر گمراہی کی طرف لے جانا چاہ رہے ہیں اور اُن کو یہ پتا نہیں ہے کہ وہ دراصل خود گمراہ ہو رہے ہیں۔ (تفسیر الطبری ج ۵ ص ۴۹۰، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے اہلِ کتاب! تم اللہ کی آیات کا کیوں کفر کرتے ہو، حالانکہ تم خود ان آیات کی گواہی دیتے ہو O'' (آل عمران: ۷۰)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا انکار کرنے کی وجہ سے یہود و نصاریٰ کی مذمت

''يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ اَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ O'': اس آیت میں اہلِ کتاب سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں، اللہ تعالیٰ اُن سے ارشاد فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف تمہارے انبیاء کی زبانوں سے جو کتاب نازل فرمائی ہے جس میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برحق ہونے پر دلائل ہیں تم ان دلائل کا کیوں انکار کرتے ہو حالانکہ تم اس بات کی شہادت دیتے ہو کہ یہ دلائل تمہارے رب کی طرف سے برحق ہیں۔ اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب میں سے یہود اور نصاریٰ کی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا انکار کرنے کی وجہ سے مذمت فرمائی ہے گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اس بات کی شہادت دیتے ہو کہ حضرت محمد

(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے نبی ہیں، پھر تم ان کی نبوت کا انکار کرتے ہو اور تم ان پر ایمان نہیں لاتے، حالانکہ تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی کتابوں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہو کہ وہ ''اَلنَّبِیُّ الْاُمِّیُّ'' ہیں۔

(تفسیر الطبری ج ۵ ص ۴۹۱۔ ۴۹۲، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ، تفسیر ابن ابی حاتم: ۳۶۶۹، الدر المنثور ج ۲ ص ۴۲)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے اہلِ کتاب! تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں ملاتے ہو اور حق کو کیوں چھپاتے ہو حالانکہ تم خوب جانتے ہو O'' (آل عمران: ۷۱)

اہلِ کتاب کی تلبیس اور حق کو باطل کے ساتھ ملانے کے متعدد محامل

''یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۷۱'': یہود و نصاریٰ کا حق کو باطل کے ساتھ ملانا یہ تھا کہ وہ اپنی زبانوں سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کا اظہار کرتے تھے اور آپ اللہ کے پاس سے جو احکام لائے تھے اُن کے اقرار کا بھی اظہار کرتے تھے حالانکہ اُن کے دلوں میں اس کے برخلاف یہودیت اور نصرانیت تھی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن السیف، عدی بن زید اور الحارث بن عوف نے ایک دوسرے سے کہا: آؤ! ہم صبح کے وقت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ان کے اصحاب پر ایمان لائیں اور شام کے وقت اُن کے کفر کو اختیار کریں حتیٰ کہ مسلمانوں کے اوپر ان کا دین مشتبہ ہو جائے، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ۔۔۔''۔

ابن زید نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: حق سے مراد وہ تورات ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا اور باطل سے مراد وہ ہے کہ انہوں نے تورات میں اپنے ہاتھوں سے جو آیات لکھ کر تحریف کی۔ (تفسیر الطبری ج ۵ ص ۴۹۲۔ ۴۹۳، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ، سیرتِ ابن ہشام ج ۱ ص ۵۵۳، تفسیر ابن ابی حاتم: ۳۶۷۵، الدر المنثور ج ۲ ص ۴۲)

وَقَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْۤ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْۤا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ۝۷۲

اور اہلِ کتاب ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ تم دن کے اول وقت میں اُس کتاب پر ایمان لاؤ جو مسلمانوں پر نازل کی گئی ہے اور دن کے آخر وقت میں اُس کا انکار کر دو شاید کہ مسلمان اسلام سے برگشتہ ہو جائیں O

وَلَا تُؤْمِنُوْۤا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ یُّؤْتٰۤى اَحَدٌ مِّثْلَ مَاۤ اُوْتِیْتُمْ اَوْ یُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ ۚ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝۷۳

اور (وہ کہتے ہیں:) تم اپنے دین کے پیروکاروں کے سوا اور کسی کی بات نہ مانو، (اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: بے شک (حقیقی) ہدایت اللہ ہی کی ہدایت ہے (اور وہ یہ بھی کہتے ہیں) کہ تم یہ بھی نہ ماننا کہ جیسی نعمت تم کو دی گئی ہے اس کی مثل کسی اور کو ملے گی، یا

کوئی تمہارے رب کے سامنے تمہارے خلاف حجت قائم کرسکتا ہے، (اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: کہ نعمت (صرف) اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ جس کو چاہتے ہیں نعمت عطا فرماتے ہیں اور اللہ بہت وسعت والے اور بے نہایت علم والے ہیں O

يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾

(اللہ) اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہتے ہیں خاص فرمالیتے ہیں اور اللہ بہت بڑے فضل کے مالک ہیں O

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾

اور بعض اہلِ کتاب ایسے ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ڈھیروں مال امانت رکھ دو تو تم کو وہ مال واپس کر دیں گے، اور بعض اہلِ کتاب ایسے ہیں کہ اگر تم اُن کے پاس ایک دینار (اشرفی) بھی امانت رکھو تو جب تک تم ان کے سر پر کھڑے رہ کر تقاضا نہ کرتے رہو تو وہ تم کو واپس نہیں دیں گے، اس کا سبب یہ ہے کہ وہ یہ کہتے تھے کہ اَن پڑھ لوگوں کے متعلق ہم سے کچھ مواخذہ نہیں ہوگا، وہ باوجود علم کے اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں O

بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷۶﴾

کیوں نہیں! جس نے اپنے کئے ہوئے عہد کو پورا کیا اور اللہ سے ڈرا تو بے شک اللہ، (اللہ سے) ڈرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں O

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۷﴾

بے شک جو لوگ اللہ سے کئے ہوئے عہد اور اُس کی قسموں کے عوض تھوڑی قیمت حاصل کرتے ہیں اُن کے لیے آخرت میں اجر کا کوئی حصہ نہیں ہے، اور اللہ اُن کے ساتھ (رضا سے) کلام نہیں فرمائیں گے اور نہ قیامت کے دن اُن پر نظر (رحمت) فرمائیں گے اور نہ اُن کے باطن کو صاف فرمائے گا اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہے O

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۸﴾

اور بعض اہلِ کتاب ایسے ہیں جو اللہ کی کتاب (تورات) پڑھتے وقت اپنی زبانوں کو مروڑ لیتے ہیں تا کہ تم اُن کے پڑھے ہوئے کو کتاب کا حصہ گمان کرو حالانکہ وہ کتاب کا حصہ نہیں ہے، اور وہ کہتے ہیں کہ اُن کا پڑھا ہوا اللہ کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نازل فرمایا ہوا نہیں ہے اور وہ جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں O

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿٧٩﴾

اور جس بشر کو اللہ نے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا فرمائی ہو اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ (اس کے لیے جائز یہ ہے کہ وہ کہے:) بلکہ تم علماءِ ربانی بن جاؤ، کیونکہ تم اللہ کی کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور اُس کا درس دیتے ہو O

وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ۗ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿٨٠﴾

اور نہ اُس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ تم سے یہ کہے کہ فرشتوں کو اور نبیوں کو رب بنا ڈالو، کیا وہ تمہارے اسلام قبول کرنے کے بعد تم کو کفر کا حکم دے سکتا ہے! O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اہلِ کتاب ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ تم دن کے اول وقت میں اُس کتاب پر ایمان لاؤ جو مسلمانوں پر نازل کی گئی ہے اور دن کے آخر وقت میں اُس کا انکار کر دو شاید کہ مسلمان اسلام سے برگشتہ ہو جائیں O'' (آل عمران: ۷۲)

آل عمران: ۷۲ کا سببِ نزول

ابو مسلم محمد بن بحر الاصفہانی المعتزلی المتوفی ۳۲۵ھ آل عمران: ۷۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا'': یہود اور نصاریٰ کے رئیسوں نے ایک دوسرے سے کہا: تم مسلمانوں کے سامنے نفاق کو ظاہر کرو بہ شرطیکہ تم اپنے دین پر ثابت قدم رہو، کیونکہ مسلمان ابھی اپنے دین کے معاملہ میں مضطرب ہیں تو جب تم دن کے اول وقت میں (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان کو ظاہر کرو گے اور دین کے آخر وقت میں اُن کا انکار کرو گے تو مسلمان اپنے دین کے متعلق شک میں مبتلاء ہو جائیں گے۔ (تفسیر ابو مسلم ج ۲ ص ۸۵۔۸۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ھ)

السُّدِّی نے آل عمران: ۷۲ کی تفسیر میں بیان کیا: حجاز میں بارہ (۱۲) معروف علماءِ یہود تھے، انہوں نے ایک دوسرے سے

کہا کہ تم دن کے اول حصہ میں (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دین میں داخل ہو اور تم کہنا ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) برحق اور صادق ہیں اور جب دن کا آخری حصہ ہو تو تم اُن کا کفر کرنا اور تم کہنا: ہم اپنے علماء اور احبار کے پاس گئے اور ہم نے اُن سے (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے متعلق سوال کیا تو ہمارے علماء اور احبار نے بتایا کہ بے شک (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کاذب ہیں اور تم جس پر ایمان لائے ہو وہ باطل ہے، سو ہم اپنے علماء سے تحقیق کرنے کے بعد اپنے قولِ سابق سے رجوع کر رہے ہیں اور ہمارے علماء نے جو بتایا ہے وہ تمہارے دین سے بہت بہتر ہے اور جب تم مسلمانوں سے ایسا کہو گے تو وہ اپنے دین کے متعلق شک میں پڑ جائیں گے اور وہ کہیں گے: کیا وجہ ہے کہ دن کے اول حصہ میں تو یہ ہمارے ساتھ تھے اور دن کے آخر حصہ میں انہوں نے ہمارے دینِ اسلام سے رجوع کر لیا۔ (تفسیر الطبری ج ۵ ص ۴۹۶، دار عالم الکتب، ریاض، سنن سعید بن منصور: ۵۰۲، تفسیر ابن ابی حاتم: ۳۶۸۱، الکشاف ج ۱ ص ۴۰۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۷ھ، الدر المنثور ج ۲ ص ۴۲-۴۳)

مجاہد نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا کہ یہود کہتے تھے کہ میں نے (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی اور دن کے آخر حصہ میں آپ کا کفر کیا، یہ اُن کی سازش تھی تاکہ وہ لوگوں کو یہ دکھائیں کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پیروی کرنے کے بعد یہود پر آپ کی گمراہی منکشف ہو گئی اس لیے صبح جو وہ آپ پر ایمان لائے تھے شام کے وقت اس کا کفر کر دیا۔

(تفسیر مجاہد ص ۲۵۳، تفسیر ابن ابی حاتم: ۳۶۸۴)

اہلِ کتاب کی مذکور الصدر سازش پر مسلمانوں کو مطلع فرمانے کے فوائد

(۱) اس آیت میں غیب کی خبر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اہلِ کتاب مسلمانوں کو دینِ اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے ایسی سازش کریں گے، سو انہوں نے ایسی سازش کی اور قرآنِ مجید کی پیش گوئی صادق ہو گئی اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ غیب کی خبر دی تو یہ آپ کی نبوت پر دلیل ہو گئی۔

(۲) جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہود کی اس سازش پر مطلع فرما دیا تو اُن کی یہ سازش ناکام اور بے اثر ہو گئی۔

(۳) جب اہلِ کتاب مسلمانوں کو دینِ اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے اس مکر اور سازش میں ناکام ہو گئے تو اس سے دوسرے اہلِ کتاب کو عبرت حاصل ہوئی کہ اگر ہم نے مسلمانوں کے خلاف کوئی سازش کی یا کوئی مکر کیا یا انہیں دینِ اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے کوئی حیلہ کیا تو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اُن کی سازش سے مطلع فرما دے گا، لہٰذا وہ آئندہ مسلمانوں کے خلاف اس قسم کی سازش سے باز رہیں گے۔ (اللباب فی علوم الکتاب، ج ۵ ص ۳۱۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۱ء)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”اور (وہ کہتے ہیں:) تم اپنے دین کے پیروکاروں کے سوا اور کسی کی بات نہ مانو، (اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: بے شک (حقیقی) ہدایت اللہ ہی کی ہدایت ہے (اور وہ یہ بھی کہتے ہیں) کہ تم یہ بھی نہ ماننا کہ جیسی نعمت تم کو دی گئی ہے اس کی مثل کسی اور کو ملے گی، یا کوئی تمہارے رب کے سامنے تمہارے خلاف حجت قائم کر سکتا ہے، (اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے کہ نعمت (صرف) اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ جس کو چاہتے ہیں نعمت عطا فرماتے ہیں اور اللہ بہت وسعت والے اور بے نہایت علم والے ہیں O“ (آل عمران: ۷۳)

مسلمانوں کے خلاف اہلِ کتاب کی سازش کی ناکامی اور نامرادی

ابوالقاسم محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی المتوفی ۵۳۸ھ، آل عمران: ۷۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ'':

''وَلَا تُؤْمِنُوْٓا'' کا ربط ''اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ'' کے ساتھ ہے اور ان کے درمیان جو جملہ مذکور ہے وہ جملہ معترضہ ہے اور آیت کا معنی اس طرح ہے: تم اپنے ہم مذہب لوگوں کے سوا کسی پر یہ ظاہر نہ کرو کہ جیسی نعمت اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا فرمائی ہے ایسی نعمت اللہ تعالیٰ نے کسی اور کو بھی عطاء فرمائی ہے، اُن کی مراد یہ تھی کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اُن پر کتاب نازل فرمائی ہے، اسی طرح مسلمانوں پر بھی کتاب نازل فرمائی ہے لیکن انہوں نے اپنے لوگوں سے یہ کہا کہ تم اس بات کو مخفی رکھو اور اپنے ہم مذہب لوگوں کے علاوہ کسی اور پر ظاہر نہ کرو، خصوصاً مسلمانوں کو یہ نہ بتلاؤ کہیں وہ اپنے دین پر متصلب نہ ہو جائیں ورنہ مسلمان تمہارے رب کے سامنے تمہارے خلاف استدلال کریں گے یعنی قیامت کے دن مسلمان تمہارے خلاف حجت قائم کریں گے کہ تم یہ مانتے تھے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے تم پر تورات اور انجیل نازل کی ہے اسی طرح مسلمانوں پر بھی قرآن مجید کو نازل فرمایا ہے۔

پس اگر تم یہ سوال کرو کہ ان آیتوں کے درمیان جملہ معترضہ ہے ''اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ'' اس کا کیا محمل ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جب اہلِ کتاب نے اس طرح کہا کہ تم مسلمانوں پر یہ ظاہر نہ کرو کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہم پر کتاب نازل فرمائی ہے اسی طرح مسلمانوں پر بھی کتاب نازل فرمائی ہے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حقیقی ہدایت تو اللہ کی ہدایت ہے، وہ جس پر چاہتا ہے اس پر لطف وکرم فرما کر اسلام کی توفیق عطاء فرماتا ہے یا اُس کو اسلام پر ثابت قدم رکھتا ہے اور تم جو مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے مکر اور سازش کر رہے ہو اور حیلہ کر رہے ہو تو اس سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ'' یعنی ہدایت اور توفیق دینا یہ اللہ تعالیٰ کے فضل پر موقوف ہے، گویا کہ یوں فرمایا ہے کہ حقیقی ہدایت تو اللہ کی ہدایت ہے، پس تم اس کا انکار نہ کرو کہ کسی اور کو بھی اس کی مثل نعمت دی جائے گی جیسی نعمت تمہیں دی گئی ہے۔ (الکشاف ج ۱ ص ۴۰۰-۴۰۱، ملخصاً وملتقطاً، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

علامہ شرف الدین الحسین بن عبداللہ الطیبی المتوفی ۷۴۳ھ، علامہ زمخشری کی اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم اپنے ہم مذہب لوگوں کے سوا اور کسی کے سامنے یہ اقرار نہ کرو کہ کسی اور کو بھی ایسی نعمت دی جا سکتی ہے جیسی نعمت تمہیں دی گئی ہے کیونکہ مسلمان جب یہ سنیں گے تو وہ اپنے دین میں اور پختہ ہو جائیں گے اور مشرکین کو جب اس کا علم ہوگا تو وہ بھی دینِ اسلام میں رغبت کریں گے، پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کے اس کلام کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا: ''قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ'' یعنی جو لوگ تم میں سے اسلام لائے ہیں تو اُن کا ہدایت کو قبول کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اور جس کو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہدایت ملی ہو تو اس کی ہدایت کو تمہارا مکر اور سازش کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا، یعنی ایسی کامل ہدایت جو ہدایت کا نام دیے جانے کی مستحق ہے وہ صرف اللہ عزوجل کی دی ہوئی ہدایت ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت عطاء فرماتا ہے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا، لیکن تم نے جو کچھ کہا وہ اس حسد کی وجہ سے کہا کہ مسلمان اپنے دین پر ثابت قدم رہیں گے اور کفار بھی اُن کے دین کی طرف رغبت کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کی اس زجر وتوبیخ کا یہ معنی بھی ہے کہ حقیقی ہدایت تو اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے جو اس کو شامل ہے کہ مشرکین بھی اللہ کے لُطف سے

اسلام قبول کرلیں اور مسلمان اسلام پر جمے رہیں اور جب ایسا ہوگا تو اس کے خلاف تمہارا مکر اور تمہاری سازش تمہیں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے گی۔ (فتوح الغیب فی الکشف عن قناع الریب ج ۴ ص ۱۴۳-۱۴۴، جائزۃ دبی الدولیۃ للقرآن الکریم، ۱۴۳۴ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اللہ) اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہتے ہیں خاص فرمالیتے ہیں اور اللہ بہت بڑے فضل کے مالک ہیں ○'' (آل عمران: ۷۴)

ربطِ آیات اور اہلِ کتاب کے مسلمانوں سے حسد کا سبب

علامہ ابوحفص عمر بن علی الدمشقی الحنبلی المتوفی ۸۸۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ'': اس سے پہلے اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا تھا کہ اے رسولِ اکرم صلی اللہ علیک وسلم! آپ اُن سے کہہ دیجئے ''اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ'' یعنی کامل ہدایت تو صرف اللہ عزوجل کی ہدایت ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اس طرح کتاب نازل فرمائی ہے جس طرح تم پر کتاب نازل فرمائی تھی، اور اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے، سوتم نے اس وجہ سے مجھ سے حسد کیا اور تم نے میری نبوت کا انکار کیا، سو آپ اِن سے کہہ دیجئے ''اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ'' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اِن تمام آیات میں مومنین سے خطاب ہو، یعنی اے مسلمانوں کی جماعت! اللہ تعالیٰ نے تمہیں بھی اس طرح کتاب عطا فرمائی ہے جس طرح اِن کو کتاب عطا فرمائی تھی، تو یہ تم سے حسد کرتے ہیں، سوتم کہو کہ نعمت اور فضل تو اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ (اللباب فی علوم الکتاب ج ۵ ص ۳۲۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۱ء)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بعض اہلِ کتاب ایسے ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ڈھیروں مال امانت رکھ دو تو تم کو وہ مال واپس کر دیں گے، اور بعض اہلِ کتاب ایسے ہیں کہ اگر تم اُن کے پاس ایک دینار (اشرفی) بھی امانت رکھو تو جب تک تم ان کے سر پر کھڑے رہ کر تقاضا نہ کرتے رہو تو وہ تم کو واپس نہیں دیں گے، اس کا سبب یہ ہے کہ وہ یہ کہتے تھے کہ اَن پڑھ لوگوں کے متعلق ہم سے کچھ مواخذہ نہیں ہوگا، وہ باوجود علم کے اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ○'' (آل عمران: ۷۵)

امانت میں خیانت کرنے کی مذمت

امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، آل عمران: ۷۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ'': آل عمران: ۷۵ یہود کی مذمت کے متعلق نازل ہوئی ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ یہود میں کچھ لوگ امین بھی تھے اور کچھ لوگ خائن تھے، اس آیت میں ''قِنْطَار'' کا لفظ ہے اس سے مراد ہے مالِ کثیر اور اس آیت میں ''دینار'' کا لفظ ہے، اس سے مراد ہے مالِ قلیل، یعنی اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ ان یہود میں بعض لوگ امین ہیں، اگر اُن کے پاس ڈھیروں مال بھی امانت میں رکھا جائے تو جب امانت رکھنے والا اس کو واپس طلب کرے تو وہ اس کو ڈھیروں مال ادا کر دیتے ہیں، اور یہود میں سے بعض ایسے ہیں کہ اُن کے پاس تھوڑا مال بھی امانت رکھا جائے تو وہ اس کو ادا

نہیں کرتے، مقاتل نے کہا: جولوگ ڈھیروں مال کو بھی طلب کرنے پر ادا کر دیتے ہیں، یہ اہلِ کتاب میں سے مومنین ہیں جیسے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب، اور اُن میں سے جولوگ ایسے ہیں کہ اُن کے پاس تھوڑا مال بھی امانت رکھا جائے تو وہ ادا نہیں کرتے، یہ یہود میں سے کُفار ہیں جیسے کعب بن الاشرف اور اس کے اصحاب۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: جولوگ کثیر مال کو بھی واپس کر دیتے ہیں، اس سے مراد حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ہیں، اُن کے پاس ایک مرد نے ایک ہزار دوسو (۱۲۰۰) سونے کے اوقیہ امانت رکھوائے اور جب اس نے اپنی امانت طلب کی تو انہوں نے اس کا مال واپس کر دیا۔ اور جولوگ تھوڑا مال بھی واپس نہیں کرتے اس سے مراد فنحاص بن عازوراء ہے، قریش کے ایک مرد نے اُس کے پاس ایک دینار امانت رکھا تو فنحاص نے اس میں خیانت کی اور اس کو وہ ایک دینار واپس نہیں کیا۔

یہود اس خیانت کو جائز سمجھتے تھے اور وہ کہتے تھے کہ اِن، اَن پڑھ لوگوں کے متعلق ہم سے کوئی باز پُرس نہیں ہوگی، اور اگر ہم اِن کے مال میں خیانت کریں تو ہم پر کوئی گرفت نہیں ہوگی، کیونکہ یہود یہ کہتے تھے کہ مشرکین عرب کے اموال ہمارے لیے حلال ہیں کیونکہ وہ ہمارے دین پر نہیں ہیں، اور ہماری کتاب میں اُن کی کوئی حرمت نہیں ہے، اور جولوگ دین میں اُن کے مخالف ہوں اُن پر ظلم کرنے کو وہ جائز قرار دیتے ہیں۔

حسن بصری، ابن جریج اور مقاتل نے بیان کیا کہ زمانۂ جاہلیت میں بعض لوگوں نے یہودیوں کے ہاتھ کچھ اموال فروخت کیے، پھر انہوں نے اسلام کو قبول کر لیا، مسلمان ہونے کے بعد انہوں نے یہودیوں سے اپنے فروخت شدہ مال کی قیمت لینے کا تقاضا کیا تو یہود نے کہا: تمہارا ہم پر کوئی حق نہیں ہے کیونکہ تم نے اپنے دین کو ترک کر دیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان عہد منقطع ہو گیا اور انہوں نے کہا کہ ہماری آسمانی کتابوں میں اسی طرح لکھا ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی تکذیب فرمائی اور ارشاد فرمایا: ''وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝''۔ (معالم التنزیل ج ۱ ص ۴۵۸، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

غیر مسلموں کے اموال کو اُن کی اجازت کے بغیر لینے کی ممانعت

امام عبدالرزاق بن ہمام المتوفی ۲۱۱ھ آل عمران: ۷۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ایک مرد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ ہم ذمیوں کے باغات میں سے پھلوں کا کوئی خوشہ اتار لیتے ہیں یا اُن کی کوئی مرغی پکڑ لیتے ہیں یا کوئی بکری پکڑ لیتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پوچھا: تم ذمیوں کے ان اموال کو لینے کی کیا تاویل کرتے ہو؟ اس نے کہا: ہم یہ کہتے ہیں کہ ذمیوں کا مال غصب کرنے کے متعلق ہم سے کوئی پرسش اور پوچھ گچھ نہیں ہوگی اور نہ ہم سے کوئی گرفت ہوگی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ تو ایسا ہے جیسا اہلِ کتاب نے کہا تھا: ''لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ''، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب ذمیوں نے جزیہ ادا کر دیا تب تمہارے لیے اُن کی اجازت کے بغیر اُن کے کسی مال کو لینا جائز نہیں ہے۔ (تفسیر عبدالرزاق ج ۱ ص ۱۲۳، کتاب الاموال لابن زنجویہ: ۶۴۲، سنن بیہقی ج ۹ ص ۱۹۸، کتاب الاموال لابی عبید: ۴۱۵، تفسیر ابن ابی حاتم: ۳۷۱۱، تفسیر الطبری ج ۵ ص ۵۱۳، دار عالم الکتب، ریاض ۱۴۳۴ھ)

بعض علماء کا دارالحرب میں غیر مسلموں سے سود لینے کو جائز قرار دینا

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ نے سود کو مطلقاً حرام فرمادیا لیکن بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ دارالحرب میں غیر مسلموں سے سود لینا جائز ہے، اسی بناء پر وہ کہتے ہیں کہ پاکستان میں بھی غیر مسلموں کے بینکوں سے سود لینا جائز ہے، ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسے یہود نے کہا تھا "لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ"۔

دارالحرب میں غیر مسلموں سے سود لینے کے جواز کے متعلق مذاہب ائمہ

علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ المقدسی الدمشقی الحنبلی المتوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

دارالحرب میں سود اسی طرح حرام ہے جس طرح دارالاسلام میں حرام ہے، امام احمد بن حنبل، امام مالک، امام اوزاعی، امام ابو یوسف، امام شافعی اور امام اسحاق کا یہی مذہب ہے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا کہ مسلمان اور حربی کے درمیان دارالحرب میں ربا جاری نہیں ہوگا اور اُن سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ دو شخص دارالحرب میں مسلمان ہو گئے تو ان کے درمیان ربا نہیں ہوگا اور ان کے اموال مباح ہیں۔

(میں کہتا ہوں: امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو دارالحرب میں احکام شرعیہ نافذ کرنے کی ولایت اور طاقت حاصل نہیں ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ دارالحرب میں مسلمانوں کا سود کھانا جائز ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)۔

نیز علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ نے جس حدیث کا ذکر کیا ہے وہ مرسل ہے جس کی صحت کا ہمیں علم نہیں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس حدیث میں "لا" نفی کے بجائے نہی یعنی ممانعت کے لیے ہو، مسلمان دارالحرب میں حربی سے سود نہ لیں اور جس چیز کو قرآنِ مجید نے علی العموم والاطلاق حرام فرمادیا ہے اور سنتِ مشہورہ سے بھی اس کی علی الاطلاق حرمت ثابت ہے اور اس کے حرام ہونے پر اجماع ہو چکا ہے، اس کے عموم اور اطلاق کو ایسی مجہول خبر کے سبب سے ترک کر دینا جائز نہیں ہے، جو حدیث نہ صحاح ستہ کی کسی کتاب میں ہے نہ مسند میں نہ کسی معتمد اور مستند کتاب میں ہے، تو ایسی مرسل روایت کی وجہ سے صریح قرآنِ مجید اور احادیثِ صحیحہ کے حکم کو ترک کرنا کس طرح جائز ہوگا؟ (المغنی ج ۵ ص ۴۳۱-۴۳۲، دارالحدیث، القاہرہ، ۱۴۲۵ھ)

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ غیر مسلموں کے اموال کو جس طرح بھی ممکن ہو حاصل کر لیا جائے تو جائز ہے، بشرطیکہ اس سے مسلمان کی عزت مجروح نہ ہو۔

دارالحرب اور دارالکفر کے احکام کا فرق

میں کہتا ہوں: جب مسلمان کسی کافر قوم سے برسرِ جنگ ہوں تو اس وقت کافروں کا ملک دارالحرب ہوتا ہے اور اس وقت دارالحرب کے کافروں کی جان اور اموال مباح ہیں، لیکن جن ممالک سے مسلمان برسرِ جنگ نہیں ہیں ان سے سفارتی تعلقات قائم کیے ہوئے ہیں اور ان کے ہاں پاسپورٹ اور ویزہ کے ذریعہ آنا جانا جاری اور معمول ہے اور ان ممالک میں مسلمانوں کو جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ حاصل ہے بلکہ انہیں وہاں اسلامی احکام پر عمل کرنے کی بھی آزادی ہے جیسے امریکا، برطانیہ، کینیڈا اور جرمنی

وغیرہ، ایسے ممالک دار الحرب نہیں ہیں بلکہ دار الکفر ہیں اور ایسے ممالک کے کافروں کے اموال مسلمانوں پر مباح نہیں ہیں، بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ کافروں کے اموال مسلمانوں پر مباح ہیں خواہ جس طرح بھی حاصل ہوں بشرطیکہ اس سے مسلمانوں کا وقار مجروح نہ ہو۔ ہم نے اس سے پہلے امام عبد الرزاق کی تفسیر کے حوالہ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ جب ذمی جزیہ ادا کرتے ہیں تو اُن کی اجازت کے بغیر ان کے مال کو لینا جائز نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ عیسائیوں اور یہودیوں کا مال مروّجہ قانون کے بغیر لینا جائز نہیں ہے اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اِن غیر مسلموں کا مال ناجائز طریقہ سے لینے کی بناء پر ہم سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی اور کوئی گرفت نہیں ہوگی تو یہ ایسا ہی ہے جیسے یہود نے کہا تھا ''لَيۡسَ عَلَيۡنَا فِى الۡاُمِّيّٖنَ سَبِيۡلٌ''۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''کیوں نہیں! جس نے اپنے کئے ہوئے عہد کو پورا کیا اور اللہ سے ڈرا تو بے شک اللہ، (اللہ سے) ڈرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں O'' (آل عمران: ۷۶)

''بَلٰى'': یعنی کیوں نہیں، اس طرح نہیں ہے جس طرح یہود نے کہا ہے کہ اَن پڑھ لوگوں کا مال چھین لیا جائے یا اُن کی امانت واپس نہ کی جائے تو اس پر گرفت نہیں ہوگی، بلکہ اس پر اُن سے باز پرس ہوگی اور ان کی گرفت ہوگی، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''مَنۡ اَوۡفٰى بِعَهۡدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَّقِيۡنَ ۝'': یعنی جنہوں نے تورات میں اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے اس وعدہ کو پورا کیا کہ وہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لائیں گے اور قرآن کو مانیں گے اور امانت کو ادا کریں گے اور وہ لوگ کُفر کرنے اور امانت میں خیانت کرنے اور عہد شکنی کرنے سے ڈرے تو بے شک اللہ تعالیٰ متقین کو پسند فرماتا ہے، حدیث میں ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: چار خصلتیں جس شخص میں ہوں وہ منافق ہوگا اور جس شخص میں اُن میں سے کوئی ایک خصلت ہو تو اس میں نفاق کی خصلت ہوگی حتیٰ کہ وہ اس خصلت کو چھوڑ دے، وہ چار خصلتیں یہ ہیں: (۱) جب بات کرے تو جھوٹ بولے، (۲) جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے، (۳) جب عہد کرے تو اس کو توڑ دے، (۴) جب کسی سے جھگڑا کرے تو فحش کلام کرے۔

(صحیح البخاری: ۳۴، ۲۴۵۹، صحیح مسلم: ۲۸۸۸، سنن نسائی: ۵۰۲۰، سنن ابوداؤد: ۴۶۸۸، سنن ابن ماجہ: ۳۹۶۵، مسند احمد: ۱۹۹۹۵)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک جو لوگ اللہ سے کئے ہوئے عہد اور اُس کی قسموں کے عوض تھوڑی قیمت حاصل کرتے ہیں اُن کے لیے آخرت میں اجر کا کوئی حصہ نہیں ہے، اور اللہ اُن کے ساتھ (رضا سے) کلام نہیں فرمائیں گے اور نہ قیامت کے دن اُن پر نظر (رحمت) فرمائیں گے اور نہ اُن کے باطن کو صاف فرمائیں گے اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہے O'' (آل عمران: ۷۷)

''اِنَّ الَّذِيۡنَ يَشۡتَرُوۡنَ بِعَهۡدِ اللّٰهِ وَاَيۡمَانِهِمۡ ثَمَنًا قَلِيۡلًا'': اس آیت کی وضاحت درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے ایسی قسم کھائی جس کے ذریعہ وہ کسی مسلمان شخص کے مال پر قبضہ کرلے اور وہ اس قسم میں جھوٹا ہو تو وہ اس حالت میں اللہ عزوجل سے ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوگا، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''اِنَّ الَّذِيۡنَ يَشۡتَرُوۡنَ بِعَهۡدِ اللّٰهِ وَاَيۡمَانِهِمۡ ثَمَنًا قَلِيۡلًا۔۔''

یعنی جو لوگ اللہ جل ثناؤہٗ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی قیمت خریدتے ہیں اُن لوگوں کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور نہ آخرت میں اللہ تعالیٰ اُن سے (محبت سے) کلام فرمائے گا اور نہ قیامت کے دن اُن کی طرف نظرِ (رحمت) فرمائے گا اور نہ ان کے باطن کو صاف فرمائے گا اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہے۔

پھر حضرت اشعث رضی اللہ عنہ نے آکر پوچھا: تمہیں ابوعبدالرحمٰن نے اس آیت کے متعلق کیا بتایا ہے جو میرے متعلق نازل ہوئی ہے؟ انہوں نے بتایا کہ میرے چچازاد کی زمین میں میرا ایک کنواں تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: تم اپنے گواہ لاؤ (کہ یہ تمہارا کنواں ہے)؟ میں نے عرض کیا: میرے پاس گواہ نہیں ہیں، آپ نے فرمایا: پھر اُس کی قسم ہوگی، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ تو حلف اٹھالے گا! تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا: (جس نے کسی مسلمان کے مال پر قبضہ کرنے کے لیے جھوٹی قسم کھائی تو وہ اس حال میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوگا)، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق میں آل عمران: ۷۷ کو نازل فرمایا۔ (صحیح البخاری: ۲۳۵۶، ۲۳۵۷، صحیح مسلم: ۱۳۸، الرقم المسلسل: ۲۵۲، سنن ترمذی: ۳۰۰۷، سنن ابوداؤد: ۳۲۴۳، سنن ابن ماجہ: ۲۳۱۳، شرح السنہ: ۲۴۹۴، مسند ابوداؤد الطیالسی: ۱۰۵۰، صحیح ابن حبان: ۵۰۸۴، تفسیر الطبری: ۷۲۷۹، مسند الحمیدی: ۹۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۳، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۱۷۸، مسند احمد: ۳۵۷۶، موسسۃ الرسالہ، بیروت)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بعض اہلِ کتاب ایسے ہیں جو اللہ کی کتاب (تورات) پڑھتے وقت اپنی زبانوں کو مروڑ لیتے ہیں تاکہ تم اُن کے پڑھے ہوئے کو کتاب کا حصہ گمان کرو حالانکہ وہ کتاب کا حصہ نہیں ہے، اور وہ کہتے ہیں کہ اُن کا پڑھا ہوا اللہ کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نازل فرمایا ہوا نہیں ہے اور وہ جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں O'' (آل عمران: ۷۸)

امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ آل عمران: ۷۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَاِنَّ مِنۡهُمۡ لَفَرِيۡقًا يَّلۡوٗنَ اَلۡسِنَتَهُمۡ بِالۡكِتٰبِ'': اللہ جل ثناؤہٗ نے فرمایا ہے کہ بعض اہلِ کتاب تورات پڑھتے وقت اپنی زبانوں کو مروڑ لیتے ہیں، ان سے مراد یہود ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں مدینہ میں رہتے تھے، اور زبان کو مروڑنے سے مراد یہ ہے کہ وہ تورات میں تحریف کرتے تھے اور وہ یہ زعم کرتے تھے کہ انہوں نے تحریف کرکے اپنی زبانوں کو مروڑ کر جو تلاوت کی ہے اور اُس کو تورات کے ساتھ ملا دیا ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے اور اُن کا یہ کہنا کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، سو یہ اللہ عزوجل پر افتراء ہے، اور وہ عمداً اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے تھے۔

(تفسیر طبری ج ۵ ص ۵۲۱۔ ۵۲۲، تفسیر مجاہد ص ۲۵۴، تفسیر بن ابی حاتم: ۳۷۴۴، الدر المنثور ج ۲ ص ۴۶، التبیان للطوسی ج ۲ ص ۵۰۸)

زبان مروڑ کر تحریف کرنے کی یہود کی دیگر مثالیں

(۱) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں سے کوئی علمی بات فرماتے تو وہ کہتے ''رَاعِنَا یَا رَسُوْلَ اللہ'' یعنی یا رسول اللہ! ہمارے ذہنوں کی رعایت فرمایئے! اور آسان الفاظ میں فرمایئے تاکہ ہم سمجھ لیں اور یاد کرلیں، اور یہود کی عبرانی یا سُریانی زبان میں ''رَاعِیۡنَا'' ایک گالی تھی، مسلمانوں سے ''رَاعِنَا'' سن کر ان کو موقع ملا کہ وہ اس لفظ کو کھینچ کر ''رَاعِیۡنَا'' کہیں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب

کرتے ہوئے ''رَاعِنَا'' کہتے اور گالی کا قصد کرتے، (ان کی لغت میں اس کا معنی تھا: ہمارے جاہل، یا ہمارے احمق)۔

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

وَ قَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿۹۹﴾ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی ؕ قَالَ یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۰۲﴾ فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ﴿۱۰۳﴾ وَ نَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰۤاِبْرٰهِیْمُ ﴿۱۰۴﴾ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ﴿۱۰۶﴾ وَ فَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۰۷﴾ وَ تَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۱۰۸﴾ سَلٰمٌ عَلٰۤی اِبْرٰهِیْمَ ﴿۱۰۹﴾ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۱۰﴾ (الصافات: ۹۹۔۱۱۰)

اور (ابراہیم نے) کہا: بے شک میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں، وہ عنقریب میری رہنمائی فرمائے گاO (ابراہیم نے اپنے رب سے دعا کی:) اے میرے رب! مجھے صالح بیٹا عطا فرماO تو ہم نے اُن کو بُردبار لڑکے کی بشارت دیO پس جب وہ لڑکا ابراہیم کے ساتھ چلنے پھرنے کی عمر کو پہنچا تو (ابراہیم نے اپنے بیٹے سے) کہا: اے میرے پیارے بیٹے! بے شک میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ بے شک میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں، سو اب تم غور کر کے بتاؤ کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ بیٹے نے عرض کیا: اے ابا جان! آپ وہی کام کیجئے جس کا آپ کو حکم فرمایا گیا ہے، ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گےO پس جب وہ دونوں اللہ کے حکم کے سامنے جھک گئے اور ابراہیم نے اپنے بیٹے کو پیشانی کے بل گرا دیاO اور ہم نے ابراہیم کو ندا فرمائی کہ اے ابراہیم!O بے شک آپ نے اپنا خواب سچا کر دکھایا، بے شک ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا عطا فرماتے ہیںO یقیناً یہ صرف کھلی ہوئی آزمائش ہےO اور ہم نے اس لڑکے کے فدیہ میں بہت بڑا ذبیحہ عطا فرمایاO اور بعد میں آنے والوں میں ہم نے اُن کا ذکرِ جمیل چھوڑاO ابراہیم پر سلام ہوO ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا عطا فرماتے ہیںO

ان آیات میں یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے مُلک سے ہجرت کی تو آپ نے اپنے رب سے یہ دعا کی کہ اے رب! مجھے صالح بیٹا عطا فرما، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ حکم دیا کہ وہ اس بیٹے کو اللہ کے حکم سے ذبح کر دیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے اس کے متعلق مشورہ کیا تو بیٹے نے کہا: آپ وہی کیجئے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو پیشانی کے بل گرا دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''آپ نے اپنا خواب سچا کر دیا'' اور اُس بیٹے کے فدیہ میں ایک بہت بڑا ذبیحہ عطا فرمایا، ان آیات میں اس بیٹے سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں، کیونکہ نمرود کا ملک چھوڑنے کے بعد حضرت ہاجرہ سے آپ کے بیٹے اسماعیل پیدا ہوئے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ کو اور حضرت اسماعیل کو مکہ کے ریگستان میں چھوڑ آئے تھے، پھر وہیں پر حضرت اسماعیل علیہ السلام چلنے پھرنے کی عمر کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی قربانی کا حکم دیا اور پھر

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ میں ایک مینڈھے کو ذبح کر دیا، یہ قربانی مَروَہ کے پاس ہوئی تھی، یہود نے اس میں یہ تحریف کی کہ تورات میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ حضرت اسحاق علیہ السلام کا نام لکھ دیا اور مروَہ کے بجائے موریاہ لکھ دیا، سواب ہم تورات کی آیات پیش کر رہے ہیں جن سے یہود کی یہ تحریف ظاہر ہوتی ہے:

ان باتوں کے بعد یوں ہوا کہ خدا نے ابرَ ہام کو آزمایا اور اس سے کہا: اے ابرہام! اس نے کہا: میں حاضر ہوں، تب اس نے کہا کہ تو اپنے بیٹے اضحاق کو جو تیرا اکلوتا ہے اور جسے تو پیار کرتا ہے ساتھ لے کر موریاہ کے ملک میں جا اور وہاں اسے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ کا جو میں تجھے بتاؤں گا تو سوختنی قربانی کے طور پر چڑھاO

(پیدائش، باب: ۲۲، آیت: ۱ تا ۳، پرانا عہد نامہ (تورات)، ص: ۲۱، بائبل سوسائٹی، انارکلی، لاہور ۱۹۹۲ء)

اس کے بعد تورات کی درج ذیل آیات ہیں:

(۲) اور ابرہام نے سوختنی قربانی کی لکڑیاں لیکر اپنے بیٹے اضحاق پر رکھیں اور آگ اور چھری اپنے ہاتھ میں لی اور دونوں اکٹھے روانہ ہوئےO تب اضحاق نے اپنے باپ ابرہام سے کہا: اے باپ! اس نے جواب دیا کہ اے میرے بیٹے میں حاضر ہوں۔ اس نے کہا: دیکھ آگ اور لکڑیاں تو ہیں پر سوختنی قربانی کے لیے برّہ کہاں ہے؟O ابرہام نے کہا: اے میرے بیٹے! خدا آپ ہی اپنے واسطے سوختنی قربانی کے لیے برّہ مہیا کریگا۔ سو وہ دونوں آگے چلتے گئےO اور اس جگہ پہنچے جو خدا نے بتائی تھی۔ وہاں ابرہام نے قربانگاہ بنائی اور اس پر لکڑیاں چنیں اور اپنے بیٹے اضحاق کو باندھا اور اسے قربانگاہ پر لکڑیوں کے اوپر رکھاO اور ابرہام نے ہاتھ بڑھا کر چھری لی کہ اپنے بیٹے کو ذبح کریںO تب خداوند کے فرشتے نے اسے آسمان سے پکارا کہ اے ابرہام! اے ابرہام! اس نے کہا: میں حاضر ہوںO پھر اس نے کہا کہ تو اپنا ہاتھ لڑکے پر نہ چلا اور نہ اسے کچھ کر کیوں کہ میں اَب جان گیا کہ تو خدا سے ڈرتا ہے اس لیے کہ تو نے اپنے بیٹے کو بھی جو تیرا اکلوتا ہے مجھ سے دریغ نہ کیاO اور ابرہام نے نگاہ کی اور اپنے پیچھے ایک مینڈھا دیکھا جس کے سینگ جھاڑی میں اٹکے تھے، تب ابرہام نے جا کر اس مینڈھے کو پکڑا اور اپنے بیٹے کے بدلے سوختنی قربانی کے طور پر چڑھایاO (پیدائش، باب: ۲۲، آیت: ۶ تا ۱۳، پرانا عہد نامہ (تورات)، ص: ۲۱، بائبل سوسائٹی، انارکلی، لاہور ۱۹۹۲ء)

تورات کے اس اقتباس میں بھی یہ دلیل موجود ہے کہ قربانی حضرت اسحاق علیہ السلام کی نہیں تھی، کیونکہ تورات کی آیات میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اکلوتے بیٹے کی قربانی دی اور حضرت اسحاق علیہ السلام اکلوتے بیٹے نہیں تھے کیونکہ حضرت اسحاق علیہ السلام بعد میں پیدا ہوئے ہیں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام اُن سے پہلے حضرت ہاجَرہ کے بطن سے پیدا ہو چکے تھے، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجَرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مروہ کے پاس چھوڑ کر چلے گئے تھے اور وہیں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی دی، یہود نے زبان مروڑ کر تورات میں تحریف کر کے مروہ کی جگہ موریاہ لکھ دیا۔

(۳) تورات کے قدیم عربی ایڈیشن میں لکھا ہوا ہے:

''جاء الرب من سیناء واشرق لهم من سعیر وتلالا من جبل فاران واتی من ربوات القدس۔''

(تثنیة، باب: ۳۳، آیت: ۲، الکتاب المقدس ای کتب العهد القدیم)

ترجمہ: خداوند سینا سے آیا اور سعیر سے ان پر آشکارا ہوا اور پہاڑ فاران سے ان پر جلوہ گر ہوا اور ہزاروں قدسیوں کے ساتھ آیا۔

تورات کی یہ بشارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر منطبق ہوتی ہے، کیونکہ آپ ہزاروں صحابہ کے ساتھ مکہ مکرمہ تشریف لائے تھے، اس لیے بعد کے یہود نے اس میں تحریف کر کے ہزاروں کی جگہ لاکھوں لکھ دیا تاکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ بشارت منطبق نہ ہو، چنانچہ تورات کے اردو ایڈیشن میں اس طرح لکھا ہے:

''خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر آشکارا ہوا۔ وہ کوہِ فاران سے جلوہ گر ہوا، اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا''۔

سو یہود نے ہزاروں کی جگہ لاکھوں لکھ دیا، واضح رہے کہ تورات میں رِبوات کا لفظ ہے جس کا معنی ہے ہزاروں، اور رَبوات کا معنی ہے لاکھوں، سو انہوں نے لفظ کو کھینچ کر رِبوات کی جگہ رَبوات پڑھا اور اس کا ترجمہ لاکھوں لکھ دیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جس بشر کو اللہ نے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا فرمائی ہو اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ (اس کے لیے جائز یہ ہے کہ وہ کہے:) بلکہ تم علماءِ ربانی بن جاؤ، کیونکہ تم اللہ کی کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور اُس کا درس دیتے ہو ۝'' (آل عمران: ۷۹)

آلِ عمران: ۷۹ کا سببِ نزول

''مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنۡ یُّؤۡتِیَهُ اللّٰهُ الۡکِتٰبَ'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ابو رافع القرظی نے کہا: جب مدینہ کے یہود اور نجران کے نصاریٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جمع ہوئے اور آپ نے اُن کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے کہا: اے محمد! کیا آپ کا یہ ارادہ ہے کہ ہم آپ کی اس طرح عبادت کریں جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ ابن مریم کی عبادت کی تھی؟ پھر اہلِ نجران میں سے ایک نصرانی نے کہا جس کو الرئیس کہا جاتا تھا: اے محمد! کیا آپ ہم سے یہی چاہتے ہیں اور اسی کی طرف ہمیں دعوت دیتے ہیں؟ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: معاذ اللہ! ہم اس سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کریں یا ہم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کا حکم دیں، مجھے اللہ تعالیٰ نے اس چیز کے ساتھ نہیں بھیجا اور نہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم فرمایا ہے، تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: ''مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنۡ یُّؤۡتِیَهُ اللّٰهُ الۡکِتٰبَ''۔۔۔

(تفسیر الطبری، ج۵ ص ۵۲۴۔۵۲۵، دار عالم الکتب، ۱۴۳۲ھ تفسیر ابن ابی حاتم: ۳۷۵۶، سیرت ابن ہشام ج۱ ص ۵۵۴، دلائل النبوۃ للبیہقی: ج۵ ص ۳۸۴)

''رَبّٰنِیّٖنَ'' کی تفسیر میں مفسرین کے متعدد اقوال

''وَلٰکِنۡ کُوۡنُوۡا رَبّٰنِیّٖنَ'': ابو رزین نے بیان کیا کہ ربانیین سے مراد ہے حکماء، علماء۔

(تفسیر سفیان ص ۷۸، سنن سعید بن منصور: ۵۰۴ تفسیر ابن ابی حاتم: ۳۷۴۹، المحرر الوجیز ج۲ ص ۴۸۴، البحر المحیط ج۲ ص ۵۰۶۔)

مجاہد نے کہا: ''الربانیین'' سے مراد ہیں الفقہاء العلماء، اور ان کا مرتبہ الاحبار سے زیادہ ہوتا ہے۔ (تفسیر مجاہد ص ۲۵۴)، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اس کی مثل مروی ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم: ۳۷۴۹)۔

ابن زید نے اس کی تفسیر میں کہا ہے ''الربانیین'' وہ ہیں جو عام لوگوں کو اور حکمرانوں کو تعلیم و تربیت دیتے ہیں۔

امام ابو جعفر نے کہا: میرے نزدیک ''الربانیین'' کی تفسیر میں صحیح قول یہ ہے کہ یہ ربانی کی جمع ہے اور ربانی اس کو کہتے ہیں جو ربان کی طرف منسوب ہو۔ اور یہ وہ شخص ہے جو لوگوں کے معاملات کی اصلاح کرتا ہے اور اُن کو تعلیم و تربیت دیتا ہے۔ اور جو شخص

فقیہ ہو اور حکمت کا عالم ہو اور وہ لوگوں کو خیر اور اصلاح کی تعلیم دیتا ہو اور اسی طرح وہ حکیم ہوتا ہے جو اللہ سے ڈرنے والا ہو، پس اس تفصیل کے اعتبار سے ربانی وہ لوگ ہیں جو فقیہ ہوں اور دین و دنیا کے امور کے عالم ہوں اور اسی وجہ سے مجاہد نے کہا ہے: ان کا مرتبہ الاحبار سے اوپر ہے، کیونکہ الاحبار وہ ہوتے ہیں جو العلماء ہوں اور ربانی وہ ہے جو علم اور فقہ کا جامع ہو اور سیاست اور تدبیر اور عوام کی اصلاح کا عالم ہو۔ (تفسیر الطبری ج ۵ ص ۵۲۹۔۵۳۱، دار عالم الکتب، ریاض ۱۴۳۴ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور نہ اُس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ تم سے یہ کہے کہ فرشتوں کو اور نبیوں کو رب بنا ڈالو، کیا وہ تمہارے اسلام قبول کرنے کے بعد تم کو کفر کا حکم دے سکتا ہے!O'' (آل عمران: ۸۰)

فرشتوں اور نبیوں کو رب بنانے کی ممانعت

''وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا'':

اس آیت کی تاویل یہ ہے کہ نبی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم فرشتوں کو اور نبیوں کو اللہ کو چھوڑ کر اپنا رب بنا لو، خصوصاً جب کہ تم اسلام کو قبول کر چکے ہو اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر رہے ہو اور اس کی عبادت کر رہے ہو تو پھر تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کرو۔ (تفسیر الطبری ج ۵ ص ۵۳۳۔۵۳۵، دار عالم الکتب، ریاض، ریاض ۱۴۳۴ھ)

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾

اور (اے رسولِ اکرم!) جب اللہ نے نبیوں سے ان کا عہد لیا کہ میں تم کو جو کتاب اور حکمت عطا فرما دوں، پھر تمہارے پاس ایک عظیم رسول آ جائے جو اُن آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمہارے ساتھ ہیں، سو تم اس پر ضرور بہ ضرور ایمان لانا اور تم ضرور بہ ضرور اس کی مدد کرنا، فرمایا: کیا تم نے یہ اقرار کر لیا اور اس پر میرے بھاری عہد کو قبول کر لیا؟ ان سب نے کہا: ہم نے اقرار کر لیا، فرمایا: پس تم (اس پر) گواہ رہنا اور میں خود بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں O

فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾

پھر جس نے اس عہد کے بعد اس سے روگردانی کی تو وہی لوگ نافرمان ہوں گے O

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے سوا کوئی اور دین تلاش کرتے ہیں، حالانکہ تمام آسمانوں والوں اور زمینوں والوں نے خوشی اور ناخوشی

سے اسی کے لیے گردن جھکائی ہے اور سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے O

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۠ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾

(اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: ہم اللہ پر ایمان لائے اور ہم اس پر ایمان لائے جو ہم پر نازل فرمایا گیا اور اس پر ایمان لائے جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل کیا گیا، اور جو موسیٰ اور عیسیٰ کو عطا فرمایا گیا اور (دوسرے) نبیوں کو اُن کے رب کی طرف سے (عطا فرمایا گیا) ہم ان میں سے کسی کے درمیان (ایمان لانے میں) فرق نہیں کرتے اور ہم سب اسی کے لیے گردن جھکائے ہوئے ہیں O

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾

اور جس نے اسلام کے سوا کسی اور دین کو طلب کیا تو اس سے وہ دین ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا O

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾

اللہ اُن لوگوں کو کیونکر ہدایت عطاء فرمائیں گے جنہوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کو اختیار کیا اور جو لوگ یہ گواہی دے چکے تھے کہ بے شک رسول برحق ہیں اور ان کے پاس واضح دلائل آچکے تھے، اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں عطاء فرماتے O

اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾ۙ

ان لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی (لعنت ہے) O

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾ۙ

وہ اس لعنت میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، ان کے عذاب میں نہ تخفیف فرمائی جائے گی اور نہ اُن کو مہلت عطاء فرمائی جائے گی O

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۣ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾

سوا اُن لوگوں کے جنہوں نے اس کے بعد توبہ کرلی اور انہوں نے نیکی کو اختیار کرلیا، سو بے شک اللہ تعالیٰ بہت معاف فرمانے والے، بے حد رحم فرمانے والے ہیں O

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۰﴾

بے شک جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کیا، پھر وہ کفر میں بڑھ گئے، ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں فرمائی جائے گی اور وہی لوگ گمراہ ہیں O

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۹۱﴾

ع ۹ / ۱۱ / ۱۷

بے شک جن لوگوں نے کفر کو اختیار کیا اور وہ لوگ حالتِ کفر میں مر گئے تو اُن میں سے کسی کا روئے زمین کے برابر دیا ہوا سونا بھی (فدیہ میں) قبول نہیں فرمایا جائے گا خواہ وہ سونا فدیہ میں دیں، ان لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے اور ان لوگوں کا کوئی مدد کرنے والا نہیں ہے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے رسولِ اکرم!) جب اللہ نے نبیوں سے ان کا عہد لیا کہ میں تم کو جو کتاب اور حکمت عطا فرما دوں، پھر تمہارے پاس ایک عظیم رسول آجائے جو اُن آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمہارے ساتھ ہیں، سو تم اس پر ضرور بہ ضرور ایمان لانا اور تم ضرور بہ ضرور اس کی مدد کرنا، فرمایا: کیا تم نے یہ اقرار کر لیا اور اس پر میرے بھاری عہد کو قبول کر لیا؟ ان سب نے کہا: ہم نے اقرار کر لیا، فرمایا: پس تم (اس پر) گواہ رہنا اور میں خود بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں O پھر جس نے اس عہد کے بعد اس سے روگردانی کی تو وہی لوگ نافرمان ہوں گے O'' (آل عمران: ۸۱۔ ۸۲)

آل عمران: ۸۱ میں مذکور میثاق انبیاء علیہم السلام سے لیا گیا تھا یا اُن کی امتوں سے؟

ابو مسلم محمد بن بحر الاصفہانی المعتزلی المتوفی ۳۲۲ھ آل عمران: ۸۱۔ ۸۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ'': اس ظاہر آیت میں یہ دلیل ہے کہ جن لوگوں سے اللہ تعالیٰ نے میثاق لیا اُن پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت ایمان لانا واجب ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت تمام انبیاء فوت ہو چکے تھے، اور جو فوت ہو چکا ہو وہ مکلف نہیں ہوتا، اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی بعثت کے وقت جن لوگوں کا آپ پر ایمان لانا واجب تھا وہ انبیاء علیہم السلام نہیں تھے بلکہ اُن کی امتیں تھیں، سو یہ میثاق انبیاء علیہم السلام سے نہیں بلکہ اُن کی امتوں سے لیا گیا تھا اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جس نے اس عہد اور اقرار کے بعد اس سے روگردانی کی وہ فاسق ہو گا اور فاسق ہونے کا وصف انبیاء علیہم السلام کی شان کے لائق نہیں ہے یہ وصف ان کی امتوں کے مناسب ہے، اس سے ثابت ہوا کہ یہ میثاق انبیاء علیہم السلام سے نہیں بلکہ ان کی امتوں سے لیا گیا تھا۔

(تفسیر ابو مسلم، ج ۲ ص ۸۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ھ)

جمہور مسلمین کے نزدیک میثاق مذکور کا انبیاء علیہم السلام سے لیا جانا

حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور قتادہ اور السدّی نے کہا کہ یہ میثاق انبیاء علیہم السلام سے لیا گیا ہے، اس آیت میں اُن کی امتوں کا ذکر نہیں ہے، اس لیے اس میثاق کا تعلق اُن کی امتوں کے ساتھ نہیں ہے۔ نیز السدّی نے بیان کیا کہ اللہ عزوجل نے حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر بعد کے تمام نبیوں سے یہ میثاق لیا کہ وہ ضرور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائیں گے اور اگر وہ زندہ ہوئے تو وہ ضرور ان کی مدد کریں گے نہ کہ اُن نبیوں نے اپنی امتوں سے یہ عہد لیا کہ وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائیں جب وہ مبعوث ہوں اور ضرور ضرور ان کی مدد کریں جب وہ زندہ ہوں۔

(تفسیر الطبری ج ۵ ص ۵۴۰، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ، تفسیر ابن ابی حاتم: ۳۷۶۱، ۳۷۶۴، الدر المنثور ج ۲ ص ۴۷، سیرتِ ابن ہشام ج ۱ ص ۵۵۵، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۵ ص ۳۸۷)

ابو مسلم اصفہانی معتزلی کے اعتراض کا جواب

ابو مسلم اصفہانی نے کہا ہے: یہ میثاق نبیوں سے نہیں لیا گیا بلکہ اُن کی امتوں سے لیا گیا ہے کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ جس نے اس عہد اور میثاق کے بعد اس سے روگردانی کی تو وہ نافرمان ہوگا، اور انبیاء علیہم السلام کی شان کے لائق یہ نہیں ہے کہ اُن کے متعلق یہ کہا جائے کہ وہ نافرمان ہوں گے، اس لیے یہ وصف ان کی امتوں کے مناسب ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر اس عہد اور میثاق کے بعد بالفرض کسی نے اس عہد اور میثاق سے روگردانی کی تو وہ نافرمان ہوگا، اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۵﴾ (الزمر: ۶۵)'' (اے رسولِ اکرم!) (اگر آپ نے بھی بالفرض شرک کیا تو ضرور آپ کے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے اور ضرور آپ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے O)۔ اور یہ بات سب کے نزدیک مسلّم ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شرک کا صدور نہیں ہو سکتا تو اس آیت کا یہی محمل ہے کہ اگر بالفرض آپ نے شرک کیا تو آپ کے بھی اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ اسی طرح آل عمران: ۸۱ میں فرمایا ہے کہ ''اگر بالفرض انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے عہد اور میثاق کے بعد اس عہد سے روگردانی کی تو وہ نافرمان ہو جائیں گے''۔ نیز اسی طرح قرآن مجید میں ہے: ''وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿۴۴﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿۴۵﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿۴۶﴾ (الحاقۃ: ۴۴-۴۶)'' (اور اگر بالفرض رسول ہم پر کوئی بات بھی اپنی طرف سے بنا کر کہہ دیتے O تو ہم ضرور ان کو پوری قوت سے پکڑ لیتے O پھر ہم ضرور ان کی شہ رگ کاٹ ڈالتے O)، اور ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ متصور نہیں تھا کہ آپ اپنی طرف سے کوئی بات بنا کر اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب فرما دیتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اگر بالفرض آپ بھی ایسا کرتے تو ہم آپ کو پوری قوت سے پکڑ لیتے اور یہ اس لیے فرمایا ہے تاکہ ظاہر ہو جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار قریش اور دنیا والوں کے سامنے جو کلام پیش کیا ہے وہ صرف اللہ کا کلام ہے آپ کی طرف سے بنایا ہوا کلام نہیں ہے کیونکہ اگر بالفرض یہ کلام آپ کا بنایا ہوا ہوتا اور آپ اس کو اللہ کی طرف منسوب کرتے جیسا کہ کفارِ قریش کا زعم تھا تو ضرور اللہ تعالیٰ آپ کو پوری قوت کے ساتھ پکڑ لیتا اور جب ایسا نہیں ہوا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو پوری قوت کے ساتھ نہیں پکڑا تو معلوم ہوا کہ آپ

نے جو کلام پیش کیا تھا وہ اپنی طرف سے بنایا ہوا نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کا کلام تھا، سو جس طرح اس آیت میں فرمایا ہے کہ اگر بالفرض آپ اپنے بنائے ہوئے کلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تو اللہ تعالیٰ آپ کو پوری قوت سے پکڑ لیتا یا جس طرح الزمر: ۶۵ میں فرمایا کہ اگر بالفرض آپ بھی شرک کرتے تو آپ کے اعمال بھی ضائع ہو جاتے، اسی طرح آلِ عمران: ۸۱ میں فرمایا ہے کہ اگر بالفرض انبیاء علیہم السلام بھی اللہ تعالیٰ سے عہد کرنے کے بعد اس عہد سے روگردانی کرتے تو وہ فاسق ہو جاتے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اہلِ کتاب سے کسی چیز کے متعلق سوال نہ کرو، کیونکہ وہ تمہیں کبھی بھی ہدایت نہیں دیں گے، وہ خود گمراہ ہو چکے ہیں، (یعنی اگر تم نے اہلِ کتاب سے سوال کیا اور پھر ان کے جواب پر اعتماد کیا تو) سو بے شک یا تو تم کسی باطل کی تصدیق کرو گے یا کسی حق کی تصدیق کرو گے، پس بے شک اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام تمہارے سامنے زندہ ہوتے تو اُن کے لیے اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں تھا کہ وہ میری پیروی کرتے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۸، رقم الحدیث: ۱۴۶۳۱، مسند البزار، کشف الاستار: ۱۲۴، مسند ابو یعلیٰ: ۲۱۳۵، سنن بیہقی ج ۲ ص ۱۰-۱۱، شعب الایمان للبیہقی: ۱۷۹، مصنف عبد الرزاق: ۱۰۱۵۸، ۱۹۲۰۹، ۱۰۱۶۲، ۱۹۲۱۲، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور اُن کے بعد جتنے بھی انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے، ان سب سے یہ عہد لیا کہ اگر ان کی زندگی میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مبعوث ہوئے تو وہ ضرور بہ ضرور ان پر ایمان لائیں گے اور ضرور بہ ضرور ان کی نصرت کریں گے۔ (بحوالہ: اللباب فی علوم الکتاب، ج ۵ ص ۳۵۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۱ء)

علامہ سید محمود آلوسی البغدادی الحنفی المتوفی ۱۲۷۰ھ آل عمران: ۸۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اسی وجہ سے عارفین کا یہ مذہب ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نبی مطلق ہیں اور رسولِ حقیقی ہیں اور آپ کے سوا دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام حکماً آپ کے تابع ہیں۔ (روح المعانی ج ۳ ص ۳۳۵، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

عزوجل کا ارشاد ہے: ''کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے سوا کوئی اور دین تلاش کرتے ہیں، حالانکہ تمام آسمانوں والوں اور زمینوں والوں نے خوشی اور ناخوشی سے اسی کے لیے گردن جھکائی ہے اور سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے ○'' (آل عمران: ۸۳)

''وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا'': خوشی سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کے احکام پر سہولت سے عمل کرنا، اور ناخوشی سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کا معنی ہے: جب اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرنے میں مشقت ہو، مجاہد نے کہا کہ مومن اللہ تعالیٰ کی خوشی سے اطاعت کرتا ہے یعنی اپنے اختیار سے اور کافر ناخوشی سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے یعنی جبراً، اور اس کی دلیل یہ آیت ہے:

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۞ (الرعد: ۱۵)

اور تمام آسمانوں والے اور تمام زمینوں والے اللہ ہی کے لیے سجدہ کر رہے ہیں خواہ اپنے اختیار سے خواہ جبر سے، اور اُن کے سائے بھی صبح اور شام (اللہ ہی کے لیے سجدہ کر رہے ہیں) ○

دوسری تفسیر یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ''یوم المیثاق'' کو فرمایا: ''اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوْا بَلٰى ۔۔ (الاعراف: ۱۷۲)'' (اللہ تعالیٰ نے فرمایا:) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا: کیوں نہیں!)، بعض نے خوشی سے کہا اور بعض نے ناخوشی سے کہا، اور بعض نے اختیار سے کہا اور بعض نے جبر سے کہا۔ قتادہ نے بیان کیا کہ مومن خوشی سے اسلام لایا تو اس کو اسلام نے نفع پہنچایا اور کافر یاس کے وقت (یعنی موت کے وقت علاماتِ عذاب کو دیکھ کر) اسلام لایا تو اس کو اسلام نے نفع نہیں پہنچایا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ۔۔۔ (المومن: ۸۵)'' (جب انہوں نے ہمارے عذاب کو دیکھ لیا اس وقت ان کے ایمان لانے نے ان کو نفع نہیں پہنچایا)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: ہم اللہ پر ایمان لائے اور ہم اس پر ایمان لائے جو ہم پر نازل کیا گیا اور اس پر ایمان لائے جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل فرمایا گیا، اور جو موسیٰ اور عیسیٰ کو عطا کیا گیا اور (دوسرے) نبیوں کو اُن کے رب کی طرف سے (عطا فرمایا گیا) ہم ان میں سے کسی کے درمیان (ایمان لانے میں) فرق نہیں کرتے اور ہم سب اسی کے لیے گردن جھکائے ہوئے ہیں O'' (آل عمران: ۸۴)

''قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا'': اللہ تعالیٰ نے متعدد ملّتوں اور ادیان کا ذکر فرمایا اور لوگوں کے اُن میں اضطراب کا بیان فرمایا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ حکم فرمایا کہ وہ کہیں: ''اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا''۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جس نے اسلام کے سوا کسی اور دین کو طلب کیا تو اس سے وہ دین ہرگز قبول نہیں فرمایا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا O'' (آل عمران: ۸۵)

''وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ'': یہ آیت بارہ مردوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو اسلام سے مرتد ہو کر مدینہ سے نکل گئے تھے اور کفارِ مکہ کے پاس پہنچ گئے، ان میں سے الحارث بن سوید الانصاری بھی تھے تو ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: ''وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ''۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اللہ اُن لوگوں کو کیونکر ہدایت عطا فرمائیں گے جنہوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کو اختیار کیا اور جو لوگ یہ گواہی دے چکے تھے کہ بے شک رسول برحق ہیں اور ان کے پاس واضح دلائل آ چکے تھے، اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں عطا فرماتے O'' (آل عمران: ۸۶)

''كَيْفَ يَهْدِى اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ'': اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو آخرت میں جنت کی طرف کیونکر رہنمائی فرمائے گا اور انہیں جنت میں کیسے ثواب عطا فرمائے گا جنہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد پھر کفر کو اختیار کیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''ان لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی

(لعنت ہے) ○ وہ اس لعنت میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، ان کے عذاب میں نہ تخفیف فرمائی جائے گی اور نہ اُن کو مہلت عطاء فرمائی جائے گی ○ سوا اُن لوگوں کے جنہوں نے اس کے بعد توبہ کرلی اور انہوں نے نیکی کو اختیار کر لیا، سو بیشک اللہ تعالیٰ بہت معاف فرمانے والے، بے حد رحم فرمانے والے ہیں ○ ” (آل عمران: ۸۷۔۸۹)

”اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ وَ اَصْلَحُوْا ۟ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۸۹﴾“: ایک مرد نے جا کر الحارث بن سوید کو یہ آیت پڑھ کر سنائی تو الحارث نے کہا: بے شک اللہ کی قسم! میں جانتا ہوں کہ تم ضرور سچے ہو اور بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم سے زیادہ سچے ہیں اور بے شک اللہ عزوجل ہم سب سے زیادہ سچا ہے، پھر الحارث بن سوید مدینہ کی طرف لوٹ آئے اور اسلام قبول کرلیا اور نہایت عمدگی سے اسلام کے اوپر عمل کیا، رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنا جمیع المسلمین۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”بے شک جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کو اختیار کیا، پھر وہ کفر میں بڑھ گئے، ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں فرمائی جائے گی اور وہی لوگ گمراہ ہیں ○ ” (آل عمران: ۹۰)

”اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ“: قتادہ اور حسن بصری نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت ان یہودیوں کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کفر کیا اور ایمان لانے کے بعد انجیل کا کفر کیا اور تمام انبیاء علیہم السلام کا کفر کیا، پھر وہ کفر میں اور بڑھ گئے اور انہوں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اور قرآن کا کفر کیا۔

الکلبی نے کہا: یہ آیت حضرت الحارث بن سوید رضی اللہ عنہ کے دس اصحاب کے متعلق نازل ہوئی، جب حضرت الحارث نے اسلام کی طرف رجوع کرلیا اور ان کے اصحاب مکہ میں اپنے کفر پر قائم رہے اور انہوں نے کہا کہ ہم کفر پر برقرار رہیں گے، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کرلیا تو الحارث کے اصحاب میں سے بعض لوگ اسلام میں داخل ہوگئے اور ان کی توبہ قبول فرمالی گئی، اور جو لوگ ان میں سے کفر پر برقرار رہے ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: ”اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَ مَاتُوْا وَ هُمْ کُفَّارٌ اُولٰٓئِکَ عَلَیْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِکَةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۶۱﴾۔ (البقرہ: ۱۶۱)“ (بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ حالتِ کفر میں ہی مر گئے (تو) یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی لعنت ہے اور تمام فرشتوں اور (تمام) لوگوں کی لعنت ہے ○)۔

توبہ قبول فرمانے اور قبول نہ فرمانے کا ضابطہ

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ جو توبہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا، تو پھر اس آیت کی کیا توجیہ ہے؟ ”ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی اور وہی لوگ گمراہ ہیں۔۔ (آل عمران: ۹۰)“۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اُس وقت ان کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی جب وہ علاماتِ عذاب کو دیکھ کر توبہ کریں گے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَی اللّٰهِ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ فَاُولٰٓئِکَ یَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ؕ وَ

اللہ نے جس توبہ کے قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے وہ توبہ صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو نادانی سے کوئی گناہ کر بیٹھیں پھر فوراً اس گناہ

كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷﴾ وَ لَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰۤى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَ لَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۸﴾ (النساء: ۱۷۔۱۸)

سے توبہ کرلیں تو وہ ایسے لوگ ہیں جن کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول فرمالیتا ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا، بے حد حکمت والا ہے O اور اُن لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو مسلسل گناہ کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی ایک پر موت آجائے تو اس وقت وہ کہتا ہے کہ میں نے اب توبہ کی، اور نہ ان کی توبہ قبول ہوتی ہے جو حالتِ کفر میں مرجاتے ہیں، ان لوگوں کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک جن لوگوں نے کفر کو اختیار کیا اور وہ لوگ حالتِ کفر میں مرگئے تو اُن میں سے کسی کا روئے زمین کے برابر دیا ہوا سونا بھی (فدیہ میں) قبول نہیں فرمایا جائے گا خواہ وہ سونا فدیہ میں دیں، ان لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے اور ان لوگوں کا کوئی مدد کرنے والا نہیں ہے O'' (آل عمران: ۹۱)

''اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ'': حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل (قیامت کے دن) اس شخص سے دریافت فرمائے گا جسے دوزخ کا سب سے کم عذاب دیا ہوگا: اگر تمہاری ملکیت میں تمام روئے زمین ہوتی تو کیا تم اس زمین کو اس عذاب سے نجات دینے کے لیے فدیہ میں دیتے؟ وہ شخص عرض کرے گا: جی ہاں! تب اللہ عزوجل ارشاد فرمائے گا: جب تم آدم کی پشت میں تھے تو میں نے تم سے اس سے بھی کم چیز کا سوال کیا تھا، (میں نے فرمایا تھا:) تم کسی کو میرا شریک نہ بنانا، سو تم نے شریک بنانے سے بالکل انکار کر دیا تھا۔ (صحیح البخاری: ۳۳۳۴، ۶۵۳۸، ۶۵۵۷، صحیح مسلم: ۲۸۰۵، الرقم المسلسل: ۶۹۷۷، شرح السنۃ: ۴۴۰۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۴۴۳، سنن بیہقی ج ۳ ص ۱۴۶، مسند ابو یعلیٰ: ۴۱۹۸، صحیح ابن حبان: ۷۳۴۵، مسند احمد ج ۲ ص ۱۳۰، طبع قدیم، مسند احمد: ۱۲۳۱۲، ج ۱۹ ص ۳۲۳، موسسۃ الرسالہ، بیروت)

یعنی اس شخص نے دنیا میں آ کر شرک کیا اور اس نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں اللہ تعالیٰ سے شرک نہ کرنے کا جو عہد کیا تھا اس کو پورا نہ کیا، لہٰذا اس کو دوزخ کے عذاب میں ڈال دیا گیا۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۹۲﴾

(اے مسلمانو!) جب تک تم اپنی پسندیدہ چیزوں کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرو گے اس وقت تک تم نیکی حاصل نہیں کرسکو گے، اور تم جو کچھ بھی (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہو تو بے شک اللہ اس کو خوب جاننے والے ہیں O

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۳﴾

کھانے کی تمام چیزیں بنی اسرائیل کے لیے حلال تھیں سوا ان چیزوں کے جن کو یعقوب نے نزولِ تورات سے پہلے خود اپنے اوپر حرام کر لیا تھا (اگر یہود اس کو نہیں مانتے تو اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: تم تورات لا کر اس کی تلاوت کرو اگر تم سچے ہو O

فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾

وقف جبرئیل علیہ السلام

پھر جو شخص اس کے بعد اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے تو وہی لوگ ظالم ہیں O

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۗ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۵﴾

(اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: اللہ نے سچ فرمایا، پس تم ابراہیم کے دین کی پیروی کرو جو ہر باطل کو چھوڑ کر حق کی طرف مائل تھے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے O

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۚ ﴿۹۶﴾

بے شک لوگوں کی خاطر اللہ کی عبادت کے لیے سب سے پہلا گھر جو بنایا گیا یہ وہی ہے جو مکہ میں ہے (وہ گھر) برکت والا ہے اور تمام جہان والوں کے لیے ہدایت کا سبب ہے O

فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ۬ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾

اس گھر میں واضح نشانیاں ہیں، ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے، اور جو اس گھر میں داخل ہوا وہ بے خوف ہو گیا، اور لوگوں پر اللہ کا حق ہے کہ وہ اس کے گھر کا حج (قصد) کریں جو اس گھر کے راستہ (پر جانے) کی طاقت رکھتے ہوں، اور جس نے کفر کیا تو بے شک اللہ تمام جہانوں سے بے پرواہ ہیں O

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾

(اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: اے اہلِ کتاب! تم اللہ کی آیتوں کے کفر کو کیوں اختیار کرتے ہو، اور اللہ تمہارے تمام کاموں پر گواہ ہیں O

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾

(اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: اے اہلِ کتاب! تم اللہ کے راستہ سے لوگوں کو کیوں روکتے ہو، جو لوگ ایمان لائیں تم ان کی راہ کو ٹیڑھا کرنا چاہتے ہو حالانکہ تم خود (اس راہ کے برحق ہونے پر) گواہ ہو، اور اللہ تمہارے کسی کام سے بے خبر نہیں ہیں O

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾

اے ایمان والو! اگر تم اہلِ کتاب کے ایک فریق کے کہنے کو مانو گے تو وہ تم کو ایمان لانے کے بعد کفر کی طرف لوٹا دیں گے O

وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۭ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾

اور تم کیونکر کفر کرو گے حالانکہ تم پر اللہ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں اور تم میں اللہ کا رسول جلوہ فرما ہے اور جس نے اللہ کا سہارا لیا تو بے شک اسے سیدھے راستہ کی ہدایت عطاء فرمائی گئی O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے مسلمانو!) جب تک تم اپنی پسندیدہ چیزوں کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرو گے اس وقت تک تم نیکی حاصل نہیں کر سکو گے، اور تم جو کچھ بھی (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہو تو بے شک اللہ اس کو خوب جاننے والے ہیں O'' (آل عمران: ۹۲)

پسندیدہ چیز خرچ کرنے کے متعلق احادیث

''لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ'': حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کے مدینہ میں تمام انصار سے زیادہ کھجور کے باغات تھے اور ان کا سب سے زیادہ پسندیدہ باغ وہ تھا جو بیرحاء (مدینہ کا ایک باغ جس میں پانی کا چشمہ بھی تھا) میں تھا، اور وہ باغ مسجد نبوی کے سامنے تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس باغ میں داخل ہوتے اور اس باغ کا میٹھا پانی پیتے، پھر جب یہ آیت نازل ہوئی: ''لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔ (آل عمران: ۹۲)'' تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! بے شک اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''(اے مسلمانو!) جب تک تم اپنی پسندیدہ چیزوں کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرو گے اس وقت تک تم نیکی حاصل نہیں کر سکو گے۔۔۔ (آل عمران: ۹۲)''، اور بے شک میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ مال بیرحاء کا باغ ہے، اور بے شک یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے صدقہ ہے، میں اس کی نیکی اور اللہ کے پاس اس کے اجر کے ذخیرہ ہونے کی امید رکھتا ہوں، یارسول اللہ! جہاں اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے وہاں آپ اس باغ کو خرچ کر دیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھوڑو! یہ نفع آور مال ہے، یہ نفع آور مال ہے، اور تم نے جو کہا ہے وہ میں نے سن لیا، اور میری رائے یہ ہے کہ تم یہ مال اپنے رشتہ داروں کو دے دو، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں اسی طرح کروں گا، پھر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے وہ باغ اپنے رشتہ داروں میں اور چچا کے بیٹوں میں تقسیم کر دیا۔

(صحیح البخاری: ۱۴۶۱، ۲۳۱۸، صحیح مسلم: ۹۹۸، مسند احمد: ۱۲۰۳۰، موطا امام مالک: ۱۸۷۵، سنن دارمی: ۱۶۵۵، مسند احمد: ۱۲۱۴۴، ۱۲۷۸۱، ۱۲۷۶۷، مسند عبد بن حمید: ۱۴۱۳، سنن ترمذی: ۲۹۹۷، مسند ابویعلیٰ: ۳۸۶۵، صحیح ابن خزیمہ: ۲۴۵۸، ۲۴۵۹، سنن دار قطنی ج ۴ ص ۱۹۱)

مجاہد آل عمران: ۹۲ کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کو اس دن خط لکھا جس دن حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے جہاد کی وجہ سے مدائن کسریٰ فتح ہوئے تھے (انہوں نے لکھا) کہ وہ اُن کے لیے قیدی باندیوں میں سے ایک باندی خرید لیں، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس باندی کو بلایا، پھر انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ" سو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس باندی کو آزاد کر دیا۔

(تفسیر الطبری ج ۵ ص ۲۷۴۔۲۷۵، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ، تفسیر مجاہد ص ۲۵۵۔۲۵۶)

عمرو بن دینار بیان کرتے ہیں کہ جب آل عمران: ۹۲ نازل ہوئی تو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ "سبل" نامی ایک گھوڑی کو لے کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے، پس عرض کیا: یا رسول اللہ! اس گھوڑی کو صدقہ کر دیجئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ گھوڑی ان کے بیٹے حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرما دی، حضرت زید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرا ارادہ تو یہ تھا کہ آپ اس گھوڑی کو صدقہ کر دیں، (اور آپ نے تو یہ گھوڑی میرے ہی بیٹے کو عطاء فرما دی)، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک تمہارا صدقہ قبول کر لیا گیا۔ (تفسیر طبری ج ۵ ص ۵۷۵۔۵۷۶، دار عالم الکتب، ریاض، تاریخ دمشق جز ۱۲ ص ۲۵۸، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ، تفسیر عبد الرزاق ج ۱ ص ۱۲۶)

پسندیدہ چیز سے مراد کسی چیز کا قابلِ انتفاع اور لائقِ استعمال ہونا ہے

میں کہتا ہوں: اس آیت میں ارشاد ہے کہ اپنی پسندیدہ اور محبوب چیز اللہ کی راہ میں دی جائے، اس آیت کا یہ منشاء نہیں ہے کہ سب سے قیمتی اور سب سے افضل چیز صدقہ میں دی جائے بلکہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ایسی چیز صدقہ میں دی جائے جو قابلِ استعمال ہو اور ردّی اور ناکارہ چیز صدقہ میں نہ دی جائے، اس پر دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ (البقرہ: ۲۶۷)

اور ناقص چیزوں کو اللہ کی راہ میں دینے کا ارادہ نہ کرو (ایسی چیزیں) جن سے تم (دوسروں کو تو) دیتے ہو اور تم خود ان چیزوں کو لینے والے نہیں ہو سوا اس کے کہ تم اُن چیزوں میں بے توجہی کرو۔

میمون بن ابی شبیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک سائل آیا، آپ نے اسے روٹی کا ایک ٹکڑا دے دیا، پھر آپ کے پاس ایک ایسا مرد آیا جس نے قیمتی پوشاک اور معزز لباس پہنا ہوا تھا، آپ نے اس کو عزت کے ساتھ بٹھایا، پھر اس کو کھانا کھلایا، بعد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کے متعلق سوال کیا گیا (کہ آپ نے ان دونوں کے ساتھ ایک جیسا سلوک نہیں کیا) تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے "انزلوا الناس منازلهم" (لوگوں سے ان کی حیثیت کے مطابق سلوک کرو)۔

(سنن ابوداؤد: ۴۸۴۲، اتحاف السادۃ المتقین ج ۱ ص ۳۴۳، ج ۶ ص ۲۶۵، کنز العمال: ۱۸۰۵۷، مکارم الاخلاق: ۸، جرجان: ۲۴۷)

ہر شخص کو اس کی حیثیت کے مطابق ہدیہ دینا

میں کہتا ہوں: البقرہ: ۲۶۷ اور سنن ابوداؤد: ۴۸۴۲ سے یہ واضح ہوا کہ ہر شخص کو اس کی حیثیت کے مطابق ہدیہ پیش کیا جائے، اگر کوئی امیر کبیر اور معزز شخص ہو تو اس کو قیمتی چیز ہدیہ میں دی جائے، اور اگر کوئی فقیر ہو یا غریب طالب علم ہو تو اس کو معمولی

چیز ہدیہ میں دی جائے ،لیکن شرط یہ ہے کہ وہ چیز قابلِ استعمال اور قابلِ انتفاع ہو،بعض اوقات ایک مال دار اور معزز شخص کے کسی قیمتی کوٹ پر معمولی سا دھبہ یا داغ لگ جاتا ہے، وہ اس کو پسند نہیں کرتا لیکن وہ کسی غریب طالب علم کو وہ کوٹ دے دے تو اس کے لیے یہ نعمتِ عظمیٰ ہوگی، ہاں وہ اپنے جیسے مال دار اور معزز شخص کو ایسا داغدار کوٹ نہ دے۔ نیز اس کا یہ معنی بھی ہے کہ کسی شوگر کے مریض کے پاس کوئی مہمان آئے اور شوگر کا مریض تو پھیکی اور روکھی چیز پسند کرتا ہے سو وہ کسی صحت مند مہمان کے سامنے پھیکی اور روکھی چیز رکھ دے کہ بھائی میری تو پسندیدہ چیز یہی ہے، سو اسے چاہیے کہ اگر اس کے پاس کوئی ایسا مہمان آئے جو شوگر کا مریض ہو تو اس کو تو پھیکی اور روکھی چیز ہی دے اور اگر کوئی صحت مند مہمان آئے تو پھر وہ اس کو اس کی حیثیت کے مطابق لذیذ اور عمدہ چیز کھانے کے لیے دے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ’’کھانے کی تمام چیزیں بنی اسرائیل کے لیے حلال تھیں سوا ان چیزوں کے جن کو یعقوب نے نزولِ تورات سے پہلے خود اپنے اوپر حرام کرلیا تھا (اگر یہود اس کو نہیں مانتے تو اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: تم تورات لاکر اس کی تلاوت کرو اگر تم سچے ہوO‘‘ (آل عمران: ۹۳)

آل عمران: ۹۳ کا سببِ نزول اور بنی اسرائیل پر اونٹ کے گوشت کی تحریم کی تحقیق

’’كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ اِسۡرَآءِيۡلَ ‘‘: آل عمران: ۹۳ کے نزول کا سبب یہ ہے کہ یہودِ مدینہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: آپ کا یہ زعم ہے کہ آپ ملتِ ابراہیم پر ہیں، حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اونٹ کا گوشت نہیں کھاتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے بھی اونٹ کا گوشت حلال تھا، یہودِ مدینہ نے کہا: ہم آج جن چیزوں کو حرام قرار دے رہے ہیں ان چیزوں کا کھانا حضرت نوح پر، حضرت ابراہیم پر اور بعد کے تمام نبیوں پر حرام تھا حتیٰ کہ یہ حرمت ہم تک پہنچ گئی، تب اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی: ’’كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ اِسۡرَآءِيۡلَ ......‘‘۔

اس آیت سے مراد یہ ہے کہ مُردار اور خون کے علاوہ تمام کھانے کی چیزیں سب نبیوں پر حلال تھیں سوا اُن چیزوں کے جن کو اسرائیل یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام نے تورات کے نازل ہونے سے پہلے اپنے اوپر حرام کردیا تھا، یعنی جس طرح تم کہہ رہے ہو اس طرح نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نزدیک بھی اونٹ کا گوشت اور اونٹنیوں کا دودھ حرام تھا بلکہ تمام چیزیں حضرت ابراہیم علیہ السلام پر حلال تھیں اور تورات کے نازل ہونے سے پہلے حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان چیزوں کو اپنے اوپر حرام قرار دے ڈالا تھا اور اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو ’’عرق النساء‘‘ کی بیماری لاحق ہوگئی۔ ’’عِرق النساء‘‘ کی بیماری میں ران کے پٹھے میں درد ہوتا ہے اور یہ درد گھٹنے تک پہنچ جاتا ہے اور بعض اوقات ٹخنے تک پہنچ جاتا ہے، اس درد سے بہت شدید تکلیف ہوتی ہے، پس حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بیماری سے شفاء دے دی تو میں اپنی پسندیدہ اور مرغوب چیز کے کھانے کو ترک کردوں گا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کو اونٹ کا گوشت اور اونٹنیوں کا دودھ مرغوب تھا، تو انہوں نے اپنے اوپر اس کو حرام کر ڈالا۔ (معالم التنزیل ج۱ص ۴۶۹۔۴۷۰،داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

یہود مدینہ کے دعویٰ کی تکذیب اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر دلیل

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ، لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تورات کے نازل ہونے سے پہلے ہر قسم کا کھانا بنی اسرائیل کے لیے حلال تھا، سوا اس طعام کے جس کو حضرت یعقوب علیہ السلام نے از خود اپنے اوپر حرام کر لیا تھا جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام نہیں قرار دیا تھا، یہ طعام ان کے باپ یعقوب کے حرام قرار دینے سے حرام ہوا، اللہ تعالیٰ نے تورات کو نازل فرمانے سے پہلے نہ کسی کتاب میں اس کی تحریم فرمائی تھی نہ وحی کے ذریعہ حتیٰ کہ تورات نازل ہوگئی، پھر اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو حرام فرما دیا جن کو اللہ تعالیٰ نے چاہا اور ان چیزوں کو حلال فرما دیا جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا۔

''قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝'': یعنی اگر تم اپنے اس دعویٰ میں سچے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اونٹ کے گوشت کی تحریم تورات میں نازل فرمائی تھی تو تم ہمارے پاس تورات لے کر آؤ اور اونٹ کے گوشت کی تحریم کی آیات تلاوت کرو۔

اللہ تعالیٰ نے یہود مدینہ کے جھوٹ کی خبر دی ہے کیونکہ وہ تورات میں اونٹ کے گوشت کی تحریم کو کبھی بھی نہیں دکھا سکتے، اور اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے صدق کی دلیل ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُمّی تھے اور اُن کی کتابوں کو آپ نے کسی درس گاہ میں جا کر نہیں پڑھا تھا، پھر آپ نے ایسی خبر دی جو اُن کی کتابوں کے موافق تھی، یہ اس کی دلیل ہے کہ آپ نے اس بات کو اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی وحی سے جانا اور آپ پر وحی نازل ہونا آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔

(تفسیر الطبری ج ۵ ص ۵۸۷، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ، تفسیر ابن ابی حاتم: ۳۸۱۶، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۳۰۱۲)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پھر جو شخص اس کے بعد اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے تو وہی لوگ ظالم ہیں ۝ (اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: اللہ نے سچ فرمایا، پس تم ابراہیم کے دین کی پیروی کرو جو ہر باطل کو چھوڑ کر حق کی طرف مائل تھے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے ۝ بے شک لوگوں کی خاطر اللہ کی عبادت کے لیے سب سے پہلا گھر جو بنایا گیا یہ وہی ہے جو مکہ میں ہے (وہ گھر) برکت والا ہے اور تمام جہان والوں کے لیے ہدایت کا سبب ہے ۝ اس گھر میں واضح نشانیاں ہیں، ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے، اور جو اس گھر میں داخل ہوا وہ بے خوف ہو گیا، اور لوگوں پر اللہ کا حق ہے کہ وہ اس کے گھر کا حج (قصد) کریں جو اس گھر کے راستہ (پر جانے) کی طاقت رکھتے ہوں، اور جس نے کفر کیا تو بے شک اللہ تمام جہانوں سے بے پرواہ ہیں ۝''

(آل عمران: ۹۴۔۹۷)

امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، آل عمران: ۹۴۔۹۵۔۹۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ'': ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی اتباع کرنے کا حکم فرمایا، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی اتباع کرنے میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع ہے۔

آل عمران: ۹۶ کا سببِ نزول اور بیت المقدس کے مقابلہ میں کعبہ کی فضیلت

''اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ'': اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ یہودِ مدینہ نے مسلمانوں سے کہا: بیت المقدس ہمارا قبلہ ہے اور وہ کعبہ سے افضل اور کعبہ پر مقدم ہے اور بیت المقدس ہی کی طرف تمام انبیاء علیہم السلام نے ہجرت کی تھی اور مسلمانوں نے کہا: بلکہ کعبہ افضل ہے، تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: ''اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ...''۔

زمین پر سب سے پہلے کعبہ کی تعمیر

''اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ'' کی تفسیر میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، مجاہد، القتادہ اور السدّی نے بیان کیا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے کے وقت پانی کے اوپر جو پہلی عمارت ظاہر ہوئی وہ کعبہ تھی، اللہ تعالیٰ نے زمینوں کے پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے اس کو پیدا فرمایا تھا، اور اس وقت پانی کے اوپر سفید جھاگ تھے، پھر اس کے نیچے سے زمین کو پھیلایا گیا اور زمین کے اوپر جو پہلی عمارت تعمیر کی گئی وہ کعبہ تھا۔ اور علی بن الحسین سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش کے نیچے ایک گھر بنا کر رکھا وہ ''البیت المعمور'' تھا اور فرشتوں کو اس پر طواف کرنے کا حکم فرمایا، پھر اللہ تعالیٰ نے زمین کے فرشتوں کو حکم دیا کہ اس کے بالمقابل ایک گھر بنائیں اور پھر زمین والوں کو حکم دیا کہ وہ اس کا طواف کریں، اور یہ بھی روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے فرشتوں نے کعبہ کی عمارت بنائی، اور فرشتے اس عمارت کا حج یعنی قصد کرتے تھے، پھر جب حضرت آدم علیہ السلام نے اس کا حج کیا تو فرشتوں نے کہا کہ ہم نے آپ کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے اس بیت کا حج کیا تھا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا: یا رسول اللہ! روئے زمین پر سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی تھی؟ آپ نے فرمایا: مسجدِ حرام، میں نے پوچھا: پھر کون سی مسجد بنائی گئی تھی؟ آپ نے فرمایا: مسجدِ اقصیٰ، میں نے پوچھا: ان دونوں کے درمیان کتنا عرصہ تھا؟ آپ نے فرمایا: چالیس سال۔

(صحیح البخاری: ۳۳۶۶، ۳۴۲۵، صحیح مسلم: ۵۲۰، الرقم المسلسل: ۱۰۴۸، سنن نسائی: ۶۸۶، سنن ابن ماجہ: ۷۵۳، مصنف عبدالرزاق: ۱۵۷۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۴۰۲، مسند الحمیدی: ۱۳۴، مسند احمد: ۲۰۸۲۶، ج ۵ ص ۱۵۰، صحیح ابوعوانہ ج ۱ ص ۳۹۱، صحیح ابن حبان: ۶۲۲۸، مشکل الآثار للطحاوی ج ۱ ص ۳۰، سنن بیہقی ج ۲ ص ۴۳۳، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۴۳، مسند ابوداؤد الطیالسی: ۴۶۲)

کعبہ اور بیت المقدس کی تعمیر کے درمیانی عرصہ پر ایک اشکال کا جواب

علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے کہ اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کو بنایا ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کو بنایا ہے اور ان کے درمیان ایک ہزار سال سے زیادہ کا عرصہ ہے، اور اس حدیث میں یہ عرصہ چالیس سال بیان فرمایا ہے۔

علامہ قرطبی نے اس اشکال کا یہ جواب دیا ہے کہ آیتِ کریمہ اور حدیث کی اس پر دلالت نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت سلیمان نے سب سے پہلے کعبہ اور بیت المقدس کو بنایا، بلکہ انہوں نے ان مسجدوں کی تعمیر کی تجدید کی ہے جن کو دوسروں نے بنایا تھا۔ اور روایت ہے کہ سب سے پہلے بیت اللہ کو حضرت آدم علیہ السلام نے بنایا تھا، سو یہ ہوسکتا ہے کہ اُن کی اولاد میں سے کسی نے کعبہ کی

تعمیر کے چالیس سال بعد بیت المقدس کو بنایا ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۱۵ ص ۳۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

مکہ مکرمہ کا نام ''بکّۃ'' رکھنے کی توجیہ

''لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ'': الضحاک نے کہا ہے کہ ''بکّۃ'' سے مراد مکہ ہے، کیونکہ عرب باء اور میم کو قریب المخرج ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ بدل دیتے ہیں، لازبٌ کی جگہ لازمٌ کہا جاتا ہے، اور دوسروں نے کہا: ''بکّۃ'' مکہ میں بیت اللہ کی جگہ ہے اور یہ پورے شہر کا نام ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ ''بکّۃ'' بیت اللہ کی جگہ ہے اور المطاف کی جگہ ہے، اس کو بکّۃ اس لیے کہا گیا ہے کہ لوگ یہاں آکر کثرت سے روتے ہیں اور گریہ وزاری کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے کہا: مکہ کو ''بکّۃ'' اس لیے فرمایا ہے کہ ''بکۃ'' کے معنی ہیں توڑنا، اور یہ ''بکّۃ'' جابروں کی گردنوں کو توڑ دیتا ہے، اور جو شخص بھی ''بکّۃ'' میں بیت اللہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی گردن کو توڑ کر ہلاک فرما دیتا ہے، اور رہا مکّہ تو اس کو مکہ اس لیے فرمایا ہے کہ ''مَکٌّ'' کے معنی ہیں پانی کی قلت، جب اونٹنی کا بچہ اونٹنی کے تھن سے سارا دودھ پی لے تو عرب کہتے ہیں ''مکّ الفصیل ضرع امہ'' یعنی اونٹنی کے تھن میں دودھ باقی نہیں رہا، سارا دودھ اس کے بچہ نے پی لیا۔

''مُبٰرَكًا'': یہ بیت برکت والا ہے۔ ''وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۶﴾'' کیونکہ یہ بیت تمام مسلمانوں کا قبلہ ہے۔

''فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا'': اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کعبہ کے جو فضائل بیان فرمائے ہیں، ان فضائل میں سے بیت المقدس کے لیے کوئی فضیلت نہیں ہے۔

کعبہ میں فضیلت والی نشانیاں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے صرف مقامِ ابراہیم مراد ہے، اور دوسروں نے کہا کہ یہاں پر کئی نشانیاں ہیں، اُن میں سے ایک مقام ابراہیم ہے، یہ وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کی تھی اور ان کے قدموں کے نشان اس پتھر میں نقش ہو گئے تھے، پھر لوگوں نے اس کو اپنے ہاتھوں سے چھوا تو اس کے نشانات مٹ گئے اور بیت اللہ کی نشانیوں میں سے ''الحجر الاسود'' ہے اور ''الحطیم'' ہے اور ''زم زم'' ہے اور ایک قول یہ ہے کہ تمام حرم مقامِ ابراہیم ہے، اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ پرندے بیت اللہ کے گرد ادھر اُدھر اڑتے رہتے ہیں اور بیت اللہ کے اوپر نہیں اڑتے، اور جب کوئی شکاری کسی شکار کا پیچھا کرے اور وہ شکار حرم میں داخل ہو جائے تو وہ شکار محفوظ ہو جاتا ہے، اور مکہ وہ شہر ہے کہ جس کی طرف تمام انبیاء اور رسول اور ابرار آئے، اور اس میں اطاعت کرنے اور صدقہ دینے کا ثواب ایک لاکھ گنا سے زیادہ ہوتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اس مسجد (مسجدِ نبوی) میں نماز پڑھنا دوسری مساجد میں نماز پڑھنے کی بہ نسبت ہزار نمازوں سے افضل ہے سوائے مسجدِ حرام کے۔

(صحیح البخاری: ۱۱۹۰، صحیح مسلم: ۱۳۹۴، سنن ترمذی: ۳۲۲۵، سنن نسائی: ۲۸۹۹، ۲۶۹۳، سنن ابن ماجہ: ۱۴۰۴، مسند ابویعلیٰ: ۶۱۶۶، مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۶ طبع قدیم، مسند احمد: ۷۴۸۱، جامع المسانید لابن الجوزی: ۷۶۳۴، مسند الطحاوی: ۶۱۵۷، صحیح ابن حبان: ۱۶۲۵، سنن بیہقی ج ۵ ص ۲۴۶)

کعبہ میں اور مسجدِ نبوی میں نماز پڑھنے کی فضیلت

بعض احادیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ دوسری مساجد کی بہ نسبت کعبہ میں نماز پڑھنا ایک لاکھ نمازوں سے افضل ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری مسجد میں نماز پڑھنا دوسری مساجد میں نماز پڑھنے کی بہ نسبت ایک ہزار نمازوں سے افضل ہے ماسوا مسجدِ حرام کے، اور مسجدِ حرام میں ایک نماز پڑھنا اس کے سوا دوسری مساجد میں ایک لاکھ نمازوں کے پڑھنے سے افضل ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۴۰۶، شرح مشکل الآثار: ۵۹۹، مسند احمد: ۱۴۲۸۴، ج ۳ ص ۳۴۳)

نیز حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مرد کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا ایک نماز ہے اور اس کا قبائل (محلہ) کی مسجد میں نماز پڑھنا پچیس نمازیں ہیں اور اس کا جامع مسجد میں نماز پڑھنا پانچ سو نمازیں ہیں اور اس کا مسجدِ اقصیٰ (بیت المقدس) میں نماز پڑھنا پچاس ہزار نمازیں ہیں اور اس کا میری مسجد میں نمازیں پڑھنا (بھی) پچاس ہزار نمازیں ہیں اور اس کا مسجدِ حرام میں نماز پڑھنا ایک لاکھ نمازیں ہیں۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۴۱۳)

مسجدِ نبوی میں پڑھی ہوئی نمازوں کے اجر کا قدر و قیمت میں کعبہ میں پڑھی ہوئی نمازوں سے زائد ہونا

اس حدیث میں یہ فرمایا ہے کہ کعبہ میں ایک نماز پڑھنا ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے اور مسجد نبوی میں ایک نماز پڑھنا پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے، لیکن اہلِ محبت نے یہ کہا ہے کہ کعبہ میں ایک نماز پڑھنے کا اجر ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے، یہ ایک لاکھ عدد ہیں اور مسجد نبوی میں نماز پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے، یہ مرتبہ اور کیفیت میں کعبہ میں پڑھی ہوئی ایک لاکھ نمازوں سے کہیں زیادہ بلند اور برتر ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ کسی شخص کو ایک لاکھ نوٹ دیے جائیں اور وہ دس دس کے نوٹ ہوں، اور دوسرے شخص کو پچاس ہزار نوٹ دیے جائیں اور وہ سو سو کے نوٹ ہوں تو گنتی میں تو ایک ایک کے ایک لاکھ نوٹ زیادہ ہیں لیکن قدر و قیمت میں پچاس ہزار سو سو کے نوٹ اس سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! تو نے مکہ میں جتنی برکتیں رکھی ہیں اس کی دو ضعف (یعنی چار گنا) برکتیں مدینہ میں نازل فرما۔ (صحیح البخاری: ۱۸۸۵، صحیح مسلم: ۱۳۶۹)

اس حدیث کا ظاہر معنی یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں مکہ مکرمہ سے چار گنا برکتیں نازل ہوتی ہیں، لیکن شارحین حدیث نے اس کو تین امثال پر محمول کیا ہے، ہم پہلے مسندِ احمد اور سننِ ابن ماجہ کی احادیث سے یہ بتا چکے ہیں کہ مسجدِ حرام میں نماز پڑھنا ایک لاکھ نمازوں سے افضل ہے اس کا معنی یہ ہے کہ مسجد نبوی میں نماز پڑھنا کم از کم تین لاکھ نمازوں سے افضل ہے۔

کعبہ میں داخل ہونے والے کا قصاص اور اجراءِ حدود سے مامون اور محفوظ ہونا

''وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا'': حسن بصری، قتادہ اور اکثر مفسرین نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے جو بھی بیت اللہ میں داخل ہوتا ہے وہ دشمنوں سے مامون اور بے خوف ہو جاتا ہے، نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی: ''رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا۔ (البقرہ: ۱۲۶)'' کیونکہ زمانہ جاہلیت میں عرب ایک دوسرے کو قتل کر دیتے تھے اور ایک دوسرے کا مال لوٹ لیتے تھے اور جو حرم میں داخل ہوتا وہ قتل اور لوٹ مار سے محفوظ ہو جاتا، اور اس آیت سے یہی مراد ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ...(العنکبوت: ۶۷)'' (کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو مقامِ امن بنا دیا ہے (اور پہلے) اس کے گرد و نواح سے لوگ اُچک لیے جاتے تھے)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس شخص کو بطورِ قصاص قتل کرنا واجب ہو یا بطورِ حد قتل کرنا واجب ہو اور وہ حرم میں آ کر پناہ طلب کرے تو جب تک وہ حرم میں ہو تو اس سے نہ قصاص لیا جائے گا اور نہ اُس پر حد جاری کی جائے گی، لیکن اس کا کھانا پینا بند کر دیا جائے گا اور اُس سے خرید و فروخت کو منقطع کر دیا جائے گا حتیٰ کہ وہ بھوک پیاس سے تنگ آ کر حرم سے باہر آ جائے تو پھر اس کو قتل کر دیا جائے گا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے اور دوسرے اہلِ علم کا مذہب یہ ہے کہ جو شخص کوئی جرم کر کے حرم میں آ گیا تو اس پر سزا جاری کی جائے گی۔

حج کی فرضیت کی شرائط

''وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا'': اہلِ علم نے کہا ہے کہ حج کے واجب ہونے کی پانچ شرطیں ہیں: (۱) الاسلام (۲) العقل (۳) البلوغ (۴) الحریت یعنی وہ شخص آزاد ہو (۵) الاستطاعت، یعنی اس کے پاس اتنا مال ہو کہ وہ اپنے گھر سے حرمین تک آنے جانے کے سفر کا خرچ اٹھا سکے اور دورانِ حج قیام کا خرچ اٹھا سکے اور اپنے پیچھے جن کو چھوڑا ہے ان کا خرچ اٹھا سکے، حدیث میں ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک مرد حاضر ہوا، پس اس نے کہا: یا رسول اللہ! کیا چیز حج کو واجب کرتی ہے؟ آپ نے فرمایا: راستے کا سفر خرچ اور سواری۔

(سنن ترمذی: ۸۱۳، سنن ابن ماجہ: ۲۸۹۶، سنن بیہقی ج ۴ ص ۳۳۰)

''وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور الحسن البصری اور عطاء بن ابی رباح نے کہا: یعنی جس نے حج کی فرضیت کا انکار کیا۔ سعید بن المسیب نے کہا: یہ آیت یہود کے متعلق نازل ہوئی ہے جنہوں نے کہا تھا مکہ کی طرف حج کرنا واجب نہیں ہے، اور السدی نے کہا: جس کو حج کرنے کی استطاعت حاصل ہو پھر وہ حج نہ کرے حتیٰ کہ مر جائے تو وہ کفر پر مرا۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو کوئی ضروری کام نہ ہو یا جس شخص کو ایسی بیماری نہ ہو جو سفر سے مانع ہو یا جس کو ظالم بادشاہ منع نہ کرے اور پھر وہ حج نہ کرے تو خواہ وہ یہودی ہو کر مرے اور خواہ نصرانی ہو کر مرے۔

(شعب الایمان للبیہقی: ۳۹۷۹، سنن دارمی: ج ۲ ص ۲۸، رقم الحدیث: ۱۷۳۳، سنن بیہقی ج ۴ ص ۳۳۴، تلخیص الحبیر ج ۲ ص ۲۲۲)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: اے اہلِ کتاب! تم اللہ کی آیتوں کے کفر کو کیوں اختیار کرتے ہو، اور اللہ تمہارے تمام کاموں پر گواہ ہیں ۝'' (آل عمران: ۹۸)

امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ آل عمران: ۹۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ'': اس آیت میں اہلِ کتاب سے مراد وہ تمام لوگ ہیں جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت

کا انکار کرتے تھے، اللہ تعالیٰ اُن سے فرماتا ہے: تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے کفر کو کیوں اختیار کرتے ہو اور تم ان دلائل کا کیوں انکار کرتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت کے ثبوت میں نازل فرمائے ہیں، اور تم پر اُن دلائل کا صدق اور آپ کی نبوت کی حجت ظاہر ہو چکی ہے اور تم ان تمام دلائل کو اپنی کتابوں میں پڑھتے بھی ہو، تو اللہ جل شناؤہٗ نے یہ خبر دی کہ یہ لوگ عمداً اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کو اختیار کرتے ہیں۔ (تفسیر طبری ج ۵ ص ۶۲۴، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ، تفسیر ابن ابی حاتم ج ۳ ص ۷۱۶)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: اے اہلِ کتاب! تم اللہ کے راستہ سے لوگوں کو کیوں روکتے ہو، جو لوگ ایمان لائیں تم ان کی راہ کو ٹیڑھا کرنا چاہتے ہو حالانکہ تم خود (اس راہ کے برحق ہونے پر) گواہ ہو، اور اللہ تمہارے کسی کام سے بےخبر نہیں ہے O'' (آل عمران:۹۹)

''تَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا'': یعنی تم لوگوں کو اللہ کے دین سے کیوں پھیرتے ہو، تم ''عِوَج'' کو طلب کرتے ہو یعنی ٹیڑھے راستہ کو۔

''وَّ اَنۡتُمۡ شُهَدَآءُ'': یعنی تم اس پر گواہ ہو کہ تورات میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نعت اور آپ کی صفات لکھی ہوئی ہیں اور یہ کہ تورات میں یہ لکھا ہوا ہے کہ اسلام کے سوا اور کوئی دین مقبول نہیں ہوگا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! اگر تم اہلِ کتاب کے ایک فریق کے کہنے کو مانو گے تو وہ تم کو ایمان لانے کے بعد کفر کی طرف لوٹا دیں گے O'' (آل عمران:۱۰۰)

''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تُطِیۡعُوۡا'': الربیع بن انس آل عمران:۱۰۰ کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو یہود کے پروپیگنڈے سے ڈرایا ہے اور اُن کی گمراہیوں پر مطلع فرمایا ہے، لہٰذا تم اپنے دین کے معاملات میں اُن پر اعتماد نہ کرو اور اپنے متعلق ان کی خیر خواہی کو قبول نہ کرو کیونکہ وہ تمہارے دشمن ہیں اور حاسد ہیں اور گمراہ ہیں، پس تم ایسی قوم کے اوپر کیسے اعتماد کرو گے جنہوں نے خود اپنی کتابوں کے ساتھ کفر کو اختیار کیا اور اپنے رسولوں کو قتل کیا اور یہی وہ لوگ ہیں جو تمہارے دشمن ہیں۔

(تفسیر طبری: ج ۵ ص ۶۳۳، دار عالم الکتب ریاض، ۱۴۳۴ھ، تفسیر ابن ابی حاتم: ۳۸۹۵، الدر المنثور ج ۲ ص ۵۸)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور تم کیونکر کفر کرو گے حالانکہ تم پر اللہ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں اور تم میں اللہ کا رسول جلوہ فرما ہے اور جس نے اللہ کا سہارا لیا تو بےشک اسے سیدھے راستہ کی ہدایت عطا فرمائی گئی O''

(آل عمران:۱۰۱)

''وَ کَیۡفَ تَکۡفُرُوۡنَ وَ اَنۡتُمۡ تُتۡلٰی عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتُ اللّٰهِ وَ فِیۡکُمۡ رَسُوۡلُهٗ'':

قتادہ نے کہا: اس آیت میں رسول سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں اور اس آیت میں یہ بیان ہے کہ تمہارے لیے دو ظاہر نشانیاں ہیں، ایک نشانی کتاب اللہ ہے اور دوسری نشانی اللہ کے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں، حدیث میں ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اہلِ بیت کا مصداق

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام پر خطبہ دیا، آپ

نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا: سنو اے لوگو! میں صرف ایک بشر ہوں، قریب ہے کہ میرے پاس میرے رب کا فرشتہ مجھے بلانے کے لیے آئے گا تو میں اس کی دعوت پر لبیک کہوں گا اور میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں، ایک اللہ کی کتاب ہے اس میں ہدایت اور نور ہے، پس تم اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑ لو، پھر آپ نے اللہ کی کتاب پر برانگیختہ کیا اور لوگوں کو رغبت دلائی، پھر آپ نے فرمایا: اور دوسری چیز میرے اہلِ بیت ہیں، میں اپنے اہلِ بیت کے معاملہ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کو یاد دلاتا ہوں، میں اپنے اہلِ بیت کے معاملہ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کو یاد دلاتا ہوں، میں اپنے اہلِ بیت کے معاملہ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کو یاد دلاتا ہوں، حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ کی ازواج مطہرات بھی اہلِ بیت میں سے ہیں لیکن یہاں اہلِ بیت سے وہ مراد ہیں جن پر آپ کے بعد صدقہ لینا حرام ہے، راوی نے پوچھا: وہ کون ہیں تو حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ آلِ علی، آلِ عقیل، آلِ جعفر اور آلِ عباس ہیں اور ان میں سے ہر ایک وہ ہے جس پر صدقہ لینا حرام ہے۔

(صحیح مسلم: ۲۴۰۸، الرقم المسلسل: ۶۱۱۹، السنن الکبریٰ للنسائی: ۸۱۷۵، مسند احمد: ۱۸۷۸۰، ج ۴ ص ۳۶۶، الطبرانی: ۵۰۲۸، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۱۴)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

اے ایمان والو! اللہ سے اس طرح ڈرو جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تم حالتِ اسلام کے سوا اور کسی حال میں ہرگز جان نہ دینا ○

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۗ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو اور متفرق نہ ہونا، اور تم اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پس اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا فرما دی، سو تم اس کے فضل سے ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہو گئے، اور تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچا لیا، اور اللہ اسی طرح تمہارے لیے اپنی آیتوں کو وضاحت سے بیان فرماتے ہیں تا کہ تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ ○

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

اور تم میں سے ایسے لوگوں کا ایک گروہ ہونا چاہیے جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلائے اور انہیں نیک کاموں کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے، وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں ○

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۱۰۵ۙ

اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو متفرق ہو گئے تھے اور انہوں نے واضح دلائل آنے کے بعد ایک دوسرے سے اختلاف کیا، اور انہی کے لیے بہت بڑا عذاب ہے O

يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝۱۰۶

جس دن بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض چہرے سیاہ ہوں گے، سو جن کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے کہا جائے گا:) کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کو اختیار کیا؟ سو اب تم عذاب کا مزا چکھو کیونکہ تم کفر کو اختیار کرتے تھے O

وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۱۰۷

اور رہے وہ لوگ جن کے چہرے سفید ہیں، سو وہ اللہ کی رحمت میں ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں O

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰۸

(اے رسولِ اکرم!) یہ اللہ کی آیتیں ہیں جن کی ہم آپ پر حق کے ساتھ تلاوت فرماتے ہیں، اور اللہ تمام جہان والوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتے O

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۱۰۹ۧ

اور آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اللہ ہی کی ملکیت میں ہے، اور اللہ ہی کی طرف تمام امور لوٹائے جائیں گے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! اللہ سے اس طرح ڈرو جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تم حالتِ اسلام کے سوا اور کسی حال میں ہرگز جان نہ دینا O اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو اور متفرق نہ ہونا، اور تم اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پس اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا فرما دی، سو تم اس کے فضل سے ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہو گئے، اور تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچا لیا، اور اللہ اسی طرح تمہارے لیے اپنی آیتوں کو وضاحت سے بیان فرماتے ہیں تا کہ تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ O'' (آل عمران: ۱۰۲-۱۰۳)

ربطِ آیات

علامہ ابوحفص عمر بن علی الدمشقی الحنبلی المتوفی ۸۸۰ھ آل عمران: ۱۰۲۔ ۱۰۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلی آیات میں مسلمانوں کو کفار کے بہکانے اور گمراہ کرنے سے ڈرایا تھا اور اُن کو یہ حکم فرمایا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر مستقیم رہیں، سو پہلے اُن کو اللہ سے ڈرنے کا حکم فرمایا: ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ''، پھر اُن کو اللہ کی رسی مضبوطی سے پکڑنے کا حکم فرمایا: ''وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا''، اور اُن کو ایک دوسرے کے ساتھ اتفاق سے رہنے کا حکم فرمایا: ''وَلَا تَفَرَّقُوْا''، اور ان کو اتفاق کے ساتھ رہنے کی ترغیب فرمائی: ''وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ''۔

احکام مذکورہ کی ترتیب کا سبب

انسان کسی فعل کا اقدام ڈر اور خوف کی وجہ سے کرتا ہے یا رغبت کی وجہ سے کرتا ہے، اور خوف رغبت پر مقدم ہے کیونکہ ضرر کو دور کرنا منفعت کے حصول پر مقدم ہے، پس اللہ عزوجل کے ارشاد ''اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ'' میں اللہ کے عذاب سے ڈر اور خوف کی طرف اشارہ ہے، پھر اللہ سے ڈر اور خوف کو دینِ اسلام کی رسّی کو پکڑنے کا سبب قرار دیا اور فرمایا: ''وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا'' پھر خوف کے بعد شوق سے ترغیب کی طرف اشارہ فرمایا: ''وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ''، پس گویا کہ یوں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا خوف، اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی کثرت اس کو واجب کرتی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کی اطاعت کرو۔

بعض علماء کا آلِ عمران: ۱۰۲ کو التغابن: ۱۶ سے منسوخ قرار دینا

''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت کا نزول صحابہ پر بہت دشوار ہوا، کیونکہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈرنا جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ پلک جھپکنے کی مقدار بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کی جائے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد رکھا جائے اور کسی آن اللہ تعالیٰ کو بھلایا نہ جائے اور بندے اس کی طاقت نہیں رکھتے، تب دوسری آیت نازل ہوئی: ''فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ۔ (التغابن: ۱۶)'' (پس جہاں تک ہو سکے تم اللہ سے ڈرتے رہو)، پس آلِ عمران: ۱۰۲ کا پہلا حصہ منسوخ ہو گیا اور آلِ عمران: ۱۰۲ کا دوسرا حصہ یعنی ''وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝'' منسوخ نہیں ہوا۔

جمہور محققین کے نزدیک آلِ عمران: ۱۰۲ اور التغابن: ۱۶ میں کسی قسم کا تعارض نہ ہونا

جمہور محققین نے کہا ہے کہ آلِ عمران: ۱۰۲ کو منسوخ قرار دینے کا قول باطل ہے، کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں دراز گوش (گدھے) پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، آپ نے فرمایا: اے معاذ! کیا تم جانتے ہو اللہ کا اپنے بندوں پر کیا حق ہے اور بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے؟ میں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں، آپ نے فرمایا: پس بے شک اللہ کا بندوں پر حق یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں اور بندوں کا اللہ پر (اس کے کرم سے) یہ حق ہے کہ وہ اس شخص کو بالکل عذاب نہ دے جو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں

بنا تا۔ (صحیح البخاری: ۲۸۵۶، صحیح مسلم: ۳۰، الرقم المسلسل: ۵۱، سنن ابوداؤد: ۲۵۵۹، سنن ترمذی: ۲۶۴۳، سنن ابن ماجہ: ۴۲۹۶، مسند احمد: ۲۱۴۸۶)

اور اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈرا جائے جس طرح ڈرنے کا حق ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام نافرمانیوں سے اجتناب کیا جائے، اور اس قسم کے حکم کو منسوخ قرار دینا جائز نہیں ہے، کیونکہ اگر اس کو منسوخ قرار دیا جائے تو اس کا معنی ہوگا کہ بعض نافرمانیاں مباح ہیں، لہٰذا آلِ عمران: ۱۰۲ اور التغابن: ۱۶ دونوں کا معنی واحد ہے، کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے اپنی استطاعت کے مطابق ڈرا تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈرا جس طرح ڈرنے کا حق ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈرنا جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے یہ جبھی ہوگا جب بندہ جہاں تک ہو سکے گا اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں فرماتا، اور دوسرا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حق یہ ہے کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ بنایا جائے، لہٰذا آلِ عمران: ۱۰۲ کو منسوخ قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

"وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝": اس آیت کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اے مسلمانو! تم صرف حالتِ اسلام پر مرنا، اور اس سے مراد یہ ہے کہ تم تا حیات اور تا دمِ مرگ اسلام پر قائم رہنا، کیونکہ موت سے تو کوئی مفر نہیں ہے، پس گویا کہ یوں فرمایا کہ تم موت تک اسلام پر قائم و دائم رہو اور اسی کے قریب یہ آیت ہے: "اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ --- (البقرہ: ۱۳۲)" (بے شک اللہ نے تمہارے لیے اس دین کو منتخب فرما لیا ہے، سو تم تا بہ وقتِ مرگ اسلام پر ہی قائم رہنا O)۔

"وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا": اصل میں "حبل" کا معنی سبب ہے اور ہر وہ چیز جس سے دوسری چیز تک پہنچا جائے وہ حبل ہے، اس کا اصل استعمال اجسام میں ہوتا ہے اور معانی میں اس کا استعمال مجاز ہے اور اس سے مراد عہود ہیں، کہا گیا ہے کہ جب کوئی مرد سفر کرتا ہے تو اسے راستہ میں حملہ آوروں کا خوف ہوتا ہے تو وہ اپنے قبیلہ سے عہد لیتا ہے کہ وہ اس کی حفاظت کریں گے اور اس کو ایک رسی دی جاتی ہے جو اس عہد پر علامت ہوتی ہے اور اس آیت میں عہد سے مراد قرآنِ مجید ہے کیونکہ ایک حدیثِ طویل میں مذکور ہے: "حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قرآنِ مجید کتاب اللہ ہے، اس میں تم سے پہلوں کی خبریں ہیں اور تمہارے بعد کی خبریں ہیں اور اس میں تمہارے درمیان معاملات کا فیصلہ ہے، جس ظالم نے قرآن مجید کو ترک کیا اور قرآن مجید کے غیر میں ہدایت کو طلب کیا اللہ تعالیٰ اس کو گمراہی پر برقرار رکھے گا اور یہ "حبل اللہ المتین" ہے یعنی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کی مضبوط رسی ہے"۔

(سنن دارمی: ۳۳۳۱، سنن ترمذی: ۲۹۰۶)

"وَّلَا تَفَرَّقُوْا": یعنی کتاب اللہ کی تعلیمات پر عمل کرو اور مومنین کی جماعت کے ساتھ موافقت کرو اور کتاب اللہ کی تعلیمات اور جماعتِ مسلمین میں تفرقہ نہ کرو۔

دین کے اصول اور فروع میں اختلاف کی تحقیق

ایک سوال یہ کیا جاتا ہے کہ ایک طرف تو قرآن مجید نے تفرقہ اور اختلاف میں پڑنے کی مذمت فرمائی ہے اور دوسری طرف قرآن مجید کے احکام کی تاویل اور تفسیر میں صرف متاخرین ہی نہیں بلکہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور فقہاء تابعین کے درمیان بھی اس قدر اختلافات پائے جاتے ہیں کہ شاید احکام سے متعلق کوئی ایک آیت بھی ایسی نہ ملے جس پر سب متفق ہوں، تو کیا یہ تمام حضرات بھی اس مذمت کے مصداق ہیں جو قرآنِ مجید میں تفرقہ کرنے والوں کے متعلق وارد ہوئی ہیں اور اگر ان کی مذمت نہیں ہے تو پھر وہ کون

سا تفرقہ اور اختلاف ہے جس سے قرآن مجید منع فرماتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآنِ مجید صحت مند اختلاف رائے کا مخالف نہیں ہے، جو دین کے اصول اور عقائد پر قائم رہتے ہوئے اور اجماعِ امت کے ساتھ وابستہ رہتے ہوئے قرآن مجید کے احکام اور قوانین کی تعبیر میں از روئے اخلاص تحقیق کی بناء پر اختلاف کیا جائے، بلکہ باعثِ مذمت وہ اختلاف ہے جو نفسانیت اور کج روی سے شروع ہوتا ہے اور فرقہ بندی اور جنگ وجدال تک پہنچا دیتا ہے۔

اختلافِ مستحسن

جو اختلاف اصولِ دین پر برقرار رہتے ہوئے صرف بعض احکام کی تعبیر اور تشریح میں کیا جائے وہ محمود اور مستحسن ہے اور اس اختلاف کی مثال ائمہ مجتہدین کا بعض فروعی مسائل میں اختلاف ہے، مثلاً امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے "وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ (البقرہ: ۲۲۸)" (اور طلاق یافتہ بیویاں اپنے آپ کو تین قروء تک (کسی دوسرے مرد کے ساتھ نکاح سے) روکے رکھیں) میں "قروء" کی تفسیر اطہار کی ہے یعنی طلاق یافتہ بیویاں تین طہر تک اپنے آپ کو کسی دوسرے مرد کے ساتھ نکاح سے روکے رکھیں اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ نے اس آیت میں "قروء" کی تفسیر حیض کے ساتھ کی ہے، یعنی طلاق یافتہ بیویاں تین حیض تک اپنے آپ کو کسی دوسرے مرد کے ساتھ نکاح سے روکے رکھیں۔ اور ان دونوں محترم اماموں کے اپنے اپنے نظریہ پر احادیث سے دلائل ہیں جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے، سو ایسا اختلاف پسندیدہ ہے اور امت مسلمہ کے لیے رحمت ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے "اختلاف امتی رحمۃ"۔

(اتحاف السادۃ المتقین ج ۱ ص ۲۰۴، ۲۰۵، کنز العمال: ۲۸۶۸۶)

اختلافِ مذموم

جو اختلاف باعثِ مذمت ہے یہ وہ اختلاف ہے جو اسلام کے مسلّمہ عقائد اور متفق اصول میں کیا جائے، اور جو مسلمانوں کے درمیان فرقہ بندی کا موجب ہو، اس کی مثال یہ ہے کہ مسلمانوں کا متفق علیہ عقیدہ ہے کہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تا حیات ایمان پر قائم رہے اور ان کا ایمان اور عمل امت کے لیے نمونہ ہے اور روافض نے اس مسلّم عقیدہ کی مخالفت کی اور یہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد صرف چھ صحابہ ایمان پر باقی رہے باقی سب مرتد ہو گئے اور وہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے اسلام کے قائل نہیں اور ان کو غاصب اور ظالم قرار دیتے ہیں اور اس بنیاد پر انہوں نے اپنے عقائد کے حامیوں کا ایک الگ فرقہ بنا لیا ہے اور صرف ان ہی کو مومن قرار دیا اور دیگر تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیا اور یہ لوگ اس آیت کے مصداق ہیں: "اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ اِنَّمَاۤ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ (الانعام: ۱۵۹)" (بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور وہ شیعہ تھے یعنی متعدد فرقے تھے، آپ کا اُن سے کوئی تعلق نہیں، ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، پھر (قیامت کے دن) اللہ انہیں خبر دے گا کہ وہ دنیا میں کیا کچھ کیا کرتے تھے)۔

"وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا":

اے مسلمانو! یاد کرو کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعہ تم میں الفت اور جمعیت پیدا فرمادی، یاد کرو کہ اسلام لانے سے پہلے تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اور ایک دوسرے کو عصبیت کی بناء پر قتل کرتے تھے اور یہ قتل نہ اللہ کی اطاعت میں تھا اور نہ اس کے رسول کی اطاعت میں تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعہ تمہارے دلوں میں الفت پیدا فرمادی، پھر تم ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہو گئے جب کہ اس سے پہلے ایک دوسرے کے دشمن تھے، اور اسلام لانے سے پہلے الاوس اور الخزرج کے دو قبیلوں کے درمیان ایک سو بیس سال سے دشمنی چلی آرہی تھی، پھر اسلام کے ذریعہ الاوس اور الخزرج ایک دوسرے کے بھائی بھائی اور شیر وشکر ہو گئے۔ (تفسیر الطبری ج ۵ ص ۶۴۹، الشریعۃ للآجری: ۱۷، المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۵۵۵، تفسیر ابن ابی حاتم: ۳۹۲۵، الدر المنثور ج ۲ ص ۶۱)

''وَكُنۡتُمۡ عَلٰى شَفَا حُفۡرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنۡقَذَكُمۡ مِّنۡهَا'': یعنی تم کفر کو اختیار کرنے کی وجہ سے جہنم کے گڑھے کے کنارے پر تھے اور جہنم کو اس گڑھے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جس میں آگ بھڑک رہی ہے، سو تم اختیارِ کفر کی وجہ سے دوزخ کی آگ کے مستحق تھے اور دوزخ کی آگ میں گرنے کے قریب تھے تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت کے ذریعہ تم کو دوزخ کے گڑھے سے نجات عطاء فرمادی، حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری مثال اور لوگوں کی مثال اس مرد کی طرح ہے جس نے آگ جلائی، پس جب آگ نے اردگرد روشن کر دیا تو پروانے اور کیڑے مکوڑے جو آگ پر گرتے ہیں وہ اس آگ میں گرنے لگے اور آگ جلانے والا انہیں اس میں سے نکالنے لگا اور وہ پروانے اور کیڑے مکوڑے اس پر غالب آگئے اور وہ آگ میں داخل ہو گئے، پس میں تمہیں کمر سے پکڑ کر آگ سے نکال رہا ہوں اور وہ اس آگ میں گرے جارہے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۶۴۸۳، صحیح مسلم: ۲۲۸۴، مسند احمد: ۱۰۵۸۰)

(اللباب فی علوم الکتاب، ج ۵ ص ۴۲۸۔ ۴۴۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۱ء)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے ''اور تم میں سے ایسے لوگوں کا ایک گروہ ہونا چاہیے جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلائے اور انہیں نیک کاموں کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے، وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں ○ اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو متفرق ہو گئے تھے اور انہوں نے واضح دلائل آنے کے بعد ایک دوسرے سے اختلاف کیا، انہی کے لیے بہت بڑا عذاب ہے ○'' (آل عمران: ۱۰۴)

القاضی مجیر الدین بن محمد العلیمی المقدسی الحنبلی المتوفی ۹۲۸ھ، آل عمران: ۱۰۴ تا ۱۰۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ يَّدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ'': یعنی تم میں سے ایک ایسا گروہ ہونا چاہیے جو لوگوں کی اسلام کی دعوت دے۔

''وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ'' یعنی جو لوگ نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے وہی لوگ کامل فلاح پانے والے ہیں، حدیث میں ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جس شخص نے کسی برائی کو دیکھا وہ اپنی قوت سے اس برائی کو بدل ڈالے، پس اگر وہ اس کی طاقت نہ رکھے تو زبان سے برا کہے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھے تو دل سے

اس برائی کو برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔

(صحیح مسلم: ۴۹، سنن ابوداؤد: ۱۱۴۰، ۴۳۴۰، سنن ترمذی: ۲۱۷۹، سنن نسائی: ۵۰۱۸، سنن ابن ماجہ: ۱۲۷۵، ۴۰۱۳، مسند احمد: ۱۱۰۷۳، شعب الایمان للبیہقی: ۷۵۵۸، الترغیب والترہیب للمنذری ج ۳ ص ۲۲۷، مسند ابویعلیٰ: ۵۰۳۵، مشکل الآثار للطحاوی: ۱۱۶۴، الطبرانی: ۱۰۲۶۴، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۶۹، المعجم الاوسط للطبرانی: ۱۴۰۱، صحیح ابن حبان: ۲۹۰، مسند البزار: ۳۳۰۴، ۳۳۰۵)

برائی کو برا نہ کہنے اور دین میں مداہنت کرنے والوں کی مثال

حضرت النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ کی حدود سے تجاوز نہ کرنے پر قائم ہو اور جو شخص اللہ کی حدود سے تجاوز کرے، ان دونوں کی مثال ایسی ہے جیسے کچھ لوگ بحری جہاز میں سوار ہوئے اور انہوں نے اس میں رہائش کے لیے قرعہ اندازی کی، تو بعض لوگوں کے لیے اوپر کے حصہ میں رہائش کے لیے قرعہ نکلا اور بعض لوگوں کے لیے نیچے کے حصہ میں رہائش کا قرعہ نکلا، سو جو لوگ نچلے حصہ میں تھے وہ پانی لینے کے لیے اوپر کے حصہ میں جاتے تو انہوں نے کہا: اگر ہم اپنے رہائشی حصہ میں سوراخ کر لیں اور سمندر سے پانی لے لیں اور اپنے اوپر والوں کو تنگ نہ کریں (تو بہتر ہے)، پس اگر ان لوگوں کو ان کے ارادہ کے ساتھ چھوڑ دیا جائے (تاکہ وہ جہاز کے پیندے میں سوراخ کر دیں) تو سب لوگ ہلاک ہو جائیں گے اور اگر ان کے ہاتھوں کو پکڑ لیا تو وہ بھی نجات پا جائیں گے اور باقی لوگ بھی نجات پا جائیں گے۔

(صحیح البخاری: ۲۴۹۳، سنن ترمذی: ۲۱۷۳، مسند احمد: ۱۷۹۰۴)

برائی کو بدلنے کے سلسلہ میں تین طبقات

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تین طبقات کا ذکر فرمایا ہے: (۱) امراء اور حکام برائی کو اپنی طاقت سے بدل ڈالیں، کیونکہ وہ صاحبِ اقتدار ہیں تو وہ اپنی قوت اور طاقت سے برائی کو بدل سکتے ہیں (۲) علماء اور خطباء کا فرض ہے کہ وہ اپنے مواعظ اور خطبات میں برائی کا برا ہونا بیان کریں کیونکہ وہ صاحبِ اقتدار تو نہیں ہیں لیکن وہ مسجد کے منبر کے وارث ہیں اور وہاں سے لوگوں کو خطاب کرتے ہیں تو وہ اس کے مکلف ہیں کہ وہ برائی کا برا ہونا اپنی زبان سے بیان کریں (۳) عوام جن کے پاس نہ اقتدار ہے نہ ان کے پاس محراب و منبر ہے جس پر وہ خطبہ دیں تو وہ صرف اس کے مکلف ہیں کہ وہ برائی کو دل سے برا جانیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو متفرق ہو گئے تھے اور انہوں نے واضح دلائل آنے کے بعد ایک دوسرے سے اختلاف کیا، انہی کے لیے بہت بڑا عذاب ہے O'' (آل عمران: ۱۰۵)

''وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا'': ان تفرقہ اور اختلاف کرنے والوں سے یہود اور نصاریٰ مراد ہیں۔

''مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ'': یعنی ان کے پاس نصیحت آنے کے بعد۔

''وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۵﴾'': اس آیت میں دین میں تفرقہ ڈالنے والوں کے لیے شدید وعید ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جس دن بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض چہرے سیاہ ہوں گے، سو جن کے

چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے کہا جائے گا:) کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کو اختیار کیا؟، سو اب تم عذاب کا مزا چکھو کیونکہ تم کفر کو اختیار کرتے تھے O'' (آل عمران:۱۰۶)

''یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْہٌ'': اس سے مراد مومنین کے چہرے ہیں، ان کے چہرے قیامت کے دن فرطِ مسرت سے سفید ہوں گے۔

''وَّتَسْوَدُّ وُجُوْہٌ'': اس سے مراد کافروں کے چہرے ہیں جو ناکامی اور رسوائی کی وجہ سے سیاہ ہوں گے۔

''فَاَمَّا الَّذِیْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْھُھُمْ'': یعنی سیاہ چہرے والوں سے بہ طورِ زجر و توبیخ کے کہا جائے گا:

''اَکَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ'': یعنی یومِ میثاق کو جب لوگوں سے ان کے رب نے فرمایا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو سب نے کہا: کیوں نہیں! (الاعراف:۱۷۲)، سو یومِ میثاق کو یہ لوگ ایمان لا چکے تھے، پھر ایمان لانے کے بعد انہوں نے دنیا میں آ کر کفر کو اختیار کیا۔

''فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا کُنْتُمْ تَکْفُرُوْنَ ۝'': یعنی تم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کو اختیار کیا سو اس کی سزا میں عذاب کو چکھو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور رہے وہ لوگ جن کے چہرے سفید ہیں، سو وہ اللہ کی رحمت میں ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں O'' (آل عمران:۱۰۷)

''وَاَمَّا الَّذِیْنَ ابْیَضَّتْ وُجُوْھُھُمْ'': اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار ہیں۔ ''فَفِیْ رَحْمَۃِ اللہِ'': یعنی وہ جنت میں ہوں گے۔ ''ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ۝'': وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) یہ اللہ کی آیتیں ہیں جن کی ہم آپ پر حق کے ساتھ تلاوت فرماتے ہیں، اور اللہ تمام جہان والوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتے O'' (آل عمران:۱۰۸)

''وَمَا اللہُ یُرِیْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝'': یعنی اللہ تعالیٰ بغیر جرم کے کسی پر گرفت نہیں فرماتا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اللہ ہی کی ملکیت میں ہے، اور اللہ ہی کی طرف تمام امور لوٹائے جائیں گے O'' (آل عمران:۱۰۹)

''وَاِلَی اللہِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝'': چونکہ تمام امور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جائیں گے، لہٰذا اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے عمل کے اعتبار سے جزاء عطاء فرمائے گا۔ (فتح الرحمٰن فی تفسیر القرآن ج ۲ ص ۸۔۹، دار النوادر، لبنان، ۱۴۳۲ھ)

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۗ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۗ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

(اے مسلمانو!) جتنی امتیں لوگوں کے لیے پیدا فرمائی گئی ہیں تم ان سب میں سے بہترین امت ہو، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو، اور اگر اہلِ کتاب ایمان لے آتے تو یہ ان کے حق میں بہت بہتر ہوتا، ان اہلِ کتاب میں سے بعض مومن ہیں اور اکثر کافر ہیں O

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۭ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

وہ تم کو زبان سے اذیت پہنچانے کے سوا کوئی ضرر نہیں پہنچا سکیں گے اور اگر وہ تم سے لڑیں گے تو وہ تمہارے سامنے سے پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے، پھر ان کی (کہیں سے) مدد نہیں کی جائے گی O

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَاۗءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

وہ جہاں بھی پائے جائیں گے ان پر ذلت چمٹی ہوئی ہوگی سوا اس کے کہ وہ اللہ کی پناہ پکڑیں اور لوگوں کی پناہ میں آئیں، وہ اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹے اور اُن پر ناداری چمٹا دی گئی ہے، کیونکہ وہ اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کو اختیار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے، یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے (مسلسل) نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے O

لَيْسُوْا سَوَاۗءً ۭ مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ وَھُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

تمام اہلِ کتاب برابر نہیں ہیں، بعض اہلِ کتاب میں سے وہ ہیں جو اللہ کے دین پر قائم ہیں، وہ رات کے اوقات میں اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں اور اس کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں O

يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

وہ اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، اور نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برے کاموں سے منع کرتے ہیں، اور نیک کاموں میں ایک دوسرے پر سبقت کرتے ہیں، اور وہی لوگ نیکوکاروں میں سے ہیں O

وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

اور انہوں نے جو بھی نیک کام کیے ہیں ان کی ناقدری نہیں فرمائی جائے گی، اور اللہ پرہیزگاروں کو اچھی طرح جاننے والے ہیں O

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُم مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١١٦﴾

بے شک جن لوگوں نے کفر کو اختیار کیا ان کے اموال اور ان کی اولاد ان کو اللہ (کے عذاب) سے بالکل بھی نہیں بچا سکیں گے، اور وہی لوگ دوزخ والے ہیں وہی دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں O

مَثَلُ مَا يُنفِقُونَ فِي هَٰذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتْهُ ۚ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَٰكِنْ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿١١٧﴾

وہ لوگ اس دنیا میں جو خرچ کرتے ہیں اس کی مثال اس ہوا کی طرح ہے جس میں (جھلسانے والی) شدید سردی ہو جو اُن لوگوں کے کھیت پر پہنچی جنہوں نے اپنی جانوں پر (گناہ کر کے) ظلم کیا تھا، سو اُس ہوا نے اس کھیت کو برباد کر دیا، اور اللہ نے اُن پر کوئی ظلم نہیں فرمایا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر (گناہ کر کے) ظلم کرتے تھے O

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ۚ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١١٨﴾

اے ایمان والو! اپنے علاوہ غیروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ وہ تمہاری بربادی میں کوئی کمی نہیں کریں گے، وہ اسی کو پسند کرتے ہیں جو تم پر دشوار ہو، بے شک ان کی زبانوں سے ان کا بغض ظاہر ہو چکا ہے، اور جس بغض کو وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے بہت زیادہ ہے، ہم تمہارے لیے وضاحت سے دلائل بیان فرما چکے ہیں اگر تم عقل سے کام لو O

هَا أَنتُمْ أُولَاءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۚ قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿١١٩﴾

سنو! تم ایسے لوگ ہو جو اُن سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں کرتے، اور تم اللہ کی تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو، اور جب وہ لوگ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم ایمان لا چکے ہیں، اور جب وہ تنہائی میں ہوتے ہیں تو تم پر غیظ و غضب کی وجہ سے انگلیوں کو چبا کر کاٹتے ہیں، (اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: تم اپنے غیظ و غضب میں مر جاؤ، بے شک اللہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والے ہیں O

اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۫ وَ اِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾

اگر تم کو کچھ بھلائی حاصل ہو تو اُن کو برا لگتا ہے، اور اگر تم پر کوئی مصیبت آئے تو وہ اس سے خوش ہوتے ہیں، اور اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو ان کی سازش تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گی، بے شک اللہ ان کے تمام کاموں کا احاطہ فرمانے والے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے مسلمانو!) جتنی امتیں لوگوں کے لیے پیدا فرمائی گئی ہیں تم ان سب میں سے بہترین امت ہو، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو، اور اگر اہلِ کتاب ایمان لے آتے تو یہ ان کے حق میں بہت بہتر ہوتا، ان اہلِ کتاب میں سے بعض مومن ہیں اور اکثر کافر ہیں O'' (آل عمران: ۱۱۰)

''خیرِ امت'' کا مصداق

امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ آل عمران: ۱۱۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ'': اس آیت کا معنی اس طرح ہے کہ اے مسلمانو! تم اللہ کے علم میں یا لوحِ محفوظ میں یا گزشتہ امتوں میں سب سے بہترین امت ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت میں خیرِ امت کا مصداق وہ صحابہ ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔

(تفسیر طبری ج ۵ ص ۶۷۱، دار عالم الکتب، ریاض ۱۴۳۴، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۱۵۵، مسند احمد ج ۴ ص ۲۷۲، رقم الحدیث: ۲۴۶۳، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۱۰۷۲، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۲۳۰۳، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۲۹۴ تفسیر عبدالرزاق ج ۱ ص ۱۳۰ تفسیر امام ابن ابی حاتم: ۳۹۶۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے آل عمران: ۱۱۰ کی تفسیر میں فرمایا: لوگوں میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جن کی گردنوں میں تم زنجیریں ڈال کر لاتے ہو (یعنی جہاد میں گرفتار کر کے) حتیٰ کہ وہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

(صحیح البخاری: ۴۵۵۷، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۱۰۷۱، تفسیر ابن ابی حاتم: ۴۹۷۲، المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۸۴، الدر المنثور ج ۲ ص ۶۴)

مجاہد نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ تمہارا خیرِ امت ہونا اس شرط پر موقوف ہے کہ تم نیک کاموں کا حکم دو اور برے کاموں سے منع کرو اور اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کو برقرار رکھو۔ (تفسیر الطبری ج ۵ ص ۶۷۳، ۶۷۴، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کی فضیلت میں احادیث

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے سب سے بہتر لوگ میرے زمانہ کے ہیں (صحابہ)، پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہیں (تابعین)، پھر وہ لوگ جو اُن کے قریب ہوں (تبع تابعین)۔ حضرت عمران رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نہیں جانتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعد دو زمانوں کا ذکر فرمایا یا تین کا ذکر فرمایا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک تمہارے

بعد ایسے لوگ ہوں گے جو خیانت کریں گے وہ امانت دار نہیں ہوں گے، وہ (ازخود) گواہ بنیں گے اور ان کو گواہ نہیں بنایا جائے گا، وہ نذر مانیں گے اور نذر کو پورا نہیں کریں گے اور ان میں موٹاپا ظاہر ہوگا۔

(صحیح البخاری:۲۶۵۱، صحیح مسلم:۲۵۳۵، الرقم المسلسل:۶۳۷۰، سنن ابوداؤد:۴۶۵۷، سنن ترمذی:۲۲۲۲، سنن نسائی:۳۸۰۹، المعجم الکبیر للطبرانی: ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۱۲۳، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ٦ ص ۵۵۲، مسند ابوداؤد الطیالسی:۸۵۲، مسند احمد: ۱۹۳۲۲، ج ۴ ص ۴۲۶، صحیح ابن حبان:۶۷۲۹، مشکل الآثار للطحاوی ج ۳ ص ۱۷۶)

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے اصحاب کو برا نہ کہو، پس اگر تم میں سے کوئی شخص اُحد پہاڑ جتنا سونا خیرات کردے تو وہ میرے صحابہ کے خرچ کئے ہوئے ایک کلوگرام یا نصف کلوگرام (کھجوروں کے صدقہ) کے برابر نہیں ہوگا۔

(صحیح البخاری:۳۶۷۳، صحیح مسلم:۲۵۴۱، الرقم المسلسل:۶۳۸۳، سنن ابوداؤد:۴۶۵۸، سنن ابن ماجہ:۱۶۱، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۱۷۴۔۱۷۵، سنن ترمذی:۳۸۶۱، مسند ابویعلیٰ:۱۱۹۸، صحیح ابن حبان:۷۲۵۵، شرح السنہ:۳۸۵۹، المعجم الصغیر للطبرانی:۹۸۲، مسند احمد ج ۳ ص ۱۱ طبع قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۱۰۷۹، ج ۱۷ ص ۱۳۸، موسسۃ الرسالہ، بیروت)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تک میں جنت میں داخل نہ ہوں تمام انبیاء کے اوپر جنت میں دخول کو حرام فرمادیا گیا ہے اور تمام امتوں پر جنت میں دخول کو حرام فرمادیا گیا ہے حتیٰ کہ میری امت جنت میں داخل ہوجائے۔(الکامل لابن عدی ج ۴ ص ۱۲۹، المعجم الاوسط للطبرانی:۹۴۶، المعجم الکبیر للطبرانی:۴۷۹۱، مجمع الزوائد:۱۶۷۱۷)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اہلِ جنت کی ایک سو بیس صفیں ہیں، ان میں سے اسّی (۸۰) صفیں اس امت کی ہیں۔(سنن ترمذی:۲۵۴٦، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۴۷۰۔۴۷۱، مسند احمد:۲۲۴۲۵، ج ۵ ص ۳۴۷، صحیح ابن حبان:۷۴۵۹، الکامل لابن عدی ج ۴ ص ۱۰۰)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:''وہ تم کو زبان سے اذیت پہنچانے کے سوا کوئی ضرر نہیں پہنچا سکیں گے اور اگر وہ تم سے لڑیں گے تو وہ تمہارے سامنے سے پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے، پھر ان کی (کہیں سے) مدد نہیں کی جائے گیo''(آل عمران:۱۱۱)

امام ابومحمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱٦ھ، آل عمران:۱۱۱ تا ۱۲۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''لَنۡ یَّضُرُّوۡکُمۡ اِلَّاۤ اَذًی'': مقاتل بیان کرتے ہیں کہ یہود کے سرداروں نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کو تنگ کرنے کا ارادہ کیا اور ان کو ایذاء پہنچائی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:''وہ جہاں بھی پائے جائیں گے ان پر ذلت چمٹی ہوئی ہوگی سوا اس کے کہ وہ اللہ کی پناہ پکڑیں اور لوگوں کی پناہ میں آئیں، وہ اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹے اور اُن پر ناداری چمٹادی گئی ہے، کیونکہ وہ اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کو اختیار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے، یہ اس وجہ سے ہوا کہ

انہوں نے (مسلسل) نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے O'' (آل عمران: ۱۱۲)

یہود کا دنیا میں ذلیل وخوار ہونا

''ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا'': یعنی یہود جہاں بھی پائے جائیں ان کو قتل کیا جائے گا اور ان کو قید کیا جائے گا، اور ان کو اس وقت تک امن نصیب نہیں ہوگا جب تک کہ وہ اللہ کی رسی کو نہ پکڑیں اور اسلام قبول نہ کریں، اور جب تک وہ لوگوں کی پناہ میں نہ آئیں یعنی جزیہ ادا کریں یا امان حاصل کریں۔

اسرائیل کی ایٹمی طاقت بننے کی توجیہ

میں کہتا ہوں: اس وقت اسرائیل عربوں میں بہت بڑی ایٹمی طاقت ہے اور عالمِ عرب کو اس نے دبا رکھا ہے اور فلسطین پر ظلم وستم کر رہا ہے اور علاقے پر علاقے فتح کر رہا ہے، لہٰذا یہ سوال نہ کیا جائے کہ قرآن تو کہتا ہے کہ یہودی جہاں بھی ہوں گے وہ ذلت میں ہوں گے حالانکہ اب تو انہوں نے مسلمانوں کو ذلیل کر رکھا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہ پیشگوئی فرمائی ہے کہ جب تک وہ اللہ کی رسی کو نہ پکڑیں یا جب تک لوگوں کی رسی کو نہ پکڑیں ان کو امن نصیب نہیں ہوگا، اور اب جو یہودی مامون اور محفوظ ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے برطانیہ اور امریکہ کا سہارا لیا ہوا ہے، آج اگر برطانیہ اور امریکہ اسرائیل سے اپنا ہاتھ اٹھالیں تو یہود کو دنیا میں کہیں مونہہ چھپانے کی جگہ نہیں ملے گی۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''تمام اہلِ کتاب برابر نہیں ہیں، بعض اہلِ کتاب میں سے وہ ہیں جو اللہ کے دین پر قائم ہیں، وہ رات کے اوقات میں اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں اور اس کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں O'' (آل عمران: ۱۱۳)

''لَيْسُوْا سَوَآءً ۭ مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جب حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے اصحاب نے اسلام قبول کرلیا تو احبار الیہود نے کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر وہی لوگ ایمان لائے ہیں جو ہم میں سب سے برے تھے، اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو یہ لوگ اپنے آباء واجداد کے دین کو ترک نہ کرتے۔

تہجد کی نماز پڑھنے اور راتوں کو اٹھ کر تلاوتِ قرآن کرنے کی فضیلت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہود اور سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی امت برابر نہیں ہیں، کیونکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی امت اللہ تعالیٰ کے دین پر قائم ہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کو ضائع نہیں کیا، السدی نے کہا کہ یہ امت کتاب اللہ اور اس کی حدود پر قائم ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ امت نماز میں قیام کرتی ہے، اور یہ امت نمازوں میں اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت کرتی ہے، اور راتوں کو اٹھ کر قرآن پڑھتی ہے اور نماز پڑھتی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وہ اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، اور نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں اور

برے کاموں سے منع کرتے ہیں، اور نیک کاموں میں ایک دوسرے پر سبقت کرتے ہیں، اور وہی لوگ نیکوکاروں میں سے ہیںO'' (آل عمران: ۱۱۴)

نیک کاموں میں عجلت کرنے اور نہ کرنے کا ضابطہ

''وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ'': اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ کسی کام میں جلدی کرنا مذموم ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''العجلة من الشيطان والتأنی من الرحمن'' (جلدی کرنا شیطان کی طرف سے ہے اور تاخیر سے کام کرنا رحمٰن کی طرف سے ہے)۔ (سنن ترمذی: ۲۰۱۳، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۱۰۴، مسند ابویعلیٰ: ۴۲۵۶، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۹)

اس کا جواب یہ ہے کہ مطلقاً جلدی کرنا مذموم نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ.... (آل عمران: ۱۳۳)'' (اپنے رب کی مغفرت کے حصول میں جلدی کرو)، جلدی کرنا اس وقت مذموم ہے جب کسی کام کے مبادیات اور مقدمات کو حاصل کیے بغیر اس کام کو کرنا شروع کیا جائے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور انہوں نے جو بھی نیک کام کیے ہیں ان کی ناقدری نہیں فرمائی جائے گی، اور اللہ پرہیزگاروں کو اچھی طرح جاننے والے ہیںO'' (آل عمران: ۱۱۵)

''وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ'': یعنی تم نے جو بھی نیک کام کیے ہیں تم اس کے اجر و ثواب کو معدوم نہیں پاؤ گے بلکہ تم کو اُن نیک کاموں کی جزا عطا فرمائی جائے گی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک جن لوگوں نے کفر کو اختیار کیا ان کے اموال اور ان کی اولاد ان کو اللہ (کے عذاب) سے بالکل بھی نہیں بچا سکیں گے، وہی لوگ دوزخ والے ہیں وہی دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے ہیںO'' (آل عمران: ۱۱۶)

''اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا'': یعنی کفار آخرت میں اللہ کے عذاب سے بچنے کے لیے اگر اپنے اموال اور اپنی اولاد کو فدیہ میں پیش کریں تو اس سے ان کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور کفار کو اصحاب النار اس لیے فرمایا ہے کہ یہ لوگ دوزخ سے نکل نہیں سکیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وہ لوگ اس دنیا میں جو خرچ کرتے ہیں اس کی مثال اس ہوا کی طرح ہے جس میں (جھلسانے والی) شدید سردی ہو جو اُن لوگوں کے کھیت پر پہنچی جنہوں نے اپنی جانوں پر (گناہ کر کے) ظلم کیا تھا، سو اُس ہوا نے اس کھیت کو برباد کر دیا، اور اللہ نے اُن پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر (گناہ کر کے) ظلم کرتے تھےO'' (آل عمران: ۱۱۷)

''مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا'': مقاتل نے کہا کہ اسلام لانے سے پہلے ابوسفیان اور ان کے اصحاب نے غزوۂ

بدر اور غزوۂ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں مال خرچ کیا، ان کے خرچ کئے ہوئے مال کی مثال کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کی مثال بادِ سموم کی طرح ہے یعنی جھلسانے والی گرم ہوائیں جو بندوں کو مار ڈالتی ہیں، ان گرم ہواؤں میں آواز ہوتی ہے اور اکثر مفسرین نے کہا کہ اُن ہواؤں میں سخت ٹھنڈک ہوتی ہے جو اگر لوگوں کے کھیت پر پہنچے تو ان کے کھیتوں کو برباد کر دے، اسی طرح کفار کے خرچ کئے ہوئے مال کی مثال ہے کہ جب انہیں اپنے خرچ کے اجر کی ضرورت ہوگی تو ان کا خرچ کیا ہوا مال برباد ہو چکا ہوگا اور وہ ضرورت کے وقت اپنے مال سے کوئی فائدہ نہیں حاصل کر سکیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! اپنے علاوہ غیروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ وہ تمہاری بربادی میں کوئی کمی نہیں کریں گے، وہ اسی کو پسند کرتے ہیں جو تم پر دشوار ہو، بے شک ان کی زبانوں سے ان کا بغض ظاہر ہو چکا ہے، اور جس بغض کو وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے بہت زیادہ ہے، ہم تمہارے لیے وضاحت سے دلائل بیان فرما چکے ہیں اگر تم عقل سے کام لو O'' (آل عمران: ۱۱۸)

غیر مسلموں کو راز دار بنانے کی ممانعت

''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بعض مسلمان یہودیوں سے رشتہ داری اور دوستی کی وجہ سے میل جول رکھتے تھے اور انہیں اپنے دین کے راز بتا دیتے تھے، تو اللہ عزوجل نے اس آیت میں اُن کو اس سے منع فرمایا کہ وہ یہود کو اپنے دین کے راز نہ بتائیں۔

کفار کا مسلمانوں کو ضرر پہنچانے کے درپے رہنا

''لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا'' یعنی یہ لوگ اپنی پوری طاقت اور قوت سے تمہیں ضرر پہنچانے کے درپے رہتے ہیں اور تمہیں ضرر پہنچانے کے لیے اپنی کوششوں میں کوئی کمی نہیں کرتے، وہ تمہیں مشقت، تکلیف اور ہلاکت میں ڈالنے کو پسند کرتے ہیں، تم سے جو وہ بغض رکھتے ہیں، اس کی علامات ان کے مونہوں سے ظاہر ہو چکی ہیں کہ وہ مسلمانوں کو برا کہتے ہیں اور مسلمانوں کے جنگی منصوبوں کی مشرکین کو اطلاع دیتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''سنو! تم ایسے لوگ ہو جو اُن سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں کرتے، اور تم اللہ کی تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو، اور جب وہ لوگ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم ایمان لا چکے ہیں، اور جب وہ تنہائی میں ہوتے ہیں تو تم پر غیظ و غضب کی وجہ سے انگلیوں کو چبا کر کاٹتے ہیں، (اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: تم اپنے غیظ و غضب میں مر جاؤ، بیشک اللہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والے ہیں O'' (آل عمران: ۱۱۹)

غیر مسلموں سے محبت کا تعلق رکھنے کی ممانعت

''هٰۤاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا یُحِبُّوْنَكُمْ'': اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہود اور دیگر گمراہ فرقوں کے ساتھ محبت کا تعلق رکھنے

سے منع فرمایا ہے اور ان کے ساتھ دوستی رکھنے سے منع فرمایا ہے، اگر بعض دنیاوی معاملات اور کاروباری ضروریات کی وجہ سے ان سے ملنا جلنا پڑے تو ان کے ساتھ محبت کے ساتھ میل جول نہ رکھا جائے، ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ (ہود: ۱۱۳) اے مسلمانو! ظالموں سے میل جول نہ رکھو، ورنہ تم کو بھی دوزخ کی آگ جلائے گی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اگر تم کو کچھ بھلائی حاصل ہو تو اُن کو برا لگتا ہے، اور اگر تم پر کوئی مصیبت آئے تو وہ اس سے خوش ہوتے ہیں، اور اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو ان کی سازش تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گی، بے شک اللہ ان کے تمام کاموں کا احاطہ فرمانے والے ہیں ○'' (آل عمران: ۱۲۰)

مسلمانوں کی خوش حالی سے غیر مسلموں کا ناخوش ہونا اور ان کی بدحالی سے خوش ہونا

''اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ'': یعنی اگر تمہیں جہاد میں اپنے دشمنوں کے خلاف فتح حاصل ہوتی ہے اور تم کو مالِ غنیمت ملتا ہے اور لوگ پے در پے اسلام میں داخل ہوتے ہیں اور تمہارے کھیت سرسبز ہوتے ہیں اور تمہیں خوش حالی حاصل ہوتی ہے تو یہ چیزیں ان کو بری لگتی ہیں، اور اگر کسی جنگ میں تمہیں شکست ہو یا تمہیں قحط سالی کا سامنا ہو یا کسی اور آفت کا سامنا ہو تو اس سے یہ لوگ خوش ہوتے ہیں، اور اگر تم ان کی ایذا رسانیوں پر صبر کرو اور اپنے رب سے ڈرتے رہو تو ان کا مکر و فریب اور ان کی سازشیں تمہیں کوئی ضرر نہیں پہنچا سکیں گی۔ (معالم التنزیل ج ۱ ص ۴۹۵۔۴۹۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾

(اے رسولِ اکرم!) یاد کیجئے جب صبح کے وقت آپ اپنے گھر والوں کے پاس سے باہر آئے (تاکہ) آپ مسلمانوں کو جنگ کے لیے مورچوں پر ٹھہرائیں، اور اللہ سب کچھ سننے والے سب کچھ جاننے والے ہیں ○

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

جب آپ کے دو گروہوں نے بزدلی کے اظہار کا ارادہ کیا، حالانکہ اللہ اُن کا مددگار تھا، اور ایمان والوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے ○

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

اور بے شک اللہ نے (غزوہ) بدر میں تمہاری مدد فرمائی جب کہ تم اس وقت کمزور تھے، سو تم اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم (اللہ کا) شکر ادا کرو ○

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ؕ ﴿۱۲۴﴾

جب آپ مسلمانوں سے کہہ رہے تھے: کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ تمہارا رب تمہاری تین ہزار نازل کیے ہوئے فرشتوں سے مدد فرمائے O

بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾

کیوں نہیں! اگر تم (مورچوں پر) جمے رہے اور (اللہ سے) ڈرتے رہے اور (دشمن) تم پر اسی وقت حملہ آور ہو (تو) اسی لمحے تمہارا رب پانچ ہزار نشان زدہ فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے گا O

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾ ۙ

اور اللہ نے فرشتوں کے نازل فرمانے کو تمہارے لیے صرف بشارت بنایا ہے اور تاکہ اس کے ذریعے تمہارے دل مطمئن رہیں، اور مدد صرف اللہ کی طرف سے ہے جو بہت غالب اور بے حد حکیم ہیں O

لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾

تاکہ اللہ کافروں کے ایک گروہ کی جڑ کاٹ دیں یا انہیں رُسوا فرمادیں تو وہ ناکام لوٹ جائیں O

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾

اس معاملہ میں آپ کا کوئی اختیار نہیں ہے (اللہ) اُن کی توبہ قبول فرمائیں یا اُن پر عذاب نازل فرمائیں، کیونکہ وہ یقیناً ظلم کرنے والے ہیں O

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾ ع

اور آسمانوں میں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اللہ ہی کی ملکیت میں ہے، وہ جس کی چاہیں مغفرت فرمادیں اور جس پر چاہیں عذاب نازل فرمائیں اور اللہ بہت بخشنے والے بے حد رحم فرمانے والے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) یاد کیجئے جب صبح کے وقت آپ اپنے گھر والوں کے پاس سے باہر آئے (تاکہ) آپ مسلمانوں کو جنگ کے لیے مورچوں پر ٹھہرائیں، اور اللہ سب کچھ سننے والے سب کچھ جاننے والے ہیں O'' (آل عمران: ۱۲۱)

"وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ": مجاہد، کلبی اور الواقدی نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے پیدل چلتے ہوئے اُحد پہاڑ کی طرف تشریف لے گئے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ اُحد کے دن کفار سے قتال کے لیے اپنے اصحاب کی صفیں باندھ رہے تھے اور ان کو مورچوں پر بٹھا رہے تھے۔

غزوۂ اُحد کا پس منظر اور پیش منظر

غزوۂ اُحد گیارہ (۱۱) شوال تین (۳ھ) ہجری ہفتہ کے دن ہوا تھا، امام محمد بن سعد نے بیان کیا ہے کہ یہ غزوہ ہجرت کے بتیس (۳۲) ماہ بعد ہوا تھا، امام بیہقی نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ غزوۂ اُحد، غزوۂ بدر کے ایک سال بعد ہوا تھا۔

اُحد مدینہ کا ایک پہاڑ ہے جو مدینہ سے ایک فرسخ سے بھی کم فاصلہ پر ہے، اس کو اُحد اس لیے کہتے ہیں کہ یہ باقی پہاڑوں سے منقطع اور منفرد ہے۔

غزوۂ اُحد کے وقوع کی تاریخ میں متعدد اقوال

علامہ عمر بن علی ابن الملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

ابنِ عائذ کے نزدیک غزوۂ اُحد گیارہ (۱۱) شوال تین ہجری (۳ھ) ہفتہ کے دن ہوا تھا، اور امام محمد بن سعد کے نزدیک ہجرت کے بتیس ماہ اور سات دن بعد ہوا تھا۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۳۶)

ابن اسحاق کے نزدیک غزوۂ اُحد پندرہ (۱۵) شوال کو ہوا تھا۔ (سیرتِ ابن ہشام ج ۳ ص ۵۲)

امام بیہقی نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ غزوۂ بدر ہجرت کے ڈیڑھ سال بعد ہوا تھا اور غزوۂ اُحد اس کے ایک سال بعد ہوا تھا اور ایک روایت میں مذکور ہے کہ غزوۂ اُحد ہجرت کے اکتیس (۳۱) ماہ بعد ہوا تھا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۳ ص ۲۰۲)

غزوۂ اُحد کے لیے کفارِ قریش کی تیاری

الزہری اور دوسرے ائمہ کی روایت میں مذکور ہے کہ کفارِ قریش غزوۂ بدر میں شکست کھا کر مکہ پہنچے اور ابوسفیان بن حرب اپنے قافلہ کے ساتھ مکہ پہنچ گیا، تو جن کفار کے باپ بھائی اور بیٹے غزوۂ بدر میں مارے گئے تھے، انہوں نے ابوسفیان بن حرب سے کہا: اے قریش کی جماعت! بے شک (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تم کو تباہ و برباد کر دیا ہے اور تمہارے بہترین لوگوں کو مروا دیا ہے، سو تم اس قافلہ کے مال سے ہماری مدد کرو تا کہ ہم اُن سے جنگ کر کے بدلہ لیں تو وہ اس پر تیار ہو گئے۔ (سیرتِ ابن ہشام ج ۳ ص ۳-۴)

امام ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے لوگوں کو اس لشکر کی تیاری پر مال دینے کے لیے برانگیختہ کیا، اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ۬ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ۝۳۶ (الانفال: ۳۶)

بے شک جن لوگوں نے کفر کو اختیار کیا وہ اپنے مال اس لیے خرچ کرتے ہیں کہ (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکیں، سو اب وہ اپنے اموال خرچ کریں گے، پھر قیامت کے دن یہ خرچ اُن کے لیے باعثِ حسرت ہو جائے گا، پھر یہ لوگ مغلوب کر دیئے جائیں گے

اور جن لوگوں نے کفر کو اختیار کیا تھا وہ دوزخ کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے O

اور کفارِ قریش نے مدد حاصل کرنے کے لیے تمام عرب میں اپنے نمائندے بھیجے، سوانہوں نے تین ہزار کا لشکر تیار کیا جس میں سات سو زرہیں تھیں، دو سو گھوڑے تھے اور تین ہزار اونٹ تھے، اور ان میں پندرہ گانے والی عورتیں تھیں جو اُن کے سامنے مقتولین بدر کا ذکر کر کے ان کو انتقام لینے کے لیے جوش دلاتی تھیں۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۳۸)

عبد اللہ بن ابی کا عین معرکہ کے دوران لشکر سے نکل جانا، آپ کی حکم عدولی کی وجہ سے مسلمانوں کا شکست کھانا، اور آپ کا اُحد کی لڑائی میں زخمی ہونا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے غزوۂ احد میں قتال کے لیے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا تو آپ کے اصحاب میں سے بزرگوں کی رائے آپ کی رائے کے موافق تھی کہ مدینہ میں رہ کر دشمن سے مقابلہ کیا جائے، اور نوجوانوں کی رائے اس کے برخلاف تھی کہ مدینہ سے باہر نکل کر دشمن سے مقابلہ کیا جائے۔ پس جب لڑائی شروع ہوگئی اور آپ مقام الشوط پر پہنچے تو عبد اللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ آپ کے لشکر سے نکل گیا۔ (سیرت ابن ہشام ج ۳ ص ۴ تا ۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تیر اندازوں کو حکم فرمایا تھا کہ تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا اور جب وہ اپنی جگہ سے ہٹ گئے تو شکست کھا گئے اور ستر (۷۰) مسلمان شہید ہو گئے جن میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، ان کو وحشی نے عقب سے برچھی مار کر شہید کیا تھا۔
(صحیح البخاری:۴۰۳۹)

اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مبارک پیشانی پر ایک پتھر لگا اور آپ کی پیشانی مبارک خون آلود ہوئی اور عتبہ بن ابی وقاص نے آپ کے نچلے دانت کو شہید کر دیا اور آپ کا نچلا ہونٹ عبد اللہ بن قمئۃ نے زخمی کیا اور کہا: یہ لو! اور میں ابن قمئۃ ہوں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: تجھے اللہ تعالیٰ دوزخ میں ذلیل فرمائے گا، سو وہ پہاڑ کی چوٹی پر اپنی بکریوں میں تھا کہ اس کو ایک بکرے نے سینگ مارا اور اس کو پہاڑ کی چوٹی سے گرا دیا، پس اس کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ آپ کے دائیں کندھے پر کسی کافر نے تلوار ماری تھی جس سے آپ کا رخسار زخمی ہو گیا تھا اور آپ کے خود کے دو حلقے اس میں پیوست ہو گئے، اور آپ اس گڑھے میں گر گئے جس کو ابو عامر یہودی نے مسلمانوں کے خلاف سازش کے لیے کھودا تھا، پھر مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پکڑا اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو اٹھا کر سیدھا کھڑا کیا اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ دشمنوں کے تیروں کے خلاف آپ کی ڈھال بن گئے۔ (عیون الاثر ج ۲ ص ۵)

امام ابن ہشام نے الزہری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ آپ کی مبارک پیشانی پھٹ گئی تھی۔ (سیرت ابن ہشام ج ۳ ص ۲۷)

اور ابن قمئۃ نے چلا کر کہا: بے شک (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) قتل کر دیئے گئے ہیں اور حقیقت میں ابلیس نے اس کی صورت میں آ کر یہ کہا تھا اور اس دن آپ کے ساتھ صرف چودہ (۱۴) افراد ثابت قدم رہے تھے، اور امام مسلم نے روایت کی ہے کہ آپ کے ساتھ سات (۷) انصار اور دو (۲) قریش کے مرد حضرت طلحہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم ثابت قدم رہے تھے۔ (صحیح مسلم:۱۷۸۹)

امام بخاری نے روایت کی ہے کہ جن ایام میں آپ پر حملہ کیا گیا تھا ان ایام میں آپ کے ساتھ صرف حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما باقی رہے تھے۔ (صحیح البخاری: ۴۰۶۰۔۴۰۶۱)

مسلمانوں اور کفارِ قریش کے لشکروں کا تقابل

مشرکینِ قریش کا جھنڈا طلحہ کے ہاتھ میں تھا اور وہ عثمان کا بیٹا ہے جو شیبہ کا بھائی ہے، اس کو قتل کر دیا گیا، اور مسلمانوں کا جھنڈا مولیٰ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا، یعنی مہاجرین میں سے، اور ایک قول ہے کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا، اور اوس کا جھنڈا حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا اور خزرج کا جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا، کفارِ قریش کے لشکر میں تین ہزار مرد اور دو سو گھوڑے تھے اور مسلمانوں کے پاس صرف ایک گھوڑا تھا۔

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس دن ہمارا مشرکین سے مقابلہ ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تیر اندازوں کا لشکر بٹھا دیا اور حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو اُن کا امیر مقرر فرما دیا، اور آپ نے فرمایا: تم یہاں سے نہ ہٹنا خواہ تم یہ دیکھو کہ ہم ان پر غالب آ گئے ہیں تب بھی یہاں سے نہ ہٹنا، اور اگر تم یہ دیکھو کہ مشرکین ہم پر غلبہ پا چکے ہیں تب بھی تم ہماری مدد کے لیے نہ آنا، پس جب ہمارا مقابلہ ہوا تو مشرکین وہاں سے بھاگ گئے حتیٰ کہ ہم نے ان کی عورتوں کو اس طرح پہاڑ پر بھاگتے ہوئے دیکھا کہ انہوں نے اپنی پنڈلیوں سے کپڑا اٹھایا ہوا تھا اور ان کی پازیبیں ظاہر ہو رہی تھیں، سو مسلمان کہنے لگے: ''غنیمت لوٹو'' ''غنیمت لوٹو'' تب حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھ سے یہ عہد لیا تھا کہ یہاں سے نہ ہٹنا، تو مسلمانوں نے اپنے امیر کی بات ماننے سے انکار کر دیا (کیونکہ ان پر مالِ غنیمت کو لوٹنے کی حرص غالب تھی)، پس جب انہوں نے انکار کیا تو ان کے چہرے پھیر دیے گئے، سو ستر (۷۰) صحابہ شہید ہو گئے اور ابوسفیان نے سر اٹھا کر کہا: کیا ان لوگوں میں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہیں؟ آپ نے فرمایا: اس کو جواب نہ دینا، پھر اس نے پوچھا: کیا ان لوگوں میں ابوقحافہ کا بیٹا ہے؟ آپ نے فرمایا: اس کو جواب نہ دینا، پس اس نے کہا: کیا ان لوگوں میں خطاب کا بیٹا ہے؟ پھر اس نے کہا: یہ سب لوگ قتل ہو چکے ہیں، اگر یہ زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے، تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے اوپر ضبط نہ کر سکے، انہوں نے کہا: اے اللہ کے دشمن! تو نے جھوٹ بولا، اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو تیرے خلاف باقی رکھا ہے جو تجھے غمگین کریں گے، ابوسفیان نے کہا: ''ھبل بلند ہو'' نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اس کو جواب دو، صحابہ نے پوچھا: ہم کیا کہیں؟ آپ نے فرمایا، تم کہو: اللہ بلند اور برتر ہے، ابوسفیان نے کہا: ہمارا عزیٰ ہے اور تمہارا کوئی عزیٰ نہیں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اس کو جواب دو، صحابہ نے پوچھا: ہم کیا جواب دیں؟ آپ نے فرمایا: تم کہو کہ ہمارا مددگار اللہ ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں ہے، ابوسفیان نے کہا: آج کا دن بدر کے دن کا بدلہ ہے اور جنگ (کنویں کا) ڈول ہے (کبھی ایک کے پاس اور کبھی دوسرے کے پاس) اور تم ایک مُثلہ (اعضاء کٹے ہوئے) کو دیکھو گے، میں نے اس کا حکم نہیں دیا تھا اور نہ مجھے اس پر افسوس ہوا۔

(صحیح البخاری: ۳۰۳۹، ۳۹۸۶، ۴۰۴۳، ۴۰۶۷، ۴۵۶۱، سنن ابوداؤد: ۲۶۶۲، مسند احمد: ۱۸۱۲۰)

شہداءِ احد کی تعداد اور مُثلہ کا معنی

علامہ عمر بن علی ابن الملقن الشافعی المتوفی ۸۰۴ ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے ''پس ستر (۷۰) مسلمان شہید ہو گئے'' امام مالک نے بتایا: مہاجرین میں سے چار شہید ہوئے تھے اور انصار میں سے ستر (۷۰) شہید ہوئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عہدِ مبارک میں اس سے بڑی جنگ نہیں ہوئی تھی اور نہ کسی جنگ میں غزوۂ اُحد سے زیادہ مسلمان شہید ہوئے تھے۔

اس حدیث میں ''مُثلہ'' کا ذکر ہے، کسی شخص کے اعضاء کاٹ کر اور اس کے ناک اور کان کاٹ دیے جائیں تو اس کو مثلہ کہتے ہیں، غزوۂ احد میں وحشی بن حرب نے عقب سے حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ پر برچھی کا وار کیا تھا، وہ برچھی ان کی کمر کے نیچے آر پار گزر گئی اور آپ شہید ہو گئے، مشرکین قریش نے آپ کے اعضاء کاٹ ڈالے اور ناک اور کان کاٹ کر ان کا ایک ہار بنالیا، امام ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ ہندا اپنے ساتھ چند عورتوں کو لے کر نکلی اور انہوں نے شہداء احد کے کان اور ان کی ناک کاٹ ڈالی اور ان اعضاء کا ہار بنالیا اور یہ ہار انعام میں وحشی کے گلے میں ڈالا گیا کیونکہ اس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا، ہند نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا جگر (کلیجہ) کاٹ کر اس کو چبایا لیکن نگل نہ سکی، پھر اس کو تھوک دیا۔

(عمدۃ القاری ج ۱۷ ص ۱۹۱۔ ۱۹۲، ملخصاً دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت سیدنا حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی شہادت پر بہت رنج اور افسوس ہوا اور آپ نے ستّر (۷۰) مرتبہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ پڑھی یا ستّر (۷۰) مرتبہ آپ کے لیے استغفار کیا۔

جن مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُحد پہاڑ پر کھڑا کیا تھا، ان کے بھاگنے کے متعلق دیگر روایات

زہیر روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے اصحاب نے کہا: آج غنیمت لوٹنے کا دن ہے، تمہارے اصحاب غلبہ پا چکے ہیں، اب تم کس کا انتظار کر رہے ہو، حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم بھول گئے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا فرمایا تھا، انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہم وہاں ضرور جائیں گے اور غنیمتیں لوٹیں گے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مالِ غنیمت لیا اور مشرکین کے لشکر کو مباح کر لیا تو تمام تیر انداز مُڑ گئے اور لشکر میں داخل ہو کر مالِ غنیمت لوٹنے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کی صفیں ٹوٹ گئیں اور جب تیر اندازوں نے اپنی جگہ چھوڑ کر اس کو خالی کر دیا تو دشمن کے گھڑ سواروں نے پلٹ کر اس جگہ سے صحابہ پر چڑھائی کر دی، پھر بعض مسلمانوں نے ایک دوسرے کو مار ڈالا، کیونکہ ان پر مسلمانوں کو مشرکین کا شبہ ہو گیا تھا، اس وجہ سے بہت سے مسلمان قتل کر دیئے گئے۔

جب تیر اندازوں نے اپنی جگہ چھوڑی تو مسلمان حیران و پریشان ہو گئے کہ کدھر جائیں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بارہ (۱۲) صحابہ کھڑے رہے، امام نسائی نے روایت کی ہے کہ جب لوگ پیٹھ موڑ کر بھاگے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صرف بارہ (۱۲) انصار رہ گئے تھے ان میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

غزوۂ اُحد میں صحابہ کے شہید ہونے کی تعداد کے متعلق دیگر روایات

امام سعید بن منصور نے ایک مرسل روایت کی ہے کہ غزوۂ اُحد کے دن ستّر (۷۰) مسلمان شہید ہوئے جن میں سے چار مہاجرین تھے: (۱) حضرت سیدنا حمزہ (۲) حضرت مصعب بن عمیر (۳) حضرت عبداللہ بن جحش (۴) حضرت شماس بن عثمان رضی اللہ عنہم۔

ابو الفتح الیعمری نے شہداء احد کے چھیانوے (۹۶) نام ذکر کیے ہیں ان میں سے گیارہ (۱۱) مہاجرین تھے اور باقی انصار تھے، ان میں سے بعض کا ذکر امام ابن اسحاق نے کیا ہے اور باقی زائد کا ذکر موسیٰ بن عقبہ یا محمد بن سعد یا ہشام بن الکلبی نے کیا ہے۔ پھر حافظ ابن عبد البر اور الدمیاطی نے مزید چار یا پانچ صحابہ کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ شہداء احد کی تعداد سو سے زیادہ ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جب آپ کے دو گروہوں نے بزدلی کے اظہار کا ارادہ کیا، حالانکہ اللہ اُن کا مددگار تھا، اور ایمان والوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے O'' (آل عمران: ۱۲۲)

''اِذْ هَمَّتْ طَّآ ئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا'': حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت ہمارے متعلق نازل ہوئی ہے: ''جب تم میں سے دو گروہوں نے بزدلی ظاہر کرنے کا ارادہ کیا۔۔۔(آل عمران: ۱۲۲)'' یہ دو گروہ بنوسلمہ اور بنو حارثہ ہیں اور مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ یہ آیت نازل نہ ہوتی (کیونکہ اس آیت میں دونوں گروہوں کو بزدل فرمایا ہے، اس لیے بہ ظاہر یوں ہونا چاہیے تھا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اس آیت کے نزول کو ناپسند فرماتے کیونکہ اس آیت کے مطابق ان کے گروہ کو بزدل فرمایا ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اللہ ان دونوں کا مددگار رہے'' (اگرچہ ان دونوں گروہوں کو بزدل فرمایا ہے لیکن اس کے بعد میں یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں گروہوں کا مددگار رہے، اس لیے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ یہ آیت نازل نہ ہوتی)۔ (صحیح البخاری: ۴۰۵۱، ۴۵۵۸، صحیح مسلم: ۲۵۰۵)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بے شک اللہ نے (غزوہ) بدر میں تمہاری مدد کی جب کہ تم اس وقت کمزور تھے، سو تم اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم (اللہ کا) شکر ادا کرو O'' (آل عمران: ۱۲۳)

امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی التوفی ۵۱۶ھ، آل عمران: ۱۲۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

بدر کا محلِ وقوع اور وجہ تسمیہ

''وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ'': مکہ مکرمہ اور المدینہ المنورہ کے درمیان ایک جگہ ہے جس کا نام بدر ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں پر ایک کنواں تھا جس کا نام بدر تھا اور شعبی نے بیان کیا کہ جس مرد کا یہ کنواں تھا اس کا نام بدر تھا۔

''وَاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ'' ''أَذِلَّة'' ذلیل کی جمع ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی، وہ تین سو تیرہ مرد تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے عدد کی قلت کے باوجود اور دشمن کے عدد کی کثرت کے باوجود ان کو فتح عطا فرمائی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جب آپ مسلمانوں سے کہہ رہے تھے: کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ تمہارا رب تمہاری تین ہزار نازل کیے ہوئے فرشتوں سے مدد فرمائے O'' (آل عمران: ۱۲۴)

''اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ؀'': اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے، پس قتادہ نے کہا: اس کا تعلق غزوۂ بدر کے ساتھ ہے، اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ مسلمانوں کی مدد فرمائی جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ؀۔۔ (الانفال: ۹)'' ((اے مسلمانو!) جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری فریاد سُن لی (اور تمہیں بشارت دی کہ) میں پے در پے آنے والے ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرنے والا ہوں)، پھر ان فرشتوں کی تعداد تین ہزار ہوگئی اور پھر ان کی تعداد پانچ ہزار ہوگئی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”کیوں نہیں! اگر تم (مورچوں پر) جمے رہے اور (اللہ سے) ڈرتے رہے اور (دشمن) تم پر اسی وقت حملہ آور ہو (تو) اسی لمحے تمہارا رب پانچ ہزار نشان زدہ فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے گا O“ (آل عمران: ۱۲۵)

”بَلٰۤى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا وَ يَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۝“:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد نے کہا: فرشتوں نے یوم بدر کے علاوہ کسی معرکہ میں قتال نہیں کیا اور ان کے سوا دوسرے معرکوں میں وہ قتال کے موقعوں پر حاضر ہوتے تھے اور قتال نہیں کرتے تھے اور اُن فرشتوں کا نازل ہونا صرف مسلمانوں کی ڈھارس بندھانے کے لیے تھا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے غزوۂ اُحد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں جانب اور دائیں جانب دو مرد دیکھے جنہوں نے سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے، نہ میں نے ان کو اس سے پہلے دیکھا تھا اور نہ اس کے بعد۔

(صحیح البخاری: ۴۰۵۴، ۵۸۲۶، صحیح مسلم: ۲۳۰۶، مسند احمد: ۱۴۷۱، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۸۹، صحیح ابن حبان: ۶۹۸۷، السنۃ لابن ابی عاصم: ۱۴۱۰، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۳ ص ۲۵۴۔۲۵۵)

اس حدیث میں جن دو مردوں کا ذکر ہے وہ حضرت جبرائیل اور حضرت میکائیل تھے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”اور اللہ نے فرشتوں کے نازل فرمانے کو تمہارے لیے صرف بشارت بنایا ہے اور تاکہ اس کے ذریعے تمہارے دل مطمئن رہیں، اور مدد صرف اللہ کی طرف سے ہے جو بہت غالب اور بے حد حکیم ہیں O“ (آل عمران: ۱۲۶)

”وَ مَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَ لِتَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ“: یعنی یہ وعدہ محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت ہے تاکہ تمہارے دل مطمئن اور پرسکون رہیں، پس تم دشمن کی کثرت اور اپنی قلت کی وجہ سے مغموم نہ ہو اور ہمت نہ ہارو کیونکہ مدد صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں بعض مفسرین نے کہا ہے کہ غزوۂ بدر میں فرشتے نازل ہوئے اور انہوں نے کفار کے خلاف قتال میں حصہ لیا، اور بعض دیگر محققین مفسرین نے کہا کہ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی ڈھارس بندھانے کے لیے اور اُن کے دلوں میں سکون پیدا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو نازل فرمایا، تاہم انہوں نے کفار قریش کے خلاف قتال نہیں کیا، کفار قریش کے خلاف قتال صرف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کیا تھا، ہم اپنی اس تفسیر میں دونوں قسم کے مفسرین کے دلائل کو پیش کریں گے اور آخر میں ان کے درمیان محاکمہ کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق:

جن مفسرین کے نزدیک فرشتوں نے غزوۂ بدر میں کفارِ قریش کے خلاف قتال کیا تھا

(۱) امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ آل عمران: ۱۲۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَ مَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی لَکُمۡ'' کی تفسیر میں مجاہد بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو صرف تمہیں بشارت دینے کے لیے اور تمہارے دلوں کو مطمئن کرنے کے لیے نازل فرمایا اور غزوۂ احد میں فرشتوں نے قتال نہیں کیا، مجاہد نے کہا: فرشتوں نے مسلمانوں کے ساتھ صرف غزوۂ بدر میں قتال کیا نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد۔

(تفسیر طبری ج ۶ ص ۳۹، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ، تفسیر مجاہد ص ۲۵۹ تفسیر امام ابن ابی حاتم: ۴۰۸۳، سیرتِ ابن ہشام ج ۲ ص ۱۰۸)

(۲) علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی البصری المتوفی ۴۵۰ھ، لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ فرشتوں نے صرف غزوۂ بدر کے دن قتال کیا تھا۔

(النکت والعیون ج ۱ ص ۴۲۲، موسسۃ الکتب الثقافیۃ، بیروت)

(۳) امام ابومحمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد بیان کرتے ہیں کہ فرشتوں نے صرف غزوۂ بدر کے معرکہ میں قتال کیا، ان کے علاوہ باقی غزوات میں فرشتے قتال کے موقع پر حاضر ہوتے تھے اور قتال نہیں کرتے تھے۔

(معالم التنزیل ج ۱ ص ۵۰۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

(۴) ابومحمد عبدالحق بن عطیہ الاندلسی المتوفی ۵۴۱ھ، لکھتے ہیں:

بہ کثرت روایات میں وارد ہے کہ فرشتے غزوۂ بدر میں حاضر ہوئے اور انہوں نے قتال کیا۔

(المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز ص ۳۵۲، دار ابن حزم، ۱۴۲۳ھ)

(۵) امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی ابن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

مجاہد نے کہا کہ غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد دونوں دنوں میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی مدد پہنچائی لیکن فرشتوں نے غزوۂ بدر کے سوا اور کسی دن قتال نہیں کیا۔ (زاد المسیر فی علم التفسیر ج ۱ ص ۳۲۲، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

(۶) امام فخر الدین محمد بن عمر الرازی الشافعی المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اہل التفسیر والسیَر کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر میں فرشتوں کو نازل فرمایا اور انہوں نے کفار کے خلاف قتال کیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: فرشتوں نے غزوۂ بدر کے سوا اور کسی دن قتال نہیں کیا۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۵۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

(۷) علامہ نظام الدین الحسن بن محمد بن حسین القمی النیشاپوری المتوفی ۷۲۸ھ، لکھتے ہیں:

فرشتوں نے اپنے گھوڑوں کو کفار کو قتل کرنے کے لیے اور انہیں گرفتار کرنے کے لیے بھیجا۔

(تفسیر غرائب القرآن ورغائب الفرقان ج ۲ ص ۲۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

(۸) علامہ محمد بن یوسف ابوحیان الاندلسی الغرناطی المتوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

بہ کثرت روایات میں مذکور ہے کہ فرشتے غزوۂ بدر میں حاضر ہوئے اور انہوں نے قتال کیا۔

(البحر المحیط ج ۳ ص ۳۳۲، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۲ھ)

(۹) علامہ ابوالفداء الحافظ اسماعیل بن کثیر دمشقی الشافعی المتوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ فرشتوں نے صرف غزوۂ بدر میں قتال کیا تھا۔

(تفسیر القرآن العظیم ج ۱ ص ۴۵۲، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

(۱۰) علامہ ابوحفص عمر بن علی الدمشقی الحنبلی المتوفی ۸۸۰ھ، لکھتے ہیں:

مفسرین اور اہل السیر کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر کے دن فرشتوں کو نازل فرمایا اور انہوں نے کفار سے قتال کیا۔ (اللباب فی علوم الکتاب ج ۵ ص ۵۱۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۱ء)

(۱۱) القاضی مجیر الدین بن محمد العلیمی المقدسی الحنبلی المتوفی ۹۲۸ھ، لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ فرشتوں نے صرف معرکۂ بدر میں قتال کیا تھا، ان کے علاوہ باقی غزوات میں فرشتے قتال کے موقع پر حاضر ہوتے تھے اور قتال نہیں کرتے تھے۔ (فتح الرحمٰن فی تفسیر القرآن ج ۲ ص ۲۱، دار النوادر، لبنان، ۱۴۳۲ھ)

(۱۲) قاضی محمد ثناء اللہ العثمانی الحنفی المظہری المتوفی ۱۲۲۵ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد نے بیان فرمایا کہ فرشتوں نے صرف معرکۂ بدر میں قتال کیا تھا، ان کے علاوہ باقی غزوات میں فرشتے قتال کے موقع پر حاضر ہوتے تھے اور قتال نہیں کرتے تھے۔ (مکتبہ عثمانیہ، کوئٹہ، پاکستان، ۱۴۲۵ھ)

(۱۳) شیخ محمد بن علی بن محمد الشوکانی المتوفی ۱۲۵۰ھ لکھتے ہیں:

ابن اسحاق اور طبرانی نے از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کیا کہ فرشتے غزوۂ بدر میں حاضر ہوئے اور قتال کیا اور باقی غزوات میں وہ حاضر ہوتے تھے اور قتال نہیں کرتے تھے۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۶۲۱، دار الوفاء، المنصورہ ۱۴۱۸ھ)

(۱۴) علامہ سید محمود آلوسی البغدادی الحنفی المتوفی ۱۲۷۰ھ، لکھتے ہیں:

مختار وہ ہے جو مجاہد نے روایت کیا ہے کہ فرشتوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غزوات میں سے صرف غزوۂ بدر میں قتال کیا تھا اور بعض دیگر غزوات میں فرشتے اللہ تعالیٰ کی کسی مصلحت کی وجہ سے حاضر ہوئے اور انہوں نے قتال نہیں کیا۔

(روح المعانی ج ۳ ص ۴۷، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

(۱۵) صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مسلمان اس روز کافروں کا تعاقب کرتے تھے اور کافر مسلمان کے آگے بھاگتا جاتا تھا، اچانک اوپر سے کوڑے کی آواز آتی اور سوار کا یہ کلمہ سنا جاتا تھا ''اقدم حیزوم'' یعنی اے حیزوم! آگے بڑھ، (حیزوم حضرت جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کا نام تھا)، اور نظر آتا تھا کہ کافر گر کر مر گیا اور اس کی ناک تلوار سے اڑا دی گئی اور چہرہ زخمی ہو گیا، صحابہ نے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے یہ مشاہدے بیان کیے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ آسمانِ سوم کی مدد ہے۔ ابوجہل نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کہاں سے ضرب آتی تھی مارنے والا تو ہم کو نظر نہیں آتا تھا۔ آپ نے فرمایا: فرشتوں کی طرف سے، تو ابوجہل

کہنے لگا: پھر وہی فرشتے غالب ہوئے تم غالب نہیں ہوئے۔

(خزائن العرفان مع کنز الایمان، ص ۱۳۳، مجلس المدینۃ العلمیہ (دعوتِ اسلامی)، کراچی، ۱۴۳۲ھ)

(۱۶) شیخ شبیر احمد عثمانی حنفی دیوبندی متوفی ۱۳۶۹ھ لکھتے ہیں:

روایات میں ہے کہ بدر میں ملائکہ کو لوگ آنکھوں سے دیکھتے تھے اور اُن کے مارے ہوئے کفار کو آدمیوں کے قتل کئے ہوئے کفار سے الگ شناخت کرتے تھے۔ (حاشیہ عثمانی بر ترجمہ محمود الحسن، ص ۲۳۱، دار التصنیف، کراچی، ۱۹۷۵ء)

☆ ☆ ☆

رہے وہ مفسرین جن کی تحقیق یہ ہے کہ فرشتوں نے کسی غزوہ میں بھی کفار سے قتال نہیں کیا، ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

جن مفسرین کے نزدیک فرشتوں نے کسی غزوہ میں بھی کفار کے خلاف قتال نہیں کیا

(۱) ابوبکر الاصم المعتزلی المتوفی ۲۲۵ھ، لکھتے ہیں:

اہل التفسیر والسِیَر کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بدر کے دن فرشتوں کو نازل فرمایا اور انہوں نے کفار سے قتال کیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: فرشتوں نے یوم بدر کے سوا کسی دن قتال نہیں کیا اور یہ اکثرین کا قول ہے، رہے ابوبکر الاصم تو انہوں نے اس کا شدید انکار کیا ہے اور اس پر حسبِ ذیل دلائل پیش کئے ہیں:

(الف) ایک فرشتہ تمام روئے زمین والوں کو ہلاک کرنے کے لیے کافی ہے اور مشہور ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے اپنا ایک پَر قومِ لوط کے مداین کے نیچے داخل کیا اور ان کا پَر ساتویں زمین تک پہنچ گیا، پھر انہوں نے اپنے پَر کو آسمان کی طرف اٹھایا اور اس کو پلٹ دیا تو اوپر والے نیچے ہو گئے اور نیچے والے اوپر ہو گئے، پس جب حضرت جبریل علیہ السلام بدر کے دن حاضر تھے تو انہیں کفار کے ساتھ لڑنے کی کیا ضرورت تھی؟ (وہ لڑے بغیر بھی تمام کفار کو ہلاک کر سکتے تھے)، پھر اگر بالفرض وہ حاضر بھی ہوئے تھے تو پھر باقی فرشتوں کو بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟

(ب) بڑے بڑے کفارِ قریش کے نام مشہور ہیں اور اُن میں سے ہر ایک نے جس صحابی کے ساتھ مقابلہ کیا وہ بھی معلوم ہے، اور جب ایسا ہے تو پھر قتل کرنے والوں کی نسبت فرشتوں کی طرف کرنا باطل ہے۔

(ج) اگر فرشتوں نے کفارِ قریش سے قتال کیا تھا یا تو وہ اس طرح ہوں گے کہ لوگ ان کو دیکھ رہے ہوں گے، یا اس طرح ہوں گے کہ لوگ ان کو نہیں دیکھ رہے ہوں گے، پس اگر لوگ ان کو دیکھ رہے تھے تو یا تو یہ کہا جائے گا کہ لوگوں نے اُن کو انسانوں کی صورت میں دیکھا یا انسانوں کے علاوہ کسی اور صورت میں دیکھا، پس اگر لوگوں نے ان فرشتوں کو انسانوں کی صورت میں دیکھا تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لشکر میں تین ہزار یا اس سے زیادہ کی تعداد ہو گئی اور یہ کسی کا بھی قول نہیں ہے (کیونکہ آپ کے لشکر کی تعداد صرف تین سو تیرہ تھی) نیز یہ قرآنِ مجید کی اس آیت کے خلاف ہے: ''وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ ۔۔ (الانفال: ۴۴)'' (اور اللہ نے تمہیں کفار کی نگاہوں میں کم کر کے دکھایا)۔ اور اگر لوگوں نے فرشتوں کا مشاہدہ انسانی صورت کے علاوہ کسی اور صورت میں کیا تو اس پر لازم تھا کہ لوگوں کے دلوں میں شدید رُعب پیدا ہوتا، کیونکہ جو ''جِنّ'' کا مشاہدہ کرے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس پر شدید گھبراہٹ طاری ہو گی اور یہ بالکل منقول نہیں ہے، اور اگر یہ کہا جائے کہ لوگوں نے فرشتوں کو نہیں دیکھا تھا اس تقدیر پر جب

فرشتوں نے کفار سے قتال کیا، ان کے سر کاٹ دیئے، ان کے پیٹ پھاڑ دیئے اور کافروں کو گھوڑوں سے گرادیا اور لوگ یہ منظر دیکھ رہے تھے تو یہ بہت عظیم معجزات میں سے ہے۔ اور اس وقت ضروری ہے کہ یہ معجزہ دیکھ کر کٹر سے کٹر کافر بھی ایمان لے آتا۔

(د) جو فرشتے نازل کئے گئے تھے یا تو وہ اجسامِ کثیفہ کے ساتھ نازل ہوئے یا اجسامِ لطیفہ کے ساتھ نازل ہوئے، پس اگر وہ اجسامِ کثیفہ کے ساتھ نازل ہوئے تو ضروری ہوا کہ سب لوگ ان کو دیکھ لیتے، حالانکہ ایسا نہیں ہوا، اور اگر وہ اجسامِ لطیفہ کے ساتھ نازل ہوئے جیسے ہوا ہے تو پھر اُن میں سختی اور قوت نہیں ہوگی اور پھر یہ محال ہوگا کہ وہ گھوڑوں پر سوار ہوں۔

(تفسیر ابوبکر الاصم ج ۱ ص ۵۷۔۵۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ھ)

(۲) امام ابومنصور محمد بن محمد بن محمود الماتریدی الحنفی المتوفی ۳۳۳ھ، آل عمران: ۱۲۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فرشتوں نے بالکل قتال نہیں کیا لیکن وہ مسلمانوں کے دلوں میں تسکین ڈالنے کے لیے آئے تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''وَیُقَلِّلُکُمۡ فِیۡۤ اَعۡیُنِہِمۡ ۔۔۔ (الانفال: ۴۴)'' (اور اللہ نے تمہیں کفار کی نگاہوں میں کم کر کے دکھایا)، اگر فرشتوں نے کفار قریش کے خلاف قتال کیا ہوتا تو مسلمانوں کی تعداد کو کم کر کے دکھانے کا کوئی معنی نہیں تھا، نیز ایک فرشتہ بھی تمام مشرکین کا قلع قمع کرنے کے لیے کافی تھا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے کس طرح حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیوں کو اٹھا کر پلٹ دیا تھا۔ (تاویلات اہل السنہ ج ۲ ص ۴۷۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

(۳) امام ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، آل عمران: ۱۲۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فرشتوں نے قتال نہیں کیا، فرشتوں کو صرف فتح کی خوش خبری دینے کے لیے بھیجا تھا اور مومنین کے دلوں کو مطمئن کرنے کے لیے بھیجا تھا، کیونکہ اگر فرشتوں نے کفار سے قتال کیا ہوتا تو صحابہ کی کافروں کو قتل کرنے میں کوئی فضیلت نہ ہوتی، صحابہ کے لیے کفار کو قتل کرنے کی فضیلت اس وقت ہوتی جب کہ صحابہ نے قتال کیا ہوتا اور انہوں نے کفار کو شکست دی ہوتی، اور اگر یہ کہا جائے کہ فرشتے صحابہ کی مدد کرنے کے لیے آئے تھے تو ایک فرشتہ ہی تمام کفارِ قریش کو قتل کرنے کے لیے کافی تھا جیسا کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ایک فرشتے یعنی حضرت جبریل علیہ السلام نے ہلاک کر دیا تھا، نیز کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''وَیُقَلِّلُکُمۡ فِیۡۤ اَعۡیُنِہِمۡ ۔۔۔ (الانفال: ۴۴)'' (اور اللہ نے تمہیں کفار کی نگاہوں میں کم کر کے دکھایا)، پس صحابہ کی فضیلت کفار کی نگاہوں میں اُن کی کم تعداد میں تھی اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اور اللہ نے فرشتوں کے نازل فرمانے کو تمہارے لیے صرف بشارت بنایا ہے اور تا کہ وہ تمہارے دلوں کو مطمئن رکھیں۔ (آل عمران: ۱۲۶)''۔ (تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۲۹۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

(۴) علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی البصری الشافعی المتوفی ۴۵۰ھ، الانفال: ۱۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فرشتوں کے قتال کرنے کے متعلق دو قول ہیں: (۱) فرشتوں نے قتال نہیں کیا وہ صرف بشارت دینے کے لیے اور مومنین کو مطمئن کرنے کے لیے نازل کیے گئے تھے ورنہ صرف ایک فرشتہ تمام مشرکین کو ہلاک کر سکتا ہے جیسا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے قومِ لوط کو ہلاک کر دیا تھا۔ (۲) فرشتوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قتال کیا تھا جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان سے ابوجہل نے پوچھا: ہم پر ضرب کہاں سے آ رہی تھی ہم کسی شخص کو نہیں دیکھ رہے تھے تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ ضرب

فرشتوں کی طرف سے آتی تھی، تب ابوجہل نے کہا: پھر فرشتے ہم پر غالب ہوئے تم ہم پر غالب نہیں ہوئے۔

(النکت والعیون ج ۲ ص ۲۹۹، موسسة الکتب الثقافیة، بیروت)

(۵) مشہور شیعہ عالم شیخ الطائفۃ ابوجعفر محمد بن الحسن الطوسی المتوفی ۴۶۰ ھ الانفال: ۱۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

غزوۂ بدر میں فرشتوں کے قتال کرنے کے متعلق دو قول ہیں: (۱) ابوعلی الجبائی نے کہا: فرشتوں نے قتال نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی امداد سے صرف یہ اشارہ فرمایا ہے کہ وہ مومنین کو مدد کی خوش خبری دیتے ہیں اور ان کے دلوں کو مطمئن کرتے ہیں تاکہ اُن سے دشمن کا خوف زائل ہو جائے، انہوں نے کہا کہ ایک فرشتہ اس پر قادر ہے کہ تمام مشرکین کو ہلاک کر دے جیسا کہ حضرت جبریل نے حضرت لوط علیہ السلام کی بستیوں کو ہلاک کر دیا تھا۔ (۲) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرشتوں نے قتال کیا تھا، کہا گیا ہے کہ ابوجہل نے سوال کیا: ہم پر ضرب کہاں سے آتی تھی ہم تو کسی شخص کو نہیں دیکھتے تھے تو ابوجہل کو بتایا کہ یہ ضرب فرشتوں کی طرف سے آتی تھی، ابوجہل نے کہا: پھر وہ فرشتے ہم پر غالب ہوئے تم ہم پر غالب نہیں ہوئے۔

(التبیان فی تفسیر القرآن، ج ۵ ص ۸۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(۶) علامہ ابوالقاسم محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی المتوفی ۵۳۸ ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے تمہاری امداد کو صرف تمہارے لیے اس بات کی بشارت قرار دیا ہے کہ تمہاری مدد کی جائے گی۔ اور یہ مدد صرف اللہ کی طرف سے ہے نہ لڑنے والوں کی کثرت کی وجہ سے ہے اور نہ فرشتوں کی طرف سے ہے۔

(الکشاف ج ۱ ص ۴۴۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۷ ھ)

(۷) علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی المالکی المتوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

بہ کثرت فرشتوں کے نازل کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے حق میں دعا کریں گے، اللہ عزوجل کی تسبیح کریں گے اور لڑنے والوں کی تعداد میں اضافہ کریں گے، اس بناء پر فرشتوں نے بدر کے دن قتال نہیں کیا، وہ صرف دعا کرنے کے لیے اور مسلمانوں کو ثابت قدم رکھنے کے لیے حاضر ہوئے تھے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۴ ص ۱۹۰، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۲۰ ھ)

(۸) علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی المتوفی ۷۱۰ ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو صرف تمہیں بشارت دینے کے لیے بھیجا کہ تمہاری مدد کی جائے گی اور تمہارے دلوں کو مطمئن کرنے کے لیے اور مدد صرف اللہ کی طرف سے ہے نہ لڑنے والوں کی طرف سے اور نہ فرشتوں کی طرف سے۔

(مدارک التنزیل ج ۱ ص ۲۹۰، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ ھ)

(۹) علامہ علاؤالدین علی بن محمد الخازن المتوفی ۷۲۵ ھ لکھتے ہیں:

مدد صرف اللہ کی طرف سے ہے یعنی تم مدد کو فرشتوں کی طرف منسوب نہ کرو اور نہ لشکر کی طرف منسوب کرو کیونکہ مدد صرف اللہ کی طرف سے ہے نہ اس کے غیر کی طرف سے، اور اس سے غرض یہ ہے کہ اُن کا توکل اللہ پر ہو نہ کہ فرشتوں پر۔

(تفسیر الخازن ج ۱ ص ۲۹۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۰ء)

(۱۰) علامہ محمد بن مصلح الدین مصطفیٰ القوجوی الحنفی المتوفی ۹۵۱ ھ لکھتے ہیں:

ایک قوم نے کہا جبریل علیہ السلام پانچ سو فرشتوں کے ساتھ لشکر کے دائیں جانب تھے اور اُن میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے اور حضرت میکائیل علیہ السلام پانچ سو فرشتوں کے ساتھ لشکر کے بائیں جانب تھے اور ان میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے، یہ فرشتے مردوں کی صورت میں تھے اور اُن پر سفید لباس تھا اور انہوں نے قتال کیا، دوسرا قول ہے کہ فرشتوں نے بدر کے دن قتال کیا تھا اور الاحزاب اور حنین کے دن قتال نہیں کیا، اور دیگر مفسرین نے کہا کہ فرشتوں نے قتال کے کسی معرکہ میں قتال نہیں کیا، فرشتے صرف مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کے لیے آئے تھے اور مومنین کو ثابت قدم رکھتے تھے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ (الانفال: ۱۲)'' (اے رسولِ اکرم! اس وقت کو یاد کیجئے جب آپ کا رب فرشتوں کی طرف یہ وحی فرما رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، سو تم ایمان والوں کو ثابت قدم رکھو)۔ اگر فرشتے جنگ اور قتال کے لیے نازل کیے جاتے تو صرف ایک فرشتہ تمام دنیا کو ہلاک کرنے کے لیے کافی تھا، کیونکہ حضرت جبریل علیہ السلام نے اپنے بازو کے ایک پر سے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے شہروں کو تباہ کر دیا تھا اور ثمود کے شہروں کو اور حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کو ایک چنگھاڑ کے ساتھ ہلاک کر دیا تھا۔ (حاشیہ محی الدین شیخ زادہ علی تفسیر القاضی البیضاوی، ج ۴ ص ۳۶۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

(۱۱) قاضی ابوسعود محمد بن محمد بن مصطفیٰ العمادی الحنفی المتوفی ۹۸۲ھ، آل عمران: ۱۲۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

غزوۂ بدر میں فرشتوں کی امداد کو مسلمانوں کے لیے بشارت اور اُن کے دلوں میں اطمینان ڈالنے میں منحصر فرمایا ہے، اس میں یہ خبر دی ہے کہ ملائکہ علیہم السلام نے اُس دن قتال نہیں کیا، اُن کی امداد صرف مسلمانوں کے دلوں میں تقویت کرنے اور اُن کی تعداد بڑھانے کے لیے تھی جیسا کہ بعض سَلَف رضی اللہ عنہ کی رائے ہے۔ (تفسیر ابوسعود ج ۲ ص ۲۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

(۱۲) قاضی ابوسعود محمد بن محمد بن مصطفیٰ العمادی الحنفی المتوفی ۹۸۲ھ، الانفال: ۱۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فرشتوں کی امداد کو بشارت اور اطمینان میں منحصر فرما کر یہ اشارہ فرمایا ہے کہ غزوۂ بدر میں فرشتوں نے قتال نہیں کیا تھا، ان کی امداد صرف مجاہدین کے دلوں میں تقویت کے لیے اور اُن کی جماعت کی تعداد بڑھانے کے لیے تھی جیسا کہ بعض سَلَف کی رائے ہے۔ (تفسیر ابوسعود ج ۳ ص ۸۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

(۱۳) علامہ اسماعیل حقی البروسوی الحنفی المتوفی ۱۱۳۷ھ، الانفال: ۱۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فرشتوں کی امداد کو صرف بشارت اور دلوں کے اطمینان میں منحصر کرنے میں یہ خبر دی ہے کہ فرشتوں نے قتال نہیں کیا تھا، ان کی امداد صرف دلوں کی تقویت کے لیے تھی اور مجاہدین میں کثرت کے لیے تھی، اور اگر اللہ تعالیٰ فرشتوں کو جنگ کرنے کے لیے بھیجتا تو ایک فرشتہ ہی سب کفار کو ملیامیٹ کرنے کے لیے کافی تھا جب کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے اپنے بازو کے ایک پر سے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے سات شہروں کو تباہ و برباد کر دیا تھا اور حضرت جبریل علیہ السلام نے اپنی ایک چنگھاڑ سے ثمود کے تمام شہروں کو تباہ و برباد کر دیا تھا۔ (روح البیان ج ۳ ص ۴۰۶، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

(۱۴) مشہور غیر مقلد نواب صدیق بن حسن بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اس امداد کو صرف بشارت اور دلوں کی طمانیت قرار دیا اور اس میں یہ خبر دی ہے کہ اُس دن فرشتوں نے قتال نہیں کیا تھا۔ (فتح البیان فی مقاصد القرآن ج ۱ ص ۵۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

(۱۵) سرسید احمد خان متوفی ۱۸۹۸ء/۱۳۱۶ھ آل عمران: ۱۲۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

بڑا مسئلہ بحث طلب اس آیت میں فرشتوں کا لڑائی میں دشمنوں سے لڑنے کے لیے اترنا ہے، میں اس بات کا بالکل منکر ہوں، مجھے یقین ہے کہ کوئی فرشتہ لڑنے کو سپاہی بن کر یا گھوڑے پر چڑھ کر نہیں آیا۔ مجھ کو یہ بھی یقین ہے کہ قرآن مجید سے بھی ان جنگجو فرشتوں کا اترنا ثابت نہیں ہے، مگر تمام مسلمانوں کا اعتقاد اس کے برخلاف ہے، وہ یقین کرتے ہیں کہ درحقیقت فرشتوں کا رسالہ لڑنے کو اترا تھا، وہ نادانی سے یہ بھی کہتے ہیں کہ فرشتوں کا لڑائی کے لیے اترنا منصوص ہے اور اس سے انکار کرنا قرآن کا انکار ہے مگر ان کا یہ خیال محض غلط ہے۔

مجھ کو فکر تھی کہ اور کسی مسلمان نے بھی اس سے انکار کیا ہے یا نہیں، تو مجھ کو ایک مسلمان ملا جس نے اس سے انکار کیا، تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ ابوبکر اصم اس سے سخت منکر تھے، انہوں نے اپنے انکار کی چار دلیلیں بیان کی ہیں۔ (میں کہتا ہوں: ہم ابوبکر اصم کے یہ دلائل بیان کر چکے ہیں۔ سعیدی غفرلہٗ)۔

امام فخر الدین رازی نے ابوبکر اصم کے دلائل میں سے کسی کا جواب نہیں دیا اور ملانوں کی طرح یہ بات کہی کہ ایسے شبہے کرنا اس شخص کو لائق ہے جو قرآن اور نبوت کا منکر ہو، مگر جو شخص قرآن اور نبوت کو مانتا ہے اس کو ایسے شبہے کرنا لائق نہیں، پس ابوبکر اصم کو لائق نہ تھا کہ ان باتوں کا انکار کرتا باوجود اس کے کہ نص قرآن سے ان کا ہونا پایا جاتا ہے اور ایسی حدیثوں میں جو تواتر کے قریب ہیں ان کا بیان ہے۔

امام صاحب نے اخیر بات تو یقیناً غلط کہی ہے کیونکہ تواتر تو درکنار کسی صحیح اور قوی حدیث سے بھی ان باتوں کا ثبوت نہیں ہے، تمام ضعیف اور موضوع حدیثیں ہیں جن میں ایسی باتیں مذکور ہیں، علمائے محققین ایسی حدیثوں پر اعتبار نہیں کرتے اور اصول حدیث سے بھی ان کی تقویت نہیں ہوتی۔ پہلی بات بھی امام صاحب کی صحیح نہیں ہے، کیونکہ قرآن مجید سے فی الواقع سپاہی بن کر فرشتوں کا اترنا پایا نہیں جاتا، بلکہ صرف وہ ایک بشارت تھی مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط کرنے اور لڑائی میں ثابت قدم رہنے کی، جیسے کہ خود خدا نے اس جگہ اور سورۂ انفال میں فرمایا ہے: "وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ۔"

(تفسیر القرآن وھو الھدی والفرقان، ج ا ص ۳۲۸۔ ۳۳۴، سرسید ریسرچ اکیڈمی، لاہور، ۲۰۱۰ء)

(۱۶) شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی متوفی ۱۳۶۴ھ آل عمران: ۱۲۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہاں امداد کی حکمت نہایت تصریح کے ساتھ فرمائی جس میں غور کرنے سے اس مضمون پر کوئی شبہ باقی نہیں رہتا، کیونکہ حاصل اس کا یہ ہوا کہ ان فرشتوں کے نزول سے اصلی مقصود یہ تھا کہ مسلمانوں کو قلبی سکون ہو۔ باقی طریقِ سکون کیا تھا سو سورۂ انفال میں اس قصہ میں ہے "فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا" اور من جملہ وجوہ تثبیت کے یہ بھی ہے کہ اپنے روحانی تصرف سے قلوبِ مومنین میں تصرف پہنچا دیں جیسا کہ مشائخ اہلِ تصرف کیا کرتے ہیں اور جیسا کہ ابتداء نزول وحی میں جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے دبانے کی یہ بھی توجیہ کی جاتی ہے، پس اس بناء پر نہ تو فرشتوں کا نظر آنا ضروری ہے اور نہ یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ ایک ہی فرشتہ سب کفار کو ہلاک کر سکتا تھا، پھر کئی ہزار کی کیا ضرورت تھی، پھر کئی ہزار نے بھی کفار کو ہلاک نہ کیا، وجہِ دفع یہ ہے کہ اصلی کام ان کا قتال نہ تھا جیسا کہ حنین اور احزاب میں بھی ملائکہ آئے اور قتال ان کا منقول نہیں۔ (بیان القرآن ج ا ص ۱۳۵، تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور، کراچی)

(۱۷) مفتی احمد یار خان نعیمی حنفی متوفی ۱۳۹۱ھ آل عمران: ۱۲۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی بدر میں یہ فرشتے کافروں کو ہلاک کرنے نہ آئے تھے ورنہ ایک فرشتہ ہی کافی تھا جیسا کہ قومِ لوط وغیرہ کا حال ہوا بلکہ وہ صرف تمہاری جماعت بڑھانے اور تمہاری مدد کرنے آئے تھے۔

(حاشیہ نور العرفان بر کنز الایمان ص ۱۰۴، ادارہ کتب اسلامیہ، گجرات، پاکستان)

(۱۸) شیخ امین احسن اصلاحی متوفی ۱۹۹۷ء الانفال: ۱۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس زمانے کے بعض کم سوادوں نے اس آیت (الانفال: ۱۰) سے یہ نتیجہ نکالا کہ فرشتوں کی فوج اتارنے کا وعدہ محض مسلمانوں کو ذرا بڑھاوا دینے کے لیے تھا تاکہ وہ ہمت کر کے کفار سے بھڑ جائیں، ان کے خیال میں قرآن نے جنگ کے بعد خود یہ راز کھول دیا کہ یہ بات محض تمہاری تسلی کے لیے کہہ دی گئی تھی، اس کی حقیقت کچھ نہیں تھی، گویا نعوذ باللہ پہلے تو اللہ میاں نے مسلمانوں کو چکمہ دیا اور پھر خود ہی اپنا بھانڈا پھوڑ دیا کہ اب کے تو میں نے تم کو چکمہ دے کر لڑوا دیا آئندہ میرے بھرے میں نہ آنا، فرشتوں ورشتوں کی بات محض ایک بھڑ ہی تھی شاید یہ حضرات اللہ میاں کو اپنے برابر بھی عقلمند نہیں سمجھتے۔

(تدبر قرآن ج ۳ ص ۴۴۴۔۴۴۵، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۴۳۴ھ)

(میں کہتا ہوں: شیخ امین احسن اصلاحی کی یہ عبارت بارگاہِ الوہیت میں سخت اہانت آمیز ہے تاہم اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اُن کے نزدیک فرشتوں نے کسی جنگ میں بھی کفار کے خلاف قتال نہیں کیا۔ سعیدی غفرلہٗ)

(۱۹) علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی حنفی آل عمران: ۱۲۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

بنیادی طور پر ملائکہ کرام کو مومنین کی اسی سکونِ قلبی، ثابت قدمی اور یقینی طور پر فتح و کامیابی حاصل ہو جانے کی بشارت ہی کے لیے نازل فرمایا گیا۔ ان کے نازل کرنے کا مقصد یہ نہیں کہ وہ سارے کافروں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر کے میدان کو صاف کر دیں اور مسلمانوں کو قتال کرنے کی زحمت ہی نہ دیں، اگر یہی مقصود ہوتا تو پھر اس کام کے لیے ایک فرشتہ ہی کافی تھا۔

(سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی، ج ۲ ص ۶۰، گلوبل اسلامک مشن، نیویارک، یو ایس اے، ۱۴۳۱ھ)

(۲۰) شیخ مفتی محمد تقی عثمانی آل عمران: ۱۲۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ سارا حوالہ جنگِ بدر کا ہے، اس جنگ میں شروع میں تو تین ہزار فرشتوں کی بشارت دی گئی تھی لیکن بعد میں صحابہ کرام کو یہ اطلاع ملی کہ کرز بن جابر اپنا لشکر لے کر کفارِ مکہ کے ساتھ شامل ہونے کے لیے آ رہا ہے، کفار کی تعداد پہلے ہی مسلمانوں سے تین گنا زیادہ تھی، اب اس لشکر کے آنے کی اطلاع ملی تو مسلمانوں کو تشویش ہوئی۔ اس موقع پر یہ وعدہ کیا گیا کہ اگر کرز کا لشکر اچانک آ گیا تو تین ہزار کے بجائے پانچ ہزار فرشتے بھیجے جائیں گے۔ لیکن پھر کرز کا لشکر نہیں آیا پھر پانچ ہزار فرشتے بھیجنے کی نوبت نہیں آئی۔

(آسان ترجمہ قرآن مع تشریحات، ج ۱ ص ۲۱۹، مکتبہ معارف القرآن، کراچی)

غزوۂ بدر میں فرشتوں کے قتال کرنے یا قتال نہ کرنے کی بحث میں مصنف کا محاکمہ

میں کہتا ہوں: ہم نے اس سے پہلے سولہ مفسرین کی عبارات پیش کی ہیں جن کا مختار یہ ہے کہ غزوۂ بدر میں فرشتوں نے قتال کیا تھا لیکن ان سب کا استناد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس اثر پر تھا کہ فرشتوں نے صرف غزوۂ بدر میں قتال کیا تھا اور کسی غزوہ میں

قتال نہیں کیا تھا، یہ اثر تفسیر طبری اور تفسیر ابن ابی حاتم میں مذکور ہے، صحاح ستہ کی کسی کتاب میں یہ اثر مذکور نہیں ہے، علاوہ ازیں صحیح مسلم: ۱۷۶۳، میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ''ایک مسلمان مرد جو غزوۂ بدر میں کسی مشرک کا پیچھا کر رہا تھا، انہوں نے اپنے اوپر ایک کوڑے کی آواز سنی اور گھوڑے سوار کی آواز سنی ''اقدم حیزوم'' (یعنی اے گھوڑے آگے بڑھ)، تو انہوں نے اس مشرک کی طرف دیکھا جو اُن سے آگے جا رہا تھا وہ زمین پر گر پڑا اور اس کی ناک جل کر سیاہ ہوگئی تھی اور چہرہ پھٹ گیا تھا، اور اس کا جسم سبز پڑ گیا تھا، پس وہ انصاری مرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا: تم نے سچ کہا، یہ آسمان سے مدد آئی تھی''۔

اس حدیث میں فرشتوں کے کفار کے خلاف قتال کرنے کی تصریح نہیں ہے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس معجزہ کا بیان ہے اور اس انصاری صحابی کی کرامت کا ذکر ہے جس نے ''اقدم حیزوم'' فرشتہ کی آواز سنی، لہٰذا اس حدیث سے غزوۂ بدر میں فرشتوں کے قتال کرنے پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

جو علماء اور مفسرین غزوۂ بدر میں فرشتوں کے قتال کرنے کے قائل ہیں وہ درج ذیل آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں:

اِذۡ يُوۡحِىۡ رَبُّكَ اِلَى الۡمَلٰۤـئِكَةِ اَنِّىۡ مَعَكُمۡ فَثَبِّتُوا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ؕ سَاُلۡقِىۡ فِىۡ قُلُوۡبِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوا الرُّعۡبَ فَاضۡرِبُوۡا فَوۡقَ الۡاَعۡنَاقِ وَاضۡرِبُوۡا مِنۡهُمۡ كُلَّ بَنَانٍ ؕ (الانفال: ۱۲)

(اے رسولِ اکرم!) اس وقت کو بھی یاد کیجئے جب آپ کے رب نے فرشتوں کی طرف وحی فرمائی کہ بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں، سو تم ایمان والوں کو ثابت قدم رکھو، عنقریب میں کفار کے دلوں میں رعب طاری فرمادوں گا، پس تم کافروں کی گردنوں کے اوپر ضرب لگاؤ اور کافروں کے ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ O

وہ لوگ کہتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرشتوں کو کافروں کی گردنوں پر اور اُن کے ہر جوڑ پر ضرب لگانے کا حکم فرمایا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ غزوۂ بدر میں فرشتوں نے کفار کے خلاف قتال کیا تھا۔

میں کہتا ہوں: اس آیت میں مفسرین کے نزدیک دو محمل ہیں، ایک یہ کہ یہ حکم فرشتوں کو فرمایا تھا، دوسرا یہ کہ یہ حکم مسلمانوں کو فرمایا تھا اور راجح یہ ہے کہ یہ حکم مسلمانوں کو فرمایا تھا کیونکہ کفار کے خلاف جہاد کرنے کے مسلمان مکلف ہیں فرشتے تو سرے سے کسی حکم کے مکلف نہیں ہیں۔

جن مفسرین کے نزدیک ''فَاضۡرِبُوۡا فَوۡقَ الۡاَعۡنَاقِ'' کا خطاب مومنین سے ہے اور بعض کے نزدیک یہ خطاب مومنین سے بھی ہے اور فرشتوں سے بھی ہے

(۱) امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ الانفال: ۱۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''والصواب من القول فی ذالك ان يقال ان الله امر المومنين معلّمهم كيفية قتل المشركين وضربهم بالسيف ان يضربوا فوق الاعناق منهم والايدی والارجل''۔

ترجمہ: (اس آیت کی تفسیر میں صحیح قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو مشرکین کے قتل کی کیفیت کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا کہ ان کی گردنوں کے اوپر تلوار سے وار کرو اور ان کے ہاتھوں پر تلوار سے وار کرو اور ان کے پیروں پر)۔

نیز لکھتے ہیں:

''واما قوله: ''وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۝'' فان معناه ''واضربوا ايها المومنون من عدوكم كل طرف ومفصل من اطراف الايدي وارجلهم''۔۔۔

ترجمہ: (اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے مومنو! تم اپنے دشمنوں کے ہاتھوں اور پیروں کے ہر طرف اور ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ)۔

(تفسیر الطبری ج ۱۱ ص ۷۱، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ)

(۲) امام عبد الرحمٰن بن محمد بن ادریس الرازی ابن ابی حاتم المتوفی ۳۲۷ھ، الانفال: ۱۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے مومنو! تم اپنے دشمنوں کے ہاتھوں اور پیروں کے ہر طرف اور ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ۔

(تفسیر ابن ابی حاتم: ۸۶۶۸، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

(۳) امام ابو اللیث نصر بن محمد السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، الانفال: ۱۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''ثم علّم المومنين كيف يضربون ويقتلون فقال: فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ''۔

ترجمہ: (پھر اللہ تعالیٰ نے مومنین کو سکھایا کہ وہ کیسے ضرب لگائیں گے اور کس طرح قتل کریں گے، تو فرمایا: پس تم ان کی گردنوں کے اوپر ضرب لگاؤ)۔ (تفسیر السمرقندی ج ۲ ص ۱۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

(۴) امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، الانفال: ۱۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ'': ایک قول یہ ہے کہ یہ مومنین سے خطاب ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ فرشتوں سے خطاب ہے۔ (معالم التنزیل ج ۲ ص ۲۷۴، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

(۵) علامہ ابو القاسم محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی المتوفی ۵۳۸ھ الانفال: ۱۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فرشتوں نے پوچھا: ہم مومنین کو کیسے ثابت قدم رکھیں تو ان سے کہا گیا کہ مومنین کے سامنے میرے اس ارشاد کو پڑھو: ''سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ'' فالضاربون على هذا هم المومنون۔۔

ترجمہ: پس اس تقدیر پر کفار کی گردنوں پر ضرب لگانے والے مومنین ہیں۔

(الکشاف ج ۲ ص ۱۹۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

(۶) امام ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ الانفال: ۱۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ'': اس خطاب کی تفسیر میں دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ یہ خطاب فرشتوں سے ہے، یہ ابن الانباری کا قول ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ خطاب مومنین سے ہے، اور یہ مفسرین کی ایک جماعت کا قول ہے۔

(زاد المسیر ج ۲ ص ۱۹۳۔ ۱۹۴، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

(۷) امام فخر الدین محمد بن عمر الرازی الشافعی المتوفی ۶۰۶ھ الانفال: ۱۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ یہ حکم فرشتوں کے لیے ہے، اور دوسرا قول یہ ہے: بلکہ یہ حکم مومنین کے لیے ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو قتال اور حرب کے لیے نازل نہیں فرمایا۔ (تفسیر کبیر

ج ۵ ص ۶۳ ۴۶ ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

(۸) شیعہ مفسر الشیخ ابوعلی الفضل بن الحسن الطبرسی المتوفی ۵۶ ۶ھ، الانفال : ۱۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''فَاضۡرِبُوۡا فَوۡقَ الۡاَعۡنَاقِ'': جائز ہے کہ یہ حکم مومنین کے لیے ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ حکم فرشتوں کے لیے ہو۔

(مجمع البیان فی تفسیر القرآن جز و ۴ ص ۸۰۹ ، انتشارات ناصر خسرو، طہران ایران، ۱۴۰۶ھ)

(۹) علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی المالکی المتوفی ۶۶۸ ھ، الانفال : ۱۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں: ایک یہ کہ اس آیت میں فرشتوں کو کفار کی گردنوں پر ضرب لگانے کا حکم دیا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت میں مومنین کو حکم دیا ہے کہ وہ کفار کی گردنوں پر ضرب لگائیں۔

(۱۰) علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی المتوفی ۷۱۰ھ، الانفال : ۱۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''فَاضۡرِبُوۡا'': یہ مومنین کو حکم ہے یا فرشتوں کو حکم ہے۔ (مدارک التنزیل ج ۱ ص ۶۳۵ ، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

(۱۱) علامہ علاؤ الدین علی بن محمد الخازن المتوفی ۷۲۵ ھ، الانفال : ۱۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''فَاضۡرِبُوۡا فَوۡقَ الۡاَعۡنَاقِ'': ایک قول یہ ہے کہ یہ مومنین سے خطاب ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ فرشتوں سے خطاب ہے۔ (تفسیر الخازن ج ۲ ص ۲۹۸ ، دار الکتب العلمیہ ، بیروت، ۲۰۱۰ء)

(۱۲) علامہ نظام الدین الحسن بن محمد بن حسین القمی النیشاپوری المتوفی ۷۲۸ھ، الانفال : ۱۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''فالضاربون علی هذا هم المومنون''۔۔۔

ترجمہ: اس تقدیر پر ضرب لگانے والے مومنین ہیں۔

(تفسیر غرائب القرآن ورغائب الفرقان ج ۳ ص ۳۸۲ ، دار الکتب العلمیہ ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

(۱۳) حضرت محمد اشرف جہانگیر سمنانی حنفی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۸۰۸ ھ الانفال : ۱۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''پس بزنید اے مسلمانان بالائے گردنہا و بزنید از ایشان ہر طرف دست پائے را''۔

ترجمہ: (پس مارو اے مسلمانو ان کی گردنوں کے اوپر اور مارو اُن کے ہاتھ اور پاؤں کے ہر پور میں)۔

(اشرف البیان ص ۴۰۳ مخدوم اشرف اکیڈمی، کراچی)

(۱۴) علامہ ابوحفص عمر بن علی الدمشقی الحنبلی المتوفی ۸۸۰ ھ، الانفال : ۱۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''فَاضۡرِبُوۡا'': اس کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ یہ حکم فرشتوں کو فرمایا اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ حکم مومنین سے فرمایا اور یہی صحیح ہے کیونکہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ فرشتے قتال کے لیے نازل نہیں فرمائے گئے بلکہ مومنین کے قلوب کو تقویت دینے کے لیے اور ان کو ثابت قدم رکھنے کے لیے نازل فرمائے گئے تھے۔ (اللباب فی علوم الکتاب ج ۹ ص ۴۷۱ ، دار الکتب العلمیہ ، بیروت، ۲۰۱۱ء)

(۱۵) علامہ محمد بن مصلح الدین مصطفیٰ القوجوی الحنفی المتوفی ۹۵۱ ھ الانفال : ۱۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جن مفسرین نے کہا ہے کہ بدر کے دن فرشتوں نے قتال نہیں کیا تھا، انہوں نے کہا ہے کہ الانفال : ۱۲ میں ''اَنِّیۡ مَعَکُمۡ'' کا خطاب مومنین سے ہے، انہوں نے بیان کیا کہ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو یہ وحی فرمائی کہ بے شک میں مومنین کے ساتھ

ہوں جیسے تم ان کی مدد کرو اور ان کو ثابت قدم رکھو اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ میں فلاں کے ساتھ ہوں تو یہ اس وقت کہا جاتا ہے کہ جب فلاں خوف زدہ ہو اور اس کے خوف کے ازالہ کا قصد کیا جائے اور فرشتے کفار سے خوف زدہ نہیں تھے حتی کہ یہ کہا جاتا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تاکہ فرشتوں کا خوف زائل کر دیا جائے، خوف زدہ تو صرف مسلمان تھے، اس لیے یہ خطاب مسلمانوں کے ساتھ ہونا چاہیے۔

(حاشیۃ محی الدین شیخ زادہ علی تفسیر القاضی البیضاوی، ج ۴ ص ۲۷۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

(۱۶) قاضی ابو سعود محمد بن محمد بن مصطفی العمادی الحنفی المتوفی ۹۸۲ھ، الانفال: ۱۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ای آخر دفالضاربون هم المومنون" یعنی کفار کی گردنوں پر ضرب لگانے والے مومنین ہیں۔

(تفسیر ابو سعود ج ۳ ص ۸۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

(۱۷) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ، الانفال: ۱۲ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

"پس بزنید اے مسلمانان بالائے گردنہا و بزنید از ایشان ہر طرف دست و پائی را"۔

ترجمہ: (پس اے مسلمانو! کفار کی گردنوں کے اوپر ضرب لگاؤ اور ان کے ہر ہاتھ اور پیر کے جوڑ پر ضرب لگاؤ)۔

(قرآن مجید چہار ترجمہ، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، رود گران، دہلی ۱۱۰۰۶)

(۱۸) علامہ سید محمود آلوسی البغدادی الحنفی المتوفی ۱۲۷۰ھ الانفال: ۱۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"فَاضْرِبُوْا": یہ مومنین سے بالذات خطاب ہے۔ (روح المعانی ج ۹ ص ۲۵۸، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

(۱۹) شیعہ مفسر شیخ محمد بن حسین طباطبائی متوفی ۱۴۰۲ھ، الانفال: ۱۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ": یہ بھی جائز ہے کہ یہ خطاب فرشتوں سے ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ خطاب مومنین سے ہو، اور اس سے مراد مومنین کو اپنے دشمن کے خلاف بہادر بناتا ہو اور اُن کے اقدام کو ثابت رکھتا ہو اور اُن کے دلوں کو مطمئن کرتا ہو اور اُن کو مشرکین پر حملہ کرنے کے لیے برانگیختہ کرتا ہو۔ (المیزان فی تفسیر القرآن ج ۹ ص ۱۹، دار الکتب الاسلامیہ، طہران، ایران ۱۳۶۲ھ)

(۲۰) حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی حنفی متوفی ۱۳۹۱ھ الانفال: ۱۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس میں مسلمانوں سے خطاب ہے کہ کفار کو جوڑوں پر مارو، اس آیت میں نبوت کے فن کا ثبوت ہے جس میں دشمن کے ہر جوڑ پر چوٹ مارنا سکھایا جاتا ہے۔ (حاشیہ نور العرفان بر کنز الایمان ص ۲۸۳، ادارہ کتب اسلامیہ، گجرات، پاکستان)

(۲۱) سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ الانفال: ۱۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جو اصولی باتیں ہم کو قرآن کے ذریعہ سے معلوم ہیں، ان کی بناء پر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ فرشتوں سے قتال میں یہ کام نہیں لیا گیا ہوگا کہ وہ خود حرب و ضرب کا کام کریں بلکہ شاید اس کی صورت یہ ہوگی کہ کفار پر جو ضرب مسلمان لگائیں تو فرشتوں کی مدد سے ٹھیک بیٹھے اور کاری لگے۔ (تفہیم القرآن ج ۲ ص ۱۳۴، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، مئی ۲۰۱۲ء)

(۲۲) شیخ امین احسن اصلاحی متوفی ۱۹۹۷ء الانفال: ۱۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۝": یہ اُن کی مرعوبیت کے نتیجہ کی نہایت حقیقت افروز تعبیر ہے،

مطلب یہ ہوا کہ جب ان کا حوصلہ ٹوٹ جائے گا تو ان کو بھیڑوں بکریوں بلکہ گاجر مولی کی طرح کاٹ کر ڈال دو، ان کی گردنوں کے اوپر مارو، ان کے ایک ایک پور پر مارو، یہ تصویر ہے مرعوبیت کے باعث ان کی بے بسی کی۔ حریف میں جب تک دم خم ہوتا ہے ظاہر ہے کہ اس بات کا وہ موقع مشکل ہی سے دیتا ہے کہ آپ جہاں چاہیں اس کے ماردیں لیکن جب اعصاب ڈھیلے پڑ گئے تو پکڑ کر اس کی چندیا پر جوتے لگا دیجئے، وہ چوں بھی نہ کر سکے گا۔ (تدبر قرآن ج ۳ ص ۴۴۹، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۲۰۱۲ء)

(۲۳) علامہ محمد اظہار اشرفی جیلانی حنفی الانفال: ۱۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اور کہا گیا ہے کہ یہ خطاب ان کی گردنوں کے اوپر مارو، مومنین سے ہے اور یہی اصح ہے، اس لیے کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ ملائکہ محاربہ اور مقاتلہ کی غرض سے نہیں اترے تھے''۔ (اظہار العرفان ص ۴۰۳، مخدوم اشرف اکیڈمی، کراچی)

غزوۂ بدر میں فرشتوں کے عدم قتال کے سلسلہ میں حرفِ آخر

الحمدللہ رب العالمین! مذاہبِ اسلام کے تمام مفسرین کی تصریحات کے مطابق آفتاب سے زیادہ روشن ہو گیا کہ غزوۂ بدر میں فرشتوں نے کفار کے خلاف قتال نہیں کیا تھا، اور بعض لوگوں نے الانفال: ۱۲ سے یہ شبہ پیش کیا تھا کہ فرشتوں کو کفار کی گردنوں پر ضرب لگانے کا حکم فرمایا تھا، اس کا جواب بھی تئیس (۲۳) مفسرین کی تصریحات سے واضح ہو گیا کہ یہ حکم فرشتوں کو نہیں دیا گیا تھا بلکہ مومنین اور صحابہ کو حکم دیا گیا تھا، اور ہم جو فخر سے کہتے ہیں کہ تین سو تیرہ (۳۱۳) صحابہ نے ایک ہزار کفار کو شکست دی یہ تب ہی صحیح ہو گا جب صرف صحابہ نے کفار سے قتال کیا ہو، اور اگر اُن کے ساتھ فرشتے بھی اس قتال میں شریک ہوں تو پھر صرف تین سو تیرہ صحابہ کا کفار کو شکست دینا کس طرح صحیح ہو گا، نیز اگر فرشتے بھی صحابہ کے ساتھ قتال میں شریک تھے تو پھر اس میں صحابہ کی کیا فضیلت رہی؟

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''تاکہ اللہ کافروں کے ایک گروہ کی جڑ کاٹ دیں یا انہیں رُسوا فرما دیں تو وہ ناکام لوٹ جائیں O'' (آل عمران: ۱۲۷)

امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی ابن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ، آل عمران: ۱۲۷ تا ۱۲۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوٓا'': اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو بدر میں نصرت عطا فرمائی، تاکہ اللہ تعالیٰ اُن کے ایک گروہ کو قتل فرما دے۔

''اَوْ يَكْبِتَهُمْ'': اس آیت کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں: (۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور الزجاج نے کہا: یعنی اللہ تعالیٰ اُن کو شکست میں مبتلاء فرما دے (۲) قتادہ اور مقاتل نے کہا: اُن کو ذلیل فرما دے (۳) ابو عبیدہ نے کہا: ان کو ہلاک فرما دے۔ (۴) السدّی نے کہا: اُن پر لعنت فرما دے۔

''فَيَنْقَلِبُوا خَآئِبِيْنَ'': الزجاج نے کہا: خائب وہ شخص ہے جس کی توقع پوری نہ ہو اور دوسروں نے کہا کہ ناکامی اور نامرادی میں فرق یہ ہے کہ ناکامی امید قائم ہونے کے بعد ہوتی ہے اور ناامیدی بغیر امید کے ہوتی ہے۔

(زاد المسیر ج ۱ ص ۳۲۲۔ ۳۲۳، دارالکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن محمد بن عرفۃ الورغمی المتوفی ۸۰۳ھ، آل عمران: ۱۲۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''الخیبة'' کا معنی ہے: مطلوب سے واصل نہ ہونا، اور یہاں اس سے خاص معنی مراد ہے اور وہ ہے اُن کا نقصان زدہ ہونا۔
(تفسیر ابن عرفۃ ج ۱ ص ۴۰۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۸ء)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اس معاملہ میں آپ کا کوئی اختیار نہیں ہے (اللہ) اُن کی توبہ قبول فرمائیں یا اُن پر عذاب نازل فرمائیں، کیونکہ وہ یقیناً ظلم کرنے والے ہیںO'' (آل عمران: ۱۲۸)

امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی ابن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ، آل عمران: ۱۲۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ'': اس آیت کے نزول میں پانچ اقوال ہیں:

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ اُحد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کے چار دانت ٹوٹ گئے اور آپ کے سر میں زخم آ گیا، آپ اپنا خون پونچھ رہے تھے اور فرما رہے تھے: وہ قوم کیسے کامیاب ہوگی جس نے اپنے نبی کا سر زخمی کر دیا اور اس کے سامنے کے چار دانتوں کو توڑ دیا اور آپ اللہ عزوجل سے دعا کر رہے تھے تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: ''لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ''۔۔۔

(صحیح مسلم: ۱۷۹۱، مسند احمد: ۱۲۲۴۵، ج ۳ ص ۲۵۳، صحیح ابن حبان: ۶۵۷۵، اسباب النزول للواحدی: ۲۴۴، سنن ترمذی: ۳۰۰۲، ۳۰۰۳، سنن ابن ماجہ: ۴۰۲۷، تفسیر الطبری: ۷۸۰۵، ۷۸۰۶، ۷۸۰۷، شرح السنۃ: ۳۶۴۲)

(۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قوم کے منافقین پر لعنت فرمائی تو یہ آیت نازل ہوئی: ''لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ''۔۔۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نمازِ فجر کی دوسری رکعت میں رکوع کے بعد کھڑے ہوتے تو ''سمع اللہ لمن حمدہ، ربنا ولك الحمد'' کے بعد یوں دعا کرتے: اے اللہ! فلاں پر لعنت فرما اور فلاں پر اور فلاں پر، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ''۔۔۔

(صحیح البخاری: ۴۰۶۹، سنن ترمذی: ۳۰۰۴، ۳۰۰۵، مسند ابویعلیٰ: ۵۵۴۷، صحیح ابن خزیمہ: ۶۲۲، مصنف عبدالرزاق: ۴۰۲۷، صحیح ابن حبان: ۱۹۸۷، سنن بیہقی: ج ۲ ص ۱۷۸، سنن نسائی: ۱۰۷۸، مسند احمد: ۶۳۴۹)

(۳) مقاتل بن سلیمان نے کہا: اہلِ صفہ میں سے ستر (۷۰) صحابہ بنو سُلیم کے دو قبیلوں عصیہ اور ذکوان کی طرف گئے، پس ان سب کو قتل کر دیا گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے خلاف چالیس دن تک دعائے ضرر فرمائی، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: ''لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ''۔۔۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی کے لیے دعائے ضرر کا ارادہ فرماتے یا کسی کے لیے دعائے ضرر فرماتے تو رکوع کے بعد دعائے قنوت پڑھتے، پس بعض اوقات آپ ''سمع اللہ لمن حمدہ، اللھم ربنا لك الحمد'' کے بعد یوں دعا کرتے: اے اللہ! ولید بن الولید کو نجات دے اور سلمہ بن ہشام کو اور عیاش بن ابی ربیعہ کو، اے اللہ! مضر کے اوپر اپنی گرفت کو سخت فرما اور اُن پر حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کے قحط کے سال مسلط فرما دے، آپ بلند آواز سے یہ دعا فرماتے اور بعض اوقات آپ فجر کی نماز کے بعد دعائے ضرر فرماتے: اے اللہ! فلاں پر لعنت فرما حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

"لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ" (آل عمران:۱۲۸)"

(صحیح البخاری:۴۵۶۰، صحیح مسلم:۶۷۵، سنن نسائی ج ۲ ص ۲۰۱، مسند الشافعی ج ۱ ص ۹۶۔۹۷، مسند احمد: ...، ج ۲ ص ۲۵۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۱۶۔۳۱۷، مسند ابوعوانہ ج ۲ ص ۲۸۰۔۲۸۳، صحیح ابن حبان:۱۹۷۲، صحیح ابن خزیمہ:۶۱۹، سنن دارقطنی ج ۱ ص ۳۷، سنن بیہقی ج ۲ ص ۱۹۷۔۲۰۰)

(زاد المسیر ج ۱ ص ۳۲۲۔۳۲۳، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور آسمانوں میں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اللہ ہی کی ملکیت میں ہے، وہ جس کی چاہیں مغفرت فرمادیں اور جس پر چاہیں عذاب نازل فرمائیں اور اللہ بہت بخشنے والے بے حد رحم فرمانے والے ہیں O" (آل عمران:۱۲۹)

"وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ": جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے امر کی نفی فرمادی یعنی آپ کو یہ اختیار نہیں ہے کہ آپ کسی کی توبہ قبول فرمائیں یا کسی کو عذاب دیں، یعنی یہ اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، تو پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی دلیل ذکر فرمائی کہ آسمانوں میں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اللہ ہی کی ملکیت میں ہے، وہ جس کو چاہے مغفرت فرمادے اور جس پر چاہے عذاب نازل فرمائے اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

(زاد المسیر ج ۱ ص ۳۲۳۔۳۲۴، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَۚ

اے ایمان والو! تم دگنا چوگنا سود نہ کھاؤ، اور تم اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم اخروی کامیابی حاصل کرو O

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْۤ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَۚ

اور تم دوزخ کی اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار فرمائی گئی ہے O

وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَۚ

اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی (اطاعت کرو)، تا کہ تم پر رحم کیا جائے O

وَسَارِعُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَۙ

اور تم اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت (کے حصول) کی طرف جلدی کرو جس جنت کی چوڑائی تمام آسمان اور زمینیں ہیں، جس کو اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے تیار کیا گیا ہے O

الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ

النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۚ﴿۱۳۴﴾

جو لوگ کشادگی میں اور تنگدستی میں (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں، اور جو غصہ کو ضبط کرنے والے ہیں اور جو لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں (وہی لوگ کامیاب ہیں)، اور اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں O

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۠ۙ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

اور وہ لوگ جنہوں نے کسی بے حیائی کا ارتکاب کیا یا اپنی جانوں پر (گناہ کرکے) ظلم کیا، پس انہوں نے اللہ کو یاد کیا، پھر انہوں نے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کی اور اللہ کے سوا کون گناہوں کی مغفرت فرماتا ہے! اور انہوں نے جان بوجھ کر اپنے کیے ہوئے کاموں پر اصرار نہیں کیا O

اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ؕ﴿۱۳۶﴾

ان ہی لوگوں کی جزاء ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں، وہ ان جنتوں میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، اور نیک کام کرنے والوں کی کیسی اچھی جزاء ہے O

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾

بے شک تم سے پہلے ایسے لوگوں کے واقعات گزر چکے ہیں، پس تم زمین میں سفر کرو پھر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا O

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾

یہ لوگوں کے لیے واضح بیان ہے اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے O

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾

اور تم سستی نہ کرو اور نہ غمگین ہو، اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم کامل ایمان والے ہو O

اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ

وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۴۰﴾

اگر تم کو زخم پہنچے ہیں تو تمہارے دشمنوں کو بھی اسی طرح کے زخم پہنچ چکے ہیں، اور ہم ان (گرم سرد) ایام کو لوگوں کے درمیان پھیرتے رہتے ہیں اور تا کہ اللہ ایمان والوں کو (دوسروں سے) جدا فرما دیں اور تم میں سے بعض لوگوں کو گواہ بنا لیں، اور اللہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے O

وَلِیُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَیَمْحَقَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۴۱﴾

اور تا کہ اللہ مسلمانوں کو (دوسروں سے) ممتاز فرما دیں اور کافروں کو مٹا دیں O

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَیَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۴۲﴾

کیا تم نے یہ یقین کر لیا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو گے، حالانکہ ابھی تک اللہ نے تم میں سے جہاد کرنے والوں کو اور صبر کرنے والوں کو (دوسروں سے) ممتاز نہیں فرمایا O

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَیْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾

اور بے شک تم موت آنے سے پہلے موت کی تمنا کرتے تھے، سو اب تم نے موت کو دیکھ لیا اور وہ تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! تم دگنا چوگنا سود نہ کھاؤ، اور تم اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم اخروی کامیابی حاصل کرو O'' (آل عمران: ۱۳۰)

القاضی مجیر الدین بن محمد العلیمی المقدسی الحنبلی المتوفی ۹۲۸ھ، آل عمران: ۱۳۰ تا ۱۴۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً'':

اس سے مراد یہ ہے کہ جب قرض کی ادائیگی کی مدت پوری ہو جاتی تو وہ لوگ طلب کے تقاضا کو مؤخر کر دیتے اور سود کی مقدار میں اضافہ کر دیتے، اس طرح وہ دگنا چوگنا سود لیتے تھے، باقی سود کے مفصل احکام سورۃ البقرہ: ۲۷۵۔۲۷۹ میں بیان کیے جا چکے ہیں۔

میں کہتا ہوں: بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے دگنا چوگنا سود لینا ممنوع ہے لیکن اگر ایک مثل سود لیا جائے تو اس کی ممانعت نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مطلقاً سود کھانے کو اس آیت میں حرام فرما دیا ہے: ''وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا۔۔۔ (البقرہ: ۲۷۵)'' (اللہ نے بیع کو حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام فرما دیا ہے)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور تم دوزخ کی اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے O''
(آل عمران: ۱۳۱)

''وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ أُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾'': اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سود کھانے سے بہت زیادہ ڈرایا ہے، امام ابوحنیفہ نے کہا: پورے قرآنِ مجید میں سب سے زیادہ عذاب سے ڈرانے والی یہ آیت ہے، کیونکہ اس آیت میں مسلمانوں کو اس سے ڈرایا ہے کہ اگر انہوں نے سود کھانے کو نہیں چھوڑا تو اُن کو وہ عذاب دیا جائے گا جو کافروں کو عذاب دیا جاتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی (اطاعت کرو)، تاکہ تم پر رحم کیا جائے O''
(آل عمران: ۱۳۲)

''وَأَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾'': اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول کی اطاعت کو اپنی اطاعت کے ساتھ ملا کر ذکر فرمایا ہے، اور رسول کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملا کر ذکر فرمایا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ (التغابن: ۸)'' (پس تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر (ایمان لاؤ))۔ پس اللہ تعالیٰ نے لفظِ اللہ اور لفظِ رسول کو ملا کر ذکر فرمایا ہے اور ان کے درمیان واوِ عاطفہ کا ذکر فرمایا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کسی کے نام کو اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ملا کر ذکر کرنا جائز نہیں ہے، حدیث میں ہے:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم یوں نہ کہو ''ماشاء اللہ وشاء فلانٌ'' (جو اللہ نے چاہا اور فلاں نے چاہا) لیکن تم یوں کہو ''ماشاء اللہ ثم فلان'' (جو اللہ نے چاہا، پھر فلاں نے چاہا)۔

(سنن ابوداؤد: ۴۹۸۰، مسند احمد: ۲۲۷۵۴، ج ۵ ص ۳۸۴، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۰۸۲۱)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے ساتھ دوسرے کے نام کو لفظِ واؤ کے ساتھ ملا کر ذکر کرنے سے منع فرمادیا ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادب کی طرف رہنمائی فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے چاہنے کو دوسرے کی چاہت پر مقدم رکھو اور واؤ کی جگہ ''ثُمَّ'' کو پسند فرمایا جو کہ تراخی کے لیے ہے اس کے برخلاف واؤ اشتراک کے لیے ہے اور اسی کی مثل درج ذیل حدیث ہے:

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک مرد نے خطبہ دیتے ہوئے کہا: ''من یطع اللہ ورسولہ فقد رشد'' (جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی وہ ہدایت پا گیا) ''ومن یعصہما فقد غوی'' (اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی وہ گمراہ ہوگیا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا خطبہ سن کر فرمایا: تم بہت برے خطیب ہو تم یوں کہو: ''ومن یعص اللہ ورسولہ'' (جس نے اللہ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کی)۔ (صحیح مسلم: ۸۷۰، سنن ابوداؤد: ۱۰۹۵، سنن نسائی: ۳۲۷۹)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطیب کے خطبہ کو اس لیے ناپسند فرمایا کہ اس نے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو ایک ضمیر میں جمع کردیا کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ذکر کو ایک ضمیر میں جمع کرنے سے یہ وہم ہوتا ہے کہ خطبہ دینے والا اللہ اور اس کے رسول کو برابر سمجھتا ہے، پس واؤ عاطفہ بالاتفاق مطلقاً جمع کے لیے آتی ہے اور فاءِ عاطفہ ترتیب اور تعقیب کے لیے آتی ہے اور ''ثُمَّ'' کا لفظ تشریک اور ترتیب بالمہلت کے لیے آتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور تم اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت (کے حصول) کی طرف جلدی کرو جس جنت کی چوڑائی تمام آسمان اور زمینیں ہیں، جس کو اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے تیار فرمایا گیا ہے O''
(آل عمران: ۱۳۳)

''وَسَارِعُوْٓا'': ''سَارِعُوا'' کا معنی ہے سبقت کرو۔
''اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ'' یعنی جلدی سے ایسے اعمال بجالاؤ جن پر مغفرت مرتّب ہوتی ہے۔
''وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ'': اس آیت میں خصوصیت کے ساتھ جنت کی چوڑائی کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ غالباً چوڑائی، لمبائی سے کم ہوتی ہے یعنی جب جنت کی چوڑائی تمام آسمانوں اور زمینوں کے برابر ہے تو اس کی لمبائی کی وسعت کا کیا عالم ہوگا، اور مقصود یہ ہے کہ تم ایسے اعمال جلد بجالاؤ جن سے تمہاری مغفرت اور تمہارے لیے اتنی وسیع جنت کا حصول ممکن ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جو لوگ کشادگی میں اور تنگدستی میں (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں، اور جو غصہ کو ضبط کرنے والے ہیں اور جو لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں (وہی لوگ کامیاب ہیں)، اور اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں O'' (آل عمران: ۱۳۴)

''اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِى السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ'': جو لوگ کشادگی اور تنگدستی میں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، یہ وہی لوگ ہیں جو سخی ہوتے ہیں، اور سخی کی فضیلت میں درج ذیل حدیث ہے:
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سخی اللہ کے قریب ہے، جنت کے قریب ہے، لوگوں کے قریب ہے اور دوزخ سے بعید ہے، اور بخیل اللہ سے بعید ہے جنت سے بعید ہے اور لوگوں سے بعید ہے اور دوزخ کے قریب ہے، اور جاہل سخی اللہ عزوجل کے نزدیک عابد بخیل سے زیادہ محبوب ہے۔ (سنن ترمذی: ۱۹۶۸، الضعفاء الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۴۰۳)
''وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ'': جب لوگ غیظ وغضب سے بھرے ہوئے ہوں تو وہ اپنے غضب کو روک لیتے ہیں۔
''وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ'': جو لوگ ظلم کرنے والوں کو معاف کر دیتے ہیں۔
''وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝'': حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو تم سے تعلق توڑے، اس سے تعلق جوڑو اور جو تمہارے ساتھ بدسلوکی کرے اس کے ساتھ نیک سلوک کرو اور حق بات کہو خواہ وہ تمہارے خلاف ہو۔
(الجامع الکبیر للسیوطی: ۱۳۴۹۸، اتحاف ج ۹ ص ۳۲، کنز العمال: ۶۹۲۹، الصحیحہ: ۱۹۱۱، ابن عساکر ج ۳ ص: ۶۱)
نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝''۔۔ (الشوریٰ: ۴۰) ''(اور برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی، پھر جو معاف کر دے اور اصلاح کرے تو اس کا اجر اللہ (کے ذمہ کرم) پر ہے)۔
شیخ سعدی فرماتے ہیں:

بدی را بدی سہل باشد جزاء ☆ اگر مردی احسن الی من عصی

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور وہ لوگ جنہوں نے کسی بے حیائی کا ارتکاب کیا یا اپنی جانوں پر (گناہ کر کے) ظلم کیا، پس انہوں نے اللہ کو یاد کیا، پھر انہوں نے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کی اور اللہ کے سوا کون گناہوں کی مغفرت فرماتا ہے! اور انہوں نے جان بوجھ کر اپنے کیے ہوئے کاموں پر اصرار نہیں کیا ''
(آل عمران: ۱۳۵)

یہ آیت اس شخص کے متعلق نازل ہوئی ہے جس نے کسی گناہ کا ارتکاب کیا اور اللہ تعالیٰ سے اس گناہ پر توبہ طلب کی۔

''وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً'': یعنی کسی شخص نے ایسے فعل کا ارتکاب کیا جس کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت نہیں تھی۔

''اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ'': اس نے زنا سے کم درجہ کا گناہ کیا مثلاً اجنبی عورت کا بوسہ لیا یا اُس کو چھوا یا اُس کی طرف دیکھا۔

''ذَكَرُوا اللّٰهَ'': یعنی اُس نے اس گناہ پر اللہ تعالیٰ کی وعید کو یاد کیا۔

''وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ'': یعنی اللہ کے سوا گناہ کو کوئی معاف نہیں کر سکتا۔

''وَلَمْ يُصِرُّوْا'': یعنی اس نے اس گناہ کا دوبارہ ارتکاب نہیں کیا اور اس گناہ پر برقرار نہیں رہا۔

''عَلٰى مَا فَعَلُوْا'': لیکن اس نے اس گناہ پر توبہ کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا۔

''وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ'': یعنی وہ جانتے تھے کہ یہ فعل اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے اور وہ یہ جانتے تھے کہ اللہ ہی گناہ کو بخشنے والا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''ان ہی لوگوں کی جزاء ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں، وہ ان جنتوں میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، اور نیک کام کرنے والوں کی کیسی اچھی جزاء ہے '' (آل عمران: ۱۳۶)

''اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ'': حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو بندہ کوئی گناہ کرے، پھر اچھی طرح وضو کرے، پھر کھڑے ہو کر دو رکعت نماز پڑھے، پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دیتا ہے، پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: ''وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ...... (آل عمران: ۱۳۵)''۔ (سنن ابوداؤد: ۱۵۱۸، سنن ترمذی: ۳۰۰۶، سنن ابن ماجہ: ۱۳۹۵)

ثابت البُنانی نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو ابلیس رونے لگا۔ (معالم التنزیل ج ۱ ص ۴۲۳)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک تم سے پہلے ایسے لوگوں کے واقعات گزر چکے ہیں، پس تم زمین میں سفر کرو پھر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا '' (آل عمران: ۱۳۷)

''قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ'': یعنی اس سے پہلے مختلف شریعتیں گزر چکی ہیں، سُنَن کا لفظ سنت کی جمع ہے، انسان جو عمل کرتا ہے اس کو سنت کہتے ہیں، اور اس آیت میں مومنین سے خطاب ہے، اس آیت کا معنی ہے: یعنی تم سے پہلے گزشتہ امتیں جو کافر تھیں گزر چکی ہیں اور تم نے دیکھا میں کافروں کو مہلت دیتا تھا اور اُن کو ان کے گناہوں میں ڈھیل دیتا تھا حتیٰ کہ میں نے اُن کے

لیے جو میعاد مقرر فرمائی تھی وہ میعاد آ گئی اور میں نے ان کو ہلاک فرما دیا۔

''فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ'': یعنی اگر تم کو اس میں شک ہے تو زمین میں سفر کرو اور دیکھو۔

''فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝'': یہ آیت اہلِ حرب سے جنگ کے متعلق نازل ہوئی ہے، اللہ عزوجل فرماتے ہیں: ''پس میں اُن کو مہلت دیتا ہوں اور ڈھیل دیتا ہوں حتیٰ کہ یہ اُس میعاد تک پہنچ جائیں جو میں نے ان کے لیے مقدر کی ہے جس میعاد میں، میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پیروکاروں کی مدد فرماؤں گا اور اُن کے دشمنوں کو ہلاک فرماؤں گا''۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یہ لوگوں کے لیے واضح بیان ہے اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے ۝'' (آل عمران: ۱۳۸)

''هٰذَا'': یعنی قرآن مجید، ''بَيَانٌ لِّلنَّاسِ'' یعنی تمام لوگوں کے لیے بیان ہے۔

''وَهُدًى'' اور گمراہی سے ہدایت ہے۔

''وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝'': خصوصاً متقین کے لیے ہدایت ہے۔ یعنی قرآن مجید فی نفسہٖ تمام لوگوں کے لیے ہدایت ہے لیکن اس ہدایت سے فائدہ صرف متقین اٹھاتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور تم سستی نہ کرو اور نہ غمگین ہو، اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم کامل ایمان والے ہو ۝'' (آل عمران: ۱۳۹)

''وَلَا تَهِنُوْا'': یعنی تم اپنے دشمنوں سے مقابلہ کرنے میں کمزوری نہ دکھاؤ۔

''وَلَا تَحْزَنُوْا'': یعنی غزوۂ اُحد میں جو مسلمان شہید ہو گئے اور جو زخمی ہو گئے تم اُن پر غم نہ کرو۔ غزوۂ اُحد میں پانچ مہاجرین شہید ہوئے تھے، ان میں سے حضرت حمزہ بن عبد المطلب تھے اور حضرت مصعب بن عمیر تھے اور ستر (۷۰) انصاری رضی اللہ عنہم تھے۔

''وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ'': یعنی آخرت میں تم ہی بلند ہو گے کیونکہ تم جنت میں داخل ہو گے اور دنیا میں بھی تم سر بلند ہو گے کیونکہ انجام کار غلبہ تمہارا ہی ہو گا۔ ''اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝'': بہ شرطیکہ تمہارا ایمان کامل ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اگر تم کو زخم پہنچے ہیں تو تمہارے دشمنوں کو بھی اسی طرح کے زخم پہنچ چکے ہیں، اور ہم ان (گرم سرد) ایام کو لوگوں کے درمیان پھیرتے رہتے ہیں اور تاکہ اللہ ایمان والوں کو (دوسروں سے) جدا فرما دیں اور تم میں سے بعض لوگوں کو گواہ بنا لیں، اور اللہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے ۝'' (آل عمران: ۱۴۰)

''اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ'': یعنی اگر تم اُحد کے دن زخمی ہوئے ہو ''فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ'' تو بدر کے دن کافر بھی زخمی ہوئے۔

''قَرْحٌ مِّثْلُهٗ'': پس بدر کے دن مسلمانوں نے ستر (۷۰) مشرکین کو قتل کیا اور ستر (۷۰) مشرکین کو گرفتار کیا اور اُحد کے دن مشرکین نے پچھتر (۷۵) مسلمانوں کو شہید کیا اور ستر (۷۰) مسلمانوں کو زخمی کیا۔

''وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا'': یعنی اللہ تعالیٰ ایام کو لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔

''وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا'': یعنی اللہ تعالیٰ مومنین کے متعلق اپنے علم کو ظاہر فرماتے ہیں تاکہ مومنین کو اُن کے اعمال کی جزاء دی جائے۔

''وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ'': اور تم میں سے بعض لوگوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ شہادت کے مرتبہ پر فائز فرماتے ہیں۔

''وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝'': اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں فرماتے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور تاکہ اللہ مسلمانوں کو (دوسروں سے) ممتاز فرمادیں اور کافروں کو مٹادیں O'' (آل عمران: ۱۴۱)

''وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا'': التحمیص کا معنی ہے: کسی شے کو عیب سے خالی کرنا اور یہاں مراد ہے مومنین کو گناہوں سے پاک فرمانا۔

''وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ۝'': یعنی اللہ تعالیٰ کافروں کو فنا فرمادیں گے، اور مراد یہ ہے کہ اگر کافروں نے تم کو قتل کیا تو وہ تمہارے حق میں تطہیر ہے، یعنی تم کو گناہوں سے پاک فرمانا ہے، اور اگر تم نے کافروں کو قتل کیا تو اللہ تعالیٰ کافروں کو مٹانے والے ہیں اور اُن کی جڑ کاٹنے والے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''کیا تم نے یہ یقین کر لیا ہے کہ تم جنت میں داخل ہوگے، حالانکہ ابھی تک اللہ نے تم میں سے جہاد کرنے والوں کو اور صبر کرنے والوں کو (دوسروں سے) ممتاز نہیں فرمایا O'' (آل عمران: ۱۴۲)

''اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ'': اس کا معنی یہ ہے کہ کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ تم جنت میں داخل ہوجاؤ گے!

''وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۝'': یعنی ابھی تک اللہ تعالیٰ نے تم میں سے مجاہدین کو ظاہر نہیں فرمایا اور نہ تم میں سے ان لوگوں کو ظاہر فرمایا ہے جو مصائب پر صبر کرتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بے شک تم موت آنے سے پہلے موت کی تمنا کرتے تھے، سو اب تم نے موت کو دیکھ لیا اور وہ تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے O'' (آل عمران: ۱۴۳)

''وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ'': اور بے شک جب تم کو غزوۂ بدر کے شہداء کی فضیلت کا علم ہوا تو تم غزوۂ اُحد میں موت کی تمنا کرتے تھے یعنی شہادت کی تمنا کرتے تھے۔

''مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ'': اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے ایک دن غزوۂ بدر کے شہداء کی طرح شہادت کی تمنا کی تو اللہ تعالیٰ نے اُحد کے دن ان کو شہادت کے مرتبہ پر پہنچا دیا۔

''وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝'': یعنی تم حصولِ شہادت کے اسباب کو اپنی کھلی ہوئی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔

(فتح الرحمٰن فی تفسیر القرآن ج ۲ ص ۲۴۔۳۲، دار النوادر، لبنان، ۱۴۳۲ھ)

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

اور محمد (معبود نہیں ہیں) صرف رسول ہیں، اُن سے پہلے اور رسول گزر چکے ہیں، پس کیا اگر وہ فوت ہو جائیں یا شہید کر دیئے جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر پلٹ جاؤ گے؟ اور جو اپنی ایڑیوں پر پلٹے گا تو وہ اللہ کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکے گا، اور عنقریب اللہ شکر ادا کرنے والوں کو نیک جزا عطاء فرمائیں گے O

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

اور کوئی شخص اللہ کے حکم کے بغیر مر نہیں سکتا، سب کی مدتِ حیات لکھی ہوئی ہے، اور جو دنیا میں معاوضہ چاہے گا تو ہم اس کو دنیا میں سے معاوضہ عطا فرمائیں گے، اور جو آخرت کا اجر چاہے گا تو ہم اس کو آخرت میں سے اجر عطاء فرمائیں گے، اور ہم عنقریب شکر ادا کرنے والوں کو نیک جزا عطاء فرمائیں گے O

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَاۤ اَصَابَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾

اور کتنے نبیوں کے ساتھ (مل کر) بہت سے اللہ والوں نے قتال کیا، پس اللہ کی راہ میں اُن کو جو مصیبتیں پہنچیں وہ اُن کی وجہ سے قتال میں سست نہیں پڑے اور نہ وہ کمزور ہوئے اور نہ وہ (دشمن کے سامنے) دبے، اور اللہ صبر کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں O

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِىْۤ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

اور ان کا صرف یہی کہنا تھا جو انہوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہمارے لیے ہمارے گناہوں کی مغفرت فرما دیں، اور ہمارے کاموں میں زیادتی کو بھی (معاف فرما دیجئے)، اور ہمیں ثابت قدم رکھیے اور کافروں کے خلاف ہماری مدد فرمائیے O

فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ ع ۱۵

سو اللہ نے اُن کو دنیا میں انعام عطا فرمایا اور آخرت کا عمدہ اجر عطا فرمایا، اور اللہ نیکو کاروں کو پسند فرماتے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور محمد معبود نہیں ہیں صرف رسول ہیں، اُن سے پہلے اور رسول گزر چکے ہیں، پس کیا اگر وہ فوت ہو جائیں یا شہید کر دیئے جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر پلٹ جاؤ گے؟ اور جو اپنی ایڑیوں پر پلٹے گا تو وہ اللہ کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکے گا، اور عنقریب اللہ شکر ادا کرنے والوں کو نیک جزا عطا فرمائیں گے O''

(آل عمران: ۱۴۴)

آیتِ مبارکہ ''وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ'' کا سبب نزول

علامہ ابوالمظفر السمعانی الشافعی المتوفی ۴۲۶ھ آل عمران: ۱۴۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ'': اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ اُحد کے دن جب مسلمان شکست کھا گئے اور بہت سے مسلمان شہید کر دیئے گئے تو شیطان لعین نے چلّا کر کہا: سنو! محمد قتل کر دیئے گئے ہیں، پس بعض مسلمانوں نے کہا: اب ابوسفیان سے امان طلب کرو، اور جن مسلمانوں کے دل میں نفاق تھا انہوں نے کہا: اب اپنے پہلے دین کی طرف لوٹ جاؤ کیونکہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تو قتل کیے جا چکے ہیں، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: ''وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ۔۔۔ الآیۃ'' یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنی رسالت اور نبوت پر برقرار ہیں، اگر وہ اپنی طبعی موت سے وفات پا گئے یا شہید کر دیئے گئے تو تم کیوں اپنی ایڑیوں پر پلٹ گئے؟ اور جو اپنی ایڑیوں پر پلٹے گا تو وہ خود اپنے آپ کو ضرر پہنچائے گا، اللہ تعالیٰ اس کے پہنچائے ہوئے ضرر سے برتر اور بلند ہے۔

حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کا بے جگری سے کفارِ قریش سے لڑنا اور ان کی شہادت

روایت ہے کہ حضرت انس بن النضر رضی اللہ عنہ نے جب شیطان لعین کا یہ قول سنا کہ ''محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) قتل کر دیئے گئے'' تو انہوں نے اپنی تلوار میان سے نکالی اور کفار کی طرف بڑھے اور کہا کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کفار سے قتال کیا اور آپ شہید کر دیے گئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے جو اجر مقدر کیا تھا اس اجر سے واصل ہو گئے سو میں بھی قتال کرتا رہوں گا حتیٰ کہ میں قتل کر دیا جاؤں اور جو اجر میرے لیے مقدر کیا گیا ہے میں اس اجر سے واصل ہو جاؤں، پھر وہ کفار سے قتال کرتے رہے حتیٰ کہ شہید کر دیئے گئے۔

(تفسیر الطبری ج ۶ ص ۱۰۱، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ)

القاسم بن عبدالرحمٰن بن رافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ جو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے چچا تھے وہ حضرت عمر اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہما اور دیگر مہاجرین کے پاس گئے اور ان لوگوں نے اپنے ہاتھوں کو گرا دیا تھا، حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم کیوں بیٹھے ہوئے ہو؟ انہوں نے کہا: محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) قتل کر دیئے گئے، حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم آپ کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے، اٹھو اور اس دین پر مر جاؤ جس دین پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات پائی ہے، پھر وہ دشمن کے سامنے گئے اور قتال کیا حتیٰ کہ ان کو قتل کر دیا گیا۔ (تفسیر الطبری ج ۶ ص ۱۰۲، تاریخ الطبری ج ۲ ص ۵۱۷)

اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا: میں وہ پہلا شخص ہوں جس نے شیطان لعین کے چلّانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُحد کے دن دیکھا، میں نے خود کے نیچے آپ کی دونوں آنکھوں سے آپ کو پہچان لیا، پس میں نے کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ

ہیں تو آپ نے مجھے چُپ رہنے کا اشارہ فرمایا۔ (السیرۃ النبویۃ لابن ہشام ج ۳ ص ۲۶)

(تفسیر القرآن للسمعانی ج ا ص ۳۶۳۔ ۳۶۴، دار الوطن، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کی شکست کا سبب

القاضی مجیر الدین بن محمد العلیمی المقدسی الحنبلی المتوفی ۹۲۸ھ، آل عمران: ۱۴۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سات سو مردوں کے ساتھ اُحد کی ایک گھاٹی کی طرف نکلے اور آپ نے حضرت عبداللہ بن خوات رضی اللہ عنہ (حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ) کو پیادوں پر مقرر فرمایا اور آپ نے ارشاد فرمایا: تم پہاڑ کی جڑ پر کھڑے رہو اور ہماری طرف سے تیر مارو تا کہ کوئی شخص ہم پر پیچھے سے حملہ آور نہ ہو اور تم لوگ اپنی جگہ سے نہ ہٹنا حتیٰ کہ میں تمہاری طرف پیغام بھیجوں، ہم اس وقت تک غالب رہیں گے جب تک کہ تم اس جگہ پر جمے رہو گے، پھر مشرکین کی طرف سے خالد بن ولید دائیں جانب سے حملہ آور ہوئے اور عکرمہ بن ابی جہل بائیں جانب سے حملہ آور ہوئے، پس مسلمان اُن سے لڑتے رہے حتیٰ کہ جنگ گرم ہوگئی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلوار نکالی اور فرمایا: اس تلوار کا حق ادا کر کے کون لے گا؟ تو حضرت ابوُ جانہ رضی اللہ عنہ نے اُس تلوار کو لے لیا، پس انہوں نے سُرخ عمامہ باندھا اور دونوں صفوں کے درمیان اکڑ، اکڑ کر چل رہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس طرح کی چال کو اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتے ہیں سوائے ایسے مقام کے، پس انہوں نے اُس تلوار سے مشرکین کی گردنیں کاٹیں اور حضرت ابوُ جانہ رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب مشرکین پر حملہ آور ہوئے، سو ان کو شکست دے دی، پھر تیر اندازوں نے اپنے مرکز کو چھوڑ دیا اور وہ مسلمانوں کی طرف مالِ غنیمت لوٹنے کے لیے بڑھے، پھر جب خالد بن ولید نے دیکھا کہ مسلمانوں نے اُس جگہ کو چھوڑ دیا تو انہوں نے اپنے گھڑ سواروں کو چیخ کر بلایا اور مسلمانوں پر حملہ کیا، سو مسلمانوں کو شکست دے دی اور عبداللہ بن قمیئۃ الحارثی نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک پتھر مارا جس سے آپ کی ناک زخمی ہوئی اور آپ کے سامنے کے چار دانت شہید ہو گئے اور آپ کا سر مبارک پھٹ گیا اور آپ کے اصحاب آپ سے منتشر ہو گئے اور ابن قمیئۃ نے حملہ کیا تا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کر دے تو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جنہوں نے پرچمِ اسلام تھاما ہوا تھا، انہوں نے آگے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفاع کیا اور ابنِ قمیئۃ کو قتل کر دیا جو یہ سمجھتا تھا کہ اُس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کر دیا اور کوئی چلّانے والا چلّایا: سنو! محمد کو قتل کر دیا گیا، صحابہ نے بتایا کہ یہ ابلیس تھا اور مسلمان شکست کھا چکے تھے اور دُشمن غالب ہو چکا تھا اور یہ دن مسلمانوں پر سخت آزمائش کا دن تھا، اور ہند بنت عتبہ نے اپنی سہیلیوں کے ساتھ مل کر اُن مقتول صحابہ کو مثلہ کیا یعنی ان کے اعضاء کاٹے، پس شہداءِ صحابہ کے کان کاٹے اور ناک کاٹی اور ہند نے سید الشہداء حضرت حمزہ عم النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلیجہ کاٹا اور اس کو چبایا اور ہند کے شوہر ابوسفیان پہاڑ پر چڑھ گئے اور بلند آواز سے کہا: جنگ ایک ڈول ہے، ایک دن یہ ڈول بدر والوں کے پاس تھا، ''ھبل'' کا نام بلند ہو یعنی اس کا دین غالب آیا، پس مسلمانوں نے جواب دیا ''اللہ بلند اور بزرگ ہے'' ابوسفیان نے کہا: ہمارے لیے عزیٰ ہے اور تمہارا کوئی عزیٰ نہیں، تو مسلمانوں نے جواب دیا: ''اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا مولیٰ نہیں ہے'' پھر اس نے بلند آواز سے کہا: اب ہمارا اور تمہارا مقابلہ اگلے سال بدر کے میدان میں ہوگا، تب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی ایک سے فرمایا: یہ بات ہمارے اور تمہارے درمیان ہے۔

آپ کے عمِ محترم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے عمِ محترم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو تلاش کیا تو ان کو اس حال میں پایا کہ اُن کا پیٹ کاٹا جاچکا تھا اور ان کی ناک کاٹی جاچکی تھی اور اُن کے دونوں کان کاٹے جاچکے تھے، آپ نے فرمایا: اگر اللہ نے مجھے ان پر غالب فرمادیا تو میں اِن کے تیس (۳۰) آدمیوں کو مثلہ کروں گا۔ (میں کہتا ہوں: عدل کا تقاضا یہ ہے کہ ایک صحابی کے بدلہ میں ایک کافر کو مُثلہ کیا جائے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ ارشاد صرف سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو مُثلہ کرنے کے جرم کی اہمیت واضح کرنے کے لیے تھا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو مثلہ کرنا تیس صحابہ کو مثلہ کرنے کے برابر ہے، تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کسی کافر کو کبھی مثلہ نہیں فرمایا۔ سعیدی غفرلہٗ)، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حکم فرمایا تو ایک چادر سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ڈھانپ دیا گیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن پر نمازِ جنازہ پڑھی، آپ نے سات مرتبہ اللہ اکبر پڑھا، پھر اُن شہداء کے پاس آئے جنھیں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے پاس رکھا گیا تھا، پھر آپ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور ان شہداء کی نمازِ جنازہ بہتّر (۷۲) مرتبہ پڑھی۔ (میں کہتا ہوں: یہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی خصوصیت تھی ورنہ ہر مسلمان کی نمازِ جنازہ صرف ایک بار پڑھنا مشروع ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

شہید کی نمازِ جنازہ پڑھنے کے متعلق امام ابوحنیفہ کی دلیل

یہ امام ابوحنیفہ کی دلیل ہے کیونکہ وہ شہید کی نمازِ جنازہ کو جائز قرار دیتے ہیں اور اس میں امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل کا اختلاف ہے۔ پھر آپ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو دفن کرنے کا حکم دیا، پھر لوگ مسلمان شہداء کو مدینہ کی طرف لائے اور ان کو وہاں دفن فرمایا، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن کو منع فرمایا اور فرمایا: ان کو وہیں دفن کرو جہاں پر یہ گرے تھے، حدیث میں ہے:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: اُحد کے دن میری پھوپھی میرے والد (کی لاش) کو لے کر آئیں تا کہ ان کو ہمارے قبرستان میں دفن کریں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے منادی نے ندا کی: مقتولین کو وہیں لوٹا دو جہاں وہ قتل ہو کر گرے تھے۔

(سنن ترمذی: ۱۷۲۳، سنن ابوداؤد: ۳۱۶۵، سنن نسائی: ۲۰۰۳، سنن ابن ماجہ: ۱۵۱۶، مسند احمد: ۱۴۳۰۹، مشکوٰۃ: ۱۷۰۴، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۴۳)

مسلمان جس جگہ فوت ہو اس کو اسی جگہ دفن کیا جائے

مذکور الصدر حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مسلمان جس جگہ فوت ہو اس کو وہیں دفن کیا جائے اور اس کی میت کو دوسری جگہ منتقل کرنا نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشاد کے خلاف ہے، اب مسلمانوں میں یہ معمول ہو گیا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے آبائی وطن کے علاوہ کسی دوسرے شہر یا کسی دوسرے ملک میں مر جائے تو اس کی میت کو اس کے آبائی وطن میں لایا جاتا ہے، یہ طریقہ درست نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشاد کے خلاف ہے، بعض لوگ اس پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے جسم کو بھی مصر سے ان کے آبائی وطن کی طرف منتقل کیا گیا تھا لہٰذا اب بھی ایسا کرنا جائز ہے، میں کہتا ہوں کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت تھی ہم تو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شریعت کے مکلف ہیں اور آپ کا حکم یہ ہے کہ جو شخص جس جگہ مرے اس کو اسی جگہ دفن کیا جائے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی نکلی ہوئی آنکھ کو دوبارہ لگا دینا

حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ نکل گئی تھی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے دستِ کریم سے ان کی آنکھ لوٹا دی اور وہ آنکھ

دونوں آنکھوں میں سے زیادہ حسین تھی۔

حافظ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر القرطبی المتوفی ۴۶۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اُحد کے دن حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ زخمی ہوگئی اور ان کی شادی قریب تھی، پس وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے اُن کی آنکھ کو اپنے دستِ کریم سے پکڑا اور اس کو اس کی جگہ لوٹا دیا، پس یہ آنکھ ان کی دونوں آنکھوں میں سے زیادہ حسین اور اس کی نظر دونوں آنکھوں میں سے زیادہ تیز تھی، عمر بن عبد العزیز نے کہا: ہم یہ بیان کرتے تھے کہ اُن کی آنکھ نکل کر ان کے رخسار پر لٹک گئی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کی آنکھ کو ان کے ڈھیلے پر لوٹا دیا، اور آپ نے یہ دعا فرمائی: اے اللہ! اس آنکھ کو حسن و جمال پہنا دے۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ج ۳ ص ۳۳۹، اسد الغابہ ج ۴ ص ۳۰۷، الاصابہ ج ۵ ص ۳۱۸، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۳ ص ۲۵۲، اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۸۷)

بعض واعظین اس واقعہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دی ہوئی آنکھ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی آنکھ سے زیادہ روشن تھی، میں کہتا ہوں: اس طرح بیان کرنا صحیح نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ایسی شان نہ بیان کی جائے جس سے اللہ تعالیٰ کی تنقیص ہوتی ہو، یہ دونوں آنکھیں اللہ تعالیٰ کی عطا فرمائی ہوئی تھیں، فرق یہ ہے کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کو پہلی آنکھ ماں باپ کے توسّل سے ملی تھی اور دوسری آنکھ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے ہاتھوں سے ملی تھی اور ظاہر ہے کہ ماں باپ کے وسیلہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وسیلہ زیادہ قوی ہے، اس لیے جو آنکھ آپ نے اپنے دستِ مبارک سے لگائی تھی وہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی پہلی آنکھ سے زیادہ روشن تھی۔ (سعیدی غفرلہٗ)

جب ابلیس لعین نے چِلّا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کا اعلان کیا، اس پر صحابہ کرام کا ردِ عمل

جب شیطان لعین نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقتول ہونے کا اعلان کیا تو بعض مسلمانوں نے کہا: کاش! عبد اللہ بن ابی ہمارے لیے ابوسفیان سے امان حاصل کر لے اور بعض منافقوں نے کہا: اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نبی ہوتے تو ہم قتل نہ کیے جاتے، تم اپنے بھائیوں سے ملو اور اپنے پہلے دین کی طرف رجوع کرو، اس وقت حضرت انس بن نضر جو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے چچا ہیں، انہوں نے کہا: اے قوم! اگر سیدنا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) قتل کر دیئے گئے ہیں تو کیا ہوا کیونکہ محمد کا رب زندہ ہے جو کبھی نہیں مرے گا اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے، چلو اُن سے قتال کرو جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قتال کیا تھا اور جس دین کے لیے آپ نے وفات پائی ہے تم بھی اسی دین کے لیے مر جاؤ، پھر انہوں نے کہا: اے اللہ! ان لوگوں نے جو کچھ کہا میں تیری بارگاہ میں ان کے اقوال سے معذرت کرتا ہوں اور تیری طرف اُن باتوں سے بری ہوتا ہوں جو باتیں انہوں نے کی ہیں، پھر انہوں نے اپنی تلوار نکالی اور قتال کیا حتیٰ کہ آپ رضی اللہ عنہ قتل کر دیئے گئے۔ اور ایک مہاجر ایک انصاری کے پاس سے گزرا جو اپنے خون میں لت پت تھا، پس کہا: اے فلاں! کیا تم کو معلوم ہے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) قتل کر دیئے گئے، اس انصاری نے کہا: اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) قتل کر دیئے گئے ہیں تو وہ اپنے دین کی تبلیغ کر چکے ہیں اب تم بھی اپنے دین کی خاطر قتال کرو۔

اور جب صحابہ شکست کھا گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کو پکار پکار کر بلا رہے تھے: اے اللہ کے بندو! میری طرف آؤ، اے اللہ کے بندو! میری طرف آؤ، حتیٰ کہ آپ کے اصحاب میں سے ایک جماعت آپ کے پاس آئی اور جو لوگ بھاگ گئے تھے ان کو

ملامت کی اور انہوں نے کہا: یارسول اللہ! ہمارے آباء اور ہماری امہات آپ پر فدا ہوں، ہمارے پاس آپ کے قتل ہونے کی خبر آئی تھی تو ہمارے دل مرعوب ہو گئے تھے سو ہم پیٹھ پھیر کر بھاگے، تب اللہ تعالیٰ نے بہ طورِ زجر و توبیخ کے یہ آیت نازل فرمائی:

لفظ ''محمد'' کی خصوصیات اور فضائل

''وَمَا مُحَمَّدٌ'': لفظِ محمد کا معنی ہے: جو تمام تعریفات اور تمام کمالات کا احاطہ کیے ہوئے ہیں یعنی جن کی تمام حامدین بار بار حمد کرتے ہیں اور کہا جاتا ہے: ''حُمِد فَهُوَ مُحَمَّدٌ''، سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نام محمد اس لیے ہے کہ آپ کی بہ کثرت حمد کرنے والوں نے حمد کی ہے۔ پس آپ اللہ عزوجل کے نزدیک محمود ہیں اور ملائکہ کے نزدیک محمود ہیں اور اپنے بھائی دیگر رسولوں کے نزدیک محمود ہیں اور تمام روئے زمین والوں کے نزدیک محمود ہیں اگرچہ بعض آپ کا کفر کرتے ہیں کیونکہ آپ میں جو صفاتِ کمال ہیں وہ ہر عقل والے کے نزدیک محمود ہیں، اور محمد وہ ہوتا ہے جس کی بار بار حمد کی جائے۔

لفظِ ''احمد'' کی خصوصیات اور فضائل

آپ کا دوسرا نام احمد ہے اور احمد وہ ہے جس نے اپنے رب کی تمام حامدین سے افضل حمد کی ہو، اور آپ وہ ہیں کہ تمام اہلِ دنیا اور تمام اہلِ آخرت اور تمام دنیا والے آپ کی حمد کرتے ہیں کیونکہ آپ میں ایسی خصالِ محمودہ ہیں کہ جن کا شمار کرنے والے شمار نہیں کرسکتے، اور آپ کے دو نام ہیں محمد اور احمد۔ آپ کے نامِ محمد کا تقاضا یہ ہے کہ آپ ساری کائنات کے نزدیک محمود ہیں اور آپ کے نام احمد کا تقاضا یہ ہے کہ آپ اپنے رب کی تمام حمد کرنے والوں سے زیادہ حمد کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان دو اسموں کے ساتھ مکرّم فرمایا ہے، حسان بن ثابت کا یہ شعر ہے:

الم تر ان اللہ ارسل عبدہٗ ببرھانہ واللہ اعلیٰ وامجد

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے اپنے عبدِ مکرم کو بھیجا اپنی برہان کے ساتھ اور اللہ بہت بلند اور بہت بزرگ ہے

وشق لہ من اسمہ لیجلّہٗ فذوالعرش محمود وھذا محمد

اور اللہ نے اپنے نام سے آپ کا نام بنایا ہے پس عرش والا محمود ہے اور یہ محمد ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب شریف

اور آپ کا نسب شریف اس طرح ہے: محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ھاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرّۃ بن کعب بن فھر بن مالک بن النضر بن کنانۃ بن خزیمۃ بن مدرکۃ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان بن آد بن ادد بن الیسع بن الھَمَیْسع بن سلامان بن نبت بن حمل بن قیدار بن اسماعیل بن ابراھیم الخلیل علیھما السلام بن تارح وھو آزر بن ناحور بن ساروع بن رعون بن فالغ بن عابر بن شالح بن قینان بن ارفخشد بن سام بن نوح علیھما السلام بن لامغ اور کہا جاتا ہے لامک بن متوشلح بن حنوخ اور وہ حضرت ادریس علیہ السلام ہیں بن یارد بن مھلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم علیھم السلام۔

آل عمران: ۱۴۴ کے جملوں کی تفسیر

''اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ'': یعنی آپ سے پہلے متعدد رسول وفات پا چکے ہیں، پس یہ رسول بھی فوت ہو جائیں گے جیسا کہ آپ سے پہلے رسول فوت ہو چکے ہیں۔

''اَفَاۡىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ'': یعنی اگر آپ فوت ہو گئے یا شہید کر دیئے گئے تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر پلٹ کر کافر ہو جاؤ گے؟ اس آیت میں ان کے ارتداد کا انکار فرمایا ہے۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ بے شک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے جیسا کہ آپ سے پہلے رسول تشریف لے جا چکے ہیں اور ان کے پیروکار باقی رکھے گئے ہیں جو اپنے دین پر استدلال کرتے تھے اور ان کے فوت ہونے کے بعد وہ اپنے دین سے پھرے نہیں۔

''وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا'': پس جو شخص اپنے دین سے پھر جائے تو اپنے ارتداد سے اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرر نہیں پہنچائے گا وہ خود اپنے آپ کو ضرر پہنچائے گا۔

''وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝'': یعنی اللہ تعالیٰ اُن مسلمانوں کی شکر گزاری کی جزا عطا فرمائے گا جو دینِ اسلام پر قائم رہے جیسا کہ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ۔ (فتح الرحمٰن فی تفسیر القرآن ج ۲ ص ۳۳۔۳۷، دار النوادر، لبنان، ۱۴۳۲ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور کوئی شخص اللہ کے حکم کے بغیر مر نہیں سکتا، سب کی مدتِ حیات لکھی ہوئی ہے، اور جو دنیا میں معاوضہ چاہے گا تو ہم اس کو دنیا میں سے معاوضہ عطا فرمائیں گے، اور جو آخرت کا اجر چاہے گا تو ہم اس کو آخرت میں سے اجر عطاء فرمائیں گے، اور ہم عنقریب شکر ادا کرنے والوں کو نیک جزا عطاء فرمائیں گے ۝'' (آل عمران: ۱۴۵)

علامہ ابوالمظفر السمعانی الشافعی المتوفی ۴۲۶ھ آل عمران: ۱۴۵ تا ۱۴۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ'': اس آیت کا معنی ہے کہ کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی قضاء وقدر کے بغیر نہیں مر سکتا، یعنی اللہ تعالیٰ نے جس شخص کی جتنی حیات مقدر فرمائی ہے وہ صرف اتنی ہی حیات گزار سکتا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کی نیت اجرِ آخرت کو طلب کرنا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو دنیا سے مستغنی فرما دیتا ہے اور اسے دنیا دی جاتی ہے اور وہ اُس سے اعراض کرتا ہے اور جس شخص کی نیت آخرت کو طلب کرنا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان فقر کو لکھ دیتا ہے اور اس کے معاملات پریشان کُن فرما دیتا ہے اور اس کو وہی چیز ملتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے حق میں مقدر فرمایا ہو۔

(سنن ترمذی: ۲۴۶۵، ابن ابی الدنیا: ۳۵۴، الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۱۰۰، المعجم الاوسط للطبرانی: ۵۹۸۷، شعب الایمان للبیہقی: ۱۰۳۴۱)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اعمال کا مدار نیات پر ہے اور ہر شخص کو اس کے عمل کا وہی ثمرہ ملتا ہے جس کی اس نے نیت کی ہو، پس جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے اور جس کی ہجرت دنیا کی طرف ہو جس کو وہ پائے یا جس کی ہجرت کسی عورت کی طرف ہو جس سے وہ نکاح کرے

تو اس کی ہجرت اسی کی طرف شمار کی جائے گی جس کی طرف اس نے ہجرت کی نیت کی تھی۔

(صحیح البخاری: ۵۴، ۵۰۷۰، صحیح مسلم: ۱۹۰۷، سنن نسائی ج ص ۵۸، ج ۶ ص ۱۵۸، سنن بیہقی ج ۴ ص ۲۳۵، ج ۶ ص ۳۳۱، شرح السنہ: ۲۰۶، سنن ابوداؤد: ۲۲۰۱، مسند الحمیدی: ۲۸، مسند احمد: ۱۶۹، ج ۱ ص ۲۵، ابن الجارود فی المنتقی: ۶۴، سنن ابن ماجہ: ۴۲۲۷، سنن دارقطنی ج ۱ ص ۵۰، تاریخ بغداد ج ۴ ص ۲۴۴)

اس سوال کا جواب کہ کئی لوگ دنیا کی نعمتوں کی خواہش کرتے ہیں اور وہ ان کو نہیں ملتیں

''وَمَنۡ يُّرِدۡ ثَوَابَ الدُّنۡيَا نُؤۡتِهٖ مِنۡهَا'': اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کئی لوگ دنیا کو چاہتے ہیں اور اُن کو وہ دنیا نہیں دی جاتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اُن کے کفر یا اُن کے فسق کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے اُن سے دنیا کی چیزوں کو روک لیا۔

''وَمَنۡ يُّرِدۡ ثَوَابَ الۡاٰخِرَةِ نُؤۡتِهٖ مِنۡهَا'': اگر یہ سوال کیا جائے کیا صرف بندہ کے ارادہ کرنے سے اسے آخرت میں اجر و ثواب مل جاتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص آخرت کے اجر و ثواب کے حصول کے لیے اس کے مطابق عمل کرتا ہے تو اس کو اجر و ثواب ملتا ہے۔

''وَسَنَجۡزِى الشّٰكِرِيۡنَ ۝'': یعنی مومنین شکر گزار ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ نیک جزا عطا فرمائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ امام الشاکرین ہیں یعنی امام المومنین ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور کتنے نبیوں کے ساتھ (مل کر) بہت سے اللہ والوں نے قتال کیا، پس اللہ کی راہ میں اُن کو جو مصیبتیں پہنچیں وہ اُن کی وجہ سے قتال میں سست نہیں پڑے اور نہ وہ کمزور ہوئے اور نہ وہ (دشمن کے سامنے) دبے، اور اللہ صبر کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں ۝'' (آل عمران: ۱۴۶)

''وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوۡنَ كَثِيۡرٌ'': عکرمہ نے بیان کیا کہ اس آیت کا معنی ہے: کتنے نبی اللہ کی راہ میں شہید کئے گئے اور ان کے ساتھ اُن کے اصحاب بھی شہید کئے گئے۔

''فَمَا وَهَنُوۡا لِمَاۤ اَصَابَهُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ'':

حسن بصری نے کہا: کوئی نبی کبھی بھی کسی میدانِ کارزار میں لڑتے ہوئے شہید نہیں کیا گیا، اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کتنے ہی نبیوں کے ساتھ اُن کے اللہ والے پیروکار شہید کر دیئے گئے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ اللہ والے ہزاروں کی تعداد میں تھے، دوسرا قول ہے کہ وہ دس ہزار تھے، حسن بصری نے کہا: ''ربّیین'' سے مراد وہ علماء ہیں جو اللہ کے دین پر دائماً عمل کرتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ان کا صرف یہی کہنا تھا جو انہوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہمارے لیے ہمارے گناہوں کی مغفرت فرمادیں، اور ہمارے کاموں میں زیادتی کو بھی (معاف فرمادیں)، اور ہمیں ثابت قدم رکھیں اور کافروں کے خلاف ہماری مدد فرمائیں ۝'' (آل عمران: ۱۴۷)

صغائر اور کبائر دونوں قسم کے گناہوں کی مغفرت طلب کرنا

''رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا'': ہمارے صغیرہ گناہوں کو معاف فرمادے۔

''وَاِسْرَافَنَا فِیْٓ اَمْرِنَا'': ہمارے کبیرہ گناہوں کو معاف فرما دے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''سو اللہ نے اُن کو دنیا میں انعام عطا فرمایا اور آخرت کا عمدہ اجر عطا فرمایا، اور اللہ نیکوکاروں کو پسند فرماتے ہیں O'' (آل عمران: ۱۴۸)

''فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا'': یعنی اُن کو ان کے دشمنوں پر غلبہ اور فتح عطا فرمائی اور مالِ غنیمت عطا فرمایا۔

مومنین صالحین کی نیکیوں کا آخرت میں اجر و ثواب

''وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ'': آخرت میں اللہ تعالیٰ اُن کو جو اجر و ثواب عطا فرمائیں گے، اس کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اُن کے اصحاب کو موتیوں اور یاقوتوں کے خیموں میں ٹھہرائیں گے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کو ان کے اعمال پر نیک جزا عطا فرمائیں گے اور اپنے فضل سے اُن کی جزا میں اضافہ فرمائیں گے۔

(تفسیر القرآن للسمعانی ج ۱ ص ۳۶۴۔ ۳۶۵، دار الوطن، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

اے ایمان والو! اگر تم کافروں کا کہا مانو گے تو وہ تم کو تمہاری ایڑیوں پر پھیر کر (مرتد کر دیں گے)، پس تم بہت بڑے نقصان میں مبتلاء ہو جاؤ گے O

بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾

(یہ کفار تمہارے مددگار نہیں ہیں) بلکہ اللہ ہی تمہارے مددگار ہیں، اور وہ سب سے بہتر مدد فرمانے والے ہیں O

سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾

عنقریب ہم کفار کے دلوں میں تمہاری دہشت بٹھا دیں گے کیونکہ انہوں نے اللہ کے ساتھ شرک کو اختیار کیا جس کی اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی، اور ان کافروں کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ ظالموں کا بہت برا ٹھکانا ہے O

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ

لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۗ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾

اور اللہ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جب تم اس کے حکم سے کافروں کو قتل کر رہے تھے، حتیٰ کہ جب تم نے ہمت ہار دی اور اس معاملے میں تم نے باہم اختلاف کیا اور رسول کی نافرمانی کی جب کہ اللہ تمہیں تمہاری پسندیدہ چیز (مالِ غنیمت) دکھا چکے تھے اور تم میں سے بعض مسلمان دنیا کو طلب کر رہے تھے اور تم میں سے دوسرے مسلمان آخرت کا ارادہ کر رہے تھے، پھر اللہ نے تم کو ان کافروں سے پھیر دیا تا کہ اللہ تمہیں آزمائش میں مبتلاء فرمائیں، اور بے شک اللہ نے تمہاری اس لغزش کو معاف فرما دیا، اور اللہ ایمان والوں پر بہت فضل فرمانے والے ہیںO

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

(اور اے مسلمانو! یاد کرو:) جب تم بھاگتے چلے جا رہے تھے اور پیٹھ موڑ کر کسی کو نہیں دیکھ رہے تھے اور تمہاری پچھلی جماعت میں سے رسول تم کو پکار پکار کر بلا رہے تھے، پس اللہ نے تمہیں غم بالائے غم میں مبتلاء فرمایا (اور تم کو تمہاری لغزش پر معافی کی نوید سنائی) تا کہ تمہارے ہاتھ سے جو مالِ غنیمت جا تا رہا ہے تم اس پر افسوس نہ کرو اور تم کو جو زخم پہنچے ہیں ان پر ملال نہ کرو اور اللہ تمہارے تمام کاموں کی خبر رکھنے والے ہیںO

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۗ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۗ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۗ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ۗ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۗ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾

پھر اللہ نے تمہارے اس رنج اور افسوس کے بعد تمہاری ایک جماعت کے اوپر نیند کے ذریعہ تسکین اور تسلی نازل فرمائی اور تم میں (منافقوں کا) ایک گروہ تھا جو اپنی جانوں کے غم میں اللہ کے ساتھ زمانہ جاہلیت کی طرح ناحق بدگمانی کر رہا تھا، وہ (منافقین) کہہ رہے تھے: کیا اس جہاد میں ہماری بھی کوئی منفعت تھی؟ آپ کہیے: بے شک تمام امور اللہ ہی کے اختیار میں ہیں، وہ اپنے دلوں میں اُن باتوں کو چھپا رہے تھے جو آپ پر ظاہر نہیں کر رہے تھے، وہ کہہ رہے تھے: کاش! اس معاملہ میں ہمارا کوئی اختیار ہوتا

تو ہم یہاں پر قتل نہ کیے جاتے، آپ کہیے: اگر تم اپنے گھروں میں (بھی) ہوتے تو جن لوگوں کا مقتول ہونا مقدر کیا جا چکا تھا وہ اپنی قتل گاہوں کی طرف ضرور نکل آتے، اور یہ اس لیے ہوا کہ اللہ تمہارے دلوں کی باتوں کو آزمائیں اور تمہارے دلوں سے شیطانی وسوسوں کو دور فرما دیں، اور اللہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والے ہیں O

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾

بے شک جو لوگ تم میں سے اس دن پھر گئے تھے جس دن دو فوجیں بالمقابل ہوئی تھیں، بے شک ان کے بعض کرتوتوں کی وجہ سے شیطان نے ان کے قدم پھسلا دیے تھے، اور بے شک اللہ نے ان لوگوں کو معاف فرما دیا، یقیناً اللہ بہت بخشنے والے اور (گرفت فرمانے میں) بے حد حلم والے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! اگر تم کافروں کا کہا مانو گے تو وہ تم کو تمہاری ایڑیوں پر پھیر کر (مُرتد کر دیں گے)، پس تم بہت بڑے نقصان میں مبتلاء ہو جاؤ گے O (یہ کفار تمہارے مددگار نہیں ہیں) بلکہ اللہ ہی تمہارے مددگار ہیں، اور وہ سب سے بہتر مدد فرمانے والے ہیں O'' (آل عمران: ۱۴۹-۱۵۰)

امام ابواللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، آل عمران: ۱۴۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا'': یعنی اگر تم نے منافقین کا کہا مانا تو وہ تم کو تمہاری ایڑیوں پر لوٹا کر تمہیں مرتد کر دیں گے، پس تم نقصان زدہ ہو جاؤ گے۔

''بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ'': یعنی تم اللہ کے حکم کی اطاعت کرو وہی تمہارا ولی اور کارساز ہے اور تمہارا مددگار ہے اور وہی تم کو کفارِ مکہ سے بچانے والا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''عنقریب ہم کفار کے دلوں میں تمہاری دہشت بٹھا دیں گے کیونکہ انہوں نے اللہ کے ساتھ شرک کو اختیار کیا جس کی اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی، اور ان کافروں کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ ظالموں کا بہت برا ٹھکانا ہے O'' (آل عمران: ۱۵۱)

''سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ'': یعنی ہم مشرکین کے دلوں میں تمہاری ہیبت اور دہشت ڈال دیں گے اور مسلمانوں کے شکست کھانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے کفارِ مکہ کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب اور ان کی دہشت ڈال دی، پس وہ مکہ کی طرف لوٹ کر بھاگ گئے۔ اور کہا جاتا ہے کہ جب خالد بن الولید پہاڑ پر چڑھ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ ہلاک کرنے کا قصد کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اور خالد بن ولید شکست کھاتا ہوا لوٹا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اللہ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جب تم اس کے حکم سے کافروں کو قتل کر رہے

تھے، حتیٰ کہ جب تم نے ہمت ہار دی اور اس معاملے میں تم نے باہم اختلاف کیا اور رسول کی نافرمانی کی جب کہ اللہ تمہیں تمہاری پسندیدہ چیز (مالِ غنیمت) دکھا چکے تھے اور تم میں سے بعض مسلمان دنیا کو طلب کر رہے تھے اور تم میں سے دوسرے مسلمان آخرت کا ارادہ کر رہے تھے، پھر اللہ نے تم کو ان کافروں سے پھیر دیا تا کہ اللہ تمہیں آزمائش میں مبتلاء فرمائیں، اور بے شک اللہ نے تمہاری اس لغزش کو معاف فرما دیا، اور اللہ ایمان والوں پر بہت فضل فرمانے والے ہیں O (اور اے مسلمانو! یاد کرو:) جب تم بھاگتے چلے جا رہے تھے اور پیٹھ موڑ کر کسی کو نہیں دیکھ رہے تھے اور تمہاری پچھلی جماعت میں سے رسول تم کو پکار پکار کر بلا رہے تھے، پس اللہ نے تمہیں غم بالائے غم میں مبتلاء فرمایا (اور تم کو تمہاری لغزش پر معافی کی نوید سنائی) تا کہ تمہارے ہاتھ سے جو مالِ غنیمت جاتا رہا ہے تم اس پر افسوس نہ کرو اور تم کو جو زخم پہنچے ہیں ان پر ملال نہ کرو اور اللہ تمہارے تمام کاموں کی خبر رکھنے والے ہیں O پھر اللہ نے تمہارے اس رنج اور افسوس کے بعد تمہاری ایک جماعت کے اوپر نیند کے ذریعہ تسکین اور تسلی نازل فرمائی اور تم میں (منافقوں کا) ایک گروہ تھا جو اپنی جانوں کے غم میں اللہ کے ساتھ زمانۂ جاہلیت کی طرح ناحق بدگمانی کر رہا تھا، وہ (منافقین) کہہ رہے تھے: کیا اس جہاد میں ہماری بھی کوئی منفعت تھی؟ آپ کہیے: بے شک تمام امور اللہ ہی کے اختیار میں ہیں، وہ اپنے دلوں میں اُن باتوں کو چھپا رہے تھے جو آپ پر ظاہر نہیں کر رہے تھے، وہ کہہ رہے تھے: کاش! اس معاملہ میں ہمارا کوئی اختیار ہوتا تو ہم یہاں پر قتل نہ کیے جاتے، آپ کہیے: اگر تم اپنے گھروں میں (بھی) ہوتے تو جن لوگوں کا مقتول ہونا مقدر کیا جا چکا تھا وہ اپنی قتل گاہوں کی طرف ضرور نکل آتے، اور یہ اس لیے ہوا کہ اللہ تمہارے دلوں کی باتوں کو آزمائیں اور تمہارے دلوں سے شیطانی وسوسوں کو دور فرما دیں، اور اللہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والے ہیں O" (آل عمران: ۱۵۲۔ ۱۵۳۔ ۱۵۴)

"وَ لَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ": اس کا قصہ یہ ہے کہ جب جنگ شروع ہوئی تو مشرکین شکست کھا گئے، پس جب بعض مسلمانوں نے شکست خوردہ مشرکین کے مال کو لوٹنا شروع کر دیا تو جن مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد پہاڑ کی ایک گھاٹی پر کھڑا کیا تھا اور فرمایا تھا: تم کسی حال میں بھی اس جگہ کو نہ چھوڑنا، جب انہوں نے دوسرے مسلمانوں کو مالِ غنیمت لوٹتے ہوئے دیکھا تو وہ اس جگہ کو چھوڑ کر مالِ غنیمت لوٹنے والوں میں شامل ہو گئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "وَ لَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ....."۔

"اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ": القتبی نے کہا: تم مشرکین کو قتل کر کے جڑ سے اکھاڑ رہے تھے۔

''حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَ تَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ'': یعنی جب تم اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرنے سے ہمت ہار بیٹھے اور تم نے باہم اختلاف کیا۔

''وَ عَصَیْتُمْ'': اور تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی نافرمانی کی۔ ''مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ'': یعنی تم نے یہ نافرمانی اس وقت کی جب اس سے پہلے اللہ تعالیٰ تمہیں یہ بتا چکے تھے کہ تم دشمن پر غلبہ حاصل کرو گے اور مشرکین شکست کھا جائیں گے اور تم کو مالِ غنیمت لوٹنے کا موقع ملے گا۔

''مِنْكُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الدُّنْیَا'': یعنی تم میں سے بعض مسلمان مالِ غنیمت کو طلب کر رہے تھے ''وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الْاٰخِرَةَ'' اور تم میں سے بعض دوسرے مسلمان آخرت کا ارادہ کر رہے تھے، اور یہ وہ لوگ تھے جو مشرکین کے مقابلہ میں ثابت قدم رہے حتیٰ کہ شہید کر دیئے گئے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے تھے کہ ہم میں سے کوئی متاعِ دنیا کا ارادہ کر رہا تھا حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی، تب ہمیں علم ہوا کہ ہم میں سے بعض لوگ متاعِ دنیا کا ارادہ کرنے والے تھے۔

''ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ'': پھر اللہ تعالیٰ نے تم کو مشرکین سے دور کر دیا، یعنی وہ تمہارے شکست خوردہ ہونے کے باوجود تم سے دور چلے گئے۔ ''لِیَبْتَلِیَكُمْ'' تاکہ اللہ تعالیٰ تم کو رسول کی نافرمانی کی وجہ سے قتل اور شکست میں مبتلاء فرمائیں۔

''وَ لَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ'': پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری لغزش کو معاف فرما دیا اور تم نے جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نافرمانی کر کے شکست کھائی تھی اس پر تم کو کوئی سزا نہیں دی جس کے نتیجہ میں تم سب کو قتل کر دیا جاتا۔

''وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ'': یعنی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اپنے فضل سے اور اپنے انعام سے معاف فرما دیتے ہیں۔

''اِذْ تُصْعِدُوْنَ'': یعنی جب تم دشمن سے شکست کھا کر بھاگتے ہوئے پہاڑ پر چڑھ رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو پکار کر بلا رہے تھے اور فرما رہے تھے: اے مسلمانوں کی جماعت! میں اللہ کا رسول ہوں اور آپ کے بلانے کی طرف کسی نے توجہ نہیں دی حتیٰ کہ یہ شکست خوردہ مسلمان پہاڑ پر چڑھ گئے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اِذْ تُصْعِدُوْنَ...''

''وَ لَا تَلْوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ'': یعنی تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں ٹھہرے تھے اور نہ تم ایک دوسرے کے پاس ٹھہرے تھے۔

''وَّ الرَّسُوْلُ یَدْعُوْكُمْ فِیْۤ اُخْرٰىكُمْ'': یعنی رسول پیچھے سے تم کو پکار رہے تھے۔

''فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ'': یعنی تمہاری جزا یہ تھی کہ تم پر ایک غم کے بعد متصل دوسرا غم آیا، پہلا غم یہ تھا کہ جس درّے کو تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کر کے خالی چھوڑ دیا تھا اور اُس درّے سے خالد بن ولید مشرکین کے گھوڑوں کے ساتھ اس پہاڑ سے تم پر حملہ آور ہوئے، یہ الکلبی کا قول ہے اور مقاتل نے کہا ہے کہ پہلا غم یہ تھا کہ انہیں فتح حاصل نہیں ہوئی اور مالِ غنیمت نہیں مل سکا اور مسلمان آپس میں اس غم کا تذکرہ کرتے تھے، اور دوسرا غم یہ تھا کہ خالد بن ولید نے اُن پر چڑھائی کی اور ان کو خوف زدہ کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں سے اس غم کو مٹا دیا۔

''لِّكَیْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ'': یعنی اُن کو فتح حاصل نہیں ہوئی اور مالِ غنیمت نہیں مل سکا، ان سے اس کا افسوس جاتا رہے۔

''وَ لَا مَاۤ اَصَابَكُمْ'': یعنی انہیں مسلمانوں کے مقتول ہونے اور شکست ہونے کی مصیبت پہنچی تھی، اس پر جو ملال تھا وہ جاتا رہے، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پہلا غم مسلمانوں کا زخمی ہونا اور قتل ہونا تھا اور دوسرا غم یہ تھا کہ انہوں نے یہ سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قتل

کر دیئے گئے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں سے پہلے غم کو مٹا دیا۔

''وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ'': یعنی تمہارے کاموں میں سے کوئی کام اللہ پر مخفی نہیں ہے۔

''ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا'': الکلبی نے کہا ہے: جب کوئی قوم بے خوف ہوتی ہے تو اسے نیند آجاتی ہے اور الضحاک نے کہا کہ جنگ کے وقت اونگھ اور نیند کا آجانا بے خوفی ہے۔

''يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ'': یعنی تم میں سے ایک جماعت کے اوپر اللہ تعالیٰ نے اونگھ اور نیند طاری فرمادی، اور یہ تم میں سے وہ جماعت تھی جو صادق تھی۔

''وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ'': یعنی دوسری جماعت جو منافقین تھے، وہ اللہ کے ساتھ زمانہ جاہلیت کی طرح بدگمانی کر رہے تھے اور وہ یہ گمان کر رہے تھے کہ اللہ، محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ان کے اصحاب کی کبھی بھی مدد نہیں فرمائے گا۔

''ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ'': مقاتل نے کہا: ان کی یہ بدگمانی مشرکین میں سے ابوسفیان اور ان کے اصحاب کی تھی۔

''يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ'': وہ کہہ رہے تھے: کاش! اس جنگ میں ہمیں فتح یا مدد حاصل ہو۔

''قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ'': یعنی مدد کا حصول اور مالِ غنیمت سب اللہ کے اختیار میں ہے۔

''يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ'': یعنی وہ اپنے دلوں میں ایسی باتیں سوچ رہے تھے جن کا وہ آپ کے سامنے اظہار نہیں کرتے تھے۔

''يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا'': یعنی وہ یہ کہہ رہے تھے کہ اگر ہمارا دین برحق ہوتا تو ہم اس جگہ نہ مارے جاتے، الکلبی نے کہا: اس آیت میں تقدیم اور تاخیر ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ وہ منافقین یہ کہہ رہے تھے کہ کاش! اس معاملہ میں ہمارا کوئی اختیار ہوتا، وہ اپنے دلوں میں اس بات کو چھپا رہے تھے جس کا آپ کے سامنے اظہار نہیں کرتے تھے اور وہ کہتے تھے کہ اگر ہمارا کوئی اختیار ہوتا تو ہم اس جگہ پر قتل نہ کیے جاتے، آپ کہیے: تمام امور اللہ عزوجل کے اختیار میں ہیں، یعنی فتح ہو یا شکست ہو سب اللہ کے اختیار میں ہیں۔

''قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ'': یعنی آپ کہیے کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن کے متعلق مقتول ہونا مقدر ہو چکا ہے وہ ضرور اپنی قتل گاہوں کی طرف دوڑے آتے حتیٰ کہ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کی قضاء نافذ ہو جاتی۔

''وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ'': یعنی اللہ تعالیٰ نے اُن کی آزمائش کی اور جو کچھ ان کے دلوں میں تھا اس کو ظاہر فرما دیا۔

''وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ'': یعنی تم میں سے منافقین کے دلوں میں جو کفر ہے اور جو نافرمانیاں ہیں ان کو اللہ تعالیٰ ظاہر فرما دے۔

''وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ'': یعنی دلوں میں جو کچھ بھی خیر اور شر ہے، اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر فرمانے والا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک جو لوگ تم میں سے اس دن پھر گئے تھے جس دن دو فوجیں بالمقابل ہوئی

تھیں، بے شک ان کے بعض کرتوتوں کی وجہ سے شیطان نے ان کے قدم پھسلا دیے تھے، اور بے شک اللہ نے ان لوگوں کو معاف فرما دیا، یقیناً اللہ بہت بخشنے والے اور (گرفت فرمانے میں) بے حد حلم والے ہیںO" (آل عمران: ۱۵۵)

پھر شکست خوردہ مسلمانوں کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی:

"اِنَّ الَّذِیۡنَ تَوَلَّوۡا مِنۡکُمۡ یَوۡمَ الۡتَقَی الۡجَمۡعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسۡتَزَلَّہُمُ الشَّیۡطٰنُ بِبَعۡضِ مَا کَسَبُوۡا": جس دن دو فوجیں بالمقابل ہوئیں اس دن تم میں سے جو لوگ الگ ہو گئے تھے، یہ وہ لوگ تھے جن کو شیطان نے ان کے بعض کرتوتوں کی وجہ سے لغزش میں مبتلاء کر دیا تھا، یعنی اس دن ان لوگوں پر جو آفت آئی وہ ان کے اپنے اعمال کی وجہ سے تھی جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے: "وَمَاۤ اَصَابَکُمۡ مِّنۡ مُّصِیۡبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتۡ اَیۡدِیۡکُمۡ وَیَعۡفُوۡا عَنۡ کَثِیۡرٍ ۞ ... (الشوریٰ: ۳۰)" (اور تم پر جو مصیبت آئی ہے سو وہ تمہارے ہی ہاتھوں کی کمائی کے سبب سے آئی ہے اور تمہاری بہت سی خطاؤں کو تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں)۔

"وَلَقَدۡ عَفَا اللّٰہُ عَنۡہُمۡ": پھر اللہ نے ان مسلمانوں کو معاف فرما دیا کہ ان کو جڑ سے نہیں اکھاڑا۔

"اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ حَلِیۡمٌ ۞": بے شک اللہ تمام گناہوں کو معاف فرمانے والے ہیں اور فوراً سزا نہیں دیتے۔

غیلان بن جریر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے درمیان مباحثہ ہوا، پس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے حضرت عبدالرحمٰن نے کہا: آپ مجھے ملامت کر رہے ہیں حالانکہ میں غزوۂ بدر میں حاضر تھا اور آپ غزوۂ بدر میں حاضر نہیں تھے اور میں نے درخت کے نیچے بیعتِ رضوان کی تھی اور آپ نے بیعت نہیں کی تھی اور آپ ان لوگوں میں سے تھے جب دو فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو آپ بھاگ گئے تھے یعنی اُحد کے دن، تب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو جواب دیا۔ رہا تمہارا یہ کہنا کہ آپ بدر میں حاضر نہیں تھے اور میں بدر میں حاضر تھا تو میں کسی اس مقام سے غائب نہیں ہوا جس مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود تھے مگر بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی بیمار تھیں اور میں ان کے پاس ان کی تیمارداری کر رہا تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا بدر کے مجاہدین میں شمار فرمایا اور مسلمانوں کو جو بدر کے مالِ غنیمت میں سے حصے عطا فرمائے تھے تو مجھے بھی حصہ عطا فرمایا۔ رہا تمہارا کہنا کہ میں درخت کے نیچے بیعت کے موقع پر حاضر نہیں تھا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین کے ساتھ بات کرنے کے لیے مکہ بھیجا تھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا اور فرمایا: یہ عثمان کی طرف سے بیعت ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دایاں ہاتھ میرے دائیں ہاتھ اور بائیں ہاتھ سے افضل تھا۔ اور تمہارا یہ کہنا کہ غزوۂ احد میں جب دو جماعتیں بالمقابل ہوئیں تو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اِنَّ الَّذِیۡنَ تَوَلَّوۡا مِنۡکُمۡ یَوۡمَ الۡتَقَی الۡجَمۡعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسۡتَزَلَّہُمُ الشَّیۡطٰنُ بِبَعۡضِ مَا کَسَبُوۡا ۚ وَلَقَدۡ عَفَا اللّٰہُ عَنۡہُمۡ ... (آل عمران: ۱۵۵)" (بے شک جو لوگ تم میں سے اس دن پھر گئے تھے جس دن دو فوجیں بالمقابل ہوئی تھیں، بے شک ان کے بعض کرتوتوں کی وجہ سے شیطان نے ان کے قدم پھسلا دیے تھے، اور بے شک اللہ نے ان لوگوں کو معاف فرما دیا)، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں ان لوگوں میں سے تھا جن کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ پر مناظرہ میں غالب آ گئے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۰۱، رقم الحدیث: ۵۷۷۲، مسند ابوداؤد الطیالسی: ۱۹۵۸، صحیح البخاری: ۳۶۹۸، ۳۱۳۰، سنن ترمذی: ۳۷۰۶، امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے، صحیح البخاری: ۴۰۶۶، سنن ابوداؤد: ۲۷۲۶، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۲۵، المستدرک للحاکم ج ۳ ص ۹۸، تہذیب الکمال ج ۵ ص ۴۰۳)
تنبیہ: بعض کتب حدیث میں یہ روایت تفصیل سے ذکر کی گئی ہے اور بعض کتب حدیث میں اختصار سے روایت کی گئی ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِی الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَ مَا قُتِلُوْا ۚ لِیَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۱۵۶﴾

اے ایمان والو! ان کافروں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے بھائیوں سے اس وقت کہا جب انہوں نے زمین میں سفر کیا یا وہ کسی جنگ میں گئے (اور مر گئے) کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ قتل کیے جاتے، تاکہ اللہ ان کی اس بات کو ان کے دلوں میں حسرت (کا سبب) بنا دیں، اور اللہ ہی زندگی پر برقرار رکھتے ہیں اور وہی مارتے ہیں اور اللہ تمہارے تمام کاموں کو خوب دیکھنے والے ہیں ○

وَ لَئِنْ قُتِلْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَحْمَةٌ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

اور اگر تم اللہ کی راہ میں قتل کیے جاؤ یا تمہیں (طبعی) موت آ جائے (تو) اللہ کی طرف سے مغفرت اور رحمت ضرور اُن چیزوں سے بہتر ہے جن کو تم جمع کر رہے ہو ○

وَ لَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

اور اگر تمہیں (طبعی) موت آ جائے یا تم (اللہ کی راہ میں) قتل کیے جاؤ (تو) تم ضرور اللہ کی طرف جمع کیے جاؤ گے ○

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۪ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَ شَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِیْنَ ﴿۱۵۹﴾

(اے رسولِ اکرم!) سو آپ اللہ کی رحمت سے ایمان والوں کے لیے نرم دل ہو گئے ہیں، اور اگر آپ بد مزاج اور سخت دل ہوتے تو ضرور یہ لوگ آپ کے پاس سے بھاگ جاتے، سو آپ ان کو معاف کر دیں اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کیجئے اور آپ اپنے اہم کاموں میں ان سے مشورہ کر لیا کریں، اور جب آپ کسی کام کا عزمِ مصمم کر لیں تو اللہ پر توکل کریں، بے شک اللہ توکل کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں ○

إِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَإِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

(اے مسلمانو!) اگر اللہ تمہاری مدد فرمائیں تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا، اور اگر وہ تم کو بے سہارا چھوڑ دیں تو پھر اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کو آسکے، اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے ○

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَّغُلَّ ۗ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾

اور کسی نبی کے لیے خیانت کرنا جائز نہیں ہے، اور جو خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن خیانت کی ہوئی چیز کو لے کر آئے گا، پھر ہر شخص کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہیں فرمایا جائے گا ○

أَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَأْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۗ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۲﴾

جس شخص نے اللہ کی رضا کی پیروی کی کیا وہ اس شخص کی مثل ہو سکتا ہے جو اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹا، اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ کیسا برا ٹھکانا ہے ○

هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾

وہ اللہ کے نزدیک مختلف درجات والے ہیں، اور اللہ اُن کے تمام کاموں کو خوب دیکھنے والے ہیں ○

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾

بے شک اللہ نے مومنوں پر احسانِ عظیم فرمایا جب اس نے اُن میں ان ہی میں سے عظیم رسول بھیج دیا جو اُن پر اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں اور اُن کے باطن کو صاف کرتے ہیں اور اُن کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں اور بے شک وہ اس سے پہلے ضرور کھلی ہوئی گمراہی میں تھے ○

أَوَلَمَّآ أَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ أَنّٰى هٰذَا ۗ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ ۗ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۶۵﴾

کیا جب تمہیں کوئی مصیبت پہنچی جب کہ اس سے دگنی مصیبت تم انہیں پہنچا چکے تھے (پھر بھی) تم نے کہا کہ یہ مصیبت کہاں سے آئی؟ آپ کہیے: یہ مصیبت تمہاری جانوں کی طرف سے آئی ہے، بے شک اللہ جو چاہیں اس پر قادر ہیں O

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۶۶﴾

جس دن دونوں لشکر صف آراء ہوئے اس دن تم پر جو مصیبت آئی سو وہ اللہ کے حکم سے تھی اور اس لیے کہ اللہ مومنوں کو (کافروں سے) ممتاز فرمادیں O

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ ج

اور تا کہ اللہ (مومنین کو) منافقین سے الگ فرمادیں، اور اُن سے کہا گیا: آؤ اللہ کی راہ میں قتال کرو یا (دشمنوں سے) مدافعت کرو، انہوں نے کہا: اگر ہم یہ جانتے کہ لڑائی ہوگی تو ہم ضرور تمہارے ساتھ جاتے، وہ اس دن ایمان کی بہ نسبت کفر سے زیادہ قریب تھے، وہ اپنی زبانوں سے وہ بات کہہ رہے تھے جو اُن کے دلوں میں نہیں تھی، اور اللہ اُس بات کو زیادہ جاننے والے ہیں جس کو وہ چھپاتے تھے O

اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶۸﴾

وہ منافقین جو خود لڑائی میں شریک ہونے سے بیٹھے رہے اور انہوں نے لڑائی میں شہید ہونے والے مسلمانوں کے متعلق کہا کہ اگر یہ لوگ ہماری بات مان لیتے تو قتل نہ کیے جاتے، آپ کہیے: سو تم اپنی جانوں سے موت کو دور کرو اگر تم سچے ہو O

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ لا

اور (اے مسلمانو!) جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ہیں ان کو ہرگز مردہ گمان نہ کرو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور ان کو رزق عطا فرمایا جاتا ہے O

فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ

مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

اللہ نے اپنے فضل سے اُن کو جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں وہ اس پر خوش ہوتے ہیں، اور جو لوگ اُن کے پیچھے ہیں اور ابھی اُن سے واصل نہیں ہوئے وہ اُن کے متعلق اس بشارت کو پا کر خوش ہوتے ہیں کہ ان پر بھی نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے O

يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾

وہ اللہ کے فضل سے حاصل شدہ نعمتوں پر خوش ہوتے ہیں اور بے شک اللہ ایمان والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! ان کافروں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے بھائیوں سے اس وقت کہا جب انہوں نے زمین میں سفر کیا یا وہ کسی جنگ میں گئے (اور مر گئے) کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ قتل کیے جاتے، تا کہ اللہ ان کی اس بات کو ان کے دلوں میں حسرت (کا سبب) بنا دے، اور اللہ ہی زندگی پر برقرار رکھتے ہیں اور وہی مارتے ہیں اور اللہ تمہارے تمام کاموں کو خوب دیکھنے والے ہیں O''
(آل عمران: ۱۵۶)

اُحد کے دن منافقوں کی مذمت میں نازل کی ہوئی آیات

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی المتوفی ۷۱۰ھ، آل عمران: ۱۵۶ تا ۱۷۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا'': یعنی عبداللہ بن اُبی اور اس کے منافق اصحاب کی طرح نہ ہو جانا۔

''وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ'': انہوں نے اپنے نسبی بھائیوں کے متعلق کہا، یا اُن کے متعلق کہا جو اُن کی طرح منافق تھے۔

''اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى'': جب وہ لوگ تجارت یا کسی اور غرض سے سفر کرتے یا وہ کسی جنگ میں شریک ہوتے اور اُن پر طبعی موت آ جاتی یا وہ قتل کر دیے جاتے تو وہ اُن کے متعلق یہ کہتے:

''لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا'': کہ اگر یہ لوگ ہمارے پاس ہوتے تو نہ ان کو طبعی موت آتی اور نہ یہ قتل کیے جاتے، یعنی تم اُن لوگوں کی مثل نہ ہو جانا جن لوگوں نے اس طرح کہا، اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے اس قول یا اُن کے اس اعتقاد کو خصوصاً اُن کے دلوں میں حسرت بنا دیا، یا اُن کی خواہش پوری نہ ہونے پر اُن کے لیے باعثِ ندامت بنا دیا۔

''وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ'': اللہ تعالیٰ اُن کے اس قول کا رد فرماتے ہیں جو اُن کا قول تھا کہ لڑائی میں شریک ہونے سے یا سفر میں جانے سے مقرر شدہ حیات منقطع ہو جاتی ہے، یعنی حیات اور موت اللہ ہی کے اختیار میں ہے، کبھی سفر کرنے والا زندہ رہتا ہے اور لڑائی میں شریک ہونے والا زندہ رہتا ہے اور جو سفر پر نہ جائے اور جو لڑائی میں شریک نہ ہو وہ مر جاتا ہے۔

''وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۵۶﴾'': اللہ تمہارے تمام کاموں کو دیکھنے والے ہیں، سو وہ تمہارے کاموں کے مطابق تم کو جزا عطا فرمائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اگر تم اللہ کی راہ میں قتل کیے جاؤ یا تمہیں (طبعی) موت آجائے (تو) اللہ کی طرف سے مغفرت اور رحمت ضرور اُن چیزوں سے بہتر ہے جن کو تم جمع کر رہے ہو O'' (آل عمران: ۱۵۷)

''وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ اَوْ مُتُّمْ'': یعنی ہر صورت میں اور ہر تقدیر پر۔

''لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللهِ وَرَحْمَةٌ'': اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت اور اس کی رحمت اُن کی جمع کی ہوئی چیزوں سے بہت زیادہ بہتر ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اگر تمہیں (طبعی) موت آجائے یا تم (اللہ کی راہ میں) قتل کیے جاؤ (تو) تم ضرور اللہ کی طرف جمع کیے جاؤ گے O'' (آل عمران: ۱۵۸)

''وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللهِ تُحْشَرُوْنَ ۝'': یعنی تم ضرور وسیع رحمت والے کی طرف جمع کیے جاؤ گے جو عظیم ثواب عطا فرماتے ہیں، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کے اس زعم کی تکذیب فرمائی ہے کہ اُن کے ہم عقیدہ بھائیوں میں سے جس نے سفر کیا یا لڑائی میں شریک ہوا تو وہ مر گیا، اور اگر وہ سفر نہ کرتا اور اُن کے ساتھ مدینہ میں رہتا یا لڑائی میں شریک نہ ہوتا تو نہ مرتا، اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس عقیدہ سے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ عقیدہ جہاد میں شریک نہ ہونے کا سبب ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم جس ہلاکت سے ڈرتے تھے یا اللہ کی راہ میں قتل کیے جانے سے ڈرتے تھے تو اللہ کی راہ میں لڑنے سے جو موت آجائے اور اُس کی وجہ سے جو اللہ کی مغفرت اور رحمت حاصل ہو وہ اُس سے بہتر ہے جو تم دنیا کا مال جمع کرتے ہو، کیونکہ دنیا تو آخرت کے لیے زادِ سفر ہے اور جب بندہ اپنی مراد کو ویسے ہی پہنچ جائے تو پھر اس کو زادِ سفر کی ضرورت نہیں ہوتی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) سو آپ اللہ کی رحمت سے ایمان والوں کے لیے نرم دل ہو گئے ہیں، اور اگر آپ بدمزاج اور سخت دل ہوتے تو ضرور یہ لوگ آپ کے پاس سے بھاگ جاتے، سو آپ ان کو معاف کر دیں اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کیجئے اور آپ اپنے اہم کاموں میں ان سے مشورہ کر لیا کریں، اور جب آپ کسی کام کا عزمِ مصمم کر لیں تو اللہ پر توکل کریں، بے شک اللہ توکل کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں O'' (آل عمران: ۱۵۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نرم دل ہونا

''فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ'': اس آیت میں لفظ ''مَا'' تاکید کے لیے زیادہ کیا گیا ہے اور اس میں یہ دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو مسلمانوں پر رحم دل ہیں تو اس لیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مسلمانوں کے لیے نرم دل بنا دیا ہے۔

''وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ'': یعنی اگر آپ بدمزاج اور سنگ دل ہوتے تو آپ کے پاس کوئی بھی کھڑا نہ رہتا۔

''فَاعْفُ عَنْهُمْ'': سو مسلمانوں سے غزوۂ اُحد کے دن جو غلطی ہو گئی اور وہ آپ کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے، ان کی اس

غلطی کو معاف فرمادیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی نرم دلی اور آپ کی سخاوت

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ جارہا تھا اور آپ کے اوپر نجرانی چادر تھی جس کا کنارا موٹا تھا، پس ایک دیہاتی نے آپ کو بلایا سو اس نے آپ کو آپ کی چادر کے ساتھ زور سے کھینچا حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے کندھے پر اس کے شدت سے کھینچنے کی وجہ سے چادر کے کنارے کا موٹا نشان پڑ گیا، پھر اس دیہاتی نے کہا: اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) آپ کے پاس جو اللہ کا مال ہے، اس مال میں سے آپ مجھے عطا کرنے کا حکم فرمایئے! رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کی طرف مڑ کر دیکھا، پھر آپ ہنسے، پھر آپ نے اس کے لیے چادر عطا کرنے کا حکم عطا فرمایا۔

(صحیح البخاری: ۵۸۰۹، صحیح مسلم: ۱۰۵۷، سنن ابن ماجہ: ۳۵۵۳، مسند احمد: ۱۲۱۳۹)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت ایک سیاہ چوکور چادر لے کر آئی، اس عورت نے کہا: یارسول اللہ! میں نے اس چادر کو اپنے ہاتھ سے بُنا ہے تاکہ آپ اس کو پہنیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے وہ چادر لے لی جب کہ آپ کو اس چادر کی ضرورت بھی تھی، پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور آپ نے اس چادر کو بہ طورِ تہبند باندھا ہوا تھا، پھر صحابہ میں سے ایک مرد نے اس چادر کو چھوا، پس کہا: یارسول اللہ! یہ چادر مجھے پہنا دیجئے، آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے، پھر آپ مجلس میں اتنی دیر بیٹھے جتنی دیر اللہ نے چاہا، پھر آپ واپس تشریف لے گئے، اس چادر کو لپیٹا اور اس مرد کی طرف بھیج دیا جس نے سوال کیا تھا، صحابہ نے اس مرد سے کہا: تم نے اچھا نہیں کیا، تم نے اس چادر کا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے سوال کیا اور تم کو معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کسی سائل کو رد نہیں فرماتے، اس مرد نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے اس چادر کا اس لیے سوال کیا تھا کہ جب میں مروں تو یہ چادر میرا کفن بن جائے، حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ پھر وہ چادر اس مرد کا کفن ہوگئی۔ (صحیح البخاری: ۵۸۱۰، سنن نسائی: ۵۳۲۱، سنن ابن ماجہ: ۳۵۵۵، مسند احمد: ۲۲۳۱۸)

''وَاسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ'': یعنی اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی میں جو اِن سے تقصیر ہوگئی اس پر اللہ سے ان کی مغفرت طلب کریں۔

مشورہ کا معنی اور اس کی فضیلت

''وَشَاوِرۡهُمۡ فِی الۡاَمۡرِ'': یعنی جنگ کے جن معاملات کے متعلق آپ پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی ہے اُن میں کوئی اقدام کرنے سے پہلے آپ اِن مسلمانوں سے مشورہ طلب فرمائیں، یہ اللہ تعالیٰ نے اُن مسلمانوں کے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے کے لیے اور اُن کو خوش کرنے کے لیے اور اُن کا بلند مرتبہ ظاہر کرنے کے لیے فرمایا، اور تاکہ اس مشورہ کرنے کے معاملہ میں آپ کی امت بھی آپ کی اقتداء کرے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے زیادہ کسی مرد کو مردوں سے مشورہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ (شرح السنہ: ۳۵۰۵، الانوار فی شمائل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم: ۲۰۷، مصنف عبدالرزاق: ۹۷۲۰، صحیح ابن حبان: ۴۸۷۲)

مشورہ کا معنی ہے: کسی معاملہ کے متعلق دوسروں کی رائے کے اظہار کو طلب کرنا۔

''فَاِذَا عَزَمۡتَ'': یعنی مشورہ کرنے کے بعد جب آپ کسی رائے پر عمل کرنے کا پختہ عزم کرلیں۔

''فَتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰهِ'': پھر آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد اور ہدایت پر توکل کریں نہ کہ مشورہ کے اوپر۔

''اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الۡمُتَوَکِّلِیۡنَ ۝۱۵۹'': توکل کا معنی ہے اللہ پر اعتماد کرنا اور معاملات کو اللہ پر چھوڑ دینا، اور ذوالنون نے کہا: توکل کا معنی ہے: ''خلع الارباب وقطع الاسباب'' یعنی دوستوں کی آراء کو چھوڑ نا اور اسباب سے منقطع ہو جانا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے مسلمانو!) اگر اللہ تمہاری مدد فرمائیں تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا، اور اگر وہ تم کو بے سہارا چھوڑ دیں تو پھر اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کو آسکے، اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے ○'' (آل عمران: ۱۶۰)

''اِنۡ یَّنۡصُرۡکُمُ اللّٰهُ'': یعنی جس طرح بدر کے دن اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد فرمائی تھی۔

''فَلَا غَالِبَ لَکُمۡ'': تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا، اور اللہ کی مدد اسی کو حاصل ہوتی ہے جو اپنی طاقت اور قوت سے بری ہو کر اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی مدد کے ساتھ اپنے آپ کو وابستہ رکھے۔

''وَاِنۡ یَّخۡذُلۡکُمۡ'': جس طرح اُحد کے دن اللہ تعالیٰ نے تم کو شکست سے دوچار فرمایا۔

''فَمَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَنۡصُرُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِهٖ'': یعنی جب اللہ تعالیٰ تم کو بے سہارا چھوڑ دیں اور تمہاری مدد نہ فرمائیں تو پھر کون ہے جو تمہاری مدد کو آسکے۔ اس میں یہ تنبیہ ہے کہ تمام معاملات اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہیں اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا واجب ہے۔

''وَعَلَی اللّٰهِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۝۱۶۰'': یعنی مومنین کو چاہیے کہ وہ خصوصیت سے اپنے رب پر توکل کریں اور تمام معاملات اس پر چھوڑ دیں اور یہ یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مددگار نہیں ہے، کیونکہ اُن کا اللہ پر ایمان اسی کا تقاضا کرتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور کسی نبی کے لیے خیانت کرنا جائز نہیں ہے، اور جو خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن خیانت کی ہوئی چیز کو لے کر آئے گا، پھر ہر شخص کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا ○'' (آل عمران: ۱۶۱)

خیانت کا معنی اور اس کی مذمت

''وَمَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنۡ یَّغُلَّ'': خیانت سے مراد یہ ہے کہ مالِ غنیمت میں سے چپکے سے کوئی چیز نکال لینا۔ اور نبی کے لیے خیانت کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ نبوت خیانت کے منافی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ''وَمَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنۡ یَّغُلَّ'' اس وقت نازل ہوئی جب غزوۂ بدر میں ایک سُرخ رنگ کی چادر گم پائی گئی تو بعض منافقین نے کہا کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُس سرخ چادر کو چپکے سے نکال لیا ہے، تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (سنن ترمذی: ۳۰۲۰)

خیانت کرنے والے کو دوزخ کا عذاب دینے پر ایک اشکال کا جواب

''وَمَنۡ یَّغۡلُلۡ یَاۡتِ بِمَا غَلَّ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ'': حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامان کا محافظ ایک شخص تھا جس کا نام کرکرہ تھا، سو وہ مر گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: وہ دوزخ میں ہے، پس صحابہ اس کی تفتیش کرنے گئے تو انہوں

نے ایک چادر پائی جس میں اس نے خیانت کی تھی۔ (صحیح البخاری: ۳۰۷۴، سنن ابن ماجہ: ۲۸۴۹، مسند احمد: ۶۴۵۷)

اس حدیث میں خیانت کرنے والے کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ دوزخ میں ہے، اس پر یہ اشکال ہے کہ چادر میں خیانت کرنا زیادہ سے زیادہ گناہِ کبیرہ ہے کفر نہیں ہے، پھر آپ نے یہ کیسے فرمایا کہ وہ دوزخ میں ہے؟

علامہ داؤدی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس شخص کی سزا یہ ہے کہ اس کو دوزخ میں ڈالا جائے، سوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دیں۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کو قبر میں دوزخ کا عذاب دیا جائے پھر وہ جہنم سے نجات پا جائے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ شخص اصل میں منافق تھا اور اس کے نفاق کی وجہ سے اس پر دوزخ واجب ہوگئی تھی، یا وہ شخص خیانت کے جرم پر توبہ کیے بغیر مر گیا، یا اس نے توبہ کرلی اور وہ اسلام پر مرا اور اپنے گناہ کی وجہ سے دوزخ میں گیا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: جس کے دل میں ذرّہ کے برابر بھی ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ (صحیح البخاری: ۲۲، صحیح مسلم: ۱۸۴)

''ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ'': اس آیت میں لفظِ عام ذکر فرمایا ہے یعنی ہر شخص کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا خواہ وہ خیانت کرنے والا ہو یا کوئی اور جرم کرنے والا ہو، اس کو اس کے جرم کی پوری پوری سزا دی جائے گی اور اُس کو اس کے جرم سے زیادہ سزا نہیں دی جائے گی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جس شخص نے اللہ کی رِضا کی پیروی کی کیا وہ اس شخص کی مثل ہوسکتا ہے جو اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹا، اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ کیسا برا ٹھکانا ہے O'' (آل عمران: ۱۶۲)

''اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ'': یعنی جو لوگ اللہ کی رضا کی پیروی کرتے ہیں اور وہ لوگ مہاجرین اور انصار ہیں۔

''كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ'': جو اللہ کی ناراضگی کے ساتھ لوٹے اور وہ منافقین اور کفار ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وہ اللہ کے نزدیک مختلف درجات والے ہیں، اور اللہ اُن کے تمام کاموں کو خوب دیکھنے والے ہیں O'' (آل عمران: ۱۶۳)

''هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ'': یعنی اُن لوگوں کے ثواب اور عقاب میں مختلف درجات ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک اللہ نے مومنوں پر احسانِ عظیم فرمایا جب اس نے اُن میں ان ہی میں سے عظیم رسول بھیج دیا جو اُن پر اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں اور اُن کے باطن کو صاف کرتے ہیں اور اُن کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں اور بے شک وہ اس سے پہلے ضرور کھلی ہوئی گمراہی میں تھے O''

(آل عمران: ۱۶۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مومنین کی جنس سے مبعوث ہونے پر دلائل

''لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ'': یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوم میں سے جو لوگ آپ پر ایمان لائے، اگرچہ آپ کی بعثت سے اللہ تعالیٰ نے سب پر احسان فرمایا لیکن مومنین کا خصوصیت سے اس لیے ذکر فرمایا کہ آپ کی بعثت سے وہی فائدہ اٹھانے

والے ہیں۔

''اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ'': یعنی جب اللہ نے انہی میں سے ایک عظیم رسول مبعوث فرمایا جو مومنین کی جنس سے ہیں اور انہی کی مثل عربی ہیں، یا جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں جیسا کہ وہ لوگ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں، اور اس میں احسان کی وجہ یہ ہے کہ جب ان ہی میں سے رسول مبعوث فرمایا جو اُن کی مثل عربی ہیں پس دونوں کی زبان ایک ہے، لہٰذا اُن کے لیے اُس رسول سے استفادہ کرنا آسان اور سہل ہے اور وہ لوگ اُس عظیم رسول کے احوال سے واقف تھے اور اُن کو معلوم تھا کہ یہ رسول بہت سچے ہیں اور بہت امانت دار ہیں اس وجہ سے اُن کا اس رسول کی تصدیق کرنا زیادہ قریب تھا اور اُن کو یہ شرف حاصل ہوا کہ وہ رسول ان ہی میں سے مبعوث ہوئے، اور ایک قراءت اس طرح ہے ''مِنْ اَنْفَسِهِم'' یعنی اُن میں ایسا رسول بھیجا جو اُن سب میں نفیس ترین تھے، اُن میں سب سے زیادہ شرف، عزت اور وجاہت والے تھے۔

''يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ'': یعنی وہ اُن پر قرآن کی آیات تلاوت کرتے ہیں جب کہ اُن سے پہلے وہ زمانہ جاہلیت کے طور طریقوں پر تھے اور ان کے کانوں نے وحی پر مشتمل کوئی آواز نہیں سُنی تھی۔

''وَيُزَكِّيْهِمْ'': یعنی وہ اُن کے ایمان کے سبب سے ان کو کفر اور سرکشی کے میل کچیل سے پاک اور صاف کرتے ہیں، یا اس کا معنی ہے: اُن سے زکوٰۃ وصول کرتے ہیں۔

''وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ'': یعنی وہ اُن کو قرآن اور سنت کی تعلیم دیتے ہیں۔

''وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾'': اور بے شک اس عظیم رسول کی بعثت سے پہلے یہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی اور جہالت میں تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشریت کا انکار کرنے والوں کا رد

اس آیت میں اُن لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری جنس سے نہیں ہیں، ہم بشر ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشر نہیں ہیں، ہمارا مادّہ خلقت مٹی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مادّہ خلقت نور ہے۔ میں کہتا ہوں: اگر ایسا ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومنین کی جنس سے نہ ہوتے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اُسوہ اور نمونہ مومنین کے لیے حجت نہ ہوتا، کیونکہ کوئی شخص کہہ سکتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو ایسی پُر مشقت عبادات ادا فرمائی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نور ہیں اور چونکہ ہم نور نہیں ہیں اس لیے ہم ایسی پُر مشقت عبادات نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس عُذر کا قلع قمع فرما دیا اور واضح اعلان فرما دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومنین کی جنس سے ہیں، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افعال ہمارے لیے حجت ہیں، نیز اللہ تعالیٰ نے صراحۃً فرمایا ہے ''قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾ ---- (بنی اسرائیل: ۹۳)'' (آپ کہیے: میرا رب سبحان ہے میں صرف بشر، رسول ہوں)، نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ---- (الکہف: ۱۱۰)'' (اے رسولِ اکرم! آپ کہیے کہ (میں خدا نہیں ہوں، اور خدا نہ ہونے میں) میں صرف تمہاری مثل بشر ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ میرا اور تمہارا معبود واحد ہے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مادہ خلقت مٹی ہونے پر دلیل

امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ العزیز تحریر فرماتے ہیں:

اللہ عزوجل فرماتا ہے: مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى (طٰہٰ: ۵۵) زمین ہی سے ہم نے تمہیں بنایا اور اسی میں تمہیں پھر لے جائیں گے اور اسی میں سے تمہیں دوبارہ نکالیں گے O۔ ابونعیم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ''مامن مولود الاوتد ذر علیہ من تراب حفرتہ'' کوئی بچہ پیدا نہیں ہوتا جس پر اس کی قبر کی مٹی نہ چھڑکی ہو۔ خطیب نے المتفق والمفترق میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مامن مولود الا وفی سرتہ من تربتہ التی خلق منھا حتی یدفن فیھا وانا وابوبکر وعمر خلقنا من تربۃ واحدۃ فیھا ندفن'' ہر بچہ کے ناف میں اس مٹی کا حصہ ہوتا ہے جس سے وہ بنایا گیا یہاں تک کہ اس میں دفن کیا جائے، اور میں اور ابوبکر اور عمر ایک مٹی سے بنے، اسی میں دفن ہوں گے۔ (فتاویٰ افریقیہ ص ۹۹-۱۰۰، مدینہ پبلشنگ کمپنی، ایم اے جناح روڈ، کراچی ۱۹۸۸ء)

اس عبارت میں امام احمد رضا نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ایک مٹی سے پیدا فرمائے گئے ہیں اور اسی مٹی میں دفن کیے جائیں گے۔ اس عبارت میں یہ واضح تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مادہ خلقت مٹی ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مادہ خلقت نور ہے اور آپ اور جنس سے ہیں اور ہم اور جنس سے ہیں، یہ کہنا نہ صرف قرآن مجید کی آیات اور احادیثِ مبارکہ کے خلاف ہے بلکہ امام احمد رضا کی تصریح کے بھی خلاف ہے، لہٰذا امام احمد رضا کی تعلیم کا یہ تقاضا ہے کہ یہ مانا جائے اور تسلیم کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ہم ہی میں سے مبعوث فرمایا ہے، ہماری ہی جنس سے آپ کو بھیجا ہے اور یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ آپ کا مادہ خلقت نور ہے اور ہمارا مادہ خلقت مٹی ہے بلکہ آپ کا مادہ خلقت بھی مٹی ہے اور ہمارا مادہ خلقت بھی مٹی ہے، تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جس مٹی سے بنایا گیا وہ مٹی اس مٹی سے ہزار در ہزار گنا افضل ہے جس مٹی سے ہمیں بنایا گیا ہے اور جس طرح ہم میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مرتبہ کا فرق ہے، اسی طرح آپ کی مٹی اور ہماری مٹی میں بھی فرق ہے، جس مٹی سے آپ کو بنایا گیا وہ مٹی اس مٹی سے کروڑہا درجہ بلکہ بے شمار درجہ افضل ہے جس مٹی سے ہمیں بنایا گیا ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''کیا جب تمہیں کوئی مصیبت پہنچی جب کہ اس سے دگنی مصیبت تم انہیں پہنچا چکے تھے (پھر بھی) تم نے کہا کہ یہ مصیبت کہاں سے آئی؟ آپ کہیے: یہ مصیبت تمہاری جانوں کی طرف سے آئی ہے، بے شک اللہ جو چاہیں اس پر قادر ہیں O'' (آل عمران: ۱۶۵)

''اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ'': اس سے مراد یہ ہے کہ اُحد کے دن جو تم پر مصیبت آئی کہ تم میں سے ستر (۷۰) صحابہ قتل کر دیئے گئے۔

''قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا'': تو بدر کے دن تم اُن کو اس سے دگنی مصیبت پہنچا چکے ہو کہ غزوۂ بدر میں ستر (۷۰) کفار قتل کر دیئے گئے تھے اور ستر (۷۰) کفار قید کر لیے گئے تھے۔

''قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا'': اب تم نے کہا کہ یہ مصیبت کہاں سے آئی؟

''قُلۡ هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اَنۡفُسِكُمۡ'': آپ کہیے: یہ مصیبت صرف تمہارا کیا دھرا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمہیں جس مرکز پر کھڑا کیا تھا اور فرمایا تھا کہ تم وہاں سے نہ ہٹنا لیکن تم مالِ غنیمت لوٹنے کے لالچ میں اس مرکز سے ہٹ گئے اور دشمن نے مورچہ خالی دیکھ کر تم پر حملہ کر دیا اور تمہاری جیتی ہوئی بازی ہار سے تبدیل ہوگئی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جس دن دونوں لشکر صف آراء ہوئے اس دن تم پر جو مصیبت آئی سو وہ اللہ کے حکم سے تھی اور اس لیے کہ اللہ مومنوں کو (کافروں سے) ممتاز فرما دیں O'' (آل عمران:۱۶۶)

منافقین کی مذمت میں آیات

''وَمَآ اَصَابَكُمۡ يَوۡمَ الۡتَقَى الۡجَمۡعٰنِ فَبِاِذۡنِ اللّٰهِ'': یعنی جس دن تمہاری جماعت اور مشرکین کی جماعت بالمقابل ہوئی تو پھر جو کچھ ہوا وہ اللہ کے حکم سے ہوا۔

''وَلِيَعۡلَمَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ'': اور تا کہ اللہ تعالیٰ مومنین اور منافقین کو الگ الگ کر دیں جس سے مومنین کا ایمان ظاہر ہو جائے اور منافقین کا نفاق ظاہر ہو جائے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور تا کہ اللہ (مومنین کو) منافقین سے الگ فرما دیں، اور اُن سے کہا گیا: آؤ اللہ کی راہ میں قتال کرو یا (دشمنوں سے) مدافعت کرو، انہوں نے کہا: اگر ہم یہ جانتے کہ لڑائی ہوگی تو ہم ضرور تمہارے ساتھ جاتے، وہ اس دن ایمان کی بہ نسبت کفر سے زیادہ قریب تھے، وہ اپنی زبانوں سے وہ بات کہہ رہے تھے جو اُن کے دلوں میں نہیں تھی، اور اللہ اُس بات کو زیادہ جاننے والے ہیں جس کو وہ چھپاتے تھے O'' (آل عمران:۱۶۷)

''وَقِيۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا قَاتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَوِ ادۡفَعُوۡا'': منافقین سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں جہاد کرو جس طرح مومنین اللہ کی راہ میں جہاد کر رہے ہیں، یا اپنی جانوں کی اور اپنے اہل وعیال کی اور اپنے اموال کی دشمنوں کے حملہ سے مدافعت کرو۔

''قَالُوۡا لَوۡ نَعۡلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعۡنٰكُمۡ'': یعنی منافقین نے کہا کہ تم خطاء پر ہو اور تمہاری رائے غلط ہے، اگر ہم جانتے کہ یہ واقعی کفار سے قتال ہے تو ہم بھی تمہاری پیروی کرتے۔

''هُمۡ لِلۡكُفۡرِ يَوۡمَئِذٍ اَقۡرَبُ مِنۡهُمۡ لِلۡاِيۡمَانِ'': یعنی اس سے پہلے منافقین اپنے ایمان کا اظہار کرتے تھے اور اس وقت تک اُن کے کفر کی کوئی علامت ظاہر نہیں ہوئی تھی، پھر جب وہ مومنین کے لشکر سے نکل گئے اور انہوں نے وہ کہا جو کہا تو وہ ایمان سے دور ہو گئے اور کفر کے قریب ہو گئے، یا اُس وقت وہ اہلِ کفر کے قریب تھے، کیونکہ جب وہ مومنین کی جماعت سے نکل گئے تو مومنین کی جماعت کی تعداد کم ہوگئی اور مومنین کی جماعت کی تعداد کم ہونے سے مشرکین کو تقویت ملی۔

''يَقُوۡلُوۡنَ بِاَفۡوَاهِهِمۡ مَّا لَيۡسَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ'': یعنی وہ اس چیز کو ظاہر کرتے تھے جو اُن کے دلوں میں نہیں تھی۔

''وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا يَكۡتُمُوۡنَ'': یعنی جس نفاق کو وہ چھپاتے تھے، اللہ تعالیٰ اس کو بہت زیادہ جاننے والے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وہ منافقین جو خود لڑائی میں شریک ہونے سے بیٹھے رہے اور انہوں نے لڑائی میں شہید ہونے والے مسلمانوں کے متعلق کہا کہ اگر یہ لوگ ہماری بات مان لیتے تو قتل نہ کیے جاتے، آپ کہیے: سو تم اپنی جانوں سے موت کو دور کرو اگر تم سچے ہو O'' (آل عمران: ۱۶۸)

''اَلَّذِيْنَ قَالُوْا'': یعنی عبد اللہ بن اُبی اور اس کے ساتھیوں نے کہا۔

''لِاِخْوَانِهِمْ'': یعنی انہوں نے اپنے جیسے منافقین سے کہا جو غزوۂ اُحد میں قتل کر دیئے گئے تھے۔

''وَقَعَدُوْا'': ان لوگوں نے یہ کہا، حالانکہ وہ کفار کے خلاف لڑنے کے بجائے بیٹھے رہے تھے۔

''لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا'': انہوں نے کہا کہ ہمارے یہ بھائی یعنی منافقین اگر ہماری بات مان لیتے کیونکہ ہم نے کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ ہو جاؤ اور بیٹھے رہو اور ہماری موافقت کرو جس طرح ہم لڑنے نہیں جا رہے تم بھی لڑنے نہ جاؤ، تو پھر وہ لوگ اُحد کے دن قتل نہ کیے جاتے جیسا کہ ہم نہیں قتل کیے گئے۔

''قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ'': یعنی اگر تمہاری یہ احتیاط تمہیں اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے بچا سکتی ہے تو تم اس احتیاط سے اپنی جانوں سے موت کو دور کر دو یا موت کو ٹال دو، یعنی اگر تم اپنے اس دعویٰ میں سچے ہو کہ کفار سے لڑنے کے بجائے الگ بیٹھے رہنا تمہیں موت سے بچا سکتا ہے تو تم اپنے آپ سے موت کو دور کر دو، اور روایت ہے کہ جس دن منافقین نے یہ کہا تھا اس دن ستر (۷۰) منافقین قتل کر دیئے گئے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے مسلمانو!) جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ہیں ان کو ہرگز مردہ گمان نہ کرو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور ان کو رزق عطا فرمایا جاتا ہے O'' (آل عمران: ۱۶۹)

''وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا'': یہ آیت غزوۂ اُحد کے شہداء کے متعلق نازل ہوئی ہے کہ جو مسلمان غزوۂ احد میں قتل کیے گئے ہیں اُن کو مُردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے نزدیک مقرب ہیں اور اُن کو اس طرح رزق دیا جاتا ہے جس طرح تمام زندوں کو رزق دیا جاتا ہے، وہ کھاتے ہیں اور پیتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اللہ نے اپنے فضل سے اُن کو جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں وہ اس پر خوش ہوتے ہیں، اور جو لوگ اُن کے پیچھے ہیں اور ابھی اُن سے واصل نہیں ہوئے وہ اُن کے متعلق اس بشارت کو پا کر خوش ہوتے ہیں کہ ان پر بھی نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے O'' (آل عمران: ۱۷۰)

شہداء کی فضیلت اور اُن کو رزق عطاء فرمائے جانے کے متعلق احادیث

''فَرِحِيْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ'': یہ شہداءِ اُحد اس پر خوش ہو رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کو اپنی راہ میں شہادت کی توفیق عطا فرمائی اور اُن کو یہ عزت اور کرامت عطا فرمائی کہ وہ زندہ ہیں، اللہ کے مقرب ہیں اور اُن کو جنت کی نعمتوں سے رزق عطا فرمایا جاتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تمہارے مسلمان بھائی غزوۂ اُحد میں شہید کر دیئے گئے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی روحوں کو سبز رنگ کے پرندوں کے پیٹ میں سوار کر دیا، وہ جنت کے دریاؤں پر وارد ہوتے ہیں اور جنت کے پھلوں سے کھاتے ہیں، اور جو قندیلیں عرش کے سائے میں لٹکی ہوئی ہیں ان قندیلوں کے پاس آتے ہیں، پھر جب انہوں نے پاکیزہ اور لذیذ کھانا کھایا اور پاکیزہ اور لذیذ مشروب پیا تو انہوں نے کہا: کوئی ہے جو ہماری طرف سے ہمارے بھائیوں کو یہ پیغام پہنچادے کہ ہم جنت میں زندہ ہیں اور ہمیں رزق عطا فرمایا جاتا ہے تا کہ ہمارے مسلمان بھائی جہاد سے بے رغبتی نہ کریں اور کفار کے خلاف لڑنے سے دور نہ بھاگیں، پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تمہاری طرف سے تمہارا یہ پیغام اُن کو پہنچادوں گا، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا''۔ (سنن ابوداؤد: ۲۵۱۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم قرآنِ مجید میں یہ آیت پڑھتے تھے پھر بعد میں اس آیت کو اٹھالیا گیا، یعنی یہ آیت منسوخ ہوگئی ہے، وہ آیت یہ تھی: ''بلغوا عنا قومنا انا لقینا ربنا و رضی عنا و ارضانا'' (ہماری قوم تک یہ پیغام پہنچادو کہ ہماری ہمارے رب سے ملاقات ہوئی، پس ہمارا رب ہم سے راضی ہوگیا اور اس نے ہم کو راضی فرما دیا)۔

(صحیح البخاری: ۴۰۹۰، صحیح مسلم: ۶۷۷، سنن نسائی: ۱۰۷۰، مسند احمد: ۱۲۲۷۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا: جب تمہارے مسلمان بھائی اُحد کے دن شہید ہوگئے (تو) اللہ تعالیٰ نے اُن کی روحوں کو سبز پرندوں کے پوٹوں میں رکھا، وہ جنت کے دریاؤں پر وارد ہوتے، جنت کے پھلوں سے کھاتے اور جہاں تک چاہتے جنت میں سیر کرتے اور جو سونے کی قندیلیں عرش کے سائے میں لٹکی ہوئی ہیں ان قندیلوں پر واپس آجاتے اور وہ کہتے: کاش! ہماری قوم کو معلوم ہوجاتا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی عطاء کی ہوئی کتنی نعمتوں میں رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ کیسا حسنِ سلوک فرمارہے ہیں تا کہ ہماری قوم کے لوگ جہاد میں رغبت کریں اور جہاد سے مونہہ نہ پھیریں تو اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: میں تمہاری طرف سے اُن کو خبر دوں گا اور تمہارے مسلمان بھائیوں تک یہ پیغام پہنچادوں گا، تو شہداءِ اُحد کی روحیں بہت خوش ہوئیں، پھر اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: ''وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا''۔

(سنن ابوداؤد: ۲۵۲۰، المستدرک ج ۲ ص ۸۸، مسند ابویعلیٰ: ۲۳۳۱، مسند احمد: ۲۳۸۴، ج ۱ ص ۲۶۶، سنن بیہقی ج ۹ ص ۱۶۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس بندہ کیلئے بھی اللہ تعالیٰ نے اس کی موت کے بعد اجر رکھا ہے ان میں سے کوئی بھی دنیا کی طرف لوٹ کر جانا پسند نہیں کرتا خواہ اس کو دنیا و مافیہا کی نعمتیں دے دی گئی ہوں سوا شہید کے، کیونکہ جب وہ شہادت کے انعامات کو دیکھتا ہے تو وہ یہ پسند کرتا ہے کہ وہ پھر دنیا کی طرف لوٹ کر جائے اور پھر اللہ کی راہ میں سر کٹائے۔

(صحیح البخاری: ۲۷۹۵، صحیح مسلم: ۱۸۷۷، سنن ترمذی: ۱۶۶۱، مسند احمد: ۱۱۸۶۴، سنن دارمی: ۲۴۰۹، شرح السنہ: ۲۶۲۲، صحیح ابن حبان: ۴۶۶۲، سنن نسائی: ج ۶ ص ۳۶)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وہ اللہ کے فضل سے حاصل شدہ نعمتوں پر خوش ہوتے ہیں اور بے شک اللہ ایمان والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتے○'' (آل عمران: ۱۷۱)

''يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ'': یعنی اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی نعمتوں پر وہ خوش ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ مومنین کے

اجر کو ضائع نہیں فرماتے بلکہ زیادہ نعمتیں عطا فرماتے ہیں۔ (مدارک التنزیل ج ۱ ص ۳۰۴۔۳۱۱، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۚ﴿۱۷۲﴾

جن لوگوں نے زخم کھانے کے باوجود اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانا، ان میں سے جن لوگوں نے نیک کام کئے اور وہ اللہ سے ڈرتے رہے ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے O

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖۗ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾

ان (نیک) لوگوں سے بعض لوگوں نے (یعنی منافقین نے) کہا کہ بے شک لوگوں نے (یعنی کافروں نے) تمہارے مقابلہ کے لیے بہت بڑا لشکر جمع کیا ہے سو تم اس لشکر سے ڈرو، تو اُن (نیک لوگوں) کا ایمان اور زیادہ ہو گیا، اور انہوں نے کہا: ہمیں اللہ کافی ہیں اور وہ کیسے اچھے کارساز ہیں O

فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾

پس وہ (نیک لوگ) اللہ کی نعمت اور اس کے فضل کے ساتھ واپس لوٹے اور ان کو کوئی ضرر نہیں پہنچا، اور وہ اللہ کی رضا پر چلتے رہے، اور اللہ بہت بڑے فضل والے ہیں O

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۖ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

وہ یقیناً شیطان ہے جو تمہیں اپنے چیلوں سے ڈراتا ہے، لہٰذا تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ہی ڈرتے رہو اگر تم مومن ہو O

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِى الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾

اور آپ اُن لوگوں (کی کارروائی) سے مغموم نہ ہوں جو کفر (کے میدان) میں بھاگتے پھرتے ہیں، بے شک یہ لوگ اللہ (کے رسول) کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے، اللہ چاہتے ہیں کہ ان لوگوں کے لیے آخرت میں اجر کا کوئی حصہ نہ رکھیں، اور ان کے لیے بہت سخت عذاب ہے O

اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾

بے شک جن لوگوں نے ایمان کے عوض کفر کو خریدا وہ ہرگز اللہ کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے O

وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْۤا اَنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ خَیْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْؕ اِنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ لِیَزْدَادُوْۤا اِثْمًاۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ﴿۱۷۸﴾

ہم کافروں کو ڈھیل دے رہے ہیں اس سے وہ یہ گمان نہ کریں کہ یہ (ڈھیل دینا) اُن کے حق میں بہتر ہے، ہم اُن کو صرف اس لیے ڈھیل دے رہے ہیں تاکہ وہ اپنے گناہ میں زیادہ بڑھ جائیں، اور ان کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے O

مَا كَانَ اللّٰهُ لِیَذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰى مَاۤ اَنْتُمْ عَلَیْهِ حَتّٰى یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَیْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ یَّشَآءُ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۷۹﴾

(اے لوگو!) اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کو اس حالت پر چھوڑے رکھیں جس حالت پر تم اس وقت ہو، حتیٰ کہ وہ ناپاک کو پاک سے ممتاز فرمادیں، اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ تم سب کو غیب پر مطلع فرمادیں، ہاں! اللہ غیب پر مطلع فرمانے کے لیے جن کو چاہتے ہیں منتخب فرمالیتے ہیں اور وہ اس کے سب رسول ہیں، لہٰذا تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ، اور اگر تم اللہ پر ایمان لے آؤ گے اور اس سے ڈرتے رہو گے تو تمہارے لیے بہت بڑا اجر ہوگا O

وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَیْرًا لَّهُمْؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْؕ سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ یَوْمَ الْقِیٰمَةِؕ وَلِلّٰهِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۱۸۰﴾ ع

اور جو لوگ اللہ کے عطا فرمائے ہوئے فضل میں بُخل کرتے ہیں، وہ یہ گمان نہ کریں کہ اُن کا بُخل ان کے حق میں بہتر ہے بلکہ اُن کا بخل ان کے حق میں بدتر ہے، اور عنقریب قیامت کے دن اُن کا بخل ان کے گلوں میں طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا، اور تمام آسمانوں میں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے اس کے اللہ ہی وارث ہیں، اور اللہ تمہارے تمام کاموں سے خبر رکھنے والے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جن لوگوں نے زخم کھانے کے باوجود اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانا، ان میں سے جن لوگوں نے نیک کام کیے اور وہ اللہ سے ڈرتے رہے ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے O'' (آل عمران: ۱۷۲)

غزوۂ اُحد میں زخم کھانے کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشرکین کا تعاقب فرمانا

امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ، آل عمران: ۱۷۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ '': عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ اُحد کی لڑائی پندرہ (۱۵) شوال ہفتہ کے دن ہوئی تھی، پھر جب دوسرا روز سولہ (۱۶) شوال اتوار کا دن آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منادی نے اعلان کیا کہ دشمن کا پیچھا کرو، اور یہ اعلان کیا کہ جو کل ہمارے ساتھ لڑائی میں شریک تھے وہی لوگ چلیں، پس حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے والد نے میری سات بہنوں کو چھوڑا تھا اور مجھ سے کہا تھا کہ اے میرے بیٹے! نہ مجھے سزاوار ہے اور نہ تمہیں مناسب ہے کہ تم ان عورتوں کو اس حال میں چھوڑو کہ ان کی حفاظت کے لیے کوئی مرد نہ ہو، اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جہاد کرنے پر کسی چیز کو ترجیح نہیں دیتا، سو تم اپنی بہنوں کے ساتھ رہنا، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منادی نے اعلان کیا تو حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نکلے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف دشمنوں کو ڈرانے کے لیے نکلے تھے تاکہ اُن کو یہ بات پہنچ جائے کہ آپ اُن کا پیچھا فرمانے کے لیے نکلے ہیں اور مشرکین یہ گمان کرلیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قوت ہے، اور ایک دن پہلے جو انہوں نے زخم کھائے ہیں اُن زخموں نے ان کو دشمنوں کا پیچھا کرنے سے کمزور نہیں کیا۔

(تفسیر الطبری ج ۶ ص ۲۴۰، سیرتِ ابن ہشام ج ۲ ص ۱۰۱، تاریخ الطبری ج ۲ ص ۵۳۴، الدر المنثور ج ۲ ص ۱۰۲، دلائل النبوۃ ج ۳ ص ۳۱۴۔۳۱۵، تفسیر ابن ابی حاتم: ۴۵۱۳، اسباب النزول للواحدی ص ۹۷)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''ان (نیک) لوگوں سے بعض لوگوں نے (یعنی منافقین نے) کہا کہ بے شک لوگوں نے (یعنی کافروں نے) تمہارے مقابلہ کے لیے بہت بڑا لشکر جمع کیا ہے سو تم اس لشکر سے ڈرو، تو اُن (نیک لوگوں) کا ایمان اور زیادہ ہوگیا، اور انہوں نے کہا: ہمیں اللہ کافی ہیں اور کیسے اچھے کارساز ہیں ○''
(آل عمران: ۱۷۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کا ابوسفیان کے لشکر کی بڑی تعداد سے مرعوب نہ ہونا

''اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ '': رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کے اصحاب ابوسفیان کا پیچھا کرتے ہوئے نکلے، جب ابوسفیان اُحد سے واپس ہو کر حمراء الاسد تک پہنچ گیا، تو لوگوں نے کہا کہ ابوسفیان نے مسلمانوں سے مقابلہ کے لیے بہت بڑا لشکر تیار کرلیا ہے اور وہ دوبارہ مسلمانوں پر حملہ کرنے والا ہے، سو تم اُن سے احتیاط برتو اور اُن کا مقابلہ کرنے سے احتراز کرو کیونکہ تم میں اب ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے، پس جب ان نیک لوگوں کو ابوسفیان اور اس کے لشکر سے ڈرایا گیا تو اُن کا ایمان اور قوی ہوگیا، وہ اللہ اور اس کے رسول کے وعدہ کی تصدیق کرتے ہوئے مسلسل آگے بڑھتے رہے اور انہوں نے کہا کہ ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے۔

(تفسیر طبری ج ۶ ص ۲۴۴، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ، مسند الحمیدی: ۲۶۳، سنن سعید بن منصور: ۵۴۵، سنن ابن ماجہ: ۱۲۴، تاریخ دمشق جز ۱۸ ص ۳۵۸، ۳۵۹، طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۱۰۴، صحیح البخاری: ۴۰۷۷، صحیح مسلم: ۲۴۱۸، تفسیر ابن ابی حاتم: ۴۵۰۷، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۲۹۸، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۳ ص ۳۱۲، الدر المنثور ج ۲ ص ۱۰۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طلب پر دشمن کا پیچھا کرنے والے صحابہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آل عمران: ۱۷۳ کی تفسیر میں اپنے بھانجے عروہ سے فرمایا: اے میرے بھانجے! تمہارے باپ بھی

اُن نیک لوگوں میں سے تھے حضرت زبیر اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ زخم آئے جو اُحد کے دن آئے تھے اور مشرکین وہاں سے چلے گئے تو آپ کو خطرہ ہوا کہ یہ مشرکین پھر پلٹ کر حملہ کریں گے، پس آپ نے فرمایا: ان مشرکین کا پیچھا کون کرے گا تو ستر (۷۰) مردوں نے آپ کی پکار پر لبیک کہا اور لبیک کہنے والوں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی تھے اور حضرت الزبیر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ (صحیح البخاری: ۴۰۷۷، صحیح مسلم: ۲۴۱۸، سنن ابن ماجہ: ۱۲۴)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس وہ (نیک لوگ) اللہ کی نعمت اور اس کے فضل کے ساتھ واپس لوٹے اور ان کو کوئی ضرر نہیں پہنچا، اور وہ اللہ کی رضا پر چلتے رہے، اور اللہ بہت بڑے فضل والے ہیں ○'' (آل عمران: ۱۷۴)

''فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ'': مجاہد بیان کرتے ہیں کہ فضل سے مراد وہ نفع ہے جو صحابہ نے تجارت میں کمایا تھا اور آخرت میں اُن کو اجر حاصل ہوا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وہ یقیناً شیطان ہے جو تمہیں اپنے چیلوں سے ڈراتا ہے، لہٰذا تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ہی ڈرتے رہو اگر تم مومن ہو ○'' (آل عمران: ۱۷۵)

''اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ'': یعنی شیطان مسلمانوں کو ابوسفیان اور اس کے اصحابِ مشرکین سے ڈرا رہا تھا، یعنی شیطان مشرکین کی طاقت اور اُن کی قوت کو بہت بڑا کر کے دکھا رہا تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اگر تم مومن ہو تو مجھ سے ڈرو اِن سے نہ ڈرو''۔ (تفسیر الطبری ج ۶ ص ۲۵۶، سیرتِ ابن ہشام ج ۲ ص ۱۲۱، تفسیر ابن ابی حاتم: ۴۵۴۰)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور آپ اُن لوگوں (کی کارروائی) سے مغموم نہ ہوں جو کفر (کے میدان) میں بھاگتے پھرتے ہیں، بے شک یہ لوگ اللہ (کے رسول) کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے، اللہ چاہتے ہیں کہ ان لوگوں کے لیے آخرت میں اجر کا کوئی حصہ نہ رکھیں، اور ان کے لیے بہت سخت عذاب ہے ○'' (آل عمران: ۱۷۶)

''وَ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ'': یعنی اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ اے محمد! آپ اِن منافقین کے بھاگنے سے غمگین نہ ہوں، یہ جلدی سے بھاگ کر کفر کے دامن میں پناہ لے رہے ہیں، اس سے وہ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

(تفسیر طبری ج ۶ ص ۲۵۷، ۲۵۸، تفسیر مجاہد ص ۲۶۲، تفسیر ابن ابی حاتم: ۴۵۴۵، سیرتِ ابن ہشام ج ۲ ص ۱۲۱)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک جن لوگوں نے ایمان کے عوض کفر کو خریدا وہ ہرگز اللہ کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ○'' (آل عمران: ۱۷۷)

''اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ'': اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: یہ لوگ جنہوں نے اپنے ایمان کو کُفر کے بدلہ میں فروخت کر دیا ہے، یہ مرتد ہو چکے ہیں اور ایمان کے بدلہ میں اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کُفر کرنے کو خرید چکے ہیں، یہ در اصل منافقین ہیں۔ (تفسیر طبری ج ۶ ص ۲۵۸، ۲۵۹، تفسیر ابن ابی حاتم: ۴۵۵۰)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''ہم کافروں کو ڈھیل دے رہے ہیں اس سے وہ یہ گمان نہ کریں کہ یہ (ڈھیل دینا)

اُن کے حق میں بہتر ہے، ہم اُن کو صرف اس لیے ڈھیل دے رہے ہیں تاکہ وہ اپنے گناہ میں زیادہ بڑھ جائیں، اوران کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے O" (آل عمران:۱۷۸)

"وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ خَیْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ": یعنی جن لوگوں نے اللہ اوراس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اُن کو جو ہم نے ڈھیل دی ہے، اس کے متعلق یہ گمان نہ کیا جائے کہ یہ ڈھیل دینا بہتر ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "(اے لوگو!) اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کو اس حالت پر چھوڑے رکھیں جس حالت پر تم اس وقت ہو، حتیٰ کہ وہ ناپاک کو پاک سے ممتاز فرمادیں، اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ تم سب کو غیب پر مطلع فرمادیں، ہاں! اللہ غیب پر مطلع فرمانے کے لیے جن کو چاہتے ہیں منتخب فرمالیتے ہیں اور وہ اس کے سب رسول ہیں، لہٰذا تم اللہ پر اوراس کے رسول پر ایمان لے آؤ، اور اگر تم اللہ پر ایمان لے آؤ گے اوراس سے ڈرتے رہو گے تو تمہارے لیے بہت بڑا اجر ہوگا O" (آل عمران:۱۷۹)

"مَا كَانَ اللّٰهُ لِیَذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰی مَآ اَنْتُمْ عَلَیْهِ": اللہ تعالیٰ نے اُحد کے دن خبیث کو طیب سے ممتاز فرمادیا، یعنی منافق کو مومن سے ممتاز فرمادیا۔

السدی نے آل عمران:۱۷۹ کی تفسیر میں بیان کیا کہ منافقین نے کہا: اگر (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے ہیں تو ہمیں یہ بتائیں کہ ہم میں سے کون ان پر ایمان لائے گا اور کون اُن کا کفر کرے گا؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اللہ تمہیں اس حالت پر نہیں چھوڑے گا حتیٰ کہ مومن کو کافر سے ممتاز فرمادے۔

(تفسیر الطبری ج ۶ ص ۲۶۴، تفسیر ابن ابی حاتم: ۴۵۵۸۔۴۵۶۶، تفسیر عبد الرزاق ج ۱ ص ۱۴۰)

"وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُطْلِعَكُمْ عَلَی الْغَیْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ یَّشَآءُ": امام طبری نے فرمایا: یعنی اللہ تعالیٰ تم کو اس حالت پر نہیں چھوڑے گا کہ تم لوگوں کے دلوں کی باتوں اوراُن کے احوال پر مطلع ہو جاؤ اور تم پہچان لو کہ ان میں سے مومن کون ہے اور منافق کون ہے اور کافر کون ہے، لیکن اللہ تعالیٰ لوگوں کو مشکلات اور تکالیف میں مبتلاء فرمائے گا جیسے اُحد کے دن لوگوں کو دشمنوں کے خوف میں مبتلاء فرمایا اور دشمنوں کے ساتھ جہاد میں مبتلاء فرمایا اوراسی کے مشابہ دیگر مشقتوں میں مبتلاء فرمایا حتیٰ کہ اُن کے نزدیک مومن کافروں سے اور منافقوں سے متمیز ہو جائیں، لیکن اللہ عزوجل جن کو چُن لیتا ہے اُن کو غیب پر مطلع فرماتا ہے اور وہ اس کے سب رسول ہیں۔ (تفسیر طبری ج ۶ ص ۲۶۵، سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۱۲۱، تفسیر امام ابن ابی حاتم: ۴۵۶۹، ۴۵۷۳، تفسیر مجاہد ص ۲۶۲)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور جو لوگ اللہ کے عطا فرمائے ہوئے فضل میں بخل کرتے ہیں، وہ یہ گمان نہ کریں کہ اُن کا بخل ان کے حق میں بہتر ہے بلکہ اُن کا بخل ان کے حق میں بدتر ہے، اور عنقریب قیامت کے دن اُن کا بخل ان کے گلوں میں طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا، اور تمام آسمانوں میں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے اس کے

اللہ ہی وارث ہیں، اور اللہ تمہارے تمام کاموں سے خبر رکھنے والے ہیں O'' (آل عمران: ۱۸۰)

''وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ'': یعنی جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کا مال و دولت عطا فرمایا اور اُن پر یہ فرض کیا کہ وہ اس مال و دولت میں سے زکوٰۃ نکالیں، سو جو لوگ بخل کرتے ہیں اور مال و دولت میں سے زکوٰۃ نہیں نکالتے اور وہ یہ سمجھتے کہ اُن کے حق میں بہتر ہے، تو یہ اُن کے حق میں بہتر نہیں ہے بلکہ بدتر ہے اور یہ مال و دولت اُن کے گلے میں قیامت کے دن طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا۔

اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ جو اہلِ کتاب، کتاب کا پورا متن بیان کرنے میں بُخل کرتے ہیں اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو نشانیاں کتاب میں بیان کی گئی ہیں ان کو چھپا لیتے ہیں، تو وہ یہ نہ سمجھیں کہ وہ کتاب کے بیان کو چھپا رہے ہیں یہ اُن کے حق میں بہتر ہے بلکہ بدتر ہے، اور بخیل وہ ہے جو اللہ کے حق کو ادا کرنے سے منع کرے، اور جس مال میں وہ بُخل کرتا ہے اور زکوٰۃ نہیں نکالتا تو وہ مال قیامت کے دن سانپ بن کر اُن کی گردن میں لپٹ جائے گا۔ (تفسیر الطبری ج ۶ ص ۲۷۰، تفسیر امام ابن ابی حاتم: ۴۵۷۵)

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾

بے شک اللہ نے اُن لوگوں کی بات ضرور سُن لی جنہوں نے کہا تھا: بے شک اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں، جو کچھ اُنہوں نے کہا ہے، ہم اس کو عنقریب لکھ لیں گے اور اُن کا نبیوں کو ناحق قتل کرنا بھی لکھ لیں گے اور ہم کہیں گے: تم دوزخ کے عذاب کو چکھو O

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۚ ﴿۱۸۲﴾

یہ (عذاب) اُن کاموں کا بدلہ ہے جو تم نے پہلے کئے تھے اور بے شک اللہ بندوں پر ظلم فرمانے والے نہیں ہیں O

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾

جن لوگوں نے یہ کہا تھا کہ بے شک اللہ نے ہم سے یہ عہد لیا ہے کہ ہم کسی رسول پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک کہ وہ ہمارے پاس ایسی قربانی لے کر نہ آئے جس کو آگ کھا جائے، (اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: بے شک مجھ سے پہلے تمہارے پاس بہت سے رسول روشن نشانیاں لے کر آئے اور اس نشانی کو بھی لے کر آئے جو تم نے کہی ہے، پھر تم اُن نبیوں کو کیوں قتل کرتے تھے اگر تم سچے ہو O

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ

وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۴﴾

پس اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ سے پہلے رسولوں کو بھی جھٹلایا گیا ہے جو کھلے ہوئے معجزات اور آسمانی صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے O

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾

ہر جاندار موت کا مزا چکھنے والا ہے اور قیامت کے دن تمہارے کاموں کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، سو جو شخص (دوزخ کی) آگ سے دور کر دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا سو وہ کامیاب ہو گیا، اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کا سامان ہے O

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۠ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾

اور تمہارے مالوں کی اور تمہاری جانوں کی ضرور بہ ضرور آزمائش فرمائی جائے گی، اور تم سے پہلے جو اہلِ کتاب ہیں تم اُن سے اور مشرکین سے ضرور بہ ضرور بہت زیادہ تکلیف دہ باتیں سنو گے، اور اگر تم صبر کرلو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو بے شک یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے O

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۫ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

اور یاد کیجئے جب اللہ نے اہلِ کتاب سے یہ عہد لیا کہ تم ضرور بہ ضرور اس کتاب کو لوگوں کے سامنے بیان کرو گے اور اس میں سے کچھ بھی نہیں چھپاؤ گے، سو ان لوگوں نے اس عہد کو اپنے پسِ پشت پھینک دیا اور اس کے عوض حقیر معاوضہ حاصل کیا، پس وہ کیسی بری چیز ہے جس کو وہ خرید رہے ہیں O

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾

جو لوگ اپنے کیے ہوئے کاموں پر خوش ہوتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ اُن کی اُن کاموں پر بھی تعریف کی جائے جو انہوں نے نہیں کیے اُن کو تم ہرگز ہرگز (نجات یافتہ) نہ سمجھنا، لہٰذا تم اُن لوگوں کے متعلق ہرگز ہرگز یہ گمان نہ کرنا کہ وہ عذاب سے نجات

پا جائیں گے، اور (درحقیقت) اُن کے لیے دردناک عذاب ہےO

وَلِلّٰہِ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱۸۹﴾ ع

اور تمام آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے وہ اللہ ہی کی ملکیت میں ہے، اور بے شک اللہ جو چاہیں اس پر قادر ہیںO

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک اللہ نے اُن لوگوں کی بات ضرور سُن لی جنہوں نے کہا تھا: بے شک اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں، جو کچھ اُنہوں نے کہا ہے ہم اس کو عنقریب لکھ لیں گے اور اُن کا نبیوں کو ناحق قتل کرنا بھی لکھ لیں گے اور ہم کہیں گے: تم دوزخ کے عذاب کو چکھوO'' (آل عمران:۱۸۱)

اللہ تعالیٰ کی صفتِ سمع کا ثبوت

علامہ ابوعبداللہ محمد بن محمد بن عرفۃ الورغمی التوفی ۸۰۳ھ، آل عمران:۱۸۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''لَقَدۡ سَمِعَ اللّٰہُ قَوۡلَ الَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰہَ فَقِیۡرٌ وَّنَحۡنُ اَغۡنِیَآءُ'': یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ سمع کا ثبوت ہے اور ہمارا مذہب یہ ہے کہ صفتِ سمع، صفتِ علم کی غیر ہے، اور معتزلہ ان دونوں کو ایک صفت قرار دیتے ہیں، اس آیت میں یہود کی بارگاہِ الوہیت میں اس گستاخی کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو فقیر اور خود کو غنی کہتے ہیں۔

''وَقَتۡلَهُمُ الۡاَنۡۢبِیَآءَ بِغَیۡرِ حَقٍّ'': یہودِ مدینہ نے انبیاء کو ناحق قتل نہیں کیا تھا، اس لیے یہاں پر مراد یہ ہے کہ یہودِ مدینہ کے آباء واجداد نے انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کیا تھا اور یہودِ مدینہ کی طرف اس فعل کی نسبت اس لیے فرمائی ہے کہ وہ اپنے آباء واجداد کے اس فعل پر راضی تھے۔ (تفسیر ابن عرفۃ، ج۱ص ۴۴۹۔۴۵۰، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۲۰۰۸ء)

اس کی تحقیق کہ کس نے اللہ تعالیٰ کو فقیر کہا تھا

عِکرمہ، السُدّی، مقاتل اور ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہود کے مدرسہ میں گئے، وہاں پر یہودِ مدینہ فِنحاص نام کے یہودی عالم کے گرد جمع تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: تم اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کرلو، پس اللہ کی قسم! بے شک تم ضرور جانتے ہو کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے برحق رسول ہیں، تب فِنحاص نے کہا: اللہ کی قسم اے ابوبکر! ہمیں اللہ کی کوئی احتیاج نہیں ہے اور بے شک اللہ کو ہماری احتیاج ہے، اگر اللہ غنی ہوتا تو وہ ہم سے قرض نہ طلب کرتا، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غضب ناک ہوگئے اور فِنحاص کے مونہہ پر ایک زوردار تھپڑ مارا اور فرمایا: اگر ہمارے اور تمہارے درمیان معاہدہ نہ ہوتا تو میں تمہاری گردن اڑا دیتا، پھر فِنحاص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور جا کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شکایت کی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ کہہ رہا تھا کہ اللہ ہمارا محتاج ہے، ہم اس کے محتاج نہیں ہیں، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فِنحاص کی سرزنش فرمائی کہ تم نے ایسا کہا تھا تو اس نے صاف انکار کردیا، تب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تصدیق اور اُن کی طرف سے مدافعت میں یہ آیت نازل فرمائی: ''لَقَدۡ سَمِعَ اللّٰہُ قَوۡلَ الَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰہَ فَقِیۡرٌ وَّنَحۡنُ اَغۡنِیَآءُ ......

(تفسیر الطبری ج ۶ ص ۲۷۸۔۲۷۹، دارعالم الکتب ریاض، ۱۴۳۴ھ، تفسیر ابن ابی حاتم: ۴۵۸۹، مشکل الآثار للطحاوی: ۱۸۳۰، اسباب النزول

للواحدی ص ۹۸، الدر المنثور ج ۲ ص ۱۰۶، سیرتِ ابن ہشام ج ۱ ص ۵۵۸۔۵۵۹، تفسیرِ مجاہد ص ۲۶۳)

حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ''مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً۔۔۔ (البقرہ:۲۴۵)'' (کوئی ہے جو اللہ کو قرضِ حسن دے! تو اللہ اُس کے دیے ہوئے کو بڑھا چڑھا کر کئی گنا زیادہ فرما دیں)، تب یہود نے کہا کہ تمہارا رب ہم سے قرض طلب کرتا ہے، معلوم ہوا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں جو اللہ کو قرض دیتے ہیں کیونکہ فقیر، غنی سے طلب کرتا ہے۔ (تفسیرِ مجاہد ص ۲۵۳، تفسیر الطبری ج ۶ ص ۲۸۰، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۲۴ھ)

ڈاکٹر اقبال نے ''بالِ جبریل'' کے ایک شعر میں اللہ تعالیٰ کو بخیل قرار دیا، حالانکہ بخیل کا لفظ فقیر سے زیادہ توہین آمیز ہے

میں کہتا ہوں: فنحاص یہودی نے اللہ تعالیٰ کے متعلق کہا کہ وہ فقیر ہے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اس کو سن کر برداشت نہیں کر سکے اور فنحاص کے مونہہ پر زوردار تھپڑ مارا اور کہا: اگر ہمارے اور تمہارے درمیان معاہدہ نہ ہوتا تو میں تمہاری گردن اڑا دیتا، اور فقیر کی بہ نسبت بخیل کا لفظ زیادہ توہین آمیز ہے اور ڈاکٹر اقبال نے اللہ تعالیٰ کے متعلق کہا ہے:

تیرے شیشے میں مے باقی نہیں ہے بتا کیا تو میرا ساقی نہیں ہے
سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم بخیلی ہے یہ رزّاقی نہیں ہے

(بالِ جبریل ص ۶، کلیاتِ اقبال ص ۲۴۰، الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور)

ڈاکٹر اقبال کی یہ رباعی ہندوستان اور پاکستان کے کروڑوں مسلمانوں نے سنی اور کسی مسلمان کا خون جوش میں نہیں آیا، اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کی شان میں فقیر کا لفظ نہیں برداشت کر سکے تھے، وہ کیسے مسلمان تھے جنہوں نے اللہ کی شان میں بخیل کا لفظ سنا اور آسانی سے ہضم کر لیا!۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے ''یہ (عذاب) اُن کاموں کا بدلہ ہے جو تم نے پہلے کئے تھے اور بے شک اللہ بندوں پر ظلم فرمانے والے نہیں ہیں ○'' (آل عمران:۱۸۲)

''ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ'': اس آیت پر یہ اشکال ہے کہ اُن کو جو عذاب دیا گیا وہ اُن کے اس قول کی بناء پر تھا کہ انہوں نے کہا: اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں، اور اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ یہ اُن کاموں کا بدلہ ہے جو تم نے پہلے کئے تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اِن کاموں سے مراد عام ہے خواہ وہ اُن کے کیے ہوئے ناجائز کام ہوں یا اُن کی کی ہوئی ناجائز باتیں ہوں جیسے فنحاص اور دوسرے یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کو فقیر کہا تھا۔

(تفسیر ابن عرفۃ، ج ۱ ص ۴۴۹۔۴۵۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۸ء)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جن لوگوں نے یہ کہا تھا کہ بے شک اللہ نے ہم سے یہ عہد لیا ہے کہ ہم کسی رسول پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک کہ وہ ہمارے پاس ایسی قربانی لے کر نہ آئے جس کو آگ کھا جائے،

(اے رسولِ اکرم!) آپ کہیے: بے شک مجھ سے پہلے تمہارے پاس بہت سے رسول روشن نشانیاں لے کر آئے اور اس نشانی کو بھی لے کر آئے جو تم نے کہی ہے، پھر تم اُن نبیوں کو کیوں قتل کرتے تھے اگر تم سچے ہو○'' (آل عمران: ۱۸۳)

یہود کا اپنی طلب کردہ نشانیوں کے حصول کے باوجود ایمان نہ لانا

''اَلَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَیْنَاۤ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰی یَاْتِیَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ'':
الضحاک بیان کرتے ہیں کہ پہلے ایک مرد صدقہ کرتا، جب اس کا صدقہ قبول ہو جاتا تو اللہ تعالیٰ آسمان سے ایک آگ بھیجتا اور وہ آگ اس کے کئے ہوئے صدقہ کو کھا لیتی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا: آپ کہیے کہ اے وہ لوگو! جن کا یہ زعم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن سے یہ عہد لیا ہے کہ وہ اس وقت تک کسی رسول پر ایمان نہ لائیں حتیٰ کہ وہ ایسی قربانی پیش کرے کہ جس کو آگ کھا لے، تم یہ کہتے ہو حالانکہ مجھ سے پہلے رسول ایسے قوی دلائل لے کر آئے جو اُن کی نبوت کے صدق پر دلالت کرتے تھے اور اس نشانی کو بھی لے کر آئے جس کا تم نے دعویٰ کیا تھا کہ جب وہ دلائل آ جائیں گے تو تم پر ان کی نبوت کی تصدیق کرنا لازم ہو گا یعنی آگ اُن کی قربانیوں کو کھا لے اور آگ نے اُن کی قربانیوں کو کھا لیا، پھر تم نے اُن کو کیوں قتل کیا اگر تم سچے ہو۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ یہود اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور اپنے رب پر افتراء کرتے ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کرتے ہیں، اور وہ خوب جانتے ہیں کہ آپ صادق ہیں اور برحق ہیں، پھر بھی وہ آپ کی نبوت کا انکار کرتے ہیں حالانکہ اُن کے پاس اُن کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ آپ اللہ کے برحق رسول ہیں۔ (تفسیر طبری ج ۶ ص ۲۸۴، تفسیر ابن ابی حاتم: ۴۵۹۸، التبیان ج ۳ ص ۶۸)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ سے پہلے رسولوں کو بھی جھٹلایا گیا ہے جو کھلے ہوئے معجزات اور آسمانی صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے○'' (آل عمران: ۱۸۴)

یہودِ مدینہ کی تکذیب پر اللہ تعالیٰ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دینا

''فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ'': اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی فرمائی ہے کہ یہود آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو آپ اس سے ملولِ خاطر نہ ہوں، کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی بھی تکذیب کر چکے ہیں اور ان کے باپ دادا نے اللہ تعالیٰ کے متعدد رسولوں کی تکذیب کی، اور جو رسول قطعی دلائل کو لے کر آیا اس نے معجزات پیش کیے، اس کے باوجود انہوں نے اس کی تکذیب کی۔ (تفسیر طبری ج ۶ ص ۲۸۶)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''ہر جاندار موت کا مزا چکھنے والا ہے اور قیامت کے دن تمہارے کاموں کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، سو جو شخص (دوزخ کی) آگ سے دور فرما دیا گیا اور جنت میں داخل فرما دیا گیا سو وہ کامیاب ہو گیا، اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کا سامان ہے○'' (آل عمران: ۱۸۵)

دنیا کے عیش و عشرت میں موت کو یادرکھنے کی تلقین

علامہ سید محمود آلوسی البغدادی الحنفی المتوفی ۱۲۷۰ھ آل عمران: ۱۸۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ'': یعنی ہر نفس نے لامحالہ موت پر واقع ہونا ہے، پس گویا کہ اس نے موت کو چکھنا ہے، اس آیت میں مصدقین کے لیے وعدہ ہے اور مکذبین کے لیے وعید ہے، اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی فرمائی ہے کیونکہ موت کو یاد رکھنا اور اس کو اپنے دل و دماغ میں حاضر رکھنا دنیاوی تفکرات اور دنیاوی پریشانیوں کو زائل کر دیتا ہے، موت کو یاد رکھنے کے متعلق حسب ذیل حدیث ہے:

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی نماز کی جگہ پر تشریف لائے، آپ نے لوگوں کو ہنستے ہوئے دیکھا، آپ نے فرمایا: اگر تم ''ھاذم اللذات'' (لذتوں کو جلدی کاٹنے والی چیز) کو زیادہ یاد کرتے تو میں تم کو اس حال میں نہ دیکھتا جس حال میں تم کو دیکھ رہا ہوں، سو تم ''ھاذم اللذات'' یعنی موت کو زیادہ یاد کیا کرو، کیونکہ قبر ہر روز زبانِ حال سے یہ کہتی ہے: میں مسافروں کا گھر ہوں، میں تنہائی کا گھر ہوں، میں مٹی کا گھر ہوں، اور میں کیڑوں مکوڑوں کا گھر ہوں، اور جب بندۂ مومن کو دفنا دیا جاتا ہے تو اس سے قبر کہتی ہے: مرحبا و اہلاً، یعنی تمہارا آنا مبارک ہو تم اپنے ہی گھر میں آئے ہو، جو لوگ میری پیٹھ پر چلتے تھے تم مجھے اُن سب سے زیادہ محبوب ہو، آج جب تم میرے سپرد کیے گئے ہو اور میرے پاس آئے ہو پس عنقریب تم دیکھو گے میں تمہارے ساتھ کیسا نیک سلوک کرتی ہوں، پس وہ قبر اس کے لیے حدِ نگاہ تک وسیع ہو جاتی ہے اور اس کے لیے جنت کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے، اور جب قبر میں کوئی بدکار بندہ یا کافر دفن کیا جاتا ہے تو اس سے قبر کہتی ہے: تمہارا آنا مبارک نہ ہو، اور نہ ہی یہ تمہارا گھر ہے اور جو لوگ میری پیٹھ پر چلتے تھے تم مجھے اُن سب سے زیادہ مبغوض ہو، آج جب تم میرے سپرد کیے گئے ہو اور میرے پاس آئے ہو تو عنقریب تم دیکھو گے کہ میں تمہارے ساتھ کیا کرتی ہوں، آپ نے فرمایا: پھر قبر اس پر سمٹ جائے گی اور اس کو دبائے گی حتیٰ کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں پیوست ہو جائیں گی، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی انگلیاں ایک دوسرے میں داخل کر کے دکھایا، اور اس پر ستر (۷۰) اژدھے مسلط کیے جائیں گے، اُن اژدھوں میں سے ایک اژدھا بھی زمین پر پھونک مارے تو قیامت تک اس دنیا میں کوئی چیز اُگ نہ سکے، وہ اژدھے اس کو ڈستے اور نوچتے رہیں گے حتیٰ کہ اُس شخص کو حساب کے لیے لے جایا جائے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قبر جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

(سنن ترمذی: ۲۴۶۸، امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث سنداً غریب ہے اور ہم اس حدیث کو صرف اسی سند سے پہچانتے ہیں)

ہر جاندار کی موت سے چند نفوس کا استثناء

اس آیت (ہر جاندار موت کا مزا چکھنے والا ہے) کو اپنے ظاہر پر محمول کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ قرآنِ مجید سے ثابت ہے کہ بعض جانداروں پر موت نہیں آئے گی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ...... (الزمر: ۶۸)'' (اور صور میں پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمینوں میں جتنے بھی زندہ ہیں وہ سب (صور کی کڑک سے ہلاک) ہو جائیں گے سوا اُن کے جن کو اللہ تعالیٰ ہلاک فرمانا نہ چاہیں) یعنی وہ زندہ رہیں گے، اور ان کے متعلق تین اقوال ہیں: (۱)

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ شہداء ہیں، (علامہ القرطبی نے القشیری کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ان میں انبیاء علیہم السلام بھی داخل ہیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام نبوت کے ساتھ ساتھ شہادت کے ساتھ بھی متصف ہیں)۔ (۲) مقاتل نے کہا: وہ حضرت جبریل اور حضرت میکائیل اور حضرت اسرافیل اور حضرت عزرائیل مَلَکُ الموت ہیں اور جو فرشتے حاملینِ عرش ہیں، اور الضحاک نے کہا: اور رضوان (یعنی جنت کا محافظ)، اور جو فرشتے دوزخ کے محافظ ہیں، پھر اللہ تعالیٰ بعد میں اُن پر موت طاری فرمائے گا۔ (۳) ابو اسحاق بن شاقلا حنبلی نے کہا: وہ بڑی آنکھوں والی حوریں ہیں اور اسی طرح جو کفار دوزخ میں ہیں، کیونکہ اُن کو بقاء کے لیے پیدا کیا گیا ہے، وہ بھی زندہ رہیں گے۔

(زاد المسیر لابن الجوزی ج ۳ ص ۲۷۳، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ، الجامع لاحکام القرآن للقرطبی جزو ۱۳ ص ۲۱۶، جزو ۱۵ ص ۲۴۴۔۲۴۵)

لہٰذا "كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ" کے عموم سے یہ سب مستثنیٰ ہیں کیونکہ صور میں جب پھونکا جائے گا تو یہ سب نہیں مریں گے اور ان کے علاوہ باقی سب مر جائیں گے۔

آیا فرشتے بھی موت کے عموم میں داخل ہیں یا نہیں؟

علامہ آلوسی فرماتے ہیں: کیا فرشتے بھی اس عموم میں داخل ہیں؟ اس کے متعلق دو قول ہیں:

(۱) جمہور کا اس پر اتفاق ہے کہ فرشتے بھی اس عموم میں داخل ہیں، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: "كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝" ۔ (الرحمٰن: ۲۶۔۲۷) "(ہر وہ جو زمین پر موجود ہے سب کو فانی ہونا ہے ○ اور آپ کے رب کی ذات جو عظمت اور بزرگی والی ہے وہ باقی رہے گی ○) تو فرشتوں نے کہا: تمام روئے زمین والے مر گئے، پھر جب یہ آیت نازل ہوئی: "كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ" تو فرشتوں نے کہا: ہم بھی مر گئے۔

(روح المعانی جز ۴ ص ۲۲۸، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

میں کہتا ہوں: علامہ آلوسی نے حسبِ عادت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کا حوالہ نہیں دیا، میں نے اس کو تفسیر الطبری، تفسیر ابن ابی حاتم، تفسیر کبیر، تفسیر الدر المنثور اور دیگر کتب میں تلاش کیا لیکن اس کا حوالہ مجھے نہیں مل سکا، لیکن بہ ظاہر یہ روایت معناً صحیح ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور تمہارے مالوں کی اور تمہاری جانوں کی ضرور بہ ضرور آزمائش فرمائی جائے گی، اور تم سے پہلے جو اہلِ کتاب ہیں تم اُن سے اور مشرکین سے ضرور بہ ضرور بہت زیادہ تکلیف دہ باتیں سنو گے، اور اگر تم صبر کر لو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو بے شک یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے ○" (آل عمران: ۱۸۶)

اللہ تعالیٰ کے آزمائش فرمانے پر اشکال کا جواب

"لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ": اس آیت پر یہ اشکال ہے کہ آزمائش تو وہ کرتا ہے جس کو حقیقت حال کا علم نہیں ہوتا، اور اللہ عزوجل علام الغیوب ہیں، سو ان کا کسی کی آزمائش فرمانا کس طرح صحیح ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنین کے ساتھ ایسا معاملہ فرمائیں گے جیسا آزمائش کرنے والا کسی کے ساتھ معاملہ کرتا ہے

تا کہ اللہ تعالیٰ یہ ظاہر فرمائیں کہ مومنین حق پر ثابت قدم ہیں یا نہیں!

مومنوں کی جانوں اور اُن کے مالوں میں آزمائش کی تفصیل

اور اُن کے اموال میں آزمائش فرمائی جائے گی کہ انہوں نے اپنے اموال میں سے فرائض کو ادا کیا ہے یا نہیں، اور اُن کی جانوں میں آزمائش کی جائے گی یعنی اُن کو قتل کیے جانے میں اور زخم کھانے میں اور قید ہونے میں اور بیماریوں میں مبتلاء ہونے میں اور رشتہ داروں کے گم ہونے میں اُن کی آزمائش فرمائی جائے گی کہ آیا وہ ان مصائب میں ثابت قدم رہے ہیں یا نہیں۔

اہلِ کتاب اور مشرکین کی دل آزار باتیں

"وَ لَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ": یعنی تم سے پہلے جن لوگوں کو کتاب عطاء فرمائی گئی تھی تم اُن سے ضرور دل آزار باتیں سنو گے۔

"وَ مِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْۤا اَذًى كَثِیْرًا": امام ابن جریر طبری نے الزہری سے روایت کی ہے کہ جن مشرکین نے ایذاء پہنچانے والی باتیں کی تھیں، اُن میں سے کعب بن الاشرف تھا۔ وہ اپنے اشعار میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے خلاف مشرکین کو بھڑکاتا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی ہجو کرتا تھا۔ (تفسیر الطبری ج ۶ ص ۲۹۲، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴)

حضرت عُروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب مشرکین اور اہلِ کتاب کی ایذاء رسانیوں کو معاف فرما دیتے تھے اور اُن کی ایذاء رسانیوں پر صبر فرماتے تھے، اللہ عزوجل نے فرمایا: "وَ لَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْۤا اَذًى كَثِیْرًا..."۔ (صحیح البخاری: ۴۵۶۶، ملتقطاً)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور یاد کیجئے جب اللہ نے اہلِ کتاب سے یہ عہد لیا کہ تم ضرور بہ ضرور اس کتاب کو لوگوں کے سامنے بیان کرو گے اور اس میں سے کچھ بھی نہیں چھپاؤ گے، سو اِن لوگوں نے اس عہد کو اپنے پسِ پشت پھینک دیا اور اس کے عوض حقیر معاوضہ حاصل کیا، پس وہ کیسی بری چیز ہے جس کو وہ خرید رہے ہیں O"

(آل عمران: ۱۸۷)

یہودِ مدینہ کا اپنی کتاب سے کچھ نہ چھپانے کا عہد کرنے کے باوجود تورات کی اُن آیتوں کو چھپانا جن میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت تھی

"وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَ لَا تَكْتُمُوْنَهٗ": حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ اس آیت میں اہلِ کتاب سے مراد خصوصاً علماء یہود ہیں، ان سے اللہ تعالیٰ نے یہ عہد لیا تھا کہ تم حق کو بیان کرو گے اور حق پر عمل کرو گے اور کتاب میں جو کچھ لکھا ہوا ہے اس کو نہیں چھپاؤ گے۔

"فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ": یعنی علماء یہود نے اس عہد اور میثاق کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا۔

"وَ اشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا": اور انہوں نے کتاب کے احکام کو چھپانے کے عوض دنیا کی حقیر اور قلیل قیمت وصول کی۔

ضرورت کے وقت علم کے اظہار کا وجوب

اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ ضرورت کے وقت علم کو ظاہر کرنا واجب ہے اور دین کے امور میں سے کسی چیز کو چھپانا حرام ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص سے علم کے متعلق سوال کیا گیا اور اس نے اس علم کو چھپالیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے مونہہ میں دوزخ کی آگ کی لگام ڈال دیں گے۔

(سنن ابوداؤد: ۳۶۵۸، سنن ترمذی: ۲۶۴۹، سنن ابن ماجہ: ۲۶۱)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جو لوگ اپنے کئے ہوئے کاموں پر خوش ہوتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ اُن کی اُن کاموں پر بھی تعریف کی جائے جو انہوں نے نہیں کئے اُن کو تم ہرگز ہرگز (نجات یافتہ) نہ سمجھنا، لہٰذا تم اُن لوگوں کے متعلق ہرگز ہرگز یہ گمان نہ کرنا کہ وہ عذاب سے نجات پا جائیں گے، اور (درحقیقت) اُن کے لیے دردناک عذاب ہے O'' (آل عمران: ۱۸۸)

آل عمران: ۱۸۸ میں عموم الفاظ کے باوجود اس آیت کا اپنے مورد یعنی یہودِ مدینہ کے ساتھ خاص ہونا

''لَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ يَفۡرَحُوۡنَ بِمَاۤ اَتَوْا وَّيُحِبُّوۡنَ اَنۡ يُّحۡمَدُوۡا بِمَا لَمۡ يَفۡعَلُوۡا'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت اہلِ کتاب کے متعلق نازل ہوئی ہے جو ناحق فیصلہ کرتے تھے اور تورات کے کلمات کو اپنی جگہ سے بدل دیتے تھے اور پھر اس پر خوش ہوتے تھے اور وہ یہ پسند کرتے تھے کہ اُن کی اُن کاموں پر تحسین کی جائے جو انہوں نے نہیں کیے تھے یعنی وہ نماز نہیں پڑھتے تھے، روزہ نہیں رکھتے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ اُن کی تعریف کی جائے کہ وہ بہت نمازیں پڑھتے ہیں اور بہت روزہ رکھتے ہیں، تو اے مخاطبین! تم یہ گمان نہ کرو کہ اُن کو عذاب سے نجات مل جائے گی، اُن کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم: ۴۶۳۹)

علقمہ بن وقاص نے خبر دی کہ مروان نے اپنے دربانوں سے کہا: اے رافع! تم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس جاؤ اور اُن سے پوچھو کہ ہر مرد اپنے کیے ہوئے کام سے خوش ہوتا ہے اور یہ پسند کرتا ہے کہ اس کی اُن کاموں پر تعریف کی جائے جو اس نے نہیں کیے، اگر اس وجہ سے لوگوں کو عذاب دیا جائے گا پھر تو ہم سب کو عذاب دیا جائے گا، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تمہارا اس آیت کے ساتھ کیا تعلق ہے؟، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودِ مدینہ کو بلایا اور اُن سے کسی چیز کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے اس کو چھپالیا اور اس کے علاوہ کسی اور چیز کی خبر دے دی، اور انہوں نے یہ چاہا کہ جو انہوں نے غلط خبر دی ہے اس پر ان کی تعریف کی جائے اور انہوں نے جو تورات کی آیت کو چھپالیا تھا اس پر وہ خوش ہوئے تھے، پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کو پڑھا: ''وَاِذۡ اَخَذَ اللّٰهُ مِيۡثَاقَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ''۔ (صحیح البخاری: ۴۵۶۸، صحیح مسلم: ۲۷۷۸، سنن ترمذی: ۳۰۱۴، مسند احمد: ۲۷۰۷)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور تمام آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے وہ اللہ ہی کی ملکیت میں ہے، اور بے شک اللہ جو چاہیں اس پر قادر ہیں O'' (آل عمران: ۱۸۹)

''وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'': یعنی تمام آسمانوں اور زمینوں کی ملکیت خصوصیت کے ساتھ صرف اللہ کے لیے ہے، نہ کوئی اور اس کا بالاستقلال مالک ہے نہ بالاشتراک مالک ہے۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾

بے شک آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق میں اور رات اور دن کے ایک دوسرے کے بعد آنے میں عقل والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں O

الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾

جو لوگ کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور پہلو کے بل لیٹے ہوئے اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں، (یہ کہتے ہوئے) اے ہمارے رب! آپ نے یہ (سب کچھ) بے فائدہ نہیں پیدا فرمایا، آپ ہر عیب اور ہر نقص سے پاک ہیں سو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لیجئے O

رَبَّنَاۤ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾

اے ہمارے رب! بے شک آپ نے جس کو دوزخ میں ڈال دیا تو آپ نے اس کو رسوا فرما دیا، اور ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں ہے O

رَبَّنَاۤ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾

اے ہمارے رب! بے شک ہم نے ایک منادی کرنے والے سے سنا جو ایمان لانے کی ندا فرما رہے تھے (اے لوگو!) تم اپنے رب پر ایمان لے آؤ، سو ہم ایمان لے آئے، اے ہمارے رب! پس آپ ہمارے کبیرہ گناہوں کی مغفرت فرما دیجئے اور ہمارے صغیرہ گناہوں کو ہم سے مٹا دیجئے اور نیک لوگوں کے ساتھ ہمارا خاتمہ فرمائیے O

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ۭ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ﴿۱۹۴﴾

اے ہمارے رب! جن نعمتوں کے عطا فرمانے کا آپ نے اپنے رسولوں کے ذریعہ ہم سے وعدہ فرمایا ہے وہ نعمتیں ہمیں عطا فرمائیے اور قیامت کے دن ہمیں شرمندہ نہ فرمائیے، بے شک آپ وعدہ خلافی نہیں فرماتے O

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَ اُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَ قٰتَلُوْا وَ قُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَ لَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

سواُن کے رب نے اُن کی دعا قبول فرمالی، بے شک میں تم میں سے کسی (نیک) عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں فرماتا خواہ وہ مرد ہو یا عورت، تم سب آپس میں ایک دوسرے کی جنس سے ہو، سو جن لوگوں نے ہجرت کی اور وہ اپنے گھروں سے نکالے گئے اور اُن کو میری راہ میں ایذا پہنچائی گئی اور اُنہوں نے (کفار سے) قتال کیا اور وہ شہید کیے گئے، میں ضرور بہ ضرور اُن کے تمام گناہ مٹادوں گا اور میں ضرور بہ ضرور اُن کو ایسی جنتوں میں داخل فرماؤں گا جن کے نیچے سے دریا بہہ رہے ہیں، یہ اللہ کی طرف سے ثواب ہے اور اللہ ہی کے پاس بہترین ثواب ہےO

لَا یَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ ؕ﴿۱۹۶﴾

(اے رسولِ اکرم!) شہروں میں کافروں کا (خوش حالی کے ساتھ) جھومتے ہوئے پھرنا آپ کو (بالفرض) غلط فہمی میں مبتلاء نہ کردےO

مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ۫ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾

یہ (ان لوگوں کی) عارضی زندگی کا تھوڑا سا فائدہ ہے، پھر ان کا (دائمی) ٹھکانا دوزخ ہے، اور کیسا برا ٹھکانا ہےO

لٰكِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾

لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں اُن کے لیے (آخرت میں) دائمی جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے رہتے ہیں، وہ اُن جنتوں میں ہمیشہ رہنے والے ہیں (یہ) اللہ کی طرف سے مہمانی ہے، اور جو اجر اللہ کے پاس ہے وہ نیکوکاروں کے لیے سب سے بہتر ہےO

وَ اِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِمْ خٰشِعِیْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا یَشْتَرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِیْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ

اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾

اور بے شک بعض اہلِ کتاب اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور جو کچھ تمہاری طرف نازل فرمایا گیا ہے (اس پر ایمان لاتے ہیں) اور جو کچھ اُن کی طرف نازل فرمایا گیا ہے (اس پر ایمان لاتے ہیں)، اُن کے دل اللہ سے ڈرنے والے ہیں، وہ اللہ کی آیتوں کے بدلہ میں حقیر معاوضہ نہیں لیتے، یہ وہ لوگ ہیں جن کا اجران کے رب کے پاس ہے، بے شک اللہ بہت جلد حساب لینے والے ہیںO

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾

اے ایمان والو! خود بھی صبر کرو اور ایک دوسرے کو بھی صبر کی تلقین کرو اور اپنی سرحدوں کی حفاظت کرتے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم اخروی کامیابی حاصل کروO

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق میں اور رات اور دن کے ایک دوسرے کے بعد آنے میں عقل والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیںO'' (آل عمران: ۱۹۰)

اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل

علامہ مصطفیٰ الخیری الحصنی المنصوری الحنفی التوفی ۱۳۹۰ھ، آل عمران: ۱۹۰ تا ۲۰۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'': آسمانوں اور زمینوں کی ذات اور صفات ایسی عظیم ہیں جن میں عقول حیران ہو جاتی ہیں اور دن اور رات کے ایک دوسرے کے بعد آنے میں اور اُن کی مقدار کے اختلاف میں ضرور اللہ تعالیٰ کی توحید پر اور اس کے کمالِ علم پر بے شمار نشانیاں ہیں۔

لفظِ ''الباب'' جمع قلت ہے اور اس کو لانے میں یہ اشارہ ہے کہ اگر چہ یہ نشانیاں فی نفسہا بہت زیادہ ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے غیب کے خزانے عام لوگوں سے مخفی ہیں اور اس غیب کا علم کم لوگوں کو ہی عطاء فرمایا گیا ہے، پس جو چیز بھی عالمِ وجود میں آتی ہے، وہ اس کے بنانے والے پر بہت پر قوی دلالت کرتی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جو لوگ کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور پہلو کے بل لیٹے ہوئے اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں، (یہ کہتے ہوئے) اے ہمارے رب! آپ نے یہ (سب کچھ) بے فائدہ نہیں پیدا فرمایا، آپ ہر عیب اور ہر نقص سے پاک ہیں سو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لیجئےO'' (آل عمران: ۱۹۱)

اللہ تعالیٰ کی صفات میں غور و فکر کرنے کی فضیلت

''اَلَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ'': اس سے یہ مراد ہے کہ نیک لوگ عام اوقات میں اللہ تعالیٰ سے غافل نہیں ہوتے، کیونکہ ان کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مطمئن رہتے ہیں، ان کو یہ یقین ہوتا ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے فیضان سے

وجود میں آتی ہے اور وہ تمام احوال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے ہیں، اور اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ بلا انقطاع اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے ہیں کیونکہ یہ عادتاً محال ہے بلکہ وہ اپنے اکثر احوال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اور اس کی یاد سے غافل نہیں رہتے، اور وہ آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش میں غور وفکر کرتے ہیں اور یہ سب سے افضل عبادت ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ایک ساعت بھی اللہ تعالیٰ کی صفات میں غور وفکر کرنا پوری رات کے قیام سے افضل ہے، اور تفکر دل اور روح کے ساتھ ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں تفکر کرنے کا خصوصیت سے ذکر فرمایا ہے اور خالق کے متعلق تفکر سے منع فرمایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی کنہ اور حقیقت تک کوئی نہیں پہنچ سکتا، حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کے پاس تشریف لائے اور وہ غور وفکر کر رہے تھے تو آپ نے فرمایا: ''تفکروا فی آلاء اللہ ولا تفکروا فی اللہ'' (اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غور وفکر کرو اللہ تعالیٰ کی ذات میں غور وفکر نہ کرو)۔ (الفتح الکبیر ج ۲ ص ۳۵)

اس آیت میں پہلے اللہ تعالیٰ کے ذکر کا بیان ہے، پھر تفکر کا بیان ہے، اس میں یہ تنبیہ ہے کہ جب تک عقل ذکر اللہ کے نور سے منور نہ ہو جائے اس وقت تک اس کو کامل ہدایت حاصل نہیں ہوتی، پھر وہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں غور کرتے ہیں اور اس کی مصنوعات کے عجائب میں اور اس کی حکمتوں کے لطائف میں غور کرتے ہیں اور اُن سے پھر صانع اور اس کی توحید، اور اس کے علم اور اس کی قدرت پر استدلال کرتے ہیں، کیونکہ مصنوعات کی عظمت صانع کی عظمت پر دلالت کرتی ہے۔

''رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا'': اور اس میں آسمانوں اور زمینوں کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں میں جو مصلحتیں اور حکمتیں رکھی ہیں اور عظیم فوائد رکھے ہیں، اُن تک کوئی نہیں پہنچ سکتا، پھر گویا کہ انہوں نے کہا کہ اے اللہ! ہم نے آپ کی تخلیق میں غور وفکر کیا اور ہم نے اس سے آپ کی توحید کو پہچانا، لہٰذا آپ کے احکام کی اطاعت کی اور اُن باطل چیزوں سے آپ کی ذات کی تنزیہہ کو بیان کیا جو آپ کے لائق نہیں ہیں، سو آپ ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لیجئے۔

ذکر کی اقسام

ذکر کی کئی قسمیں ہیں: (۱) زبان سے ذکر کرنا (۲) ظاہری اعضاء سے ذکر کرنا (۳) دل سے ذکر کرنا

زُبان سے ذکر: سبحان اللہ کہنا ہے، الحمدللہ کہنا ہے، اللہ اکبر کہنا ہے اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنا ہے۔ اور ظاہری اعضاء سے ذکر: مثلاً نماز پڑھنا ہے، برے کاموں سے اپنے آپ کو روکنا ہے۔ اور دل سے ذکر: یہ ہے کہ مومن اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی وحدانیت میں غور وفکر کرے اور مخلوقات میں غور وفکر کرے تا کہ مخلوقات کی عظمت سے خالق کی عظمت کو پہچانے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ہمارے رب! بے شک آپ نے جس کو دوزخ میں ڈال دیا تو آپ نے اس کو رسوا فرما دیا، اور ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں ہے O'' (آل عمران: ۱۹۲)

''رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ'': ''اخزاہ اللہ'' کا معنی ہے اللہ نے اس کو دور فرما دیا اور اس کی اہانت فرما دی، اور یہ بھی اس کا معنی ہے کہ اس کو رسوا فرما دیا۔

''وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ؀'': ظالمین سے مراد کفار ہیں اور اس آیت میں اس پر دلیل ہے کہ کافروں کا ظلم کرنا ان کو

دوزخ میں داخل کرنے کا سبب ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ہمارے رب! بے شک ہم نے ایک منادی کرنے والے سے سنا جو ایمان لانے کی ندا فرمارہے تھے: (اے لوگو!) تم اپنے رب پر ایمان لے آؤ، سو ہم ایمان لے آئے، اے ہمارے رب! پس آپ ہمارے کبیرہ گناہوں کی مغفرت فرما دیجئے اور ہمارے صغیرہ گناہوں کو ہم سے مٹا دیجئے اور نیک لوگوں کے ساتھ ہمارا خاتمہ فرمائیے ○'' (آل عمران: ۱۹۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منادی سے تعبیر کرنے کی توجیہ

''رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعۡنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيۡ لِلۡاِيۡمَانِ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِرَبِّكُمۡ'': اس آیت میں منادی کو نکرہ ذکر فرمایا ہے اور اس میں تنوین تعظیم کے لیے ہے اور اس منادی سے مراد عظیم منادی ہیں یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، دوسرا قول یہ ہے کہ اس منادی سے مراد قرآن ہے اور پہلا قول زیادہ ظاہر اور زیادہ مشہور ہے۔ اور نداء سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ پیغام قریب اور دور کے سب لوگوں کو پہنچ جائے کیونکہ نداء بلند آواز سے کی جاتی ہے اور آپ کی نداء یہ تھی کہ اے لوگو! تم اپنے رب پر ایمان لے آؤ جو تمہارے مالک ہیں اور تمہیں درجہ کمال تک پہنچانے والے ہیں۔

''فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَكَفِّرۡ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الۡاَبۡرَارِ ﴿۱۹۳﴾'': پس لوگوں نے کہا کہ ہم نے آپ کے حکم پر لبیک کہا اور آپ کی پکار کو قبول کیا، اے ہمارے رب! آپ ہمارے لیے ہمارے کبیرہ گناہوں کو بخش دیجئے اور ہمارے صغیرہ گناہوں کو مٹا دیجئے، اور ہماری روحوں کو اس حال میں قبض فرمائیے کہ ہمارا شمار نیکوں میں ہو اور اُن کی صحبت میں ہو اور اُن کے گروہ میں ہو، اور اس میں یہ خبر دی ہے کہ یہ لوگ اللہ کی ملاقات سے محبت کرتے تھے، اور الابرار کا لفظ ''البار'' کی جمع ہے اور ''بار'' اس کو کہتے ہیں جو بہت زیادہ نیک ہو اور بہ کثرت نیکی کرتا ہو اور اپنے قول اور فعل میں صادق ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ہمارے رب! جن نعمتوں کے عطا فرمانے کا آپ نے اپنے رسولوں کے ذریعہ ہم سے وعدہ فرمایا ہے وہ نعمتیں ہمیں عطا فرمائیے اور قیامت کے دن ہمیں شرمندہ نہ فرمائیے، بے شک آپ وعدہ خلافی نہیں فرماتے ○'' (آل عمران: ۱۹۴)

اللہ تعالیٰ سے وعدہ خلافی نہ فرمانے کی دعا کی توجیہ

''رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدۡتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ'': یعنی آپ نے اپنے رسولوں کے ذریعہ ہم کو جو انعامات عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے، وہ انعامات ہمیں عطا فرمائیے، اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ پورا فرمانے کی دعا کی، حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں فرماتے، کیونکہ اُن کی مراد یہ تھی کہ ہمیں اُن لوگوں میں داخل فرمائیے جن سے آپ نے وعدہ فرمایا ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس قول سے اللہ تعالیٰ کی طرف زیادہ التجا کرنا مقصود ہے اور اللہ عزوجل کے سامنے تذلل اور زاری کا اظہار کرنا مقصود ہے۔

''وَلَا تُخۡزِنَا يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ'': یعنی قیامت کے دن جو لوگ رسوائی میں مبتلاء ہوں گے، ہمیں اُن سے محفوظ فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ

نے اُن کی اس دعا کو قبول فرمایا اور ارشاد فرمایا: ''یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۔۔۔ (التحریم:۸)'' (جس دن اللہ (اپنے) نبی کو شرمندہ نہیں فرمائیں گے اور نہ اُن لوگوں کو جو اُن کے ساتھ ایمان لائے)، اس آیت میں ''لَا تُخْزِنَا'' فرمایا ہے، یہ ''خِزْیٌ'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی ذلت ہے اور ''اخزاء'' کا معنی کسی کو ذلیل کرنا، اس کو رسوا کرنا یا عار دلانا ہے۔

''اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ۝'': یعنی آپ مومن کو ثواب عطا فرمائیں گے اور اس کی دعا کو قبول فرمائیں گے، المیعاد کا معنی ہے الوعد، ان کی یہ دعا اس وجہ سے نہیں تھی کہ انہیں اللہ تعالیٰ سے وعدہ خلافی کا خوف اور خطرہ تھا بلکہ اُن کی یہ دعا اس لیے تھی کہ اُن کا شمار اُن لوگوں میں نہ ہو جائے جن کو اللہ تعالیٰ نے وعید سنائی ہے، جن کا حال متغیر ہو گا اور اُن کا خاتمہ خراب ہو گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''سو اُن کے رب نے اُن کی دعا قبول فرمالی، بے شک میں تم میں سے کسی (نیک) عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں فرماتا خواہ وہ مرد ہو یا عورت، تم سب آپس میں ایک دوسرے کی جنس سے ہو، سو جن لوگوں نے ہجرت کی اور وہ اپنے گھروں سے نکالے گئے اور اُن کو میری راہ میں ایذا پہنچائی گئی اور اُنہوں نے (کفار سے) قتال کیا اور وہ شہید کئے گئے، میں ضرور بہ ضرور اُن کے تمام گناہ مٹادوں گا اور میں ضرور بہ ضرور اُن کو ایسی جنتوں میں داخل فرماؤں گا جن کے نیچے سے دریا بہہ رہے ہیں، یہ اللہ کی طرف سے ثواب ہے اور اللہ ہی کے پاس بہترین ثواب ہے ۝'' (آل عمران:۱۹۵)

''فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ'': یعنی اللہ تعالیٰ نے اُن کی اس دعا کو قبول فرمالیا اور اس کو ماضی کے صیغہ سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ اُن کی دعا کا قبول ہونا مؤکد ہو جائے۔

نیک مردوں کی طرح نیک عورتوں کے اجر کا ضائع نہ ہونا

''اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی'': یعنی میری ہمیشہ سنت اور میرا دائمی طریقہ یہ ہے کہ میں کسی نیک عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں فرماتا خواہ وہ عمل کرنے والا مذکر ہو یا مؤنث، کیونکہ وہ سب عقائد اور نیک اعمال میں متفق ہیں۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا وجہ ہے کہ میں نے یہ نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی ہجرت کے متعلق کچھ ذکر فرمایا ہو، تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: ''اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی ۔۔۔ (آل عمران:۱۹۵)''۔ (سنن ترمذی:۳۰۲۳)، (میں کہتا ہوں: علامہ صابونی نے اس حدیث کو سنن ترمذی کے حوالہ سے ذکر کیا ہے لیکن مجھے یہ حدیث سنن ترمذی میں نہیں ملی۔ سعیدی غفرلہٗ)۔

اس آیت میں ہجرت کرنے والے صحابہ کے اعمال کی فضیلت بیان فرمائی ہے اور اُن کی مدح فرمائی ہے اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جن لوگوں نے دین کی سربلندی کی خاطر اپنے وطن کو چھوڑ دیا اور جن لوگوں کو اُن کے اُن گھروں سے نکالا گیا جس میں وہ پیدا ہوئے تھے اور پروان چڑھے تھے اور جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے کی وجہ سے اللہ کی راہ میں ہجرت کے وقت ایذاء پہنچائی گئی اُن کو گالیاں دی گئیں، اُن کو مارا گیا، اُن کی تحقیر کی گئی، ان کے اموال لوٹے گئے اور اُن لوگوں نے اللہ کی راہ میں کفار سے قتال کیا اور جہاد میں وہ شہید ہو گئے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میں ضرور اُن کے گناہوں کو مٹادوں گا اور اپنی مغفرت سے اُن کو چھپالوں

گا''، اور اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ دعا کرنے والوں نے جو دعا کی تھی اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول فرمالیا، نیز فرمایا: اور میں ضرور بہ ضرور اُن کو اُن جنتوں میں داخل فرماؤں گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں، اور اُن لوگوں نے دعا کی کہ اے اللہ! آپ اپنے پاس سے اپنے فضل سے ہمیں ثواب عطا فرمائیے اور اللہ ہی کے پاس حسنِ ثواب ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) شہروں میں کافروں کا (خوش حالی کے ساتھ) جھومتے ہوئے پھرنا آپ کو (بالفرض) غلط فہمی میں مبتلاء نہ کردے O'' (آل عمران: ۱۹۶)

کفار کی خوش حالی دیکھ کر اسلام کے برحق ہونے میں شک نہ کیا جائے

''لَا یَغُرَّنَّکَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ'': اس آیت میں اُن لوگوں سے خطاب فرمایا ہے جو اس خطاب کی صلاحیت رکھتے ہیں، یا اس آیت میں بہ ظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے اور اس سے مراد آپ کی امت ہے، یعنی اس آیت میں تعریض ہے، ذکر آپ کا ہے اور مراد آپ کی امت ہے۔ (میں کہتا ہوں: اگر اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی خطاب ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ مراد یہ ہے کہ اے رسولِ اکرم! شہروں میں کافروں کی خوشحالی سے بالفرض آپ غلط فہمی میں مبتلاء نہ ہو جائیں جیسے ارشاد فرمایا: ''قُلْ اِنْ کَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ'' (الزخرف: ۸۱) ''(اے رسولِ اکرم! آپ کہیے: اگر بالفرض رحمٰن کی کوئی اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والا ہوتا)، اور ارشاد فرمایا: ''فَاِنْ کُنْتَ فِیْ شَکٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ فَسْئَلِ الَّذِیْنَ یَقْرَءُوْنَ الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکَ'' (یونس: ۹۴) ''(اے رسولِ اکرم! اگر بالفرض آپ کو اس قرآن میں شک ہو جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل فرمایا ہے تو آپ اُن لوگوں سے سوال کرلیں جو آپ سے پہلے (آسمانی) کتاب کو پڑھتے تھے)۔ اسی نہج پر یہاں فرمایا: ''(اے رسولِ اکرم!) شہروں میں کافروں کا (خوش حالی کے ساتھ) جھومتے ہوئے پھرنا آپ کو (بالفرض) غلط فہمی میں مبتلاء نہ کردے۔'' لہٰذا اس تاویل کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ یہ کہا جائے کہ اس آیت میں خطاب آپ کو ہے اور مراد آپ کی امت ہے، یا یہ کہا جائے کہ اس آیت میں سننے والے مخاطبین سے خطاب ہے، کیونکہ یہ تاویلات خلافِ ظاہر ہیں، ظاہر یہ ہے کہ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ آپ ہی سے خطاب فرماتا ہے، اور جب اس آیت کو ظاہر قرآن پر محمول کرنا ممکن ہے تو پھر ان تاویلات کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

یعنی آپ جو بہ ظاہر دیکھتے ہیں کہ کفار بہت وسعت اور کشادگی میں ہیں، ان کی تجارت اور ان کی کاشت کاری اور ان کے کام کاج سے ان کو بہت فوائد حاصل ہو رہے ہیں تو اس سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے، اس لیے ان کو اس قدر خوشحالی میں رکھا ہوا ہے، اور یہ بھی روایت ہے کہ بعض مسلمانوں نے جب دیکھا کہ مشرکین بہت خوش حالی اور کشادگی میں ہیں تو انہوں نے کہا کہ اللہ کے دشمن تو اس قدر وسعت اور خیر میں ہیں اور ہم اس قدر مشقت اور بھوک پیاس اور مصائب میں گرفتار ہیں، تب یہ آیت نازل ہوئی: ''لَا یَغُرَّنَّکَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ'' ((اے رسولِ اکرم!) شہروں میں کافروں کا (خوش حالی کے ساتھ) جھومتے ہوئے پھرنا آپ کو (بالفرض) غلط فہمی میں مبتلاء نہ کردے)، اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں اُس بالا خانہ میں داخل ہوا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، میں نے نظر

اٹھا کر آپ کے گھر کی طرف دیکھا، پس اللہ کی قسم! میں نے اس گھر میں کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جس کی طرف میری نظر پلٹ کر آتی، سوا اس کے کہ وہاں تین کچی کھالیں تھیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے اور آپ کے اور اس چٹائی کے درمیان کوئی بستر نہیں تھا اور آپ کے سر کے نیچے چمڑے کا ایک تکیہ تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، اور آپ کے سر کے نیچے چند کچی کھالیں لٹکی ہوئی تھیں، پس میں نے دیکھا کہ چٹائی کے نقوش آپ کے پہلو میں ثبت ہو گئے تھے، پس میں رونے لگا، آپ نے پوچھا: تمہیں کیا چیز رُلاتی ہے؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امت پر وسعت اور کشادگی عطا فرمائے، کیونکہ فارس اور روم پر تو دنیا بہت کشادہ کی گئی ہے اور اُن کو دنیا کا بہت مال دیا گیا ہے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے، اور آپ اللہ کے رسول ہیں اور آپ اس قدر تنگی میں ہیں، آپ تکیہ پر ٹیک لگائے ہوئے تھے (پھر آپ سنبھل کر بیٹھ گئے)، آپ نے فرمایا: اے خطاب کے بیٹے! کیا تم اپنے دین کے متعلق شک میں مبتلاء ہو گئے ہو؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اُن کی دنیا کی پسندیدہ چیزیں دنیا کی زندگی میں دے دی گئی ہیں، آپ نے فرمایا: کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ اُن کے لیے دنیا ہو اور ہمارے لیے آخرت ہو۔ (صحیح البخاری: ۲۴۶۸، ۴۹۱۳، ملتقطاً مختصراً، صحیح مسلم: ۱۴۷۹، سنن ابن ماجہ: ۴۱۵۳، سنن ترمذی: ۳۳۱۸، سنن نسائی: ۲۱۳۲، مسند احمد: ۲۲۲، ۳۴۱، ۱۲۰۰۹)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یہ (ان لوگوں کی) عارضی زندگی کا تھوڑا سا فائدہ ہے، پھر ان کا (دائمی) ٹھکانا دوزخ ہے، اور کیسا برا ٹھکانا ہے O'' (آل عمران: ۱۹۷)

''مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ'': یعنی ان کافروں کا دنیا میں خوش حالی اور عیش وعشرت کے ساتھ جھومتے ہوئے پھرنا دنیا کا عارضی نفع ہے، اللہ تعالیٰ نے مومنین کے لیے جو اجر وثواب آخرت میں تیار فرما رکھا ہے اس کے مقابلہ میں یہ بہت کم ہے، پھر ان کافروں کا ٹھکانا جہنم ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں اُن کے لیے (آخرت میں) دائمی جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے رہتے ہیں، وہ اُن جنتوں میں ہمیشہ رہنے والے ہیں (یہ) اللہ کی طرف سے مہمانی ہے، اور جو اجر اللہ کے پاس ہے وہ نیکوکاروں کے لیے سب سے بہتر ہے O'' (آل عمران: ۱۹۸)

جنت کی فضیلت میں احادیث

''لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ'':

(۱) حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دن اللہ کی راہ میں سرحد پر پہرا دینا دنیا سے اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہے، اور تم میں سے جنت میں کسی ایک کے چابک رکھنے کی جگہ دنیا سے اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔ (صحیح البخاری: ۲۸۹۲، صحیح مسلم: ۱۸۸۱، سنن ترمذی: ۱۶۶۴، سنن نسائی: ۳۱۱۸، سنن ابن ماجہ: ۴۳۳۰، مسند احمد: ۲۲۳۶۵)

(۲) حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا، اس مجلس میں آپ نے جنت کی صفت بیان فرمائی حتیٰ کہ آخر میں آپ نے فرمایا: جنت میں وہ نعمتیں ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہیں اور نہ کسی

کان نے سنی ہیں اور نہ کسی بشر کے دل میں اُن کا کبھی خیال آیا، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ''تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ۫ وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾ (السجدہ:۱۶۔۱۷)'' (اُن کے پہلو اُن کی خواب گاہوں سے دور رہتے ہیں وہ اپنے رب کو خوف اور طمع میں پکارتے ہیں اور جو چیزیں ہم نے اُن کو عطاء فرمائی ہیں اُن میں سے ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں ○ سو کسی نفس کو علم نہیں کہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا نعمت پوشیدہ رکھی گئی ہے، یہ اُن کے نیک کام کرنے کی جزاء ہے ○)۔ (صحیح مسلم: ۲۸۲۵، الرقم المسلسل: ۷۰۶۶)

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ تیز سوار اُس کے سائے میں ایک سو سال تک دوڑتا رہے گا۔ (صحیح البخاری: ۶۵۵۲، صحیح مسلم: ۲۸۲۶، الرقم المسلسل: ۷۰۶۷، سنن ترمذی: ۲۵۲۳)

(۴) حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک اہلِ جنت اپنے بالا خانہ والوں کو درجات میں فضیلت کی وجہ سے اوپر اس طرح دیکھیں گے جیسے صبح کے وقت اس چمک دار ستارے کو دیکھتے ہیں جو آسمان کے مشرقی یا مغربی کنارہ میں غروب ہو گیا ہو، صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ انبیاء علیہم السلام کے درجات ہیں جن تک ان کے علاوہ کوئی اور نہیں پہنچ سکتا، آپ نے فرمایا: کیوں نہیں، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے رسولوں کی تصدیق کی (وہ بھی ان درجات تک واصل ہوں گے)۔ (صحیح البخاری: ۳۲۵۶، صحیح مسلم: ۲۸۳۱، الرقم المسلسل: ۷۰۷۳)

(۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو پہلا گروہ جنت میں داخل ہوگا تو اس کی صورت ایسی ہوگی جیسے چودھویں رات کا چاند ہو، اور جو لوگ ان کے بعد داخل ہوں گے وہ ایسے ہوں گے جیسے آسمان میں سب سے زیادہ حسین اور روشن ستارہ ہو، ان سب لوگوں کے دل ایک مرد کے دل کی طرح ہوں گے، ان میں آپس میں نہ بغض ہوگا اور نہ حسد ہوگا، اور ہر مرد کے لیے بڑی آنکھوں والی حوروں میں سے دو بیویاں ہوں گی، ان کی پنڈلی کی ہڈی اور گوشت کے پیچھے سے ان کا مغز دکھائی دے گا، وہ صبح شام اللہ عزوجل کی تسبیح کرتے ہوں گے۔

(صحیح البخاری: ۳۲۴۵، صحیح مسلم: ۲۸۳۴، سنن ترمذی: ۲۵۳۷، سنن ابن ماجہ: ۴۳۳۳، مسند احمد: ۲۷۴۱۵)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بے شک بعض اہلِ کتاب اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور جو کچھ تمہاری طرف نازل فرمایا گیا ہے (اس پر ایمان لاتے ہیں) اور جو کچھ اُن کی طرف نازل فرمایا گیا ہے (اس پر ایمان لاتے ہیں) اُن کے دل اللہ سے ڈرنے والے ہیں، وہ اللہ کی آیتوں کے بدلہ میں حقیر معاوضہ نہیں لیتے، یہ وہ لوگ ہیں جن کا اجر ان کے رب کے پاس ہے، بے شک اللہ بہت جلد حساب لینے والے ہیں ○'' (آل عمران: ۱۹۹)

''وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ'': یہ آیت اہلِ کتاب میں سے مومنین کے متعلق نازل ہوئی۔

''وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ'': یعنی قرآن مجید۔ ''وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ'': یعنی تورات اور انجیل، قرآن پر ایمان لانے کو مقدم فرمایا کیونکہ قرآنِ مجید آسمانی کتابوں میں سب سے آخری کتاب ہے اور کسی شخص کا ایمان اس وقت تک صحیح نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تمام کتابوں پر ایمان نہ لائے۔

''لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا'': یعنی وہ اپنی طرف نازل کی ہوئی کتابوں میں تبدیلی نہیں کرتے، اور اُن کی کتابوں میں جو حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی صفات ہیں ان کو نہیں چھپاتے تاکہ لوگوں پر جو اُن کی چودھراہٹ ہے وہ زائل نہ ہوجائے۔

''لَهُمْ اَجْرُهُمْ'': جن لوگوں کی یہ صفات بیان فرمائی گئی ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کے پاس سے دگنا اجر عطا فرمایا جائے گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! خود بھی صبر کرو اور ایک دوسرے کو بھی صبر کی تلقین کرو اور اپنی سرحدوں کی حفاظت کرتے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم اخروی کامیابی حاصل کرو○'' (آل عمران:۲۰۰)

''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا'': عبادت کی مشقتوں، دین کی تکلیفوں اور دنیاوی مصائب اور سختیوں پر صبر کرو۔

اسلام کی سرحدوں کی حفاظت کرنے کا اجر وثواب

''وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا'': اور میدانِ جنگ میں لڑائی پر ثابت قدم رہنے میں اور نفس کی خواہشات اور نافرمانیوں کی مخالفت کرنے پر صبر کرو، اور سرحدوں کی حفاظت کرو اور دشمن پر گہری نظر رکھو اور دشمن سے لڑنے کے لیے تیار رہو، حدیث میں ہے:

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اللہ کی راہ میں ایک دن اسلامی سرحد کی حفاظت کرنا دنیا سے اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سے بہتر ہے۔

(صحیح البخاری:۲۸۹۲، صحیح مسلم:۱۸۸۱، سنن ترمذی:۱۶۶۴، سنن نسائی:۳۱۱۸، سنن ابن ماجہ:۴۳۳۰، مسند احمد:۲۲۳۶۵)

(المقتطف ج ۱ ص ۴۰۳۔۴۱۰، ملخصاً وملتقطاً، دار القلم، دمشق، ۱۴۱۶ھ)
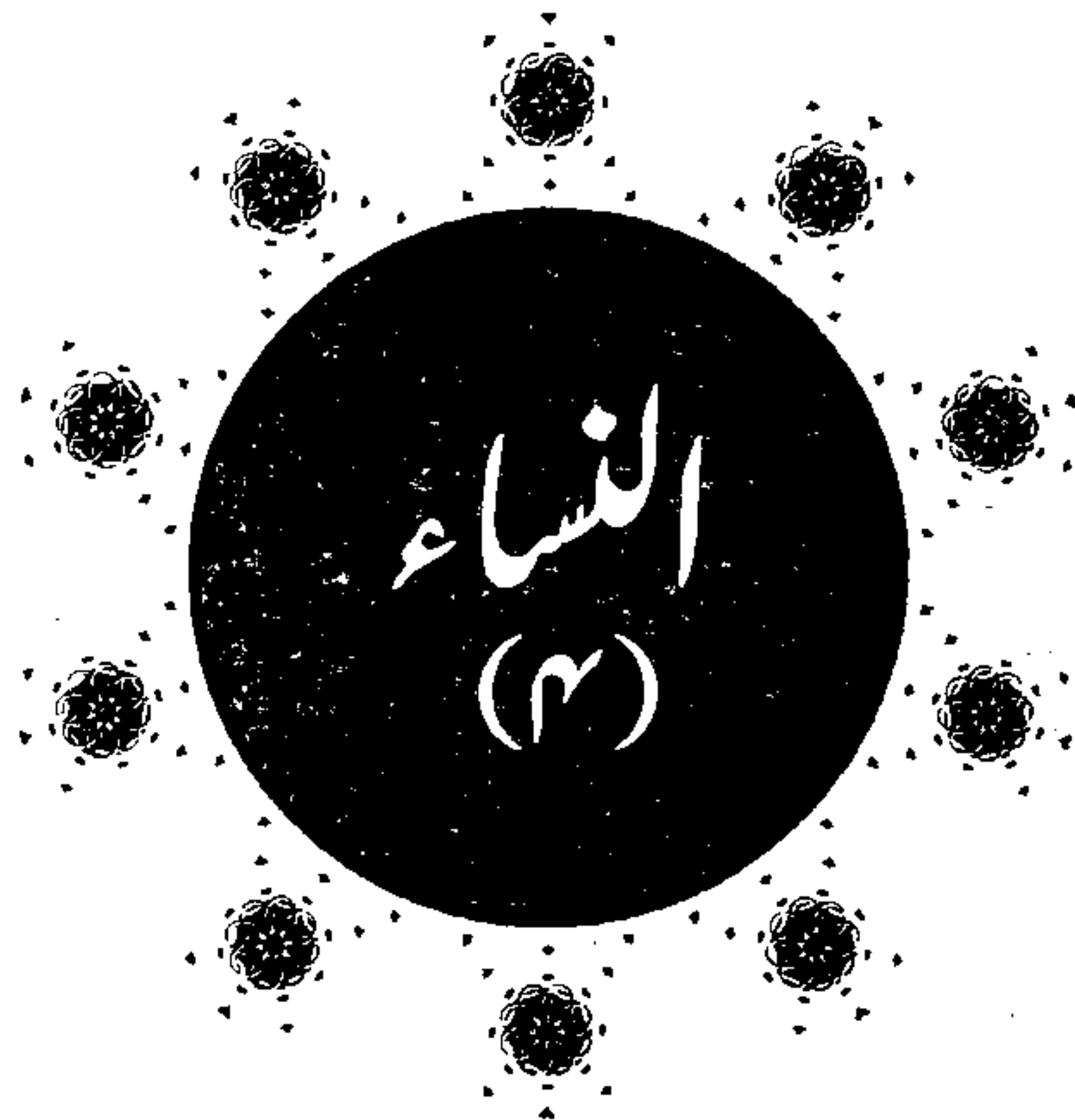
النساء
(۴)

سورۃ النساء کا اجمالی تعارف

(۱) سورۃ النساء مدنی ہے اور اس میں ایک سو چھہتر (۱۷۶) آیات ہیں اور اس میں تین ہزار سات سو پینتالیس (۳۷۴۵) کلمات ہیں، اور چھ ہزار (۶۰۳۳) تینتیس حروف ہیں۔ (اللباب فی علوم الکتاب، ج ۶ ص ۱۳۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۱ء)

(۲) الحسن البصری، مجاہد، جابر بن زید اور قتادہ نے یہ کہا ہے کہ یہ سورت مکی ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ایک آیت کے سوا یہ پوری سورت مدنی ہے، اور وہ یہ آیت ہے: ''اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا۔۔۔ (النساء: ۵۸)'' یہ آیت مکہ میں اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے کعبہ کی چابیاں لے کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو یہ چابیاں عطا کرنے کا ارادہ فرمایا۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۳۶۶، دار الکتاب العربی، بیروت)

(۳) یوسف بن ماہک بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا جب اُن کے پاس ایک عراقی نے آ کر سوال کیا، اس نے پوچھا: کون سا کفن سب سے بہتر ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: تم پر افسوس ہے (کفن کسی قسم کا بھی ہو) اس میں تم کو کیا پریشانی ہے؟ اس نے کہا: اے ام المومنین! مجھے اپنا مصحف دکھائیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: کیوں؟ اس نے کہا: شاید اس کے مطابق میں اپنے قرآن میں آیات کو ترتیب سے لکھوں گا، کیونکہ قرآنِ مجید کو ترتیب سے نہیں پڑھا جا رہا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: قرآن مجید کو ترتیب سے نہ پڑھنے کی وجہ سے تم کو کیا تکلیف ہوتی ہے؟ تم جس آیت کو چاہو پہلے پڑھ لو (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد یہ تھی کہ قرآنِ مجید کی آیات کو ترتیب سے پڑھنا واجب نہیں ہے)، آپ نے فرمایا: سب سے پہلے مفصل کی سورت نازل ہوئی جس میں جنت اور دوزخ کا ذکر ہے، حتیٰ کہ جب لوگ اسلام میں داخل ہو گئے تو پھر حلال اور حرام کے احکام نازل ہوئے، اور اگر ابتداء میں یہ حکم نازل ہو جاتا کہ تم شراب نہ پیو تو تم شراب پینا کبھی نہ چھوڑتے، اور اگر یہ حکم نازل ہو جاتا کہ تم زنا نہ کرو، تو تم کہتے کہ ہم زنا کبھی نہیں چھوڑیں گے، اور تحقیق یہ ہے کہ مکہ میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر قرآن مجید نازل ہوا اور میں اس وقت کم عمر لڑکی تھی، لڑکیوں کے ساتھ کھیلتی تھی، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: ''بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَ اَمَرُّ ﴿۴۶﴾۔۔۔ (القمر: ۴۶)'' (بلکہ اُن کی وعید قیامت ہے اور قیامت بڑی مصیبت اور تلخ ہے ○)، اور سورۃ البقرہ اور سورۃ النساء اس وقت نازل ہوئیں جب میں آپ کے پاس آپ کے نکاح میں تھی۔ (صحیح البخاری: ۴۹۹۳)

حدیثِ مذکور پر ایک اشکال کا جواب

اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ ارشاد ہے کہ سب سے پہلے المفصل کی ایک سورت نازل ہوئی جس میں جنت اور دوزخ کا ذکر ہے، اس پر یہ اعتراض ہے کہ سب سے پہلے المفصل کی ایک سورت نہیں نازل ہوئی بلکہ سب سے پہلے سورۃ العلق نازل ہوئی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سب سے پہلی سورت سے مراد سورۃ المدثر ہے، کیونکہ انقطاع وحی کے بعد سب سے پہلے یہی سورت نازل ہوئی تھی اور اس سورت کے آخر میں جنت اور دوزخ کا ذکر ہے۔

(انتقاض الاعتراض ج ۲ ص ۲۷۵، مکتبۃ الرشد، ریاض ۱۴۱۸ھ)

(۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ سورۃ النساء کی تفسیر کے متعلق مجھ سے سوال کرو کیونکہ میں نے قرآن مجید کو اس وقت پڑھا جب میں کم عمر تھا۔ امام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم نیشاپوری لکھتے ہیں: یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے لیکن انہوں نے اس حدیث کی روایت نہیں کی۔ (المستدرک علی الصحیحین ج ۳ ص ۲۲، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

آیاتها ۱۷۶ ۴ سُوْرَةُ النِّسَآءِ مَدَنِيَّةٌ ۹۲ رکوعاتها ۲۴

(سورۃ النساء مدنی ہے اور اس میں ایک سو چھہتر آیات اور چوبیس رکوع ہیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ عزوجل کے بابرکت نام سے ہی (ابتداء ہے) جو سب پر رحم فرمانے والے، نہایت مہربان ہیں

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ﴿۱﴾

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان (آدم) سے پیدا فرمایا اور اُسی سے اُس کی زوجہ (حواء) کو پیدا فرمایا، اور اِن دونوں سے بہ کثرت مردوں اور عورتوں کو پھیلا دیا، اور اللہ سے ڈرو جس کے واسطہ سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور قرابت داروں میں قطع رحم سے ڈرو، بے شک اللہ تم پر نگہبان ہیں O

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰۤى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۪ وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَهُمْ اِلٰۤى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ﴿۲﴾

اور یتیموں کو اُن کے اموال دے دو، اور اپنے کھوٹے مال کو اُن کے کھرے مال سے تبدیل نہ کرو، اور اُن کے اموال کو اپنے اموال کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ، بے شک یہ بہت بڑا گناہ ہے O

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَلَّا تَعُوْلُوْا ؕ﴿۳﴾

اور اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں میں انصاف نہ کر سکو گے تو اپنی پسند کے مطابق (ان یتیم لڑکیوں کی بجائے) دو دو اور تین تین اور چار چار عورتوں سے (بہ یک وقت) نکاح کر لو، پھر اگر تمہیں یہ خطرہ ہو کہ تم (ان متعدد بیویوں میں) عدل قائم نہ کر سکو گے

تو صرف ایک عورت سے نکاح کرو یا تم اپنی مملوکہ باندیوں پر اکتفاء کرلو، یہ (طریقہ) اس سے زیادہ قریب ہے کہ تم (ایک ہی بیوی کی طرف) جھک جاؤ O

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۭ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْۗـــــًٔـا مَّرِيْۗـــــًٔـا ۝۴

اور بیویوں کو اُن کے مہر خوشی سے ادا کرو، پھر اگر وہ بیویاں اپنی خوشی سے اس مہر میں سے کچھ حصہ دے دیں تو تم اس کو مزے مزے سے خوشی کے ساتھ کھاؤ O

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاۗءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِىْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْھُمْ فِيْھَا وَاكْسُوْھُمْ وَقُوْلُوْا لَھُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۵

اور کم عقل یتیموں کو ان کے وہ اموال نہ دو (جو تمہاری تحویل میں ہیں) جن اموال کو اللہ نے تمہاری گزر اوقات کا ذریعہ بنایا ہے، اور اس مال میں سے تم اُن کو کھلاؤ اور پہناؤ اور اُن سے نیک بات کہو O

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْھُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْھِمْ اَمْوَالَھُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْھَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْھِمْ اَمْوَالَھُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْھِمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝۶

اور یتیموں کی آزمائش کرتے رہو حتیٰ کہ جب وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں، سو اگر تم اُن میں عقل مندی کے آثار دیکھو تو اُن کے اموال اُن کے سپرد کر دو، اور اُن کے اموال کو فضول خرچی اور جلد بازی سے نہ کھاؤ کہ (کہیں وہ یتیم) بڑے ہو جائیں (اور تم سے اپنے اموال طلب کریں)، اور یتیم کے جس ولی کو ضرورت نہ ہو وہ یتیموں کے اموال سے بچتا رہے، اور یتیم کا جو ولی ضرورت مند ہو وہ دستور کے موافق اُن اموال سے کھالے، پھر جب تم یتیموں کے اموال اُن کے سپرد کرنے لگو تو اس پر گواہ بنالو، اور اللہ حساب لینے کے لیے کافی ہیں O

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ۭ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝۷

ماں باپ اور قرابت دار جو مال چھوڑ گئے اس میں سے مَردوں کے لیے حصہ ہے، اور عورتوں کے لیے (بھی اس مال سے) حصہ

ہے جو ماں باپ اور قرابت دار چھوڑ گئے خواہ وہ مال تھوڑا ہو یا زیادہ ہو، اس کا حصہ مقرر کیا ہوا ہے O

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۸﴾

اور جب ترکہ کی تقسیم کے وقت (غیر وارث) رشتہ دار اور یتیم اور محتاج لوگ آ جائیں تو اس مال میں سے اُن کو بھی کچھ دو، اور ان سے نیک بات کہو O

وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۠ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿۹﴾

اور لوگوں کو اس سے ڈرنا چاہیے کہ اگر وہ اپنے پیچھے بے سہارا اور کمزور اولاد چھوڑ جاتے تو انہیں اپنی اولاد پر کتنا خوف ہوتا، سو انہیں اللہ سے ڈرنا چاہیے اور صحیح بات کہنی چاہیے O

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۰﴾ ع

بے شک جو لوگ ظلم کر کے یتیموں کے اموال کھاتے ہیں وہ صرف اپنے پیٹوں میں آگ کو بھر رہے ہیں، اور وہ عنقریب دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان (آدم) سے پیدا فرمایا اور اُسی سے اُس کی زوجہ (حواء) کو پیدا فرمایا، اور اِن دونوں سے بہ کثرت مردوں اور عورتوں کو پھیلا دیا، اور اللہ سے ڈرو جس کے واسطہ سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور قرابت داروں میں قطع رحم سے ڈرو، بے شک اللہ تم پر نگہبان ہیں O'' (النساء:۱)

امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، النساء:۱ تا ۱۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ'': تمام لوگوں کو ایک جان یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا فرمایا۔ ''وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا'': اُسی جان سے اُن کی بیوی حواء کو پیدا فرمایا۔

''وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ'': ان دونوں سے بہت زیادہ مرد اور بہ کثرت عورتیں پیدا فرمائیں، اور تم اللہ سے ڈرتے رہو جس کے واسطہ سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو۔

''وَالْاَرْحَامَ'': تم رشتہ داروں سے رشتہ کاٹنے سے ڈرو۔ ''اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا O'': اللہ تمہارا محافظ ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور یتیموں کو اُن کے اموال دے دو، اور اپنے کھوٹے مال کو اُن کے کھرے مال سے تبدیل نہ کرو، اور اُن کے اموال کو اپنے اموال کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ، بے شک یہ بہت بڑا گناہ ہے O'' (النساء: ۲)

اپنے بخل کے تقاضا پر عمل نہ کرنے کی فضیلت

''وَاٰتُوا الْيَتٰمٰۤى اَمْوَالَهُمْ'': مقاتل نے کہا: یہ آیت قبیلہ غطفان کے ایک مرد کے متعلق نازل ہوئی ہے کیونکہ اس کے پاس اس کے یتیم بھتیجے کا بہت زیادہ مال تھا، جب وہ یتیم لڑکا بالغ ہوا تو اس نے اپنے چچا سے اپنے مال کو طلب کیا، پس اس نے اس کو مال دینے سے منع کیا، پھر چچا بھتیجے دونوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس یہ مقدمہ پیش کیا، تب یہ آیت نازل ہوئی، پھر چچا نے کہا: ہم اللہ کی اطاعت کرتے ہیں اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں اور ''الحوب الکبیر'' یعنی بہت بڑے گناہ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں، سو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو مرد اپنے نفس کے بخل سے بچا لیا گیا اور اس نے اپنے رب کی اس طرح اطاعت کی تو اس کے لیے جنت حلال ہو جاتی ہے''۔ (اسباب النزول للواحدی: ۲۹۱، حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''تخریج الکشاف: ۱۹۹۹'' میں یہ لکھا ہے کہ یہ مقاتل اور کلبی کی روایت ہے اور یہ دونوں ضعیف راوی ہیں، میں کہتا ہوں: فضائلِ اعمال میں حدیثِ ضعیف بھی معتبر ہوتی ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

''وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ'': سعید بن المسیب، النخعی، الزہری اور السدّی نے بیان کیا کہ یتیموں کے وارث یتیم کے مال سے عُمدہ چیزیں لے لیتے اور اُن عمدہ چیزوں کی جگہ ردّی چیزیں رکھ دیتے، اور بعض اوقات یتیم کے مال سے فربہ بکری لے لیتے اور اس کی جگہ دُبلی پتلی بکری رکھ دیتے، اور کھرے دراہم لے لیتے اور اس کی جگہ کھوٹے دراہم دے دیتے، ان کی اس غیر منصفانہ کارروائی سے منع فرمایا گیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں میں انصاف نہ کر سکو گے تو اپنی پسند کے مطابق (ان یتیم لڑکیوں کی بجائے) دو دو اور تین تین اور چار چار عورتوں سے (بہ یک وقت) نکاح کر لو، پھر اگر تمہیں یہ خطرہ ہو کہ تم (ان متعدد بیویوں میں) عدل قائم نہ کر سکو گے تو صرف ایک عورت سے نکاح کرو یا تم اپنی مملوکہ باندیوں پر اکتفاء کر لو، یہ (طریقہ) اس سے زیادہ قریب ہے کہ تم (ایک ہی بیوی کی طرف) جھک جاؤ O'' (النساء: ۳)

غیر کفو میں نکاح کرنے کے جواز کی دلیل

''وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِى الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ'': حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے النساء: ۳ کے متعلق سوال کیا گیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: یہ آیت اُس یتیم لڑکی کے لیے ہے جو اپنے ولی کے زیرِ پرورش ہوتی ہے، وہ اس کے حسن و جمال اور اس کے مال و دولت میں رغبت کرتا ہے اور کم مہر کے عوض اس سے نکاح کرنا چاہتا ہے، تو اُن لڑکیوں کے وارثوں کو اُن یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے سے منع کر دیا گیا، سوا اس صورت کے کہ وہ انصاف کے ساتھ اُن کا پورا پورا مہر مقرر کریں اور اُن کو یہ حکم

دیا کہ وہ اُن یتیم لڑکیوں کے سوا کسی اور ایسی عورت سے نکاح کر لیں جو اُن کو پسند ہو۔

(صحیح البخاری: ۲۴۹۴، صحیح مسلم: ۳۰۱۸، سنن نسائی: ۳۳۴۶، سنن ابوداؤد: ۲۰۶۸)

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ نے مطلقاً بغیر کسی قید کے یہ حکم فرمایا ہے کہ اپنی پسند کی عورتوں سے نکاح کرو، اور اس میں یہ قید نہیں لگائی کہ اُن عورتوں سے نکاح کرو جو تمہارے کُفو اور تمہارے خاندان سے ہوں، اس سے معلوم ہوا کہ اگر لڑکی سادات سے ہو اور لڑکا غیر سادات سے ہو، یا لڑکی ہاشمیہ ہو اور لڑکا غیر ہاشمی ہو تب بھی ان کے درمیان مناکحت جائز ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بیویوں کو اُن کے مہر خوشی سے ادا کرو، پھر اگر وہ بیویاں اپنی خوشی سے اس مہر میں سے کچھ حصہ دے دیں تو تم اس کو مزے مزے سے خوشی کے ساتھ کھاؤ O'' (النساء: ۴)

بیویوں کو اُن کا مہر دینے کا حکم

''وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحۡلَةً'': حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جو شروط سب سے زیادہ پوری کی جانے کی حقدار ہیں، یہ وہ شروط ہیں جن کے سبب سے تم نکاح کو حلال کرتے ہو۔

(صحیح البخاری: ۵۱۵۱، صحیح مسلم: ۱۴۱۸، سنن ترمذی: ۱۱۲۷، سنن نسائی: ۳۲۸۱، سنن ابوداؤد: ۲۱۳۹، سنن ابن ماجہ: ۱۹۵۴، مصنف عبدالرزاق: ۱۰۶۱۳، مسند احمد: ۱۶۹۱۱، ج ۴ ص ۱۵۰، صحیح ابن حبان: ۴۰۹۲، المعجم الکبیر للطبرانی: ۷۵۲، سنن دارمی ج ۲ ص ۱۴۳، مسند ابویعلیٰ: ۱۷۵۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۴۸، شرح السنہ: ۲۲۷۰)

میں کہتا ہوں: ہمارے معاشرہ میں عام رواج یہ ہے کہ بیوی کو اُس کا مہر نہیں ادا کیا جاتا، بیوی شرم اور مروّت سے مہر کا مطالبہ نہیں کرتی اور خاوند کے دل میں مال کی محبت ہوتی ہے اور خوفِ خدا نہیں ہوتا اور وہ تاحیات اپنی بیوی کا مہر ادا نہیں کرتا اور بعض لوگ تو زندگی میں بیوی سے اپنا مہر معاف کرا لیتے ہیں اور بیوی شرم و حیا سے اور اپنی ازدواجی زندگی کو برقرار رکھنے کے لیے خاوند کے کہنے پر مہر معاف کر دیتی ہے، ہمارے ہاں یہ بھی رواج ہے کہ لوگ دکھاوے کے لیے بڑی بڑی رقم کا مہر نکاح میں مقرر کر لیتے ہیں، پھر اُن کے حالات ایسے نہیں ہوتے کہ وہ اتنی بڑی رقم ادا کر سکیں، بیوی بھی سمجھتی ہے کہ خاوند کی ایسی حیثیت نہیں کہ وہ اتنی بھاری رقم ادا کر سکے وہ بیچاری ساری عمر خاموش رہتی ہے اور خاوند اس کا استحصال کرتا رہتا ہے، اس آیت میں ایسے سلوک سے شدید منع فرمایا ہے اور شوہروں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنی بیویوں کا مہر ادا کریں سوا اس کے کہ بیوی اپنی خوشی اور اپنی مرضی سے بغیر خاوند کے مطالبہ کے سارا یا مہر کا کچھ حصہ معاف کر دے تو پھر اس کا کھانا جائز ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور کم عقل یتیموں کو ان کے وہ اموال نہ دو (جو تمہاری تحویل میں ہیں) جن اموال کو اللہ نے تمہاری گزر اوقات کا ذریعہ بنایا ہے، اور اس مال میں سے تم اُن کو کھلاؤ اور پہناؤ اور اُن سے نیک بات کہو O'' (النساء: ۵)

''وَلَا تُؤۡتُوا السُّفَهَآءَ اَمۡوَالَكُمُ الَّتِیۡ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمۡ قِیٰمًا'': مجاہد نے کہا: مردوں کو اس سے منع کیا گیا ہے کہ وہ عورتوں کو اپنے

اموال دیں کیونکہ وہ کم عقل ہوتی ہیں خواہ وہ بیویاں ہوں یا بیٹیاں ہوں یا مائیں ہوں، الزہری نے کہا: تم اپنی کم عقل اولاد کو مال نہ دو کیونکہ وہ اس مال کو ضائع کر دے گی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور یتیموں کی آزمائش کرتے رہو حتیٰ کہ جب وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں، سو اگر تم اُن میں عقل مندی کے آثار دیکھو تو اُن کے اموال اُن کے سپرد کر دو، اور اُن کے اموال کو فضول خرچی اور جلد بازی سے نہ کھاؤ کہ (کہیں وہ یتیم) بڑے ہو جائیں (اور تم سے اپنے اموال طلب کریں)، اور یتیم کے جس ولی کو ضرورت نہ ہو وہ یتیموں کے اموال سے بچتا رہے، اور یتیم کا جو ولی ضرورت مند ہو وہ دستور کے موافق اُن اموال سے کھالے، پھر جب تم یتیموں کے اموال اُن کے سپرد کرنے لگو تو اس پر گواہ بنالو، اور اللہ حساب لینے کے لیے کافی ہیں O'' (النساء:٦)

بلوغت کی عمر کا معیار

''وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ'':

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ اُحد میں، میں نے اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے جہاد میں شریک ہونے کے لیے پیش کیا اس وقت میری عمر چودہ سال تھی، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھے واپس لوٹا دیا، پھر اگلے سال غزوۂ خندق میں، میں نے اپنے آپ کو پیش کیا، اس وقت میری عمر پندرہ سال تھی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھے جہاد میں شریک ہونے کی اجازت عطا فرما دی تھی، نافع بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے سامنے یہ حدیث پیش کی تو انہوں نے کہا کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جب لڑکے کی عمر پندرہ سال کی ہو تو اُس کو جہاد کے لیے پیش کیا جائے اور جو پندرہ سال کی عمر میں نہ ہو تو اس کو نابالغ قرار دیا جائے گا۔

(شرح السنہ: ۲۳۹۴، مسند الشافعی ج ۲ ص ۱۲۸، صحیح البخاری: ۲۶۶۴، ۴۰۹۷، صحیح مسلم: ۱۸۶۸، سنن ابوداؤد: ۴۴۰۶، ۴۴۰۷، سنن ترمذی: ۱۷۱۱، سنن ابن ماجہ: ۲۵۴۳، مسند احمد ۴۶۶۱، ج ۲ ص ۱۷، صحیح ابن حبان: ۴۷۲۸، سنن بیہقی ج ۳ ص ۸۳، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۳ ص ۳۹۵)

اکثر اہلِ علم کا یہی قول ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: لڑکی اس وقت بالغ قرار پائے گی جب اس کی عمر سترہ (۱۷) سال ہو جائے اور لڑکا اس وقت بالغ قرار دیا جائے گا جب اس کی عمر اٹھارہ (۱۸) سال ہو جائے، رہا احتلام اور منی کا نزول خواہ وہ احتلام سے ہو یا جماع سے ہو یا کسی اور وجہ سے ہو، تو جب نو (۹) سال کی عمر کے بعد یہ علامت پائی جائے خواہ لڑکے سے یا لڑکی سے تو اس پر بالغ ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔

عطیہ القرظی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن میں جزیہ وصول کرنے کے لیے بھیجا، آپ نے فرمایا: ہر بالغ سے ایک دینار لینا، رہا شرمگاہ کے گرد سخت بالوں کا اگنا تو وہ مشرکین میں بلوغ کی علامت ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۱۵۷۸، سنن ترمذی: ۶۲۳، سنن ابن ماجہ: ۱۸۰۳، مصنف عبدالرزاق: ۶۸۴۱، مسند ابوداؤد الطیالسی: ۵۶۷، سنن دارمی: ج ۱ ص ۳۸۲، صحیح ابن حبان: ۴۸۸۶، المستدرک ج ۱ ص ۳۹۸، سنن بیہقی ج ۴ ص ۹۸)

علامہ حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی الحنفی المتوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:

مفتیٰ بہ قول پر لڑکے اور لڑکی دونوں کی بلوغت کی عمر پندرہ (۱۵) سال ہے۔

(مراقی الفلاح علی شرح نور الایضاح ج ۱ ص ۱۶۲، المکتبۃ الغوثیۃ، کراتشی)

علامہ الشیخ احمد الطحطاوی الحنفی المتوفی ۱۲۳۱ھ لکھتے ہیں:

بچہ اس وقت بالغ قرار دیا جائے گا جب اس کو احتلام ہو جائے یا وہ کسی کو حاملہ کر دے اور اس کو انزال ہو جائے، اور بچی اس وقت بالغ قرار دی جائے گی جب اس کو احتلام ہو اور حیض ہو اور وہ حاملہ ہو جائے اور عمر کے اعتبار سے بلوغت کا معیار پندرہ سال ہے، یہ مفتیٰ بہ قول ہے اور یہی امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ جب اس مدت میں یہ علامت ظاہر ہو جائے تو اس کو بالغ قرار دیا جائے گا اور جس میں بلوغت کی علامت ظاہر نہ ہو اس کے لیے پندرہ سال کی مدت کو قائم مقام قرار دیا ہے اور بلوغت کی کم سے کم مدت جس میں علامت کے ظہور کا اعتبار ہے وہ لڑکے کے حق میں بارہ سال ہے اور لڑکی کے حق میں نو سال ہے، پس جب وہ اتنی عمر کو پہنچ جائیں اور وہ بلوغت کا اعتراف کر لیں تو انہیں حکماً بالغ قرار دیا جائے گا کیونکہ اس چیز کا انہی سے پتا چل سکتا ہے۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ج ۱ ص ۱۶۲، المکتبۃ الغوثیۃ کراتشی)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''ماں باپ اور قرابت دار جو مال چھوڑ گئے اس میں سے مَردوں کے لیے حصہ ہے، اور عورتوں کے لیے (بھی اس مال سے) حصہ ہے جو ماں باپ اور قرابت دار چھوڑ گئے خواہ وہ مال تھوڑا ہو یا زیادہ ہو، اس کا حصہ مقرر کیا ہوا ہے O'' (النساء: ۷)

''لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ'': ولی یا سرپرست کو یہ حکم فرمایا گیا ہے کہ جب وہ یتیم کا مال اس کے حوالہ کرے تو اس پر کسی کو گواہ بنا لے تاکہ اس سے تہمت زائل ہو اور جھگڑے کا دروازہ بند ہو جائے، اور یہ حکم مستحب ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جب ترکہ کی تقسیم کے وقت (غیر وارث) رشتہ دار اور یتیم اور محتاج لوگ آ جائیں تو اس مال میں سے اُن کو بھی کچھ دو، اور ان سے نیک بات کہو O'' (النساء: ۸)

تقسیم وراثت کے وقت غیر وارثوں کو بھی تبرعاً کچھ دینے کا حکم

''وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ'': سعید بن المسیب اور الضحاک نے کہا: اس آیت کا حکم منسوخ ہو چکا ہے، جب تک وارثوں کے حصے مقرر نہیں ہوئے تھے اس وقت اس آیت پر عمل کیا جاتا تھا اور جب وراثت کی آیت نازل ہو گئی اور وارثوں کے حصے مقرر فرما دیئے گئے تب یہ آیت منسوخ ہو گئی، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، الشعبی، النخعی اور الزہری نے کہا ہے کہ یہ آیت محکمہ ہے منسوخہ نہیں ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر وارث بڑی عمر کے ہوں تو اُن کو کچھ دیا جائے اور اگر کم عمر ہوں تو اُن سے معذرت کی جائے، ولی یا وصی کہے: میں اس مال کا مالک نہیں ہوں یہ بچوں کا مال ہے، اگر میں اس مال میں سے کسی چیز کا مالک ہوتا تو تم کو میں عطاء کرتا، جب بچے بڑے ہو جائیں گے تو مجھ سے اپنے مال کا مطالبہ کریں گے، اور بعض فقہاء نے کہا: یتیم بچے چھوٹے ہوں یا بڑے یہ سب کے حق میں واجب ہے، اگر وہ بڑے ہوں تو وہ خود یہ مال فقراء کو دینے

کے لیے قائم ہوں گے اور اگر چھوٹے ہوں گے تو اُن کا ولی ان کی طرف سے دے گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور لوگوں کو اس سے ڈرنا چاہیے کہ اگر وہ اپنے پیچھے بے سہارا اور کمزور اولاد چھوڑ جاتے تو انہیں اپنی اولاد پر کتنا خوف ہوتا، سو انہیں اللہ سے ڈرنا چاہیے اور صحیح بات کہنی چاہیے O'' (النساء: ۹)

یتیم بچوں کے ساتھ اپنے بچوں جیسا معاملہ کرنے کا حکم

''وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْتَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ'': یہ آیت اس شخص کے متعلق نازل ہوئی ہے جو قریب المرگ ہو تو اس سے حاضرین کہتے: تم اپنے لیے مال رکھو کیونکہ تمہاری اولاد اور تمہارے ورثاء تمہارا خیال نہیں رکھیں گے لہٰذا تم اپنے نفس کے لیے کچھ مال رکھو اور آزاد کردو اور صدقہ دو اور فلاں اور فلاں کو اتنا اور اتنا دو، تب اللہ تعالیٰ نے اُن کو اس سے منع فرمایا اور یہ حکم دیا کہ وہ قریب المرگ شخص سے کہیں کہ وہ اپنی اولاد پر نظرِ رحمت کرے اور تہائی مال سے زیادہ کی وصیت نہ کرے، الکلبی نے کہا: اس آیت میں یتیموں کے سر پرستوں سے خطاب ہے کہ جس شخص کے زیرِ پرورش کوئی یتیم ہو تو وہ اس سے اچھا سلوک کرے اور جو سلوک اپنی اولاد کے متعلق پسند کرتا ہے وہی سلوک اُن یتیم بچوں کے ساتھ کرے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک جو لوگ ظلم کر کے یتیموں کے اموال کھاتے ہیں وہ صرف اپنے پیٹوں میں آگ کو بھر رہے ہیں، اور وہ عنقریب دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے O'' (النساء: ۱۰)

یتیم کا مال ناحق کھانے پر وعید

''اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا'': حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: شبِ معراج میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا جن کے ہونٹ اونٹوں کے ہونٹوں کی طرح تھے، اُن میں سے ایک ہونٹ اس کے نتھنوں کی طرف چڑھا ہوا ہوتا تھا اور دوسرا ہونٹ اس کے پیٹ پر گرا ہوا ہوتا تھا، اور دوزخ کے فرشتے ان کے مونہہ میں دوزخ کے انگارے بھر رہے تھے، میں نے پوچھا: اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں، حضرت جبریل نے بتایا: یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کا ظلماً مال کھاتے تھے۔ (تفسیر الطبری: ج ۶ ص ۵۴ ۴، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ؛ تفسیر ابن ابی حاتم: ۴۸۸۴)

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۭ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ

اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱﴾

(اے مسلمانو!) اللہ تمہاری اولاد کے متعلق تمہیں یہ حکم فرماتے ہیں: لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصہ کے برابر ہے، پھر اگر لڑکیاں (دو یا) دو سے زیادہ ہوں تو اُن کا حصہ میت کے ترکہ کے دو تہائی حصہ کے برابر ہے اور اگر ایک لڑکی ہو تو اس کا حصہ میت کے ترکہ کا نصف ہے، اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے لیے میت کے ترکہ کا چھٹا حصہ ہے بہ شرطیکہ میت کی کوئی اولاد ہو، پھر اگر میت کی کوئی اولاد نہ ہو اور اس کے ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کے لیے میت کے ترکہ کا تہائی حصہ ہے، پھر اگر میت کے بھائی (بہن) بھی ہوں تو پھر اس کی ماں کے لیے میت کے ترکہ کا چھٹا حصہ ہے، یہ تقسیم میت کی وصیت پوری کرنے کے بعد ہوگی اور میت کے قرض کو ادا کرنے کے بعد ہوگی، تم از خود نہیں جانتے کہ تمہارے باپ اور تمہارے بیٹوں میں سے کون تمہارے لیے زیادہ مفید ہے، یہ اللہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا حصہ ہے، بے شک اللہ سب کچھ جاننے والے بے حد حکمت والے ہیں O

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ؕ ﴿۱۲﴾

اور تمہارے لیے تمہاری (فوت شدہ) بیویوں کے چھوڑے ہوئے مال میں سے نصف حصہ ہے بہ شرطیکہ تمہاری بیویوں کی کوئی اولاد نہ ہو، اور اگر تمہاری بیویوں کی کوئی اولاد ہو تو پھر تمہیں اُن کے ترکہ میں سے چوتھا حصہ ملے گا اُن کی وصیت پوری کرنے کے بعد یا اُن کے قرض کو ادا کرنے کے بعد، اور تمہاری بیویوں کے لیے تمہارے (مرنے کے بعد) تمہارے ترکہ کا چوتھائی حصہ ہوگا بہ شرطیکہ تمہاری اولاد نہ ہو، پس اگر تمہاری اولاد ہو تو تمہاری بیویوں کو تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں حصہ ملے گا تمہاری وصیت پوری کرنے کے بعد یا تمہارا قرض ادا کرنے کے بعد، اور اگر کسی ایسے مرد یا عورت کا ترکہ تقسیم کرنا ہو جس کا نہ باپ ہو نہ اولاد ہو اور اس کا ماں شریک بھائی ہو یا بہن ہو تو اُن دونوں میں سے ہر ایک کے لیے میت کے ترکہ کا چھٹا حصہ ہوگا، اور اگر وہ ماں شریک بہن بھائی ایک سے زیادہ ہوں تو وہ سب ترکہ کے تہائی حصہ میں شریک ہوں گے وصیت پوری کرنے کے بعد یا قرض ادا کرنے کے بعد، وصیت میں کسی کو نقصان نہ پہنچایا جائے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مؤکد حکم ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والے، نہایت

بردبار ہیں O

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾

یہ اللہ کی حدود ہیں اور جو اللہ کی اطاعت کرتا ہے اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے، اللہ اس کو ایسی جنتوں میں داخل فرمادیں گے جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے، اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے O

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۪ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾ ع

اور جو شخص اللہ کی نافرمانی کرے گا اور اس کے رسول کی (نافرمانی کرے گا) اور اللہ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرے گا، اللہ اس کو دوزخ کی آگ میں داخل فرمادیں گے جس میں وہ ہمیشہ رہنے والا ہوگا، اور اُس کے لیے رُسوا کُن عذاب ہوگا O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے مسلمانو!) اللہ تمہاری اولاد کے متعلق تمہیں یہ حکم فرماتے ہیں: لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصہ کے برابر ہے، پھر اگر لڑکیاں (دویا) دو سے زیادہ ہوں تو اُن کا حصہ میت کے ترکہ کے دو تہائی حصہ کے برابر ہے اور اگر ایک لڑکی ہو تو اس کا حصہ میت کے ترکہ کا نصف ہے، اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے لیے میت کے ترکہ کا چھٹا حصہ ہے بہ شرطیکہ میت کی کوئی اولاد ہو، پھر اگر میت کی کوئی اولاد نہ ہو اور اس کے ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کے لیے میت کے ترکہ کا تہائی حصہ ہے، پھر اگر میت کے بھائی (بہن) بھی ہوں تو پھر اس کی ماں کے لیے میت کے ترکہ کا چھٹا حصہ ہے، یہ تقسیم میت کی وصیت پوری کرنے کے بعد ہوگی اور میت کے قرض کو ادا کرنے کے بعد ہوگی، تم از خود نہیں جانتے کہ تمہارے باپ اور تمہارے بیٹوں میں سے کون تمہارے لیے زیادہ مفید ہے، یہ اللہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا حصہ ہے، بے شک اللہ سب کچھ جاننے والے بے حد حکمت والے ہیں O'' (النساء:١١)

میت کے ترکہ کی اس کی اولاد میں تقسیم

امام ابوالليث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، النساء:۱۱ تا ۱۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ'': اللہ تعالیٰ تمہارے لیے تمہاری اولاد کی میراث بیان فرماتے ہیں، یعنی جب کوئی مرد یا کوئی عورت فوت ہوجائے اور وہ اولاد چھوڑے جس میں مرد بھی ہوں اور عورتیں بھی ہوں ''لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ'' تو مرد کو

عورتوں کے دو حصے ملیں گے، یعنی ہر بیٹے کو دو حصے ملیں گے اور ہر بیٹی کو ایک حصہ ملے گا، اور اللہ تعالیٰ نے والدین میں سے ہر ایک کے لیے میت کے ترکہ میں سے چھٹا حصہ مقرر فرمایا ہے اور بیویوں کے لیے میت کے ترکہ میں سے آٹھواں حصہ یا چوتھا حصہ مقرر فرمایا اور خاوند کے لیے میت کے ترکہ میں سے نصف حصہ یا چوتھا حصہ مقرر فرمایا، پھر اللہ عزوجل نے فرمایا:

میت کے ترکہ کی اس کی دو یا دو سے زائد بیٹیوں میں تقسیم

''فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ'': یعنی جب میت نے بیٹیوں کو چھوڑا اور کوئی بیٹا نہیں چھوڑا، تو اگر بیٹیاں دو یا دو سے زائد ہوں تو ان کو ''فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ'' میت کے ترکہ میں سے دو ثلث یعنی دو تہائی ملے گا، تمام صحابہ کا اس پر اتفاق ہے کہ دو بیٹیوں کو دو ثلث یعنی دو تہائی ملیں گے، حدیث میں ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ باہر نکلے حتیٰ کہ ہم کو بازار میں ایک انصاری عورت ملی، وہ عورت اپنی دو بیٹیوں کو لے کر آئی، اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی دو بیٹیاں ہیں جو آپ کے ہمراہ غزوۂ اُحد میں شہید ہو گئے تھے، اِن بیٹیوں کے چچا نے ان کے تمام مالوں پر قبضہ کر لیا اور تمام وراثت پر قبضہ کر لیا اور ان کے لیے کوئی مال نہیں چھوڑا، ہر مال پر انہوں نے قبضہ کر لیا، پس یا رسول اللہ! آپ کی کیا رائے ہے؟ پس اللہ کی قسم! ان دونوں بیٹیوں کا بغیر مال کے نکاح تو ہو نہیں سکتا، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس معاملہ کے متعلق فیصلہ فرمائیں گے، پھر سورۂ نساء کی یہ آیت نازل ہوگئی: ''يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ۔ (النساء:۱۱)'' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس عورت کو بلاؤ اور اس کی بیٹیوں کے چچا کو بلاؤ، پس آپ نے اس کی بیٹیوں کے چچا سے فرمایا: ان بیٹیوں کو میت کے ترکہ میں سے دو ثلث یعنی دو تہائی دو، اور اِن بیٹیوں کی ماں کو آٹھواں حصہ دو اور اس کے بعد جو باقی بچے گا وہ تمہارے لیے ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۲۸۸۸، سنن ترمذی: ۲۰۹۲، سنن ابن ماجہ: ۲۷۲۰، مسند احمد: ۱۴۳۸۴، ج ۳ ص ۳۵۲، المستدرک ج ۴ ص ۳۴۲، سنن الدارقطنی ج ۴ ص ۷۸)

میت کے ترکہ کی اس کی ایک بیٹی میں تقسیم

''وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ'': یعنی اگر میت نے صرف ایک بیٹی کو چھوڑا تو اس کو میت کے ترکہ میں سے نصف ملے گا اور باقی عصبات کو ملے گا (عصبات سے مراد میت کے باپ کی طرف سے رشتہ دار ہیں جیسے دادا، چچا، بھتیجا، اور خود باپ بھی عصبات میں سے ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

میت کے ترکہ کی اس کے والدین میں تقسیم

''وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ'': اور میت کے والدین کے لیے اُن میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا بشرطیکہ میت کی اولاد ہو خواہ مرد یا عورتیں یا میت کے بیٹے کی اولاد ہو۔

میت کے ترکہ میں سے اس کی ماں کا حصہ

''فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ'': پس اگر میت کی اولاد نہ ہو اور نہ میت کے بیٹے کی اولاد ہو یعنی میت کے ماں باپ کے سوا اور کوئی اس کا وارث نہ ہو تو میت کی ماں کو اس کے ترکہ کا تہائی حصہ ملے گا اور باقی ترکہ اس کے باپ کو ملے گا۔

''فَاِنۡ کَانَ لَہٗۤ اِخۡوَۃٌ فَلِاُمِّہِ السُّدُسُ '': جب میت کے بھائی اور بہن ہوں اور رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کا اس پر اتفاق ہے کہ ''الاخوۃ'' کا اطلاق دو یا دو سے زائد بھائیوں پر ہوتا ہے، اور اس پر اتفاق ہے کہ ''الاخوۃ'' میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہیں یعنی میت کے بھائی اور بہن ہوں، اس صورت میں ماں کو میت کے ترکہ میں سے چھٹا حصہ ملے گا اور باقی حصہ باپ کو بہ طورِ عصبہ ملے گا۔

میت کے ترکہ میں سے میت کے قرض کی ادائیگی کا اس کی وصیت پر مقدم ہونا

''مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِیَّۃٍ یُّوۡصِیۡ بِہَاۤ اَوۡ دَیۡنٍ '': یعنی میت کا قرض ادا کرنے اور اُس کی وصیت پوری کرنے کے بعد، حدیث میں ہے:

الحارث بن عبداللہ الہمدانی الاعور الکوفی روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے قرض ادا کرنے کا وصیت پوری کرنے سے پہلے فیصلہ فرمایا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور تم قرآن میں یوں پڑھتے ہو: ''مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِیَّۃٍ یُّوۡصِیۡ بِہَاۤ اَوۡ دَیۡنٍ '' گویا قرآن میں پہلے وصیت پوری کرنے کا ذکر ہے اور بعد میں قرض ادا کرنے کا، اور رسول اللہ ﷺ نے اس کے برعکس فیصلہ فرمایا ہے۔

(سنن ترمذی: ۲۱۲۲، سنن ابن ماجہ: ۲۷۱۵، مسند احمد: ۵۹۶، ج ۱ ص ۷۹، مسند ابوداؤد الطیالسی: ج ۱ ص ۲۷۲، مسند الحمیدی ج ۱ ص ۳۰۔۳۱، سنن دار قطنی ج ۴ ص ۸۶۔۸۷، سنن بیہقی ج ۶ ص ۲۶۷)

صحیح البخاری میں حارث اعور کی تعلیقاً روایت

میں کہتا ہوں کہ الحارث بن عبداللہ الہمدانی الاعور الکوفی شدید ضعیف راوی ہے لیکن اس روایت کے عمل پر اجماع ہو چکا ہے۔

نیز امام بخاری نے کتاب الوصایا کے نویں باب میں یہ عنوان قائم کیا ہے: ''تاویل قول اللہ تعالیٰ: مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِیَّۃٍ یُّوۡصِیۡ بِہَاۤ اَوۡ دَیۡنٍ۔ (النساء:۱۱)''، پھر امام بخاری لکھتے ہیں: اور یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ نبی ﷺ نے وصیت پوری کرنے سے پہلے قرض ادا کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُکُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَہۡلِہَا۔ (النساء:۵۸)'' پس امانت کو ادا کرنے کا وصیت کو پورا کرنے سے زیادہ حق ہے۔ (صحیح البخاری: کتاب الوصایا، باب: ۹ ص ۵۹۶، مکتبہ دار العلم الحدیث، ۱۴۲۶ھ)

امام بخاری نے الحارث بن عبداللہ الہمدانی کی اس روایت کا اپنی صحیح البخاری میں تعلیقاً ذکر کیا ہے، حالانکہ الحارث بن عبداللہ الہمدانی شدید ضعیف راوی ہے۔

حارث اعور کی روایت کے ضعف کے متعلق ائمہ احادیث کی آراء

حافظ جمال الدین ابی الحجاج یوسف المزّی التوفی ۷۴۲ھ ''الحارث بن عبداللہ الاعور الہمدانی'' کے متعلق لکھتے ہیں:

(۱) امام بخاری نے بیان کیا کہ شعبہ نے بتایا کہ ابواسحاق نے حارث کی صرف چار حدیثوں کا سماع کیا ہے۔

(۲) امام مسلم بن الحجاج نے الشعبی سے نقل کیا کہ مجھے الحارث الاعور الہمدانی نے حدیث بیان کی اور وہ کذاب ہے۔

(۳) حمزہ الزیّات نے کہا: مُرّہ نے حارث ہمدانی سے کوئی حدیث سنی تو اس کا انکار کیا اور مُرّہ نے اپنی تلوار کو پکڑا اور کہا: الحارث الہمدانی شر پھیلاتا ہے۔

(۴) احمد بن یونس نے کہا: ہمیں زائدہ نے از منصور از المغیرہ از ابراہیم روایت کی کہ الحارث متہم ہے (یعنی اس پر جھوٹ کی تہمت ہے)

(۵) ابو اسحاق نے کہا: الحارث الاعور کذاب ہے۔

(۶) ابوبکر بن ابی خیثمہ نے بیان کیا کہ ابوبکر بن عیاش نے کہا کہ حارث کے علاوہ دوسرے راوی ان کے نزدیک پسندیدہ ہیں اور وہ سب کہتے تھے کہ اس کے پاس جھوٹی کتابیں ہیں۔

(۷) یحییٰ بن سعید کہتے تھے کہ ابن مہدی نے حارث کی روایت کردہ احادیث کو ترک کر دیا۔

(۸) ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی نے کہا: میں نے علی بن المدینی سے عاصم اور حارث کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: اے ابو اسحاق! تم جیسا شخص اس کے متعلق پوچھتا ہے، الحارث کذاب ہے۔

(۹) ابوبکر بن ابی خیثمہ نے کہا: میں نے اپنے والد سے سنا، وہ کہتے تھے: الحارث الاعور کذاب ہے۔

(۱۰) یحییٰ بن مَعین نے کہا: الحارث حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے ہے اور یہ ضعیف ہے۔

(۱۱) ابو زُرعہ نے کہا: اس کی احادیث سے استدلال نہیں کیا جاتا۔

(۱۲) ابو حاتم نے کہا: یہ قوی نہیں ہے اور نہ اُن لوگوں میں سے ہے جن کی حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے۔

(۱۳) ابوبکر بن ابوداؤد نے کہا: الحارث اپنے زمانہ میں لوگوں سے زیادہ فقیہ تھا اور وراثت کے احکام زیادہ جاننے والا تھا، اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے وراثت اور فرائض کے احکام حاصل کیے تھے۔

(تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج ۴ ص ۴۰۔ ۴۴، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۴ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی الحارث الاعور کے متعلق لکھتے ہیں کہ حافظ ابن حبان نے کہا: حارث اعور غالی شیعہ تھا اور حدیث میں واھی یعنی ضعیف تھا، ۶۵ھ میں مر گیا تھا۔ اور حافظ ابن عبد البر نے کتاب البر میں ابراہیم سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حارث اعور کو کذاب قرار دیا ہے، امام محمد بن سعد نے کہا کہ اس کے برے اقوال تھے اور اس کی رائے ضعیف ہے، حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے ایام میں وہ مر گیا تھا، حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: امام نسائی نے اپنی سنن میں اس کی صرف ایک حدیث روایت کی ہے۔

(تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۲۷۔ ۱۲۸)

مصنف کا غیر مقلدین پر تعاقب

میں کہتا ہوں کہ عام طور پر غیر مقلدین صحیح البخاری کو بہت اہمیت دیتے ہیں، اب اُن سے سوال ہے کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں الحارث الاعور کی روایت کو ذکر کیا ہے جیسا کہ ہم نے باحوالہ بیان کیا ہے، اب غیر مقلدین بتائیں کہ وہ امام بخاری کے متعلق کیا کہیں گے!

حدیثِ ضعیف کا ظاہر قرآن پر مقدم ہونا

دوسری بات یہ ہے کہ حارث اعور کی یہ روایت ظاہر قرآن کے خلاف ہے کیونکہ ظاہر قرآن میں پہلے وصیت کا ذکر ہے اور پھر

قرض کا ذکر ہے اور اس روایت میں پہلے قرض ادا کرنے کا ذکر ہے پھر وصیت پوری کرنے کا ذکر ہے، لیکن امت کا اس پر اجماع ہے کہ اگرچہ یہ روایت شدید ضعیف ہے لیکن اسی پر عمل کیا جائے گا، اور پہلے میت کے ترکہ سے اس کا قرض ادا کیا جائے گا، پھر بعد میں میت کے تہائی ترکہ سے اس کی وصیت کو پورا کیا جائے گا اور یہی قرینِ قیاس ہے، کیونکہ قرض کا ادا کرنا فرض ہے اور وصیت کا پورا کرنا مستحب ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح عمل فرمایا ہے جیسا کہ حارث کی اس روایت میں مذکور ہے، اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ بعض اوقات ظاہر قرآن پر عمل کو ترک کر دیا جاتا ہے جب کہ اس کی بنیاد کسی حدیث پر ہو خواہ وہ حدیث شدید ضعیف کیوں نہ ہو، اور وہ حدیث قیاس کے مطابق ہو، اور اس میں قیاس کے حجت ہونے پر بھی دلیل ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

''اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا'': یعنی تم نہیں جانتے کہ آخرت میں تمہیں اپنے آباء واجداد سے زیادہ فائدہ پہنچے گا یا اپنے بیٹوں سے زیادہ نفع پہنچے گا۔

''فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ'': یعنی وراثت کی تقسیم مذکور اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف اس میں تغیر و تبدل کرنا جائز نہیں ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور تمہارے لیے تمہاری (فوت شدہ) بیویوں کے چھوڑے ہوئے مال میں سے نصف حصہ ہے بہ شرطیکہ تمہاری بیویوں کی کوئی اولاد نہ ہو، اور اگر تمہاری بیویوں کی کوئی اولاد ہو تو پھر تمہیں اُن کے ترکہ میں سے چوتھا حصہ ملے گا اُن کی وصیت پوری کرنے کے بعد یا اُن کے قرض کو ادا کرنے کے بعد، اور تمہاری بیویوں کے لیے تمہارے (مرنے کے بعد) تمہارے ترکہ کا چوتھائی حصہ ہوگا بہ شرطیکہ تمہاری اولاد نہ ہو، پس اگر تمہاری اولاد ہو تو تمہاری بیویوں کو تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں حصہ ملے گا تمہاری وصیت پوری کرنے کے بعد یا تمہارا قرض ادا کرنے کے بعد، اور اگر کسی ایسے مرد یا عورت کا ترکہ تقسیم کرنا ہو جس کا نہ باپ ہو نہ اولاد ہو اور اس کا ماں شریک بھائی ہو یا بہن ہو تو اُن دونوں میں سے ہر ایک کے لیے میت کے ترکہ کا چھٹا حصہ ہوگا، اور اگر وہ ماں شریک بہن بھائی ایک سے زیادہ ہوں تو وہ سب ترکہ کے تہائی حصہ میں شریک ہوں گے وصیت پوری کرنے کے بعد یا قرض ادا کرنے کے بعد، وصیت میں کسی کو نقصان نہ پہنچایا جائے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مؤکد حکم ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والے، نہایت بردبار ہیں O'' (النساء:۱۲)

شوہر کی بیویوں کے ترکہ سے اور بیویوں کی شوہر کے ترکہ سے وراثت

''وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ'': جب بیوی فوت ہو جائے اور شوہر کو چھوڑے، پس شوہر کو بیوی کے ترکہ میں سے نصف مال ملے گا بہ شرطیکہ بیوی کی اولاد نہ ہو خواہ مذکر خواہ مؤنث، یا بیٹے کی اولاد نہ ہو۔

''فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ'': اگر بیویوں کی اولاد ہو یا بیویوں

کے بیٹے کی اولاد ہو تو پھر شوہر کو فوت شدہ بیوی کے ترکہ سے چوتھائی حصہ ملے گا، تہائی مال سے وصیت پوری کرنے یا قرض ادا کرنے کے بعد۔

''وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ'': اور بیویوں کو تمہارے ترکہ میں سے چوتھائی حصہ ملے گا بہ شرطیکہ تمہاری اولاد نہ ہو یا تمہارے بیٹے کی اولاد نہ ہو، پس اگر تمہاری اولاد ہو یا تمہارے بیٹے کی اولاد ہو تو پھر اُن بیویوں کو تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں حصہ ملے گا، تہائی مال سے وصیت پوری کرنے یا قرض ادا کرنے کے بعد۔

''کلالہ'' کی وراثت

''وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً'': الکلالۃ اس میت کا نام ہے جس کی نہ اولاد ہو اور نہ اس کا والد، حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ کلالہ وہ شخص ہے جس کی نہ اولاد ہو اور نہ اس کا والد ہو۔

''اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ'': یعنی اگر کلالہ عورت ہو اور اس کا بھائی ہو یا بہن ہو تو اُن میں سے ہر ایک کو میت کے ترکہ میں سے چھٹا حصہ ملے گا۔

میت کے ماں شریک بہن بھائیوں کی وراثت

''فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ'': اور اگر اس کے بھائی اور بہن زیادہ تعداد میں ہوں تو وہ سب میت کے ترکہ کے تہائی حصہ میں شریک ہوں گے یعنی میت کے ماں شریک بھائی اور بہن، اور مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ اس سے میت کے بھائی بہن مراد ہیں کیونکہ اس آیت کے آخر میں فرمایا ہے کہ دو بہنوں کو دو ثلث ملیں گے تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہاں پر ماں شریک بہن اور بھائی مراد ہیں۔

''مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۝'': یعنی میت کے وہ ماں شریک بھائی بہن دوسرے شرکاء کو ضرر نہ پہنچائیں کہ اُن کے متعلق تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کی جائے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مؤکد حکم ہے اور فرض ہے اور اللہ تعالیٰ میراث کے معاملات کو بے حد جاننے والے ہیں، حلیم ہیں، یعنی تم میں سے جو جہالت کا ارتکاب کریں اس پر بردباری فرماتے ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''جس نے کسی وارث کی میراث کو قطع کیا تو اللہ تعالیٰ جنت میں اس کی وراثت کو قطع فرمادیں گے''۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۷۰۳، مشکوٰۃ المصابیح: ۳۰۷۸)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یہ اللہ کی حدود ہیں اور جو اللہ کی اطاعت کرتا ہے اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے، اللہ اس کو ایسی جنتوں میں داخل فرمادیں گے جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے، اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے ۝'' (النساء: ۱۳)

''تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ'': یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو میراث کے تقسیم کرنے کا جس تفصیل سے حکم فرمایا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے فرائض اور اس کی حدود ہیں۔ ''وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ'': جس نے وراثت کی تقسیم میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اور اللہ تعالیٰ

کے حکم کے مطابق عمل کیا۔ ''یُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝'': یعنی یہ ثواب اور دوزخ کے عذاب سے نجات بہت بڑی کامیابی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جو شخص اللہ کی نافرمانی کرے گا اور اس کے رسول کی (نافرمانی کرے گا) اور اللہ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرے گا، اللہ اس کو دوزخ کی آگ میں داخل فرمادیں گے جس میں وہ ہمیشہ رہنے والا ہوگا، اور اُس کے لیے رُسوا کُن عذاب ہوگا ○'' (النساء: ۱۴)

''وَ مَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ یُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِیْهَا'': جس نے وراثت کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تقسیم نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی، اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ میں داخل فرمادیں گے، کیونکہ جب اس نے اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کیا تو وہ کافر ہوگیا۔ (تفسیر السمر قندی ج ۱ ص ۳۳۶۔۳۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

وَ الّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰى یَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ۝۱۵

اور (اے مسلمانو!) تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں بدکاری کریں تو اُن عورتوں کے خلاف اپنے لوگوں میں سے چار مردوں کی گواہی طلب کرو، پھر اگر چار مرد اُن کے خلاف گواہی دے دیں تو اُن عورتوں کو گھروں میں بند کر دو تاوقتیکہ انہیں موت آجائے، یا اللہ اُن کے لیے کوئی راہ پیدا فرمادیں ○

وَ الَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَ اَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ۝۱۶

اور تم میں سے جو دو فرد بدکاری کا ارتکاب کریں تو تم اُن کو ایذاء پہنچاؤ، پس اگر وہ دونوں فرد توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کرلیں تو تم اُن دونوں کو سزا نہ دو، بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول فرمانے والے بے حد رحم فرمانے والے ہیں ○

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ فَاُولٰٓىٕكَ یَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ۝۱۷

جس توبہ کے قبول ہونے کا اللہ نے ذکر فرمایا ہے وہ صرف اُن لوگوں کے لیے ہے جو نادانی سے کوئی گناہ کر بیٹھیں پھر فوراً توبہ کرلیں سو اللہ ان لوگوں کی توبہ قبول فرمائیں گے اور اللہ بے حد علم والے، بہت حکمت والے ہیں ○

وَ لَیْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ ۚ حَتّٰۤى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ

تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۸﴾

اور توبہ کی مقبولیت اُن لوگوں کے لیے نہیں ہے جو مسلسل گناہ کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ جب اُن میں سے کسی ایک کو موت آتی ہے اس وقت وہ کہتا ہے: میں نے اب توبہ کرلی، اور نہ یہ توبہ کی مقبولیت اُن لوگوں کے لیے ہے جو حالتِ کفر میں مرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کررکھا ہے○

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۹﴾

اے ایمان والو! تمہارے لیے جبراً بیویوں کا وارث بننا جائز نہیں ہے، اور نہ تم بیویوں کو اس وجہ سے (نکاح میں) روکے رکھو کہ تم نے اُن کو جو مہر دیا تھا اس میں سے کچھ حصہ تم اُن سے واپس لوگے، سوا اس صورت کے کہ وہ بیویاں کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں، اور تم بیویوں کے ساتھ دستور کے مطابق نیکی کے ساتھ زندگی گزارتے رہو، اور اگر تم کو وہ بیویاں ناپسند ہوں تو ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ نے اس چیز میں تمہارے لیے بہت بھلائی رکھی ہو○

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۲۰﴾

اور اگر تم ایک بیوی کو چھوڑ کر اس کی جگہ دوسری بیوی سے نکاح کرنا چاہو اور تم اُن میں سے کسی ایک بیوی کو مہر میں بہت زیادہ مال دے چکے ہو تو اس مال میں سے کچھ واپس نہ لو، کیا تم اس مال کو بیویوں پر بہتان باندھ کر اور کھلے گناہ کا ارتکاب کر کے واپس لوگے○

وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۲۱﴾

اور تم کیونکر اُن سے اُس مال کو واپس لوگے حالانکہ تم (تنہائی میں) ایک دوسرے سے جسمانی لذت حاصل کرچکے ہو، اور تمہاری بیویاں (عقدِ نکاح کے ذریعہ) تم سے (زندگی گزارنے کا) پختہ عہد لے چکی ہیں○

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾ ع

ع ۸ / ۱۴

اور (اے مسلمانو!) تم اُن عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ دادا نکاح کرچکے ہیں سوا اُس معاملہ کے جو پہلے گزر چکا

ہے، بے شک ایسا کام کھلی بے حیائی اور اللہ کے غضب کا سبب ہے، اور بہت ہی برا کام ہے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے مسلمانو!) تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں بدکاری کریں تو اُن عورتوں کے خلاف اپنے لوگوں میں سے چار مردوں کی گواہی طلب کرو، پھر اگر چار مرد اُن کے خلاف گواہی دے دیں تو اُن عورتوں کو گھروں میں بند کر دو تاوقتیکہ انہیں موت آ جائے، یا اللہ اُن کے لیے کوئی راہ پیدا فرما دیں O'' (النساء:۱۵)

عورتوں کی بدکاری کی سزا

علامہ مصطفیٰ الخیری الحصنی المنصوری الحنفی المتوفی ۱۳۹۰ھ، النساء:۱۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ'': اس آیت سے مردوں اور عورتوں کے بعض احکام کے بیان کو شروع فرمایا ہے، اس آیت میں ''الْفَاحِشَةَ'' کا ذکر ہے، اس سے مراد زنا ہے یعنی جو عورتیں زنا کرتی ہیں اُن کے خلاف تم اپنے لوگوں میں سے چار آزاد نیک مرد گواہ طلب کرو، اگر وہ چار مرد اُن کے زنا کرنے کی گواہی دے دیں شرط یہ ہے کہ وہ مرد ہوں، آزاد ہوں اور نیک ہوں، اور جب وہ چار مرد گواہی دے دیں تو اُن عورتوں کو گھروں میں بند کر دو تاوقتیکہ انہیں موت آ جائے اور اُن کے گھروں کو ان کے لیے قید خانہ بنا دو، یا پھر اللہ اُن کے لیے قید خانہ سے نکلنے کی کوئی سبیل بنا دے، زنا پر ابتدائے اسلام میں یہ سزا رکھی گئی تھی، پھر جب اللہ تعالیٰ نے حد مشروع فرما دی تو یہ سزا منسوخ فرما دی گئی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور تم میں سے جو دو فرد بدکاری کا ارتکاب کریں تو تم اُن کو ایذاء پہنچاؤ، پس اگر وہ دونوں فرد توبہ کر لیں اور اپنی اصلاح کر لیں تو تم اُن دونوں کو سزا نہ دو، بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول فرمانے والے بے حد رحم فرمانے والے ہیں O'' (النساء:۱۶)

''وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا مِنْكُمْ'': ان دونوں سے مراد زانی مرد اور زانیہ عورت ہیں، ابن زید نے کہا: اس سے مراد ہے وہ دونوں کنوارے ہوں، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ کنوارے مرد اور کنواری عورت کی جو حد ہے وہ عورت کو دائمی طور پر قید رکھنے سے کم اور ہلکی ہے اور اسی سے تکرار اٹھ جاتا ہے۔ ''فَاٰذُوْهُمَا'' سو اُن کو ڈانٹ ڈپٹ کرو اور حد سے ڈراؤ، ''فَاِنْ تَابَا'': یعنی اگر اس ڈانٹ ڈپٹ کی وجہ سے وہ ارتکابِ زنا سے باز آ جائیں اور اپنی اصلاح کر لیں ''فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا'' تو پھر اُن سے درگزر کرو اور اُن کو ایذاء پہنچانے سے رک جاؤ، ''اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا'' ''تَوَّابًا'' کا معنی ہے: بہت زیادہ توبہ قبول فرمانے والے، ''رَّحِیْمًا ۝'' اس کی رحمت بہت وسیع ہے اور یہ خطاب حکام کے لیے ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جس توبہ کے قبول ہونے کا اللہ نے ذکر فرمایا ہے وہ صرف اُن لوگوں کے لیے ہے جو نادانی سے کوئی گناہ کر بیٹھیں، پھر فوراً توبہ کر لیں سو اللہ ان لوگوں کی توبہ قبول فرمائیں گے اور اللہ بے حد علم والے، بہت حکمت والے ہیں O'' (النساء:۱۷)

صرف اُس کی توبہ کا قبول ہونا جو اُخروی عذاب سے غافل ہو کر گناہ کر بیٹھے

''اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ '': یعنی توبہ کا قبول کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز بھی واجب نہیں ہے لیکن یہ قبولِ توبہ کا مؤکد وعدہ ہے۔ ''لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ '': یعنی یہ توبہ اُن کے لیے ہے جو نادانی سے کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ کر بیٹھیں اور اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ بے علمی سے کوئی گناہ کریں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ آخرت میں اس گناہ کے عذاب پر غور وفکر کیے بغیر گناہ کا کوئی کام کر بیٹھیں، پھر موت آنے سے پہلے توبہ کر لیں۔

''فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ '': سو جو لوگ ان صفاتِ مذکورہ سے متصف ہوں تو اللہ تعالیٰ اُن کی توبہ قبول فرمائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور توبہ کی مقبولیت اُن لوگوں کے لیے نہیں ہے جو مسلسل گناہ کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ جب اُن میں سے کسی ایک کو موت آتی ہے اس وقت وہ کہتا ہے: میں نے اب توبہ کر لی، اور نہ یہ توبہ کی مقبولیت اُن لوگوں کے لیے ہے جو حالتِ کفر میں مرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے O'' (النساء:۱۸)

موت آنے تک توبہ میں تاخیر کرنے والے نافرمانوں کی اور کافروں کی توبہ کا قبول نہ ہونا

''حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ '': یعنی وہ لوگ جو توبہ کرنے میں ڈھیل دیتے رہتے ہیں حتیٰ کہ موت آجائے، اور یہ وہ وقت ہے کہ جس میں توبہ قبول نہیں ہوتی، حدیث میں ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل بندہ کی توبہ اس وقت تک قبول فرماتے ہیں جب تک اس کی روح حلقوم میں نہ پہنچ جائے۔

(سنن ابن ماجہ:۴۲۵۳، مسند احمد ج ۱۰ ص ۴۶۱، رقم الحدیث:۶۴۰۸، مسند ابویعلیٰ:۶۵۰۹، سنن ترمذی:۳۵۳۷، حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۱۹۰، المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۲۵۷، صحیح ابن حبان:۶۲۸، کامل لابن عدی ج ۴ ص ۱۵۹۲، شعب الایمان للبیہقی:۷۰۶۴، شرح السنہ للبغوی:۱۳۰۶)

''قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ '': وہ غرغرۂ موت کے وقت کہتا ہے: میں نے اب توبہ کی۔

''وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ '': یعنی نہ اُن دائماً نافرمانی کرنے والوں کی توبہ ہوگی اور نہ اُن کی توبہ قبول ہوگی جو حالتِ کفر میں توبہ کرتے ہیں، ان کافروں کا اس لیے ذکر فرمایا کہ اِن کافروں کی ہرگز توبہ قبول نہیں ہوگی۔ اور ان کے ساتھ اُن کا ذکر کیا جو دائماً نافرمانی کرتے رہتے ہیں۔

''اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ '': یعنی اِن دونوں فریقوں کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! تمہارے لیے جبراً بیویوں کا وارث بننا جائز نہیں ہے، اور نہ تم بیویوں کو اس وجہ سے (نکاح میں) روکے رکھو کہ تم نے اُن کو جو مہر دیا تھا اس میں سے کچھ حصہ تم اُن سے واپس لو گے، سوا اس صورت کے کہ وہ بیویاں کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں، اور تم بیویوں کے ساتھ دستور

کے مطابق نیکی کے ساتھ زندگی گزارتے رہو، اور اگر تم کو وہ بیویاں ناپسند ہوں تو ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ نے اس چیز میں تمہارے لیے بہت بھلائی رکھی ہو O'' (النساء:۱۹)

جبراً بیویوں کا وارث بننے کی ممانعت

''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا'': اس آیت میں جاہلیت کے افعال سے منع فرمایا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ جب کسی شخص کا قریبی رشتہ دار مرجاتا تو وہ اس کی بیوی کے مونہہ کے اوپر ایک کپڑا ڈال دیتا یا اُس کے خیمہ اور رہائش کی جگہ پر ایک پردہ ڈال دیتا اور لوگوں کو اُس کے ساتھ ملنے جلنے سے منع کر دیتا، پس اگر وہ عورت خوبصورت ہوتی تو وہ اس سے خود نکاح کر لیتا، اور اگر وہ عورت بدشکل ہوتی تو اُس کو اسی طرح قید میں رکھتا حتیٰ کہ وہ عورت مرجاتی، پھر وہ اس کے مال کا وارث ہو جاتا، اور اگر وہ چاہتا کہ کسی دوسرے شخص سے اس کا نکاح کر دیتا اور اس کا مہر خود رکھ لیتا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس طریقہ سے منع فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا:

بیویوں کو دیے ہوئے مہر میں سے کچھ واپس لینے کی ممانعت

''وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ'': اس آیت میں شوہروں کو خطاب ہے کہ تم اپنی بیویوں کو قید میں نہ رکھو اور نہ اُن پر معیشت کو تنگ کرو تا کہ تم ان کو دیئے ہوئے مہر میں سے کچھ حصہ لے لو، بایں طور کہ تمہاری بیویاں مجبوری کی حالت میں تمہیں مہر کا کچھ حصہ دے دیں۔

''اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ'': الضحاک اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ فاحشہ سے مراد بیوی کی خاوند کی نافرمانی ہے اور خاوند کے ساتھ بدمزاجی اور بدخلقی سے پیش آنا ہے۔ اور حسن بصری نے کہا: اس آیت سے مراد زنا ہے اور اس آیت میں بیوی سے خلع کرنے کا جواز ہے، جب بیوی خاوند کی نافرمانی کرے اور بدمزاجی اور بدخلقی سے پیش آئے تو شوہر کے لیے بیوی سے خلع کرنا جائز ہے، کیونکہ بیوی کی طرف سے خلع کرنے کا سبب متحقق ہوا ہے۔ (خلع کا مطلب یہ ہے کہ خاوند بیوی سے کہے کہ تم اپنا مہر معاف کر دو یا مجھ سے اتنی رقم لے لو اور میں اس کے بدلہ میں تم کو نکاح سے آزاد کر دیتا ہوں)۔

''وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ'': اس آیت میں اُن لوگوں سے خطاب ہے جو عورتوں کے ساتھ بدخلقی کے ساتھ پیش آتے ہیں اور معروف سے مراد وہ کام ہے جس کام سے شرع انکار نہ کرے، اور اس آیت سے مراد یہ ہے کہ گھر میں خیر خواہی کے ساتھ رہیں اور شوہر بیوی کو دستور کے مطابق خرچ دیتا رہے اور گفتگو میں نیکی اور عمدگی کے ساتھ خطاب کرے۔

''فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ'': یعنی اگر تم اُن کے ساتھ رہنے میں ناگواری محسوس کرو تو صرف ناگواری محسوس کرنے کی وجہ سے اپنی بیویوں کو طلاق نہ دو اور اُن کے ساتھ معاشرت برقرار رکھنے میں صبر کرو۔

''فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ⑲'': ہو سکتا ہے کہ تم اپنی بیویوں کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ نے اُن بیویوں کے ساتھ رہنے میں تمہارے لیے خیر کثیر رکھی ہو مثلاً اُن بیویوں سے نیک بیٹا پیدا ہو یا بعد میں اُن کے ساتھ الفت اور محبت ہو جائے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد نے کہا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر تم اپنی بیویوں کو ناپسند کرو تو اُن کو اپنے نکاح میں

برقرار رکھنے پر صبر کرو، پس ہو سکتا ہے تم اُن کو ناپسند کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اُن میں خیر کثیر رکھی ہو، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک طلاق سب سے مکروہ چیز ہے، حدیث میں ہے:

طلاق کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض ہونا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابغض الحلال الی اللہ عزوجل الطلاق'' (حلال چیزوں میں جو چیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض ہے وہ طلاق ہے)۔

(سنن ابوداؤد: ۲۱۷۸، سنن ابن ماجہ: ۲۰۱۸، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۱۹۶، الکامل لابن عدی: ج ۴ ص ۱۶۳۰، العلل المتناہیہ ج ۲ ص ۱۴۹)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اگر تم ایک بیوی کو چھوڑ کر اس کی جگہ دوسری بیوی سے نکاح کرنا چاہو اور تم اُن میں سے کسی ایک بیوی کو مہر میں بہت زیادہ مال دے چکے ہو تو اس مال میں سے کچھ واپس نہ لو، کیا تم اس مال کو بیویوں پر بہتان باندھ کر اور کھلے گناہ کا ارتکاب کر کے واپس لو گے ''(النساء: ۲۰)

''وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ'': یعنی اے شوہرو! اگر تم اپنی بیوی کی جگہ کسی دوسری بیوی کو نکاح میں لانا چاہو جس سے تم رغبت کرتے ہو بایں طور کہ تم اپنی پہلی بیوی کو طلاق دو۔

مہر میں سے کچھ واپس لینے کی ممانعت

''وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا'': یعنی تم اپنی جس بیوی کو طلاق دینا چاہتے ہو اور اس کی جگہ دوسری عورت سے نکاح کرنا چاہتے ہو، اگر تم اس بیوی کو مہر میں ڈھیروں مال بھی دے چکے ہو تو اس بیوی سے اس دیے ہوئے مہر میں سے کچھ بھی واپس نہ لو چہ جائیکہ تم اس سے زیادہ وصول کرو۔

''اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝'': بہتان سے مراد یہ ہے کہ کسی پر جھوٹی تہمت لگانا، اور اسی لیے اُس کو ظلم سے تعبیر فرمایا اور زمانہ جاہلیت میں جب کوئی شخص کسی اور عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ کرتا تو اپنی بیوی پر جو اُس کے نکاح میں ہے کوئی بری تہمت لگاتا حتیٰ کہ وہ بیوی اُس کے دیے ہوئے مہر کو دے کر اس سے جان چھڑانے پر مجبور ہو جاتی تاکہ شوہر اس رقم کو دوسری عورت سے نکاح کرنے پر خرچ کرے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور تم کیونکر اُن سے اُس مال کو واپس لو گے حالانکہ تم (تنہائی میں) ایک دوسرے سے جسمانی لذت حاصل کر چکے ہو، اور تمہاری بیویاں (عقدِ نکاح کے ذریعہ) تم سے (زندگی گزارنے کا) پختہ عہد لے چکی ہیں ''(النساء: ۲۱)

''وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ'': یہ دوسری مرتبہ انکار ہے، یعنی تم اس کے دیے ہوئے مہر کو اس سے واپس کیونکر لو گے۔

''وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ'': یعنی تم خلوت میں اس بیوی کے ساتھ جسمانی لذت حاصل کر چکے ہو تو اب کیونکر اس کو علیحدہ کر رہے ہو، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت میں الافضاء سے مراد جماع ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کریم ہے بے شرمی کی

بات کا کنایہ کے ساتھ ذکر فرماتا ہے۔

''وَّاَخَذۡنَ مِنۡكُمۡ مِّيۡثَاقًا غَلِيۡظًا ﴿۲۱﴾'': حالانکہ تم نکاح کے ذریعہ اس کے ساتھ دائمی رہائش کا عہد و پیمان کر چکے ہو۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا: پس تم عورتوں کے معاملات میں اللہ سے ڈرو، کیونکہ تم نے عورتوں کو اپنے عقد میں اللہ کی امان سے لیا ہے اور تم نے اللہ کے کلام کے سبب سے اُن کی شرمگاہوں کو اپنے لیے حلال کیا ہے اور تمہارا تمہاری عورتوں پر یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں جس کو تم ناپسند کرتے ہو، اگر تمہاری عورتیں ایسا کریں تو اُن کو ایسی ضرب کے ساتھ مارو جس کا نشان نہ لگے، اور اُن عورتوں کا تم پر حق یہ ہے کہ تم ان کو طعام مہیا کرو اور اُن کو دستور کے مطابق لباس فراہم کرو، اور بے شک میں نے تم میں ایسی چیز چھوڑی ہے کہ اگر تم اُس کے ساتھ وابستہ رہے یا چمٹے رہے تو تم کبھی گمراہ نہیں ہو گے اور وہ اللہ کی کتاب ہے۔

(صحیح مسلم: ۱۲۱۸، الرقم المسلسل: ۲۹۴۱، رقم حدیث الباب: ۱۴۷، سنن ابوداؤد: ۱۹۰۵، ۱۹۰۹، سنن ابن ماجہ: ۳۰۷۴)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے مسلمانو!) تم اُن عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ دادا نکاح کر چکے ہیں سوا اُس معاملہ کے جو پہلے گزر چکا ہے، بے شک ایسا کام کھلی بے حیائی اور اللہ کے غضب کا سبب ہے، اور بہت ہی برا کام ہے O'' (النساء: ۲۲)

باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنے کی ممانعت

علامہ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن ابی زمنین القرطبی المالکی المتوفی ۳۹۹ھ، النساء: ۲۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَلَا تَنۡكِحُوۡا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدۡ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقۡتًا'':

یعنی باپ کی منکوحہ کی تحریم نازل ہونے سے پہلے تم نے جو باپ کی منکوحہ سے نکاح کیا تھا اس پر تم سے مواخذہ نہیں ہو گا۔

(تفسیر القرآن العزیز ج ۱ ص ۳۲۱، الفاروق الحدیثیۃ للطباعۃ والنشر، ۱۴۲۶ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن عبدالصمد السخاوی المصری الشافعی المتوفی ۶۴۲ھ، النساء: ۲۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس سے مراد وطی ہے، پس جب کوئی مرد کسی عورت سے زنا کرے تو وہ عورت اس کے بیٹے پر حرام ہو جاتی ہے۔ اور امام شافعی کے نزدیک زنا کسی حلال کو حرام نہیں کرتا۔ (تفسیر القرآن العظیم ج ۱ ص ۱۷۳، دار النشر للجامعات، ۱۴۳۰ھ)

امام ابوحنیفہ کے نزدیک زنا اور اس کے محرکات سے حرمت مصاہرۃ کا ثبوت اور جمہور فقہاء کی اس سے مخالفت

الشیخ رشید رضا نے کہا ہے کہ فقہاءِ احناف یہ کہتے ہیں کہ جس شخص نے کسی عورت کے ساتھ زنا کیا یا اُس کو شہوت سے چھوا یا اُس کو شہوت سے بوسہ دیا یا اُس کی شرمگاہ کی طرف شہوت سے دیکھا تو اس مرد پر اس عورت کے اصول اور فروع حرام ہو جاتے ہیں اور وہ عورت اس مرد کے اصول اور فروع پر حرام ہو جاتی ہے اور فقہاءِ احناف کے نزدیک زنا سے حرمتِ مصاہرہ ثابت ہو جاتی ہے اور زنا کے مقدمات اور اس کے محرکات سے بھی حرمتِ مصاہرہ ثابت ہو جاتی ہے، اور اگر کسی مرد نے اپنی بیوی کی ماں سے زنا کیا یا اپنی بیوی کی بیٹی سے زنا کیا تو وہ عورت اس مرد کے اوپر دائماً حرام ہو جاتی ہے۔ اور جمہور فقہاء کے نزدیک زنا سے حرمتِ مصاہرہ ثابت

نہیں ہوتی۔ اور جمہور فقہاء نے اس موقف پر اس آیت سے استدلال کیا ہے: ''وَ اُحِلَّ لَكُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمۡ... (النساء: ۲۴)''
اس آیت میں یہ بیان ہے کہ محرمات میں سے کون سی عورتیں حلال ہیں، اور یہاں پر یہ ذکر نہیں ہے کہ زنا بھی تحریم کے اسباب میں سے ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ حرام کسی حلال کو حرام نہیں کرتا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ایک مرد نے سوال کیا تھا کہ اُس نے ایک عورت کے ساتھ زنا کیا ہے اور اب وہ مرد اس عورت کی ماں سے یا اُس کی بیٹی سے نکاح کا ارادہ کر رہا ہے، تب نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ حرام کسی حلال کو حرام نہیں کرتا، صرف نکاح سے حرمت ثابت ہوتی ہے، یعنی اگر کسی مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا تو اب اس مرد کے اوپر اس کی منکوحہ کی ماں اور اس کی بیٹی حرام ہو جائے گی۔ پھر یہ ایسا مسئلہ ہے جس کی ضرورت پیش آتی ہے اور شارع علیہ السلام اس سے سکوت فرمانے والے نہیں تھے اور یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب لوگ زمانہ جاہلیت میں تھے اور زمانہ جاہلیت میں زنا بہ کثرت ہوتا تھا، پس اگر اس سے کوئی یہ سمجھتا کہ مزنیہ کی ماں یا اُس کی بیٹی حرام ہو جاتی ہے تو وہ لوگ ضرور نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اس کے متعلق سوال کرتے اور اس سوال اور جواب کو نقل کرنے کے اسباب اور محرکات بہت زیادہ تھے۔

(تفسیر المنارج ۴ ص ۴۷۹، المبسوط للسرخسی ج ۴ ص ۱۴۱، مختصر المزنی ج ۱ ص ۱۸۱، المغنی لابن قدامہ ج ۷ ص ۴۹۲)

علامہ مصطفیٰ الخیری الحصنی المنصوری الحنفی المتوفی ۱۳۹۰ھ، النساء: ۲۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ اس آیت سے اُن عورتوں کا ذکر شروع فرما رہے ہیں جن سے نکاح کرنا حرام ہے، کیونکہ زمانۂ جاہلیت میں جب کوئی مرد اپنی بیوی کو چھوڑ کر مر جاتا تو اس مرد کا بیٹا اپنے آپ کو اُس عورت کے ساتھ نکاح کرنے کا زیادہ حق دار سمجھتا تھا، اگر چاہتا تو خود اس عورت سے نکاح کر لیتا بشرطیکہ وہ عورت اس کی ماں نہ ہوتی، یعنی وہ اس کے باپ کی دوسری بیوی ہوتی، یا وہ جس مرد سے چاہتا اس عورت کا اس سے نکاح کر دیتا۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس الرازی ابن ابی حاتم المتوفی ۳۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ایک انصاری مرد سے روایت ہے: جب ابوقیس فوت ہو گیا تو اس کا بیٹا حصن کھڑا ہوا، پس وہ اپنے باپ کی بیوی کا وارث ہو گیا اور اُس نے اُس عورت کو خرچ نہیں دیا اور اس عورت کو اس کے خاوند کے مال سے کسی چیز کا وارث نہیں بنایا، تب وہ عورت نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس واقعہ کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا: تم واپس جاؤ شاید اللہ تعالیٰ تمہارے مسئلہ کے متعلق کوئی حکم نازل فرمائے گا، تب یہ آیت نازل ہوئی: وَلَا تَنۡكِحُوۡا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمۡ... (النساء: ۲۲)''۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۳ ص ۹۰۹، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ، فتح القدیر للشوکانی ج ۱ ص ۷۰۹، دار الوفاء، ۱۴۱۸ھ)

اس آیت میں آباء کا ذکر ہے، یہ اوپر کے آباء یعنی دادا، اور پردادا کو بھی شامل ہے، پس اُس کے باپ یا دادا نے جس عورت سے بھی نکاح کیا، اُس عورت سے نکاح کرنے کی حرمت اس آیت سے صراحۃً ثابت ہوئی اور اجماعاً بھی، اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تمہارے آباء نے جس عورت کے ساتھ نکاحِ صحیح کیا ہے تم اُس عورت کے ساتھ نکاح نہ کرو خواہ تمہارے باپ دادا اُس عورت کے ساتھ دخول کر چکے ہوں یا نہیں، گویا کہ یہ فرمایا گیا ہے کہ جس عورت کے ساتھ تمہارے باپ دادا نکاح کر چکے ہوں اور دخول بھی کر چکے ہوں، اس عورت کے ساتھ تم نکاح نہ کرو کیونکہ یہ عذاب کا سبب ہے، ہاں اس حکم کے نازل ہونے سے پہلے جو کچھ تم کر چکے ہو وہ معاف ہے کیونکہ اسلام لانا، اسلام سے پہلے کے تمام گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے اور بے شک اپنے باپ دادا کی بیویوں سے

نکاح کرنا انتہائی بے حیائی کا کام ہے اور اللہ تعالیٰ کی انتہائی ناراضگی کا موجب ہے، اس میں یہ بیان ہے کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت برا ہے حتیٰ کہ زمانہ جاہلیت میں ایسا نکاح ناراضگی کا اور بغض کا سبب قرار دیا جاتا تھا اور اس نکاح کو حقیر جانا جاتا تھا۔

''وَسَاءَ سَبِيلًا ﴿۲۲﴾'' یعنی یہ نکاح کا طریقہ سخت مذموم ہے، حدیث میں ہے:

باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنے والے کو قتل کا حکم فرمانے کے متعلق احادیث

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ہمارے پاس سے کچھ لوگ گزرے جو کہیں جا رہے تھے، ہم نے پوچھا: آپ لوگ کہاں جا رہے ہیں؟ انہوں نے بیان کیا: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایسے مرد کی طرف بھیجا ہے جو اپنے باپ کی بیوی سے دخول کرتا تھا، آپ نے ہمیں یہ حکم فرمایا ہے کہ ہم اس کو قتل کر دیں۔

(مسند احمد: ج ۴ ص ۲۹۲، رقم الحدیث: ۱۸۵۷۸، سنن ترمذی: ۳۹۰۰، امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔ ابن مندہ: ۴ ۵۳۴، فضائل الصحابہ لاحمد، ۱۳ ۵۳، صحیح مسلم: ۲۴۲۲، سنن ترمذی: ۳۸۷۳، امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے (اس حدیث میں اضطراب ہے اس لیے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۱۹۱۔ ۱۹۲، المحلیٰ لابن حزم ج ۱۱ ص ۲۵۳، السنن الکبریٰ للنسائی: ۷۲۲۱، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میرے پاس سے میرے چچا الحارث بن عمرو گزرے اور اُن کے پاس ایک جھنڈا تھا جو اُن کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عطاء فرمایا تھا، میں نے اُن سے پوچھا: اے میرے چچا! آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہاں بھیجا ہے؟ انہوں نے بتایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ایسے مرد کی طرف بھیجا ہے جس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے، آپ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں اُس کی گردن اڑا دوں۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۲۹۲، رقم الحدیث: ۱۸۵۷۹، سنن سعید بن منصور: ۲ ۹۴۲، سنن ابن ماجہ: ۲۶۰۷، مسند ابو یعلیٰ: ۱۶۶۶، شرح معانی الآثار للطحاوی ج ۳ ص ۱۴۸، معجم الصحابہ لابن قانع ج ۱ ص ۱۷۴، المعجم الکبیر للطبرانی: ۳۴۰۵، تہذیب الکمال ج ۵ ص ۲۶۵، المحلیٰ لابن حزم ج ۱۱ ص ۲۵۲، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۱۰۴، سنن ابن ماجہ: ۲۶۰۷، سنن ترمذی: ۱۳۶۲، مسند ابو یعلیٰ: ۱۶۶۷، شرح معانی الآثار للطحاوی ج ۳ ص ۱۴۸، مشکل الآثار للطحاوی: ۲۹۵۸، ۲۹۵۹، المعجم الکبیر للطبرانی: ۵۱۰، سنن دارقطنی ج ۳ ص ۱۹۶، معالم السنن للخطابی: ج ۳ ص ۱۲۹، شرح السنہ للبغوی: ۲۵۹۲، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

باپ کی منکوحہ سے بیٹے کے نکاح کے عدم جواز کے متعلق مذاہبِ اربعہ کی تصریحات

علامہ برہان الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر الفرغانی المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

''ولا بامرأۃ ابیہ واجدادہ لقولہ تعالیٰ: وَلَا تَنكِحُوا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ''۔ (ہدایہ ج ۲ ص ۳۲۷، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

یعنی اُس عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے جس عورت سے اُس کے باپ یا دادا نے نکاح کیا ہو۔

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

جب کسی مرد نے کسی عورت سے نکاح کر لیا تو وہ عورت اس کے بیٹے پر حرام ہو گئی اور اس کے باپ پر بھی حرام ہو گئی، خواہ اس نے اس عورت کے ساتھ دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو، کیونکہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَلَا تَنكِحُوا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ (النساء:۲۲)''۔

(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف، ج ۸ ص ۴۸۸، دار الفلاح، ریاض ۱۴۳۰ھ)

نیز عبدالرحمٰن بن محمد عوض الجزیری المتوفی ۱۳۶۰ھ لکھتے ہیں:

باپ کی بیوی سے بیٹے کا نکاح کرنا حرام ہے جب کہ باپ نے اس بیوی سے صرف عقدِ نکاح کیا ہو، بشرطیکہ وہ عقد صحیح ہو۔

(کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ص ۸۴۸، دار ابن حزم ۱۴۲۲ھ)

علامہ موفق الدین ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ المقدسی الدمشقی الحنبلی المتوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

جب کسی مرد نے کسی عورت سے زنا کیا تو وہ عورت اس کے باپ پر بھی حرام ہو جاتی ہے اور اس کے بیٹے پر بھی حرام ہو جاتی ہے، اور اس مرد پر اس عورت کی ماں بھی حرام ہو جاتی ہے اور اس کی بیٹی بھی حرام ہو جاتی ہے جیسا کہ اگر اس نے کسی عورت کے ساتھ شبہ سے وطی کی ہو، اور اگر اس نے کسی عورت کی ماں سے وطی کی ہو یا اس کی بیٹی سے وطی کی ہو تو اس مرد کے اوپر اس کی بیوی بھی حرام ہو جائے گی، امام احمد بن حنبل نے اس کی تصریح کی ہے، اسی طرح حسن بصری، عطاء، طاؤس، مجاہد، شعبی، نخعی، ثوری، اسحاق اور اصحاب الرائے (یعنی فقہائے احناف) نے کہا ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حرام وطی سے کوئی اور عورت حرام نہیں ہوتی، سعید بن المسیب اور یحییٰ ابن یعمر، عروہ، الزہری، امام مالک، امام شافعی، ابوثور اور ابن المنذر نے کہا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ روایت ہے آپ نے فرمایا کہ فعل حرام حلال کو حرام نہیں کرتا، حدیث میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فعل حرام حلال کو حرام نہیں کرتا''۔

(سنن ابن ماجہ: ۲۰۱۵، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۱۶۸، سنن دار قطنی ج ۳ ص ۲۶۸)

خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک ایک مرد نے جس عورت سے عقدِ نکاح کیا ہو تو اس عورت سے اس مرد کے بیٹے کا نکاح کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ ... (النساء: ۲۲)''۔

باپ کی منکوحہ سے بیٹے کے نکاح کرنے پر حدِ زنا جاری نہ ہونے کا سبب

اس جگہ یہ شُبہ ہوتا ہے کہ جو شخص اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کرے اس پر بہ ظاہر حدِ زنا لاگو ہونی چاہیے، یعنی اُس کو رجم کرنا چاہیے، جب کہ مذاہبِ اربعہ کے فقہاء اس پر رجم کرنے کا حکم نہیں لگاتے اور اُس پر حدِ زنا جاری نہیں کرتے۔ ان فقہاءِ کرام کا استدلال ان احادیث سے ہے جن کا ہم نے باحوالہ ذکر کیا ہے، کیونکہ جس شخص نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کو رجم کرنے کا یا اُس پر حد جاری کرنے کا حکم نہیں فرمایا بلکہ آپ نے اس کو قتل کرنے کا حکم فرمایا، اور قتل کرنا حد نہیں ہے تعزیر ہے، لہٰذا جس شخص نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کیا اس پر حد جاری نہیں ہوگی، کیونکہ شبہات کی وجہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے اور چونکہ اس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کیا ہے تو یہ نکاح کرنا اس شبہ کا سبب ہے کہ نکاح کی وجہ سے یہ فعل زنا نہیں ہوگا، کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت میں بھائی کا بہن کے ساتھ نکاح جائز تھا تو کوئی آدمی یہ قیاس کر کے کہ جب بھائی کا بہن کے ساتھ نکاح جائز ہے تو مرد کا اپنے باپ کی بیوی کے ساتھ بھی نکاح کرنا جائز ہوگا، اگرچہ اس کا یہ شبہ باطل ہے لیکن شبہات کی وجہ سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں۔

شبہات سے حدود ساقط کرنے کے متعلق احادیث

عمرو بن شعیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاذ اور حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہم نے کہا: جب تم پر حد مشتبہ ہو جائے تو حد کو ساقط کر دو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۸۴۸۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر شبہات کی وجہ سے حدود کو معطل کر دیا جائے تو میرے نزدیک وہ اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں شبہات کی وجہ سے حد کو قائم کروں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۸۴۸۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

عروہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: تم سے جہاں تک ہو سکے مسلمانوں سے حدود کو ساقط کرو، پس جب تم مسلمان کے لیے کوئی نجات کی راہ پاؤ تو اُس کا راستہ چھوڑ دو، کیونکہ امام جب خطاء سے کسی مجرم کو معاف کر دے تو وہ اس سے بہتر ہے کہ وہ خطاء سے کسی مجرم کو سزا دے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۸۴۹۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآىِٕكُمْ وَرَبَآىِٕبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآىِٕكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ؗ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ؗ وَحَلَآىِٕلُ اَبْنَآىِٕكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۟ۙ﴿۲۳﴾

(اے مسلمانو!) تم پر حرام فرما دی گئی ہیں تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور اُن کی وہ بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں، جو تمہاری اُن بیویوں سے پیدا ہوئیں جن سے تم مباشرت کر چکے ہو، پس اگر تم نے اُن سے مباشرت نہیں کی تو (اُن کی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں) تم پر کوئی گناہ نہیں ہے، اور (تم پر حرام کر دی گئی ہیں) تمہارے نسلی بیٹوں کی بیویاں، اور (تم پر حرام کر دیا گیا ہے کہ) تم دو بہنوں کو جمع کرو مگر جو گزر چکا ہے، بے شک اللہ بہت مغفرت فرمانے والے، بے حد رحم فرمانے والے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے مسلمانو!) تم پر حرام فرما دی گئی ہیں تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہیں پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور اُن کی وہ بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں، جو تمہاری اُن بیویوں سے پیدا ہوئیں جن سے تم مباشرت کر چکے ہو، پس اگر تم نے اُن سے

مباشرت نہیں کی تو (اُن کی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں) تم پر کوئی گناہ نہیں ہے، اور (تم پر حرام کردی گئی ہیں) تمہارے نسلی بیٹوں کی بیویاں، اور (تم پر حرام کر دیا گیا ہے کہ) تم دو بہنوں کو جمع کرو مگر جو گزر چکا ہے، بے شک اللہ بہت مغفرت فرمانے والے، بے حد رحم فرمانے والے ہیں O" (النساء: ۲۳)

جن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے، ان کی تفصیل

امام ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، النساء: ۲۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ": اس آیت میں ماؤں سے نکاح کی تحریم کو بیان فرمایا ہے اور ماؤں سے مراد مائیں اور دادیاں اور نانیاں ہیں۔ "وَ بَنٰتُكُمْ" بیٹیوں کا ذکر ہے، اور اس سے مراد بیٹیاں اور بیٹیوں کی اولاد ہے یعنی پوتیاں اور نواسیاں "وَ اَخَوٰتُكُمْ": یعنی نسبی بہنیں۔ "وَعَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ" یعنی تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے اور تمہاری دودھ شریک بہنیں۔

"وَاُمَّهٰتُ نِسَآىٕكُمْ": یعنی تمہاری بیویوں کی مائیں تم پر حرام کردی گئی ہیں خواہ اُن ماؤں کی بیٹیوں کے ساتھ تم نے مباشرت کی ہو یا نہ کی ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور صحابہ کی ایک جماعت سے اسی طرح منقول ہے۔

"وَرَبَآىٕبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآىٕكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ٘ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ": یعنی تم پر تمہاری بیویوں کی وہ بیٹیاں حرام کردی گئی ہیں جو تمہاری پرورش میں ہیں جب کہ تم نے ان بیویوں کے ساتھ مباشرت کی ہو، پس اگر تم نے اُن بیویوں کے ساتھ مباشرت نہیں کی تو پھر اُن بیویوں کی بیٹیوں کے ساتھ نکاح کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

"وَحَلَآىٕلُ اَبْنَآىٕكُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ": یعنی تم پر تمہارے اُن بیٹوں کی بیویاں حرام کردی گئی ہیں جو بیٹے تمہاری پشت سے پیدا ہوئے ہیں، اور یہ قید اس لیے لگائی ہے کہ لوگ مونہہ بولے بیٹے (متبنّیٰ) کو بھی بیٹا کہتے تھے اور متبنّیٰ کی بیوی سے نکاح کرنا جائز ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنا بیٹا بنالیا تھا، اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب بنت جحش الاسدیہ سے نکاح کرلیا، پھر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب بنت جحش کو طلاق دے دی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمالیا تو مشرکین نے اس پر طعنہ دیا اور کہا کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرلیا، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ ..." (الاحزاب: ۴۰) (محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں)، اس لیے اس آیت میں فرمایا "تم پر تمہارے اُن بیٹوں کی بیویاں حرام فرمادی گئی ہیں جو بیٹے تمہاری پشت سے پیدا ہوئے ہیں" اور مرد کا مونہہ بولا بیٹا (متبنّیٰ) اس مرد کی پشت سے پیدا نہیں ہوتا۔

حضرت صدر الافاضل قدس سرہ العزیز کا ایک ہندو پنڈت سے مناظرہ

(میں کہتا ہوں: ایک مرتبہ مراد آباد میں حضرت صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین قدس سرہ العزیز متوفی ۱۳۶۷ھ کا ایک ہندو پنڈت سے مناظرہ ہوا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ طعن کر رہا تھا کہ آپ نے اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرلیا، حضرت صدر الافاضل

نے فرمایا کہ جس کو کوئی شخص یہ کہہ دے کہ یہ میرا بیٹا ہے وہ اس کا حقیقی بیٹا نہیں بن جاتا، پنڈت اسی پر اصرار کرتا رہا کہ جس کو کوئی شخص یہ کہہ دے کہ یہ میرا بیٹا ہے وہ اس کا حقیقی بیٹا ہوتا ہے، حضرت نے فرمایا: دیکھو بعد میں تم اس بات سے مکر نہ جانا، پنڈت نے کہا: آپ کو جواب تو آنہیں رہا خواہ مخواہ بات بڑھا رہے ہیں، حضرت نے فرمایا: اگر یہی بات ہے کہ جس کو کوئی شخص یہ کہہ دے کہ تم میرے بیٹے ہو وہ اس کا حقیقی بیٹا ہو جاتا ہے تو لوگو! گواہ رہو میں کہتا ہوں کہ یہ پنڈت میرا بیٹا ہے، پنڈت جی اب تم میرے حقیقی بیٹے بن گئے تو اب تمہاری ماں میری حقیقی بیوی بن گئی اور تمہاری ماں مجھ پر حلال ہو گئی، پنڈت کا مونہہ سیاہ ہو گیا اور وہ کوئی جواب نہ دے سکا۔ یہ واقعہ مجھے حضرت صدر الافاضل قدس سرہٗ العزیز کے شاگرد رشید مفتی محمد حسین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے سنایا تھا۔ سعیدی غفرلہٗ)

''وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ'': یعنی تم پر یہ حرام فرما دیا گیا ہے کہ تم دو بہنوں کو حالتِ واحدہ میں نکاح میں جمع کرو، سوا اس کے کہ اس قسم کا جو کام زمانہ جاہلیت میں ہو چکا ہے۔

ہشام بن عبید اللہ نے ذکر کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ مذکورہ تمام محرمات کا اعتبار کرتے تھے سوا دو صورتوں کے، ایک صورت یہ تھی کہ وہ باپ کی بیوی سے نکاح کو جائز قرار دیتے تھے اور دوسری صورت یہ تھی کہ وہ دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنے کو جائز قرار دیتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾'' بے شک اللہ تعالیٰ اُن کاموں کو معاف فرمانے والا ہے جو تم نے دورِ جاہلیت میں کیے تھے، پھر اسلام لانے کے بعد تم نے ان کاموں سے توبہ کر لی، پس بے شک اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرمانے والے، بے حد رحم فرمانے والے ہیں۔ (تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۳۴۳۔ ۳۴۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾

اور تم پر وہ عورتیں حرام فرمائی گئی ہیں جو دوسرے مردوں کے نکاح میں ہیں سوا (کافروں کی ان عورتوں کے) جو تمہاری ملکیت میں آجائیں، (یہ) تم پر اللہ کا فرض کیا ہوا (حکم) ہے، اور تمہارے لیے اِن (مُحرَّمات) کے سوا سب عورتیں حلال فرما دی گئی ہیں کہ تم اپنے مال (مہر) کے عوض اُن کو طلب کرو جب کہ تم اُن عورتوں کو اپنے نکاح کے قلعہ میں لانے والے ہو، نہ یہ کہ تم اُن سے (محض) اپنے نفس کی خواہش پوری کرنے والے ہو، پھر جن عورتوں سے (نکاح کر کے) مہر کے عوض تم نے فائدہ اٹھالیا تو اُن (عورتوں کو) ان کے مہر ادا کر دو، یہ (اللہ کا) مقرر کردہ فرض ہے، اور مہر مقرر کرنے کے بعد تم جس چیز پر باہم راضی ہو جاؤ اُس میں کوئی حرج نہیں ہے، بے شک اللہ بہت جاننے والے بے حد حکمت والے ہیں ○

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ

وَ مَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَ اٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّ لَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَاۤ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَ اَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾

اور تم میں سے جو شخص آزاد (کنواری) مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی طاقت نہ رکھے تو (وہ) (مسلمانوں کی مملوکہ) ایمان والی باندیوں سے نکاح کرے، اور اللہ تمہارے ایمان کو زیادہ جاننے والے ہیں، تم آپس میں ایک ہی ہو، سو اُن باندیوں کے مالکوں کی اجازت لے کر ان باندیوں سے نکاح کرو اور دستور کے مطابق ان کے مہر ادا کرو، جب کہ وہ باندیاں نکاح کی قید میں آنے والی ہوں بدکاری کرنے والی نہ ہوں، اور نہ دوسروں سے پوشیدہ تعلقات قائم کرنے والی ہوں، پس جب وہ باندیاں نکاح کے قلعہ میں آجائیں پھر (بھی) بے حیائی کا کام کریں تو اُن پر اس کی آدھی سزا ہے جو آزاد (کنواری) عورتوں کی سزا ہے، (باندیوں سے نکاح کا یہ حکم) اس کے لیے ہے جس کو تم میں سے اپنے اوپر بدکاری کا خطرہ ہو، اور تمہارے لیے صبر کرنا بہت بہتر ہے، اور اللہ بہت مغفرت فرمانے والے، بے حد رحم فرمانے والے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”اور تم پر وہ عورتیں حرام فرمائی گئی ہیں جو دوسرے مردوں کے نکاح میں ہیں سوا (کافروں کی ان عورتوں کے) جو تمہاری ملکیت میں آجائیں، (یہ) تم پر اللہ کا فرض کیا ہوا (حکم) ہے، اور تمہارے لیے اِن (مُحرّمات) کے سوا سب عورتیں حلال فرما دی گئی ہیں کہ تم اپنے مال (مہر) کے عوض اُن کو طلب کرو جب کہ تم اُن عورتوں کو اپنے نکاح کے قلعہ میں لانے والے ہو، نہ یہ کہ تم اُن سے (محض) اپنے نفس کی خواہش پوری کرنے والے ہو، پھر جن عورتوں سے (نکاح کر کے) مہر کے عوض تم نے فائدہ اٹھالیا تو اُن (عورتوں کو) ان کے مہر ادا کردو، یہ (اللہ کا) مقرر کردہ فرض ہے، اور مہر مقرر کرنے کے بعد تم جس چیز پر باہم راضی ہو جاؤ اُس میں کوئی حرج نہیں ہے، بے شک اللہ بہت جاننے والے بے حد حکمت والے ہیں O“

(النساء: ۲۴)

باقی ماندہ محرمات کا بیان

امام ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، النساء: ۲۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ'': الضحاک نے بیان کیا کہ ''اَلْمُحْصَنٰتُ'' سے مراد وہ عورتیں ہیں جن کے شوہر ہوں، اُن سے نکاح کرنا تم پر حرام فرما دیا گیا ہے سوا اُن قیدی عورتوں کے جو تمہاری ملکیت میں ہوں، پس جب کسی مرد کی ملکیت میں ایسی عورت آجائے جس کا خاوند دارالحرب میں ہو اور اس کا رِحم حیض سے صاف ہو گیا ہو تو وہ عورت اُس مرد کے لیے حلال ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین کے دن ایک لشکر کو اوطاس کی طرف روانہ فرمایا، سو اُن کا دشمن سے مقابلہ ہوا، پس انہوں نے دشمن سے قتال کیا اور اُن پر غلبہ حاصل کیا اور اُن کی عورتوں کو قید کر لیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحاب اُن قیدی باندیوں سے جسمانی لذت حاصل کرنے سے اجتناب کرتے تھے، کیونکہ اُن کے مشرک خاوند موجود تھے، تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: ''وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ... (النساء: ۲۴)'': یعنی ان قیدی باندیوں کی جب عدت پوری ہو جائے تو پھر یہ تمہارے لیے حلال ہیں۔

(صحیح مسلم: ۱۴۵۶، الرقم المسلسل: ۳۵۹۳، رقم الحدیث فی کتاب الرضاع: ۳۳، سنن ابوداؤد: ۲۱۵۵، سنن ترمذی: ۱۱۳۲، ۳۰۱۶، سنن نسائی: ۳۳۳۳)

یعنی اللہ تعالیٰ نے مالِ غنیمت میں جو قیدی عورتیں تمہیں عطاء فرمائی ہیں خواہ اُن کے مشرک خاوند ہوں پھر بھی تمہارے لیے وہ حلال ہیں، سو جب اُن عورتوں کا رِحم حیض سے صاف ہو جائے تو پھر اُن سے مباشرت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مقاتل نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے: یعنی ہر وہ عورت جو تمہارے نکاح میں نہیں ہے وہ تم پر حرام ہے، پھر اس سے استثناء فرمایا سوا اُن باندیوں کے جو تمہاری ملکیت میں ہیں۔

''كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ'': یعنی وہ عورتیں ہیں جن کو اللہ کی کتاب میں تم پر حرام فرما دیا گیا ہے فقط ان سے اجتناب کرو، اور تم اللہ کے حکم پر عمل کرو اور اس کی مخالفت نہ کرو۔

''وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ'': اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں چودہ (۱۴) محرّمات کا ذکر فرمایا ہے، سات (۷) محرّمات نسب سے ہیں اور سات (۷) محرّمات سبب سے ہیں، جو محرّمات نسب سے ہیں، وہ یہ ہیں: (۱) مائیں (۲) بیٹیاں (۳) بہنیں (۴) پھوپھیاں (۵) خالائیں (۶) بھتیجیاں (۷) بھانجیاں، اور جو سات محرّمات صہر یعنی سسرالی رشتے اور دودھ کے رشتہ سے ہیں وہ یہ ہیں: (۱) رضاعی مائیں، یعنی جن اجنبی عورتوں نے تم کو دودھ پلایا ہو (۲) رضاعی بہنیں، یعنی دودھ شریک بہنیں، (۳) بیویوں کی مائیں (۴) لے پالک یعنی اُن بیویوں کی وہ اولاد جو تمہاری زیرِ پرورش ہو (۵) بیٹوں کی بیویاں (۶) دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا (۷) باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا جیسے فرمایا: ''وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ... (النساء: ۲۲)''۔

جس طرح دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے، اسی طرح دیگر رشتہ دار عورتوں کو بھی ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کسی عورت سے اس کی پھوپھی یا اس کی خالہ کے اوپر نکاح کیا جائے۔ (صحیح البخاری: ۵۱۰۸، صحیح مسلم: ۱۴۰۸، سنن ترمذی: ۱۱۲۵، سنن نسائی: ۳۲۹۰، سنن ابوداؤد: ۲۰۶۵، سنن ابن ماجہ: ۱۹۲۹، مسند احمد:

۳۵۲۰، موطا امام مالک: ۱۱۳۰، سنن دارمی: ۲۱۷۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: عورت اور اس کی پھوپھی کو ایک نکاح میں جمع نہ کیا جائے اور نہ عورت اور اس کی خالہ کو ایک نکاح میں جمع کیا جائے۔ (صحیح البخاری: ۵۱۰۹، صحیح مسلم: ۱۴۰۸، سنن ترمذی: ۱۱۲۶، سنن نسائی: ۳۲۸۸، سنن ابوداؤد: ۲۰۶۶، سنن ابن ماجہ: ۱۹۳۰، مسند احمد: ۹۶۳۶، موطا امام مالک: ۱۱۲۹، سنن دارمی: ۲۱۷۹)

امام طحاوی نے کہا ہے: یہ تمام محرّمات اجماعی ہیں اور ان میں سے کسی ایک سے بھی نکاح کرنا جائز نہیں ہے، سوا اُن بیویوں کی ماؤں کے جن کے ساتھ اُن کے شوہروں نے مباشرت نہیں کی۔

ظاہر آیت کا تقاضا یہ ہے کہ ان چودہ (۱۴) محرّمات کے سوا دیگر عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے یہ حدیث منقول ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: نسب کے جن رشتوں سے نکاح کرنا حرام ہے دودھ کے رشتوں سے بھی اُن سے نکاح کرنا حرام ہے۔ (صحیح البخاری: ۵۱۱۱، صحیح مسلم: ۱۴۴۵، مسند احمد: ۲۳۹۱۰)

اگرچہ قرآنِ مجید میں دودھ کے اُن تمام رشتوں کی تحریم وارد نہیں ہے جن کی نسب کے رشتوں سے تحریم ثابت ہے، اسی طرح قرآن مجید میں ایک نکاح میں دو بہنوں کو جمع کرنے کی ممانعت ہے لیکن کسی عورت اور اس کی پھوپھی یا کسی عورت اور اس کی خالہ کو جمع کرنے کی ممانعت قرآنِ مجید میں نہیں ہے، لیکن یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے، لہٰذا اس کی اتباع کرنا واجب ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَمَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمۡ عَنۡهُ فَانۡتَهُوۡا ۔۔۔ (الحشر: ۷)'' اور (اے مسلمانو!) رسول تم کو جو حکم دیں اس پر عمل کرو اور جس کام سے تم کو منع فرمائیں، اس سے باز آ جاؤ)۔

غیرِ کفو میں نکاح کرنے کا جواز

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تصریح فرما دی ہے کہ ان مذکورہ محرّمات کے سوا تمام عورتیں تم پر حلال ہیں، اس آیت سے آفتاب سے زیادہ روشن ہوا کہ غیرِ کفو میں نکاح کرنا جائز ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان محرّمات میں غیر کفو کو شمار نہیں فرمایا، لہٰذا غیر کفو میں نکاح کرنا حلال ہے اور ایسے نکاح کو حرام قرار دینا نصِ قرآن پر اضافہ ہے، جو لوگ کہتے ہیں کہ غیر سید کا سیدہ خاتون سے نکاح کرنا حرام ہے اور اس نکاح کے نتیجہ میں جو اولاد ہو وہ اولادِ زنا ہے، سو یہ لوگ سیدہ خاتون اور بنت الرسول کو گالی دیتے ہیں اور سیدہ خاتون کو زانیہ قرار دیتے ہیں، اور بنت الرسول کو گالی دینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شدید توہین ہے، سو یہ لوگ آپ کی صاحبزادی اور بنت الرسول کو زانیہ کہتے ہیں اور یہ قول آپ کو شدید ایذاء پہنچانے کا باعث ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمۡ عَذَابًا مُّهِيۡنًا ۝ ۔۔۔ (الاحزاب: ۵۷)

بے شک جو لوگ اللہ کو اور اس کے رسول کو ایذاء پہنچاتے ہیں، اللہ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت فرماتے ہیں، اور اللہ نے ان کے لیے ذلت والا عذاب تیار فرما رکھا ہے O

ہم ایسے قول سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے ہیں اور ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ سب بنت الرسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عزت اور حرمت کے دفاع میں لکھا ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

''مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ '': یعنی تم ان محرمات کے سوا دیگر عورتوں سے اُن کا مہر ادا کر کے نکاح کرو، جب کہ تم زنا سے اجتناب کرنے والے ہو اور زنا کرنے والے نہ ہو۔

''المُتعة'' کے مباحث

''فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً '': یعنی جن عورتوں سے تم نے جسمانی لذت حاصل کر لی تو اُن عورتوں کو ان کا مقرر کردہ مہر ادا کر دو۔ مقاتل نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ جن عورتوں سے تم نے متعہ کر لیا اور جتنی مدت کے لیے متعہ کیا تھا وہ مدت پوری ہو گئی تو اُن سے اس متعہ کے عوض جو معاوضہ طے کیا تھا وہ معاوضہ اُن کو ادا کر دو، کیونکہ بعض مغازی میں متعہ مباح کر دیا گیا تھا، پھر بعد میں اس سے منع فرما دیا گیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کو اس طرح پڑھتے تھے: ''فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى '' یعنی تم نے جن عورتوں سے جسمانی لذت کے حصول کی مدتِ مقررہ اور معاوضہ مقررہ کا معاہدہ کیا تھا، سو جب وہ مدت پوری ہو جائے تو اُن عورتوں کو ان کا مقرر شدہ معاوضہ ادا کر دو اور اس کو مُتعہ کہا جاتا ہے۔ (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مذکورہ قراءت کی تلاوت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ قراءت غیر متواترہ ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)۔

نکاح المتعہ کی تحریم کے متعلق امام احمد رضا فاضل بریلوی المتوفی ۱۳۴۰ھ کے دلائل

مسئلہ نمبر ۱۴۱، ۱۵ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ: مرسلہ مولوی شفاعت رسول قادری برکاتی رضوی، وہ امام احمد رضا قادری سے سوال کرتے ہیں:

حضور پرنور کا دربارہ متعہ کیا ارشاد ہے، (کیا) اوائل اسلام میں (متعہ) جائز تھا پھر حرام کر دیا گیا، آیا اس کی حرمت حدیث سے ثابت ہے یا اقوالِ صحابہ سے؟

الجواب: متعہ کی حرمت صحیح حدیثوں سے ثابت ہے، امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ارشادوں سے ثابت ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوالِ شریفہ سے ثابت ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ قرآنِ عظیم سے ثابت ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۚ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ (المومنون: ۵-۶-۷)

جو لوگ اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے ماسوا ○ سے اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھتے ہیں، وہ ملامت سے محفوظ ہیں ○ اور جو لوگ (ان کے) غیر کے متلاشی ہیں وہ حد سے متجاوز ہیں ○

(فتاویٰ رضویہ، ج ۱۱ ص ۲۳۶، رضا فاؤنڈیشن، لاہور ۱۴۱۸ھ)

متعہ کے بطلان پر امام احمد رضا فاضل بریلوی مسئلہ نمبر ۴۶ کے جواب میں لکھتے ہیں:

الجواب: متعہ بنص قرآنِ عظیم و اجماع اہلسنت بلاشبہ باطل و حرام قطعی ہے، قال اللہ تعالیٰ: ''فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ○ ـــ (المومنون: ۷)'' (اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو شخص (بیویوں اور لونڈی مملوکہ) کے علاوہ غیر کی خواہش کرتا ہے وہ حد سے متجاوز ہے ○)۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۱ ص ۲۳۹، رضا فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۴۱۸ھ)

مسئلہ ۱۹۳، ۹ رجب ۱۳۱۵ھ، امیر حیدر صاحب سوال کرتے ہیں:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ متعہ کی حرمت کس آیت و حدیث سے اہل سنت کے یہاں ثابت ہے، بینوا توجروا!

الجواب: اللہ عزوجل فرماتا ہے: ''وَ الَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ۝ ---الی قولہ تعالیٰ: فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ۝ --(المومنون: ۵۔۷)''، رب تبارک وتعالیٰ مردوں سے فرماتا ہے: ''مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ وَ لَا مُتَّخِذِیْۤ اَخْدَانٍ۔۔ (المائدہ: ۵)'' (نکاح کرو بیوی بنا کر قید میں رکھنے کو نہ پانی گرانے اور نہ آشنا بنانے کو)۔

عورتوں سے فرماتا ہے: ''مُحْصَنٰتٍ غَیْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّ لَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ۔۔ (النساء: ۲۵)'' (قید میں آتیاں نہ مستی نکالتیاں نہ یار بناتیاں)۔

ظاہر ہے کہ متعہ بھی مستی نکالنے پانی گرانے کا صیغہ ہے نہ قید میں رکھنے بیوی بنانے کا، صحیح مسلم شریف میں حدیث حضرت سبرہ بن معبد جہنی رضی اللہ عنہ سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! میں نے تمہیں پہلے اجازت دی تھی عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے کی، اور اب بے شک اللہ عزوجل نے اسے حرام کر دیا قیامت تک۔ (صحیح مسلم: ۱۴۰۶، الرقم المسلسل: ۳۴۰۸، رقم حدیث الباب: ۲۱)

(میں کہتا ہوں: امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ نے متعہ کے بطلان پر مذکورہ تینوں سوالوں کے جواب میں سورۃ المومنون: ۵، ۶، ۷ سے استدلال کیا ہے لیکن اس پر مشہور اشکال یہ ہے کہ سورۃ المومنون مکی سورت ہے اور مکہ مکرمہ میں بلکہ مدینہ منورہ میں بھی حجۃ الوداع (۱۰ ہجری) تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے متعہ ہوتا رہا تھا، جیسا کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے صحیح مسلم کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ''اے لوگو! میں نے تمہیں پہلے اجازت دی تھی عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے کی'' سو جب المومنون: ۷ سے مکہ مکرمہ میں متعہ کو حرام کر دیا گیا تو پھر مکہ مکرمہ میں اور اس کے بعد مدینہ منورہ میں حجۃ الوداع تک متعہ کرنے کا معمول خلافِ قرآن قرار پایا، لہٰذا اگر سورۃ المومنون سے المتعہ کو حرام کر دیا گیا تھا تو پھر مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں حجۃ الوداع سے پہلے تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے متعہ کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟، کیونکہ امام احمد رضا نے صحیح مسلم کی جس حدیث کا حوالہ دیا ہے اس میں بھی یہ تصریح ہے کہ آج کے دن سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے متعہ ہوتا رہا تھا۔ سعیدی غفرلہٗ)

نکاح المتعۃ کی تحریم کے متعلق شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ کے دلائل

اور اس آیت میں مسافحین کی تفسیر سے متعہ کا حرام ہونا بھی مفہوم ہو گیا، اور حدیثوں میں اس کی پوری تصریح ہے خصوصاً صحیح مسلم میں حرمتِ مؤبدہ الی یوم القیامۃ کی تنصیص موجود ہے، البتہ اس حرمتِ مؤبدہ سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہدِ مبارک میں یہ خیبر سے پہلے حلال تھا، پھر خیبر میں حرام ہو گیا، پھر زمان فتح مکہ میں یوم اوطاس کو حلال کیا گیا، پھر تین روز کے بعد ابداً حرام ہو گیا، اور بعض سلف سے جو منقول ہے (اس کا جواب یہ ہے کہ) اس وقت تک ان کو نسخ کی خبر نہ پہنچی ہو گی اور بعض سے جو اس آیت میں ''الٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی'' منقول ہے وہ بہ طورِ تفسیر کے ہے جس کو قبلِ بلوغ نسخ کہہ دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف جو تحریم منسوب ہے (اس کا جواب یہ ہے کہ) بمعنیٰ اظہارِ حرمت ہے نہ اثباتِ حرمت، اور ابنِ عباس سے جو منقول ہے اول تو وہ قول مقیّد بالاضطرار تھا، پھر خود ترمذی نے ان سے مطلقاً حرمت نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس سے بھی رجوع فرمایا، پھر اہلِ حق کا اب اجماع ہے۔ (تفسیر بیان القرآن ج ۱ ص ۴۳۵، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

نکاح المتعۃ کی تحریم کے متعلق مصنف کی تحقیق

امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ، النساء: ۲۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

دوسرے مفسرین نے کہا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جن عورتوں سے تم نے مدتِ معینہ تک اجرت کے عوض حصولِ لذت کا عقد کیا ہے اس کو مُتعہ کہتے ہیں نہ کہ مطلق نکاح کا عقد جس میں ولی بھی ہوتا ہے اور گواہ بھی ہوتے ہیں اور مہر بھی مقرر ہوتا ہے اور اولاد کی کفالت کی ذمہ داری بھی ہوتی ہے اور طلاق بھی ہوتی ہے اور ایلاء بھی ہوتا ہے اور ظہار بھی ہوتا ہے اور وراثت بھی ہوتی ہے، سومُتعہ میں ایک مرد کسی عورت سے مدتِ معینہ تک معاوضۂ معینہ کے ساتھ نکاح کرتا ہے اور جب مدت پوری ہوجائے تو اس عورت کا مرد سے کوئی مطالبہ نہیں ہوتا اور وہ عورت مرد سے بری ہوجاتی ہے، اور اُن کے درمیان میراث نہیں ہوتی اور اُن میں سے کوئی ایک دوسرے کا وارث نہیں ہوتا۔

مجاہد سے روایت ہے: ''فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ '' انہوں نے کہا: اس سے مراد نکاح المُتعہ ہے۔

حبیب بن ابی ثابت اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: مجھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مصحف عطا کیا، پس کہا کہ یہ حضرت اُبی بن کعب کی قراءت ہے، اس مصحف میں لکھا ہوا تھا ''فَمَا اسْتَمْتَعْتُم بِهٖ مِنْهُن الیٰ اجل مُسَمًّى''۔

ابونضرہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عورتوں کے ساتھ المتعۃ کرنے کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: کیا تم سورۃ النساء کو نہیں پڑھتے؟ میں نے کہا: کیوں نہیں! حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کیا تم اس سورت میں یہ آیت نہیں پڑھتے؟ ''فَمَا اسْتَمْتَعْتُم بِهٖ مِنْهُن اِلیٰ اَجَلٍ مُّسَمًّى'' میں نے کہا: نہیں! اگر میں یہ آیت اس طرح پڑھتا تو میں آپ سے سوال نہ کرتا۔

حَکَم نے بیان کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے المُتعہ سے منع نہ فرمایا ہوتا تو سوائے بدبخت کے کوئی زنا نہ کرتا۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ نکاحِ صحیح کے بغیر مُتعہ کرنا حرام ہے اور حضرت ابی بن کعب اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے جو قراءت منقول ہے: ''فَمَا اسْتَمْتَعْتُم بِهٖ مِنْهُن اِلیٰ اَجَلٍ مُّسَمًّى'' یہ قراءت تمام مسلمانوں کے مصاحف کے خلاف ہے اور کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ اس قراءت کو کتاب اللہ میں ملائے۔ (تفسیر الطبری ج ۶ ص ۵۸۶-۵۸۹، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: بعض مغازی میں المُتعہ کی رخصت دی گئی تھی، پھر طلاق، میراث اور عدت کی مشروعیت کی آیات نے مُتعہ کو باطل کر دیا، کیونکہ مُتعہ میں نہ طلاق ہوتی ہے، نہ وراثت ہوتی ہے اور نہ عدت ہوتی ہے۔ اور ابن ابی نجیح نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ ''فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ '' سے مراد یہ ہے کہ تم نے نکاح کے ذریعہ عورتوں سے جو جسمانی لذت حاصل کی ہے تو اُن کو اُن کا مہر ادا کر دو، اور کلبی کی روایت میں ہے: تم نے نکاح کے بعد اُن سے جو جسمانی لذت حاصل کی ہے تو ان کو ان کے اجور یعنی ان کے مہور ادا کر دو، یہ اُن عورتوں کے لیے تم پر فرض ہے۔

امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی ابن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ، النساء: ۲۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد نکاح المتعۃ ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پہلے نکاح المتعۃ کے جواز کا

فتویٰ دیتے تھے پھرانہوں نے اس فتویٰ سے رجوع کرلیا۔ (زادالمسیر فی علم التفسیر ج ۱ ص ۳۹۲، دارالکتاب العربی، بیروت ۱۴۳۱ھ)

علامہ الخطیب الشربینی الشافعی التوفی ۹۷۷ھ النساء: ۲۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ'': ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت نکاح المتعۃ کے متعلق نازل ہوئی ہے، فتح مکہ کے بعد تین دن کے لیے متعہ حلال ہوا تھا پھر منسوخ کر دیا گیا، ایک مرد کسی عورت سے معین وقت کے لیے نکاح کرتا، مثلاً ایک رات یا دو راتیں یا ایک ہفتہ کے لیے کپڑے یا کسی اور چیز کے عوض اور اس سے اپنی حاجت پوری کرتا، پھر اس کو رخصت کر دیتا، اس کا نام متعہ رکھا گیا ہے کیونکہ اس کے ذریعہ وہ ایک عورت سے نفع حاصل کرتا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت ہے کہ آپ نے المتعۃ کو مباح فرمایا، پھر آپ نے یہ فرمایا: اے لوگو! میں نے تم کو ان عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دی تھی مگر بے شک اللہ تعالیٰ نے متعہ کو قیامت تک کے لیے حرام فرما دیا ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: میرے پاس جس مرد کو بھی لایا گیا جس نے کسی عورت سے مدتِ معیّن کے لیے نکاح کیا تو میں ان دونوں کو پتھروں سے رجم کر دوں گا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۲۹۲) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے موت کے وقت اس قول سے رجوع کرلیا اور کہا: اے اللہ! میں متعہ کے متعلق اپنے قول سے رجوع کرتا ہوں اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔

(السراج المنیر ج ۱ ص ۴۶۱، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

علامہ السید محمود الآلوسی البغدادی الحنفی التوفی ۱۲۷۰ھ، النساء: ۲۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حکایت ہے کہ وہ متعہ کو حلال کہتے تھے، پھر انہوں نے متعہ کے حلال ہونے کے قول سے اس وقت رجوع کرلیا جب اُن سے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے یہ فرمایا کہ تم لوگوں کو گمراہ کرنے والے مرد ہو، بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے المتعۃ سے منع فرمایا ہے۔ (روح المعانی ج ۴ ص ۸، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

نکاح المتعۃ کی اباحت اور اس کے جواز کے متعلق احادیث الشیعہ

مشہور شیعہ فقیہ شیخ محمد بن الحسن بن علی بن الحسین التوفی ۱۱۰۴ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عبداللہ بن سلیمان بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوجعفر علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام فرماتے تھے: اگر مجھ پر خطاب کا بیٹا سبقت نہ کرتا تو سوائے شقی کے کوئی زنا، نہ کرتا۔

(لاستبصار لشیخ الطائفۃ ابی جعفر محمد بن الحسن الطوسی التوفی ۴۶۰ھ، ج ۳ ص ۲۰۱، دارالاضواء، بیروت، ۱۴۳۱ھ، تہذیب الاحکام لشیخ الطائفۃ ابی جعفر محمد بن الحسن الطوسی التوفی ۴۶۰ھ، ج ۷ ص ۲۲۴، ۲۲۵، دارالاضواء، بیروت، ۱۴۳۱ھ، الفروع من الکافی لابی جعفر محمد بن یعقوب الکلینی التوفی ۳۲۹ھ، ج ۵ ص ۴۴۹، دارالاضواء، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

ابوجعفر علیہ السلام سے المتعۃ کے متعلق سوال کیا گیا، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے المتعۃ کو حلال قرار دیا اور اس کو حرام نہیں قرار دیا حتیٰ کہ آپ کی وفات ہوگئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پھر النساء: ۲۴ کی تلاوت کی۔

(من لایحضرہ الفقیہ لابی جعفر الصدوق محمد بن علی بن الحسین ابن بابویہ القمی التوفی ۳۸۱ھ، ج ۳ ص ۳۳۴، دارالاضواء، ۱۴۳۱ھ)

زرارہ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر اللیثی ابوجعفر علیہ السلام کے پاس آئے، پس کہا: آپ عورتوں سے متعہ کے متعلق کیا فرماتے

ہیں؟ تو انہوں نے کہا: عورتوں سے متعہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال فرمایا ہے اور اپنے نبی کی سنت میں حلال فرمایا ہے، پس عورتوں کے ساتھ متعہ قیامت تک کے لیے حلال ہے، عبداللہ بن عمر نے کہا: اے ابوجعفر! آپ جیسا شخص ایسی بات کہہ رہا ہے حالانکہ عورتوں کے ساتھ متعہ کو عمر نے حرام کر دیا تھا اور اس سے منع کیا تھا! تو عبداللہ بن عمر نے کہا کہ اگر عمر نے ایسا کیا ہے تو میں تمہیں اس چیز سے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں کہ تم اس چیز کو حلال قرار دو جس کو عمر نے حرام قرار دیا ہے۔ ابوجعفر نے کہا: پس تم اپنے صاحب کے قول پر عامل رہو اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول پر عامل ہوں، سو آؤ میں تم سے اس پر مباہلہ کرتا ہوں کہ حق وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اور باطل وہ ہے جو تمہارے صاحب نے کہا۔ (الفروع من الکافی ج ۵ ص ۴۴۹، دارالاضواء، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

(تہذیب الاحکام، ج ۷ ص ۲۲۵، دارالاضواء، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

ابوعبداللہ علیہ السلام نے کہا: المتعۃ قرآن میں نازل ہوا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت المتعۃ پر جاری ہے۔

عبدالرحمٰن بن ابی عبداللہ نے بیان کیا کہ میں نے سنا کہ ابوحنیفہ ابوعبداللہ علیہ السلام سے المتعۃ کے متعلق سوال کر رہے تھے، تو ابوعبداللہ نے کہا: آپ دو المتعۃ میں سے کون سے المتعۃ کے متعلق سوال کر رہے ہیں؟ انہوں نے کہا: میں نے آپ سے متعۃ الحج (حج تمتع) کے متعلق سوال کیا تھا، پس اب آپ مجھے متعۃ النساء کے متعلق خبر دیں آیا وہ حق ہے؟ ابوعبداللہ نے کہا: سبحان اللہ! کیا تم اللہ کی کتاب نہیں پڑھتے: ''فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً...... (النساء: ۲۴)''، تب ابوحنیفہ نے کہا: اللہ کی قسم! گویا کہ میں نے یہ آیت اس سے پہلے پڑھی ہی نہیں تھی۔

(ابوحنیفہ نے ابوجعفر سے سوال کیا: اے ابوجعفر! سورۃ المومنون کی آیت المتعۃ کی تحریم کا اعلان کرتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک روایت ہے کہ المتعۃ منسوخ ہو گیا، تو ابوجعفر نے کہا: اے ابوحنیفہ! سورۃ المومنون کی آیت مکی ہے اور متعۃ کی آیت (النساء: ۲۴) مدنی ہے، اور تمہاری بیان کردہ روایت شاذ اور ردّی ہے، تب ابوحنیفہ نے ابوجعفر سے کہا کہ آیت المیراث بھی المتعۃ کے منسوخ ہونے کو بیان کرتی ہے تو ابوجعفر نے کہا: میراث کے بغیر بھی نکاح ثابت ہے، ابوحنیفہ نے کہا: یہ آپ کہاں سے کہہ رہے ہیں؟ ابوجعفر نے کہا: اگر کوئی مسلمان مرد کسی کتابیہ عورت سے نکاح کرے پھر وہ مسلمان مر د فوت ہو جائے تو تم اس کے متعلق کیا کہتے ہو؟ ابوحنیفہ نے کہا: وہ کتابیہ عورت مسلمان مرد کی وارث نہیں ہو گی، ابوجعفر نے کہا: پس ثابت ہو گیا کہ بغیر میراث کے بھی نکاح صحیح ہوتا ہے، پھر وہ دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو گئے)۔ (الفروع من الکافی: ج ۵ ص ۴۵۰، ۴۵۱، دارالاضواء، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

الباقر علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عطاء المکی نے اُن سے اس آیت کے متعلق سوال کیا: ''وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا...... (التحریم: ۳)'' تو باقر علیہ السلام نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک آزاد عورت سے متعۃ کیا، پس آپ کی بعض ازواج اس متعۃ پر مطلع ہو گئیں اور انہوں نے آپ پر بے حیائی کے کام کی تہمت لگائی، تب آپ نے فرمایا: بے شک یہ میرے لیے حلال ہے اور یہ ایک مدت معینہ تک کا نکاح ہے، سو تم اس نکاح کو مخفی رکھنا، پھر آپ کی بعض ازواج اس نکاح بالمتعۃ پر مطلع ہو گئیں۔

(من لایحضرہ الفقیہ، ج ۳ ص ۳۳۹۔۳۴۰، دارالاضواء، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

ابن بابویہ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے کوفہ میں بنو نہشل کی ایک عورت سے متعۃ کیا۔

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے سوال کیا: کیا کسی آیت نے المتعۃ کو منسوخ کیا ہے؟

انہوں نے کہا: نہیں اور اگر عمر نے اس سے منع نہ کیا ہوتا تو سوائے شقی کے کوئی زنا، نہ کرتا۔

عبد اللہ بن مسعود نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جہاد کرتے تھے اور ہمارے ساتھ بیویاں نہیں ہوتی تھیں تو ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہم اجرت کے عوض کسی عورت کو حاصل نہ کرلیں؟ تو آپ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم کسی عورت سے کپڑے کے عوض نکاح کرلیں۔

سلمہ بن الاکوع بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس مرد نے کسی عورت کے ساتھ تین دن کے لیے متعۃ کیا تو اگر دونوں فریق چاہیں تو اس مدت میں اضافہ کردیں اور دونوں فریق چاہیں تو اس مدت کے بعد ترک کردیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کے دن پالتو گدھوں کے گوشت کو اور نکاح المتعۃ کو حرام فرما دیا۔

(تہذیب الاحکام، ج ۷ ص ۲۲۶، دار الاضواء بیروت، ۱۴۳۱ھ، الاستبصار ج ۳ ص ۲۰۲، دار الاضواء، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

شیخ محمد بن الحسن بن علی لکھتے ہیں کہ مذکور الصدر روایت کو ہمارے شیخ نے تقیہ پر محمول کیا ہے، کیونکہ المتعۃ کی اباحت مذہبِ امامیہ کی ضروریات میں سے ہے جس کا بیان گزر چکا ہے اور مزید بیان آئے گا، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ روایت منسوخ ہو اور یہ روایت کراہت پر محمول ہو۔ (وسائل الشیعہ الی تحصیل مسائل الشریعہ جزو ۱۴ ص ۴۸۶ ملخصاً وملتقطاً، موسسۃ الاعلمی للمطبوعات، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

میں کہتا ہوں: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو تقیہ پر محمول کرنا بداہۃً باطل ہے، کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی جان کے خوف کی وجہ سے جھوٹی حدیث روایت کر رہے تھے؟ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایمان حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ایمان سے بھی کم درجہ کا تھا؟ کیونکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے تو جان کے خطرہ کی وجہ سے یزید کی بیعت نہیں کی اور تقیہ نہیں کیا اور اپنے ستر (۷۰) ہمراہیوں سمیت جان دے دی۔ (سعیدی غفرلہٗ)

مذہبِ شیعہ میں عورتوں سے متعہ کرنے کا اجر وثواب

مشہور شیعہ فقیہ محمد بن الحسن بن علی بن الحسین المتوفی ۱۱۰۴ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

الصدوق نے بیان کیا کہ صادق علیہ السلام نے کہا: میں کسی مرد کے لیے اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ وہ اس حال میں مرے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات میں سے کسی صفت کے ساتھ متصف نہ ہو، میں نے پوچھا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے المتعۃ کیا تھا؟ انہوں نے کہا: ہاں! اور یہ آیت پڑھی: "وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا..." (التحریم: ۳)۔

(من لایحضرہ الفقیہ، ج ۳ ص ۳۳۹، ۳۴۰، دار الاضواء، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

صالح بن عقبہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابو جعفر علیہ السلام سے پوچھا: کیا متعہ کرنے والے کو کوئی ثواب ہوتا ہے؟ انہوں نے کہا: اگر وہ متعہ کرنے سے اللہ عزوجل کی رضا کا ارادہ کرے اور جو المتعۃ کے منکر ہیں ان کی مخالفت کا ارادہ کرے تو جب بھی وہ المتعۃ کے متعلق کوئی بات کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس بات کے بدلہ میں اس کو ایک نیکی لکھ دے گا، اور جب بھی وہ ممتوعہ کی طرف ہاتھ بڑھائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک نیکی لکھ دے گا۔ اور جب وہ ممتوعہ عورت کے قریب ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض اس کا ایک گناہ مٹا دے گا، پھر جب وہ غسل کرے گا تو پانی کے جتنے قطرے اس کے بالوں پر گریں گے اللہ تعالیٰ اس کے اتنے گناہ معاف فرما دے گا۔ میں نے پوچھا: بالوں کی تعداد کے مطابق؟ انہوں نے کہا: ہاں بالوں کی تعداد کے مطابق۔ (من لایحضرہ الفقیہ، ج ۳ ص

۳۳۷، دارالاضواء، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

ابوجعفر علیہ السلام نے کہا: جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج کرائی گئی، آپ نے فرمایا: مجھ سے جبریل علیہ السلام ملے، پس انہوں نے کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ بے شک میں نے آپ کی امت میں سے عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے والوں کو بخش دیا ہے۔ (من لایحضرہ الفقیہ، ج ۳ ص ۳۳۷، دارالاضواء، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

ہشام بیان کرتے ہیں کہ ابوعبداللہ علیہ السلام نے کہا: بے شک میں کسی مرد کے لیے یہ پسند کرتا ہوں کہ وہ اس وقت تک دنیا سے نہ نکلے حتیٰ کہ وہ عورتوں سے متعہ کرلے خواہ ایک مرتبہ۔

محمد بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ ابوعبداللہ علیہ السلام نے مجھ سے پوچھا: کیا تم نے متعہ کرلیا ہے؟ میں نے کہا: نہیں، انہوں نے کہا: تم دنیا سے اس وقت تک نہ نکلنا حتیٰ کہ تم سنت کو زندہ کرو۔

ابوعبداللہ علیہ السلام نے کہا: جو مرد بھی متعہ کرے پھر غسل کرے تو اس کے غسل کے وقت پانی کا جو قطرہ بھی گرتا ہے تو ہر قطرے سے اللہ تعالیٰ ستر (۷۰) فرشتے پیدا فرماتا ہے جو اس کے لیے قیامت تک استغفار کرتے رہتے ہیں اور متعہ سے اجتناب کرنے والوں پر قیامت تک لعنت کرتے رہتے ہیں۔

(وسائل الشیعہ الی تحصیل مسائل الشریعہ جز ۱۴ ص ۴۸۶۔۴۸۸، ملخصاً وملتقطاً، موسسۃ الاعلمی للمطبوعات، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

چار سے زیادہ عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے کا جواز خواہ اس کے نکاح میں چار بیویاں ہوں

مشہور شیعہ فقیہ شیخ محمد بن الحسن بن علی بن الحسین التوفی ۱۱۰۴ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عبید بن زرارۃ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ابوعبداللہ علیہ السلام نے کہا: میں نے اُن سے پوچھا کہ کیا المتعۃ صرف چار عورتوں سے کیا جاسکتا ہے؟ انہوں نے کہا: تم ایک ہزار عورتوں سے متعہ کرو کیونکہ یہ کرائے پر لی ہوئی عورتیں ہیں۔

زرارۃ بیان کرتے ہیں: کتنی عورتوں سے متعہ کرنا حلال ہے؟ انہوں نے کہا: جتنی عورتوں سے تم چاہو۔

(الفروع من الکافی ج ۵ ص ۴۵۱، دارالاضواء، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

محمد بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ ابوجعفر علیہ السلام نے المتعۃ کے متعلق بتایا: اس کی حد چار تک نہیں ہے کیونکہ جس عورت سے متعہ کیا جائے نہ اس کو طلاق دی جاتی ہے اور نہ وہ وارث ہوتی ہے، وہ تو صرف کرائے پر حاصل کی ہوئی عورت ہے۔

(الفروع من الکافی ج ۵ ص ۴۵۱، دارالاضواء، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

(میں کہتا ہوں: اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ جس عورت سے متعہ کیا جائے اس کے لیے نہ طلاق ہوتی ہے اور نہ وہ متعہ کرنے والے کی وارث ہوتی ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)۔

ابوبصیر بیان کرتے ہیں کہ ابوعبداللہ علیہ السلام سے سوال کیا گیا: کیا متعہ صرف چار عورتوں سے ہوتا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں اور نہ صرف ستر (۷۰) عورتوں سے۔ (یعنی نہ اس کی حد چار عورتوں سے متعہ کرنا ہے نہ اس کی حد ستر عورتوں سے متعہ کرنا ہے۔)

(الفروع من الکافی ج ۵ ص ۴۵۱، دارالاضواء، بیروت، ۱۴۱۳ھ، من لایحضرہ الفقیہ، ج ۳ ص ۳۳۶، دارالاضواء، بیروت، ۱۴۳۱ھ، الاستبصار، ج ۳ ص ۲۰۹، دارالاضواء، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

اسماعیل بن الفضل الہاشمی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے المتعۃ کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: یہ سوال عبدالملک بن جریج سے کرو ان کو متعۃ کے متعلق بہت علم ہے، پس میں اُن سے ملا تو انہوں نے متعۃ کے حلال ہونے کے متعلق مجھے بہ کثرت دلائل لکھوائے اور ابن جریج نے جو چیزیں مجھے لکھوائیں اس میں یہ مذکور تھا کہ المتعۃ میں کوئی وقت مقرر نہیں ہوتا نہ جن سے متعۃ کیا جائے ان کا کوئی عدد مقرر ہوتا ہے، یہ باندیوں کی مثل ہیں تم جتنی عورتوں سے چاہو متعۃ کرو اور جس کی چار بیویاں ہوں وہ بھی جتنی عورتوں سے چاہے متعۃ کرے، اس میں نہ ولی ہونا ضروری ہے اور نہ گواہ ہونا ضروری ہے، پس جب مقرر کردہ مدت پوری ہو جائے تو جس عورت سے تم نے متعۃ کیا ہے وہ بغیر طلاق کے تم سے الگ ہو جائے گی اور اس کو کوئی معمولی چیز دے دینا، اور اس کی عدت دو حیض ہے، اور اگر اس کو حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت پینتالیس دن ہے، پس میں ابوعبداللہ علیہ السلام کے پاس ابن جریج کا لکھوایا ہوا لے کر گیا تو انہوں نے اس کی تصدیق کی اور اقرار کیا۔

(الاستبصار لشیخ الطائفۃ ابی جعفر محمد بن الحسن الطوسی التوفی ۴۶۰ھ، ج ۳ ص ۲۱۱، ۲۱۲ ص ۲۱۵، دارالاضواء، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

(میں کہتا ہوں: ان کی حدیث میں یہ تصریح ہے کہ المتعۃ کے لیے نہ ولی ضروری ہے اور نہ گواہ ضروری ہے اور نہ اس میں طلاق ہوتی ہے، مقرر شدہ مدت پوری ہونے کے بعد عورت مرد سے بغیر طلاق کے الگ ہو جاتی ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

(وسائل الشیعہ الی تحصیل مسائل الشریعہ جز ۱۴ ص ۴۸۹۔ ۴۹۰، ملخصاً وملتقطاً، مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

جو مرد آزاد عورت سے نکاح کی استطاعت نہ رکھے اس کے لیے المتعۃ کرنے کی اجازت

مشہور شیعہ فقیہ محمد بن الحسن بن علی بن الحسین التوفی ۱۱۰۴ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

الفتح بن یزید بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوالحسن علیہ السلام سے المتعۃ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا: یہ حلال مباح مطلق ہے، جو شخص نکاح کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ المتعۃ کے سبب سے اپنے آپ کو زنا سے روکے رکھے۔

(الفروع من الکافی ج ۵ ص ۴۵۲۔ ۴۵۳، دارالاضواء، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

(وسائل الشیعہ الی تحصیل مسائل الشریعہ جز ۱۴ ص ۴۹۱، ملخصاً وملتقطاً، مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

جو مومنہ عورت المتعۃ کو پہچانتی ہو اس سے متعۃ کرنے کا استحباب اور اس کے سوا دوسری عورت سے متعہ کرنے کی اباحت

محمد بن اسماعیل بیان کرتے ہیں کہ الرضا علیہ السلام سے المتعۃ کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ تم سوا مومنہ یا مسلمہ کے کسی سے نکاح بالمتعۃ نہ کرو۔ (الفروع من الکافی ج ۵ ص ۴۵۴، دارالاضواء، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

حسن تفلیسی بیان کرتے ہیں کہ میں نے رضا علیہ السلام سے پوچھا: کیا یہودیہ یا نصرانیہ سے متعۃ کیا جائے گا؟ تو انہوں نے کہا: آزاد مومن عورت سے متعۃ کرنا میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔

(وسائل الشیعہ الی تحصیل مسائل الشریعہ جز ۱۴ ص ۴۹۲، ملخصاً وملتقطاً، مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

پاک دامن عورت سے المتعۃ کرنے کی تاکید

مشہور شیعہ فقیہ محمد بن الحسن بن علی بن الحسین المتوفی ۱۱۰۴ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

محمد بن الفضیل بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوالحسن علیہ السلام سے پوچھا کہ جو خوبصورت عورت بدکار ہو کیا آپ یہ پسند کرتے ہیں کہ کوئی مرد اس سے ایک دن یا زیادہ دنوں کے لیے متعۃ کرے؟ تو انہوں نے کہا: جب کوئی عورت زنا کرنے میں مشہور ہو تو نہ اس سے متعۃ کیا جائے اور نہ اس سے نکاح کیا جائے۔ (الفروع من الکافی ج ۵ ص ۴۵۴، دارالاضواء، بیروت، ۱۴۱۳ھ، الاستبصار، ج ۳ ص ۲۰۳، دارالاضواء، بیروت، ۱۴۳۱ھ، وسائل الشیعہ الی تحصیل مسائل الشریعہ جز و ۱۴ ص ۴۹۲، ملخصاً و ملتقطاً، مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

کنواری لڑکی سے اس کے باپ کی اجازت کے بغیر متعۃ کرنے کا حکم

مشہور شیعہ فقیہ محمد بن الحسن بن علی بن الحسین المتوفی ۱۱۰۴ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

محمد بن عذافر بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے کنواری عورتوں کے ساتھ متعۃ کرنے کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا: متعۃ کنواری عورتوں ہی کے لیے مشروع کیا گیا ہے پس وہ چھپ کر رہیں۔

(من لایحضرہ الفقیہ، ج ۳ ص ۴۳۹، دارالاضواء، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

ابوعبداللہ علیہ السلام سے کنواری عورت کے ساتھ متعۃ کرنے کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے جب تک کہ وہ اس کی بکارت کو زائل نہ کرے۔ (الفروع من الکافی ج ۵ ص ۴۶۲، دارالاضواء، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

(وسائل الشیعہ الی تحصیل مسائل الشریعہ جز و ۱۴ ص ۴۹۵، ملخصاً و ملتقطاً، مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

انعقاد المتعۃ کی شرائط

مشہور شیعہ فقیہ محمد بن الحسن بن علی بن الحسین المتوفی ۱۱۰۴ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

زرارہ بیان کرتے ہیں کہ ابوعبداللہ علیہ السلام نے فرمایا: متعۃ کے انعقاد کے لیے دو شرطیں ہیں: (۱) مدت مقرر ہو (۲) اجرت مقرر ہو۔ (الفروع من الکافی ج ۵ ص ۴۵۴۔۴۵۵، دارالاضواء، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

ابوبصیر بیان کرتے ہیں کہ تمہارے لیے ضروری ہے کہ تم ان شروط کے مطابق کہو کہ میں تم سے اتنے اور اتنے دن کے لیے اتنے اور اتنے درہم کے عوض متعۃ کرتا ہوں، یہ نکاح ہے زنا نہیں ہے، اللہ عزوجل کی کتاب اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے مطابق اس شرط پر کہ تم میری وارث نہیں ہوگی اور نہ میں تمہارا وارث ہوں گا۔ اور اس شرط پر کہ تمہاری عدت پینتالیس دن ہوگی اور بعض نے کہا: ایک حیض ہوگی۔ (الفروع من الکافی ج ۵ ص ۴۵۵، دارالاضواء، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

ہشام بن سالم نے کہا: میں المتعۃ کیسے کروں؟ انہوں نے کہا: تم یہ کہو اے اللہ کی بندی! میں تم سے اتنے اور اتنے دن کے لیے اور اتنے اور اتنے درہم کے عوض متعۃ کرتا ہوں، پس جب یہ ایام گزر جائیں گے تو یہ اس شرط کے مطابق طلاق ہو جائے گی اور اس میں تم پر کوئی عدت نہیں ہوگی۔ (الفروع من الکافی ج ۵ ص ۴۵۵، دارالاضواء، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

ابوالحسن الرضا علیہ السلام سے محمد بن اسماعیل نے پوچھا کہ ایک مرد ایک سال کے لیے متعۃ کرتا ہے یا اس سے کم کے لیے یا اس سے

زیادہ کے لیے تو الرضا علیہ السلام نے کہا: جب کوئی معاوضہ کسی مدت معین تک معلوم ہو تو وہ جائز ہے، میں نے پوچھا: کیا وہ ممتوعہ عورت بغیر طلاق کے الگ ہو جائے گی؟ انہوں نے کہا: ہاں!۔ (الفروع من الکافی ج ۵ ص ۴۵۹، دار الاضواء، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

ابو الحسن الرضا علیہ السلام نے کہا: عورت کے ساتھ متعۃ کرنا نکاح ہے، یہ میراث کے ساتھ بھی ہوتا ہے اور بغیر میراث کے بھی ہوتا ہے، اگر عورت نے وراثت کی شرط لگائی تو وہ وارث ہو گی اگر شرط نہیں لگائی گئی تو وارث نہیں ہو گی، اور الرضا علیہ السلام سے یہ بھی روایت ہے کہ متعۃ میں وراثت نہیں ہوتی شرط لگائی جائے یا نہ لگائی جائے۔ (الفروع من الکافی ج ۵ ص ۴۶۴، دار الاضواء، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

(وسائل الشیعہ الی تحصیل مسائل الشریعہ جزو ۱۴ ص ۴۹۵ ملخصاً وملتقطاً، مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

بعض شیعہ مفسرین کے نکاح المتعۃ کے جواز پر دلائل

مشہور شیعہ مفسر السید محمد حسین الطباطبائی المتوفی ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء النساء: ۲۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

النساء: ۲۴ میں الاستمتاع کا ذکر ہے اور اس سے مراد بغیر کسی شک کے نکاح المُتعۃ ہے، کیونکہ یہ آیت مدنی ہے اور سورۃ النساء میں نازل ہوئی ہے اور نکاح المتعۃ مسلمانوں کے درمیان بغیر کسی شک کے ایک زمانہ تک رائج رہا ہے، اور اس آیت میں استمتاع سے اس کا لغوی معنی (یعنی عورتوں سے نفع اٹھانا) مراد نہیں ہے، جس طرح الحج سے لغوی معنی بیت اللہ کا قصد مراد نہیں ہے، بلکہ حج کا اصطلاحی معنی مراد ہے یعنی بیت اللہ کا طواف اور وقوفِ عرفہ، اسی طرح الصلوٰۃ، الصوم اور الزکوٰۃ، ان الفاظ سے ان کے لغوی معنی مراد نہیں ہیں بلکہ شرعی معنی مراد ہیں، اسی طرح اس آیت میں استمتاع سے مراد لغوی معنی یعنی عورتوں سے نفع حاصل کرنا مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد نکاح المتعۃ ہے، اور یہی معنی قدیم مفسرین صحابہ وتابعین سے ثابت ہے جیسے حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم اور قتادہ، المجاہد اور السدی اور ابن جبیر اور حسن بصری وغیرہم، اور یہی ائمہ اہلِ بیت علیہم السلام کا مذہب ہے۔

''المتعۃ'' کے بطلان پر شیخ طباطبائی کے اہلسنت کی طرف سے نقل کردہ دلائل

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: ''وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ ... (المومنون: ۵-۶)'' یعنی مردوں کے لیے صرف اپنی بیویوں کی فروج سے نفع حاصل کرنا جائز ہے اور جس عورت سے متعۃ کیا جاتا ہے وہ بیوی نہیں ہے ممتوعہ ہے، لہٰذا اس آیت سے معلوم ہوا کہ ممتوعہ کی فرج سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ ... (الطلاق: ۱)'' اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ... (البقرہ: ۲۲۸)'' ان دونوں آیتوں سے واضح ہوا کہ زوجین میں افتراق طلاق سے ہوتا ہے اور طلاق کے بعد عدت لازم ہوتی ہے اور نکاح المتعۃ میں زوجین کا افتراق بغیر طلاق کے ہوتا ہے اور نہ اس میں کوئی عدت ہوتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ نکاح المتعۃ باطل ہے۔

نکاح المتعۃ میراث سے متعلق آیات سے بھی باطل ہے مثلاً قرآن مجید میں ہے ''وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ ... (النساء: ۱۲)'' (اور تمہارے لیے تمہاری (فوت شدہ) بیویوں کے چھوڑے ہوئے مال میں سے نصف حصہ ہے)، کیونکہ نکاح المتعۃ میں فریقین میں سے کوئی کسی کا وارث نہیں ہوتا، اس لیے نکاح المتعۃ باطل ہے۔

نکاح المتعۃ تحریم کی آیت سے بھی باطل ہے: ''حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ... (النساء: ۲۳)'' ((اے مسلمانو!) تمہاری ماؤں اور تمہاری بیٹیوں کے ساتھ تمہارے نکاح کو حرام کر دیا گیا ہے)۔ اور چونکہ نکاح المتعۃ میں اس تحریم کی قید نہیں ہے، اس لیے نکاح المتعۃ باطل ہے۔

نکاح المتعۃ میں ممتوعہ عورت کی تعداد کی کوئی حد نہیں ہے، اور قرآن مجید میں نکاح کی تعداد کی حد متعین ہے: ''فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ... (النساء: ۳)'' (تو اپنی پسند کے مطابق دو دو اور تین تین اور چار چار عورتوں سے (بہ یک وقت) نکاح کر لو)۔

شیعہ مفسر شیخ محمد حسین طباطبائی کی طرف سے بطلانِ متعہ کے دلائل کے جوابات

پہلی دلیل پر تبصرہ کرتے ہوئے شیخ طباطبائی لکھتے ہیں:

سورۃ المومنون مکی ہے اور سورۃ النساء مدنی ہے، لہٰذا المومنون: ۵۔۶ سے المتعۃ کو منسوخ قرار دینا درست نہیں ہے، کیونکہ سورۃ المومنون مقدم ہے اور سورۃ النساء موخر ہے اور موخر سورت سے مقدم سورت کے حکم کو منسوخ کرنا صحیح نہیں ہے۔ اور باقی چار دلائل کا جواب یہ ہے کہ یہ آیات دائمی نکاح سے متعلق ہیں جن میں طلاق، عدت، میراث، تحریم اور منکوحات کی تعداد کا ذکر ہے اور المتعۃ عارضی نکاح ہے، یعنی یہ نکاح ایک مخصوص مدت کے لیے ہوتا ہے جب کہ دائمی نکاح میں کوئی مدت نہیں ہوتی، اس لیے قرآن مجید کی جو آیات دائمی نکاح کے ساتھ متعلق ہیں ان سے متعہ کے خلاف استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

(المیزان فی تفسیر القرآن ج ۴ ص ۲۹۱۔ ۲۹۲، دار الکتب الاسلامیہ، طہران، ایران ۱۳۶۲ھ)

شیعہ مفسر شیخ محمد حسین طباطبائی کے جوابات پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں کہ بعض غیر محقق علماء نے المومنون: ۵۔۶ سے المتعۃ کے بطلان پر استدلال کیا ہے، لیکن محققین علماء اہلسنت اس آیت سے المتعۃ کے بطلان پر استدلال نہیں کرتے کیونکہ سورۃ المومنون مکی ہے اور مکہ مکرمہ اور المدینۃ المنورۃ میں المتعۃ ہوتا رہا ہے، اور بعض احادیث سے ثابت ہے کہ غزوۂ خیبر سات ہجری (۷ھ) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے المتعۃ سے منع فرما دیا، اس کا مفاد یہ ہے کہ سات ہجری سے پہلے تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے المتعۃ ہوتا رہا ہے اور بعض احادیث کے مطابق غزوۂ اوطاس میں بھی تین دن کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے المتعۃ کی اجازت فرمائی تھی اور پھر بعد میں المتعۃ سے دائماً منع فرما دیا، ان احادیث کا ذکر عنقریب آ رہا ہے۔

تحریم المتعۃ پر قرآن مجید سے دلائل

(۱) اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (النساء: ۳)

اپنی پسند کے مطابق دو دو اور تین تین اور چار چار عورتوں سے (بہ یک وقت) نکاح کر لو، پھر اگر تمہیں یہ خطرہ ہو کہ تم (ان متعدد بیویوں میں) عدل قائم نہ کر سکو گے تو صرف ایک عورت سے نکاح

کرو یا تم اپنی مملوکہ باندیوں پر اکتفاء کرلو۔

سورۂ نساء مدنی ہے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ استطاعت سے خطاب فرمایا ہے اور ان کے لیے قضائے شہوت کی جائز صورتیں بیان فرمادیں کہ وہ ایک سے چار تک نکاح کرسکتے ہیں اور اگر ان میں عدل نہ کرسکیں تو پھر اپنی کنیزوں اور باندیوں سے قضائے شہوت کریں۔ اگر متعہ بھی قضائے شہوت کی جائز شکل ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کا بھی ان صورتوں کے ساتھ ذکر فرمادیتے، اور اس جگہ متعہ کا بیان نہ کرنا ہی اس بات کا بیان ہے کہ متعہ جائز نہیں ہے، اور اس طرح ابتداءِ اسلام سے لے کر حجۃ الوداع کے سال تک متعہ کی جو شکل معمول اور مروّج تھی، اس آیت کے ذریعہ المتعۃ کی اس شکل کو حرام فرمادیا گیا، اور اب مسلمانوں کے لیے متعہ کرنا جائز نہیں رہا۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس آیت میں نکاح کا لفظ مذکور ہے اور متعہ بھی نکاح ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ نکاح کی حد صرف چار عورتوں تک ہے اور متعہ میں عورتوں کی تعداد کی کوئی حد نہیں ہوتی جیسا کہ ہم کتبِ شیعہ اور احادیثِ شیعہ سے بیان کرچکے ہیں۔ مزید وضاحت کے لیے ہم عرض کررہے ہیں کہ نکاح میں دائمی عقد ہوتا ہے اور متعہ میں عارضی عقد ہوتا ہے، نکاح میں منکوحات کی تعداد محدود ہوتی ہے اور متعہ میں ممتوعہ عورتوں کی کوئی حد نہیں ہے، نکاح میں نفقہ، سکنہ، نسب اور میراث لازم ہوتے ہیں اور ایلاء، ظہار، لعان، طلاق اور عدت وغیرہ کے احکام عارض ہوتے ہیں، اور متعہ میں نہ ان میں سے کوئی امر لازم ہوتا ہے اور نہ عارض، جیسا کہ کتبِ شیعہ اور احادیثِ شیعہ کی تصریحات سے ہم بیان کرچکے ہیں۔

(۲) نیز اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

وَ مَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ یَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَیٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ...... الی قولہ تعالیٰ: ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَ اَنْ تَصْبِرُوْا خَیْرٌ لَّكُمْ۔ (النساء: ۲۵)

اور تم میں سے جو شخص آزاد (کنواری) مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی طاقت نہ رکھے تو (وہ) (مسلمانوں کی مملوکہ) ایمان والی باندیوں سے نکاح کرے... اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد تک: (باندیوں سے نکاح کا یہ حکم) اس کے لیے ہے جس کو تم میں سے اپنے اوپر بدکاری کا خطرہ ہو، اور تمہارے لیے صبر کرنا بہت بہتر ہے۔

غور فرمایئے! اس آیت میں غلبۂ شہوت رکھنے والے نادار شخص کے لیے صرف دو حکم فرمائے ہیں، ایک یہ ہے کہ وہ باندیوں سے نکاح کرے، دوسرا یہ کہ وہ ضبطِ نفس کرے اور تجرّد کی زندگی گزارے۔ اگر متعہ بھی مشروع ہوتا تو کنیزوں سے نکاح کی طاقت نہ رکھنے کی شکل میں اسے متعہ کرنے کی ہدایت دی جاتی لیکن ایسا نہیں فرمایا گیا، پس معلوم ہوا کہ کوئی شخص متعہ نہیں کرسکتا، اسے نکاح ہی کرنا پڑے گا خواہ وہ باندیوں سے نکاح کرے، اور اگر ان سے بھی نکاح کی طاقت نہ رکھتا ہو تو پھر اسے صبر کرنا پڑے گا اور تجرّد کی زندگی گزارنی ہوگی اور اس صورت میں بھی متعہ کے جواز کی کوئی سبیل نہیں ہے۔

(۳) نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

وَلْیَسْتَعْفِفِ الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰی یُغْنِیَهُمُ اللّٰهُ

اور جو لوگ نکاح کرنے کی طاقت نہیں رکھتے ان پر لازم ہے کہ وہ

مِنْ فَضْلِهٖ۔۔۔ (النور: ۳۳) اپنے آپ کو پاک دامن رکھیں حتیٰ کہ اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی فرمادیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرمادیا ہے کہ جولوگ نکاح کرنے کی طاقت نہیں رکھتے وہ ضبطِ نفس کریں اور اگر متعہ کے جواز کی بھی کوئی صورت ہوتی تو ایسی صورت میں متعہ کرنے کی اجازت کا بھی ذکر فرمایا جاتا، اور جب کہ متعہ کی اجازت کے بجائے ضبطِ نفس کا حکم فرمایا گیا ہے تو معلوم ہو گیا کہ اسلام میں متعہ کے جواز کی کوئی صورت نہیں ہے۔

تحریم المتعۃ پر احادیثِ صحیحہ سے دلائل

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ جہاد کرتے تھے اور اس وقت ہمارے ساتھ ہماری بیویاں نہیں تھیں، تو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا: کیا ہم خصی ہو جائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمیں اس سے منع فرمایا، پھر آپ نے ہمارے لیے اجازت فرمائی کہ ہم کسی عورت سے کپڑے کے بدلہ میں ایک مدت تک کے لیے نکاح کر لیں۔
(صحیح مسلم: ۱۴۰۴، الرقم المسلسل: ۳۳۹۶، رقم حدیث الباب: ۱۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۳۱ھ)

(۲) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایک مٹھی کھجور اور ایک مٹھی آٹا کے عوض چند ایام کے لیے متعہ کرتے تھے حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے منع کر دیا۔
(صحیح مسلم: ۱۴۰۵، الرقم المسلسل: ۳۴۰۲، رقم حدیث الباب: ۱۶)

(۳) ابونضرہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کے پاس تھا، پس کوئی آنے والا آیا، اس نے کہا کہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہم کا تمتع بالحج اور تمتع بالنساء (المتعۃ) کے متعلق اختلاف ہے، تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم نے یہ دونوں کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں کیے ہیں، پھر ہمیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں (تمتع بالحج اور تمتع بالنساء) سے منع کر دیا، پھر ہم نے دوبارہ یہ دونوں کام نہیں کیے۔ (صحیح مسلم: ۱۴۰۵، الرقم المسلسل: ۳۴۰۳، رقم حدیث الباب: ۱۷)

(۴) ایاس بن سلمہ اپنے والد یعنی سلمہ بن الاکوع سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اوطاس کے سال تین دن کے لیے المتعۃ کرنے کی اجازت دی، پھر آپ نے اس سے منع فرمادیا۔
(صحیح مسلم: ۱۴۰۵، الرقم المسلسل: ۳۴۰۴، رقم حدیث الباب: ۱۸)

(۵) حضرت سبرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمیں المتعۃ کی اجازت دی، پس میں اور ایک مرد بنو عامر کی کسی عورت کے پاس گئے، گویا کہ وہ عورت باکرہ تھی، ہم نے اس کے اوپر اپنے آپ کو پیش کیا، اس عورت نے کہا: تم کیا دو گے؟ میں نے کہا: میں اپنا تہبند دے دوں گا اور میرے ساتھی نے کہا کہ میں بھی تمہیں اپنا تہبند دے دوں گا، اور میرے ساتھی کا تہبند میرے تہبند سے زیادہ عمدہ تھا اور میں اس سے زیادہ جوان تھا، پس جب اس نے میرے ساتھی کے تہبند کی طرف دیکھا تو اس کو وہ اچھا لگا اور جب میری طرف دیکھا تو میں اس کو اچھا لگا، پھر عورت نے کہا: تم اور تمہارا تہبند مجھے کافی ہے، پس میں اس کے ساتھ تین دن تک رہا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے پاس اُن عورتوں میں سے کوئی عورت ہو جس سے وہ متعہ کرتا تھا تو اس کا راستہ چھوڑ دے۔
(صحیح مسلم: ۱۴۰۶، الرقم المسلسل: ۳۴۰۵، رقم حدیث الباب: ۱۹)

(۶) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کے دن عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے سے اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمادیا۔

(صحیح البخاری: ۴۲۱۶، ۴۲۱۹، ۵۱۱۵، ۵۵۲۳، ۶۹۶۱، صحیح مسلم: ۱۴۰۷، سنن ترمذی: ۱۷۹۴، سنن نسائی: ۳۳۶۶،۲۲۶۲، سنن ابن ماجہ: ۱۹۶۱، مسند احمد: ۱۲۰۷، موطا امام مالک: ۱۱۵۱، سنن دارمی: ۱۹۹۰)

امام ترمذی نے اس حدیث کی سنن ترمذی: ۱۱۲۱ میں بھی روایت کی ہے اور اس کے بعد لکھا ہے:

امام ابوعیسیٰ نے کہا: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلِ علم صحابہ اور دیگر کا اس حدیث پر عمل ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عورتوں سے متعہ کی رخصت کے متعلق کچھ منقول ہے، پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس وقت اس قول سے رجوع فرمالیا جب اُن کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث پر مطلع کیا گیا، اور اکثر اہلِ علم کے نزدیک المتعۃ حرام ہے اور یہی الثوری، ابن المبارک، شافعی، احمد اور اسحاق کا قول ہے۔ (میں کہتا ہوں: امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت المتوفی ۱۵۰ھ کا بھی یہی قول ہے جیسا کہ حسبِ ذیل تصریحات سے ظاہر ہے:

علامہ برہان الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر الفرغانی المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

''ونکاح المتعۃ باطل'' اور وہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی عورت سے یہ کہے کہ میں تمہارے ساتھ اتنی مدت کے لیے اتنے مال کے عوض متعہ کرتا ہوں)۔

(ہدایہ ج ۲ ص ۳۳۳، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، فتح القدیر لابن ہمام الحنفی المتوفی ۸۶۱ھ ج ۳ ص ۲۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ، البنایہ للعلامہ العینی المتوفی ۸۵۵ھ، ج ۶ ص ۸۱۔ ۸۲، مکتبہ حقانیہ، ملتان)

امام ترمذی نے جن فقہاءِ مجتہدین کے نام لیے ہیں ان کے مکمل اسماء اور سنینِ وفات حسبِ ذیل ہیں:

(۱) الثوری: ان کا مکمل نام سفیان بن سعید بن مسروق الثوری المتوفی ۱۶۱ھ ہے۔

(۲) ابن المبارک: ان کا مکمل نام عبداللہ بن المبارک المتوفی ۱۸۱ھ ہے، یہ امام ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں۔

(۳) شافعی: ان کا مکمل نام محمد بن ادریس الشافعی المتوفی ۲۰۴ھ ہے، یہ امام ابوحنیفہ کے شاگرد امام محمد المتوفی ۱۸۹ھ کے شاگرد ہیں۔

(۴) احمد: ان کا مکمل نام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ ہے۔

(۵) اسحاق: ان کا مکمل نام اسحاق بن ابراہیم بن راہویہ المتوفی ۲۳۸ھ ہے۔

یہ تمام فقہاءِ مجتہدین امام ابوحنیفہ سے مؤخر ہیں کیونکہ امام ابوحنیفہ کا مکمل نام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت المتوفی ۱۵۰ھ ہے، اسی لیے امام شافعی نے کہا ہے ''الفقہاء کلہم عیال ابی حنیفہ'' یعنی تمام فقہاء فقہ میں امام ابوحنیفہ کے پرُوردہ ہیں، پھر حیرت یہ ہے کہ امام ترمذی نے تمام مؤخر فقہاء کے نام لیے ہیں اور امام ابوحنیفہ جو ان سب پر مقدم ہیں ان کا نام نہیں لیا، دوسری وجۂ حیرت یہ ہے کہ جن فقہاء کے امام ترمذی نے نام ذکر کیے ہیں ان میں سے امام شافعی اور امام احمد کے سوا کسی کے مقلدین دنیا میں موجود نہیں ہیں نہ الثوری کے مقلد ہیں، نہ ابن المبارک کے مقلد ہیں اور نہ اسحاق کے مقلد ہیں، اور جن کے مقلدین دنیا میں سب سے زیادہ

ہیں ان کا امام ترمذی نے نام نہیں لیا، اس کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟ کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا! (سعیدی غفرلہٗ)

(۱۰) حضرت سبرۃ الجہنی رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو آپ نے فرمایا: اے لوگو! میں نے پہلے تم کو عورتوں کے ساتھ المتعۃ کرنے کی اجازت دی تھی اور بے شک اللہ تعالیٰ نے المتعۃ کو قیامت تک کے لیے حرام فرما دیا ہے، پس جس کے پاس ان ممتوعہ عورتوں میں سے کوئی عورت ہو، اس پر لازم ہے کہ وہ اس کا راستہ چھوڑ دے، اور تم جو کچھ اُن عورتوں کو دے چکے ہو، اُن میں سے کوئی چیز ان سے واپس نہ لو۔ (صحیح مسلم: ۱۴۰۶، الرقم المسلسل: ۳۴۰۸، رقم حدیث الباب: ۲۱)

(۱۱) عروہ بن الزبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما مکہ میں کھڑے ہوئے تھے، پس انہوں نے کہا: بے شک اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کے دلوں کو اس طرح اندھا کر دیا ہے جس طرح ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے۔ (حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما اس قول سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو کنایۃً مراد لیتے تھے جو آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے، وہ نکاح المتعۃ کے جواز کا فتویٰ دیتے تھے، حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما ایک مرد (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما) سے کنایہ کرتے تھے)، پس اس مرد نے یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بلند آواز سے (حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کو مخاطب کر کے) فرمایا: تحقیق یہ ہے کہ تم بیوقوف ہو، احمق ہو، پس مجھے اپنی زندگی کی قسم! بے شک نکاح المتعۃ امام المتقین کے عہد میں کیا جاتا تھا، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں، پس حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے ان کو جواب دیا: تم اپنی ذات پر اس کا تجربہ کرو (یعنی المتعۃ کرو) پس اللہ کی قسم! اگر تم نے المتعۃ کیا تو میں تمہارے پتھروں کے ساتھ ہی تم کو سنگسار کر دوں گا۔ (صحیح مسلم: ۱۴۰۶، الرقم المسلسل: ۳۴۱۵، رقم حدیث الباب: ۲۷)

(۱۲) ابن ابی عمرہ نے کہا کہ بے شک نکاح المتعۃ کی ابتداءِ اسلام میں اس شخص کے لیے رخصت تھی جو المتعۃ کی طرف مجبور ہو جیسے کسی مجبور کے لیے جان بچانے کی خاطر مُردار کھانے کی اور خون پینے کی اور خنزیر کا گوشت کھانے کی رخصت تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو مُحکم فرما دیا اور نکاح المتعۃ سے منع فرما دیا۔

(۱۳) عمر بن عبدالعزیز بیان کرتے ہیں کہ مجھے الربیع بن سبرۃ الجہنی نے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے المتعۃ سے منع فرما دیا اور آپ نے فرمایا: سنو! نکاح المتعۃ آج کے دن سے لے کر قیامت تک کے لیے حرام ہے اور جس نے ممتوعہ کو کوئی چیز دی ہے تو وہ اس سے نہ لے۔ (صحیح مسلم: ۱۴۰۶، الرقم المسلسل: ۳۴۱۶، رقم حدیث الباب: ۲۸)

تحریم متعہ کی متعدد تاریخیں

علامہ عمر بن علی ابن الملقن الشافعی المتوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

عورتوں سے متعہ کرنے سے مراد نکاح المتعۃ ہے اور یہ ایک مدتِ معیّن تک نکاح ہے، خیبر (۷ ہجری) کے دن اس نکاح سے ممانعت وارد ہوئی، اور امام مسلم نے حضرت سبرۃ بن معبد رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ متعہ فتحِ مکہ کے سال (۸ ہجری) میں حرام کیا گیا ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۴۰۶)۔

ایک روایت میں ہے کہ المتعۃ کو تبوک کے سال (۹ ہجری) کو حرام کیا گیا۔

(شرح معانی الآثار ج ۳ ص ۲۶، مسند ابویعلیٰ: ۶۶۲۵، سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۰۷)

ایک روایت ہے کہ المتعۃ حجۃ الوداع (۱۰ ہجری) کے سال حرام کیا گیا۔ (سنن ابوداؤد: ۲۰۷۲، مسند احمد: ۱۴۹۱۴، ج ۳ ص ۴۰۴)

علامہ ابن ملقن نے کہا ہے کہ شریعت میں یہ منفرد مثال ہے کہ پہلے المتعۃ مباح تھا، پھر اس سے منع کیا گیا، پھر اس کو مباح کیا گیا، پھر اس کو قیامت تک کے لیے حرام قرار دیا گیا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۱ ص ۷۰ ۳۔ ۳۷۱، وزارۃ الاوقاف، قطر، ۱۴۲۹ھ، فتح الباری ج ۵ ص ۳۱۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

المتعۃ کی تعریف، اس کے عوارض اور دیگر احکام

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

نکاح المتعۃ کی تعریف: وہ نکاح جولفظ تمتع کے ساتھ وقتِ معیّن کے لیے کیا جائے مثلاً ایک مرد کسی عورت سے کہے: میں تم سے اتنی مدت کے لیے اتنے مال کے عوض تمتع یا مُتعہ کرتا ہوں (تمتع کا معنی ہے فائدہ اٹھانا)۔

علامہ ابن عبدالبر مالکی نے ''تمہید'' میں کہا ہے: اس پر اجماع ہے کہ المتعۃ ایسا نکاح ہے جس میں کوئی گواہ نہیں ہوتا اور یہ نکاح ایک مدتِ معیّن تک ہوتا ہے اور اس مدت کے بعد بغیر طلاق کے تفریق ہو جاتی ہے اور فریقین کے درمیان وراثت نہیں ہوتی، اور کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت میں بیویوں کا یہ حکم نہیں ہے۔

قاضی عیاض مالکی نے ''اکمال المعلم'' میں کہا ہے کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ المتعۃ مدت معینہ تک کا نکاح ہے، اس میں نہ وراثت ہوتی ہے، نہ طلاق ہوتی ہے اور مدت پوری ہونے کے بعد فریقین میں بغیر طلاق کے تفریق ہو جاتی ہے۔

نکاح المتعۃ کے عدم جواز پر اجماع مسلمین اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے فتویٰ کی توجیہ

علامہ ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی الشافعی المتوفی ۳۸۸ھ نے ''معالم السنن'' میں لکھا ہے:

الزہری بیان کرتے ہیں کہ ہم عمر بن عبدالعزیز کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، پس ہم نے عورتوں سے متعہ کرنے کے متعلق بحث کی تو الربیع بن سبرۃ نام کے ایک مرد نے کہا کہ میں اپنے باپ کے متعلق گواہی دیتا ہوں کہ انہوں نے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے سال (۱۰ ہجری) عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے کو حرام فرما دیا۔

(سنن ابوداؤد: ۲۰۷۲، مسند احمد: ۱۴۹۱۴، ج ۳ ص ۴۰۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۰۴، المعجم الکبیر للطبرانی: ۶۵۳۲، تلخیص الحبیر ج ۲ ص ۱۵۶)

علامہ ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی المتوفی ۳۸۸ھ فرماتے ہیں: نکاح المتعۃ کی تحریم پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے، یہ ابتداءِ اسلام میں مباح تھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو حجۃ الوداع کے سال میں حرام فرما دیا اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری ایام کا واقعہ ہے، پس اب ائمہ کے درمیان اس کی تحریم میں کوئی اختلاف نہیں ہے سوا اس کے جو بعض روافض کا مذہب ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ کہتے تھے کہ جو شخص عرصۂ دراز تک سفر میں رہنے کی وجہ سے اور مالی وسائل نہ ہونے کی وجہ سے نکاح کرنے پر قادر نہ ہو، اس کے لیے نکاح المتعۃ جائز ہے، پھر انہوں نے اس مسئلہ میں توقف کیا اور اس قول پر فتویٰ دینے سے رُک گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ'' میں نے یہ فتویٰ اس شخص کے لیے دیا تھا جو طویل عرصہ سے عورتوں کی لذت سے محروم ہو اور نکاح کرنے پر قادر نہ ہو اور اس کو اپنے نفس پر زنا کا خطرہ ہو اور وہ شخص المتعۃ کرنے پر اس طرح مجبور ہو جائے جس طرح کوئی شخص بھوک سے تنگ آ کر خون کھانے اور خنزیر کا گوشت کھانے پر مجبور ہو جائے اور سوائے مضطر

اور مجبور کے کسی کے لیے نکاح المتعۃ جائز نہیں ہے۔

(معالم السنن شرح سنن ابوداؤد ج ۳ ص ۱۶۳، ملخصاً وملتقطاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

(میں کہتا ہوں: امام ترمذی لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے المتعۃ کی رخصت میں کچھ منقول ہے پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے اس قول سے اس وقت رجوع کر لیا جب ان کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حدیث پر مطلع کیا گیا)۔

(سنن ترمذی: حدیث: ۱۱۲۱، ص ۳۷۵، المکتبۃ العصریہ، بیروت، ۱۴۳۰ھ، سنن ترمذی: حدیث: ۱۱۲۴، ص ۳۴۱، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

علامہ ابو العباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ نے ''المفہم'' میں لکھا ہے:

حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اوطاس کے دن تین دنوں کے لیے نکاح المتعۃ کی اجازت دی، پھر آپ نے اس سے منع فرما دیا۔ (صحیح مسلم: ۱۴۰۵، رقم حدیث الباب: ۱۸)

غزوۂ اوطاس ہی غزوۂ حنین ہے اور غزوۂ حنین فتح مکہ کے چند دن بعد ہوا تھا اور مکہ بیس (۲۰) رمضان ۸ ہجری کو فتح ہوا تھا اور حنین کا غزوہ یکم شوال ۸ ہجری کو ہوا تھا۔ (یعنی یکم شوال ۸ ہجری کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نکاح المتعۃ کو دائماً حرام فرما دیا)۔

ابن ابی عمرہ کا قول (کہ بے شک نکاح المتعۃ کی ابتداءِ اسلام میں اس شخص کے لیے رخصت تھی جو المتعۃ کی طرف مجبور ہو جیسے کسی مجبور کے لیے جان بچانے کی خاطر مُردار کھانے کی اور خون کھانے کی اور خنزیر کا گوشت کھانے کی رخصت تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو مُحکم فرما دیا اور نکاح المتعۃ سے منع فرما دیا) یہ قول حق صریح ہے جیسا کہ احادیثِ صحیحہ متقدمہ اس پر شاہد ہیں۔

(المفہم ج ۴ ص ۹۶۔۱۰۰، ملخصاً وملتقطاً، دار ابن کثیر، دمشق، ۱۴۲۰ھ)

مباحث المتعۃ کے متعلق حرفِ آخر

ہم نے تحریم المتعۃ پر پہلے اہلسنت کے عظیم مفسر امام احمد رضا فاضل بریلوی کے دلائل ذکر کئے، اس کے بعد علمائے دیوبند کے اہم مفسر شیخ اشرف علی تھانوی کے دلائل ذکر کئے، پھر اس کے بعد ہم نے اس مسئلہ میں اپنی تحقیق کو ذکر کیا اور اہلِ سنت کی تفاسیر میں سے تفسیر الطبری، حنبلیوں کی تفسیر زاد المسیر، شوافع کی تفسیر السراج المنیر اور احناف کی تفسیر روح المعانی کی عبارات پیش کیں، اس تحقیق میں متعہ کے متعلق کتبِ شیعہ کی عبارات پیش کیں، اور پھر قرآنِ مجید اور احادیثِ صحیحہ سے تحریم متعہ پر دلائل پیش کئے، پھر تحریمِ متعہ کے مختلف ادوار کی تاریخیں ذکر کیں اور متعہ کی تعریف اور اس کے احکام بیان کر کے متعہ کی تحریم پر استدلال کیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف جو جوازِ متعہ کی نسبت ہے اس کی توجیہ کی۔ اللہ تعالیٰ میری اس کوشش کو اپنی بارگاہ میں مقبول فرمائے اور جس کے دل میں متعہ کی تحریم کے متعلق کوئی شک وشبہ ہے میری اس تحریر سے اس کے شبہات کو زائل فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

''اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾'': یعنی اللہ تعالیٰ نے اجنبی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی تم کو رخصت عطا فرمائی ہے، اس کو اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں۔ اور جن عورتوں سے نکاح کو حرام فرمایا ہے، اس کی حکمت کو بھی وہ بہت زیادہ جاننے والے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور تم میں سے جو شخص آزاد (کنواری) مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی طاقت نہ رکھے تو (وہ) (مسلمانوں کی مملوکہ) ایمان والی باندیوں سے نکاح کرے، اور اللہ تمہارے ایمان کو زیادہ

جاننے والے ہیں، تم آپس میں ایک ہی ہو، سواُن باندیوں کے مالکوں کی اجازت لے کر ان باندیوں سے نکاح کرو اور دستور کے مطابق ان کے مہر ادا کرو، جب کہ وہ باندیاں نکاح کی قید میں آنے والی ہوں بدکاری کرنے والی نہ ہوں، اور نہ دوسروں سے پوشیدہ تعلقات قائم کرنے والی ہوں، پس جب وہ باندیاں نکاح کے قلعہ میں آجائیں، پھر (بھی) بے حیائی کا کام کریں تو اُن پر اس کی آدھی سزا ہے جو آزاد (کنواری) عورتوں کی سزا ہے، (باندیوں سے نکاح کا یہ حکم) اس کے لیے ہے جس کو تم میں سے اپنے اوپر بدکاری کا خطرہ ہو، اور تمہارے لیے صبر کرنا بہت بہتر ہے، اور اللہ بہت مغفرت فرمانے والے، بے حد رحم فرمانے والے ہیںO'' (النساء: ۲۵)

علامہ مصطفیٰ الخیری الحصنی المنصوری الحنفی المتوفی ۱۳۹۰ھ، النساء: ۲۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَمَنۡ لَّمۡ يَسۡتَطِعۡ مِنۡكُمۡ طَوۡلًا'': اس آیت میں ''طَوۡل'' کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: مالدار اور خوشحال ہونا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے فضل اور زیادتی۔ ''اَنۡ يَّنۡكِحَ الۡمُحۡصَنٰتِ الۡمُؤۡمِنٰتِ'': المحصنات سے مراد ہے آزاد مسلم عورتیں، کیونکہ اس کے مقابلہ میں ہے مملوکات یعنی باندیاں، کیونکہ ان کی آزادی نے ان کو غلامی کی ذلّت سے نکال دیا۔

''مِّنۡ فَتَيٰتِكُمُ الۡمُؤۡمِنٰتِ'': یعنی مسلمان باندیاں، ''الفتی'' غلام کو کہتے ہیں اور ''الفتاۃ'' باندی کو کہتے ہیں۔ اس آیت کا معنی یہ ہے: اور جس شخص کے پاس زیادہ مال نہ ہو جس کے سبب سے وہ آزاد عورت سے نکاح کر سکے تو وہ کسی مسلمان باندی سے نکاح کر لے، اس آیت کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ جو شخص مال دار ہو، اس کے لیے باندی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے اور یہی امام شافعی کا مذہب ہے، کیونکہ مسلمان باندی سے نکاح کرنے کی علّت یہ ہے کہ وہ شخص آزاد عورت سے نکاح کرنے کی مالی طاقت نہ رکھتا ہو۔

''وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِاِيۡمَانِكُمۡ'': یہ درمیان میں جملہ معترضہ ہے، اس جملہ کو اس لیے لایا گیا ہے کہ مسلمانوں کو باندیوں کے ساتھ نکاح کرنے میں رغبت ہو، اور جملۂ معترضہ میں یہ بیان فرمایا ہے کہ ایک دوسرے پر فضیلت کا مدار ایمان پر ہے حسب اور نسب پر نہیں ہے۔

غیر کفو میں نکاح کے جواز کی دلیل

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اِنَّ اَكۡرَمَكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقٰكُمۡ'' (الحجرات: ۱۳) ''(بے شک اللہ کے نزدیک تم سب میں بزرگی والا وہ ہے جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہو)۔ یعنی اللہ تعالیٰ ایمان میں تمہارے مراتب کو زیادہ جاننے والا ہے۔ اور بعض اوقات باندی کے ایمان کا مرتبہ آزاد عورت کے ایمان کے مرتبہ سے زیادہ ہوتا ہے تو تمہارا مطمحِ نظر ایمان اور تقویٰ ہونا چاہیے نہ کہ حسب اور نسب۔

''بَعۡضُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ'': یعنی تم باندیوں سے نکاح کرنے کو حقیر نہ جانو، کیونکہ تم سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہو، اور اس

آیت میں نسب کی وجہ سے کسی کو حقیر جاننے سے منع فرمایا ہے۔

غیر کفو میں نکاح کے جواز کے متعلق احادیث صحیحہ

امام عبدالرزاق از ثوری از جابر از الشعبی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے مقداد اور زید کا نکاح کر دیا ہے کیونکہ وہ اللہ کے نزدیک معزز ترین ہیں اور اسلام پر عمل کرنے والوں میں بہت عمدہ ہیں۔ آپ نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کا نکاح ضباعة بنت زبیر بن عبدالمطلب سے فرمادیا اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے کر دیا۔

(مصنف عبدالرزاق: ۲۸۶۲، الرقم المسلسل: ۱۰۳۶۴، السنن الکبری للبیہقی ج ۷ ص ۱۳۷)

حضرت مقداد بن عمر حضر موت کے رہنے والے تھے، بچپن میں مختلف ہاتھوں میں پرورش پائی، نوجوانی میں اسود بن عبدیغوث نے بیٹا بنالیا اسی وجہ سے مقداد بن اسود کہلائے۔ (الاصابہ ج ۳ ص ۴۵۴، دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چچازاد بہن ہاشمی خاتون کا نکاح ایک غیر قرشی غریب الدیار نوجوان سے حسب ونسب اور کفو کا خیال کیے بغیر فرمادیا کیونکہ آپ کے نزدیک وہ اچھا مسلمان تھا اور اللہ کے نزدیک پسندیدہ تھا اور اپنی سگی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا نکاح یمن سے لائے ہوئے ایک غلام (حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ) کے ساتھ کر دیا اور حسب ونسب کی عظمت کے سارے اصول اور پیمانے توڑ ڈالے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے بنو بیاضہ! اپنی خاتون کا ابو ہند سے نکاح کر دو، ابو ہند بنو بیاضہ کے فصد لگانے والے غلام تھے۔ یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

(المستدرک ج ۲ ص ۱۶۴، دار الباز، مکہ مکرمہ، مراسیل ابوداؤد ص ۱۲، سنن کبری للبیہقی ج ۷ ص ۱۳۶)

بنو بیاضہ معزز لوگ تھے، ابو ہند ان کے غلام تھے اور فصد لگاتے تھے، انہوں نے اس رشتہ کو ناپسند کیا تو قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی: "يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى ...۔ (الحجرات: ۱۳)" پھر وہ لوگ راضی ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو بیاضہ کی ایک عورت فصد لگانے والے ابو ہند سے نکاح فرمادیا، اور حسب ونسب اور تفاخر کے سارے جام وسبو توڑ ڈالے۔

عبدالرزاق از معمر از یحییٰ بن ابی کثیر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمہارے پاس اس شخص کا رشتہ آئے جس کی امانت داری اور اس کے اخلاق کو تم پسند کرتے ہو خواہ وہ کوئی بھی ہو تو تم اس سے نکاح کر دو، اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ برپا ہوگا اور بہت بڑا فساد ہوگا۔ (مصنف عبدالرزاق: ۲۸۶۱، الرقم المسلسل: ۱۰۳۶۳، سنن ترمذی: ۱۰۸۴، سنن ابن ماجہ: ۱۹۶۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو صاحبزادیوں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے کر دیا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاشمی تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اموی تھے، علاوہ ازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کفو تو کوئی بھی نہیں ہے اور آپ نے اپنی صاحبزادیوں کا نکاح ایک اموی نوجوان سے کر کے ظاہر فرمادیا کہ غیر کفو میں نکاح جائز ہے۔

میں کہتا ہوں: بعض ساداتِ کرام کی صاحبزادیاں غیر سید سے نکاح کر لیتی ہیں اور پھر وہ ساداتِ کرام خاندانی عصبیت کی بناء پر اپنی ان بیٹیوں کو عاق کر دیتے ہیں حتیٰ کہ وہ اپنی بیٹی اور اس کے خاوند دونوں کو قتل کرنے کے درپے رہتے ہیں۔ مولانا جامی کہتے ہیں:

بندهٔ عشق شوی ترک نسب کن جامی — کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

اور ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں:

تمیز بندہ و آقا فسادِ آدمیت ہے — حذر اے چیرہ دستاں! سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

اور اس سے بڑھ کر فطرت کی تعزیر اور کیا ہوگی کہ جو سادات کرام اپنے نسبی تفاخر کی بناء پر غیر سید سے نکاح کو حرام کہتے ہیں انہی کی بیٹیوں نے غیر سید سے نکاح کر لیے۔

چونکہ اس زمانہ میں اس مسئلہ میں بہت غلو کیا جا رہا ہے اور اگر سادات میں سے کوئی شخص غیر کفو میں رشتہ کر دے تو اس کو حرام، زنا اور نہ جانے کیا کچھ کہا جاتا رہا ہے اور اب تک کسی شخص نے اس مسئلہ تحقیق اور تفصیل سے قلم نہیں اٹھایا تھا، تو میں نے توفیقِ الٰہی سے احکامِ شریعت کے احیاء کی خاطر اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو دلائل سے واضح کیا، اللہ تعالیٰ میری اس محنت کو قبول فرمائیں اور اس کو میرے لیے توشۂ آخرت کر دیں، اس مسئلہ کی تحقیق میں ان صفحات پر جو سیاہی خرچ ہوئی ہے وہ یقیناً میرے گناہوں کی سیاہی سے بہت کم ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے عفو و کرم کا یہی اسلوب اور یہی طریقہ ہے کہ وہ نیکی کے ایک قطرہ سے گناہوں کی اتنی سیاہی دھو ڈالتا ہے جس کو دھونے کے لیے تمام سمندروں کا پانی بھی ناکافی ہوتا ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

''فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ'': یعنی جب تم کو یہ پتا چل گیا کہ ایمان والی باندیوں سے نکاح کرنا جائز ہے تو ان باندیوں کے آقاؤں کی اجازت کے ساتھ ان سے نکاح کرو، اور کسی باندی کے ساتھ نکاح کے جواز کی شرط یہ ہے کہ اس کے آقا سے اجازت حاصل کر لی جائے، اور اسی طرح غلام کے ساتھ نکاح کرنے کا معاملہ ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جس غلام نے اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو وہ زانی ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۲۰۷۸، سنن ترمذی: ۱۱۱۲، سنن ابن ماجہ: ۱۹۵۹، مسند احمد: ۱۴۸۰۰، ج ۳ ص ۳۰۰)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جب کوئی غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کرے تو اس کا نکاح باطل ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۲۰۷۹، سنن بیہقی: ۱۱۹۷)

''وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ'': یعنی اُن منکوحات کو دستور کے مطابق ان کے مہر ادا کر دو اور ادائیگی میں تاخیر نہ کرو اور اُن کو ضرر نہ پہنچاؤ۔ ''مُحْصَنٰتٍ'': یعنی وہ زنا سے پاک دامن رہنے والی ہوں۔ ''غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ'': یعنی وہ کھلم کھلا زنا کرنے والی نہ ہوں۔

''وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ'': یعنی وہ ایسی نہ ہوں جو بے حیائی کے کام خوشی سے کرتی ہیں، زمانہ جاہلیت میں نکاح کی دو قسمیں تھیں، ایک خفیہ نکاح ہوتا تھا اور دوسرا اعلانیہ یعنی کھلم کھلا نکاح ہوتا تھا، یعنی وہ لوگ علانیہ بے حیائی کو حرام قرار دیتے تھے اور جو خفیہ طریقہ سے بے حیائی کے کام ہوں اس کو حلال قرار دیتے تھے اور کہتے تھے: اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور چونکہ دونوں قسمیں حرام ہیں، اس لیے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ...... (الانعام: ۱۵۱)'' (اور اے مسلمانو! تم بے حیائی کے کاموں کے قریب نہ جاؤ خواہ بے حیائی کے کام ظاہر ہوں یا پوشیدہ ہوں)۔

''فَاِذَآ اُحْصِنَّ'': اکثر مفسرین کا مذہب یہ ہے کہ اس آیت میں احصان سے مراد اسلام ہے تزوّج نہیں ہے۔

''فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ'': یعنی جب وہ مسلمان منکوحات بے حیائی کا کام کریں۔

''فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ'': یعنی جب ان پر بے حیائی کا کام شرعاً ثابت ہو جائے تو ان کو اس کی آدھی سزا دو جو آزاد کنواری عورتوں کو دی جاتی ہے یعنی آزاد کنواری عورتوں کو سو کوڑے مارے جاتے ہیں تو مسلمان باندیوں کو پچاس کوڑے مارے جائیں گے اور اُن کو رجم نہیں کیا جائے گا کیونکہ سو کوڑوں کا تو نصف ہے اور رجم کا نصف نہیں ہو سکتا، اسی طرح جب کوئی غلام زنا کرے تو اس کو پچاس کوڑے مارے جائیں گے خواہ وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ ہو۔

''ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ'': یعنی تمہارے لیے باندیوں سے نکاح کرنے کا حکم اس صورت میں ہے جب کہ تمہیں اپنے نفس پر غلبۂ شہوت کی وجہ سے زنا کا خطرہ ہو، اور یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے اور یہ باندیوں سے نکاح کرنے کی دوسری شرط ہے۔ اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے بہتر اور افضل کام کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔

''وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ'': یعنی اگر تم باندیوں سے نکاح کرنے کے بجائے صبر کرو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے، کیونکہ اگر تم نے باندیوں سے نکاح کیا تو پھر تمہاری باندیوں سے جو اولاد ہوگی وہ غلام ہوگی، اور ان باندیوں کے آقاؤں کا حق ان پر زیادہ ہوگا، اور ان باندیوں کا آقا جب چاہے ان کو سفر میں اور حضر میں طلب کر سکتا ہے اور جب چاہے ان باندیوں کو شہری یا دیہاتی سے فروخت کر سکتا ہے اور اس میں ان کے شوہروں پر شدید مشقت ہوگی اور کوئی غیرت مند اپنی بیوی کے اوپر اس کے آقا کے ان تصرفات کو برداشت نہیں کر سکے گا۔

''وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾'': یعنی جو آدمی بے صبری کرے تو اللہ اس کو بخشنے والا ہے، اور اللہ رحم فرمانے والا ہے کیونکہ اس نے تم کو باندیوں کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت دی ہے۔ (المقتطف من عیون التفاسیر ج ۱ ص ۴۳۶-۴۳۷، دار القلم، دمشق ۱۴۱۶ھ)

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶﴾

(اے مسلمانو!) اللہ تمہارے لیے اپنے احکام وضاحت سے بیان کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں، اور تمہیں تم سے پہلے (نیک) لوگوں کے طریقوں کی ہدایت دینے کا ارادہ فرماتے ہیں، اور تمہاری توبہ قبول فرماتے ہیں، اور اللہ سب کچھ جاننے والے، بے حد حکمت والے ہیں O

وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۣ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴿۲۷﴾

اور اللہ تمہاری توبہ قبول فرمانے کا ارادہ فرماتے ہیں اور جو لوگ اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں وہ تم کو سیدھے راستہ سے بہت دور کرنے کا ارادہ کرتے ہیں O

يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّخَفِّفَ عَنۡكُمۡ ‌ۚ وَخُلِقَ الۡاِنۡسَانُ ضَعِيۡفًا ۝٢٨

اللہ تم سے سخت احکام کے بوجھ کو کم کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں، اور انسان کو کمزور پیدا فرمایا گیا ہے O

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡكُلُوۡۤا اَمۡوَالَـكُمۡ بَيۡنَكُمۡ بِالۡبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنۡ تَكُوۡنَ تِجَارَةً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡكُمۡ‌ ۚ وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمۡ رَحِيۡمًا ۝٢٩

اے ایمان والو! تم ایک دوسرے کے مالوں کو ناحق طریقہ سے نہ کھاؤ سوا اس کے کہ تم باہمی رضامندی سے تجارت کرو اور تم اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو، بے شک اللہ تم پر بہت رحم فرمانے والے ہیں O

وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰ لِكَ عُدۡوَانًا وَّظُلۡمًا فَسَوۡفَ نُصۡلِيۡهِ نَارًا‌ ؕ وَكَانَ ذٰ لِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرًا‏ ۝٣٠

اور جو شخص حد سے تجاوز کرتے ہوئے اور ظلم کرتے ہوئے ایسے کام کرے گا تو عنقریب ہم اس کو دوزخ کی آگ میں جھونک دیں گے اور یہ کام اللہ کے لیے بہت آسان ہے O

اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا كَبٰٓٮِٕرَ مَا تُنۡهَوۡنَ عَنۡهُ نُكَفِّرۡ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ وَنُدۡخِلۡكُمۡ مُّدۡخَلًا كَرِيۡمًا‏ ۝٣١

اگر تم ان کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرتے رہو جن کاموں سے تم کو منع فرمایا گیا ہے (تو) ہم تمہارے (صغیرہ) گناہوں کو مٹا دیں گے اور ہم تم کو عزت کے مقام میں داخل فرما دیں گے O

وَلَا تَتَمَنَّوۡا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعۡضَكُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ‌ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيۡبٌ مِّمَّا اكۡتَسَبُوۡا‌ ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيۡبٌ مِّمَّا اكۡتَسَبۡنَ‌ ؕ وَسۡـئَلُوا اللّٰهَ مِنۡ فَضۡلِهٖ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمًا‏ ۝٣٢

اور (اے مسلمانو!) تم اُن مناصب کی تمنا نہ کرو جن کی وجہ سے اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض دوسروں پر فضیلت عطاء فرمائی ہے، مردوں کے لیے اُن کے کیے ہوئے کاموں میں سے ایک مخصوص حصہ ہے اور عورتوں کے لیے اُن کے کیے ہوئے کاموں میں سے دوسرا مخصوص حصہ ہے، اور اللہ سے ان کے فضل کا سوال کرو، بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں O

وَلِكُلٍّ جَعَلۡنَا مَوَالِىَ مِمَّا تَرَكَ الۡوَالِدٰنِ وَالۡاَقۡرَبُوۡنَ‌ ؕ وَالَّذِيۡنَ عَقَدَتۡ

اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ۝۳۳

اور ہم نے ہر ایک کے لیے ماں باپ اور قرابت داروں کے ترکہ میں سے وارث مقرر فرمادیئے ہیں، اور جن لوگوں سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے (ان کے بھی حصے مقرر فرمادیئے ہیں)، سو تم اُن سب کو ان کے حصے دے دو، بے شک اللہ ہر چیز کے سامنے موجود ہیں۝

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے مسلمانو!) اللہ تمہارے لیے اپنے احکام وضاحت سے بیان کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں، اور تمہیں تم سے پہلے (نیک) لوگوں کے طریقوں کی ہدایت دینے کا ارادہ فرماتے ہیں، اور تمہاری توبہ قبول فرماتے ہیں، اور اللہ سب کچھ جاننے والے، بے حد حکمت والے ہیں۝'' (النساء:۲۶)

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی المتوفی ۷۱۰ھ النساء: ۲۶ تا ۳۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ'': یعنی تمہاری جو مصلحتیں تم سے مخفی ہیں اور تمہارے وہ افضل کام جن کو تم نہیں جانتے ان سب کو اللہ تعالیٰ تمہیں وضاحت سے بیان کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں۔

''وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ'': اور انبیاء علیہم السلام اور تم سے پہلے صالحین کے طریقوں کی تمہیں ہدایت دینے کا ارادہ فرماتے ہیں، تاکہ تم اُن کی پیروی کرو۔

''وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ'': اور تم بشری تقاضے سے اُن طریقوں کے خلاف جو عمل کرو، اس پر تمہیں توبہ کرنے کی توفیق عطا فرماتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اللہ تمہاری توبہ قبول فرمانے کا ارادہ فرماتے ہیں اور جو لوگ اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں وہ تم کو سیدھے راستہ سے بہت دور کرنے کا ارادہ کرتے ہیں۝'' (النساء:۲۷)

''وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ'': اس آیت کو تاکید کے لیے مکرر فرمایا ہے۔

باپ شریک بہنوں اور بھتیجیوں اور بھانجیوں سے نکاح کو جائز قرار دینے کے متعلق یہود کا رد

''وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ۝۲۷'': اور یہود تم کو صحیح طریقہ سے دور کرنے کا ارادہ کرتے ہیں، کیونکہ وہ باپ شریک بہنوں اور بھتیجیوں اور بھانجیوں سے نکاح کرنے کو حلال قرار دیتے ہیں، پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان سے نکاح کو حرام فرمادیا تو انہوں نے کہا: تم خالہ زاد بہنوں اور پھوپھی زاد بہنوں سے نکاح کو حلال قرار دیتے ہو حالانکہ خالہ اور پھوپھی سے نکاح کرنا تم پر حرام ہے تو پھر تم بھانجیوں اور بھتیجیوں سے بھی نکاح کرنے کو حلال قرار دو، تب یہ آیت نازل ہوئی: اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی ان کی طرح زنا کرنے والے ہو جاؤ، کیونکہ جب تم باپ شریک بہنوں اور بھتیجیوں اور بھانجیوں سے نکاح کرو گے تو یہ صراحۃً زنا ہوگا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اللہ تم سے سخت احکام کے بوجھ کو کم کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں، اور انسان کو کمزور

پیدا فرمایا گیا ہے O'' (النساء: ۲۸)

''یُرِیۡدُ اللّٰہُ اَنۡ یُّخَفِّفَ عَنۡکُمۡ'': اللہ تعالیٰ نے تم کو باندیوں سے نکاح کرنے کی جو اجازت فرمائی ہے یہ تمہارے لیے رخصت ہے۔ ''وَ خُلِقَ الۡاِنۡسَانُ ضَعِیۡفًا ﴿۲۸﴾'': انسان کو کمزور پیدا فرمایا گیا ہے، وہ اپنی شہوتوں پر صبر نہیں کر پاتا اور عبادات کی مشقتوں کو برداشت نہیں کر پاتا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! تم ایک دوسرے کے مالوں کو ناحق طریقہ سے نہ کھاؤ سوا اس کے کہ تم باہمی رضامندی سے تجارت کرو اور تم اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو، بے شک اللہ تم پر بہت رحم فرمانے والے ہیں O'' (النساء: ۲۹)

''یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡکُلُوۡۤا اَمۡوَالَکُمۡ بَیۡنَکُمۡ بِالۡبَاطِلِ'': تم ایک دوسرے کے مالوں کو چوری سے، خیانت سے، غصب سے، جوئے سے اور سود سے نہ کھاؤ، اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام فرمادیا ہے۔

''اِلَّاۤ اَنۡ تَکُوۡنَ تِجَارَۃً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡکُمۡ'': ہاں باہمی رضامندی سے تجارت کے ذریعہ جو تم ایک دوسرے کے مال سے نفع اٹھاؤ اس کی تمہارے لیے اجازت ہے، تجارت کا خصوصیت سے اس لیے ذکر فرمایا کیونکہ رزق کے اکثر اسباب تجارت پر موقوف ہیں۔

''وَ لَا تَقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ'': یعنی اپنے سوا کسی دوسرے مومن کو قتل نہ کرو، کیونکہ تمام مومنین ایک جان کی طرح ہیں اور نہ تم خودکشی کرو جیسا کہ بعض شریعت سے جاہل لوگ خودکشی کر لیتے ہیں، یا تم ایسے کام کا ارتکاب نہ کرو جو تمہارے قتل کو واجب کردے۔

''اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُمۡ رَحِیۡمًا ﴿۲۹﴾'': اور اللہ تعالیٰ کی تم پر رحمت یہ ہے کہ اس نے تم کو تمہارے مالوں کی حفاظت کے طریقہ پر متنبہ فرمایا اور تمہاری جانوں کی بقاء کے طریقہ پر متنبہ فرمایا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جو شخص حد سے تجاوز کرتے ہوئے اور ظلم کرتے ہوئے ایسے کام کرے گا تو عنقریب ہم اس کو دوزخ کی آگ میں جھونک دیں گے اور یہ کام اللہ کے لیے بہت آسان ہے O'' (النساء: ۳۰)

''وَ مَنۡ یَّفۡعَلۡ ذٰلِکَ'': یعنی جو شخص قتل کا اقدام کرے گا یا ایسے کام کرے گا جو جانوں کے قتل کا موجب ہیں۔

''عُدۡوَانًا وَّ ظُلۡمًا'': یعنی وہ ایسے کام عمداً کرے گا نہ کہ خطاءً اور نہ قصاصاً۔

''فَسَوۡفَ نُصۡلِیۡہِ نَارًا'': یعنی ہم اس کو عنقریب شدید عذاب میں داخل فرمادیں گے، جو شخص ان کاموں کو جائز اور حلال سمجھ کر کرے تو اس کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں داخل فرمادیں گے، اور جو شخص ان کاموں کو حرام سمجھتے ہوئے کرے تو اس کو دوزخ میں داخل فرمائیں گے لیکن اس نے زندگی میں توبہ کر لی یا اس کے حق میں شفاعت ہوگئی تو اس کو دوزخ کے دائمی عذاب سے نجات مل جائے گی یا اللہ تعالیٰ اس کو محض اپنے فضل سے معاف فرمادیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اگر تم ان کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرتے رہو جن کاموں سے تم کو منع فرمایا گیا ہے

(تو) ہم تمہارے (صغیرہ) گناہوں کو مٹادیں گے اور ہم تم کو عزت کے مقام میں داخل فرمادیں گے O"

(النساء:۳۱)

کبیرہ اور صغیرہ گناہوں کی مغفرت

فرض کا ترک اور حرام کا ارتکاب گناہِ کبیرہ ہے اور واجب کا ترک اور مکروہ تحریمی کا ارتکاب گناہِ صغیرہ ہے۔

"اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ": اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرماتے، اس کے علاوہ کبیرہ گناہوں کو جس کے لیے چاہیں معاف فرمادیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ـــ (النساء:۴۸)" (بے شک اللہ اس کو نہیں معاف فرمائیں گے کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے، اور اس سے کم گناہوں کو اللہ جس کے لیے چاہیں گے معاف فرمادیں گے)۔

نیز اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: "اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ـــ (النساء:۴۰)" (بے شک اللہ ذرّہ بھر ظلم نہیں فرماتے)، نیز فرمایا: "مَا یَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَ اٰمَنْتُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِیْمًا ـــ (النساء:۱۴۷)" (اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کریں گے! اگر تم شکر ادا کرو اور ایمان لے آؤ، اور اللہ بہت قدردان ہیں اور سب کچھ جاننے والے ہیں O)۔

گناہِ کبیرہ اور صغیرہ کی مغفرت کے مسئلہ میں معتزلہ کا رد

المعتزلہ نے ان آیات کی تفسیر میں کہا ہے کہ جو مرد گناہِ کبیرہ سے اجتناب کرے اس کی مغفرت کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے، اور اُن کا قول یہ ہے کہ کبیرہ گناہوں کی مغفرت نہیں ہوتی، اور اُن کے یہ دونوں قول ان آیات سے باطل ہیں کیونکہ ان آیات میں تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہیں تو شرک کے سوا تمام گناہوں کو معاف فرمادیں گے، سو کبیرہ گناہوں کی مغفرت بھی ہو جائے گی اور چونکہ یہ مغفرت اللہ تعالیٰ کی مشیّت پر موقوف ہے اور اسی طرح صغیرہ گناہوں کی مغفرت بھی اللہ تعالیٰ کی مشیّت پر موقوف ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس مغفرت کو اپنی مشیّت پر موقوف فرمایا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور (اے مسلمانو!) تم اُن مناصب کی تمنا نہ کرو جن کی وجہ سے اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض دوسروں پر فضیلت عطاء فرمائی ہے، مردوں کے لیے اُن کے کیے ہوئے کاموں میں سے ایک مخصوص حصہ ہے اور عورتوں کے لیے اُن کے کیے ہوئے کاموں میں سے دوسرا مخصوص حصہ ہے، اور اللہ سے اُن کے فضل کا سوال کرو، بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں O" (النساء:۳۲)

حسد کی ممانعت اور رشک کرنے کا جواز

"وَ لَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ": بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے زیادہ عزت عطا فرمائی ہے اور زیادہ مال عطا فرمایا ہے تو اس لیے جن لوگوں کو کم مال عطا فرمایا ہے یا کم عزت عطا فرمائی ہے تو وہ یہ تمنا کرتے تھے کہ اُن کو بھی زیادہ مال عطا فرمایا جائے اور زیادہ عزت عطا فرمائی جائے، تو اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض دوسروں پر جو

فضیلت عطا فرمائی ہے تم اس فضیلت کی تمنا نہ کرو، کیونکہ یہ فضیلت اللہ تعالیٰ کی تقسیم سے ہے اور اس کی حکمت اور اس کی تدبیر کے تقاضے سے ہے اور اس کو جو بندوں کے احوال کا علم ہے اس کے تقاضے سے ہے، سو جس پر رزق کشادہ کیا گیا ہے یا جس پر رزق کو کم کیا گیا ہے تو ان میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی رہے اور جس کو کم نعمت ملی ہے وہ اس پر حسد نہ کرے جس کو زیادہ نعمت ملی ہے، حسد کی تعریف یہ ہے کہ کوئی شخص یہ تمنا کرے کہ اسے اس کے صاحب کی نعمت مل جائے اور اس کے صاحب سے وہ نعمت زائل ہو جائے، یہ تمنا مذموم ہے۔ اور اگر یہ تمنا کرے کہ اس کے صاحب کے پاس بھی وہ نعمت رہے اور مجھے بھی مل جائے تو یہ الغبطة اور رشک ہے، اس کی رخصت ہے، اور حسد ممنوع ہے۔

اجر کے دگنا ہونے اور سزا کے کم ہونے میں قیاس کا دخل نہ ہونا

''لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ '': بعض مردوں نے یہ کہا تھا کہ ہمارا اجر عورتوں کے اجر سے دگنا ہونا چاہیے، جیسے مردوں کی وراثت عورتوں کی وراثت سے دگنی ہوتی ہے، اور عورتوں نے کہا کہ ہمارے گناہوں کی سزا مردوں کے گناہوں کی سزا سے آدھی ہونی چاہیے جیسا کہ ہماری وراثت آدھی ہوتی ہے، تب یہ آیت نازل ہوئی: ''مردوں کے لیے اُن کے کیے ہوئے کاموں میں سے ایک مخصوص حصہ ہے اور عورتوں کے لیے اُن کے کیے ہوئے کاموں میں سے دوسرا مخصوص حصہ ہے۔ (النساء: ۳۲)'' یعنی نیک کاموں کا اجر اور برے کاموں کی سزا میراث کے اعتبار سے نہیں ہے۔

''وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ '': یعنی تم قیاس کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کے فضل کا سوال کرتے رہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے خزانے کبھی ختم نہیں ہوتے۔

اللہ تعالیٰ سے فضل کی دعا کرنے کے متعلق احادیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ سبحانہٗ سے دعا نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوتے ہیں۔ (سنن ابن ماجہ: ۳۸۲۷، سنن ترمذی: ۳۳۷۳، یہ حدیث حسن ہے)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے فضل سے سوال کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کو پسند فرماتے ہیں کہ اس سے سوال کیا جائے۔ (سنن ترمذی: ۳۶۴۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو اللہ سے سوال نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوتے ہیں۔ (سنن ترمذی: ۳۴۳۳)

''اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝۳۲ '': اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ کون کس نعمت کا مستحق ہے اور اس کو علم ہے کہ کس کو زیادہ نعمت دینی چاہیے اور کس کو کم نعمت دینی چاہیے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم نے ہر ایک کے لیے ماں باپ اور قرابت داروں کے ترکہ میں سے وارث مقرر فرما دیئے ہیں، اور جن لوگوں سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے (ان کے بھی حصے مقرر فرما دیئے ہیں)، سو تم اُن سب کو ان کے حصے دے دو، بے شک اللہ ہر چیز کے سامنے موجود ہیں ۝'' (النساء: ۳۳)

''وَالَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِیْبَهُمْ'': اس سے مراد عقد الموالات ہے اور یہ بھی مشروع ہے، اور عام صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک ان کی وراثت ثابت ہے، عقدِ موالات کی تعریف یہ ہے کہ جب کوئی مرد یا کوئی عورت اسلام قبول کرے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو تو جس کے ساتھ اس کا عقدِ موالات ہو وہ بھی وارث ہوگا، مثلاً ایک شخص دوسرے سے کہے: میں تمہارے ساتھ اس پر عقدِ موالات کرتا ہوں کہ اگر میں کوئی جنایت کروں یعنی جب میں کوئی جرم کروں تو تم اس کا تاوان ادا کرنا اور جب میں مرجاؤں تو تم میرے وارث ہوگے، اور دوسرا کہے کہ میں نے اس عقد کو قبول کرلیا، اور اس صورت میں اعلیٰ، اسفل کا وارث ہوگا۔

(مدارک التنزیل وحقائق التاویل، ج ۱ ص ۳۵۱۔ ۳۵۴، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْهِنَّ سَبِیْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیًّا كَبِیْرًا ﴿۳۴﴾

مرد عورتوں کے منتظم ہیں کیونکہ اللہ نے بعض مخلوق کو بعض دوسری مخلوق پر فضیلت عطا فرمائی ہے اور اس لیے بھی کہ مردوں نے اپنے بعض مالوں کو عورتوں پر خرچ کیا ہے، پس نیک عورتیں (شوہروں کی) فرمانبردار ہوتی ہیں، (مردوں کے) پیٹھ پیچھے اللہ کی حفاظت عطا فرمانے سے ہر قسم کی حفاظت کرتی ہیں، اور جن عورتوں سے تم کو نافرمانی کا خطرہ ہو تو اُن کو نصیحت کرو (اور اگر اُن عورتوں پر نصیحت کا اثر نہ ہو تو) ان عورتوں کو ان کی خواب گاہوں میں تنہا چھوڑ دو، اور (اگر وہ پھر بھی نافرمانی کرتی رہیں تو انہیں تھوڑا سا) مار بھی سکتے ہو، پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرلیں تو انہیں تکلیف دینے کا کوئی بہانہ تلاش نہ کرو، بے شک اللہ نہایت بلند، بہت بزرگ ہیں O

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا خَبِیْرًا ﴿۳۵﴾

اور (اے حکّام!) اگر تمہیں ان دونوں (میاں بیوی) کے درمیان جھگڑے کا خطرہ ہو تو ایک انصاف کرنے والا مرد کے رشتہ داروں سے مقرر کرو اور ایک انصاف کرنے والا عورت کے رشتہ داروں سے مقرر کرو، اور اگر وہ دونوں انصاف کرنے والے اُن (میاں بیوی) کے درمیان صلح کا ارادہ کریں تو اللہ ان (میاں بیوی) کے درمیان اتفاق پیدا فرما دیں گے، بے شک اللہ سب کچھ جاننے والے، نہایت خبر رکھنے والے ہیں O

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْــٴًـا وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰى وَالْیَتٰمٰى

وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ ﴿۳۶﴾

اور (اے مسلمانو!) تم اللہ کی عبادت کرتے رہو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرتے رہو اور قرابت داروں کے ساتھ اور یتیموں کے ساتھ اور مسکینوں کے ساتھ اور قرابت دار پڑوسی کے ساتھ اور اجنبی پڑوسی کے ساتھ اور مجلس کے صاحب کے ساتھ اور مسافر کے ساتھ اور غلاموں اور باندیوں کے ساتھ (نیک سلوک کرتے رہو)، بے شک اللہ مغرور متکبر کو پسند نہیں فرماتے ○

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۚ ﴿۳۷﴾

جو لوگ خود بھی بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کرنے کا حکم دیتے ہیں اور جو کچھ اللہ نے ان کو اپنے فضل سے عطاء فرمایا ہے اس کو چھپاتے ہیں اور ہم نے (ان) کافروں کے لیے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے ○

وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾

اور اُن لوگوں کے لیے بھی رسوا کن عذاب ہے جو اپنے مالوں کو لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے، اور شیطان جس کا ساتھی بن جائے سو وہ کیسا برا ساتھی ہے ○

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾

اور اگر وہ لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لے آتے اور اللہ کے عطا کیے ہوئے میں سے خرچ کرتے تو ان پر کیا مصیبت ٹوٹ پڑتی اور اللہ اُن کو خوب جاننے والے ہیں ○

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾

بے شک اللہ کسی پر ذرّہ بھر ظلم نہیں فرماتے، اور اگر کسی کی نیکی ہو تو اس کو دگنا فرما دیتے ہیں، اور اپنے پاس سے بہت بڑا اجر عطا فرماتے ہیں ○

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿۴۱﴾

پس اس وقت کیسا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لے کر آئیں گے اور (اے رسولِ اکرم!) ہم آپ کو اُن سب پر گواہ بنا کر لائیں گے ○

يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿۴۲﴾

اس دن کفر کو اختیار کرنے والے اور رسول کی نافرمانی کرنے والے یہ تمنا کریں گے کہ کاش (اُن کو مٹی میں دبا کر) ان کے اوپر زمین ہموار کردی جاتی، اور وہ اللہ سے کوئی بات چھپا نہ سکیں گے ○

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''مرد عورتوں کے منتظم ہیں کیونکہ اللہ نے بعض مخلوق کو بعض دوسری مخلوق پر فضیلت عطا فرمائی ہے اور اس لیے بھی کہ مردوں نے اپنے بعض مالوں کو عورتوں پر خرچ کیا ہے، پس نیک عورتیں (شوہروں کی) فرمانبردار ہوتی ہیں، (مردوں کے) پیٹھ پیچھے اللہ کی حفاظت عطا فرمانے سے ہر قسم کی حفاظت کرتی ہیں، اور جن عورتوں سے تم کو نافرمانی کا خطرہ ہو تو اُن کو نصیحت کرو (اور اگر اُن عورتوں پر نصیحت کا اثر نہ ہو تو) ان عورتوں کو ان کی خواب گاہوں میں تنہا چھوڑ دو، (اور اگر وہ پھر بھی نافرمانی کرتی رہیں تو انہیں تھوڑا سا) مار بھی سکتے ہو، پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرلیں تو انہیں تکلیف دینے کا کوئی بہانہ تلاش نہ کرو، بے شک اللہ نہایت بلند، بہت بزرگ ہیں ○'' (النساء: ۳۴)

مردوں کی عورتوں پر فضیلت اور برتری کی وجوہ

امام ابو اللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، النساء: ۳۴ تا ۴۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ'': یہ آیت حضرت سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی، انہوں نے اپنی بیوی عمیرہ بنتِ محمد بن مسلمہ الانصاریہ رضی اللہ عنہا کو ایک تھپڑ مارا (الاصابہ ج ۸ ص ۱۵۰)، سو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے درمیان قصاص کا فیصلہ فرمایا (یعنی اب اُن کی بیوی بھی اپنے شوہر کو تھپڑ مارے گی)، تب یہ آیت نازل ہوئی: ''اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ''۔۔۔ یعنی مرد عورتوں کے معاملات پر مسلط ہیں اور عورتوں کی تادیب یعنی اُن کو ادب سکھانا مردوں کے ذمہ ہے۔

''بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ'': اور اس کی وجہ یہ ہے کہ شوہر کو اپنی بیوی پر یہ فضیلت ہے کہ وہ بیوی کے اخراجات اٹھاتا ہے، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مردوں کو عورتوں پر اس لیے فضیلت ہے کہ مردوں کی عقل زیادہ ہوتی ہے اور وہ عورتوں کے معاملات کی

تدبیر کرتے ہیں، اس وجہ سے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی گئی ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مردوں کو عورتوں سے زیادہ جسمانی طاقت اور قوت حاصل ہوتی ہے، کیونکہ مردوں کی طبیعت میں حرارت اور یبوست (گرمی اور خشکی) کا غلبہ ہوتا ہے اس لیے اُن میں قوت اور شدت ہوتی ہے اور عورتوں کی طبیعت میں رطوبت اور بُرودت (تری اور ٹھنڈک) کا غلبہ ہوتا ہے، لہٰذا اُن میں نرمی اور ضُعف ہوتا ہے، اس لیے مردوں کو عورتوں کے اوپر منتظم بنایا ہے۔

''وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ'': کیونکہ مرد اپنے مالوں میں سے عورتوں پر خرچ کرتے ہیں، اُن کا مہر ادا کرتے ہیں، اُن کی خوراک اور لباس پر خرچ کرتے ہیں، اُنہیں گھر مہیّا کرتے ہیں۔

بیویوں کے لیے شوہروں کی خدمت کا ثبوت

''فَالصّٰلِحٰتُ'': یعنی جو بیویاں دین میں پاک دامن ہوتی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی بھی اطاعت کرتی ہیں اور اپنے شوہروں کی بھی خدمت کرتی ہیں۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ صالحات ہوتی ہیں اور اپنے شوہروں کے ساتھ حُسنِ سلوک کرتی ہیں۔

''قٰنِتٰتٌ'': یعنی اللہ تعالیٰ کی بھی اطاعت کرتی ہیں اور اپنے شوہروں کی بھی فرمانبرداری کرتی ہیں۔ اور اس کا معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر قائم رہتی ہیں۔

''حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ'': یعنی وہ شوہر کے پسِ پشت اپنی شرمگاہوں کو اجنبی مردوں سے محفوظ رکھتی ہیں اور اپنے شوہروں کے اموال کی حفاظت کرتی ہیں۔

بیوی اگر شوہر کی نافرمانی کرے تو اس کو تادیب کے لیے مارنے کا ثبوت

''وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ'': اور تمہیں جن بیویوں سے نافرمانی کا خطرہ ہو تو اُن کو اللہ کی قسم دے کر نصیحت کرو اور اُن سے کہو کہ اللہ سے ڈرو کیونکہ شوہر کا حق تم پر واجب ہے، پس اگر وہ اس نصیحت کو قبول نہ کریں تو۔

''وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ'': یعنی شوہر بیوی کے بستر کے قریب نہ جائے، کیونکہ جب شوہر بیوی کے بستر سے اعراض کرے گا تو اگر وہ عورت شوہر سے محبت کرنے والی ہوئی تو اُس پر شوہر کا اعراض کرنا دشوار ہوگا، پھر وہ اصلاح کی طرف مائل ہوگی، اور اگر وہ شوہر سے بُغض رکھنے والی ہوئی تو اُس کو اس سے خوشی ہوگی کہ شوہر سے اس کی جان چھوٹ گئی، اس سے معلوم ہوا کہ نافرمانی بیوی کی جانب سے تھی۔

''وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا'': سو اُن کو ایسی مار مارو جس سے اُن کے جسم پر نشان نہ پڑیں، یعنی نیل نہ پڑیں، پھر اگر وہ نافرمانی سے رجوع کرلیں تو تم اُن کو مزید مار لگانے کے لیے بہانے نہ تلاش کرو اور اُن کو اپنی محبت پر مجبور نہ کرو، کیونکہ محبت تو دل کی کیفیت ہے جو عورت کے اختیار میں نہیں ہے۔

''اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿۳۴﴾'': یعنی اللہ تعالیٰ ہر بڑے سے بڑے ہیں، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے محبت کو جبراً طلب نہیں فرماتے، لہٰذا تم بھی حد سے تجاوز نہ کرو اور مختلف بہانوں سے اس کو مار کر اس کے دل میں اپنی محبت پیدا کرنے کی کوشش نہ کرو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے حکام!) اگر تمہیں ان دونوں (میاں بیوی) کے درمیان جھگڑے کا خطرہ ہو تو ایک انصاف کرنے والا مرد کے رشتہ داروں سے مقرر کرو اور ایک انصاف کرنے والا عورت کے رشتہ داروں سے مقرر کرو، اور اگر وہ دونوں انصاف کرنے والے اُن (میاں بیوی) کے درمیان صلح کا ارادہ کریں تو اللہ ان (میاں بیوی) کے درمیان اتفاق پیدا فرما دیں گے، بے شک اللہ سب کچھ جاننے والے، نہایت خبر رکھنے والے ہیں O'' (النساء: ۳۵)

شوہر اور بیوی کے درمیان نا چاقی کی صورت میں دونوں کی جانب سے حَکَم بنانے کا جواز

''وَ اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ '': یعنی اے میاں بیوی کے سرپرستو اور حاکمو! اگر تمہیں میاں بیوی کے درمیان علیحدگی کا خطرہ ہو اور تم کو از خود یہ معلوم نہ ہو کہ ان میں سے کون اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر رہا ہے اور کون زیادتی کر رہا ہے تو پھر تم مردوں کی طرف سے ایک عادل شخص کو بھیجو جس کو عقل بھی ہو اور برے بھلے کی تمیز بھی ہو، وہ شوہر کے پاس جائے اور تنہائی میں اس سے پوچھے کہ تمہارے دل میں کیا ہے، کیا تم اپنی بیوی سے محبت کرتے ہو یا نہیں، پس اگر شوہر یہ کہے کہ مجھے اس بیوی کی ضرورت نہیں، آپ جتنی چاہیں اس عورت کے واسطے مجھ سے رقم لے لیں اور میرے اور اس کے درمیان علیحدگی کر دیں، تب حاکم کو معلوم ہو جائے گا کہ زیادتی مرد کی طرف سے ہے، اور اگر شوہر یہ کہے کہ میں اپنی بیوی سے محبت کرتا ہوں، آپ اس کو میری طرف سے راضی کر دیں اور میرے مال سے جتنا چاہیں لے لیں اور میرے اور میری بیوی کے درمیان علیحدگی نہ کریں، تب حاکم کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ شوہر زیادتی کرنے والا نہیں ہے، اور جو بیوی کی طرف سے ولی مقرر کیے گئے ہیں وہ اس بیوی سے تنہائی میں پوچھیں کہ کیا تم اپنے خاوند سے محبت کرتی ہو یا نہیں؟ اگر اس کی بیوی یہ کہے کہ میرے اور میرے شوہر کے درمیان آپ علیحدگی کرا دیں اور وہ میرے مال سے جتنا مال لینا چاہے اس کو دے دیں، تب حاکم کو معلوم ہو جائے گا کہ زیادتی اور نافرمانی عورت کی جانب سے ہے، اگر اس کی بیوی یہ کہے کہ آپ ہمارے درمیان علیحدگی نہ کریں لیکن شوہر کو اس پر برانگیختہ کریں کہ وہ جو مجھے خرچ دیتا ہے اس میں اضافہ کر دے اور میرے ساتھ حسنِ سلوک کرے، تب حاکم کو معلوم ہو گا کہ اس کی بیوی کی جانب سے زیادتی نہیں ہے، پس جب دونوں طرف سے حاکموں کو یہ معلوم ہو جائے کہ زیادتی شوہر کی جانب سے ہے تو وہ شوہر کو نصیحت کریں، اس کو ڈرائیں دھمکائیں اور اس کو بیوی پر ظلم کرنے سے منع کریں، پس وہ دونوں حاکم میاں بیوی کے معاملات میں نصیحت کرنے پر غور کریں، اللہ تعالیٰ اُن کو شوہر اور بیوی کے درمیان اصلاح کی توفیق دے گا اور کہا جاتا ہے کہ جب دو حاکم دو میاں بیوی میں خیر خواہی سے نصیحت کریں تو اُن میں صلح ہو جاتی ہے۔

شوہر اور بیوی کے درمیان حَکَم بنانے اور حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان حَکَم بنانے کا فرق

''اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۝۳۵ '': یعنی اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں کہ وہ دونوں حَکَم کیسی نصیحت کرتے ہیں، اور اس آیت میں حَکَم بنانے کی دلیل ہے، اور یہ حَکَم بنانا اس طرح نہیں ہے جس طرح حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان

حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو حَکَم بنایا گیا تھا، اور جس پر خوارج نے کہا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی حَکَم نہیں ہے، کیونکہ یہ کلمہ برحق ہے لیکن خوارج اس سے باطل کا ارادہ کرتے ہیں، کیونکہ شوہر اور بیوی کے درمیان حَکَم بنانا اللہ تعالیٰ کی اجازت سے تھا جیسا کہ النساء: ۳۵ سے ظاہر ہے اور حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جو حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو حَکَم بنایا گیا تھا وہ اُن کے اجتہاد سے تھا، اس وجہ سے خوارج نے کہا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی حَکَم نہیں ہے اور پھر انہوں نے حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں کی تکفیر کر دی تھی اور وہ دونوں پر لعنت کرتے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے مسلمانو!) تم اللہ کی عبادت کرتے رہو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرتے رہو اور قرابت داروں کے ساتھ اور یتیموں کے ساتھ اور مسکینوں کے ساتھ اور قرابت دار پڑوسی کے ساتھ اور اجنبی پڑوسی کے ساتھ اور مجلس کے صاحب کے ساتھ اور مسافر کے ساتھ اور غلاموں اور باندیوں کے ساتھ (نیک سلوک کرتے رہو)، بے شک اللہ مغرور متکبر کو پسند نہیں فرماتے ''(النساء:۳۶)

''وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا'': بعض مفسرین نے کہا: یہ کفار سے خطاب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اللہ تعالیٰ کو واحد مانیں اور شرک پر برقرار نہ رہیں، اور دوسرے مفسرین نے کہا: یہ مومنین سے خطاب ہے، یعنی اے مسلمانو! تم اللہ تعالیٰ کی توحید پر قائم رہو اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے: تم اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کی اطاعت کرو اور اخلاص کے ساتھ اعمال کرو اور ریاکاری کر کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرو، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ مومنین اور منافقین اور کفار سب سے خطاب ہے، پس مومنین کو یہ حکم دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر برقرار رہیں اور منافقین کو یہ حکم دیا کہ وہ نفاق کو چھوڑ دیں اور اخلاص سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں اور کفار کو یہ حکم دیا کہ وہ بت پرستی کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کو واحد مانیں۔

ماں باپ اور دیگر کے ساتھ حسنِ سلوک کا ثبوت

''وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا'': یعنی اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ ''وَبِذِى الْقُرْبٰى'': اور رشتہ داروں کے ساتھ میل جول رکھو۔ ''وَالْيَتٰمٰى'': اور یتیموں کے ساتھ حسنِ سلوک کرو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ یتیموں کے ولی سے خطاب ہے کہ یتیموں کے اموال میں خیانت نہ کرو۔ ''وَالْمَسٰكِيْنِ'': یعنی تم پر لازم ہے کہ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔ ''وَالْجَارِ ذِى الْقُرْبٰى'': یعنی جو پڑوسی تمہارا قرابت دار ہو اُس کے تم پر تین حقوق ہیں:

پڑوسی کے اپنے صاحب کے اوپر تین حقوق

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پڑوسیوں کی تین قسمیں ہیں: (۱) ایک پڑوسی وہ ہے جس کا صرف ایک حق ہے، (۲) دوسرا پڑوسی وہ ہے جس کے دو حق ہیں، (۳) اور تیسرا پڑوسی وہ ہے جس کے تین حق ہیں: رہا وہ پڑوسی جس کا صرف ایک حق ہے یہ وہ پڑوسی ہے جو مشرک ہو اور اس کے ساتھ کوئی رشتہ داری نہ ہو، اس کا صرف پڑوسی ہونے کا حق

ہے، رہا وہ پڑوسی جس کے دو حق ہیں، سو یہ وہ پڑوسی ہے جو مسلمان ہو، اس کے لیے اسلام کا حق بھی ہے اور پڑوس کا حق بھی ہے، اور رہا وہ پڑوسی جس کے تین حقوق ہیں، سو یہ وہ پڑوسی ہے جو مسلمان بھی ہو، رشتہ دار بھی ہو اس کے لیے اسلام کا بھی حق ہے، پڑوس کا بھی حق ہے اور رشتہ دار کا بھی حق ہے۔ (کشف الاستار عن زوائد البزار ج ۲ ص ۳۸۰، رقم الحدیث: ۱۸۹۶)

''وَالۡجَارِ الۡجُنُبِ'': یعنی جو پڑوسی اجنبی ہو اور اس کے ساتھ کوئی رشتہ داری نہ ہو اور وہ دوسری قوم سے ہو۔

''وَالصَّاحِبِ بِالۡجَنۡۢبِ'': یعنی جو سفر میں رفیق ہو، اور بیوی بھی اس تفسیر میں داخل ہے۔

امام محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ، النساء: ۳۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ایک ثقہ راوی نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آپ کے اصحاب میں سے ایک مرد تھا، آپ اور وہ مرد دونوں دو سواریوں پر تھے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھنے درختوں میں داخل ہوئے تو آپ نے درختوں کے سبز پتوں کو کاٹا تاکہ اونٹنیوں کو کھلائیں، اُن میں سے ایک شاخ ٹیڑھی تھی اور ایک شاخ سیدھی تھی، آپ نے اپنے صاحب کو سیدھی شاخ دے دی اور اپنے لیے ٹیڑھی شاخ رکھی، اس مرد نے کہا: یارسول اللہ! آپ پر میری ماں اور باپ فداء ہوں، آپ میری بہ نسبت سیدھی شاخ رکھنے کے زیادہ حق دار ہیں، آپ نے فرمایا: ہرگز نہیں اے فلاں! ہر وہ شخص جو کسی صاحب کا مصاحب ہو اس سے اس صاحب کی مصاحبت کے متعلق سوال کیا جائے گا خواہ وہ دن کے ایک گھنٹے کی مصاحبت ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک بہترین شخص وہ ہے جو اپنے صاحب کے نزدیک بہترین ہو، اور اللہ کے نزدیک بہترین پڑوسی وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے نزدیک بہترین ہو۔

(سنن ترمذی: ۱۹۴۴، صحیح ابن خزیمہ: ۲۵۳۹، مسند احمد: ۶۵۶۶، الادب المفرد للبخاری: ۱۱۵)

اس کی تفسیر میں ہر وہ شخص داخل ہے جس کے ساتھ سفر میں صحبت ہو یا نکاح کی وجہ سے صحبت ہو، اور صحیح یہ ہے کہ الصاحب بالجنب میں یہ سب مراد ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان سب کے ساتھ احسان کرنے کی وصیت فرمائی ہے۔

(جامع البیان عن تاویل القرآن ج ۷ ص ۱۶۔۱۷، دار عالم الکتب، ریاض ۱۴۳۴ھ)

''وَابۡنِ السَّبِيۡلِ'': یعنی وہ مہمان جو تمہارے پاس آ کر ٹھہرے تو تم اس کے ساتھ حسنِ سلوک کرو اور اس کی مہمانی کا حق تین دن ہے، اور اگر وہ تین دن سے زیادہ ٹھہرے تو اس کی مہمانی پر جو خرچ ہو وہ صدقہ ہے۔

حضرت ابوشریح الادبی بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، آپ نے فرمایا: جو شخص اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو، وہ اپنے پڑوسی کی تکریم کرے، اور جو شخص اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کی تکریم کرے، آپ سے پوچھا گیا: یارسول اللہ! مہمان کی تکریم کتنے دن ہے؟ آپ نے فرمایا: ایک دن اور ایک رات، اور تین دن اور تین رات اس کی ضیافت ہے، اگر وہ اس سے زیادہ ٹھہرے تو وہ اس پر صدقہ ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۰۱۹، صحیح مسلم: ۴۸، سنن ترمذی: ۱۹۶۷، سنن ابوداؤد: ۳۷۴۸، مسند احمد: ۲۶۲۰، موطا امام مالک: ۱۷۲۸)

''وَمَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ'': یعنی جو تمہارے خدمت گار ہیں تم اُن کے ساتھ حسنِ سلوک کرو، جو تم کھاتے ہو وہ اُن کو کھلاؤ، اور جو تم پہنتے ہو وہ اُن کو پہناؤ، اور اُن کو کسی ایسے کام کا حکم نہ دو جس کی اُن میں طاقت نہ ہو، کیونکہ وہ بھی گوشت اور خون سے بنے ہوئے

ہیں اور تمہاری مثل مخلوق ہیں۔ (صحیح البخاری: ۶۰۵۰، صحیح مسلم: ۱۶۶۱، الجامع الصغیر للسیوطی: ۱۴۴۳)

"اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا" : مُختال کا معنی ہے جو آدمی اکڑ اکڑ کر چلتا ہو، اور فخور کا معنی ہے: جو لوگوں کے سامنے تکبر کرتا ہو، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ فخور وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا نہ کرے اور لوگوں کے سامنے تکبر کرے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "جو لوگ خود بھی بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کرنے کا حکم دیتے ہیں اور جو کچھ اللہ نے ان کو اپنے فضل سے عطاء فرمایا ہے اس کو چھپاتے ہیں اور ہم نے (ان) کافروں کے لیے رسوا کُن عذاب تیار کر رکھا ہے O" (النساء: ۳۷)

"اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ" : مجاہد اور مقاتل نے کہا: یہ آیت یہود کے حق میں نازل ہوئی ہے جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُن صفات کو ظاہر کرنے میں بُخل کرتے تھے جو صفات اُن کی آسمانی کتابوں میں لکھی ہوئی تھیں۔

"وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ" : یعنی اُن کے علماء اپنے متبعین سے کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو صفات تورات میں لکھی ہوئی ہیں ان کو لوگوں کے سامنے بیان نہ کرو۔

"وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ" : یعنی تورات میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جن فضائل کا ذکر ہے، ان کو بیان نہ کرو۔ کہا جاتا ہے کہ سب سے بڑا بخیل وہ ہے جو اپنے علم میں بُخل کرے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ مال میں بُخل کرتے تھے کیونکہ ان کے بڑے بڑے علماء اپنے اموال میں سے کسی کو کچھ نہیں دیتے تھے، کیونکہ ان کی عادت یہ تھی کہ وہ دوسروں سے مال لے لیتے تھے اور دینے سے منع کرتے تھے۔ اور اس کا یہ معنی بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے جو نعمتیں عطاء فرمائی تھیں وہ ان نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتے تھے اور زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تھے۔

"وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا" : یعنی اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لیے عذابِ شدید تیار فرما رکھا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور اُن لوگوں کے لیے بھی رسوا کُن عذاب ہے جو اپنے مالوں کو لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے، اور شیطان جس کا ساتھی بن جائے سو وہ کیسا برا ساتھی ہے O" (النساء: ۳۸)

"وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ" : مقاتل نے کہا: یہ یہود ہیں اور الضحاک نے کہا کہ یہ منافقین ہیں جو اپنے اموال کو لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتے تھے۔

"وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ" : یعنی وہ تنہائی میں صدقہ نہیں دیتے تھے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت اُن مشرکین کے متعلق نازل ہوئی ہے جو مکہ کے سردار تھے اور انہوں نے لوگوں پر اپنے اموال خرچ کئے تا کہ وہ مسلمانوں سے لڑنے کے لیے اُن کے ساتھ وادیٔ بدر میں جائیں۔

"وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا" : اس آیت میں کچھ محذوف ہے، پوری آیت کا معنی اس طرح ہے: اور یہ لوگ نہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور نہ آخرت پر، تو ان کا ساتھی شیطان ہے اور جن کا ساتھی شیطان ہو، تو وہ کیسا برا ساتھی ہے۔ وہ دنیا

میں اُن کو بخل کرنے کا حکم دیتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اگر وہ لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لے آتے اور اللہ کے عطا کیے ہوئے میں سے خرچ کرتے تو ان پر کیا مصیبت ٹوٹ پڑتی اور اللہ اُن کو خوب جاننے والے ہیں O'' (النساء:۳۹)

''وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ'': یعنی یہ لوگ اگر کفر کو چھوڑ کر اللہ پر ایمان لے آتے اور آخرت پر ایمان لے آتے تو ان پر کیا مصیبت آجاتی، اور اللہ تعالیٰ کے عطاء فرمائے ہوئے مال میں سے اگر یہ خرچ کرتے تو ان پر کیا آفت آجاتی، یعنی بخل اور ریا کاری کو چھوڑ دیتے تو ان پر کچھ بھی عذاب نہ ہوتا۔

''وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ۝'': یعنی اللہ تعالیٰ کو ان کے اعمال کے ثواب کا خوب علم ہے اور وہ ان کے اعمال کے ثواب میں کوئی کمی نہیں فرمائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک اللہ کسی پر ذرّہ بھر ظلم نہیں فرماتے، اور اگر کسی کی نیکی ہو تو اس کو دگنا فرما دیتے ہیں، اور اپنے پاس سے بہت بڑا اجر عطا فرماتے ہیں O'' (النساء:۴۰)

''اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ'': یعنی اللہ عزوجل ان کے اعمال کے ثواب میں سے ایک ذرّہ برابر بھی کمی نہیں فرمائیں گے اور کافر کے عذاب میں ایک ذرّہ بھی اضافہ نہیں فرمائیں گے۔

''وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا'': ''وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً'' اصل میں اِنْ تَكُنْ ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ اگر کسی کا کوئی فعل نیک ہو تو اللہ تعالیٰ اس کا اجر دگنا فرما دیں گے، یعنی اللہ تعالیٰ نیکیوں کے اجر وثواب کو بڑھاتے رہیں گے یہاں تک کہ اس کے ثواب کو اُحد پہاڑ جتنا فرما دیں گے اور اس کے لیے جنت کو واجب فرما دیں گے۔

''وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝'': اجرِ عظیم سے مراد جنت ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سورۃ النساء کی پانچ آیتیں مجھے دنیا ومافیہا سے زیادہ محبوب ہیں: (۱) ''اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ... (النساء:۳۱)'' یعنی گناہِ کبیرہ کے اجتناب کے سبب سے گناہِ صغیرہ مٹا دیئے جاتے ہیں۔ (۲) ''وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝... (النساء:۶۴)'' (اور اگر مسلمان کبھی اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھتے تو وہ آپ کے پاس آجاتے اور اللہ سے مغفرت طلب کرتے اور رسول بھی اُن کے لیے استغفار کرتے تو وہ ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا، بے حد رحم فرمانے والا پاتے O)، (۳) ''اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ... (النساء:۴۰)'' (بے شک اللہ کسی پر ذرّہ بھر ظلم نہیں فرماتے)، (۴) ''اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ... (النساء:۴۸)'' (بے شک اللہ اس کو نہیں معاف فرمائیں گے کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے، اور اس سے کم گناہوں کو اللہ جس کے لیے چاہیں گے معاف فرما دیں گے)، (۵) ''مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ... (النساء:۱۲۳)'' (اور جو برے کام کرے گا اس کو اس کا بدلہ دیا جائے گا)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس اس وقت کیسا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لے کر آئیں گے اور

(اے رسولِ اکرم!) ہم آپ کو اُن سب پر گواہ بنا کر لائیں گے O" (النساء: ۴۱)

"فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ": یعنی اس وقت ان کافروں کا کیا حال ہوگا یا وہ کیا کریں گے جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لے کر آئیں گے یعنی اس امت کے نبی کو لے کر آئیں گے جو اس بات پر گواہی دینے والا ہوگا کہ اس نے اپنے رب کی طرف سے پیغام پہنچایا ہے۔

"وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۝": اور اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم!)، ہم آپ کو ان پر گواہ بنا کر لائیں گے، یعنی آپ کی امت پر گواہ بنا کر لائیں گے، آپ امت کی شہادت کی تصدیق کریں گے کیونکہ آپ کی امت گزشتہ ان امتوں کے خلاف گواہی دے گی جو انبیاء علیہم السلام کے پیغام پہنچانے کی تکذیب کرتی تھیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ گزشتہ امتوں سے فرمائیں گے: "کیا تمہیں رسولوں نے میرا پیغام پہنچایا تھا؟" وہ لوگ کہیں گے: نہیں، پھر رُسل علیہم السلام کہیں گے: ہم نے آپ کا پیغام پہنچایا تھا اور ہمارے پاس اس پر گواہ موجود ہیں، اللہ عزوجل فرمائیں گے کہ تمہارے پاس گواہ کون ہیں؟ تو وہ کہیں گے: سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت، پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو لایا جائے گا، پس وہ گواہی دیں گے کہ ان رسولوں نے وہ پیغام پہنچا دیا جس کی ان پر ان کے رب کی طرف سے ان کی کتاب میں وحی فرمائی گئی تھی، پس گزشتہ امتیں کہیں گی: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں تو زنا کرنے والے بھی تھے، شراب پینے والے بھی تھے، پس ان کی شہادت نہیں قبول کی جائے گی، اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کا تزکیہ فرمائیں گے، تب مشرکین کہیں گے: اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے! ہم مشرک نہ تھے، پھر ان کے مونہوں پر مہر لگا دی جائے گی اور ان کے ہاتھ اور ان کے پیر اُن کے کیے ہوئے کاموں کی گواہی دیں گے۔

ابوطاہر بن یعقوب الفیروزآبادی المتوفی ۸۱۷ھ، النساء: ۴۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

النساء: ۴۱ کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: پس اُس وقت کفار کیا کریں گے جب ہم ہر امت سے ایک گواہ یعنی نبی کو لے کر آئیں گے جو ان کے خلاف یہ گواہی دے گا کہ اس نے اپنی امت کو اللہ کا پیغام پہنچا دیا ہے، اور اے محمد! ہم آپ کو ان کے اوپر گواہ بنا کر لائیں گے، اور کہا جاتا ہے کہ آپ کو آپ کی امت کی شہادت کی تصدیق کے لیے لایا جائے گا، کیونکہ آپ کی امت انبیاء علیہم السلام کے حق میں یہ گواہی اس وقت دے گی جب امتوں نے قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ کا انکار کر دیا تھا۔ اس وقت یہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کا کفر کیا تھا اور رسول کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کیا تھا، اس وقت یہ لوگ یہ تمنا کریں گے کہ کاش! اُن پر زمین برابر کر دی جائے اور وہ جانوروں کے ساتھ مٹی ہو جائیں اور وہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات نہیں چھپا سکیں گے اور وہ یہ نہیں کہہ سکیں گے: "وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ۝ ... (الانعام: ۲۳)" (ہمیں اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے! ہم مشرک نہ تھے)۔ (تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس ص ۹۵، المکتبۃ العصریہ، بیروت، ۱۴۳۳ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اس دن کفر کو اختیار کرنے والے اور رسول کی نافرمانی کرنے والے یہ تمنا کریں گے کہ کاش! (اُن کو مٹی میں دبا کر) ان کے اوپر زمین ہموار کر دی جاتی، اور وہ اللہ سے کوئی بات چھپا نہ سکیں گے O" (النساء: ۴۲)

''یَوْمَىِٕذٍ یَّوَدُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ عَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ '': یعنی جب پچھلی امتوں کے کفار کے ہاتھ پیران کے خلاف گواہی دیں گے تو اس وقت وہ یہ تمنا کریں گے کہ کاش! ان کو زمین میں دھنسا دیا جائے، اور یہ بھی کہا گیا ہے: ''فَكَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِیْدٍ ۔ (النساء: ۴۱)'' کا معنی یہ ہے کہ تمام رسول اپنی امتوں کے خلاف اللہ کا پیغام پہنچانے کی گواہی دیں گے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے حق میں یہ گواہی دیں گے کہ انبیاء علیہم السلام نے اللہ کا پیغام پہنچایا تھا اور ان کی امتوں نے قبول نہیں کیا۔

فضیل بن سلیمان النمیری نے یونس بن محمد بن فضالہ سے از والد خود روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی ظفر سے اُن کے پاس آئے اور بنو ظفر کے پاس ایک چٹان پر بیٹھ گئے اور اس وقت آپ کے ساتھ حضرت ابن مسعود اور حضرت معاذ بن جبل اور دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے، پس آپ نے ایک قاری کو قرآن کی آیات تلاوت کرنے کا حکم فرمایا، حتیٰ کہ جب قاری اس آیت پر پہنچا: ''فَكَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِیْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِیْدًا ﴿۴۱﴾ ۔۔۔ (النساء: ۴۱)'' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روئے حتیٰ کہ آپ کے دونوں رخسار آنسوؤں سے بھیگ گئے، پس آپ نے کہا: اے میرے رب! میرا علم اُن لوگوں کے متعلق ہے جب میں ان لوگوں کے درمیان تھا، پس اُن لوگوں کے متعلق میرا علم کیسے ہوگا جن کو میں نے نہیں دیکھا۔

(المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۹ ص ۲۲۱، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۶۰، الدر المنثور ج ۲ ص ۱۶۳)

''یَوْمَىِٕذٍ یَّوَدُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ عَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ '': یعنی جن لوگوں نے اللہ کے ساتھ کفر کو اختیار کیا اور رسول کی نافرمانی کی اس وقت وہ یہ تمنا کریں گے کہ کاش! وہ مٹی ہو جائیں، اور ان کے اوپر تمام اہلِ محشر چلیں۔

''وَ لَا یَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِیْثًا ﴿۴۲﴾'': اور وہ اللہ سے کوئی بات چھپا نہیں سکیں گے، اور وہ ان کا یہ قول ہے کہ (ہمیں اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے! ہم مشرک نہ تھے)۔ (تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۳۵۰۔۳۵۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَ لَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَیْدِیْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾

اے ایمان والو! تم نشہ کی حالت میں اس وقت تک نماز کے قریب نہ جاؤ حتیٰ کہ تم جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو، اور نہ حالتِ جنابت میں مسجد کے قریب جاؤ سوا راستہ عبور کرنے کے لیے حتیٰ کہ تم غسل کر لو، اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی ایک قضائے حاجت سے فارغ ہو کر آئے یا تم نے اپنی بیویوں سے مباشرت کی ہو، پھر تم کو پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو تو تم پاک مٹی سے تیمم کر لو، سو اپنے چہروں پر ہاتھ پھیرو اور اپنے ہاتھوں پر ہاتھ پھیرو، بے شک اللہ تعالیٰ بہت معاف فرمانے والے، نہایت بخشنے والے ہیں O

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يَشْتَرُونَ الضَّلَالَةَ وَيُرِيدُونَ أَن تَضِلُّوا السَّبِيلَ ﴿٤٤﴾

کیا آپ نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں آسمانی کتاب سے ایک حصہ دیا گیا تھا، وہ گمراہی کو خریدتے ہیں اور یہ ارادہ کرتے ہیں کہ تم کو بھی سیدھے راستہ سے بہکا دیں ○

وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَعْدَائِكُمْ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَلِيًّا وَكَفَىٰ بِاللَّهِ نَصِيرًا ﴿٤٥﴾

اور اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جاننے والے ہیں، اور اللہ (تمہارے) کافی حامی ہیں اور اللہ (تمہارے) کافی مددگار ہیں ○

مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَرَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّينِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَقْوَمَ وَلَٰكِن لَّعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٤٦﴾

بعض یہودی اصل کلمات کو اُن کی جگہوں سے پھیر دیتے ہیں اور کہتے ہیں: ہم نے سنا اور ہم نے نافرمانی کی، اور (آپ سے کہتے ہیں کہ) آپ اس حال میں سنیے کہ آپ سنائے ہوئے نہ ہوں، اور دین میں طعنہ زنی کرتے ہوئے اپنی زبانوں کو مروڑ کر "راعنا" کہتے ہیں، اور اگر وہ یہ کہتے کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اور آپ ہماری بات سنیں اور ہم پر نظرِ رحمت فرمائیں تو یہ اُن کے لیے بہت بہتر اور نہایت درست ہوتا لیکن اللہ نے اُن کے کفر کی وجہ سے اُن پر لعنت فرمائی، پس وہ تھوڑے سے لوگ ایمان لائیں گے ○

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُم مِّن قَبْلِ أَن نَّطْمِسَ وُجُوهًا فَنَرُدَّهَا عَلَىٰ أَدْبَارِهَا أَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّا أَصْحَابَ السَّبْتِ ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ﴿٤٧﴾

اے اہلِ کتاب! تم اس پر ایمان لاؤ جس کو ہم نے اس حال میں نازل فرمایا ہے کہ وہ تمہاری (اصل) کتاب کی تصدیق فرمانے والا ہے، اس سے پہلے کہ ہم کچھ چہروں کے نقوش مٹا دیں، پھر اُن کو اُن کی پیٹھوں کی جانب پھیر دیں، یا ہم اُن پر لعنت فرمائیں جیسا کہ ہم نے ہفتہ کے دن (نافرمانی کرنے والوں پر) لعنت فرمائی تھی، اور اللہ کا حکم پورا ہو کر رہتا ہے ○

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ ۚ

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾

بے شک اللہ اس کو نہیں معاف فرمائیں گے کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے، اور اس سے کم گناہوں کو اللہ جس کے لیے چاہیں گے معاف فرمادیں گے، اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو بے شک اس نے بہت بڑے گناہ کا بہتان باندھاO

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾

(اے رسولِ اکرم!) کیا آپ نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنی جانوں کی پاکیزگی ظاہر کرتے ہیں، بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتے ہیں پاکیزہ فرماتے ہیں اور اُن پر ایک دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گاO

اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَكَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۰﴾ ع

آپ دیکھیے! وہ کس طرح اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہیں، اور اُن کے علانیہ گناہ کے لیے (یہی جھوٹ باندھنا) کافی ہےO

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! تم نشہ کی حالت میں اس وقت تک نماز کے قریب نہ جاؤ حتیٰ کہ تم جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو، اور نہ حالتِ جنابت میں مسجد کے قریب جاؤ سوا راستہ عبور کرنے کے لیے حتیٰ کہ تم غسل کرلو، اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی ایک قضائے حاجت سے فارغ ہو کر آئے یا تم نے اپنی بیویوں سے مباشرت کی ہو، پھر تم کو پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو تو تم پاک مٹی سے تیمم کرلو، سو اپنے چہروں پر ہاتھ پھیرو اور اپنے ہاتھوں پر ہاتھ پھیرو، بے شک اللہ تعالیٰ بہت معاف فرمانے والے، نہایت بخشنے والے ہیںO'' (النساء: ۴۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف حالتِ نشہ میں نماز پڑھانے کی روایت کی تحقیق

علامہ مصطفی الخیری الحصنی المنصوری الحنفی المتوفی ۱۳۹۰ھ، النساء: ۴۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى'': اس آیت کے شانِ نزول میں روایت ہے:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کھانا تیار کیا، پس ہم کو دعوت دی اور ہم کو الخمر (انگوروں کی شراب) پلائی، پس انہوں نے ہم سے الخمر کو لیا اور نماز کا وقت آگیا، تو لوگوں نے مجھے نماز پڑھانے کے لیے آگے کردیا، پس میں نے (مغرب کی نماز میں) اس طرح قراءت کی: ''قل یایھا الکافرونO لا اعبد ما تعبدونO ونحن نعبد ما تعبدون'' (اے کافرو! میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو، اور ہم اُن کی عبادت کرتے ہیں جن کی تم عبادت کرتے ہو)، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ

سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ۔۔۔(النساء:۴۳) (سنن ترمذی:۳۰۲۶،امام ابوعیسیٰ ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن غریب صحیح ہے)۔

امام ابوداؤد کی روایت حسب ذیل ہے:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کے ایک مرد نے اُن کو اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کو دعوت دی، پس ان دونوں کو تحریم خمر سے پہلے خمر پلائی، پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مغرب کی نماز میں امامت کی اور پڑھا: ''قل یایھا الکافرون'' سو ان پر قراءت مشتبہ ہوگئی، تب یہ آیت نازل ہوئی: ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ۔۔۔(النساء:۴۳)۔(سنن ابوداؤد:۳۶۷۶، دارالکتب المصریہ، القاہرہ، مصر ۲۰۱۰ء)

(تفسیر سفیان الثوری ص ۹۶ رقم الحدیث:۲۲۱، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۳۰۷، النحاس فی الناسخ والمنسوخ ص ۳۳۸، مسند عبد بن حمید:۸۲، مسند البزار:۵۹۸، تفسیر الطبری ج ۷ ص ۴۶، تفسیر ابن ابی حاتم:۵۳۵۲، الدرالمنثور ج ۲ ص ۱۶۴)

امام حاکم کی مفصل روایت اس طرح ہے:

امام عبداللہ محمد بن عبداللہ المعروف بالحاکم النیشاپوری المتوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں:

سفیان از عطاء ابن السائب از عبدالرحمٰن از حضرت علی رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا: انصار کے ایک مرد نے تحریم خمر سے پہلے ہماری دعوت کی، پھر مغرب کی نماز کا وقت آ گیا تو ایک مرد آگے بڑھا اور اس نے نماز میں پڑھا ''قل یا ایھا لکافرون'' پھر اس پر قراءت مشتبہ ہوگئی، تو یہ آیت نازل ہوئی: ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ۔۔۔ (النساء:۴۳) یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور امام بخاری اور مسلم نے اس حدیث کی روایت نہیں کی، اور اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ خوارج اس نشہ کی حالت کو اور اس آیت کی قراءت کو حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرتے ہیں نہ کہ اُن کے غیر کی طرف، اور اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حالتِ نشہ اور حالتِ نشہ میں قراءت سے اس حدیث کے راوی (عطاء ابن السائب) کے سبب سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی براءت کو ظاہر فرما دیا ہے۔(المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۳۰۷، دارالباز للنشر والتوزیع، مکہ مکرمہ)

جنبی کے مسجد میں دخول کی تحقیق

''وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ'': وَلَا جُنُبًا کا عطف وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى پر ہے گویا کہ یوں فرمایا گیا ہے کہ تم نہ حالتِ نشہ میں نماز کے قریب جاؤ اور نہ حالتِ جنابت میں، ''اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ'' سوائے راستہ عبور کرنے کے لیے۔اس کا معنی ہے کہ تم کسی حال میں حالتِ نشہ میں نماز کے قریب نہ جاؤ اور کسی حال میں بھی حالتِ جنابت میں نماز کے قریب نہ جاؤ سوا اس حال کے کہ تم مسافر ہو، دوسرا قول یہ ہے کہ انصار میں سے کچھ مردوں کے گھروں کے دروازے مسجد میں تھے اور کبھی وہ جنبی ہو جاتے تھے اور مسجد کے سوا ان کے گزرنے کے لیے اور کوئی راستہ نہیں تھا تو انہیں حالتِ جنابت میں مسجد سے گزرنے کی اجازت دی گئی اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔اور مشہور یہ ہے کہ جنبی کا مسجد میں دخول مطلقاً ممنوع ہے۔''حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا'' یہ ممانعت کی انتہاء ہے، اور جب تم جنبی ہو تو جب تک تم غسل نہ کر لو اس وقت تک مسجد میں نہ جاؤ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خصوصیت

حالتِ جنابت میں مسجد میں دخول کی ممانعت عام مسلمانوں کے لیے ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ اس ممانعت سے مستثنیٰ ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نماز کی اقامت کی گئی، پس لوگوں کو صفوں میں برابر برابر کھڑا کیا گیا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آ کر آگے بڑھے اور اس وقت آپ جنبی تھے، پھر آپ نے فرمایا: تم لوگ اپنی اپنی جگہ پر کھڑے رہو، پھر آپ لوٹ کر گئے، پس آپ نے غسل کیا اور غسل کر کے باہر آئے اور آپ کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے، پھر آپ نے صحابہ کو نماز پڑھائی۔ (صحیح البخاری: ۶۴۰، ۶۳۹، صحیح مسلم: ۶۰۵، سنن نسائی: ۸۰۹، سنن ابوداؤد: ۲۳۵، مسند احمد: ۸۲۶۱)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے علی! میرے اور تمہارے سوا کسی کے لیے اس مسجد میں جنبی ہونا جائز نہیں ہے، ضرار بن صرد نے کہا: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ میرے اور تمہارے سوا کسی کے لیے اس مسجد میں حالتِ جنابت میں گزرنا جائز نہیں ہے۔ (سنن ترمذی: ۳۷۲۷)

بیمار کے لیے تیمم کرنے کی شرائط

''وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى'': اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اگر تم ایسے مرض میں مبتلاء ہو جس مرض میں پانی کا استعمال مطلقاً ممنوع ہو خواہ تمہارا پانی تک پہنچنا مشکل ہو یا مرض کی وجہ سے پانی کو استعمال کرنا ممنوع ہو، اور کتبِ فقہ میں یہ مقرر ہے کہ جس آدمی کو یہ خوف اور خطرہ ہو کہ جب اس نے پانی کو استعمال کیا تو اس کا مرض بڑھ جائے گا تو وہ تیمم کرے اور فقہاء نے یہ شرط نہیں لگائی کہ اگر اس کو یہ خوف ہو کہ پانی کے استعمال کرنے سے مر جائے گا تب وہ تیمم کرے، اور یہ آیت اپنے اطلاق کی وجہ سے ہر مریض کے لیے تیمم کی اجازت دیتی ہے۔

جس شخص کا سر زخمی ہو اس کے لیے تیمم کے جواز کے متعلق صریح حدیث

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں گئے، ہم میں سے ایک مرد کے سر پر پتھر آ کر لگا جس سے اس کا سر پھٹ گیا، پھر اس مرد کو احتلام ہو گیا، اس نے اپنے اصحاب سے سوال کیا: کیا تم میرے لیے تیمم کرنے کی رخصت پاتے ہو؟ اس کے اصحاب نے کہا: ہم تمہارے لیے تیمم کی رخصت نہیں پاتے جب کہ تم پانی کے استعمال کرنے پر قادر ہو، سو اُس مرد نے غسل کیا پس وہ مر گیا، پھر جب ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تو آپ کو اس واقعہ کی خبر دی گئی، آپ نے فرمایا: ان لوگوں نے اس مرد کو قتل کر دیا، اللہ ان کو قتل کر دے! جب انہیں اس مسئلہ کے حل کا علم نہیں تھا تو انہوں نے سوال کیوں نہیں کیا، کیونکہ جہالت کی شفاء سوال کرنا ہے، اس مرد کے لیے یہ کافی تھا کہ وہ تیمم کرتا اور اپنے زخم پر کپڑا رکھ کر اس پر مسح کر لیتا اور اپنا باقی جسم دھو لیتا۔ (سنن ابوداؤد: ۳۳۲)

عطاء بن ابی رباح بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں ایک مرد زخمی ہو گیا، پھر اس کو احتلام ہو گیا، سو لوگوں نے اس کو غسل کرنے کا حکم دیا، پس اس نے غسل کر لیا سو وہ مر گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک جب یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا: ان لوگوں نے اس کو قتل کر دیا ہے، اللہ ان کو قتل کر دے! کیا لاعلمی کی

شفاء سوال کرنے میں نہیں ہے؟ (سنن ابوداؤد: ۳۳۶، سنن ابن ماجہ: ۵۷۲، المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۱۷۸)

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جو شخص بیمار ہو یا زخمی ہو اور پانی کے استعمال سے اس کے مرض بڑھنے یا اس کی موت کا خطرہ ہو تو اس کے لیے وضو یا غسل کرنا ضروری نہیں ہے، صرف تیمم کر لینا کافی ہے۔

''اَوْ عَلٰى سَفَرٍ'': یا تم سفر میں ہو خواہ سفر طویل ہو یا قصیر ہو۔

ادب کا تقاضا یہ ہے کہ لوگوں سے چھپ کر قضائے حاجت کی جائے

''اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ'' الغائط اس گڑھے کو کہتے ہیں جس میں لوگ قضائے حاجت کرتے ہیں، کیونکہ یہ معروف ہے کہ لوگ قضائے حاجت کرنے کے لیے کسی گڑھے میں جاتے ہیں تاکہ وہ قضائے حاجت کے وقت اپنے آپ کو لوگوں سے چھپائیں اور کسی بلند جگہ پر بیٹھ کر قضائے حاجت نہ کریں، اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ انسان قضائے حاجت کے وقت اکیلا ہو اور یہی اسلام کا ادب ہے۔

عورتوں کو چھونے سے وضو ٹوٹنے کے متعلق ائمہ اربعہ کے مذاہب

''اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ'': اللہ سبحانہٗ کی مراد یہ ہے کہ یا تم نے عورتوں سے جماع کیا ہو، مگر اللہ تعالیٰ نے جماع کو عورتوں کو چھونے اور مس کرنے سے تعبیر فرمایا، کیونکہ اللہ تعالیٰ جماع کو صراحۃً ذکر نہیں فرماتے، حضرت علی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور مجاہد سے مروی ہے کہ قرآنِ مجید میں جہاں لفظِ لمس اور مس وارد ہے تو اس سے مراد جماع ہے اور اس کو حدثِ اکبر کہتے ہیں، ورنہ لمس کا حقیقی معنی ہاتھ سے چھونا ہے اور جس نے لمس کو جماع پر محمول کیا اس نے اس لفظ کے مجازی معنی کا ارادہ کیا اور اصل یہ ہے کہ کلام کو حقیقت پر محمول کیا جائے اور اسی سے امام شافعی نے یہ استدلال کیا ہے کہ عورت کو لمس کرنے یا مس کرنے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے اور امام مالک اور امام احمد نے کہا ہے کہ اگر عورت کو شہوت سے لمس کیا جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں، اور امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا خواہ شہوت سے چھوا ہو، اور اس آیت میں لمس سے مراد جماع ہے نہ کہ ہاتھ سے چھونا۔

تیمم اور پاک مٹی کا معنی

''فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً'': اور تیمم کرنے کا حقیقی سبب یہی ہے کہ آدمی کو پانی میسر نہ ہو، گویا کہ اس آیت میں اس طرح فرمایا گیا ہے کہ یا تم بیمار ہو یا مسافر ہو اور تم کو پانی نہ ملے ''فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا'' تو اس صورت میں تم پاک مٹی سے تیمم کرو، یعنی جب پانی موجود نہ ہو تو تیمم کا قصد کرو، اور پاک زمین پر ہاتھ مار کر اُن ہاتھوں کو چہرے اور ہاتھوں پر پھیرو، اور ''الصعید'' کا معنی ہے: زمین کا چہرہ خواہ مٹی ہو یا کچھ اور ہو، خواہ ایسا پتھر ہو جس پر مٹی نہ ہو۔

جس پتھر پر مٹی نہ ہو اس پتھر سے تیمم کرنے کے جواز کے متعلق مذاہبِ ائمہ

الزجاج نے کہا: اہلِ لغت کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ الصعید زمین کے چہرے کو کہتے ہیں، اور الطیب کا معنی ہے الطاہر، اور تیمم کا لغوی معنی ہے قصد کرنا، اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب تم بیمار ہو یا مسافر ہو یا تم قضائے حاجت کر کے آئے ہو یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو، پھر تم کو پانی نہ ملے جس سے تم وضو کرو یا غسل کرو تو پھر تم پاک مٹی کا قصد کرو، اور یہ اس

پر واضح دلیل ہے کہ پتھر اور چٹان سے بھی تیمم کرنا جائز ہے خواہ اس پر مٹی نہ ہو، اور یہی امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا مسلک ہے۔ اور امام ابو یوسف، امام شافعی اور امام احمد نے کہا: اس وقت تک تیمم کرنا جائز نہیں ہے جب تک کہ اس کے ہاتھ پر کچھ نہ کچھ مٹی نہ لگے۔

تیمم کرنے کا طریقہ

''فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ'': یعنی مٹی یا پتھر پر ہاتھ مار کر اپنے چہروں پر پھیرو اور کلائیوں تک اپنے ہاتھوں پر پھیرو۔

امام بخاری لکھتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید نے کہا: بنجر زمین پر نماز پڑھنے میں اور بنجر زمین سے تیمم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (صحیح البخاری، کتاب التیمم، باب الصعید الطیب وضوء المسلم یکفیہ من الماء)

ابن عبد الرحمٰن بن ابزیٰ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے ہاتھ کو زمین پر مارا، پھر اس سے اپنے چہرہ اور ہتھیلیوں پر مسح فرمایا۔

(صحیح البخاری: ۳۴۳، ۳۳۸، صحیح مسلم: ۳۶۸، سنن نسائی: ۳۱۲، سنن ابوداؤد: ۳۲۲، سنن ابن ماجہ: ۵۶۹، مسند احمد: ۱۸۴۰۳)

عبد الرحمٰن بن ابزیٰ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: الی المرفقین یعنی (تیمم کرتے ہوئے) ہاتھوں پر کہنیوں تک ہاتھ پھیرو۔ (سنن ابوداؤد: ۳۲۴، سنن بیہقی ج ۱ ص ۲۱۰)

''اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝'': اسی لیے اللہ تعالیٰ نے تم کو تیمم کرنے کی رخصت عطاء فرمائی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''کیا آپ نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں آسمانی کتاب سے ایک حصہ دیا گیا تھا، وہ گمراہی کو خریدتے ہیں اور یہ ارادہ کرتے ہیں کہ تم کو بھی سیدھے راستہ سے بہکا دیں ۝'' (النساء: ۴۴)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق توہین آمیز کلام کرنے والوں کو گمراہ قرار دینا

''اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ'':

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت بعض احبار الیہود یعنی اُن کے علماء کے متعلق نازل ہوئی ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم گفتگو فرماتے تو وہ لوگ اپنی زبانوں کو موڑ لیتے تھے اور آپ کی مذمت کرتے تھے، اور وہ لوگ رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کے پاس اور اس کی جماعت کے پاس جاتے تھے، اور اس آیت میں الکتاب سے مراد تورات ہے، اور مِن تبعیض کے لیے ہے یعنی جن لوگوں نے تورات کا تھوڑا سا حصہ حاصل کیا تھا، پھر قرآن مجید نے اُن کی مذمت کی وجہ بیان فرمائی اور بہ طور تعجب فرمایا کہ وہ گمراہی کو خریدتے ہیں، اور اُن کو جو ہدایت دی گئی ہے اس کو چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت کا انکار کرتے تھے جب کہ اُن کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ جس نبی کی تورات میں بشارت دی گئی ہے اس کا مصداق سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جاننے والے ہیں، اور اللہ (تمہارے) کافی حامی ہیں اور اللہ (تمہارے) کافی مددگار ہیں ۝'' (النساء: ۴۵)

''وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ'': اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ کو تمہارے دشمنوں کا بخوبی علم ہے، اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہارے

دشمنوں کی عداوت کی خبر دی ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ اُن کے تمہارے خلاف کیا عزائم ہیں، لہٰذا تم اُن سے محتاط رہو اور اُن سے میل جول نہ رکھو، اللہ تعالیٰ تمہارے تمام معاملات کے اور تمہاری تمام مصلحتوں کے جاننے والے ہیں، اور تمہاری حفاظت فرمانے والے ہیں، اور تمہارے دشمنوں کے خلاف اس کی مدد تمہارے لیے کافی ہے، سو تم اس کی حمایت اور اس کی نصرت پر اعتماد رکھو، سو اس آیت میں وعدا ور وعید ہے اور ترغیب اور ترہیب ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بعض یہودی اصل کلمات کو اُن کی جگہوں سے پھیر دیتے ہیں اور کہتے ہیں: ہم نے سنا اور ہم نے نافرمانی کی، اور (آپ سے کہتے ہیں کہ) آپ اس حال میں سنیے کہ آپ سنائے ہوئے نہ ہوں، اور دین میں طعنہ زنی کرتے ہوئے اپنی زبانوں کو مروڑ کر ''راعنا'' کہتے ہیں، اور اگر وہ یہ کہتے کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اور آپ ہماری بات سنیں اور ہم پر نظرِ رحمت فرمائیں تو یہ اُن کے لیے بہت بہتر اور نہایت درست ہوتا لیکن اللہ نے اُن کے کفر کی وجہ سے اُن پر لعنت فرمائی، پس وہ تھوڑے سے لوگ ایمان لائیں گے O'' (النساء: ۴۶)

یہود کی تورات میں تحریف

''مِنَ الَّذِیۡنَ هَادُوۡا یُحَرِّفُوۡنَ الۡکَلِمَ عَنۡ مَّوَاضِعِهٖ'': بعض یہودی تورات کی آیات کے معانی کو اس کی جگہ سے پھیر دیتے ہیں اور اس میں قصداً تحریف کرتے ہیں، اور جن الفاظ کو اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکریم کے لیے نازل فرمایا تھا اُن کی تعبیر برائی کے ساتھ کرتے ہیں، اور جب آپ اُن کو ایمان کی دعوت دیتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کی بات سن لی اور آپ کے حکم کی نافرمانی کرلی، یعنی وہ تحریف کے ساتھ ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنے عناد کی وجہ سے مخالفت کرتے رہتے، اور جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی بات کا حکم فرماتے تو وہ بہ ظاہر کہتے تھے کہ ہم نے سن لیا اور ان کے دل میں یہ ہوتا تھا کہ ہم نے اس کی نافرمانی کی، اور جب آپ اُن سے خطاب فرما رہے ہوتے تو وہ یہ کہتے کہ آپ سنیے اس حال میں کہ آپ کی بات سنی نہ گئی ہو، اور یہ درحقیقت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بد دعا تھی کہ آپ بہرے ہو جائیں یا فوت ہو جائیں اور وہ آپ کو ''راعنا'' کہتے تھے اور اس کو رعونت سے ماخوذ مانتے تھے جس کا معنی ان کی لغت میں حماقت ہے، اور وہ اپنی زبانوں کو مروڑ کر ایسا کہتے تھے، دین میں طعنہ زنی کے لیے، اور جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتے تو کہتے تھے ''السام علیک یا محمد'' یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ پر موت آئے، اور اس کلام سے یہ ظاہر کرتے تھے کہ وہ آپ کے لیے سلامتی کی دعا کر رہے ہیں، اور وہ یہ کہتے تھے کہ اگر آپ برحق نبی ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری اس بد دعا کی خبر دے دے گا، پس اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ اُن کے دلوں میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کتنی عداوت اور کتنا بغض تھا، اور یہ آپ کی نبوت کے برحق ہونے کی دلیل ہے، کیونکہ غیب کی خبر دینا معجزہ ہے۔ اور اگر یہ لوگ زبان سے یوں کہتے کہ ہم نے آپ کی بات قبول کرنے کے لیے سن لی ہے اور ''عصینا'' کے بجائے ''اطعنا'' کہتے تو یہ ان کے حق میں بہت بہتر ہوتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے کفرِ اختیاری کی وجہ سے ان پر لعنت فرمائی، پس وہ اس کے بعد کم تعداد میں ایمان لائیں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق توہین آمیز الفاظ کو کفر قرار دینا

میں کہتا ہوں: اس آیت سے یہ واضح ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کے متعلق جو الفاظ کہے جائیں اُن الفاظ کے ظاہری معنی پر حکم لگتا ہے اور اس میں نیت کا اعتبار نہیں ہوتا۔ یہودِ مدینہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کے وقت ''راعِنا'' کہتے تھے جس کے معنی اُن کی لغت میں ہیں: اے ہمارے احمق! سو یہ الفاظ توہین آمیز اور کفریہ ہیں خواہ وہ بعد میں اس کی یہ تاویل کریں کہ اس کا وہی معنی ہے جو صحابہ مراد لیتے تھے یعنی ہماری رعایت فرمایئے، تو اس تاویل کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، اور ان الفاظ کے ظاہری معنی کے اعتبار سے اُن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والا قرار دیا جائے گا اور کافر قرار دیا جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنا بالاجماع کفر ہے اور اس کی توبہ قبول کرنے میں ائمہ مذاہب کے مختلف اقوال ہیں خواہ یہ توہین صراحۃً ہو یا کنایۃً ہو یا تعریضاً ہو یا تلویحاً ہو، اسی طرح جو شخص آپ کو بددعا دے یا آپ پر لعنت کرے یا آپ کا برا چاہے یا آپ کے عوارضِ بشریہ میں سے کسی عارض کا ذکر بہ طریقِ طعن یا مذمت کرے، غرض جس شخص سے کوئی ایسا کلام صادر ہو جس سے آپ کی اہانت ظاہر ہو، وہ کفر ہے اور اس کے کلام کو ظاہر اور معروف معنی پر محمول کیا جائے گا اور اس میں اس کی نیت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ ھ لکھتے ہیں:

محمد بن سحنون نے کہا ہے کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کرنے والا اور آپ کی تنقیص کرنے والا کافر ہے اور اس پر عذابِ الٰہی کی وعید جاری ہے اور امت کے نزدیک اس کا حکم قتل کرنا ہے اور جو شخص اس کے کفر اور عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ (الشفاء ج ۲ ص ۱۹۰، عبد التواب اکیڈمی، ملتان)

نیز قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ ھ لکھتے ہیں:

ایک شخص نے کہا: اللہ، رسول اللہ کے ساتھ ایسا ایسا کرے اور بہت قبیح کلام ذکر کیا، اس سے کہا گیا: اے اللہ! کے دشمن تم کیا کہہ رہے ہو؟ تو اس نے اس سے بھی زیادہ شدید قبیح کلام کہا، پھر کہا: میں نے رسول اللہ سے بچھو کی نیت کی (یعنی بچھو بھی اللہ کا بھیجا ہوا ہے)، ابنِ ابی سلیمان نے کہا: اس کو قتل کرنے میں، میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔ اور حبیب بن ربیع نے کہا: لفظِ صریح میں تاویل کا دعویٰ قبول نہیں کیا جاتا۔ (الشفاء ج ۲ ص ۱۹۱، عبد التواب اکیڈمی، ملتان)

نیز قاضی عیاض لکھتے ہیں:

جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے متعلق کوئی بات کہے اور اس کا قصد نہ گالی دینا ہو اور نہ آپ کی توہین کرنا ہو اور نہ وہ اس کا اعتقاد رکھتا ہو، لیکن وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایسا کفریہ کلمہ کہے جس میں لعنت ہو یا گالی ہو یا آپ کی تکذیب ہو یا آپ کی طرف کسی ایسی چیز کی نسبت ہو جو ناجائز ہے اگرچہ اس کے حال سے یہ ظاہر ہو کہ وہ آپ کی توہین کا قصد نہیں کرتا نہ اس پر اعتماد کرتا ہے تو ایسے شخص کا بلاتوقف یہ حکم ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ (الشفاء ج ۲ ص ۲۰۳۔ ۲۰۴، ملخصاً وملتقطاً، عبد التواب اکیڈمی، ملتان)

قاضی عیاض کی اس عبارت کو ملا علی قاری، علامہ خفاجی، علامہ وشتانی مالکی نے بھی مقرر رکھا ہے۔

شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی متوفی ۱۳۲۳ ھ سوال نمبر: ۳۰ کے جواب میں لکھتے ہیں:

سوال: شاعر جو اپنے اشعار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صنم یا بت یا آشوب ترکِ فتنہ ترک عرب مانتے ہیں اس کا کیا حکم ہے، بینوا توجروا

جواب: یہ الفاظِ قبیح بولنے والا اگرچہ معنی حقیقیہ بہ معنی ظاہرہ خود مراد نہیں رکھتا بلکہ معنی مجازی مقصود لیتا ہے مگر تاہم ایہامِ گستاخی، اہانت، واذیت ذاتِ پاک حق تعالیٰ اور جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خالی نہیں، یہی سبب ہے کہ حق تعالیٰ نے لفظ ''راعنا'' سے صحابہ کو منع فرمایا، ''اُنظرنا'' کا لفظ عرض کرنا ارشاد کیا حالانکہ مقصود صحابہ رضی اللہ عنہم ہرگز وہ معنی جو یہود مراد لیتے تھے نہ تھی، مگر ذریعہ شوخی یہود کا اور موہم اذیت و گستاخی جنابِ رسالت کا تھا لہٰذا حکم ہوا ''لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا۔'' پس ان کلماتِ کفر کے لکھنے والے کو منع کرنا شدید چاہیے اور مقدور ہو اگر باز نہ آوے تو قتل کرنا چاہیے کہ موذی و گستاخ شانِ جنابِ کبریا تعالیٰ اور اس کے رسول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم، بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔ (فتاویٰ رشیدیہ، کامل مبوّب، ص ۷۱، ۷۲، ملخصاً محمد سعید اینڈ سنز، کراچی)

شیخ گنگوہی نے اپنے اس طویل فتویٰ میں اس بات کی تصریح کر دی ہے کہ جو کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں موجبِ اہانت ہو اس کا کہنے والا کافر ہے، خواہ کہنے والا اس کفریہ معنی کا ارادہ نہ کرے اور نہ ہی اس کی نیت توہین کی ہو۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے اہلِ کتاب! تم اس پر ایمان لاؤ جس کو ہم نے اس حال میں نازل فرمایا ہے کہ وہ تمہاری (اصل) کتاب کی تصدیق فرمانے والا ہے، اس سے پہلے کہ ہم کچھ چہروں کے نقوش مٹا دیں، پھر اُن کو اُن کی پیٹھوں کی جانب پھیر دیں، یا ہم اُن پر لعنت فرمائیں جیسا کہ ہم نے ہفتہ کے دن (نافرمانی کرنے والوں پر) لعنت فرمائی تھی، اور اللہ کا حکم پورا ہو کر رہتا ہےO'' (النساء: ۴۷)

''يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا'': اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب سے فرمایا ہے کہ اس سے پہلے کہ اللہ تعالیٰ کا تم پر عذاب نازل ہو اور تمہارے چہرے کے نقوش کو مٹا کر یعنی ناک، کان اور بھنویں وغیرہ کو مٹا کر تمہاری پشت پر لگا دیا جائے، یا ہم تم پر اس طرح لعنت کریں جس طرح ہفتہ کے دن نافرمانی کرنے والوں پر لعنت کی تھی، یعنی جس طرح ہم نے ان کے چہرے مسخ کر کے ان کو بندر اور خنزیر بنا دیا تھا۔ اور قیامت قائم ہونے سے پہلے ضرور یہود کے چہروں کے نقوش کو مٹا کر سپاٹ کر دیا جائے گا اور یہود کے چہروں کو مسخ کر دیا جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کی یہود کے ساتھ یہ سنتِ جاریہ رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ یہود کی بعد کی نسلوں سے انتقام لیتے ہیں، کیونکہ وہ اپنے بڑوں کی کارستانیوں پر راضی رہے، اور یہود پر ہر زبان سے ہر زمانہ میں لعنت ہوتی رہی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک اللہ اس کو نہیں معاف فرمائیں گے کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے، اور اس سے کم گناہوں کو اللہ جس کے لیے چاہیں گے معاف فرما دیں گے، اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو بے شک اس نے بہت بڑے گناہ کا بہتان باندھاO'' (النساء: ۴۸)

النساء: ۴۸ میں مسلمانوں کے لیے بشارت کی توجیہ

''اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ'': اس آیت میں شرک سے مراد کفر ہے، یعنی کسی کے کفر کی مغفرت نہیں فرمائی جائے گی، کیونکہ کفر بہت بڑا گناہ ہے اور اس کی سزا مٹائی نہیں جاتی اور اس سے کم گناہ کو معاف فرما دیا جاتا ہے۔

''وَ یَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ '': یعنی اللہ تعالیٰ شرک سے کم گناہ کو معاف فرما دیتے ہیں خواہ وہ گناہِ کبیرہ ہو اور اس پر توبہ نہ کی گئی ہو، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے، لیکن ہر ایک کے لیے نہیں بلکہ اس کے لیے جس کے لیے اللہ تعالیٰ چاہیں۔

معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ شرک اور کبیرہ گناہوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ ان دونوں گناہوں کی توبہ کے ساتھ مغفرت ہو جاتی ہے اور بغیر توبہ کے مغفرت نہیں ہوتی، لیکن انہوں نے اس کا معنی سمجھنے میں خطاء کی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر فرمایا کہ شرک اور کفر کا جرم بہت بڑا ہے اور اس کی مغفرت محال ہے، اس کے برخلاف دوسرے گناہوں کی مغفرت ممکن ہے۔

''وَ مَنۡ یُّشۡرِکۡ بِاللّٰہِ فَقَدِ افۡتَرٰۤی اِثۡمًا عَظِیۡمًا ﴿۴۸﴾ '': یعنی جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی قسم کا بھی شرک کیا، تو اس کے ساتھ قطعی طور پر مغفرت کا حصول ممکن نہیں ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اُن کے نزدیک ''اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ... (النساء: ۴۸)'' سے زیادہ کوئی آیت محبوب نہیں ہے۔ (سنن ترمذی: ۳۰۳۷)

میں کہتا ہوں: اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان اس آیت کو سُن کر خوش ہوئے، کیونکہ مومن جب ایمان پر فوت ہوگا تو اس کو جنت میں دخول کی امید ہوگی خواہ اس کے گناہ بہت زیادہ ہوں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بشارت دی ہے کہ وہ شرک کے علاوہ ہر گناہ کی مغفرت فرما دیں گے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت سے مسلمانوں کی امید منقطع نہیں ہوگی۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) کیا آپ نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنی جانوں کی پاکیزگی ظاہر کرتے ہیں، بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتے ہیں پاکیزہ فرماتے ہیں اور اُن پر ایک دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا O'' (النساء: ۴۹)

تزکیہ کا معنی اور خودستائی کی ممانعت

''اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ یُزَکُّوۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ '': یہ آیت یہود اور نصاریٰ کے متعلق نازل ہوئی ہے جو یہ کہتے تھے کہ جنت میں وہی داخل ہوگا جو یہودی ہو یا نصرانی ہو، اور انہوں نے کہا تھا ''نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰہِ وَ اَحِبَّآؤُہٗ... (المائدہ: ۱۸)'' کہ وہ اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں، اور اس آیت کے عموم میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو اپنا تزکیہ کرتے ہیں اور اپنے آپ کو زیادہ مومن اور زیادہ اطاعت گزار قرار دیتے ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''بَلِ اللّٰہُ یُزَکِّیۡ مَنۡ یَّشَآءُ '': یعنی تم اپنے تقویٰ اور پرہیزگاری کو ظاہر کر کے اپنی تعریف اور تحسین نہ کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں کہ کسی انسان میں کتنا تقویٰ اور کتنی پرہیزگاری ہے، اور تزکیہ کا اصل معنی ہے: اُن کاموں کی نفی کرنا جن کی مذمت کی جاتی ہے۔

''وَ لَا یُظۡلَمُوۡنَ فَتِیۡلًا ﴿۴۹﴾ '': یعنی ان لوگوں کے اس فعلِ قبیح کی بناء پر ان کو عذاب دیا جائے گا اور اس عذاب میں اُن پر ایک دھاگہ کے برابر بھی ظلم نہیں ہوگا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''آپ دیکھیے! وہ کس طرح اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہیں، اور اُن کے علانیہ گناہ کے

لیے (یہی جھوٹ باندھنا) کافی ہےO'' (النساء:۵۰)

''اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝'': اُن کا اللہ تعالیٰ پر بہتان یہ ہے کہ ان کا یہ زعم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک پرہیزگار ہیں اور ان کے گناہ بخشے گئے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اُن کا اپنے متعلق یہ کہنا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں، یہ محض اللہ تعالیٰ پر بہتان اور افتراء ہے جس کی وجہ سے وہ آخرت میں شدید عذاب کے مستحق ہوں گے۔ (المقتطف من عیون التفاسیر، ج ۱ ص ۴۵۱۔۴۵۹، دارالقلم، دمشق، ۱۴۱۶ھ)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَاۗءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۝۵۱

(اے رسولِ اکرم!) کیا آپ نے اُن لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جن کو (آسمانی) کتاب سے حصہ دیا گیا تھا، (وہ اس کے باوجود) بُت اور طاغوت پر ایمان لاتے ہیں اور کافروں سے کہتے ہیں: یہ (کافر) مسلمانوں کی بہ نسبت زیادہ ہدایت پر ہیںO

اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ۝۵۲ۭ

یہ (کافر) وہ ہیں جن پر اللہ نے لعنت فرمائی اور جن پر اللہ لعنت فرمائیں تو آپ ہرگز اس کے لیے کوئی مددگار نہ پائیں گےO

اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ۝۵۳ۙ

کیا اُن کا اس سلطنت میں کوئی حصہ ہے! اگر ایسا ہوتا تو وہ لوگوں کو تھوڑی سی چیز بھی نہ دیتےO

اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰي مَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰھُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ۝۵۴

یا اللہ نے لوگوں کو جو اپنے فضل سے عطاء فرمایا ہے وہ اس پر حسد کرتے ہیں، پس ہم نے آلِ ابراہیم کو کتاب اور حکمت عطاء فرمائی اور اُن کو عظیم سلطنت عطاء فرمائیO

فَمِنْھُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْھُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۭ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ۝۵۵

پس اُن میں سے بعض لوگ ابراہیم پر ایمان لائے اور دوسرے لوگوں نے اُن سے روگردانی کی، اور ان کے لیے بھڑکتی ہوئی دوزخ کافی ہےO

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ۭ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُھُمْ بَدَّلْنٰھُمْ جُلُوْدًا غَيْرَھَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝۵۶

بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کو اختیار کیا، ہم عنقریب اُن کو دوزخ کی آگ میں جھونک دیں گے، جب بھی اُن کی کھالیں جل جائیں گی تو ہم اُن کی جلی ہوئی کھالوں کو دوسری کھالوں سے بدل دیں گے تاکہ وہ ہمیشہ عذاب (کا مزا) چکھتے رہیں، بے شک اللہ بہت غالب، بہت حکمت والے ہیں O

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۫ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ﴿۵۷﴾

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، ہم عنقریب اُن کو ایسی جنتوں میں داخل فرمائیں گے جن کے نیچے سے دریا بہہ رہے ہیں، وہ اُن میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے، اُن کے لیے اُن جنتوں میں پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور ہم اُن کو گھنے سایوں میں داخل فرمائیں گے O

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۵۸﴾

بے شک اللہ تمہیں یہ حکم فرماتے ہیں کہ تم امانت رکھنے والوں کی امانتوں کو اُن کے حوالے کر دیا کرو، اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو، بے شک اللہ تمہیں بہت عمدہ نصیحت فرماتے ہیں، بے شک اللہ سب کچھ سننے والے، سب کچھ دیکھنے والے ہیں O

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۵۹﴾ ع

اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کرو اور تم رسول کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے صاحبانِ حکومت ہیں اُن کی اطاعت کرو، پھر اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اس چیز کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھنے والے ہو، یہ بہت عمدہ حکم ہے اور اس کا انجام بھی سب سے اچھا ہے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) کیا آپ نے اُن لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جن کو (آسمانی) کتاب سے حصہ دیا گیا تھا، (وہ اس کے باوجود) بت اور طاغوت پر ایمان لاتے ہیں اور کافروں سے کہتے ہیں: یہ (کافر) مسلمانوں کی بہ نسبت زیادہ ہدایت پر ہیں O'' (النساء:۵۱)

علامہ الخطیب الشربینی الشافعی المتوفی ۹۷۷ھ النساء: ۵۱ تا ۵۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہودِ مدینہ کا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت میں کفارِ قریش سے ساز باز کرنا

''اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ'': اس آیت میں ''الجبت'' اور ''الطاغوت'' کا ذکر ہے، یہ دونوں مکہ میں قریش کے بُت تھے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ غزوۂ اُحد کی شکست کے بعد کعب بن الاشرف یہودِ مدینہ میں سے ستر (۷۰) سواروں کے ساتھ مکہ روانہ ہوا تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف قریش کی مدد حاصل کرے اور یہودِ مدینہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان جو معاہدہ تھا اس کو توڑ ڈالے، پس کعب بن اشرف ابوسفیان کے پاس ٹھہرا جس نے اس کی عمدہ مہمانی کی اور یہودِ مدینہ قریش کے گھروں میں ٹھہرے، پس اہلِ مکہ نے کعب بن اشرف اور اس کے ساتھی یہودِ مدینہ سے کہا: آپ لوگ اہلِ کتاب ہیں اور (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) صاحبِ کتاب ہیں اور ہم ان سے مطمئن نہیں ہیں، تم ہمارے پاس مدد طلب کرنے کے لیے آئے ہو، سو تم ہمارے بتوں کو سجدہ کرو تاکہ ہم تم سے مطمئن ہو جائیں، سو کعب بن اشرف اور یہودِ مدینہ نے کفارِ قریش کے بتوں کو سجدہ کیا، اور یہی اس آیت کی تفسیر ہے۔

''الجِبْتِ وَالطَّاغُوْت'' کا مصداق

''يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ'': کیونکہ انہوں نے بُتوں کو سجدہ کیا اور ابلیس کی اطاعت کی، پھر ابوسفیان نے کعب بن الاشرف سے کہا: تم ایسے مرد ہو جو کتاب کو پڑھتے ہو اور اس کا علم رکھتے ہو اور ہم لوگ اَن پڑھ ہیں، ہم نہیں جانتے کہ ہم میں سے اور (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کون زیادہ ہدایت پر ہے؟ کعب بن اشرف نے کہا: تم لوگ مجھ پر اپنے دین کو پیش کرو تو ابوسفیان نے کہا: ہم لوگ بیت اللہ کے والی ہیں، حجاج کو پانی پلاتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں، قیدیوں کو چھڑاتے ہیں، رشتہ داروں سے میل جول رکھتے ہیں اور اپنے رب کے گھر کی تعمیر کرتے ہیں اور اس کے گھر کا طواف کرتے ہیں اور ہم حرم کے رہنے والے ہیں، اور (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے آباء کے دین کو ترک کر دیا اور رشتہ داروں سے تعلق توڑ دیا اور حرم سے الگ ہو گئے اور ہمارا دین قدیم ہے اور (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا دین نیا ہے، تب کعب بن الاشرف نے کہا: اللہ کی قسم! تم لوگ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو، اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ۔ (النساء: ۵۱)''۔

''وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۝'':

یعنی جن لوگوں کو کتاب سے حصہ دیا گیا تھا اور وہ کعب بن اشرف اور اس کے اصحاب ہیں، وہ الجبت اور الطاغوت نام کے دو بتوں پر ایمان لاتے ہیں، اور کافروں سے کہتے ہیں یعنی ابوسفیان اور اس کے اصحاب سے کہ تم ایمان والوں سے یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یہ (کافر) وہ ہیں جن پر اللہ نے لعنت فرمائی اور جن پر اللہ لعنت فرمائیں تو آپ ہرگز اس کے لیے کوئی مددگار نہ پائیں گے ○'' (النساء: ۵۲)

''اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ'': یعنی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اپنی رحمت سے دور فرما دیا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''کیا اُن کا اس سلطنت میں کوئی حصہ ہے! اگر ایسا ہوتا تو وہ لوگوں کو تھوڑی سی چیز بھی نہ دیتےO'' (النساء: ۵۳)

''اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ'':

یہودِ مدینہ کا یہ زعم تھا کہ عنقریب سلطنت انہیں مل جائے گی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اور اگر یہودِ مدینہ سلطنت کے مالک ہو جاتے تو وہ لوگوں کو تھوڑی سی چیز بھی نہ دیتے۔

اس آیت میں ''نقیر'' کا لفظ ہے، نقیر کھجور کی گٹھلی کے اوپر چھلکے کو کہتے ہیں اور کسی چیز کی قلت میں اس کی مثال دی جاتی ہے۔ اور مُلک سے مراد یا تو دنیا کی سلطنت ہے یا اس سے مراد اللہ کا مُلک اور اس کی سلطنت ہے، جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ۔۔۔ (بنی اسرائیل: ۱۰۰)'' (آپ کہیے: اگر تم لوگ میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو تم ان خزانوں کے ختم ہونے کے ڈر سے ان کو بالکل خرچ نہ کرتے)۔

اس آیت میں یہودِ مدینہ کے بُخل کا مبالغہ کے ساتھ ذکر فرمایا ہے کہ اگر یہودِ مدینہ ملک اور سلطنت کے مالک ہو جاتے تو وہ کسی کو کھجور کی گٹھلی کے اوپر چھلکے کے برابر بھی کوئی چیز نہ دیتے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یا اللہ نے لوگوں کو جو اپنے فضل سے عطاء فرمایا ہے وہ اس پر حسد کرتے ہیں، پس ہم نے آلِ ابراہیم کو کتاب اور حکمت عطاء فرمائی اور اُن کو عظیم سلطنت عطاء فرمائیO'' (النساء: ۵۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حبالہ عقد میں متعدد ازواج کے شمول پر یہود کے اعتراض کا جواب

''اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ'':

یعنی یہ لوگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حسد کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ میں اپنے فضل سے تمام اولین اور آخرین کے فضائل کو جمع فرما دیا ہے، آپ کو نبوت عطاء فرمائی اور کتاب عطاء فرمائی اور نصرت عطاء فرمائی اور غلبہ عطاء فرمایا اور کثرتِ ازواج عطاء فرمائیں، اور وہ یہ تمنا کرتے ہیں کہ یہ فضائل آپ سے زائل ہو جائیں، اور وہ کہتے تھے کہ اگر آپ سچے نبی ہوتے تو بیویوں کے ساتھ مشغول نہ ہوتے۔

''فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ'':

پس ہم نے ابراہیم کو جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جدِ امجد ہیں اور اور آلِ ابراہیم میں سے موسیٰ کو اور داؤد کو اور سلیمان کو کتاب عطاء فرمائی اور حکمت عطاء فرمائی اور اُن کو مُلکِ عظیم عطاء فرمایا، تو یہ کوئی بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بھی ایسے فضائل عطاء فرمائے، کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کی ننانوے (۹۹) بیویاں تھیں، اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک ہزار (۱۰۰۰) بیویاں تھیں جن میں سے تین سو (۳۰۰) آزاد عورتیں تھیں اور سات سو (۷۰۰) باندیاں تھیں، دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت میں ''الناس'' سے مراد تمام لوگ ہیں، تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد عرب ہیں۔ اور یہود اُن سے اس لیے حسد کرتے تھے کہ جس نبی کا اُن سے وعدہ

کیا گیا تھا وہ اُن میں سے مبعوث ہونے کے بجائے عرب میں سے مبعوث ہو گئے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس اُن میں سے بعض لوگ ابراہیم پر ایمان لائے اور دوسرے لوگوں نے اُن سے روگردانی کی، اور ان کے لیے بھڑکتی ہوئی دوزخ کافی ہے O'' (النساء: ۵۵)

''فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ صَدَّ عَنۡهُ'':

پس بعض یہود سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور اُن کے اصحاب، اور بعض یہود میں سے وہ تھے جنہوں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روگردانی کی، پس وہ آپ پر ایمان نہیں لائے، اُن لوگوں کے لیے جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب کافی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کو اختیار کیا، ہم عنقریب اُن کو دوزخ کی آگ میں جھونک دیں گے، جب بھی اُن کی کھالیں جل جائیں گی تو ہم اُن کی جلی ہوئی کھالوں کو دوسری کھالوں سے بدل دیں گے تاکہ وہ ہمیشہ عذاب (کا مزا) چکھتے رہیں، بے شک اللہ بہت غالب، بہت حکمت والے ہیں O'' (النساء: ۵۶)

دوزخ میں کافروں کی جلی ہوئی کھالوں کو دوسری کھالوں سے بدلنے پر اعتراض کا جواب

''كُلَّمَا نَضِجَتۡ جُلُوۡدُهُمۡ بَدَّلۡنٰهُمۡ جُلُوۡدًا غَيۡرَهَا'':

روایت ہے کہ یہ آیت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے پڑھی گئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پڑھنے والے سے فرمایا: اس آیت کو دوبارہ پڑھو، سو اس نے اس آیت کو دوبارہ پڑھا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اس وقت حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے، پس حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے پاس اس آیت کی تفسیر ہے، اللہ تعالیٰ ایک ساعت میں سو مرتبہ اُن کی کھال کو تبدیل فرمائے گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی طرح سنا ہے۔

پس اگر یہ سوال کیا جائے کہ اُن کی تبدیل شدہ کھالوں کو کیسے عذاب دیا جائے گا حالانکہ وہ کھالیں دنیا میں نہیں تھیں اور نہ اُن کھالوں نے کوئی معصیت کی تھی؟

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ جس کھال کو تبدیل کیا جائے گا تو وہ اُن کافروں کی پہلی کھال ہوگی، اور فرمایا ہے: ''جُلُوۡدًا غَيۡرَهَا'' یعنی اصل کھال باقی رہے گی اور اس کی صفات تبدیل ہوتی رہیں گی۔

نیز روایت ہے کہ دوزخ میں کافر کے دو کندھوں کے درمیان تیز رفتار سوار کی تین دن کی مسافت کا فاصلہ ہوگا۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ کافر کی ڈاڑھ کی دوزخ میں اُحد پہاڑ جتنی جسامت ہوگی، اور اس کی کھال کی موٹائی تین دن کی مسافت ہوگی۔

میں کہتا ہوں: اس حدیث پر بھی یہ اعتراض ہے کہ دنیا میں کافروں کے دو کندھوں کا درمیانی فاصلہ اور اُن کی ڈاڑھ کی جسامت اتنی نہیں تھی، سو اب دوزخ میں اُن کے جن وسیع وعریض کندھوں اور جتنی جسیم ڈاڑھ کو عذاب دیا جائے گا اُن کندھوں اور اس ڈاڑھ

کے ساتھ تو کفار نے گناہ نہیں کیے تھے، لہٰذا اس سے تعذیب بلا معصیت لازم آئے گی؟
اس کا جواب یہ ہے کہ کفار کے انہی کندھوں اور اسی ڈاڑھ کو عذاب دیا جائے گا اور ان کی جسامت کو اُن کی قباحت ظاہر کرنے کے لیے بڑھا دیا جائے گا جیسے دنیا میں کبھی انسان کا جسم بہت پھول جاتا ہے اور کبھی بہت سکڑ جاتا ہے لیکن یہ وہی جسم ہوتا ہے۔
(سعیدی غفرلہٗ)

''لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ'':
یعنی تاکہ وہ عذاب کی شدت کو قیاس کریں اور ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی کھال کے بدلہ میں ایک اور کھال پیدا فرما دے گا اور حقیقت میں عذاب ہر حال میں اس کے گنہگار نفس کو ہوگا جو اس کے بدن کے ساتھ قائم ہے، کیونکہ اس کا نفس ہی ادراک کرنے والا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، ہم عنقریب اُن کو ایسی جنتوں میں داخل فرمائیں گے جن کے نیچے سے دریا بہہ رہے ہیں، وہ اُن میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے، اُن کے لیے اُن جنتوں میں پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور ہم اُن کو گھنے سایوں میں داخل فرمائیں گے O'' (النساء: ۵۷)

''وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا'':
اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے عذاب کا ذکر فرمایا تھا، اب اُس کے بعد مومنین کے اجر وثواب کا ذکر فرما رہے ہیں۔

''لَهُمْ فِيْهَا اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ'': یعنی مومنین کے لیے جنت میں ایسی بیویاں ہوں گی جو حیض اور گندگی سے پاک ہوں گی۔
''وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ۝'': یعنی ہم اُن کو ایسی کشادہ جگہ میں داخل فرمائیں گے جس میں کبھی بھی تنگی نہیں ہوگی، وہاں اُنہیں سورج کی گرمی نہیں پہنچے گی۔ اور نہ کسی دن اُن کو زیادہ ٹھنڈک پہنچے گی بلکہ وہ جگہ انتہائی اعتدال میں ہوگی اور وہی جگہ جنت کا سایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہمارے محبین کو اس سائے میں انبیاء اور صدیقین کے ساتھ رکھیں۔ آمین

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک اللہ تمہیں یہ حکم فرماتے ہیں کہ تم امانت رکھنے والوں کی امانتوں کو اُن کے حوالے کردیا کرو، اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو، بے شک اللہ تمہیں بہت عمدہ نصیحت فرماتے ہیں، بے شک اللہ سب کچھ سننے والے، سب کچھ دیکھنے والے ہیں O'' (النساء: ۵۸)

عثمان بن طلحہ کعبہ کی چابیاں واپس کرنے کی حدیث خصوصیتِ مورد ہے لیکن اس کے حکم کا عام ہونا

''اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا'':
یہ خطاب تمام مکلفین کے لیے عام ہے، یہ آیت عثمان بن طلحہ بن عبدالدار کے متعلق نازل ہوئی ہے، جب کعبہ کا دروازہ بند کردیا گیا تھا تو وہ کعبہ کی چھت پر چڑھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے کعبہ کی چابیاں طلب فرمائیں تاکہ آپ کعبہ کے اندر

داخل ہوں، تو انہوں نے آپ کو کعبہ کی چابیاں دینے سے انکار کیا اور کہا کہ اگر مجھے یہ یقین ہوتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو میں آپ کو چابیاں دینے سے منع نہ کرتا، تب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُن کا ہاتھ مروڑا اور اُن سے چابیاں لے لیں اور کعبہ کا دروازہ کھول دیا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کے اندر داخل ہوئے اور اس میں دو رکعت نماز پڑھی، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ سے باہر نکلے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ کعبہ کی چابیاں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو دے دیں اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے لیے جس طرح کعبہ میں پانی پلانے کا منصب ہے اسی طرح کعبہ کے دروازے کی حفاظت کا منصب بھی اُن کے پاس آجائے، تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: ''اِنَّ اللّٰهَ یَاۡمُرُکُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَهۡلِهَا'' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیا کہ کعبہ کے دروازے کی چابی عثمان بن طلحہ کو دے دیں، اور کعبہ کی چابی چھیننے پر معذرت کریں، پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کیا۔ عثمان بن طلحہ نے کہا: آپ نے پہلے مجھ پر جبر کر کے چابیاں چھین لیں، پھر اب آپ نرمی کر کے چابیاں واپس کر رہے ہیں؟ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے متعلق قرآن مجید کی آیت نازل فرمائی ہے، اور عثمان بن طلحہ کے سامنے وہ آیت پڑھی: ''اِنَّ اللّٰهَ یَاۡمُرُکُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَهۡلِهَا'' تب عثمان بن طلحہ نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور بے شک محمد اللہ کے رسول ہیں، تب حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی کہ کعبہ کے دروازے کی چابیاں ہمیشہ عثمان بن طلحہ کے پاس رہیں گی، پس جب حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی تو آپ نے وہ چابیاں اُن کے بھائی شیبہ کو عطاء فرمادیں، پس کعبہ کی چابیاں ہمیشہ اُن کے پاس رہیں اور قیامت تک انہیں کی اولاد میں رہیں گی، پس یہ آیت اگرچہ ایک خاص سبب کے متعلق نازل ہوئی ہے لیکن اس آیت کا عموم معتبر ہے کیونکہ اس آیت میں جمع کے صیغہ کے ساتھ خطاب ہے۔

(تفسیر الطبری ج ۷ ص ۱۷۰۔۱۷۱، دار عالم الکتب، ریاض ۱۴۳۴ھ تفسیر القرآن العظیم للحافظ ابن کثیر الدمشقی ج ۱ ص ۵۸۴، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۹ھ، السراج المنیر ج ۱ ص ۴۸۶۔۴۸۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

عثمان بن طلحہ سے کعبہ کی چابیاں چھیننے کی روایت پر صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کا تبصرہ

بعض مفسرین نے ''اِنَّ اللّٰهَ یَاۡمُرُکُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَهۡلِهَا۔۔۔ (النساء: ۵۸)'' کے شانِ نزول میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے کہ فتح مکہ کے وقت سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن طلحہ خادمِ کعبہ سے کعبۂ معظمہ کی کلید لے لی، پھر جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے وہ کلید انہیں واپس کر دی اور فرمایا کہ اب یہ کلید ہمیشہ تمہاری نسل میں رہے گی، اس پر عثمان بن طلحہ حجبی اسلام لائے، اگرچہ یہ واقعہ تھوڑے تغیّرات کے ساتھ بہت سے محدثین نے ذکر کیا ہے مگر احادیث پر نظر کرنے سے یہ قابلِ وثوق نہیں معلوم ہوتا کیونکہ ابنِ عبد اللہ اور ابن مندہ اور ابن اثیر کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عثمان بن طلحہ آٹھ (۸) ہجری میں مدینہ طیبہ حاضر ہو کر مشرّف بہ اسلام ہو چکے تھے (صحیح یہ ہے کہ وہ صلح حدیبیہ ۶ ہجری کے ایام میں اسلام لائے تھے۔ سعیدی غفرلہٗ) اور انہوں نے فتح مکہ کے روز کنجی خود اپنی خوشی سے پیش کی تھی، بخاری و مسلم کی حدیثوں سے یہی مستفاد ہوتا ہے۔

(خزائن العرفان ص ۱۷۱، مجلس المدینۃ العلمیہ، کراچی ۱۴۳۲ھ)

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کی تحقیق کی تائید

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، عثمان بن طلحہ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

عثمان بن طلحہ صلح حدیبیہ کے ایام (۶ ہجری) میں اسلام لائے اور اُن کے ساتھ خالد بن الولید نے بھی ہجرت کی تھی اور وہ فتح مکہ (۸ ہجری) کے موقعہ پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے عثمان بن طلحہ کو کعبہ کی چابی عطا فرمائی۔

اور صحیح البخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کعبہ میں داخل ہوئے اور آپ کے ساتھ حضرت بلال، حضرت عثمان بن طلحہ اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ اور ثعلبی کی تفسیر میں بغیر سند کے ''اِنَّ اللّٰهَ يَاۡمُرُكُمۡ ... (النساء: ۵۸)'' کی تفسیر میں مذکور ہے کہ عثمان بن طلحہ فتح مکہ کے دن اسلام لائے جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن کو بیت اللہ کی چابی دی تھی۔ (الکشف والبیان المعروف تفسیر الثعلبی ج ۳ ص ۳۳۲، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۲ھ)، اور یہ تفسیر مُنکر ہے اور معروف یہ ہے کہ وہ صلح حدیبیہ (۶ ہجری) کے ایام میں حضرت عمرو بن العاص اور حضرت خالد بن الولید کے ساتھ اسلام لائے تھے۔

(الاصابہ جزو ۴ ص ۳۷۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ، اُسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ لابن اثیر جزو ۳ ص ۵۷۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

تنبیہ: بعض روایات میں جو مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عثمان بن طلحہ حجبی سے کعبہ کی چابیاں جبراً چھین لی تھیں، یہ صحیح نہیں ہے اگرچہ علامہ آلوسی حنفی نے اس کو امام طبرانی اور ثعلبی اور البغوی اور الواحدی اور حافظ ابن کثیر کی روایات سے ثابت کیا ہے اور اس پر وارد ہونے والے اعتراضات کے جوابات دیے ہیں۔ (روح المعانی ج ۴ ص ۹۳، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

امام طبرانی کی روایت کا متن

حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ اپنی سند کے ساتھ از امام عبدالرزاق از معمر از الزہری روایت کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: میرے پاس کعبہ کی چابی لاؤ تو انہوں نے چابی لانے میں دیر کردی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کھڑے ہوئے اُن کا انتظار کر رہے تھے حتیٰ کہ آپ سے پسینہ بہنے لگا، آپ فرما رہے تھے: عثمان بن طلحہ کو کس نے روک لیا اور وہ عورت جس کے پاس کعبہ کی چابی تھی وہ حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کی ماں تھیں، وہ کہہ رہی تھیں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تم سے کعبہ کی چابی لے لی تو پھر تم کو وہ چابی کبھی نہیں دیں گے، پھر حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ اپنی ماں سے چابی کا مطالبہ کرتے رہے حتیٰ کہ عثمان بن طلحہ کی ماں نے اُن کو چابی دے دی اور عثمان بن طلحہ اُس چابی کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس گئے (یعنی حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو چابی لانے میں اس لیے دیر ہوئی کہ اُن کی ماں چابی دینے میں پس و پیش کر رہی تھیں)، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کعبہ کا دروازہ کھولا، پھر کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور پھر باہر آئے اور صحابہ آپ کے ساتھ تھے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پانی پلانے کی جگہ بیٹھ گئے، اس وقت حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! بے شک ہم کو نبوت عطاء کی گئی ہے اور ہم کو حجاج کو پانی پلانے کا منصب عطاء کیا گیا ہے اور اب ہم کو کعبہ کی دربانی بھی عطاء فرما دی گئی ہے اور کسی قوم کو بھی ہم سے زیادہ حصہ نہیں ملا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن کی بات کو ناپسند فرمایا، پھر آپ نے حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور اُن کو کعبہ کی چابی دے دی اور فرمایا: تم اس چابی کو غائب کردو۔ امام عبدالرزاق نے کہا کہ میں نے یہ حدیث ابن عیینہ کو بیان کی، انہوں

نے کہا: مجھے ابنِ جریج نے از ابن ابی مُلیکہ خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس دن حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: میں نے تم کو پانی پلانے کا منصب عطاء فرمایا ہے اور تم کو بیت اللہ کی حفاظت اور دربانی کا منصب نہیں عطاء فرمایا۔

(المعجم الکبیر: ۸۳۹۵، داراحیاء التراث العربی، بیروت، حافظ نورالدین الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ لکھتے ہیں: امام طبرانی کی یہ روایت مُرسل ہے (کیونکہ الزہری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے) اور اس روایت کے رجال صحیح ہیں اور اس حدیث کی امام عبدالرزاق نے مصنف عبدالرزاق: ۹۰۷۳ میں روایت کی ہے۔ مجمع الزوائدج ۶ ص ۱۷۷)

(میں کہتا ہوں: اس روایت میں یہ مذکور نہیں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے جبراً کعبہ کی چابی چھین لی تھی اور علامہ آلوسی نے جو طبرانی کے حوالہ سے یہ لکھا ہے سو وہ غلط ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

عدل کے ساتھ فیصلہ کرنے کی فضیلت

''وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ'': یعنی جب تم اُن لوگوں کے درمیان کوئی فیصلہ کرو جن میں تمہارا حکم نافذ ہوگا تو تم عدل کے ساتھ فیصلہ کرنا، کیونکہ یہ بہت عظیم نیکی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس دن اللہ کے سائے کے سوا کسی کا سایا نہیں ہوگا اس دن سات مرد اللہ کے سائے میں ہوں گے: اُن میں سے پہلا شخص امام عادل ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۶۰، صحیح مسلم: ۱۰۳۱، سنن ترمذی: ۲۳۹۱، سنن نسائی: ۵۳۸۰، مسند احمد: ۹۳۷۳، موطا امام مالک: ۱۷۷)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کرو اور تم رسول کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے صاحبانِ حکومت ہیں اُن کی اطاعت کرو، پھر اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اس چیز کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھنے والے ہو، یہ بہت عُمدہ حکم ہے اور اس کا انجام بھی سب سے اچھا ہے O'' (النساء:۵۹)

''اولوا الامر'' کا مصداق

''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ'':

یعنی اے ایمان والو! ایمان کا اقرار کرو اور اللہ تمہیں جس چیز کا حکم فرمائیں اس پر عمل کرو، اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز کا تمہیں حکم فرمائیں اس پر عمل کرو اور حکمرانوں کے حکم پر عمل کرو خواہ حکمران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کوئی حکم دیں یا آپ کے بعد کوئی حکم دیں، اور اس میں خلفاء اور القضاۃ اور لشکر کے اُمراء داخل ہیں۔

حاکم کی اطاعت کے متعلق متعدد احادیث

روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مرد کے اوپر حاکم کے حکم کو سننا اور اُس کی اطاعت کرنا واجب ہے خواہ حاکم کا حکم اس کی پسند کے مطابق ہو یا اُس کی پسند کے مطابق نہ ہو جب تک کہ وہ حاکم کسی معصیت کا حکم نہ دے، اور جب حاکم کسی معصیت کا حکم دے تو نہ اس کا حکم سنو اور نہ اس کی اطاعت کرو۔ (سنن ابوداؤد: ۲۶۲۶، سنن ترمذی: ۱۸۳۹)

نیز روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا: اللہ سے ڈرو اور رشتہ داروں سے میل جول رکھو اور پانچ نمازیں پڑھو، اور رمضان کے مہینہ کے روزے رکھو اور اپنے اموال کی زکوٰۃ ادا کرو، اور حاکم جب تمہیں حکم دے تو اس کی اطاعت کرو، پس تم اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ (سنن ترمذی: ۶۱۶، مسند احمد: ۲۱۶۵۷)

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی اقتداء کے متعلق احادیث

ایک قول یہ ہے کہ اس آیت میں ''اولوالامر'' سے مراد حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اُن لوگوں کی اقتداء کرو جو میرے بعد ہیں اور وہ ابوبکر اور عمر ہیں۔

(سنن ترمذی: ۳۶۶۲، ۳۸۰۵، سنن ابن ماجہ: ۹۷، مسند احمد: ۲۳۲۷۴، ج ۵ ص ۳۸۲، سنن بیہقی ج ۵ ص ۲۱۲، ۸، المستدرک ج ۳ ص ۷۵، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۵۳، مشکوٰۃ: ۶۲۲۱، کامل لابن عدی ج ۲ ص ۶۶۶، ۷۹۷، الضعفاء للعقیلی ج ۴ ص ۹۵، مسند الحمیدی: ۹۴۹، مسند ابوحنیفہ: ۱۳۱، طبرانی ج ۹ ص ۶۸، کنز العمال: ۳۲۶۵۶، ۳۲۶۴۶)

کتاب وسنت کی تصریحات کا اجتہاد پر مقدم ہونا

''فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ'':

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدتِ حیات میں جن مسائل میں تمہارا اختلاف ہو جائے، اُن کو آپ کے سپرد کر دو اور آپ کی وفات کے بعد اُن مسائل کو آپ کی سنت کی طرف لوٹا دو، اور اگر کتاب وسنت میں وہ مسائل مل جائیں تو اُن کی طرف اُن مسائل کو لوٹانا واجب ہے، اور اگر کتاب وسنت میں نہ ملیں تو پھر اس کا طریقہ اجتہاد ہے۔

(السراج المنیر ج ۱ ص ۴۸۳۔۴۸۸، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ یَزۡعُمُوۡنَ اَنَّهُمۡ اٰمَنُوۡا بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَحَاكَمُوۡۤا اِلَی الطَّاغُوۡتِ وَقَدۡ اُمِرُوۡۤا اَنۡ یَّكۡفُرُوۡا بِهٖ ؕ وَیُرِیۡدُ الشَّیۡطٰنُ اَنۡ یُّضِلَّهُمۡ ضَلٰلًۢا بَعِیۡدًا ﴿۶۰﴾

(اے رسولِ اکرم!) کیا آپ نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس پر ایمان لے آئے جو آپ کی طرف نازل فرمایا گیا ہے اور جو آپ سے پہلے نازل فرمایا گیا ہے، وہ یہ ارادہ کرتے ہیں کہ اپنے مقدمے کو شیطان کی طرف لے جائیں حالانکہ انہیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ شیطان کا انکار کریں، اور شیطان یہ ارادہ کرتا ہے کہ وہ اُن کو بہت دور کی گمراہی میں مبتلاء کر دے O

وَاِذَا قِیۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا اِلٰی مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَاِلَی الرَّسُوۡلِ رَاَیۡتَ الۡمُنٰفِقِیۡنَ یَصُدُّوۡنَ عَنۡكَ صُدُوۡدًا ۚ﴿۶۱﴾

اور جب اِن لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کی طرف اور اس کے رسول کی طرف تو آپ منافقین کو دیکھتے

ہیں وہ آپ سے مونہہ موڑ کر کتراتے ہوئے نکل جاتے ہیں O

فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴿۶۲﴾

پس اس وقت اُن کا کیا حال ہوگا جب ان کے ہاتھوں سے کیے ہوئے کرتوتوں کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت آ ئے گی، پھر یہ آپ کے پاس اللہ کی قسم کھاتے ہوئے آئیں گے (اور کہیں گے:) ہمارا تو بھلائی اور باہمی موافقت کے سوا کوئی ارادہ نہیں تھا O

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا ﴿۶۳﴾

یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ ان کے دلوں کی ہر بات جانتا ہے، سو آپ ان سے چشم پوشی کیجئے اور ان کو نصیحت کیجئے اور ان کو تنہائی میں وضاحت سے سمجھا دیجئے O

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾

اور ہم نے ہر رسول کو صرف اس لیے بھیجا ہے کہ اللہ کے حکم سے اس کی فرمانبرداری کی جائے، اور اگر وہ کبھی اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھتے تو اچانک آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے، پس وہ اللہ سے استغفار کرتے اور رسول بھی ان کے لیے استغفار کرتے، تو وہ ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول فرمانے والے، بے حد رحم فرمانے والے پاتے O

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۶۵﴾

پس (اے رسولِ اکرم!) آپ کے رب کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ آپس کے ہر جھگڑے میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر آپ کے کیے ہوئے فیصلے کے خلاف اپنے دلوں میں کوئی تنگی بھی نہ پائیں (اور اس فیصلے کو) خوشی سے قبول کر لیں O

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿۶۶﴾

اور اگر ہم اُن پر یہ فرض فرما دیتے کہ اپنی جانوں کو قتل کر دو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو ان میں سے چند لوگوں کے سوا کوئی اس حکم

پر عمل نہ کرتا، اور اگر یہ اُس پر عمل کرتے جس کی انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو یہ ان کے لیے بہت بہتر ہوتا اور ایمان پر قائم رکھنے میں زیادہ مضبوط ہوتا ○

وَّاِذًا لَّاٰتَيۡنٰهُمۡ مِّنۡ لَّدُنَّاۤ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ﴿۶۷﴾

اور اس وقت ہم اِن کو اپنے پاس سے اجرِ عظیم عطاء فرماتے ○

وَّلَهَدَيۡنٰهُمۡ صِرَاطًا مُّسۡتَقِيۡمًا ﴿۶۸﴾

اور ہم ضرور اِن کو سیدھے راستے پر چلاتے ○

وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيۡقِيۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيۡنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيۡقًا ﴿۶۹﴾

اور جو لوگ اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کریں، تو وہ لوگ (آخرت میں) اُن لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے جو انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین ہیں، اور یہ کیسے اچھے ساتھی ہیں! ○

ذٰلِكَ الۡفَضۡلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيۡمًا ﴿۷۰﴾

یہ اللہ کی جانب سے فضل ہے اور اللہ کافی ہیں، سب کچھ جاننے والے ○

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”(اے رسولِ اکرم!) کیا آپ نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس پر ایمان لے آئے جو آپ کی طرف نازل فرمایا گیا ہے اور جو آپ سے پہلے نازل فرمایا گیا ہے، وہ یہ ارادہ کرتے ہیں کہ اپنے مقدمے کو شیطان کی طرف لے جائیں حالانکہ انہیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ شیطان کا انکار کریں، اور شیطان یہ ارادہ کرتا ہے کہ وہ اُن کو بہت دور کی گمراہی میں مبتلاء کردے ○“ (النساء: ۶۰)

امام ابومحمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، النساء: ۶۰ تا ۶۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ نہ ماننے والے کا فیصلہ یہ ہے اس کی زندگی کا فیصلہ کردیا جائے

”اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ يَزۡعُمُوۡنَ اَنَّهُمۡ اٰمَنُوۡا“: عامر اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی اور ایک منافق کا آپس میں کسی بات میں جھگڑا تھا، پس منافق فیصلے کے لیے یہود کو بلاتا تھا کیونکہ اس کو علم تھا کہ یہود رشوت لے کر فیصلہ کردیتے ہیں، اور یہودی فیصلے کے لیے مسلمانوں کو بلاتا تھا کیونکہ یہودی کو علم تھا کہ مسلمان رشوت نہیں لیتے، سو وہ دونوں اس پر متفق ہوگئے کہ جہینہ کے کسی کاہن کو حاکم بنایا جائے، تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: ”اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ يَزۡعُمُوۡنَ اَنَّهُمۡ اٰمَنُوۡا“۔

(تفسیر الطبری ج ۷ ص ۱۷۹، اسباب النزول للواحدی ص ۱۱۹، الدر المنثور ج ۲ ص ۱۷۸)

''يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت میں طاغوت سے مراد ایک یہودی ہے جس کا نام کعب بن الاشرف تھا۔ اور جب اُن کو یہ دعوت دی جاتی کہ اپنے جھگڑوں کے فیصلے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جاؤ تو وہ کہتے: ہم کعب بن الاشرف سے فیصلہ کرائیں گے۔

مجاہد اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ ایک منافق اور ایک یہودی کے درمیان کسی بات پر جھگڑا ہو گیا، منافق نے کہا: چلو کعب بن اشرف سے فیصلہ کرائیں، یہودی نے کہا: چلو نبی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے فیصلہ کرائیں۔

(تفسیر الطبری ج ۷ ص ۱۹۲ ـ ۱۹۳ تفسیر ابن ابی حاتم: ۵۵۴۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بشر نام کے ایک منافق اور ایک یہودی کے درمیان کوئی جھگڑا تھا تو یہودی نے کہا: (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف چلو اور منافق نے کہا: بلکہ کعب بن اشرف کی طرف چلو، اور کعب بن اشرف وہی شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے طاغوت فرمایا ہے، پس یہودی نے اصرار کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف چلو، جب منافق نے اس کے اصرار کو دیکھا تو اس کے ساتھ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں چلا گیا، پس رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہودی کے حق میں فیصلہ فرما دیا، پھر جب وہ دونوں آپ کی مجلس سے نکلے تو منافق نے کہا: چلو (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) سے فیصلہ کراتے ہیں، پس وہ دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو یہودی نے بتایا کہ میرا اور اس کا جھگڑا ہوا، ہم (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس گئے تو آپ نے میرے حق میں فیصلہ فرما دیا، یہ شخص آپ کے فیصلے سے راضی نہیں ہوا اور اس نے یہ زعم کیا کہ وہ آپ سے فیصلہ کرائے، تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس منافق سے پوچھا: کیا اسی طرح واقعہ ہوا ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے ان دونوں سے فرمایا کہ تم دونوں ٹھہرو حتیٰ کہ میں تمہارے پاس آؤں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر گئے اور تلوار اٹھائی اور باہر آ کر اس منافق کا سر اڑا دیا حتیٰ کہ وہ ٹھنڈا ہو گیا اور فرمایا: جو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کو نہ مانے اس کا یہی فیصلہ ہے، تب یہ آیت نازل ہوئی: ''اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا''۔ اور حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کر دیا ہے، اس دن سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام فاروق ہو گیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جب اِن لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کی طرف اور اس کے رسول کی طرف تو آپ منافقین کو دیکھتے ہیں وہ آپ سے مونہہ موڑ کر کتراتے ہوئے نکل جاتے ہیں ○ پس اس وقت اُن کا کیا حال ہو گا جب ان کے ہاتھوں سے کیے ہوئے کرتوتوں کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت آئے گی، پھر یہ آپ کے پاس اللہ کی قسم کھاتے ہوئے آئیں گے (اور کہیں گے:) ہمارا تو بھلائی اور باہمی موافقت کے سوا کوئی ارادہ نہیں تھا ○'' (النساء: ۶۱ ـ ۶۲)

''فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ'': اس آیت میں جس مصیبت کا ذکر ہے اس سے مراد ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس منافق کو قتل کر دینا، پھر اُس منافق کے اہل نے اس کی دیت یعنی خون بہا کا مطالبہ کیا اور انہوں نے کہا کہ ہم نے جو آپ کے فیصلہ سے عدول کر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف مقدمہ لے جانے کا کہا تھا، اس سے ہماری مراد صرف یہ تھی کہ ہم کو صحیح فیصلہ حق

کے مطابق حاصل ہو جائے اور ہم نے اپنے اس رجوع کرنے سے صرف نیکی کا ارادہ کیا تھا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ ان کے دلوں کی ہر بات جانتے ہیں، سو آپ اِن سے چشم پوشی کیجئے اور اِن کو نصیحت کیجئے اور اِن کو تنہائی میں وضاحت سے سمجھا دیجئے O'' (النساء: ۶۳)

''اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ یَعۡلَمُ اللّٰہُ مَا فِیۡ قُلُوۡبِھِمۡ'': یعنی اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کے نفاق کو جانتے ہیں، سو آپ ان کی معذرت سے اعراض کیجئے اور ان کو زبان سے نصیحت کیجئے، یعنی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایئے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم نے ہر رسول کو صرف اس لیے بھیجا ہے کہ اللہ کے حکم سے اس کی فرمانبرداری کی جائے، اور اگر وہ کبھی اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھتے تو اچانک آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے، پس وہ اللہ سے استغفار کرتے اور رسول بھی ان کے لیے استغفار کرتے، تو وہ ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول فرمانے والے، بے حد رحم فرمانے والے پاتے O'' (النساء: ۶۴)

''وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰہِ'': کیونکہ رسول کی اطاعت اللہ کے حکم سے ثابت ہے۔

''وَلَوۡ اَنَّھُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡٓا'' کی تفسیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تکریم کے متعلق مفسرین کی تصریحات

''وَلَوۡ اَنَّھُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡٓا اَنۡفُسَھُمۡ جَآءُوۡکَ'': اور اگر انہوں نے طاغوت کو اپنا حَکَم بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کر لیا تھا تو وہ آپ کے پاس آ جاتے۔

(۱) علامہ شرف الدین الحسین بن عبداللہ الطیبی المتوفی ۷۴۳ھ، النساء: ۶۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اِن منافقین کی سخت تشنیع صرف اس وجہ سے کی گئی ہے کہ انہوں نے آپ کو حَکَم بنانے کے حکم کو ترک کر دیا اور طاغوت کو حَکَم بنایا، اس لیے فرمایا کہ یہ منافقین اس ظلمِ عظیم کے باوجود اگر توبہ کر لیتے اور آپ سے معذرت کرتے اور آپ کی شفاعت کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ضرور اُن کی توبہ کو قبول فرما لیتے، کیونکہ ہم نے آپ کو صرف اسی لیے بھیجا ہے کہ آپ کی اطاعت کی جائے اور آپ کی ہرگز مخالفت نہ کی جائے۔ اس آیت میں آپ کے پیروکاروں کی تعظیم ہے اور آپ کی مخالفت کرنے والوں کی سخت مذمت ہے۔ (فتوح الغیب فی الکشف عن قناع الریب، حاشیۃ الطیبی علی الکشاف، ج ۵ ص ۶۴، الامارات العربیۃ المتحدۃ، دبئی ۱۴۳۴ھ)

(۲) علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی المالکی المتوفی ۶۶۸ھ، النساء: ۶۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ابوصادق نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تدفین سے فارغ ہوئے تو اس کے تین دن بعد ہمارے پاس ایک اعرابی آیا، اس نے اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قبر مبارک پر گرا دیا اور اس نے اپنے سر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قبر کی مٹی ڈالی، پس اس نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا اور ہم نے آپ کا ارشاد سنا اور ہم نے اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے دلوں میں یاد رکھا، اور آپ پر جو قرآن نازل کیا گیا اس میں یہ آیت ہے: ''وَلَوۡ اَنَّھُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡٓا اَنۡفُسَھُمۡ جَآءُوۡکَ۔'' اور بے شک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے اور میں آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں تا کہ آپ میرے

لیے مغفرت طلب کریں تو قبر سے آواز آئی: بے شک تجھے بخش دیا گیا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن، جز ۵ ص ۲۵۵، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

(۳) علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی المتوفی ۷۱۰ھ، النساء: ۶۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قبرِ انور میں دفن ہونے کے بعد ایک اعرابی آیا اور اس نے اپنے آپ کو آپ کی قبر شریف پر گرادیا اور اپنے سر پر آپ کی قبر مبارک کی مٹی ڈالی اور کہا: یارسول اللہ! آپ نے فرمایا تھا اور ہم نے سنا تھا اور آپ پر جو قرآن نازل کیا گیا اس میں یہ مذکور تھا: ''وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ جَآءُوۡكَ۔'' اور بے شک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے اور میں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں، اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ پر استغفار کرتا ہوں، سو آپ بھی اپنے رب سے میرے لیے استغفار کریں تو آپ کی قبر شریف سے یہ آواز دی گئی ''قَدۡ غُفِرَ لَكَ'' (تمہاری مغفرت کردی گئی)۔

(مدارک التنزیل ج ا ص ۳۷۰، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

(۴) علامہ محمد بن یوسف الشہیر بابی حیان الاندلسی الغرناطی المتوفی ۷۵۴ھ، النساء: ۶۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین کے تین دن کے بعد ایک اعرابی آیا، اس نے اپنے آپ کو آپ کی قبرِ انور پر گرادیا اور آپ کی قبرِ انور کی مٹی آپ کے سر پر ڈالی اور پھر یہ اشعار پڑھے:

یاخیر من دفنت بالقاع اعظمه	فطاب من طیبهن القاع والاکم
اے وہ جو اُن سب سے افضل ہیں جن کی ہڈیاں پست زمین میں دفن کی گئی ہیں	پس اُن ہڈیوں کی خوشبو سے وہ زمین اور ٹیلے خوشبودار ہوگئے
نفسی الفداء للقبر انت ساکنه	فیه العفاف وفیه الجود والکرم
میری جان اس قبر پر قربان ہو جس میں آپ سکونت پذیر ہیں	اس قبر میں معصیت سے پاکیزگی ہے اور اس میں سخاوت ہے اور کرم ہے

پھر کہا: یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم، آپ نے فرمایا، سو ہم نے آپ کا قول سنا اور ہم نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کو یاد رکھا، اور جو آپ پر قرآن نازل کیا گیا ہے، اس میں یہ آیت ہے: ''وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ جَآءُوۡكَ۔۔۔ الآیۃ'' اور بے شک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور میں اپنے گناہ پر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوا آیا ہوں، سو آپ میرے لیے میرے رب سے مغفرت طلب کیجیے، پس قبر سے آواز آئی: ''بے شک تمہاری مغفرت کردی گئی''۔

(البحر المحیط فی التفسیر ج ۳ ص ۶۹۴، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۲ھ)

(۵) الحافظ ابن کثیر الدمشقی الشافعی المتوفی ۷۷۴ھ، النساء: ۶۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ جَآءُوۡكَ۔۔۔ الآیۃ'' میں اللہ تعالیٰ نے نافرمانوں اور گناہگاروں کو یہ ہدایت دی ہے کہ جب اُن سے کوئی خطاء اور نافرمانی ہوجائے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آجائیں اور آپ کے پاس آکر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں اور اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کریں کہ اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت فرمادیں، کیونکہ جب وہ ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ اُن کی توبہ قبول

فرمائیں گے اور اُن پر رحم فرمائیں گے اور اُن کی مغفرت فرمادیں گے، اسی لیے فرمایا: ''لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ''۔

اور ایک جماعت نے ذکر کیا ہے اور اُن میں سے الشیخ ابومنصور الصباغ نے اپنی کتاب ''الشامل'' میں العتبی کی مشہور حکایت لکھی ہے، العتبی کہتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کے پاس بیٹھا ہوا تھا پس ایک اعرابی آیا، سو اُس نے کہا: ''السلام علیک یا رسول اللہ!'' میں نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو سنا ہے: ''وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ... (النساء: ۶۴)'' اور میں آپ کی بارگاہ میں اپنے گناہ کی مغفرت طلب کرنے کے لیے آیا ہوں اور میں اپنے رب کی طرف آپ کی شفاعت طلب کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں، پھر اس نے یہ اشعار پڑھے:

یاخیر من دفنت بالقاع اعظمه ۔۔۔ فطاب من طیبهن القاع والاکم

اے وہ جو اُن سب سے افضل ہیں جن کی ہڈیاں پست زمین میں دفن کی گئی ہیں ۔۔۔ پس اُن ہڈیوں کی خوشبو سے وہ زمین اور ٹیلے خوشبودار ہو گئے

نفسی الفداء للقبر انت ساکنه ۔۔۔ فیه العفاف وفیه الجود والکرم

میری جان اس قبر پر قربان ہو جس میں آپ سکونت پذیر ہیں ۔۔۔ اس قبر میں معصیت سے پاکیزگی ہے اور اس میں سخاوت ہے اور کرم ہے

پھر وہ اعرابی لوٹ گیا اور میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، پس میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواب میں زیارت کی، آپ نے فرمایا: اے عتبی! اس اعرابی سے ملو اور اس کو یہ بشارت دو کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت فرمادی ہے۔

(تفسیر القرآن العظیم ج ۱ ص ۵۸۹، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

(۶) امام فخر الدین محمد بن عمر الرازی الشافعی المتوفی ۶۰۶ھ، النساء: ۶۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا یہ بات نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے اور صحیح توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول ہو جاتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ سے استغفار کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استغفار کو ملانے کا کیا فائدہ ہے؟، اس سوال کے چند جوابات ہیں:

(الف) منافقین نے جو طاغوت کو حَکَم بنایا تھا، اس میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت بھی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے ادبی بھی ہے اور آپ کے دل میں غم کو ڈالنا ہے اور جس کا گناہ اس طرح ہو تو اس پر واجب ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معذرت کرے، اس وجہ سے اُن پر واجب تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے لیے مغفرت کو طلب کرتے۔

(ب) جب منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر راضی نہیں ہوئے تو اُن سے سرکشی اور عناد کا ظہور ہوا، اس لیے اُن پر واجب ہوا کہ وہ ایسا کام کریں جس کے سبب سے اُن سے وہ سرکشی زائل ہو بایں طور کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور آپ سے استغفار کو طلب کریں۔

(ج) جب اُن منافقین نے توبہ کی تو اُن کی توبہ میں کمی تھی، جب اس توبہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اُن کے لیے استغفار کرنا مل گیا تو اس توبہ کا مقبول ہونا محقق ہو گیا۔

(تفسیر کبیر ج ۴ ص ۱۲۶، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ، اللباب فی علوم الکتاب لابی حفص الحنبلی المتوفی ۸۸۰ھ ج ۶ ص ۴۶۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۱ء)

(۷) صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی المتوفی ۱۳۶۷ھ، النساء: ۶۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات شریف کے بعد ایک اعرابی روضۂ اقدس پر حاضر ہوا اور روضۂ شریفہ کی خاک اپنے سر پر ڈالی اور عرض کرنے لگا: یارسول اللہ! جو آپ نے فرمایا وہ ہم نے سنا، اور جو آپ پر نازل ہوا اس میں یہ آیت بھی ہے: ''وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا'' میں نے بے شک اپنی جان پر ظلم کیا اور میں آپ کے حضور اللہ سے اپنے گناہ کی بخشش چاہنے حاضر ہوا ہوں تو آپ میرے رب سے میرے گناہ کی بخشش کرائیے، اس پر قبر شریف سے نداء آئی کہ تیری بخشش کی گئی۔

(خزائن العرفان مع کنز الایمان ص ۱۷۳، مجلس المدینۃ العلمیہ، کراچی ۱۴۳۲ھ)

(۸) علامہ مصطفیٰ الخیری الحصنی المنصوری الحنفی المتوفی ۱۳۹۰ھ، النساء: ۶۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکریم ہے اور آپ کے استغفار کی تعظیم ہے اور اس پر تنبیہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکارم میں سے یہ ہے کہ آپ توبہ قبول کرنے والے کا عذر قبول فرماتے ہیں خواہ اس کا جرم کتنا ہی عظیم کیوں نہ ہو۔

(المقتطف من عیون التفاسیر ج ۱ ص ۴۶۹، دار القلم، دمشق، ۱۴۱۶ھ)

(۹) حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی متوفی ۱۳۹۱ھ، النساء: ۶۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور کی بارگاہ وہ شفاء خانہ ہے جس میں ہر بیماری کی دوا ہے، کسی محروم کو واپس نہیں کیا جاتا خواہ کوئی آنے والا ہو، خیال رہے کہ ہمارے پاس حضور کا تشریف لانا اور ہے اور ہمارا حضور کی بارگاہ میں حاضر ہونا کچھ اور ہے۔

(حاشیہ نور العرفان ص ۱۳۸، ادارہ کتب اسلامیہ، گجرات، پاکستان)

(۱۰) مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ، النساء: ۶۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ آیت اگرچہ خاص واقعہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے، لیکن اس کے الفاظ سے ایک عام ضابطہ نکل آیا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور آپ اس کے لیے دعائے مغفرت فرما دیں، اس کی مغفرت ضرور ہو جائے گی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضری جیسے آپ کی دنیوی حیات کے زمانہ میں ہو سکتی تھی، اسی طرح آج بھی روضۂ اقدس پر حاضری اسی حکم میں ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دفن کر کے فارغ ہوئے تو اس کے تین روز بعد ایک گاؤں والا آیا، اور قبر شریف کے پاس آ کر گر گیا اور زار زار روتے ہوئے آیتِ مذکورہ کا حوالہ دے کر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں وعدہ فرمایا ہے کہ اگر گنہگار، رسول کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور رسول اس کے لیے دعائے مغفرت کر دیں تو اس کی مغفرت ہو جائے گی، اس لئے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ میرے لئے مغفرت کی دعاء کریں، اس وقت جو لوگ حاضر تھے ان کا بیان ہے کہ اس کے جواب میں روضۂ اقدس کے اندر سے یہ آواز آئی ''قَدْ غُفِرَ لَكَ'' یعنی مغفرت کر دی گئی ہے۔

(معارف القرآن ج ۲ ص ۴۶۹۔۴۶۰، ادارۃ المعارف، کراچی، ۱۴۱۴ھ)

(۱۱) جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری متوفی ۱۴۱۸ھ، النساء: ۶۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی اے رحمتِ مجسّم! اگر یہ دنیا بھر کے قصور کر کے اور اپنی جانوں پر طرح طرح کے ظلم توڑنے کے بعد بھی نادم و تائب ہو کر

تیرے حضور میں حاضر ہوں تو ان پر اپنا درِ کرم باز رکھ۔ جب ان کی شفاعت و بخشش و رستگاری کے لیے تیرا ہاتھ میری بارگاہِ جود وعطاء میں اٹھے گا تو خواہ وہ کتنے گنہ گار رُوسیاہ اور بدکار کیوں نہ ہوں تیرے رب کی رحمت اُن کو مایوس نہیں کرے گی بلکہ ان کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور ان بیگانوں کو اپنا بنا لیا جائے گا۔ حضورِ اکرم، شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ برکت حضور کی ظاہری زندگی تک محدود نہ تھی بلکہ تا ابد ہے۔ اہل دل اور اہل نظر ہر لحہ اور ہر آن اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ الکریم سے مروی ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ حضور کے وصال کے تین روز بعد ایک اعرابی ہمارے پاس آیا اور فرطِ رنج وغم سے مزارِ پُرانوار پر گر پڑا اور خاک پاک کو اپنے سر پر ڈالا اور عرض کرنے لگا: اے اللہ کے رسول! جو آپ نے فرمایا: ہم نے سنا، جو آپ نے اپنے رب سے سیکھا وہ ہم نے آپ سے سیکھا اور اسی میں یہ آیت بھی تھی: ''وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا'' میں نے اپنی جان پر بڑے بڑے ستم کیے ہیں، اب تیری بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں۔ اے سراپا شفقت ورحمت! میری مغفرت کے لیے دعاء فرمایئے۔ ''فنودی من القبر انه قد غفرلك'' (القرطبی) تو مرقدِ منور سے آواز آئی تجھے بخش دیا گیا۔

(ضیاء القرآن ج ۱ ص ۳۵۹۔ ۳۶۰، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، کراچی۔ جولائی ۲۰۱۱ء)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس (اے رسولِ اکرم!) آپ کے رب کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ آپس کے ہر جھگڑے میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر آپ کے کیے ہوئے فیصلے کے خلاف اپنے دلوں میں کوئی تنگی بھی نہ پائیں (اور اس فیصلے کو) خوشی سے قبول کر لیں ○'' (النساء: ۶۵)

''فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ'':

عروہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا ایک انصاری سے جھگڑا ہوا کہ سیاہ پتھریلی زمین کے نالے سے (کون پہلے اپنے باغ میں پانی دے گا)، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے زبیر! (پہلے تم پانی لے لو)، پھر پانی تم اپنے پڑوسی کی طرف چھوڑ دو، تب انصاری نے کہا: یارسول اللہ! آپ یہ اس لیے فرما رہے ہیں کہ یہ آپ کی پھوپھی کے بیٹے ہیں! پھر آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا، آپ نے فرمایا: اے زبیر! تم پانی کو روک لو حتیٰ کہ وہ دیواروں کی طرف پلٹ جائے، پھر وہ پانی اپنے پڑوسی کی طرف چھوڑ دو، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے لیے اپنے صریح حکم سے اپنا حق پورا کر دیا جب انصاری نے آپ کو غضب ناک کیا، آپ نے اُن دونوں کی طرف ایسے حکم کا اشارہ کیا تھا جس میں دونوں کے لیے گنجائش تھی، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: میں یہی گمان کرتا ہوں کہ یہ آیت اس معاملہ میں نازل ہوئی ہے: ''فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ۔۔۔ (النساء: ۶۵)''۔

اس انصاری نے کہا: ''کیونکہ وہ آپ کی پھوپھی کے بیٹے ہیں'': حضرت زبیر رضی اللہ عنہ آپ کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبد المطلب کے بیٹے تھے، اس انصاری کا مطلب یہ تھا کہ چونکہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ آپ کی پھوپھی کے بیٹے ہیں اس لیے آپ نے اُن کے لیے پہلے پانی دینے کا فیصلہ فرمایا تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ فیصلہ فرمایا جس میں انصاری کی گنجائش نہیں تھی۔

''آپ نے اُن دونوں کی طرف اشارہ کیا تھا'': یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابتداء میں ایسا فیصلہ فرمایا تھا جس میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور اُس انصاری دونوں کے لیے گنجائش تھی، آپ نے بہ طورِ مصالحت توسّعاً یہ فیصلہ فرمایا تھا، پھر جب اُس انصاری نے اس فیصلے

کو قبول نہیں کیا جو اُن کا حق تھا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ فیصلہ فرمایا جس میں انصاری کی گنجائش نہیں تھی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اگر ہم اُن پر یہ فرض فرما دیتے کہ اپنی جانوں کو قتل کر دو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو اِن میں سے چند لوگوں کے سوا کوئی اس حکم پر عمل نہ کرتا، اور اگر یہ اُس پر عمل کرتے جس کی انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو یہ اِن کے لیے بہت بہتر ہوتا اور ایمان پر قائم رکھنے میں زیادہ مضبوط ہوتا O'' (النساء:۶۶)

الامام ابو اسحاق احمد المعروف بالامام الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ، النساء:۶۶ تا ۷۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ'':

حسن بصری اور مقاتل نے کہا ہے: جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر اور حضرت عمار اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم اور بعض دیگر صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا اور اُن کی تعداد کم تھی: اللہ کی قسم! اگر اللہ ہمیں یہ حکم فرمائیں کہ تم اپنے آپ کو قتل کرو تو ہم اپنے آپ کو قتل کر دیں گے، پس اللہ کے لیے حمد ہے جس نے ہم کو عافیت میں رکھا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک جب اُن کی یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا: بے شک میری امت میں سے چند ایسے مرد ہیں کہ اُن کے دلوں میں ایمان پہاڑوں سے زیادہ مرکوز ہے۔

(کشف البیان:۳۶۷، کنز العمال:۳۴۵۷۳)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اس وقت ہم اِن کو اپنے پاس سے اجرِ عظیم عطاء فرماتے O'' (النساء:۶۷)

''وَاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝'':

یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت شدید محبت رکھتے تھے اور آپ کو دیکھے بغیر انہیں صبر نہیں آتا تھا، سو وہ ایک دن آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن کا جسم متغیر تھا یعنی اُن کے چہرے سے دُکھ اور غم ظاہر ہو رہا تھا، ان کے جسم کا گوشت کم ہو گیا تھا، انہیں دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: اے ثوبان! کس چیز نے تمہارے چہرے کا رنگ متغیر کر دیا؟، انہوں نے جواب دیا: یا رسول اللہ! مجھے نہ کوئی بیماری ہے نہ کوئی درد ہے، بات یہ ہے کہ میں آپ سے بہت محبت کرتا ہوں، جب میں آپ کو نہیں دیکھتا تو مجھے آپ کو دیکھنے کا شدید اشتیاق ہوتا ہے اور مجھے وحشت اور گھبراہٹ ہوتی ہے حتیٰ کہ میں آپ سے ملاقات کر لوں، پھر مجھے آخرت یاد آتی ہے اور مجھے خوف ہوتا ہے کہ میں وہاں آپ کی زیارت نہیں کر سکوں گا، کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ آپ تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بہت اونچے درجے میں ہوں گے، اور میں اگر اللہ کے فضل اور آپ کی شفاعت سے جنت میں داخل ہو بھی گیا تو میں تو جنت کے کہیں نچلے درجہ میں ہوں گا، اور اگر میں جنت میں داخل نہیں ہوں گا تو پھر کبھی آپ کو نہیں دیکھ سکوں گا، سو اس فکر اور پریشانی نے مجھے دُبلا کر دیا ہے۔ (کشف البیان:۳۶۸)

اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ میں اس کے نزدیک اس کی جان سے، اس کے ماں باپ سے، اس کے اہل سے اور اس کی اولاد سے حتیٰ کہ تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ (کشف البیان:۳۶۹)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ہم ضرور اِن کو سیدھے راستے پر چلاتے O'' (النساء:۶۸)

''وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا'': یعنی جو ایمان والے اللہ تعالیٰ کے حکم پر جان دینے کے لیے تیار رہتے ہیں، اُن کو ضرور اللہ تعالیٰ صراطِ مستقیم پر قائم رکھتے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جو لوگ اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کریں، تو وہ لوگ (آخرت میں) اُن لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے جو انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین ہیں، اور یہ کیسے اچھے ساتھی ہیں! O'' (النساء: ۶۹)

''وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ'':
قتادہ اور مسروق بن الاجدع نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب نے کہا: ہم تو صرف دنیا میں ہی آپ کی زیارت کر سکتے ہیں، اور رہی آخرت، تو آپ تو ہم سے بہت اونچے درجے میں ہوں گے، ہم وہاں آپ کو نہیں دیکھ سکیں گے، تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: ''وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ''۔

عکرمہ نے بیان کیا: ''النَّبِيّٖنَ'' سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور ''وَالصِّدِّيْقِيْنَ'' سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور ''وَالشُّهَدَآءِ'' سے مراد حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم ہیں اور ''الصّٰلِحِيْنَ'' سے مراد باقی اصحاب ہیں۔

''وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا'': یعنی ان کی جنت میں دائما رفاقت رہے گی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یہ اللہ کی جانب سے فضل ہے اور اللہ کافی ہیں، سب کچھ جاننے والے O''

(النساء: ۷۰)

''ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ'': اس آیت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر دلیل ہے، کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب اپنے اولیاء کے مراتب کا ذکر فرمایا تو سب سے پہلے اُن کا ذکر فرمایا جو سب سے اعلیٰ ہیں اور وہ نبیین ہیں، پس سب سے اونچا اور بلند مرتبہ انبیاء علیہم السلام کے لیے ہے اور کوئی شخص اُن پر مقدم نہیں ہوسکتا۔ پھر دوسرا مرتبہ صدیقین کا ذکر فرمایا، اور انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کوئی صدیقین پر مقدم نہیں ہوسکتا، اور مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام صدیق ہے جیسے مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ ہمارے نبی کا نام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، اور آپ کا نام محمد ہونے میں کوئی غلطی نہیں ہوسکتی، اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام صدیق ہونے میں بھی کوئی غلطی نہیں ہوسکتی، پس جب یہ صحت سے ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ صدیق ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اُن کا دوسرا مرتبہ ہے، وہ ''ثانی اثنین فی الغار'' ہیں، تو اُن پر بھی کوئی مقدم نہیں ہوسکتا۔ اور انہوں نے یہ جو درجہ حاصل کیا ہے وہ کسی اطاعت کی وجہ سے حاصل نہیں کیا بلکہ محض اللہ کے فضل سے حاصل کیا۔

(معالم التنزیل ج ۱ ص ۶۵۴-۶۵۸، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ، الکشف والبیان ج ۱ ص ۳۴۱-۳۴۲، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿۷۱﴾

اے ایمان والو! اپنے دفاع کے ہتھیاروں کو اکٹھا کر لو، پھر دشمن کی طرف جماعت بہ جماعت کی صورت میں بڑھو یا سب اکٹھے ہو کر نکلو O

وَاِنَّ مِنۡكُمۡ لَمَنۡ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنۡ اَصَابَتۡكُمۡ مُّصِيۡبَةٌ قَالَ قَدۡ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَىَّ اِذۡ لَمۡ اَكُنۡ مَّعَهُمۡ شَهِيۡدًا ﴿۷۲﴾

اور بے شک تم میں بعض ایسے لوگ موجود ہیں جو دشمن کی طرف بڑھنے میں ضرور تاخیر کریں گے، پھر اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچ جائے تو وہ کہیں گے کہ اللہ نے مجھ پر احسان فرمایا کہ میں اس لڑائی میں ان کے ساتھ موجود نہیں تھا O

وَلَئِنۡ اَصَابَكُمۡ فَضۡلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوۡلَنَّ كَاَنۡ لَّمۡ تَكُنۡۢ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيۡتَنِىۡ كُنۡتُ مَعَهُمۡ فَاَفُوۡزَ فَوۡزًا عَظِيۡمًا ﴿۷۳﴾

اور اگر تمہیں اس جنگ میں اللہ کا فضل (مالِ غنیمت) حاصل ہو جائے تو وہ گویا بہ طورِ بیگانگی ضرور بہ ضرور کہیں گے: کاش! میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو بڑی کامیابی حاصل کر لیتا O

فَلۡيُقَاتِلۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ الَّذِيۡنَ يَشۡرُوۡنَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا بِالۡاٰخِرَةِ ؕ وَمَنۡ يُّقَاتِلۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ فَيُقۡتَلۡ اَوۡ يَغۡلِبۡ فَسَوۡفَ نُـؤۡتِيۡهِ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ﴿۷۴﴾

پس ان لوگوں کو اللہ کی راہ میں اُن لوگوں سے لڑنا چاہیے جو آخرت کے عوض دنیا کی زندگی کو فروخت کرتے ہیں، اور جو لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں پھر خواہ وہ (دشمن کے ہاتھوں) قتل کر دیے جائیں یا (دشمن پر) غالب آ جائیں (ہر صورت میں) ہم ان کو عظیم اجر عطا فرمائیں گے O

وَمَا لَـكُمۡ لَا تُقَاتِلُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَالۡمُسۡتَضۡعَفِيۡنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالۡوِلۡدَانِ الَّذِيۡنَ يَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اَخۡرِجۡنَا مِنۡ هٰذِهِ الۡقَرۡيَةِ الظَّالِمِ اَهۡلُهَا ۚ وَاجۡعَلۡ لَّنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ وَلِيًّا ۙۚ وَّاجۡعَلۡ لَّنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ نَصِيۡرًا ﴿۷۵﴾

اور (اے مسلمانو!) تم اللہ کی راہ میں اور مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے کمزوروں کی خاطر کیوں نہیں لڑتے؟ جو دعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے باہر نکال دیں جس کے لوگ ظالم ہیں، اور ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی حامی بنا دیں اور ہمارے لیے اپنے پاس سے مددگار بنا دیں O

اَلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا يُقَاتِلُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يُقَاتِلُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ

الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ؏ (۷۶)

جو ایمان والے ہیں وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، اور جنہوں نے کفر کو اختیار کیا وہ شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں، سو (اے مسلمانو!) تم شیطان کے مددگاروں سے لڑو، بے شک شیطان کی خفیہ تدبیر کمزور ہے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! اپنے دفاع کے ہتھیاروں کو اکٹھا کرلو، پھر دشمن کی طرف جماعت بہ جماعت کی صورت میں بڑھو یا سب اکٹھے ہو کر نکلو O'' (النساء: ۷۱)

کفار کے خلاف لڑائی میں منافقین کا کردار

امام ابواللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، النساء: ۷۱ تا ۷۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا (۷۱)'':

یعنی تم اپنی لڑائی کے ہتھیاروں کو تیار رکھو، پھر دشمن کے خلاف متعدد لشکروں کی صورت میں بڑھو یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام لوگ مل کر بڑھو، الزجاج نے کہا ہے ''ثُبات'' سے مراد جماعتِ متفرقہ ہے، اس کی تاویل یہ ہے کہ متفرق جماعتوں کی صورت میں بڑھو یا ایک دوسرے کے ساتھ سب مل کر بڑھو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بے شک تم میں بعض ایسے لوگ موجود ہیں جو دشمن کی طرف بڑھنے میں ضرور تاخیر کریں گے، پھر اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچ جائے تو وہ کہیں گے کہ اللہ نے مجھ پر احسان فرمایا کہ میں اس لڑائی میں ان کے ساتھ موجود نہیں تھا O'' (النساء: ۷۲)

''وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ'': اس آیت میں مومنین سے خطاب ہے کہ تم میں ضرور بہ ضرور ایسے لوگ موجود ہیں جن پر اللہ کی راہ میں لڑنے کے لیے نکلنا دشوار ہوگا اور وہ جہاد کرنے سے پیچھے ہٹ جائیں گے اور وہ منافقین ہیں۔

''فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا (۷۲)'':

یعنی اے مسلمانو! اگر دشمن سے لڑتے ہوئے تمہیں کبھی شکست کا سامنا ہو جائے تو تم میں جو منافقین تھے اور وہ جہاد کرنے سے پیٹھ موڑ کر نکل گئے تھے، وہ کہیں گے کہ ہم نے جو جہاد نہیں کیا اور پیٹھ موڑ کر بیٹھے رہے تو یہ ہم پر اللہ کا بڑا احسان ہے کہ ہم اس لڑائی میں حاضر نہیں تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اگر تمہیں اس جنگ میں اللہ کا فضل (مالِ غنیمت) حاصل ہو جائے تو وہ گویا بہ طورِ بیگانگی ضرور بہ ضرور کہیں گے: کاش! میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو بڑی کامیابی حاصل کر لیتا O''

(النساء: ۷۳)

''وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ'': اور اے مسلمانو! اگر تم جہاد میں فتح یاب ہو

جاؤ اور تمہیں مالِ غنیمت مل جائے تو وہ منافقین تم سے بیگانگی کا اظہار کرتے ہوئے ضرور کہیں گے:

''يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا'': کاش ہم بھی اس لڑائی میں اِن مسلمانوں کے ساتھ ہوتے تو ہمیں بھی بہ کثرت مالِ غنیمت حاصل ہو جاتا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس اِن لوگوں کو اللہ کی راہ میں اُن لوگوں سے لڑنا چاہیے جو آخرت کے عوض دنیا کی زندگی کو فروخت کرتے ہیں، اور جو لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں پھر خواہ وہ (دشمن کے ہاتھوں) قتل کر دیے جائیں یا (دشمن پر) غالب آجائیں (ہر صورت میں) ہم ان کو عظیم اجر عطا فرمائیں گے ○'' (النساء: ۷۴)

''فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ'':

یعنی اِن لوگوں کو تمہارے ساتھ مل کر اُن لوگوں سے لڑنا چاہیے جو دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں۔

''وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا'':

یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کفار کے خلاف قتال کرتے ہیں، پھر خواہ وہ شہید ہو جائیں یا دُشمن پر غالب ہو کر اُن کو شکست دے دیں ہر صورت میں ہم اُن کو اجرِ عظیم عطا فرمائیں گے یعنی جنت عطاء فرمائیں گے، اور مسلمان اللہ کی راہ میں لڑتے ہوئے خواہ غالب ہوں یا خواہ مغلوب ہوں، دونوں صورتوں میں اُن کو ثواب ملے گا۔ الضحاک نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: جو اتنی دیر بھی اللہ کی راہ میں لڑا جتنی دیر میں اونٹنی کا دودھ دوہا جاتا ہے تو اس کے تمام گناہوں کو معاف فرما دیا جائے گا اور اُس کے لیے جنت واجب ہو جائے گی۔

اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کی فضیلت میں احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اللہ اس کا ضامن ہے کہ جو شخص اللہ کی راہ میں گھر سے نکلا اور اس کا گھر سے نکلنا صرف مجھ پر ایمان اور میرے رسولوں کی تصدیق کی وجہ سے تھا کہ میں اس کو اس کے حاصل کردہ اجر یا مالِ غنیمت کے ساتھ لوٹاؤں یا اُس کو جنت میں داخل کروں، اور اگر میں اپنی امت پر دشوار نہ سمجھتا تو میں کسی لشکر کے پیچھے بیٹھا نہ رہتا اور میں اس کو ضرور پسند کرتا ہوں کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں، پھر میں زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں۔

(صحیح البخاری: ۳۶، ۲۷۹۷، ۲۹۷۲، ۷۲۲۶، ۷۲۲۷، ۷۴۵۷، ۷۴۶۳، صحیح مسلم: ۱۸۷۶، سنن نسائی: ۵۰۴۵، سنن ابن ماجہ: ۲۷۵۳، مسند ابوعوانہ ج ۵ ص ۱۳، سنن بیہقی ج ۹ ص ۳۹، مسند احمد ج ۲ ص ۳۹۹ طبع قدیم، مسند احمد: ۹۱۸۷ ج ۱۵ ص ۱۰۰، موسسۃ الرسالہ، بیروت)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مثال (اور اللہ ہی خوب جاننے والے ہیں کہ کون اُس کی راہ میں جہاد کرنے والا ہے) اُس شخص کی طرح ہے جو دن میں روزہ رکھتا ہو اور رات کو نماز میں قیام کرتا ہو، اور جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے اس کے لیے اللہ اس بات کے ضامن ہو گئے کہ اُس کی موت کے وقت اس کو جنت میں داخل فرما دیں گے، یا اُس کو جہاد سے صحیح سلامت اجر اور مالِ غنیمت کے ساتھ لوٹا دیں گے۔

(صحیح البخاری: ۲۷۸۷، صحیح مسلم: ۱۸۷۸، سنن نسائی: ۳۱۲۴، سنن ابن ماجہ: ۲۷۵۴، موطا امام مالک: ۹۷۳، شرح السنہ: ۲۶۰۶، صحیح ابن حبان:

۴۶۲۲، مسند ابو یعلی: ۵۸۴۵، سنن بیہقی ج ۹ ص ۱۵۸)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے مسلمانو!) تم اللہ کی راہ میں اور مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے کمزوروں کی خاطر کیوں نہیں لڑتے؟ جو دعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے باہر نکال دیں جس کے لوگ ظالم ہیں، اور ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی حامی بنادیں اور ہمارے لیے اپنے پاس سے مددگار بنادیں O'' (النساء: ۷۵)

''وَمَالَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ'':
یعنی تم کمزور مسلمانوں کو چھڑانے کے لیے کیوں جہاد نہیں کرتے، کیونکہ کفار قریش نے سات مسلمانوں کو قید کرلیا تھا اور کفار اُن کو سخت ایذائیں پہنچاتے تھے، پس اللہ تعالیٰ نے کفار سے لڑنے کا حکم فرمایا تاکہ وہ مسلمان قیدیوں کو کفار کی قید سے چھڑائیں، اور مکہ میں جو کمزور لوگ تھے وہ یہ دعا کرتے تھے:

''رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۝'':
الکلبی نے بیان کیا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کرلیا تو اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کمزور مسلمانوں کا حامی بنادیا، اور حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو اُن کا مددگار بنادیا، اور حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کمزور مسلمانوں کو ظالم کافروں سے چھڑاتے تھے (حضرت عتاب بن اسید بن ابی العیص الاموی رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے دن اسلام لائے تھے اور وہ نہایت نیکوکار اور علم والے تھے، الاصابہ ج ۴، ص ۲۱۱)۔ پس اللہ تعالیٰ نے اُن کمزور مسلمانوں کی حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کے ذریعہ مدد فرمائی۔ پھر کمزور مسلمان فتح مکہ کے بعد غالب ہوگئے جیسا کہ اس سے پہلے کفار اُن پر غالب تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جو ایمان والے ہیں وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، اور جنہوں نے کفر کو اختیار کیا وہ شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں، سو (اے مسلمانو!) تم شیطان کے مددگاروں سے لڑو، بے شک شیطان کی خفیہ تدبیر کمزور ہے O'' (النساء: ۷۶)

اللہ کی راہ میں لڑنے والے مسلمانوں کی تحسین اور منافقین کی مذمت

پھر اللہ تعالیٰ نے اُن مومنین کی مدح فرمائی جنہوں نے محض اللہ کی رضاجوئی کے لیے کفار سے قتال کیا، سو فرمایا:

''اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ'': یعنی جو ایمان والے اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت میں اور دینِ اسلام کی سربلندی کے لیے لڑتے ہیں۔ اور منافقین کی مذمت فرمائی اور یہ بیان فرمایا کہ منافقین شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں، پس فرمایا:

''وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ'': یعنی کفار شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں۔ پھر مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: ''فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ۝'' تم شیطان کے لشکر سے یعنی مشرکین سے لڑو، بے شک شیطان کی خفیہ تدبیر بہت کمزور ہے، کہا جاتا ہے اس سے بدر کے دن کی لڑائی مراد ہے، کیونکہ شیطان نے کفار سے کہا تھا:

آج کے دن تم پر کوئی غالب نہیں ہوگا اور میں تمہاری مدد کروں گا، پھر جب شیطان نے دونوں لشکروں کو دیکھا تو اپنی ایڑیوں پر پلٹ گیا، اور کہا جاتا ہے کہ شیطان کی خفیہ تدبیر نہایت کمزور ہے۔ (تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۳۶۷۔ ۳۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ؕ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۚ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۷﴾

(اے رسول اکرم!) کیا آپ نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جن سے کہا گیا تھا کہ (ابھی لڑائی سے) اپنے ہاتھ روک لو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو، پھر جب اُن پر جہاد فرض کر دیا گیا تو اُن میں سے ایک فریق لوگوں سے اس طرح ڈرنے لگا جیسے (کوئی) اللہ سے ڈرتا ہے یا اُس سے بھی زیادہ، اور اُنہوں نے کہا: اے ہمارے رب! تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا، تو نے ہمیں تھوڑی سی مدت تک مہلت کیوں نہ دی، آپ کہیے: دنیا کا سامان بہت تھوڑا ہے، اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اس کے لیے آخرت بہت بہتر ہے، اور تم پر دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا O

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿۷۸﴾

تم جہاں کہیں بھی ہو، موت تم کو پکڑ لے گی خواہ تم مضبوط قلعوں میں ہو، اور ان لوگوں کو جب کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، اور جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں: (اے رسول!) یہ مصیبت آپ کی وجہ سے آئی ہے، آپ کہیے: ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے، سو اس قوم کو کیا ہو گیا! یہ لوگ کوئی بات سمجھنے کے قریب بھی نہیں آتے O

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۷۹﴾

(اے مخاطب!) تمہیں جو بھلائی پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے پہنچتی ہے اور تم پر جو مصیبت آتی ہے وہ تمہارے ہی نفس کی وجہ سے آتی ہے، اور (اے رسولِ اکرم!) ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے، اور اللہ بہ طورِ گواہ کافی ہیں O

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾ؕ

جس نے رسول کی اطاعت کی تو بے شک اس نے اللہ کی اطاعت کرلی، اور جس نے (رسول سے) پیٹھ پھیری تو ہم نے آپ کو اِن کے اوپر نگران بنا کر نہیں بھیجا○

وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ ۖ وَاللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُونَ ۖ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴿٨١﴾

اور وہ لوگ کہتے ہیں: ہم نے حکم مان لیا، پھر جب وہ لوگ آپ کے پاس سے باہر نکل جاتے ہیں تو اُن میں سے ایک گروہ رات کو مشورہ کر کے اُس بات کے خلاف کہتا ہے جو اُس نے (دن میں کہی تھی)، اور جو کچھ وہ رات کو مشورہ کرتے ہیں اللہ اُن کو لکھ لیتے ہیں سو (اے رسولِ اکرم!) آپ اِن سے اعراض کیجئے اور اللہ ہی پر توکل کیجئے اور اللہ کافی کارساز ہیں○

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ﴿٨٢﴾

پس کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے! اور اگر یہ قرآن اللہ کے غیر کی طرف سے نازل ہوتا تو لوگ اس میں ضرور بہت اختلاف پاتے○

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ ۖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ ۗ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٨٣﴾

اور جب اِن لوگوں کے پاس امن یا خوف کی کوئی بات آتی ہے تو یہ اُس کو پھیلا دیتے ہیں، اور اگر وہ اُس کو رسول اور اپنوں میں سے صاحبانِ حکم کی طرف لوٹا دیتے تو اُس کی (حکمت کو) ضرور وہ لوگ جان لیتے جو بات کا نتیجہ نکال سکتے ہیں، اور (اے مسلمانو!) اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو چند لوگوں کے سوا ضرور تم شیطان کی پیروی کرتے○

فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ ۚ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ ۖ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَكُفَّ بَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ وَاللَّهُ أَشَدُّ بَأْسًا وَأَشَدُّ تَنْكِيلًا ﴿٨٤﴾

سو آپ اللہ کی راہ میں لڑیے، آپ کی جان (پاک) کے سوا کسی کو (اس لڑائی کا) مکلف نہیں کیا جائے گا، اور مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں لڑنے پر برانگیختہ کیجئے، عنقریب اللہ کافروں کا جنگی زور روک دیں گے، اور اللہ کا عذاب بہت سخت ہے اور اس کی گرفت بہت شدید ہے○

مَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِّنْهَا ۖ وَمَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً

سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿۸۵﴾

جو نیک سفارش کرے گا اُس کے لیے اُس سفارش میں سے حصہ ہوگا، اور جو بُری سفارش کرے گا اس کے لیے اس میں سے حصہ ہوگا اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والے ہیں O

وَ اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾

اور جب تمہیں کسی لفظ سے سلام کیا جائے تو تم اُس سے بہتر لفظ کے ساتھ اُس کے سلام کا جواب دو یا اُنہی الفاظ سے اُس کو جواب دو، بے شک اللہ ہر چیز کا حساب لینے والے ہیں O

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾ ع

اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہ ضرور تم کو قیامت کے دن جمع فرمائیں گے جس (کے وقوع) میں کوئی شک نہیں ہے، اور اللہ سے زیادہ کون سچی بات کہنے والا ہے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”(اے رسولِ اکرم!) کیا آپ نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جن سے کہا گیا تھا کہ (ابھی لڑائی سے) اپنے ہاتھ روک لو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو، پھر جب اُن پر جہاد فرض کر دیا گیا تو اُن میں سے ایک فریق لوگوں سے اس طرح ڈرنے لگا جیسے (کوئی) اللہ سے ڈرتا ہے یا اُس سے بھی زیادہ، اور اُنہوں نے کہا: اے ہمارے رب! تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا، تو نے ہمیں تھوڑی سی مدت تک مہلت کیوں نہ دی، آپ کہیے: دنیا کا سامان بہت تھوڑا ہے، اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اس کے لیے آخرت بہت بہتر ہے، اور تم پر دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا O“ (النساء: ۷۷)

القاضی مجیر الدین بن محمد العلیمی المقدسی الحنبلی المتوفی ۹۲۸ ھ، آل عمران: ۷۷ تا ۸۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ہجرت سے پہلے مسلمانوں کا کفار سے جہاد کے لیے اضطراب

”اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ“: یہ آیت صحابہ کی ایک جماعت کے متعلق نازل ہوئی ہے جنہوں نے مکہ میں مشرکین کی طرف سے بہت اذیتیں برداشت کی تھیں، سو انہوں نے کہا: یارسول اللہ! ہمیں ان کے خلاف لڑنے کی اجازت دیجیے کیونکہ انہوں نے ہم کو بہت ایذاء پہنچائی ہے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے فرمایا: تم اپنے ہاتھ لڑائی سے روک لو کیونکہ مجھے ابھی تک اُن سے لڑنے کا حکم نہیں فرمایا گیا۔ (اسباب النزول للواحدی ص ۹۲، تفسیر البغوی ج ۱ ص ۵۶۳، العجاب لابن حجر ج ۲ ص ۹۱۸)

''وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ'': پس جب صحابہ نے مدینہ کی طرف ہجرت کر لی تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو مشرکین سے لڑنے کا حکم فرمایا اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم فرمایا۔

''فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً'': پھر جب اُن پر کفار سے لڑنے کو فرض فرما دیا گیا تو اُن میں سے ایک فریق یعنی منافقین مشرکینِ مکہ سے اس طرح ڈرتے تھے جس طرح اللہ سے ڈرنا چاہیے بلکہ اس سے بھی زیادہ ڈرتے تھے۔

منافقین کا جہاد سے اعراض کرنا

''وَ قَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْ لَاۤ اَخَّرْتَنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ'': اور اُن منافقین نے کہا: اے ہمارے رب! تو نے ہم پر کفار سے لڑنے کو کیوں فرض کر دیا، تو نے کیوں نہ اس حکم کو تھوڑے عرصے تک مؤخر فرما دیا۔

''قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۫ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝'': اے محمد! آپ ان سے فرمائیے کہ دنیا کی منفعت اور دنیا کا ساز وسامان تھوڑا ہے، بہت جلد ختم ہونے والا ہے اور آخرت کا ثواب اُن کے حق میں بہت بہتر ہے جو شرک کرنے سے بچتے ہیں، ان کی نیکیوں میں سے کسی اجر کو کم نہیں کیا جائے گا۔ (تفسیر البغوی ج ۱ ص ۵۶۳)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''تم جہاں کہیں بھی ہو، موت تم کو پکڑ لے گی خواہ تم مضبوط قلعوں میں ہو، اور اِن لوگوں کو جب کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، اور جب اِن پر کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں: (اے رسول!) یہ مصیبت آپ کی وجہ سے آئی ہے، آپ کہیے: ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے، سو اِس قوم کو کیا ہو گیا! یہ لوگ کوئی بات سمجھنے کے قریب بھی نہیں آتے ○'' (النساء:۷۸)

''اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ'': یہ آیت اُن منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے جنہوں نے غزوۂ اُحد کے شہداء کے متعلق کہا: اگر یہ لوگ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ قتل کیے جاتے۔ (آل عمران:۱۵۶)، اللہ تعالیٰ نے اُن پر رد فرمایا اور انہیں یہ خبر دی کہ تمہاری یہ احتیاط تم کو تقدیر کی پکڑ سے نجات نہیں دے گی۔

''وَ لَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ'': خواہ تم مضبوط اور بلند قلعوں میں ہو۔

فتح اور شکست اور بھلائی اور برائی کا اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے وابستہ ہونا

''وَ اِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ'': یعنی جب منافقین کو اور اُن جیسے لوگوں کو خوش حالی پہنچی اور غزوۂ بدر میں فتح حاصل ہوئی تو انہوں نے کہا: یہ اللہ کی طرف سے ہے۔

''وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ'': اور جب ان منافقین کو تنگی اور قحط سالی پہنچی اور غزوۂ اُحد میں شکست کا سامنا ہوا تو انہوں نے کہا: اے محمد! یہ آپ کی نحوست کی وجہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے فرمایا، ان سے کہیے:

''قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ'': خوش حالی اور بد حالی سب اللہ کی طرف سے ہے، یعنی اُس کی تقدیر کے اعتبار سے ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے منافقین کو اُن کی جہالت پر ملامت فرمائی۔

''فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا'': فقہ کا لغوی معنی فہم ہے یعنی یہ منافقین کسی بات کو نہیں سمجھتے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے مخاطب!) تمہیں جو بھلائی پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے پہنچتی ہے اور تم پر جو مصیبت آتی ہے وہ تمہارے ہی نفس کی وجہ سے آتی ہے، اور (اے رسولِ اکرم!) ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے، اور اللہ بہ طورِ گواہ کافی ہیں O'' (النساء: ۷۹)

''مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ'': پھر اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا اور اس سے مراد آپ کا غیر ہے یعنی اے انسان! تمہیں جو خیر اور نعمت پہنچتی ہے تو یہ اللہ کے فضل سے پہنچتی ہے۔

''وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ'': اور تم کو جو مصیبت اور برائی پہنچتی ہے تو وہ تمہارے گناہوں کے سبب سے پہنچتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ'' (الشوریٰ: ۳۰) ''(اور تم کو جو مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کرتوتوں کی وجہ سے پہنچتی ہے، اور تمہاری بہت سی خطاؤں کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں)۔ آپ کہیے کہ خیر اور شر ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے، لیکن خیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے احسان ہے اور تمہارا امتحان ہے، اور شر تمہارے گناہوں کی سزا ہے اور انتقام ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مسلمان کو جو بھی تھکاوٹ ہوتی ہے یا کوئی تکلیف پہنچتی ہے حتیٰ کہ اس کو جو کانٹا چبھتا ہے اور جو اُس کی جوتی کا تسمہ ٹوٹ جاتا ہے تو وہ اس کے کسی گناہ کی وجہ سے ہوتا ہے، اور جن کاموں سے اللہ تعالیٰ درگزر فرما دیتے ہیں وہ بہت زیادہ ہیں۔ (صحیح البخاری: ۵۳۱۷، ۵۳۱۸، صحیح مسلم: ۲۵۷۲، ۲۵۷۳)

''وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا'': یعنی اے محمد! ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے اور آپ کے رسول ہونے اور آپ کے صدق پر اللہ کی گواہی کافی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جس نے رسول کی اطاعت کی تو بے شک اس نے اللہ کی اطاعت کر لی، اور جس نے (رسول سے) پیٹھ پھیری تو ہم نے آپ کو اِن کے اوپر نگران بنا کر نہیں بھیجا O'' (النساء: ۸۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہونا

''مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ'': رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے تھے کہ جس نے میری اطاعت کی تو اس نے اللہ کی اطاعت کر لی، اور جس نے مجھ سے محبت کی تو اس نے اللہ سے محبت کی، تو بعض یہود نے کہا: (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف یہ چاہتے ہیں کہ اُن کو رب بنا لیا جائے، تب یہ آیت نازل ہوئی: ''مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ''۔

علامہ ابو القاسم محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی المتوفی ۵۳۸ ھ نے اس حدیث کی روایت کی ہے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تو منافقین نے کہا: کیا تم سنتے نہیں ہو کہ یہ مرد کیا کہہ رہا ہے؟ یہ مرد شرک کے قریب ہو گیا اور یہ اس سے منع کرتا ہے کہ غیر اللہ کی عبادت کی جائے، یہ مرد صرف یہ ارادہ کرتا ہے کہ ہم اس کو رب مان لیں جیسا کہ نصاریٰ نے عیسیٰ کو رب مان لیا۔

(الکشاف ج ۱ ص ۵۰۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۷ ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے تخریج الکشاف ج ا ص ۵۳۹ میں لکھا ہے کہ مجھے اس حدیث کی سند نہیں مل سکی۔

''وَ مَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ؇'': اور جس نے آپ کی اطاعت کرنے سے اعراض کیا تو ہم نے آپ کو اُن کا محافظ اور نگہبان نہیں بنایا، بلکہ آپ اُن کے معاملات کو اللہ کے حوالے کر دیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس آیت کا حکم جہاد کی آیت سے منسوخ ہو گیا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور وہ لوگ کہتے ہیں: ہم نے حکم مان لیا، پھر جب وہ لوگ آپ کے پاس سے باہر نکل جاتے ہیں تو اُن میں سے ایک گروہ رات کو مشورہ کر کے اُس بات کے خلاف کہتا ہے جو اُس نے (دن میں کہی تھی)، اور جو کچھ وہ رات کو مشورہ کرتے ہیں اللہ اُن کو لکھ لیتے ہیں سو (اے رسولِ اکرم!) آپ اِن سے اعراض کیجئے اور اللہ ہی پر توکل کیجئے اور اللہ کافی کارساز ہیں O'' (النساء: ۸۱)

منافقین کا نفاق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُن کے نفاق سے درگزر کرنے کا حکم

''وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ'': یعنی منافقین یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ آپ کی اطاعت کرتے ہیں۔ ''فَاِذَا بَرَزُوْا'': یعنی جب وہ آپ کی مجلس سے نکل جاتے ہیں۔

''مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ'': یعنی منافقین کی ایک جماعت آپ کے سامنے اس چیز کا اظہار کرتی ہے جو اُن کے دلوں کے خلاف ہے اور آپ کے پسِ پُشت وہ بات کہتی ہے جو آپ کے سامنے نہیں کہتی۔

''وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ'': اور اللہ تعالیٰ ان کے صحائف اعمال میں اُن باتوں کو ثبت فرما دیتے ہیں جو وہ کہتے ہیں، سو آپ اُن سے درگزر کریں اور اُن سے مواخذہ نہ کریں۔

''وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ؇'': یعنی آپ اللہ کو کارساز بنائیں، وہ آپ کے لیے کافی ہیں اور آپ کے کافی مددگار ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے! اور اگر یہ قرآن اللہ کے غیر کی طرف سے نازل ہوتا تو لوگ اس میں ضرور بہت اختلاف پاتے O'' (النساء: ۸۲)

قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے کی دلیل

''اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ'': یعنی کیا یہ قرآنِ مجید کو تامل اور غور و فکر کے ساتھ نہیں پڑھتے، یعنی اگر یہ قرآنِ مجید کو غور و فکر کے ساتھ پڑھتے تو انہیں یقین ہو جاتا کہ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے کیونکہ اس میں تناقض نہیں ہے۔

''وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ؇'': یعنی اگر یہ قرآن اللہ کا کلام نہ ہوتا تو اس میں بہت تناقض ہوتا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جب اِن لوگوں کے پاس امن یا خوف کی کوئی بات آتی ہے تو یہ اُس کو پھیلا

دیتے ہیں، اور اگر وہ اُس کو رسول اور اپنوں میں سے صاحبانِ حکم کی طرف لوٹا دیتے تو اُس کی (حکمت کو) ضرور وہ لوگ جان لیتے جو بات کا نتیجہ نکال سکتے ہیں، اور (اے مسلمانو!) اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو چند لوگوں کے سوا ضرور تم شیطان کی پیروی کرتےO'' (النساء: ۸۳)

''وَ اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ'': یہ آیت اُن لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جن کا شعار یہ تھا کہ وہ جو کچھ سنتے تھے اس کو لوگوں میں پھیلا دیتے تھے تا کہ مومنین کے دلوں میں ضعف پیدا کریں۔ اور جب ان منافقین کے پاس مسلمانوں کی فتح یا مالِ غنیمت کے حصول کی کوئی خبر آتی یا مسلمانوں کے قتل اور اُن کی شکست کی کوئی خبر آتی تو وہ اس خبر کو لوگوں کے درمیان پھیلا دیتے۔

مسلمانوں سے متعلق خبر کو اہلِ علم کی طرف لوٹانے کا حکم

''وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰۤى اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ'': اور اگر وہ اس خبر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹا دیتے اور خود سے بیان نہ کرتے حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کا از خود بیان فرماتے یا اُس خبر کو صحابہ میں سے اہل الرائے کی طرف لوٹا دیتے تو اُس خبر سے علماء اس خبر کا نتیجہ نکال لیتے۔ یعنی اگر وہ اُس خبر کو ان حضرات کی طرف لوٹا دیتے تو وہ جان لیتے کہ اس خبر کے کس حصہ کو ظاہر کرنا چاہیے تو اس کو ظاہر کر دیتے، اور اس خبر کے کس حصہ کو چھپانا چاہیے تو وہ اس کو چھپا دیتے۔

''وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّیْطٰنَ اِلَّا قَلِیْلًا ۝'': اور اگر اللہ تعالیٰ نے تم کو اسلام کی توفیق دے کر تم پر فضل نہ فرمایا ہوتا اور قرآن کے ذریعہ تم پر رحمت نازل نہ فرمائی ہوتی تو چند لوگوں کے سوا تم اِن لوگوں کی پیروی کر کے ضرور گمراہ ہو جاتے۔ اِن چند لوگوں سے مراد وہ ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہی اسلام کے معتقد تھے جیسے زید بن عمرو بن نفیل اور ورقہ بن نوفل وغیرہم۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''سو آپ اللہ کی راہ میں لڑیے، آپ کی جان (پاک) کے سوا کسی کو (اس لڑائی کا) مکلف نہیں کیا جائے گا، اور مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں لڑنے پر برانگیختہ کیجئے، عنقریب اللہ کافروں کا جنگی زور روک دیں گے، اور اللہ کا عذاب بہت سخت ہے اور اس کی گرفت بہت شدید ہےO'' (النساء: ۸۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تنہا جہاد کا مکلف ہونا

''فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ'': یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد کی جنگ کے بعد ابوسفیان سے اگلے سال ذوالقعدہ میں مقابلہ کا وعدہ فرمایا تھا، جب یہ تاریخ آ گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ابوسفیان سے مقابلہ کے لیے بلایا تو بعض مسلمانوں نے اس کو ناپسند کیا، تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: ''فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ'' یعنی آپ مشرکین سے قتال کیجئے اور مکہ میں کمزور مسلمانوں کی مدد کیجئے خواہ آپ کو تنہا مقابلہ کرنا پڑے، کیونکہ آپ سے اللہ تعالیٰ نے نُصرت کا وعدہ فرمایا ہے۔

''وَ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ'': اور مومنین کو جہاد پر برانگیختہ کیجئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ستر (۷۰) سواروں کے ساتھ نکلے، پس

اللہ تعالیٰ ان کو قتال سے کافی ہو گیا، اور فرمایا: ''عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا '': یعنی اللہ تعالیٰ مشرکین کے ساتھ جنگ اور لڑائی کو روک دیں گے، اور جب ابوسفیان اُس سال بدر کی طرف نہیں نکلا تو یہ وعدہ پورا ہو گیا۔

''وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّ اَشَدُّ تَنْكِيْلًا ۝۸۴ '': اور اللہ کی سلطنت بہت سخت ہے اور وہ بہت شدید گرفت فرمانے والے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جو نیک سفارش کرے گا اُس کے لیے اُس سفارش میں سے حصہ ہو گا، اور جو بُری سفارش کرے گا اس کے لیے اس میں سے حصہ ہو گا اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والے ہیں ۝ ''

(النساء: ۸۵)

اچھی سفارش اور بری سفارش کے احکام

''مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا '': یعنی جو لوگوں کے درمیان صلح کرانے کی سفارش کرے گا تو اس کو اس سفارش کا ثواب ملے گا۔

''وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا '': اور جو لوگوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے کی کوشش کرے گا اور دوسروں کی چغلیاں کھائے گا اس پر اس کا گناہ ہو گا۔ ''وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ۝۸۵ '': یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کی جزاء دینے والے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جب تمہیں کسی لفظ سے سلام کیا جائے تو تم اُس سے بہتر لفظ کے ساتھ اُس کے سلام کا جواب دو یا اُنہی الفاظ سے اُس کو جواب دو، بے شک اللہ ہر چیز کا حساب لینے والے ہیں ۝ ''

(النساء: ۸۶)

سلام کرنے کے آداب

''وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ '': یعنی جب کوئی شخص تم سے کہے السلام علیکم، تو تم جواب میں کہو وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ، اور جب کوئی شخص کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ، تو تم جواب میں کہو وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ، اور جب کوئی شخص کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ، تو تم اسی کی مثل جواب دو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: سلام کی انتہاء برکت پر ہے۔ (الموطا ج ۲ ص ۹۵۹)، ''اَوْ رُدُّوْهَا '': یا اُتنا ہی جواب دو۔

''اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ۝۸۶ '': یعنی اللہ سلام وغیرہ کا حساب لینے والے ہیں۔

سلام کا جواب دینے کے حکم میں مذاہب ائمہ

سلام کرنا سنت علی الکفایہ ہے اور اس کی ترغیب دی گئی ہے۔ اور جب جماعت میں سے کوئی ایک سلام کا جواب دے دے تو وہ جواب پوری جماعت کی طرف سے کافی ہو گا۔ اور سلام کا جواب دینا ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فرض کفایہ ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ سلام کا جواب دینا فرضِ عین ہے، کیونکہ ابتداءً سلام کرنا نفل ہے اور اس کا جواب دینا فرض ہے، اور جب جماعت میں سے کوئی ایک شخص سلام کا جواب دے دے تو باقی لوگوں سے سلام کا جواب دینا ساقط ہو جاتا ہے۔

اہلِ ذمہ اور مبتدعین کو ابتداءً سلام کرنا اور اُن کے سلام کا جواب دینے کے حکم میں مذاہبِ ائمہ

امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک اہلِ ذمہ کو ابتداءً سلام کرنا حرام ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک مکروہ ہے، کیونکہ اہلِ ذمہ کو ابتداءً سلام کرنے میں اُن کی تعظیم ہے، اگر کسی شخص نے کسی ذمی کو ناواقفیت سے یا بھولے سے سلام کر لیا پھر اس کو معلوم ہوا کہ یہ ذمی ہے تو امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ اُس سلام کو واپس نہ لے، اور ابن عطیہ مالکی کا مختار یہ ہے کہ اُس سے وہ سلام واپس لے۔ اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اُس کی تحقیر کے لیے کہے: میں نے جو سلام کیا تھا اس کو واپس لیتا ہوں۔ اور امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ وہ اس سے کہے کہ میرا سلام لوٹا دو، اور جب کوئی ذمی مسلمان کو سلام کرے تو امام احمد اور امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ وہ اس کے جواب میں کہے ''وعلیکم''، اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ وہ اس سے کہے ''وعلیک'' اور امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ وہ اس سے کہے ''علیک''۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہ ضرور تم کو قیامت کے دن جمع فرمائیں گے جس (کے وقوع) میں کوئی شک نہیں ہے، اور اللہ سے زیادہ کون سچی بات کہنے والا ہے O''

(النساء:۸۷)

''اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ'': یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہارا حساب لینے کے لیے تمہیں قبروں سے نکالیں گے۔

''وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾'': یعنی اللہ تعالیٰ کے بات فرمانے میں اللہ سبحانہٗ سے بڑھ کر کوئی صادق نہیں ہے، کیونکہ اللہ سبحانہٗ جھوٹ بولنے سے منزہ ہیں اور اللہ تعالیٰ سے جھوٹ کا صدور محال ہے۔

(فتح الرحمٰن ج ۲ ص ۱۵۷۔۱۶۷، دار النوادر، لبنان، ۱۴۳۲ھ)

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾

(اے مسلمانو!) منافقین کے متعلق تمہارے دو گروہ کیوں ہو گئے ہیں؟ اللہ نے اُن کے کرتوتوں کی وجہ سے ان کو اوندھا فرما دیا ہے، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تم اس کو ہدایت دو جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ فرما چکے ہیں، اور جس کو اللہ گمراہ فرما دیں تو تم اس کی ہدایت کے لیے ہرگز کوئی راہ نہیں پاؤ گے O

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ص وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾

وہ دل سے چاہتے ہیں کہ تم بھی کفر کو اختیار کرو جس طرح انہوں نے کفر کو اختیار کیا ہے تا کہ تم سب برابر ہو جاؤ، لہٰذا تم اُن میں سے کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ حتیٰ کہ وہ اللہ کے راستے میں (جہاد کرنے کے لیے) ہجرت کریں، پھر اگر وہ پیٹھ پھیر لیں تو تم اُن کو پکڑ و اور تم اُن کو جہاں پاؤ قتل کر دو، اور تم اُن میں سے کسی کو نہ دوست بناؤ اور نہ مددگار ○

اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿۹۰﴾

سوا اُن لوگوں کے جو اُس قوم سے واصل ہو جاتے ہیں جس کے ساتھ تمہارا اور اُن کا معاہدہ ہے، یا اُن لوگوں کے سوا جن کے دل تمہارے ساتھ لڑائی سے تنگ آ چکے ہیں، اور اگر اللہ چاہتے تو ضرور اُن کو تم پر مسلط فرما دیتے، پس وہ بے شک تم سے لڑتے، سو اگر وہ تم سے کنارہ کش ہو جائیں، پس تمہارے ساتھ نہ لڑیں اور تمہاری طرف صلح کا پیغام بھیج دیں تو اللہ نے تمہارے لیے اُن پر کوئی سبیل نہیں رکھی ○

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۹۱﴾ ع

عنقریب تم دوسرے لوگوں کو پاؤ گے جو یہ چاہتے ہیں کہ (منافقت کر کے) تمہارے ساتھ امن سے رہیں (اور موافقت کے ذریعے) اپنی قوم کے ساتھ (بھی) امن سے رہیں، جب بھی وہ اپنی قوم کی طرف سے فتنہ وفساد کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تو اس فتنے میں مونہہ کے بل گر پڑتے ہیں، پس اگر وہ تم سے کنارہ کشی نہ کریں اور تمہاری طرف صلح کا پیغام نہ بھیجیں اور اپنے ہاتھ لڑائی سے نہ روکیں تو تم اُن کو پکڑ لو اور اُن کو جہاں پاؤ قتل کر ڈالو، اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے خلاف ہم نے تم کو کھلا اختیار عطا فرمایا ہے ○

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے مسلمانو!) منافقین کے متعلق تمہارے دو گروہ کیوں ہو گئے ہیں؟ اللہ نے اُن کے کرتوتوں کی وجہ سے ان کو اوندھا فرما دیا ہے، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تم اس کو ہدایت دو جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ فرما چکے ہیں، اور جس کو اللہ گمراہ فرما دیں تو تم اس کی ہدایت کے لیے ہرگز کوئی راہ نہیں پاؤ گے ○''

(النساء: ۸۸)

منافقین کے متعلق مسلمانوں کے اختلاف کا سبب

علامہ الخطیب الشربینی الشافعی المتوفی ۹۷۷ھ النساء: ۸۸۔۸۹ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ'': النساء: ۸۸ کے سببِ نزول کے متعلق کئی اقوال ہیں: (۱) کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دیہات کی طرف جانے کی اس لیے اجازت طلب کی کہ شہر کی آب و ہوا اُن کے موافق نہیں آئی، وہ چند مراحل سفر کرنے کے بعد مشرکین سے جا ملے، پھر مسلمانوں کا اُن کے اسلام کے متعلق اختلاف ہو گیا یعنی اُن کی دو رائیں ہو گئیں۔ (۲) مجاہد نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو مدینہ کی طرف آئے اور اسلام قبول کیا، پھر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مکہ جانے کی اجازت طلب کی تا کہ وہ وہاں سے اپنا مال و متاع لا کر تجارت کریں، پس وہ مدینہ سے روانہ ہوئے اور مکہ میں جا کر مقیم ہو گئے تو اُن کے متعلق مسلمانوں میں اختلاف ہو گیا، بعض مسلمان یہ کہتے تھے کہ وہ منافق ہیں اور بعض مسلمان یہ کہتے تھے کہ وہ مومن ہیں۔ (۳) اور بعض علماء نے کہا کہ غزوۂ اُحد کے دن منافقین میں سے جو لوگ لشکرِ اسلام سے نکل گئے تھے، پھر جب وہ واپس آ گئے تو بعض صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: ان کو قتل کر دیں کیونکہ یہ منافق ہیں، اور دوسرے بعض نے کہا: ان کو معاف فرما دیں کیونکہ انہوں نے اب کلمہ پڑھ لیا ہے۔

''وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا'': یعنی اللہ تعالیٰ نے اِن منافقین کو دوزخ میں اوندھا فرما دیا، یا اِن منافقین کو کفار کے حکم کی طرف لوٹا دیا کیونکہ انہوں نے کفر کو اور اللہ کی نافرمانی کو اختیار کیا۔

اگر منافقین باز نہ آئیں تو اُن کو قتل کر دو

''اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ'': یعنی کیا تم اِن منافقین کا شمار اُن لوگوں میں کرتے ہو جو اسلام کے ہدایت یافتہ ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وہ دل سے چاہتے ہیں کہ تم بھی کفر کو اختیار کرو جس طرح انہوں نے کفر کو اختیار کیا ہے تا کہ تم سب برابر ہو جاؤ، لہٰذا تم اُن میں سے کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ حتیٰ کہ وہ اللہ کے راستے میں (جہاد کرنے کے لیے) ہجرت کریں، پھر اگر وہ پیٹھ پھیر لیں تو تم اُن کو پکڑو اور تم اُن کو جہاں پاؤ قتل کر دو، اور تم اُن میں سے کسی کو نہ دوست بناؤ اور نہ مددگار ۝'' (النساء: ۸۹)

ہجرت کی چار قسمیں

''وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً'': یعنی وہ منافقین یہ تمنا کرتے ہیں کہ تم اور وہ کفر میں برابر ہو جائیں۔

''فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ'': یعنی اگر وہ ایمان کا اظہار کریں تو تم اُن سے دوستی نہ رکھنا ''حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ'': حتیٰ کہ وہ تمہارے ساتھ صحیح ہجرت کریں، ہجرت کی چار قسمیں ہیں:

(۱) ابتدائے اسلام میں مومنین کی ہجرت، جس کا ذکر اس آیت میں ہے: ''لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ۔۔۔ (الحشر: ۸)'' (یہ اموال مہاجرین کے لیے بھی ہیں جو اپنے گھروں اور مالوں اور اپنی جائیداد سے بے دخل کر دیے گئے ہیں)۔ (۲) ''وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔۔۔ (النساء: ۱۰۰)'' (اور جو مسلمان اپنے گھر سے

اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرتے ہوئے نکلے)۔(۳) یہ منافقین کی ہجرت ہے جو دنیاوی اغراض کے لیے ہجرت کرتے تھے اور یہاں پر اُن کی یہی ہجرت مراد ہے۔(۴) اور چوتھی ہجرت یہ ہے کہ تمام نافرمانیوں سے ہجرت کی جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مہاجر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے تمام منع فرمائے ہوئے کاموں سے ہجرت کرلے۔

(صحیح البخاری: ۱۰، سنن نسائی: ۴۹۹۶، سنن ابوداؤد: ۲۴۸۸، مسند احمد: ۶۴۷۹)

"فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ": اور اگر وہ پیٹھ پھیر لیں یعنی اللہ کو واحد ماننے سے اور جہاد کے لیے ہجرت کرنے سے پیٹھ موڑ لیں اور اپنے طریقہ پر برقرار رہیں تو اے مسلمانو! تم اُن کو گرفتار کرلو اور تم اُن کو جہاں پاؤ قتل کرڈالو، یعنی خواہ تم ان کو "حِل" میں پاؤ یا "حرم" میں پاؤ۔

"وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا ﴿۸۹﴾": یعنی تم اُن کو اپنا دوست اور مددگار نہ بناؤ کہ تم اُن کی مدد سے دشمن کے خلاف جنگ کرو بلکہ اُن سے بالکلیہ دور رہو۔ (السراج المنیر ج ا ص ۵۰۲۔۵۰۳، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۵ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "سوا اُن لوگوں کے جو اُس قوم سے واصل ہوجاتے ہیں جس کے ساتھ تمہارا اور اُن کا معاہدہ ہے، یا اُن لوگوں کے سوا جن کے دل تمہارے ساتھ لڑائی سے تنگ آچکے ہیں، اور اگر اللہ چاہتے تو ضرور اُن کو تم پر مسلط فرمادیتے، پس وہ بے شک تم سے لڑتے، سو اگر وہ تم سے کنارہ کش ہوجائیں، پس تمہارے ساتھ نہ لڑیں اور تمہاری طرف صلح کا پیغام بھیج دیں تو اللہ نے تمہارے لیے اُن پر کوئی سبیل نہیں رکھی O" (النساء: ۹۰)

النساء: ۹۰ کی چند تفسیریں

"اِلَّا الَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ اِلٰی قَوْمٍۭ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ":

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ، النساء: ۹۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

مدینہ طیبہ میں قبیلہ اسد وغطفان کے لوگ ریاءً کلمہ اسلام پڑھتے اور اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے اور جب اُن میں سے کوئی اپنی قوم سے ملتا اور وہ لوگوں سے کہتے کہ تم کس چیز پر ایمان لائے تو وہ لوگ کہتے کہ بندروں اور بچھوؤں وغیرہ پر، اس انداز سے اُن کا مطلب یہ تھا کہ دونوں طرف سے رسم وراہ رکھیں اور کسی جانب سے نقصان نہ پہنچے، یہ لوگ منافقین تھے، اُن کے حق میں النساء ۹۰ نازل ہوئی ہے۔ (خزائن العرفان ص ۱۸۰۔۱۸۱ مجلس المدینۃ العلمیہ، کراچی)

شیخ شبیر احمد عثمانی حنفی دیوبندی متوفی ۱۳۶۹ھ النساء: ۹۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ان منافقوں میں وہ لوگ داخل ہیں جو ظاہر میں بھی ایمان نہ لائے تھے بلکہ ظاہر اور باطن میں کفر پر قائم تھے لیکن حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کے ساتھ ظاہری میل جول اور محبت کا معاملہ رکھتے تھے اور غرض اُن کی یہ تھی کہ مسلمانوں کی فوج ہماری قوم پر چڑھائی کرے تو ہمارے جان ومال اس حیلے سے محفوظ رہیں، جب مسلمانوں کو معلوم ہوگیا کہ ان کا آنا جانا اس غرض سے ہے دل کی محبت سے نہیں تو بعض مسلمانوں نے کہا کہ ان شریروں سے ملنا ترک کردینا چاہیے تاکہ ہم سے جدا ہوجائیں، اور بعضوں نے کہا:

ان سے ملنے جائیے شاید ایمان لے آئیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ہدایت وگمراہی اللہ کے قبضے میں ہے تم اس کا فکر مت کرو اور ان لوگوں سے بالاتفاق وہ معاملہ کرنا چاہیے جو آئندہ مذکور ہے دو فریق مت بنو۔ یعنی یہ منافق لوگ تو کفر پر ایسے جمے ہوئے ہیں کہ خود تو اسلام کیا قبول کریں گے وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی ان کی مثل کافر ہو کر ان کے برابر ہو جاؤ، سو اب تم کو چاہیے کہ جب تک وہ ایمان قبول کر کے اپنا وطن چھوڑ کر تمہارے پاس نہ چلے آئیں اس وقت تک اُن کو دوست نہ بناؤ نہ اپنے کسی کام میں اُن کو دخل دو اور نہ ان کی حمایت اور اعانت کرو، اور اگر وہ لوگ ایمان اور ہجرت کو قبول نہ کریں تو اُن کو قید کر دو اور قتل کر دو جہاں قابو پاؤ اور اجتناب کلی رکھو اور ان سے کوئی تعلق نہ رکھو۔ (حاشیۂ شبیر احمد عثمانی بر ترجمہ محمود الحسن ص ۱۱۸، دار التصنیف، شاہراہ لیاقت صدر، کراچی)

مشہور دیوبندی عالم شیخ عبد الماجد دریا آبادی متوفی ۱۹۷۷ء، النساء: ۹۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی نہ وہ اپنی قوم کے ساتھ ہو کر تم سے لڑنا چاہتے ہیں اور نہ تمہارے ساتھ ہو کر اپنی قوم سے لڑنا چاہتے ہیں بلکہ دونوں سے صلح و آشتی رکھنا چاہتے ہیں دوسرے لفظوں میں مسلمان اُن کی طرف سے بھی امن میں ہیں، ان دونوں قسم کے منافقین کو حکمِ قتل و اسیری سے مستثنیٰ کر کے قرآن مجید نے یہ بالکل صاف کر دیا کہ اصل مقصد مسلمانوں کو اذیّت ونقصان سے محفوظ رکھنا ہے۔

(تفسیر ماجدی ص ۲۴۱، پاک کمپنی، اردو بازار، لاہور)

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی حنفی متوفی ۱۳۹۱ھ، النساء: ۹۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

معلوم ہوا کہ دینی امور میں مشرک سے مدد نہ لی جائے، البتہ بوقتِ ضرورت ''الضرورات تبیح المحظورات'' پر عمل کرنا چاہیے یعنی ایسے نیوٹرل اور غیر جانبدار لوگوں کو قتل نہ کرو جو نہ تم سے لڑیں اور نہ اپنی کافر قوم کی تمہارے مقابلہ میں مدد کریں، نہ تم سے مل کر اُن سے جنگ کریں، بہر حال اس استثناء کا تعلق ''واقتلوہ'' سے ہے نہ کہ ''ولیاً'' سے، کیونکہ کافر کو دوست بنانا جائز نہیں ہے خواہ وہ حربی ہو یا ذمی، مستامن ہو یا معاہد ہو، اس سے معلوم ہوا کہ معاہدہ پورا کرنا ضروری ہے اگرچہ کافر سے کیا جائے، رب فرماتا ہے: ''وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ... (بنی اسرائیل: ۳۴)'' یعنی جن کفار سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے ان سے نہ لڑو، یہ استثناء صرف قتل سے ہے، اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ تم اُن کو دوست نہ بناؤ۔ (نور العرفان ص ۱۴۴، ادارہ کتبِ اسلامیہ، گجرات، پاکستان)

سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ النساء: ۹۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ استثناء اس حکم سے نہیں ہے کہ ''انہیں دوست اور مددگار نہ بنایا جائے''، بلکہ اس حکم سے ہے کہ ''انہیں پکڑا اور مارا جائے'' مطلب یہ ہے کہ اگر یہ واجب القتل منافق کسی ایسی کافر قوم کی حدود میں جا پناہ لیں جس کے ساتھ اسلامی حکومت کا معاہدہ ہو چکا ہو تو اس کے علاقے میں ان کا تعاقب نہیں کیا جائے گا اور نہ یہ جائز ہوگا کہ دار الاسلام کا کوئی مسلمان غیر جانبدار ملک میں کسی واجب القتل منافق کو پائے اور اس کو مار ڈالے۔ احترام دراصل منافق کے خون کا نہیں بلکہ معاہدہ کا ہے۔

(تفہیم القرآن ج ۱ ص ۳۸۱۔۳۸۲، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور ۲۰۱۲ء)

امام ابو اللیث السمر قندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، النساء: ۹۰۔۹۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے پہلے منافقین کو پکڑنے اور قتل کرنے کا حکم فرمایا، پھر اس سے اُن لوگوں کا استثناء فرما لیا جن کے اور مسلمانوں کے درمیان کوئی معاہدہ ہو، پس فرمایا: ''اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ'' (سوا اُن لوگوں کے جو اُس قوم سے

داصل ہو جاتے ہیں جس کے ساتھ تمہارا اور اُن کا معاہدہ ہے) اور جن کے درمیان تمہارا معاہدہ ہے وہ خزاعہ، بنو مدلج، بنو خزیمہ، ہلال بن عویمر الاسلمی اور اُن کے اصحاب ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے یہ معاہدہ فرمالیا تھا کہ اِن کے پاس جو مسلمان بھی آئے گا اُس کو امن ہوگا، اور اُن میں سے جو بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گیا تو اُس کو بھی امن ہوگا، اور اس آیت میں اہلِ حرب اور اہلِ اسلام کے درمیان معاہدہ کی دلیل ہے جب کہ اُس معاہدہ میں مسلمانوں کی مصلحت ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ یُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ یُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ'': یا جن لوگوں کے دل اس معاہدہ سے پہلے تم سے لڑتے لڑتے تنگ آ چکے ہیں، یا وہ قرابت داری کی وجہ سے تمہارے ساتھ مل کر اپنی قوم کے ساتھ لڑتے تھے۔

''وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَیْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ'': اللہ تعالیٰ نے مومنین پر اپنے احسان کا ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے آزمائش اور بلاء کو دور فرماتے ہیں اور اُن کفار کو تمہارے ساتھ لڑنے سے اس نے روک رکھا ہے۔

''فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَیْكُمُ السَّلَمَ'' اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ لوگ صلح پر برقرار رہیں تو تم اُن سے قتال نہ کرو، اسی وجہ سے فرمایا:

''فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَیْهِمْ سَبِیْلًا ۝'': یعنی اللہ تعالیٰ نے اُن کو قتل کرنے کے لیے تمہارے لیے کوئی دلیل نہیں مقرر فرمائی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''عنقریب تم دوسرے لوگوں کو پاؤ گے جو یہ چاہتے ہیں کہ (منافقت کر کے) تمہارے ساتھ امن سے رہیں (اور موافقت کے ذریعے) اپنی قوم کے ساتھ (بھی) امن سے رہیں، جب بھی وہ اپنی قوم کی طرف سے فتنہ و فساد کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تو اس فتنے میں مونہہ کے بل گر پڑتے ہیں، پس اگر وہ تم سے کنارہ کشی نہ کریں اور تمہاری طرف صلح کا پیغام نہ بھیجیں اور اپنے ہاتھ لڑائی سے نہ روکیں تو تم اُن کو پکڑ لو اور اُن کو جہاں پاؤ قتل کر ڈالو، اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے خلاف ہم نے تم کو کھلا اختیار عطا فرمایا ہے ۝''

(النساء:۹۱)

''سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِیْنَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّاْمَنُوْكُمْ وَیَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ'': وہ لوگ اسد اور غطفان ہیں، یہ لوگ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تو کہتے: ہم آپ پر ایمان لائے ہیں اور جب اپنے لوگوں کی طرف لوٹ کر جاتے تو کہتے کہ ہم بچھوؤں اور گبریلوں پر ایمان لائے ہیں اور وہ اس قول سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کا ارادہ نہیں کرتے تھے بلکہ آپ کا مذاق اڑانے کا ارادہ کرتے تھے۔

اور مجاہد نے کہا: یہ اہلِ مکہ کے وہ لوگ تھے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے اور دکھاوے کے لیے اسلام کو قبول کرتے، پھر قریش کی طرف لوٹ کر جاتے اور بتوں کی پرستش کرتے، اور اُن کا ارادہ یہ تھا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی سلامت رہیں اور کفارِ قریش کے پاس بھی سلامتی سے رہیں۔

''كُلَّمَا رُدُّوْۤا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِیْهَا'': اور جب بھی انہیں شرک کی دعوت دی جاتی تو وہ شرک کی طرف لوٹ جاتے اور شرک میں داخل ہو جاتے۔

''فَاِنْ لَّمْ یَعْتَزِلُوْكُمْ وَیُلْقُوْۤا اِلَیْكُمُ السَّلَمَ وَیَكُفُّوْۤا اَیْدِیَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ وَاُولٰٓىٕكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ

عَلَیۡهِمۡ سُلۡطٰنًا مُّبِیۡنًا ؏ '' یعنی اگر وہ گروہ لڑائی میں تم سے کنارہ کش نہ ہوں اور تمہاری طرف صلح کا ہاتھ نہ بڑھائیں اور تمہارے ساتھ لڑنے سے ہاتھ نہ روکیں تو پھر تم اُن کو پکڑ لو اور جہاں پاؤ اُن کو قتل کردو۔ اور اس قسم کے لوگوں کے خلاف ہم نے تمہارے لیے لڑنے کی واضح دلیل قائم فرمادی ہے۔ (تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۳۷۴۔۳۷۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

وَمَا كَانَ لِمُؤۡمِنٍ اَنۡ يَّقۡتُلَ مُؤۡمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنۡ قَتَلَ مُؤۡمِنًا خَطَـًٔا فَتَحۡرِيۡرُ رَقَبَةٍ مُّؤۡمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰۤى اَهۡلِهٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ يَّصَّدَّقُوۡا ؕ فَاِنۡ كَانَ مِنۡ قَوۡمٍ عَدُوٍّ لَّكُمۡ وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَتَحۡرِيۡرُ رَقَبَةٍ مُّؤۡمِنَةٍ ؕ وَاِنۡ كَانَ مِنۡ قَوۡمٍۢ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَهُمۡ مِّيۡثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰۤى اَهۡلِهٖ وَتَحۡرِيۡرُ رَقَبَةٍ مُّؤۡمِنَةٍ ۚ فَمَنۡ لَّمۡ يَجِدۡ فَصِيَامُ شَهۡرَيۡنِ مُتَتَابِعَيۡنِ تَوۡبَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ۝۹۲

اور کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ عمداً کسی مسلمان کو قتل کردے، اور جس نے کسی مسلمان کو بلا قصد قتل کردیا تو اُس پر ایک مسلمان گردن (غلام یا باندی) کو آزاد کرنا لازم ہے اور خوں بہا کی ادائیگی کرنا لازم ہے جو مقتول کے وارثوں کو ادا کی جائے گی سوا اس کے کہ مقتول کے وارث اُس خون کو معاف کردیں، پھر اگر وہ مقتول مسلمان ہو لیکن اس کا تعلق دشمن قوم سے ہو تو صرف ایک مسلمان گردن کا آزاد کرنا لازم ہے، اور اگر وہ مقتول اُس قوم سے ہو کہ تمہارے درمیان اور اُس قوم کے درمیان معاہدہ ہو تو پھر خوں بہا ادا کرنا لازم ہے جو اُس کے وارثوں کو ادا کیا جائے گا اور ایک مسلمان گردن (غلام یا باندی) کو بھی آزاد کرنا لازم ہے، پھر جو شخص (غلام یا باندی) نہ پائے تو اُس پر لازم ہے کہ وہ اللہ سے توبہ کرنے کے لیے لگاتار دو مہینے روزے رکھے، اور اللہ سب کچھ جاننے والے، بہت حکمت والے ہیں ○

وَمَنۡ يَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيۡهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيۡمًا ۝۹۳

اور جو کسی مسلمان کو عمداً قتل کرے تو اُس کی سزا ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہنا ہے اور اللہ اُس پر غضب ناک ہوں گے اور اُس پر لعنت فرمائیں گے اور اللہ نے اُس کے لیے سخت عذاب تیار فرما رکھا ہے ○

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا ضَرَبۡتُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوۡا وَلَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ اَلۡقٰۤى اِلَيۡكُمُ السَّلٰمَ لَسۡتَ مُؤۡمِنًا ۚ تَبۡتَغُوۡنَ عَرَضَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا فَعِنۡدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيۡرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيۡكُمۡ

فَتَبَيَّنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾

اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلو تو خوب تحقیق کرلیا کرو، اور جو شخص تم کو سلام کرے اُس سے یہ نہ کہا کرو کہ تم مسلمان نہیں ہو، تم دنیا کے سامانِ زندگی کو طلب کرتے ہو، پس اللہ کے پاس بہت اموالِ غنیمت ہیں، تم بھی پہلے اسی طرح تھے، پس اللہ نے تم پر احسان فرمایا، لہٰذا تم اچھی طرح تحقیق کرلیا کرو، بے شک اللہ تمہارے کاموں سے خوب خبر رکھنے والے ہیں O

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۹۵﴾

(بلا عذر جہاد سے) بیٹھ رہنے والے مسلمان اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرنے والے مسلمان برابر نہیں ہیں، جو مسلمان اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اُن کو اللہ تعالیٰ نے جہاد سے بیٹھے رہنے والوں پر کئی درجہ فضیلت عطاء فرمائی ہے اور سب سے اللہ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کو جہاد سے بیٹھے رہنے والوں پر فضیلت عطاء فرمائی ہے اور بہت بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے O

دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾

یہ اللہ کی طرف سے (فضیلت کے) متعدد درجات ہیں اور مغفرت ہے اور رحمت ہے، اور اللہ بہت مغفرت فرمانے والے، بے حد رحم فرمانے والے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ عمداً کسی مسلمان کو قتل کردے، اور جس نے کسی مسلمان کو بلا قصد قتل کردیا تو اُس پر ایک مسلمان گردن (غلام یا باندی) کو آزاد کرنا لازم ہے اور خوں بہا کی ادائیگی کرنا لازم ہے جو مقتول کے وارثوں کو ادا کی جائے گی سوا اس کے کہ مقتول کے وارث اُس خون کو معاف کردیں، پھر اگر وہ مقتول مسلمان ہو لیکن اس کا تعلق دشمن قوم سے ہو تو صرف ایک مسلمان گردن کا آزاد کرنا لازم ہے، اور اگر وہ مقتول اُس قوم سے ہو کہ تمہارے درمیان اور اُس قوم کے درمیان معاہدہ ہو تو پھر خوں بہا ادا کرنا لازم ہے جو اُس کے وارثوں کو ادا کیا جائے گا اور ایک مسلمان گردن (غلام یا باندی) کو بھی آزاد کرنا لازم ہے، پھر جو شخص (غلام یا باندی) نہ پائے تو اُس پر لازم ہے کہ وہ اللہ سے توبہ کرنے کے لیے

لگا تار دو مہینے روزے رکھے، اور اللہ سب کچھ جاننے والے، بہت حکمت والے ہیں O" (النساء: ۹۲)

قتلِ خطاء کے احکام

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی المتوفی ۷۱۰ ھ، النساء: ۹۲ تا ۹۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ": کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے اور نہ اس کی شان کے لائق ہے کہ وہ ابتداءً بغیر قصاص کے کسی مسلمان کو عمداً قتل کردے، ہاں خطاءً قتل کرنے میں کوئی مواخذہ نہیں ہے۔

"وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ": ہاں اگر اُس نے کسی دوسرے مسلمان کو بلا ارادہ اور بلا قصد قتل کیا مثلاً وہ کسی کافر پر تیر سے نشانہ لگا رہا تھا اور وہ تیر مسلمان کو جالگا، یا وہ کسی مسلمان کو کافر سمجھ کر نشانہ لگا رہا تھا اور وہ درحقیقت مسلمان تھا۔ اور جس نے کسی مسلمان کو خطاءً قتل کیا تو اس پر لازم ہے کہ وہ ایک "رقبة" یعنی گردن آزاد کرے۔ اور "رقبة" سے مراد مسلمان کی جان ہے اور اس کو عُرف میں سر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ کہا گیا ہے: اس کی وجہ یہ ہے کہ اُس نے ایک مسلمان جان کو زندوں کی جماعت سے نکال دیا تو اس پر لازم ہے کہ اُس مسلمان کی جان کی مثل کسی مسلمان غلام کو آزاد کر کے اُس کو آزاد مسلمانوں میں داخل کرے، کیونکہ کسی مسلمان کو غلامی سے آزاد کرنا بھی اس کو زندہ کرنے کے حکم میں ہے، کیونکہ غلام مُردوں کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ ... (الانعام: ۱۲۲)" (کیا جو شخص مُردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کردیا)۔ قاتل پر یہ اس لیے واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خطاءً قتل کرنے والے کے لیے ایک مسلمان جان باقی رکھی ہے کیونکہ اس پر اللہ تعالیٰ نے قصاص واجب نہیں فرمایا، پس اُس کے اوپر اُس کی مثل ایک مومن گردن کو آزاد کرنا لازم فرمادیا۔

"وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ": یعنی قتلِ خطاء کرنے والے پر یہ لازم فرمایا ہے کہ وہ مقتول کے وارثوں کو دیت یعنی خون بہا ادا کرے جس کو وہ آپس میں تقسیم کرلیں، جس طرح وہ آپس میں میراث کو تقسیم کرتے ہیں، پھر اس دیت سے قرض کو بھی ادا کیا جائے گا اور تہائی مال سے اس کی وصیت کو بھی پورا کیا جائے گا اور جب وارث نہ ہو تو پھر یہ دیت بیت المال میں جمع کردی جائے گی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشیم ضبابی کی بیوی کو اس کے خاوند اشیم کی دیت سے وارث بنایا لیکن دیت کا ادا کرنا خطاءً قتل کرنے والے کے عاقلہ یعنی عصبات پر ہوتا ہے اور کفارہ ادا کرنا قاتل کے ذمے ہوتا ہے۔ "اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا": یعنی ہر حال میں خطاءً قتل کرنے والے پر دیت لازم ہوتی ہے سوا اس صورت کے کہ مقتول کے وارث اس کو معاف کردیں۔ "فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ": یعنی جس کو خطاءً قتل کیا گیا ہے اس کا تعلق تمہارے دشمنوں کی قوم سے ہو یعنی وہ دارالحرب یا دارالکفر سے متعلق ہو اور مقتول مومن ہو۔

"فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ": یعنی جب کوئی حربی دارالحرب میں اسلام قبول کرلے اور ہماری طرف ہجرت نہ کرے اور کوئی مسلمان اس کو خطاءً قتل کردے تو اس کو قتل کرنے کی وجہ سے کفارہ لازم ہے یعنی اس مومن کے ایمان اور اسلام کے تحفظ کی خاطر اور اس پر دیت واجب نہیں ہے، کیونکہ دیت دارالاسلام میں ادا کی جاتی ہے۔

"وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ": یعنی اگر اُس مقتول کا

تعلق اس قوم سے ہو جس قوم کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ ہو تب مقتول کے وارثوں کی طرف دیت ادا کردی جائے گی اور ایک مسلمان کی گردن آزاد کی جائے گی۔ اور اگر وہ مقتول ذمی ہو تو اس کا وہی حکم ہے جو مسلمان کا حکم ہے، اور اس میں یہ دلیل ہے کہ ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کی مثل ہے۔ ''فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ'': یعنی اگر اس کو مسلمان گردن میسر نہ ہو تو اُس پر لازم ہے کہ دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے تا کہ اللہ اس کی توبہ قبول فرمائیں اور اس پر رحمت فرمائیں، جس کی اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرمالیتے ہیں، اس پر رحم ہو جاتا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جو کسی مسلمان کو عمداً قتل کرے تو اُس کی سزا ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہنا ہے اور اللہ اُس پر غضب ناک ہوں گے اور اُس پر لعنت فرمائیں گے اور اللہ نے اُس کے لیے سخت عذاب تیار فرما رکھا ہے O'' (النساء: ۹۳)

مسلمان کو عمداً قتل کرنے کے احکام

''وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا'': یعنی جس شخص نے کسی مسلمان کو اُس کے مسلمان ہونے کی وجہ سے قتل کیا اور یہ کفر ہے یا اُس نے کسی مسلمان کے قتل کو جائز اور حلال سمجھتے ہوئے قتل کیا اور یہ بھی کفر ہے، تو وہ اس سزا کا مستحق ہے کہ اس کو ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رکھا جائے خواہ اُس کو یہ سزا دی جائے یا نہ دی جائے۔ اور کبھی خلود سے مراد طول القیام بھی ہوتا ہے یعنی وہ زیادہ عرصہ تک جہنم میں رہے گا۔ اور معتزلہ جو یہ کہتے ہیں کہ جس نے کسی مسلمان کو عمداً قتل کیا تو وہ ایمان سے نکل جاتا ہے، ان کا یہ قول قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف ہے: ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى (البقرہ:۱۷۸)'' (اے ایمان والو! تم پر (قاتلوں سے) ناحق مقتولین کا بدلہ لینا فرض کر دیا گیا ہے)۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے قاتلین کو بھی اے ایمان والو! فرما کر خطاب فرمایا ہے، جس سے واضح ہو گیا کہ قتل کرنے سے کوئی شخص ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔

''وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ'': یعنی اللہ عزوجل اس سے انتقام لیں گے اور اس کو اپنی رحمت سے دور فرمادیں گے۔

''وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ۝'': چونکہ اس شخص نے بہت سنگین گناہ کیا ہے، حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ''ایک مسلمان مرد کے قتل کیے جانے کی بہ نسبت اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام دنیا کا زوال زیادہ آسان ہے''۔ (سنن ترمذی: ۱۳۹۵، سنن نسائی: ۳۹۹۸)

کسی مسلمان کو عمداً قتل کرنے سے مسلمان کا نہ اسلام سے نکلنا اور نہ کفر میں داخل ہونا اور اس سلسلہ میں دیگر مذاہب

امام ابو اسحاق احمد المعروف بالامام الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ، النساء: ۹۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

بعض معتزلہ اور خوارج کا مذہب یہ ہے کہ یہ آیت اُس مومن کے متعلق نازل ہوئی ہے جس نے کسی مومن کو عمداً قتل کر دیا اور اس کی جو سزا قرآن مجید میں مذکور ہے وہ سزا اُس کو لامحالہ ملے گی۔ اور المرجئہ نے کہا: یہ آیت اُس کافر کے متعلق نازل ہوئی ہے جس نے مومن کو قتل کر دیا، رہا وہ مومن جس نے کسی مومن کو عمداً قتل کیا تو وہ دوزخ میں داخل نہیں ہوگا، اور ہمارے نزدیک جب مومن نے کسی مومن کو عمداً قتل کیا تو وہ اس فعل سے کافر نہیں قرار دیا جائے گا اور نہ ایمان سے خارج ہوگا، سوا اس صورت کے کہ اس نے

مومن کے قتل کو حلال اور جائز سمجھ کر قتل کیا ہو، لیکن جب اس نے اُس کو حلال اور جائز سمجھ کر قتل نہیں کیا تو اُس پر لازم ہے کہ اس مقتول کی دیت ادا کرے اور یہ اس کا کفارہ ہے بشرطیکہ وہ اس فعل پر توبہ کرنے والا ہو۔ اور اگر وہ دنیا سے بغیر توبہ اور بغیر قصاص کے چلا گیا تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مشیّت کے اوپر موقوف ہے، اگر اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو اُس کو معاف فرمادیں گے اور مقتول کو اللہ تعالیٰ کسی اور طرح سے راضی فرمادیں گے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو قاتل کو اس کے قتل کے فعل پر عذاب دیں گے پھر بعد میں اُس کو جنت کی طرف لے جائیں گے جس کا اُس نے مومن سے وعدہ فرمایا تھا اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں فرماتے۔ اور اُس کا سزا کو ترک کر دینا محض اُس کا فضل ہے اور اللہ تعالیٰ کا سزا نہ دینا خُلفِ وعد ہے اور کریم جب کسی جُرم کی سزا کو بیان فرماتے ہیں تو وہاں پر کوئی شرط مقدر ہوتی ہے یعنی اگر میں نے اُس کو معاف نہ فرمایا تو اُس کو یہ سزا دوں گا اور خُلفِ وعد جائز ہے اور خُلفِ وعید جائز نہیں ہے۔ اور اس پر دلیل کہ مومن کسی مومن کو عمداً قتل کرنے سے نہ کافر ہوتا ہے اور نہ ایمان سے خارج ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قاتل کو بھی "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِى الْقَتْلٰى۔ (البقرہ: ۱۷۸)" سے خطاب فرمایا ہے۔ اور قصاص صرف قتل عمد میں لازم ہوتا ہے اور جن پر اللہ تعالیٰ نے قصاص فرض کیا ہے اُن کو مومنین فرمایا ہے اور اُن کو مومنین کا بھائی فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فَمَنْ عُفِىَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَىْءٌ۔ (البقرہ: ۱۷۸)" (ہاں جس (قاتل) کے لیے اس کے بھائی (مقتول کے وارث) کی طرف سے (اس کی دیت میں سے) کچھ معاف کر دیا گیا ہو)، اس آیت میں جو بھائی فرمایا ہے اس سے ایمان کی اخوت مراد ہے، کیونکہ کافر مومن کا بھائی نہیں ہوسکتا۔

نیز مسلمان کو عمداً قتل کرنے والا اس لیے کافر نہیں ہوسکتا کہ کُفر اللہ تعالیٰ کی تکذیب کو اور احکامِ اسلام کے انکار کو کہتے ہیں اور جس شخص نے کسی مسلمان کو عمداً قتل کیا نہ تو اُس نے اللہ تعالیٰ کی تکذیب کی اور نہ احکامِ اسلام کا انکار کیا اور نہ اُس نے اسلام کے فرائض کو قبول کرنے سے انکار کیا، اُس نے محض وقتی غضب سے مغلوب ہو کر کسی مسلمان کو عمداً قتل کر دیا اور نہ وہ مشرک ہے، کیونکہ اُس نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو عبادت کا مستحق نہیں قرار دیا۔

اور خوارج اور معتزلہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ جب مومن کسی مومن کو عمداً قتل کر دے گا تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رہے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "خٰلِدًا فِيْهَا"۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت اُس کافر کے متعلق نازل ہوئی ہے جس نے کسی مومن کو عمداً قتل کیا ہو۔ (الکشف والبیان ج ۳ ص ۶۲ ۳۔ ۶۴ ۳ ملخصاً وملتقطاً، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلو تو خوب تحقیق کرلیا کرو، اور جو شخص تم کو سلام کرے اُس سے یہ نہ کہا کرو کہ تم مسلمان نہیں ہو، تم دنیا کے سامانِ زندگی کو طلب کرتے ہو، پس اللہ کے پاس بہت اموالِ غنیمت ہیں، تم بھی پہلے اسی طرح تھے، پس اللہ نے تم پر احسان فرمایا، لہٰذا تم اچھی طرح تحقیق کرلیا کرو، بے شک اللہ تمہارے کاموں سے خوب خبر رکھنے والے ہیں O" (النساء: ۹۴)

کسی مسلمان کو بغیر تحقیق کے کافر سمجھ کر قتل کرنے کا عدمِ جواز

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا": یعنی جب تم اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے سفر کرو تو لوگوں

کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو۔ ''وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا'': اور جو شخص تمہیں مسلمانوں کے طریقہ کے مطابق سلام کرے تو اس سے یہ نہ کہو کہ تم مسلمان نہیں ہو۔

روایت ہے کہ مرداس بن نہیک نے اسلام قبول کیا اور اُن کے علاوہ اُن کی قوم میں سے کسی اور نے اسلام قبول نہیں کیا تھا، پس اُن کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لشکر نے حملہ کیا تو وہ سب لوگ بھاگ گئے اور حضرت مرداس رضی اللہ عنہ کو چونکہ اپنے اسلام پر اعتماد اور بھروسہ تھا اس لیے وہ ٹھہرے رہے، پس جب انہوں نے مسلمانوں کے گھوڑے سواروں کو دیکھا تو وہ پہاڑ کی ایک گھاٹی سے جہاں اُن کی بکریاں تھیں وہاں سے پہاڑ پر چڑھ گئے، پھر جب مسلمانوں نے اُن کو دیکھا تو بلند آواز سے اللہ اکبر کہا، انہوں نے بھی اللہ اکبر کہا اور پہاڑ سے نیچے اتر آئے، پس کہا: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ السلام علیکم! تو حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے اُن کو قتل کر دیا اور اُن کی بکریوں کو ہانک کر لے گئے، دیگر مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر دی تو آپ کو اس پر بہت شدید رنج ہوا اور آپ نے فرمایا: تم نے اس کی بکریاں چھیننے کے لیے اس کو قتل کر ڈالا! پھر آپ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ آیت تلاوت فرمائی:

''تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا'': تم مالِ غنیمت کی طلب کا ارادہ کرتے تھے اور یہ وہ لکڑیاں ہیں جو عنقریب فنا ہو جائیں گی، اسی وجہ سے تم نے اُن کے اسلام کی تحقیق کرنے کو ترک کر دیا۔

حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کے کسی مسلمان کو بغیر تحقیق کے قتل کر دینے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عتاب

حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے الحُرقہ کی طرف بھیجا، ہم ان لوگوں کے پاس صبح کے وقت پہنچے تو ہم نے اُن کو شکست دی اور میں اور انصار کے ایک مرد نے اُن کے ایک مرد کا پیچھا کیا، جب ہم نے اس پر غلبہ پالیا تو اُس نے کہا: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، پس وہ انصاری تو اُس پر حملہ کرنے سے رُک گیا اور میں نے اُس پر اپنے نیزے سے حملہ کیا حتیٰ کہ میں نے اس کو قتل کر دیا، جب ہم واپس آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک اس کی خبر پہنچ چکی تھی، آپ نے فرمایا: اے اسامہ! تم نے اس کو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھنے کے بعد قتل کر دیا! میں نے عرض کیا: وہ اس کلمہ کی پناہ لے رہا تھا، آپ بار بار یہی جملہ فرماتے رہے حتیٰ کہ میں نے تمنا کی کہ میں آج سے پہلے اسلام نہ لایا ہوتا۔ (اور میرا یہ جرم زمانہ جاہلیت کے کاموں میں شامل ہو کر میرے اسلام لانے کے بعد معاف ہو جاتا)۔ (صحیح البخاری: ۴۲۶۹، صحیح مسلم: ۹۶، الرقم المسلسل: ۱۷۹، سنن ابوداؤد: ۲۶۴۳، السنن الکبریٰ للنسائی: ۸۵۹۴، مسند احمد: ۲۱۲۳۸، ج ۵ ص ۲۰۰، صحیح ابن حبان: ۴۷۵۱)

''فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ'': یعنی اللہ کے پاس تو بہت مالِ غنیمت ہے جو تم کو عطاء فرمائیں گے۔

''كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ'': یعنی ابتدائے اسلام میں تم بھی اسی طرح تھے، تمہارے مونہوں سے کلمۂ شہادت سنا جاتا تھا اور اسی کلمہ کی وجہ سے تمہاری جان اور تمہارے مال محفوظ کیے جاتے تھے، اور یہ انتظار نہیں کیا جاتا تھا کہ تم جو زبان سے کلمہ پڑھ رہے ہو تمہارا دل بھی اس کی موافقت کر رہا ہے یا نہیں۔ ''فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ'': پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان فرمایا اور تم کو اسلام پر قائم رکھا، سو تم بھی اسلام میں داخل ہونے والوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرو جیسا تمہارے ساتھ سلوک کیا گیا ہے۔ ''فَتَبَيَّنُوْا'': اللہ تبارک وتعالیٰ نے دوبارہ تحقیق کرنے کا حکم فرمایا تاکہ یہ حکم مؤکد ہو جائے۔ ''اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾'': لہٰذا تم قتل کرنے میں

جلدی نہ کرو اور احتیاط سے کام لو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(بلا عذر جہاد سے) بیٹھ رہنے والے مسلمان اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرنے والے مسلمان برابر نہیں ہیں، جو مسلمان اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اُن کو اللہ تعالیٰ نے جہاد سے بیٹھے رہنے والوں پر کئی درجہ فضیلت عطاء فرمائی ہے اور سب سے اللہ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کو جہاد سے بیٹھے رہنے والوں پر فضیلت عطاء فرمائی ہے اور بہت بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہےO'' (النساء: ۹۵)

عذر کے ساتھ جہاد میں نہ شریک ہونے والوں پر جہاد کرنے والوں کی فضیلت

''لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ'': ضرر سے مراد مرض ہے یا کسی مسلمان کا نابینا ہونا یا اُس کا لنگڑا ہونا یا اُس کا اپاہج ہونا ہے، سو یہ وہ امراض ہیں جن کی وجہ سے کوئی انسان جہاد میں شریک ہونے سے معذور قرار دیا جاتا ہے۔

''وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ۚ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً'': یعنی جہاد کرنے والا اور بغیر عذر کے جہاد کے لیے نہ جانے والا برابر نہیں ہیں، اور اس آیت میں بغیر عذر کے جہاد نہ کرنے کی مذمت ہے اور اس کو جہاد کرنے پر ترغیب ہے۔ ''وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۚ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ أَجْرًا عَظِيْمًا'': یعنی ہر دو فریق جو کسی عذر کی وجہ سے جہاد میں نہ شریک ہوں اور وہ مسلمان جو جہاد میں شریک ہوتے ہیں دونوں فریقوں سے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے اور عذر کی وجہ سے جہاد نہ کرنے والوں پر جہاد کرنے والوں کی بہت بڑی فضیلت ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یہ اللہ کی طرف سے (فضیلت کے) متعدد درجات ہیں اور مغفرت ہے اور رحمت ہے، اور اللہ بہت مغفرت فرمانے والے، بے حد رحم فرمانے والے ہیںO'' (النساء: ۹۶)

''دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً'': یعنی اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کو کئی طرح سے فضیلت عطاء فرمائی ہے، اُن کے لیے مغفرت ہے، رحمت ہے اور درجات کی بلندی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کو عذر کے ساتھ جہاد نہ کرنے والوں پر اور بغیر عذر کے جہاد نہ کرنے والوں پر فضیلت عطاء فرمائی ہے کیونکہ جہاد کرنا فرضِ کفایہ ہے اور اللہ تعالیٰ عذر قبول فرماتے ہیں اور رحم فرماتے ہیں۔

(مدارک التنزیل وحقائق التاویل ج ا ص ۳۸۳-۳۸۸، ملخصاً وملتقطاً ومضیفاً، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ)

إِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ أَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ۖ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْأَرْضِ ۚ قَالُوْٓا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ۚ فَأُولٰٓئِكَ مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۹۷﴾

بے شک جن لوگوں کی جانیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے، فرشتے (ان سے) کہتے ہیں: تم کس حال میں تھے؟ وہ کہتے ہیں: ہم زمین میں کمزور تھے، فرشتے کہتے ہیں: کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اُس زمین میں کہیں ہجرت کر جاتے؟ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے○

اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَةً وَّ لَا یَهْتَدُوْنَ سَبِیْلًا ﴿۹۸﴾

سوا اُن لوگوں کے جو مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے واقعی کمزور تھے وہ (کفار کی سرزمین سے نکلنے کے لیے) کسی تدبیر کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور نہ کہیں کا راستہ جانتے تھے○

فَاُولٰٓىٕكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾

تو یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ عنقریب اُن سے درگزر فرمائیں گے، بے شک اللہ بہت زیادہ معاف فرمانے والے اور بے حد بخشنے والے ہیں○

وَ مَنْ یُّهَاجِرْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِیْرًا وَّ سَعَةً ؕ وَ مَنْ یَّخْرُجْ مِنْۢ بَیْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ یُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۰۰﴾ ع

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں ہجرت کریں گے تو وہ زمین میں بہت وسعت اور گنجائش پائیں گے اور جو لوگ اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرنے کے لیے نکلے، پھر اُن کو (راستے میں) موت آجائے تو بے شک اللہ (کے ذمہ کرم) پر ان کا اجر ثابت ہو گیا، اور اللہ بہت بخشنے والے، بے حد رحم فرمانے والے ہیں○

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک جن لوگوں کی جانیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے، فرشتے (ان سے) کہتے ہیں: تم کس حال میں تھے؟ وہ کہتے ہیں: ہم زمین میں کمزور تھے، فرشتے کہتے ہیں: کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اُس زمین میں کہیں ہجرت کر جاتے؟ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے○'' (النساء: ۹۷)

کفار کی سرزمین سے ہجرت کرنے کا وجوب

امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، النساء: ۹۷ تا ۱۰۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓىٕكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ'': یہ آیت بعض اہل مکہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جو اسلام کے متعلق باتیں

کرتے تھے اور انہوں نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت نہیں کی تھی، اُن اہلِ مکہ میں سے قیس بن الفاکہ بن المغیرۃ تھے اور قیس بن الولید بن المغیرہ تھے اور اُن جیسے دیگر لوگ تھے، پس جب مشرکین حملہ کرنے کے لیے بدر کی طرف روانہ ہوئے تو وہ بھی مشرکین کے ساتھ گئے اور انہوں نے کفار کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے قتال کیا، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

''اِنَّ الَّذِيۡنَ تَوَفّٰهُمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ'': یہاں پر جمع کے صیغہ کے ساتھ الملائکہ کا ذکر فرمایا ہے اور اس سے مراد ملک الموت اور اس کے دیگر مددگار فرشتے ہیں یا اُس سے مراد صرف مَلک الموت ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے: ''قُلۡ يَتَوَفّٰٮكُمۡ مَّلَكُ الۡمَوۡتِ الَّذِىۡ وُكِّلَ بِكُمۡ... (السجدہ:۱۱)'' (تم کو موت کا فرشتہ وفات دیتا ہے جو تم پر مقرر فرمایا گیا ہے)، اور عرب جمع کے صیغہ سے واحد کا ارادہ کر لیتے ہیں، اس لیے الملائکۃ سے صرف مَلکُ الموت کا ارادہ فرمایا ہے۔

''ظَالِمِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ'': یعنی وہ شرک کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ کہ انہوں نے ہجرت نہیں کی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کرنے کے بعد اس وقت تک کسی کا اسلام قبول نہیں کیا جاتا تھا جب تک کہ وہ ہجرت نہ کر لے، پھر بعد میں ہجرت کی فرضیت منسوخ ہوگئی جیسا کہ درج ذیل حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس دن مکہ فتح ہوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اب ہجرت نہیں ہے لیکن جہاد اور نیت ہے، پس جب تم کو جہاد کرنے کے لیے بلایا جائے تو چلے جاؤ''۔

(صحیح البخاری: ۱۸۳۴، صحیح مسلم: ۱۳۵۳، ۱۸۶۴، سنن ترمذی: ۱۵۹۰، سنن نسائی: ۲۸۹۲، سنن ابوداود: ۲۴۸۰، سنن ابن ماجہ: ۲۷۷۳، مسند احمد: ۱۹۹۲، سنن دارمی: ۲۵۱۲، مصنف عبدالرزاق: ۹۱۱۳، صحیح ابن حبان: ۴۵۹۲، ۴۸۶۵، المنتقیٰ لابن الجارود: ۱۰۳۰، الطبرانی: ۱۰۹۴۴، البیہقی ج ۵ ص ۱۹۵، شرح السنہ: ۱۹۹۶)

''قَالُوۡا فِيۡمَ كُنۡتُمۡ‌ؕ قَالُوۡا كُنَّا مُسۡتَضۡعَفِيۡنَ فِى الۡاَرۡضِ‌ؕ قَالُوۡۤا اَلَمۡ تَكُنۡ اَرۡضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوۡا فِيۡهَا‌ؕ فَاُولٰٓئِكَ مَاۡوٰٮهُمۡ جَهَـنَّمُ‌ؕ وَسَآءَتۡ مَصِيۡرًا ۙ‏ ﴿۹۷﴾'': سو جن لوگوں نے ہجرت نہیں کی تھی اور کفارِ مکہ کے ساتھ غزوۂ بدر میں گئے اور اُن کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑے اور غزوۂ بدر میں مارے گئے تو فرشتوں نے اُن کے چہروں پر اور اُن کی پیٹھوں کو مارا اور اُن سے کہا: تم کہاں تھے؟ یعنی تم کون سے فریق میں تھے آیا مسلمانوں میں تھے یا مشرکین میں تھے؟ یہ سوال اُن کو ڈانٹ ڈپٹ اور جھڑکنے کے لیے کیا، تو انہوں نے اپنا عذر پیش کیا اور کہا: ہم مشرکین کے ساتھ ٹھہرنے پر مجبور تھے کیونکہ ہم کمزور تھے اور اس زمین میں عاجز تھے یعنی مکہ کی سرزمین میں، تو فرشتوں نے اُن سے کہا: کیا اللہ کی سرزمین بہت وسیع اور کشادہ نہیں تھی؟ یعنی تم مکہ سے نکل کر مدینہ نہیں جا سکتے تھے؟ سو اللہ تعالیٰ نے اُن کو جھوٹا فرما دیا اور ہم پر اُن کے جھوٹ کو ظاہر فرما دیا، پس فرمایا: ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''سوا اُن لوگوں کے جو مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے واقعی کمزور تھے وہ (کفار کی سرزمین سے نکلنے کے لیے) کسی تدبیر کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور نہ کہیں کا راستہ جانتے تھے O''

(النساء:۹۸)

''اِلَّا الۡمُسۡتَضۡعَفِيۡنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالۡوِلۡدَانِ لَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ حِيۡلَةً وَّلَا يَهۡتَدُوۡنَ سَبِيۡلًا ۙ‏ ﴿۹۸﴾'':

یعنی کفار کی سرزمین سے نکلنے کے لیے نہ اُن کے پاس کوئی تدبیر تھی اور نہ راستہ کا خرچ تھا اور نہ ہی وہ نکلنے کا راستہ جانتے تھے، مجاہد نے بیان کیا کہ وہ مدینہ کی طرف جانے کا راستہ نہیں جانتے تھے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''تو یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ عنقریب اُن سے درگزر فرمائیں گے، بے شک اللہ بہت زیادہ معاف فرمانے والے اور بے حد بخشنے والے ہیں O'' (النساء:۹۹)

''فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾'': یعنی اللہ تعالیٰ عنقریب اُن سے درگزر فرمائیں گے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں اور میری والدہ بھی اُن کمزور لوگوں میں سے تھے جن کو اللہ عزوجل نے معذور قرار فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کمزوروں کے لیے نماز میں دعاء فرماتے تھے، حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نماز میں رکوع سے سر اٹھا کر دعا کرتے تھے ''سمع اللہ لمن حمدہ ربنا ولك الحمد'' پھر مسلمانوں کا نام لے کر دعا کرتے تھے: ''اے اللہ الولید بن ولید کو نجات عطاء فرما، اور سلمہ بن ہشام کو اور عیاش بن ابی ربیعہ کو اور کمزور مومنین کو نجات عطاء فرما، اے اللہ! مضر پر اپنی گرفت کو مضبوط فرما دے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کے سالوں کی طرح ان پر سال مسلط فرما دے اور اہلِ مشرق پر اپنی گرفت مضبوط فرما''۔ (صحیح البخاری: ۸۰۴، صحیح مسلم: ۶۷۵، سنن نسائی: ۱۰۷۴، سنن ابوداؤد: ۱۴۴۲، سنن ابن ماجہ: ۱۲۴۴، مسند احمد: ۲۱۹:۷، سنن دارمی: ۱۹۹۵، صحیح ابن خزیمہ: ۶۱۷، صحیح ابوعوانہ ج ۲ ص ۲۸۶_۲۸۷، سنن بیہقی ج ۲ ص ۱۹۸، صحیح ابن حبان: ۱۹۸۶، شرح السنہ: ۶۳۸، مسند الشافعی ج ۱ ص ۸۶_۸۷، مسند الحمیدی: ۹۳۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۱۶)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں ہجرت کریں گے تو وہ زمین میں بہت وسعت اور گنجائش پائیں گے اور جو لوگ اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرنے کے لیے نکلے، پھر اُن کو (راستے میں) موت آجائے تو بے شک اللہ (کے ذمہ کرم) پر ان کا اجر ثابت ہو گیا، اور اللہ بہت بخشنے والے، بے حد رحم فرمانے والے ہیں O'' (النساء:۱۰۰)

''وَ مَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّ سَعَةً'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''مراغما'' کا مطلب ہے ایسی جگہ جہاں منتقل ہوسکیں۔ ابوعبیدہ نے کہا: اس کا معنی ہے ہجرت کی جگہ، اور ایک تفسیر ہے گمراہی چھوڑ کر ہدایت کی جگہ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جندب بن ضمرہ نام کا ایک بوڑھا بیمار شخص تھا، اُس نے کہا کہ میں ضرور اس زمین سے نکلنے کی تدبیر پاتا ہوں اور میرے پاس اتنا مال ہے کہ جو مجھے مدینہ تک پہنچا دے، اور اللہ کی قسم! اب میں ایک رات بھی مکہ میں نہیں گزاروں گا، تو لوگ اس کو ایک چارپائی پر ڈال کر مدینہ کی طرف لے گئے حتیٰ کہ جب وہ لوگ مقامِ تنعیم پر پہنچے تو اس بوڑھے اور بیمار یعنی جندب بن ضمرہ پر موت کا وقت آگیا، اس نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر مار کر کہا: اے اللہ! میری ہجرت تیرے لیے اور تیرے رسول کے لیے ہے اور میں اُس پر بیعت کرتا ہوں جس پر تیرے رسول نے بیعت کی ہے۔ یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کو پہنچ گئی تو انہوں نے کہا: اگر یہ شخص مدینہ پہنچ جاتا تو اس کو پورا پورا اجر مل جاتا اور مشرکین نے ہنس کر کہا: جس چیز کو اس

نے طلب کیا تھا اس کو اس نے نہیں پایا، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:
''وَمَنۡ یَّخۡرُجۡ مِنۡۢ بَیۡتِہٖ مُہَاجِرًا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ ثُمَّ یُدۡرِکۡہُ الۡمَوۡتُ فَقَدۡ وَقَعَ اَجۡرُہٗ عَلَی اللّٰہِ'': یعنی اگر وہ اپنی ہجرت کی جگہ پہنچنے سے پہلے مرگیا تب بھی اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کو پورا پورا اجر عطا فرمائیں گے۔
(مسند ابو یعلیٰ:۲۶۷۹، المعجم الکبیر للطبرانی:۱۱۷۰۹، الاصابہ ج۱ ص۲۹۱، اسباب النزول للواحدی:۳۵۷)
(معالم التنزیل ج۱ ص۶۸۵۔۶۸۷، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

وَاِذَا ضَرَبۡتُمۡ فِی الۡاَرۡضِ فَلَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَقۡصُرُوۡا مِنَ الصَّلٰوۃِ ٭ۖ اِنۡ خِفۡتُمۡ اَنۡ یَّفۡتِنَکُمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ؕ اِنَّ الۡکٰفِرِیۡنَ کَانُوۡا لَکُمۡ عَدُوًّا مُّبِیۡنًا ﴿۱۰۱﴾

(اے مسلمانو!) جب تم زمین میں سفر کرو تو نماز میں قصر کرنے کے سبب سے تم پر کوئی حرج نہیں ہے، اگر تمہیں یہ خطرہ ہو کہ کافر تمہیں (نماز کے دوران) اذیت پہنچائیں گے، بے شک کفار تمہارے کھلے ہوئے دشمن ہیں ○

وَاِذَا کُنۡتَ فِیۡہِمۡ فَاَقَمۡتَ لَہُمُ الصَّلٰوۃَ فَلۡتَقُمۡ طَآئِفَۃٌ مِّنۡہُمۡ مَّعَکَ وَلۡیَاۡخُذُوۡۤا اَسۡلِحَتَہُمۡ ۟ فَاِذَا سَجَدُوۡا فَلۡیَکُوۡنُوۡا مِنۡ وَّرَآئِکُمۡ ۪ وَلۡتَاۡتِ طَآئِفَۃٌ اُخۡرٰی لَمۡ یُصَلُّوۡا فَلۡیُصَلُّوۡا مَعَکَ وَلۡیَاۡخُذُوۡا حِذۡرَہُمۡ وَاَسۡلِحَتَہُمۡ ۚ وَدَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَوۡ تَغۡفُلُوۡنَ عَنۡ اَسۡلِحَتِکُمۡ وَاَمۡتِعَتِکُمۡ فَیَمِیۡلُوۡنَ عَلَیۡکُمۡ مَّیۡلَۃً وَّاحِدَۃً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَیۡکُمۡ اِنۡ کَانَ بِکُمۡ اَذًی مِّنۡ مَّطَرٍ اَوۡ کُنۡتُمۡ مَّرۡضٰۤی اَنۡ تَضَعُوۡۤا اَسۡلِحَتَکُمۡ ۚ وَخُذُوۡا حِذۡرَکُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ اَعَدَّ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابًا مُّہِیۡنًا ﴿۱۰۲﴾

اور (اے رسول اکرم!) جب آپ نماز کے وقت ان مسلمانوں کے درمیان ہوں اور (خوف کے وقت) ان کو نماز پڑھائیں تو ان میں سے ایک گروہ آپ کے ساتھ کھڑا رہے اور وہ اپنے ہتھیار اپنے ساتھ رکھے، پھر جب وہ سجدہ کرلیں تو (اے مسلمانو!) وہ تمہارے پیچھے چلے جائیں اور دوسرا وہ گروہ آئے جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی تو اسے چاہیے کہ وہ آپ کے ساتھ دوسری رکعت پڑھیں اور وہ (بھی) اپنی حفاظت کے ہتھیار اپنے ساتھ رکھیں، کافر چاہتے ہیں کہ تم کسی طرح اپنے ہتھیاروں سے اور اپنے سامان سے غافل ہو جاؤ تو وہ اچانک تم پر ٹوٹ پڑیں، اگر بارش کی وجہ سے تمہیں کوئی تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو تم پر اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ تم اپنے ہتھیار اتار کر رکھ دو، اور اپنی حفاظت کا سامان ساتھ رکھو، بے شک اللہ نے کافروں کے لیے ذلت والا عذاب تیار فرما رکھا ہے ○

فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾

پس جب تم نماز ادا کر چکو تو کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور اپنے پہلوؤں کے بل اللہ کا ذکر کرتے رہو، پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ تو نماز کو حسبِ دستور ادا کرو، بے شک ایمان والوں پر نماز وقتِ مقرر پر فرض کی گئی ہے O

وَ لَا تَهِنُوْا فِی ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ یَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَ تَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا یَرْجُوْنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ﴿۱۰۴﴾

اور کافروں کی تلاش میں ہمت نہ ہارو، اگر تمہیں (جہاد میں) تکلیف پہنچتی ہے تو اُن کو بھی (تمہارے خلاف جنگ میں) تکلیف پہنچتی ہے جیسا کہ تمہیں تکلیف پہنچتی ہے اور تم اللہ سے (اجر وثواب کی) وہ امید رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے، اور اللہ سب کچھ جاننے والے بے حد حکمت والے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے مسلمانو!) جب تم زمین میں سفر کرو تو نماز میں قصر کرنے کے سبب سے تم پر کوئی حرج نہیں ہے، اگر تمہیں یہ خطرہ ہو کہ کافر تمہیں (نماز کے دوران) اذیت پہنچائیں گے، بے شک کفار تمہارے کھلے ہوئے دشمن ہیں O'' (النساء:۱۰۱)

دورانِ سفر نماز کو قصر کرنے کا جواز

امام ابو اللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، النساء:۱۰۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ'': یعنی جب تم سفر کے لیے نکلو اور نماز میں قصر کرو گویا چار رکعت کی نماز میں دو رکعت پڑھو تو تم پر کوئی حرج نہیں ہے اگر تم کو یہ خطرہ ہو کہ کفار تم کو قتل کر دیں گے، لغت میں الفتنة کا معنی ہے الاختبار یعنی آزمائش، پھر قتل کو فتنہ فرمایا جیسا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهِمْ اَنْ یَّفْتِنَهُمْ... (یونس:۸۳)'' (وہ فرعون اور اس کے سرداروں کے قتل کر ڈالنے کے خوف سے ایمان لائے)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض ایام میں صلوٰۃ خوف پڑھی، پس ایک جماعت آپ کے ساتھ کھڑی رہی اور دوسری جماعت دشمن کے بالمقابل کھڑی رہی، پس جو جماعت آپ کے ساتھ تھی آپ نے اس کو ایک رکعت پڑھائی، پھر وہ جماعت دشمن کے سامنے چلی گئی اور دوسری جماعت آگئی، پس آپ نے اُن کو بھی ایک رکعت نماز پڑھائی، پھر دونوں جماعتوں نے ایک ایک رکعت قضاء کی، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب خوف اس سے زیادہ ہو تو سواری پر یا کھڑے ہو کر نماز پڑھے اور اشارہ کے ساتھ نماز پڑھے۔ (صحیح مسلم:۸۳۹، رقم الحدیث:۱۹۴۱، صحیح البخاری:۹۴۳، سنن نسائی:۱۵۴۱)

اللہ تعالیٰ نے حالتِ خوف میں نماز کو قصر کرنے کی اجازت عطاء فرمائی، پھر بعد میں تمام مسلمانوں کے لیے اجازت ہو گئی کہ وہ

سفر میں نماز کو قصر کر لیں خواہ اُنہیں کفار کے قتل کرنے کا خوف ہو یا نہ ہو۔

نمازِ خوف کی مشروعیت کفار کے حملہ کے خطرہ کی وجہ سے تھی، پھر اس کو حالتِ امن میں برقرار رکھنے کی توجیہ

حضرت یعلیٰ بن اُمیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ اگر تمہیں کفار کے فتنے کا خوف ہو تب تم نماز میں قصر کر لو تو تم پر کوئی حرج نہیں ہے، (النساء: ۱۰۱)۔ اب تو لوگ امن میں ہیں (پھر اب لوگ نماز میں قصر کیوں کرتے ہیں؟)، سو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے بھی اس چیز سے تعجب ہوا تھا جس چیز سے تمہیں تعجب ہوا ہے، پس میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اس چیز کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: (نماز میں قصر کرنا) صدقہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے تم پر صدقہ کیا ہے، سو تم اللہ تعالیٰ کے صدقہ کو قبول کرو۔

(صحیح مسلم: ۶۸۶، الرقم المسلسل: ۱۵۷۱، رقم حدیث الباب: ۴، سنن ابوداؤد: ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، سنن ترمذی: ۳۰۳۴، سنن نسائی: ۱۴۳۲، سنن ابن ماجہ: ۱۰۶۵)

ابتدائے اسلام میں نماز کی دو رکعات تھیں، پھر بعد میں نماز کی چار رکعت کر دی گئیں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ابتداء میں نماز دو رکعت فرض ہوئی تھی، پس حالتِ سفر میں دو رکعت نماز کو باقی رکھا گیا اور حالتِ حضر میں نماز چار رکعت کر دی گئی۔

(صحیح البخاری: ۱۰۹۰، ۳۹۳۵، صحیح مسلم: ۶۸۵، سنن نسائی ج ۱ ص ۲۲۵، سنن دارمی ج ۱ ص ۳۵۵، سنن بیہقی ج ۳ ص ۱۴۳، موطا امام مالک ج ۱ ص ۱۴۶، صحیح ابن حبان: ۲۷۳۶)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے رسولِ اکرم!) جب آپ نماز کے وقت ان مسلمانوں کے درمیان ہوں اور (خوف کے وقت) ان کو نماز پڑھائیں تو اِن میں سے ایک گروہ آپ کے ساتھ کھڑا رہے اور وہ اپنے ہتھیار اپنے ساتھ رکھے، پھر جب وہ سجدہ کر لیں تو (اے مسلمانو!) وہ تمہارے پیچھے چلے جائیں اور دوسرا وہ گروہ آئے جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی تو اسے چاہیے کہ وہ آپ کے ساتھ دوسری رکعت پڑھیں اور وہ (بھی) اپنی حفاظت کے ہتھیار اپنے ساتھ رکھیں، کافر چاہتے ہیں کہ تم کسی طرح اپنے ہتھیاروں سے اور اپنے سامان سے غافل ہو جاؤ تو وہ اچانک تم پر ٹوٹ پڑیں، اگر بارش کی وجہ سے تمہیں کوئی تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو تم پر اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ تم اپنے ہتھیار اتار کر رکھ دو، اور اپنی حفاظت کا سامان ساتھ رکھو، بے شک اللہ نے کافروں کے لیے ذلت والا عذاب تیار فرما رکھا ہے O'' (النساء: ۱۰۲)

صلوٰۃ الخوف ادا کرنے کی کیفیت

''وَ اِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ'': یعنی جب آپ دشمن کے بالمقابل مومنوں کے ساتھ ہوں اور نماز کا وقت آ جائے۔

''فَلْتَقُمْ طَآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ'': تو مومنین میں سے ایک جماعت آپ کے ساتھ نماز میں کھڑی ہو اور جو

لوگ آپ کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہیں وہ اپنے ہتھیار دشمن کے بالمقابل رکھیں "فَاِذَا سَجَدُوْا": یعنی جو لوگ امام کے پیچھے ایک رکعت نماز پڑھ لیں "فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآىِٕكُمْ": تو وہ دشمن کی جگہ پر چلے جائیں اور وہاں کھڑے ہو جائیں، "وَلْتَاْتِ طَآىِٕفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ": پھر جو جماعت دشمن کے بالمقابل کھڑی ہوئی تھی وہ آکر آپ کے ساتھ دوسری رکعت پڑھے، اور ہر جماعت کے ساتھ صرف ایک رکعت پڑھنے کا ذکر ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب صلوٰۃ خوف پڑھی تو جماعت کے ساتھ ایک رکعت نماز پڑھی اور دوسری جماعت کے ساتھ دوسری رکعت پڑھی، پھر پہلی جماعت آگئی اور دوسری جماعت دشمن کے سامنے چلی گئی حتیٰ کہ پہلی جماعت نے دوسری رکعت پڑھی اور سلام پھیر دیا، پھر دوسری جماعت آئی اور اس نے پہلی رکعت پڑھی اور سلام پھیر دیا حتیٰ کہ ہر جماعت کی دو دو رکعت ہو گئیں، یہ ہمارے اصحابِ احناف کا صلوٰۃ خوف پڑھنے میں مختار ہے۔ "وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ": اور جب دوسری جماعت آئے تو وہ بھی اپنے ہتھیار اپنے پاس رکھے۔ "وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً": اور کافر یہ تمنا کرتے ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں اور سامانوں سے جنگ میں غافل ہو جاؤ کہ وہ تم پر اچانک حملہ کر دیں۔

"وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَنْ تَضَعُوْۤا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ": اس آیت کا سببِ نزول یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ انمار میں مشغول تھے، آپ نے دشمن کو شکست دے دی اور اُن کے بچوں کو قید کر لیا، جب آپ واپس ہوئے تو بارش آگئی، سو مسلمان ایک وادی میں اُترے جو درختوں کے نیچے تھی، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہتھیار درختوں پر ٹانک دیے اور وادی کے دوسری جانب تنہا چلے گئے، پس اچانک بارش کا پانی آگیا جو آپ کے اور آپ کے اصحاب کے درمیان حائل ہو گیا، اور بعض مشرکین اس پہاڑ پر موجود تھے اُن میں سے کسی ایک نے دیکھا کہ بارش کا پانی آپ کے اور آپ کے اصحاب کے درمیان حائل ہو گیا ہے، پس مشرکین میں سے ایک شخص آیا جس کا نام حویرث بن الحارث تھا، اُس نے کہا کہ میں ان کو قتل کروں گا، پس وہ آپ کے پاس آیا اور کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) اب آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ نے فرمایا: اللہ عزوجل! اُس نے اپنی تلوار میان سے نکالی اور آپ کو مارنے کا ارادہ کیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کے سینے میں دھکا دیا تو تلوار اُس کے ہاتھ سے گر گئی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس پر چڑھ گئے اور اُس کی تلوار پر قبضہ کر لیا اور آپ نے فرمایا: اب تمہیں مجھ سے کون چھڑائے گا؟ اس نے کہا: کوئی نہیں چھڑائے گا، آپ نے اُس سے فرمایا: اگر تم اسلام لے آؤ تو میں تمہاری تلوار تمہیں واپس کر دوں گا، اس نے کہا: میں اسلام نہیں لاؤں گا لیکن میں اللہ تعالیٰ سے یہ وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ میں نہ آپ کی حمایت کروں گا اور نہ آپ کی مخالفت کروں گا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کی تلوار اُس کو واپس کر دی، اُس مرد نے کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ مجھ سے بہتر ہیں کیونکہ آپ مجھ کو قتل کرنے پر قادر تھے لیکن آپ نے مجھ کو قتل نہیں کیا، پھر وہ کافر اپنے اصحاب کی طرف گیا اور اُن کو اس واقعہ کی خبر دی، سو اُن میں سے بعض نے اسلام قبول کر لیا اور وہ بارش کا پانی منقطع ہو گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کے پاس آگئے اور آپ نے اُن کو اس واقعہ کی خبر دی، پھر آپ نے اُن پر یہ آیت پڑھی: "وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَنْ تَضَعُوْۤا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ"۔ یعنی تم دشمن سے مقابلہ کرنے کے لیے احتیاطاً اپنے ہتھیار اپنے ساتھ رکھو۔ اور الضحاک نے کہا: تم اپنی تلواریں لٹکا کر رکھو، کیونکہ یہ جنگ کی ہیبت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کفار کے ساتھ حسنِ سلوک فرمانا

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نجد کی طرف ایک غزوہ میں گئے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس آئے اور وہ بھی آپ کے ساتھ واپس آئے اس وادی میں بہت زیادہ کانٹوں والے درخت تھے تو آپ اور صحابہ دوپہر کے وقت وہاں پہنچے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُترے اور صحابہ ان کانٹوں والے درختوں میں مختلف جگہوں پر اترے، وہ درختوں کا سایا چاہتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک کیکر کے درخت کے نیچے اترے، آپ نے اس درخت پر اپنی تلوار لٹکا دی، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ہم لوگ سو چکے تھے پھر اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں بلا رہے تھے تو ہم آپ کے پاس آئے، اس وقت آپ کے پاس ایک اعرابی بیٹھا ہوا تھا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا: اس شخص نے مجھ پر میری تلوار سونت لی تھی اور میں سویا ہوا تھا، پس جب میں بیدار ہوا تو تلوار اس کے ہاتھ میں سونتی ہوئی تھی، سو اس نے مجھ سے کہا: اب آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ میں نے اس سے کہا: اللہ! پس وہ شخص یہ بیٹھا ہوا ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو کوئی سزا نہیں دی۔

(صحیح البخاری: ۲۹۱۰، صحیح مسلم: ۸۴۵، مسند احمد: ۱۳۹۲۵)

جو اعرابی آپ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا اس کا نام غورث تھا، آپ نے اس اعرابی کی سختی اور اس کے درشت رویے پر اس کو کوئی سزا نہیں دی بلکہ اس کو معاف فرما دیا، آپ کفار کے ساتھ نرم سلوک اس لیے کرتے تھے تاکہ وہ اسلام لے آئیں اور آپ کفار کے اسلام لانے پر بہت حریص تھے۔

علامہ واقدی نے لکھا ہے کہ وہ شخص اسلام لے آیا تھا اور اس کی وجہ سے بہت لوگوں نے ہدایت پائی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''پس جب تم نماز ادا کر چکو تو کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور اپنے پہلوؤں کے بل اللہ کا ذکر کرتے رہو، پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ تو نماز کو حسبِ دستور ادا کرو، بے شک ایمان والوں پر نماز وقتِ مقرر پر فرض کی گئی ہے ○'' (النساء: ۱۰۳)

حالتِ جنگ اور حالتِ امن میں نماز پڑھنے کی کیفیت

''فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِكُمْ'': یعنی جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو اپنے دل اور زبان سے جس حال میں بھی ہو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو، خواہ تم کھڑے ہوئے ہو خواہ تم بیٹھے ہوئے ہو، خواہ تم لیٹے ہوئے ہو۔ اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ جب تم نماز ادا کر چکو یعنی جب تم دار الحرب میں نماز پڑھ لو تو سواریوں پر نماز پڑھو یا کھڑے ہوئے نماز پڑھو یا بیٹھے ہوئے یا پہلو کے بل اگر تم قیام پر قادر نہ ہو، یا جب تم پر دشمن کا خوف ہو یا بیمار ہو، اور یہ اس طرح ہے جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا: ''فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾ (البقرہ: ۲۳۹)'' (پس اگر تم کو جان کا خطرہ ہو تو پیدل چلتے ہوئے یا سواری پر (نماز پڑھ لیا کرو) پھر جب جان کا خطرہ نہ رہے تو اس طرح نماز پڑھو جس طرح اللہ نے تمہیں تعلیم دی ہے جس کو تم پہلے نہیں جانتے تھے)۔

''اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾'': یعنی نماز تم پر اپنے وقت میں فرض کی گئی ہے جو معلوم ہے کہ مسافر

پر دو رکعت فرض ہے اور مقیم پر چار رکعت فرض ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور کافروں کی تلاش میں ہمت نہ ہارو اگر تمہیں (جہاد میں) تکلیف پہنچتی ہے تو اُن کو بھی (تمہارے خلاف جنگ میں) تکلیف پہنچتی ہے جیسا کہ تمہیں تکلیف پہنچتی ہے اور تم اللہ سے (اجر وثواب کی) وہ امید رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے، اور اللہ سب کچھ جاننے والے بے حد حکمت والے ہیں ''

(النساء:۱۰۴)

''وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ'': یعنی دشمنوں کو تلاش کرنے میں کمزور نہ پڑو، اور دشمنوں سے ابوسفیان اور اس کے اصحاب مراد ہیں، کیونکہ مسلمان غزوۂ اُحد میں زخمی ہو گئے تھے اور اب وہ جہاد کے لیے نکلنے سے کمزور ہو رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو حکم فرمایا کہ وہ اپنی قوت اور طاقت کو ظاہر کریں، اور یہ خطاب اُن سے بھی ہے اور قیامت تک تمام مسلمانوں سے یہ خطاب ہے کہ کفار سے جہاد کے لیے وہ کمزور نہ پڑیں، اگر تم جہاد میں زخمی ہوتے ہو یا تمہیں تکلیف ہوتی ہے تو کفار کو بھی تم سے جنگ کے دوران تکلیف ہوتی ہے اور وہ بھی زخمی ہوتے ہیں، اور تم کو کفار پر یہ برتری حاصل ہے کہ تم ان تکلیفوں اور زخموں پر اللہ تعالیٰ سے آخرت میں اُس اجر وثواب کی اُمید رکھتے ہو جس کی کفار آخرت میں امید نہیں رکھتے۔ اور جو کچھ ہو چکا اُس کو بھی اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور آئندہ جو کچھ ہوگا اُس کو بھی اللہ تعالیٰ جانتے ہیں۔ (تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۳۸۲۔ ۳۸۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ)

إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ أَرٰىكَ اللّٰهُ ۚ وَلَا تَكُن لِّلْخَآئِنِينَ خَصِيمًا ﴿١٠٥﴾

بے شک ہم نے حق کے ساتھ آپ پر کتاب نازل فرمائی ہے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس حکم کے ساتھ فیصلہ کریں جو اللہ نے آپ پر نازل فرمایا ہے، اور آپ خیانت کرنے والوں کے وکیل نہ بنیں

وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۖ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٠٦﴾

اور آپ اللہ سے مغفرت طلب کریں، بے شک اللہ بہت مغفرت فرمانے والے، بے حد رحم فرمانے والے ہیں

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنفُسَهُمْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ خَوَّانًا أَثِيمًا ﴿١٠٧﴾

آپ اُن کی طرف سے وکالت نہ کریں جو اپنی جانوں کے ساتھ خیانت کرتے ہیں، بے شک اللہ اُس شخص کو پسند نہیں فرماتے جو بہت خیانت کرنے والا بڑا گنہگار ہو

يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا

لَا يَرۡضٰى مِنَ الۡقَوۡلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ مُحِيۡطًا ﴿۱۰۸﴾

(یہ خائن لوگ) لوگوں سے شرماتے ہیں اور اللہ سے نہیں شرماتے حالانکہ اللہ ان کے اس وقت بھی ساتھ ہوتے ہیں جب وہ رات کو چھپ کر کسی ایسی بات کا مشورہ کرتے ہیں جو اللہ کو پسند نہیں ہوتی، اور اللہ ان کے تمام کاموں کا احاطہ فرمانے والے ہیں O

هٰۤاَنۡتُمۡ هٰۤؤُلَاۤءِ جٰدَلۡتُمۡ عَنۡهُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا قف فَمَنۡ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنۡهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ اَمۡ مَّنۡ يَّكُوۡنُ عَلَيۡهِمۡ وَكِيۡلًا ﴿۱۰۹﴾

(اے مسلمانو!) سنو! تم ایسے لوگ ہو کہ تم نے اِن خائنوں کی طرف سے دنیا کی زندگی میں وکالت کی، پس قیامت کے دن ان لوگوں کی طرف سے اللہ کے سامنے ان کی کون وکالت کرے گا؟ یا کون ان کا زعیم ہوگا؟O

وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا اَوۡ يَظۡلِمۡ نَفۡسَهٗ ثُمَّ يَسۡتَغۡفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ﴿۱۱۰﴾

اور جو شخص بُرے کام کرے گا یا اپنی جان پر ظلم کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے گا تو اللہ کو بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا پائے گاO

وَمَنۡ يَّكۡسِبۡ اِثۡمًا فَاِنَّمَا يَكۡسِبُهٗ عَلٰى نَفۡسِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ﴿۱۱۱﴾

اور جو شخص گناہ کا کسب کرے گا تو اس کے کسب کا وبال اسی کی جان پر ہوگا، اور بے شک اللہ سب کچھ جاننے والے، بے حد حکمت والے ہیں O

وَمَنۡ يَّكۡسِبۡ خَطِيۡٓـئَةً اَوۡ اِثۡمًا ثُمَّ يَرۡمِ بِهٖ بَرِيۡٓـئًا فَقَدِ احۡتَمَلَ بُهۡتَانًا وَّاِثۡمًا مُّبِيۡنًا ﴿۱۱۲﴾ ع

اور جس شخص نے خطاء یا گناہ کا کام کیا، پھر کسی بے قصور کی طرف اس گناہ کی تہمت لگادی، تو اس نے بہتان اور کھلے ہوئے گناہ کا بوجھ اٹھایاO

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”بے شک ہم نے حق کے ساتھ آپ پر کتاب نازل فرمائی ہے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس حکم کے ساتھ فیصلہ کریں جو اللہ نے آپ پر نازل فرمایا ہے، اور آپ خیانت کرنے والوں کے وکیل نہ بنیں O“ (النساء: ۱۰۵)

اُبیرق کے بیٹوں میں سے بُشیر منافق کی چوری کے متعلق متعدد روایات

”اِنَّآ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰٮكَ اللّٰهُ ؕ وَلَا تَكُنۡ لِّلۡخَآئِنِيۡنَ خَصِيۡمًا ﴿۱۰۵﴾“:

النساء: ۱۰۵ کا پسِ منظر یہ ہے کہ انصار کے قبیلہ بنواُبیرق کے ایک گھرانے میں تین بھائی بُشیر، بشر اور مبشر مسلمان تھے اور

اُن کا ایک بھائی بُشیر ظاہری طور پر مسلمان تھا اور در حقیقت منافق تھا۔ ایک مرتبہ چور حضرت رفاعہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر میں نقب لگا کر اُن کے ہتھیار اور آٹے کی ایک بوری چُرا کر لے گئے، تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ بُشیر منافق اور اس کے بدمعاش ساتھیوں نے چوری کی ہے۔ حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بھتیجے حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اصل واقعہ بیان کرو تو امید ہے کہ ہمارا مال ہم کو واپس مل جائے، حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ سنایا۔ جب بُشیر کے قرابت داروں نے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس سلسلہ میں استغاثہ پیش کیا گیا ہے تو انہوں نے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ! قتادہ بن نعمان اور اُن کے چچا رفاعہ ہمارے ایک آدمی یعنی بُشیر پر ناحق چوری کی تہمت لگا رہے ہیں حالانکہ وہ مسلمان ہو چکا ہے اور یہ اُس پر ناحق چوری کی تہمت لگا رہے ہیں، اس کے بعد حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے اُن سے فرمایا: تم ایسے شخص پر بغیر کسی ثبوت کے اور بغیر کسی گواہ کے چوری کی تہمت لگا رہے ہو جو دائرہ اسلام میں داخل ہو چکا ہے! یہ سُن کر حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بہت رنجیدہ ہوئے اور اُن کے دل میں یہ خواہش ہوئی کہ کاش! میں نے آپ سے چوری کی شکایت نہ کی ہوتی، تھوڑی دیر گزری تھی کہ اللہ عزوجل نے اپنے رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیت نازل فرما دی۔

اس آیت میں جو فرمایا ہے: ''وَلَا تَكُنۡ لِّلۡخَآئِنِیۡنَ خَصِیۡمًا ۝۱۰۵'' اس آیت میں خائنین سے مراد بنو اُبیرق تھے کیونکہ اُبیرق کے ایک بیٹے بُشیر نے یہ چوری کی تھی اور خیانت کی تھی، پھر بنو اُبیرق نے بُشیر اور اُس کے ساتھیوں کو مجبور کر کے چوری کا مال برآمد کر لیا اور تمام اسلحہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھجوا دیا اور بُشیر نفاق کا لباس اتار کر علانیہ مشرکوں سے جا ملا۔

الامام ابو اسحاق احمد المعروف بالامام الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ، النساء: ۱۰۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت انصار کے ایک مرد کے متعلق نازل ہوئی ہے جس کو طعمہ بن اُبیرق کہا جاتا تھا، اس نے اپنے پڑوسی حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کے گھر سے ایک زِرہ چوری کی اور زِرہ آٹے کی بوری میں تھی اور بوری کی پھٹن سے آٹا گر رہا تھا حتیٰ کہ وہ آٹا ایک گھر تک پہنچا، پھر طعمہ بن ابیرق نے اس بوری کو ایک یہودی کے گھر چھپا دیا، اس یہودی کا نام زید بن السمین تھا، پھر اس زِرہ کو طعمہ بن اُبیرق کے ہاں تلاش کیا گیا تو وہاں وہ زِرہ نہیں ملی اور اس نے حلف اٹھا لیا کہ اللہ کی قسم! نہ میں نے وہ زِرہ لی ہے اور نہ مجھے اس کے متعلق کوئی علم ہے، تو زِرہ والوں نے کہا: کیوں نہیں! اللہ کی قسم! ہمارے گھر میں داخل ہو کر اس زِرہ کو نکالا گیا ہے تو انہوں نے اُس کے گھر کی تلاشی لی حتیٰ کہ اس کے گھر میں داخل ہوئے تو وہاں پر آٹا بکھرا ہوا دیکھا، پھر جب اُس نے حلف اٹھا لیا تو انہوں نے اُس کو چھوڑ دیا اور آٹے کے نشانات کا پیچھا کیا حتیٰ کہ وہ اُن نشانات کے ذریعے یہودی کے گھر میں پہنچے اور اس یہودی کو پکڑ لیا، یہودی نے کہا: اُس کو تو یہ بوری طعمہ بن ابیرق نے دی تھی اور کئی یہودیوں نے اس کی گواہی دی، پس طعمہ بن اُبیرق کی قوم نے کہا کہ ہم اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے جاتے ہیں اور اپنے ساتھی کے بارے میں بات کرتے ہیں اور اس کی طرف سے عذر پیش کرتے ہیں اور ہم اپنے ساتھی کی طرف سے وکالت کرتے ہیں اور ہمارا ساتھی معذور ہے، پس وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کو یہ ماجرا سنایا اور انہوں نے آپ سے یہ سوال کیا کہ آپ طعمہ بن اُبیرق کی طرف سے وکالت فرمائیں اور انہوں نے یہ کہا کہ اگر آپ اُس کی وکالت نہیں فرمائیں گے تو ہمارا ساتھی ہلاک ہو جائے گا اور رُسوا ہو گا اور یہودی بری

ہو جائے گا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کرنے کا ارادہ فرمالیا کہ یہودی کو سزا دیں، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

دوسری روایت ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ طُعمہ نے ایک انصاری کی زِرہ چوری کی اور وہ زِرہ آٹے کی بوری میں تھی، پس وہ بوری کسی جگہ سے پھٹی ہوئی تھی حتیٰ کہ پورے راستے میں آٹا گرنے کے نشانات تھے، پھر وہ زید بن السمین یہودی کے گھر تک پہنچے، انہوں نے اُس کو پکڑ لیا اور اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زید بن السمین یہودی کا ہاتھ کاٹنے کا ارادہ فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(الکشف والبیان ج ۳ ص ۳۸۰۔۳۸۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

اس واقعہ کی مکمل تفصیل امام محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے بیان کی ہے:

قتادہ بن نعمان نے بیان کیا کہ اُبیرق کے بیٹوں میں بِشر، بُشَیر اور مبشر تھے اور بُشَیر ایک منافق مرد تھا وہ شعر کہتا تھا اور اُن اشعار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کی ہجو کرتا تھا، پھر اُن اشعار کو بعض عرب شعراء کی طرف منسوب کر دیتا تھا، پھر کہتا تھا کہ فلاں نے یہ شعر کہا ہے، فلاں نے یہ شعر کہا ہے، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب نے اُس شعر کو سنا تو انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! یہ شعر کوئی خبیث مرد ہی کہہ سکتا ہے، اور وہ لوگ زمانہ جاہلیت اور اسلام میں بہت تنگدست تھے اور مدینہ میں اُن کی خوراک کھجور اور جَو تھے۔ پھر شام سے ایک قافلہ آیا تو میرے چچا رُفاعہ بن زید نے اس قافلہ سے آٹے کی ایک بوری خرید لی اور اُس کو اپنے گھر کے بالاخانہ میں رکھ دیا، اور وہاں اُن کی دو زِرہیں تھیں اور دو تلواریں تھیں، پھر رات کو وہاں واردات کی گئی اور اُن کے بالاخانہ میں نقب لگا کر وہ طعام اور ہتھیار چُرا لیے گئے، جب صبح ہوئی تو میرے پاس میرے چچا حضرت رِفاعہ رضی اللہ عنہ آئے، پس انہوں نے کہا: اے میرے بھتیجے! تمہیں معلوم ہے کہ رات ہم پر واردات کی گئی ہے، پس ہمارا طعام اور ہمارے ہتھیار چرا لیے گئے، سو ہم نے اپنی حویلی میں تفتیش کی اور لوگوں سے پوچھ گچھ کی تو ہمیں بتایا گیا کہ ہم نے بنو اُبیرق (اُبیرق کے بیٹوں کو) کو دیکھا ہے کہ وہ اس رات میں آگ روشن کر رہے تھے اور ہمارا یہی گمان ہے کہ انہی لوگوں نے تمہارا طعام اور تمہارے ہتھیار چرائے ہیں اور ہم حویلی میں تفتیش کر رہے تھے تو ہم سے کہا گیا کہ اللہ کی قسم! ہمارا گمان یہ ہے کہ تمہارا مال اٹھانے والا لبید بن سہل ہے، وہ ہم میں سے ایک نیک شخص تھا اور مسلمان تھا، پس جب لبید نے یہ سنا تو اس نے اپنی تلوار نکال لی، پھر وہ اُبیرق کے بیٹوں کے پاس گیا اور کہا: اللہ کی قسم! میں تم پر اس تلوار سے وار کروں گا ورنہ تم مجھے اس چوری کے متعلق سچ سچ بتاؤ، تو اُبیرق کے بیٹوں نے کہا: اے مرد ہم سے دور ہو، اللہ کی قسم! ہم تمہارے مجرم نہیں ہیں، پھر ہم حویلی میں تفتیش کرتے رہے حتیٰ کہ ہمیں اس میں کوئی شک نہیں رہا کہ ابیرق کے بیٹوں میں سے کسی نے چوری کی ہے، پس میرے چچا نے کہا: اے میرے بھتیجے! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو اور اُن کو یہ واقعہ بتاؤ، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: پس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے یہ واقعہ بیان کیا، پس میں نے کہا: یارسول اللہ! ہماری حویلی والے بے وفا لوگ ہیں، انہوں نے میرے چچا حضرت رفاعہ بن زید رضی اللہ عنہ کے بالاخانے میں نقب لگائی اور اُن کے ہتھیار اور طعام کو چرا لیا، پس وہ لوگ ہمارے ہتھیار ہمیں واپس کر دیں اور رہا طعام، تو اُس کی ہمیں ضرورت نہیں ہے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں عنقریب اس معاملے میں غور کروں گا، جب اُبیرق کے بیٹوں نے یہ سنا تو اُن میں سے ایک مرد آیا جس کا نام اُسیر بن عُروہ تھا، انہوں نے اس معاملہ میں بات کی اور تمام حویلی کے لوگ جمع ہو گئے، وہ

سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے، پس انہوں نے کہا: یارسول اللہ! بے شک حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ اور اس کے چچا نے ایک گھر والوں پر یہ تہمت لگائی ہے (یعنی اُبیرق کے بیٹوں میں سے بُشیر پر) اور وہ مسلمان ہے اور نیک ہے اور اس پر بغیر کسی گواہ کے اور بغیر ثبوت کے چوری کی تہمت لگائی ہے، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: پس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور میں نے آپ سے گفتگو کی، آپ نے فرمایا: تم نے ایک ایسے شخص کی طرف اس چوری کی نسبت کی ہے جو مسلمان ہے اور نیک ہے اور تم بغیر گواہ اور بغیر ثبوت کے اس پر چوری کی تہمت لگا رہے ہو، سو میں لوٹ آیا اور میں نے یہ تمنا کی کہ کاش! میں نے اپنے مال میں سے کچھ نکال دیا ہوتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس مسئلہ میں بات نہ کی ہوتی، پس میں اپنے چچا حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، انہوں نے پوچھا: اے بھتیجے! تم نے کیا، کیا؟ تو میں نے ان کو وہ بتایا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تھا، تو میرے چچا نے کہا: اللہ ہی سے مدد طلب کی گئی ہے، ہم ابھی کچھ دیر بھی نہ ٹھہرے تھے کہ قرآن مجید نازل ہوا: ''اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۭ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآىِٕنِيْنَ خَصِيْمًا ''، یعنی آپ اُبیرق کے بیٹوں کی وکالت نہ کریں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور آپ اللہ سے مغفرت طلب کریں، بے شک اللہ بہت مغفرت فرمانے والے، بے حد رحم فرمانے والے ہیں O'' (النساء: ۱۰۶)

''وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ'': یعنی آپ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے جو کچھ کہا ہے اس پر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں، بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والے بے حد رحم فرمانے والے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''آپ اُن کی طرف سے وکالت نہ کریں جو اپنی جانوں کے ساتھ خیانت کرتے ہیں، بے شک اللہ اُس شخص کو پسند نہیں فرماتے جو بہت خیانت کرنے والا بڑا گنہگار ہو O'' (النساء: ۱۰۷)

''وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَھُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا '': یعنی آپ اُبیرق کے بیٹوں کی طرف سے وکالت نہ کیجئے جن کو اپنے جرم کا اظہار کرنے پر لوگوں سے شرم آتی ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(یہ خائن لوگ) لوگوں سے شرماتے ہیں اور اللہ سے نہیں شرماتے حالانکہ اللہ ان کے اس وقت بھی ساتھ ہوتے ہیں جب وہ رات کو چھپ کر کسی ایسی بات کا مشورہ کرتے ہیں جو اللہ کو پسند نہیں ہوتی، اور اللہ ان کے تمام کاموں کا احاطہ فرمانے والے ہیں O (اے مسلمانو!) سنو! تم ایسے لوگ ہو کہ تم نے اِن خائنوں کی طرف سے دنیا کی زندگی میں وکالت کی، پس قیامت کے دن ان لوگوں کی طرف سے اللہ کے سامنے اِن کی کون وکالت کرے گا؟ یا کون اِن کا زعیم ہوگا؟ O اور جو شخص بُرے کام کرے گا یا اپنی جان پر ظلم کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے گا تو اللہ تعالیٰ کو بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا پائے گا O'' (النساء: ۱۰۸۔ ۱۱۰)

''يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَ لَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَ هُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ۝ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۝ وَ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ '':

((یہ خائن لوگ) لوگوں سے شرماتے ہیں اور اللہ سے نہیں شرماتے حالانکہ اللہ ان کے اس وقت بھی ساتھ ہوتے ہیں جب وہ رات کو چھپ کر کسی ایسی بات کا مشورہ کرتے ہیں جو اللہ کو پسند نہیں ہوتی، اور اللہ ان کے تمام کاموں کا احاطہ فرمانے والے ہیں ○ (اے مسلمانو!) سنو! تم ایسے لوگ ہو کہ تم نے اِن خائنوں کی طرف سے دنیا کی زندگی میں وکالت کی، پس قیامت کے دن ان لوگوں کی طرف سے اللہ کے سامنے اِن کی کون وکالت کرے گا؟ یا کون اِن کا زعیم ہوگا؟ ○ اور جو شخص بُرے کام کرے گا یا اپنی جان پر ظلم کرے گا، پھر اللہ سے مغفرت طلب کرے گا تو اللہ تعالیٰ کو بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا پائے گا ○)۔

یعنی اگر ان لوگوں نے اپنے گناہوں پر اللہ عزوجل سے مغفرت طلب کی تو اللہ عزوجل ان کو معاف فرمادیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جو شخص گناہ کا کسب کرے گا تو اس کے کسب کا وبال اسی کی جان پر ہوگا، اور بیشک اللہ سب کچھ جاننے والے، بے حد حکمت والے ہیں ○ اور جس شخص نے خطاء یا گناہ کا کام کیا، پھر کسی بے قصور کی طرف اس گناہ کی تہمت لگادی، تو اس نے بہتان اور کھلے ہوئے گناہ کا بوجھ اٹھایا ○''

(النساء: ۱۱۱۔ ۱۱۲)

''وَ مَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ وَ مَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓـَٔةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ '': یعنی اُبیرق کے بیٹے بُشیر نے اپنی کی ہوئی چوری کی تہمت حضرت لبید بن سہل رضی اللہ عنہ کی طرف لگائی تھی جو بے قصور تھے اور اُبیرق کے بیٹے نے اُن پر بہتان تراشا تھا۔

پس جب قرآنِ مجید کی یہ آیت نازل ہوئی اور حق واضح ہو گیا کہ چوری اُبیرق کے بیٹے بُشیر نے کی تھی اور اس کا جھوٹا الزام حضرت لبید بن سہل رضی اللہ عنہ پر لگایا تھا تو ابیرق کے بیٹے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں وہ چوری شدہ ہتھیار پہنچادیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ ہتھیار حضرت رِفاعہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بھجوادیے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: جب میرے چچا حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کے پاس وہ ہتھیار پہنچ گئے اور وہ بوڑھے ہو چکے تھے تو انہوں نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے کہا: اے میرے بھتیجے! یہ ہتھیار میں اللہ کی راہ میں دیتا ہوں، پس میں نے جان لیا کہ میرے چچا کا اسلام صحیح تھا اور جب قرآنِ مجید کی یہ آیات نازل ہوگئیں تو بُشیر جو منافق تھا وہ مشرکین کے ساتھ جا کر مل گیا اور وہاں جا کر سُلافۃ بنت سعد بن سُمَیّہ کے پاس ٹھہرا، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا ۝ (النساء: ۱۱۵)

اور جو کوئی راہِ ہدایت کھل جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرے گا اور مومنین کے راستہ کے علاوہ (کسی اور راستہ کی) پیروی کرے گا (تو) ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرا ہے اور

اس کو جہنم میں جھونک دیں گے اور وہ نہایت برا ٹھکانا ہے ○

پس جب بُشیر سلافہ کے پاس جا کر ٹھہرا تو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے سُلافہ کے خلاف چند اشعار کہہ کر اس کی مذمت کی تو سلافہ اپنا سامان اٹھا کر وہاں سے چلی گئیں اور ایک وادی میں جا کر سامان رکھ دیا اور پھر کہا: حسّان کے شعر نے مجھے صحیح راہ دکھائی۔

(سنن ترمذی: ۳۰۳۶، تفسیر الطبری ج ۷ ص ۴۵۸ ۔ ۴۶۲، تفسیر ابن ابی حاتم: ۱۰۶۰، المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۳۸۵ ۔ ۳۸۸، الدر المنثور ج ۲ ص ۲۱۵)

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ۭ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ۭ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۭ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾

اور (اے رسولِ اکرم!) اگر آپ پر اللہ کا فضل اور ان کی رحمت نہ ہوتی تو ان (منافقین) میں سے ضرور کچھ لوگ آپ کو بہکانے کا قصد کر لیتے، اور وہ صرف اپنی جانوں کو بہکا رہے تھے اور وہ آپ کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکیں گے، اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی ہے اور آپ جو کچھ (پہلے) نہیں جانتے تھے (اب) آپ کو اس کا علم عطاء فرما دیا ہے، اور اللہ کا آپ پر بہت بڑا فضل ہے ○

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾

اور ان لوگوں کے اکثر پوشیدہ مشوروں میں کوئی بھلائی نہیں ہے سوا اُن لوگوں کے جو صدقہ کرنے کا حکم دیں یا کسی نیک کام کرنے کا حکم دیں یا لوگوں کے درمیان صلح کرانے کا حکم دیں، اور جو لوگ اللہ کی رضا جوئی کے لیے ایسے کام کریں گے تو عنقریب ہم اُن کو بہت بڑا اجر عطاء فرمائیں گے ○

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾ ع

اور جو کوئی راہِ ہدایت کھل جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرے گا اور مومنین کے راستہ کے علاوہ (کسی اور راستہ کی) پیروی کرے گا (تو) ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرا ہے اور اس کو جہنم میں جھونک دیں گے اور وہ نہایت برا ٹھکانا ہے ○

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”اور (اے رسولِ اکرم!) اگر آپ پر اللہ کا فضل اور اُن کی رحمت نہ ہوتی تو ان (منافقین) میں سے ضرور کچھ لوگ آپ کو بہکانے کا قصد کر لیتے، اور وہ صرف اپنی جانوں کو بہکا رہے تھے اور وہ آپ کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکیں گے، اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی ہے اور آپ جو کچھ

(پہلے) نہیں جانتے تھے (اب) آپ کو اس کا علم عطاء فرما دیا ہے، اور اللہ کا آپ پر بہت بڑا فضل ہے O''
(النساء: ۱۱۳)

امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ، النساء: ۱۱۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَ لَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَ رَحْمَتُهٗ'': اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ارشاد فرماتے ہیں: ''لَهَمَّتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ'' یعنی طعمۃ کی ایک قوم نے یہ ارادہ کر لیا تھا ''اَنْ يُّضِلُّوْكَ'' کہ آپ کو غلط فیصلہ کرنے میں مبتلاء کر دیں اور آپ پر معاملہ مشتبہ کر دیں حتیٰ کہ آپ طعمہ بن ابیرق کی طرف سے وکالت کریں ''وَ مَا يُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ'' اور حقیقت میں وہ صرف اپنی جانوں کو بہکا رہے ہیں، ''وَ مَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ'' اور وہ آپ کو کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکیں گے۔

''وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ'': یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ پر قرآن مجید نازل فرمایا ہے اور وحی کے ذریعے فیصلے کا علم عطاء فرمایا ہے۔

''وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا'': یعنی جن احکام شرعیہ کا آپ کو پہلے علم نہیں تھا یا جن علوم غیبیہ کا آپ کو پہلے علم نہیں تھا اُن سب کا آپ کو اب علم عطاء فرما دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علمِ غیب، علمِ ماکان و ما یکون اور آپ کے علم کی وسعت کے متعلق امام ابن جریر کی تصریحات

امام ابو جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ، النساء: ۱۱۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے آپ کے اوپر باقی جو تمام نعمتیں عطاء فرمائی ہیں اُن کے علاوہ مخصوص نعمت یہ ہے کہ آپ پر الکتاب نازل فرمائی جو کہ القرآن ہے جس میں ہر چیز کا واضح بیان ہے اور ہدایت ہے اور نصیحت ہے اور آپ کو حکمت عطاء فرمائی یعنی کتاب کے ساتھ آپ کے اوپر حکمت نازل فرمائی اور اس حکمت میں اُن تمام امور کا تفصیلاً بیان ہے جن کا کتاب میں مجملاً بیان ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کے کیے ہوئے حلال اور اس کے کیے ہوئے حرام اور اس کے تمام احکامات اور اس کے تمام وعدے اور وعید کا بیان ہے۔ ''وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ'' یعنی جو کچھ آپ پہلے نہیں جانتے تھے اس سب کا آپ کو علم عطاء فرمایا، اس میں اولین کی اور آخرین کی خبر ہے اور جو ہو چکا اور جو قیامت تک ہونے والا ہے اس کی خبر ہے، اور یہ سب آپ کے اوپر اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ ''وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا'' اللہ عزوجل فرماتے ہیں: اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم)، جب سے اللہ عزوجل نے آپ کو پیدا فرمایا ہے اس وقت سے اللہ تعالیٰ آپ پر مسلسل فضلِ عظیم عطاء فرما تا رہا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے احسان سے جو کچھ آپ کو عطاء فرمایا اس پر آپ اس کی عبادت کر کے اس کا شکر ادا کریں اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی محبت کے حصول میں جلدی کریں اور کتاب اور حکمت کے تقاضے کے مطابق عمل لازم رکھیں اور جو آپ کو بہکانے کا ارادہ کرے اس کی مخالفت کرنے پر برقرار رہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل سے آپ کی حمایت فرمائیں گے اور جو آپ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے گا اس کے لیے اللہ عزوجل آپ کے لیے کافی ہوں گے اور جو آپ کو اللہ کے راستے سے ہٹانے کا ارادہ کرے گا اس کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کافی ہوں گے۔ (تفسیر الطبری ج ۷ ص ۴۸۰، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم ما کان و ما یکون کے متعلق احادیث

(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان ایک جگہ کھڑے ہوئے، پس ہم کو ابتدائے آفرینش عالم سے خبر دیتے رہے حتیٰ کہ اہلِ جنت اپنے ٹھکانوں میں داخل ہو گئے اور اہلِ دوزخ اپنے ٹھکانوں میں داخل ہو گئے، اس کو جس نے یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے اس کو بھلا دیا، اس نے بھلا دیا۔ (صحیح البخاری: ۳۱۹۲، صحیح مسلم: ۲۸۹۱، سنن ترمذی: ۲۱۹۱، مسند احمد: ۲۲۷۶۳)

(۲) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں تشریف فرما ہوئے اور قیامت تک جو امور پیش ہونے والے تھے آپ نے اُن میں سے کسی کو نہیں چھوڑا اور وہ سب امور بیان فرما دیئے، جس نے اُن کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا، اور جس نے اُن کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا، اور میرے ان اصحاب کو اُن کا علم ہے، ان میں سے کئی ایسی چیزیں واقع ہوئیں جن کو میں بھول چکا تھا، جب میں نے اُن کو دیکھا تو وہ یاد آ گئیں جیسے کوئی شخص غائب ہو جائے تو اس کا چہرہ دیکھ کر اس کو یاد آ جائے کہ اس نے اس کو دیکھا تھا۔ (صحیح البخاری: ۶۶۰۴، صحیح مسلم: ۲۸۹۱، سنن ابوداؤد: ۴۲۴۰، مسند احمد: ۲۲۷۶۳، ج ۵ ص ۳۸۵، جامع الاصول رقم الحدیث: ۸۸۸۲)

(۳) حضرت ابوزید عمرو بن اخطب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو صبح کی نماز پڑھائی اور منبر پر رونق افروز ہوئے، پھر آپ نے ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ ظہر آ گئی، آپ منبر سے اترے اور نماز پڑھائی، پھر منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ عصر آ گئی، پھر آپ منبر سے اترے اور نماز پڑھائی، پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ہم کو خطبہ دیا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا، پھر آپ نے ہمیں ''ماکان و مایکون'' (جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے) کی خبریں دیں، پس ہم میں سب سے زیادہ عالم وہ تھا جو سب سے زیادہ حافظہ والا تھا۔

(صحیح مسلم: ۲۸۹۲، البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۹۲، جامع الاصول رقم الحدیث: ۸۸۸۵، الآحاد والمثانی: ۲۱۸۳، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۳۱۳)

(۴) حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دن کے وقت عصر کی نماز پڑھائی، پھر آپ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے، پھر آپ نے قیامت تک ہونے والی کسی چیز کو ترک نہیں کیا حتیٰ کہ ہم کو اس کی خبر دی، اس کو یاد رکھا جس نے یاد رکھا، اور جس نے اس کو بھلا دیا اس نے بھلا دیا۔ (سنن ترمذی: ۲۱۹۱)

(۵) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لیے تمام روئے زمین کو لپیٹ دیا، یا فرمایا: بے شک میرے رب نے میرے لیے روئے زمین کو لپیٹ دیا، پس میں نے زمین کے تمام مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا۔

(صحیح مسلم: ۲۸۸۹، سنن ابوداؤد: ۴۲۵۲، سنن ترمذی: ۲۱۷۶، سنن ابن ماجہ: ۳۹۵۲، مسند احمد: ۲۲۳۹۵، مسند ابوعوانہ: ۷۵۰۹، دلائل النبوۃ لابی نعیم: ۴۶۴، مسند ابوداؤد الطیالسی: ۹۹۱، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۴۱۸، الآحاد والمثانی: ۴۵۶، صحیح ابن حبان: ۷۲۳۸، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۵۲۶۔۵۲۷، شرح السنۃ للبغوی: ۴۰۱۵، المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۴۴۸)۔

(۶) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دونوں کندھوں کے درمیان ہاتھ رکھا حتیٰ کہ میں نے اس کے پوروں کی ٹھنڈک اپنے سینے کے درمیان محسوس کی ''فتجلی لی کل شیء وعرفت'' پھر ہر چیز میرے لیے منکشف ہو گئی اور میں

نے اس کو پہچان لیا۔

(سنن ترمذی:۳۲۳۵، مسند احمد ج ۵ ص ۲۴۵ طبع قدیم، مسند احمد ج ۳۶ ص ۴۲۲ رقم الحدیث:۲۲۱۰۹، موسسۃ الرسالہ، بیروت، تہذیب الکمال ج ۱۷ ص ۲۰۵، صحیح ابن خزیمہ ج ۱ ص ۵۴۲، المعجم الکبیر ج ۲۰ رقم الحدیث:۲۱۶، الکامل لابن عدی ج ۶ ص ۲۳۴۴، مسند البزار:۲۶۶۸، المعجم الکبیر ج ۱ رقم الحدیث:۲۹۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیع علم اور ما کان و ما یکون کے علم کے متعلق فقہائے اسلام کی عبارات

حافظ عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس الرازی ابن ابی حاتم المتوفی ۳۲۷ ھ، النساء:۱۱۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

قتادہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا اور آخرت کا علم عطاء فرما دیا، اور حلال اور حرام کا علم عطاء فرما دیا تا کہ آپ اس علم سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر استدلال فرمائیں، الضحاک نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو الخیر اور الشر کا علم عطاء فرما دیا۔

(تفسیر ابن ابی حاتم:۵۹۵۷، ۵۹۵۸، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی المتوفی ۶۰۶ ھ، النساء:۱۱۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولین کی اُن خبروں کا علم عطاء فرما دیا جن کو آپ پہلے نہیں جانتے تھے، اسی طرح آپ کو منافقین کے حیلوں اور اُن کے مکر کا علم عطاء فرما دیا۔ ''وَكَانَ فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكَ عَظِيۡمًا ۝'' یہ اُن عظیم دلائل میں سے ہے کہ علم اشرف الفضائل اور اشرف المناقب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو جو علم عطاء فرمایا اس کو قلیل قرار دیا، ارشاد فرمایا: ''وَمَاۤ اُوۡتِيۡتُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ اِلَّا قَلِيۡلًا ۝''۔۔۔ (بنی اسرائیل:۸۵)'' اور تنہا آپ کو جو علم عطاء فرمایا اس کو عظیم فرمایا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کو قلیل فرمایا: ''قُلۡ مَتَاعُ الدُّنۡيَا قَلِيۡلٌ''۔۔۔ (النساء:۷۷)'' تو جس کی نظر میں ساری دنیا قلیل ہے اور تمام دنیا کو جو علم دیا گیا ہے وہ بھی قلیل ہے تو جس کے علم کو اللہ تعالیٰ عظیم فرما دیں اس کی عظمتوں کا کون اندازہ کر سکتا ہے!

(تفسیر کبیر ج ۴ ص ۲۱۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ ھ)

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، لکھتے ہیں:

اکثر علماء نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روح کے علم کو مخلوق سے مبہم رکھا ہے اور اس کو اپنے ساتھ خاص کر لیا ہے، حتیٰ کہ انہوں نے یہ کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی روح کا علم نہیں تھا، میں کہتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے محبوب ہیں اور تمام مخلوق کے سردار ہیں، سو آپ کا منصب اس سے بہت بلند ہے کہ آپ کو روح کا علم نہ ہو، اور آپ کو روح کا علم کیسے نہیں ہوگا! جب آپ کے اوپر اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ احسان ذکر فرمایا ہے: ''وَعَلَّمَكَ مَا لَمۡ تَكُنۡ تَعۡلَمُ ؕ وَكَانَ فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكَ عَظِيۡمًا ۝''۔۔۔ (النساء:۱۱۳)''۔

(عمدۃ القاری ج ۲ ص ۳۰۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی المتوفی ۱۳۶۷ ھ، النساء:۱۱۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی قرآنِ کریم، امورِ دین واحکام شرع وعلوم غیب: مسئلہ: اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام کائنات کے علوم عطاء فرمائے اور کتاب وحکمت کے اسرار وحقائق پر مطلع فرمایا، یہ مسئلہ قرآن کریم کی بہت آیات اور احادیثِ کثیرہ سے ثابت ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان ص ۱۸۹ مجلس المدینۃ العلمیہ، کراچی)

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی متوفی ۱۳۹۱ھ، النساء: ۱۱۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ بھی معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے سارے علومِ غیبیہ اپنے حبیب کو سکھا دیئے۔ رب نے تمام دنیا کو قلیل فرمایا: ''قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ۔۔۔ (النساء: ۷۷)'' اور یہاں فرمایا کہ تم پر اللہ کا بڑا فضل ہے، معلوم ہوا کہ تمام دنیا حضور کے مِلک کا ایک ادنیٰ حصہ ہے ورنہ آپ پر فضلِ عظیم کیسے ہوگا!۔ (تفسیر نور العرفان ص ۱۵۲، ادارہ کتب اسلامیہ گجرات)

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری متوفی ۱۴۱۸ھ، النساء: ۱۱۳ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

امام ابن جریر نے جو کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم کو علم ما کان وما ھو کائن عطاء فرمایا تھا، بعینہٖ یہی الفاظ امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابوزید عمرو بن اخطب سے روایت کیے ہیں، پوری حدیث کا ترجمہ ہدیہ ناظرین ہے: ''ابوزید عمرو بن اخطب فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم نے صبح کی نماز پڑھائی، پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ہمیں خطبہ ارشاد فرماتے رہے یہاں تک کہ نمازِ ظہر کا وقت ہو گیا، حضور منبر سے اترے، نماز پڑھائی، پھر منبر پر تشریف فرما ہو کر خطبہ شروع فرمایا، یہاں تک کہ عصر کی نماز کا وقت ہو گیا، حضور نیچے تشریف لائے اور عصر کی نماز پڑھائی، پھر منبر پر جلوہ افروز ہو کر اپنا خطبہ جاری فرمایا، اور یہ خطبہ غروبِ آفتاب تک جاری رہا، اس طویل خطبے میں (جو صبح سے شام تک جاری رہا) حضور نے ہمیں (ما کان) جو کچھ پہلے گزر چکا تھا کی بھی خبر دی اور (ما ھو کائن) جو کچھ ہونے والا تھا اس کی بھی خبر دی، ہم میں سے بڑا عالم وہ ہے جسے یہ خطبہ زیادہ یاد ہے''۔

(مسلم ص ۲۹۰، ج ۲، مطبوعہ اصح المطابع، کراچی)

اس کے علاوہ بے شمار صحیح احادیث ہیں جن سے حضور پر نور کے علمِ وسیع کا پتا چلتا ہے، امام بوصیری نے شاعرانہ مبالغہ سے کام نہیں لیا تھا بلکہ حقیقت کا اظہار فرمایا تھا جب انہوں نے اپنے مشہور قصیدہ میں بارگاہِ رسالت میں عرض کی تھی:

وان من جودك الدنیا وضرتها ومن علومك علم اللوح والقلم

ترجمہ: اے نبی رحمت! دنیا اور آخرت آپ ہی کی سخاوت سے ہے اور لوح و قلم کا علم آپ کے علم کے بحرِ بیکراں کا ایک حصہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا علم ما کان وما یکون میں منحصر نہیں حتیٰ کہ مساوات کا شبہ ہو، بلکہ اس علم کو تو علمِ الٰہی سے اتنی نسبت بھی نہیں ہے جو قطرہ کو سمندر سے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم حبیبِ معظم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جن بے پایاں علوم سے نوازا اور اسرار و معارف کے جن خزانوں سے آپ کے سینے کو لبریز فرمایا، ان کا ذکر قرآن کریم میں متعدد مقامات پر آپ کو ملے گا جن کے پڑھنے اور سمجھنے سے آپ کے دل کو اطمینان نصیب ہوگا، خصوصاً سورۃ النمل کی آیت: ۶۵ اور سورہ الم نشرح کی پہلی آیت۔

''وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْكَ عَظِیْمًا ۔۔۔ (النساء: ۱۱۳)'': کتنا پیارا جملہ ہے جس ذاتِ اقدس واطہر پر اللہ کا فضل ہوا اور فضل بھی تھوڑا سا نہیں، محدود سا نہیں بلکہ فضلِ عظیم ہوا تو اس کے علوم و معارف کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔

(ضیاء القرآن ج ۱ ص ۳۹۰-۳۹۱، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، کراچی، جولائی ۲۰۱۱ء)

میں کہتا ہوں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلِ عظیم کی عظمت کا اندازہ کرنے کے لیے عارف بوصیری کے اس شعر کو ملاحظہ فرمائیں:

فان فضل رسول اللہ لیس لہٗ حد فیُعرب عنہ ناطق بفم

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضل کی کوئی حد نہیں ہے، جسے کوئی بولنے والا اپنے مونہہ سے بتا سکے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علمِ ما کان و ما یکون کے متعلق دیگر فقہاءِ اسلام کی عبارات

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی المتوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

اور ما کان و ما یکون کا علم اس قبیل سے ہے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بغیر وحی کے نہیں جانا۔ آسمانوں اور زمینوں کی نشانیاں، اللہ تعالیٰ کی مخلوق، اللہ تعالیٰ کے اسماء کی تعیین، آیاتِ کبریٰ، امورِ آخرت، علاماتِ قیامت، اچھے اور برے لوگوں کے احوال اور ما کان و ما یکون کا علم اس قبیل سے ہے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بغیر وحی کے نہیں جانا۔ (الشفاء ج ۲ ص ۱۰۰، ملتان)

حافظ شہاب الدین علی بن احمد بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

نبوت کی بیالیسویں صفت یہ ہے کہ اُن کو ما یکون (امورِ مستقبلہ) کا علم ہو اور تینتالیسویں صفت یہ ہے کہ ان کو ما کان (امورِ ماضیہ) کا علم ہو جن کو ان سے پہلے کسی نے نہ بیان کیا ہو۔ (فتح الباری ج ۱۲ ص ۳۶۷، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور)

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اپنی صفتِ علم کے ساتھ تجلی کر کے حضور پر قرآن نازل فرمایا، جس صفتِ علم سے آسمانوں اور زمینوں کا کوئی ذرّہ غائب نہیں ہوا، اور اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ما کان و ما یکون کو جان لیا۔ (روح المعانی ج ۶ ص ۳۳، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم کلیات اور جزئیات کو محیط ہے۔ (المرقات ج ۱۰ ص ۱۵۱، مکتبہ امدادیہ، ملتان)

نیز ملا علی قاری فرماتے ہیں:

لوح و قلم علومِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک ٹکڑا اس لیے ہے کہ حضور کے علم انواع انواع ہیں، کلیات، جزئیات، حقائق، دقائق، عوارف اور معارف کے ذات و صفاتِ الٰہی سے متعلق ہیں اور لوح و قلم کا علم تو حضور کے مکتوبِ علم سے ایک سطر اور اس کے سمندروں سے ایک نہر ہے، پھر بایں ہمہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی برکت سے تو ہے۔ (الزبدۃ شرح قصیدہ بردہ ص ۱۱۶، مطبوعہ پیر جو گوٹھ، سندھ، ۱۴۰۶ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علمِ غیب کے متعلق فقہائے اسلام کی عبارات

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

اس معاملہ میں کسی مسلمان کو کلام نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غیب کی ہزاروں، لاکھوں چیزوں کا علم عطاء فرمایا تھا بلکہ تمام فرشتوں اور اولین اور آخرین کو جتنا علم دیا گیا ہے، ان سب سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم عطاء فرمایا گیا ہے۔ یہی پوری امت کا عقیدہ ہے۔ ہاں! اس کے ساتھ ہی قرآن و سنت کی بے شمار تصریحات کے مطابق تمام ائمہ سلف و خلف کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ تمام کائنات کا علمِ محیط صرف حق تعالیٰ شانہٗ کی مخصوص صفت ہے۔ جس طرح اس کے خالق و رازق، قادر و مطلق ہونے میں کوئی فرشتہ یا رسول اس کے برابر نہیں ہو سکتا، اسی طرح اس کے علمِ محیط میں بھی کوئی اس کے برابر نہیں ہو سکتا، اس لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی فرشتہ یا پیغمبر کو لاکھوں چیزیں معلوم ہونے کے باوجود عالم الغیب نہیں کہا جا سکتا۔

(معارف القرآن ج ۳ ص ۳۲۸، ادارۃ المعارف، کراچی ۱۴۱۳ھ)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر عالم الغیب کے اطلاق کا عدمِ جواز

ہمارے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے علمِ غیب ثابت ہے، اس کے باوجود ہمارے نزدیک آپ پر عالم الغیب کا اطلاق جائز نہیں ہے، کیونکہ عالم الغیب کا لفظ عرف اور شرع میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہو چکا ہے۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ محمد عزوجل کہنا جائز نہیں ہے حالانکہ آپ عزیز وجلیل ہیں، اسی طرح محمد تبارک وتعالیٰ کہنا جائز نہیں ہے حالانکہ آپ بابرکت اور بلند ہیں، کیونکہ عرف اور شرع میں عزوجل اور تبارک وتعالیٰ کے الفاظ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

مخلوق کو عالم الغیب کہنا مکروہ ہے اور یوں کوئی حرج نہیں کہ اللہ کے بتائے سے امورِ غیب پر انہیں اطلاع ہے۔

(الامن والعلیٰ ص ۲۰۳، نوری کتب خانہ، لاہور)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور ان لوگوں کے اکثر پوشیدہ مشوروں میں کوئی بھلائی نہیں ہے سوا اُن لوگوں کے جو صدقہ کرنے کا حکم دیں یا کسی نیک کام کرنے کا حکم دیں یا لوگوں کے درمیان صلح کرانے کا حکم دیں، اور جو لوگ اللہ کی رضا جوئی کے لیے ایسے کام کریں گے تو عنقریب ہم اُن کو بہت بڑا اجر عطاء فرمائیں گے ○'' (النساء: ۱۱۴)

''لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ'': یعنی طعمۃ کی قوم جو آپس میں اکثر سرگوشیاں کرتی ہے اس میں کوئی خیر نہیں ہے، اور مجاہد نے کہا: یہ آیت تمام لوگوں کے حق میں عام ہے، اور ''نجویٰ'' سے مراد ہے آئندہ کے لیے کاموں کی تدبیر کرنے کی سرگوشی۔

''اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ'': سوا اُن لوگوں کے جو صدقہ وخیرات کرنے کی سرگوشی کریں، یا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے اور احکامِ شرعیہ پر عمل کرنے کی، یا لوگوں کے درمیان صلح کرانے کی۔

آپس میں دو لڑے ہوئے مسلمانوں کے درمیان صلح کرانے کی فضیلت

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں اس عمل کی فضیلت نہ بتاؤں جو نفلی روزہ رکھنے اور نفلی صدقات کرنے اور نفلی نماز پڑھنے سے زیادہ درجہ فضیلت رکھتا ہے، آپ نے فرمایا: جو شخص دو لڑے ہوئے مسلمانوں کے درمیان صلح کرائے۔

(شرح السنہ: ۳۴۳۲، سنن ابوداؤد: ۴۹۱۹، سنن ترمذی: ۲۵۰۹، الادب المفرد للبخاری: ۳۹۱، مسند احمد: ۲۶۹۶۲، ج ۶ ص ۴۴۴۔ ۴۴۵، صحیح ابن حبان: ۵۰۹۲)

حضرت ام کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: وہ آدمی کذاب نہیں ہے جو لوگوں کے درمیان صلح کراتا ہے، پس وہ خیر کے قصد سے چغلی کرتا ہے یا اپنی بات سے خیر کا قصد کرتا ہے۔ (صحیح البخاری: ۲۶۹۲، صحیح مسلم: ۲۶۰۵، الرقم المسلسل: ۶۵۲۸، سنن ابوداؤد: ۴۹۲۰، سنن ترمذی: ۱۹۴۶، شرح السنہ: ۲۰۱۹۶، مسند ابوداؤد الطیالسی: ۱۶۵۶، مسند احمد: ۲۸۔۲۷۲۸، ج ۶ ص ۴۰۳، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۱۹۷، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۲۵، رقم الحدیث ۱۸۳، صحیح ابن حبان: ۵۷۳۳، المعجم الصغیر: ۲۸۲)

''وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۱۱۴'': یعنی جو شخص یہ نیکی کی سرگوشیاں اللہ عزوجل کی رضا جوئی کے لیے کرے گا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ہم اس کو اجرِ عظیم عطاء فرمائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جو کوئی راہِ ہدایت کھل جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرے گا اور مومنین کے راستہ کے علاوہ (کسی اور راستہ کی) پیروی کرے گا (تو) ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرا ہے اور اس کو جہنم میں جھونک دیں گے اور وہ نہایت برا ٹھکانا ہے O'' (النساء:۱۱۵)

طعمة بن اُبیرق کے نفاق اور چوری پر وعید

''وَمَنۡ یُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الۡهُدٰی وَیَتَّبِعۡ غَیۡرَ سَبِیۡلِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ'': یہ آیت طعمة بن اُبیرق کے متعلق نازل ہوئی ہے کیونکہ جب اُس پر چوری کا جرم ثابت ہو گیا تو اس کو یہ خطرہ ہوا کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اور اس کی رُسوائی ہو گی تو وہ مکہ کی طرف بھاگ گیا اور دین سے مرتد ہو گیا، پس اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص توحید اور حدود کے ظاہر ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے گا اور تمام مسلمانوں کے طریقہ کی مخالفت کرے گا تو ہم اس کو اسی کی گمراہی میں برقرار رکھیں گے''۔

طعمة بن اُبیرق کا انجام

روایت ہے کہ طعمة بن ابیرق مکہ میں بنوسُلیم کے ایک مرد کے پاس جا کر ٹھہرا جس کو حجاج بن عُلاط کہا جاتا تھا، اُس نے اس کے گھر میں بھی نقب لگائی، اس کے اوپر ایک پتھر گر پڑا اور وہ اس سوراخ میں پھنس گیا، نہ وہ اس سوراخ سے گھر کے اندر داخل ہو سکتا تھا اور نہ باہر نکل سکتا تھا، وہ صبح تک اسی طرح اس سوراخ میں پھنسا رہا، پھر اُس کو قتل کرنے کے لیے پکڑا گیا، بعض مشرکین نے کہا کہ اس کو چھوڑ دو کیونکہ یہ تمہاری پناہ میں آیا ہے سو انہوں نے اس کو چھوڑ دیا اور اس کو مکہ سے نکال دیا، پھر وہ شام کے تاجروں کے ساتھ شام کی طرف نکل گیا، وہاں بھی ایک مقام پر ٹھہرا اور وہاں بھی لوگوں کے ساز و سامان کی چوری کی اور بھاگا، پس لوگوں نے اس کا پیچھا کیا اور اس کو پکڑ لیا اور اس کو پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا اور انہی پتھروں کے اندر اس کی قبر بن گئی۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ جدّہ کی طرف جانے والے ایک جہاز میں سوار ہوا، وہاں بھی اس نے ایک تھیلی کی چوری کی جس میں دینار تھے، اس کو پکڑ لیا گیا اور سمندر میں پھینک دیا گیا۔ (معالم التنزیل ج ا ص ۷۰۲، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰)

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغۡفِرُ اَنۡ يُّشۡرَكَ بِهٖ وَيَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰ لِكَ لِمَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَمَنۡ يُّشۡرِكۡ بِاللّٰهِ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيۡدًا ﴿۱۱۶﴾

بے شک اللہ اس کو نہیں معاف فرمائیں گے کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے، اور اس سے کم گناہوں کو اللہ جس کے لیے چاہیں گے معاف فرما دیں گے، اور جس نے کسی کو اللہ کا شریک بنایا تو وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا O

اِنۡ يَّدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰـثًا ۚ وَاِنۡ يَّدۡعُوۡنَ اِلَّا شَيۡـطٰنًا مَّرِيۡدًا ۙ﴿۱۱۷﴾

مشرکین اللہ کو چھوڑ کر صرف چند عورتوں کی عبادت کرتے ہیں، اور (حقیقت میں) وہ صرف سرکش شیطان کی عبادت کرتے ہیں O

لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَ تَّخِذَنَّ مِنۡ عِبَادِكَ نَصِيۡبًا مَّفۡرُوۡضًا ۙ﴿۱۱۸﴾

اللہ نے شیطان پر لعنت فرمائی اور شیطان نے کہا: میں ضرور بہ ضرور تیرے بندوں میں سے مقرر حصہ لوں گا○

وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ؕ﴿۱۱۹﴾

اور میں ضرور بہ ضرور اُن کو گمراہ کردوں گا اور میں ضرور بہ ضرور اُن کے دلوں میں جھوٹی آرزوئیں ڈالوں گا، اور میں ضرور بہ ضرور انہیں حکم دوں گا تو وہ ضرور بہ ضرور مویشیوں کے کان چیر دیں گے اور میں ضرور بہ ضرور انہیں حکم دوں گا تو وہ ضرور بہ ضرور اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو تبدیل کردیں گے، اور جس شخص نے اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو کارساز بنایا تو بے شک وہ کھلے ہوئے نقصان میں مبتلاء ہوگیا○

يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾

شیطان اُن سے وعدے کرتا ہے اور انہیں آرزوئیں دلاتا ہے، اور شیطان اُن سے جو بھی وعدہ کرتا ہے وہ صرف دھوکا ہوتا ہے○

اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۫ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾

یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ اس دوزخ سے نکلنے کی کوئی جگہ نہیں پائیں گے○

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے، عنقریب ہم ان کو ایسی جنتوں میں داخل فرمادیں گے جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں اور وہ ہمیشہ ہمیشہ اُن جنتوں میں رہیں گے، یہ اللہ تعالیٰ کا سچا وعدہ ہے، اور اللہ سے زیادہ سچا قول کس کا ہے!○

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَاۤ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾

اللہ کا وعدہ نہ تمہاری خواہشوں پر موقوف ہے اور نہ اہلِ کتاب کی خواہشوں پر موقوف ہے، جس نے بھی برا کام کیا اس کو اس برے کام کی سزا دی جائے گی، اور وہ اللہ کے سوا نہ کوئی حامی پائے گا اور نہ کوئی مددگار○

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾

اور جس نے نیک کام کئے خواہ وہ مرد ہو یا عورت بہ شرطیکہ وہ مومن ہو، سو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرا بھی ظلم نہیں کیا جائے گاO

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ط وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾

اور جس نے اپنا مونہہ اللہ کے لیے جھکا دیا اور وہ نیکی کرنے والا ہو، اس سے اچھا دین کس کا ہو سکتا ہے، اور جس نے ابراہیم کے دین کی پیروی کی ہو جو ہر باطل سے الگ ہو کر حق کی طرف مائل تھے اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا مخلص دوست بنالیاO

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾ ع

اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے، اور اللہ ہر چیز کا احاطہ فرمانے والے ہیںO

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک اللہ اس کو نہیں معاف فرمائیں گے کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے، اور اس سے کم گناہوں کو اللہ جس کے لیے چاہیں گے معاف فرمادیں گے، اور جس نے کسی کو اللہ کا شریک بنایا تو وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑاO'' (النساء: ۱۱۶)

گناہوں میں ڈوبا ہوا آدمی بھی اگر شرک نہ کرے تو اس کی مغفرت متوقع ہے

القاضی مجیر الدین بن محمد العلیمی المقدسی الحنبلی المتوفی ۹۲۸ھ، آل عمران: ۱۱۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾'':

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک سخت بوڑھا دیہاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے عرض کیا کہ میں بوڑھا آدمی ہوں اور گناہوں میں ڈوبا ہوا ہوں، لیکن جب سے میں نے اللہ کو جانا ہے میں نے شرک نہیں کیا اور میں اللہ پر ایمان لایا ہوں اور اللہ کے سوا میں نے کسی کو اپنا کارساز نہیں بنایا، اور اللہ پر جرأت کر کے میں نے کبھی گناہ نہیں کیا، اور میں نے کبھی پلک جھپکنے کی مقدار بھی یہ گمان نہیں کیا کہ میں اللہ سے بھاگ سکتا ہوں، اور بے شک میں نادم ہوں اور اپنے گناہوں پر توبہ کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتا ہوں، تو میرا اب کیا حال ہوگا؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ... (النساء: ۱۱۶)''۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔ (تخریج الکشاف ج ۱ ص ۵۶۶)

میں کہتا ہوں: اگرچہ یہ روایت موضوع ہے لیکن اس کا معنی صحیح ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''مشرکین اللہ کو چھوڑ کر صرف چند عورتوں کی عبادت کرتے ہیں، اور (حقیقت میں) وہ صرف سرکش شیطان کی عبادت کرتے ہیںO اللہ نے شیطان پر لعنت فرمائی اور شیطان نے کہا: میں

ضرور بہ ضرور تیرے بندوں میں سے مقرر حصہ لوں گا O'' (النساء: ۱۱۷۔۱۱۸)

''اِنۡ یَّدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا'': یہ آیت اہلِ مکہ کے متعلق نازل ہوئی ہے کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہیں وہ ایسے بت ہیں کہ جن کے نام عورتوں کی طرح ہیں، وہ المنات، اللات اور العزیٰ کی عبادت کرتے تھے، اور وہ شیطان مَرِیۡد کی عبادت کرتے ہیں اور وہ ابلیس ہے۔

''لَّعَنَهُ اللّٰهُ'': اللہ نے ابلیس پر لعنت فرمائی اور اس کو اپنی رحمت سے دور فرما دیا۔ اور ابلیس نے کہا: ''لَاَتَّخِذَنَّ مِنۡ عِبَادِكَ نَصِیۡبًا مَّفۡرُوۡضًا ﴿۱۱۸﴾'' یعنی میں تیرے بندوں میں سے ایسے لوگوں کو اختیار کرلوں گا جو میری اطاعت کریں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور میں ضرور بہ ضرور اُن کو گمراہ کر دوں گا اور میں ضرور بہ ضرور اُن کے دلوں میں جھوٹی آرزوئیں ڈالوں گا، اور میں ضرور بہ ضرور انہیں حکم دوں گا تو وہ ضرور بہ ضرور مویشیوں کے کان چیر دیں گے اور میں ضرور بہ ضرور انہیں حکم دوں گا تو وہ ضرور بہ ضرور اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو تبدیل کر دیں گے، اور جس شخص نے اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو کارساز بنایا تو بے شک وہ کھلے ہوئے نقصان میں مبتلاء ہو گیا O''

(النساء: ۱۱۹)

''وَلَاُضِلَّنَّهُمۡ'': میں اُن کو حق سے گمراہ کر دوں گا۔ ''وَلَاُمَنِّیَنَّهُمۡ'': میں اُن کی آرزوؤں میں خواہشات کو سوار کر دوں گا۔ ''وَلَاٰمُرَنَّهُمۡ فَلَیُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الۡاَنۡعَامِ'': یعنی جن اونٹنیوں سے پانچ اونٹنیاں پیدا ہو چکی ہوں اور پانچویں بار اونٹ پیدا ہوا ہو تو اُن کے کان چیر دیے جائیں اور اُن سے نفع اٹھانا حرام کر دیا جائے۔ ''وَلَاٰمُرَنَّهُمۡ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلۡقَ اللّٰهِ'': یعنی اُن اونٹوں کو خصی کر دیا جائے اور اُن کی ڈاڑھی کو نوچ لیا جائے۔ ''وَمَنۡ یَّتَّخِذِ الشَّیۡطٰنَ وَلِیًّا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ'': یعنی جو دکھاوے کے لیے شیطان کو کارساز بنائے اور اللہ کو چھوڑ کر شیطان کی اطاعت کرے ''فَقَدۡ خَسِرَ خُسۡرَانًا مُّبِیۡنًا ﴿۱۱۹﴾'' یعنی جو شیطان کو اللہ کا حق عطاء کرے اور شیطان کی وجہ سے اللہ کی اطاعت کو ترک کر دے تو وہ بڑے نقصان میں مبتلاء ہو گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''شیطان اُن سے وعدے کرتا ہے اور انہیں آرزوئیں دلاتا ہے، اور شیطان اُن سے جو بھی وعدہ کرتا ہے وہ صرف دھوکا ہوتا ہے O'' (النساء: ۱۲۰)

''یَعِدُهُمۡ وَیُمَنِّیۡهِمۡ ؕ وَمَا یَعِدُهُمُ الشَّیۡطٰنُ اِلَّا غُرُوۡرًا ﴿۱۲۰﴾'': یعنی وہ لوگوں سے لمبی عمر کا وعدہ کرے اور دنیا کی چیزوں کی اُن کے دلوں میں محبت ڈالے، اور شیطان کا کیا ہوا وعدہ پورا نہیں ہوتا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ اس دوزخ سے نکلنے کی کوئی جگہ نہیں پائیں گے O'' (النساء: ۱۲۱)

''اُولٰٓئِكَ مَاۡوٰىهُمۡ جَهَنَّمُ ۫ وَلَا یَجِدُوۡنَ عَنۡهَا مَحِیۡصًا ﴿۱۲۱﴾'': اُن کو جہنم سے فرار کی جگہ نہیں ملے گی۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے، عنقریب ہم ان کو ایسی جنتوں میں داخل فرمادیں گے جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں اور وہ ہمیشہ ہمیشہ اُن جنتوں میں رہیں گے، یہ اللہ تعالیٰ کا سچا وعدہ ہے، اور اللہ سے زیادہ سچا قول کس کا ہے!O'' (النساء: ۱۲۲)

''وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا'': یعنی مومنوں کے بالا خانوں اور اُن کی رہائش کی جگہوں کے نیچے سے دریا بہتے ہیں۔ ''وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا'': یعنی اللہ کا قول سب سے زیادہ سچا ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اللہ کا وعدہ نہ تمہاری خواہشوں پر موقوف ہے اور نہ اہلِ کتاب کی خواہشوں پر موقوف ہے، جس نے بھی برا کام کیا اس کو اس برے کام کی سزا دی جائے گی، اور وہ اللہ کے سوا نہ کوئی حامی پائے گا اور نہ کوئی مددگار O'' (النساء: ۱۲۳)

''لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ'': یہود اور نصاریٰ نے مسلمانوں کے سامنے فخر کیا اور مسلمانوں سے کہا: ہمارے نبی تمہارے نبی پر مقدم ہیں اور ہماری کتاب تمہاری کتاب پر مقدم ہے، لہٰذا ہم تم سے افضل ہیں، مسلمانوں نے کہا: ہمارے نبی خاتم الانبیاء ہیں اور ہماری کتاب تمہاری کتابوں کے بعض احکام کی ناسخ ہے اور ہم تمہاری کتاب پر ایمان لائے اور تم ہماری کتاب پر ایمان نہیں لائے لہٰذا ہم تم سے اولیٰ اور افضل ہیں، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ کا عطاء فرمایا ہوا ثواب لوگوں کی آرزوؤں پر موقوف نہیں ہے بلکہ ثواب عملِ صالح کی بناء پر ملتا ہے۔

''مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ'': یعنی جس نے برا کام کیا اس کو اس کے برے کام کی دنیا میں سزا دے دی جائے گی یا آخرت میں۔

یہ آیت ہر عمل کرنے والے کے حق میں عام ہے، رہی کافروں کی سزا تو وہ دوزخ ہے اور رہے مومنین تو اُن پر دنیا میں جو مصائب آتے ہیں وہ ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتے ہیں۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس آیت کے نازل ہونے پر عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ آیت تو بہت سخت ہے، آپ نے فرمایا: اے ابو بکر! یا تم کبھی غمگین ہوتے ہو یا تم کبھی بیمار ہوتے ہو، تو یہ دنیا میں تمہاری سزائیں ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں پر بہت دشوار ہوئی، انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم میں سے آپ کے سوا کون ہے جس نے کوئی نہ کوئی برا کام نہ کیا ہو؟ آپ نے فرمایا: دنیا میں بعض لوگ جو نیک کام کرتے ہیں تو اُن کو دس نیکیوں کا اجر دیا جاتا ہے اور جو کوئی برا کام کرتے ہیں تو اُن کی دس نیکیوں میں سے ایک نیکی کا اجر کم ہو جاتا ہے اور اس کی نو نیکیاں پھر بھی باقی رہتی ہیں، پس اُس کے لیے افسوس ہے جس کی ایک برائی دس نیکیوں پر غالب آجائے، اور رہا وہ جس کو آخرت میں جزاء ملے گی سو اس کی نیکیوں اور برائیوں میں تقابل کیا جائے گا، پھر اس کی ہر برائی کے مقابلہ میں ایک نیکی عطاء فرما دی جائے گی۔

یہ حدیث الکلبی نے از ابوصالح از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے اور الکلبی کا نام محمد بن السائب ہے، یہ راوی متروک اور کذاب ہے اور اس نے خود اقرار کیا ہے کہ اس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر بہت جھوٹ باندھے ہیں، اور رہا ابوصالح تو اس کا نام باذان ہے، کہا گیا ہے کہ اس کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ملاقات نہیں ہوئی اور اس نے خود اقرار کیا ہے کہ اس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر بہت جھوٹ باندھے ہیں، اور پہلے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت گزر چکی ہے کہ یہ آیت عام ہے اور یہی صحیح ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما از حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو یہ آیت نازل ہوئی: ''مَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا یُّجۡزَ بِهٖ'' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر! کیا میں تم پر اس آیت کی تلاوت نہ کروں جو مجھ پر ابھی نازل ہوئی ہے، میں نے عرض کیا: کیوں نہیں! آپ مجھے وہ آیت پڑھائیے، مجھے ایسا لگا جیسے میری کمر ٹوٹ رہی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اے ابوبکر! تمہیں کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ پر میرا باپ اور میری ماں قربان ہوں، ہم میں سے کون ہے جس نے کوئی برا کام نہ کیا ہو، تو کیا ہم کو ہمارے کیے ہوئے تمام برے کاموں پر سزا ملے گی؟ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر! تمہیں اور تمہارے مومن اصحاب کو اس دنیا میں سزا مل جائے گی حتیٰ کہ تم اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرو گے کہ تمہارا کوئی گناہ نہیں ہوگا، اور رہے دوسرے لوگ تو اُن کے لیے اُن کے تمام برے کام جمع کیے جائیں گے حتیٰ کہ قیامت کے دن ان کو تمام برے کاموں کی سزا دی جائے گی۔ (شرح السنۃ: ۱۴۳۳، سنن ترمذی: ۳۰۴۲، مسند ابویعلیٰ: ۲۱)

''وَ لَا یَجِدۡ لَهٗ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّ لَا نَصِیۡرًا ﴿۱۲۳﴾'': اور وہ برے کام کرنے والا اللہ کے عذاب کو دور کرنے کے لیے کوئی کارساز اور مددگار نہیں پائے گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جس نے نیک کام کئے خواہ وہ مرد ہو یا عورت بہ شرطیکہ وہ مومن ہو، سو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا O'' (النساء: ۱۲۴)

''وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ مِنَ الصّٰلِحٰتِ'': یعنی جس شخص نے چند نیک کام کرلئے، کیونکہ تمام نیک کاموں کے کرنے پر نہ کوئی قادر ہے اور نہ کوئی تمام نیک کاموں کے کرنے کا مکلف ہے۔ ''وَ لَا یُظۡلَمُوۡنَ'': اُن کے ثواب میں سے کچھ بھی کم نہیں کیا جائے گا۔ ''نَقِیۡرًا ﴿۱۲۴﴾'': کھجور کی گٹھلی پر جو باریک سا چھلکارہ جاتا ہے، اس کے برابر بھی کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جس نے اپنا مونہہ اللہ کے لیے جھکا دیا اور وہ نیکی کرنے والا ہو، اس سے اچھا دین کس کا ہوسکتا ہے، اور جس نے ابراہیم کے دین کی پیروی کی ہو جو ہر باطل سے الگ ہو کر حق کی طرف مائل تھے اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا مخلص دوست بنالیا O'' (النساء: ۱۲۵)

''وَ مَنۡ اَحۡسَنُ دِیۡنًا'': یعنی اُس سے بڑھ کر کس کا دین محکم اور مضبوط ہوگا۔ ''مِّمَّنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ'': جس کا عمل محض اخلاص پر مبنی ہو۔ ''وَ هُوَ مُحۡسِنٌ'' اور وہ موحّد ہو۔ ''وَّ اتَّبَعَ مِلَّةَ اِبۡرٰهِیۡمَ'': وہ ابراہیم کے دین کی پیروی کرے۔ ''وَ اتَّخَذَ اللّٰهُ اِبۡرٰهِیۡمَ خَلِیۡلًا ﴿۱۲۵﴾'': خلیل وہ ہوتا ہے جس کی محبت میں خلل نہ ہو، اور ''الخُلّۃ'' کا معنی ہے ''الصداقۃ'' کیونکہ اللہ جس سے محبت

فرماتے ہیں اس کو برگزیدہ بنادیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ضرور ابوبکر کو خلیل بناتا، لیکن ابوبکر میرے (دینی) بھائی ہیں اور میرے صاحب ہیں، اور بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے صاحب کو اپنا خلیل بنالیا ہے۔
(صحیح مسلم: ۲۳۸۳)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے، اور اللہ ہر چیز کا احاطہ فرمانے والے ہیں O'' (النساء: ۱۲۶)

''وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ'': کیونکہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہیں اور اُس کی ملکیت ہیں، ان میں سے جس چیز کو جس کے لیے اور جتنی چاہیں اختیار فرماتے ہیں۔ ''وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا'': یعنی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی قدرت کے تحت ہے۔ (فتح الرحمٰن فی تفسیر القرآن ج ۲ ص ۱۹۷۔ ۲۰۳، دار النوادر، لبنان، ۱۴۳۲ھ)

وَ يَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَ مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَ تَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾

اور (اے رسولِ اکرم!) لوگ آپ سے عورتوں کے متعلق حکم معلوم کرتے ہیں، آپ کہیے: اللہ تمہیں عورتوں کے متعلق حکم فرماتے ہیں (اور تمہیں عورتوں کے متعلق اُن احکام کی طرف بھی متوجہ فرماتے ہیں) جو تم پر پہلے سے قرآن مجید میں اُن یتیم عورتوں کے متعلق احکام تلاوت کیے گئے ہیں جن عورتوں کو تم اُن کے وہ حقوق ادا نہیں کرتے جو حقوق اُن کے لیے تم پر فرض کئے گئے ہیں، اور (اگر وہ عورتیں خوبصورت ہوں اور مال و دولت رکھتی ہوں تو) تم اُن کے ساتھ نکاح کرنے میں رغبت رکھتے ہو، اور اللہ تمہیں کمزور بچوں کے متعلق بھی حکم فرماتے ہیں کہ تم یتیموں کے ساتھ انصاف پر قائم رہو اور تم جو بھی نیک کام کرتے ہو تو بے شک اللہ اس کو بہت جاننے والے ہیں O

وَ اِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَ الصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَ اُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَ اِنْ تُحْسِنُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾

اور جو عورت اپنے خاوند کی طرف سے زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ کرے تو ان دونوں کے آپس میں صلح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور صلح کرنا بہرحال بہتر ہے، اور دلوں میں مال کی حرص پیدا کی گئی ہے، اور اگر تم پھر بھی احسان کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو

بے شک اللہ تمہارے تمام کاموں کی خبر رکھنے والے ہیں O

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۲۹﴾

اورتم اپنی بیویوں کے درمیان مکمل عدل کرنے کی ہرگز طاقت نہیں رکھتے خواہ تم اس پر حریص بھی ہو (توجس بیوی سے رغبت نہ ہو) تو اس سے مکمل اعراض نہ کرو کہ تم اس کو اس حال میں چھوڑ دو کہ گویا کہ وہ درمیان میں لٹکی ہوئی ہے، اور اگر تم اصلاح کو قبول کرلو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو بے شک اللہ بہت مغفرت فرمانے والے، بے حد رحم فرمانے والے ہیں O

وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾

اور اگر وہ ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں تو اللہ اپنی رحمت سے ان میں سے ہر ایک کو دوسرے سے بے نیاز فرما دیں گے، اور اللہ بہت وسعت والے، بے حد حکمت والے ہیں O

وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾

اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے، اور ہم نے تم سے پہلے اہلِ کتاب کو تاکیدی حکم دیا تھا اور تم کو بھی کہ تم اللہ سے ڈرتے رہو، اور اگر تم نے کفر کو اختیار کیا، تو اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے، اور اللہ بہت بے نیاز ہیں، بہت حمد فرمائے ہوئے ہیں O

وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾

اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے، اور اللہ کافی کارساز ہیں O

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾

اے لوگو! اگر اللہ چاہیں تو تم سب کو فنا فرما دیں اور دوسرے لوگوں کو پیدا فرما کر لے آئیں، اور اللہ اس پر قادر ہیں O

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾ ع

ع ۱۹ ۸ ۱۶

جو دنیا کے ثواب کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ کے پاس دنیا اور آخرت کا ثواب ہے، اور اللہ بہت سننے والے، بے حد دیکھنے والے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور (اے رسولِ اکرم!) لوگ آپ سے عورتوں کے متعلق حکم معلوم کرتے ہیں، آپ کہیے: اللہ تمہیں عورتوں کے متعلق حکم فرماتے ہیں (اور تمہیں عورتوں کے متعلق اُن احکام کی طرف بھی متوجہ فرماتے ہیں) جو تم پر پہلے سے قرآن مجید میں اُن یتیم عورتوں کے متعلق احکام تلاوت کیے گئے ہیں جن عورتوں کو تم اُن کے وہ حقوق ادا نہیں کرتے جو حقوق اُن کے لیے تم پر فرض کئے گئے ہیں، اور (اگر وہ عورتیں خوبصورت ہوں اور مال و دولت رکھتی ہوں تو) تم اُن کے ساتھ نکاح کرنے میں رغبت رکھتے ہو، اور اللہ تمہیں کمزور بچوں کے متعلق بھی حکم فرماتے ہیں کہ تم یتیموں کے ساتھ انصاف پر قائم رہو اور تم جو بھی نیک کام کرتے ہو تو بے شک اللہ اس کو بہت جاننے والے ہیں O'' (النساء: ۱۲۷)

امام ابو اللیث السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ، النساء: ۱۲۷ تا ۱۳۴ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یتیم عورتوں اور یتیم بچوں کے متعلق احکام

''وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ۖ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ'': اللہ تعالیٰ عورتوں کی وراثت کے متعلق تمہیں احکام بیان فرماتے ہیں اور یتیم عورتوں کی وراثت کے متعلق اس سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ احکام بیان فرما چکے ہیں، جن عورتوں کو تم اُن کے وراثت میں مقرر کیے ہوئے حصوں کو ادا نہیں کرتے۔ اور تم اُن عورتوں کے پسماندہ ہونے کی وجہ سے اُن کے ساتھ نکاح کرنے میں رغبت نہیں رکھتے۔

معمر نے ابراہیم سے روایت کی کہ ایک مرد کے زیرِ پرورش ایک یتیم بدصورت لڑکی ہوتی اور وہ مال دار ہوتی اور اس کا سرپرست اس کے مال و دولت کی وجہ سے کسی اور مرد کے ساتھ اس کے نکاح کرنے کو ناپسند کرتا، ابراہیم نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسی بدصورت مال دار عورت کے متعلق اس کے سرپرست کو حکم دیتے تھے کہ وہ اس سے نکاح کرے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک یتیم لڑکی کسی مرد کے زیرِ پرورش ہوتی، پس وہ اس سے نکاح کرنے کا ارادہ کرتا اور اس کو دستور کے مطابق مکمل مہر نہیں دیتا تھا، تو انہیں حکم دیا گیا کہ عورتوں کو مکمل مہر ادا کرو۔ اور مجاہد نے کہا کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ نہ عورتوں کو وارث بناتے تھے اور نہ بچوں کو اُن کے ترکہ سمیت کسی چیز کا وارث بناتے تھے، تب اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے وراثت مقرر فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے یتیم کے ساتھ انصاف کرنے کا حکم فرمایا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کے متعلق سوال کیا گیا: ''اور اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں میں انصاف نہ کرسکو گے تو تمہیں جو عورتیں پسند ہوں اُن سے نکاح کرو، دو دو سے، تین تین سے اور چار چار سے۔۔۔ (النساء: ۳)''۔ پس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے میرے بھانجے! یہ آیت اُس یتیم لڑکی کے متعلق نازل ہوئی ہے جو اپنے ولی (رشتہ کے بھائی) کے زیرِ پرورش ہو اور ترکہ میں اس کی شریک ہو، اس کا مال اور اس کا حسن اس کے ولی کو پسند ہو، وہ اُس سے شادی کرنا چاہتا ہو مگر اس کو رواج اور دستور کے مطابق مہر نہ دینا چاہتا ہو، اور اس کو اتنا مہر نہ دینا چاہتا ہو جتنے مہر اس کو دوسرے دیں، تو ایسے ولی کو اُس یتیم لڑکی کے ساتھ

نکاح کرنے سے منع فرما دیا گیا سوا اس صورت کے کہ وہ ولی اُن لڑکیوں کے ساتھ عدل سے کام لے، اور اُس یتیم لڑکی کے ولی کو حکم دیا گیا کہ وہ اُس کو رواج کے مطابق عُمدہ مہر دیں، اور یا اُس یتیم لڑکی کے سوا دوسری عورتوں سے نکاح کرلیں جو اُن کو پسند ہوں، عُروہ نے بیان کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: پھر اس آیت کے نزول کے بعد لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''اور (مسلمان) آپ سے عورتوں کے متعلق حکم معلوم کرتے ہیں، آپ کہیے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں عورتوں کے متعلق وہی (سابق) حکم فرماتے ہیں اور (وہ احکام بھی) جو تم پر اُن یتیم لڑکیوں کے متعلق پڑھے جا رہے ہیں جن کا وہ حق تم انہیں نہیں دیتے جو اُن کے لیے فرض کیا گیا ہے، اور تم اُن سے نکاح کرنے کی رغبت رکھتے ہو اور کمزور بچوں کے متعلق (بھی تمہیں حکم فرماتے ہیں)، اور یہ کہ یتیموں کے ساتھ انصاف پر قائم رہو اور تم جو بھی نیک کام کرتے ہو تو بے شک اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے۔۔ (النساء:۱۲۷)''۔ یہ وہ پہلی آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اور اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے ساتھ انصاف نہ کرسکو گے تو تمہیں جو عورتیں پسند ہوں، اُن سے نکاح کرو، دو دو سے، تین تین سے اور چار چار سے۔۔۔(النساء:۳)'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد جو دوسری آیت میں ہے: ''اور تم اُن سے نکاح کرنے میں رغبت رکھتے ہو۔۔۔(النساء:۱۲۷)'' جو یتیم لڑکی تمہارے زیرِ پرورش ہو اور اس کا مال اور اس کا حسن کم ہو، لہٰذا ان سے تم نفرت کرتے ہو، تو ان کو اس سے منع فرمایا گیا ہے کہ جن یتیم لڑکیوں کے مال اور حسن میں تمہاری رغبت ہے، اُن سے بغیر انصاف کے نکاح کرو۔

(صحیح البخاری: ۲۴۹۴، ۲۷۶۳، ۴۵۷۳، ۴۵۷۴، ۴۶۰۰، ۵۰۶۴، صحیح مسلم: ۳۰۱۸، الرقم المسلسل: ۷۴۲۲، سنن ابی داؤد: ۲۰۶۸، سنن نسائی: ۳۳۴۳، سنن بیہقی: ج ۷ ص ۱۴۱)

یتیم لڑکی کے ساتھ اس کے ولی کا خود سے اور دوسروں سے نکاح کرنے کا جواز

''وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ'': یعنی کمزور بچے اپنی میراث کا سوال کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کمزور بچوں کے متعلق حکم فرماتے ہیں کہ تم یتیم بچوں کے ساتھ عدل کرو۔

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ باپ اور دادا کے سوا جب کوئی شخص یتیم لڑکی کا نکاح کردے تو یہ جائز ہے، اور اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ اگر وہ اس یتیم لڑکی سے خود بھی نکاح کرلے تو یہ بھی جائز ہے، جب کہ یتیم لڑکی اس کی ذی رحم مَحرم نہ ہو۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور جو عورت اپنے خاوند کی طرف سے زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ کرے تو ان دونوں کے آپس میں صلح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور صلح کرنا بہرحال بہتر ہے، اور دلوں میں مال کی حرص پیدا کی گئی ہے، اور اگر تم پھر بھی احسان کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو بے شک اللہ تمہارے تمام کاموں کی خبر رکھنے والے ہیں O'' (النساء:۱۲۸)

جب شوہر اور بیوی کے درمیان ناچاقی ہو تو اُن کے ایک دوسرے سے علیحدہ ہونے میں کوئی حرج نہ ہونا

''وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ'':

یہ آیت محمد بن مَسلمہ کی بیٹی اور اُن کے خاوند اسعد بن الزبیر کے متعلق نازل ہوئی ہے، اسعد بن زبیر نے جب اُن سے نکاح

کیا تو وہ نوجوان تھیں، پھر جب وہ بوڑھی ہوگئیں تو اسعد بن زبیر نے اُن کے اوپر ایک نوجوان عورت سے نکاح کرلیا اور نئی بیوی کو پرانی بیوی پر ترجیح دی اور محمد بن مسلمہ کی بیٹی سے بدسلوکی کی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اپنے شوہر کی شکایت کی، تب یہ آیت نازل ہوئی کہ جب کسی عورت کو اپنے خاوند سے یہ خدشہ ہو کہ وہ اس سے مجامعت کو ترک کردے گا یا اس سے اپنا چہرہ موڑے رکھے گا اور بہت کم اس کے پاس بیٹھے گا اور اس سے باتیں کرے گا تو ایسی صورت میں نہ خاوند پر حرج ہے، نہ اس عورت پر حرج ہے کہ وہ آپس میں صلح کرلیں اور صلح بہت بہتر ہے۔ مجاہد نے اس کی تفسیر میں کہا کہ ایک مرد اپنی بیوی سے کہے کہ تم بوڑھی ہوگئی ہو اور میں چاہتا ہوں کہ تمہارے بدلے میں کسی نوجوان عورت سے نکاح کرلوں، سو تم اپنے بچوں کے ساتھ رہو، سو یہ اُن دونوں کے درمیان صلح ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مجھے حضرت سودہ بنتِ زمعہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کسی عورت سے محبت نہیں تھی، جب وہ بوڑھی ہوگئیں تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے کردی۔

(صحیح البخاری: ۵۲۱۲، صحیح مسلم: ۱۴۶۳، سنن ابوداؤد: ۲۱۳۵، سنن ترمذی: ۳۰۴۰، سنن ابن ماجہ: ۱۹۷۲، سنن بیہقی ج ۷ ص ۷۴۔۷۵، مسند ابوداؤد الطیالسی: ۲۶۸۳)

حضرت سودہ بنتِ زمعہ رضی اللہ عنہا نے کہا: جب اُن کی عمر زیادہ ہوگئی اور انہیں یہ خدشہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کو طلاق دے دیں گے تو انہوں نے کہا: یارسول اللہ! میں اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیتی ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو قبول فرمالیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا"۔ (سنن ابوداؤد: ۲۱۳۵، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۱۸۶)، امام بیہقی کی مفصل روایت اس طرح ہے:

عروہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کو طلاق (رجعی) دے دی، پس جب آپ نماز پڑھانے کے لیے نکلے تو حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے کپڑے کو پکڑ لیا، پس وہ کہنے لگیں: اب مجھے مردوں کی کوئی خواہش تو نہیں ہے لیکن میں یہ ارادہ کرتی ہوں کہ قیامت کے دن آپ کی ازواج میں میرا حشر ہو، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو دی ہوئی طلاق سے رجوع فرمالیا اور اُن کی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے کردی، اور آپ ایک دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری میں سے کرتے اور ایک دن اُن کے لیے حضرتِ سودہ رضی اللہ عنہا کی باری میں سے کرتے۔ (سنن بیہقی ج ۷ ص ۷۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کردی اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے ایک دن اُن کی باری کی تقسیم فرماتے اور ایک دن اُن کے لیے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی باری کی تقسیم فرماتے۔ (صحیح البخاری: ۶۶۶۲، صحیح مسلم: ۱۴۶۵، سنن ابوداؤد: ۲۱۳۸، سنن ابن ماجہ: ۱۹۷۰)

"وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ": یعنی عورت خاوند سے اپنے حصہ میں بخل کرتی ہے اور مرد دوسری بیوی سے اپنے حصہ میں بخل کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اُن کے ساتھ حسنِ سلوک کرو اور بے انصافی کرنے سے ڈرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام کاموں کی خواہ تم حسنِ سلوک کرو یا ظلم کرو خبر رکھنے والے ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "اور تم اپنی بیویوں کے درمیان مکمل عدل کرنے کی ہرگز طاقت نہیں رکھتے خواہ تم اس

پر حریص بھی ہو (تو جس بیوی سے رغبت نہ ہو) تو اس سے مکمل اعراض نہ کرو کہ تم اس کو اس حال میں چھوڑ دو کہ گویا کہ وہ درمیان میں لٹکی ہوئی ہے، اور اگر تم اصلاح کو قبول کر لو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو بے شک اللہ بہت مغفرت فرمانے والے، بے حد رحم فرمانے والے ہیںO'' (النساء:۱۲۹)

متعدد ازواج میں سے کسی ایک زوجہ کی طرف جھکاؤ کی مذمت

''وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ '': یعنی تم اس پر ہرگز قادر نہیں ہو گے کہ تمام بیویوں سے یکساں محبت کرو، جوان عورت سے اور بوڑھی عورت سے دونوں سے برابر محبت کرو خواہ تم اس کی کوشش بھی کرو۔ محبت میں تو تم برابر کا سلوک نہیں کر سکتے لیکن اُن پر خرچ کرنے میں اور باریوں کی تقسیم میں عدل کرو، اور تم کسی ایک بیوی کی طرف بالکل نہ جھک جاؤ اور اس کو یوں چھوڑ دو گویا کہ وہ لٹکی ہوئی ہے، نہ اس کے ساتھ باریوں کی تقسیم کرو نہ اس کو خرچ دو گویا کہ وہ قید میں پڑی ہوئی ہے، نہ بیوہ ہے اور نہ شوہر والی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ اُن میں سے ایک کی طرف جھکاؤ رکھے، وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو جھکا ہوا ہوگا۔

(سنن ابوداؤد: ۲۱۳۳، سنن ترمذی: ۱۱۴۱، سنن نسائی ج ۷ ص ۶۳، سنن ابن ماجہ: ۱۹۶۹، موارد الظمآن: ۱۳۰۷، المستدرک ج ۲ ص ۱۸۶، مسند ابوداؤد للطیالسی ج ۱ ص ۳۱۲، سنن دارمی: ج ۲ ص ۱۴۳، المنتقی لابن الجارود: ۷۲۲، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۳۸۸، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۹۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ جب مرد کنواری عورت سے نکاح کرے تو اس کے پاس سات (۷) راتیں رہے اور جب بیوہ عورت سے نکاح کرے تو اس کے پاس تین (۳) راتیں رہے۔

(صحیح البخاری: ۵۲۱۳، صحیح مسلم: ۱۴۶۱، سنن ترمذی: ۱۱۳۹، سنن ابوداؤد: ۲۱۲۴، سنن ابن ماجہ: ۱۹۱۶، سنن دارمی: ج ۲ ص ۱۴۴، مسند احمد: ۱۲۹۷۰، صحیح ابن حبان: ۴۲۰۸، سنن دارقطنی ج ۳ ص ۲۸۳، حلیۃ الاولیاء لابی نعیم ج ۲ ص ۲۸۸، مصنف عبدالرزاق: ۱۰۶۴۳، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۰۱۔۳۰۲)

تمام بیویوں کے ساتھ دلی محبت میں مساوات نہ کرنے کی اجازت

ابوقلابہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی ازواجِ مطہرات کے درمیان باریوں کی تقسیم فرماتے تھے اور تقسیم میں عدل فرماتے تھے اور آپ یہ دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! میری یہ تقسیم اُن چیزوں میں ہے جن کا میں مالک ہوں، پس آپ مجھے اس پر ملامت نہ فرمائیں جس کے آپ مالک ہیں اور میں مالک نہیں ہوں، یعنی تمام بیویوں سے برابر محبت کرنے میں اور تمام بیویوں سے برابر جماع کرنے میں۔

(سنن ترمذی: ۱۱۴۰، تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۱۳۹، مسند احمد: ۲۴۵۸۷، ج ۶ ص ۱۴۴، سنن دارمی ج ۲ ص ۱۴۴، سنن ابوداؤد: ۲۱۳۴، سنن ابن ماجہ: ۱۹۷۱، موارد الظمآن: ص ۳۱۷، المستدرک ج ۲ ص ۱۸۷)

''وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۲۹﴾'': یعنی اگر تم اپنی بیویوں کے ساتھ مساوی سلوک کرو اور کسی ایک بیوی کی طرف زیادہ جھکاؤ سے اجتناب کرو تو بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری تقصیر کو بہت معاف فرمانے والے، بہت مہربان ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اگر وہ ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں تو اللہ اپنی رحمت سے ان میں سے ہر ایک کو دوسرے سے بے نیاز فرما دیں گے، اور اللہ بہت وسعت والے، بے حد حکمت والے ہیں O''

(النساء: ۱۳۰)

شوہر اور بیوی کے درمیان ناچاقی کی صورت میں ایک دوسرے سے علیحدگی کا جواز

''وَ اِنۡ یَّتَفَرَّقَا یُغۡنِ اللّٰہُ کُلًّا مِّنۡ سَعَتِہٖ '': یعنی اگر خاوند اور بیوی ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں، تو اللہ تعالیٰ اُن دونوں میں سے ہر ایک کو رزق عطاء فرما کر دوسرے سے بے نیاز فرما دیں گے۔

جعفر بن محمد بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے اُن سے تنگدستی کی شکایت کی تو انہوں نے اس کو حکم دیا کہ تم نکاح کر لو، پھر وہ مرد چلا گیا اور اس نے نکاح کر لیا، پھر دوبارہ آیا اور اس نے پھر تنگدستی کی شکایت کی، تو انہوں نے اس کو حکم دیا کہ اب تم اس عورت کو طلاق دے دو، اُن سے پوچھا گیا کہ کیا سبب ہے پہلے آپ نے اس سے نکاح کرنے کا حکم دیا تھا اور اب آپ اس کو طلاق دینے کا حکم دے رہے ہیں۔ تب جعفر بن محمد نے کہا: شاید یہ شخص اُن لوگوں میں سے ہو جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اِنۡ یَّکُوۡنُوۡا فُقَرَآءَ یُغۡنِہِمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ۔۔۔ (النور: ۳۲)'' (اور اگر وہ فقیر ہوں تو اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی فرما دیں گے)۔ پھر جب وہ اس آیت کا مصداق نہیں تھے تو میں نے کہا: شاید وہ اس آیت کے مصداق ہوں گے: ''وَ اِنۡ یَّتَفَرَّقَا یُغۡنِ اللّٰہُ کُلًّا مِّنۡ سَعَتِہٖ۔۔۔ (النساء: ۱۳۰)'' (اور اگر وہ ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں تو اللہ اپنی رحمت سے ان میں سے ہر ایک کو دوسرے سے بے نیاز فرما دیں گے)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے، اور ہم نے تم سے پہلے اہلِ کتاب کو تاکیدی حکم دیا تھا اور تم کو بھی کہ تم اللہ سے ڈرتے رہو، اور اگر تم نے کفر کو اختیار کیا، تو اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے، اور اللہ بہت بے نیاز ہیں، بہت حمد فرمائے ہوئے ہیں O'' (النساء: ۱۳۱)

''وَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَ لَقَدۡ وَصَّیۡنَا الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ وَ اِیَّاکُمۡ اَنِ اتَّقُوا اللّٰہَ'':

یعنی ہم نے اہلِ تورات اور انجیل کو حکم دیا تھا اور تم کو بھی یہ حکم دیا ہے اے امتِ محمد علیہ السلام! کہ تم توحید کو مانتے رہو اور احکامِ شرعیہ پر عمل کرو، اور اگر تم نے اس میں کفر کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ تمہاری عبادت سے مستغنی ہیں بلکہ وہ تمام مخلوق کے ایمان لانے اور ان کی اطاعت سے مستغنی ہیں اور وہ اپنے تمام افعال میں محمود ہیں۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے، اور اللہ کافی کارساز ہیں O'' (النساء: ۱۳۲)

''وَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ '': یعنی تم تمام اللہ کے بندے اور اس کی باندیاں ہو، کیونکہ زمین و آسمان کی ہر چیز

اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے لوگو! اگر اللہ چاہیں تو تم سب کو فنا فرمادیں اور دوسرے لوگوں کو پیدا فرما کر لے آئیں، اور اللہ اس پر قادر ہیں O'' (النساء: ۱۳۳)

اگر لوگوں نے اللہ کی نافرمانی کو ترک نہ کیا تو اللہ کا دوسری نئی اطاعت گزار مخلوق کو پیدا فرمانا

''اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ'': پھر جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے اعراض کرتے ہیں ان کو تہدید کرتے ہوئے (ڈراتے اور دھمکاتے ہوئے) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ تم سب کو ہلاک فرمادیں گے اور تم سب کے بجائے تمہارے علاوہ ایک نئی مخلوق پیدا فرمادیں گے جو تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں گے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں فرمایا ہے: ''وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ ۝۳۸ ..... (محمد: ۳۸)'' (اور اگر تم نے حق سے روگردانی کی تو اللہ تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئیں گے پھر وہ تم جیسے نہیں ہوں گے)، ''وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ۝۱۳۳'': یعنی اللہ تعالیٰ تم سب کو فناء کر کے تم سب کی جگہ دوسری قوم کو لے آئیں، اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں تخویف فرمائی ہے اور تنبیہ فرمائی ہے کہ سب اللہ کی رعایا ہیں اور کوئی بھی اس کے حکم سے تجاوز نہ کرے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جو دنیا کے ثواب کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ کے پاس دنیا اور آخرت کا ثواب ہے، اور اللہ بہت سننے والے، بے حد دیکھنے والے ہیں O'' (النساء: ۱۳۴)

''مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا'': یعنی جو شخص اپنے عمل سے اللہ کی رضا کا ارادہ نہیں کرتا دنیا کی طلب کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو چاہیے کہ وہ آخرت کے لیے عمل کرے۔

''فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ'': پس اللہ کے پاس دنیا کا ثواب بھی ہے اور آخرت کا ثواب بھی ہے، اور آخرت کا ثواب جنت ہے۔

الزجاج نے کہا ہے کہ مشرکین اس کا اقرار کرتے تھے کہ اللہ اُن کے خالق ہیں اور اللہ اُن کو دنیا کی خیر عطاء فرماتے ہیں، پس اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی کہ دنیا اور آخرت کی خیر اللہ ہی کے پاس ہے۔ اور روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے کہا: تم نہ دنیا کا ارادہ کرتے ہو اور نہ آخرت کا ارادہ کرتے ہو، کیونکہ دنیا اور آخرت اللہ کی ملکیت ہیں، سو تم اللہ کی عبادت کرو خواہ دنیا کے لیے، خواہ آخرت کے لیے۔ ''وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا ۝۱۳۴'': یعنی اللہ تعالیٰ ہر ایک کی نیت کو جاننے والے ہیں۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے، اور منافق کا عمل اس کی نیت سے بہتر ہے۔ (حلیۃ الاولیاء لابی نعیم ج ۳ ص ۲۲۵، تاریخ بغداد للخطیب ج ۹ ص ۲۳۷، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۶۶)

(تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۳۹۲۔ ۳۹۵، ملخصاً و ملتقطاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ، معالم التنزیل للبغوی ج ۱ ص ۷۰۶۔ ۷۱۲، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾

اے ایمان والو! انصاف کو زیادہ قائم کرنے والے بن جاؤ، اس حال میں کہ تم اللہ کے لیے گواہی دینے والے ہو خواہ (تمہاری گواہی) تمہارے اپنے خلاف ہو یا ماں باپ کے خلاف ہو یا قرابت داروں کے خلاف ہو، (جس کے متعلق گواہی دو) خواہ وہ مال دار ہو یا فقیر ہو تو بہر حال اللہ ان دونوں سے زیادہ سچی گواہی کے مستحق ہیں، پس تم اپنی نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو کہ راہِ حق سے تجاوز کرو، اور اگر تم (گواہی میں) ہیر پھیر کرو یا گواہی سے اعراض کرو تو بے شک اللہ تمہارے تمام کاموں کی خبر رکھنے والے ہیں ○

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾

اے ایمان والو! اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل فرمائی ہے اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو اس سے پہلے نازل فرمائی ہے اور جو اللہ کے ساتھ کفر کو اختیار کرے گا اور اس کے فرشتوں کے ساتھ اور اس کی کتابوں کے ساتھ اور اس کے رسولوں کے ساتھ اور روزِ قیامت کے ساتھ (کفر کو اختیار کرے گا)، تو بے شک وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑے گا ○

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ؕ﴿۱۳۷﴾

بے شک جو لوگ ایمان لائے، پھر انہوں نے کفر کو اختیار کیا، پھر ایمان لائے پھر انہوں نے کفر کو اختیار کیا، پھر وہ کفر میں اور بڑھ گئے تو اللہ اُن کی مغفرت نہیں فرمائیں گے اور نہ اُن کو ہدایت کے راستے پر چلائیں گے ○

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ۙ﴿۱۳۸﴾

(اے رسولِ اکرم!) منافقوں کو یہ خوشخبری سنا دیجئے کہ اللہ نے اُن کے لیے دردناک عذاب تیار فرما رکھا ہے ○

الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ

عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ﴿۱۳۹﴾

جولوگ مومنین کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں، کیا وہ ان کافروں کے پاس عزت کو تلاش کرتے ہیں! بے شک تمام عزتیں اللہ کے پاس ہیں O

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَیْكُمْ فِی الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ یُكْفَرُ بِهَا وَیُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖۤ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْكٰفِرِیْنَ فِیْ جَهَنَّمَ جَمِیْعَا ۙ﴿۱۴۰﴾

اور بے شک اللہ نے کتاب میں تم پر یہ حکم نازل فرمایا ہے کہ جب تم یہ سنو کہ اللہ کی آیتوں کا انکار کیا جارہا ہے اور اُن کا مذاق اڑایا جارہا ہے تو اُن لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو حتیٰ کہ وہ کسی دوسری بات میں مشغول ہو جائیں، ورنہ بے شک اُس وقت تم بھی انہی کی مثل ہو جاؤ گے، بے شک اللہ تمام منافقوں کو اور کافروں کو دوزخ میں جمع فرمانے والے ہیں O

الَّذِیْنَ یَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْۤا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِیْنَ نَصِیْبٌ ۙ قَالُوْۤا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَیْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ فَاللّٰهُ یَحْكُمُ بَیْنَكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَلَنْ یَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِیْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا ﴿۱۴۱﴾ ع

جو (منافق) تمہاری مصیبت کے منتظر رہتے ہیں، پس اگر تمہیں اللہ کی طرف سے فتح حاصل ہو تو تم سے کہتے ہیں: کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے! اور اگر کافروں کو کچھ کامیابی حاصل ہو تو (وہ کافروں سے) کہتے ہیں: کیا تم ہماری دسترس میں نہیں تھے! اور کیا ہم نے تم کو مسلمانوں سے نہیں بچایا تھا!، سنو اے منافقو! اللہ قیامت کے دن تم سب کے درمیان فیصلہ فرمادیں گے، اور اللہ مومنوں کے خلاف کافروں کے لیے غلبہ کا کوئی راستہ نہیں بنائیں گے O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ”اے ایمان والو! انصاف کو زیادہ قائم کرنے والے بن جاؤ، اس حال میں کہ تم اللہ کے لیے گواہی دینے والے ہو خواہ (تمہاری گواہی) تمہارے اپنے خلاف ہو یا ماں باپ کے خلاف ہو یا قرابت داروں کے خلاف ہو، (جس کے متعلق گواہی دو) خواہ وہ مال دار ہو یا فقیر ہو تو بہر حال اللہ ان دونوں سے زیادہ سچی گواہی کے مستحق ہیں، پس تم اپنی نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو کہ راہِ حق سے تجاوز کرو، اور اگر تم (گواہی میں) ہیر پھیر کرو یا گواہی سے اعراض کرو تو بے شک اللہ تمہارے تمام کاموں کی خبر رکھنے والے ہیں O“ (النساء: ۱۳۵)

النساء:۱۳۵ کا گزشتہ آیتوں کے ساتھ ارتباط

علامہ ابوحفص عمر بن علی الدمشقی الحنبلی المتوفی ۸۸۰ھ النساء:۱۳۵ تا ۱۴۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ'':

اس سے پہلی آیات میں عورتوں کی نافرمانیوں کا اور اُن کی اپنے شوہروں کے ساتھ مصالحت کا ذکر فرمایا تھا، اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی کا ذکر فرمایا تھا اور شہادت دینے میں بھی اللہ تعالیٰ کے حقوق کو زندہ کرنا ہے، پس گویا کہ یوں فرمایا گیا: ''اگر تم اپنی خواہشوں کی تکمیل میں مشغول رہو تو تمہارا یہ عمل صرف اپنے لیے ہے اور اگر تم اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری میں مشغول رہو تو تمہارا یہ عمل محض اللہ کے لیے ہے، اور یہ مقام بہت اعلیٰ اور برتر ہے، اس اعتبار سے یہ آیت گزشتہ آیات کی تاکید ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں متعدد احکام بیان فرمائے گئے ہیں، النساء: ۳ میں یتیم بچوں کے ساتھ عدل وانصاف کرنے کا حکم فرمایا ہے اور جب تم یتیموں کا مال اُن کے سپرد کرو تو اس پر گواہ بنانے کا حکم فرمایا ہے اور النساء:۱۰۵ میں طعمة بن الابیرق کے قصہ میں یہودی کے خلاف حمایت کرنے سے منع فرمایا ہے، اور النساء:۱۲۹ میں متعدد بیویوں کے درمیان انصاف کا حکم فرمایا ہے۔ اور ان تمام احکام میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا حکم ہے۔

عدل کو قائم کرنے اور اللہ کے لیے شہادت دینے میں ارتباط

یہ ارتباط حسبِ ذیل وجوہ سے ہے:

(۱) اکثر لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں لیکن جب اُن کی اپنی ذات سے برائی کو دور کرنے کا معاملہ ہو تو وہ اپنے آپ کو ترک کر دیتے ہیں حتیٰ کہ کوئی بہت بری بات بھی اُن سے صادر ہو تو اس کو نظر انداز کر دیتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو متنبہ فرمایا کہ وہ اپنے نفس کے ساتھ انصاف کریں۔

(۲) عدل کو قائم کرنے کا معنی یہ ہے کہ اپنے نفس سے عذاب کے ضرر کو دور کیا جائے اور شہادت کو قائم کرنا دوسروں سے عذاب کے ضرر کو دور کرنے کے متعلق ہے، اور دوسروں سے ضرر کو دور کرنے پر مقدم یہ ہے کہ انسان خود اپنے نفس سے ضرر کو دور کرے۔

(۳) عدل کے ساتھ قائم رہنا فعل ہے اور شہادت دینا قول ہے اور فعل قول سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔

(۴) اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس آیت میں پہلے عدل کو قائم کرنے کا ذکر فرمایا ہے اور پھر شہادت کا ذکر فرمایا ہے، اور دوسری آیت میں شہادت کو عدل کے قیام پر مقدم فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ... (آل عمران:۱۸)'' (اللہ نے اور فرشتوں نے اور علماء نے عدل سے کام لیتے ہوئے گواہی دی کہ اللہ مستحق عبادت ہے)۔

اس کا جواب یہ ہے اللہ کے لیے شہادت دینے کا معنی یہ ہے کہ عدل کی رعایت کی جائے اور ظلم سے دور رہا جائے اور جب تک انسان اس طرح نہ ہو، اس کی دوسرے کے خلاف شہادت قبول نہیں کی جاتی، اس لیے یہاں یہ واجب تھا کہ اللہ کے لیے شہادت دینے کو عدل کے قیام پر مقدم کیا جائے۔ اور آل عمران:۱۸ میں شہادت کا قیام بالعدل کے بعد ذکر فرمایا ہے، اس لیے وہاں پر

شہادت قیام بالعدل پر مقدم ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل فرمائی ہے اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو اس سے پہلے نازل فرمائی ہے اور جو اللہ کے ساتھ کفر کو اختیار کرے گا اور اس کے فرشتوں کے ساتھ اور اس کی کتابوں کے ساتھ اور اس کے رسولوں کے ساتھ اور روزِ قیامت کے ساتھ (کفر کو اختیار کرے گا)، تو بے شک وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑے گا ''(النساء: ۱۳۶)

اس سوال کے متعدد جوابات کہ النساء: ۱۳۶ میں ایمان والوں کو ایمان لانے کا حکم فرمایا گیا ہے اور یہ تحصیلِ حاصل ہے

''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا'': اس آیت میں ایمان والوں کو ایمان لانے کا حکم فرمایا ہے اور بہ ظاہر یہ تحصیلِ حاصل ہے۔

(۱) اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت عبداللہ بن سلام، اسد، اُسید، کعب کے دو بیٹوں، ثعلبہ بن قیس، عبداللہ بن سلام کے بھانجے سلام، سلمہ اور اُن کے بھانجے سلمہ اور یامین بن یامین کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ یہ سب اہلِ کتاب تھے اور تورات پر ایمان رکھتے تھے، یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے کہا: ہم آپ پر ایمان لاتے ہیں اور آپ کی کتاب پر ایمان لاتے ہیں اور حضرت موسیٰ پر اور تورات پر ایمان لاتے ہیں اور حضرت عزیر پر ایمان لاتے ہیں اور ان کے سوا باقی انبیاء کا انکار کرتے ہیں اور باقی کتابوں کا اور رسولوں کا انکار کرتے ہیں، تب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے فرمایا: بلکہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لاؤ اور قرآن پر ایمان لاؤ اور تم سے پہلے جتنی کتابیں ہیں، اُن سب پر ایمان لاؤ تو انہوں نے کہا: ہم ایسا نہیں کریں گے، پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا'' یعنی جو لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لائے ہیں اور قرآن پر اور حضرتِ موسیٰ پر اور تورات پر اُن سے فرمایا ہے کہ تم اللہ پر اور اس کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اور اُن سے پہلے جو کتابیں نازل ہوئی ہیں تورات، زبور، انجیل اور باقی صحائف، اُن سب پر ایمان لاؤ۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں تکرار نہیں ہے، یعنی جو لوگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لا چکے ہیں وہ باقی تمام انبیاء علیہم السلام پر اور اُن کی تمام کتابوں پر ایمان لائیں۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں منافقین کے ساتھ خطاب ہے یعنی اے وہ لوگو! جو زبان سے ایمان لائے ہو دل سے ایمان لے آؤ۔

(۳) تیسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں مشرکین سے خطاب ہے یعنی اے وہ لوگو! جو اللات اور المناۃ اور العزیٰ پر ایمان لا چکے ہو، اب اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔

(۴) چوتھا جواب یہ ہے کہ اے وہ لوگو! جو ایمان لا چکے ہو، اب اس ایمان پر دائماً برقرار رہو، یعنی جو ماضی میں ایمان لا چکے ہیں وہ

مستقبل میں بھی ایمان لائیں۔

(۵) پانچواں جواب یہ ہے کہ جو لوگ پہلے باپ دادا کی تقلید سے ایمان لائے ہیں اب تحقیق سے ایمان لائیں۔

(۶) چھٹا جواب یہ ہے کہ جو لوگ پہلے اجمالی دلائل سے ایمان لائے تھے اب وہ تفصیلی دلائل سے ایمان لائیں۔

النساء:۱۳۶ کی تفسیر میں الکلبی کی روایت اور اُس روایت کا دلائل سے بُطلان

الکلبی نے از ابی صالح از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ یہ آیت حضرت عبداللہ بن سلام، اسد، اُسید، بنو کعب، ثعلبہ بن قیس، عبداللہ ابن سلام کے بھانجے سلام اور ان کے بھتیجے سلمہ اور یامین بن یامین کے متعلق نازل ہوئی ہے، یہ لوگ اہلِ کتاب میں سے مومنین تھے، سو یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، پس کہا: ہم آپ پر ایمان لاتے ہیں اور آپ کی کتاب پر ایمان لاتے ہیں اور حضرت موسیٰ پر ایمان لاتے ہیں اور تورات پر اور عزیر پر ایمان لاتے ہیں اور ان کے سوا باقی رسولوں اور ان کی کتابوں کا انکار کرتے ہیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلکہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ اور قرآن پر ایمان لاؤ اور ہر اس کتاب پر ایمان لاؤ جو اس سے پہلے نازل فرمائی گئی ہے۔

(اسباب النزول: ۳۷۲، حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا: الثعلبی نے یہ روایت از کلبی از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کی ہے (الکشف والبیان ج ۳ ص ۴۰۱) اور الواحدی نے اسباب النزول: ۳۷۲، میں الکلبی سے روایت کی ہے اور یہ روایت باطل ہے۔ (تخریج الکشاف ج ۱ ص ۵۷۶))

النساء:۱۳۶ کی متعدد تاویلات اور توجیہات اور خلفاءِ اربعہ کی خلافت کے برحق ہونے کی دلیل

الامام ابو اسحاق احمد المعروف بالامام الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ، النساء:۱۳۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ابو العالیہ اور تمام مفسرین نے اس آیت کی متعدد تاویلات اور توجیہات کی ہیں:

(۱) اس آیت میں مومنین سے خطاب ہے اور اس کی تاویل یہ ہے کہ اے ایمان والو! ایمان لے آؤ یعنی اپنے ایمان پر ثابت قدم رہو اور اس کے تقاضوں پر عمل کرو، یا جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ ۔۔۔ (المائدہ:۹)'' (جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک اعمال کئے، اُن سے اللہ نے مغفرت کا اور اجرِ عظیم کا وعدہ فرمایا ہے)۔ یعنی اللہ تعالیٰ پر اس طرح ایمان لاؤ کہ تم اس بشارت کے مستحق ہو جاؤ۔

خلفاءِ راشدین کی خلافت کے برحق ہونے پر دلیل

(۲) میں کہتا ہوں کہ اس آیت کی یہ توجیہ بھی ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ''وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۔۔۔ (النور:۵۵)'' (تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے، اُن سے اللہ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ اُن کو ضرور بہ ضرور زمین میں خلافت عطاء فرمائیں گے جیسا کہ اُن سے پہلے اُن لوگوں کو زمین میں خلافت عطاء فرمائی جو اُن پر مقدم تھے)۔

اس آیت میں خلفاء اربعہ حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کی خلافت کے برحق ہونے کی دلیل ہے، کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جمع کے صیغہ کے ساتھ یہ پیشگوئی اور بشارت فرمائی ہے کہ جن ایمان والوں نے اعمالِ صالحہ کئے،

اُن کو ضرور بہ ضرور اللہ تعالیٰ زمین میں خلافت عطاء فرمائیں گے، اور اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ خلفاءِ اربعہ کی خلافت کے ساتھ پورا ہو گیا، کیونکہ اُن کے بعد جو بعض حکمران آئے (مثلاً یزید اور مروان وغیرہما) وہ ہمارے نزدیک ظالم تھے اور شیعہ کے نزدیک کافر تھے اور وہ "اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" کے مصداق نہ تھے، سو یہ آیت خلفاءِ راشدین کی خلافت کے برحق ہونے پر دلیل ہے اور النساء: ۱۳۶ کا معنی یہ ہے کہ اے ایمان والو! اس طرح ایمان لاؤ جس طرح خلفاءِ اربعہ ایمان لائے ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

(۳) اس آیت کی تیسری توجیہ یہ ہے کہ اس آیت میں اُن منافقین سے خطاب ہے جو لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کا اظہار کرتے تھے اور جب اپنے منافقوں کے ساتھ تنہا ہوتے تھے تو اللہ اور رسول کی تکذیب کرتے تھے، سو اُن سے فرمایا گیا کہ تم جس طرح لوگوں کے سامنے ایمان کا اظہار کرتے ہو اسی طرح تنہائی میں بھی ایمان کا اظہار کرو۔

(۴) اور اس آیت کی چوتھی توجیہ یہ ہے کہ اس آیت میں کفار سے خطاب ہے یعنی اے وہ لوگو! جو اللات، المناۃ، العزیٰ اور الطاغوت پر ایمان لائے ہو، اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ، یعنی اگر ایمان لانا ضروری ہے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر اور اس کی نازل کی ہوئی کتابوں پر ایمان لاؤ، اور اُن پر ایمان لانا بتوں پر ایمان لانے سے بہتر ہے جو نہ تمہیں کوئی ضرر پہنچا سکتے ہیں، نہ کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ وہ تمہاری ضروریات پر خرچ کرتے ہیں، نہ تمہیں رزق دیتے ہیں، نہ تمہیں زندہ کرتے ہیں اور نہ تمہیں مارتے ہیں۔ (الکشف والبیان ج ۳ ص ۴۰۱۔ ۴۰۲، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "بے شک جو لوگ ایمان لائے، پھر انہوں نے کفر کو اختیار کیا، پھر ایمان لائے، پھر انہوں نے کفر کو اختیار کیا، پھر وہ کفر میں اور بڑھ گئے تو اللہ اُن کی مغفرت نہیں فرمائیں گے اور نہ اُن کو ہدایت کے راستے پر چلائیں گے ○" (النساء: ۱۳۷)

بار بار ایمان لانے اور پھر کفر کرنے کی متعدد توجیہات

"اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا":

(۱) قتادہ نے بیان کیا ہے کہ یہ لوگ یہود ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے، پھر بچھڑے کی عبادت کرنے کے سبب سے کافر ہو گئے، پھر وہ تورات پر ایمان لائے، پھر انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کفر کیا، پھر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر کر کے اپنے کفر میں اور بڑھ گئے۔

(۲) اس سے مراد تمام اہلِ کتاب ہیں جو اپنے اپنے نبیوں پر ایمان لائے، پھر اُن کے ساتھ کفر کو اختیار کیا اور اُس کتاب پر ایمان لائے جو اُن پر نازل کی گئی، پھر اس کے ساتھ بھی کفر کیا، اور یونہی کفر کرتے رہے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر کر کے اپنے کفر میں زیادہ بڑھ گئے۔

(۳) یہ آیت مرتدین کی ایک قوم کے متعلق ہے جو ایمان لائے، پھر مُرتد ہو گئے، اب یہ سوال ہوا کہ کیا اِن کی توبہ قبول ہو گی؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ان کی توبہ قبول نہیں ہو گی بلکہ ان کو قتل کر دیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ۔۔۔ (النساء: ۱۳۷)" کیونکہ ایمان لانے کے بعد ان کا بار بار کفر کرنا اس پر دلیل ہے کہ ایمان ان کے دلوں میں راسخ

نہیں ہوا، اور اگر ایمان ان کے دلوں میں راسخ ہوتا تو یہ کسی معمولی سبب کی وجہ سے ایمان کو ترک نہ کرتے، سوجس کا یہ حال ہو تو ظاہر ہے کہ اس کا ایمان صحیح نہیں تھا، اسی لیے فرمایا: ''لَمْ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغْفِرَ لَہُمْ ۔۔۔(النساء: ۱۳۷)''۔ اور یہ مراد نہیں ہے کہ اگر یہ صحیح ایمان لاتے تو ان کا ایمان لانا معتبر نہ ہوتا۔ مجاہد نے کہا کہ ''ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا'' کا معنی یہ ہے کہ وہ اسی کفر پر مر گئے، اور جس کا یہ حال ہو تو نہ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائیں گے اور نہ اس کو ہدایت کے راستے پر چلائیں گے۔

(۴) اس سے مراد اہلِ کتاب کی ایک جماعت ہے جو مسلمانوں کو اُن کے دین کے متعلق شک میں ڈالنا چاہتے تھے، پس وہ کبھی ایمان کو ظاہر کرتے اور کبھی کفر کو ظاہر کرتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ۔۔۔ (آل عمران: ۷۲)'' (اور اہلِ کتاب ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ تم دن کے اول وقت میں اُس کتاب پر ایمان لاؤ جو مسلمانوں پر نازل کی گئی ہے اور دن کے آخر وقت میں اُس کا انکار کردو شاید کہ مسلمان اس طرح اسلام کے متعلق شک میں پڑ جائیں یا اسلام سے برگشتہ ہو جائیں)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''(اے رسولِ اکرم!) منافقوں کو یہ خوشخبری سنا دیجئے کہ اللہ نے اُن کے لیے دردناک عذاب تیار فرما رکھا ہے O'' (النساء:۱۳۸)

''بَشِّرِ الْمُنٰفِقِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا'': زجاج نے کہا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ان لوگوں کو بشارت کی جگہ دردناک عذاب کی خبر دیجئے، یعنی جو لوگ مومنین کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں یعنی یہود اور نصاریٰ کو اپنا دوست بناتے ہیں اور مددگار بناتے ہیں اور اُن سے راز کی باتیں کرتے ہیں اور منافقین سے محبت رکھتے ہیں اور وہ ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا لایا ہوا دین مکمل نہیں ہوگا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جو لوگ مومنین کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں، کیا وہ ان کافروں کے پاس عزت کو تلاش کرتے ہیں! بے شک تمام عزتیں اللہ کے پاس ہیں O'' (النساء:۱۳۹)

''اَلَّذِیْنَ یَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ'':

یعنی یہ لوگ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے اصحاب پر غلبہ پانے کے مواقع تلاش کرتے ہیں۔ اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر یہ مشرکین سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف غلبہ کو تلاش کرتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ''وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ۔۔۔ (المنافقون: ۸)'' (عزت اور غلبہ صرف اللہ کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیے ہے اور مومنین کے لیے ہے لیکن منافقین نہیں جانتے)۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور بے شک اللہ نے کتاب میں تم پر یہ حکم نازل فرمایا ہے کہ جب تم یہ سنو کہ اللہ کی آیتوں کا انکار کیا جا رہا ہے اور اُن کا مذاق اڑایا جا رہا ہے تو اُن لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو حتیٰ کہ وہ کسی دوسری بات میں مشغول ہو جائیں، ورنہ بے شک اُس وقت تم بھی انہی کی مثل ہو جاؤ گے، بے شک اللہ تمام منافقوں

کو اور کافروں کو دوزخ میں جمع فرمانے والے ہیں O'' (النساء: ۱۴۰)

''وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ '':

مفسرین نے کہا ہے: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے مومنین کی جماعت! تم پر یہ حکم نازل فرمایا جاچکا ہے کہ جب تم یہ سنو کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیا جارہا ہے یعنی قرآن مجید کا، اور اس کا مذاق اڑایا جارہا ہے، تو تم ان کے ساتھ نہ بیٹھو، یعنی مذاق اڑانے والوں کے ساتھ نہ بیٹھو حتیٰ کہ وہ کسی اور گفتگو میں مشغول ہوجائیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین اپنی مجالس میں قرآن مجید کا ذکر کرتے اور اس کا مذاق اڑاتے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ ''۔

پھر یہودِ مدینہ کے علماء بھی مشرکین کی طرح کارروائی کرتے تھے اور منافقین اُن مشرکین کے ساتھ بیٹھتے تھے اور اُن کی موافقت کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اُن سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ ''۔ یعنی اگر تم نے اُس وقت میں ان کفار کے ساتھ بیٹھنے کو نہ چھوڑا تو تم بھی کافر ہوجاؤ گے، کیونکہ جو کفر سے راضی ہوجائے وہ بھی کافر ہوجاتا ہے۔

اہلِ ذمہ اور مستامنین کے معاشرتی معاملات اور کاروبار کرنے کی بغیر محبت کے اباحت اور اجازت

میں کہتا ہوں: اس آیت میں اُن مسلمانوں کے متعلق وعید ہے جو اُس وقت کافروں کی مجلس میں بیٹھیں جب وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا مذاق اڑا رہے ہوں، اور جب وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا مذاق نہ اڑا رہے ہوں اُس وقت ان کی مجلس میں بیٹھنے کی ممانعت نہیں ہے، اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ کافروں سے اور اہلِ ذمہ سے اور مستامنین (جو کافر پاسپورٹ لے کر مسلمانوں کے ملک میں آئے ہوں) اُن سے زندگی کے دیگر معاملات میں مشغول ہونا منع نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک یہودی کے پاس اپنی لوہے کی زِرہ رہن رکھ کر طعام خریدا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک یہودی سے مدت معینہ تک کے لیے طعام (گندم یا جَو) خریدا، اور اس کے پاس لوہے کی زِرہ کو گروی رکھ دیا۔

(صحیح البخاری: ۲۰۶۸، ۲۰۹۶، ۲۲۰۰، ۲۲۵۱، ۲۲۵۲، ۲۳۸۶، ۲۵۰۹، ۲۵۱۳، ۲۹۱۶، ۴۴۶۷، صحیح مسلم: ۱۶۰۳، سنن نسائی: ۴۶۰۹، سنن ابن ماجہ: ۲۴۳۶، مسند احمد: ۲۴۷۴۶)

نیز حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عہد مبارک میں یہودیوں سے خرید وفروخت کے معاملات کرتے تھے:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اُن کے والد شہید ہوگئے اور انہوں نے ایک یہودی سے تیس وسق (۱۸۰ من) کھجوریں ادھار خریدی تھیں، پھر حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اس یہودی سے ان کھجوروں کی ادائیگی میں مہلت طلب کی، جب اس یہودی نے مہلت دینے سے انکار کیا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ادائیگی میں تاخیر کی شفاعت کرنے کے لیے بلا کر لائے اور جب اس یہودی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شفاعت قبول نہیں کی تو آپ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم تمام قسم کی کھجوروں کو جمع

کرلو، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کھجوروں کے ڈھیر پر بیٹھ گئے اور ان کے گرد طواف کیا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اب تم ان کھجوروں میں سے اپنا قرض ادا کرو، سو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا تمام قرض ادا ہو گیا اور اس کے باوجود سترہ (۱۷) وسق (۱۰۲، مَن) کھجوریں بچ گئیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس بات کی ابن الخطاب کو خبر دو، پھر حضرت جابر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان کو خبر دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے پہلے ہی معلوم تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قرض کی ادائیگی کے لیے تشریف لے گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ ضرور بہ ضرور ان کھجوروں میں برکت نازل فرمائیں گے۔

(صحیح البخاری: ۲۳۹۶، سنن ابوداؤد: ۲۸۸۴، سنن ابن ماجہ: ۲۴۳۴)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں مسلمان یہودیوں سے خرید وفروخت کرتے تھے اور قرض بھی لیتے تھے، نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے کسی کمال کی خبر اپنے احباب کو بھی دینی چاہیے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ واقعہ ابن الخطاب کے سامنے بیان کرنا۔ سو اِن حدیثوں سے یہ واضح ہو گیا کہ یہودیوں سے اور دیگر اہلِ ذمہ سے کاروباری معاملات کرنا، خرید وفروخت کرنا، قرض لینا، ادا کرنا یہ تمام امور جائز ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

نیز قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ۔۔۔ (الممتحنۃ:۱)'' (اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، تم ان کی طرف محبت کا پیغام بھیجتے ہو حالانکہ وہ اس حق کا انکار کر چکے ہیں جو تمہارے پاس آیا ہے)، اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کے ساتھ محبت کا تعلق رکھنا جائز نہیں ہے، البتہ بغیر محبت کے اُن کے ساتھ محض معاملاتِ دنیوی کو اختیار کرنا یعنی خرید وفروخت کرنا، قرض لینا، قرض ادا کرنا، امانت رکھنا، امانت کو وصول کرنا یہ سارے امور بغیر اُن سے محبت کے جائز ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''جو (منافق) تمہاری مصیبت کے منتظر رہتے ہیں، پس اگر تمہیں اللہ کی طرف سے فتح حاصل ہو تو تم سے کہتے ہیں: کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے! اور اگر کافروں کو کچھ کامیابی حاصل ہو تو (وہ کافروں سے) کہتے ہیں: کیا تم ہماری دسترس میں نہیں تھے! اور کیا ہم نے تم کو مسلمانوں سے نہیں بچایا تھا! سنو اے منافقو! اللہ قیامت کے دن تم سب کے درمیان فیصلہ فرما دیں گے اور اللہ مومنوں کے خلاف کافروں کے لیے غلبہ کا کوئی راستہ نہیں بنائیں گے O'' (النساء:۱۴۱)

منافقین کے کفار پر احسان کی تقریرات

(۱) ''الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ'': یعنی منافقین تم پر مصیبتوں کے نزول کے منتظر ہیں، پس اگر تم کو یہودیوں پر غلبہ ہو اور فتح حاصل ہو اور تمہیں اُن سے مالِ غنیمت ملے تو وہ مسلمانوں سے کہتے ہیں: کیا ہم تمہارے دین پر نہیں تھے اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد نہیں کر رہے تھے؟ تو تم ہمیں بھی مالِ غنیمت میں سے حصہ دو، اور اگر کافروں کو مسلمانوں پر فتح حاصل ہو تو منافقین کافروں سے کہتے ہیں: کیا ہم نے تم پر غلبہ حاصل نہیں کیا تھا؟ یعنی کیا ہم تم کو قتل کرنے پر اور گرفتار کرنے پر قادر نہیں تھے؟ پھر بھی ہم نے ایسا کچھ نہیں کیا اور ہم نے تم کو مسلمانوں سے چھڑایا، لہٰذا تم کو جو مال ملا ہے اس میں سے ہمیں حصہ دو۔

(۲) اس کی دوسری تفسیر یہ ہے جیسا کہ مبرد نے بیان کیا ہے کہ منافقین نے کفار سے کہا: کیا ہم کو تم پر غلبہ حاصل نہیں تھا، کیونکہ منافقین نے کافروں کا ساتھ دینے میں بہت زیادہ کوشش کی تھی اور اُن کو یہ طمع دلائی تھی کہ عنقریب (حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا دین کمزور پڑ جائے گا اور عنقریب تم کو غلبہ حاصل ہوگا، پھر جب اتفاق سے کفار کو مسلمانوں پر غلبہ حاصل ہو جاتا تو منافقین کہتے تھے: کیا ہم نے تم کو اسلام میں داخل ہونے سے منع نہیں کیا تھا، پس جب تم پر ہماری بات کا صدق ظاہر ہو گیا تو اب جو تم کو مال حاصل ہوا ہے تو تم اس میں سے ہمارا حصہ دو، اور اس سے مراد یہ ہے کہ منافقین اس کلام سے کفار پر اپنا احسان جتائیں گے۔

(۳) اس کی تیسری تفسیر یہ ہے کہ منافقین کفار سے یہ کہیں گے: کیا ہم نے تم کو (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے عزائم سے باخبر نہیں کیا تھا اور کیا ہم نے تم کو اُن کی راز کی باتیں نہیں بتائی تھیں۔

اس سوال کا جواب کہ مسلمانوں کی کامیابی کو فتح سے اور کفار کی کامیابی کو نصیب سے کیوں تعبیر فرمایا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مقصود مسلمانوں کی تعظیم ہے اور کفار کے حصہ کی تحقیر ہے، کیونکہ مسلمانوں کی کامیابی بہت عظیم امر ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لیے آسمانوں کے دروازے کھول دیتے حتیٰ کہ اللہ کے دوستوں پر رحمت نازل ہوتی رہتی ہے، اور رہی کافروں کی کامیابی تو وہ صرف دنیا کا حصہ ہے جو ختم ہو جائے گا، اور اُن سے دنیا میں ملامت ختم نہیں ہوگی اور آخرت میں اُن سے عذاب کم نہیں ہوگا۔ (اللباب فی علوم الکتاب، ج ۷ ص ۸۱۔ ۸۴، ملخصاً وملتقطاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۱ء)

اس اعتراض کا جواب کہ جب مسلمان مسلسل کفار کے ہاتھوں مغلوب ہو رہے ہیں تو پھر مسلمانوں کے غلبہ کی کیا توجیہ ہے؟

"وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۝":

اس آیت کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو کافروں کے سامنے ہرگز مغلوب نہیں فرمائیں گے، حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اُندلس میں آٹھ سو (۸۰۰) سال تک مسلمانوں کی حکومت رہی، پھر انہوں نے عیسائی حکمرانوں کے مقابلہ میں شکست کھائی اور عیسائیوں نے اُن مسلمانوں کی مساجد کو اصطبل بنا دیا، اُن کی لائبریریاں تباہ کر دیں، بغداد میں چنگیز خان اور ہلاکو نے مسلمانوں کو عظیم شکست سے دوچار کیا، اور ہرزگوینا میں مسلمانوں نے بھاری شکست کھائی، اور روس نے چیچنیا کے مسلمانوں پر ظلم وستم کیا، افغانستان کی حکومت پر امریکیوں نے قبضہ کیا، سو اس زمانے میں ہر جگہ مسلمان کافروں سے مغلوب ہو گئے ہیں، عراق میں مسلمان امریکی فوجوں کے ہاتھوں مغلوب ہو گئے، فلسطین میں اب تک مسلمان اسرائیلیوں کے ہاتھوں مغلوب ہو رہے ہیں، تو پھر اس آیت کا معنی کس طرح صحیح ہوگا: "وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۝"۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر مسلمان اسلام کی تعلیمات پر صحیح عمل کرتے رہتے تو وہ کفار کے ہاتھوں مغلوب نہ ہوتے، اور جب تک مسلمان اسلامی تعلیمات پر عمل کرتے رہے اور جہاد کی تیاری کرتے رہے تو وہ اقوام عالم پر غالب رہے اور اب جب مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے سے عار آنے لگا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر عمل کرنے کی بجائے فیشن کے دلدادہ ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو دنیا میں ذلیل وخوار کر دیا:

اُن کے جو ہم غلام تھے خلق کے پیشوا رہے
ان سے پھرے جہاں پھرا آئی کمی وقار میں

نیز مسلمانوں نے عیش وعشرت اور فیشن کے نت نئے تقاضوں پر عمل کرنا شروع کر دیا اور سخت کوشی، سادگی اور بے نفسی کو ترک کر دیا:

تیرے صوفے ہیں افرنگی، تیرے قالیں ہیں ایرانی
لہو مجھ کو رُلاتی ہے، جوانوں کی تن آسانی
نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر
توشاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

سو جنگ وجدال اور تیغ وسپاہ میں تو مسلمان کفار کے مقابلے میں بہت پیچھے ہیں لیکن دینِ اسلام کی حجت اور اسلام کی حقانیت پر دلائل کے اعتبار سے مسلمان اب بھی کفار سے بہت آگے ہیں۔ اور کوئی مخالفِ اسلام اپنے علم وفن کی ہزار ترقیوں کے باوجود اسلام کی حقانیت کو دلائل و براہین سے مغلوب نہیں کر سکتا اور اس آیت: ''وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا'' کا اب یہی معنی ہے کہ کفار مسلمانوں کے دین کے خلاف کوئی حجت اور دلیل نہیں پیش کر سکتے، یعنی مسلمان میدانِ جنگ میں خواہ کفار سے شکست کھا جائیں لیکن دینِ اسلام کی برتری کے دلائل میں کبھی شکست نہیں کھائیں گے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ﴿۱۴۲﴾

بے شک منافقین اپنے زعم میں اللہ کو دھوکا دے رہے ہیں حالانکہ (واقع میں) اللہ اُنہیں ان کے دھوکے کی سزا دے رہے ہیں، اور جب منافقین نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سُست روی سے محض لوگوں کو دکھانے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اور اللہ کا ذکر بہت کم کرتے ہیں ○

مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۗ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾

وہ ایمان اور کفر کے درمیان ڈگمگا رہے ہیں، نہ وہ بالکل کافروں کے ساتھ ہیں اور نہ وہ بالکل مسلمانوں کے ساتھ ہیں، اور جس کو اللہ گمراہ فرما دیں تو اے رسولِ اکرم آپ اس کی ہدایت کے لیے کوئی راستہ نہیں پائیں گے ○

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۗ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾

اے ایمان والو! تم مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بناؤ، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تم اللہ کے سامنے اپنے خلاف کھلی حجت قائم کر دو ○

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾

بے شک منافقین دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے اور آپ ان کے لیے کوئی مددگار نہیں پائیں گے O

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾

سوا ان لوگوں کے جنہوں نے نفاق سے توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کر لی اور انہوں نے اللہ کے ساتھ مضبوط تعلق قائم کر لیا، اور انہوں نے اپنے دین کو خالص اللہ کے لیے بنا لیا، سو وہ لوگ ایمان والوں کے ساتھ ہوں گے، اور عنقریب اللہ ایمان والوں کو عظیم اجر عطاء فرمائیں گے O

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾

اور اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کریں گے! اگر تم شکر ادا کرو اور صحیح ایمان لے آؤ، اور اللہ قدر دانی فرمانے والے اور سب کچھ جاننے والے ہیں O

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک منافقین اپنے زعم میں اللہ کو دھوکا دے رہے ہیں حالانکہ (واقع میں) اللہ انہیں ان کے دھوکے کی سزا دے رہے ہیں، اور جب منافقین نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سست روی سے محض لوگوں کو دکھانے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اور اللہ کا ذکر بہت کم کرتے ہیں O'' (النساء: ۱۴۲)

منافقین کا اپنے زعم میں اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینا اور اللہ تعالیٰ کا منافقین کو ان کے دھوکہ کی سزا دینا

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی المتوفی ۷۱۰ھ النساء: ۱۴۲ تا ۱۴۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ'':

اس آیت پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ منافقین کا اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینا اس وقت متحقق ہوتا جب اللہ تعالیٰ کو منافقین کے نفاق کا پتا نہ چلتا، حالانکہ منافقین کو بھی یہ یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے اور اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے، پھر ان کا اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینا کس طرح صحیح ہوتا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ منافقین اللہ تعالیٰ کے ساتھ وہ معاملہ کرتے ہیں جو دھوکا دینے والا کسی کے ساتھ معاملہ کرتا ہے، یعنی وہ لوگوں کے سامنے ایمان کو ظاہر کرتے ہیں اور دل میں کفر کو مخفی رکھتے ہیں اور منافق وہی ہوتا ہے جو ایمان کو ظاہر کرے اور کفر کو چھپائے۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ وہ حقیقت میں خود بھی اللہ تعالیٰ کو دھوکا نہیں دے سکتے تھے لیکن وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو اور مومنوں کو دھوکا دیتے تھے، سو اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی عزت افزائی کے لیے مومنوں کے ساتھ دھوکے کی کارروائی کو

اپنے ساتھ دھوکا دینا قرار دیا۔

نیز فرمایا کہ ''واقع میں اللہ تعالیٰ منافقین کو اُن کے دھوکے کی سزا دے رہے ہیں''، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اُن کی جانوں کو قتل نہیں فرمایا اور نہ اُن کے مالوں کو ضبط فرمایا جس سے منافقین نے یہ سمجھا کہ ہم نے جو ایمان کو ظاہر کیا تھا اور کفر کو چھپایا تھا ہم اس میں کامیاب ہو گئے، کیونکہ اگر ہم اس میں ناکام ہوتے تو ہمارے کفر کی وجہ سے ہمیں قتل کر دیا جاتا اور ہمارے اموال ضبط کر لیے جاتے، لیکن جب ایسا نہیں کیا گیا تو ہم اپنے نفاق میں کامیاب ہو گئے، لیکن حقیقت میں وہ ناکام ہوئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں انہیں جھونک دیا۔

اور تیسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کو اُن کے دھوکہ دہی کی سزا دیں گے۔

اُن کے دھوکا دینے کی سزا یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ منافقین کو بھی اسی طرح نور عطاء فرمائیں گے جس طرح مومنین کو نور عطاء فرمائیں گے اور جب وہ اس نور سے پل صراط پر چلنے لگیں گے تو اچانک منافقین کا نور بجھا دیا جائے گا۔

نماز اور ذکرِ الٰہی میں منافقین کی بے رغبتی

''وَ اِذَا قَامُوْۤا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ یُرَآءُوْنَ النَّاسَ'':

یعنی جب منافقین نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو اخلاص سے اللہ عزوجل کی عبادت کا ارادہ نہیں کرتے، جب کوئی اُن کو دیکھتا تو وہ نماز پڑھنے لگتے اور جب کوئی سامنے دیکھنے والا نہ ہوتا تو لوٹ جاتے اور نماز نہیں پڑھتے۔ اُن کا اس طرح نماز پڑھنا محض لوگوں کے دکھاوے کے لیے ہوتا تھا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اور حسن بصری نے بیان کیا کہ وہ دکھانے اور سنانے کے لیے نماز پڑھتے ہیں۔

''وَ لَا یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۱۴۲﴾'':

اگر وہ اللہ کا ذکر اخلاص سے کرتے تو اُن کا کم ذکر بھی اللہ کے نزدیک بہت ہوتا، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ اُن کے ذکر کو قبول نہیں فرماتے، اس لیے اُن کے کیے ہوئے ذکر کو بھی قلیل فرمایا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وہ ایمان اور کفر کے درمیان ڈگمگا رہے ہیں، نہ وہ بالکل کافروں کے ساتھ ہیں اور نہ وہ بالکل مسلمانوں کے ساتھ ہیں، اور جس کو اللہ گمراہ فرما دیں تو اے رسولِ اکرم آپ اس کی ہدایت کے لیے کوئی راستہ نہیں پائیں گے ○'' (النسآء: ۱۴۳)

منافقین کا اپنے نفاق میں سرگشتہ و حیران ہونا

''مُذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِكَ'':

یعنی منافقین کفر اور ایمان کے درمیان متردد ہیں، وہ درحقیقت نہ مومنین میں سے شمار ہیں، لہٰذا اُن کو وہ اجر نہیں ملے گا جو مومنین کو اجر ملتا ہے، اور نہ وہ ظاہراً کافروں میں سے شمار ہیں حتیٰ کہ جس طرح کافروں کو قتل کیا جاتا ہے اور اُن کا مال ضبط کیا جاتا ہے، نہ اُن کو قتل کیا جاتا ہے اور نہ اُن کا مال ضبط کیا جاتا ہے۔

امام مُسلم بن الحجاج القشیری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: منافق کی مثال اُس حیران بکری کی طرح ہے جو بکریوں کے درمیان گھوم رہی ہو کبھی اس بکری کی طرف جاتی ہو اور کبھی دوسری بکری کی طرف جاتی ہو۔ (صحیح مسلم: ۲۷۸۴، مسند احمد: ۵۷۵۶، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ، سنن نسائی: ۵۰۵۲)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اے ایمان والو! تم مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بناؤ، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تم اللہ کے سامنے اپنے خلاف کھلی حجت قائم کر دو ○'' (النساء: ۱۴۴)

''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ'': اللہ تعالیٰ نے مومنین کو کفار کی دوستی سے منع فرمایا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''بے شک منافقین دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے اور آپ اُن کے لیے کوئی مددگار نہیں پائیں گے ○'' (النساء: ۱۴۵)

منافقین کی اخروی سزا

''اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ'':

یعنی منافقین کو دوزخ کے اس گڑھے میں ڈالا جائے گا جو دوزخ کی گہرائی میں ہے، اور دوزخ کے سات (۷) درجات ہیں اور وہ ایک دوسرے کے بعد ہیں اور بعض درجہ بعض دوسرے درجوں سے اوپر ہے اور منافق کو کافر سے زیادہ شدید عذاب دیا جائے گا، کیونکہ دنیا میں وہ کفر کا اظہار نہ کر کے قتل کیے جانے سے تو بچ گیا لیکن اب آخرت کے اندر دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ کا مستحق ہوگا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کافروں کی مثل تھا اور اس نے اس پر یہ اضافہ کیا کہ اسلام کے ساتھ استہزاء کیا اور اسلام کا اور مسلمانوں کا مذاق بھی اڑایا۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''سوا اُن لوگوں کے جنہوں نے نفاق سے توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کر لی اور انہوں نے اللہ کے ساتھ مضبوط تعلق قائم کر لیا، اور انہوں نے اپنے دین کو خالص اللہ کے لیے بنا لیا، سو وہ لوگ ایمان والوں کے ساتھ ہوں گے، اور عنقریب اللہ ایمان والوں کو عظیم اجر عطاء فرمائیں گے ○'' (النساء: ۱۴۶)

نفاق سے توبہ کرنے کا اجر و ثواب

''اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا'':

یعنی جن لوگوں نے نفاق سے توبہ کر لی اور انہوں نے دورانِ نفاق جو شرارتیں کی تھیں اُن سے اپنی اصلاح کر لی، اور اللہ عزوجل پر اس طرح اعتماد کیا جس طرح مخلص مومنین اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرتے ہیں اور اپنے دین سے صرف اللہ عزوجل کی رضا کا ارادہ کیا تو وہ اصحابِ مومنین کے ساتھ دنیا میں ہوں گے اور آخرت میں بھی اُن کے رفیق ہوں گے، اور عنقریب اللہ تعالیٰ مومنین کو اجرِ عظیم عطاء فرمائیں گے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''اور اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کریں گے! اگر تم شکر ادا کرو اور صحیح ایمان لے آؤ، اور اللہ قدر دانی فرمانے والے اور سب کچھ جاننے والے ہیں O'' (النساء: ۱۴۷)

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے بندوں پر آثار دیکھنے کی فضیلت میں احادیث

''مَا یَفۡعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمۡ اِنۡ شَکَرۡتُمۡ وَ اٰمَنۡتُمۡ'':

بعض مفسرین کے نزدیک اس آیت میں تقدیم اور تاخیر ہے، مراد یہ ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ پر صحیح ایمان لے آؤ اور اس کی تمام نعمتوں کا شکر ادا کرو اور ایمان لانا شکر کرنے پر مقدم ہے کیونکہ بغیر ایمان کے شکر بجالانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور یہ استفہام تقریری ہے یعنی اللہ تعالیٰ شکر گزار مومن کو عذاب نہیں دیں گے، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عذاب دیں تو اس سے اس کے ملک میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا، اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اُن کی بداعمالیوں پر کوئی سزا دیں تو اس سے اُن کی سلطنت میں کوئی کمی نہیں ہوگی، اور شکر کفر کی ضد ہے اور کُفر کا معنی ہے اللہ کی نعمت کو چھپانا اور شُکر کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اظہار کرنا۔

عمرو بن شعیب اپنے والد اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس سے محبت فرماتا ہے کہ وہ اپنی نعمت کا اثر اپنے بندہ پر دیکھے۔

(سنن ترمذی: ۲۸۱۹، مشکوٰۃ المصابیح: ۴۳۵۰، مسند احمد: ۶۶۶۹، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

(مسند احمد کی پوری روایت اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: کھاؤ، پیئو اور صدقہ کرو اور لباس پہنو، نہ لباس میں اسراف کرو اور نہ تکبر سے پہنو، کیونکہ اللہ تعالیٰ بندے کے اوپر اپنی نعمت کے دیکھنے کو پسند فرماتے ہیں۔)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ملاقات کے لیے آئے، آپ نے ایک مرد کو دیکھا جس کے بال بکھرے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا: کیا یہ مرد ایسی چیز کو نہیں پاتا جس سے یہ اپنے بالوں کو سنوار سکے، اور آپ نے ایک دوسرے مرد کو دیکھا جس نے میلے کپڑے پہنے ہوئے تھے تو آپ نے فرمایا: کیا یہ ایسی چیز کو نہیں پاتا جس سے اپنے کپڑوں کو دھو سکے۔

(سنن ابوداؤد: ۴۰۶۲، سنن نسائی: ۵۲۳۶، مسند احمد: ۱۴۴۳۶، داراحیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۵ھ، مشکوٰۃ المصابیح: ۴۳۵۱)

ابوالاحوص اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے کم قیمت کے کپڑے پہنے ہوئے تھے، آپ نے پوچھا: کیا تمہارے پاس مال ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! آپ نے پوچھا: کس قسم کا مال ہے؟ میں نے عرض کیا: میرے پاس ہر قسم کا مال ہے، اللہ تعالیٰ نے مجھے اونٹ عطاء فرمائے ہیں اور گائیں عطاء فرمائی ہیں اور بکریاں عطاء فرمائی ہیں اور غلام عطاء فرمائے ہیں، آپ نے فرمایا: پس جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں اتنا مال عطاء فرمایا ہے تو تم پر اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا اثر اور تم پر اللہ تعالیٰ کی اس عزت افزائی کا اثر دکھائی دینا چاہیے (یعنی تمہیں قیمتی اور خوبصورت لباس پہننا چاہیے)۔ (سنن ابوداؤد: ۴۰۶۳، سنن ترمذی: ۲۰۰۶، سنن نسائی: ۵۲۹۳، مشکوٰۃ المصابیح: ۴۳۵۲)

نعمتوں کا چرچا اور اس کے اظہار کے متعلق دلائل

لہٰذا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بندے پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں نظر آئیں، کیونکہ شکر کا معنی ہے

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اظہار کرنا اور کفر کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو چھپانا، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝ (الضحیٰ:۱۱)'' (اور اے رسولِ اکرم! آپ اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا اور اظہار کریں)۔

اور بندہ جب اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی قدر افزائی فرماتے ہیں اور نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی وجہ سے اس کی نعمتوں میں اضافہ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (ابراہیم:۷)'' (اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں یقیناً تمہیں اور زیادہ عطاء فرماؤں گا)۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شکر کو ایمان پر مقدم فرمایا ہے کیونکہ جب عقل والا اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں کو دیکھتا ہے تو اس کا اجمالاً شکر ادا کرتا ہے، پھر جب اس کی نظر منعم تک پہنچتی ہے تو پھر وہ اس پر ایمان لاتا ہے اور تفصیلاً شکر ادا کرتا ہے، سو اللہ تعالیٰ تمہاری شکر گزاری کو قبول فرمائیں گے اور اس کی قدر افزائی فرمائیں گے، لہٰذا وہ تھوڑے عمل کا زیادہ ثواب عطاء فرمائیں گے۔

(مدارک التنزیل ج۱ ص ۴۰۷۔۴۰۹، معالم التنزیل ج۱ ص ۴۱۷۔۴۱۶، واضافات المصنف)

اختتامیہ

تبیان الفرقان فی تفسیر القرآن کی جلد اول کی تکمیل

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا وسید المرسلین محمد اکرم الاولین والآخرین وعلی آلہ الطیبین الطاھرین واصحابہ الکاملین الراشدین وازواجہ امہات المومنین اجمعین۔

لا الہ الا اللہ العظیم الحلیم، لا الہ الا اللہ رب العرش العظیم، لا الہ الا اللہ رب السمٰوات ورب الارض ورب العرش الکریم، اللھم لاتکلنی الی نفسی طرفۃ عینی واصلح لی شانی کلہ لا الہ الا انت۔

۲رجب المرجب ۱۴۳۵ھ/ 2 مئی 2014ء بروز جمعۃ المبارک، میں نے ''تبیان الفرقان فی تفسیر القرآن'' کی ابتداء کی تھی، رب ذوالجلال والاکرام کالازوال کرم ہے کہ آج ۴ ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ/ 30 ستمبر 2014ء بروز منگل اس تفسیر کی پہلی جلد کی تکمیل ہوگئی۔ اوراس کی تصنیف اور تالیف میں کل پانچ ماہ کا عرصہ صرف ہوا، اور جو ایام بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دینِ متین کی خدمت میں صرف ہوجائیں دراصل وہی ایام زندگی کا سرمایہ ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے تبیان الفرقان کی پہلی جلد کو مکمل کرنے کی سعادت عطاء فرمائی ہے اسی طرح اپنے کرمِ عمیم سے مجھے اس تفسیر کی آخری جلد کی تکمیل کی دولت سے سرفراز فرمائیں۔

''تبیان الفرقان'' کی پہلی جلد کی کمپوزنگ حافظ محمد جمشید ہاشمی سلمہ اللہ تعالیٰ نے کی ہے اور اس کی پروف ریڈنگ محترم حافظ محمد اکرم ساجد زید علمہٗ نے فرمائی ہے اور میرے محب اور مکرم دوست سید عمیر الحسن البرنی زید فضلہٗ نے بھی للہ فی اللہ اس جلد کی مکمل پروف ریڈنگ کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو اپنے فضل وکرم سے نوازیں۔

اس تفسیر میں جو حسن اور کمال ہے وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عطاء اور فیضان ہے، اور اس میں جو خامی ہے وہ میرے مطالعہ کی کمی اور نظر واستدلال میں تقصیر کی وجہ ہے، قارئین سے درخواست ہے کہ وہ اس تفسیر کے مطالعہ کے دوران اگر میری کسی فروگزاشت پر مطلع ہوں تو مجھے مطلع فرمائیں، اور میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس تفسیر کو اپنی بارگاہ میں مشکور اور مسعود فرمائیں اور موافقین کے لیے اس تفسیر کو موجبِ استقامت بنائیں اور مخالفین اور منکرین کے لیے ذریعۂ ہدایت بنائیں۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز

احباب اور کرم فرماؤں کے لیے کلماتِ تشکر

سب سے پہلے میں حضرت الحاج محترم محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب دامت الطافہم کا سپاس گزار ہوں جنہوں نے میری خواہش کو پورا کرتے ہوئے تفسیر تبیان الفرقان کو نہایت حسین دورنگی طباعت سے مزیّن فرمایا، اُن کے علاوہ میں مفتی اعظم پاکستان علامہ منیب الرحمٰن زید فضلھم کا شکر گزار ہوں جنہوں نے مجھے اس تفسیر کی تصنیف کے دوران متعدد مشوروں سے نوازا اور دار العلوم نعیمیہ میں مجھے رہائش کی بہت سہولتیں عطاء فرمائیں جن کی وجہ سے میرے لیے اس تفسیر کے کام کو جاری رکھنا بے حد آسان

ہو گیا۔ ان کرم فرماؤں کے علاوہ میں محترم مولانا مختار احمد صاحب (انچارج ضیاء القرآن پبلی کیشنز، کراچی) کا بھی ممنون ہوں جو مجھے وقتاً فوقتاً اس تفسیر کی تصنیف کے سلسلہ میں کتابیں فراہم کرتے رہے، اور خصوصاً عالمی اسکالر مولانا حافظ عبدالمجید زید حبہم (برسٹل) کا معترفِ احسان ہوں جو میرے ساتھ ہمیشہ کی طرح فراہمیٔ کتب کے سلسلہ میں مسلسل تعاون فرماتے رہے، اور محترم مفتی محمد شمیم خان، مفتی محمد اسماعیل نورانی اور الحاج محمد شفیق قریشی کا بھی بے حد شکر گزار ہوں جو ہر دور میں میرے کام آتے رہے۔

ان احباب کے علاوہ سید جمیل الرحمٰن شاہ صاحب (کامونکی)، سید محمد اشرف (ناروے)، ڈاکٹر خالد اعوان (ورجینیا، امریکا)، مولانا عارف سعیدی (لندن)، اور میری حقیقی بہن محترمہ شمیم اختر (کراچی) اور میری دینی بہن محترمہ ثمینہ (برسٹل)، اور عزیزہ سعدیہ کوثر (پروفیسر سائیکلوجی، لندن) کا بھی متشکر ہوں جو مجھے ہمیشہ دعاؤں سے نوازتے رہے ہیں اور اُن کی پُر خلوص دعاؤں کی وجہ سے میری صحت قائم رہی ہے اور میں مسلسل دین کے کاموں میں مشغول رہا ہوں، اللہ تعالیٰ ان تمام کرم فرماؤں اور محبین کو اور مجھے اور میرے قارئین کو اور میرے والدین، میرے اساتذہ، میرے اقرباء، میرے احباب اور میرے تلامذہ کو دنیا اور آخرت میں کامیابی اور کامرانی سے ہمیشہ ہمکنار رکھیں اور ہماری لغزشوں اور خطاؤں سے درگزر فرمائیں، اور دوزخ کے عذاب سے بچائے رکھیں اور ہمیں اپنے فضل و کرم سے اور اپنے حبیبِ کریم رؤف رحیم کی شفاعت سے جنت الفردوس عطاء فرمائیں۔ آمین یارب العالمین

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ
خادم الحدیث دارالعلوم نعیمیہ
بلاک 15، فیڈرل بی ایریا، کراچی 38
۴ ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ/30 ستمبر 2014ء

تبیان الفرقان فی تفسیر القرآن جلد اول کی ڈائری

افتتاح: ۲ رجب المرجب ۱۴۳۵ھ/ 2 مئی 2014ء بروز جمعۃ المبارک

اختتام: ۴ ذی الحجہ ۱۴۳۵ھ/ 30 ستمبر 2014ء بروز منگل

تقویم میلادی	تقویم ہجری	دن	ایک ماہ کے صفحات	کل صفحات
2 مئی 2014ء	۲ رجب المرجب ۱۴۳۵ھ	جمعۃ المبارک	=	=
یکم جون 2014ء	۲ شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ	اتوار	۱۴۰	۱۴۰
یکم جولائی 2014ء	۲ رمضان المبارک ۱۴۳۵ھ	منگل	۱۸۰	۳۲۰
یکم اگست 2014ء	۴ شوال المعظم ۱۴۳۵ھ	جمعۃ المبارک	۲۱۰	۵۳۰
یکم ستمبر 2014ء	۵ ذوالقعدہ ۱۴۳۵ھ	پیر	۲۲۲	۷۵۲
30 ستمبر 2014ء	۴ ذوالحجہ ۱۴۳۵ھ	بدھ	۲۲۸	۹۸۱

مصادر التحقیق فی تبیان الفرقان

کتب سماویہ

۱۔	قرآن مجید فرقان حمید
۲۔	تورات
۳۔	زبور
۴۔	انجیل

کتب تفاسیر اہل السنۃ والمعتزلۃ

الرقم المسلسل	اسم الکتاب	اسم المصنف	اسم المطبع
۵	تفسیر ابن عباس من افاضات الفیروزآبادی	حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ	المکتبۃ العصریہ، ۱۴۳۳ھ
۶	معانی القرآن	امام ابوزکریا یحییٰ بن زیاد فراء حنفی المتوفی ۲۰۷ھ	-----بیروت
۷	تفسیر ابوبکر الاصم	عبدالرحمٰن بن کیسان المعتزلی المتوفی ۲۲۵ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ھ
۸	تفسیر ابوعلی الجبائی	ابوعلی الجبائی المعتزلی المتوفی ۳۰۳ھ	دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۸ھ
۹	جامع البیان	امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ	دارعالم الکتب، ریاض، ۱۴۳۴ھ
۱۰	تفسیر الکعبی البلخی	ابوالقاسم الکعبی البلخی المعتزلی المتوفی ۳۱۹ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ھ
۱۱	تفسیر ابومسلم	ابومسلم محمد بن بحر الاصفہانی المعتزلی المتوفی ۳۲۲ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ھ
۱۲	تفسیر القرآن العظیم	امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم الرازی المتوفی ۳۲۷ھ	نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۷ھ
۱۳	تاویلات اہل السنۃ	امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ
۱۴	احکام القرآن	امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص المتوفی ۳۷۰ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۴ھ
۱۵	بحر العلوم	ابواللیث نصر بن محمد بن احمد السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ
۱۶	تفسیر ابوالحسن الرمانی	ابوالحسن الرمانی علی بن عیسیٰ المعتزلی المتوفی ۳۸۴ھ	دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۸ھ
۱۷	تفسیر القرآن العزیز	ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن ابی زمنین المتوفی ۳۹۹ھ	الفاروق الحدیثیۃ للطباعۃ والنشر، قاہرہ، ۱۴۲۶ھ

۱۸	التفسیر الکبیر او التفسیر المحیط	القاضی عبد الجبار المعتزلی المتوفی ۴۱۵ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ھ
۱۹	الکشف والبیان	امام ابواسحاق احمد بن محمد الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ	داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۲ھ
۲۰	النکت والعیون	علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی البصری المتوفی ۴۵۰ھ	موسسۃ الکتب الثقافیۃ، بیروت
۲۱	لطائف الاسرار	امام ابوالقاسم بن ہوازن القشیری الشافعی المتوفی ۴۶۵ھ	دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۰ھ
۲۲	اسباب نزول القرآن	ابوالحسن علی بن احمد الواحدی المتوفی ۴۶۸ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۳	الوسیط	علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری المتوفی ۴۶۸ھ	دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ
۲۴	تفسیر القرآن	علامہ ابوالمظفر السمعانی الشافعی المتوفی ۴۸۹ھ	دارالوطن، ریاض ۱۴۱۸ھ
۲۵	معالم التنزیل	علامہ ابومحمد الحسین بن مسعود الفرّاء البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ھ	داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ
۲۶	الکشاف عن حقائق التنزیل	علامہ محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی المتوفی ۵۳۸ھ	داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۷ھ
۲۷	المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز	ابومحمد عبدالحق بن عطیہ الاندلسی المتوفی ۵۴۱ھ	دارابن حزم، ۱۴۲۳ھ
۲۸	احکام القرآن	علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۸ھ
۲۹	زاد المسیر فی علم التفسیر	علامہ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی بن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ	دارالکتاب العربی، بیروت، ۱۴۳۱ھ
۳۰	التفسیر الکبیر	امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ	داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ
۳۱	اسرار التنزیل وانوار التاویل (تفسیر صغیر)	امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ	دارالکتب الوثاق، بغداد، عراق ۱۹۹۰ء
۳۲	تفسیر القرآن العظیم	علامہ ابوالحسن علی بن محمد علم الدین السخاوی الشافعی المتوفی ۶۴۲ھ	دارالنشر للجامعات، القاہرہ، ۱۴۳۰ھ
۳۳	الجامع لاحکام القرآن	علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ	دارالکتاب العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ
۳۴	انوار التنزیل واسرار التاویل	قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ۶۸۵ھ	دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۶ھ
۳۵	عنایۃ القاضی وکفایۃ الراضی	قاضی شہاب الدین احمد بن محمد بن عمر الخفاجی المتوفی ۱۰۶۹ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۷ھ

نمبر	کتاب	مصنف	ناشر
۳۶	مدارک التنزیل	علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ	دارابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ
۳۷	لباب التاویل فی معانی التنزیل (تفسیر خازن)	علامہ علاؤالدین علی بن محمد البغدادی الشہیر بالخازن المتوفی ۷۲۵ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۰ء
۳۸	تفسیر غرائب القرآن ورغائب الفرقان	علامہ نظام الدین الحسن بن محمد بن حسین القمی النیشاپوری المتوفی ۷۲۸ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ
۳۹	فتوح الغیب حاشیۃ علی الکشاف	امام شرف الدین الحسین بن عبداللہ الطیبی الشافعی المتوفی ۷۴۳ھ	جائزۃ دبئی الدولیۃ للقرآن الکریم، ۱۴۳۴ھ
۴۰	البحرالمحیط فی التفسیر	علامہ محمد بن یوسف الشہیر بابی حیان الاندلسی المالکی المتوفی ۷۵۴ھ	دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۲ھ
۴۱	تفسیر القرآن العظیم	حافظ اسماعیل بن کثیر الشافعی الدمشقی المتوفی ۷۷۴ھ	دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۹ھ
۴۲	اللباب فی علوم الکتاب	علامہ ابوحفص عمر بن علی الدمشقی الحنبلی المتوفی ۸۸۰ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۱۱ء
۴۳	تفسیر جلالین	حافظ جلال الدین سیوطی شافعی متوفی ۹۱۱ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت
۴۴	الدرالمنثور فی التفسیر بالماثور	حافظ جلال الدین سیوطی شافعی متوفی ۹۱۱ھ	داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ
۴۵	فتح الرحمٰن فی تفسیر القرآن	القاضی مجیرالدین بن محمد العلیمی المقدسی الحنبلی المتوفی ۹۲۸ھ	دارالنوادر، لبنان، ۱۴۳۲ھ
۴۶	حاشیۃ شیخ زادہ علی البیضاوی	علامہ محمد بن مصباح الدین مصطفیٰ القوجوی الحنفی المتوفی ۹۵۱ھ	دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ
۴۷	السراج المنیر	الشیخ الخطیب الشربینی الشافعی المتوفی ۹۷۷ھ	داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۵ھ
۴۸	ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم	قاضی ابوسعود محمد بن محمد بن مصطفیٰ العمادی الحنفی المتوفی ۹۸۲ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ
۴۹	التفسیرات الاحمدیہ	علامہ مولوی رحیم بخش المتوفی ۱۱۳۰ھ	مکتبہ حقانیہ، پشاور
۵۰	روح البیان	علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ	داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ
۵۱	تفسیر المظہری	القاضی محمد ثناء اللہ العثمانی الحنفی المظہری المتوفی ۱۲۲۵ھ	مکتبہ حنفیہ کوئٹہ، ۱۴۲۵ھ
۵۲	حاشیۃ الصاوی علی الجلالین	علامہ احمد بن محمد الصاوی المصری المالکی المتوفی ۱۲۴۱ھ	دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ

۵۳	فتح القدیر	محمد بن علی بن محمد الشوکانی المتوفی ۱۲۵۰ھ	دارالوفاء، المنصورہ، ۱۴۱۸ھ
۵۴	روح المعانی	علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ	دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ
۵۵	فتح البیان	صدیق حسن بھوپالی (غیر مقلد) متوفی ۱۳۰۷ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ
۵۶	تفسیر القرآن وھوالھدی والفرقان	سرسید احمد خان متوفی ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء	سرسید ریسرچ اکیڈمی، لاہور ۲۰۱۰ء
۵۷	حاشیۃ القرآن	شیخ محمود الحسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ	دارالتصنیف، شاہراہ لیاقت، کراچی
۵۸	مجموعہ تفاسیر فراہی	امام حمید الدین فراہی متوفی ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء	فاران فاؤنڈیشن، لاہور ۲۰۰۸ء
۵۹	تفسیر بیان القرآن	شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی متوفی ۱۳۶۴ھ	مکتبہ رحمانیہ، لاہور
۶۰	خزائن العرفان	علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ	مکتبۃ المدینہ، کراچی، ۱۴۳۲ھ
۶۱	المقتطف من عیون التفاسیر	علامہ مصطفیٰ الخیری الحصنی المنصوری الحنفی المتوفی ۱۳۹۰ھ	دارالقلم، دمشق ۱۴۱۶ھ
۶۲	نور العرفان	مفتی احمد یار خان نعیمی حنفی متوفی ۱۳۹۱ھ	دارالکتب الاسلامیہ، گجرات
۶۳	تفسیر ماجدی	مولانا عبدالماجد دریا آبادی متوفی ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء	پاک کمپنی، لاہور
۶۴	تفہیم القرآن	سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ	ادارہ ترجمان القرآن، لاہور ۲۰۱۲ء
۶۵	التبیان العظیم فی تفسیر سورۃ التحریم	علامہ سید احمد سعید کاظمی حنفی متوفی ۱۴۰۶ھ	فانوس پبلی کیشنز، پاکستان، ۲۰۰۳ء
۶۶	مطالب الفرقان	غلام احمد پرویز متوفی ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۵ء	ادارہ طلوع اسلام، لاہور، ۱۹۸۱ھ
۶۷	مطالب القرآن	غلام احمد پرویز متوفی ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۵ء	ادارہ طلوع اسلام، لاہور، ۲۰۱۲ء
۶۸	تدبر قرآن	شیخ امین احسن اصلاحی متوفی ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء	فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۴۳۴ھ
۶۹	ضیاء القرآن	جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری حنفی متوفی ۱۴۱۸ھ	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
۷۰	سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی	علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی حنفی	گلوبل اسلامک مشن، نیویارک (USA) ۱۴۳۰ھ
۷۱	معالم العرفان	شیخ صوفی عبدالحمید سواتی متوفی ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء	مکتبہ دروس القرآن، گوجرانوالہ، ۱۴۳۴ھ
۷۲	البیان	جاوید احمد غامدی	المورد، لاہور، ۲۰۱۰ء
۷۳	التفسیر المنیر	الاستاذ الدکتور وھبہ الزحیلی	دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۱ھ
۷۴	تذکیر القرآن	مولانا وحید الدین خان	دارالتذکیر، لاہور، ۲۰۰۹ء

۷۵	آسان ترجمہ قرآن وتشریحات کے ساتھ	مفتی محمد تقی عثمانی	مکتبہ معارف القرآن، کراچی

کتب تفاسیر الشیعہ

۷۶	تفسیر القمی	ابو الحسن علی بن ابراہیم القمی المتوفی ۳۲۹ھ	موسسۃ الاعلمی، بیروت، ۱۴۳۵ھ
۷۷	التبیان فی تفسیر القرآن	ابو جعفر محمد بن الحسن الطوسی المتوفی ۴۶۰ھ	دار احیاء التراث العربی، بیروت
۷۸	مجمع البیان فی تفسیر القرآن	شیخ ابو علی الفضل بن الحسن الطبرسی المتوفی فی القرن السادس	دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۰۶ھ
۷۹	المیزان فی تفسیر القرآن	محمد حسین طباطبائی المتوفی ۱۴۰۲ھ	دار الکتب الاسلامیہ، طہران، ۱۳۹۷ھ

کتب احادیث اہل السنۃ

۸۰	مسند امام اعظم	امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ	المکتبۃ الامدادیہ، مکہ مکرمہ ۱۴۳۱ھ
۸۱	موطا امام مالک	امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ	دار الحدیث، قاہرہ، ۱۴۲۶ھ
۸۲	موطا امام مالک	امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ	دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ
۸۳	موطا امام مالک	امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ	المکتبۃ التوفیقیۃ
۸۴	کتاب الزہد	امام عبد اللہ بن مبارک حنفی متوفی ۱۸۱ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت
۸۵	کتاب الآثار	امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم حنفی متوفی ۱۸۳ھ	مکتبہ عصریہ، سانگلہ ہل
۸۶	کتاب الآثار	امام محمد بن حسن شیبانی حنفی متوفی ۱۸۹ھ	ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۰۷ھ
۸۷	موطا امام محمد	امام محمد بن حسن شیبانی حنفی متوفی ۱۸۹ھ	نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی
۸۸	المسند	امام محمد بن ادریس الشافعی المتوفی ۲۰۴ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۰ھ
۸۹	مسند ابو داؤد الطیالسی	امام سلیمان بن داؤد شافعی متوفی ۲۰۴ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۵ھ
۹۰	کتاب المغازی	امام محمد بن عمر بن واقد شافعی متوفی ۲۰۷ھ	عالم الکتب، بیروت، ۱۴۰۴ھ
۹۱	مصنف عبد الرزاق	امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ
۹۲	مسند ابو عوانہ	ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق الاسفرائنی متوفی ۲۱۶ھ	دار المعرفہ، بیروت
۹۳	مسند الحمیدی	امام عبد اللہ بن الزبیر حمیدی شافعی متوفی ۲۱۹ھ	عالم الکتب، بیروت
۹۴	سنن سعید بن منصور	امام سعید بن منصور خراسانی مکی شافعی متوفی ۲۲۷ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۸ھ
۹۵	مصنف ابن ابی شیبہ	امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی متوفی ۲۳۵ھ	ادارۃ القرآن، کراچی ۱۴۰۶

۹۶	مصنف ابن ابی شیبہ	امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی متوفی ۲۳۵ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ
۹۷	مصنف ابن ابی شیبہ (محمد عوامۃ)	امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی متوفی ۲۳۵ھ	المجلس العلمی، دارقرطبہ، بیروت ۱۴۲۷ھ
۹۸	مسند احمد	امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۳ھ
۹۹	مسند احمد	امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ	داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ
۱۰۰	مسند احمد	امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ	عالم الکتب، بیروت، ۱۴۱۹ھ
۱۰۱	مسند احمد	امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ	موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ
۱۰۲	سنن دارمی	امام ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی شافعی متوفی ۲۵۵ھ	دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ
۱۰۳	صحیح البخاری	امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی متوفی ۲۵۶ھ	مکتبہ دارالعلم الحدیث، ۱۴۲۶ھ
۱۰۴	صحیح البخاری	امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی متوفی ۲۵۶ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ
۱۰۵	صحیح البخاری	امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی متوفی ۲۵۶ھ	دارارقم، بیروت
۱۰۶	صحیح البخاری	امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی متوفی ۲۵۶ھ	المکتبۃ العصریہ، بیروت، ۱۴۳۱ھ
۱۰۷	صحیح البخاری	امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی متوفی ۲۵۶ھ	دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ
۱۰۸	صحیح البخاری	امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی متوفی ۲۵۶ھ	موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۳۱ھ
۱۰۹	صحیح البخاری	امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی متوفی ۲۵۶ھ	دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۵ھ
۱۱۰	صحیح البخاری	امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی متوفی ۲۵۶ھ	دارابن الجوزی، القاہرہ، ۲۰۰۹ء
۱۱۱	الادب المفرد	امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی متوفی ۲۵۶ھ	دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۱۲ھ
۱۱۲	صحیح مسلم	امام ابوالحسین مسلم بن حجاج القشیری الشافعی متوفی ۲۶۱ھ	دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۳۱ھ
۱۱۳	سنن ابن ماجہ	امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ شافعی متوفی ۲۷۳ھ	المکتبۃ العصریہ، بیروت، ۱۴۳۱ھ
۱۱۴	سنن ابوداؤد	امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ	المکتبۃ التوفیقۃ، القاہرہ، ۲۰۱۰ء
۱۱۵	سنن ترمذی	امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی متوفی ۲۷۹ھ	دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۵ھ
۱۱۶	سنن ترمذی	امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی متوفی ۲۷۹ھ	مکتبۃ العصریہ، بیروت، ۱۴۳۰ھ
۱۱۷	شمائل محمدیہ	امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی متوفی ۲۷۹ھ	المکتبۃ التجاریہ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۵ھ
۱۱۸	موسوعۃ الامام ابن ابی الدنیا	حافظ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن عبید بن سفیان القرشی المعروف بہ ابن ابی الدنیا المتوفی ۲۸۱ھ	المکتبۃ العصریہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ

۱۱۹	الاحاد والمثانی	امام ابن ابی عاصم شافعی متوفی ۲۸۷ھ	دارالرایۃ، ریاض، ۱۴۱۱ھ
۱۲۰	البحر الذخار المعروف بہ المسند البزار	امام احمد عمرو بن عبدالخالق بزار شافعی متوفی ۲۹۲ھ	موسسۃ الرسالہ، بیروت
۱۲۱	سنن نسائی	عبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی شافعی متوفی ۳۰۳ھ	دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ
۱۲۲	عمل الیوم واللیلۃ	عبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی شافعی متوفی ۳۰۳ھ	موسسۃ الکتب الثقافیہ، بیروت، ۱۴۰۸ھ
۱۲۳	السنن الکبریٰ	عبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی شافعی متوفی ۳۰۳ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۱ھ
۱۲۴	السنن الکبریٰ	عبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی شافعی متوفی ۳۰۳ھ	موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ
۱۲۵	مسند ابویعلیٰ موصلی	امام احمد بن عالی المثنیٰ التمیمی الشافی التوفی ۳۰۷ھ	دارالمامون التراث، ۱۴۰۴ھ
۱۲۶	المنتقیٰ	امام عبداللہ بن علی بن جارود نیشاپوری شافعی متوفی ۳۰۷ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۷ھ
۱۲۷	صحیح ابن خزیمہ	امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ شافعی متوفی ۳۱۱ھ	مکتب اسلامی، بیروت، ۱۳۹۵ھ
۱۲۸	مسند ابوعوانہ	امام ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق شافعی متوفی ۳۱۶ھ	دارالباز، مکہ مکرمہ
۱۲۹	تحفۃ الاخیار	امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی متوفی ۳۲۱ھ	داربلنسیہ، ریاض ۱۴۲۰ھ
۱۳۰	مشکل الآثار	امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی متوفی ۳۲۱ھ	دارالباز، ۱۴۱۵ھ
۱۳۱	شرح معانی الآثار	امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی متوفی ۳۲۱ھ	قدیمی کتب خانہ، کراچی
۱۳۲	شرح مشکل الآثار	امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی متوفی ۳۲۱ھ	موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۷ھ
۱۳۳	مسند الطحاوی	امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی متوفی ۳۲۱ھ	مکتبۃ الحرمین، دبئی، ۱۴۲۶ھ
۱۳۴	کتاب الضعفاء الکبیر	امام ابوجعفر محمد بن عمرو العقیلی شافعی متوفی ۳۲۲ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ
۱۳۵	الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان	امام ابوحاتم محمد بن حبان البستی الشافعی التوفی ۳۵۴ھ	موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۰۷ھ
۱۳۶	کتاب الشریعہ	امام ابوبکر محمد بن الحسین بن عبداللہ الآجری الشافعی التوفی ۳۶۰ھ	موسسۃ الریان، ۱۴۲۹ھ
۱۳۷	المعجم الصغیر	امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی الشافعی التوفی ۳۶۰ھ	مکتبہ سلفیہ، مدینہ منورہ، ۱۳۸۸ھ
۱۳۸	المعجم الصغیر	امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی الشافعی التوفی ۳۶۰ھ	دارالکتب العلمیہ بیروت
۱۳۹	المعجم الکبیر	امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی الشافعی التوفی ۳۶۰ھ	داراحیاء التراث العربی، بیروت

۱۴۰	المعجم الاوسط	امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی الشافعی التوفی ۳۶۰ھ	مکتبۃ المعارف، ریاض، دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۰ھ
۱۴۱	مسند الشامیین	امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی الشافعی التوفی ۳۶۰ھ	مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۰۹ھ
۱۴۲	کتاب عمل الیوم واللیلۃ	حافظ ابوبکر احمد بن محمد بن اسحاق الدینوری المعروف بہ ابن السنی شافعی متوفی ۳۶۴ھ	مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، ۱۴۰۸ھ
۱۴۳	الکامل فی ضعفاء الرجال	امام عبداللہ بن عدی الجرجانی الشافعی التوفی ۳۶۵ھ	دارالفکر، بیروت، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ
۱۴۴	الناسخ والمنسوخ	امام ابوحفص عمر بن احمد المعروف بہ ابن الشاہین التوفی ۳۸۵ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۲ھ
۱۴۵	سنن الدارقطنی	حافظ علی بن عمر الدارقطنی متوفی ۳۸۵ھ	دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۲ھ
۱۴۶	المستدرک علی الصحیحین	امام عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری شافعی متوفی ۴۰۵ھ	دارالباز، مکہ مکرمہ، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۷ھ، المکتبۃ العصریہ، بیروت، ۱۴۲۰ھ
۱۴۷	کتاب المغازی	امام ابوعبداللہ محمد بن عمر الواقدی التوفی ۴۰۷ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ
۱۴۸	حلیۃ الاولیاء	امام ابونعیم احمد بن عبداللہ شافعی متوفی ۴۳۰ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ، دارالکتب العربی، ۱۴۰۷ھ
۱۴۹	دلائل النبوۃ لابی نعیم	امام ابونعیم احمد بن عبداللہ شافعی متوفی ۴۳۰ھ	دارالنفائس، بیروت
۱۵۰	سنن کبریٰ	امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی متوفی ۴۵۸ھ	نشر السنۃ، ملتان
۱۵۱	کتاب الاسماء والصفات	امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی متوفی ۴۵۸ھ	داراحیاء التراث العربی، بیروت
۱۵۲	معرفۃ السنن والآثار	امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی متوفی ۴۵۸ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت
۱۵۳	دلائل النبوۃ للبیہقی	امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی متوفی ۴۵۸ھ	دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۳ھ
۱۵۴	کتاب فضائل الاوقات	امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی متوفی ۴۵۸ھ	مکتبۃ المینارہ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۰ھ
۱۵۵	شعب الایمان	امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی متوفی ۴۵۸ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۱ھ
۱۵۶	الجامع لشعب الایمان	امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی متوفی ۴۵۸ھ	مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۲۳ھ
۱۵۷	کتاب البعث والنشور	امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی متوفی ۴۵۸ھ	دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۴ھ
۱۵۸	جامع بیان العلم وفضلہ	امام ابوعمر یوسف بن عبدالبر قرطبی مالکی متوفی ۴۶۳ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت

نمبر	کتاب	مصنف	مطبع
۱۵۹	الجمع بین الصحیحین	امام محمد بن فتوح الحمیدی الشافعی المتوفی ۴۸۸ھ	دار ابن حزم، ۱۴۲۳ھ
۱۶۰	الفردوس بماثور الخطاب	امام ابوشجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی الشافعی متوفی ۵۰۹	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۶ھ
۱۶۱	شرح السنہ	امام حسین بن مسعود بغوی شافعی متوفی ۵۱۶ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۲ھ
۱۶۲	تاریخ دمشق الکبیر	امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر شافعی متوفی ۵۷۱ھ	داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ
۱۶۳	جامع المسانید	امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ	مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۲۶ھ
۱۶۴	جامع الاصول	امام مجد الدین بن محمد الشیبانی المعروف بہ ابن الاثیر الجذری شافعی متوفی ۶۰۶ھ	دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۳۲ھ
۱۶۵	الترغیب والترہیب	امام زکی الدین عبدالعزیز بن عبدالقوی المنذری الشافعی المتوفی ۶۵۶ھ	دار الحدیث، قاہرہ، ۱۴۰۷ھ، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۱۴ھ
۱۶۶	التذکرۃ فی امور الآخرۃ	علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ	دار البخاری، مدینہ منورہ
۱۶۷	الاذکار من کلام سید الابرار	علامہ محی الدین ابوزکریاء یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ	مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ
۱۶۸	ریاض الصالحین	علامہ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ	قدیمی کتب خانہ، کراچی
۱۶۹	اللباب فی الجمع بین السنۃ والکتاب	علامہ ابومحمد علی بن زکریا المنبجی الحنفی المتوفی ۶۸۶ھ	دار خضر، بیروت، ۱۴۱۹ھ
۱۷۰	مشکوٰۃ المصابیح	امام محی الدین تبریزی شافعی متوفی ۷۴۲ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ
۱۷۱	مشکوٰۃ المصابیح	امام محی الدین تبریزی شافعی متوفی ۷۴۲ھ	دار ابن حزم، بیروت، ۱۴۲۳ھ
۱۷۲	شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام	امام علی بن عبدالکافی تقی الدین سبکی الشافعی المتوفی ۷۴۶ھ	الدائرۃ المعارف النظامیہ، حیدرآباد دکن، انڈیا
۱۷۳	جلاء الافہام فی فضل الصلوٰۃ والسلام علیٰ محمد خیر الانام	علامہ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن ابوبکر المعروف بہ ابن القیم الجوزیہ الحنبلی المتوفی ۷۵۱ھ	دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۱۷ھ

۱۷۴	نصب الرایہ	حافظ جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعی حنفی متوفی ۷۶۲ھ	مجلس علمی سورۃ ہند، ۱۳۵۷ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ
۱۷۵	احوال القبور واحوال اہلہا الی النشور	حافظ ابوالفرج زین الدین عبدالرحمن بن احمد بن رجب الحنبلی البغدادی الدمشقی، متوفی ۷۹۵ھ	دارالکتب العربی، بیروت، ۱۴۱۸ھ
۱۷۶	مجمع الزوائد	حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی المتوفی ۸۰۷ھ	دارالکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۲ھ، دارالفکر بیروت ۱۴۱۴ھ
۱۷۷	کشف الاستار	حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی المتوفی ۸۰۷ھ	موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۰۴ھ
۱۷۸	اتحاف الخیرۃ المہرۃ بزوائد المسانید العشرۃ	امام ابوالعباس احمد بن ابوبکر بوصیری شافعی متوفی ۸۴۰ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۲ھ
۱۷۹	المطالب العالیہ	حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ	دارالباز مکہ مکرمہ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ
۱۸۰	تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث رافعی الکبیر	حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ	نزارِ مصطفی الباز، مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ
۱۸۱	نزہۃ المجالس ومنتخب النفائس	امام عبدالرحمٰن بن عبدالسلام بن عبدالرحمٰن بن عثمان الصفوری الشافعی المتوفی ۸۹۴ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ
۱۸۲	القول البدیع فی الصلوٰۃ علی الحبیب الشفیع	حافظ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی الشافعی، متوفی ۹۰۲ھ	مکتبۃ المؤید، دمشق، ۱۴۰۸ھ
۱۸۳	الجامع الصغیر	حافظ جلال الدین سیوطی شافعی متوفی ۹۱۱ھ	دارالمعرفہ، بیروت، ۱۳۹۱ھ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ
۱۸۴	جامع الاحادیث الکبیر	حافظ جلال الدین سیوطی شافعی متوفی ۹۱۱ھ	دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۴ھ
۱۸۵	جمع الجوامع	حافظ جلال الدین سیوطی شافعی متوفی ۹۱۱ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ
۱۸۶	البدور السافرہ	حافظ جلال الدین سیوطی شافعی متوفی ۹۱۱ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ، دارابن حزم بیروت، ۱۴۱۴ھ
۱۸۷	شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور	حافظ جلال الدین سیوطی شافعی متوفی ۹۱۱ھ	دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ

۱۸۸	الخصائص الکبریٰ	حافظ جلال الدین سیوطی شافعی متوفی ۹۱۱ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۵ھ
۱۸۹	کنز العمال	علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری متوفی ۹۷۵ھ	موسسۃ الرسالہ، بیروت

کتب شروح حدیث

۲۰۰	فتح الباری	حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ	دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور
۲۰۱	عمدۃ القاری	حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ

کتب لغت

۲۰۲	کتاب العین	امام اللغۃ خلیل بن احمد فراہیدی متوفی ۱۷۵ھ	انتشارات اسوہ، ایران، ۱۴۱۴ھ
۲۰۳	الصحاح	علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری الشافعی المتوفی ۳۹۸ھ	دار العلم، بیروت، ۱۴۰۴ھ
۲۰۴	المفردات	علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی شافعی متوفی ۵۰۲ھ	مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ
۲۰۵	نہایہ	علامہ محمد بن اثیر الجزری الشافعی متوفی ۶۰۶ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ
۲۰۶	مختار الصحاح	علامہ محمد بن ابوبکر بن عبد القادر رازی حنفی متوفی ۶۶۰ھ	دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ
۲۰۷	لسان العرب	علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ	دار صادر، بیروت، ۲۰۰۳ء
۲۰۸	کتاب التعریفات	علامہ علی بن محمد بن علی الجرجانی الحنفی المتوفی ۸۱۶ھ	دار الفکر، بیروت
۲۰۹	القاموس المحیط	علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ	دار احیاء التراث العربی، بیروت
۲۱۰	مجمع بحار الانوار	علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی متوفی ۹۸۶ھ	مکتبہ دار الایمان، مدینہ منورہ ۱۴۱۵ھ
۲۱۱	تاج العروس	علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ	دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۳۳ھ
۲۱۲	لغات القرآن	غلام احمد پرویز متوفی ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۵ء	ادارہ طلوع اسلام گلبرگ، لاہور ۱۹۸۴ء
۲۱۳	دستور العلماء	قاضی عبد النبی بن عبد الرسول احمد نگری حنفی	دار الکتب الاسلامیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ

کتب تاریخ، سیرت وفضائل

۲۱۴	الشفاء	قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفی ۵۴۴ھ	عبد التواب اکیڈمی، ملتان، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ

نمبر	کتاب	مصنف	ناشر
۲۱۵	اسد الغابۃ	علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بہ ابن الاثیر شافعی متوفی ۶۳۰ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، دارالفکر، بیروت
۲۱۶	الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ	امام ابوجعفر احمد الشہیر بالمحب الطبری التوفی ۶۹۴ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۱۷	الاصابہ	حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۱۸	وفاء الوفاء	علامہ نورالدین علی بن احمد سمہودی شافعی متوفی ۹۱۱ھ	داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۱ھ
۲۱۹	المواہب اللدنیۃ	علامہ احمد قسطلانی شافعی متوفی ۹۱۱ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۶ھ
۲۲۰	سبل الہدیٰ والرشاد	علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی التوفی ۹۴۲ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۴ھ
	کتب فقہ حنفی وفقہ حنبلی		
۲۲۱	بدائع الصنائع	علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی متوفی ۵۸۷ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ، ایچ ایم سعید، کمپنی، کراچی
۲۲۲	ہدایہ اولین وآخرین	علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی شافعی متوفی ۵۹۳ھ	شرکت علمیہ، ملتان
۲۲۳	المحیط البرہانی	علامہ برہان الدین محمود بن صدر الشریعہ ابن مازہ البخاری متوفی ۶۱۶ھ	ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۲۴ھ
۲۲۴	المغنی	علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ متوفی ۶۲۰ھ	دارالحدیث، القاہرہ، ۱۴۲۵ھ
۲۲۵	الشرح الکبیر	شمس الدین عبدالرحمٰن بن محمد ابن احمد بن قدامہ المقدسی المتوفی ۶۸۲ھ	دارالحدیث، القاہرہ، ۱۴۲۵ھ
۲۲۶	بنایہ	علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ	دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۱ھ
۲۲۷	البحر الرائق	علامہ زین الدین ابن نجیم متوفی ۹۷۰ھ	علمیہ، مصر ۱۳۱۱ھ
۲۲۸	الدر المختار	علامہ علاؤالدین محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ	داراحیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۲۶ھ
۲۲۹	ردالمحتار	علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ	داراحیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۹ھ
۲۳۰	احسن الفتاویٰ	شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی متوفی ۱۳۲۳ھ	ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی ۱۴۲۵ھ
	کتب احادیث شیعہ		
۲۳۱	الاصول من الکافی	شیخ ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ	دارالاضواء، ۱۴۳۱ھ

۲۳۲	الفروع من الکافی	شیخ ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ	دارالاضواء، ۱۴۳۱ھ
۲۳۳	تہذیب الاحکام	شیخ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی متوفی ۴۶۰ھ	دارالاضواء، ۱۴۳۱ھ
۲۳۴	الاستبصار	شیخ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی متوفی ۴۶۰ھ	دارالاضواء، ۱۴۳۱ھ

کتب فقہ شیعہ وکلامیہ

۲۳۵	وسائل الشیعہ الی تحصیل مسائل الشریعہ	محمد بن حسن بن علی بن الحسین الحر العاملی المتوفی ۱۱۰۴ھ	موسسۃ الاعلمی للمطبوعات، بیروت، ۱۴۲۷ھ
۲۳۶	حق الیقین	ملاباقر بن محمد تقی مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ	خیابان ناصر خسرو، ایران
۲۳۷	جلاء العیون	ملاباقر بن محمد تقی مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ	انصاف پریس، لاہور
۲۳۸	حیات القلوب	ملاباقر بن محمد تقی مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ	حمایت اہل بیت، وقف، لاہور

کتب متفرقہ

۲۳۹	نسائیات	پروفیسر ڈاکٹر محمد شکیل اوج متوفی ۱۴۳۵ھ	کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی، جون ۲۰۱۲ء
۲۴۰	افکارِ شگفتہ	پروفیسر ڈاکٹر محمد شکیل اوج متوفی ۱۴۳۵ھ	فیکلٹی آف اسلامک اسٹڈیز، جامعہ کراچی، اپریل ۲۰۱۴ء